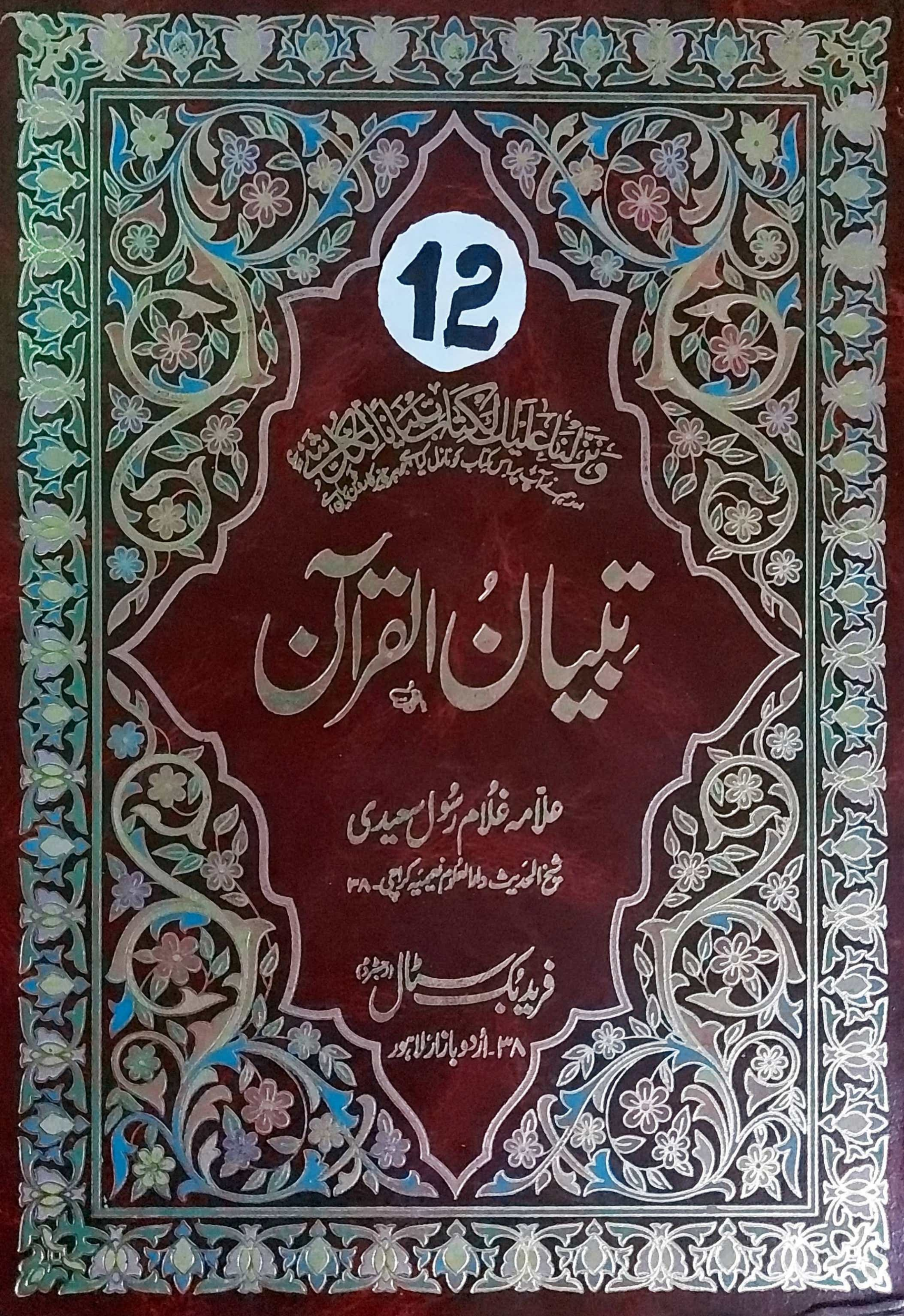
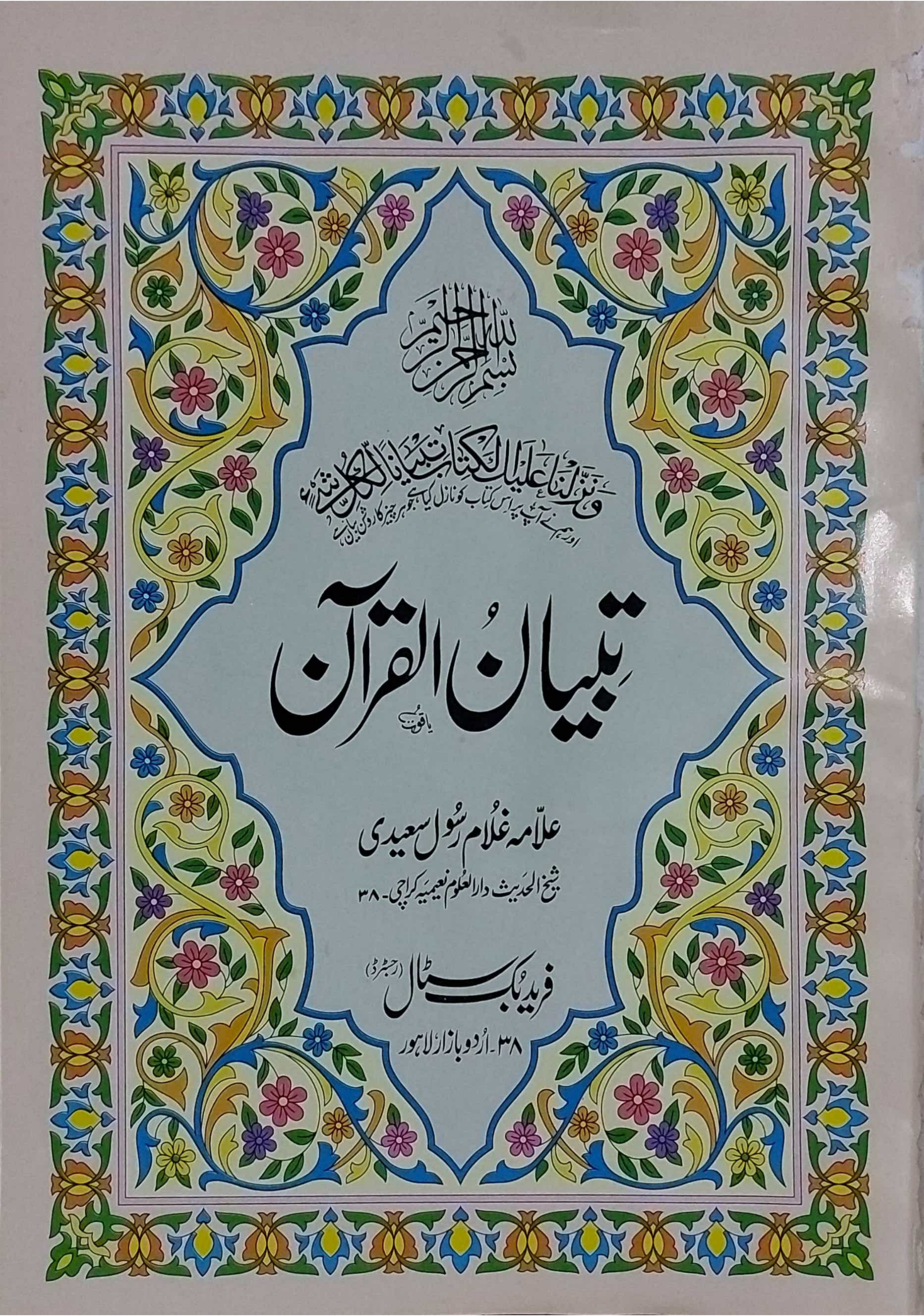


12
ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شيء
تبیان القرآن
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸- اُردو بازار لاہور


بسم اللہ الرحمن الرحیم
ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے
تبیان القرآن
یاقوت
علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)
۳۸-اردو بازار لاہور

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد دوازدہم

الطلاق تا النّاس

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی-۳۸

ناشر
فرید بک سٹال ۳۸-اردو بازار لاہور



تصحیح : حافظ محمد اکرم ساجد
مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاوّل : ذوالحجۃ 1428ھ / جنوری 2007ء
الطبع الثالث : ذوالقعدۃ 1429ھ / نومبر 2009ء

Farid Book Stall
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال ۳۸۔اُردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۲۲۴۸۹۹
ای میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی استغنی فی حمدہ عن الحامدین وانزل القرآن تبیانا لکل شیء عند العارفین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی استغنی بصلوۃ اللہ عن صلوۃ المصلین واختص بارضاء رب العالمین الذی بلغ الینا ما انزل علیہ من القرآن وبین لنا ما انزل علیہ بتبیان وکان خلقہ القرآن وتحدی بالفرقان وعجز عن معارضتہ الانس والجان وھو خلیل اللہ حبیب الرحمٰن لواءہ فوق کل لواء یوم الدین قائد الانبیاء والمرسلین امام الاولین والآخرین شفیع الصالحین والمذنبین واختص بتنصیص المغفرۃ لہ فی کتاب مبین وعلی اٰلہ الطیبین الطاھرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امھات المؤمنین وعلی سائر اولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اعوذ باللہ من شرور نفسی ومن سیأت اعمالی من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ اللھم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعہ۔ اللھم ارنی الباطل باطلا وارزقنی اجتنابہ۔ اللھم اجعلنی فی تبیان القرآن علی صراط مستقیم وثبتنی فیہ علی منھج قویم واعصمنی عن الخطأ والزلل فی تحریرہ واحفظنی من شر الحاسدین وزیغ المعاندین فی تقریرہ اللھم الق فی قلبی اسرار القرآن واشرح صدری لمعانی الفرقان ومتعنی بفیوض القرآن ونورنی بانوار الفرقان واسعدنی لتبیان القرآن، رب زدنی علما رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ اللھم اجعلہ خالصا لوجھک ومقبولا عندک وعند رسولک واجعلہ شائعا ومستفیضا ومفیضا ومرغوبا فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعلہ لی ذریعۃ للمغفرۃ ووسیلۃ للنجاۃ وصدقۃ جاریۃ الی یوم القیامۃ وارزقنی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا وشفاعتہ فی الاخرۃ واحینی علی الاسلام بالسلامۃ وامتنی علی الایمان بالکرامۃ۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عھدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء لک بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت آمین یا رب العالمین۔

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا' بہت مہربان ہے O

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے' جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں' جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن نازل کیا' اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں' قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں' اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ واحد ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ''تبیان القرآن'' کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول کر دے' اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفریں بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان پر عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے' تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یارب العالمین!

انڈیکس تبیان القرآن (جلد دوازدہم)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ الطلاق

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الطلاق ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں طلاق دینے اور طلاق کی عدت کا ذکر ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ (الطلاق:۱) اے نبی مکرم! (مؤمنوں سے کہیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو' تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔

مصاحف اور کتب تفسیر میں معروف یہ ہے کہ اس سورت کا نام الطلاق ہے' البتہ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نام ''النساء القصریٰ'' ہے' یعنی مصحف کی چوتھی سورت ''النساء الطولیٰ'' ہے اور وہ خواتین کے احکام پر مشتمل بڑی سورت ہے' جس میں چوبیس رکوع اور ایک سو چھہتر آیات ہیں اور یہ سورت اس کی بہ نسبت چھوٹی سورت ہے' جس میں خواتین کے احکام بیان کیے گئے ہیں' یہ سورت دو رکوع اور بارہ آیتوں پر مشتمل ہے' اس لیے اس کا نام ''النساء القصریٰ'' رکھا گیا' گویا کہ یہ سورت' سورۃ النساء کا تتمہ ہے اور جس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نام ''النساء القصریٰ'' ہے' وہ درج ذیل ہے:

ایوب بیان کرتے ہیں کہ محمد نے کہا کہ میں عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ اصحاب ان کی بہت تعظیم کرتے تھے' انہوں نے اخر الاجلین کا ذکر کیا (اس سے مراد یہ ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت لمبی مدت ہوگی یعنی اگر چار ماہ دس دن سوگ کی مدت زیادہ ہو تو وہ عدت ہوگی اور اگر وضع حمل کی مدت زیادہ ہو تو اس کی وہ عدت ہو گی) محمد نے کہا: میں نے ان کے سامنے سبیعہ بنت الحارث کی حدیث بیان کی جو عبد اللہ بن عتبہ یعنی ابن مسعود سے مروی ہے' تو ابن ابی لیلیٰ کے اصحاب نے مجھے چپ رہنے کا اشارہ کیا' میں سمجھ گیا اور میں نے کہا: میں اس روایت کو بیان کرنے کی ہمت رکھتا ہوں' اگر یہ جھوٹ ہو تو عبد اللہ بن عتبہ کوفہ کی ایک جانب موجود ہیں ان سے معلوم کر لو' اس سے ابن ابی لیلیٰ کو حیا آئی' انہوں نے کہا: لیکن اس کے چچا (حضرت ابن مسعود) نے اس طرح نہیں کہا' پھر وہ مجھے سبیعہ کی حدیث سنانے لگے' میں نے کہا: کیا آپ نے اس سلسلہ میں حضرت ابن مسعود سے کوئی حدیث سنی ہے؟ انہوں نے کہا: ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' تو انہوں نے کہا: تم اس عورت (وہ عورت جو حاملہ ہو اور اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو) پر عدت مغلظہ مقرر کرتے ہو! اور تم اس کو رخصت نہیں دیتے' ضرور سورۃ النساء القصریٰ' سورت النساء الطولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے' اس میں یہ آیت ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ . حاملہ عورتوں کی عدت ان کا حمل وضع کرنا ہے۔

(الطلاق:۴)

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۸۵' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۱۹۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۳۵۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۶۰۶)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی مراد یہ ہے کہ پہلے سورۃ البقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ . تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن عدت میں رکھیں۔

(البقرہ:۲۳۴)

اور اس کے بعد سورۂ طلاق کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ . حاملہ عورتوں کی عدت ان کا حمل وضع کرنا ہے۔

(الطلاق:۴)

حضرت ابن مسعود کی مراد یہ ہے کہ اگر یہاں نسخ ہو تو متاخر آیت ناسخ ہو گی' یعنی الطلاق:۴ ورنہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں پر نسخ نہیں ہے بلکہ البقرہ:۲۳۴ کا عموم' الطلاق:۴ سے مخصوص ہے' امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ حاملہ بیوی وہ عدت گزارے گی جس کی مدت دونوں عدتوں (چار ماہ دس دن اور وضع حمل) میں سے زیادہ ہو' تب حضرت ابن مسعود نے کہا: جو شخص چاہے میں اس سے اس پر لعان کر سکتا ہوں کہ "النساء القصریٰ" سورۃ البقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے' اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سورت النساء کی صفت القصریٰ جائز ہے (یعنی چھوٹی سورت نساء)۔ ابن التین نے داؤدی سے روایت کیا ہے کہ القصریٰ کا لفظ محفوظ نہیں ہے اور قرآن مجید کی کسی سورت کو قصریٰ یا صغریٰ نہیں کہا جائے گا' میں کہتا ہوں کہ یہ احادیث صحیحہ کو بلا دلیل رد کرنا ہے اور قصر اور طول ایک امر اضافی ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ قول ثابت ہے کہ لمبی سورتوں میں سے لمبی سورت الاعراف ہے۔ (فتح الباری ج۹ ص۶۵۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اس تفصیل کو ذکر کرنے سے ہمارا صرف اتنا مقصد ہے کہ سورۃ الطلاق کا نام احادیث میں النساء القصریٰ بھی ہے۔

سورت الطلاق کا سبب نزول

اس سورت کے نزول کا سبب اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیوی حائض تھیں اور انہوں نے ان کو طلاق دے دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا: اس کو چاہیے کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرے' پھر اس کو اپنے پاس روکے رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے' پھر اس کو (دوبارہ) حیض آئے پس وہ اس سے پاک ہو جائے' پھر اگر اس کی رائے یہ ہو کہ وہ اس کو طلاق دے تو اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو سو یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۰۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۱۸۱' مسند احمد ج۲ ص۲۶)

امام ابن الضریس امام ابن النحاس امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سورۃ الطلاق مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۱۷۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۶ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۵ ہے۔

سورۃ الطلاق کی سورۃ التغابن سے مناسبت

سورۃ التغابن میں ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ (التغابن: ۱۴)

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں میں سے اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں پس تم ان سے ہوشیار رہو۔

اور بیویوں کی عداوت بعض اوقات طلاق تک پہنچا دیتی ہے اور اولاد کی عداوت بعض اوقات اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ انسان اپنی اولاد پر خرچ کرنا بند کر دیتا ہے پس مصحف کریم میں سورۃ التغابن کے بعد سورۃ الطلاق رکھی گئی کیونکہ اس میں طلاق کے اور مطلقہ عورتوں اور اولاد پر خرچ کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

سورۃ التغابن کے آخر میں ارشاد فرمایا تھا:

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ. (التغابن: ۱۸)

(اللہ) ہر غیب اور ہر شہادت کا جاننے والا ہے۔

اور سورۃ الطلاق کے آخر میں ہے:

وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ○ (الطلاق: ۱۲)

اور بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے ○

اور اسی طرح سورۃ التغابن اور سورۃ الطلاق دونوں کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت اور عموم کو بیان فرمایا ہے۔

سورۃ الطلاق کے مشمولات

☆ اس سورت کو اللہ تعالیٰ نے طلاق بر طریقہ سنت کے احکام سے شروع فرمایا ہے جس کے بعد عدت کا شمار شرعاً صحیح ہوتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کو دل میں رکھ کر عدت کے ایام کو صحیح صحیح شمار کیا جائے اور اگر صرف ایک طلاق یا دو طلاقیں دی گئی ہیں تو عدت کے اندر رجوع کر لیا جائے اور عدت پوری ہونے کے بعد عورت آزاد ہو گی خواہ اسی پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کر لے یا کسی اور سے اور اگر اس نے تین طلاقیں دے دی ہیں تو پھر تحلیل شرعی کے بغیر رجوع نہیں ہو سکتا۔

☆ غیر حاملہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہے اور جس عورت کو بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو یا وہ عورت نابالغہ ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر مطلقہ عورت حاملہ ہے تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہے۔

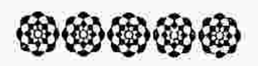
☆ عدت کے اندر مطلقہ عورت کو کھانے پینے کا خرچ اور رہائش مہیا کرنے کا حکم ہے اور وہ اپنی آمدنی کے اعتبار سے خرچ اور رہائش مہیا کرے گا اور بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت دینا بھی اس پر لازم ہے۔

☆ اس سورت کے اختتام میں احکامِ شرعیہ کی مخالفت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے سے ڈرایا ہے سابقہ امتوں میں سے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت کی تھی انجام کار ان پر جو عذاب نازل کیا گیا اس کا ذکر فرمایا ہے اور اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی اور یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر اللہ

تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں تاکہ آپ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو فسق کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور میں لے آئیں اور جو مؤمنین اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو دائمی جنتیں عطا فرمائے گا۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور اس کی امداد کے بھروسے پر سورۃ الطلاق کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ بلاک نمبر ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی - ۳۸
۲۴ ذوالحج ۱۴۲۵ھ / ۴ فروری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴





سورۃ الطلاق (۶۵) — آیاتہا ۱۲ — رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الطلاق مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت)

الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا

میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے

يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ

نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں، اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور

مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ

جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد

يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝۱ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ○ پھر جب وہ تکمیل عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو اچھائی کے ساتھ روک لو

بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ

یا ان کو دستور کے مطابق جدا کر دو اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنا لو،

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ

اور اللہ کے لیے گواہی دو، یہ ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ

لاتے ہیں، اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے ○ اور اس کو وہاں

حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اسے کافی ہے، بے شک اللہ

بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیۡءٍ قَدۡرًا ③ وَالّٰٓـىِٔۡ يَئِسۡنَ

اپنا کام پورا کرنے والا ہے، بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے O اور تمہاری عورتوں میں سے

مِنَ الۡمَحِيۡضِ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ ۙ

جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے

وَّالّٰٓـىِٔۡ لَمۡ يَحِضۡنَ ؕ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ

اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت

حَمۡلَهُنَّ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ④ ذٰلِكَ اَمۡرُ

وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا O یہ اللہ کا حکم

اللّٰهِ اَنۡزَلَهٗۤ اِلَيۡكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعۡظِمۡ لَهٗۤ

ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے ثواب کو بڑھا

اَجۡرًا ⑤ اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ

دے گا O ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے

لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى

ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو)

يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَـكُمۡ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ ۚ وَاۡتَمِرُوۡا

دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو اور اگر تم

بَيۡنَكُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى ؕ ⑥ لِيُنۡفِقۡ

دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O صاحب حیثیت

ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ

کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں

اللّٰہُ ۭ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰہَا ۭ سَیَجۡعَلُ اللّٰہُ بَعۡدَ عُسۡرٍ

سے خرچ کرے اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی

یُّسۡرًا ﴿۷﴾

پیدا کر دے گا○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی مکرم! (مؤمنوں سے کہیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے○ (الطلاق: ۱)

مسئلہ طلاق کی تحقیق

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ" (البقرہ: ۲۲۹۔۲۳۵) کی تفسیر میں ہم نے طلاق کے تمام پہلوؤں پر بہت شرح وبسط سے لکھا ہے، سطور ذیل میں ہم وہ عنوانات لکھ رہے ہیں جن کے تحت ہم نے مسئلہ طلاق پر لکھا ہے:

(۱) طلاق کا لغوی معنی (۲) طلاق کا اصطلاحی معنی (۳) طلاق کی اقسام (۴) طلاق کیوں مشروع کی گئی (۵) صرف ناگزیر حالات میں طلاق دی جائے (۶) صرف مرد کو کیوں طلاق کا اختیار دیا گیا (۷) طلاق میں عورت کی رضامندی کا اعتبار کیوں نہیں ہے (۸) خلع (۹) قاضی اور حکمین کی تفریق (۱۰) تین طلاقوں کی تحدید کی وجوہات، مصالح اور حکمتیں (۱۱) سنت کے مطابق اور احسن طریقہ سے طلاق دینے کے فوائد (۱۲) طلاق کی تدریج میں مرد کی اور تحدید میں عورت کی رعایت ہے (۱۳) ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے نتائج (۱۴) بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں کے حکم میں جمہور کا مؤقف (۱۵) بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں میں علماء شیعہ کا مؤقف (۱۶) تین طلاقوں کو ایک طلاق دینے پر شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل (۱۷) شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل کے جوابات (۱۸) تسبیح فاطمہ پر قیاس کے جوابات (۱۹) حضرت عمر پر عہد رسالت کے معمول کو بدلنے کے الزام کے جوابات (۲۰) صحیح مسلم کی زیر بحث روایت غیر صحیح اور مردود ہے (۲۱) صحیح مسلم کی زیر بحث روایت کے غیر صحیح ہونے پر دوسری دلیل (۲۲) اعتبار راوی کی روایت کا ہے یا اس کی رائے کا (۲۳) مسلم میں درج طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ ہونے پر مزید دلائل (۲۴) طاؤس کی روایت کا صحیح محمل (۲۵) حضرت رکانہ سے متعلق مسند احمد کی روایت کی فنی اقسام (۲۶) حضرت رکانہ سے متعلق صحاح کی روایت کی تقویت (۲۷) حضرت رکانہ سے متعلق سنن ابوداؤد کی ایک شاذ روایت کے ضعف کا بیان (۲۸) بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں کے تین ہونے پر جمہور کے قرآن مجید سے دلائل (۲۹) قرآن مجید سے استدلال پر اعتراض کے جوابات (۳۰) بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں پر جمہور فقہاء اسلام کے احادیث سے دلائل (۳۱) حضرت عویمر کی حدیث سے استدلال پر اعتراض کے جوابات (۳۲) صحیحین کی ایک اور حدیث سے استدلال پر اعتراض کے جوابات (۳۳) سعید بن نخلہ کی روایت کی تحقیق (۳۴) سنن نسائی کی روایت سے استدلال پر اعتراض کا جواب (۳۵) بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے میں آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین (۳۶) جس عورت کو خاوند خرچ نہ دے اس کی گلوخلاصی میں مذاہب ائمہ (۳۷) خرچ سے محروم عورت کی گلوخلاصی پر جمہور فقہاء کے دلائل

(۳۸) مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نافذ ہونا (۳۹) عدت وفات کا بیان اور عدت کی تعریف (۴۰) عدت کے مسائل اور شرعی احکام۔

یہ طویل بحث تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۸۹۔۸۵۰ میں پھیلی ہوئی ہے۔

"وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا" (النساء: ۳۵) کی تفسیر میں بھی ہم نے طلاق کے بعض پہلوؤں پر لکھا ہے' اس کے عنوانات یہ ہیں:

(۱) اختلاف زن وشوہر میں دونوں جانب سے مقرر کردہ منصف آیا حاکم ہیں یا وکیل (۲) اگر شوہر بیوی کو خرچ دے نہ طلاق تو آیا عدالت اس کا نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟ (۳) عدالت کے فسخ نکاح پر اعتراضات کے جوابات (۴) قضاء علی الغائب کے متعلق مذاہب ائمہ (۵) قضاء علی الغائب کے متعلق احادیث (۶) دفع حرج' مصلحت اور ضرورت کی بناء پر ائمہ ثلاثہ کے مذاہب پر فیصلہ اور فتویٰ کا جواز (۷) جو شخص اپنی بیوی کو نہ خرچ دے نہ آباد کرے اس کے متعلق شریعت کا حکم۔

یہ ابحاث تبیان القرآن ج ۲ ص ۶۶۸۔۶۶۰ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

طلاق کی ابحاث میں درج ذیل عنوانوں کا مطالعہ بھی مفید رہے گا:

(۱) ظہار کی تعریف' اس کا حکم اور اس کا کفارہ' تبیان القرآن ج ۹ ص ۳۷۲۔

(۲) بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں' بہن کہنے کا شرعی حکم' تبیان القرآن ج ۹ ص ۳۷۵۔۳۷۳۔

(۳) بیوی کو طلاق کا اختیار دینے سے وقوع طلاق اور مدت اختیار میں مذاہب فقہاء' تبیان القرآن ج ۹ ص ۴۱۷۔۴۱۶۔

(۴) اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے میں مذاہب ائمہ' تبیان القرآن ج ۹ ص ۵۱۰۔

(۵) اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے کے متعلق فقہاء احناف کے مؤقف پر قرآن اور سنت سے دلائل' تبیان القرآن ج ۹ ص ۵۱۰۔

(۶) اجنبی عورت کو تعلیقاً طلاق دینے میں فقہاء احناف کے مؤقف پر آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین سے دلائل' تبیان القرآن ج ۹ ص ۵۱۱۔

(۷) مطلقات کی اقسام اور متاع کا بیان' تبیان القرآن ج ۹ ص ۵۱۴۔

(۸) سراح جمیل کا معنی۔

ایک لفظ کے ساتھ اور ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کے متعلق فقہاء حنبلیہ کی تحقیق

جب تین طلاقیں ایک لفظ سے دی جائیں مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: میں نے تم کو تین طلاقیں دیں یا ایک مجلس میں تین لفظوں سے تین بار طلاق دے' مثلاً اپنی بیوی سے کہے: میں نے تم کو طلاق دی' پھر دوسری بار کہے: میں نے تم کو طلاق دی' پھر تیسری بار کہے: میں نے تم کو طلاق دی تو ہر چند کہ یہ طلاق خلاف سنت ہے اور اس کو طلاق بدعی کہا جاتا ہے مگر یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ شیخ تقی الدین احمد بن تیمیۃ الحرانی الحنبلی المتوفی ۷۲۸ھ نے اس کی مخالفت میں بہت غلو کیا ہے اور ان دونوں صورتوں میں یہ کہا ہے کہ لفظ واحد سے تین طلاقیں دی جائیں یا ایک مجلس میں تین لفظوں سے تین طلاقیں دی جائیں' ہر صورت میں ایک طلاق واقع ہوگی اور چونکہ ابن تیمیہ اپنے آپ کو حنبلی کہتے ہیں اس لیے ہم اس مسئلہ میں فقہاء حنبلیہ کا مذہب ذکر کر رہے ہیں:

علامہ ابوالقاسم عمر بن الحسین بن عبداللہ بن احمد الخرقی الحنبلی المتوفی ۳۳۴ھ لکھتے ہیں:

(۶۰۱۶) مسئلہ: جب کوئی شخص تین طلاقیں دے اور نیت ایک طلاق کی کرے تو وہ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔

اس کی شرح میں علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تم کو تین طلاقیں' تو وہ تین طلاقیں ہیں' خواہ وہ ایک طلاق کی نیت کرے۔ ہمارے علم میں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ لفظ تین' تین عدد میں صریح ہے اور نیت صریح کے معارض نہیں ہو سکتی' کیونکہ وہ لفظ سے ضعیف ہے اس وجہ سے صرف نیت کوئی عمل نہیں کرتی' اور لفظ صریح قوی ہے وہ نیت کے بغیر بھی عمل کرتا ہے' پس ضعیف قوی کے معارض نہیں ہو سکتا جس طرح قیاس نص کے معارض نہیں ہو سکتا۔ (المغنی لابن قدامہ مع الشرح الکبیر ج ۸ ص ۴۰۸' دارالفکر' بیروت)

علامہ شمس الدین عبدالرحمٰن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی المتوفی ۶۸۲ ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے ایک کلمہ سے تین طلاقیں دیں تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی' حتیٰ کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے' خواہ وہ مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے یا مباشرت کے بعد تین طلاقیں دے۔ حضرت ابن عباس' حضرت ابوہریرہ' حضرت ابن عمر' حضرت عبداللہ بن عمرو' حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا یہی موقف ہے اور یہی قول اکثر فقہاء تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ کا ہے۔

اس کے برخلاف عطاء' طاؤس' سعید بن جبیر' ابوالشعثاء اور عمرو بن دینار یہ کہتے تھے کہ جس شخص نے کنواری عورت کو تین طلاقیں دیں تو وہ ایک طلاق ہے اور طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا: لوگوں نے اس کام میں جلدی کی جس میں ان کے لیے تاخیر کی گنجائش تھی' پس اگر ان کی دی ہوئی طلاقوں کو ہم ان پر نافذ کر دیں' پھر آپ نے ان کی طلاقوں کو ان کے اوپر نافذ کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۰ ـ ۲۱۹۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۰۶)

اور سعید بن جبیر' عمرو بن دینار' مجاہد اور مالک بن الحارث نے حضرت ابن عباس سے طاؤس کی روایت کے خلاف روایت کیا ہے اور اس حدیث کو بھی امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے: تین طلاقوں کے نافذ ہونے کے متعلق امام ابوداؤد کی روایات حسب ذیل ہیں:

مجاہد کہتے ہیں ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا' پھر اس نے کہا: اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خاموش رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ حضرت ابن عباس اس کی بیوی اس کی طرف لوٹا دیں گے' پھر حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص چلتا ہے پھر جہالت کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے' پھر کہتا ہے: اے ابن عباس! اے ابن عباس! اور بے شک اللہ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ (الطلاق: ۲) اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے ۝

اور تو اللہ سے نہیں ڈرا اور اللہ نے تیرے لیے نجات کا راستہ نہیں نکالا' تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تیرے نکاح سے نکل گئی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۷)

امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث کو حمید اعرج وغیرہ نے از مجاہد از ابن عباس روایت کیا ہے' اور شعبہ نے از عمرو بن مرہ از سعید بن جبیر از ابن عباس روایت کیا ہے اور ایوب اور ابن جریج دونوں نے از عکرمہ بن خالد از سعید بن جبیر از ابن عباس

روایت کیا ہے اور ابن جریج نے از عبد الحمید بن رافع از عطا از ابن عباس روایت کیا ہے اور الاعمش نے از مالک بن الحارث از ابن عباس روایت کیا ہے اور ابن جریج نے از عمرو بن دینار از ابن عباس روایت کیا ہے اور یہ سب کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا اور یک بارگی تین طلاقیں دینے والے کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی جیسا کہ از ایوب از عبد اللہ بن کثیر از مجاہد از ابن عباس روایت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کے پانچ شاگرد (مجاہد' سعید بن جبیر' عطا' مالک بن الحارث اور عمرو بن دینار) حضرت ابن عباس سے یہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اکٹھی تین طلاقیں دینے والے پر تین طلاقیں نافذ کر دیں اور اکیلے طاؤس کی روایت ان سب کے خلاف ہے' اس لیے اس کو طاؤس کا وہم قرار دیا جائے گا۔

علامہ شمس الدین مقدسی حنبلی فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس کا فتویٰ طاؤس کی روایت کے خلاف ہے۔

امام الدار قطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے بعض آباء نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں' اس کے بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا: یارسول اللہ! ہمارے باپ نے ہماری ماں کو ہزار طلاقیں دی ہیں پس اس کے لیے کوئی نجات کی راہ ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ اللہ سے نہیں ڈرا کہ اللہ اس کے لیے کوئی نجات کی راہ نکالتا' خلافِ سنت تین طلاقوں سے اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی اور نو سو ستانوے اس کے گلے میں گناہ ہیں۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۷۷)

اور اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ نکاح انسان کی ملکیت ہے اور ملکیت کا ازالہ جس طرح متفرق طور پر صحیح ہے اسی طرح اجتماعی طور پر اور دفعۃً بھی صحیح ہے' اور رہی حضرت ابن عباس کی حدیث تو ان سے اس کے خلاف زیادہ اسانید کے ساتھ مروی ہے اور اسی پر ان کا فتویٰ بھی ہے۔

اثرم نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ سے حضرت ابن عباس کی حدیث کے متعلق سوال کیا کہ آپ کس دلیل سے ان کی حدیث کو رد کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: اس وجہ سے کہ بہ کثرت راویوں نے حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کیا ہے' پھر متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ تین طلاقیں ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کے عہد میں لوگ ایک طلاق دیتے تھے (یعنی ایک طلاق دیتے تھے اور اس کی تاکید کے لیے دوبار طلاق کا مکرر ذکر کرتے تھے' بعد میں حضرت عمر کے دور میں بعض لوگوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا' وہ تین طلاقیں دینے کے ارادہ سے تین بار طلاق کا ذکر کرتے پھر بعد میں جب بیوی سے صلح ہو جاتی تو کہتے: میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا اور دوبار تاکید کے لیے ذکر کیا تھا تو حضرت عمر نے ان کی اس تاویل کو ختم کرنے کے لیے کہا: جو تین بار طلاق دے گا وہ تین طلاقیں ہی ہوں گی اور ان کی تاکید کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا یا عہدِ رسالت میں جن تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا وہ غیر مدخولہ کی تین طلاقیں ہوتی تھیں' ان کو ایک اس لیے قرار دیا جاتا تھا کہ ایک طلاق سے غیر مدخولہ بائنہ ہو جاتی تھی اور باقی دو طلاقوں کا محل نہیں رہتی تھی) ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ متوقع نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد کے معمول کی مخالفت کریں اور نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کریں اور اس کے خلاف فتویٰ دیں (دوسری تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام نسائی نے اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کیا ہے "غیر مدخولہ کو تین متفرق طلاقیں دینا" (سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۰۳) سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۹ میں اس کی مزید

وضاحت ہے' اس کو ہم عنقریب بیان کریں گے)۔ (الشرح الکبیر مع المغنی ج ۸ ص ۲۷۱۔ ۲۷۰ 'موضحاً ومخرجاً' دارالفکر' بیروت)

ایک لفظ کے ساتھ اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین طلاقیں قرار دینے کی احادیث

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی نے آپس میں لعان کیا اور میں بھی لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا' جب وہ ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا: یا رسول اللہ! اب اگر میں اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھوں تو میں جھوٹا ہوں گا پس انہوں نے آپ کے حکم دینے سے پہلے اس عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۱۔ ۲۲۴۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۶)

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اس کو قتل نہ کر دوں!

(سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۹۸)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۰)

اس حدیث میں اس کی واضح تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکٹھی دی گئی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

یہ صحاح ستہ کی احادیث ہیں' اب ہم دیگر کتب احادیث سے احادیث پیش کر رہے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں' ان میں دو' تین حدیثوں کی سند ضعیف ہے' جن کی ہم نے تعیین کر دی ہے' لیکن ہم ان کو احادیثِ صحیحہ کی تائید اور تقویت میں پیش کر رہے ہیں' نیز ان احادیث کی متعدد اسانید ہیں اور تعدد اسانید سے وہ حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہیں۔ آخر میں ہم سنن ابوداؤد کی احادیث سے مزید وضاحت کریں گے۔

سلمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حفص بن المغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیوی کو اس سے الگ کر دیا۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۹)

سعید بن جبیر' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس میں سے تم کو تین طلاقیں کافی ہیں اور نو سو ستانوے طلاقیں چھوڑ دو۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۹' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۵۰' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷)

نیز سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تین طلاقوں نے تمہاری بیوی تم پر حرام کر دی اور بقیہ طلاقوں کے ساتھ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنایا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۵۳' سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۶۰' مسند الشافعی ج ۲ رقم الحدیث: ۱۳۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۷' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷' حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں ہیں' حضرت ابن عباس نے کہا: تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تم اپنی بیوی سے الگ ہو گئے اور تم اللہ سے نہیں ڈرے کہ اللہ

تمہارے لیے کوئی نجات کی راہ نکالتا۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۶۱' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۲)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ قریش کا ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے ابن عباس! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں' میں اس وقت غصہ میں تھا' حضرت ابن عباس نے کہا: بے شک ابن عباس اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ تمہارے لیے اس چیز کو حلال کر دے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے' تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر دیا' اور بے شک تم اللہ سے نہیں ڈرے کہ وہ تمہارے لیے نجات کی کوئی راہ نکالتا۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۶۲' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۵۲)

حبیب بن ابی ثابت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہنے لگا: میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں' حضرت علی نے فرمایا: تین طلاقوں نے تیری بیوی کو تجھ پر حرام کر دیا اور باقی طلاقوں کو تو اپنی عورتوں میں تقسیم کر دے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۸۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۲۔ رقم الحدیث: ۱۷۸۰۲' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۵)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ستاروں کی تعداد کے برابر طلاق دی' حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس نے سنت میں خطا کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۸۱' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۴۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۶۳۔ رقم الحدیث: ۱۷۸۱۳' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷)

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے نکاح میں عائشہ خثعمیہ تھی اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت حسن کی بیعت خلافت کی گئی تو اس نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو خلافت مبارک ہو' حضرت حسن نے فرمایا: حضرت علی شہید ہو گئے اور تم خوشی کا اظہار کر رہی ہو جاؤ تم کو تین طلاقیں دیں' وہ اپنا سامان اکٹھا کر کے بیٹھ گئی' حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو گئی۔ حضرت حسن نے اس کی طرف دس ہزار درہم بہ طور متعہ کے بھیجے اور بقیہ مہر کی رقم بھیجی تو عائشہ خثعمیہ نے کہا: یہ جدا ہونے والے محبوب کی طرف سے تھوڑا سا سامان ہے' جب حضرت حسن کو اس بات کی خبر ہوئی تو وہ رونے لگے اور کہا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ نہ سنا ہوتا یا میرے والد نے یہ نہ کہا ہوتا کہ انہوں نے میرے نانا سے سنا ہے' جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ ایک ساتھ' خواہ ہر طہر میں ایک تو اس کے لیے اس کی بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرلے' تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۶' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۶)

یہ حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے مگر وہ سند ضعیف ہے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۷' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۶)

اس حدیث میں واضح تصریح ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں تو وہ تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور سنت کے خلاف کیا۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۹' اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق ہے' ہر چند کہ وہ صادق ہے مگر مدلس ہے' امام دارقطنی نے اس حدیث کو ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی مٹھاس نہ چکھ لے۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۹۱۱' اس حدیث کی سند میں علی بن زید ضعیف راوی ہے۔)

محمد بن ایاس بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس' حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم

سے سوال کیا گیا کہ کنواری لڑکی (غیر مدخولہ) کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو ان سب نے کہا: اس کے لیے وہ حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کر لے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۸)

امام ابوداؤد نے کہا: پہلے حضرت ابن عباس کا قول یہ تھا کہ تین طلاقوں کے بعد عورت اپنے خاوند کے نکاح سے نکل جاتی ہے' خواہ اس سے پہلے مباشرت کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو' بعد میں ان کا قول یہ تھا کہ یہ حکم اس عورت کے ساتھ خاص ہے جو غیر مدخولہ ہو یعنی اس سے مباشرت نہ کی گئی ہو۔

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو ابوالصہباء کہا جاتا تھا' وہ حضرت ابن عباس سے بہت سوال کیا کرتا تھا' اس نے کہا: کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دے دیں تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کی ابتداء میں ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: کیوں نہیں! ایک شخص اپنی بیوی کو مباشرت سے پہلے تین طلاقیں دیتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کی خلافت کی ابتداء میں اس کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا' پھر جب حضرت عمر نے دیکھا کہ لوگ اس کام کو پے در پے کرنے لگے ہیں (یعنی غیر مدخولہ اور مدخولہ دونوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنے لگے ہیں) تو انہوں نے فرمایا: ان پر یہ تینوں طلاقیں نافذ کر دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۹)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ طاؤس کی یہ روایت شاذ ہے' حضرت ابن عباس کے باقی شاگرد یہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس تین طلاقوں کو تین طلاق ہی کہتے تھے جیسا کہ ہم سنن ابوداؤد' سنن دارقطنی' سنن بیہقی' مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں اور اگر طاؤس کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا محمل یہ ہے کہ وہ غیر مدخولہ پر محمول ہے کیونکہ غیر مدخولہ پہلی طلاق سے بائن ہو جائے گی اور باقی دو طلاقوں کا محل نہیں رہے گی' اس لیے اس پر صرف ایک طلاق واقع ہوگی جیسا کہ مذکور الصدر حدیث میں اس کی تصریح ہے اور جو عورت مدخولہ ہو اس کو اگر تین طلاقیں ایک مجلس میں دی جائیں تو وہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ سے بیان کیا جا چکا ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن تیمیہ کے دلائل

شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

محمد بن اسحاق از داؤد بن الحصین از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ایک مجلس میں یا کئی مجالس میں؟ انہوں نے کہا: بلکہ ایک مجلس میں' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان پر واپس کر دی۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو ثابت کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ حدیث رکانہ کی اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتۃ دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حلف لے کر پوچھا تھا کہ تم نے اس لفظ سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے؟ تو انہوں نے حلف اٹھا کر کہا کہ انہوں نے اس لفظ (البتۃ) سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے تو آپ نے ان کی بیوی کو انہیں واپس کر دیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۵۱) اس

حدیث کے راوی مجہول الصفات ہیں' ان کا عدل (نیک ہونا) اور ان کا حافظہ معروف نہیں ہے' اس وجہ سے اس حدیث کو امام احمد' ابوعبید اور ابن حزم وغیرہم ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے' اس کے برخلاف تین طلاقوں والی حدیث کی سند جید ہے۔
(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۳۲ ص ۱۹۵' دارالجیل' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

شیخ ابن تیمیہ کے دلائل کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ نے یہ سب خلاف واقعہ لکھا ہے' مسند احمد میں یہ حدیث اس طرح نہیں ہے جس طرح شیخ ابن تیمیہ نے نقل کی ہے اور نہ اس حدیث کے تحت امام احمد نے وہ تقریر کی ہے جس کو شیخ ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے۔ پہلے ہم مسند احمد کے حوالے سے اس حدیث کا صحیح متن نقل کرتے ہیں:

''حدثنا سعد بن ابراھیم' حدثنا ابی عن محمد بن اسحاق حدثنی داؤد بن الحصین عن عکرمۃ مولی ابن عباس''۔

از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ بنو مطلب کے بھائی حضرت رُکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں' پھر ان کو اس پر بہت زیادہ رنج ہوا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے اس کو کیسے طلاق دی تھی؟ انہوں نے کہا: میں نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں' آپ نے پوچھا: ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ صرف ایک طلاق ہے' اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر لو' پھر حضرت رکانہ نے اس سے رجوع کر لیا' لہٰذا حضرت ابن عباس کی یہ رائے تھی کہ طلاق ہر طہر میں دینی چاہیے۔
(مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

شیخ ابن تیمیہ کا اس حدیث کی سند کو جید کہنا غلط ہے' درحقیقت اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

شعیب الارنؤوط اور دیگر محققین اس حدیث کی سند کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند ضعیف ہے' داؤد بن الحصین نے عکرمہ سے روایت کی ہے اس میں سقم ہے۔ علی بن المدینی نے کہا: عکرمہ سے جو روایت کیا گیا ہے وہ منکر ہے۔ ابوداؤد نے کہا: داؤد بن الحصین کی جو روایات اپنے شیوخ سے ہیں وہ درست ہیں اور اس کی عکرمہ سے جو روایت ہے وہ منکر ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا: اس کی غرائب منکر ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا: عکرمہ کے سوا اس کی روایات ثقہ ہیں۔

حافظ بیہقی نے کہا: اس حدیث کی سند حجت نہیں ہے' جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آٹھ شاگردوں نے اس کے خلاف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ روایت کیا ہے اور حضرت رکانہ کی اولاد ان کے اقوال سے زیادہ واقف تھی اور انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے ایک طلاق دی تھی۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند پر اعتراض ہے کیونکہ ابن جریج نے اس حدیث کو ابورافع کے بعض بیٹوں سے روایت کیا ہے اور ان کا نام نہیں لیا اور مجہول شخص کی روایت حجت نہیں ہوتی۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۲۳۶)
(حاشیہ مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵۔ رقم الحدیث: ۲۳۸۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

سنن ابوداؤد کی اس حدیث سے بھی شیخ ابن تیمیہ نے استدلال کیا ہے:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابورافع کے بعض بیٹوں نے مجھ سے بیان کیا کہ عکرمہ جو حضرت ابن عباس کے آزاد شدہ غلام ہیں وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رکانہ اور ان کے

بھائیوں کے والد رضی اللہ عنہ نے حضرت ام رکانہ کو طلاق دے کر مزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا' وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے بالوں کو پکڑ کر کہا: جس طرح یہ بال ایک دوسرے کے کام نہیں آ سکتے اسی طرح میں بھی کسی کام کاج کی نہیں رہی' مجھے آپ ان سے جدا کر دیجئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمیت جوش میں آ گئی' پھر آپ نے حضرت رکانہ اور ان کے بھائیوں کو بلایا اور اہل مجلس سے فرمایا: کیا تم دیکھ رہے ہو کہ فلاں اور فلاں ابو رکانہ سے کس قدر مشابہ ہیں اور وہ ان سے کتنا مشابہ ہے' صحابہ نے کہا: جی ہاں! پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد یزید سے فرمایا: اس کو طلاق دے دو' انہوں نے طلاق دے دی' پھر فرمایا: تم اپنی بیوی اور رکانہ اور ان کے بھائیوں کی ماں سے رجوع کر لو' انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں تو ان کو تین طلاقیں دے چکا ہوں' آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے' تم اس سے رجوع کر لو' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ'' (الطلاق:۱)۔

اس حدیث کو ذکر کر کے امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ فرماتے ہیں:

نافع بن عجیر کی اور عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ کی اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتۃ دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کو واپس کر دی تھی' یہ روایت زیادہ صحیح ہے کیونکہ کسی شخص کی اولاد اور اس کے اہل اس کے اقوال کو زیادہ جاننے والے ہوتے ہیں اور بے شک رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتۃ دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طلاق قرار دیا تھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۱۹۶)

مذکور الصدر حدیث کا غیر صحیح ہونا درج ذیل حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے' امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتۃ دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دیتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! میں نے لفظ البتۃ سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اللہ کی قسم! تم نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا؟ حضرت رکانہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کو واپس کر دی' پھر حضرت رکانہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان کے زمانہ میں تیسری طلاق دی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۰۶' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۱۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۵۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص۶۵)

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو دو مزید سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۲۰۸۔۲۲۰۷) اس کے بعد امام ابوداؤد فرماتے ہیں: یہ حدیث ابن جریج کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور نافع بن عجیر اور عبد اللہ بن علی حضرت رکانہ کے پوتے ہیں اور وہ اپنے دادا کے اقوال سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والے ہیں اور ابن جریج کی حدیث کو ابو رافع کے بعض بیٹوں نے ابو رافع از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: طلاق البتۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اختلاف ہے' بعض اہل علم نے کہا: طلاق البتۃ میں مرد کی نیت کا اعتبار ہے' اگر وہ لفظ البتۃ سے ایک طلاق کی نیت کرے تو وہ ایک طلاق ہو گی اور اگر تین طلاق کی نیت کرے گا تو وہ تین طلاقیں اور اگر وہ دو طلاقوں کی نیت کرے گا تو صرف ایک طلاق ہو گی' یہ ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے' (الی قولہ) امام شافعی نے کہا: اگر اس نے ایک طلاق کی نیت کی تو ایک رجعی طلاق ہو اور اگر دو طلاقوں کی نیت کرے گا تو دو طلاقیں ہوں گی اور اگر تین کی نیت کرے گا تو تین ہوں گی۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن حزم ظاہری کا رد کرنا

غیر مقلدین حضرات ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں اور طاؤس کی روایت اور حضرت رکانہ کی حدیث سے اس پر استدلال کرتے ہیں' لطف کی بات یہ ہے کہ شیخ علی بن احمد بن حزم ظاہری اندلسی متوفی ۴۵۶ھ پر وہ بہت اعتماد کرتے ہیں اور ابن حزم نے ان کے دلائل کا بہت رد کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جائے' ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

طاؤس نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا' پھر حضرت عمر نے کہا: لوگوں نے اس کام میں جلدی کی' جس میں ان کے لیے تاخیر کی گنجائش تھی' پس اگر ہم ان پر ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیں (تو اچھا ہو) پھر انہوں نے ان پر ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۲)

نیز طاؤس نے بیان کیا کہ ابوالصہباء نے حضرت ابن عباس سے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق کی طرف لوٹایا جاتا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں! ۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۰۶)

اور انہوں نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابورافع کے بعض بیٹوں نے بتایا کہ عکرمہ حضرت ابن عباس سے یہ روایت کرتے ہیں کہ رکانہ اور اس کے بھائیوں کے باپ عبد یزید نے رکانہ کی ماں کو طلاق دی اور اس حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکانہ اور اس کے بھائیوں کی ماں' اپنی بیوی سے رجوع کر لو' رکانہ کے باپ نے کہا: یارسول اللہ! میں اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں' آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے' تم اس سے رجوع کر لو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۹۶)

شیخ ابن حزم نے کہا: جن دلائل سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے وہ یہی ہیں اور مؤخر الذکر حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں ابورافع کے بیٹے کا نام نہیں لیا گیا کہ کس بیٹے سے یہ حدیث مروی ہے اور مجہول سند حجت نہیں ہوتی اور ابورافع کے بیٹوں میں صرف عبید اللہ کا ہمیں علم ہے' باقی سب مجہول ہیں۔

اور رہی وہ حدیث جس کو طاؤس نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا' اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا تھا یا ایک طلاق کی طرف لوٹایا تھا اور نہ اس میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو گیا' پھر بھی آپ نے اس کو برقرار رکھا اور حجت تب بن سکتی ہے کہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہو کہ یہ آپ کا قول ہے (کہ تین کو ایک قرار دو) یا یہ آپ کا فعل ہو اور یا آپ کے علم میں یہ واقعہ آیا ہو اور آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا ہو۔ (المحلی بالآثار ج ۹ ص ۳۹۲۔۳۸۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

کتنی حیرت کی بات ہے کہ شیخ ابن حزم نے ابو رکانہ کی اس حدیث کو رد کر دیا ہے جس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے کا ذکر ہے اور شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ ابن حزم نے طلاق البتۃ والی حدیث کو رد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۳۳ ص ۱۹۵) حالانکہ ابن حزم نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجہول الصفات ہیں جس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دینے کا ذکر ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک اکٹھی تین طلاق دینا معصیت اور بدعت ہے اور شیخ ابن حزم کے نزدیک اکٹھی تین طلاق دینا

بھی سنت ہے لیکن یہ ایک الگ بحث ہے۔

الطلاق: ۱ میں فرمایا: اے نبی مکرم! (مؤمنوں سے کہیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو۔

مسئلہ طلاق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے کی توجیہ

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کی گئی ہے اور خطاب میں آپ کی امت بھی شامل ہے اور جمع کا صیغہ آپ کی تعظیم کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور اس آیت میں حکم عام ہے اور حکم سے مراد حکم شرعی ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کریں تو ان ایام میں طلاق دیں جن ایام میں عدت متحقق ہو سکے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے امام اور مقتدیٰ ہیں اور جب آپ کو جمع کے صیغہ کے ساتھ خطاب کیا گیا تو آپ کی امت بھی اس میں داخل ہو گئی اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے نبی! آپ مسلمانوں سے کہیے کہ جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت میں طلاق دو۔

حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: اس سے کہو کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے اور اس کو اپنے پاس روکے حتیٰ کہ وہ اپنے حیض سے پاک ہو جائے' پھر اس کو دوسرا حیض آئے' پھر جب وہ پاک ہو جائے تو اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے اس سے الگ ہو جائے یا اس کو نکاح میں روک لے' پس بے شک یہ وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۱)

نافع نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اپنی عورتوں کو ان کی عدت سے پہلے طلاق دو' یعنی اس طہر میں طلاق دو جس میں جماع نہ کیا ہو۔ سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی' حضرت عمر نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا' آپ نے فرمایا: اس سے کہو اس سے رجوع کرے' پھر اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو۔

(صحیح مسلم' کتاب الطلاق رقم الحدیث: ۲)

علامہ ابوبکر رازی فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اپنی عورتوں کو عدت کے وقت میں طلاق دو' اس وقت سے کیا مراد ہے' اور وہ یہ ہے کہ طلاق دینے کے لیے اس وقت کو مقرر فرمایا ہے جس وقت میں عورت حیض سے پاک ہو اور اس وقت میں اس سے جماع نہ کیا گیا ہو۔

طلاق بر طریقہ سنت کی دو صورتیں

علامہ ابوبکر رازی فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب کا قول یہ ہے کہ طلاق بر طریقہ سنت دو صورتوں میں ہے: ایک صورت کا تعلق وقت سے ہے اور وہ یہ ہے کہ طلاق اس طہر میں دی جائے جس طہر میں اس نے اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو یا اس کی بیوی حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو اور طلاق سنت کی دوسری صورت کا تعلق عدد سے ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاق نہ دی جائے۔

وقت کی شرط اس شخص کے لیے ہے جو عدت کے لیے طلاق دے ورنہ جس عورت کی عدت نہیں ہے اس کو طلاق دینے

کے لیے اس خاص وقت کی شرط نہیں ہے۔ جو شخص مباشرت سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دے اس کے لیے اپنی بیوی کو حیض میں بھی طلاق دینا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ (البقرہ: ۲۳۶)

اگر تم اپنی بیویوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دو یا مہر مقرر کیے بغیر طلاق دو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ (الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم مباشرت سے پہلے ان کو طلاق دے دو تو پھر تمہارے لیے عدت کا کوئی حق نہیں ہے جس کو تم شمار کرو۔

سو جس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی جائے اللہ تعالیٰ نے اس کی عدت نہیں رکھی پس اس کو طہر میں طلاق دینا بھی جائز ہے اور حیض میں بھی۔

طلاق کا لغوی معنی

طلاق کا لغوی معنی ہے: نکاح کی گرہ کو کھول دینا' ترک کر دینا' چھوڑ دینا' لسان العرب میں ہے کہ عثمان اور زید کی حدیث ہے: طلاق کا تعلق مردوں سے ہے اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔ (تاج العروس ج ۶ ص ۴۲۵' مطبوعہ مطبعہ خیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

طلاق کا اصطلاحی معنی

علامہ ابن نجیم طلاق کا فقہی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الفاظ مخصوصہ کے ساتھ فی الفور یا از روئے مآل نکاح کی قید کو اٹھا دینا' طلاق ہے۔ الفاظ مخصوصہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو مادہ طلاق پر صراحۃً یا کنایۃً مشتمل ہوں' اس میں خلع بھی شامل ہے اور نامردی اور لعان کی وجہ سے نکاح کی قید از روئے مآل اٹھ جاتی ہے۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۵' مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ' کوئٹہ)

طلاق کی اقسام

طلاق کی تین قسمیں ہیں: احسن' حسن اور بدعی۔

طلاق احسن: جن ایام میں عورت ماہواری سے پاک ہو اور ان ایام میں بیوی سے مقاربت بھی نہ کی ہو' ان ایام میں صرف ایک طلاق دی جائے' اس میں دورانِ عدت مرد کو رجوع کا حق رہتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور فریقین کی باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

طلاق حسن: جن ایام میں عورت پاک ہو اور مقاربت بھی نہ کی ہو ان ایام میں ایک طلاق دی جائے اور جب ایک ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے دوسری طلاق دی جائے اور جب دوسری ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کیے تیسری طلاق دی جائے' اس کے بعد جب تیسری ماہواری گزر جائے تو عورت مغلظہ ہو جائے گی اور اب شرعی حلالہ کے بغیر اس سے دوبارہ عقد نہیں ہو سکتا۔

طلاق بدعی: اس کی تین صورتیں ہیں: (ا) ایک مجلس میں تین طلاقیں دفعۃً دی جائیں خواہ ایک کلمہ سے مثلاً تم کو تین طلاقیں دیں یا کلمات متعددہ سے' مثلاً کہے: تم کو طلاق دی' تم کو طلاق دی' تم کو طلاق دی۔ (ب) عورت کی ماہواری کے ایام میں اس کو ایک طلاق دی جائے' اس طلاق سے رجوع کرنا واجب ہے اور یہ طلاق شمار کی جاتی ہے۔ (ج) جن ایام میں عورت سے مقاربت کی ہو' ان ایام میں عورت کو ایک طلاق دی جائے' طلاق بدعی کی کسی صورت میں ہو اس کا دینے والا گناہ گار ہوتا ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار ج ۴ ص ۳۲۰ ـ ۳۱۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

صریح لفظ طلاق کے ساتھ ایک یا دو طلاقیں دی جائیں تو یہ طلاق رجعی ہے اور اگر صریح لفظ طلاق نہ ہو کنایہ سے طلاق دی جائے تو یہ طلاق بائن ہے' مثلاً طلاق کی نیت سے بیوی کو ماں' بہن کہہ دے' طلاق رجعی میں دوبارہ رجوع کیا جاسکتا ہے' لیکن پچھلی طلاقیں شمار ہوں گی' اگر پہلے دو طلاقیں دی تھیں تو رجوع کے بعد صرف ایک طلاق کا مالک رہ جائے گا' طلاق بائن سے فی الفور نکاح منقطع ہو جاتا ہے لیکن اگر تین سے کم طلاقیں بائن ہوں تو باہمی رضامندی سے دوبارہ عقد ہوسکتا ہے لیکن پچھلی طلاقوں کا شمار ہوگا۔

امام شافعی کے نزدیک تین طلاقیں دینا مباح ہے' وہ طلاق سنت اور طلاق بدعت کے قائل نہیں ہیں۔ ابن حزم ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے' امام مالک کے نزدیک جس طہر میں جماع نہ کیا ہو اس میں ایک طلاق دینا سنت ہے' امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ (المغنی مع الشرح ج ۸ ص ۲۳۶)

اس اعتراض کا جواب کہ جب حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے تو غیر حاملہ کو کیوں جائز نہیں؟

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے تو غیر حاملہ کو اس طہر میں طلاق دینا کیوں جائز نہیں ہے جس میں وہ بیوی سے جماع کر چکا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں فرق واضح ہے کیونکہ جس طہر میں شوہر نے اپنی بیوی سے جماع کرلیا اس طہر کے بعد جب تک حیض نہ آ جائے' یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اس جماع کے نتیجہ میں استقرار حمل ہوا یا نہیں اور عورت کے حاملہ یا غیر حاملہ ہونے کا پتا نہیں چلے گا اور یہ تعین نہیں ہو سکے گا کہ اس کی عدت تین حیض ہے یا وضع حمل ہے' اس لیے یہ قید لگائی گئی کہ اگر شوہر کو طلاق دینی ہو تو طہر کے ان ایام میں طلاق دے جن میں اس نے جماع نہ کیا ہو۔

اس کے بعد فرمایا: اور عدت کا شمار رکھو' اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔

عدت کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور عدت کی اقسام

عدت کا لغوی معنی ہے: گننا اور عورت کی عدت ان ایام کو کہتے ہیں جن کے گزر جانے کے بعد مطلقہ عورت کے لیے نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ غیر حاملہ عورت کی عدت تین حیض ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ . (البقرہ: ۲۲۸)

اور مطلقات اپنے آپ کو تین ماہ تک (نکاح سے) روکے رکھیں۔

اور جس عورت کو حیض نہ آتا ہو وہ اپنے آپ کو تین ماہ تک نکاح سے روکے رکھے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرء کا معنی حیض ہے' اس لیے وہ فرماتے ہیں: غیر حاملہ کی عدت تین حیض ہے' اور امام شافعی کے نزدیک قرء کا معنی طہر ہے' اس لیے وہ فرماتے ہیں: غیر حاملہ کی عدت تین طہر ہے' امام ابوحنیفہ کا مذہب اس لیے راجح ہے کہ تین کا عدد مکمل اس وقت ہوگا جب عدت تین حیض ہو کیونکہ اگر عدت تین طہر ہو تو جس طہر میں طلاق دی جائے گی اگر اس طہر کو عدت میں شمار کریں تو اڑھائی طہر ہوں گے اور اگر شمار نہ کریں تو ساڑھے تین طہر ہوں گے اور تین کا عدد مکمل نہیں ہوگا' اس کی مکمل بحث ہم نے البقرہ: ۲۲۸ میں کی ہے۔

اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ . (الطلاق: ۴)

حاملہ عورتوں کی عدت ان کا حمل وضع کرنا ہے۔

اور عدتِ وفات چار ماہ دس دن ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ (البقرہ:۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویوں کو چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک نکاح سے روکے رکھیں۔

واضح رہے کہ عدتِ طلاق اور عدتِ وفات میں ایام کو گننے کے لیے قمری تاریخوں کا حساب رکھنا ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھر سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

دورانِ عدت عورتوں کو گھروں سے نکالنے یا ان کے ازخود نکلنے کی ممانعت

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ فرماتے ہیں:

اس آیت میں شوہروں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ دورانِ عدت اپنی بیویوں کو گھروں سے نکالیں' اور عورتوں کو بھی ازخود نکلنے سے منع فرمایا ہے' اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دورانِ عدت عورتوں کو رہائش فراہم کرنا واجب ہے' کیونکہ جن گھروں سے عورتوں کے نکالنے کو منع فرمایا ہے یہ وہ گھر ہیں جن میں عورتیں طلاق سے پہلے رہتی تھیں' اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عورتوں کو ان ہی گھروں میں رکھا جائے' ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ شوہر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مطلقہ عورت کو اپنے ساتھ لے کر سفر پر جائے حتیٰ کہ وہ اس سے رجوع کرے اور رجوع پر گواہ قائم کرے' اور انہوں نے مطلقہ عورت کو عدت کے دوران سفر کرنے سے منع کیا ہے۔

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ طلاق رجعی میں بیوی کو کھانے پینے کا خرچ اور رہائش مہیا کرے اور اس کو اپنے گھر سے نہ نکالے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۵۴)

اس کے بعد فرمایا: سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

کھلی بے حیائی کی متعدد تفاسیر

کھلی بے حیائی کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عدت پوری ہونے سے پہلے عورت کا گھر سے باہر نکلنا کھلی بے حیائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورت دورانِ عدت اپنے خاوند سے بدزبانی اور بدکلامی کرے تو خاوند کا اس کو گھر سے نکالنا جائز ہے۔

ضحاک نے کہا: اس آیت میں کھلی بے حیائی سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورت خاوند کی نافرمانی کرے۔

حسن بصری اور زید بن اسلم نے کہا: کھلی بے حیائی سے مراد ہے وہ زنا کرے' پھر اجرائے حد کے لیے اس کو گھر سے باہر جانا پڑے گا۔

علامہ ابوبکر رازی نے کہا: کھلی بے حیائی کی تفسیر میں یہ تمام معانی درست ہیں۔

پھر فرمایا: اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۵۴' سہیل اکیڈمی' لاہور)

ایک طہر میں تین طلاق دینے کی تحریم

اس آیت میں یہ دلیل ہے جس نے خلاف سنت طلاق دی اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' کیونکہ اس سے پہلے فرمایا ہے:

جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو' سو جس نے اس کے خلاف کیا یعنی حیض میں طلاق دی یا اس طہر میں طلاق دی جس میں وہ اس سے جماع کر چکا تھا تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' نیز سنت طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے' سو جس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اس نے بھی اپنی جان پر ظلم کیا۔

ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے کی اباحت پر امام شافعی کے دلائل

امام شافعی اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک تین طلاقیں دینا مباح ہے۔ ان کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

سلمہ بن ابی سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی بیوی ام ابی سلمہ کو ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ ان کے اصحاب میں سے کسی نے اس پر ان کی مذمت کی۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۷)

سلمہ بن ابی سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے شوہر سے الگ کر دیا اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ان کی مذمت کی۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۹)

کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاق دینے کی تحریم کے متعلق احادیث اور ان کی وجہ ترجیح

کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے کی تحریم پر امام دار قطنی اور امام بیہقی کو حدیث نہیں پہنچی' لیکن ہمارے پاس بہ کثرت احادیث ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے پر ناراضی کا اظہار فرمایا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب اباحت کی احادیث اور تحریم کی احادیث میں تعارض ہو تو تحریم کی احادیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے' حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اس کو قتل نہ کر دوں؟

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۳۹۸)

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی' پھر یہ ارادہ کیا کہ ان کو دو طہروں میں مزید دو طلاقیں دیں' جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: اے ابن عمر! اللہ تعالیٰ نے اس طرح نہیں فرمایا' تم نے سنت طلاق (طریقہ طلاق) میں خطا کی' سنت یہ ہے کہ تم طہر کا استقبال کرو اور ہر طہر میں طلاق دو۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے اس طلاق سے رجوع کر لیا' پھر آپ نے فرمایا: جب وہ پاک ہو جائے تو پھر تم اس طہر میں خواہ اس کو طلاق دو' خواہ اپنے پاس رکھو' پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیں اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے جائز ہوتا کہ میں اس سے رجوع کر لیتا؟ آپ نے فرمایا: نہیں! وہ تم سے الگ ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل معصیت ہوتا۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۴)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں' اس کی بیوی اس سے الگ ہو گئی' اس نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی اور سنت کی مخالفت کی۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۱۰)

فی نفسہ طلاق کے ناپسندیدہ ہونے کے متعلق احادیث

تین طلاقیں دینا سنت کیسے ہو سکتا ہے جب کہ فی نفسہ طلاق دینا ناپسندیدہ عمل ہے اور بہ کثرت احادیث میں طلاق دینے

پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے' طلاق دینا صرف شدید ضرورت کی بناء پر مشروع کیا گیا ہے' جب شوہر اور بیوی کے درمیان مزاج کی ہم آہنگی نہ ہو اور کسی طرح بھی ان میں موافقت نہ ہو سکے یا بیوی بدچلن اور آوارہ ہو اور سمجھانے سے باز نہ آئے اور جب کوئی ایسی ناگزیر وجہ نہ ہو تو طلاق دینا سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال کاموں میں جو کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ موجب غضب ہے وہ طلاق دینا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۷۸)

حضرت محارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جو اس کے نزدیک طلاق سے زیادہ موجب بغض ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۱۸)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عیب کے بغیر عورتوں کو طلاق مت دو' کیونکہ اللہ عزوجل چکھنے والے مردوں اور چکھنے والی عورتوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۴۹۸۔۱۴۹۷)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہو اور اس نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک طلاق دینے سے زیادہ مبغوض ہو' اور جب کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا: تو ان شاء اللہ آزاد ہے تو وہ اسی وقت آزاد ہو جائے گا اور ان شاء اللہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ان شاء اللہ تجھے طلاق ہے تو اس پر طلاق نہیں پڑے گی اور وہ استثناء کر سکتا ہے۔

(سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۹۱۸' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۳۱' سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۶۱' المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۶۴۳)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: طلاق کی چار قسمیں ہیں: دو حلال ہیں اور دو حرام ہیں' جو دو طلاقیں حلال ہیں وہ یہ ہیں: (۱) کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو (۲) وہ اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دے جس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو' اور جو دو طلاقیں حرام ہیں وہ یہ ہیں: (۱) کوئی شخص اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے (۲) کوئی شخص جماع کرتے وقت اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس کو اس کا پتا نہ ہو کہ اس کا نطفہ رحم میں پہنچ گیا ہے یا نہیں۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۹۲۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کرو اور (بلا عذر) طلاق نہ دو' کیونکہ طلاق دینے سے عرش کانپنے لگتا ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۹۱' الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۱۲' علامہ سیوطی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے' اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۵۱' تنزیہ الشریعۃ ج ۲ ص ۲۰۲' الاحادیث الضعیفۃ رقم الحدیث: ۱۴۷' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

عدت طلاق کے دوران عورت کے گھر سے باہر نکلنے پر ایک حدیث سے جواز کا استدلال

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ. تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو' اور نہ وہ خود نکلیں۔ (الطلاق: ۱)

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ عدتِ طلاق کے دوران عورت کا گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ درج ذیل حدیث اس کے خلاف ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق دی گئی' انہوں نے اپنی کھجوریں درخت سے اتارنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے ان کو گھر سے نکلنے سے منع کیا' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں' آپ نے فرمایا: کیوں

نہیں! تم اپنے درخت سے کھجوریں اتارو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تم ان کھجوروں کو صدقہ کردو یا کوئی اور نیکی کا کام کرو۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۳)

اس حدیث کی بناء پر علامہ قرطبی مالکی کا مذہب احناف کو رد کرنا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے اس قول پر دلیل ہے کہ جو عورت عدت طلاق میں ہو' وہ اپنی ضروریات کے لیے دن میں گھر سے باہر جاسکتی ہے اور رات میں اس پر لازم ہے کہ وہ گھر آ جائے' امام مالک فرماتے ہیں: خواہ اس کو طلاق رجعی دی گئی ہو یا طلاق بائن دی گئی ہو' امام شافعی فرماتے ہیں کہ طلاقِ رجعی میں وہ رات اور دن کے کسی وقت میں گھر سے باہر نہ نکلے اور جس کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو وہ دن میں گھر سے باہر جاسکتی ہے' امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جو عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو وہ صرف دن میں گھر سے باہر جاسکتی ہے اور جو عورت عدتِ طلاق گزار رہی ہو وہ رات اور دن کے کسی وقت میں گھر سے باہر نہ نکلے اور یہ حدیث ان کے مذہب کا رد کرتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

مصنف کی طرف سے علامہ قرطبی کے اعتراض کا جواب

میں کہتا ہوں کہ ہمارا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ . (الطلاق: ۱) تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کو دورانِ عدت بغیر کسی استثناء یا قید کے مطلقاً گھر سے باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے اور قرآن مجید حضرت جابر کی خالہ کی حدیث پر مقدم ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو حضرت جابر کی خالہ کو دورانِ عدت گھر سے نکلنے کی اجازت دی تھی' ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہو' تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں نکلنے کی ممانعت کا حکم عام ہے اور حضرت جابر کی حدیث میں ان کی خالہ کے لیے نکلنے کا حکم خاص ہے اور عام' خاص پر مقدم ہوتا ہے' چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں دورانِ عدت ان کی خالہ کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اباحت ہے اور اس آیت میں مطلقہ کے لیے دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کی تحریم ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تحریم اور اباحت کے دلائل میں تعارض ہو تو تحریم کے دلائل کی اباحت کے دلائل پر ترجیح ہوتی ہے' پانچواں جواب یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنا مطلقاً ممنوع ہے' لیکن آپ نے اپنے خصوصی اختیار سے حضرت جابر کی خالہ کو دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی' اس حدیث میں آپ نے مخصوص مطلقہ کو دورانِ عدت ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔ بالعموم یہ نہیں فرمایا کہ ہر مطلقہ دورانِ عدت اپنی ضرورت کی وجہ سے دن میں باہر نکل سکتی ہے' اس لیے اس خاص جزئیہ سے حکم عام پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اور اس کی بہت نظائر ہیں' دیکھئے میت پر نوحہ کرنا مطلقاً ممنوع ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو مخصوص میت پر نوحہ کرنے کی اجازت دے دی' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' جب یہ آیت نازل ہوئی:

یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا (الٰی قولہ تعالیٰ) وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ . (الممتحنہ: ۱۲) ہجرت کر کے آنے والی خواتین آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہیں کریں گی۔۔۔ اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

حضرت ام عطیہ نے کہا: ان احکام میں میت پر نوحہ کرنے سے ممانعت بھی تھی' پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آلِ فلاں پر نوحہ کرنے کی اجازت دے دیں' کیونکہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں نوحہ میں میری موافقت کی تھی' سو میرے لیے بھی ان کی موافقت کرنا ضروری ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماسوا آلِ فلاں کے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۳۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۱۱۵۸۷)

حضرت ام عطیہ کو آلِ فلاں پر نوحہ کی اجازت دینے سے یہ لازم نہیں آیا کہ مطلقاً میت پر نوحہ کرنا جائز ہے۔

اسی طرح چھ ماہ کی بکری کی قربانی کرنا بالعموم جائز نہیں ہے لیکن آپ نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کی بکری کی قربانی کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم اس کی قربانی کرا دو اور تمہارے علاوہ یہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۶۲)

آپ نے مکہ کے درختوں کو کاٹنے سے مطلقاً منع فرمایا لیکن قریش کے ایک شخص نے اذخر (گھاس) کاٹنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۲)

قرآن مجید میں اڑھائی سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانے کی ممانعت ہے لیکن آپ نے حضرت سالم کو بلوغت کے بعد جوانی میں سہلہ بنت سہیل نامی ایک صحابیہ کا دودھ پینے کی اجازت دے دی اور حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کو ان کی رضاعی ماں بنا دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۵۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۲۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۴۳)

ریشم پہننا مردوں کو مطلقاً ممنوع ہے لیکن آپ نے حضرت زبیر اور حضرت عبد الرحمان کو خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۷۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۹۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۳۱۰)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ جو کام مطلقاً ممنوع ہو' اگر آپ کسی شخص کو اس کام کرنے کی اجازت دے دیں تو اس اجازت کی وجہ سے وہ کام بالعموم جائز نہیں ہو جاتا اور وہ اجازت صرف اس کی حد تک رہتی ہے' سو آپ نے حضرت جابر کی خالہ کو عدتِ طلاق میں کھجوریں اتارنے کے لیے گھر سے باہر جانے کی جو اجازت دی تھی یہ اجازت صرف ان کی حد تک ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عدتِ طلاق میں دن کے وقت عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا بالعموم جائز ہو جائے' لہٰذا اس حدیث کی بناء پر مذہب احناف کا مردود ہونا لازم نہیں آتا۔ مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہٗ نے اس مسودہ کو دیکھ کر مجھ سے کہا: آپ شرح صحیح مسلم کے جواب کو بھی یہاں لکھ دیں' سو وہ جواب یہ ہے:

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

حضرت جابر کی روایت کا ایک جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت جابر کی خالہ نے اپنے شوہر سے خلع کیا ہو اور خلع میں عدت کا نفقہ معاف کر دیا ہو' اس وجہ سے وہ تلاشِ معاش میں باہر گئی ہوں اور اس قسم کے مسائل میں احناف کے نزدیک بھی رخصت ہے۔ ''ہدایہ'' اور ''فتح القدیر'' میں اس کی تصریح ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہو اور اب منسوخ ہو چکا ہو' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر جو اس حدیث کے راوی ہیں خود یہ فتویٰ دیتے تھے کہ مطلقہ کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ابو الزبیر نے حضرت جابر سے پوچھا: کیا مطلقہ اور بیوہ اپنے گھر سے باہر نکل سکتی ہیں؟ حضرت جابر نے کہا: نہیں۔ الحدیث' امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر اپنی خالہ کے دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں' اس سے معلوم ہوا

کہ یہ حدیث ان کے نزدیک منسوخ ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ص ۴۶ کراچی) نیز امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور وہ گھر سے جانا چاہتی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کو روکو! اس نے کہا: میں نہیں روک سکتا' فرمایا: اس کو قید کرلو' کہا: اس کے بھائی بہت طاقتور ہیں' فرمایا: امیر سے مدد طلب کرو۔ (سنن کبریٰ ج ۷ص ۴۳۱) اور امام ابن ابی شیبہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور عثمان حج اور عمرہ سے عورتوں کو روکتے تھے تاوقتیکہ وہ عدت پوری کرلیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ص ۱۸۲' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶ھ)

علامہ قرطبی کا حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے امام ابوحنیفہ پر رد اور اس کے جوابات

علامہ قرطبی مالکی نے امام ابوحنیفہ پر دوسرا رد اس حدیث سے کیا ہے:

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ ابوحفص بن المغیرہ المخزومی نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں دے دیں' اور وہ خود یمن چلے گئے اور ان کے گھر والوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے کہا: تمہارا نفقہ ہمارے ذمہ نہیں ہے' پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اس وقت آپ حضرت میمونہ کے گھر تھے' انہوں نے بتایا کہ ابوحفص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں' کیا اس کا نفقہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا نفقہ نہیں ہے اور اس پر عدت ہے اور حضرت فاطمہ بنت قیس کو یہ پیغام بھیجا کہ تم خود کہیں نہ جانا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر چلی جائیں' پھر ان کو یہ پیغام بھیجا کہ ام شریک کے گھر تو مہاجرین اولین آتے ہیں' وہ ابن ام مکتوم جو نابینا ہیں ان کے گھر چلی جائیں' کیونکہ جب تم اپنا دوپٹا اتارو گی تو وہ تم کو نہیں دیکھیں گے' پس وہ ان کے گھر چلی گئیں اور جب ان کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے ان کا نکاح کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰' الرقم المسلسل: ۳۶۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۵۴۶' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۵۳۵۲)

علامہ قرطبی مالکی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس عدتِ طلاق میں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عدت کے ایام شوہر کے گھر کے بجائے حضرت ابن ام مکتوم کے گھر گزارنے کا حکم دیا' اس سے معلوم ہوا کہ عورت عدتِ طلاق میں شوہر کے گھر سے نکل سکتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ص ۱۴۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کے بھی وہی پانچ جوابات ہیں جو ہم اس سے پہلے حضرت جابر کی خالہ کی حدیث کے بیان کر چکے ہیں اور مزید چھٹا جواب یہ ہے کہ جمہور صحابہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کو رد کر دیا ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ:

اسود بن یزید نے حضرت عمر کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اللہ کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں ترک کریں گے' شاید اس کو یاد رہا یا بھول گئی' مطلقہ عورت کے لیے شوہر کی طرف سے رہائش بھی ہوگی اور اس کے ذمہ اس کا خرچ بھی ہوگا' اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ (الطلاق: ۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

(صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۳۶۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳۶)

امام دارقطنی نے اس قصہ کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: عروہ نے کہا کہ حضرت عائشہ' فاطمہ بنت قیس پر رد کرتی تھیں اور دورانِ عدت مطلقہ کے گھر سے نکلنے کا انکار کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ عدت پوری ہونے سے پہلے مطلقہ اپنے گھر سے نہ

نکلے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۴' مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۹' سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۷۲)

تین طلاقوں کی ممانعت پر دلیل

نیز فرمایا: تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنو آدم کے قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں' وہ جس طرح چاہتا ہے قلب کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ الحدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۸۶۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت یہ دعا کرتے تھے: اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر قائم رکھ' آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! آپ بہت زیادہ یہ دعا کرتے ہیں: اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر قائم رکھ' آپ نے فرمایا: مجھے کون مامون رکھ سکتا ہے' بندوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں' جب وہ کسی بندے کا دل پلٹنا چاہتا ہے تو پلٹ دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۱ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴۳ ص ۲۳۰۔ رقم الحدیث: ۲۶۱۳۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۶۶۹' کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث: ۱۲۵۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۱۰۔ ج ۱۱ ص ۳۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۵۵۳' اس حدیث کی سند صحیح لغیرہ ہے' کیونکہ اس کی سند کا ایک راوی علی بن زید ابن جدعان ضعیف ہے' باقی رجال ثقہ ہیں۔)

جب احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے دل پلٹتا اور بدلتا رہتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ شوہر آج اپنی بیوی سے ناراض ہے کل راضی ہو جائے' آج اس کو بیوی سے نفرت ہے اور کل وہ نفرت محبت سے بدل جائے اور وہ بیوی کو طلاق دینے پر نادم ہو اور اس طلاق سے رجوع کر لے' اس لیے فرمایا: تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ شوہر پر لازم ہے کہ وہ یک بار تین طلاقیں نہ دے بلکہ ہر طہر میں ایک طلاق دے شاید کہ ایک حیض یا ایک ماہ گزرنے کے بعد حالات بدل جائیں اور اس کا دل پلٹ جائے اور جس وجہ سے وہ بیوی کو طلاق دے رہا تھا وہ وجہ زائل ہو جائے اور وہ پہلے طہر میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ تین طلاقیں دینا ممنوع اور مذموم ہے' ورنہ اس آیت کا پھر کیا محمل ہو گا اور اس آیت میں امام شافعی اور ابن حزم ظاہری کا رد ہے' جنہوں نے کہا ہے کہ تین طلاقیں دینا سنت ہے۔

ہمارے زمانہ میں لوگ وثیقہ نویس سے یا وکیل سے طلاق نامہ لکھواتے ہیں اور عموماً وہ اس طرح کی عبارت لکھتا ہے کہ میں بہ قائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ اپنی فلاں منکوحہ کو تین طلاقیں دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہوں اور اپنے نکاح سے خارج کرتا ہوں اور بعض لکھتے ہیں کہ میں اپنی منکوحہ کو طلاق ثلٰثہ مثلثہ مغلظہ دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہوں اور شوہر اس پر دستخط کر دیتا ہے اور اس طلاق کے بعد رجوع کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی' بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ شوہر کا دل بدل دیتا ہے' پھر شوہر نادم اور پریشان ہوتا ہے' اس کو خیال آتا ہے اب بچوں کا کیا ہو گا' پھر مفتیوں کے پاس جاتا ہے' کبھی حلالہ کرانے کا سوچتا ہے' کبھی اپنا مذہب بدل کر غیر مقلد مولویوں کے پاس جا کر یہ باطل فتویٰ حاصل کرتا ہے کہ تین طلاقیں یک بارگی واقع نہیں ہوتیں' یہ ایک طلاق ہے اور یہ ساری مصیبت اس وجہ سے آئی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا' اللہ تعالیٰ کے برحق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حد رکھی تھی کہ وہ ایک طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے لیکن اس نے غصہ میں بے قابو ہو کر اللہ کی حد کو توڑا اور اب پچھتاتا پھر رہا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ جب انسان اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو

کسی عالم یا مفتی کے پاس جائے' وہ اس کو بتائے گا کہ جس طہر میں تم نے مباشرت نہ کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دو' اگر بعد میں ناراضگی ختم ہو جائے تو رجوع کر لینا اور اگر تین حیض گزر گئے اور تم نے رجوع نہیں کیا تو تمہاری بیوی بائنہ ہو کر تم سے الگ ہو جائے گی' پھر بھی یہ گنجائش ہو گی کہ عدت کے بعد باہمی رضامندی سے تم پھر اس سے دوسری بار نکاح کر لو۔ میں ۳۸ سال سے فتاویٰ لکھ رہا ہوں' میرے پاس جب بھی کوئی آیا' وثیقہ نویس یا وکیل سے تین پکی طلاقیں لکھوا کر اس پر دستخط کر کے اپنا گھر اجاڑ کر آیا اور اب مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ میں اس کے اجڑے ہوئے گھر کو پھر بسا دوں' طلاق دینے سے پہلے طلاق دینے کا طریقہ معلوم کرنے کوئی نہیں آتا' وائے افسوس!

اللہ کے بندو! اللہ کی حدود کو نہ توڑ' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ (الطلاق:۱)

اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا' تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جب وہ تکمیل عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو اچھائی کے ساتھ روک لو یا ان کو دستور کے مطابق جدا کر دو' اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنا لو' اور اللہ کے لیے گواہی دو' یہ ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لاتے ہیں' اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے ○ اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا' اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اسے کافی ہے' بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے' بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے ○ (الطلاق:۳-۲)

مطلقہ سے رجوع کرنے اور اس کو دستور کے مطابق رخصت کرنے کا معنی

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے فرمایا تھا:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ (البقرہ:۲۳۱)

اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دو پھر وہ اپنی عدت (کی تکمیل) کو پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق (اپنے نکاح میں) روک لو یا ان کو دستور کے مطابق چھوڑ دو ○

دستور کے مطابق عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنے کا معنی یہ ہے کہ شوہر طلاق سے رجوع کرے اور نکاح کے تمام تقاضے پورے کرے اور بیوی کے تمام حقوق ادا کرے اور دستور کے مطابق چھوڑنے کا معنی یہ ہے کہ اگر اس نے ایک طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ تین حیض گزر گئے تو اب عورت بائنہ ہو گئی اور اس کے نکاح سے نکل گئی تو اب وہ دستور کے مطابق اس کا مہر اور اس کے جہیز کا وہ سامان جو شوہر کو ہبہ نہیں کیا تھا اور اس عورت کی ملکیت تھا' وہ سامان اس کو دے کر رخصت کر دے' اسی طرح یہاں اس آیت میں فرمایا ہے: پھر جب وہ تکمیل عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو اچھائی کے ساتھ روک لو یا ان کو دستور کے مطابق جدا کر دو۔

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی طلاق رجعی دینے کے بعد اگر حالات بدل جائیں یا اس کا دل بدل جائے تو پھر عدت کے اندر اس سے رجوع کر لے اور اگر وہ اس سے علیحدگی کے عزم پر قائم رہے حتیٰ کہ عدت پوری ہو جائے تو دستور کے مطابق اس کو رخصت کر دے۔

اس کے بعد فرمایا: اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے لیے گواہی دو۔

طلاق اور اس سے رجوع پر گواہ بنانے کے حکم میں مذاہب اور اس کی حکمتیں

علامہ جصاص حنفی فرماتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رجوع کرنے اور فراق پر گواہ بنانے کا حکم دیا' شوہران میں سے جس پر بھی گواہ بنانے کو اختیار کرے' اور عمران بن حصین' طاؤس' ابراہیم اور ابی قلابہ سے مروی ہے: جب اس نے رجوع کیا اور گواہ نہیں بنایا تو اس کا رجوع صحیح ہے۔

علامہ ابوبکر رازی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے پہلے بیوی کو نکاح میں روکنے یا اس کو الگ کرنے کا ذکر فرمایا' اس کے بعد گواہ بنانے کا ذکر فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ شوہر نے پہلے طلاق سے رجوع کیا بعد میں اس پر گواہ بنالیا تب بھی صحیح ہے۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں جو فراق اور رخصت کرنے کا ذکر ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ ایک طلاق دینے کے بعد بیوی کو اسی حال پر چھوڑ دے حتیٰ کہ عدت گزر جائے اور اب اس کو رخصت کرنا صحیح ہے' خواہ اس وقت گواہ نہ بنائے بعد میں بنائے' اللہ تعالیٰ نے جو رجوع کرنے اور رخصت کرنے پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے یہ احتیاطاً ہے تاکہ کوئی یہ تہمت نہ لگائے کہ اس نے طلاق سے رجوع نہیں کیا یا بیوی کو دستور کے مطابق رخصت نہیں کیا۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۵۶' سہیل اکیڈمی' لاہور)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ طلاق دیتے وقت اور طلاق سے رجوع کے وقت اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بناؤ' امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ گواہ بنانا مستحب ہے اور امام شافعی کے نزدیک طلاق کے وقت گواہ بنانا مستحب ہے اور طلاق سے رجوع کے وقت گواہ بنانا واجب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ گواہ بنانے کا فائدہ یہ ہے کہ بعد میں فریقین میں سے کوئی طلاق یا رجوع کا انکار نہ کر سکے اور اس کے نکاح میں بیوی کو روکنے پر تہمت نہ لگائے' اور جب فریقین میں سے کوئی دوران عدت مر جائے تو اس کے وارث ہونے کا ثبوت ہو' ایک قول یہ ہے کہ گواہ بنانے کی حکمت یہ ہے کہ بیوی رجوع کا انکار کر کے عدت کے بعد کسی اور سے شادی نہ کر سکے۔

اس کے بعد فرمایا: اور اللہ کے لیے گواہی دو۔ اس میں حکام کے سامنے گواہی دینے کا حکم ہے اور یہ کہ گواہی دینا حقوق اللہ میں سے ہے' لوگ مقدمات کے چکر سے بچنے کے لیے گواہ نہیں بنتے' اگر سب لوگ اس طرح کرنے لگیں تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے' سو جس شخص کو گواہ بنایا جائے اس پر واجب ہے کہ وہ گواہی دے۔

الطلاق: ۳ میں فرمایا: اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔

متقین کے لیے راہِ نجات کے حصول کے سلسلہ میں احادیث اور آثار

شعبی نے کہا: اس کا معنی ہے: جس شخص نے عدت کے وقت سے پہلے طلاق دی یعنی اس طہر میں جس میں جماع نہیں کیا' تاکہ وہ عدت میں رجوع کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے عدت میں رجوع کرنے کی سبیل بنا دیتا ہے اور دوسروں نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کی ہر مشکل کا کوئی حل نکال دیتا ہے۔

کلبی نے کہا: جو شخص مصیبت میں صبر کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ سے جنت کی طرف نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا: جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا کے شبہات سے اور موت کی سختیوں سے اور قیامت کی شدتوں سے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۴۱-۳۴۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک ایسی آیت کو جانتا ہوں کہ اگر تمام لوگ اس پر عمل کریں تو وہ آیت انہیں کافی ہوگی' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کون سی آیت ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ○ (الطلاق: ۲) اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے ○

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۲۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۶۶۹' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے بیٹے سالم کو مشرکین نے قید کرلیا' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے فاقہ کی شکایت کی' تو آپ نے فرمایا: شام کے وقت سے آل محمد کے پاس صرف ایک کلو طعام ہے' تم اللہ سے ڈرو اور صبر کرو' اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھو' سوانہوں نے اس پر عمل کیا' ابھی وہ اپنے گھر میں تھے کہ ان کے بیٹے نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا اور ان کے ساتھ سو اونٹ تھے' ان کا دشمن ان سے غافل ہو گیا تھا سو وہ اس کے سو اونٹ ہنکا کر لے آئے۔

(دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۰۶' المستدرک ج ۲ ص ۴۹۲' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۱۱)

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سب سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو' اللہ اس کی ہر مہم میں کافی ہوگا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا اور جو شخص سب سے منقطع ہو کر دنیا کی طرف متوجہ ہوگا' اللہ اس کو دنیا کی طرف سپرد کر دے گا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۱۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۶۲۷۳' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۳۸-۵۳۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تفسیر میں فرمایا: جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ اس کو دنیا کے غم اور فکر سے کافی ہوگا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۶' رقم الحدیث: ۱۸۹۱۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے استغفار کرنے کو لازم کرلیا' اللہ اس کے لیے ہر فکر سے کشادگی پیدا کر دے گا اور ہر تنگی سے نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۴۸' المستدرک رقم الحدیث: ۷۶۷۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ اس کو دنیا اور آخرت کی مشکل سے نجات دے گا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۱۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے اور تقدیر کو صرف دعا ٹال سکتی ہے اور عمر میں اضافہ صرف نیکی سے ہوتا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۲ طبع قدیم۔ رقم الحدیث: ۲۱۹۳۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' الدر المنثور ج ۸ ص ۱۸۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میں تم کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ظاہر اور باطن میں اللہ سے ڈرو' اور جب کوئی برائی کرو تو اس کے فوراً بعد نیکی کرو' اور کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرو اور کسی امانت پر قبضہ نہ کرو اور دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۱ طبع قدیم۔ رقم الحدیث: ۲۱۰۶۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' الدر المنثور ج ۸ ص ۱۸۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ ہر چیز کی اصل ہے' اور تم جہاد کو لازم رکھو کیونکہ وہ اسلام کی رہبانیت ہے اور تم اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن کو لازم رکھو کیونکہ وہ آسمان میں تمہاری خوشی ہے اور زمین میں تمہارا ذکر ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۸۲ طبع قدیم۔ رقم الحدیث: ۱۱۳۶۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' الدر المنثور ج ۸ ص ۱۸۷)

ضرغام بن علیبہ بن حرملہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے' آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہو' اور جب تم کسی مجلس میں ہو' پھر وہاں سے اٹھو تو ان کی جو سنی ہوئی بات تمہیں اچھی لگے اس پر عمل کرو اور ان سے جو سنی ہوئی بات تمہیں ناپسند ہو اس کو چھوڑ دو۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۵۔ رقم الحدیث: ۱۸۲۴۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' الدر المنثور ج ۸ ص ۱۸۷)

اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ اسے کافی ہے۔

توکل کا معنی اور توکل کے متعلق احادیث

توکل کا معنی اسباب کو ترک کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کے حصول کے لیے پوری کوشش کی جائے' اس کے تمام اسباب مہیا کیے جائیں اور پھر اس کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے' اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص کسی چیز کے لیے اللہ پر توکل کرے' اس کو وہ چیز حاصل ہو جائے کیونکہ کئی متوکلین مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں اور راہِ حق میں شہید ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو آخرت میں عظیم ثواب عطا فرماتا ہے اور ان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ توکل کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فاقہ میں مبتلا ہو اور وہ لوگوں کے سامنے اپنے فاقہ کو بیان کرے تو اللہ اس کے فاقہ کو دور نہیں کرتا اور جس شخص کو فاقہ ہو اور وہ اللہ سے کہے تو اللہ اس کو جلد یا بہ دیر رزق عطا فرمائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۲۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے (متعدد) امتیں پیش کی گئیں' پس ایک نبی یا دو نبی گزرتے اور ان کے ساتھ ایک جماعت ہوتی' اور ایک نبی گزرتا اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہوتا' پھر میرے سامنے ایک بہت بڑی جماعت ظاہر ہوئی' میں نے پوچھا: کیا یہ میری امت ہے؟ مجھے بتایا گیا یہ حضرت موسیٰ کی امت ہے' پھر مجھ سے کہا گیا کہ آپ آسمان کے کناروں کی طرف دیکھئے' تو وہاں ایک جماعت تھی جس نے تمام آسمان کے کناروں کو بھر لیا تھا' مجھ سے کہا گیا کہ آپ ادھر اور ادھر آسمان کے کناروں کو دیکھیں وہاں بہت بڑی جماعت تھی' جس نے تمام آسمانوں کے کناروں کو بھر لیا تھا' کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے' اور ان لوگوں میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے' پھر آپ گھر چلے گئے اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ مسلمانوں نے اس میں غور و فکر کیا اور کہا: یہ ہم لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے اس کے رسول کی اتباع کی اور یہ ہم ہیں اور ہماری وہ اولاد ہے جو اسلام پر پیدا ہوئی' کیونکہ ہم لوگ تو زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے باہر آ کر فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کراتے تھے اور نہ بدشگونی کرتے تھے' اور نہ داغ لگوا کر علاج کراتے تھے اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے تھے' پھر حضرت عکاشہ بن محصن نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ایک اور شخص نے پوچھا: کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۰۵، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۲۰، المعجم الاوسط رقم الحدیث:۳۵۲، مسند احمد ج ۱ ص ۴۰۳)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے، وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۳۴۴، شعب الایمان رقم الحدیث:۱۱۸۲)

حضرت مطلب بن حطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے جن کاموں کا حکم دیا تھا، میں نے تمہیں ان تمام کاموں کا حکم دے دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جن کاموں سے منع کیا تھا میں نے تمہیں ان تمام کاموں سے منع کر دیا ہے اور بے شک الروح الامین نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا حتیٰ کہ وہ اپنے رزق کو پورا کرلے پس تم اچھی طرح طلب کرو۔ دوسری روایت میں ہے: حلال کو طلب کرو اور حرام کو ترک کر دو۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴، شعب الایمان رقم الحدیث:۱۱۸۷۔۱۱۸۶، السنۃ لابی العاصم ج ۱ ص ۱۸۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رزق بندہ کو اس طرح طلب کرتا ہے جس طرح اس کی موت اس کو طلب کرتی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۳۲۲۷، مسند البزار رقم الحدیث:۱۲۵۴، شعب الایمان رقم الحدیث:۱۱۹۱، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۳۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن حج کرتے تھے اور زادِ راہ نہیں لے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں اور جب مکہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ (البقرہ:۱۹۷) اور زادِ راہ (سفر خرچ) لیا کرو، بہترین زادِ راہ تقویٰ (اللہ سے ڈرنا اور سوال نہ کرنا) ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۵۲۳)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اسباب کو ترک کرنا توکل نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: بے شک اللہ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔

اللہ کے کام پورا کرنے کے محامل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے وہ اس کو پورا کرنے والا ہے۔

مسروق نے کہا: کوئی شخص اللہ پر توکل کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو مقدر کیا ہے وہ اس کو پورا کرنے والا ہے، البتہ جو اس پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور اس کے اجر کو زیادہ کر دیتا ہے۔

ہر چیز کے اندازہ سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک وقت اور اس کا انجام مقرر ہے، اس لیے یہ واجب ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور تمام معاملات اس کے سپرد کر دے، مقاتل نے کہا: ہر چیز کے لیے سختی اور آسانی اور اس کی مدت مقدر اور مقرر ہے۔

الطلاق:۳ کے آخر میں فرمایا: بے شک اللہ نے ہر چیز کا اندازہ رکھا ہے۔

تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اس آیت میں تقدیر کا بیان ہے، تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیتیں بھی ہیں:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝ (الفرقان:۱) اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو مقرر شدہ انداز ے پر رکھا۝

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ۝ (الاحزاب:۳۸) اور اللہ کا کام مقرر شدہ اندازے پر ہے۝

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝ (القمر:۴۹) ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۝

تقدیر کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کا معنی ہے: کسی چیز کی مقدار کو معین کرنا' اور اللہ کی تقدیر کا معنی ہے: کسی چیز کو حکمت کے تقاضے سے مخصوص مقدار' مخصوص صفت اور مخصوص مدت کے لیے بنانا اور اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) کسی چیز کو دفعۃً اور ابتداءً کامل بنانا بایں طور کہ اس میں بعد میں زیادتی' کمی یا تبدیلی نہ ہو' جیسے سات آسمان (۲) اس چیز کے اصول موجود بالفعل ہوں اور اس کے اجزاء موجود بالقوۃ ہوں اور اس کو اس اندازے سے بنایا جائے کہ اس سے وہ چیز موجود ہو نہ کہ کوئی اور چیز' جیسے کھجور کی گٹھلی کو اس اندازے سے بنایا کہ اس سے کھجور ہی پیدا ہوگی' سیب پیدا نہیں ہوگا اور انسان کی منی کو اس اندازے سے بنایا کہ اس سے انسان ہی پیدا ہوگا کوئی اور حیوان پیدا نہیں ہوگا۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۱۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں تقدیر کا ذکر بہت زیادہ ہے' اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے جس کام کو کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اس کا حکم کر دیا۔ (النہایہ ج ۴ ص ۲۰' دار الکتب العلمیہ' ۱۴۱۸ھ)

دراصل یہ دو لفظ ہیں: قضاء اور قدر' علامہ ابن اثیر الجزری نے جو معنی لکھا ہے وہ قضاء کا ہے' اور قدر یعنی تقدیر کا وہی معنی ہے جو علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے۔

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کے کئی معانی ہیں: (۱) کسی چیز کو بنانے اور تیار کرنے میں غور و فکر کرنا (۲) کسی چیز کو ختم کرنے کے لیے علامات مقرر کرنا (۳) دل میں کسی چیز کو سوچنا اور قیاس کرنا۔

القدریہ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا انکار کرتا ہے' اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کا نام ہے' انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو انسان کا علم تھا' اس کو علم تھا کہ کون انسان کفر کرے گا اور کون انسان ایمان لائے گا' اس نے اپنے اس علم سابق کو لکھ دیا اور جس کے لیے جو لکھا ہے وہ اس پر آسان کر دیا۔ ابو منصور ماتریدی نے کہا: اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کے متعلق اندازہ (پیشگی علم) تھا کہ وہ جنتی ہوگا یا دوزخی ہوگا اور اسے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم تھا' سو اس نے اپنے اس پیشگی علم کو لکھ دیا اور یہی تقدیر ہے۔ (لسان العرب ج ۱۲ ص ۴۷' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

تقدیر کی وضاحت اور اس کا کھوج لگانے کی ممانعت

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی التوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

تقدیر پر ایمان لانا فرض لازم ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے خواہ وہ خیر ہوں یا شر ہوں' اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے افعال کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۹۶) اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو ۝

پس ایمان اور کفر' اطاعت اور معصیت سب اللہ کی قضاء اور قدر سے ہے اور اس کے ارادہ اور اس کی مشیت سے ہے' البتہ وہ ایمان سے راضی ہوتا ہے اور کفر سے ناراض ہوتا ہے (دراصل بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے' بندہ کے ارادہ کو کسب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو خلق کہتے ہیں اور بندہ جو برے کاموں پر سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اچھے کاموں پر جو اس کو جزا دی جاتی ہے وہ اس کے کسب کے اعتبار سے ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور اللہ تعالیٰ نے ایمان اور طاعت پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے' اور وہ کفر اور معصیت سے راضی نہیں ہوتا' اور اس نے کفر اور معصیت پر عذاب کی وعید سنائی ہے اور ثواب عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

اور تقدیر اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر (راز) ہے' جس پر اس نے کسی مقرب فرشتہ کو مطلع فرمایا ہے نہ کسی نبی مرسل کو (ہماری تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں تقدیر کی حقیقت معلوم ہے اور عام مؤمنوں کو آخرت میں تقدیر کی حقیقت پر مطلع کیا جائے گا' سعیدی غفرلہٗ) تقدیر میں غور وخوض کرنا اور عقل سے اس میں بحث کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا' پھر اس کے دو فرقے کر دیئے' دائیں جانب والوں کو اپنے فضل سے جنت کے لیے پیدا کیا اور بائیں جانب والوں کو اپنے عدل سے دوزخ کے لیے پیدا کیا' ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: اے امیر المؤمنین! مجھے تقدیر کے متعلق بتایئے' آپ نے فرمایا: یہ اندھیرا راستہ ہے تم اس میں مت چلو' اس نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کا راز ہے جو تم سے مخفی ہے' تم اس کی تفتیش مت کرو۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ا ص ۲۱۵' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۲۵۷' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

خلق اور تقدیر کا فرق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ (الفرقان: ۱) اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو مقرر شدہ اندازے پر رکھا ۝

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا' اس کا معنی ہے کہ انسان کے اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا: اور اس کو مقرر شدہ اندازہ پر رکھا' یعنی وہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا اور اس میں وہ خاصیت مہیا کی' جس کی اس میں صلاحیت اور استعداد تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس مقدار اور شکل پر پیدا کیا جس کو تم دیکھ رہے ہو اور اس میں ان کاموں کی طاقت رکھی جن پر دین اور دنیا کی کامیابی موقوف ہے' اسی طرح ہر حیوان میں ان کاموں کی طاقت رکھی جن پر اس کی دنیاوی مصلحت موقوف ہے اور ہر حیوان کو اس کے حال کے مناسب مقدار اور شکل وصورت پر پیدا کیا' اسی طرح تمام جمادات اور نباتات کو ان کے حسب حال مقدار اور صورت پر پیدا کیا۔

اور تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے' جب اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ فلاں چیز ہوگی تو اس چیز کا ہونا ضروری ہے اور اس کا نہ ہونا محال ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم' جہل سے بدل جائے گا۔ اسی طرح جب اس نے کسی چیز کے متعلق خبر دی ہے کہ فلاں چیز ہوگی تو اس کا ہونا ضروری ہے ورنہ اس کے کلام کا صدق' کذب سے بدل جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۳۱-۴۳۰ ملخصاً' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے الفرقان: ۱ کی تفسیر میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس میں وہ چیزیں رکھیں جو اس کی حکمت کا تقاضا تھیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۳ ص ۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو لفظ ہیں' پہلے فرمایا: "خلق" پھر فرمایا: "فقدر" بہ ظاہر دونوں کا معنی ایک ہے اور یہ تکرار ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ "خلق" کا معنی ہے: اللہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا اور "فقدر" کا معنی ہے: اس میں وہ چیزیں مہیا کیں جو اس کی حکمت کا تقاضا ہیں' جیسے انسان کو مخصوص مادے سے مخصوص صورت پر پیدا کیا اور اس میں وہ خصائص اور وہ افعال مہیا کیے جو اس کے لائق ہیں' مثلاً اس میں فہم' ادراک' دنیا اور آخرت کے کاموں میں نظر اور تدبر کو پیدا کیا اور مختلف افعال پیدا کیے۔

(روح المعانی جز ۱۸ ص ۳۴۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قضاء معلق اور قضاء مبرم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ○ (الرعد: ۳۹)

اللہ جس (لکھے ہوئے کو) چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے' اور اسی کے پاس ام الکتاب (لوحِ محفوظ) ہے ○

اس آیت کی علماء نے ایک اور تقریر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیر معلق ہے اور ایک تقدیر مبرم ہے۔ تقدیر معلق میں محو اور اثبات ہوتا رہتا ہے اور تقدیر مبرم اللہ تعالیٰ کے علم سے عبارت ہے' اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا' مثلاً ایک شخص کی قسمت میں اولاد نہیں ہے اور تقدیر معلق ہے لیکن کسی مرد خدا کی دعا سے اس کے لیے اولاد مقدر کر دی جاتی ہے' پہلے اس کی قسمت میں لاولد لکھا تھا' اگر کسی مرد خدا نے دعا کر دی تو لاولد کو مٹا کر صاحب اولاد لکھ دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے دعا نہیں کی تو وہ لاولد اسی طرح ثابت رہتا ہے اور یہ تقدیر معلق ہے۔ جس کی طرف "يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ" (الرعد: ۳۹) میں اشارہ ہے' اور تقدیر مبرم کا مرتبہ جس کی طرف "عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ" (الرعد: ۳۹) سے اشارہ ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ لاولد یا صاحب اولاد ہے اور اس کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی' اسی طرح انسان اگر ماں باپ یا رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے یا اس کے رزق میں وسعت ہو جاتی ہے اور اگر ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو پھر عمر میں یا رزق میں اضافہ نہیں ہوتا مثلاً اس کی عمر پچاس سال لکھی ہوئی ہے' اس نے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کی تو پچاس سال مٹا کر اس کی عمر ساٹھ سال لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو اس کی عمر اسی طرح پچاس سال لکھی رہتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ اس نے ان کے ساتھ نیکی کرنی ہے یا نہیں کرنی اور انجام کار اس کی عمر پچاس سال ہوگی یا ساٹھ سال اور ام الکتاب میں اس کی وہ عمر لکھی ہوئی ہوتی ہے' اور یہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ حسب ذیل احادیث اس تقریر پر دلالت کرتی ہیں:

رزق میں وسعت اور عمر میں اضافہ کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ اس

کے رزق میں وسعت کی جائے یا اس کی عمر میں اضافہ کیا جائے' اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے مل جل کر رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۸۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۴۲۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے خاندان کے ان رشتوں کو جانو جن سے تم مل جل کر رہو' کیونکہ رشتہ داروں سے ملنے کے سبب اہل میں محبت بڑھتی ہے' مال میں زیادتی ہوتی ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۷۹' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۴' المستدرک ج ۴ ص ۱۶۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جس شخص کو نرمی اور ملائمت سے اس کا حصہ دیا گیا' اس کو دنیا اور آخرت کی خیر سے حصہ دیا گیا۔ رشتہ داروں سے ملنا اور پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا گھروں کو آباد رکھتا ہے اور عمروں میں اضافہ کرتا ہے۔

ان احادیث کا قرآن مجید سے تعارض

ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صلہ رحم سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہیں:

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ (یونس: ۴۹)

ہر گروہ کا ایک وقت مقرر ہے' جب ان کا مقرر وقت آ جائے گا تو وہ نہ ایک ساعت مؤخر ہو سکیں گے اور نہ ایک ساعت مقدم ہو سکیں گے ○

ان احادیث کے قرآن مجید سے تعارض کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں جس عمر کا ذکر فرمایا ہے' یہ وہ عمر ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور یہ قضاء مبرم ہے' اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی اور ان احادیث میں جس عمر کے اضافہ کا ذکر ہے یہ عمر قضاء معلق میں ہے' مثلاً اگر کسی شخص نے صلہ رحم کیا تو اس کی عمر سو سال ہے اور اگر قطع رحم کیا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہے' پس اگر اس نے صلہ رحم کر لیا تو اس کی عمر ساٹھ سال کو مٹا کر سو سال لکھ دی جائے گی اور اگر قطع رحم کیا تو وہی ساٹھ سال لکھی رہے گی لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ اس نے صلہ رحم کرنا ہے یا قطع رحم کرنا ہے اور اس کی عمر سو سال ہے یا ساٹھ سال اور اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا۔

تقدیر کے متعلق احادیث اور ان کی تشریحات

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت پر اور اس پر کہ ہر اچھی اور بری چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔ (الحدیث)

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۵۹۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۹۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ فرماتے ہیں: اہل حق کے نزدیک تقدیر ثابت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء کا اندازہ کیا اور اللہ سبحانہ کو علم تھا کہ یہ چیزیں مخصوص صفات پر مخصوص اوقات میں واقع ہوں گی' سو اسی علم کے موافق یہ چیزیں واقع ہوتی ہیں' اور قدریہ نے اس کا انکار کیا اور کہا: اللہ تعالیٰ کو مخصوص صفات کے ساتھ چیزوں کے وقوع کا پیشگی علم نہیں ہوتا بلکہ چیزوں کے وقوع کے بعد ان کا علم ہوتا ہے۔ ابن قتیبہ اور امام نے کہا: اہل حق تقدیر کو مانتے ہیں اور افعال

کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور یہ جاہل قوم افعال کی تخلیق کی نسبت اپنی طرف کرتی ہے۔

علامہ خطابی نے کہا: اکثر لوگ قضاء اور قدر کا یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر اور اپنی قضاء پر عمل کرنے کے لیے بندوں کو مجبور کر دیا لیکن قضاء وقدر کا یہ معنی نہیں ہے۔ قدر کا معنی اللہ تعالیٰ کا پیشگی اندازہ ہے یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کا علم اور قضاء کا معنی ہے: اپنے علم کے موافق چیزوں کو پیدا کرنا۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ ص ۲۴۹-۲۴۷ ملخصاً مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ ان معترضین نے جبر کا معنی نہیں سمجھا۔ جبر یہ ہے کہ انسان کی خواہش اور اس کے اختیار کے بغیر اس سے کوئی کام کرایا جائے' جیسے کوئی شخص کسی انسان کی کنپٹی پر پستول رکھ کر اس سے کہے کہ اپنی جیب سے رقم نکالو تو یہ جبر ہے اور جب آدمی اپنی خواہش سے کوئی چیز خریدنے کے لیے جیب سے رقم نکالے تو یہ جبر نہیں ہے' سو ہم اچھے یا برے کام جو بھی کرتے ہیں تو اپنے اختیار سے کرتے ہیں اور ہم جس کام کو اختیار کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہمارے اندر وہی کام پیدا کر دیتا ہے' پھر جبر کہاں سے ہو گیا' سو ہم اپنے افعال میں مختار ہیں' مجبور نہیں ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ سب سے زیادہ سچے ہیں کہ تم میں سے کسی ایک کی تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ کی صورت میں رہتی ہے' پھر چالیس دن جمے ہوئے خون کی صورت میں رہتی ہے' پھر چالیس دن گوشت کے ٹکڑے کی صورت میں رہتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار کلمات دے کر بھیجتا ہے' پس وہ اس کا عمل لکھتا ہے اور اس کی مدت حیات لکھتا ہے اور اس کا رزق لکھتا ہے اور یہ لکھتا ہے کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے (دوزخی ہے یا جنتی) پھر اس میں روح پھونک دیتا ہے' سو اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ (کا فاصلہ) رہ جاتا ہے' پھر اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے وہ اہل دوزخ کے سے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے' اور تم میں سے ایک شخص اہل دوزخ کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ (کا فاصلہ) رہ جاتا ہے پھر اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے اور وہ اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۱۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۲)

اس حدیث میں اس پر تنبیہ ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے نیک اعمال پر مغرور نہ ہو اور تکبر نہ کرے اور خوف اور امید کے درمیان رہے اور تقدیر پر شاکر اور اللہ کی رضا پر راضی رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا دوزخ میں لکھ دیا گیا ہے یا اس کا ٹھکانا جنت میں لکھ دیا گیا ہے' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد کر کے عمل کرنا چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: عمل کرتے رہو' ہر شخص کے لیے اس چیز کو آسان کر دیا گیا ہے' جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے' جو شخص اہل سعادت میں سے ہے اس کے لیے اہل سعادت کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہے اس کے لیے اہل شقاوت کے عمل آسان کر دیئے جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں:

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۝ (اللیل: ۱۰-۵) رہا وہ شخص جس نے عطا کیا اور اپنے رب سے ڈرا ۝ اور اس نے ہر نیکی کی تصدیق کی ۝ تو ہم عنقریب اس کے لیے نیک کاموں کو آسان کر دیں گے ۝ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہی

برتی ○ اور اس نے ہر نیکی کی تکذیب کی ○ تو ہم عنقریب اس کے لیے معصیت کا راستہ آسان کر دیں گے ○
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۹ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مزینہ کے دو شخصوں نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیں کہ آج جو شخص عمل کرتے ہیں اور اس میں مشقت اٹھاتے ہیں آیا یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان کے لیے مقدر کر دی گئی ہے یا جو کچھ ان کو ان کے نبی نے بتایا ہے یہ اس پر از خود عمل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں' یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان پر مقدر کر دی گئی ہے اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ○ نفس کی قسم اور اس کو درست بنانے کی ○ پھر اس کو بدکاری کی سمجھ دی اور اس سے بچنے کی ○ (الشمس: ۸-۷)
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۰)

یعنی ہر انسان کو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ خیر اور شر' نیکی اور بدی کی پہچان کرا دی اور اس کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ صحیح اور غلط اور حق اور باطل میں تمیز کر سکے' پس جس نے کتاب اور سنت اور عقل سلیم کی ہدایت پر عمل کیا وہ کامیاب ہے اور جس نے اس سے انحراف کیا وہ ناکام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس آیت سے استدلال کا یہ منشاء ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں نفس انسان کو بھلائی اور برائی سمجھا دی تھی اور اس کو ازل میں علم تھا کہ دنیا میں آ کر انسان اس ہدایت پر عمل کرے گا یا نہیں' سو اسی علم کے موافق اللہ نے لکھ دیا اور اسی کا نام تقدیر ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ (القمر: ۵۲) انہوں نے جو کچھ عمل کیے وہ سب لوح محفوظ میں لکھے ہوئے تھے ○

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نوجوان شخص ہوں اور مجھے اپنے اوپر زنا کا خطرہ ہے اور میرے پاس اتنا مال نہیں جس سے میں عورتوں سے شادی کروں' گویا کہ وہ خصی ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے' آپ خاموش رہے' میں نے دوبارہ کہا' آپ پھر خاموش رہے' میں نے سہ بارہ کہا' آپ پھر خاموش رہے' میں نے چوتھی بار کہا تو آپ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! جو کچھ تم نے کرنا ہے اس کو قلم (تقدیر) لکھ کر خشک ہو چکا ہے' سو تم خصی ہو یا اس عمل کو چھوڑ دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۷۶)

یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم نے اپنے اختیار سے زنا کرنا ہے یا نہیں کرنا اور اسی کے موافق لکھ دیا گیا ہے' سو اب خصی ہونے کا کیا فائدہ ہے۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ' اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ' تو اس نے لکھ دیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۵)

حضرت ابوخزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم دم کراتے ہیں اور دوا سے علاج کراتے ہیں اور ڈھال وغیرہ کے ذریعہ حملوں سے بچتے ہیں' کیا یہ چیزیں تقدیر کو ٹال دیتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ

چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۵ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۴۳۷)

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیماری کو مقدر کیا ہے اسی طرح بیماری کے ازالہ کے لیے دوا کو مقدر کیا ہے پس جو آدمی دوا کو استعمال کرے اور اس کو فائدہ نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ اللہ نے اس کے لیے شفاء کو مقدر نہیں کیا' لیکن وہ صرف ایک بار دوا کو استعمال کر کے مایوس نہ ہو بلکہ مختلف معالجوں سے علاج کرائے اور شفا کا ہر طریقہ آزمائے اور تاحیات حصول شفاء کی کوشش کرتا رہے' بعض احادیث میں دم کرانے کی ترغیب ہے اور بعض احادیث میں اس کو توکل کے خلاف فرمایا ہے' ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آیات قرآن اور احادیث میں بیان کیے گئے کلمات سے دم کیا جائے یا تعویذ لکھا جائے تو جائز ہے اور اگر شرکیہ کلمات سے دم کیا جائے یا کرایا جائے تو وہ ناجائز ہے اور توکل کے خلاف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے: اے دلوں کو بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے' کیا آپ کو ہم پر کوئی خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! بے شک تمام دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے ان دلوں کو پلٹتا رہتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۰' مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۷-۱۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے' المرجئۃ اور القدریۃ۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۶۲' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

المرجئۃ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کی کوئی ضرورت نہیں اور مؤمن کو گناہوں سے کوئی ضرر نہیں ہوگا اور القدریۃ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا منکر ہے اور انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتا ہے اور کہتا ہے کہ مؤمن مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: القدریۃ اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۸۶-۱۲۵' المستدرک ج ۱ ص ۸۵)

مجوس دو خالق مانتے تھے' ایک یزداں جو خالق خیر ہے اور ایک اہرمن جو خالق شر ہے' آپ نے القدریۃ کو اس امت کا مجوس اس لیے فرمایا کہ وہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں اور مجوس کی طرح شرک کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل قدر (منکرین تقدیر) کی مجلس میں نہ بیٹھو اور نہ ان سے (سلام کی) ابتداء کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۰-۴۷۱۰' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰)

ان سے ابتداء کی ممانعت کا معنی یہ ہے کہ ان سے ابتداءً سلام اور کلام نہ کرو' مؤخر الذکر دونوں حدیثیں بدمذہبوں اور گمراہ فرقوں سے میل جول اور سلام و کلام کی ممانعت کی اصل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ شخصوں پر میں نے لعنت کی ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے' اور ہر نبی مستجاب الدعا ہوتا ہے: (۱) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (۲) اللہ کی تقدیر کی تکذیب کرنے والا (۳) قوت کے بل پر غلبہ پا کر حکومت اور اقتدار حاصل کرنے والا تاکہ عزت والوں کو ذلیل کرے اور ذلت والوں کو عزت دے (۴) اللہ کے حرام کردہ کاموں کو حلال کرنے والا (۵) میری عترت (اہل بیت) میں ان کاموں کو حلال کرنے والا جن کو اللہ نے حرام کیا ہے (۶) میری سنت کو (بہ طور تخفیف اور اہانت) ترک کرنے والا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۱۵۴ المستدرک ج ۱ص ۳۶ السنۃ لابی العاصم رقم الحدیث:۲۴ الجامع الصغیر رقم الحدیث:۳۲۲۸)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل میں پیش آنے والے اُمور کا ذکر کر رہے تھے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کر دینا' اور جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی پیدائشی عادت بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ وہ اپنی فطرت پر ہی لوٹ جائے گا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۳)

بہادری اور بزدلی' سخاوت اور بخل' اسی طرح حلیم اور بدمزاج یا غصہ ور' یہ فطری اور جبلی صفات ہیں' اگر کوئی شخص یہ خبر دے کہ فلاں شخص جو بہادر تھا اب بزدل ہو گیا ہے' یا جو سخی تھا وہ بخیل ہو گیا' یا جو حلیم اور بردبار تھا وہ جلد غصہ میں آنے والا بن گیا ہے' تو اس خبر کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ ان صفات کا تعلق قضاء وقدر سے ہے' اور کسبی صفات بدل سکتی ہیں جیسے کوئی جاہل عالم بن جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے' اور وہ عورتیں جن کو حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے' اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا O یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے' اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے ثواب کو بڑھا دے گا O (الطلاق: ۵۔۴)

جن بوڑھی عورتوں کو حیض نہیں آتا' ان کی عدت میں شک ہونے کے محامل

جن عورتوں کو حیض آتا ہے ان کی عدت اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرما چکا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

(البقرہ:۲۲۸)

اور اس آیت میں بتایا ہے کہ جن عورتوں کو نابالغہ ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ان کی عدت تین ماہ ہے۔ پھر اس آیت میں جو فرمایا ہے: اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو' اس کے تین محمل ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اگر تم کو معلوم نہ ہو جو عورت' حیض سے رک گئی ہے یا جس کا حیض شروع نہیں ہوا تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ زہری نے کہا: جو عورت بوڑھی ہے اور اس کو حیض میں شک ہے تو وہ تین ماہ عدت گزارے گی۔ اگر جوان عورت کو حیض نہ آئے تو دیکھا جائے گا' وہ حاملہ ہے یا غیر حاملہ' اگر متعین ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے' نہیں تو انتظار کیا جائے حتیٰ کہ حمل کا معاملہ صاف ہو جائے اور انتظار کی مدت ایک سال ہے۔

ابن زید نے کہا: اگر عورت یا مرد کو حیض کے آنے میں شک ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر حمل کا انتظار ہو تو اس کی مدت نو ماہ ہے۔

(۲) ابن ابی کعب نے کہا: یا رسول اللہ! قرآن مجید میں بوڑھی عورت' نابالغہ اور حاملہ عورت کی عدت نہیں بیان کی گئی تو یہ آیت نازل ہو گئی۔

(۳) عکرمہ نے کہا: اگر عورت کو مہینہ میں بار بار خون آتا ہے اور کئی مہینہ خون آتا رہتا ہے اور اس کو شک ہے اور یہ متعین نہیں ہوتا کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا' یعنی یہ خون رحم سے آیا ہے یا بیماری کی وجہ سے کسی رگ سے آیا ہے' تو پھر اس کی عدت تین ماہ ہے۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اسی آخری قول کو ترجیح دی ہے۔

(جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۸۰۔ ۱۷۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز فرمایا ہے: اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے فرمایا: اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

بیوہ حاملہ کی عدت میں اختلافِ صحابہ

اس میں اختلاف ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے یا اس کی عدت وضع حمل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مختار یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے' وہ کہتے تھے: جو چاہے میں اس سے اس مسئلہ پر لعان کرنے کے لیے تیار ہوں کہ الطلاق: ۴' جس میں فرمایا: حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے' البقرہ: ۲۳۴ کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں فرمایا ہے کہ بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور وہ قسم کھا کر فرماتے: النساء القصریٰ (الطلاق) النساء الطولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم یہ کہتے تھے کہ اس کی عدت زیادہ لمبی مدت ہے' یعنی اگر وضع حمل کی مدت چار ماہ سے زیادہ ہو تو وہ اس کی عدت ہے اور اگر چار ماہ دس دن کی مدت وضع حمل کے عرصہ سے زیادہ ہو تو پھر وہ اس کی عدت ہے۔ (جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۸۴۔ ۱۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم سورۃ الطلاق کے تعارف میں اس اختلاف کو تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

نابالغہ' بوڑھی اور حاملہ عورتوں کی عدت کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس عورت کو کم عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا بایں طور کہ اس کی عمر نو سال سے کم ہو' اس کی عدت تین ماہ ہے یا جو عورت بوڑھی ہو اور سن ایاس کو پہنچ چکی ہو' اس کی عدت بھی تین ماہ ہے' یا جو عورت بالغہ ہو چکی ہو اور بار بار حیض آنے کے بعد اس کا طہر دائم ہو اور بوڑھی ہونے تک اس کو دوبارہ حیض نہ آیا ہو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے اور مہینوں کا اعتبار چاند کی تاریخوں کے حساب سے ہوگا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۳۹۔ ۱۳۶ ملخصاً' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اور عدتِ وفات چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے چار ماہ دس دن ہے اور حاملہ عورت کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے' خواہ وہ عدتِ طلاق گزار رہی ہو یا عدتِ وفات۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۵۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

رہی عدتِ حمل تو اس کی مقدار اتنی ہی ہے' جتنی مدت وضع حمل میں رہ گئی ہے' خواہ کم ہو یا زیادہ حتیٰ کہ عدت واجب ہونے کے ایک دن یا ایک گھنٹہ بعد بھی ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ . اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

اور کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ اگر میت تختِ غسل پر ہو اور اس کی بیوی کے ہاں ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی' پھر لکھتے ہیں:

عمرو بن شعیب[1] اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی:

[1] شعیب کا پورا نام ہے: محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص' گویا عمرو بن شعیب اپنے والد محمد بن عبد اللہ سے اور محمد بن عبد اللہ اپنے دادا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (تدریب الراوی ص ۳۰۴' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

''وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ '' (الطلاق:۴) تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آیت مطلقہ کی عدت کے بارے میں ہے یا بیوہ کی عدت کے بارے میں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں کے بارے میں ہے' اور سبیعہ بنت الحارث نے روایت کیا ہے کہ ان کے شوہر کی موت کے بیس اور کچھ دنوں کے بعد ان کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۰۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۴۸۵' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۱۹۴)

نیز عدت سے مقصود یہ ہے کہ براءت رحم واضح ہو جائے اور تین حیض گزر جانے سے بھی براءت رحم واضح ہوتی ہے اور وضع حمل سے اس سے بھی زیادہ براءت رحم واضح ہوتی ہے' پس وضع حمل سے عدت کا پورا ہونا مہینوں کی بہ نسبت زیادہ واضح ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں عموم ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۴ ص ۴۳۲۔۴۳۰' ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اللہ سے ڈرنے کے فوائد

الطلاق:۵ میں فرمایا: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے گناہوں کو مٹا دے گا اور اس کے ثواب کو بڑھا دے گا۔

یعنی اللہ اس کے معاملہ کو آسان بنا دے گا اور اس کو نیک اعمال کی توفیق دے گا' عطاء نے کہا: اللہ اس کی دنیا اور آخرت کے معاملات کو آسان کر دے گا' اور اللہ کے احکام پر جو شخص عمل کرے گا اور اس کی اطاعت کرنے میں اس سے ڈرتا رہے گا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرے گا' تو وضو کرنے سے اور ایک نماز سے دوسری نماز اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس سے جو صغیرہ گناہ ہوئے' ان کو مٹا دے گا اور توبہ کرنے سے اس کے کبیرہ گناہوں کو بھی مٹا دے گا اور آخرت میں اس کے کبیرہ گناہوں کو بھی مٹا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو' اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو' اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو' اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ○ صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے' اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ○ (الطلاق:۷۔۶)

حضرت فاطمہ بنت قیس کی وہ روایت جس سے ائمہ ثلاثہ نے مطلقہ کے خرچ کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے خاوند نے مجھ کو تین طلاقیں دے دیں' میں نے گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی' آپ نے فرمایا: تم اپنے عم زاد عمرو بن ام مکتوم کے پاس جاؤ اور ان کے پاس عدت گزارو۔ (صحیح مسلم' کتاب الطلاق' باب:۶' رقم الحدیث:۴۵)

شعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے رہائش اور خرچ مقرر نہیں کیا تھا' پھر اسود نے ایک مٹھی میں کنکریاں لے کر ان کو ماریں اور کہا: تم پر افسوس ہے تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ہم اللہ کی کتاب کو اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے' ہم نہیں جانتے اس کو اصل حدیث یاد ہے یا شاید وہ بھول گئی' اس کے لیے رہائش بھی ہوگی اور خرچ بھی ہوگا' اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ — تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ

اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ (الطلاق:۱) خود نکلیں سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

طلاق ثلاثہ کے بعد نفقہ اور سکنیٰ کے استحقاق میں مذاہب

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے شوہر پر ہر حال میں نفقہ اور سکنیٰ (کھانے اور رہائش کا خرچ) لازم ہے خواہ مطلقہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ اگر حاملہ ہو تو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ لازم ہے ورنہ کچھ لازم نہیں' امام شافعی اور امام مالک کہتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ صرف اس صورت میں لازم ہے جب وہ حاملہ ہو۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں کہ حسن بصری' عمرو بن دینار' طاؤس' عطا بن ابی رباح' عکرمہ' شعبی' امام احمد بن حنبل' اسحاق اور غیر مقلدین کے نزدیک' جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں اگر وہ حاملہ ہے تو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے ورنہ اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنیٰ' اور حماد' شریح' نخعی' ثوری' ابن ابی لیلیٰ' ابن شبرمہ' حسن بن صالح' امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ' حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مسلک ہے اور عبد الرحمٰن بن مہدی' ابوعبیدہ' امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ تو ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ اس وقت لازم ہوگا جب وہ حاملہ ہو گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۸۔۳۰۷' ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں کہ جنہوں نے مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کو واجب کیا ہے' وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ '' (الطلاق:۶) '' (مطلقہ عورتوں) کو اپنے مقدور کے موافق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو''۔ اس آیت میں سکنیٰ کا امر ہے اور نفقہ اس لیے واجب ہے کہ وہ اس کے پاس مقید ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے' پتا نہیں وہ مسئلہ سے ناواقف ہے یا بھول گئی۔ (مالکی اور شافعی) علماء نے کہا کہ کتاب اللہ میں فقط سکنیٰ کا ذکر ہے۔ امام دارقطنی نے کہا کہ حضرت عمر کے قول میں ''ہمارے نبی کی سنت'' کے الفاظ ایسی زیادتی ہے جو غیر محفوظ ہے۔ ثقہ راویوں نے اس کا ذکر نہیں کیا اور فقہاء حنبلیہ کا استدلال' حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے ہے' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے: ''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ'' (الطلاق:۶)۔ اس آیت میں صرف سکنیٰ کو واجب کیا ہے نفقہ کو واجب نہیں کیا اور حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے بھی نفقہ کا عدم وجوب ثابت ہوتا ہے' نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ '' (الطلاق:۶) اگر مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان کو نفقہ دو تاوقتیکہ حمل وضع ہو جائے۔ اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو مطلقہ غیر حاملہ ہو اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۸۳' اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب پر فقہاء احناف کے قرآن مجید سے دلائل

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے' اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے' اختلاف اس مطلقہ ثلاثہ میں ہے جو غیر حاملہ ہو' امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس کے لیے سکنیٰ واجب ہے نفقہ واجب نہیں ہے' امام احمد بن حنبل اور غیر مقلدین کے نزدیک اس

کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنیٰ ' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ دونوں واجب ہیں۔ فقہاء احناف قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○ (البقرہ:۲۴۱)

اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے○

امام فخر الدین رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(والقول الثانی) ان المراد بهذه المتعة النفقة والنفقة قد تسمى متاعا واذا حملنا هذه المتاع على النفقة اندفع التكرار.

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں متعہ سے مراد نفقہ ہے اور نفقہ کو متاع بھی کہا جاتا ہے اور جب ہم متاع کو نفقہ پر محمول کریں گے تو تکرار نہیں رہے گا۔

ایک آیت میں ہے:

وَمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○ (البقرہ:۲۳۶)

اور مطلقہ عورتوں کو کچھ برتنے کے لیے دو (یعنی کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑا) خوشحال اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق دے' یہ نیکی کرنے والوں پر واجب ہے○

سورۂ بقرہ کی آیت:۲۳۶ میں مطلقہ عورتوں کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق متاع دینے کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اور یہاں متاع سے مراد بالاتفاق ایسی چیز ہے جس سے وقتی طور پر نفع اٹھایا جا سکے جیسے کپڑوں کا جوڑا' خادم یا کچھ نقد رقم وغیرہ' پس اگر بقرہ کی آیت:۲۴۱ میں بھی متاع سے مراد یہی ہو (جیسا کہ ائمہ ثلاثہ نے سمجھا ہے) تو تکرار لازم آئے گا' اس تکرار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسری آیت میں متاع کو نفقہ پر محمول کیا جائے جبکہ از روئے لغت متاع کا اطلاق نفقہ پر بھی ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی متاع کا اطلاق نفقہ پر کیا گیا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (البقرہ:۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں' وہ اپنی بیویوں کو ایک سال تک نان اور نفقہ ادا کرنے کی وصیت کریں اور اس مدت میں ان عورتوں کو گھر سے نہ نکالا جائے۔

اس آیت میں متاع سے بالاتفاق اور بالاجماع نفقہ مراد ہے' خلاصہ یہ ہے کہ مطلقہ عورتوں کے لیے البقرہ:۲۳۶ میں متاع دینے کا حکم کیا ہے اور اس سے بالاتفاق وقتی نفع کی چیز مثلاً جوڑا وغیرہ مراد ہے۔ اس کے بعد البقرہ:۲۴۱ میں پھر مطلقہ عورتوں کے لیے متاع دینے کا حکم کیا گیا ہے' اب اگر اس سے پھر وہی وقتی نفع کی چیز مراد لی جائے تو تکرار ہوگا' اس لیے امام رازی فرماتے ہیں کہ تکرار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں متاع سے مراد نفقہ لیا جائے جبکہ لغت اور قرآن مجید سے متاع پر نفقہ کا اطلاق ثابت ہے۔ امام رازی کی تفسیر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں متاع کا لفظ نکرہ ہے اور اصول عرب یہ ہے کہ نکرہ جب مکرر ہو تو ثانی پہلے کا غیر ہوتا ہے اور جب پہلے متاع سے مراد وقتی نفع کی چیز ہے تو ضروری ہوا کہ دوسرے متاع سے مراد نان ونفقہ ہو اور اس آیت میں مطلقات کا لفظ عام ہے اور تمام مطلقات کو شامل ہے وہ حاملہ ہوں یا غیر حاملہ' اور امام رازی کی تفسیر اور اس اصول عرب سے ثابت ہوا کہ ہر مطلقہ عورت کے لیے دورانِ عدت نفقہ واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اور یہی احناف کا مؤقف ہے۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ (الطلاق:۶)

ان مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان پر تنگی کرنے کے لیے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ اور اگر یہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل ہونے تک ان پر خرچ کرو۔

علامہ ابوبکر الجصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ کے وجوب پر اس آیت میں تین دلیلیں ہیں: (۱) سکنیٰ مالیات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مطلقہ کے لیے مال میں حق واجب کیا ہے خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ ہو اور سکنیٰ بھی نفقہ کا ایک حصہ ہے (۲) اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کو ضرر پہنچانے سے منع کیا (ولا تضاروھن) اور مطلقہ عورت کو نان ونفقہ نہ دینا بھی ضرر ہے (۳) اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت پر تنگی کرنے سے منع کیا ہے (لتضیقوا علیھن) یعنی نہ سکنیٰ میں تنگی کرو نہ نان ونفقہ میں تنگی کرو۔ یہ نہی دونوں کو شامل ہے۔ اس کے بعد علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ" اگر وہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہیں تو ان پر خرچ کرو اس میں مطلقہ سے مراد ہے عام خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ' کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اگر مطلقہ ثلاثہ حاملہ ہو تو اس کا نفقہ بھی واجب ہے' اب دیکھنا یہ ہے' کہ نفقہ کا وجوب حاملہ ہونے کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ وہ دورانِ عدت اس کے گھر رہے گی اور جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ رجعیہ کا نفقہ بھی اس آیت سے ثابت ہے اور وہ حمل کی وجہ سے نہیں بلکہ دورانِ عدت اس کے گھر رہنے کی وجہ سے ہے کیونکہ رجعیہ اگر غیر حاملہ ہو پھر بھی اس کا نفقہ واجب ہے تو پھر مطلقہ ثلاثہ کا نفقہ بھی اس وجہ سے واجب ہوگا کہ وہ دورانِ عدت خاوند کے گھر رہے گی۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۶۰۔۴۵۹' سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

• اور یہ بھی واضح رہے کہ جب مطلقہ ثلاثہ کے لیے امام شافعی اور امام مالک اس آیت سے سکنیٰ کا وجوب مانتے ہیں تو نفقہ کا وجوب بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ نان ونفقہ سکنیٰ سے زیادہ اہم ہے۔

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب پر احادیث سے دلائل

امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

عن حرب بن ابی العالية عن ابی الزبير عن جابر عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم المطلقة ثلاثا لها السكنٰى والنفقة. (سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی۔

علامہ زیلعی لکھتے ہیں: عبدالحق نے احکام میں لکھا ہے کہ ابوالزبیر عن جابر کی روایت اس وقت صحیح ہوتی ہے جب اس میں سماع کی تصریح ہو یا عن اللیث عن ابی الزبیر ہو (یعنی لیث کے علاوہ کوئی اور راوی عن ابی الزبیر عن جابر روایت کرے تو صحیح نہیں ہے) اور حرب بن ابی العالیہ سے بھی استدلال نہیں ہوتا' کیونکہ یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے' اس لیے اقرب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۷۴' مجلس علمی' ہند)

عبدالحق کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں متعدد احادیث عن ابی الزبیر عن جابر کی سند سے بیان کی ہیں اور اس سند میں لیث نہیں ہے مثلاً کتاب الحج کے "باب جواز دخول مكه بغير احرام" میں ہے "نامعاويه بن عمار الدهنی عن ابی الزبير عن جابر" نیز اسی باب میں ہے: "فی رواية قتيبة قال نا ابو الزبير عن جابر"۔ ان اسانید میں نہ لیث ہے نہ حضرت جابر سے ابوالزبیر کے سماع کی تصریح ہے' پس واضح ہوگیا کہ عبدالحق کا بیان کردہ قاعدہ امام

مسلم کے نزدیک مسلّم نہیں ہے ورنہ امام مسلم ان اسانید کے ساتھ روایات کو اپنی صحیح میں درج نہ کرتے اور جب یہ سند حدیث کی صحت کے منافی نہیں تو دارقطنی کی مذکور روایت کی صحت کے لیے بھی موجب طعن نہیں ہے۔

اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حرب بن ابی العالیہ کو یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے تاہم ان کی ثقاہت کی بھی تصریح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حرب بن ابی العالیہ کا امام حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام مسلم اور امام نسائی ان کی روایات سے استدلال کرتے ہیں پس ثابت ہو گیا کہ حرب بن ابی العالیہ رجال صحیح میں سے ہیں۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل صحیح مسلم کی حسب ذیل روایت ہے:

قال عمر لا نترك كتاب الله وسنة رسوله لقول امراة لا ندری لعلها حفظت او نسيت لها السكنى والنفقة قال الله عزوجل لا تخرجوهن من بيوتهن الا ان ياتين بفاحشة مبينة.

حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سن کر حضرت عمر نے فرمایا: ہم اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے' پتا نہیں اس نے حدیث کو یاد رکھا یا بھول گئی۔ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو الّا یہ کہ وہ کھلی بدکاری کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہ تھی کہ مطلقہ ثلاثہ کا سکنیٰ اور نفقہ واجب ہے' باقی اس پر علامہ نووی نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ دارقطنی کے نزدیک ''نہ سنت رسول کو ترک کریں گے'' یہ زیادتی غیر محفوظ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زیادتی امام مسلم کے نزدیک ثابت ہے اور امام مسلم کی تصحیح اور ان کی روایت دارقطنی کی جرح سے زیادہ قوی ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس زیادتی کے متعدد متابع ہیں' نیز امام مسلم نے متعدد اسانید سے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت پر حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار بھی روایت کیا ہے' ان کے شوہر حضرت اسامہ بھی اس روایت کا انکار کرتے تھے۔

نفقہ کے عدم وجوب پر ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

امام احمد بن حنبل نے مطلقہ ثلاثہ سے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب کی نفی پر حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سے استدلال کیا ہے' اور امام مالک اور امام شافعی نے مطلقہ ثلاثہ سے نفقہ کے وجوب کی نفی پر اسی روایت سے استدلال کیا ہے' جیسا کہ ہم علامہ نووی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔ علامہ سرخسی حنفی اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس کے شوہر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جب بھی حضرت فاطمہ سے اس روایت کو سنتے تو پوری قوت سے اس روایت کا رد کرتے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: یہ عورت اس روایت سے دنیا میں ایک فتنہ پیدا کر رہی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے' پتا نہیں وہ سچی ہے یا جھوٹی؟ اس کو مسئلہ یاد ہے یا بھول گئی' میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: مطلقہ ثلاثہ کے لیے دوران عدت نفقہ اور سکنیٰ ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں: اگر بالفرض یہ حدیث ثابت ہو تو اس کی دو تاویلیں ہیں: پہلی تاویل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کے شوہر غائب تھے' مدینہ سے یمن کی طرف گئے ہوئے تھے' انہوں نے اپنے بھائی کو جو کا آٹا بطور نفقہ دینے کا وکیل بنایا'

انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور ان کا خاوند وہاں موجود نہیں تھا جو اس کے بدلہ میں کوئی اور چیز ادا کرتا۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ روایات کے مطابق حضرت فاطمہ بنت قیس بہت زبان دراز تھیں اور اپنے دیوروں (خاوند کے بھائیوں) کو بہت تنگ کرتی تھیں' اس وجہ سے ان لوگوں نے ان کو گھر سے نکال دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا' جس وجہ سے انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ اور سکنیٰ مقرر نہیں فرمایا۔ (المبسوط ج ۵ ص ۲۰۲۔۲۰۱' دارالمعرفۃ' بیروت)

اس کے بعد فرمایا: اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو' اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O

دودھ پلانے کی اجرت لینے کا جواز

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر بچہ کی ماں اس بچہ کو دودھ پلانے پر راضی ہو (خواہ وہ مطلقہ ہو یا نہ ہو) تو باپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ بچہ کو دودھ پلانے کے لیے کوئی اور دایہ مقرر کرے' اور بچہ کے باپ پر یہ لازم ہے کہ وہ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کی اجرت ادا کرے' بہ شرطیکہ بچہ کی ماں رواج اور دستور کے مطابق دودھ پلانے کی اجرت طلب کرے۔ (واضح رہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں سے صرف مذہب اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت کا اس کے باپ سے مطالبہ کر سکتی ہے۔) اور اگر بچہ کی ماں دودھ پلانے کی اجرت رواج اور دستور سے زیادہ کا مطالبہ کرے تو پھر فریقین باہمی مشاورت سے کسی اور دایہ کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کر سکتے ہیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۶۴۔۴۶۳' سہیل اکیڈمی' لاہور)

شوہر پر اس کی بیوی اور بچوں کے خرچ دینے کا وجوب

الطلاق: ۷ میں فرمایا: صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے' اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے' اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے' اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مطلقہ کا خرچ شوہر کی حیثیت کے مطابق اس پر واجب ہے' جو خوش حال ہو وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ دے اور جو تنگ دست ہو وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ دے۔

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اور اگر کوئی شخص تنگ دست ہے تو وہ یہ امید رکھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو خوش حال کر دے گا۔

شوہر پر بیوی کا خرچ واجب ہے' اس سلسلہ میں یہ آیت بھی ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا روٹی اور کپڑا ہے جو دستور اور رواج کے مطابق ہو۔ (البقرہ: ۲۳۳)

شوہر پر واجب ہے کہ وہ رواج اور دستور کے مطابق بیوی اور بچوں کا خرچ دے اور اگر شوہر پورا خرچ نہ دے تو بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ شوہر کے پیسوں میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رقم نکال لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت ھند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کنجوس آدمی ہیں' وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو' سوا اس کے کہ میں ان کی لاعلمی میں ان کے

پیسے نکال لوں؟ آپ نے فرمایا: تم دستور کے مطابق اتنے پیسے لے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے کافی ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۶۴۔ ۲۲۱۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۲، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۴۴۱، مسند احمد ج ۶ ص ۴۰۔ ۳۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ طور فے عطا فرمائے تھے، ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے، سو وہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں سے اپنی ازواج مطہرات کو ایک سال کا خرچ دیا کرتے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ہتھیاروں اور سواریوں پر خرچ کرتے تھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۶۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے، تمہاری بیوی کہے گی: مجھے کھانا کھلاؤ ورنہ مجھے طلاق دو، اور تمہارا خادم کہے گا: مجھے کھانا کھلاؤ ورنہ مجھے بیچ دو، اور تمہاری اولاد کہے گی تم مجھے کس پر چھوڑ رہے ہو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۷۴۳۳، دارالفکر، بیروت، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۵)

اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرو، ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: تم اس کے مصرف کو خود بہتر جانتے ہو۔
(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۳۵، اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد اور حاکم نے اولاد کو بیوی پر مقدم کیا ہے۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۱، المستدرک ج ۱ ص ۴۱۵ قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۱۵۱۴ جدید، تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۱۶۶۶)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جب تم اس ترتیب پر غور کرو گے تو جان لو گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الاولیٰ فالاولیٰ اور الاقرب فالاقرب کو مقدم کیا ہے، اور آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ انسان پہلے اپنے اوپر خرچ کرے پھر اپنی اولاد پر کیونکہ اولاد اس کے جز کی طرح ہے اور جب وہ اس پر خرچ نہ کرے اور کوئی اور بھی ان پر خرچ کرنے میں اس کے قائم مقام نہ ہو تو وہ ہلاک ہو جائیں گے، پھر تیسرے درجہ میں بیوی کا ذکر فرمایا اور اس کو اولاد سے کم درجہ میں رکھا، کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خرچ نہیں دے گا تو ان میں تفریق کر دی جائے گی اور اس کو اس کے شوہر کی طرف سے یا اس کے محرم کی طرف سے اس کا خرچ دیا جائے گا، چوتھے درجہ میں اس کے خادم کا ذکر کیا، کیونکہ اگر وہ اس کو خرچ نہیں دے گا تو اس کو فروخت کر دیا جائے گا (یہ غلام ہونے کی صورت میں ہے اور اگر وہ آزاد ہو تو کہیں اور نوکری کرلے گا) علامہ خطابی کا کلام ختم ہوا۔

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا: ہمارے اصحاب کا یہی مختار ہے کہ نابالغ اولاد کا خرچ بیوی کے خرچ پر مقدم ہے، علامہ نووی شافعی نے بیوی کے خرچ کو اولاد کے خرچ پر مقدم کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاد اس کا جز اور اس کا حصہ ہے اور بیوی اجنبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۵۔ ۴۲۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بچوں اور بیوی کے بعد ماں باپ اور اجداد کا خرچ بھی واجب ہے بہ شرطیکہ وہ محتاج ہوں "وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا" (لقمان: ۱۵) اور دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے رہنا۔ (ہدایہ اولین ص ۴۴۵)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا

اور بہت سی بستیوں والوں نے اپنے رب کے حکم سے اور رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت

حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ

محاسبہ کیا اور ان کو بہت برا عذاب دیا O سو انہوں نے اپنے کرتوتوں کا خمیازا بھگتا اور

كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا

انجام کار ان کو نقصان ہوا O ان کے لیے اللہ نے عذاب شدید تیار کر رکھا ہے' سو اے

اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۛ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾

عقل مند ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو' بے شک اللہ نے تمہاری طرف (سراپا) نصیحت نازل کی ہے O

رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جو رسول ہے وہ تم پر اللہ کی واضح آیتوں کی تلاوت کرتا ہے تاکہ جو ایمان لائے ہیں

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ

اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہیں وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے

وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اور انہوں نے نیک عمل کیے' اللہ ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں'

فِيْهَاۤ اَبَدًا ۗ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿١١﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ

وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے' بے شک اللہ نے ان کے لیے بہترین روزی مہیا کی ہے O اللہ ہی ہے جس نے

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۗ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ

سات آسمانوں کو پیدا کیا اور اتنی ہی زمینوں کو پیدا کیا' ان کے درمیان (تقدیر کے موافق) اس کا حکم (تکوینی) نازل

لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ

ہوتا ہے' تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے' اور بے شک اللہ کے علم نے

معٔ ۱۴ عند المتقدمین ۱۲

بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾

ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بہت سی بستیوں والوں نے اپنے رب کے حکم سے اور رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بہت بُرا عذاب دیا O سو انہوں نے اپنے کرتوتوں کا خمیازا چکھا اور انجام کار ان کو نقصان ہوا O ان کے لیے اللہ نے عذاب شدید تیار کر رکھا ہے‘ سوائے عقل مند ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو‘ بے شک اللہ نے تمہاری طرف (سراپا) نصیحت نازل کی ہے O جو رسول ہے وہ تم پر اللہ کی واضح آیتوں کی تلاوت کرتا ہے‘ تا کہ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہیں وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے‘ اللہ ان کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں‘ وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے‘ بے شک اللہ نے ان کے لیے بہترین روزی مہیا کی ہے O (الطلاق: ۱۱۔۸)

احکام شرعیہ پر عمل کرنے پر ثواب کی بشارت اور نافرمانی پر عذاب کی وعید

اس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام بیان کیے تھے اور اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ کے احکام نہ ماننے سے دنیا اور آخرت میں عذاب ہوتا ہے۔

الطلاق: ۸ میں فرمایا ہے: اور بہت سی بستیوں والوں نے اپنے رب کے حکم سے اور رسولوں سے سرکشی کی۔

اس کا معنی ہے: ان بستی والوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور رسل علیہم السلام کی نافرمانی کی۔

پھر فرمایا: تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بہت بُرا عذاب دیا۔

اس کا معنی ہے: ہم نے دنیا میں ان پر بھوک اور قحط سالی نازل کی اور ان کی دشمن قوموں کو ان پر حملہ آور کر دیا‘ ان کو زمین میں دھنسا دیا‘ ان کے چہرے مسخ کر دیئے اور ان کے اوپر اور بہت مصائب نازل کیے‘ ان کے اوپر دنیا میں عذاب پر عذاب نازل کیے اور آخرت میں ان کو دوزخ کے دائمی عذاب کا سامنا ہو گا۔

الطلاق: ۹ میں بتایا ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی ان کے لیے دنیا اور آخرت میں عذاب ہے۔

الطلاق: ۱۰ میں فرمایا: سوائے عقل مند ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انسان مؤمن اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ سے ڈر کر شرک کو ترک کر دے‘ تو پھر مؤمنوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دینے کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سے ڈرنے کے کئی مراتب ہیں: (۱) اللہ سے ڈر کر شرک اور کفر کو ترک کرنا (۲) اللہ سے ڈر کر گناہ کبیرہ کو ترک کرنا (۳) اللہ سے ڈر کر گناہ صغیرہ کو ترک کرنا (۴) اللہ سے ڈر کر خلافِ سنت اور خلافِ اولیٰ کو ترک کرنا‘ اور یہاں مراد یہ ہے کہ مؤمن اللہ سے ڈر کے جس مرتبہ میں بھی ہے اس سے اگلے مرتبہ کے حصول کی کوشش کرے۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ نے تمہاری طرف ذکر (سراپا نصیحت) نازل فرمایا ہے۔

اس آیت میں ذکر کی تفسیر میں کئی قول ہیں‘ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد شرف ہے‘ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ (الزخرف: ۴۴) یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے (باعث) شرف ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد خود قرآن مجید ہے' قرآن کریم میں ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ. (النحل:۴۴) ہم نے آپ کی طرف قرآن مجید نازل کیا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل امین ہیں۔

اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے اوپر ذکر کا اطلاق اس لیے فرمایا کہ آپ سراپا ذکر اور نصیحت ہیں اور مجسم نصیحت ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کی واضح آیات تلاوت فرماتے ہیں' جس میں حرام اور حلال کا ذکر ہے اور مؤمنوں کو اور تمام لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور نیک اعمال کی نصیحت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ ہی ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا اور اتنی ہی زمینوں کو پیدا کیا' ان کے درمیان (تقدیر کے موافق) اس کا حکم (تکوینی) نازل ہوتا ہے' تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے' اور بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے ○ (الطلاق:۱۲)

سات زمینوں کے متعلق امام رازی کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ ہی ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اتنی ہی زمینوں کو پیدا کیا۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں' اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں' امام رازی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ زمین کے تین طبقات ہیں: ایک طبقہ ارضیہ محضہ ہے' دوسرا طبقہ طینیہ محض ہے (محض مٹی ہے) اور تیسرا طبقہ وہ ہے جس کے بعض حصہ میں سمندر ہے اور بعض حصہ میں آباد علاقے ہیں اور یہ تینوں طبقات ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''اتنی ہی زمینوں کو پیدا کیا'' کا مطلب یہ ہو کہ سات آسمانوں کے مطابق سات سیارے ہیں اور یہ زمین ان میں سے ایک سیارہ ہو' اور ان سیاروں میں سے ہر سیارہ کے خواص ہوں اور زمین کی اقالیم میں سے ہر اقلیم میں ان خواص کے آثار ظاہر ہوتے ہوں اور اس اعتبار سے سات زمینیں ہوں' یہ وہ وجوہ ہیں جو خلافِ عقل نہیں ہیں' ان کے علاوہ مفسرین نے سات زمینوں کے اور محامل بھی بیان کیے ہیں مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ سات آسمان اس طرح ہیں: (۱) موج مکفوف (۲) چٹانیں (۳) لوہا (۴) پیتل یا تانبا (۵) چاندی (۶) سونا (۷) یاقوت' اور جس نے یہ کہا کہ ان آسمانوں میں سے ہر آسمان کی دوسرے آسمان تک مسافت پانچ سو سال ہے اور ہر آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے' پس یہ قول اہل تحقیق کے نزدیک غیر معتبر ہے' اے اللہ! (اس اشکال کا حل عطا فرما) سوا اس کے کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث متواتر ہو' اور ہو سکتا ہے کہ آسمان اس سے زیادہ ہوں' اور آسمانوں کی حقیقت کو اور ان کی صفات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۶۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سات زمینوں کے متعلق دیگر مفسرین کی آراء

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی زمینوں کے عدد آسمانوں کے عدد کی مثل ہیں۔

اس عبارت کی شرح میں علامہ احمد بن محمد بن عمر خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ سات آسمانوں کی طرح زمینوں کے بھی سات طبقات ہیں' جو ایک دوسرے سے متمیز اور منفصل ہیں' اور احادیث صحیحہ میں بھی یہی معروف ہے۔

حضرت خالد بن ولید مخزومی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا میں فرمایا:

اللھم رب السموات السبع وما اظلت ورب الارضین وما اقلت. الحدیث

اے اللہ! سات آسمانوں کے رب اور جن پر ان کا سایا ہے اور زمینوں کے رب اور جن کو ان زمینوں نے اٹھایا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲۳' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۴۶' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۲۸)

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سات اقالیم ہیں' اور یہ مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے حتیٰ کہ اس کا منکر یا اس میں متردد کافر ہو' اور ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ سات آسمانوں کی طرح زمینوں کے سات طبقات ہیں۔

(عنایۃ القاضی علی البیضاوی ج ۹ ص ۲۰۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

جمہور کا مختار یہ ہے کہ یہ مثلیت عدد میں ہے یعنی سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں ہیں' حدیث میں ہے: اللہ غاصب کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈال دے گا' ایک قول یہ ہے کہ یہ سات طبقات ہیں اور ہر دو طبقوں کے درمیان مسافت ہے اور ان میں اللہ کی مخلوق رہتی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں جن اور فرشتے رہتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سات زمینیں پھیلی ہوئی ہیں' ایک دوسرے کے اوپر نہیں ہیں اور ان کے درمیان سمندر ہے اور ان سب کے اوپر آسمان ہے۔

(البحر المحیط ج ۱۰ ص ۲۰۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی التوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:

جمہور کا مختار یہ ہے کہ یہ سات زمینیں ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر منطبق ہیں اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور زمین کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور دو آسمانوں کی مسافت اور ان کی موٹائی بھی اسی طرح ہے اور ہر زمین میں اللہ کی مخلوق رہتی ہے یا فرشتے اور جن رہتے ہیں' الماوردی نے کہا: اس بناء پر اسلام کی تبلیغ صرف اوپر والی زمین کے ساتھ خاص ہے' ایک قول یہ ہے کہ ان میں بھی ذوی العقول رہتے ہیں اور وہ آسمان کو دیکھتے ہیں اور روشنی سے استفادہ کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ وہ آسمانوں کا مشاہدہ نہیں کرتے' اور اللہ نے ان کے لیے روشنی پیدا کی ہے جس سے وہ استفادہ کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ سات زمینوں سے مراد سات اقالیم ہیں لیکن جمہور کا قول صحیح ہے کیونکہ وہ ظاہر آیت اور احادیث کے موافق ہے۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۹ ص ۱۴۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

سات زمینوں کے متعلق صریح احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کے سروں پر سے ایک بادل گزرا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ بادل ہے اور یہ زمین کے کونے ہیں' اللہ تعالیٰ اس بادل کو اس قوم کی طرف بھیج رہا ہے جو شکر نہیں کرتی اور نہ اس کو پکارتی ہے' پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو تمہارے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ پہلا آسمان ہے' یہ محفوظ چھت ہے اور موج مکفوف ہے' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو تمہارے درمیان اور اس آسمان کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمہارے درمیان اور اس آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے' آپ نے پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو اس آسمان کے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس کے اوپر دو

آسمان ہیں' ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے حتیٰ کہ آپ نے سات آسمانوں کو گنا اور ہر دو آسمانوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے' پھر آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو اس کے اوپر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کے اوپر عرش ہے' اس کے اور آسمان کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے' آپ نے پھر پوچھا: کیا تم جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ زمین ہے' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس زمین کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس کے نیچے ایک اور زمین ہے' ان دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے' پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد کی جان ہے' اگر تم کسی شخص کو زمین سے باندھ کر سب سے نچلی زمین تک لٹکاؤ تو وہ اللہ تعالیٰ پر گرے گا' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ''

(الحدید:۳)۔(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۰' کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۹)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے کسی پر ظلم کر کے اس کی زمین چھینی' اس کے گلے میں اتنی زمین کا سات زمینوں تک طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۴۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۱۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۵۸۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۴۲۱)

سات زمینوں کے متعلق اثر ابن عباس

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

ابوالضحیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ '' (الطلاق:۱۲) کی تفسیر میں روایت کیا ہے: یہ سات زمینیں ہیں' ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل ایک نبی ہے اور آدم کی مثل آدم ہیں اور نوح کی مثل نوح ہیں اور ابراہیم کی مثل ابراہیم ہیں اور عیسیٰ کی مثل عیسیٰ ہیں۔(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۸۹۱۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔(تفسیر مقاتل بن حیان ج ۳ ص ۳۷۵)

نیز امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوالضحیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ '' (الطلاق:۱۲) کی تفسیر میں روایت کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: سات زمینیں ہیں' ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل ایک نبی ہے اور حضرت آدم کی مثل آدم ہیں اور حضرت نوح کی مثل نوح ہیں اور حضرت ابراہیم کی مثل ابراہیم ہیں اور حضرت عیسیٰ کی مثل عیسیٰ ہیں۔

امام حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ حافظ ذہبی نے بھی کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔(المستدرک ج ۲ ص ۴۹۳ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث:۳۸۲۲' المکتبۃ العصریہ' ۱۴۲۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے' ایک سند ہے: از عطاء بن السائب از ابی الضحیٰ از ابن عباس ہے اور دوسری سند ہے: از عمرو بن مرہ از ابی الضحیٰ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ امام بیہقی لکھتے ہیں: اس حدیث کی سند حضرت ابن عباس سے صحیح ہے اور راوی مرہ کے ساتھ شاذ ہے اور میں نہیں جانتا کہ ابوالضحیٰ کا کوئی متابع ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۰۔۳۸۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: اس حدیث کی دو سندیں ہیں' ایک

حضرت ابن عباس تک متصل ہے اور دوسری سند ابوالضحیٰ پر موقوف ہے' اور اس حدیث کا وہی معنی ہے جو ابوسلیمان دمشقی نے بیان کیا ہے کہ ہر زمین میں اللہ کی مخلوق ہے اور اس مخلوق میں ان کا ایک سردار اور بڑا ہے اور ان پر مقدم ہے جیسے حضرت آدم ہمارے بڑے اور ہم پر مقدم ہیں اور ان کی اولاد میں کسی بڑے کی عمر حضرت نوح جتنی ہے اور اسی طرح باقی ہیں۔

(زاد المسیر ج ۸ ص ۳۰۰' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ (البحر المحیط ج ۱۰ ص ۲۰۵)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی تفسیر میں سات زمینوں سے متعلق اثر ابن عباس کو امام بیہقی کی ''کتاب الاسماء والصفات'' کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کی سند پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۳)

اور اپنی تاریخ میں اس پر یہ تبصرہ کیا ہے: امام ابن جریر نے اس کا مختصراً ذکر کیا ہے اور امام بیہقی نے ''کتاب الاسماء والصفات'' میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور یہ اس پر محمول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو اسرائیلیات سے اخذ کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۴۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اثر ابن عباس کے متعلق محدثین اور مشاہیر علماء کی آراء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ زمین واحد ہے' ابن التین نے کہا: یہ قول قرآن اور سنت سے مردود ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے ان کی مراد یہ ہو کہ سات زمینیں متصل ہیں ورنہ یہ قول قرآن اور حدیث کے صریح مخالف ہے' سات زمینوں پر دلیل یہ ہے کہ امام ابن جریر نے از ابوالضحیٰ از ابن عباس ''وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ '' (الطلاق: ۱۲) کی تفسیر میں روایت کیا ہے: ہر زمین میں حضرت ابراہیم کی مثل ہے' جس طرح زمین کے اوپر مخلوق ہے' اور اس کی سند صحیح ہے اور امام حاکم اور امام بیہقی نے اس کو طویل متن سے روایت کیا ہے کہ سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں تمہارے آدم کی طرح آدم ہیں اور تمہارے نوح کی طرح نوح ہیں اور تمہارے ابراہیم کی طرح ابراہیم ہیں اور تمہارے عیسیٰ کی طرح عیسیٰ ہیں اور تمہارے نبی کی طرح نبی ہیں۔ امام بیہقی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مگر یہ مرہ کے ساتھ شاذ ہے' اور امام ابن ابی حاتم نے از مجاہد از ابن عباس روایت کیا' اگر میں تم سے اس کی تفسیر بیان کروں تو تم کفر کرو گے اور تمہارا کفر اس روایت کی تکذیب ہے۔ اہل ہیئت یہ کہتے ہیں کہ ہر چند کہ زمینیں اوپر تلے ہیں مگر ان کے درمیان مسافت نہیں ہے اور ساتویں زمین سپاٹ ہے' اس کا کوئی بطن نہیں ہے اور اس کے وسط میں مرکز ہے اور وہ ایک فرضی نقطہ ہے لیکن ان کے ان اقوال پر کوئی دلیل نہیں ہے ''سنن ترمذی'' اور ''مسند احمد'' میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ''سنن ابوداؤد'' اور ''سنن ترمذی'' میں حضرت عباس بن عبد المطلب سے مرفوعاً روایت ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان اکہتر یا بہتر سال کی مسافت ہے لیکن ان حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ مسافت کا یہ فرق رفتار کی تیزی اور کمی پر مبنی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۳۴-۳۳۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی سات زمینوں کی اسی طرح تحقیق کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۱۵۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے امام حاکم اور امام بیہقی کی سند کے حوالوں سے اس حدیث کا

ذکر کیا' پھر حافظ ابن کثیر سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر اس کی سند حضرت ابن عباس تک صحیح ہے تو پھر یہ اسرائیلیات سے ہے۔
(المقاصد الحسنہ ص ۴۱۱' دار الکتاب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس اثر کا ذکر امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام حاکم اور ان کی تصحیح کے ساتھ اور امام بیہقی کی ''شعب الایمان'' اور ''کتاب الاسماء والصفات'' کے حوالوں سے کیا ہے۔
(الدر المنثور ج ۸ ص ۱۹۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابوالحیان اندلسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو موضوع قرار دیا ہے' لیکن میں کہتا ہوں کہ اس اثر کے صحیح ہونے میں کوئی عقلی اور شرعی مانع نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جس کی ایک اصل ہے' جیسے ہماری زمین میں ہماری ایک اصل ہے اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ہر زمین میں ایسے افراد بھی ہیں جو دوسروں سے ممتاز ہیں' جیسے ہماری زمین میں حضرت نوح اور حضرت ابراہیم وغیرہ ہیں۔ (روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۱۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مولانا عبدالحئی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں:

ابناء الزمان نے اس حدیث کو قبول کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجروح ہیں اور ملعون ہیں' پھر انہوں نے اس کی تقویت کے لیے امام ابن جریر' امام ابن ابی حاتم' امام حاکم' امام بیہقی اور دوسرے علماء کے نام لیے ہیں جن کا ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔ (زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس ص ۵' مجموعۃ الرسائل لکھنوی ج ۱ ص ۳۹۷' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۹ھ)

یہاں تک ہم نے مستند ائمہ اور علماء کی عبارات سے یہ واضح کیا ہے کہ حضرت ابن عباس کے اس اثر کے صحیح ہونے میں کافی اختلاف ہے' سند کے علاوہ اس اثر کے متن پر بھی اشکال ہے اور وہ یہ ہے:

اثر ابن عباس پر اشکال

حضرت ابن عباس کے اس اثر پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر ہر زمین میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور خاتم النبیین ہوں اور اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہیں تو آپ خاتم النبیین نہ رہے کیونکہ آپ کے بعد ان زمینوں میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور اگر ان زمینوں میں آپ سے پہلے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو پھر وہ خاتم النبیین نہ رہے کیونکہ ان کے بعد آپ کی نبوت ہے اور جب وہ خاتم النبیین نہیں ہیں تو پھر آپ کی مثل نہ ہوئے' حالانکہ اس اثر میں یہ ہے کہ ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل نبی ہے۔

اشکال مذکور کا جواب مولانا قصوری سے

مولانا غلام دستگیر قصوری نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے کہ ہر ایک کی خاتمیت اضافی ہے' یعنی ان زمینوں میں جو نبی ہیں ان کی خاتمیت ان زمینوں کے اعتبار سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اس زمین میں مبعوث ہونے والے انبیاء کے اعتبار سے ہے۔

مولانا قصوری کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اضافی نہیں ہے بلکہ استغراقی ہے اور آپ کی خاتمیت قرآن مجید سے ثابت ہے اور قطعی اور یقینی ہے جبکہ اس اثر کی صحت ظنی ہے۔ اس ظنی اثر کی وجہ سے قرآن مجید میں النبیین کے عموم اور استغراق کو کم کرنا صحیح نہیں ہے۔

اشکال مذکور کا جواب شیخ نانوتوی سے

شیخ قاسم نانوتوی نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے:

سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخر نبی ہیں' مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ''ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین'' فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ (تحذیر الناس ص ۳' مطبوعہ دیوبند' ۱۳۹۵ھ)

نیز لکھتے ہیں: غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔

(تحذیر الناس ص ۱۳' دیوبند' ۱۳۹۵ھ)

نیز لکھتے ہیں: اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ بالجملہ ثبوت اثر مذکور دونا مثبت خاتمیت ہے' معارض ومخالف خاتم النبیین نہیں جو یوں کہا جائے کہ یہ اثر شاذ بمعنی مخالف روایت ثقات ہے۔

(تحذیر الناس ص ۲۴' دیوبند' ۱۳۹۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایں معنی خاتم النبیین ہونا کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخر نبی ہیں' قطعی اور متواتر ہے' لیکن شیخ نانوتوی نے اس عبارت میں اس معنی کو عوام کا خیال کہا ہے' نیز آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کسی اور نبی کے آنے کو اپنے اختراعی معنی کے اعتبار سے جائز کہا ہے اور اس کو خاتم النبیین کے منافی نہیں قرار دیا' ان وجوہات کی بناء پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ نانوتوی کی تکفیر کر دی۔ اس کی تفصیل ''حسام الحرمین'' اور ''التبشیر برد التحذیر'' میں ملاحظہ کریں۔

''تحذیر الناس'' کی اشاعت کے بعد یہ اعتراض کیا گیا کہ مولانا قاسم نانوتوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا انکار کر دیا ہے' چنانچہ شیخ نانوتوی نے اپنے دفاع میں متعدد بار یہ لکھا کہ:

(۱) خاتمیت زمانی اپنا دین وایمان ہے' ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۹)

(۲) حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳)

(۳) ہاں یہ مسلمہ ہے کہ خاتمیت زمانی اجماعی عقیدہ ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۶۹)

(۴) حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۵۰)

(۵) مولانا خاتمیت زمانی کی میں نے تو توجیہ اور تائید کی ہے تغلیط نہیں کی۔ ہاں! آپ گوشہ عنایت سے دیکھتے ہی نہیں تو میں کیا کروں (الیٰ قولہ) اوروں نے فقط خاتمیت زمانی اگر بیان کی تھی تو میں نے اس کی علت یعنی خاتمیت مرتبی ذکر کی' اور شروع تحذیر ہی میں اقتضاء خاتمیت مرتبی کی بہ نسبت خاتمیت زمانی کو ذکر کر دیا' یہ تو اس صورت میں ہے کہ خاتم سے خاتم المراتب ہی مراد لیجئے اور خاتم کو مطلق رکھیے تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہو جائیں گے جس طرح آیت: ''اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ'' (المائدہ: ۹۰) میں لفظ رجس سے نجاست معنوی اور نجاست ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۷)

اب بجا طور پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب شیخ نانوتوی نے اتنی صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت

زمانی کو تسلیم ہے' پھر فاضل بریلوی نے ان کی تکفیر کیوں کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "تحذیر الناس" کی جن عبارات سے خاتمیت زمانی کا انکار لازم آتا ہے (مثلاً یہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ ص ۳) چونکہ شیخ نانوتوی نے ان عبارات سے رجوع نہیں کیا اور ان کو بحالہا قائم رکھا' اس وجہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان کی تکفیر کر دی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

سات زمینوں کے متعلق میں نے زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لیے کی کہ یہ اثر ہر دور میں علماء کے درمیان معرکۃ الآراء رہا ہے' حتیٰ کہ اس ڈور کی گتھی سلجھاتے سلجھاتے بعض علماء تکفیر کی زد میں آ گئے۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر دلیل

اس کے بعد فرمایا: ان کے درمیان (تقدیر کے موافق) اس کا حکم (تکوینی) نازل ہوتا ہے تا کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے' اور بے شک اللہ کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

عطاء نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ان زمینوں کے درمیان اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف وحی نازل فرماتا ہے' ہر زمین میں اور ہر آسمان میں' مقاتل نے کہا: وہ سب سے اوپر والے آسمان سے سب سے نچلی زمین کی طرف وحی نازل فرماتا ہے' مجاہد نے کہا: وہ کسی کی حیات کا حکم نازل فرماتا ہے اور کسی کی موت کا' کسی کی سلامتی کا حکم نازل فرماتا ہے اور کسی کی ہلاکت کا۔

قتادہ نے کہا: آسمانوں میں سے ہر آسمان میں اور زمینوں میں سے ہر زمین میں اس کی مخلوقات میں سے مخلوق ہے اور اس کے احکام شرعیہ ہیں اور اس کی تقدیر کے موافق نازل ہونے والے احکام ہیں۔

اور جب تم آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اور ان کے مدبرانہ نظام میں غور و فکر کرو گے تو تم پر منکشف ہو جائے گا کہ یہ عظیم الشان تخلیق ہے اور بے مثال تدبیر وہی شخص کر سکتا ہے' جس کی قدرت ذاتی ہو کسی سے مستعار نہ ہو اور جس کا علم محیط اور کامل ہو' جو غیر حادث اور غیر فانی ہو' جو قدیم اور واجب ہو وہی رب کائنات ہے اور وہی سب کی عبادتوں کا مستحق ہے اور وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی تعظیم بجا لائی جائے۔

سورۃ الطلاق کا اختتام

الحمد للّٰہ علٰی احسانہ آج سولہ محرم ۱۴۲۶ھ / ۲۶ فروری ۲۰۰۵ء بہ روز ہفتہ بعد نماز ظہر سورۃ الطلاق کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۲ فروری کو اس سورت کی ابتداء کی تھی اور ۲۶ فروری کو یہ مکمل ہو گئی' اس طرح اس کی تکمیل میں ۲۴ دن لگ گئے۔ ہر چند کہ اس میں صرف بارہ آیات ہیں لیکن ان میں کافی دقیق اور تفصیل طلب مباحث تھے' ہفتہ ۱۹ فروری سے اس ہفتہ تک میں بخار اور اس کے عوارض میں مبتلا رہا اور کام بالکل نہیں کر سکا' بہر حال اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی اور آج میں اس سورت کو مکمل کرنے پر قادر ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اس نے اس سورت کی تفسیر کو مکمل کرا دیا' باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی اپنے فضل و کرم سے مکمل کرا دے اور قیامت تک کے لیے اس تفسیر کو قائم اور فیض آفریں رکھے اور میری اور میرے والدین کی اور سب مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

والحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین افضل المرسلین
شفیع المذنبین وعلٰی آلہ الطیبین واصحابہ الراشدین
وازواجہ امہات المؤمنین وجمیع المسلمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ التحریم

سورت کا نام

اس سورت کا نام التحریم ہے' کیونکہ اس سورت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی رضا جوئی کی خاطر اپنے اوپر شہد کو یا حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام کر لیا تھا یعنی اپنے آپ کو ان کی منفعت سے روک لیا تھا' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں "لم تحرم" کے الفاظ ہیں اور اس کا مصدر تحریم ہے۔

اس سورت میں حضرت ماریہ قبطیہ کی طرف اشارہ ہے اور حضرت ماریہ کو سات ہجری میں مصر کے بادشاہ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کیا تھا' اور ان کے بطن سے آٹھ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے' اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت ۷ اور ۸ ہجری کے درمیان نازل ہوئی ہے۔

اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مدنی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۵ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۶ ہے۔ یہ سورۃ الحجرات کے بعد اور سورۃ الجمعہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الطلاق اور سورۃ التحریم میں باہمی مناسبت

سورۃ التحریم کی سورۃ الطلاق کے ساتھ حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(۱) سورۃ الطلاق کی پہلی آیت ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ"۔ (الطلاق:۱)

اور سورۃ التحریم کی پہلی آیت ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ"۔ (التحریم:۱)

اور دونوں سورتوں کی پہلی آیت کو "یایها النبی" سے شروع کیا گیا ہے۔

(۲) یہ دونوں سورتیں خواتین کے احکام کے ساتھ مخصوص ہیں' سورۃ الطلاق میں طلاق' عدت' عدت گزارنے والی خاتون کے حقوق اور حسنِ معاشرت کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور سورۃ التحریم میں ازواج کے ساتھ حسنِ معاشرت اور شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نرمی اور شفقت کا بیان ہے۔

(۳) سورۃ الطلاق میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر چند کہ بیوی کو طلاق دینا جائز ہے لیکن دورانِ حیض بیوی کو طلاق دینا حرام ہے'

اور سورۃ التحریم میں یہ بیان فرمایا ہے کہ حلال چیز کو حرام کر لینا یمین ہے۔

سورت التحریم کے مشمولات

☆ یہ سورت مدنی ہے اور اس میں ان احکام کا بیان ہے جو ازواجِ مطہرات کے ساتھ مخصوص ہیں تا کہ وہ دوسری مسلم خواتین کے لیے نمونہ ہوں۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواجِ مطہرات کی خوشنودی کے لیے اپنے اوپر شہد کو حرام کر لیا تھا یا حضرت ماریہ قبطیہ کو حرام کر لیا تھا۔ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا ہے کہ آپ کا یہ مقام نہیں ہے کہ آپ ازواج کو راضی کریں بلکہ ان ازواج کو یہ چاہیے کہ وہ آپ کی رضا کو تلاش کریں۔

☆ ایک زوجہ محترمہ نے آپ کے ایک راز کی بات دوسری زوجہ کو بتادی' اس پر ان کو تنبیہ کی گئی۔

☆ سورت کے آخر میں حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی دو کافر بیویوں کا اور فرعون کی مؤمنہ بیوی آسیہ کا ذکر فرمایا' تا کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ وہ ظاہری حال پر اعتماد نہ کریں کیونکہ نبی کی بیوی کافرہ ہو سکتی ہے اور کافر کی بیوی مؤمنہ ہو سکتی ہے' اور کوئی شخص رشتہ اور حسب ونسب پر اعتماد نہ کرے' اصل چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے برحق رسول پر ایمان لانا اور اعمالِ صالحہ اور تقویٰ ہے اور اسی پر آخرت میں نجات کا مدار ہے۔

سورۃ التحریم کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں راہِ حق پر قائم رکھنا اور خطاؤں سے بچائے رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۸ محرم ۱۴۲۶ھ/ ۲۸ فروری ۲۰۰۵ء





(٦٦) سُورَةُ التَّحْرِيمِ مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ — آيَاتُهَا ١٢ رُكُوعَاتُهَا ٢

سورۃ التحریم مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ

اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا

أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ① قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ

طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا

أَيْمَٰنِكُمْ ۚ وَٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ② وَإِذْ أَسَرَّ ٱلنَّبِيُّ

طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اللہ تمہارا مددگار ہے، اور وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے O اور جب نبی نے اپنی کسی

إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَٰجِهِۦ حَدِيثًا ۖ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِۦ وَأَظْهَرَهُ ٱللَّهُ عَلَيْهِ

بیوی سے راز کی بات کہی، پس اس نے اس راز کی خبر دے دی اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرما دیا،

عَرَّفَ بَعْضَهُۥ وَأَعْرَضَ عَنۢ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِۦ قَالَتْ

تو نبی نے اس کو کچھ بتا دیا اور کچھ بتانے سے اعراض کیا، پھر جب نبی نے اس کو اس (افشاء راز) کی خبر دی تو اس نے کہا:

مَنْ أَنۢبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِىَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْخَبِيرُ ③ إِن تَتُوبَآ إِلَى ٱللَّهِ

آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ نبی نے کہا: مجھے علیم و خبیر نے خبر دی ہے O اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے)

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِن تَظَٰهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ ٱللَّهَ هُوَ مَوْلَىٰهُ وَجِبْرِيلُ

کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں، اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں، تو بے شک اللہ نبی کا

وَصَٰلِحُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ④ عَسَىٰ رَبُّهُۥٓ

مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں O اگر نبی نے تم کو

إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُۥٓ أَزْوَٰجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ مُسْلِمَٰتٍ مُّؤْمِنَٰتٍ

طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو فرماں بردار، ایمان دار،

قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

عبادت گزار توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ دار شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی O اے ایمان والو! اپنے

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ

آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر سخت مزاج اور طاقت ور

غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

فرشتے مقرر ہیں اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا

اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو تمہیں ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع

جو تم دنیا میں کرتے تھے O

ع ۱ ۷ ۱۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (التحریم:۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس چیز کو حرام قرار دیا تھا یعنی کس چیز سے فائدہ اٹھانے سے اپنے آپ کو روک لیا تھا' اس سلسلہ میں تین روایات ہیں: ایک روایت یہ ہے کہ آپ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تھے' وہ آپ کو شہد پلاتی تھیں' اس سے آپ نے اپنے آپ کو روک لیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو شہد پلایا تھا' سو آپ نے شہد پینے سے اپنے آپ کو روک لیا' تیسری روایت یہ ہے کہ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ سے مقاربت کرنے سے اپنے آپ کو روک لیا۔

پہلی روایت کی تفصیل یہ ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہر کر شہد پیتے تھے' حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے اور حضرت حفصہ نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں' وہ یہ کہے کہ مجھے آپ سے مغافیر (ایک قسم کا گوند جس کی بُو آپ کو ناپسند تھی) کی بُو آ رہی ہے' کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ ہم میں سے کسی ایک کے پاس آئے' اور اس نے آپ سے ایسا ہی کہا' آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں دوبارہ اس کو نہیں پیوں گا' پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''لــم تــحــرم ما احل اللّٰه لك (الٰی قوله تعالٰی) ان تتوبا '' یہ آیت حضرت عائشہ اور حفصہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی ''

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا '' (التحریم: ۳) اس سے مقصود آپ کا یہ فرمانا ہے: نہیں! میں نے شہد پیا تھا۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۶۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۱۴، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۷۹۵۔۳۴۲۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۶۱۴)

دوسری روایت کی تفصیل یہ ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مٹھاس اور شہد کو پسند فرماتے تھے' عصر کی نماز کے بعد آپ اپنی ازواج (مطہرات) کے پاس جاتے تھے' ایک دن آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان کے پاس معمول سے زیادہ ٹھہرے' میں نے اس کی وجہ پوچھی' مجھے یہ بتلایا گیا کہ حفصہ کی قوم کی ایک عورت نے انہیں شہد بھیجا اور حفصہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد کا شربت پلایا تھا' میں نے سوچا: خدا کی قسم! ہم اب کوئی تدبیر کریں گے' میں نے اس بات کا حضرت سودہ سے ذکر کیا اور کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آئیں اور تمہارے قریب ہوں تو تم کہنا: یارسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ فرمائیں گے: نہیں' پھر تم کہنا' یہ بُو کیسی ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ آپ سے بُو آئے' آپ یہی کہیں گے کہ مجھے حضرت حفصہ نے شہد کا شربت پلایا تھا' تم کہنا کہ شاید ان شہد کی مکھیوں نے درخت عرفط کا رس چوسا ہوگا' میں بھی یہی کہوں گی اور اے صفیہ! تم بھی یہی کہنا' جب آپ حضرت سودہ کے پاس آئے تو حضرت سودہ کہتی ہیں: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے (تمہارے ڈر سے) میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں وہی بات کہوں جو تم نے مجھے بتائی تھی' ابھی آپ دروازے پر تھے کہ حضرت سودہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' حضرت سودہ نے کہا: پھر یہ بُو کیسی آرہی ہے؟ آپ نے فرمایا: حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا تھا' حضرت سودہ نے کہا: شاید اس شہد کی مکھیوں نے عرفط کے درخت کو چوسا ہوگا' پھر جب آپ میرے پاس آئے تو میں نے بھی یہی کہا' پھر جب آپ حضرت صفیہ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا' پھر جب آپ حضرت حفصہ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کو شہد نہ پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے' حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ نے کہا: بخدا! ہم نے آپ پر شہد حرام کر دیا (یعنی اس کے استعمال سے روک دیا) میں نے ان سے کہا: چپکی رہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۷۲، صحیح مسلم کتاب الطلاق: ۲۱۔ الرقم المسلسل: ۳۶۱۵، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۷۱۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸۳۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۵۶۱۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۳۲۳)

صحیحین کی دو روایتوں کے تعارض کا جواب

صحیح مسلم کی پہلی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا تھا اور ان کے خلاف حیلہ کرنے والی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ تھیں' یہ حدیث عبید بن عمیر کی روایت ہے اور صحیح بخاری میں بھی ہے' اس کے برخلاف دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کے پاس شہد پیا تھا' اور ان کے خلاف حیلہ کرنے والی حضرت عائشہ' حضرت صفیہ اور حضرت سودہ تھیں' یہ ہشام بن عروہ کی روایت ہے اور بخاری میں بھی ہے۔ عبید بن عمیر اور ہشام بن عروہ کی روایات باہم متعارض ہیں' علامہ بدرالدین عینی' علامہ ابن حجر اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ دو الگ الگ واقعات ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۴۴) اور قاضی عیاض' علامہ قرطبی اور علامہ نووی کی تحقیق یہ ہے کہ عبید بن عمیر کی روایت راجح ہے اور ہشام بن عروہ کی روایت مرجوح ہے' ہماری رائے میں یہی صحیح ہے اور اس پر

حسب ذیل قرائن ہیں:

(ا) عبید بن عمیر کی سند زیادہ قوی ہے' اس سند کو امام نسائی' اصیلی' علامہ نووی اور حافظ ابن حجر نے ترجیح دی ہے۔

(ب) عبید کی روایت قرآن مجید کے موافق ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ''ان تظاھرا علیہ'' یعنی دو ازواج نے یہ کارروائی کی تھی اور دو کا ذکر عبید کی روایت میں ہے' ہشام نے تین کا ذکر کیا ہے۔

(ج) امام بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے' حضرت عائشہ' حضرت سودہ' حضرت حفصہ اور حضرت صفیہ ایک گروہ میں تھیں اور حضرت زینب بنت جحش اور حضرت ام سلمہ دوسرے گروہ میں تھیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ جن کے پاس شہد پینے کے لیے ٹھہرتے تھے وہ حضرت زینب بنت جحش تھیں' اس لیے حضرت عائشہ کو یہ ناگوار ہوا اور ان کو طبعی غیرت لاحق ہوئی' کیونکہ ان کا تعلق حضرت عائشہ کے مقابل گروہ سے تھا۔

(د) عبید بن عمیر کی روایت کی تائید حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کی روایات سے بھی ہوتی ہے' جن میں یہ تصریح ہے کہ کارروائی کرنے والی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ تھیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی روایت ہی زیادہ صحیح اور زیادہ معتمد ہے۔

تیسری روایت کی تفصیل یہ ہے:

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ام ولد حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مقاربت کی' حضرت حفصہ نے آپ کو ان کے ساتھ دیکھ لیا' وہ کہنے لگیں: آپ میرے حجرہ میں ان سے مقاربت کر رہے ہیں' آپ نے اپنی ازواج سے صرف میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک میری کوئی اہمیت نہیں ہے' آپ نے فرمایا: تم اس واقعہ کا عائشہ سے ذکر نہ کرنا' اب میرا ان سے مقاربت کرنا حرام ہے۔ حضرت حفصہ نے کہا: یہ آپ پر کس طرح حرام ہوں گی حالانکہ یہ آپ کی کنیز ہیں' آپ نے قسم کھائی کہ آپ ان سے مقاربت نہیں کریں گے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا' پھر حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو یہ بات بتا دی' تب آپ نے یہ قسم کھالی کہ آپ ایک ماہ تک اپنی ازواج کے پاس نہیں جائیں گے' پھر آپ انتیس راتوں تک اپنی ازواج کے پاس نہیں گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ'' (التحریم:۱)۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث:۳۹۴۶' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور اپنی کنیز سے مقاربت کرلی' اور حضرت عمر سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت ماریہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی' پھر جب تک حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو اس واقعہ کی خبر نہیں دی' آپ نے حضرت ماریہ سے مقاربت نہیں کی' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ (التحریم:۲) (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور صحاح ستہ کے مصنفین میں سے کسی نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا اور حافظ الضیاء المقدسی نے اپنی کتاب ''مستخرج'' میں اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

مذکور الصدر روایت میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آ گیا ہے' اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماریہ کی سوانح ذکر کر دی جائے۔

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی سوانح

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ام ولد ہیں' ان کے بطن سے حضرت ابراہیم متولد ہوئے۔ امام محمد بن سعد نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ مقوقس صاحب اسکندریہ نے سات ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین کو بھیجا' ان کے علاوہ ایک ہزار مثقال سونا' بیس ملائم کپڑے اور خچر (دلدل) اور ایک دراز گوش بھیجا جس کا نام عفیر یا یعفور تھا' اور اس کے ساتھ خصی شخص بھی تھا جس کا نام مابور تھا' اور ایک بوڑھا شخص بھیجا جو حضرت ماریہ کا بھائی تھا' اور ان سب کو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ساتھ بھیجا' پھر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے حضرت ماریہ کے سامنے اسلام کو پیش کیا اور مسلمان ہونے کی ترغیب دی' پس وہ بھی مسلمان ہو گئیں اور ان کی بہن بھی مسلمان ہو گئیں اور وہ خصی شخص اپنے دین پر برقرار رہا حتیٰ کہ وہ بعد میں مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا' حضرت ماریہ کا گورا رنگ تھا اور وہ بہت خوب صورت تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک بلند منزل میں ٹھہرایا' اس کو ام ابراہیم کا بالا خانہ کہا جاتا تھا' آپ ان کے پاس بہت زیادہ آتے جاتے تھے اور ان سے مباشرت کرتے تھے کیونکہ وہ آپ کی باندی تھیں' آپ نے ان کو پردہ میں رکھا' وہ آپ سے حاملہ ہو گئیں اور آٹھ ہجری میں ان کا وضع حمل ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے کسی عورت پر اتنی غیرت نہیں آتی تھی جتنی غیرت مجھے حضرت ماریہ پر آتی تھی' اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت خوب صورت اور گھونگریالے بالوں والی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہت پسند تھیں' جب وہ مصر سے آئیں تو آپ نے ان کو حضرت حارث بن النعمان کے گھر میں ٹھہرایا' سو وہ ہماری پڑوسن ہو گئیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہاں سے بالا خانے میں منتقل کر دیا۔

امام بزار نے سند حسن کے ساتھ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قبط کے امیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باندیاں اور ایک خچر پیش کیا تھا' آپ مدینہ میں اس خچر پر سواری کرتے تھے' ان دو باندیوں میں سے ایک باندی کو آپ نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

امام واقدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تاحیات حضرت ماریہ کو خرچ دیتے رہے حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے' پھر حضرت عمر ان کو خرچ دیتے رہے حتیٰ کہ ان کے دورِ خلافت میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں۔

واقدی نے بیان کیا ہے کہ محرم ۱۶ ہجری میں حضرت ماریہ کی وفات ہوئی' حضرت عمر نے ان کے جنازہ میں بہت لوگوں کو جمع کیا اور بقیع میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۳۱۱۔۳۱۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مابور پر حضرت ماریہ کی تہمت اور اس کا اس تہمت سے بَری ہونا

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ام ولد حضرت ماریہ پر ایک شخص (مابور) کے ساتھ تہمت لگائی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم جا کر اس کی گردن مار دو' جس وقت حضرت علی اس کے پاس پہنچے وہ اس وقت ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کر رہا تھا' حضرت علی نے اس سے کہا: نکلو اور

اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو نکالا' تب حضرت علی نے دیکھا کہ اس کا آلہ تناسل بالکل کٹا ہوا ہے' تب حضرت علی رک گئے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یارسول اللہ! اس کا آلہ تو بالکل کٹا ہوا ہے۔

(صحیح مسلم التوبۃ: ۵۹۔ رقم الحدیث: ۲۷۷۱۔ الرقم المسلسل: ۶۸۹۰)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم (حضرت ماریہ) کو اس سے محفوظ رکھا کہ ان کی طرف سے کوئی تقصیر ہو' اور واقعہ یہ تھا کہ مابور قبطی تھا اور حضرت ماریہ بھی قبطیہ تھیں اور ہم زبان اور ہم علاقہ ہونے کی وجہ سے وہ آپ کے پاس آتا تھا اور آپ سے باتیں کرتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت ماریہ کے ساتھ باتیں کرنے سے منع کر دیا تھا اور جب اس نے عمل نہیں کیا تو وہ قتل کا مستحق ہو گیا' یا تو آپ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے اور یا اس وجہ سے کہ اس نے آپ کو ایذاء پہنچائی' اس وجہ سے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو قتل کر دیں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس کی پاک دامنی کا علم ہو اور آپ کو معلوم ہو کہ اس کا آلہ نہیں ہے' اس کے باوجود آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا تا کہ حضرت علی اس کو برہنہ دیکھ لیں اور ان پر حقیقتِ حال منکشف ہو جائے اور جو لوگ اس کو حضرت ماریہ کے ساتھ تہمت لگاتے ہیں وہ تہمت زائل ہو جائے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف یہ وحی کی ہو کہ آپ اس کو قتل نہ کریں کیونکہ آپ پر اس کا حال منکشف ہو جائے گا کیونکہ وہ کنویں میں برہنہ نہا رہا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس کو حقیقۃً قتل کرنے کا حکم دیا ہو حالانکہ آپ کو علم تھا کہ وہ قتل نہیں ہو گا کیونکہ اس کا اس تہمت سے بَری ہونا آپ کے نزدیک دلیل سے واضح ہو جائے گا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۳۰۴' دارالوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ نے بھی اس جواب کو نقل کیا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ومکمل اکمال الاکمال ج ۹ ص ۲۱۷۔ ۲۱۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کا کفارہ ادا کرنا

امام محمد بن سعد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت ماریہ کے آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن اور رات کا اکثر وقت حضرت ماریہ کے ساتھ بسر ہوتا تھا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بیٹا پیدا کر دیا۔

زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ابراہیم کے متعلق فرمایا کہ یہ مجھ پر حرام ہے' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ (التحریم: ۲) — اے مسلمانو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے۔

امام محمد بن سعد نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر اپنی باندی کو حرام کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کر دیا اور وہ باندی آپ پر لوٹا دی اور آپ کی قسم کا کفارہ دے دیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۷۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

التحریم: ۱ کے سبب نزول کی تین روایتوں میں سے کون سی روایت زیادہ صحیح اور معتبر ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کے نفع سے اپنے آپ کو جو روک لیا تھا' ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں تین روایات ہیں لیکن زیادہ صحیح اور معتبر روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ

عنہا کے پاس ٹھہر کر شہد پینے سے روک لیا تھا۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ان اقوال میں زیادہ صحیح پہلا قول ہے یعنی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ کو شہد پلاتی تھیں اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو ناگوار گزرنے کی وجہ سے آپ نے اپنے آپ کو اس سے روک لیا تھا' اور سب سے کمزور قول متوسط ہے یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کو شہد پلاتی تھیں' جس سے آپ نے اپنے آپ کو روک لیا۔ علامہ ابن العربی نے کہا: اس کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی عادل نہیں ہیں اور اس کا معنی اس لیے درست نہیں ہے کہ کسی ہبہ شدہ چیز کو واپس کر دینا تحریم نہیں ہے' اور رہی تیسری روایت کہ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا تو اس کے راوی بھی ثقہ ہیں اور اس کا معنی بھی درست ہے لیکن یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں ہے اور یہ مرسل روایت ہے' خلاصہ یہ ہے کہ راجح اور صحیح پہلی روایت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۶۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ ھ نے پہلے یہ روایت ذکر کی کہ حضرت حفصہ آپ کو شہد پلاتی تھیں' پھر لکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت زینب بنت جحش ہی وہ خاتون ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پلاتی تھیں' پھر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ دونوں اپنی تجویز پر متفق ہو گئیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں واقعے اس آیت کے نزول کا سبب ہوں' مگر اس پر اعتراض ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک حدیث ذکر کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق حضرت زینب کے شہد پلانے سے ہی تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۲۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریم میں اختلاف ہے' حضرت عائشہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سبب حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہد پینا ہے' اور ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت ماریہ سے مقاربت کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا' پس یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آیت ان دونوں سببوں سے نازل ہوئی ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۵۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن الخفاجی الحنفی المتوفی ۱۰۶۹ ھ لکھتے ہیں:

التحریم: ۱ کے سبب نزول میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت ماریہ کے قصہ میں نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ شہد پینے کے قصہ میں نازل ہوئی ہے۔ علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ نے صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۴ کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی ہے نہ کہ حضرت ماریہ کے قصہ میں' جو کہ غیر صحاح میں مروی ہے اور صحیح یہی ہے کہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پینے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۲۰۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی ہے نہ کہ حضرت ماریہ کے قصہ میں جو کہ غیر صحاح میں مروی ہے۔ (یہ قصہ المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۱۳۰ میں مروی ہے)۔ علامہ ذہبی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے اور اس سے حدیث ساقط ہے) کسی سند صحیح سے یہ قصہ مروی نہیں ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ شہد کے قصہ میں حضرت عائشہ کی حدیث کی سند جید ہے اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۵ ص ۲۹' دارالوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۰۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ التحریم: ا کے سبب نزول میں روایات مختلف ہیں لیکن علامہ نووی شافعی اور علامہ نووی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت ماریہ کے قصہ کی سند صحیح نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کا سبب نزول حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پینا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۱۸، دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

مغافیر کے معنی کی تحقیق

صحیح مسلم: ۱۴۷۴ میں ہے: حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے سو ہم مغافیر کے معنی کی تحقیق کر رہے ہیں:

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

مغافیر کا واحد مغفور ہے اس کی بو سخت ناگوار اور بُری ہوتی ہے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۳۳۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ ابن الاثیر لکھتے ہیں: العرفط ببول کا درخت ہے اس سے بدبودار گوند نکلتا ہے جب شہد کی مکھی اس کے پتوں کا رس چوستی ہے تو اس کے شہد سے ناگوار بو آتی ہے۔ (النہایہ ج ۳ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ محمد طاہر گجراتی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

یہ ایک میٹھا گوند ہوتا ہے جس کی بو ناگوار ہوتی ہے علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ گوند کسی درخت سے حاصل ہوتا ہے اور اس کو پانی میں ملا کر پیا جاتا ہے اس کی بو ناگوار ہوتی ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ کے منہ سے اس کی بو آئے۔ (مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۵۱، مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغافیر نہیں کھایا تھا پھر ازواجِ مطہرات نے کیسے کہہ دیا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے: ازواج نے کہا: شاید اس شہد کی مکھیوں نے عرفط کے درخت کو چوسا ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۷۲)

ازواج کا مطلب یہ تھا کہ اس وجہ سے جو شہد آپ نے پیا اس سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔

علامہ اسماعیل بن حماد جوہری متوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

کیکر، ببول، بیری اور دیگر کانٹے دار درختوں سے پھوٹ کر جو گوند نکلتا ہے اس کو مغفور کہتے ہیں۔

(الصحاح ج ۲ ص ۷۷۲، دار العلم للملایین ۱۳۷۶ھ)

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کا حضور کو اپنے پاس زیادہ ٹھہرانے کے لیے مغافیر کا حیلہ کرنا آیا گناہ تھا یا نہیں؟

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

ازواجِ مطہرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب کے گھر زیادہ ٹھہرنے سے منع کرنے کے لیے یہ حیلہ کیا تھا کہ آپ سے کہا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے علامہ کرمانی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے لیے یہ حیلہ کرنا کس طرح جائز ہوگا پھر اس کا یہ جواب دیا کہ یہ عورتوں کی غیرت طبعیہ کے تقاضوں سے ہے اور ان کا یہ کہنا گناہ صغیرہ ہے جو ان کی دوسری نیکیوں سے معاف ہو گیا۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۳۴۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

غیرت کا معنی

میں کہتا ہوں کہ ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود اپنی طرف غیرت کرنے کی نسبت کی ہے:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور مٹھاس سے محبت کرتے تھے' جب آپ عصر کی نماز پڑھ کر لوٹے تو آپ حضرت حفصہ بنت عمر کے پاس گئے اور وہاں بہت زیادہ دیر ٹھہرے' پس مجھے غیرت آئی۔ الحدیث
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۲۶۸)

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:
غیرت کا معنی ہے: حمیت' عار اور کسی چیز کا ناگوار ہونا یا اس چیز کو ناپسند کرنا' یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طبعی طور پر یہ ناپسند تھا کہ آپ کسی اور زوجہ کے پاس زیادہ دیر ٹھہریں۔ (النہایہ ج ۳ ص ۳۶۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)
علامہ محمد طاہر گجراتی متوفی ۹۸۶ ھ لکھتے ہیں:
''والغیرۃ کراھۃ المشارکۃ فی محبوب'' محبوب میں کسی اور کی شرکت کے ناپسند کرنے کو غیرت کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ شرک کو پسند نہیں کرتا اس لیے اس نے شرک کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اسی طرح وہ بے حیائی کے کاموں کو پسند نہیں کرتا اس لیے اس نے بے حیائی کے کاموں سے منع فرما دیا ہے۔ حدیث میں ہے: اللہ سے زیادہ کوئی اس چیز پر غیرت کرنے والا نہیں ہے کہ اس کا بندہ زنا کرے۔ (البخاری: ۵۲۲۳) (مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۸۵' مکتبہ دار الایمان' المدینۃ المنورۃ)
اس معنی کے اعتبار سے غیرت کا معنی یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی اور کی شرکت کو ناپسند کرتی تھیں اور وہ یہ چاہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ قرب صرف ان کو حاصل رہے اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کا زیادہ ٹھہرنا آپ سے شدید محبت کی وجہ سے ناپسند تھا اور میں علامہ کرمانی کی اس بات سے متفق نہیں ہوں کہ یہ آپ کا گناہ صغیرہ تھا' کیونکہ آپ نے جو کہا تھا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے یہ کچھ غلط اور جھوٹ نہ تھا کیونکہ حضرت عائشہ کے خیال میں آپ نے جو شہد پیا تھا تو شہد کی مکھیوں نے مغافیر کے درخت سے اس کا رس چوسا تھا اور اس میں مغافیر کی بو آ گئی تھی' البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ حیلہ کرنا خلاف اولیٰ ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس قدر ڈوب گئیں تھیں کہ اس کے خلاف اولیٰ ہونے کی طرف ان کی توجہ مبذول نہیں ہوئی' اور ان کے بلند مقام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر بھی توبہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ . اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔ (التحریم: ۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد سے امتناع کو حرام سے تعبیر کرنے کی تحقیق

صحیح مسلم: ۱۴۷۴ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں شہد نہیں پیوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر یوں کیا: ''آپ اس چیز کو حرام کیوں کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے'' ''لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ'' (التحریم: ۱)۔

امام رازی فرماتے ہیں: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو اس کو حلال کرنا غیر ممکن ہے' کیونکہ حلال کرنے میں حلت کو ترجیح ہے اور حرام کرنے میں حرمت کو ترجیح ہے اور دونوں ترجیحیں جمع نہیں ہو سکتیں' پس قرآن مجید میں ''لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ'' (التحریم: ۱)۔ آپ اس چیز کو کیوں حرام کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے' کا کیا محمل

ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حلال چیز کے نفع سے اپنے آپ کو روکنا مراد ہے اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو شرعاً حرام کرنا مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام قرار دینا یا اس کے حرام ہونے کا اعتقاد کرنا کفر ہے لہٰذا اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۶۹ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ اللہ کے حلال کردہ کو حرام کیوں کرتے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کے حلال یا حرام کرنے کا اختیار نہیں ہے یہ قول باطل ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو حرام نہیں کیا جیسا کہ امام رازی کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے اور آپ کا کسی چیز کو حلال کرنا یا حرام کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ'' (الاعراف: ۱۵۷) (وہ نبی) مسلمانوں کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ البتہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی جلی یا وحی خفی کے کسی اشارہ سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو جان کر کسی چیز کو حلال یا حرام کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد نہ پینے کے عزم کو سید مودودی کا ناپسندیدہ عمل کہنا

سید ابوالاعلیٰ مودودی ''لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ'' (التحریم: ۱) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ دراصل استفہام نہیں ہے بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہے یعنی مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کرنا نہیں ہے کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا ہے بلکہ آپ کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا جو فعل آپ سے صادر ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ (الیٰ قولہ) اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس فعل پر گرفت فرمائی اور آپ کو اس تحریم سے باز رہنے کا حکم دیا۔ (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۵)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جس طرح بار بار حلال کو حرام کرنے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے اور آپ کے اس فعل کی جس طرح تصویر کھینچی ہے وہ اہل ایمان کے لیے یقیناً دل آزار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام نہیں کیا تھا بلکہ اپنے آپ کو اس کے استعمال سے روک لیا تھا جیسا کہ امام رازی کی تحقیق سے ظاہر ہو چکا ہے اور حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''لن اعود له'' میں دوبارہ ہرگز شہد نہیں پیوں گا اور جن چیزوں کا کھانا پینا اللہ تعالیٰ نے مباح کر دیا ہے ان میں مباح کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ان کو کھانا اور نہ کھانا دونوں جائز ہیں آپ کے لیے جس طرح شہد کو پینا جائز تھا اسی طرح اس کو نہ پینا بھی جائز تھا پھر ایک مباح کام کا کرنا کس طرح ناپسندیدہ ہو سکتا ہے دراصل اس آیت میں نہ آپ کے کسی فعل کے ناپسندیدہ ہونے پر تنبیہ کرنا مقصود ہے نہ آپ کے کسی فعل پر گرفت کی گئی ہے بلکہ آپ کی تعظیم و تکریم اور مقام نبوت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ آپ ازواج کو راضی کرنے کے لیے شہد کو کیوں ترک کر رہے ہیں آپ کا یہ مقام نہیں کہ آپ ازواج کو راضی کریں آپ کا مقام یہ ہے کہ ازواج آپ کو راضی کریں جن کی رضا خود خالق کائنات کو مطلوب ہے انہیں مخلوق میں سے کسی کو راضی کرنے کی کیا ضرورت ہے اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝'' (التحریم: ۴) اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ پر واضح کیا کہ اگر تم نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہنے پر نہیں چلیں تو

انہیں کیا کمی ہو گی' جن کا اللہ محب ہے' جبرائیل ان کا موافق ہے' نیک مسلمان اور سارے فرشتے ان کے مددگار ہیں' اگر ان آیات میں اللہ تعالیٰ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو ناپسندیدہ قرار دے کر اس کی گرفت فرما رہا ہوتا تو کیا اس کا یہی انداز ہوتا!

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا مالک اور مولیٰ ہے اور جس کی گرفت کرنا چاہے اس پر قادر ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور سلطنت سے محمد (بے حد تعریف کیے ہوئے) مصطفیٰ اور مجتبیٰ (پسندیدہ اور برگزیدہ) بنایا ہے' آپ کو علی الاطلاق ہدایت کا منبع بنایا ہے' بغیر کسی استثناء کے آپ کے تمام افعال کو مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے' ہر مسلمان کی اخروی فوز و فلاح کے لیے آپ کی اتباع کو مطلقاً لازم کیا ہے' ہر مسلمان پر آپ کی اطاعت مطلقاً فرض کر دی ہے۔ آپ کا کوئی فعل ناپسندیدہ اور گرفت کا موجب نہیں ہے۔ یقیناً سید مودودی کی یہ تفسیر ہی ناپسندیدہ اور گرفت کی موجب ہے۔

بیوی کو حرام کہنے میں مذاہب فقہاء

صحیح مسلم: ۳۔۱۴۷۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اپنی بیوی کو حرام کہنا قسم ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے' اس مسئلہ میں فقہاء کے مسالک حسب ذیل ہیں:

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: جس شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ''تو مجھ پر حرام ہے'' اس کے بارے میں امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر اس نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو گی اور اگر اس نے بغیر طلاق اور ظہار کی نیت کے بعینہٖ اس عورت کی تحریم کی نیت کی ہے تو ان الفاظ کی وجہ سے اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا لیکن یہ قسم نہیں ہے اور اگر اس نے بغیر کسی نیت کے یہ الفاظ کہے ہیں تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں' زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا' دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا یہ قول لغو ہے اور اس پر کوئی شرعی حکم مرتب نہیں ہو گا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸' کراچی)

علامہ نووی شافعی نے لکھا کہ امام مالک کا مذہب مشہور یہ ہے کہ ان کلمات سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں' خواہ بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ' لیکن اگر اس نے تین سے کم کی نیت کی ہے تو غیر مدخولہ میں اس کی نیت قبول کر لی جائے گی۔ علامہ وشتانی مالکی کی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۱۱۱' طبع قدیم' بیروت)

علامہ علی بن سلیمان مرداوی حنبلی لکھتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ''تو مجھ پر حرام ہے'' اس کے بارے میں فقہاء حنبلیہ کے تین قول ہیں: (۱) یہ ظہار ہے اور یہی فی الجملہ مذہب ہے' مستوعب' خلاصہ' محرر' رعایتین' حاوی صغیر اور فروع میں اس کو مقدم کیا گیا ہے (ب) یہ کنایہ ظاہرہ ہے اور اس سے تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں' حنبل اور اثرم سے روایت ہے: حرام تین طلاقیں ہیں (ج) یہ قسم ہے' علامہ زرکشی نے کہا ہے کہ یہ لفظ قسم میں ظاہر ہے' اگر اس نے یہ لفظ بغیر کسی نیت کے کہا ہے تو یہ قسم ہے اور اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق ہے اور ظہار کی نیت کی تو ظہار ہے' ہدایہ' مذہب' مسبوک الذہب اور مستوعب وغیرہ میں لکھا ہے کہ مشہور فی المذہب یہی قول ہے۔ (الانصاف ج ۸ ص ۴۸۶)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ''تو مجھ پر حرام ہے'' اس کی نیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا' اگر اس نے کہا: میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا تھا تو اسی پر محمول کیا جائے گا' کیونکہ یہ اس کے کلام کی حقیقت ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ قول بظاہر قسم ہے' اور اگر اس نے یہ کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو ان کلمات سے طلاق بائنہ ہو گی' الا یہ کہ اس نے تین طلاقوں کا ارادہ کیا ہو' اور اگر اس نے کہا: میں نے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو یہ ظہار ہے' یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کا نظریہ ہے۔ امام محمد یہ کہتے ہیں کہ ان کلمات سے ظہار نہیں ہو سکتا کیونکہ ان میں

تشبیہ نہیں ہے' اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے حرمت کا اطلاق کیا ہے اور ظہار میں بھی حرمت ہوتی ہے' اور اگر وہ کہے کہ میں نے تحریم کا ارادہ کیا ہے یا بلا ارادہ یہ الفاظ کہے ہیں تو یہ ایلاء ہے' کیونکہ ہمارے نزدیک حلال کو حرام کرنا قسم ہے' اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے بلانیت یہ الفاظ کہے تو عرف کی بناء پر اس کو طلاق (بائنہ) پر محمول کیا جائے گا۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ج۴ ص۵۵' سکھر)

علامہ بابرتی حنفی نے لکھا ہے: ابوبکر اسعاف' ابوجعفر ہندوانی اور ابوبکر سعید نے لکھا ہے کہ فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے: ہم اسی قول پر عمل کرتے ہیں کیونکہ ہمارے زمانے میں لوگوں کی یہ عام عادت ہے کہ وہ ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ کرتے ہیں۔

(العنایہ علیٰ ھامش فتح القدیر ج۴ ص۵۶' سکھر)

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: یہ مشائخ متاخرین کا اپنے زمانے کے عرف کی بناء پر فتویٰ ہے' یہی وجہ ہے کہ مرد یہ الفاظ کہتے ہیں اور اگر عورت خاوند سے کہے: ''تم پر حرام ہوں'' تو یہ قسم ہے اور اس کے بعد اس نے خاوند کو مقاربت کا موقع دیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ لازم ہوگا' یہ کلمہ ایسے ہے جیسے مرد نے بغیر نیت کے طلاق کے الفاظ کہے تو صریح الفاظ کی وجہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہاں پر صراحت کا موجب عرف ہے' اس بناء پر فقہاء نے کہا ہے کہ کسی شخص نے یہ کلمات کہے اور کہا: میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ (فتح القدیر ج۴ ص۵۶' سکھر)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ''تو مجھ پر حرام ہے'' فقہاء متاخرین کہتے ہیں: ان الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور فتویٰ متاخرین کے قول پر ہے۔

(ردالمحتار ج۴ ص۴۳۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے' اللہ تمہارا مددگار ہے' اور وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے○ (التحریم: ۲)

قسم کی گرہ کھولنے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قسموں کے کھولنے کے طریقہ کا ذکر فرمایا ہے' اس کا بیان اس آیت میں گزر چکا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ (المائدہ: ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا' لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا' سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے' جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو' یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے' جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے' جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو' اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو○

اس کی تحقیق کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ دیا تھا یا نہیں

اس آیت میں صراحۃً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا اور اشارۃً امت کو خطاب ہے اور اس میں جمع کا صیغہ آپ کی تعظیم کو ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ جب کسی کام کے کرنے یا نہ

کرنے کی قسم کھائی جاتی ہے تو اس کے کرنے یا نہ کرنے پر گرہ باندھ دی جاتی ہے اور جب اس قسم کا کفارہ دے دیا جاتا ہے تو اس گرہ کو کھول دیا جاتا ہے' اسی طرح اگر قسم کھانے کے بعد ان شاء اللہ کہہ دیا جائے پھر بھی وہ گرہ کھل جاتی ہے' ہمارے امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب کسی حلال چیز کو حرام کرلیا جائے تو وہ قسم ہے اور جب آپ نے شہد پینے کو یا حضرت ماریہ سے مقاربت کو اپنے اوپر حرام کرلیا تو آپ نے گویا قسم کھائی کہ آپ شہد نہیں پئیں گے یا حضرت ماریہ سے مقاربت نہیں کریں گے' اور بعض روایات میں اس کی تصریح ہے کہ آپ نے اس کی قسم کھائی تھی۔

امام مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ بیان کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے اس کے کفارہ میں ایک غلام کو آزاد کیا۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۷۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

مفسرین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ آپ حضرت ماریہ سے مقاربت نہیں کریں گے' پس اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کفارۂ قسم واجب کیا تھا اس کو بیان فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۶۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ دیا تھا' اور حسن بصری نے یہ کہا ہے کہ آپ نے کفارہ نہیں دیا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلافِ اولیٰ تمام کاموں کی مغفرت کر دی گئی ہے' (یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ کے مغفور ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے افعال پر احکامِ شرعیہ مرتب نہ ہوں' پس جس طرح جنابت کے بعد آپ کا غسل کرنا آپ کی مغفرت کے منافی نہیں ہے' اسی طرح قسم توڑنے کے بعد اس کا کفارہ دینا بھی آپ کی مغفرت کے منافی نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور اس سورت میں آپ کی امت کو قسم کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے' لیکن پہلا قول صحیح ہے۔

علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت فرماتے ہوئے یہ آیت نازل کی' اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ایک غلام آزاد کر کے کفارہ دیا اور حضرت ماریہ سے دوبارہ مقاربت کی۔

اللہ سبحانہٗ نے یہ سنت جاری کی ہے کہ جب اس کا بندہ کسی چیز سے زیادہ محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور وہ اس کے دل کو اس چیز سے ہٹا دیتا ہے' پھر کچھ مدت کے بعد دوبارہ اس کو اس چیز کی طرف متوجہ کر دیتا ہے' اسی طریقہ پر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو آپ کی زوجات کی طرف سے ہٹا دیا اور آپ ان سے الگ ہو گئے' اور آپ نے حضرت حفصہ کو (رجعی) طلاق دی' اور انتیس راتوں تک حضرت ماریہ کے ساتھ مقاربت سے رکے رہے' اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی غیرت کی وجہ سے تھا' حتیٰ کہ سب نے دلوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔

(لطائف الاشارات (تفسیر القشیری) ج ۳ ص ۳۳۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ میں اللہ کے حلال کیے ہوئے کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں' آپ

نے صرف اپنے آپ کو حضرت ماریہ کی مقاربت سے روک لیا تھا اور یہ قسم کھائی کہ میں آج کے بعد ان کے قریب نہیں جاؤں گا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حسن بصری نے کہا: آپ نے اس قسم کا کفارہ نہیں دیا کیونکہ آپ مغفور ہیں اور یہ آیت صرف مؤمنین کی تعلیم کے لیے نازل ہوئی ہے' اور مقاتل نے بیان کیا ہے کہ آپ نے حضرت ماریہ سے مقاربت نہ کرنے کی جو قسم کھائی تھی اس کا کفارہ دیا تھا' اور یہ آپ کے مغفور ہونے کے منافی نہیں ہے' کیونکہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں بہ ظاہر آپ اور امت مساوی ہیں۔ (روح البیان ج ۱۰ص ۶۰' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: آپ نے کفارہ نہیں دیا تھا' یہی امام مالک کا قول ہے' اور اصل یہ ہے کہ بغیر دلیل کے خصوصیت ثابت نہیں ہوتی (اور خصوصیت پر دلیل ہے نہیں' بلکہ دلیل اس کے خلاف ہے کیونکہ مقاتل نے بیان کیا ہے کہ آپ نے اس کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کیا)۔ (حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۶ص ۲۱۹۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

قتادہ' شعبی اور امام سعید بن منصور نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ماریہ کی قسم کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ (الدر المنثور ج ۸ص ۲۰۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے ان ہی دلائل کو نقل کر کے اس کو ترجیح دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا کفارہ ادا کیا تھا' نیز انہوں نے لکھا ہے:

امام مالک نے ''مدونہ'' میں زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ سے مقاربت کو حرام قرار دیا تھا اور یہ قسم کھائی تھی کہ آپ ان سے مقاربت نہیں کریں گے' آپ نے اس کا کفارہ ادا کیا تھا' شعبی سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۸ص ۲۲۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی' پس اس نے اس راز کی خبر دے دی اور اللہ نے نبی پر اس کا اظہار فرما دیا تو نبی نے اس کو کچھ بتا دیا اور کچھ بتانے سے اعراض کیا' پھر جب نبی نے اس کو اس (افشاء راز) کی خبر دی تو اس نے کہا: آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ نبی نے کہا: مجھے علیم و خبیر نے خبر دی ہے O اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں' اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں O

(التحریم: ۴۔۳)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حفصہ کی دل جوئی کے لیے ان کو راز کی بات بتانا اور ان کا راز افشاء کرنا

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی حاتم متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دو راز کی باتیں کہی تھیں' ایک یہ کہ آپ نے حضرت ماریہ سے مقاربت کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور دوسری یہ کہ تمہارے والد (حضرت عمر) اور حضرت عائشہ کے والد (حضرت ابوبکر) میرے بعد حکم ران ہوں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۲۲۔ ج ۱۰ص ۳۳۶۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون خلیفہ ہوگا' حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو یہ راز بتا دیا۔

میمون بن مہران نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: آپ نے حضرت حفصہ کو یہ راز بتایا کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے اور انہوں نے حضرت عائشہ کو یہ راز بتا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو یہ راز بتا دیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے کہا: تم نے میرا راز افشاء کر دیا ہے' اور اس کی سزا میں ان کو طلاق (رجعی) دے دی' جب حضرت عمر کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: اگر آل عمر میں کوئی خیر ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو طلاق نہ دیتے اور ایک ماہ تک تم سے الگ نہ رہتے' پھر آپ کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور آپ سے کہا کہ آپ حضرت حفصہ سے رجوع کر لیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک اپنی ازواج سے الگ رہے اور آپ نے حضرت ماریہ کے بالا خانہ میں رہائش رکھی حتیٰ کہ آیت تخییر نازل ہوئی' مقاتل بن حیان نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق نہیں دی تھی' آپ نے ان کو صرف طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا' تب آپ کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور کہا: آپ ان کو طلاق نہ دیں' بے شک وہ روزہ رکھنے والی اور قیام کرنے والی ہیں اور یہ آپ کی جنتی بیویوں میں سے ایک ہیں' سو آپ نے پھر ان کو طلاق نہیں دی۔

حضرت حفصہ کی افشاء کی ہوئی خبروں میں سے بعض خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو جتا دی تھی اور بعض نہیں جتائی تھی۔

مقاتل نے یہ کہا ہے کہ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو دونوں خبریں نہیں بتائی تھیں' صرف یہ بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر خلیفہ ہوں گے۔

جب آپ نے حضرت حفصہ کو یہ بتایا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا ہے تو انہوں نے پوچھا: آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ نے فرمایا: مجھ کو علیم وخبیر نے یہ خبر دی ہے۔ (الکشف والبیان ج ۹ ص ۳۴۶۔۳۴۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے' بعض نے قدرے اختصار کے ساتھ اور بعض نے قدرے تفصیل سے۔

امام مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۳۷۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی متوفی ۴۵۰ھ۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۴۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

امام الحسین بن مسعود البغوی التوفی ۵۱۶ھ۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۱۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ۔ (الکشاف ج ۴ ص ۵۶۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ۔ (زادالمسیر ج ۸ ص ۳۰۸' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۷۰۔۵۶۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۷۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ۔ (تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۲۰۵۔۲۰۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۰۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۶۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد الحنفی المتوفی ۱۱۹۵ھ۔ (حاویۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۹ ص ۱۵۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ۔ (روح المعانی جز ۲۸ ص ۲۲۴ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

وحی خفی کا ثبوت

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو ایک راز کی بات بتائی تھی جس کو انہوں نے افشاء کر دیا' مگر پورے قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے کہ وہ راز کی بات کیا تھی جس کو افشاء کرنے کی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے دی' اور یہ قطعی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس بات کی خبر دی ہے اور خبر کا وہ ذریعہ بھی قطعی ہے' اور وہی وحی خفی ہے جس کو ہم حدیث سے تعبیر کرتے ہیں' جو لوگ حدیث کی حجیت اور وحی خفی کے قائل نہیں اور صرف قرآن کی وحی کو مانتے ہیں' وہ بتائیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی وہ خبر کہاں ہے؟

التحریم: ۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو توبہ کا حکم دینے کی توجیہ

ان دونوں سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کرنے پر برانگیختہ کیا ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت شدید محبت کی وجہ سے وہ یہ چاہتی تھیں کہ آپ کسی اور کی طرف زیادہ توجہ نہ فرمائیں اور کسی اور کے پاس زیادہ نہ ٹھہریں اور چونکہ آپ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پینے کی وجہ سے زیادہ ٹھہرتے تھے' اس لیے انہوں نے چاہا کہ آپ شہد ہی نہ پئیں' اس لیے انہوں نے کہا کہ آپ نے وہ شہد پیا ہے' جس کو شہد کی مکھیوں نے اس درخت کے پتوں سے چوسا تھا جس پر مغافیر لگا ہوا تھا' اس وجہ سے آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے اور مغافیر کی بو آپ کو ناپسند تھی' گویا وہ آپ سے شہد کو چھڑانا چاہتی تھیں تاکہ آپ حضرت زینب کے پاس زیادہ نہ ٹھہریں' لیکن اس معاملہ میں ان کی توجہ اس طرف نہیں رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور مٹھاس کو پسند فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۴) اور اس طرح وہ نادانستگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیز کو چھڑانے کی مرتکب ہو رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ سخت ناپسند ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پسندیدہ چیز کو نہ کھا سکیں نہ پی سکیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو فہمائش کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کو دائرہ اعتدال میں رکھیں تاکہ وہ نادانستگی میں اپنی محبت کی شدت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل شکنی اور آپ کی دل آزادی کا موجب نہ بن جائیں۔

اس کے بعد فرمایا: اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں۔

یعنی اپنی محبت کے تقاضوں کو پورا کرتی رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کا خیال نہ کیا (تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا کیونکہ) بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے (بھی) ان کے مددگار ہیں۔

نیک مسلمانوں کے مصادیق

جبریل کا الگ سے ذکر کیا ہے حالانکہ یہ بھی فرشتوں میں داخل ہیں کیونکہ حضرت جبریل کروبین کے سردار ہیں۔ حضرت جبریل کی مدد کے بعد صالح المؤمنین کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان سے مراد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں' کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے اور آپ کے مخالفوں سے عداوت رکھتے تھے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد نیک مسلمان ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام انبیاء علیہم السلام ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس

سے مراد خلفاء ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام صحابہ ہیں' اور اللہ تعالیٰ اور حضرت جبریل اور نیک مسلمانوں کے بعد تمام فرشتے مدد کرنے والے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان سب کی مدد کے بعد تمام فرشتے مدد کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کے بعد حضرت جبریل' نیک مسلمانوں اور فرشتوں کی مدد کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

جب یہ فرمادیا کہ اللہ آپ کا مددگار ہے تو پھر یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی: اور جبریل اور نیک مسلمان اور سارے فرشتے آپ کے مددگار ہیں؟ کیونکہ اللہ کی مدد کے بعد تو اور کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہتی' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس اسلوب پر ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ بے شک اللہ اور اس کے سارے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں' اے ایمان والو! تم (بھی) نبی پر صلوٰۃ اور سلام بھیجا کرو ○

(الاحزاب: ۵۶)

اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کے بعد اور کسی کی صلوٰۃ کی ضرورت نہیں ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شرف ظاہر کرنے کے لیے فرشتے بھی آپ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور عام مسلمانوں کو بھی آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مدد کے بعد اور کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے لیکن آپ کی عظمت اور شرف ظاہر کرنے کے لیے یہ بتایا کہ اے عائشہ اور حفصہ! اگر تم نے ہمارے نبی کی پسند کی رعایت نہ کی اور ان کی پسند پر مدد نہ کی تو ان کو کیا کمی ہوگی جن کا اللہ مددگار ہے اور جبریل مددگار ہیں' اور نیک مسلمان مددگار ہیں اور ان کے بعد سارے فرشتے ان کے مددگار ہیں۔

مقبولانِ بارگاہ عزت سے مدد طلب کرنا اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کرنا ہے

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار تو صرف اللہ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد حضرت جبریل کی مدد کی صورت میں ظاہر ہوگی اور یا نیک مسلمانوں کی مدد کی صورت میں ظاہر ہوگی یا سارے فرشتوں کی مدد کی صورت میں ظاہر ہوگی' جس طرح رزاق تو صرف اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے رزق دینے نہیں آتا' اس نے رزق کی فراہمی کے لیے اسباب' وسائل اور مظاہر مقرر کر دیئے ہیں' اور ان سے رزق کا حصول دراصل اللہ تعالیٰ سے ہی رزق کا حصول ہے' اسی طرح سب فرشتے' سب نیک مسلمان اور حضرت جبریل ان سب کا مدد کرنا دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا مدد کرنا ہے اور حضرت جبریل' نیک مسلمان اور سب فرشتے اللہ تعالیٰ کی امداد کے مظہر ہیں اور اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جس طرح ان کی امداد اللہ تعالیٰ کی امداد ہے' اسی طرح ان سے مدد طلب کرنا اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ہے' کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی امداد کے مظہر ہیں اور جس طرح ان کا مدد کرنا شرک نہیں ہے اسی طرح ان سے مدد طلب کرنا بھی شرک نہیں ہے۔

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ ''اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○'' (الفاتحہ: ۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنا بالکل ناجائز ہے' ہاں! اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔

مولیٰ اور ولی کا معنی

اس آیت میں مولیٰ کا لفظ ہے' اس کا مادہ ولی ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ ولی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولی کا لفظ قربِ مکان کے لیے استعمال ہوتا ہے اور نسب' دین' دوستی' مدد اور اعتقاد کے قرب کی حیثیت سے استعمال ہوتا

ہے اور ولایت کا معنی ہے: کسی چیز میں تصرف کرنا اور ولی اور مولیٰ کا معنی متصرف' ناصر اور دوست ہے' مومن کو اللہ عزوجل کا ولی کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کا ولی اور ان کا مولیٰ ہے' قرآن مجید میں ہے: "اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (البقرہ: ۲۵۷) اللہ مؤمنین کا ولی ہے' نیز قرآن مجید میں ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى . (الحج: ۷۸) اور اللہ (کی رسی) کو مضبوطی سے تھام لو' وہی تمہارا مالک ہے' سو کیا ہی اچھا مالک ہے۔

اور آزاد کرنے والے کو اور آزاد شدہ کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے اور حلیف کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے اور ہر وہ شخص جو دوسرے کے معاملات کا منتظم اور کارمختار ہو وہ اس کا ولی ہے اور اولیٰ کا معنی ہے: لائق اور مستحق' قرآن مجید میں ہے:

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ○ (القیامہ: ۳۴) اور عذاب تیرے زیادہ لائق ہے سو عذاب تیرے زیادہ لائق ہے ○

دو چیزوں کے درمیان موالات کا معنی ہے: ان کا ایک دوسرے کے بعد وارث ہونا۔

(المفردات ج ۲ص ۶۹۳۔۶۹۲ ملخصاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

عرف اور اصطلاح میں اللہ کا ولی اس نیک مسلمان کو کہتے ہیں جو کبائر' صغائر اور خلافِ سنت کاموں سے دائماً مجتنب ہو' اور فرائض' واجبات اور مستحبات پر دائماً عامل ہو اور احکامِ شرعیہ اور اسرارِ شریعت کا عالم ہو۔

نیز مولیٰ کا معنی ہے: مالک' آقا' غلام' سردار' آزاد کرنے والا' انعام دینے والا' وہ جس کو انعام دیا جائے' محبت کرنے والا ساتھی' حلیف' پڑوسی' مہمان' شریک' بیٹا' چچا کا بیٹا' داماد' رشتہ دار' تابع۔ (المنجد اُردو ص ۱۱۰۷)

لفظ مولوی کا معنی

کتبِ لغت میں مولوی کے حسب ذیل معنی ہیں:

المولوی: مولیٰ کی طرف منسوب' زاہد۔ (المنجد اُردو ص ۱۱۰۷)

علامہ محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

مولیٰ کی طرف نسبت مولوی ہے۔ (لسان العرب ج ۱۵ص ۲۸۲' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

مولوی: شرع کے احکام جاننے والا' دین کے مسئلوں سے واقف' دین کا عالم فاضل' شریعت کا پکا پابند' پکا دین دار' متشرع' مدرس' معلّم' عالموں فاضلوں کا لقب۔ (قائد اللغات ص ۹۲۹' حامد اینڈ کمپنی' لاہور)

مولوی: شرع اسلامی کے احکام جاننے والا' عالم دین' فقیہ' پکا دین دار' پابند شریعت' معلّم' مدرس' علماء کا لقب' مولیٰ سے بنایا ہوا ہے۔ (فیروز اللغات ص ۱۳۱۸' فیروز سنز لمیٹڈ)

لفظ مولوی کے مواضع استعمال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے علماء اہل سنت اور احباب اہل سنت کے لیے لفظ مولوی اور مولانا کو استعمال فرمایا ہے:

جس روز آپ کا سوال آیا' حسن اتفاق سے اوس کے دوسرے دن بریلی سے مولوی امجد علی صاحب میرے ملنے کے لیے یہاں آئے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ص ۸۴' مکتبہ رضویہ' کراچی' ۱۴۱۰ھ)

حاجی صاحب گئے' مولوی امجد علی صاحب کے آنے پر رائے معلوم ہوگی۔ (مکتوبات امام احمد رضا ص ۶۲۔۶۱' مکتبہ نبویہ' لاہور' ۲۰۰۱ء)

مولوی رحم الٰہی صاحب علیل ہیں' دوسرے آدمی کی فکر میں ہوں۔ ''لمعۃ الضحیٰ'' کے لیے مولوی امجد علی صاحب سے کہہ دوں گا۔ (مکتوبات امام احمد رضا خاں ص ۱۳۔ ۱۲' مکتبہ نبویہ لاہور' ۲۰۰۱ء)

نوٹ: مولانا رحم الٰہی قادر رضوی' اعلیٰ حضرت کے ممتاز خلیفہ اور منظر الاسلام بریلی کے دوسرے صدر المدرسین تھے۔

شام کو مولوی امجد علی صاحب سے دریافت کیے پر معلوم ہوا۔ الخ (مکتوبات امام احمد رضا خاں ص ۶۸)

بنام مولانا ظفر الدین قادری' مولانا مولوی ظفر الدین۔ (مکتوبات امام احمد رضا خاں ص ۵۳)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اکابر دیوبند کے ناموں کے ساتھ بھی مولوی اور مولانا کے القاب لکھے ہیں:

مگر جناب کے مہذب' عالم' مقدس' متکلم' مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی چاندپوری کے کمال شستہ وشائستہ دشنام نامے ...... گرامی منشی مولانا ثناء اللہ امرتسری ممکن وموجود میں فرق نہ جان سکے۔۔۔۔۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۸۸' رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۲۰ھ)

جناب مولوی گنگوہی صاحب نے لکھا ہے کہ تھانوی صاحب کافر ہیں۔ (الیٰ قولہ) جناب مولوی تھانوی صاحب نے فرمایا ہے کہ گنگوہی صاحب مرتد ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۵ ص ۹۲۔ ۹۱' رضا فاؤنڈیشن لاہور' ۱۴۲۰ھ)

بنام مولوی اشرف علی تھانوی۔ (مکتوبات ص ۱۲۹۔ ۱۲۷۔ ۱۲۶۔ ۱۱۵)

مولوی گنگوہی۔ (مکتوبات ص ۱۲۹۔ ۱۲۳۔ ۱۱۸۔ ۱۱۷)

خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے علماء اہل سنت اور دیوبندیوں دونوں کے لیے مولانا اور مولوی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

لفظ شیخ کا معنی اور اس کے مواضع استعمال

شیخ: بوڑھا' بڑی عمر کا' استاذ' عالم' قوم کے سردار اور بڑے اور ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کی نظر میں علم' فضیلت اور مرتبہ ودرجہ کے لحاظ سے بڑا ہو۔ (المنجد اردو ص ۵۵۱۔ ۵۵۰)

حضرت سید پیر مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہ دو عنوانوں میں لکھتے ہیں: پہلا عنوان یہ ہے' شیخ ابن تیمیہ غفر اللہ لہ کے اس حدیث پر اعتراضات اور اہلِ تحقیق کے جوابات' اور دوسرا عنوان یہ ہے' شیخ ابن تیمیہ کا حدیث مدینۃ العلم پر دوسرا اعتراض۔ (تصفیہ ما بین سُنی وشیعہ ص ۶۳' ۶۳' مطبوعہ پرنٹنگ پرو فیشنلز' لاہور' ۲۰۰۵ء)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے ایک غیر مقلد عالم کی طرف مکتوب کے سرنامے میں لکھا:

بنام الشیخ محمد طیب مکی۔ (مکتوبات ص ۱۳' لاہور)

نیز اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: کالی بھوانی' شیخ سدو اور ارواحِ خبیثہ کے ساتھ نبی اللہ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استمداد کو ملانا صریح گمراہی اور نبی اللہ کی توہین اور امام الوہابیہ مخذولی کی طرز لعین ہے' توبہ فرض ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۳۲۰' مکتبہ رضویہ' کراچی)

دیگر علماء اہل سنت نے بھی مخالفین اہلِ سنت کے لیے شیخ کا لفظ استعمال کیا ہے:

مولانا حسن رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۲۶ھ کا شعر ہے:

عبد وہاب کا بیٹا ہوا شیخ نجدی   اس کی تقلید سے ثابت ہے ضلالت تیری

(ذوق نعت ص ۱۱۳' مدینہ پبلی کیشنگ کمپنی' کراچی)

مولانا بدر الدین قادری لکھتے ہیں:

زمین کے وسیع علم کے بارے میں شیخ نجدی' ابلیس لعین کو بڑا عالم اور سرکار کو چھوٹا عالم مانتے ہیں۔

(سوانح امام احمد رضا ص ۱۸۳' نوریہ رضویہ سکھر' ۱۴۰۷ھ)

مفتی آگرہ استاذ العلماء علامہ عبدالحفیظ حقانی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:
افسوس کہ شیخ نجدی کی ''کتاب التوحید'' میں اور شیخ ھندی کی ''تقویت الایمان'' میں دوسرا باب بدعت موجود نہیں۔
(سنت و بدعت حقائق کی روشنی میں بہ حوالہ النعیم جون ۲۰۰۴ء)

علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں:
فترحم الشیخ محمود الحسن وبعدہ الشیخ اشرف علی تھانوی الشیخ ابو الاعلیٰ مودودی۔
(من ھو احمد رضا ص ۵۸۔۳۹ لاہور ۱۴۰۲ھ)

مفتی محمد عبدالقیوم قادری متوفی ۱۴۲۴ھ لکھتے ہیں:
شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی بارہویں صدی کی ابتداء میں پیدا ہوئے۔ (تاریخ نجد و حجاز ص ۲۳ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)
مولانا فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:
ابن التیمیہ کی ''کتاب الرد علی الافنائی'' کا اردو ترجمہ شیخ محمد صادق اہل حدیث نے کیا ہے۔
(شرح حدائق بخشش ج ۳ ص ۲۶۷ مکتبہ اویسیہ بہاولپور)

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:
(۱) وللشیخ محمد قاسم النانوتوی (۲) ھذا ھو امامھم الشیخ محمد اسماعیل الدھلوی (۳) قال الشیخ ابن تیمیہ (۴) قال الشیخ اشرف علی التانوی الدیوبندی (۵) قال الشیخ خلیل احمد الانبیتوی۔
(من عقائد اہل السنۃ ص ۲۳۹۔۱۶۷۔۱۰۶۔۸۴۔۶۶ الدعوۃ الاسلامیہ لاہور)
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی اس کتاب کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:
مایصدق رای الشیخ الندوی قال الشیخ الندوی۔ (من عقائد اہل السنہ ص ۲۹۔۲۷)
اور علماء اہل سنت میں سے جو شیخ کے لقب سے مشہور ہیں جیسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی ان پر بھی شیخ کا اطلاق ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا' جو فرماں بردار' ایمان دار' عبادت گزار' توبہ کرنے والیاں' عبادت کرنے والیاں' روزہ دار' شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی ○ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں' جس پر سخت گیر اور مضبوط فرشتے مقرر ہیں' اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ○ اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو تمہیں ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے ○ (التحریم: ۵۔۷)

''مسلمات' مؤمنات'' اور ''قانتات'' وغیرھا کے معانی

اس آیت میں ''مسلمات'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی خضوع اور خشوع سے اطاعت کرنے والیاں' یا اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے والیاں۔
اور ''مؤمنات'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور اس کی توحید پر ایمان لانے والیاں یا اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی تصدیق کرنے والیاں۔
اور ''قانتات'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: اطاعت کرنے والیاں اور رات کو اٹھ کر قیام کرنے والیاں۔

اور ''سائحات'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: روزہ رکھنے والیاں' حضرت ابن عباس اور حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: ہجرت کرنے والیاں' کیونکہ ''سائحات'' کا مادہ سیاحت ہے' اس کا معنی ہے: زمین میں سفر کرنا اور مؤمنوں کی سیاحت ہجرت ہے اور ایک قول ہے: اللہ عزوجل کی اطاعت میں سفر کرنے والیاں اور یہ حج اور عمرہ کے سفر کو شامل ہے۔

اور ''ثیبات'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو پھر وہ خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ ہو اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شادیاں کیں وہ عورتوں کی طرف رغبت یا شہوت کے تقاضوں سے نہیں کیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کیں' جنت میں آپ کی ثیبہ زوجہ' فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ہوں گی۔

اور ''ابکارا'' کا لفظ ہے' باکرہ کا معنی ہے: دوشیزہ اور کنواری' دنیا میں آپ کی کنواری زوجہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور جنت میں کنواری زوجہ حضرت مریم بنت عمران ہوں گی۔

کیا کوئی خاتون ازواجِ مطہرات سے افضل ہو سکتی ہے؟

اس آیت میں فرمایا ہے: اگر آپ ان ازواج کو طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ ان کے بدلہ میں ان سے بہتر ازواج آپ کے نکاح میں لے آئے گا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ روئے زمین پر امہات المؤمنین سے بہتر عورتیں موجود نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے کیسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے بہتر ازواج آپ کے نکاح میں لے آئے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ازواج کو اس وجہ سے طلاق دے دیتے کہ وہ آپ کی پسند پر اپنی پسند کو ترجیح دیتی ہیں اور اس وجہ سے آپ کو ایذاء پہنچاتی ہیں اور پھر وہ اس پر توبہ نہ کرتیں تو پھر وہ اس صفت پر قائم نہ رہتیں کہ وہ دنیا میں سب سے افضل اور بے مثل خواتین ہیں' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب: ۳۲) — اے نبی کی ازواج! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو۔

لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے اپنے مطالبہ سے رجوع کر لیا اور اپنی بے اعتدالی سے توبہ کر لی تو وہ پھر اپنی اسی افضلیت اور بے مثلی کے مقام پر فائز ہو گئیں' اور اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج رجوع کر لیں گی اور آپ ان کو طلاق نہیں دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈرانے کے لیے فرمایا کہ وہ اس پر قادر ہے کہ ان سے بہتر ازواج اپنے نبی کے نکاح میں لے آئے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ○ (محمد: ۳۸) — اور اگر تم (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے) اعراض کرو تو اللہ تمہارے بدلہ میں اور لوگ لے آئے گا' پھر وہ تمہاری مثل نہ ہوں گے ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ڈرانے کے لیے خطاب فرمایا ہے اور یہ بتانے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان سے بہتر مؤمنوں کو وجود میں لے آئے اگرچہ روئے زمین پر ان سے بہتر مؤمن اس وقت تھے نہ آئندہ ہوں گے۔

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے ناراضگی کے سلسلہ میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں کافی عرصہ سے یہ سوچ رہا تھا کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے متعلق سوال کروں لیکن ان کی ہیبت کی وجہ سے میں ان سے سوال نہیں کر پا رہا تھا' حتیٰ کہ وہ حج کے لیے

روانہ ہوئے اور میں بھی ان کے ہمراہ تھا' واپسی میں وہ ایک جگہ قضاء حاجت کے لیے گئے' جب وہ فارغ ہو کر آئے تو میں نے ان سے کہا: اے امیر المؤمنین! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے وہ کون سی دو بیویاں تھیں جنہوں نے آپ سے موافقت نہیں کی تھی؟ حضرت عمر نے کہا: وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ تھیں رضی اللہ عنہما' میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایک سال سے یہ چاہ رہا تھا کہ آپ سے اس کے متعلق سوال کروں' لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ سے سوال نہیں کر سکا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو' جس چیز کے متعلق بھی تمہیں خیال ہو کہ مجھے اس کا علم ہوگا تم اس کے متعلق مجھ سے سوال کر لیا کرو' اگر مجھے اس کے متعلق علم ہوگا تو میں تم کو ضرور بتاؤں گا' حضرت عمر نے کہا: ہم زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق وہ حقوق نازل کیے جو نازل کیے اور ان کے متعلق وہ تقسیم کی جو تقسیم کی' اسی اثناء میں ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کسی کام کے لیے کہا' تو اس نے کہا: تم اس طرح کر لو' میں نے کہا: میں نے تم کو جس کام کا کہا ہے تم وہ کام کرو' تم اس میں اور باتیں کیوں کر رہی ہو؟ اس نے کہا: تعجب ہے اے ابن الخطاب! تم نہیں چاہتے کہ تمہیں جواب دیا جائے حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہے' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ دن غصہ میں گزارتے ہیں' پس حضرت عمر کھڑے ہوئے' چادر اپنی جگہ سے اٹھائی اور حضرت حفصہ کے پاس پہنچے اور کہا: اے بیٹی! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو حتیٰ کہ آپ پورا دن غصہ سے گزارتے ہیں؟ حضرت حفصہ نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! ہم آپ کو ضرور جواب دیتی ہیں۔ میں نے کہا: کیا تم جانتی ہو کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب سے ڈرا رہا ہوں' اے بیٹی! تم اس سے دھوکے میں نہ آنا جس کا حسن و جمال آپ کو پسند ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے' حضرت عمر کی مراد حضرت عائشہ تھیں' پھر میں ان کے پاس سے حضرت ام سلمہ کے پاس گیا کیونکہ میری ان سے قرابت تھی۔ میں نے ان سے اس سلسلہ میں بات کی' انہوں نے کہا: تعجب ہے اے ابن الخطاب! تم ہر چیز میں دخل دیتے ہو' حتیٰ کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج میں بھی مداخلت کرنا چاہتے ہو' انہوں نے مجھ سے اس قدر شدید مواخذہ کیا کہ میں نے اپنے دل میں ازواج مطہرات کو سمجھانے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس پر عمل نہیں کیا' پھر میں ان کے پاس سے چلا گیا' ادھر میرا پڑوسی ایک انصاری تھا' ہم دونوں باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے تھے' ایک دن وہ جاتا اور اس دن نازل ہونے والے احکام کی خبر لے کر آتا اور ایک دن میں جاتا' ان دنوں ہمیں غسان کے بادشاہ کی طرف سے خطرہ تھا کہ وہ ہم پر حملہ کرنے والا ہے' ایک دن میرے پڑوسی انصاری نے آ کر زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: کھولو' کھولو' میں نے پوچھا: کیا غسانی نے حملہ کر دیا؟ اس نے کہا: اس سے بھی بڑی بات ہوگئی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے الگ ہو گئے ہیں' میں نے کہا: حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ پر افسوس ہے' میں اپنے کپڑے بدل کر وہاں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالاخانے پر تھے جس کی طرف سیڑھی سے راستہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ فام غلام اس کے ڈنڈے پر بیٹھا تھا' میں نے کہا: یہ عمر بن الخطاب ہے' آپ سے کہو وہ ملنے کی اجازت چاہتا ہے' حضرت عمر نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قصہ سنایا' جب میں نے حضرت ام سلمہ کا قول سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے' آپ کے نیچے اور کوئی چیز نہیں تھی' اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کی طرف درخت کے پتے تھے' اور آپ کے سر کے پاس ایک کچی کھال لٹکی ہوئی تھی اور میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے' میں رونے لگا' آپ نے پوچھا: اے ابن الخطاب! کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! کسریٰ اور قیصر کتنے عیش و آرام میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کا یہ حال ہے

آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۱۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۷۹)

امام بخاری نے کتاب المظالم والغصب میں یہ حدیث زیادہ تفصیل سے ذکر کی ہے' اس میں یہ اضافہ ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے " اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا " (التحریم: ۴) کی تفسیر میں فرمایا: میرے پڑوسی نے آکر مجھے بتایا کہ عظیم حادثہ ہو گیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے' حضرت عمر نے کہا: حفصہ تو ناکام اور نامراد ہو گئی' مجھے پہلے ہی یہ خطرہ تھا کہ ایسا ہونے والا ہے' میں نے اپنے کپڑے بدلے اور نمازِ فجر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانے میں گئے اور وہاں الگ رہے' میں حفصہ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھیں' میں نے کہا: اب کیوں رو رہی ہو' کیا میں نے تم کو اس خطرہ سے پہلے آگاہ نہیں کیا تھا' کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی ہے؟ حضرت حفصہ نے کہا: مجھے پتا نہیں' آپ وہاں اس بالا خانے میں ہیں' پس میں باہر آیا اور منبر کے پاس گیا' وہاں لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بعض رو رہے تھے' میں تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھا رہا' پھر میں اپنے خیالات سے مجبور ہو کر اٹھا اور اس بالا خانے کے پاس پہنچا جس میں آپ تشریف فرما تھے' میں نے اس سیاہ فام غلام سے کہا: جاؤ عمر کے لیے اجازت طلب کرو' وہ گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر کے آ گیا اور کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا ذکر کیا تھا' آپ سن کر خاموش رہے' میں لوٹ آیا اور منبر کے پاس جو لوگ تھے' ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا' پھر میں اپنے خیالات سے مجبور ہو کر اٹھا اور پھر بالا خانہ پر گیا' پھر اسی طرح ماجرا ہوا اور میں پھر منبر کے پاس جا کر لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا' پھر میں اپنے دل سے مجبور ہو کر اٹھا اور اس سیاہ فام غلام کے پاس گیا اور اس سے کہا: جاؤ عمر کے لیے اجازت طلب کرو' پھر اسی طرح ہوا' جب میں واپس جانے لگا تو وہ غلام مجھے بلا رہا تھا' اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت دے دی ہے' اس وقت آپ ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے' آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہیں تھا' اور چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے اور چمڑے کے ایک تکیہ سے آپ نے ٹیک لگائی ہوئی تھی جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی' پھر میں نے کھڑے ہوئے آپ کو سلام کیا' پھر میں نے پوچھا: کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا: نہیں' پھر میں نے اسی طرح کھڑے ہوئے کہا: یا رسول اللہ! کاش آپ مجھے دیکھیں' ہم قریش کے لوگ اپنی بیویوں پر غالب رہتے تھے' پھر ہم مدینہ آئے اور یہاں کی عورتیں اپنے مردوں پر غالب رہتی تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے' پھر میں نے کہا: کاش آپ کو معلوم ہوتا میں حفصہ کے پاس گیا اور میں نے کہا: تم کو یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تمہاری سہیلی تم سے زیادہ حسین و جمیل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے' ان کی مراد حضرت عائشہ تھیں' آپ دوبارہ مسکرائے' جب میں نے آپ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو میں بیٹھ گیا پھر میں نے گھر میں نظر ڈالی' سو اللہ کی قسم! میں نے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو میری نظر کو لوٹاتی' وہاں صرف تین کچی کھالیں تھیں' میں نے کہا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کی امت کو خوش حال کر دے' کیونکہ فارس اور روم پر تو بہت خوش حالی ہے' ان کو دنیا دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے' آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے آپ نے فرمایا: اے ابن الخطاب! کیا تم شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی اچھی چیزیں دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے مغفرت طلب کریں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے ازواج سے الگ ہو گئے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راز کی بات حفصہ نے حضرت عائشہ کو بتا دی تھی' اور آپ نے فرمایا: میں ایک ماہ تک ان ازواج کے پاس نہیں جاؤں گا' کیونکہ آپ کو ان پر بہت رنج تھا جب اللہ نے آپ پر (صورۃً) عتاب کیا تھا۔ جب

انتیس دن گزر گئے تو آپ نے حضرت عائشہ سے ابتداء کی اور ان کے پاس گئے' حضرت عائشہ نے کہا: آپ نے تو فرمایا تھا کہ آپ ایک ماہ تک ہمارے پاس نہیں آئیں گے' اور میں تو ایک ایک رات گن گن کر گزار رہی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے' حضرت عائشہ نے کہا: پھر آپ پر آیت تخییر نازل کی گئی تو میں وہ پہلی عورت تھی جس سے آپ نے ابتداء کی اور فرمایا: میں تم سے ایک بات ذکر کر رہا ہوں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کر لو حالانکہ آپ کو خوب علم تھا کہ میرے ماں باپ آپ سے علیحدگی کا مشورہ نہیں دیں گے' پھر آپ نے الاحزاب: ۲۹۔ ۲۸ کی تلاوت فرمائی' میں نے کہا: کیا میں اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی' میں اللہ کا' اس کے رسول کا اور دارِ آخرت کا ارادہ کرتی ہوں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ازواج کو اختیار دیا تو باقی ازواج نے بھی حضرت عائشہ کی طرح کہا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۴۶۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ماہ ازواج سے الگ رہنا حضرت حفصہ کے افشاءِ راز کی وجہ سے تھا یا ازواج کے زیادہ خرچ مانگنے کی وجہ سے؟

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے ناراض ہوئے تھے کہ حضرت حفصہ نے آپ کے راز کی بات حضرت عائشہ کو بتا دی تھی' اس لیے آپ نے ایک ماہ کے لیے ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی تھی' اور الاحزاب: ۲۹۔ ۲۸ میں جو آیت تخییر نازل ہوئی ہے' اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ ازواجِ مطہرات نے آپ سے زیادہ خرچ کا مطالبہ کیا تھا' اس پر ناراض ہو کر آپ نے ایک ماہ کے لیے ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر آئے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے' حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی گئی' پھر حضرت عمر آئے اور اجازت طلب کی' سو ان کو بھی اجازت دی گئی' انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے گرد آپ کی ازواج بیٹھی ہوئی ہیں اور آپ افسردہ اور خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت عمر نے دل میں سوچا کہ میں ضرور کوئی بات کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساؤں گا' میں نے کہا: یا رسول اللہ! کاش! آپ دیکھتے کہ بنت خارجہ مجھ سے نفقہ کا سوال کرے اور میں اس کی گردن مروڑ دوں' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا: ان کو جو تم میرے گرد بیٹھا ہوا دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں' پھر حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر حضرت عائشہ کی گردن مروڑنے لگے' پھر حضرت عمر کھڑے ہو کر حضرت حفصہ کی گردن مروڑنے لگے اور وہ دونوں سے کہہ رہے تھے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کر رہی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے' انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آئندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گی جو آپ کے پاس نہ ہو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ یا انتیس دن اپنی ازواج سے الگ رہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: اے نبی! اپنی بیویوں سے کہیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ! میں تم کو دنیا کا مال دوں اور تم کو اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں ○ اور اگر تم اللہ کا ارادہ کرتی ہو اور اس کے رسول کا اور آخرت کے گھر کا تو بے شک اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ○ (الاحزاب: ۲۹۔ ۲۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتداء کی اور فرمایا: اے عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک چیز پیش کر رہا ہوں' مجھے یہ پسند ہے کہ تم اس میں جلدی نہ کرو حتیٰ کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی' حضرت

عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کے متعلق اپنے والدین سے مشورہ کروں گی' بلکہ میں اللہ' اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں اور میں آپ سے یہ سوال کرتی ہوں کہ آپ اپنی (باقی) ازواج کو میرے فیصلہ کے متعلق نہ بتائیں' آپ نے فرمایا: ان میں سے جس نے بھی اس کے متعلق سوال کیا میں اس کو بتادوں گا' بے شک اللہ نے مجھے دشوار بنا کر بھیجا نہ دشواری میں ڈالنے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اللہ نے مجھے تعلیم دینے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٨٦' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٤٧٨' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٩٢٠٨' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٣١٨' سنن النسائی رقم الحدیث: ٢١٣١' مسند احمد رقم الحدیث: ٢٦٦٣٧' عالم الکتب)

ازواجِ مطہرات کو دنیا اور آخرت میں اختیار دینے کا سبب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اختیار دینے کے سبب میں بھی اختلاف ہے' اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(١) اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کے ملک اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا تھا تو آپ نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو اختیار کر لیا تھا' سو اس نہج پر آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار دیں تا کہ آپ کی ازواج کا حال بھی آپ کی مثل ہو۔

(٢) ازواج نے آپ کے اوپر غیرت کی تھی (یعنی ان کو آپ کا دوسری ازواج کے پاس جانا ناگوار تھا) تو آپ نے ایک ماہ تک ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی تھی۔

(٣) ایک دن وہ سب ازواج آپ کے پاس جمع ہوئیں اور آپ سے اچھے کپڑے اور اچھے زیورات کا مطالبہ کیا۔

(٤) ان میں سے ہر ایک نے ایسی چیز کا مطالبہ کیا جو آپ کے پاس نہیں تھی' حضرت ام سلمہ نے معلم کا مطالبہ کیا' حضرت میمونہ نے یمن کے حلوں کا مطالبہ کیا' حضرت زینب نے دھاری دار چادروں کا مطالبہ کیا' حضرت ام حبیبہ نے سحولی کپڑوں کا مطالبہ کیا' حضرت حفصہ نے مصر کے کپڑوں کا مطالبہ کیا' حضرت جویریہ نے سر پر باندھنے کے کپڑے کا مطالبہ کیا' اور حضرت سودہ نے خیبر کی چادر کا مطالبہ کیا' البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ١٩ ص ١٦٧۔١٦٦' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢١ھ)

اس تفصیل سے اصل اشکال کا جواب نکل آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے ناراضگی کے دو سبب تھے' ایک حضرت حفصہ کا آپ کے راز کو فاش کرنا اور دوسرا ازواج کا زیادہ خرچ کا مطالبہ کرنا اور ان دونوں سببوں سے آپ ایک ماہ تک ازواجِ مطہرات سے الگ رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کا محمل

صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٤٦٨ میں ہے: جب اللہ نے آپ پر عتاب کیا تھا اس سے مراد صورۃً عتاب ہے حقیقۃً عتاب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا: آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے' اس سے آپ کی دل جوئی مقصود ہے اور آپ کو آپ کی پسندیدہ چیزوں کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہے اور یہ بتلانا ہے کہ آپ ازواج کی خاطر کیوں اپنی پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ رہے ہیں آپ کا یہ مقام نہیں ہے کہ آپ ازواج کو راضی کریں بلکہ ازواج کو چاہیے کہ وہ آپ کو راضی کریں' اسی طرح احادیث میں جہاں بھی یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا اس سے مراد صورۃً عتاب ہے حقیقۃً عتاب نہیں ہے۔

جیسے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کا واقعہ اس کی تفصیل ان شاء اللہ سورۂ عبس میں آئے گی یا جیسے غزوۂ تبوک میں منافقین کو اجازت دینے کا معاملہ اس کی تفسیر التوبہ: ۴۳ میں گزر چکی ہے۔

التحریم: ۶ میں فرمایا: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

اپنے ماتحت لوگوں اور اولاد کو ادب سکھانے کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات

یعنی تم خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور اپنے اہل وعیال سے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کراؤ اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے تم خود بھی ان کاموں سے باز رہو اور اپنے اہل وعیال کو بھی ان کاموں کے کرنے سے منع کرو۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۚ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر قائم رہیے۔ (طٰہٰ: ۱۳۲)

اہل وعیال سے احکام شرعیہ پر عمل کرانے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا' سربراہ مملکت اپنے عوام کا محافظ ہے اور اس سے اپنے عوام کے متعلق سوال ہوگا' اور ایک شخص اپنی بیوی کا محافظ ہے اور اس سے اس کی بیوی کے متعلق سوال ہوگا' اور ایک عورت اپنے خاوند کے گھر کی محافظ ہے اور اس سے اس کے گھر کے متعلق سوال ہوگا' اور خادم اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس مال کے متعلق سوال ہوگا' اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس مال کے متعلق سوال ہوگا' تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۰۶۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے' پس جب وتر پڑھتے تو فرماتے: اے عائشہ! اٹھو اور وتر پڑھو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۴۴)

عمرو بن شعیب اپنے والد (محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص) وہ اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دو' اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان کو مار مار کر نماز پڑھاؤ' اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۵۔۴۹۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اس مرد پر رحم فرمائے جو رات کو نماز پڑھنے کے لیے اٹھے اور اپنی بیوی کو بھی (نماز کے لیے) جگائے' اگر وہ (اٹھنے سے) انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے' اللہ اس عورت پر رحم فرمائے' جو رات کو اٹھے' پھر نماز پڑھے اور اپنے خاوند کو جگائے' پس اگر وہ انکار کرے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۶)

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب کوئی شخص رات کو اپنی بیوی کو جگائے' پھر دونوں نماز پڑھیں یا دو رکعت مل کر نماز پڑھیں تو ان دونوں کو ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں میں لکھا جاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۰۹ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۳۵)

سعید بن ابی العاص اپنے والد سے وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: جو شخص اپنے بیٹے کو نیک ادب سکھائے اس سے بڑھ کر کوئی عطیہ نہیں ہے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۲۶۳ طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۷۶۷۹ طبع جدید)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بیٹے کو ادب سکھائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ ہر دن دو کلو صدقہ کرے۔

(المستدرک ج ۴ ص ۲۶۳ قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۷۶۸۰ جدید)

اس کے بعد فرمایا: جس پر سخت گیر اور مضبوط فرشتے مقرر ہیں' اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O

دوزخ کے محافظ فرشتوں کی صفات

دوزخ پر جو فرشتے مقرر ہیں وہ سخت دل ہیں' جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو وہ کسی پر رحم نہیں کرتے' ان کو صفت غضب پر پیدا کیا گیا ہے اور ان کے دلوں میں مخلوق کو عذاب دینے کی محبت اس طرح ڈالی گئی ہے جس طرح بنو آدم کے دلوں میں کھانے پینے کی محبت ڈالی گئی ہے' ان کے ابدان بہت سخت ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان کا کلام بہت درشت ہے اور ان کے کام بہت سخت ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ دوزخیوں کو بہت سختی سے پکڑتے ہیں اور ان پر بہت شدت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتا ہے اس پر عمل کرنے میں وہ کوئی زیادتی اور کمی نہیں کرتے' نہ اس کے کرنے میں تقدیم یا تاخیر کرتے ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں ایسی ہی لذت آتی ہے جیسے اہل جنت کو جنت میں سرور حاصل ہوتا ہے۔ یہ انیس فرشتے ہیں جو دوزخ کی حفاظت پر مقرر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ O'' (البقرہ: ۲۴) دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے' پھر کیا وجہ ہے کہ اس آیت میں ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے بچنے کا حکم دیا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ تم ایمان لانے کے بعد کافر نہ ہو جاؤ ورنہ تم بھی کافروں کی طرح دوزخ کی آگ کا ایندھن بن جاؤ گے' دوسرا جواب یہ ہے کہ کافروں کو دائمی عذاب دینے کے لیے دوزخ تیار کی گئی ہے اور جو فساق مؤمنین ہیں' وہ تطہیر کے لیے عارضی طور پر دوزخ میں داخل ہوں گے پھر ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا' لیکن دوزخ کا عارضی عذاب بھی بہت شدید ہے' ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

التحریم: ۷ میں فرمایا: اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو تمہیں ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے O

کیونکہ قیامت کے دن عذر پیش کرنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور یہ اس لیے فرمایا ہے تاکہ کافر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکل مایوس ہو جائیں۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ O (الروم: ۵۷)

پس اس دن ظالموں کا عذر پیش کرنا ان کے لیے مفید نہیں ہو گا اور نہ انہیں توبہ کرنے یا نیک عمل کرنے کا موقع دیا جائے گا O

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى

اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو' یہ بعید نہیں ہے کہ



رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اللہ تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ

نیچے سے دریا بہتے ہیں، جس دن اللہ نہ نبی کو شرمندہ ہونے دے گا اور نہ ان لوگوں کو

اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ

جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ

وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے مکمل فرما دے اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٨﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ

چیز پر قادر ہے ○ اے نبی مکرم! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ

اور ان پر سختی کیجئے، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ○ اللہ نے کافروں

مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا

کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، جو ہمارے

تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا

دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، انہوں نے ان سے خیانت کی تو وہ انہیں اللہ کے

عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿١٠﴾

عذاب سے نہ بچا سکے اور ان سے کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ○

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ

وقف لازم

اور اللہ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، جب اس نے دعا کی:

رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ

اے میرے رب! میرے لیے جنت میں اپنے پاس گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور

عَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ⑪ وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ

اس کے عمل سے نجات دے دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے دے O اور عمران کی بیٹی مریم

الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ

کی مثال (بھی) جس نے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کی، سو ہم نے اس کے چاک گریبان میں اپنی طرف کی روح پھونک دی

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ⑫ ع

اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو، یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، جس دن اللہ نہ نبی کو شرمندہ ہونے دے گا اور نہ ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے مکمل فرما دے اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے O (التحریم: ۸)

''توبة النصوح'' کی تعریف میں مفسرین کے اقوال

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

''التوبة النصوح'' کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) حضرت عمر، حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''التوبة النصوح'' یہ ہے کہ بندہ جس گناہ سے توبہ کرے پھر دوبارہ اس گناہ کی طرف نہ لوٹے۔

(۲) حسن بصری نے کہا: بندہ پچھلے گناہ پر نادم ہو اور یہ عزم مصمم کرے کہ وہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کرے گا۔

(۳) سعید بن جبیر نے کہا: وہ توبہ مقبولہ ہے اور توبہ کے قبول ہونے کی تین شرائط ہیں: (ا) توبہ قبول نہ ہونے کا خوف ہو (ب) توبہ قبول ہونے کی امید ہو (ج) اور دائمی اطاعت کرے۔

(۴) القرظی نے کہا: اس توبہ میں چار چیزیں ہیں: زبان سے استغفار ہو، بدن سے گناہ کو اکھاڑ پھینکے، دل سے دوبارہ نہ کرنے کا اظہار ہو اور بُرے کاموں کو ترک کر دے۔

(۵) سفیان ثوری نے کہا: اس کی چار علامتیں ہیں: قلت، علت، غربت اور ذلت۔

(۶) الواسطی نے کہا: یہ توبہ کسی عوض کی وجہ سے نہ ہو، جو شخص دنیا میں گناہ کرتا ہے اس کا مقصد اپنی خواہش پورا کرنا ہے، اور جو شخص اس گناہ سے توبہ کرتا ہے اس کا مقصد اپنی آخرت سنوارنا ہے، تو یہ اپنے نفس کے لیے توبہ ہے، اللہ کے لیے نہیں ہے۔

(۷) الرقاق المصری نے کہا: یہ لوگوں کے غصب کیے ہوئے حقوق واپس کرنا ہے اور لوگوں سے کی ہوئی زیادتی کو معاف کرانا ہے اور ہمیشہ اطاعت کرنا ہے۔
(۸) ذوالنون نے کہا: اس کی تین علامتیں ہیں: کم باتیں کرنا' کم کھانا اور کم سونا۔
(۹) شقیق نے کہا: یہ اپنے نفس کو بہت ملامت کرنا ہے اور ہمیشہ گناہ پر نادم رہنا ہے۔
(۱۰) جنید نے کہا: گناہ کو اس طرح بھول جائے کہ پھر کبھی اس کو یاد نہ کرے کیونکہ جس کی توبہ صحیح ہوتی ہے وہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اس کے ماسوا کو بھول جاتا ہے۔
(۱۱) فتح الموصلی نے کہا: اس کی تین علامتیں ہیں: نفسانی خواہش کی مخالفت کرنا' زیادہ رونا اور بھوک اور پیاس کو برداشت کرنا۔
(۱۲) کلبی نے کہا: دل سے نادم ہونا' زبان سے استغفار کرنا' گناہ کو اکھاڑ دینا' اور مطمئن ہونا کہ وہ دوبارہ گناہ نہیں کرے گا۔
(۱۳) بعض نے کہا: جب گناہ یاد آئے تو اس پر ندامت طاری ہو اور وہ اس گناہ پر استغفار کرے۔
(الکشف والبیان ج ۹ ص ۳۵۱۔۳۵۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:
اس سے مراد یہ ہے کہ انسان بُرے کاموں پر انتہائی نادم ہو اور دوبارہ وہ بُرے کام نہ کرے۔
(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۷۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:
جس گناہ سے آدمی توبہ کر رہا ہے وہ یا تو اللہ کا حق ہوگا یا بندوں کا حق ہوگا' اگر وہ اللہ کا حق ہے مثلاً نماز کو ترک کرنا تو اس کی توبہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک نادم ہونے کے ساتھ ساتھ ترک کی ہوئی نماز کو ادا نہ کرے' اور اگر اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو تو وہ اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر دے اور اگر اس نے کسی پر زنا کی تہمت لگائی ہے تو اپنے آپ کو حدِ قذف کے لیے پیش کر دے اور اگر اس سے قصاص کو معاف کر دیا گیا تو اس کا نادم ہونا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا اخلاص سے ارادہ کرنا' اس کی توبہ کے لیے کافی ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ دیت کی پیش کش کرے۔ اور اگر اس نے شراب پی ہے یا زنا کیا ہے اور قاضی کے سامنے جرم پیش ہونے سے پہلے اس نے توبہ کر لی ہے تو حد جاری ہونے سے وہ پاک ہو جائے گا اور اگر قاضی کے سامنے اس کا مقدمہ پیش نہیں ہوا اور اس نے تنہائی میں نادم ہو کر اخلاص سے توبہ کر لی تو یہ کافی ہے' اور اگر اس کا گناہ بندوں پر ظلم کرنا ہے تو اس کی توبہ اس وقت صحیح ہوگی جب وہ اس بندہ کا حق لوٹا دے گا' اور اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو یہ عزم کرے کہ جب وہ اس پر قادر ہوگا اس کا حق واپس کر دے گا' اور اگر اس نے کسی بندہ کو نقصان پہنچایا ہے تو اس سے معافی مانگ لے اور اس پر استغفار کرے' جب وہ شخص معاف کر دے گا تو اس کا گناہ ساقط ہو جائے گا اور اگر اس نے کسی بندہ کو ناحق مارا پیٹا ہے یا اس کو گالی دی تو اس سے معافی طلب کرے' وہ شخص معاف کر دے گا تو اس کا گناہ ساقط ہو جائے گا۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۸۵۔۱۸۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تم سے تمہارے گناہوں کو مٹا دے' اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔

توبہ کرنے سے گناہوں کا معاف ہونا

یعنی اگر تم سچی توبہ کر لو اور اس کا معیار یہ ہے کہ جس گناہ سے تم نے توبہ کی ہے پھر دل میں تم اس گناہ کو کرنے کا منصوبہ نہ

بناؤ اور اس کی طرف رغبت نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور تم کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۰' المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۳۰۶' حلیۃ الاولیاء ج ۱۰ ص ۳۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بندہ گناہ کرتا ہے' پھر جب وہ اپنے گناہ کو یاد کرتا ہے تو اپنے کیے ہوئے پر غم گین ہوتا ہے' پھر جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ وہ اپنے کیے ہوئے پر غم گین ہے تو اس کو معاف فرما دیتا ہے۔

(مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۵۲۱' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی داؤد بن المحبر ضعیف ہے)

اس کے بعد فرمایا: جس دن اللہ نہ نبی کو شرمندہ ہونے دے گا اور نہ ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں' ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا' وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لیے مکمل فرما دے' اور ہمیں بخش دے' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے O

مرجئہ کا اس پر استدلال کہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کی ضرورت نہیں اور اس کا رد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نبی کو اور ایمان والوں کو رسوا نہیں کرے گا' اس آیت میں کفار اور فساق پر تعریض ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن رسوا کرے گا' اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور وجاہت کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت کے دن شرمندہ نہیں ہونے دے گا کہ آپ کی شفاعت کو مسترد کر دے اور مؤمنین کی مدح ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دائمی عذاب دے کر رسوا نہیں کرے گا۔

مرجئہ نے اس آیت سے اپنے مؤقف پر استدلال کیا ہے کہ ایمان لانے کے بعد گناہوں سے بچنے اور نیک عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ اگر مؤمنوں کو دوزخ میں داخل کر کے عذاب دیا جائے تو وہ رسوا ہوں گے' قرآن مجید میں ہے:

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ اے ہمارے رب! بے شک تو نے جس کو دوزخ میں داخل کیا اس کو تو نے رسوا کر دیا۔ (آل عمران: ۱۹۲)

اور التحریم: ۸ کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو رسوا نہیں کرے گا' پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو دوزخ میں داخل نہیں کرے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں داخل کرے گا وہ ان کو رسوا کرے گا اور گنہ گار مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ عارضی طور پر تطہیر کے لیے دوزخ میں داخل کرے گا اس لیے وہ رسوا نہیں ہوں گے' دوسرا جواب یہ ہے کہ التحریم: ۸ میں مطلقاً مؤمنوں کے لیے نہیں فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا بلکہ ان مؤمنوں کے لیے فرمایا ہے جو نبی کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور وہ صحابہ کرام ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ نے عاقبت حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے اور وہ مطلقاً دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔

قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کے خلاف سید مودودی کی نقل کردہ ضعیف روایت اور اس کا رد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (قیامت کے دن) اللہ نبی کو شرمندہ نہیں ہونے دے گا (کہ آپ کی شفاعت

مسترد کر دے)۔
لیکن سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کے برخلاف ایک ضعیف روایت استدلال میں پیش کی ہے:
ابن ماجہ نے اس سلسلہ میں جو حدیث نقل کی ہے وہ بڑے ہی دردناک الفاظ میں ہے' اس میں حضور فرماتے ہیں: خبردار رہو! میں تم سے آگے حوض پر پہنچا ہوا ہوں گا' اور تمہارے ذریعہ سے دوسری امتوں کے مقابلہ میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا' اس وقت میرا منہ کالا نہ کرنا۔ الحدیث (ابن ماجہ کتاب المناسک) (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۴۹۴)
یہ روایت جس میں ''لا تسودوا وجھی'' ''میرا منہ کالا نہ کرنا کے الفاظ ہیں' غایت درجہ کی ضعیف ہے اور کسی محدث نے یہ الفاظ نقل نہیں کیے' یہ الفاظ صرف ابن ماجہ میں ہیں۔
ڈاکٹر بشار عواد معروف اس حدیث کی سند کی تحقیق میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کی سند ضعیف ہے' اس کی سند کا ایک راوی زافر بن سلیمان الایادی ہے' وہ اس روایت میں متفرد ہے' اس سے زیادہ ثقہ راویوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ (حاشیہ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۵۷)
قرآن مجید تو فرما رہا ہے کہ قیامت کے دن اللہ نبی کو شرمندہ نہیں ہونے دے گا اور سید مودودی اس روایت کو نقل کر رہے ہیں: ''تم میرا منہ کالا نہ کرنا'' جو روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں وارد ہو اس کو یہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے' اور یہ مسلّم ضعیف روایت ہے' اس کو مودودی صاحب نے ضعف کی تصریح کے بغیر لکھ دیا اور اس پر غور نہیں کیا کہ اس کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت میں قرآن مجید کی کتنی آیات ہیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۞ (الضحیٰ: ۵)	عنقریب آپ کا رب آپ کو اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۝
عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۹)	عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی مکرم! کفار اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے ۝ اللہ نے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی جو ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں' انہوں نے ان سے خیانت کی تو وہ انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے اور ان سے کہا گیا: تم دونوں دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ ۝ اور اللہ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی جب اس نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لیے جنت میں اپنے پاس گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے دے' اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے دے ۝ اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال (بھی) جس نے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کی' سو ہم نے اس کے چاک گریبان میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی ۝ (التحریم: ۱۲-۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی ایک دلیل

التحریم: ۹ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور منافقین سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے' اس کا منشاء یہ ہے کہ دین میں شدت کو اختیار کیجئے' جہاد کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے خلاف تلواروں' نیزوں اور دیگر ہتھیاروں سے جہاد کیجئے اور زبان سے جہاد کیجئے اور اپنے مؤقف کے ثبوت پر دلائل پیش کیجئے اور انہیں اللہ کے دین کی دعوت دیجئے اور

منافقین حدود کا ارتکاب کرتے ہیں' سو آپ ان پر اللہ کی حدود قائم کیجئے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے تو ضروری ہوا کہ آپ کو علم ہو کہ کون منافق ہے اور کون منافق نہیں ہے اور ایمان اور نفاق دل میں ہوتا ہے اور اس کا تعلق علم غیب سے ہے' سو اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔

نجات کا مدار قرابت داری پر نہیں' ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے

التحریم: ۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے دو کافر عورتوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو دو نبیوں کی بیویاں تھیں' حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام والھہ تھا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام والعہ تھا' لیکن وہ دونوں ایمان نہیں لائیں اس لیے نبی (علیہ السلام) کے نکاح میں ہونے کے باوجود ان کی مغفرت نہیں ہو سکی۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان دونوں نے خیانت کی' حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ لوگوں سے حضرت نوح کے متعلق یہ کہتی تھی کہ یہ مجنوں ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ ان کے گھر جو مہمان آتے تھے وہ لوگوں کو اُن کی خبر پہنچا دیتی تھی۔ خیانت سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ بے حیائی کے کام کرتی تھیں' کیونکہ کبھی کسی نبی کی بیوی نے بے حیائی کا کام نہیں کیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۷۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۸۶)

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ''ما بغت امرء ۃ نبی قط'' کسی نبی کی بیوی نے کبھی بے حیائی کا کام نہیں کیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۷۱۰)

برطانیہ کے مشہور مسلم اسکالر حافظ عبد المجید نقشبندی زید حبہ' نے ٹیلی فون پر مجھے اس مبحث میں مُلحدین کا ایک اشکال بتایا۔ سطور ذیل میں' میں اس اشکال کا جواب پیش کر رہا ہوں:

حضرت نوح علیہ السلام کے اپنے بیٹے کے متعلق سوال اور اُن کی بیوی کی خیانت پر مُلحدین کے ایک اعتراض کا جواب

اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آ گیا ہے' اس مناسبت سے ہم ملحدین کے ایک اعتراض کا جواب لکھنا چاہ رہے ہیں۔ اُن کا اعتراض یہ ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا کہ بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔ (ھود: ۴۵) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ (ھود: ۴۶)

اے نوح! بے شک وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے' اُس کا عمل نیک نہیں ہے' تو آپ مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کیجئے جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔

ملحدین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے اور آپ کو اس کا علم نہیں ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا اُن کے نسب سے نہیں تھا اور اُن کی بیوی نے اُن سے خیانت کی تھی۔ نوح علیہ السلام کا اور کوئی سوال نہیں تھا' ورنہ اللہ تعالیٰ اُن کے سوال کا ذکر فرماتا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح کی بیوی کی خیانت سے نسب میں خیانت مراد نہیں ہے' کیونکہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی کوئی بے حیائی کا کام نہیں کیا اور اس سے مراد دین میں خیانت کرنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اُس کی قوم کے سامنے معزز اور پُروقار بنا کر بھیجتا ہے اور جس کی بیوی بدکاری کرے وہ شخص لوگوں کی نگاہوں میں دیوث اور بے غیرت ہوتا ہے اور ایسا شخص کب لوگوں کو اللہ عزوجل کے پیغام پر عمل کرنے کی دعوت دے سکتا ہے' جب کہ کفر و شرک اُن لوگوں کے

نزدیک کوئی قابلِ ملامت اور موجب عار چیز نہیں ہوتی' اس لیے اگر نبی کی بیوی کافرہ ہو تو یہ نبی کی تبلیغ کے منافی نہیں ہے اور اگر نبی کی بیوی فاحشہ ہو تو اُس کی تبلیغ کے منافی ہے' اس لیے نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہو سکتی۔

رہا یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کیا سوال کیا تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کیجئے' جس کا آپ کو علم نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت نوح علیہ السلام نے صراحۃً اپنے بیٹے کی مغفرت کا سوال نہیں کیا تھا' لیکن آثار اور قرائن ایسے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام محبت پدری کی وجہ سے اپنے بیٹے کی مغفرت کا سوال کرتے اور اگر بالفرض وہ سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ اُن کی دعا کو مسترد فرماتا' کیونکہ مشرکین کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اُس کے برگزیدہ نبی کی دعا کو مسترد کرنے کی نوبت نہ آئے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی! آپ یہ سوال ہی نہ کریں کہ ہمیں آپ کی دعا کو مسترد کرنا پڑے اور لوگوں کی نگاہوں میں نبی کی عزت و وجاہت مجروح ہو۔

حضرت آسیہ کا راہِ حق میں مظالم برداشت کرنا

التحریم: ۱۱ میں مؤمنہ عورت کی مثال دی ہے' یہ حضرت آسیہ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کے نکاح میں تھیں اور حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئیں تھیں' حضرت موسیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے فرعون نے ان پر بہت ظلم کیا' ان کے ہاتھ پیر باندھ کر ان میں کیلیں ٹھونک دیں' انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو فرعون کے مظالم سے نجات دے' سو اسی حال میں ان کی روح قبض کر لی۔ الحسن اور ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت کے ساتھ نجات دی اور ان کو جنت میں داخل کر دیا اور وہ جنت میں کھاتی پیتی ہیں۔

اس آیت میں مؤمنوں کو اس پر تنبیہ کی ہے کہ راہِ حق میں اگر ان کو مظالم برداشت کرنا پڑیں تو حضرت آسیہ سے سبق سیکھیں۔

حضرت آسیہ' حضرت مریم اور حضرت حلیمہ (حضرت موسیٰ کی بہن) کا جنت میں حضور کے نکاح میں ہونا

التحریم: ۱۲ میں حضرت مریم بنت عمران کا ذکر فرمایا ہے' جن کے چاک گریبان میں حضرت جبریل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی تھی' انہوں نے اللہ کے کلمات کی تصدیق کی' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو دین کے عقائد اور احکام شرعیہ بیان کرتے تھے یا حضرت عیسیٰ کے کلمۃ اللہ ہونے کی تصدیق کی' اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں کی تصدیق کی یعنی تورات اور انجیل کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھیں یا نماز میں قیام کرنے والوں میں سے تھیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں بہت کامل ہیں اور عورتوں میں صرف چار کاملہ ہیں: آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی' مریم بنت عمران' خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

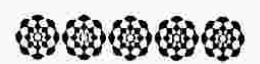
(مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴ قدیم۔ ج ۳۲ ص ۲۸۸ جدید' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۳۱)

امام ثعلبی اور علامہ قرطبی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے پاس گئے' اس وقت ان کی روح قبض ہونے والی تھی' آپ نے فرمایا: اے خدیجہ! تمہاری تکلیف کو میں ناپسند کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف میں بہت خیر رکھی ہے' جب تم اپنی سوکنوں کے پاس جاؤ تو ان کو میرا اسلام کہنا' حضرت خدیجہ نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: وہ مریم بنت عمران ہیں' آسیہ بنت مزاحم ہیں اور حضرت موسیٰ کی بہن حلیمہ ہیں۔

(الکشف والبیان ج ۹ ص ۳۵۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۸۸)

سورۃ التحریم کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۸ محرم ۱۴۲۶ھ/۱۰ مارچ ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات سورۃ التحریم کی تفسیر مکمل ہو گئی' ۲۸ فروری کو اس کی ابتداء کی تھی' اس طرح دس دن میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ الٰہ العالمین! اس کام کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمانا' اور باقی سورتوں کی تفسیر کو بھی مکمل کرا دینا' اور میری اور میرے والدین اور قارئین کی مغفرت فرما دینا۔ آمین یا رب العلمین بجاہ سیدنا محمد سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وعترتہٖ وامتہٖ اجمعین.





نحمده ونصلي ونسلم علٰى رسوله الكريم

سورۃ الملک

سورت کا نام

اس سورت کا نام الملک ہے اور یہ نام اس سورت کی درج ذیل آیت سے ماخوذ ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ . (الملک:۱) وہ ذات نہایت بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں (تمام دنیا کی) سلطنت ہے۔

اس سورت کے اور بھی کئی نام ہیں' اس سورت کا نام الواقیہ اور المنجیہ بھی ہے کیونکہ یہ عذاب قبر سے بچاتی ہے اور نجات دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سورت کا نام المجادلہ رکھتے تھے کیونکہ یہ سورت قبر میں میت کی طرف سے بحث اور جدال کرتی ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۶ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۷ ہے' یہ سورۃ المؤمنون کے بعد اور سورۃ الحاقہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ الملک کی فضیلت میں احادیث اور آثار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کی ایک سورت میں تیس آیتیں ہیں' وہ جس شخص کی بھی شفاعت کریں گی اس کی مغفرت کر دی جائے گی' وہ سورت ''تبارك الذی بیده الملك'' ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۴۰۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۸۹۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۸۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۳ ص ۳۵۳' المستدرک ج ۱ ص ۵۶۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث:۶۰۲۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۷۸۷' شعب الایمان رقم الحدیث:۲۵۰۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی ایک سورت ہے جس میں تیس آیتیں ہیں' وہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرے گی حتیٰ کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گی' وہ سورت ''تبارک'' ہے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث:۳۶۶۷' مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ لگا دیا' اس میں ایک انسان سورۃ الملک پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ اس نے اس کو ختم کر لیا' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو اس کی خبر دی' آپ نے فرمایا: یہ سورت المانعہ اور المنجیہ ہے' یہ عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۸۹۰' شعب الایمان رقم الحدیث:۲۵۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ یہ سورت یعنی

''تبارك الذی بیده الملك'' ہر مؤمن کے دل میں ہو۔
(المستدرک ج۱ص۵۶۵طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث:۲۰۷۶طبع جدید شعب الایمان رقم الحدیث:۲۵۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سورۂ تبارک اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرے گی حتیٰ کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گی۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۲۵۰۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سورۂ تبارک پڑھنے والے کی قبر میں ایک شخص داخل ہوگا اور اس کے پیروں کی جانب سے آئے گا تو اس کے پیر کہیں گے: تمہیں میری طرف سے آنے کا کوئی حق نہیں ہے' یہ شخص میرے پاس سورۂ تبارک الذی پڑھا کرتا تھا' پھر وہ شخص اس کے سینہ یا پیٹ کی جانب سے آئے گا تو اس کا سینہ یا پیٹ کہے گا: تمہیں میری طرف سے آنے کا کوئی حق نہیں ہے' یہ شخص میرے پاس سورۂ ''تبارك الذی'' پڑھا کرتا تھا' پھر وہ شخص اس کے سر کی طرف سے آئے گا تو اس کا سر کہے گا: تمہیں میری طرف سے آنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ یہ شخص میرے پاس سورۃ الملک پڑھا کرتا تھا' پس یہ سورت عذاب قبر سے منع کرنے والی ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۲۵۰۹)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ المنجیة کی تلاوت کیا کرو'تبارک الذی ہے' کیونکہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک شخص اس سورت کی تلاوت کرتا تھا اور اس کے علاوہ اور کسی سورت کی تلاوت نہیں کرتا تھا' اور وہ بہت گناہ کرتا تھا' پس اس سورت نے اپنے پر اس کے اوپر پھیلا دیئے اور کہا: اے میرے رب! اس کو معاف کر دے' کیونکہ یہ شخص میری بہت تلاوت کرتا تھا' سو رب نے اس کی شفاعت کو قبول فرما لیا' اور فرمایا: اس کے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی لکھ دو اور اس کا ایک درجہ بلند کر دو۔ (سنن دارمی رقم الحدیث:۳۴۰۹' دار المعرفۃ بیروت'۱۴۲۱ھ)

کعب بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے تنزیل السجدۃ اور تبارک الذی بیدہ الملک کی تلاوت کی' اس کی ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے ستر گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (سنن دارمی رقم الحدیث:۱۴۱۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم الم تنزیل السجدۃ اور تبارک الذی کی تلاوت نہیں کر لیتے تھے آپ نہیں سوتے تھے۔ (سنن دارمی رقم الحدیث:۱۴۱۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے ایک تعجب خیز چیز دیکھی' میں نے دیکھا کہ ایک شخص بہت گناہ کرتا تھا وہ فوت ہوگیا' جب قبر میں عذاب اس کے پیروں کی طرف سے آتا یا اس کے سر کی طرف سے آتا تو پرندوں کی ایک قطار کی شکل میں ایک سورت اس کے عذاب کو دور کرنے کے لیے جھگڑا کرتی اور کہتی: یہ شخص میری تلاوت کیا کرتا تھا اور مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا کہ جو شخص دائماً میری تلاوت کرے گا میں اس کو عذاب نہیں دوں گا' پس اس شخص سے عذاب دور ہوگیا اور مہاجرین اور انصار اس سورت کو سیکھتے تھے اور کہتے تھے: وہ شخص نقصان زدہ ہے جس نے اس سورت کو نہیں سیکھا' وہ سورت ملک ہے۔
(الدر المنثور ج۸ص۲۱۸' دار احیاء التراث العربی بیروت'۱۴۲۱ھ)

سورت الملک کے مشمولات

☆ جس طرح بالعموم مکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد پر زور دیا جاتا ہے' اسی طرح اس سورت میں بھی توحید' رسالت' قیامت' حشر و نشر اور جزا اور سزا کے مضامین کو بہت مؤثر پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی توحید' اس کی قدرت اور قیامت اور بعثت پر دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

☆ اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تمجید اور اس کی عظمت سے کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس دنیا کی سلطنت اور حکومت

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ اقتدار میں ہے اور وہی لوگوں کو پیدا کرنے اور ان کو مارنے پر قادر ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو پیدا کرنے اور ان کو سیاروں اور ستاروں کے ساتھ مزین کرنے سے اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے اور شیاطین پر شہاب ثاقب گرا کر آسمانوں کی حفاظت کرنے سے اپنی قدرت پر استدلال فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس جہان کا نظام نہایت مضبوط اور منظم ہے اور اس میں کوئی خلل نہیں ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر میں سے یہ ہے کہ اس نے کافروں کے لیے جہنم کا عذاب تیار کیا ہے اور مؤمنوں کو مغفرت اور اجر کبیر کی بشارت دی ہے۔

☆ یہ بتایا ہے کہ وہ ہر ظاہر اور خفی اور کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے‘ اس نے انسان کو پیدا کیا اور زمین کو اس کی رہائش کے قابل بنا دیا اور زمین کو نیچے کی جانب دھنسنے سے محفوظ بنا دیا اور اس امت کے لیے آسمان کو سنگ باری سے مامون کر دیا تاکہ پچھلی امتوں کی طرح وہ آسمانی عذاب میں مبتلا نہ ہوں‘ فضا میں اڑنے والے پرندوں کو زمین پر گرنے سے روکے رکھا‘ یہ سب اُمور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلائل ہیں‘ سو ان نشانیوں سے یہ جاننا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرنا چاہے تو کوئی اس کے عذاب کو ٹال نہیں سکتا۔

☆ سورت کے اخیر میں یہ بتایا کہ جس نے اس جہان کو بنایا اور چلایا‘ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ قیامت سے اس سارے جہان کو نابود کر کے دوبارہ بنا ڈالے اور یہ کب ہوگا اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے‘ اور کفار کو اس سے ڈرایا ہے کہ اگر انہوں نے ہمارے رسول کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو پھر ان پر عذاب آئے گا اور اس سے ڈرایا ہے کہ تمہارے پینے کا پانی جس کو تم چشموں اور کنوؤں سے حاصل کرتے ہو اگر وہ اس پانی کو زمین میں دھنسا دے تو اللہ کے سوا کون ہے جو پھر سے ان چشموں کو جاری کر سکے۔

☆ خلاصہ یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلائل دیئے گئے ہیں اور اس کے علم اور اس کی قدرت کے مظاہر سے استدلال کیا گیا ہے اور قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا ہے‘ اور بندوں پر اللہ کی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ حصولِ رزق کے لیے سعی اور جدوجہد کرو‘ پھر اللہ پر توکل کرو۔

سورۃ الملک کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کا آغاز کر رہا ہوں۔ الٰہ العالمین! اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم رکھنا‘ باطل سے مجتنب رکھنا‘ حق وصداقت کے احقاق اور ناصواب اور باطل کے ردّ اور ابطال کی ہمت عطا فرمانا‘ وما ذالك على الله بعزيز عليه توكلت واليه انيب۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۹ محرم ۱۴۲۶ھ/ ۱۱ مارچ ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴



سورۃ الملک مکیۃ — آیاتها ۳۰ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الملک مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

وہ ذات نہایت بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں (تمام دنیا کی) سلطنت ہے اور وہ ہر

قَدِيْرُ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ

چیز پر قادر ہے ○ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون

عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ

زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے اور وہ بے حد غالب بہت بخشنے والا ہے ○ جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان بنائے'

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى

(اے مخاطب!) تو رحمٰن کے نظم تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھے گا' پس دوبارہ دیکھ کیا تو (ان میں) کوئی

مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ

شگاف دیکھتا ہے؟ ○ پھر بار بار نظر اٹھا کر دیکھ تیری نظر تھک کر

خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ

تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی ○ اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے مزین کر دیا اور

جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾

ان کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا اور ان کے لیے دہکتی ہوئی دوزخ کا عذاب تیار کر دیا ○

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۶﴾

اور اپنے رب کا کفر کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے' اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ○ جب ان کو دوزخ میں جھونکا جائے گا

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۙ﴿۷﴾ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ

تو وہ دوزخ کی خوف ناک چنگھاڑ سنیں گے اور وہ جوش میں آ رہی ہوگی ○ گویا وہ ابھی شدت غضب سے پھٹ جائے گی' جب بھی



الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾

اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟○

قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ

وہ کہیں گے: کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا' پس ہم نے اس کی تکذیب کی اور ہم نے کہا:

شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴿٩﴾ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ

اللہ نے (تم پر) کوئی چیز نازل نہیں کی' تم صرف بڑی گمراہی میں ہو○ وہ کہیں گے: کاش ہم غور سے سنتے یا

نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا

عقل سے کام لیتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے○ پس وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے' سو دوزخیوں

لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١١﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ

کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری ہو○ بے شک جو لوگ بن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں

مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿١٢﴾ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ

ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے○ اور تم چھپا کر بات کرو یا ظاہر کر کے' بے شک وہ دلوں کی

بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣﴾ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ ع ۱

باتوں کو خوب جاننے والا ہے○ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ بہت باریک بین اور بہت خبر رکھنے والا ہے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ذات نہایت بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں (تمام دنیا کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے○ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے' اور وہ بے حد غالب بہت بخشنے والا ہے○ جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان بنائے (اے مخاطب!) تو رحمان کے نظم تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھے گا' پس دوبارہ دیکھ کیا تو (ان میں) کوئی شگاف دیکھتا ہے؟○ پھر بار بار نظر اٹھا کر دیکھ تیری نظر تھک کر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گی○ (الملک: ۴-۱)

''تبارك'' کا صیغہ اور معنی اور اس لفظ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا

الملک: ۱ میں ''تبارك'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''برکت'' ہے' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''بـرك'' کا اصل معنی اونٹ کا سینہ ہے اگرچہ یہ دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے' اونٹ چونکہ سینہ ٹیک کر بیٹھتا ہے' اس لیے اس کا معنی ٹھہرنا اور ثابت رہنا ہے' حوض میں جہاں پانی رک جائے اس کو برکہ کہتے ہیں۔ اسی طرح کسی چیز میں خیر اور

خوبی کے جمع ہونے کو بھی برکت کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غیر محسوس طریقہ سے خیر اور بھلائی حاصل ہوتی ہے اس کو بھی برکت کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ. تو ہم ان پر آسمانوں اور زمینوں کی برکتیں کھول دیتے۔

(الاعراف:۹۶) (المفردات ج۱ص۵۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ'۱۴۱۸ھ)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۶ھ نے لکھا ہے: "تبارك الله" کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ برائیوں سے مقدس اور منزہ ہے' یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے' اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے تبارک نہیں کہا جاتا۔

(القاموس ص۹۳۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت'۱۴۲۴ھ)

علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

ابو العباس سے "تبارك الله" کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ بلند ہے' زجاج نے کہا: یہ برکت سے بنا ہے اور باب تفاعل پر ہے' ابن الانباری نے کہا: "تبارك الله" کا معنی ہے: ہر کام میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کی جائے' اللیث نے کہا: "تبارك الله" میں اللہ تعالیٰ کی تمجید اور تعظیم ہے' الجوہری نے کہا: "تبارك الله" کا معنی ہے: اللہ برکت والا ہے۔ (تاج العروس شرح القاموس ج۷ص۱۰۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام رازی نے کہا ہے: برکت کی دو تفسیریں ہیں: (۱) بقاء اور ثبات (۲) فضیلت والے آثار اور علامات کی کثرت' پہلے معنی کے لحاظ سے "تبارك الله" کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ دائم اور ثابت ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے "تبارك الله" کا معنی ہے: تمام خیرات اور کمالات کا منبع اور مصدر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' پس تبارک کے لفظ میں جو ثناء اور حمد ہے وہ صرف اللہ عزوجل کی شان کے لائق ہے' زجاج کا مختار ہے' ہر خیر کی کثرت' تبارک کے لفظ سے مضارع' امر' اسم فاعل وغیرہ نہیں آتے اور نہ اس کی گردان آتی ہے' قاضی بیضاوی نے کہا: اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ وحدانیت' الوہیت اور ربوبیت کے ساتھ متفرد ہے۔

(روح المعانی جز۲۹ص۲۰۶' دار الفکر' بیروت'۱۴۱۷ھ)

اس کے بعد فرمایا: جس کے ہاتھ میں (تمام دنیا کی) سلطنت ہے۔

اس آیت میں ہاتھ سے مراد جسمانی عضو نہیں ہے' بلکہ وہ ہاتھ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے یا اس سے مجازاً قبضہ اور قدرت اور تصرف مراد ہے جیسے ہمارے محاورہ میں بھی کہا جاتا ہے: فلاں چیز یا فلاں کام میرے ہاتھ میں ہے۔

الملک:۲ میں فرمایا: جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے O

موت اور حیات کے معانی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے موت اور حیات کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کا معنی ہے: کسی چیز کو وجود عطا کرنا' اس سے معلوم ہوا کہ موت بھی حیات کی طرح وجودی چیز ہے' عدمی نہیں ہے۔

موت حیات کے مقابل ہے' اس لیے اس کا معنی حیات کے اعتبار سے ہے (۱) انسان' حیوان اور نباتات میں نشو و نما کی قوت کو زائل کرنا' جیسے قرآن مجید میں ہے:

يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ (الروم:۱۹) وہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔

یعنی زمین میں اگانے کی صلاحیت کو زائل کرنے کے بعد اس میں پھر اگانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔

(۲) حواس کی قوتوں کو زائل کر دینا جس طرح حضرت مریم نے دعا کی:

يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا. (مریم:۲۳) اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی۔

(۳) قوتِ عاقلہ کو زائل کرنا اور اس کو جہالت سے تعبیر کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى. (النمل:۸۰) بے شک آپ مُردوں (بے عقل لوگوں) کو نہیں سناتے۔

(۴) ایسا رنج اور غم جو زندگی سے مایوس کر دے اور حواس کو معطل کر دے۔

وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ. (ابراہیم:۱۷) دوزخی کو ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی اور وہ مرنے والا نہیں ہے۔

(۵) نیند' جس سے حواس اور مشاعر عارضی طور پر معطل ہو جاتے ہیں' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نیند خفیف موت ہے اور موت ثقیل نیند ہے' اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے نیند کو وفات فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ. (الانعام:۶۰) اور وہی ہے جو رات میں تم پر موت (نیند) طاری کرتا ہے۔

(۶) قوت حیوانیہ کا زوال اور روح کا جسم سے الگ ہونا' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر:۳۰) بے شک آپ پر موت آنی ہے اور یقیناً انہیں بھی مرنا ہے ۝

(جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اول کا غیر ہوتا ہے' پس آپ کی موت کفار کی موت کے مغائر ہے' آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے ایک آن کے لیے الگ ہوئی اور ان کی روح قیامت تک کے لیے ان کے جسم سے الگ ہوگئی۔)

(المفردات ج ۲ ص ۶۱۷ ـ ۶۱۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اسی طرح حیات کے بھی متعدد معانی ہیں:

(۱) نشو و نما کی وہ قوت جو حیوانات اور نباتات میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ ؕ. (الانبیاء:۳۰) اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے۔

(۲) حواسِ خمسہ ظاہرہ اور حواسِ خمسہ باطنہ کی قوتوں کو بھی حیات کہا جاتا ہے' اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ. (فاطر:۲۲) اور زندہ اور مردے برابر نہیں ہیں۔

(۳) قوتِ عاملہ اور قوتِ عاقلہ کو بھی حیات کہا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِىْ بِهٖ. (الانعام:۱۲۲) جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کے لیے ایسا نور بنا دیا جس کے سبب سے وہ آدمیوں میں چلتا ہے۔

(۴) دنیاوی تفکرات اور رنج و غم کے اٹھ جانے کو بھی حیات کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ. (آل عمران:۱۶۹) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔

جیسا کہ بہ کثرت احادیث میں ہے: شہداء کی روحیں لذت حاصل کر رہی ہیں۔

(۵) حیات اخرویہ ابدیہ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ○ بے شک آخرت کے گھر کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے○

(العنکبوت: ۶۴)

یعنی حقیقی اور سرمدی زندگی وہ زندگی ہے جس پر فنا نہ آئے' نہ کہ وہ زندگی جو کہ ایک مدت تک رہتی ہے پھر فنا ہو جاتی ہے۔

(۶) وہ حیات جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ متصف ہے' یعنی وہ حیات جس پر موت کا آنا ممکن ہی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ (البقرہ: ۲۵۵) اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' جو ہمیشہ زندہ ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے' نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

(المفردات ج ۱ ص ۱۸۳۔۱۸۲' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کے امتحان لینے اور آزمانے کی توجیہ

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرنے والا ہے۔

یعنی تم میں سے کون زیادہ حرام اور مکروہ کاموں سے بچنے والا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت زیادہ ولولہ اور سرگرمی سے کرنے والا ہے۔ اس نے موت کو جزاء اور سزا دینے کے لیے پیدا کیا ہے اور حیات کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابتلاء کا معنی تجربہ اور امتحان ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بندے اس کی اطاعت کر رہے ہیں یا اس کی نافرمانی کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تو ازلاً ابداً تمام معلومات کا علم ہے تو اس کے حق میں امتحان لینے کا معنی کس طرح متصور ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقۃً امتحان نہیں لیتا کیونکہ اس کو پہلے سے ہی نتائج کا علم ہے بلکہ وہ بندوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتا ہے جس طرح ممتحن طلبہ کے ساتھ کرتا ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے دن نیکی کرنے والوں کو انعامات سے نوازے اور بدکاروں کو سزا دے تو کوئی یہ اعتراض نہ کر سکے کہ اس نے نیکوں کو فضول انعام دیئے اور بدوں کو بلاوجہ سزا دی' اس امتحان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنی حجت پوری کرے گا اور آخرت میں یہ بتانا ہے کہ نیکوں کو انعام سے اس لیے نوازا کہ وہ امتحان میں کامیاب ہو گئے اور بدوں کو اس لیے سزا دی کہ وہ امتحان میں ناکام ہو گئے' دراصل یہ ساری دنیا اور اس کی زندگی امتحان گاہ ہے اور روزِ آخرت دارالجزاء ہے۔

الملک: ۳ میں فرمایا: جس نے ایک دوسرے کے اوپر سات آسمان بنائے (اے مخاطب!) تو رحمان کے نظمِ تخلیق میں کوئی خلل نہیں دیکھ سکے گا' پس دوبارہ دیکھ کیا تو ان میں کوئی شگاف دیکھتا ہے؟○

رحمٰن کے نظمِ تخلیق میں کسی قسم کی کجی کا نہ ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم رحمٰن کی بناوٹ میں کوئی ٹیڑھ' تناقض اور تباین نہیں پاؤ گے بلکہ یہ بناوٹ بالکل مستقیم اور سیدھی ہے جو اپنے خالق کے حسنِ تخلیق پر دلالت کرتی ہے' اگرچہ اس بناوٹ کی صورتیں اور صفات مختلف ہیں۔

اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ آسمانوں کی بناوٹ میں کوئی عیب نہیں ہے۔

تفاوت کا اصل معنی فوت ہے' یعنی کسی چیز سے کسی چیز کا فوت ہو جانا اور اس کی وجہ سے اس کی بناوٹ میں کوئی خلل اور عیب آ جائے۔

اور فرمایا: پس دوبارہ دیکھ کیا تو ان میں کوئی شگاف دیکھتا ہے۔

یعنی اپنی نظر آسمان کی طرف پھیر دیا اپنی نظر آسمان کی طرف پلٹاؤ اور کوشش کر کے آسمان کی طرف دیکھو تمہیں آسمانوں میں کوئی شگاف نظر نہیں آئے گا۔

الملک: ۴ میں فرمایا: پھر بار بار نظر اٹھا کر دیکھ تیری نظر تھک کر تیری طرف ناکام پلٹ آئے گیO

بار بار دیکھنے کے حکم کی توجیہ

اس آیت میں بار بار آسمان کی طرف دیکھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ جب انسان کسی چیز کی طرف صرف ایک بار دیکھے تو اس کے نزدیک اس کے عیوب اور قبائح منکشف نہیں ہوتے' حتیٰ کہ جب وہ کسی چیز کی طرف بار بار غائر نظر سے دیکھتا ہے تو اس کی پوری حقیقت کھل کر اس کے سامنے آجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے مزین کر دیا' اور ان کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا اور ان کے لیے دہکتی ہوئی دوزخ کا عذاب تیار کر دیاO اور اپنے رب کا کفر کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہےO جب ان کو دوزخ میں جھونکا جائے گا تو وہ دوزخ کی خوفناک چنگھاڑ سنیں گے اور وہ جوش میں آرہی ہوگیO (الملک: ۷۔۵)

ستاروں سے شیاطین کو رجم کرنے کی تحقیق

اس آیت میں ''مصابیح'' کا لفظ ہے اور یہ ''مصباح'' کی جمع ہے اور اس کا معنی چراغ ہے' ستاروں کو ان کے روشنی پہنچانے کی وجہ سے چراغ کہا جاتا ہے۔

اور فرمایا: ان کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا۔ اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ ہم نے آگ کے گولے پیدا کیے جن سے ان شیطانوں کو مار بھگایا جاتا ہے جو فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے چوری چھپے آسمانوں پر جاتے ہیں' اس تفسیر کی بناء پر ستارے اپنی جگہ قائم رہتے ہیں' ان ستاروں سے شیاطین کو رجم نہیں کیا جاتا یعنی مار بھگایا نہیں جاتا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان ستاروں سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے اور ستارہ بنفسہٖ نہیں مارا جاتا' اس سے کچھ اجزاء جھڑ جاتے ہیں' ان اجزاء سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے' اور ستاروں کے کچھ اجزاء جھڑنے سے ان کی صورت اور ان کی روشنی دینے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین کاموں کے لیے پیدا فرمایا ہے: وہ آسمانوں کی زینت ہیں' وہ شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ ہیں' جنگلوں اور سمندروں میں ان کو رہ نمائی کی علامت بنایا ہے' جس نے ان تین باتوں کے علاوہ ستاروں کے متعلق کوئی اور تاویل کی اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا' قتادہ کی مراد یہ ہے کہ جس نے ستاروں کے متعلق یہ عقیدہ رکھا کہ وہ اس جہان میں تاثیر اور تصرف کرتے ہیں' ان کی وجہ سے بارشیں ہوتی ہیں اور تکوینی اُمور کا ظہور ہوتا ہے یا جیسے ہمارے زمانہ میں نجومی کہتے ہیں کہ جب فلاں ستارہ فلاں برج میں ہو تو فلاں کام ہوتا ہے اور وہ تاریخ پیدائش کے حساب سے لوگوں کے ستارے بتاتے ہیں' یہ سب ان کے عقلی ڈھکوسلے اور تک بندیاں ہیں' شریعتِ اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے' نجومی کا غیب کی باتیں بتانا اور اس سے غیب کی باتیں پوچھنا اور اس کی تصدیق کرنا حرام ہے اور اس میں ایمان جانے کا خطرہ ہے۔

محمد بن کعب نے کہا: اللہ کی قسم! زمین والوں کے لیے آسمان میں کوئی مؤثر ستارہ نہیں ہے لیکن گم راہ لوگوں نے اس کو کہانت کا ذریعہ بنایا ہے۔

شہاب ثاقب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

شہاب' وہ چھوٹے چھوٹے اجرام یا شہاب جن کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے' زمین کی حرکت سے مخالف سمت میں حرکت کرتے ہوئے زمین کے کرۂ ہوائی سے متصادم ہوتے ہیں تو ان کی رفتار اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ ہوا کی مزاحمت سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے' وہ ان کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ نظام شمسی کے جن مختلف ارکان کا اوپر ذکر ہو چکا ہے' ان کے علاوہ بے شمار اور چھوٹے چھوٹے اجرام ہیں' جن کو شہاب ثاقب کہتے ہیں۔ (علم ہیئت ص ۱۱۰)

وہ چمکتا ستارہ جو آسمان سے گرتا یا آتش بازی کی طرح چھوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

شہاب ثاقب کا ٹکڑا جو راکھ ہونے سے پہلے زمین تک پہنچ جاتا ہے' اور دھماکے کے ساتھ پھٹ جاتا ہے' بعض اوقات ایسے شہابیے زمین پر گر پڑتے ہیں جن کا سائز کافی بڑا ہوتا ہے۔ (اُردو لغت ج ۱۲ص ۵۰۷' مطبوعہ محیط اردو پریس' کراچی' ۱۹۹۱ء)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

جلتی ہوئی آگ کے چمک دار شعلہ کو شہاب کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۱ص ۳۵۲' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: جب جنات فرشتوں کی باتیں چوری سے سنتے ہیں تو بسا اوقات ان کو شہاب پکڑ لیتا ہے اس سے پہلے کہ وہ یہ باتیں کسی کے دل میں القاء کریں' اور شہاب سے آپ کی مراد ہے: جو رات کو ستارے کی مانند ٹوٹتا ہے اور وہ اصل میں آگ کا ایک شعلہ ہوتا ہے۔ (النہایہ ج ۲ص ۴۵۸۔ ۴۵۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

شہاب ثاقب کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے' اچانک ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا اور فضا روشن ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: جب تم زمانۂ جاہلیت میں یہ منظر دیکھتے تھے تو اس کے متعلق کیا کہتے تھے؟ صحابہ کرام نے کہا: ہم یہ کہتے تھے کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ کا یہ شعلہ کسی کی موت پر پھینکا جاتا ہے نہ کسی کی حیات پر' لیکن ہمارا رب عزوجل جب کسی چیز کے متعلق کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر آسمان والے سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں' پھر جو ان کے قریب ہیں وہ سبحان اللہ کہتے ہیں حتیٰ کہ اس آسمان تک تسبیح پہنچ جاتی ہے' پھر چھٹے آسمان والے ساتویں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ پھر وہ ان کو خبر دیتے ہیں' پھر ہر نچلے آسمان والا اپنے سے اوپر آسمان والے سے پوچھتا ہے' حتیٰ کہ آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے اور شیاطین چوری سے اس خبر کو سن لیتے ہیں' پھر وہ یہ خبر اپنے چیلوں اور دوستوں تک پہنچا دیتے ہیں' پھر اگر وہ اسی خبر کو بیان کریں تو وہ حق ہے لیکن وہ اس میں تحریف کرتے ہیں اور اس میں کچھ اور باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۲۴' مسند احمد ج ۱ص ۲۱۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۸ص ۱۳۸)

سنن ترمذی اور مسند احمد وغیرہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں بھی شیاطین فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر چڑھتے تھے اور ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے جو اس طرح دکھائی دیتے تھے جیسے ستارے ٹوٹ کر گر رہے ہوں اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے یہ عمل نہیں ہوتا تھا' اور شیاطین کو آسمان پر چڑھنے اور فرشتوں کی باتیں سننے سے منع نہیں کیا جاتا تھا' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات پر قرآن مجید نہیں پڑھا تھا اور نہ ان کو دیکھا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں گئے اور آسمان کی خبر اور شیاطین کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے شعلے پھینکے جاتے تھے' پس شیاطین اپنی قوم کی طرف گئے اور انہوں نے کہا: ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کیا چیز حائل ہوگئی ہے اور ہم پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے' زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں سفر کرو اور تلاش کرو کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے' پھر انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا۔ ان کی ایک جماعت تہامہ کی طرف گئی اور وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن کو سنا تو انہوں نے کہا: یہ ہے وہ چیز جو تمہارے اور آسمان کے درمیان حائل ہوگئی ہے' پھر وہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے' ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں قرار دیں گے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۱۔ ۷۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۲۴)

اور ایک قول یہ ہے کہ شہاب ثاقب کا گرنا پہلے بھی دکھائی دیتا تھا اور معروف تھا لیکن شیاطین کو ان کے ذریعہ دور کرنا اور جلانا یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے' اسی لیے جنات نے اپنے دور کیے جانے پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا اور اس کا سبب تلاش کیا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۶۶۔ ۳۶۴' مطبوعہ دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ دو متعارض اور مختلف حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شہاب ثاقب گرائے جانے کا معمول تھا اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر آپ کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے اور ظاہر قرآن میں بھی اس کی تائید ہے۔ اسی وجہ سے علماء میں اختلاف ہوا' جاحظ نے یہ کہا کہ آپ کی بعثت سے پہلے شہاب ثاقب گرانے کا معمول نہیں تھا اور امام غزالی نے یہ کہا کہ آپ سے پہلے بھی یہ معمول تھا لیکن آپ کی بعثت کے بعد یہ بہت زیادہ ہوگیا اور اس طرح ان حدیثوں کا تعارض دور ہوگیا۔ (المفہم ج ۷ ص ۴۲۱۔ ۴۲۰' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ زہری سے سوال کیا گیا: زمانۂ جاہلیت میں ستاروں کو شیاطین پر پھینکا جاتا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! لیکن اسلام آنے کے بعد اس میں زیادہ تغلیظ اور تشدید کی گئی اور یہ ان مختلف حدیثوں میں عمدہ تطبیق ہے۔ پھر میں نے وہب بن منبہ کی ایسی روایت دیکھی جس سے اشکال دور ہو جاتا ہے اور ان مختلف حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے' انہوں نے کہا: پہلے ابلیس تمام آسمانوں پر چڑھا کرتا تھا اور جس جگہ چاہتا تھا پھرتا رہتا تھا' جب سے حضرت آدم جنت سے زمین پر آئے تھے' اس کا یہی معمول تھا اور اس کو منع نہیں کیا جاتا تھا' حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا' پھر اس کو چوتھے آسمان تک چڑھنے سے روک دیا گیا اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو پھر اس کو بقیہ تین آسمانوں پر بھی چڑھنے سے روک دیا گیا' پھر ابلیس اور اس کا لشکر چوری چھپے جا کر فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے تو ان پر ستارے مارے جاتے تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۷۳۔ ۶۷۲' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات پر قرآن مجید نہیں پڑھا تھا اور نہ ان کو دیکھا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں گئے اور آسمان کی خبر اور شیاطین کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے شعلے پھینکے جاتے تھے' پس شیاطین اپنی قوم کی طرف گئے اور انہوں نے کہا: ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کیا چیز حائل ہوگئی ہے اور ہم پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے' زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں سفر کرو اور تلاش کرو کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے' پھر انہوں نے زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کیا۔ ان کی ایک جماعت تہامہ کی طرف گئی اور وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن کو سنا تو انہوں نے کہا: یہ ہے وہ چیز جو تمہارے اور آسمان کے درمیان حائل ہوگئی ہے' پھر وہ اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے' ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں قرار دیں گے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۱۔ ۷۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۲۴)

اور ایک قول یہ ہے کہ شہاب ثاقب کا گرنا پہلے بھی دکھائی دیتا تھا اور معروف تھا لیکن شیاطین کو ان کے ذریعہ دور کرنا اور جلانا یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے' اسی لیے جنات نے اپنے دور کیے جانے پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا اور اس کا سبب تلاش کیا۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۳۶۶۔ ۳۶۴' مطبوعہ دار الوفا' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ دو متعارض اور مختلف حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شہاب ثاقب گرائے جانے کا معمول تھا اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر آپ کی بعثت کے بعد شروع ہوا ہے اور ظاہر قرآن میں بھی اس کی تائید ہے۔ اسی وجہ سے علماء میں اختلاف ہوا' جاحظ نے یہ کہا کہ آپ کی بعثت سے پہلے شہاب ثاقب گرانے کا معمول نہیں تھا اور امام غزالی نے یہ کہا کہ آپ سے پہلے بھی یہ معمول تھا لیکن آپ کی بعثت کے بعد یہ بہت زیادہ ہوگیا اور اس طرح ان حدیثوں کا تعارض دور ہوگیا۔ (المفہم ج ۷ ص ۴۲۱۔ ۴۲۰' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ زہری سے سوال کیا گیا: زمانۂ جاہلیت میں ستاروں کو شیاطین پر پھینکا جاتا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! لیکن اسلام آنے کے بعد اس میں زیادہ تغلیظ اور تشدید کی گئی اور یہ ان مختلف حدیثوں میں عمدہ تطبیق ہے۔ پھر میں نے وہب بن منبہ کی ایسی روایت دیکھی جس سے اشکال دور ہو جاتا ہے اور ان مختلف حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے' انہوں نے کہا: پہلے ابلیس تمام آسمانوں پر چڑھا کرتا تھا اور جس جگہ چاہتا تھا پھرتا رہتا تھا' جب سے حضرت آدم جنت سے زمین پر آئے تھے' اس کا یہی معمول تھا اور اس کو منع نہیں کیا جاتا تھا' حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا' پھر اس کو چوتھے آسمان تک چڑھنے سے روک دیا گیا اور جب ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو پھر اس کو بقیہ تین آسمانوں پر بھی چڑھنے سے روک دیا گیا' پھر ابلیس اور اس کا لشکر چوری چھپے جا کر فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے تو ان پر ستارے مارے جاتے تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۷۳۔ ۶۷۲' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

ستاروں سے شیاطین کو رجم کرنے پر اعتراضات کے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: اس مقام پر منکرین کے چند شبہات ہیں' ہم ان کے جوابات ذکر کر رہے ہیں:

(۱) قدیم فلاسفہ کی کتابوں میں بھی ستاروں کے ٹوٹنے کا ذکر ہے' انہوں نے کہا ہے کہ جب دھوپ سے زمین گرم ہو جاتی ہے تو اس سے خشک بخارات اوپر چڑھتے ہیں اور جب وہ آسمان کے قریب طبقہ نار میں پہنچتے ہیں تو جل جاتے ہیں اور اسی شعلہ کو شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شہاب ثاقب موجود تھے' اور ان کے دیگر طبعی اسباب تھے' اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کسی اور سبب سے شہاب ثاقب پائے جائیں اور وہ سبب ہے ان جنات کو مار بھگانا جو فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں کے اوپر چڑھتے ہیں۔ زہری سے پوچھا گیا: کیا زمانۂ جاہلیت میں بھی شیطانوں پر آگ کے گولے مارے جاتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی:

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ (الجن: ۹-۸)

اور ہم نے آسمان کو چھو کر دیکھا تو اسے سخت محافظوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا○ اور ہم پہلے (فرشتوں کی باتیں) سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے' سو اب جو بھی سننے کے لیے جاتا وہ ایک شعلہ کو اپنی گھات میں پاتا ہے۔

(۲) یہ کیسے ممکن ہے کہ ہزاروں جنات ہزاروں بار آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جائیں اور ان کو ہزاروں بار جلا دیا جائے' اس کے بعد وہ پھر اوپر جائیں جب کہ عقل والے کو پتا چل جائے کہ فلاں کام کرنے سے وہ ہلاک ہو جاتا ہے تو پھر وہ دوبارہ اس کام کو نہیں کرتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کی ہلاکت کو ان کے لیے مقدر کر دیا ہے اور جو کام تقدیر میں ہو وہ پورا ہو کر رہتا ہے' اور جب تقدیر کا لکھا ہوا آتا ہے تو عقل جاتی رہتی ہے۔

(۳) احادیث میں ہے: آسمان کی موٹائی اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کی مسافت پانچ سو سال میں طے ہوتی ہے' اور ان جنات کا آسمان کے اجسام میں نفوذ کرنا اور آسمانوں کے اتصال کو منقطع کرنا باطل ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: آسمانوں میں کوئی شگاف نہیں ہے اور جب وہ آسمانوں میں نفوذ نہیں کر سکتے تو اتنی دور سے ان کے لیے فرشتوں کی باتیں سننا کس طرح ممکن ہے اور اگر وہ اتنی دور سے فرشتوں کی باتیں سن سکتے ہیں تو پھر ان کا آسمانوں پر جانا کیا ضروری ہے' وہ زمین سے بھی فرشتوں کی باتیں سن سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے زمین سے فرشتوں کی باتیں سننے میں جنات کے لیے کوئی طبعی رکاوٹ اور دشواری ہو یا وہ زیادہ تحقیق اور تاکید کے لیے فرشتوں کے قریب پہنچ کر ان کی باتیں سننا چاہتے ہوں۔

(۴) فرشتے مستقبل کی باتوں پر لوح محفوظ کے مطالعہ سے مطلع ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی فرماتا ہے' ہر دو صورتوں میں فرشتے ان اُمور پر سکوت کیوں نہیں کرتے اور ان اُمور کے متعلق آپس میں گفتگو کیوں کرتے ہیں' جس وجہ سے جنات کو ان کی باتیں سننے کا موقع ملتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق بھی امر الٰہی سے ہے' تقدیر میں اسی طرح تھا کہ فرشتے مستقبل کے کاموں کے متعلق

باتیں کریں گے اور شیاطین ان کو چوری چھپے سننے کے لیے آسمانوں کے اوپر جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پَر مارنے لگتے ہیں' جیسے زنجیر کو صاف پتھر پر مارا جائے' پھر اللہ تعالیٰ اس حکم کو نافذ فرما دیتا ہے' جب فرشتوں کے دلوں سے کچھ خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا تھا؟ وہ کہتے ہیں: اس نے جو کچھ فرمایا' وہ حق ہے اور وہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے' پھر فرشتوں کی گفتگو کو چرانے والے شیطان ان باتوں کو چوری سے سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ سفیان نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کشادہ کر کے ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر دکھایا اور کہا: شیطان اس طرح ایک دوسرے کے اوپر تلے ہوتے ہیں اور یہ فرشتوں کی گفتگو کو چوری سے سننے والے ہیں' بعض اوقات اس چوری سے سننے والے کو آگ کا ایک شعلہ آ کر لگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ساتھی کو یہ بتائے کہ اس نے کیا سنا تھا وہ شعلہ اس سننے والے کو جلا ڈالتا ہے اور بعض اوقات وہ شعلہ اس کو نہیں لگتا حتیٰ کہ وہ سننے والا اپنے قریب والے کو بتا دیتا ہے' پھر وہ اس کو بتا دیتا ہے جو اس سے نیچے ہوتا ہے' حتیٰ کہ وہ ان باتوں کو زمین تک پہنچا دیتے ہیں' پھر وہ یہ باتیں جادوگر کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ ان باتوں کے ساتھ سو جھوٹ اور ملا لیتا ہے' پھر اس کی تصدیق کی جاتی ہے' اور لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس جادوگر نے ہم کو فلاں دن ایسی ایسی خبر نہیں دی تھی اور ہم نے اس کی خبر کو سچا پایا تھا اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس نے آسمان کی خبر سن لی تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٧٠١' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٩٨٩' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٢٢٣' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٩٤)

(۵) شیاطین آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور آگ پر آگ ماری جائے تو وہ اس کو جلائے گی نہیں بلکہ اس کی حرارت میں اور تقویت پیدا کرے گی' پس یہ کیسے معقول ہوگا کہ شیاطین پر آگ کے گولے مار کر ان کو بھگایا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آگ کی ایک قسم دوسری قسم سے زیادہ قوی ہوتی ہے اور جو زیادہ قوی ہوگی وہ کم زور کو نقصان پہنچائے گی۔

(٦) شیاطین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے رجم کیا جاتا تھا تو آپ کی وفات کے بعد رجم کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کاہنوں کی خبر کو باطل کرنے کے لیے رجم شیاطین کو برقرار رکھا گیا ہے۔

(۷) رجم شیاطین زمین کے قریب ہوتا ہے' اگر یہ آسمان کے قریب ہوتا تو ہم اس کا مشاہدہ نہ کر سکتے جیسا کہ ستاروں کی حرکات کا مشاہدہ نہیں کرتے اور جب یہ رجم زمین کے قریب ہوتا ہے تو پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس رجم کی وجہ سے شیاطین آسمانوں تک نہیں پہنچ سکتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بُعد مسافت سماعت سے مانع نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں یہ عادت جاری کر دی ہو کہ وہ آسمانِ دنیا سے فرشتوں کی باتیں سن سکتے ہوں' اس لیے ان کو آسمانِ دنیا سے دور رکھا جاتا ہے اور وہیں ان کو آگ کے گولے آ کر لگتے ہوں جو زمین سے قرب کی وجہ سے ہمیں نظر آتے ہیں۔

(۸) اگر شیاطین کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ فرشتوں کی دی ہوئی خبریں کاہنوں کی طرف منتقل کر دیں تو ان کے لیے یہ ممکن کیوں نہیں ہے کہ وہ مؤمنوں کے راز کی باتیں کفار کو پہنچا دیں اور اس کے سبب سے کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو فرشتوں کی باتیں سننے پر قادر کر دیا ہو اور مسلمانوں کی باتیں سننے اور ان کو کفار تک پہنچانے سے عاجز کر دیا ہو۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ابتداءً آسمان پر چڑھنا محال کیوں نہ کر دیا حتیٰ کہ انہیں بھگانے کے لیے آگ کے گولے مارنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا حتیٰ کہ پھر اس کا رد کرنے کے لیے نبیوں کو بھیجنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی' دراصل اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے اور وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ (الانبیاء:۲۳) وہ اپنے کاموں پر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اور سب اس کے سامنے جواب دہ ہیں ۝

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۸۶۔۵۸۴ مخرجاً وزائداً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الملک: ۶ میں فرمایا: اور اپنے رب کا کفر کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے' اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے ۝

کفار کو دوزخ کا عذاب دینے کی توجیہ

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ'' (الملک:۱) یعنی تمام کائنات پر اس کا اقتدار اور قبضہ ہے' پھر یہ بتایا کہ اس نے اس کائنات کو عبث اور فضول نہیں پیدا کیا بلکہ مخلوق کا امتحان لینے کے لیے پیدا کیا ہے کہ کون اچھے اور نیک عمل کرتا ہے'' لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا '' (الملک:۲) اور یہ بتایا کہ وہ عزیز اور غفور ہے' کافروں کو سزا دینے پر غالب ہے اور مؤمنوں کو جزا دینے اور بخشنے پر قادر ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا علم بھی کامل ہو اور اس کی قدرت بھی کامل ہو اور جب وہ عالم اور قادر ہے تو اس کا تقاضا اس آیت میں بیان فرمایا: اور اپنے رب کا کفر کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے۔

الملک: ۷ میں فرمایا: جب ان کو دوزخ میں جھونکا جائے گا تو وہ دوزخ کی خوف ناک چنگھاڑ سنیں گے اور وہ جوش میں آ رہی ہوگی ۝

دوزخ میں چنگھاڑ کی تفسیر میں تین اقوال

قیامت کے دن کفار کو اٹھا کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا اور وہاں کفار ایک خوف ناک چنگھاڑ سنیں گے' یہ چنگھاڑ کس کی ہوگی' اس کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) مقاتل نے کہا: یہ دوزخ کی چنگھاڑ ہوگی' ہو سکتا ہے کہ یہ دوزخ کی آگ کے شعلوں کی لپٹ کی آواز ہو' زجاج نے کہا: کفار دوزخ کی چنگھاڑ سنیں گے اور وہ گدھے کی آواز کی طرح سب سے قبیح آواز ہے' مبرد نے کہا: یہ دوزخ کے سانس لینے کی آواز ہے۔

(۲) عطاء نے کہا: جو لوگ دوزخ میں پہلے سے پڑے ہوں گے وہ عذاب کی شدت سے چلا رہے ہوں گے' کفار ان کی آوازوں کو سنیں گے۔

(۳) وہ خود اپنی آوازوں کو سنیں گے' قرآن مجید میں ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۝ (ھود:۱۰۶) رہے بدبخت لوگ تو وہ دوزخ میں ہوں گے وہاں وہ چیخیں گے اور چلائیں گے ۝

اس آیت میں ''شھیق'' اور ''زفیر'' کا ذکر فرمایا ہے' ''شھیق'' کفار کی وہ آواز ہوگی جب انہیں دوزخ میں جھونکا

جائے گا' ایک قول یہ ہے کہ "شھیق" وہ آواز ہوگی جوان کے سینوں سے نکلے گی اور "زفیر" ان کی وہ آواز ہوگی جوان کے حلق سے نکلے گی۔ ان تین اقوال میں مختار قول پہلا ہے۔ اس وقت وہ جوش میں آ رہی ہوگی جیسے ہنڈیا میں پانی جوش مارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: گویا وہ ابھی شدتِ غضب سے پھٹ جائے گی جب بھی اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟○ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا' پس ہم نے اس کی تکذیب کی اور ہم نے کہا: اللہ نے (تم پر) کوئی چیز نازل نہیں کی' تم صرف بڑی گم راہی میں ہو○ وہ کہیں گے: کاش! ہم غور سے سنتے یا عقل سے کام لیتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے○ پس وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے' سو دوزخیوں کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری ہو○ بے شک جو لوگ بن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے○ اور تم چھپا کر بات کرو یا ظاہر کر کے بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے○ کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ بہت باریک بین اور بہت خبر رکھنے والا ہے○ (الملک: ۱۴۔۸)

دوزخ کے غیظ وغضب میں آنے کی توجیہ اور مرجحہ کا ردّ

الملک: ۸ میں دوزخ کے متعلق فرمایا ہے: گویا وہ ابھی شدت غضب سے پھٹ جائے گی' جب دل کا خون جوش میں آتا ہے تو اس کو غضب کہتے ہیں اور شدتِ غضب کا معنی یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ جوش میں ہو جیسے کھولتا ہوا پانی اُبل رہا ہو' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دوزخ زندہ جان داروں میں سے نہیں ہے پس اس کو غیظ سے متصف کرنا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک حیات کے لیے حیوانی ڈھانچہ شرط نہیں ہے اور یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آگ میں حیات پیدا کر دے' کیا قرآن مجید میں پہاڑوں اور پتھروں کی حیات کا ذکر نہیں ہے۔

وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ بعض پتھر ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔
(البقرہ: ۷۴)

يٰجِبَالُ اَوِّبِىۡ مَعَهٗ وَالطَّيۡرَ ۚ (سباء: ۱۰) اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ تسبیح پڑھا کرو اور پرندوں کو بھی یہی حکم ہے۔

اور حدیث میں ہے: کھجور کا تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے' جب آپ کے لیے منبر رکھ دیا گیا تو ہم نے کھجور کے تنے کی ایسی آواز سنی جیسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور آپ نے اپنا ہاتھ اس پر رکھ دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۱۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۹۵' مسند احمد ج ۵ ص ۴۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۱۱۲۴)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں اعلانِ نبوت سے پہلے مجھ پر سلام پڑھا کرتا تھا' میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب: ۱۔ رقم حدیث الباب: ۲۔ رقم الحدیث بلا تکرار: ۲۲۷۷)

سو قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے واضح ہو گیا کہ حیات کے لیے حیوانی ڈھانچہ ضروری نہیں ہے' اللہ تعالیٰ جس چیز

میں جاہتا ہے حیات پیدا فرما دیتا ہے' اس لیے دوزخ کا غیظ وغضب میں آنا مستبعد نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا: جب بھی اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟

مرجئہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ دوزخ میں صرف کافروں کو ڈالا جائے گا اور مؤمن مرتکب کبیرہ کو دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا' ان کا یہ استدلال اس لیے غلط ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں مؤمنین فساق پر بھی عذاب کی وعید ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ (الماعون:۴۔۵) ان نمازیوں کے لیے دوزخ کی وادی ہے O جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں O

الملک: ۱۰۔۹ میں فرمایا: وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بے شک ہمارے پاس عذاب سے ڈرانے والا آیا تھا' پس ہم نے اس کی تکذیب کی اور ہم نے کہا: اللہ نے (تم پر) کوئی چیز نازل نہیں کی' تم صرف بڑی گم راہی میں ہو O وہ کہیں گے: کاش! ہم غور سے سنتے یا عقل سے کام لیتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے O

رسولوں کی ہدایت کا عقل پر مقدم ہونا

ان آیتوں میں یہ بیان ہے کہ قیامت کے دن مشرکین اس کا اعتراف کریں گے کہ ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر ان کے عذر کو زائل کر دیا تھا اور خود انہوں نے ہی رسولوں کی تکذیب کی اور یہ کہہ کر ان کی توہین کی کہ تم صریح گم راہی میں ہو' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محافظ فرشتوں نے کفار سے یہ کہا ہو کہ تم صریح گم راہی میں ہو لیکن یہ احتمال نظم قرآن کے خلاف ہے' اس کے بعد کفار اپنی مذمت کریں گے کہ دراصل قصور ہمارا ہی ہے' ہم نے عقل سے کام نہیں لیا اور رسولوں کو پیغام اور ان کی ہدایت اور ان کے وعظ کو غور سے نہیں سنا۔

اس آیت میں سننے کو عقل سے کام لینے پر مقدم کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ہدایت رسولوں کی تعلیم سے ہوتی ہے' از خود اپنی عقل سے کام لینے سے نہیں ہوتی' یہی وجہ ہے کہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے واسطے کے بغیر از خود اپنے خالق کی معرفت کی کوشش کی وہ گم راہی میں مبتلا ہو گئے' کوئی سورج کی پرستش کرنے لگا' کوئی آگ کی' کوئی درختوں کی' کوئی جانوروں کی اور کوئی دیوتاؤں کے مجسمے بنا کر ان کو پوجنے لگا' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سمع کو بصر پر فضیلت حاصل ہے' کیونکہ ہدایت کے حصول کا تعلق رسولوں کی بات سننے سے ہے' دیکھنے سے نہیں ہے۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ٦٦٨ھ نے لکھا ہے: الملک: ۱۰ سے معلوم ہوا کہ کافروں کو عقل نہیں دی جاتی کیونکہ انہوں نے کہا: کاش! ہم عقل سے کام لیتے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۱۹۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے' اگر کفار کو عقل نہ دی جاتی تو ان کو مکلف کرنا صحیح نہ ہوتا اور اس آیت میں یہ نہیں ہے کہ کفار نے کہا: کاش! ہماری عقل ہوتی بلکہ یہ کہا ہے کاش! ہم عقل سے کام لیتے۔

الملک: ۱۱ میں فرمایا: پس وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے سو دوزخیوں کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری ہو O

''سحق'' کا معنی اور تقویٰ کا بیان

کفار کا گناہ یہ تھا کہ انہوں نے رسولوں کی تکذیب اور توہین کی۔

اس آیت میں ''سحقا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ان کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری ہو' زجاج نے کہا: اس آیت کا

معنی ہے: اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا' کفار کی وعید کے بعد اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے وعدہ کا ذکر فرما رہا ہے۔

الملک: ١٢ میں فرمایا: بے شک جو لوگ بن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ہے O

اس آیت کے دو محمل ہیں' ایک یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جب شیطان ان کے دلوں میں شبہات ڈالتا ہے تو وہ دلائل سے ان شبہات کو زائل کرتے ہیں اور جب وہ ان کو معصیت کی ترغیب دیتا ہے تو وہ خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں اور معصیت کی ترغیبات کو قبول نہیں کرتے۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے تو انسان بے حیائی اور بُرائی کے کام نہیں کرتا لیکن تقویٰ اور خدا خوفی یہ ہے کہ جب وہ تنہائی میں بے حیائی اور گناہ کے کام پر قادر ہو اور اس کے نفس میں گناہ کی ترغیب اور تحریک بھی ہو' اس وقت وہ اللہ کے خوف سے گناہ سے باز رہے اور جو خلوت میں گناہ سے اجتناب کرے گا وہ جلوت میں بہ طریق اولیٰ گناہ سے اجتناب کرے گا' سو اجر عظیم اسی شخص کے لیے ہوگا جو کامل متقی ہو اور جس مؤمن نے گناہ بھی کیے اور وہ بغیر توبہ کیے مر گیا' اس کو دائماً عذاب نہیں ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اس کی مغفرت ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے اس کو معاف کر دے' یا پھر وہ اپنے گناہوں کی سزا پا کر اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں چلا جائے' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ٨۔٧)

سو جس نے ایک ذرہ کے برابر نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا O اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بُرائی کی وہ اس کی سزا پائے گا O

الملک: ١٣ میں فرمایا: اور تم چھپا کر بات کرو یا ظاہر کر کے' بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کے علم محیط پر دلائل

مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو باتیں کرتے تھے وہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو بتا دیتے تھے' تب مشرکین نے آپس میں کہا: آہستہ آہستہ باتیں کیا کرو کہیں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا سن نہ لے' تب یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں تمام مخلوق سے ان کے تمام کاموں اور ان کی تمام باتوں کے متعلق ارشاد ہے کہ تم کوئی کام چھپا کر کرو یا دکھا کر کرو یا کوئی بات چپکے سے کرو یا زور سے کرو' اللہ تعالیٰ کو تمہاری تمام باتوں اور تمام کاموں کا علم ہے۔

الملک: ١٤ میں فرمایا: کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ بہت باریک بین اور بہت خبر رکھنے والا ہے O

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو نہ جانتا ہو' دلوں کو بھی اس نے پیدا کیا ہے اور دلوں میں خیالات کو بھی اس نے پیدا کیا ہے تو وہ دلوں کی باتوں کو کیسے نہیں جانتا۔

استاذ ابو اسحاق اسفرائنی نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں سے کئی اسماء کا تعلق علم سے ہے' ان میں سے ایک اسم علیم ہے' اس کا معنی ہے: وہ تمام معلومات کا عالم ہے' اور اس کا ایک اسم خبیر ہے' اس کا معنی ہے: وہ ہر چیز کو اس کے وقوع سے پہلے جانتا ہے اور ان میں سے ایک اسم حکیم ہے' اس کا معنی ہے: وہ ہر چیز کے باریک اسماء کو جانتا ہے اور ایک اسم شہید ہے' اس کا معنی ہے: وہ ہر حاضر اور غائب کو جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہے' اور ایک اسم حافظ ہے' اس کا معنی ہے: وہ کوئی چیز بھولتا نہیں ہے اور ایک اسم المحصی ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کی کثرت اس کے علم کے لیے مانع نہیں ہے مثلاً سورج کی روشنی' شعاعوں کے باریک ذرات' آندھیوں سے پتوں کا گرنا' وہ ان میں سے ہر ہر جز کو اور اس کی ہر ہر حرکت کو جانتا ہے اور وہ کیسے نہیں جانے گا اسی نے تو ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم اور چلنے کے قابل بنا دیا' سو تم اس کے راستوں میں چلو اور اس کی دی ہوئی

مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۟ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ

روزی میں سے کھاؤ' اور اسی کی طرف سب نے اٹھ کر جانا ہے ○ کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم کو

بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۟ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ

زمین میں دھنسا دے پھر اچانک وہ زمین لرزنے لگے ○ کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم پر کنکریاں

عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ۟ وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ

برسانے والی تیز ہوا بھیج دے پس عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا ○ اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے

قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ۟ اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ

جھٹلایا تھا تو کیسا ہوا میرا انکار کرنا ○ کیا انہوں نے اپنے اوپر (کبھی) پر پھیلائے ہوئے اور (کبھی) پر سمیٹے ہوئے پرندوں

یَقْبِضْنَ ؔؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ۟

کو نہیں دیکھا' ان کو (فضا میں) رحمن کے سوا کوئی روک نہیں سکتا' بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے ○

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ

بھلا وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے' کافر تو

الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۟ۚ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ

صرف دھوکے میں ہیں ○ یا وہ کون ہے جو تمہیں روزی دے سکے' اگر اللہ اپنا رزق دینا بند کر

رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ۟ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی

دے' بلکہ کافر اپنی سرکشی میں اور نفرت میں راسخ ہو چکے ہیں ○ بھلا جو شخص منہ کے

وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۟ قُلْ

بل اوندھا چلے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو صراطِ مستقیم پر سیدھا چلے؟ ○ آپ کہیے:

وقف لازم
وقف غفران
وقف منزل

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا

وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے' تم بہت کم

مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

شکر ادا کرتے ہو○ آپ کہیے: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے○

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا

وہ کہتے ہیں: (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو؟ ○ آپ کہیے: اس کا علم تو

الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ

اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف عذاب سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں○ پھر جب وہ (عذاب کو) قریب آتا

وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

دیکھیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا: یہی ہے وہ جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے○

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ

آپ کہیے: بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے تو کافروں کو

الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَیْهِ

درد ناک عذاب سے کون پناہ دے گا؟ ○ آپ کہیے: وہی رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر

تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ

ہم نے توکل کیا ہے' پس عنقریب تم جان لو گے کہ کون کھلی گمراہی میں ہے ○ آپ کہیے: بھلا یہ بتاؤ کہ

اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

ع ۲ ۱۶ ۲

اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں اتر جائے تو تمہارے پاس بہتا ہوا پانی کون لا کر دے گا○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے نرم اور چلنے کے قابل بنا دیا' سو تم اس کے راستوں میں چلو اور اس کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف سب نے اٹھ کر جانا ہے○ کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے' پھر اچانک وہ زمین لرزنے لگے○ کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم پر

کنکریاں برسانے والی تیز ہوا بھیج دے' پس عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا○ (الملک: ۱۷۔۱۵)

زمین کو نرم اور مسخر بنانے میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی ہر کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے' اور اب اس طرح بتا رہا ہے کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ میں تمہاری ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہوں تو اے کافرو! تم مجھ سے ڈرو اور وہ کام نہ کرو جن کی وجہ سے میں تم کو عذاب دوں' تم اس زمین کے راستوں میں چلتے ہو اور تم یہ سمجھتے ہو کہ اس زمین میں چلنے سے تمہیں نقصان نہیں ہو گا حالانکہ میں نے ہی تو اس زمین کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے اور اس میں تمہارے نفع کی چیزیں رکھی ہیں' اگر میں چاہوں تو تم کو اس زمین میں دھنسا دوں اور آسمان سے تم پر پتھر برسا دوں۔

اس آیت میں ''ذلول'' کا لفظ ہے' یہ ''ذلۃ'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: اطاعت کرنا اور نرم ہونا' اور اس زمین کو نرم اور تابع بنانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اگر یہ زمین پتھریلی اور بہت سخت ہوتی تو اس پر چلنا بہت دشوار ہو جاتا۔

(۲) اگر یہ زمین نرم نہ ہوتی تو اس میں بنیادیں کھودنا اور اس پر عمارتیں بنانا بہت دشوار ہو جاتا۔

(۳) اگر یہ زمین سونے' چاندی' لوہے' پیتل یا کسی اور معدن کی بنی ہوتی تو گرمیوں میں تپ کر سخت گرم اور سردیوں میں سخت ٹھنڈی ہو جاتی اور اس میں کھیتی باڑی کرنا ممکن نہ ہوتا اور اس میں مُردوں کو دفن کرنا بھی محال ہو جاتا۔

اور اس میں ''مناکب'' کا لفظ ہے' یہ ''منکب'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: کندھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زمین کے مناکب اس کے پہاڑ اور ٹیلے ہیں اور پہاڑوں کو مناکب اس لیے فرمایا ہے کہ انسان کے کندھے اس کے جسم میں بلندی پر ہوتے ہیں' اسی طرح پہاڑ بھی زمین سے بلندی پر ہوتے ہیں۔

اور فرمایا: تم اس کے رزق سے کھاؤ' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین میں جو روزی پیدا کی ہے' اس سے کھاؤ۔

اور یاد رکھو کہ زمین میں تمہارا چلنا اور زمین سے روزی کھانا ایک وقت معین تک ہے' پھر تم نے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے' اس سے مراد انسان کو کفر اور شرک سے ڈرانا ہے اور خلوت اور جلوت میں گناہوں سے بچنے کی تلقین کرنا ہے اور یہ بھی جان لو کہ اس زمین میں تمہارا آسانی سے چلنا پھرنا اور زمین کا رزق کھانا محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو یہ نعمت ان سے چھین لے گا۔

الملک: ۱٦ میں فرمایا: کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر اچانک وہ زمین لرزنے لگے○

اللہ تعالیٰ پر آسمان والے کے اطلاق کی توجیہ

اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اور آسمان اللہ تعالیٰ کو تمام جانبوں سے محیط ہے تو پھر اللہ تعالیٰ آسمان کا مظروف ہو گا اور مظروف ظرف میں محدود ہوتا ہے اور اس سے مقدار میں کم ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ مقدار میں آسمان سے کم ہو گا اور آسمان عرش سے کم ہے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش سے بہت کم ہو اور یہ محال ہے' نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ اللہ کی مقدار ہو اور یہ بھی محال ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ مقدار اور کیفیت سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آسمانوں میں ہونے پر دوسرا اشکال یہ ہے کہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے وہ اللہ کا مملوک ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ . آپ کہیے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ آپ کہیے: اللہ کی۔ (الانعام:۱۲)

پس اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہو تو لازم آئے گا کہ وہ خود اپنا مملوک ہو اور خود اپنا مالک ہو اور یہ بھی محال ہے اس لیے الملک:۱۶ میں جو فرمایا ہے: کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو؟ اس میں تاویل کرنا ضروری ہے اور اس کی مفسرین نے حسب ذیل تاویلات کی ہیں:

(۱) اس آیت کا معنی ہے: کیا تم آسمان کے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہو؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ جاریہ یہ ہے کہ کفار اور فساق پر عذاب آسمان کی طرف سے آتا ہے جس طرح اس کی رحمت اور نعمت کا نزول بھی آسمان کی جانب سے ہوتا ہے۔

(۲) اس کا معنی ہے: کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی ملکیت سلطنت اور قدرت آسمانوں میں ہے ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت اس کی ملکیت اور اس کی قدرت زمینوں میں بھی ہے اس کے باوجود آسمانوں کا ذکر فرمایا کیونکہ اعلیٰ پر قدرت ادنیٰ پر قدرت کو مستلزم ہوتی ہے۔

(۳) اس آیت کا معنی اس طرح ہے: کیا تم عذاب نازل کرنے والے فرشتے جبریل سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمانوں میں ہے؟

(۴) اور اگر آسمان والے سے اللہ عزوجل ہی کی ذات مراد ہو تو پھر اس کا محمل یہ ہے کہ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کسی سمت اور جہت کے ساتھ مخصوص اور مقید نہیں ہے لیکن چونکہ آسمان کی سمت اور جہت کو باقی جہات پر فوقیت اور شرف حاصل ہے اس لیے جب اللہ تعالیٰ کی طرف کسی جہت سے اشارہ کرنا ہو تو آسمان کی جہت سے اشارہ کیا جاتا ہے اس لیے عرف میں آسمان والے سے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کو مراد لیا جاتا ہے احادیث میں بھی اللہ تعالیٰ پر آسمان والے کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۹۴۱ السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۴۱ نشر السنۃ ملتان سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۹۲۴ مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۰)

حضرت عمر بن الحکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری ایک باندی میری بکریوں کو چرایا کرتی تھی ایک دن میں اس کے پاس گیا تو میری ایک بکری گم ہو چکی تھی میں نے اس بکری کے متعلق اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ مجھے اس پر بہت افسوس ہوا میں بھی آخر انسان ہوں میں نے اس کے چہرے پر تھپڑ مار دیا میرے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے کیا میں اس باندی کو آزاد کر سکتا ہوں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو یہ مؤمنہ ہے۔

(موطأ امام مالک رقم الحدیث:۱۵۴۴ دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۰ھ مسند احمد ج ۵ ص ۴۴۷ تا ۴۴۹)

اس حدیث کا ذکر درج ذیل کتب حدیث میں بھی ہے:

صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۳۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۹۳۰ سنن نسائی رقم الحدیث:۱۲۱۸ السنن الکبریٰ للنسائی

رقم الحدیث: ۱۱۴۱۔
الملک: ۱۷ میں فرمایا: کیا تم آسمان والے سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم پر کنکریاں برسانے والی تیز ہوا بھیج دے‘ پس عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا O

کفارِ مکہ کو دنیاوی عذاب سے ڈرانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم پر ایسی کنکریاں برسا دے جیسی حضرت لوط علیہ السلام کی مجرم قوم پر برسائی تھیں‘ اس آیت میں ”نذیر“ کا لفظ ہے اور اس سے مراد ”منذر“ ہے‘ یعنی ڈرانے والا اور اس سے مراد سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہمارے نبی نے تمہیں ہمارا پیغام پہنچایا اور یہ کہا کہ اگر تم نے اس پیغام کو قبول نہیں کیا تو تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا‘ پس اگر تم اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو کر اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور اس کے نتیجہ میں تم پر آسمان سے کنکریاں برسنے کا عذاب آیا تو پھر تم کو ہمارے رسول کی وعید کے صدق کا علم ہو جائے گا اور ان کے ڈرانے پر یقین ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا تو کیسا ہوا میرا انکار کرنا O کیا انہوں نے اپنے اوپر (کبھی) پَر پھیلائے ہوئے اور (کبھی) پَر سمیٹے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا‘ ان کو (فضا میں) رحمٰن کے سوا کوئی روک نہیں سکتا‘ بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے O بھلا وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے‘ کافر تو صرف دھوکے میں ہیں O یا وہ کون ہے جو تمہیں روزی دے سکے اگر اللہ اپنا رزق دینا بند کر دے‘ بلکہ کافر اپنی سرکشی میں اور نفرت میں راسخ ہو چکے ہیں O بھلا جو شخص منہ کے بل اوندھا چلے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو صراطِ مستقیم پر سیدھا چلے O
(الملک: ۲۲۔۱۸)

اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر دلائل اور کفار کے نظریات کا ردّ اور ابطال

الملک: ۱۸ میں سابقہ امتوں کے کافروں کی مثالیں دے کر کفارِ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے ڈرایا ہے‘ یعنی اس سے پہلے قوم عاد اور قوم ثمود نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا‘ اور ان پر جو عذاب بھیجا گیا تھا اس کی نشانیاں کفارِ مکہ اب بھی شام کے سفر میں مشاہدہ کرتے ہیں تو وہ ان نشانیوں سے کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے۔

الملک: ۱۹ میں فرمایا: کیا انہوں نے اپنے اوپر (کبھی) پَر پھیلائے ہوئے اور (کبھی) پَر سمیٹے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا‘ ان کو (فضا میں) رحمٰن کے سوا کوئی روک نہیں سکتا‘ بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے O

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے چلنے کے لیے زمین کو مسخر کر دیا ہے اور مچھلیوں کے تیرنے کے لیے پانی کو مسخر کر دیا ہے‘ اسی طرح پرندوں کے اڑنے کے لیے فضا کو مسخر کر دیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے خوب دیکھنے کا ثبوت ہے اور جب اللہ دیکھتا ہے تو وہ دکھائی بھی دے سکتا ہے‘ اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے‘ اس کے برخلاف معتزلہ اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے منکر ہیں‘ دنیا میں صرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور میدانِ محشر میں اور جنت میں تمام مؤمنین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور کسی چیز کو دیکھنے سے اس چیز کا احاطہ کرنا لازم نہیں آتا جیسے ہم آسمان کو دیکھتے وقت اس کا احاطہ نہیں کرتے حالانکہ وہ متناہی ہے‘ تو اللہ تعالیٰ جو غیر متناہی اور لامحدود ہے اس کو دیکھنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس کا احاطہ بھی ہو جائے۔

الملک: ۲۰ میں فرمایا: بھلا وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے‘ کافر تو صرف دھوکے میں ہیں O

کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو اس لیے قبول نہیں کرتے اور ایمان نہیں لاتے تھے کہ دو چیزوں پر ان کو گھمنڈ تھا' ایک تو ان کے پاس بہت زیادہ مال تھا اور ان کے پاس ان کے حامیوں کا لشکر تھا' اور دوسری چیز ان کے بت تھے ان کو بھروسا تھا کہ ان کے بت ان سے ہر مصیبت اور ہر آفت کو دور کر سکتے ہیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو باطل کر دیا' ان کے مددگاروں کے لشکر کے متعلق فرمایا: بھلا وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے اور ان کے بتوں کی مدد کا رد کرتے ہوئے فرمایا: کافر تو صرف دھوکے میں ہیں۔

الملک: ۲۱ میں فرمایا: یا وہ کون ہے جو تمہیں روزی دے سکے' اگر اللہ اپنا رزق دینا بند کر دے۔

اس کا معنی ہے: تمہارے خود ساختہ خداؤں میں سے کون تمہیں رزق دے سکتا ہے اگر اللہ تمہیں رزق دینا بند کر دے' کیونکہ رزق کے قوی اسباب سے آسمان سے پانی کو نازل کرنا ہے اور زمین سے غلہ' سبزیوں اور پھلوں کو اگانا ہے اور اللہ کے سوا کون آسمان سے بارشوں کو نازل کر سکتا ہے اور کون زمین سے غلہ کو پیدا کر سکتا ہے اور جن حلال جانوروں کا گوشت کھا کر تم اپنی نشوونما حاصل کرتے ہو' اللہ تعالیٰ کے سوا ان جانوروں کو کون پیدا کر سکتا ہے' ان کافروں نے حق واضح ہونے کے باوجود ایمان لانے سے انکار کیا اور ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنے کفر پر ڈٹے رہے' دنیا پر حرص کرنے کی وجہ سے انہوں نے سرکشی کی اور اپنی جہالت کی وجہ سے ایمان لانے سے بھاگتے رہے۔

الملک: ۲۲ میں فرمایا: بھلا جو شخص منہ کے بل اوندھا چلے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو صراط مستقیم پر سیدھا چلے؟O

اس آیت میں ''مکبا'' کا لفظ ہے اس کا مادہ ''کبت'' ہے' ''کبہ اللّٰہ'' کا معنی ہے: اللہ اس کو اوندھا گرا دے' ''فلان اکبّ'' وہ سرنگوں گر پڑا۔

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) جو شخص سیدھا کھڑا ہو کر نہ چلتا ہو' بلکہ وہ چلنے میں کبھی اوپر ہوتا ہو اور کبھی نیچے' وہ چلنے میں لڑکھڑاتا رہتا ہے اور چلتے چلتے منہ کے بل گر جاتا ہے' اس کا حال اس شخص کے متضاد ہے جو سیدھا چلتا ہے اور اس کے چلنے میں لڑکھڑاہٹ ہے نہ کجی اور نہ ٹیڑھا پن۔

(۲) جو شخص کبھی ایک طرف چلتا ہے اور کبھی دوسری طرف چلتا ہے' وہ راستہ سے جہالت اور اسی کی وجہ سے حیرانی اور پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۳) جو شخص اندھا ہو وہ راستہ میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے اور منہ کے بل ٹھوکر کھا کر گر جاتا ہے' اس کے برعکس جو شخص بینا ہو' اس کو راستہ کا علم ہو وہ سیدھا چلتا ہے اور کہیں بھٹکتا ہے نہ منہ کے بل گرتا ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں آیتوں میں آخرت کی مثال ہے یا دنیا کی؟ بعض مفسرین نے کہا: کافر دنیا میں اپنے گناہوں پر منہ کے بل گرا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ حشر کے دن اس کو منہ کے بل اٹھائے گا' اور مؤمن دنیا میں صراطِ مستقیم پر تھا تو اللہ تعالیٰ اس کو حشر کے دن سیدھا اٹھائے گا اور بعض نے کہا: یہ دنیا میں مؤمن اور کافر اور عالم اور جاہل کی مثال ہے' پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ مثال تمام دنیا کے کافروں اور مؤمنوں کے لیے عام ہے یا اس سے مراد مخصوص مؤمن اور کافر ہیں۔

مقاتل نے کہا: اس سے مراد ابوجہل اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ابوجہل اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہیں اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد ابوجہل اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے' تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو○ آپ کہیے: وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے○ وہ کہتے ہیں: (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟○ آپ کہیے: اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف عذاب سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں○ پھر جب وہ (عذاب کو) قریب آتا دیکھیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا: یہی ہے وہ جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے○ (الملک: ۲۷۔۲۳)

اللہ تعالیٰ کا حیوانات کے احوال سے اپنی قدرت پر استدلال

الملک: ۲۳ سے پہلے کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے احوال سے اپنی قدرت پر دلائل قائم کیے تھے' اور فرمایا تھا: کیا انہوں نے اپنے اوپر پَر پھیلائے ہوئے اور پَر سمیٹے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا اور اس آیت میں انسانوں کے احوال سے اپنی قدرت پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور کان اور آنکھوں اور دلوں کو پیدا کرنے کی نعمت کا ذکر کیا ہے' اور یہاں ان نعمتوں کا ذکر کر کے اس پر تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ عظیم نعمتیں عطا کی ہیں' سوچو! اگر تمہارے کان نہ ہوتے تو لوگوں سے تمہارے رابطے نہ ہو سکتے' اگر آنکھیں نہ ہوتیں تو تمہارے لیے پوری دنیا اندھیر ہوتی اور دل نہ ہوتے تو تمہارے جسم میں خون کی گردش کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا اور تمہارا جینا محال ہو جاتا' لیکن تم نے ان نعمتوں کو ضائع کر دیا' تم کو پیغامِ حق سننے کے لیے کان دیئے تھے لیکن تم نے اس کو نہیں سنا' حقائق کائنات میں غور کرنے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھنے کے لیے اور ان نشانیوں سے صاحب نشان تک پہنچنے کے لیے تمہیں آنکھیں دی تھیں لیکن تم نے ان نشانیوں سے عبرت حاصل نہیں کی اور دل سے تم نے صحیح تدبر نہیں کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دل سے اس آیت میں مجازاً ذہن مراد ہو کیونکہ تدبر اور تفکر کرنا دماغ کا کام ہے' دل کا کام نہیں ہے اور چونکہ کافروں نے ان نعمتوں کو ضائع کر دیا' اس لیے فرمایا: تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ جن مقاصد کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں دی ہیں' ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ان نعمتوں کو خرچ کیا جائے اور ان نعمتوں سے اس کی رضا کے کام کیے جائیں اور جب کافروں نے ایسا نہیں کیا تو انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا انسانوں کی صفات سے اپنی قدرت پر استدلال

الملک: ۲۴ میں فرمایا: آپ کہیے کہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے○

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر پہلے حیوانات کے احوال سے استدلال کیا' پھر انسانوں کی صفات' سمع' بصر اور عقل سے اپنی قدرت پر استدلال کیا اور اب اس کائنات کے حدوث اور اس کو عدم سے وجود میں لانے سے اپنی قدرت پر استدلال فرما رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت پر اس لیے دلائل قائم کیے ہیں تاکہ حشر ونشر کا اور قیامت کا ممکن ہونا بیان کیا جائے کیونکہ کفارِ مکہ یہ نہیں مانتے تھے کہ قیامت آئے گی اور تمام انسانوں کے مرنے کے بعد ان کو پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جب وہ اس کائنات کو ایک بار عدم سے وجود میں لا چکا ہے تو دوبارہ اس کائنات کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کیوں ممکن نہیں ہوگا۔

الملک: ۲۵ میں فرمایا: وہ کہتے ہیں کہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟○

کفار کے انکارِ عذاب کا بطلان

جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایمان نہ لانے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے کہا: آپ ہمیں معین وقت بتائیں جب عذاب آئے گا' وہ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے لیے آپ سے عذاب کے وقت کی تعیین کا

مطالبہ کرتے تھے یا اپنے حامیوں اور کم عقل لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہتے تھے کہ جب عذاب جلدی نہیں آئے گا تو سمجھ لو عذاب نہیں آئے گا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے عذاب کے وقت کی تعیین کا سوال کیا تھا یا قیامت کے وقت کی تعیین کا سوال کیا تھا۔

الملک: ٢٦ میں فرمایا: آپ کہیے: اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف عذاب سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں O

یعنی آپ ان سے کہیں کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں' ایک یہ کہ عذاب کا وقوع ہوگا اس کا مجھے علم ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو یقیناً تمہیں عذاب ہوگا' دوسری چیز یہ ہے کہ یہ عذاب کب ہوگا؟ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور تم کو عذاب سے ڈرانے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مجھے یہ علم ہو کہ تمہیں عذاب کب ہوگا۔

الملک: ٢٧ میں فرمایا: پھر جب وہ (عذاب کو) قریب آتا دیکھیں گے تو ان کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا: یہی ہے وہ جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے O

اس کا معنی ہے: جب وہ عذاب کو آتا ہوا قریب دیکھ لیں گے یا عذاب کو اپنے قریب پائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس وقت ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور اس کی علت پشیمانی اور پچھتاوا ہوگا' اس آیت میں ''سیئت'' کا لفظ ہے' یہ ''سوٗ'' سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے: قبح اور برائی اور ''سیئۃ''''حسنۃ'' کی ضد ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے کرتوتوں پر پچھتانے کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے جیسے کسی شخص کو گھسیٹ کر اس کے مقتل کی طرف لے جایا جا رہا ہو۔

اگر اس آیت کو مطلق عذاب پر محمول کیا جائے تو اس کی تفسیر آسان ہے' یعنی جب ان کے پاس وہ عذاب آئے جو ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر ہلاک کرنے والا ہو جیسے قوم عاد اور قوم ثمود پر عذاب آیا تھا تو اس عذاب کے آثار دیکھ کر اور اس کو اپنے قریب پا کر ان کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے' پھر فرمایا: یہی ہے وہ جس کو تم بار بار طلب کرتے تھے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس قول کا قائل کون ہے' بعض مفسرین نے کہا: وہ ''الزبانیہ'' ہیں یعنی جہنم کے فرشتے' اور بعض مفسرین نے کہا: بلکہ کفار ایک دوسرے سے کہیں گے۔

اس آیت میں ایک لفظ ہے ''تدعون'' اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ ''تدعون'' کی طرح ہے' اس کا معنی ہے: تم طلب کرتے تھے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ ''دعویٰ'' سے بنا ہے یعنی وہ عذاب ہے جس کے متعلق تم دعویٰ کرتے تھے کہ تم کو یہ عذاب نہیں ہوگا' اور اسی عذاب کا انکار کرنے کے لیے تم یہ کہتے تھے کہ تم کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: بھلا یہ بتاؤ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا O آپ کہیے: وہی رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے' پس عنقریب تم جان لو گے کہ کون کھلی گمراہی میں ہے O آپ کہیے: بھلا یہ بتاؤ کہ اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں اتر جائے تو تمہارے پاس بہتا ہوا پانی کون لا کر دے گا O (الملک: ٣٠۔٢٨)

کفار کی بددعا سے حراساں نہ ہونے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی تلقین

کفارِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں کو ہلاکت کی بددعا دیتے تھے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ O یا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر حوادثِ زمانہ (الطور: ٣٠) (موت) کا انتظار کر رہے ہیں O

اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: آپ ان سے کہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے وفات دے کر اٹھا لے یا مجھ پر رحم فرما کر میری اجل کو مؤخر کر دے تو اس میں تمہارے لیے کون سی راحت ہے اور کون سا فائدہ ہے اور جب تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا تو تمہارا یہ گمان ہے کہ تمہارے یہ بت تم کو اللہ کے عذاب سے بچالیں گے' سو تم جان لو کہ تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا' اگر تم اللہ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور بُرے کاموں سے تائب ہو کر نیک کام کرو۔

الملک: ۲۹ میں فرمایا: آپ کہیے: وہی رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے' پس عنقریب تم جان لوگے کہ کون کھلی گمراہی میں ہے O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم رحمٰن پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے' پس تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے خلاف تمہاری بددعا قبول نہیں ہوگی کیونکہ تم کافر اور معاند ہو اور ہم مؤمن ہیں اور ہم اللہ پر بھروسا رکھتے ہیں اس لیے تمہاری بددعا سے ہمیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا

الملک: ۳۰ میں فرمایا: آپ کہیے: بھلا یہ بتاؤ کہ اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں اتر جائے تو تمہارے پاس بہتا ہوا پانی کون لا کر دے گا O

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرایا جائے تاکہ وہ اندازہ کریں اور دل میں سوچیں کہ اتنے زبردست منعم کا شکر ادا نہ کرنا اور اس کی نعمتوں کے احسانات کو نہ ماننا اور اس کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنا کتنی بُری بات ہے۔ کافروں کو چاہیے تھا کہ یہ اعتراف کرتے کہ اگر زمین میں پانی دھنس جائے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بہتا ہوا پانی نہیں لا سکتا' اسی نہج پر یہ آیت ہے:

اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ O ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ O (الواقعہ: ۶۹۔۶۸)

بھلا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو O کیا تم نے اس کو بادلوں سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں O

مسلمانوں کو چاہیے کہ جب وہ سورۂ تبارک الذی کی آخری آیت پڑھیں تو اس کے بعد یہ کہا کریں:

لا یاتینا بہ الا اللہ. — اللہ کے سوا اس پانی کو کوئی نہیں لا سکتا۔

سورت تبارک الذی کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۶ صفر ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ مارچ ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات کو سورۂ تبارک الذی کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے یہاں تک پہنچا دیا ہے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس تفسیر کو قیامت تک کے مسلمانوں میں مقبول عام بنا دیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی اور تمام قارئین کی مغفرت فرما دیں اور قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اور دنیا میں آپ کی زیارت سے شاد کام فرمائیں۔

والحمد للہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین

وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وامتہٖ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلي ونسلم علٰى رسوله الكريم

سورة القلم

سورت کا نام

اس سورت کا نام القلم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی ابتدائی آیت میں القلم کا ذکر ہے:

نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا يَسۡطُرُوۡنَۙ (القلم:١) نون قلم کی قسم اور اس کی جو فرشتے لکھتے ہیں○

امام بخاری نے اس سورت کا عنوان ''سورة نون والقلم'' قائم کیا ہے۔ (صحیح البخاری سورۃ نون والقلم:٦٨)

اسی طرح امام ترمذی نے لکھا ہے: ''باب من سورة ن والقلم''۔ (سنن ترمذی رقم الباب:٦٤)

اور اکثر مفسرین نے اس سورت کا نام القلم رکھا ہے۔

علامہ محمد الماوردی الشافعی المتوفی ٤٥٠ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری عکرمہ عطا اور حضرت جابر نے کہا: یہ سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''سَنَسِمُهٗ عَلَى الۡخُرۡطُوۡمِ'' (القلم:١٦) تک اس کی آیات مکی ہیں اور اس کے بعد ''لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ'' (القلم:٣٣) تک کی آیات مدنی ہیں اور اس کے بعد ''يَكۡتُبُوۡنَ'' (القلم:٤٧) تک کی آیات مکی ہیں اور اس کے بعد ''مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ'' (القلم:٥٠) تک کی آیات مدنی ہیں اور پھر باقی سورت کی دو آیتیں مکی ہیں۔ (النکت والعیون ج٦ ص٥٩ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٢ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٦٨ ہے۔

حضرت جابر بن زید نے کہا ہے: یہ سورت دوسرے نمبر پر نازل ہوئی یہ سورت ''اقرا باسم ربك'' کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس سورت کے بعد سورت المزمل اور پھر اس کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی ہے اور زیادہ صحیح وہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پہلے سورت ''اقراء باسم ربك'' نازل ہوئی پھر وحی کا آنا رک گیا پھر اس کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وحی آنے کے رکنے کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی اور سورۃ القلم ''اقراء باسم ربك'' کے بعد نازل ہوئی اور یوں اس کے نزول کا نمبر ٢ ہے۔ (التحریر والتنویر جز ٢٩ ص ٥٨ تیونس)

سورت القلم کے مشمولات

☆ اس سورت کی ابتداء میں حرف تہجی نون مذکور ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ کلام ان ہی حروف سے مرکب ہے جن حروف کو ملا کر تم اپنا کلام بناتے ہو اگر تمہارا یہ زعم ہے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے تو تم بھی اس کی مثل کلام بنالاؤ۔

☆ اس سورت کی ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے اور مشرکین آپ کی شان میں جو نازیبا کلمات استعمال کرتے تھے ان پر آپ کو تسلی دی گئی ہے اور آپ کے رنج اور افسوس کا ازالہ کیا گیا ہے۔

☆ بعض کافروں نے آپ کی طرف شعر کہنے، جادو کرنے اور دیوانگی اور جنون کی جو نسبت کی تھی اس سے آپ کی براءت فرمائی ہے۔
☆ اس میں دنیا اور آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور کمالات کا ذکر ہے۔
☆ اس میں قلم اور لکھنے کی فضیلت ہے تا کہ مسلمان قلم اور لکھنے کی طرف متوجہ ہوں اور علوم کو لکھ کر محفوظ کریں۔
☆ ابو جہل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے متعلق آخرت کی وعید بیان کی گئی ہے۔
☆ کفار کا مقابلہ مؤمنین اور متقین کے ساتھ کیا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ کفار کے مزعوم اور خود ساختہ خدا ان سے دنیا کا عذاب دور کر سکتے ہیں نہ آخرت کا۔
☆ کفار کو یہ بتایا ہے کہ دنیا میں ان کو جو عیش اور آرام حاصل ہے اور ان کے پاس سرمایہ اور طاقت کی فراوانی ہے' یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ راضی ہے' بلکہ یہ استدراج ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھیل دی ہوئی ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو جو قبول نہیں کیا' اس کی سزا ان کو آخرت میں ملے گی اور اس سلسلہ میں ان کی کسی معذرت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔
☆ کفار کا ایک باغ تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کے پھلوں کو جلا ڈالا' وہ سوئے ہوئے تھے اور آسمانی آگ نے اس کو جلا دیا' اس دنیاوی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔
☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام کی تبلیغ میں جو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور کفار قریش کی ایذاء رسانی سے جو آپ کو رنج اور ملال ہوتا ہے اس پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ اس معاملہ میں آپ کوئی ایسا اقدام نہ کریں جیسا اقدام حضرت یونس علیہ السلام نے کر لیا تھا اور وہ اپنی قوم پر غضب ناک ہو کر اللہ تعالیٰ سے اذن مخصوص لیے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھیں اور باطل اور ناصواب سے مجتنب رکھیں۔

آمین یا رب العٰلمین!

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۶ صفر ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ مارچ ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ القلم مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿١﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢﴾

نون، قلم کی قسم اور اس کی جو (فرشتے) لکھتے ہیں○ (اے رسول مکرم!) آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں○

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿٣﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿٤﴾

اور بے شک آپ کے لیے لامحدود اجر ہے○ اور بے شک آپ ضرور عظیم اخلاق پر فائز ہیں○

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿٥﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ

پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے○ کہ تم میں سے کون مجنون تھا○ بے شک آپ کا رب ہی خوب جاننے

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٧﴾ فَلَا تُطِعِ

والا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جاننے والا ہے○ سو آپ مکذبین کی بات

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ

نہ مانیں○ انہوں نے یہ چاہا کہ اگر آپ (دین میں) نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے○ آپ بہت قسمیں کھانے والے بے حد

مَّهِيْنٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾

ذلیل کی بات نہ مانیں○ جو بہت طعنے دینے والا اور چلتا پھرتا چغل خور ہے○ نیکی سے بہت روکنے والا حد سے متجاوز سخت گنہ گار ہے○

عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿١٣﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾ اِذَا تُتْلٰى

بہت بدخو ان سب کے بعد نطفہ حرام ہے○ وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا ہے○ جب اس کے سامنے

عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿١٦﴾

ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں○ ہم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گے○ ہم نے

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿١٧﴾

ان کی اس طرح آزمائش کی جس طرح ہم نے ان باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور صبح کو اس کے پھل



وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿۱۹﴾

کاٹیں گے O اور انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا O پھر آپ کے رب کی طرف سے اس باغ پر ایک آفت آئی جب وہ سوئے ہوئے تھے O

فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ

پھر وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ہو O پس صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا O کہ اگر تم پھل کاٹنے

إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿۲۲﴾ فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿۲۳﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا

والے ہو تو علی الصبح اپنے کھیت کی طرف چلو O پھر وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے چل پڑے O کہ آج اس باغ میں

الْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿۲۴﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا

تمہارے پاس ہرگز کوئی مسکین نہ آنے پائے O پھر وہ خود کو اپنے فیصلہ پر قادر سمجھتے ہوئے سویرے سویرے چل دیئے O پھر

قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۷﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ

جب انہوں نے اس کٹے ہوئے باغ کو دیکھا تو کہا: ہم ضرور راستہ بھول گئے O بلکہ ہم محروم ہو گئے O ان میں سے متوسط نے کہا:

أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿۲۸﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۹﴾

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے O انہوں نے کہا: ہمارا رب سبحان ہے بے شک ہم ظالم تھے O

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ﴿۳۰﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا

پھر وہ مڑ کر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے O انہوں نے کہا: ہائے افسوس! بے شک

كُنَّا طَاغِينَ ﴿۳۱﴾ عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا

ہم سرکش تھے O توقع ہے کہ ہمارا رب ہم کو اس کے بدلہ میں اس سے اچھا باغ دے گا بے شک ہم اپنے رب

رَاغِبُونَ ﴿۳۲﴾ كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا

کی طرف رغبت کرتے ہیں O اسی طرح عذاب ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب ضرور (اس سے) بہت بڑا ہے

يَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ ع

کاش یہ لوگ جانتے O

وقف لازم

ع ۳۲ ۳

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نون' قلم کی قسم اور اس کی جو فرشتے لکھتے ہیں O (اے رسول مکرم!) آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں O اور بے شک آپ کے لیے لامحدود اجر ہے O اور بے شک آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں O (القلم: ۴-۱)

نون اور قلم کے معانی اور ان کے متعلق احادیث

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ' القلم: ا کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ قلم ہے' پھر جو کچھ ہونے والا تھا اس کو قلم نے لکھا' پھر پانی سے بخار اٹھا تو اس سے آسمان پیدا کیے گئے' پھر مچھلی کو پیدا کیا گیا (نون کا معنی مچھلی ہے) اور زمین کو مچھلی کی پشت پر پھیلایا گیا' زمین ہلنے لگی تو اس کو پہاڑوں سے ٹھہرایا گیا' پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: ''ن والقلم وما یسطرون''۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۶۷۶۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے: اس حدیث کو امام عبد الرزاق' امام فریابی' امام سعید بن منصور' امام عبد بن حمید' امام ابن جریر' امام ابن المنذر' امام ابن ابی حاتم' امام ابوالشیخ نے ''العظمۃ'' میں' امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ ''المستدرک'' میں' امام بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' میں اور امام خطیب بغدادی نے اپنی ''تاریخ'' میں اور امام الضیاء نے ''المختارہ'' میں روایت کیا ہے۔

(الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۲۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ نے سب سے پہلے القلم کو پیدا کیا' پھر اس سے فرمایا: لکھ' تو اس نے ابد تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ لکھ دیا۔ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے: قلم نے تمام ''ماکان وما یکون'' لکھ دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۱۹-۲۱۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷)

امام رازی نے کہا: نون کے متعلق یہ روایت کہ وہ مچھلی ہے اور اس پر زمین ٹھہری ہوئی ہے' ضعیف ہے اور حق یہ ہے کہ نون اس سورت کا اسم ہے یا یہ حرف تہجی ہے اور اس سے یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن ان ہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم کلام مرکب کرتے ہو اور اگر تمہاری رائے میں یہ کلام کسی انسان کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی اس کی مثل کلام بنا کر لے آؤ۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۹۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

القلم: ۳-۲ میں فرمایا: اے رسول مکرم! آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں O اور بے شک آپ کے لیے لامحدود اجر ہے O

کفار کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنا اور اللہ تعالیٰ کا رد فرمانا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں کفار کے اس قول کا رد ہے کہ انہوں نے آپ کو مجنون (دیوانہ) کہا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُوا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ O اور کفار نے کہا: اے وہ شخص! جس پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے' بے شک تم ضرور مجنون ہو O (الحجر: ۶)

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کے رد میں فرمایا: ''مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ O'' (القلم: ۲) اور آپ کے مجنون نہ ہونے پر اللہ تعالیٰ نے تین دلیلیں قائم فرمائیں' ایک یہ کہ آپ کے اوپر آپ کے رب کی نعمت ہے اور آپ اللہ کے فضل سے

صاحب عقل ہیں' آپ پر اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمت یہ ہے کہ آپ عرب میں سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ ہیں' آپ کی عقل کامل ہے' آپ ہر عیب سے بَری ہیں اور فضیلت والے وصف سے متصف ہیں' آپ کی سیرت کا حسن اور کمال آپ کے مخالفین کو بھی مسلّم ہے' اور ایسی شخصیت والا کب مجنون ہو سکتا ہے۔

القلم: ۴ میں فرمایا: بے شک آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں O

''خَلق'' اور ''خُلق'' کا معنی

''خَلق'' (خ پر زبر) کا معنی ہے: پیدا کرنا' عدم سے وجود میں لانا' اور جسم کی ظاہری بناوٹ اور ''خُلق'' (خ پر پیش) کا معنی ہے: انسان کی وہ جبلّی اور طبعی صفات جن کا ادراک بصیرت سے کیا جاتا ہے۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۱۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حسن اخلاق کی تعلیم' تلقین اور تاکید کے متعلق احادیث

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور بُرا کام کرنے کے بعد نیک کام کرو جو اس بُرے کام کو مٹا دے' اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۸۷ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مؤمن کے میزان میں اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ بد اخلاق شخص سے بغض رکھتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۲' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۹)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز میزان میں نہیں رکھی جائے گی اور اچھے اخلاق والا نمازیوں اور روزہ داروں کے درجہ کو پا لیتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۳' اس حدیث کی سند صحیح ہے' الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۵۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۸' مسند احمد ج ۶ ص ۱۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: وہ کون سا کام ہے جس کی وجہ سے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرنا (تقویٰ) اور اچھے اخلاق' اور آپ سے سوال کیا گیا: وہ کون سے کام ہیں جن کی وجہ سے زیادہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: منہ اور شرم گاہ (منہ اور شرم گاہ میں حرام چیز کو داخل کرنا)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۴' اس کی سند حسن ہے' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۶' المستدرک ج ۴ ص ۳۲۴' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۱)

عبد اللہ بن المبارک نے خلق حسن کی یہ تعریف کی' لوگوں سے ہنستے مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی سے ملنا' نیکی کو پھیلانا اور بُرے کاموں سے باز رہنا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۰۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب اور میری مجلس کے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق تم میں سب سے زیادہ اچھے ہوں گے اور قیامت کے دن میرے نزدیک تم میں سے زیادہ مبغوض اور میری مجلس سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہوگا جو متکبر ہوگا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸' تاریخ بغداد ج ۴ ص ۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن اخلاق کے متعلق احادیث اور آثار

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمام ادیان میں آپ کا دین عظیم ہے اور آپ کے دین سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دین محبوب اور پسند نہیں ہے۔

(۲) ہشام بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق بتایئے' حضرت عائشہ نے پوچھا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں' حضرت عائشہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الصلاۃ: ۱۳۹۔ باب: ۱۸۔ رقم الحدیث: ۷۴۶)

جن تمام چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' آپ ان پر عمل کرتے تھے اور جن تمام کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے آپ ان سے باز رہتے تھے اور آپ کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تصویر تھی' اگر آپ کی سیرت کو جامع مانع عبارت میں بیان کیا جائے تو وہ آیاتِ قرآن ہیں اور اگر قرآن مجید کی آیات کو انسانی پیکر میں ڈھالا جائے تو وہ پیکر مصطفیٰ ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" (المؤمنون: ۱) سے لے کر دس آیتیں پڑھیں اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق سب سے اچھا تھا' آپ کو صحابہ اور اہل بیت میں سے جو بھی بلاتا' آپ فرماتے: لبیک' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (القلم: ۴) بے شک آپ عظیم اخلاق پر فائز ہیں ○

جو بھی عمدہ اخلاق تھے' وہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے تھے' نیز آپ کے خلق کو اس لیے عظیم کہا گیا کہ آپ مکارمِ اخلاق کے جامع تھے۔ امام مالک نے روایت کیا ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ (موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۷۷)

(۴) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے میرے رب نے ادب سکھایا' سو اچھا ادب سکھایا۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۳۱۰' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۹۵)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی' آپ نے کبھی مجھ سے اُف نہیں کہا' اور میں نے جو کام کیا تو کبھی مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور میں نے جس کام کو ترک کیا تو کبھی مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اس کام کو کیوں ترک کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سب سے اچھے تھے اور کوئی ریشم آپ کے ہاتھوں سے زیادہ ملائم نہیں تھا' اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو سے بڑھ کر کسی مشک اور عطر کی خوشبو نہیں سونگھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۹۱۱۔ ۶۰۳۸۔ ۳۵۶۱۔ ۲۷۶۸۔ ۱۹۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۰۔ ۲۳۱۰۔ ۲۳۰۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۷۴۔ ۴۷۷۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۶' مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۵۔ ۱۷۴۔ ۱۲۴)

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ طبعاً فحش گفتار تھے نہ تکلفاً' اور نہ بازار میں بلند آواز سے باتیں کرتے تھے' اور نہ برائی کا جواب برائی سے دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۱۶' مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۶۔ ۲۳۶۔ ۱۷۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۳۰)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا' ماسوا جہاد فی سبیل اللہ کے' اور نہ آپ نے کبھی کسی خادم کو مارا اور نہ کسی عورت کو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۸' مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۱۔ ۲۲۹' مصنف

ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۶۸ ' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۶۸ ' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۷۵ ' شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۹ ' المعجم الصغیر ج ۲ ص ۱۹)

(۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی ظلم کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا' جب تک اللہ تعالیٰ کے محارم اور اس کی حدود میں سے کسی حد کو نہ توڑا جائے اور جب اللہ کے محارم میں کسی چیز کو پامال کیا جاتا تو آپ سب سے زیادہ غضب ناک ہوتے تھے' اور جب بھی آپ کو دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ اس کو اختیار کرتے جو زیادہ آسان ہو بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۸۵' مسند احمد ج ۶ ص ۸۵' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۷۹۴۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۳۷۵' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۲۵۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۴۱۰' الادب المفرد رقم الحدیث: ۲۷۴' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۴۸۱)

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی اجازت طلب کی' اس وقت میں بھی آپ کے پاس تھی' آپ نے فرمایا: یہ اپنے قبیلہ کا بُرا شخص ہے' پھر آپ نے اس کو اجازت دے دی' جب وہ آیا تو آپ نے اس سے بہت نرمی سے بات کی' جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اس شخص کے متعلق وہ فرمایا جو فرمایا تھا' پھر آپ نے اس سے بہت نرمی سے بات کی' آپ نے فرمایا: اے عائشہ! لوگوں میں سب سے بُرا شخص وہ ہے جس کو لوگ اس کی درشت کلامی (بدگفتاری) کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۹۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۹۶' الادب المفرد رقم الحدیث: ۱۳۱۱' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۲۹' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۳۵)

(۱۰) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ہم نشینوں کے ساتھ سیرت کے متعلق سوال کیا' تو انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت رہتی تھی' آپ بہت نرم مزاج تھے' آپ سے بات کرنا بہت سہل تھا' آپ بدمزاج اور سخت دل نہ تھے' نہ بدگفتار تھے' نہ لوگوں کے عیوب بیان کرتے تھے' نہ بخل کرتے تھے' فضول باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے' جو شخص آپ کے پاس کوئی امید لے کر آتا آپ اس کو مایوس نہیں کرتے تھے اور کسی کو نامراد نہیں کرتے تھے' آپ نے اپنے لیے تین چیزوں کو چھوڑ دیا تھا' آپ بحث و تکرار' زیادہ باتوں اور بے مقصد کاموں میں نہیں پڑتے تھے' اور آپ نے لوگوں کے لیے بھی تین چیزیں چھوڑ دی تھیں' آپ کسی شخص کی مذمت کرتے تھے اور نہ اس کا عیب نکالتے تھے' اور نہ کسی کی پوشیدہ چیز معلوم کرتے تھے' اور صرف اسی معاملہ میں بات کرتے تھے جس میں آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی' اور جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے ہم مجلس اس طرح اپنے سروں کو جھکا لیتے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں' اور جب آپ خاموش ہوتے تب وہ آپ سے کوئی بات کرتے تھے' اور وہ آپ کے سامنے کسی بات میں بحث نہیں کرتے تھے' اور جب کوئی شخص آپ سے بات کرتا تو سب اس کی بات ختم ہونے تک خاموش رہتے' جب آپ کے شرکائے مجلس ہنستے تو آپ ہنستے تھے اور جس چیز پر وہ تعجب کرتے آپ بھی اس پر تعجب کرتے تھے' جب کوئی اجنبی شخص سختی سے بات کرتا یا سوال کرتا تو آپ صبر کرتے تھے حتیٰ کہ اگر آپ کے اصحاب اس پر سختی کرتے تو آپ فرماتے: جب تم دیکھو کہ ضرورت مند اپنی حاجت کو طلب کر رہا ہے تو تم اس کے ساتھ نرمی کرو' آپ بغیر نوازش اور عطا کے اپنی تعریف کو قبول نہیں کرتے تھے' ہاں! آپ کسی کو کچھ عطا کرتے اور وہ آپ کی تعریف کرتا تو آپ قبول کر لیتے' آپ کسی کے کلام کو منقطع نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ وہ شخص حق سے تجاوز کرتا تو پھر اس کی بات کاٹ کر اس کو روکتے یا اٹھ جاتے۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۲)

(۱۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی شخص کے مانگنے پر ''نہیں'' نہیں فرمایا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۱' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۷' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۱۵)

(۱۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی بہت زیادہ سخاوت کرنے والے تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ رمضان کے مہینہ میں کرتے تھے حتیٰ کہ رمضان ختم ہو جاتا' آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آتے تھے' آپ ان کے ساتھ قرآن مجید کو دہراتے تھے اور جب حضرت جبریل آپ سے ملتے تو آپ برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۲۰۔۱۹۰۲۔۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۰۹۵' مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۱۰۱' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۸۸۹' حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۳۶۲)

(۱۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے (یہ ابتدائی دور کی بات ہے ورنہ جب فتوحات کی کثرت ہوئی تو آپ ازواجِ مطہرات کو ایک سال کا غلہ اور چھوارے فراہم کرتے تھے)۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۵۱)

(۱۴) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر سوال کیا کہ آپ اس کو کچھ عطا کریں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس اس وقت کوئی چیز نہیں ہے لیکن تم میری ضمانت پر خرید لو' میرے پاس مال آیا تو میں ادا کر دوں گا' حضرت عمر نے کہا: یارسول اللہ! آپ عطا کر چکے ہیں اور جس پر آپ قادر نہیں ہیں اس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکلف نہیں کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے قول کو ناپسند کیا' پھر انصار کے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! آپ خرچ کیجئے اور عرش والے سے مال میں کمی کا خوف نہ کریں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ کے چہرے سے خوشی ظاہر ہوئی' اور آپ نے فرمایا: مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔
(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۶' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶۶۴' کتاب العظمۃ ص ۵۳)

(۱۵) حضرت ربیع بنت معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں کا ایک خوشا اور کچھ ککڑیاں یا جو لے کر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں ہاتھوں میں زیورات اور سونا دیا۔
(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۷۔۲۰۴' مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۹' المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۲۷۳۔ رقم الحدیث: ۶۹۴)

(۱۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول کرتے تھے اور اس کے جواب میں ہدیہ دیتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۸۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۶' مسند احمد ج ۶ ص ۹۰' سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۸۰)

(۱۷) عمرۃ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: آپ ایک بشر تھے' اپنے کپڑے صاف کر لیتے تھے' بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے اور اپنے کام کرتے تھے۔
(شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳' الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۴۱' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۸۷۳' مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶)

(۱۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی مرمت کر لیتے تھے' اپنے کپڑے سی لیتے تھے اور جس طرح تم گھر کے کام کرتے ہو اسی طرح گھر کے کام کرتے تھے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۰۷' کتاب الزہد ج ۱ ص ۳۵' الادب المفرد رقم الحدیث: ۵۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۸۹' شرح السنہ رقم الحدیث: ۳۶۷۵' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۳۶۶)

(۱۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے ایک پائے کی دعوت بھی دی جائے تو میں اس کو قبول کرلوں گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۲۸'مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۹'صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۵۲۶۸ـ۱۰۶۵'سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۶۷)

(۲۰) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں تھا اور وہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کو علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۷۵۴'مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲'مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۳۷۸۴'الادب المفرد رقم الحدیث:۹۴۶)

(۲۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی اور پرانے گھی کی دعوت دی جاتی تو آپ اس کو قبول فرمالیتے' اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی اور آپ اس کو تاحیات چھڑا نہیں سکے۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث:۳۳۴'مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۴۰۰۸'مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۲'صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۶۹'سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۲۱۵'سنن نسائی رقم الحدیث:۴۶۱۰'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۴۳۷'مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳)

(۲۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: مجھے آپ سے کام ہے' آپ نے فرمایا: تم مدینہ کے جس راستہ میں چاہو بیٹھ جاؤ' میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۱۸'صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۲۶'مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۵ـ ۹۸'مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۳۴۷۲)

(۲۳) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی' تو آپ مجھے بلواتے اور میں آ کر وحی لکھتا اور ہم جب دنیا کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر کرتے' اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر کرتے اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر کرتے۔ (شمائل ترمذی رقم الحدیث:۳۴۴'المعجم الکبیر رقم الحدیث:۴۸۸۲'دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۲۴'شرح السنہ رقم الحدیث:۳۶۷۹)

(۲۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص تھا جس کے کپڑوں پر زعفران کے رنگ کے نشان تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے منہ پر ایسی بات نہیں کہتے تھے جو اس کو ناگوار ہو' آپ نے صحابہ سے فرمایا: تم اس شخص سے کہو کہ وہ ان نشانات کو دھولے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۸۲'مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۳'الادب المفرد رقم الحدیث:۴۳۷'مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث:۴۲۷۷)

(۲۵) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے اندر جاتے تھے تو آپ کے کیا معمولات تھے؟ انہوں نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں جاتے تھے تو آپ اپنے وقت کے تین حصے کرتے تھے' ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے' ایک حصہ گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اور ایک حصہ اپنی ذات کے لیے' پھر جو حصہ اپنی ذات کے لیے تھا اس کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرماتے' پس اپنے خصوصی فیوض کو خاص صحابہ کے وسیلہ سے عام مسلمانوں تک پہنچا دیتے اور ان سے کوئی چیز روک کر نہ رکھتے' اور جو وقت کا حصہ امت کے لیے تھا' اس میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اصحاب فضیلت کو گھر میں آ کر ملاقات کرنے کی اجازت دیتے اور ان کی دینی فضیلت کی ترتیب کے اعتبار سے ان پر وقت کو تقسیم کرتے' ان میں سے کسی کو ایک چیز کی ضرورت ہوتی' کسی کو دو چیزوں کی ضرورت ہوتی اور کسی کی بہت ضروریات ہوتیں' آپ ان کی ضروریات پوری کرنے میں مشغول ہوتے' اور ان کو ان کی اپنی اور باقی امت کی اصلاح کے کاموں میں مصروف رکھتے اور ان سے ان کے مسائل معلوم کرتے' اور ان کے حسب حال ان کو ہدایات دیتے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: تم میں سے حاضر' غائب تک یہ ہدایات پہنچا دے اور تم میرے پاس ایسے شخص کی حاجت بھی پہنچا دیا کرو جو اپنی حاجت خود

نہیں پہنچا سکتا' کیونکہ جو شخص کسی ایسے انسان کی حاجات صاحب اختیار تک پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ثابت قدم رکھے گا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی ہی چیزوں کا ذکر کیا جاتا تھا' اس کے علاوہ اور کسی (فضول) بات کو آپ قبول نہیں کرتے تھے' مسلمان آپ کے پاس علم کی طلب لے کر آتے تھے اور جب واپس جاتے تھے تو علم کا ذائقہ چکھ چکے ہوتے تھے اور نیکی کے رہ نما بن چکے ہوتے تھے' پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: گھر سے باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معمولات تھے؟ حضرت علی نے بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف بامقصد کلام کرتے تھے' صحابہ کی تالیف کرتے تھے اور ان سے انسیت رکھتے تھے' ان کو متنفر نہیں کرتے تھے' آپ ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم کرتے اور اس کو اس کی قوم کا حاکم بنا دیتے' آپ لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈراتے اور لوگوں کے شر سے خود کو محفوظ رکھتے' اپنے اصحاب کے حالات کی تفتیش کرتے اور یہ معلوم کرتے کہ عام لوگ کس حال میں ہیں' اچھی چیز کی تحسین اور تقویت کرتے اور بُری چیز کی مذمت کرتے اور اس کو کم زور کرتے' آپ ہمیشہ میانہ روی سے کام لیتے اور مسلمانوں کے احوال سے غافل نہ رہتے' مبادا وہ غافل اور سست ہو جائیں یا اکتا جائیں' ہر حالت کے لیے آپ کے پاس مکمل تیاری ہوتی' آپ حق بات میں تقصیر کرتے نہ تجاوز کرتے' مسلمانوں میں سے بہترین لوگ آپ کے ہم مجلس ہوتے' جو شخص لوگوں کا زیادہ خیر خواہ ہوتا وہ آپ کے نزدیک افضل ہوتا' اور جو شخص لوگوں کے ساتھ زیادہ نیکی کرتا اور ان سے اچھا سلوک کرتا وہ آپ کے نزدیک بڑے درجہ والا ہوتا' حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کی مجلس کیسی ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نشست برخواست کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے' جب آپ کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جس جگہ مجلس ختم ہوتی تھی وہاں بیٹھ جاتے تھے' اور مسلمانوں کو بھی اسی بات کا حکم دیتے تھے' اور اپنے ہم نشینوں میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ دیتے تھے' اور آپ کا کوئی ہم نشین یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی اور شخص آپ کے نزدیک اس سے زیادہ معزز ہے' جب کوئی شخص آپ کے پاس بیٹھتا یا آپ سے گفتگو کرتا تو جب تک وہ خود نہ چلا جاتا آپ بیٹھے رہتے اور جو شخص آپ کے پاس اپنی حاجت پیش کرتا آپ اس کی حاجت پوری فرماتے یا نرمی سے عذر بیان کرتے' آپ کی خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سب لوگوں کے لیے عام تھی' آپ سب مسلمانوں کے لیے بہ منزلہ باپ تھے اور آپ کی مجلس میں آپ کے نزدیک سب لوگوں کے حقوق یکساں تھے' آپ کی مجلس علم' حیا' صبر اور امانت کی مجلس ہوتی تھی' اس میں نہ آوازیں بلند ہوتی تھیں اور نہ کسی پر عیب لگایا جاتا تھا' اگر بالفرض کسی سے غلطی ہو جائے تو اس کو آشکارا نہیں کیا جاتا تھا' آپ کے نزدیک تمام مجلس والے برابر تھے' بلکہ ان کو تقویٰ کی وجہ سے دوسروں پر برتری حاصل ہوتی تھی' وہ سب منکسر اور متواضع تھے' مجلس میں بڑوں کی تعظیم کرتے تھے اور چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے' ضرورت مندوں کے لیے ایثار کرتے تھے اور مسافر کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۷۵۴' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۲' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۳۷۸۴' الادب المفرد رقم الحدیث:۹۴۶)

(۲۶) حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر لے کر آئی جس کے کناروں پر بنائی کی ہوئی تھی' اس نے کہا: میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ میں آپ کو پہناؤں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر کی ضرورت تھی' آپ نے اس عورت سے وہ چادر لے لی' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بہ طور تہ بند باندھ کر آئے' ایک شخص نے اس چادر کی تحسین کی اور کہا: یہ بہت اچھی چادر ہے آپ یہ چادر مجھے دے دیں' مسلمانوں نے اس شخص سے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے اس چادر کو پہنا تھا' پھر تم نے آپ سے

وہ چادر مانگ لی' حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں کرتے' اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لیے یہ چادر نہیں مانگی' میں نے تو اپنا کفن بنانے کے لیے یہ چادر مانگی ہے' حضرت سہل نے کہا: پھر وہ چادر اس کا کفن بن گئی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۷)

(۲۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نے مسجد میں پیشاب کر دیا' لوگ اس کو مارنے کے لیے جھپٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک یا دو ڈول پانی بہادو' کیونکہ تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو' مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۱۲۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴)

(۲۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: السام علیکم (تم پر موت آئے)' حضرت عائشہ نے کہا: تم پر موت آئے' اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب ہو۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! رک جاؤ' تم نرمی کو لازم رکھو اور تم موجب عار باتوں اور بدکلامی سے اجتناب کرو۔ حضرت عائشہ نے کہا: کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا تھا؟ آپ نے فرمایا: میں نے ان کی بات ان پر لوٹا دی تھی اور ان کے متعلق میری دعا قبول ہوگی اور میرے متعلق ان کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۶۵)

(۲۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی وہاں لے جاتی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۷۲)

(۳۰) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو وہ بھی آپ کے ساتھ واپس آ گئے' ایک وادی جس میں بہت زیادہ درخت تھے وہاں سب کو نیند آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہر گئے' اور لوگ منتشر ہو کر درختوں کے سائے میں آرام کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے اترے' اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی' اور ہم لوگ سو گئے۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بلا رہے تھے' اور اس وقت وہ اعرابی آپ کے پاس کھڑا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو اس اعرابی نے مجھ پر تلوار سونت لی' میں بیدار ہوا تو وہ برہنہ تلوار لیے ہوئے کھڑا تھا' اس نے کہا: تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے تین بار کہا: اللہ! آپ نے اس کو سزا نہیں دی اور بیٹھ گئے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۴۳)

(۳۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ کے پاس الاقرع بن حابس تمیمی بھی بیٹھا ہوا تھا' اس نے کہا: میرے دس بیٹے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: جو شخص کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۱۸)

(۳۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ سے کوئی حاجت طلب کی جاتی تو آپ فرماتے: تم (اس کی) سفارش کرو' تم کو اجر دیا جائے گا اور اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۳۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۲۷)

(۳۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا' آپ کے اوپر ایک نجرانی

چادر تھی جس کے کنارے سخت موٹے تھے' ایک اعرابی نے اس چادر کو پکڑ کر سختی کے ساتھ کھینچا' میں نے دیکھا کہ اس چادر کو سختی کے ساتھ کھینچنے کی وجہ سے آپ کے کندھے پر نشان پڑ گئے تھے' پھر اس اعرابی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا' آپ ہنسے' پھر آپ نے اس کو کچھ عطا کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۷)

(۳۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی' اگر آپ کو کوئی چیز پسند ہوتی تو آپ اس کو کھا لیتے ورنہ اس کو چھوڑ دیتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۶۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ کسی بیوی کو نہ کسی خادم کو سوا اس کے کہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے اور جب بھی کسی شخص نے آپ کو تکلیف پہنچائی تو آپ نے اس سے انتقام نہیں لیا۔ ہاں! اگر اللہ کی حرمات اور اس کی حدود کو کسی نے پامال کیا تو آپ اللہ عزوجل کے لیے انتقام لیتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۲۸)

(۳۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ پر جنگ اُحد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آیا تھا؟ آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری قوم کی طرف سے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں' وہ اٹھائی ہیں' اور سب سے زیادہ تکلیف یوم عقبہ (جس دن آپ نے طائف کی گھاٹیوں میں جا کر تبلیغ کی تھی) کو اٹھائی تھی' اس دن میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا' میں جو کچھ چاہتا تھا اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا' پھر میں انتہائی افسردگی کے ساتھ چل پڑا' میں اس وقت قرن الثعالب میں تھا اور میرا غم ابھی دور نہیں ہوا تھا' میں نے سر اوپر اٹھایا تو ایک بادل نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہاں پر حضرت جبریل تھے' انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: بے شک اللہ نے سن لیا ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو کیا پیغام سنایا اور انہوں نے آپ کو کیا جواب دیا' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے' تاکہ آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں' پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا' پھر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! اگر آپ چاہیں تو میں ان لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالوں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں گے' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۰۶' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۴۷)

(۳۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۹' الادب المفرد رقم الحدیث: ۳۲۷' شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۲۴۰)

(۳۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مزاح بھی کرتا ہوں لیکن میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔ (مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۳۰۱' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

(۳۸) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی یا آپ وعظ فرماتے تو ہم دل میں کہتے کہ اب آپ لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں گے اور جب آپ سے یہ کیفیت دور ہو جاتی تو میں دیکھتا کہ آپ

سب لوگوں سے زیادہ کشادہ رو سب سے زیادہ خوش طبع اور سب سے زیادہ حسین لگتے۔
(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۷۷، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۲)

(۳۹) حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں کنواری لڑکی کے چہرے سے زیادہ شرم و حیاء ہوتی تھی اور جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی تو ہم آپ کے چہرے سے جان لیتے تھے۔
(المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۲۰۶، حافظ الہیثمی نے کہا: امام طبرانی نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، ان میں سے ایک سند صحیح ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۰۵)

(۴۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میرے اوپر آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا، جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی پر نازل ہوگا اور وہ اسرافیل ہیں اور ان کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تھے، انہوں نے کہا: **السلام علیک یا محمد!** میں آپ کے پاس آپ کے رب کا پیغام لانے والا ہوں، مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو یہ اختیار دوں کہ آپ چاہیں تو نبی اور عبد رہیں، اور اگر آپ چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہو جائیں، میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا، انہوں نے تواضع کرنے کا اشارہ کیا، پس اس وقت نبی علیہ السلام نے کہا: اگر میں نبی بادشاہ کہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔
(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۳۰۹، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں یحییٰ بن عبداللہ البابلتی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۱۱)

(۴۱) حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا کپکپا رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم آرام اور اطمینان سے کھڑے رہو، کیونکہ میں بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت سکھا کر کھاتی تھی۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۲۸۲، المستدرک ج ۲ ص ۴۶۶، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آدھی رات کے وقت بھی جو کی روٹی کھانے کے لیے بلاتا تھا تو آپ چلے جاتے تھے۔
(المعجم الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۱، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۲۵۱، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۱)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ چارزانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۴۹۸، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں محمد بن عثمان القرشی ضعیف راوی ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۲۳)

(۴۲) حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، میں آپ کی جوتی کو ٹھیک کرنے لگا، آپ نے میرے ہاتھ سے جوتی لے لی اور فرمایا: یہ خود پسندی اور خود کو دوسرے پر ترجیح دینا ہے اور میں خود پسندی کو پسند نہیں کرتا۔
(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۴۶۸، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے، مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۴۲۳۲)

(۴۳) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے جس نے ان کو تھکا دیا تھا (یعنی وہ تیز نہیں چل رہا تھا)، حضرت جابر نے اُسے چھوڑنے کا ارادہ کیا، وہ کہتے ہیں: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آملے، آپ نے مجھے بلایا اور اُس اونٹ پر ایک ضرب لگائی، پھر وہ اس قدر تیز چلنے لگا کہ اس کی طرح کوئی اونٹ نہیں چل

رہا تھا' آپ نے فرمایا: مجھے یہ اونٹ چالیس دراہم کے عوض فروخت کر دو۔ میں نے کہا: نہیں! (یعنی آپ بلا قیمت لے لیں)۔ آپ نے پھر فرمایا کہ مجھے فروخت کر دو تو میں نے چالیس دراہم کے عوض اس کو آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا اور میں نے اُس پر سوار ہو کر مدینہ اپنے گھر تک جانے کا استثناء کر لیا' پس جب میں اپنے گھر پہنچ گیا تو آپ کے پاس اونٹ لے آیا' آپ نے مجھے اس کی نقد قیمت ادا کر دی اور ایک قیراط زیادہ دی' پھر آپ نے کسی کو بھیج کر مجھے بلوایا اور فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اونٹ خریدنے کے لیے تمہیں قیمت کم دی ہے؟ جاؤ! یہ اونٹ لے جاؤ اور یہ دراہم بھی لے جاؤ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۱۵)

(۴۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان کی بکریاں مانگیں' آپ نے اس کو وہ بکریاں عطا کر دیں پھر وہ اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا: اے میری قوم! اسلام لے آؤ' کیونکہ خدا کی قسم! بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ فقر و غربت کا خدشہ نہیں رہتا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۱۲)

(۴۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی سے زیادہ حیاء فرمانے والے تھے' جب آپ کو کوئی چیز ناپسند ہوتی تو ہم آپ کے چہرہ سے جان لیتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسنِ اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کسی سے اپنی ذات کا بدلہ نہیں لیتے تھے اور زیادتی کرنے والوں سے درگذر فرماتے تھے بلکہ جان کے دشمنوں کو بھی معاف کر دیتے' ہم آپ کی سیرت سے چند ایسی مثالیں بیان کر رہے ہیں۔

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانا

(۴۶) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی ابن سلول فوت ہو گیا تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں دوڑ کر آپ کے پاس گیا' میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ ابن ابی کی نمازِ جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ حالانکہ اس نے فلاں دن یہ اور یہ کہا تھا (کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے اور یہ کہا تھا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں جب تک وہ آپ کا ساتھ چھوڑ نہ دیں اس وقت تک ان پر خرچ نہ کرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی' جس سے آپ کو سخت رنج پہنچا تھا اور آپ سے کہا تھا کہ اپنی سواری دور کرو مجھے اس سے بدبو آتی ہے' جنگ احد میں عین لڑائی کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے نکل گیا) میں آپ کو یہ تمام باتیں گنواتا رہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرما کر کہا: اپنی رائے کو رہنے دو۔ جب میں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اختیار دیا گیا ہے (کہ استغفار کرو یا نہ کرو) سو میں نے (استغفار کرنے کو) اختیار کر لیا' اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اگر میں نے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا' حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ الحدیث

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۴۔ رقم الحدیث:۱۳۶۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

(۴۷) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:
قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میری قمیص اور اس پر میری نمازِ جنازہ اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی اور بے شک مجھے یہ امید ہے کہ میرے اس عمل سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۱۴۲، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ)
سو آپ کی اس نرمی اور حسنِ اخلاق کو دیکھ کر عبد اللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے۔

فتح مکہ کے بعد ابوسفیان اور ہند کو معاف کر دینا

(۴۸) امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المتوفی ۶۳۰ھ بیان کرتے ہیں:
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو ابوسفیان بن الحارث اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی، ابوسفیان نے کہا: اگر مجھے باریاب ہونے کی اجازت نہیں ملی تو میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر زمین میں نکل جاؤں گا اور بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ کا دل نرم ہو گیا اور آپ نے ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی نے ابوسفیان سے کہا: تم حضور کے سامنے کی طرف سے جانا اور آپ سے وہی کہنا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف سے کہا تھا: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بے شک ہم ہی قصوروار تھے، انہوں نے اسی طرح کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے، آپ نے ان کو قریب بٹھایا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ابوسفیان نے اپنی پچھلی تمام زیادتیوں پر معافی مانگی، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسفیان فخر کو پسند کرتا ہے، اس کو کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس کی وجہ سے یہ اپنی قوم میں فخر کرے، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جو شخص مسجد میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔
(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۶۶-۱۶۴، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت)

(۴۹) جب آپ کے سامنے ہند کو پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا یہ ہند ہے؟ ہند نے کہا: میں ہند ہوں، اللہ آپ کو معاف فرمائے، آپ میری پچھلی باتوں کو معاف کر دیجئے، ہند کے ساتھ اور بھی عورتیں تھیں۔ آپ نے ان سے عہد لیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، بدکاری نہیں کریں گی، اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کسی بے قصور پر بہتان نہیں باندھیں گی، کسی نیک کام میں حضور کی نافرمانی نہیں کریں گی، پھر آپ نے حضرت عمر سے فرمایا: ان سے بیعت لو اور ان سب کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۷۲-۱۷۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ، بیروت)
ابوسفیان نے متعدد بار مدینے پر حملے کیے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں پیش پیش رہا تھا، آپ نے ابوسفیان پر قابو پانے کے بعد اس کو معاف کر دیا، ہند نے آپ کے محبوب چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا، مکہ فتح کرنے کے بعد آپ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔

فتح مکہ کے بعد صفوان بن امیہ کو معاف کر دینا

(۵۰) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ (یہی وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے عمیر بن وہب کو مدینہ بھیجا تھا) جدہ جانے کے لیے مکہ سے نکلا تا کہ جدہ سے یمن چلا جائے' حضرت عمیر بن وہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ آپ کے خوف سے بھاگ رہا ہے تا کہ اپنے آپ کو سمندر میں گرا دے' آپ اس کو امان دے دیجئے' آپ نے فرمایا: اس کو امان ہے' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! مجھ کو کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے اس کو امان دے دی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا وہ عمامہ عطا فرمایا جس کو پہن کر آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے' حضرت عمیر وہ عمامہ لے کر گئے اور ان کو جدہ میں پا لیا' اس وقت وہ جہاز میں سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے' انہوں نے کہا: اے صفوان! اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے بجائے اپنے دل میں اللہ کو یاد کرو' دیکھو یہ امان ہے جو میں تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آیا ہوں' صفوان نے کہا: تم چلے جاؤ' حضرت عمیر نے کہا: اے صفوان! وہ سب سے زیادہ افضل' سب سے زیادہ نیک' سب سے زیادہ حلیم اور سب سے اچھے ہیں' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کو حضور کے پاس لے آئے' صفوان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اس کا یہ کہنا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے' آپ نے فرمایا: اس نے سچ کہا' صفوان نے کہا: مجھے اسلام لانے کے لیے دو ماہ کی مہلت دیجئے' آپ نے فرمایا: میں تمہیں چار ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۶ص ۳۳۹۔۳۳۸' مطبوعہ بیروت' کتاب المغازی للواقدی ج ۲ص ۸۵۳' الکامل لابن الاثیر ج ۲ص ۱۶۸' البدایہ والنہایہ ج ۴ص ۳۰۸)

فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کر دینا

(۵۱) امام ابن اثیر شیبانی متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

عکرمہ بن ابی جہل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے' آپ سے عداوت رکھنے اور آپ کے خلاف جنگوں میں پیسہ صرف کرنے میں اپنے باپ کی مثل تھا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا تو اس کو اپنی جان کا خوف ہوا اور وہ یمن کی طرف بھاگ گیا' لیکن اس کی بیوی ام حکیم بنت الحارث مسلمان ہو گئیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عکرمہ کے لیے امان طلب کی' اور اپنے ساتھ ایک رومی غلام لے کر اس کو ڈھونڈنے نکلیں' انہوں نے عرب کے بعض قبیلوں کی مدد سے عکرمہ کو پا لیا' اس وقت عکرمہ سمندر کے سفر کا ارادہ کر رہے تھے' ام حکیم نے کہا: میں تمہارے پاس اس شخص کے ہاں سے آئی ہوں' جو لوگوں میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں' سب سے زیادہ حلیم ہیں اور سب سے زیادہ کریم ہیں' اور انہوں نے تم کو امان دے دی ہے' جب عکرمہ رسول اللہ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے' پھر عکرمہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ وہ اس کے لیے استغفار کریں پھر آپ نے ان کے لیے استغفار کیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ص ۱۶۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۵۲) امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

جب عکرمہ کشتی میں سوار ہوئے تو سخت تیز ہوا چلی' انہوں نے اس وقت لات اور عزیٰ کو پکارا' کشتی والوں نے کہا: اس موقع پر اخلاص کے ساتھ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کو پکارا جائے اور کسی کو پکارنا جائز نہیں' عکرمہ نے سوچا: اگر سمندر میں

صرف اسی کی الوہیت ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر خشکی میں بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر دل میں عہد کیا کہ وہ ضرور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر رجوع کریں گے' سو انہوں نے آپ کے پاس جا کر آپ سے بیعت کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷ص ۱۳۴)

فتح مکہ کے بعد (طائف میں) وحشی کو معاف کر دینا

وحشی بن حرب' جبیر بن مطعم کے غلام تھے' ایک قول یہ ہے کہ بنت الحارث بن عامر کے غلام تھے' حارث بن عامر کی بیٹی نے ان سے کہا: میرا باپ جنگ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا' اگر تم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)' حمزہ یا علی بن ابی طالب ان تینوں میں سے کسی ایک کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو' جنگ احد میں وحشی نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا اور اس قتل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت اذیت پہنچی تھی' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو یہ جان کے خوف سے طائف بھاگ کر چلے گئے تھے' پھر ایک وفد کے ساتھ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور کلمہ پڑھ لیا' حافظ ابن عساکر نے ان کے اسلام قبول کرنے کا بہت تاثر انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔

(۵۳) حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور ان کو اسلام کی دعوت دی' وحشی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ مجھے کس طرح اپنے دین کی دعوت دے رہے ہیں حالانکہ میں نے شرک کیا ہے' قتل کیا ہے اور زنا کیا ہے اور آپ یہ پڑھتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ (الفرقان: ۶۹-۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ (مثلاً قصاص میں) اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کرے گا وہ سزا پائے گا ۝ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا ۝

جب وحشی نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل کر دی:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الفرقان: ۷۰)

لیکن جو (موت سے پہلے) توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو اللہ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

وحشی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ بہت سخت شرط ہے کیونکہ اس میں ایمان لانے سے پہلے کے گناہوں کا ذکر ہے' ہو سکتا ہے مجھ سے ایمان لانے کے بعد گناہ ہو جائیں تو پھر ایمان لانے کے بعد اگر میری بخشش نہ ہو تو پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ۔

تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو نہیں بخشتا' اور اس کے علاوہ جو گناہ ہو اسے جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

وحشی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس آیت میں تو مغفرت اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے' ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے بخشنا نہ چاہے' پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ' تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے کہ اے میرے بندو! جو اپنی جانوں پر زیادتیاں کر چکے ہو' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

وحشی نے کہا: اب مجھے اطمینان ہوا' پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا' صحابہ نے پوچھا: یہ بشارت آیا صرف وحشی کے لیے ہے یا سب کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: سب کے لیے ہے۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ وحشی امان طلب کر کے آیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام قبول کرنے کے متعلق یہی شرائط پیش کیں اور آپ نے یہی جوابات دیئے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۲۶۳۔۲۶۲' مطبوعہ دارالفکر' بیروت)

غور فرمایئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی ایک ایک شرط پوری کر کے اور اس کا ایک ایک ناز اٹھا کر اس کو کلمہ پڑھا رہے ہیں اور جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں جو آپ کے انتہائی عزیز چچا کا قاتل تھا' اگر کوئی شخص ہمارے کسی عزیز رشتہ دار کو قتل کر کے ہم سے دنیا کی کسی جگہ کا راستہ پوچھے تو ہم اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے تو ان کے ظرف کی عظمت کا کیا کہنا جو ایسے شخص کا ایک ایک نخرہ پورا کر کے اسے جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں۔

ہبار بن الاسود کو معاف کر دینا

(۵۴) امام محمد بن عمر واقدی متوفی ۲۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

ہبار بن اسود کا جرم یہ تھا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا کو پشت میں نیزہ مارا تھا' اس وقت وہ حاملہ تھیں' وہ گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا' جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ہبار بن اسود آ گیا' وہ بہت فصیح اللسان تھا' اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جس نے آپ کو بُرا کہا اس کو بُرا کہا گیا۔ میں آپ کے پاس اسلام کا اقرار کرنے آیا ہوں' پھر اس نے کلمۂ شہادت پڑھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اسلام قبول کر لیا' اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز سلمہ آئیں اور انہوں نے ہبار سے کہا: اللہ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے تو وہی ہے جس نے فلاں کام کیا تھا اور فلاں کام کیا تھا' آپ نے فرمایا: اسلام نے ان تمام کاموں کو مٹا دیا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بُرا کہنے اور اس کے پچھلے کام گنوانے سے منع فرمایا۔

(کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۸۔۸۵۷' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت)

منافقوں اور دیہاتیوں سے درگزر کرنا

(۵۵) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم کیا۔ انصار میں سے ایک شخص نے کہا: خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس تقسیم سے اللہ کی رضا جوئی کا ارادہ نہیں کیا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس بات کی خبر دی' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے' ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی اور انہوں نے اس پر صبر کیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۳ ص ۸۹۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام واقدی متوفی ۲۰۷ھ نے بیان کیا ہے کہ اس شخص کا نام معتب بن قشیر تھا اور یہ منافق تھا' اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر خیر خواہی کی نیت سے کسی شخص سے اس کے متعلق کہا ہوا قول بیان کیا جائے کہ فلاں شخص آپ کے متعلق یہ کہہ رہا تھا' تو یہ چغلی نہیں ہے اور نہ ممنوع ہے' ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے: تم چغلی کیوں کر رہے ہو؟ چغلی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص فساد ڈالنے اور دو آدمیوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی نیت سے ایک کی بات دوسرے شخص تک پہنچاتا ہے' اور اس حدیث میں آپ کی نرمی اور ملائمت کا بیان بالکل واضح ہے۔

(۵۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا' اس وقت آپ ایک نجرانی (یمنی) چادر اوڑھے ہوئے تھے' راستہ میں ایک اعرابی (دیہاتی) ملا' اس نے بہت زور سے آپ کی چادر کھینچی' حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کندھوں کے درمیان چادر کا نشان پڑ گیا تھا' پھر اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے' پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔

(کتاب المغازی ج ۲ ص ۹۰۰' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی' حسن اخلاق اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے کا واضح بیان ہے۔

''وانك لعلى خلق عظيم'' میں امام رازی کی نکتہ آفرینیاں

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

خُلق ملکہ نفسانیہ (طبعی مہارت) ہے' جس کی وجہ سے انسان کے لیے نیک کام کرنا آسان ہو جاتا ہے' حسن خلق میں بخل' حرص اور غضب سے اجتناب کرنا داخل ہے' اسی طرح معاملات میں سختی سے احتراز کرنا بھی اس میں داخل ہے' اور اپنے قول اور فعل سے لوگوں کو مانوس کرنا بھی اس میں داخل ہے' اور لوگوں سے قطع تعلق کو ترک کرنا اور خرید و فروخت اور دیگر معاملات میں لوگوں کے حقوق سے سستی کرنا اور نسبی اور سسرالی حقوق کی ادائیگی میں کمی کرنے کو ترک کرنا بھی حسن اخلاق میں داخل ہے۔

انسان کو خلق دو قوتوں سے حاصل ہوتا ہے: قوتِ علمیہ اور قوتِ عملیہ' آپ کی قوت علمیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء: ۱۱۳)

اور آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم عطا کر دیا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے ۝

اور قوتِ عملیہ کے متعلق فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم: ۴)

اور بے شک آپ ضرور عظیم اخلاق پر فائز ہیں ۝

ان دو قوتوں کے کامل ہونے کے بعد انسان کو اپنے کمال کے لیے اور کسی قوت کی ضرورت نہیں ہے' سو آپ کا علم بھی عظیم ہے اور آپ کا خلق بھی عظیم ہے' پس آپ کی روح مقدس تمام ارواحِ بشریہ میں سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل ہے۔

نیز امام رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کا خلق عظیم ہے' اس میں ان کفار کا رد ہے جنہوں نے آپ کو مجنون کہا تھا کیونکہ سب کو تسلیم تھا کہ آپ کے اخلاق سب سے عمدہ اور آپ کے افعال سب سے زیادہ پسندیدہ تھے' الصادق الامین آپ ہی کا لقب تھا اور مجنون تو بے عقل ہوتا ہے' اس کے اقوال باطل اور افعال پراگندہ ہوتے ہیں' سو آپ مجنون نہیں ہو سکتے۔

دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ آپ کا خلق اس لیے عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے:

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ ان (سابق نبیوں اور رسولوں) کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو آپ ان کی ہدایت کی پیروی کیجئے۔ (الانعام:۹۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس ہدایت کی پیروی کا حکم دیا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہے کیونکہ یہ تقلید ہے اور تقلید کرنا رسول کے لائق نہیں ہے اور نہ ہی اس سے مراد احکام شرعیہ ہیں کیونکہ آپ کی شریعت تمام انبیاء سابقین کی شریعت سے جدا ہے پس متعین ہو گیا کہ اس ہدایت سے مراد اصول اور فروع نہیں ہیں بلکہ آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ انبیاء سابقین کے خلق کریم کی پیروی کیجئے اور ان میں سے ہر نبی کسی ایک خلق کریم کے ساتھ خاص تھا' مثلاً حضرت ابراہیم صدق کے ساتھ خاص تھے' حضرت ایوب صبر کے ساتھ خاص تھے' حضرت یوسف علیہ السلام عفت کے ساتھ خاص تھے' سو آپ کو حکم دیا کہ یہ اخلاقِ کریمہ جو تمام انبیاء سابقین میں متفرق ہیں' آپ ان تمام اخلاق کو اپنے اندر جمع کر لیجئے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں جو فرداً فرداً کمالات اور اخلاق ہائے کریمہ پائے جاتے ہیں وہ تمام اخلاق تنہا آپ اپنی ذات میں جمع کر لیں' سو اس لیے آپ کا خلق عظیم ہے۔ آپ میں جو محاسن اخلاق پائے جاتے ہیں وہ بمنزلہ متن متین ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام میں فرداً فرداً جو کمالات پائے جاتے ہیں وہ بمنزلہ شرح جمیل ہیں ؎

(حسن یوسف' دم عیسیٰ' ید بیضاء داری آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری)

اور اس آیت میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" (القلم:۴) اور "عَلٰى" استعلاء کے لیے آتا ہے اور "عَلٰى" کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ان اخلاق پر مستعلی اور حاکم ہیں اور آپ کی نسبت اخلاقِ حسنہ کی طرف ایسے ہے جیسے مولیٰ کی نسبت غلام کی طرف اور امیر کی نسبت مامور کی طرف ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۰۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

"وانك لعلى خلق عظيم" میں مصنف کی نکتہ آفرینی

میرے نزدیک اس نکتہ کی تشریح اور تقریر اس طرح ہے کہ عربی میں "عَلٰى" کا لفظ فوقیت اور بلندی کے لیے آتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: "فلان ركب على الفرس" "فلاں شخص گھوڑی پر سوار ہے" اور سواری سوار کے تابع ہوتی ہے' سوار جس طرف سواری کی باگیں موڑ دیتا ہے سواری اس طرف چل پڑتی ہے' سو اس آیت کا معنی ہے: آپ خلق کی عظمتوں پر فائق اور سوار ہیں' آپ جس طرف خُلق کی باگوں کو موڑ دیتے ہیں وہی خُلق عظیم ہو جاتا ہے۔

عام قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص کسی اچھے کام کو کرے وہ اچھا ہو جاتا ہے اور جو کسی عظیم کام کو کرے وہ عظیم ہو جاتا ہے اور یوں لوگ اپنے اچھے اور عظیم ہونے میں اچھائی اور عظمت کے تابع ہوتے ہیں لیکن آپ کا معاملہ اس طرح نہیں ہے' آپ اپنے عظیم ہونے میں خلق عظیم کے تابع نہیں ہیں بلکہ خلق عظیم اپنے عظیم ہونے میں آپ کے فعل کا تابع ہے' آپ سوار ہیں اور خلق عظیم سواری ہے' آپ جس فعل کو کر لیں وہی خلق عظیم ہے اور آپ جس فعل کو ترک کر دیں یا منع کر دیں وہ خلق خسیس ہے' دیکھئے! پہلے آپ نے نماز میں مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کیا تو وہ فعل عبادت ہو گیا اور جب آپ نے کعبہ کی طرف منہ کیا تو وہ فعل عبادت ہو گیا' جب آپ مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے اس وقت اگر کوئی کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا تو اس کا وہ فعل عبادت نہ ہوتا اور اب اگر کوئی مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس کا یہ فعل عبادت نہ ہوگا' معلوم ہوا کہ فی نفسہٖ نہ مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کرنے میں عظمت ہے نہ کعبہ کی طرف منہ کرنے میں عظمت ہے' عظمت تو آپ کے فعل میں ہے اور اس فعل کی اتباع اور اقتداء میں ہے' نیز دیکھئے کہ رمضان میں دن کو طعام نہ کھانا عبادت ہے اور عید کے دن طعام کو کھانا عبادت

ہے‘ اگر کوئی رمضان میں دن کے وقت بلا عذر شرعی طعام کھالے تو گناہ ہے اور عید کے دن طعام نہ کھائے تو گناہ ہے‘ معلوم ہوا کہ فی نفسہ طعام ترک کرنے میں عظمت ہے نہ طعام کھانے میں عظمت ہے‘ عظمت تو آپ کے فعل میں ہے‘ اسی طرح نماز پڑھنا عبادت ہے مگر اسی وقت نماز پڑھنا عبادت ہے‘ جس وقت میں آپ نے نماز پڑھی ہے‘ اگر کوئی شخص ان اوقات میں نماز پڑھے‘ جن اوقات میں آپ نے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے تو اس کا نماز پڑھنا گناہ ہے مثلاً طلوع آفتاب یا استواء آفتاب کے وقت۔ اسی طرح حج کرنا بھی عبادت ہے لیکن اسی دن حج کرنا عبادت ہے‘ جس دن آپ نے حج کیا ہے‘ اگر کوئی شخص اس سے ایک دن پہلے حج کرلے تو اس کا حج نہیں ہوگا‘ خرید و فروخت کرنا اور روزی کمانا مستحسن ہے لیکن اسی جگہ اور اسی وقت میں مستحسن ہے‘ جس جگہ اور جس وقت میں آپ نے خرید و فروخت کی ہے‘ اگر کوئی اس جگہ یا اس وقت میں خرید و فروخت کرے‘ جس جگہ اور جس وقت میں آپ نے منع کیا ہے‘ مثلاً مسجد میں یا نماز کے وقت خرید و فروخت کرے تو گناہ ہے‘ خلاصہ یہ ہے کہ فی نفسہٖ نہ نماز میں عظمت ہے‘ نہ روزہ میں‘ نہ حج میں نہ اور کسی عبادت میں‘ عظمت صرف ان عبادات میں ہے جن کو آپ کے طریقہ اور آپ کے فعل کے موافق انجام دیا جائے‘ اللہ تعالیٰ نے یونہی تو نہیں فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ. آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ کی محبت حاصل کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ (آل عمران: ۳۱)

ہر عبادت میں اصل چیز آپ کی اتباع اور آپ کی اقتداء ہے کیونکہ فی نفسہٖ کسی عبادت میں عظمت نہیں ہے‘ اس میں عظمت تب ہوگی جب اس عبادت کو آپ کے طریقہ پر انجام دیا جائے گا‘ اسی لیے آپ نے فرمایا:

صلوا کما رایتمونی اصلی. اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۱‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۸۹‘ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۷۹)

پس واضح ہوگیا کہ اس آیت میں ’’عَلٰی‘‘ ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ جس طرح سوار‘ سواری پر سوار ہوتا ہے‘ اس طرح آپ خلق کی عظمتوں پر سوار ہیں اور جس طرح سواری سوار کے تابع ہوتی ہے اس طرح خلق اپنے عظیم ہونے میں آپ کے تابع ہے‘ دوسرے لوگ نیک ہونے میں نیکی کے تابع ہوتے ہیں اور آپ اپنے نیک ہونے میں نیکی کے تابع نہیں ہیں‘ بلکہ نیکی‘ نیکی ہونے میں آپ کے فعل اور آپ کے خلق کے تابع ہے اور اسی معنی کو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر واضح کیا ہے: ’’وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ‘‘ (القلم: ۴)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے O کہ تم میں سے کون مجنون تھا O بے شک آپ کا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جاننے والا ہے O سو آپ مکذبین کی بات نہ مانیں O انہوں نے یہ چاہا کہ اگر آپ (دین میں) نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے O آپ بہت قسمیں کھانے والے‘ بے حد ذلیل آدمی کی بات نہ مانیں O جو بہت طعنے دینے والا اور چلتا پھرتا چغل خور ہے O نیکی سے بہت روکنے والا‘ حد سے متجاوز‘ سخت گنہ گار ہے O بہت بدخو‘ ان سب کے بعد نطفہ حرام ہے O وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا ہے O جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں O ہم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گے O (القلم: ۱۶۔۵)

آپ کے اور کفار کے عنقریب دیکھنے سے مراد آیا دنیا میں دیکھنا ہے یا آخرت میں؟

القلم: ۵ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب قیامت کے دن حق' باطل سے متمیز اور ممتاز ہو جائے گا تو اس وقت کفار بھی جان لیں گے کہ دنیا میں کون مجنون تھا اور کون فتنہ میں مبتلا تھا' اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا میں آپ کو علم نہیں تھا' یقیناً دنیا میں بھی آپ کو علم تھا لیکن قیامت کے دن جب آپ دیکھیں گے کہ آپ کو مجنون کہنے والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے تو آپ کو ان کی سزا کا مشاہدہ ہو جائے گا۔

بعض مفسرین نے کہا: یہ آیت دنیا کے احوال پر محمول ہے' یعنی عنقریب آپ بھی دنیا میں دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کو کیسی کامیابی' کامرانی اور سرفرازی عطا فرماتا ہے اور کس طرح لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت جاگزین ہوتی ہے اور خون بن کر ان کی رگوں میں دوڑنے لگتی ہے اور یہ کافر جو آپ کو مجنون کہتے ہیں' یہ بھی دیکھ لیں گے کہ جنگ بدر میں کس طرح ان کی گردنیں ماری جاتی ہیں اور پورے جزیرۂ عرب میں کفر ملیامیٹ ہو جاتا ہے اور اسلام کا پیغام گھر گھر پہنچ جاتا ہے۔

القلم: ۶ میں فرمایا کہ تم میں سے کون مجنون تھا O

یعنی عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ دونوں فرقوں میں سے کون سا فرقہ مجنون ہے' آیا اسلام کے فرقہ میں جنون ہے یا کفر کے فرقہ میں جنون ہے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ مفتون سے مراد شیطان ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کا دین فتنہ ہے اور جب کفار نے آپ کو مجنون کہا تو ان کی مراد یہ تھی کہ آپ کو جن چمٹا ہوا ہے اور اس کے اثر سے آپ مرنے کے بعد زندہ ہونے' حشر ونشر اور جنت اور دوزخ کی باتیں کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کر کے فرمایا: ان کو عنقریب کل قیامت کے دن معلوم ہو جائے کہ کس کو جن چمٹا ہوا ہے اور کس کی عقل فاسد ہے۔

القلم: ۷ میں فرمایا: بے شک آپ کا رب ہی خوب جاننے والا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک چکا ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جاننے والا ہے O

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ حقیقت میں مجنون ہیں ان کو آپ کا رب خوب جاننے والا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو سیدھی راہ سے بھٹک چکے ہیں اور وہی جاننے والا ہے کہ عقل والے کون لوگ ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے آپ پر جنون کی تہمت لگائی ہے اور خود کو عقل مند کہا ہے اور یہ اپنے اس قول میں جھوٹے ہیں اور حقیقت میں یہ گم راہ ہیں اور آپ ہدایت یافتہ ہیں۔

کفار کی اپنی مہم میں ناکامی اور آپ کی اپنے مشن میں کامیابی

القلم: ۸ میں فرمایا: سو آپ مکذبین کی بات نہ مانیں O

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ کفار نے آپ کی طرف جنون کی نسبت کر کے جھوٹ باندھا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ انعام فرمایا ہے کہ آپ کو دین بھی کامل عطا فرمایا اور آپ کو خلق بھی عظیم عطا فرمایا ہے' اور کافروں کی زبردست مخالفت کے باوجود آپ کا پیغام لوگوں میں دن بہ دن مقبول ہوتا جا رہا ہے اور کافروں کے پیہم ظلم وستم کے باوجود مسلمانوں کے دلوں میں آپ کی اور اسلام کی محبت بڑھتی جا رہی ہے سو آپ مکہ کے کافر سرداروں کی تکذیب اور مخالفت کا کوئی اثر نہ لیں۔

مداہنت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

القلم: ۹ میں فرمایا: انہوں نے یہ چاہا کہ اگر آپ (دین میں) نرمی کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں گے O
اس آیت میں ''تدھن'' کا لفظ ہے' اس کا لفظی معنی ہے: تم نرمی کرو یا ملائمت کرو' ''دھن'' کا معنی تیل اور چکنائی ہے' اصطلاح میں مداہنت کا معنی ہے: کسی خوف یا لالچ کی بناء پر حق بات کو چھپانا' اور مخالفین کے ساتھ نرمی سے پیش آنا' کفار کا مطلب یہ تھا کہ آپ بتوں کی مذمت نہ کریں اور شرک کا رد نہ کریں تو وہ بھی آپ کی مخالفت نہیں کریں گے۔

مداہنت جائز نہیں ہے اور مدارات جائز ہے' دنیاوی مفاد کی وجہ سے کفار اور فساق سے نرمی کرنا مداہنت ہے اور دینی مفاد کی وجہ سے کفار اور فساق سے نرمی کرنا مدارات ہے۔

القلم: ۱۱-۱۰ میں فرمایا: آپ بہت قسمیں کھانے والے' بے حد ذلیل کی بات نہ مانیں O جو بہت طعنے دینے والا اور چلتا پھرتا چغل خور ہے O

زیادہ قسم کھانے کی مذمت اور چغلی کھانے پر وعید

اس آیت میں ''حلاف'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: بہت زیادہ قسم کھانے والا' خواہ وہ معاملہ حق ہو یا باطل' بات بات پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا ناپسندیدہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ . — اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔

(البقرہ: ۲۲۴)

اور اس آیت میں ''مھین'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: حقیر اور ذلیل۔

یہاں مراد یہ ہے کہ جو شخص بہت زیادہ اللہ کی جھوٹی قسم کھاتا ہو' اور جو شخص جھوٹی قسم کھاتا ہو وہ لوگوں کے نزدیک حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور جو شخص بات بات پر اللہ کی قسم کھائے وہ بھی ذلیل ہوتا ہے کیونکہ اس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت نہیں ہے' کیونکہ اگر اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو وہ بات بات پر اللہ کی قسم کھا کر اللہ کو گواہ نہ بناتا اور جب کہ وہ جھوٹی قسم کھا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹ پر اللہ کو گواہ بنا رہا ہے اور جو شخص اللہ کو جھوٹ پر گواہ بنائے اس سے بڑھ کر ذلیل اور کون ہوگا۔

القلم: ۱۱ میں ''ھماز'' کا لفظ ہے' ''ھماز'' مبالغہ کا صیغہ ہے' اس کا معنی ہے: بہ طور طعن آنکھ سے اشارہ کرنے والا' کسی کا عیب بیان کرنے والا' کسی کو طعنہ دینے والا۔

اور اس آیت میں ''مشاء بنمیم'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چلتے پھرتے چغلی کھانے والا۔

چغلی کا معنی ہے: فساد ڈالنے کے لیے ایک فریق کی بات دوسرے فریق تک پہنچانا' چغلی کھانے پر احادیث میں سخت وعید ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جنت میں چغل خور نہیں جائے گا۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان: ۱۰۵۔ باب: ۴۵' مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۴۸' دار الفکر)

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب یہ دکھائی دیں تو اللہ عزوجل کی یاد آئے' پھر فرمایا: کیا میں تم کو یہ نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بدتر لوگ کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو چلتے پھرتے چغلی کرتے

ہیں‘ دوستوں کے درمیان پھوٹ ڈالتے ہیں اور بے قصور لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۹ قدیم‘ مسند احمد ج ۴۵ ص ۵۷۵ جدید‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۹‘ المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۴۲۳‘ شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۱۰۷)

القلم: ۱۳۔۱۲ میں فرمایا: نیکی سے بہت روکنے والا‘ حد سے متجاوز‘ سخت گنہ گار ہے O بہت بدخو‘ ان سب کے بعد نطفہ حرام ہے O

نیکی سے روکنے اور ”عتل“ اور ”زنیم“ کا معنی

نیکی سے روکنے سے یہ مراد ہے کہ وہ نیک کاموں میں مال خرچ کرنے سے روکتا ہے‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ شخص اپنی اولاد اور اپنے رشتہ داروں کو اسلام لانے سے روکتا تھا‘ حسن نے کہا: وہ کہتا تھا: تم میں سے جو شخص (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں داخل ہوا‘ میں اس کو کوئی نفع نہیں دوں گا اور وہ لوگوں پر حد سے زیادہ ظلم کرتا تھا اور سخت گنہ گار تھا۔

القلم: ۱۳ میں ”عتــل“ کا لفظ ہے: سخت مزاج‘ گردن کش‘ اجڈ‘ بسیار خوار‘ درشت‘ جس کا جسم بہت مضبوط ہو اور اس کے اخلاق بہت خراب ہوں۔

اور اس آیت میں ”زنیــم“ کا لفظ ہے‘ اس کا معنی ہے: بدنام‘ جو شخص کسی بُری شناخت سے معروف ہو اور وہ شخص جو اپنے آپ کو کسی قوم میں شامل کرے اور فی الواقع وہ اس قوم سے نہ ہو۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے: ”زنیــم“ کے متعلق متعدد اقوال ہیں: فرّاء نے کہا ہے: یہ وہ شخص ہے جس کے نسب میں تہمت ہو‘ وہ اپنے آپ کو کسی قوم کے ساتھ ملائے اور وہ ان میں سے نہ ہو‘ ”زنیــم“ اس ولد الزنا کو کہتے ہیں جو خود کو کسی قوم کے ساتھ منسوب کرے اور حقیقت میں وہ اس قوم میں سے نہ ہو‘ ولید بن مغیرہ قریش کے نسب میں متہم تھا اور ان کی اصل سے نہ تھا‘ اس کے باپ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس کا بیٹا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی ماں نے بدکاری کی تھی مگر مشہور نہ تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی‘ شعبی کا قول ہے کہ ”زنیــم“ وہ شخص ہے جو اپنی بُرائی اور ملامت میں اس طرح مشہور ہو جیسے بکری اپنے لٹکے ہوئے کان کے ساتھ پہچانی جاتی ہے‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”زنیم“ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے گلے میں زائد گوشت ہونے کی وجہ سے مشہور ہو اور مقاتل نے کہا: ”زنیــم“ وہ شخص ہے جس کے کان کی جڑ میں زائد گوشت ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۰۵۔۶۰۴ ملخصاً‘ دار احیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے ”زنیم“ کے متعلق متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا: ”زنیم“ وہ شخص ہے جو بُرائی میں اتنا مشہور ہو کہ اسی برائی کے ساتھ لوگوں میں پہچانا جاتا ہو اور اکثر ایسا شخص نسب میں متہم اور ولد الزنا ہوتا ہے‘ اور شیطان اس پر مسلط ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۴۶‘ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۹ھ)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم متوفی ۴۲۷ھ نے لکھا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان اس شخص پر روتا ہے جس کا جسم اللہ تعالیٰ نے تندرست بنایا ہو اور اس کا پیٹ بڑا ہو‘ اس کو دنیا کا مال دیا ہو اور وہ لوگوں پر ظلم کرتا ہو‘ اسی طرح ”العتل الزنیم“ ہے۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۴‘ دار احیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۲۲ھ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ولد الزنا داخل نہیں ہوگا اور نہ احسان جتانے والا‘ اور نہ ماں باپ کا نافرمان اور نہ دائمی شراب نوش۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۰۹۷‘ سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۶۸۸)

یہ حدیث اس ولدالزنا پر محمول ہے جو اپنے ماں باپ کی طرح زنا کرتا ہو' کیونکہ اس حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے افعال دخولِ جنت کے منافی نہیں ہیں' اس لیے اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ یہ لوگ ابتداءً جنت میں نہیں داخل ہوں گے اور اپنی سزا پا کر جنت میں جائیں گے اور آپ نے زجراً اس طرح فرمایا ہے تا کہ لوگ ڈریں اور ایسے کام نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنے والے کا مصداق

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

تمام روایات اس پر محمول ہیں کہ جس شخص نے آپ کو مجنون کہا تھا وہ ولید بن مغیرہ مخزومی تھا' اور وہ اپنے آپ کو قریش کی طرف منسوب کرتا تھا اور واقع میں وہ قریش سے نہیں تھا' اس کے باپ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس کا بیٹا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص الحکم بن العاص تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ بدر کر دیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص الاخنس بن شریق تھا' وہ اصل میں ثقیف سے تھا اور اس کا شمار زہرہ میں ہوتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص الاسود بن یغوث تھا یا ابوجہل تھا۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۴۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

قرآن مجید میں ولید بن مغیرہ کے دس عیوب مذکور ہیں یا نو؟

جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا تھا' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے نو عیوب بیان فرمائے ہیں: (۱) بے حد قسمیں کھانے والا (۲) بے حد ذلیل (۳) بہت طعنے دینے والا (۴) چلتا پھرتا چغل خور (۵) نیکی سے بہت روکنے والا (۶) حد سے متجاوز (۷) سخت گنہ گار (۸) بہت بدخو (۹) نطفہ حرام۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ولید بن مغیرہ نے اپنی ماں سے جا کر کہا: محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے حق میں دس باتیں فرمائی ہیں' نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں لیکن دسویں بات اصل میں خطا ہونے کی اس کا حال مجھے معلوم نہیں' یا تو مجھے سچ سچ بتا دے ورنہ میں تیری گردن مار دوں گا' اس پر اس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ نامرد تھا' مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مر جائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چرواہے کو بلا لیا' تو اس سے ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مذکور الصدر روایت کو علامہ سلیمان جمل متوفی ۱۲۰۴ھ نے اس طرح بیان کیا ہے: اس شخص نے اپنی ماں سے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری نو ایسی صفات بیان کی ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں' ماسوا نویں صفت کے' اگر تم نے اس خبر کی تصدیق نہیں کی تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا' اس نے کہا: تمہارا باپ نامرد تھا' مجھے مال کا خطرہ ہوا تو میں نے ایک چرواہے کو اپنے اوپر قادر کیا' تم اس کے نسب سے ہو۔ علامہ جمل نے اس روایت کو صرف اپنے استاذ کے حوالے سے لکھا ہے' علامہ صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ نے بھی اس کو حسبِ عادت جمل سے نقل کر کے لکھ دیا ہے' ہمیں کسی حدیث کی کتاب یا اور کسی تفسیر سے اس کی اصل نہیں ملی۔

نیز صدر الافاضل رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کے دس عیوب بیان کیے ہیں' لیکن قرآن مجید میں اس کے صرف نو عیوب کا ذکر ہے۔

صدر الافاضل کی پیروی میں مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ نے نور العرفان میں اور حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری نے ضیاء القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں اس شخص کے دس عیوب لکھے ہیں' جبکہ دیگر مفسرین نے قرآن مجید کے مطابق نو عیوب لکھے ہیں' دیکھئے تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۰۴' داراحیاء التراث العربی' روح البیان ج ۱۰ ص ۱۳۰' داراحیاء التراث العربی' تفسیر الجمل

ج ۴ ص ۳۸۴ 'قدیمی کتب خانہ کراچی' تفسیر الصاوی ج ۶ ص ۲۲۱۳ 'دار الفکر' بیروت۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے اس کا رد کرنا اور اس کے مقابلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور نعت بیان کرنا قرآن مجید کا اسلوب اور اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

القلم: ۱۵۔۱۴ میں فرمایا: وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا ہے ○ جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں ○

ربط آیات اور ولید بن مغیرہ کی ناک کو سونڈ فرمانے کی توجیہ

اس آیت کا تعلق اس سے پہلی آیت (القلم: ۱۰) سے بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں معنی ہو گا: آپ بہت قسم کھانے والے ذلیل شخص کی بات نہ مانیں کہ وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا ہے' اور اس کا تعلق اس کے بعد متصل آیت: ۱۵ سے بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے اس کو بہت مال دیا اور بہت اولاد عطا کی' پھر چاہیے تھا کہ وہ ہمارا شکر ادا کرتا لیکن اس نے ہمارا شکر ادا کرنے' ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کے بجائے ہمارا کفر کیا اور جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی گئیں تو اس نے کہا: یہ تو پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں۔

القلم: ۱۶ میں فرمایا: ہم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گے ○

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے کفریہ اور قبیح افعال بیان فرمائے تھے اور اس آیت میں اس کی سزا بیان فرمائی ہے کہ ہم عنقریب اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گے۔

سونڈ سے مراد اس کی ناک ہے' اور اس کو سونڈ اس لیے فرمایا ہے کہ جب کسی انسان کے اعضاء کو حیوانوں کے اعضاء سے تشبیہ دی جائے یا اس پر حیوان کے اعضاء کا اطلاق کیا جائے تو اس سے اس انسان کی توہین اور تذلیل مقصود ہوتی ہے مثلاً کسی انسان کے پیر کو کھر کہا جائے یا سم کہا جائے' نیز اس آیت میں ناک کی تذلیل کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اعضاء میں سب سے اشرف عضو اس کا چہرہ ہوتا ہے اور چہرے میں ناک کی زیادہ اہمیت ہے' وہی چہرے میں بلند ہوتی ہے اور اسی سے چہرے کی خوب صورتی ہوتی ہے اور ناک کے لفظ سے کسی انسان کی عزت یا بے عزتی کا کنایہ کیا جاتا ہے' مثلاً کہا جاتا ہے: فلاں نے فلاں کی ناک رکھ لی یعنی اس کی عزت رکھ لی اور کہا جاتا ہے: فلاں کی ناک کٹ گئی یعنی اس کی بے عزتی ہو گئی۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس کی ناک پر یہ نشانی دنیا میں لگائی گئی یا آخرت میں لگائی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی ناک پر تلوار سے نشان لگایا جائے گا اور تا حیات اس میں یہ نشان باقی رہے گا اور یہ بھی روایت ہے کہ جنگ بدر میں اس نے تلوار سے قتال کیا اور اسی جنگ میں اس کی ناک پر نشان لگا اور مقاتل اور ابو العالیہ نے کہا: آخرت میں اس کی ناک پر نشان ہو گا اور اس نشان کی وجہ سے سب اس کو پہچان لیں گے' جس طرح کفار کے چہرے قیامت کے دن سیاہ کیے جائیں گے اور خوف سے ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' اسی طرح قیامت کے دن اس کی ناک پر نشان ہو گا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۰۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم نے ان کی اس طرح آزمائش کی جس طرح ہم نے ان باغ والوں کی آزمائش کی تھی' جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور صبح کو اس کے پھل کاٹیں گے ○ اور انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا ○ پھر آپ کے رب کی طرف سے اس باغ پر ایک آفت آئی' جب وہ سوئے ہوئے تھے ○ پھر وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی ہو ○ پس صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا ○ کہ اگر تم پھل کاٹنے والے ہو تو علی الصبح اپنے کھیت کی طرف چلو ○ پھر وہ چپکے چپکے باتیں

کرتے ہوئے چل پڑے O کہ آج اس باغ میں تمہارے پاس ہرگز کوئی مسکین نہ آنے پائے O پھر وہ خود کو اپنے فیصلہ پر قادر سمجھتے ہوئے سویرے سویرے چل دیئے O پھر جب انہوں نے اس کٹے ہوئے باغ کو دیکھا تو کہا: ہم ضرور راستہ بھول گئے O بلکہ ہم محروم ہوگئے O ان میں سے متوسط نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے O انہوں نے کہا: ہمارا رب سبحان ہے بے شک ہم ظالم تھے O پھر وہ مڑ کر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے O انہوں نے کہا: ہائے افسوس! بے شک ہم سرکش تھے O توقع ہے کہ ہمارا رب ہم کو اس کے بدلے میں اس سے اچھا باغ دے‘ بے شک ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرتے ہیں O اسی طرح عذاب ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب ضرور (اس سے) بہت بڑا ہے‘ کاش یہ لوگ جانتے O (القلم: ۳۳۔۱۷)

باغ والوں کی ناشکری کا انجام

ان آیات میں کفارِ مکہ کو باغ والوں کی مثال سے ڈرایا ہے‘ ایک باغ میں انواع و اقسام کے پھل بہ کثرت تھے‘ ان لوگوں نے قسمیں کھائیں کہ صبح ہونے سے پہلے راتوں رات اس باغ کے سارے پھل اتار لیں گے‘ تاکہ فقراء‘ مساکین اور سائلوں کو پتا نہ چلے اور وہ بھی پھل مانگنے چلے آئیں اور ہمیں ان کو بھی پھل دینا پڑیں‘ وہ اپنے اس منصوبہ پر بہت زیادہ خوش تھے اور اس خوشی میں انہوں نے ان شاء اللہ یا سبحان اللہ بھی نہیں کہا‘ ان کے زمانہ میں سبحان اللہ کہنا ان شاء اللہ کہنے کے قائم مقام تھا‘ اس لیے ان کا یہ منصوبہ ناکام ہوگیا‘ ان کے اس باغ میں پہنچنے سے پہلے ایک زبردست آندھی آئی یا گرم ہوا کے بگولے آئے اور باغ کے تمام پھل جل کر خاکستر ہو گئے‘ اس وقت رات کو وہ محو خواب تھے‘ جب وہ پھل دار باغ کاٹی ہوئی فصل کی طرح ہو گیا‘ جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر باغ سے پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو اب دیر نہ کرو‘ علی الصبح ہی چل پڑو‘ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ انگور کا باغ تھا‘ یہ لوگ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ کوئی سن نہ لے اور فقراء کو ان کے پھل اتارنے کا پتا نہ ہو جائے‘ وہ پختہ عزم کے ساتھ باغ کی طرف جا رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے منصوبہ کو پورا کرنے پر ہر طرح قادر ہیں‘ وہ سمجھتے تھے کہ وہ پھل اتارنے پر پوری طرح قادر ہیں اور ابھی جا کر سب پھل لے آئیں گے‘ لیکن جب وہاں پہنچے تو ہکا بکا رہ گئے‘ کیا دیکھتے ہیں کہ لہلہاتا ہوا سرسبز باغ اور پھلوں سے لدے ہوئے درخت سب غارت اور برباد ہو چکے ہیں‘ سارے باغ میں آندھی آ چکی ہے اور تمام پھل جل کر خاکستر ہو چکے ہیں‘ جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو پہلے تو سمجھے کہ شاید ہم راستہ بھول کر کسی اور باغ میں آ گئے‘ لیکن جب بہ غور دیکھنے سے یہ یقین ہو گیا کہ یہ ان ہی کا باغ ہے تو کہنے لگے کہ ہم بدقسمت ہیں‘ اس باغ کے پھل ہمارے نصیب میں نہ تھے‘ ان میں سے جو شخص بہتر تھا اس نے کہا: میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم سبحان اللہ کیوں نہیں کہتے‘ یہ سن کر وہ کہنے لگے: بے شک ہمارا رب سبحان ہے (پاک اور بے عیب ہے) ہم ہی ظالم ہیں‘ پھر وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے ناحق مسکینوں کا حق مارا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا چھوڑ دی‘ ہماری سرکشی حد سے بڑھ گئی تھی‘ اسی لیے ہم پر عذاب آیا‘ شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے‘ بے شک ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں‘ ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد اس سے دنیا میں بدلہ دینا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ان کی مراد آخرت میں بدلہ دینا ہو۔

سعید بن جبیر نے کہا: یہ لوگ ضرور اس جگہ کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے‘ اور بعض مفسرین نے کہا: یہ لوگ اہل حبشہ تھے‘ یہ اہل کتاب تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے‘ یہ باغ ان کو اپنے باپ سے ورثہ میں ملا تھا‘ ان کے باپ کا معمول یہ تھا کہ باغ کی پیداوار سے باغ کا خرچ نکال کر اور اپنے بچوں کا خرچ نکال کر باقی نفع یا

باقی مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا کرتا تھا' باپ کی وفات کے بعد بچوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارا باپ تو احمق تھا' جو اتنی بڑی آمدنی فقراء کو دے کر ضائع کر دیا کرتا تھا' اگر ہم فقراء کو نہ دیں اور سارا نفع اپنے پاس رکھیں تو ہم بہت جلد سرمایہ دار ہو جائیں گے' جب انہوں نے یہ عزم راسخ کر لیا تو ان کے باغ پر وہ آفت آئی کہ ان کے سارے پھل جل کر خاکستر ہو گئے' اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرے' اس پر اسی طرح اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور یہ تو دنیا کا عذاب ہے' آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ شدید ہے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٣٤﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ

بے شک متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں ○ کیا ہم اطاعت گزاروں کو

كَالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ

نافرمانوں کی مثل کر دیں گے؟○ تمہیں کیا ہوا! تم کیسی خبر سنا رہے ہو○ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے

فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ لَكُمْ

جس میں تم یہ پڑھ رہے ہو؟○ کیا اس میں وہی تحریر ہے جس کو تم پسند کرتے ہو؟○ یا تم نے ہم سے

أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾

ایسی قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت تک رہیں گی کہ تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا تم فیصلہ کرو گے ○

سَلْهُمْ أَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ

آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن ہے○ یا ان کے کوئی شریک ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے

إِنْ كَانُوا صٰدِقِينَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ

شریکوں کو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں ○ جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور ان کو

إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾ خٰشِعَةً أَبْصٰرُهُمْ تَرْهَقُهُمْ

سجدہ کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ○ ان کی نگاہیں (خوف سے) نیچی ہوں گی

ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سٰلِمُونَ ﴿٤٣﴾

اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی اور اس سے پہلے ان کو سجدہ کے لیے بلایا جاتا تھا اور اس وقت وہ صحیح سالم تھے ○

معٰ ۵ عند المتقدمین ۱۲

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

سو آپ اس کلام کے جھٹلانے والے کو مجھ پر چھوڑ دیجیے، ہم ان کو اس طرح آہستہ آہستہ (عذاب کی طرف)

مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾

کھینچیں گے کہ ان کو معلوم بھی نہیں ہوگا ○ اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں، بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے ○

اَمْ تَسْــٴَـلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ

کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں جو یہ تاوان سے دبے جا رہے ہیں ○ یا ان کے پاس

الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ

علم غیب ہے جس کو وہ لکھ رہے ہیں ○ سو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجیے، اور مچھلی والے کی

الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰی وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ ؕ لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ

طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب کو حالت غم میں پکارا تھا ○ اگر ان کے رب کی طرف سے نعمت ان کا تدارک

مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ

نہ کرتی تو وہ ضرور وصف مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے ○ پس ان کے رب نے انہیں عزت والا بنایا

مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ

اور ان کو صالحین میں سے کر دیا ○ اور بے شک کفار سے بعید نہیں کہ وہ اپنی نظریں لگا کر آپ

بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾

کو پھسلا دیں گے، وہ جب بھی قرآن سنتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ مجنون ہے ○

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾ ع

حالانکہ یہ تو صرف تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں ○ کیا ہم اطاعت گزاروں کو نافرمانوں کی مثل کر دیں گے؟ ○ تمہیں کیا ہوا تم کیسی خبر سنا رہے ہو ○ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھ رہے ہو؟ ○ کیا اس میں وہی تحریر ہے جس کو تم پسند کرتے ہو؟ ○ یا تم نے ہم سے ایسی قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت تک رہیں

وقف لازم

وقف لازم

ع ۲ ۱۹ ۴ السباع

گی کہ تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا تم فیصلہ کرو گے ○ آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن ہے ○ یا ان کے کوئی شریک ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں ○ (القلم: ۴۱۔۳۴)

کفار کے اس دعویٰ کا رد کہ آخرت میں مسلمین اور مجرمین کی جزاء ایک جیسی ہو گی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور فساق کا حال ذکر فرمایا تھا کہ انہیں آخرت میں بھاری عذاب ہوگا' اب اس کے بعد القلم: ۳۴ میں مؤمنین' صالحین اور متقین کی آخرت کا حال بیان فرمایا کہ ان کو آخرت میں نعمت والی جنتیں ملیں گی' جن میں خالص نعمتیں ہوں گی اور ان میں فکر وغم کا شائبہ بھی نہیں ہوگا جب کہ دنیا میں دنیا کے ساتھ یہ فکر لگی رہتی ہے کہ ایک دن یہ نعمتیں ختم ہو جائیں گی لیکن آخرت کی نعمتیں دائمی اور لازوال ہوں گی۔

مقاتل نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفارِ مکہ نے مسلمانوں سے کہا: اللہ نے ہم کو دنیا میں تم پر فضیلت دی ہے' سو ضروری ہے کہ وہ آخرت میں بھی ہم کو تم پر فضیلت دے گا' ورنہ کم از کم ہم کو تمہارے درجہ کے برابر ضرور رکھے گا' اللہ تعالیٰ نے القلم: ۳۵ میں ان کے اس قول کا رد فرمایا۔

القلم: ۳۶۔۳۵ میں فرمایا: کیا ہم اطاعت گزاروں کو نافرمانوں کی مثل کر دیں گے ○ تمہیں کیا ہوا' تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو ○

ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اطاعت گزار اور غیر اطاعت گزار دونوں کو ایک درجہ میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

اس آیت سے معتزلہ کے اس استدلال کا ردّ کہ مؤمن مرتکب کبیرہ کو دائمی عذاب ہو گا

معتزلہ نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمن اور فاسق مرتکب کبیرہ مساوی نہیں ہیں' پس واضح ہو گیا کہ جو شخص فاسق مرتکب کبیرہ ہو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مسلم اور مجرم مساوی نہیں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلم اور مجرم کسی چیز میں بھی مساوی نہیں ہیں کیونکہ مسلم اور مجرم جسم ہونے میں' جاندار ہونے میں اور انسان ہونے میں بہر حال مساوی ہیں' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اسلام اور جرم میں مساوی نہیں ہیں یا اسلام اور جرم کی جزاء میں اللہ کے نزدیک مساوی نہیں ہیں' کیونکہ مسلم ابتداءً جنت میں داخل ہو گا اور فاسق مرتکب کبیرہ شفاعت سے جنت میں داخل ہو گا' یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے' یا پھر اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہو گا' دوسرا جواب یہ ہے کہ مؤمن فاسق بھی مسلمین میں داخل ہے کیونکہ وہ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوا اور مجرمین سے مؤمنین فاسقین نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد کفار ہیں۔

مؤمنین اور مجرمین کی آخرت میں ایک جیسی جزاء ہونے کا عقلی اور نقلی دلائل سے بطلان

القلم: ۳۸۔۳۷ میں فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھ رہے ہو؟ ○ کیا اس میں وہی تحریر ہے جس کو تم پسند کرتے ہو؟ ○

جب کفارِ مکہ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ردّ میں یہ آیات نازل فرمائیں:

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ○ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ○ أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِينٌ ○ فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○

تمہیں کیا ہو گیا ہے' تم کیسا دعویٰ کر رہے ہو ○ کیا تم سمجھتے نہیں ہو ○ آیا تمہارے پاس اس (دعویٰ) پر واضح دلیل ہے ○ اگر تم سچے ہو تو تم اپنی وہ کتاب لے آؤ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۵۷۔۱۵۴)

اسی طرز پر القلم: ۳۸۔۳۶ آیات ہیں' جب کفارِ مکہ نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کو بھی آخرت میں وہی اجر و ثواب ملے گا جو

مؤمنین صالحین کو ملے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا' تم کیسی خبر سنا رہے ہو O کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے' جس میں تم یہ پڑھ رہے ہو؟ O کیا اس میں وہی تحریر ہے' جس کو تم پسند کرتے ہو؟ O

القلم: ۳۹ میں فرمایا: یا تم نے ہم سے ایسی قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت تک رہیں گی کہ تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کا تم فیصلہ کرو گے O

جب کوئی شخص کسی چیز کا ضامن ہو جائے تو کہا جاتا ہے: فلاں شخص نے مجھے اس چیز کی قسم دے دی ہے' یعنی کیا ہم نے تم کو ضمانت دی ہے اور قسم کھائی ہے کہ ہم تم کو مؤمنین صالحین کی مثل اجر وثواب دیں گے۔

القلم: ۴۰ میں فرمایا: آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن ہے؟ O

جس طرح کسی قوم کا' کارمختار ان کی اصلاح کرتا ہے اور ان کے متعلق صحیح فیصلے کرتا ہے تو تمہارے متعلق یہ فیصلہ کس نے کیا ہے؟

القلم: ۴۱ میں فرمایا: یا ان کے کوئی شریک ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں O

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ ہے کہ آیا ان کے پاس ایسی چیزیں ہیں جن کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شرکاء ہیں' اس لیے ان کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ شرکاء ان کو مؤمنین کی طرح عذاب سے نجات یافتہ بنا دیں گے اور مؤمنین کی مثل ثواب عطا کریں گے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ آیا ان کے ساتھ کچھ ایسے لوگ ہیں جن کا یہ مذہب ہے کہ آخرت میں مسلمین اور مجرمین جزاء میں برابر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے اس دعویٰ پر کوئی عقلی دلیل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور ان کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے O ان کی نگاہیں (خوف سے) نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی' اور اس سے پہلے ان کو سجدہ کے لیے بلایا جاتا تھا اور اس وقت وہ صحیح سالم تھے O (القلم: ۴۳۔۴۲)

''یوم یکشف عن ساق'' میں ''ساق'' کا لغوی معنی

اس آیت میں ''کشف ساق'' (پنڈلی کھولنے) کا ذکر ہے' پنڈلی کھولنے کے لغوی معنی حسب ذیل ہیں:

ٹخنے اور گھٹنے کے درمیان جو جگہ ہے اس کو ''ساق'' کہتے ہیں اور ''کشف ساق'' شدت اور سختی سے کنایہ ہے' جب کسی معاملہ کی شدت اور ہولناکی کی خبر دینا ہو تو ''ساق'' کا ذکر کرتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ (القیامہ: ۲۹) اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی O

یعنی دنیا کی آخری شدت' روزِ قیامت کی پہلی شدت سے لپٹ جائے گی۔

جب جنگ شدید ہو جائے تو کہا جاتا ہے: ''قامت الحرب علی ساق'' جنگ اپنی پنڈلی پر کھڑی ہو گئی۔ سو اس سے مراد روزِ قیامت کی شدت ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۵۵۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

زیادہ اہم کام کو کرتے وقت لوگ شلوار کو اڑس کر پنڈلی کو کھولتے ہیں یعنی قیامت کے دن جب اہم کام کیا جائے گا اور زجر و توبیخ کے لیے منافقوں کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا اور وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

''ساق'' کسی چیز کی اصل کو کہتے ہیں' جس پر وہ قائم ہو' جیسے درخت کے تنے اور انسان کی ٹانگ کو ''ساق'' کہتے ہیں' یعنی جب تمام لوگوں کے اعمال کی اصل کو کھولا جائے گا اور تمام حقائق منکشف ہو جائیں گے۔

''یوم یکشف عن ساق'' کی تفسیر میں احادیث' آثار اور اقوال تابعین

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ '' (القلم: ۴۲) کی تفسیر میں فرمایا: ''ساق '' سے مراد نورِ عظیم ہے' سب لوگ اس کے سامنے سجدہ میں گر جائیں گے۔

(مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۲۸۳' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں روح بن جناح ہے جو قوی نہیں ہے' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۸)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس دن ہمارا رب اپنی ''ساق '' (پنڈلی) کو کھولے گا تو ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت اس کو سجدہ کریں گے اور وہ لوگ باقی رہیں گے جو دنیا میں دکھانے اور سنانے کے لیے عبادت کرتے تھے' وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی کمر اوٹ کر ایک طباق (یا تختہ) کی طرح ہو جائے گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں اہل علم کے دو قول ہیں:

(۱) متقدمین کا مسلک یہ ہے کہ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیے اور اس پر ایمان رکھنا چاہیے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ پنڈلی سے وہ معنی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔

(۲) اس میں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق تاویل کی جائے گی اور اس میں وہی شخص تاویل کر سکتا ہے جو عربی زبان کا جاننے والا ہو اور اصول اور فروع کا عارف ہو' اس بناء پر انہوں نے کہا: اس آیت میں ''ساق '' سے مراد شدت ہے یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سخت اور ہولناک چیزوں کو کھول دے گا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے' اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''ساق '' سے مراد نورِ عظیم ہے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اس آیت کی تفسیر بیان کی ہے۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۲۸۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد حجابات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مؤمنین کے لیے کھول دے گا' اور ربیع بن انس نے کہا: اللہ تعالیٰ حجاب کھول دے گا' تو جو شخص بھی دنیا میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ہو گا وہ سجدہ میں گر جائے گا' علامہ ابن جوزی نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مؤمنین سے سختیوں کو کھول دے (دور کر دے گا) تو وہ سجدۂ شکر بجالائیں گے اور وہ بھی حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ (مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۷۲۸۳) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگ چالیس سال تک اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے رہیں گے' اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی ''ساق '' کو کھولے گا اور ان پر تجلی فرمائے گا۔

اس حدیث میں ہے کہ مؤمنین اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں گے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت تو دار الجزاء ہے دار العمل نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مکلف ہونے کی حیثیت سے سجدہ نہیں کریں گے بلکہ حصولِ لذت کے لیے اور حصولِ تقرب کے لیے سجدہ کریں گے۔

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ القلم: ۴۲ میں ہے: اور ان کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے' کیونکہ ان کی کمر تختے کی طرح ہو جائے گی اور مڑ نہیں سکے گی' بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو کام انسان کی طاقت میں نہ ہو انسان کو اس کا مکلف کرنا جائز ہے' لیکن ان کا یہ استدلال باطل ہے کیونکہ آخرت دارِ تکلیف نہیں ہے اور اس سے مراد ان کا امتحان لینا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ہر گروہ اس کی پیروی کرے جس کی وہ دنیا میں عبادت کیا کرتا تھا۔ اس اعلان کے بعد جس قدر لوگ بھی اللہ کے سوا بتوں وغیرہ کی عبادت کرتے تھے سب جہنم میں جا کر گریں گے اور صرف وہ لوگ باقی بچ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے' خواہ نیک ہوں یا بد اور کچھ لوگ اہل کتاب میں سے بھی باقی رہیں گے' پھر یہود کو بلا کر ان سے پوچھا جائے گا: تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بیٹے عزیر کی عبادت کرتے تھے' ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹے ہو' اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے نہ کوئی بیٹا ہے' اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: اے رب! ہم پیاسے ہیں' ہم کو پانی پلا دے' پھر ان سے اشارے سے کہا جائے گا: تم پانی کی طرف کیوں نہیں جاتے؟ پھر انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا' وہ جہنم سراب کی طرح دکھائی دے گی' پھر وہ جہنم میں جا پڑیں گے۔

پھر عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم دنیا میں کس چیز کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے مسیح کی عبادت کرتے تھے' ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹے ہو' اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی اس کی اولاد ہے' پھر ان سے کہا جائے گا: اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم بہت پیاسے ہیں' ہمیں پانی پلا دے۔ ان سے اشارے سے کہا جائے گا: تم پانی کی طرف کیوں نہیں جاتے؟ پھر انہیں جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا' وہ جہنم سراب کی طرح دکھائی دے گی' پھر وہ جہنم میں جا پڑیں گے۔

یہاں تک کہ صرف وہ لوگ بچ جائیں گے جو دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے' خواہ نیک ہوں یا بدکار' پھر ان کے پاس اللہ تعالیٰ ایک ایسی صورت بھیجے گا جس صورت کو وہ دنیا میں کسی نہ کسی وجہ سے جانتے ہوں گے (کہ یہ ان کا رب نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اب تمہیں کس بات کا انتظار ہے؟ ہر گروہ اپنے معبود کے ساتھ جا چکا۔ مسلمان عرض کریں گے: اے بارِ الٰہ! ہم دنیا میں ان لوگوں سے الگ رہے حالانکہ ہم ان کے سب سے زیادہ محتاج تھے اور ہم نے ان لوگوں کا کبھی ساتھ نہیں دیا' اس صورت سے آواز آئے گی: میں تمہارا رب ہوں' مسلمان کہیں گے: ہم تم سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے' مسلمان یہ کلمات دو یا تین بار دہرائیں گے' یہ ایسا وقت ہوگا کہ بعض مسلمانوں کے دل ڈگمگانے لگیں گے' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمہارے علم میں کوئی ایسی نشانی ہے جس سے تم اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتے ہو؟ مسلمان کہیں گے: ہاں' پھر اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی منکشف فرمائے گا' اس منظر کو دیکھ کر جو شخص بھی دنیا میں محض اللہ کے خوف اور اس کی رضا کے لیے سجدہ کرتا ہے اس کو سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی' اور جو شخص کسی دنیاوی خوف یا ریاکاری کے لیے دنیا میں سجدہ کرتا تھا' اس کو سجدہ کی اجازت نہیں ملے گی' اس کی پیٹھ ایک تختہ کی طرح ہو جائے گی اور جب بھی وہ سجدہ کرنا چاہے گا اپنی پیٹھ کے بل گر جائے گا' پھر مسلمان اپنا سر سجدہ سے اٹھائیں گے اور اللہ تعالیٰ اسی صورت میں ہوگا جس صورت میں انہوں نے اسے پہلے دیکھا تھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں' مسلمان کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے' پھر جہنم کے اوپر پل صراط بچھا دیا جائے گا اور شفاعت کی اجازت دے دی جائے گی۔ (الحدیث بطولہ)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۳۹۔ ۴۵۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۳)

اللہ تعالیٰ کا کسی صورت میں تجلی فرمانے کا بیان

اللہ تعالیٰ پہلے ایک صورت میں ظاہر ہوگا جس کو دیکھ کر مسلمان انکار کریں گے اور کہیں گے کہ تو ہمارا رب نہیں ہے' پھر ایک اور صورت میں ظاہر ہوگا تو مسلمان پہچان لیں گے۔

شروع میں منافقین مسلمانوں کے ساتھ شامل رہیں گے اور مسلمانوں کو اپنے لیے ڈھال بنالیں گے' جس طرح دنیا میں یہ

معمول تھا بعد میں حوضِ کوثر پر منافقین کی چھانٹی کر دی جائے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم "سحقاً سحقاً" (دور رہو دور رہو) فرما کر انہیں مسلمانوں سے الگ کر دیں گے یا اس موقع پر جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ" (یٰسٓ: ۵۹) اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا پہلے ایسی صورت میں ظاہر ہونا جس کا مؤمنین انکار کر دیں اور دوبارہ ایسی صورت میں ظاہر ہونا جس صورت کو دیکھ کر مؤمنین اس کو رب مان لیں' اس کی تشریح کے بارے میں سلف صالحین کا مسلک یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے' ہم اس حدیث پر ایمان لاتے ہیں' اس کے منشاء اور مطلب کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض کرتے ہیں اور متاخرین میں سے قاضی عیاض وغیرہ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کی صورت پیش کرے گا جس صورت سے اس کے حادث اور مخلوق ہونے کے آثار ظاہر ہوں گے' اس لیے مؤمنین اس صورت کو دیکھ کر کہہ دیں گے: یہ ہمارا رب نہیں ہے' بعد میں اللہ تعالیٰ ان پر اپنی ایک صفت منکشف فرمائے گا (اس صفت کو حدیث میں صورت سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شکل اور صورت سے پاک ہے) اور یہ ایسی صفت ہوگی جو مخلوقات کی صفات میں سے کسی صفت کے مشابہ نہ ہوگی اور نہ اس پر آثار حدوث ظاہر ہوں گے' اس لیے اس صفت کی تجلی کو دیکھ کر تمام مسلمان پکار اٹھیں گے کہ یہ ہمارا رب ہے کیونکہ ان کا اعتقاد ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں ہے' لہٰذا جب وہ ایک بے مثل صفت کو دیکھیں گے تو پہچان لیں گے کہ یہ ہمارا رب ہے۔

حافظ عسقلانی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا: پہلی بار جو صورت نظر آئے گی اس میں قیامت کی ایسی ہولناکیاں نظر آئیں گی' جیسی دہشت ناک ہولناکیاں انہوں نے کبھی دنیا میں بھی نہ دیکھی ہوں گی' اس لیے وہ کہیں گے کہ ہم اس سے خدا کی پناہ میں آتے ہیں' اس کے بعد جو صورت نظر آئے گی اس میں اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کی تجلیات ہوں گی جن کو دیکھ کر ان کا خوف اور دہشت دور ہو جائے گی اور یہی وہ صورت ہے جس کو "کشف ساق" (پنڈلی منکشف کرنا) سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب مسلمان اللہ تعالیٰ کے بے مثال لطف وکرم کی تجلیات دیکھیں گے تو بے اختیار کہہ اٹھیں گے کہ یہی ہمارا رب ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی صورت میں مسلمانوں کے دل میں اللہ تعالیٰ یہ بات پیدا کر دے کہ یہ صورت ان کا رب نہیں ہے اور وہ اپنے وجدان سے انکار کر دیں اور دوسری صورت جب نظر آئے جو واقعی اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہو تو اللہ تعالیٰ ان کے دل میں یہ بات پیدا کر دے کہ وہ واقعی ان کا رب ہے اور وہ اپنے وجدان کی بناء پر کہیں گے کہ یہ ہمارا رب ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ کا محشر میں دیدار بطورِ امتحان ہوگا اور جنت میں دیدار بطورِ انعام ہوگا۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱ص ۱۰۰۹۔ ۱۰۰۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

القلم: ۴۳ میں فرمایا: ان کی نگاہیں (خوف سے) نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی' اور اس سے پہلے ان کو سجدہ کے لیے بلایا جاتا تھا اور اس وقت وہ صحیح سالم تھے ○

جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے لیے وعید

کفار اور منافقین کو بہ طور عبادت یا بہ طور مکلف ہونے کے' سجدہ کے لیے نہیں بلایا جائے گا بلکہ بہ طور زجر وتوبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) اور دنیا میں سجدہ نہ کرنے پر ملامت کرنے کی وجہ سے ان کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ سجدہ کرنے کی قدرت کو ان سے سلب کر لے گا' حتیٰ کہ ان کو دنیا میں اپنے کفر اور نفاق پر شدید ندامت اور حسرت ہوگی' ان کی آنکھیں اس لیے جھکی ہوئی ہوں گی کہ جس کو مالک نے دائمی غلامی کے لیے رکھا ہو اور وہ غلام اپنے آقا کی خدمت سے اعراض کرے تو وہ

سب کی نگاہوں میں ذلیل اور شرمسار ہو جاتا ہے اور یہ منافقین جب دنیا میں تندرست تھے اور ان کو اذان اور اقامت کے ذریعہ نماز کے لیے بلایا جاتا تھا تو یہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے نہیں آتے تھے' کفار اور منافقین سے قطع نظر اس میں ان مسلمانوں کے لیے بھی وعید ہے جو اذان سننے کے باوجود نماز پڑھنے کے لیے مسجدوں میں نہیں جاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو آپ اس کلام کے جھٹلانے والے کو مجھ پر چھوڑ دیجئے' ہم ان کو اس طرح آہستہ آہستہ (عذاب کی طرف) کھینچیں گے کہ ان کو معلوم بھی نہیں ہو گا O اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں' بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے O کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں جو یہ تاوان سے دبے جا رہے ہیں O یا ان کے پاس علم غیب ہے' جس کو وہ لکھ رہے ہیں O سو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب کو حالتِ غم میں پکارا تھا O اگر ان کے رب کی طرف سے نعمت ان کا تدارک نہ کرتی تو وہ ضرور وصف مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے O پس ان کے رب نے ان کو عزت والا بنا دیا اور صالحین میں سے کر دیا O اور بے شک کفار سے یہ بعید نہیں کہ وہ اپنی نظریں لگا کر آپ کو پھسلا دیں گے' وہ جب بھی قرآن سنتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ مجنون ہے O حالانکہ یہ تو صرف تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے O (القلم: ۵۲-۴۴)

استدراج کا معنیٰ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی شدت اور ہولناکی سے ڈرایا تھا' اس آیت میں ان کو اور زیادہ ڈرایا اور اپنے قہر اور اپنی قدرت کا ذکر فرمایا اور فرمایا: آپ ان کو میرے سپرد کر دیجئے' میں ان کے لیے کافی ہوں یعنی ان کی زیادتیوں کا انتقام لینے کے لیے یہ کافی ہے کہ آپ ان کا معاملہ میرے سپرد کر دیں' مجھے معلوم ہے کہ ان کو کیسی سزا دینی چاہیے اور میں اس سزا کو دینے پر قادر ہوں۔

اس آیت میں ''سنستدرجھم'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر استدراج ہے' اس کا معنی ہے: ہم ان کو بہ تدریج عذاب کی طرف لے جا رہے ہیں' عطا نے کہا: ہم ان کے ساتھ ایسی خفیہ تدبیر کرنے والے ہیں کہ ان کو اس کا پتا بھی نہیں چلے گا' کلبی نے کہا: ہم ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں پسندیدہ بنا دیں گے' پھر ہم ان کو گرفت میں لے لیں گے' ضحاک نے کہا: جب وہ کوئی نیا گناہ کرتے ہیں تو ہم ان کو نئی نعمت عطا کرتے ہیں۔ سفیان نے کہا: ہم ان پر اپنی نعمتوں کے دریا بہاتے ہیں اور ان کو اس کا شکر ادا کرنے سے غفلت میں مبتلا رکھتے ہیں۔

القلم: ۴۵ میں فرمایا: اور میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں' بے شک میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر

یعنی ان کے مسلسل گناہوں کے باوجود ان کی زندگی دراز کرتا اور ان کی روح قبض کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور اس کو خفیہ تدبیر اس لیے فرمایا کہ یہ بھی صورۃً استدراج ہے' ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ (آل عمران: ۱۷۸) ہم ان کو اس لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ تاکہ یہ اور زیادہ گناہ کریں۔

القلم: ۴۷-۴۶ میں فرمایا: کیا آپ ان سے کوئی اجرت طلب کر رہے ہیں جو یہ تاوان سے دبے جا رہے ہیں O یا ان کے پاس علم غیب ہے' جس کو وہ لکھ رہے ہیں O

آپ جو ان کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں تو اس دعوت کو قبول کرنا ان پر کیوں دشوار ہو رہا ہے' آپ ان

سے اس دعوت کے عوض کوئی مال تو نہیں مانگ رہے پھر یہ کیوں بدک رہے ہیں' بلکہ اگر یہ اس دعوت کو قبول کر کے ایمان لے آئیں تو ان کو دنیا اور آخرت میں کامیابی اور کامرانی حاصل ہوگی۔

کفار جو آپ کے رسول ہونے کا انکار کر رہے ہیں' ان کا یہ انکار کس بنیاد پر ہے' کیا ان کو غیب کا علم ہے یا ان پر وحی نازل ہوئی ہے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غیب سے اس آیت میں مراد لوحِ محفوظ ہے' تو کیا جن چیزوں میں یہ آپ کی مخالفت کر رہے ہیں ان کو انہوں نے لوحِ محفوظ میں پڑھ لیا ہے اور اس سے ان کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ یہ آپ سے افضل ہیں اور آخرت میں ان کا اجر و ثواب مسلمانوں کے اجر و ثواب کی مثل ہوگا۔

القلم: ۴۸ میں فرمایا: سو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے' اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں' جنہوں نے اپنے رب کو حالتِ غم میں پکارا تھاO

آپ کا رب آپ کو اپنا پیغام پہنچانے کا جس طرح حکم دے آپ اس پیغام کو پہنچاتے رہیے۔

قتادہ نے کہا: آپ جلدی نہ کریں اور کفار کی دل آزار اور دل خراش باتوں پر غیظ و غضب میں نہ آئیں' اور ایک قول یہ ہے کہ آیتِ جہاد کے نازل ہونے سے اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔

مچھلی والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں یعنی جس طرح وہ اپنی قوم کے ایمان نہ لانے سے جلدی غضب میں آ گئے تھے' اور جلدی میں اللہ تعالیٰ سے اذن مخصوص لیے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے' آپ اس طرح نہ کریں۔

اور فرمایا: جنہوں نے اپنے رب کو حالتِ غم میں پکارا تھا' یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے رب کو پکارا اور کہا: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ O'' (الانبیاء: ۸۷)۔

اس آیت میں ''مکظوم'' کا لفظ ہے' اس کا معنی حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ غم سے پُر تھے اور عطاء اور ابو مالک نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ کرب اور بے چینی سے پُر تھے یا ان کا سانس گھٹ رہا تھا' کہتے ہیں: ''کظم فلان غیظه'' فلاں شخص نے اپنا غصہ روک لیا۔

القلم: ۵۰۔۴۹ میں فرمایا: اگر ان کے رب کی طرف سے نعمت ان کا تدارک نہ کرتی تو وہ ضرور وصف مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے O پس ان کے رب نے ان کو عزت والا بنا دیا اور صالحین میں سے کر دیا O

حضرت یونس علیہ السلام پر نعمت کے تدارک کی تفصیل اور ان کے مذموم نہ ہونے پر دلائل

اس آیت میں فرمایا ہے: اگر ان کے رب کی طرف سے نعمت ان کا تدارک نہ کرتی' یعنی ان کی اجتہادی خطا کی تلافی نہ کرتی' ان کی اجتہادی خطا یہ تھی کہ انہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اگر وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر چلے گئے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' جب کہ نبی پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مسلسل رابطہ رکھے' لیکن ان پر جو اللہ عزوجل کی نعمت تھی' اس نے ان کی اس اجتہادی خطا کا تدارک کر دیا' اس نعمت کی متعدد تفسیریں ہیں' ضحاک نے کہا: اس سے مراد نبوت ہے' ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد ان کی سابقہ عبادات ہیں' ابن زید نے کہا: ان کا یہ پکارنا ہے: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ O'' (الانبیاء: ۸۷)۔ ابن بحر نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ان کو مچھلی کے پیٹ سے نکالنا ہے اور بعض نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ان کو توبہ کی توفیق دینا اور ان کی توبہ قبول فرمانا ہے' پھر فرمایا: اگر ان پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو ان کو مذموم حالت میں کھلے میدان میں ڈال دیا جاتا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: لیکن ان پر اللہ کی نعمت تھی اس لیے ان کو غیر مذموم حالت میں بہت کمزوری اور لاغری کے ساتھ کھلے ہوئے میدان میں ڈال دیا گیا۔

اس آیت میں ''العراء'' کالفظ ہے' ایسا کھلا ہوا میدان جس میں نہ پہاڑ ہوں اور نہ درخت ہوں' ایک تفسیر یہ ہے کہ اگر ان پر اللہ سبحانہٗ کا فضل نہ ہوتا تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے' اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۴۳-۱۴۴) پس اگر وہ تسبیح کرنے والے نہ ہوتے ۝ تو وہ ضرور قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے ۝

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو پسندیدہ اور مختار بنالیا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وحی کا رابطہ بحال کر دیا اور ان کے حق میں ان کی دعا اور ان کی قوم کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرمائی۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت ان کے شامل حال نہ ہوتی تو وصف مذمومیت کے ساتھ ان کو چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا لیکن جب کہ ان کو یہ نعمت حاصل تھی تو ان کو وصف مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں نہیں ڈالا گیا اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر اللہ کی نعمت ان کو حاصل نہ ہوتی تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے' پھر ان کو وصف مذمومیت کے ساتھ چٹیل میدان میں ڈال دیا جاتا' لیکن چونکہ انہیں اللہ کی رحمت حاصل تھی اس لیے ایسا نہیں ہوا۔

ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مذموم ہونے کا ذکر فرمایا ہے' کیا یہ ان کے گناہ کرنے کی دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے: بلکہ اس آیت میں ان کے مذموم نہ ہونے کا ذکر ہے کیونکہ فرمایا: اگر ان کو اللہ کی نعمت شامل نہ ہوتی تو وہ مذموم ہوتے' اور چونکہ ان کو اللہ کی نعمت شامل تھی اس لیے وہ مذموم نہ تھے' دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے مذمومیت سے مراد ترکِ افضل ہو کیونکہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ کے حکم میں ہوتی ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۱۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

القلم: ۵۱ میں فرمایا: اور بے شک کفار سے یہ بعید نہیں کہ وہ اپنی نظریں لگا کر آپ کو پھسلا دیں گے' وہ جب بھی قرآن سنتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ مجنون ہے ۝

کفارِ مکہ کا آپ پر نظر لگانے کی ناکام کوشش کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت کی خبر دی ہے' انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگا دیں' پھر قریش کی ایک جماعت نے آپ کو نظر لگائی اور کہنے لگے: ہم نے ان کی مثل کوئی شخص دیکھا ہے نہ ان کے محافظوں کی مثل کوئی شخص دیکھا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بنو اسد والے نظر لگاتے تھے حتیٰ کہ کوئی فربہ گائے یا موٹی تازی اونٹنی ان میں سے کسی ایک کے پاس سے گزرتی تو وہ اس کو نظر لگاتے' پھر اپنی باندی سے کہتے کہ ٹوکری لے کر جاؤ اور دراہم لے کر جاؤ اور اس اونٹنی کا گوشت لے آنا' پھر شام ہونے سے پہلے وہ اونٹنی مر جاتی اور ذبح کر دی جاتی۔ کلبی نے کہا: عرب کا ایک شخص دو تین دن کھانا نہیں کھاتا تھا پھر اس کے پاس سے کوئی اونٹ یا بکرا گزرتا تو وہ کہتا: میں نے اس سے زیادہ خوب صورت اونٹ یا بکرا اس سے پہلے نہیں دیکھا' پھر تھوڑی ہی دیر گزرتی تھی کہ وہ اونٹ یا بکرا گر کر ہلاک ہو جاتا تھا' کفارِ مکہ نے اس شخص سے کہا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگائے' اس نے حامی بھرلی' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے شر سے محفوظ رکھا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عرب جب کسی کی جان یا مال پر نظر لگانا چاہتے تو تین دن بھوکے رہتے' پھر اس کی جان یا مال پر نظر لگا کر کہتے: اللہ کی قسم!

میں نے اس سے زیادہ قوی' بہادر اور اس سے زیادہ مال دار شخص کوئی نہیں دیکھا' پھر وہ شخص ہلاک ہو جاتا اور اس کا مال ہلاک ہو جاتا' اسی وجہ سے فرمایا: جب آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں تو یہ آپ کو مجنون کہتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ آپ کو نظر لگاتے ہیں تا کہ آپ کو پھسلا دیں' الھروی نے اس کی تفسیر میں کہا: وہ آپ پر اس لیے نظر لگاتے ہیں تا کہ آپ کو اس مقام سے گرا دیں جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قائم کیا ہے' سدی اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ آپ پر اس لیے نظر لگاتے ہیں تا کہ آپ کو تبلیغِ رسالت کے منصب سے ہٹا دیں' حسن بصری اور ابن کیسان نے کہا: وہ اس لیے آپ پر نظر لگاتے ہیں تا کہ آپ کو ہلاک کر دیں۔

جس شخص پر نظر لگی ہو اس پر اس آیت کو پڑھ کر دم کر دیا جائے تو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ اس کو نظر کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

القلم: ۵۲ میں فرمایا: حالانکہ یہ تو صرف تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے O

قرآن مجید کے مضامین سے اس کے اثر جنون ہونے کا ابطال

جس قرآن کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جنون کی دلیل ہے' یہ تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے' اور ان کے ذہنوں میں جو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کے دلائل ہیں' یہ اس پر متنبہ کرتا ہے' اس میں دنیا کی صالح حیات کا اور اخروی فوز و فلاح کا دستور العمل ہے' ایک فرد' ایک خاندان اور ایک ریاست کو معاشرتی برائیوں سے پاک رکھنے اور معاشرتی خوبیوں کے ساتھ مزین کرنے کے اصول اور آداب ہیں' اس میں حکمتِ نظریہ اور حکمتِ عملیہ ہے' مستقبل میں پیش آنے والے اُمور کی پیش گوئیاں ہیں' غیب کی خبریں ہیں' سابقہ نبیوں اور ان کی امتوں کے واقعات ہیں' اس کی عبارت کی فصاحت و بلاغت معجز ہے اور بڑے سے بڑا ادیب اس کلام کی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہا' ایسا کلام پڑھنے والے کو یہ کفار مجنون کہتے ہیں اور اس کلام کو جنون کا اثر کہتے ہیں جب کہ یہ کلام سراسر تمام جہان کے لیے نصیحت ہے اور اس کلام کو پڑھنے والا بھی مجسم نصیحت ہے۔

سورۃ القلم کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۵ صفر ۱۴۲۶ھ/ ۲۶ مارچ ۲۰۰۵ء بہ روز ہفتہ سورۃ القلم کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ ۱۷ مارچ کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح آٹھ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اس تفسیر کو تا روزِ قیامت باقی اور اثر آفریں رکھیں' اس کو موافقین کے لیے موجبِ استقامت و طمانیت اور مخالفین کے لیے سببِ ہدایت بنا دیں۔ میری' میرے والدین' میرے اعزّۃ' میرے اساتذہ' میرے تلامذہ' میرے احباب' اس کتاب کے ناشر' اس کے معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمائیں اور ہم سب کو دارین کی مشکلات اور مصائب سے محفوظ اور مامون رکھیں اور دارین کی کامیابیوں' کامرانیوں اور سعادتوں کو ہمارا مقدر بنا دیں۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین
اکرم الاولین والاٰخرین شفیعنا یوم الدین وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ
وذریاتہٖ واولیاء امتہٖ وعلماء ملتہٖ وامتہٖ اجمعین۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الحاقۃ

سورت کا نام وغیرہ

اس سورت کا نام الحاقۃ ہے' کیونکہ اس سورت کو اسی نام کے سوال کے ساتھ شروع کیا گیا ہے جیسا کہ اس سورت کی پہلی آیت میں ہے:

اَلۡحَآقَّۃُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡحَآقَّۃُ ۚ﴿۲﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحَآقَّۃُ ؕ﴿۳﴾ (الحاقۃ: ۳-۱) ضرور واقع ہونے والی ○ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے؟ ○ ضرور واقع ہونے والی کو آپ کیسا جانتے ہیں ○

''الحاقۃ'' قیامت کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الحاقۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۃ الحاقۃ اور اس کی مثل سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۴۵' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا' آپ مجھ سے پہلے مسجد کی طرف جا چکے تھے' میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا' آپ نے سورۃ الحاقۃ پڑھنی شروع کر دی' مجھے قرآن مجید کی عبارت سے بہت تعجب ہوا' میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! یہ ضرور شاعر ہیں جیسا کہ قریش کہتے ہیں' تب آپ نے یہ آیات پڑھیں:

اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿ۚۙ۴۰﴾ وَّمَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ﴿ۙ۴۱﴾ (الحاقۃ: ۴۱-۴۰) بے شک یہ قرآن ضرور رسول کریم کا قول ہے ○ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے' تم لوگ بہت کم ایمان لاتے ہو ○

پھر مجھے خیال آیا کہ آپ کاہن ہیں' تب آپ نے یہ آیات پڑھیں:

وَلَا بِقَوۡلِ کَاہِنٍ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿ؕ۴۲﴾ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۳﴾ (۴۳-۴۲) اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے ○ یہ رب العلمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ○

آپ نے آخر تک سورۃ الحاقۃ پڑھی اور اس واقعہ سے اسلام کی صداقت میرے دل میں بیٹھ گئی۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۲' رقم الحدیث: ۱۰۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں مگر شریح بن عبید کی حضرت عمر سے ملاقات نہیں ہوئی' مجمع الزوائد ج ۹ ص ۶۲)

مسلمانوں نے ۵ ہجری کے بعد مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد ۶ ھ میں اسلام لائے تھے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۵ ہجری سے پہلے کا واقعہ ہے' ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶۹ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۷ ہے' یہ سورۂ تبارک الذی کے بعد اور سورۃ المعارج سے پہلے نازل ہوئی۔

سورت الحاقہ کے مشمولات

☆ اس سورت میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے اور مکذبین کو قیامت کے وقوع سے ڈرایا گیا ہے۔

☆ کفارِ مکہ کو یاد دلایا ہے کہ سابقہ امتوں کے کافروں نے دنیا میں عذاب واقع ہونے کی تکذیب کی تو ان پر دنیا میں عذاب نازل کیا گیا' اس کے علاوہ ان کو آخرت میں بھی عذاب ہوگا' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور شرک کرتے تھے ان کو سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔

☆ جو لوگ اسلام لائے ان کو اللہ تعالیٰ نے طوفان میں غرق ہونے سے بچالیا اور اس میں بنی نوع انسان پر احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل باقی رکھی۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس الزام سے برأت ذکر کی ہے کہ آپ نے رسالت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی اس سے برأت بیان کی ہے کہ وہ جھوٹے رسول کو اس کے جھوٹے دعویٔ رسالت پر برقرار رکھے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام دینے میں جو مشکلات اور تکالیف پیش آتی تھیں' ان میں آپ کو صبر و استقامت کی تلقین کی ہے۔

☆ قرآن مجید میں ایمان نہ لانے پر عذاب کی جن وعیدوں کا ذکر کیا گیا ہے' ان سے کفارِ مکہ کو ڈرایا ہے۔

☆ قیامت کے دن مؤمنین اور کفار کے احوال مختلف ہوں گے' مؤمنین کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور کفار کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن اللہ کی وحی ہے' یہ کسی شاعر کا قول ہے نہ کسی کاہن کا قول ہے۔

☆ اس سورت کے اختتام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٔ رسالت پر دلیل قائم فرمائی کہ اگر آپ نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوتا تو ہم آپ کی رگِ حیات کاٹ دیتے۔

سورۃ الحاقہ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر اس دعا کے ساتھ شروع کر رہا ہوں کہ اے میرے اور اس کائنات کے رب! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل اور کذب سے مجتنب رکھنا' اور دلائل سے حق اور صواب کو واضح کرنے اور باطل اور ناصواب کو رد کرنے کی توفیق اور ہمت عطا کرنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۵ صفر ۱۴۲۶ھ/ ۲۶ مارچ ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴





(۶۹) سورۃ الحاقۃ مکیۃ (۷۸) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰیاتُہا ۵۲ رکوعاتہا ۲

سورۃ الحاقہ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳

ضرور واقع ہونے والی○ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے؟○ ضرور واقع ہونے والی کو آپ کیسا جانتے ہیں؟○

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا

ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی کو جھٹلایا○ رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ

بِالطَّاغِيَةِ ۝۵ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶

سے ہلاک کر دیا گیا○ اور رہے عاد تو ان کو گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا○

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى

(اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا‘ پس (اے مخاطب!) تم دیکھتے

الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ

کہ یہ لوگ زمین پر کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئے○ کیا اب

تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَ

تمہیں ان میں سے کوئی باقی نظر آ رہا ہے؟○ اور فرعون اور اس سے پہلے لوگ اور وہ جن کی

الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ

بستیاں الٹ دی گئی تھیں انہوں نے گناہ کیے○ سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے

اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝۱۱

ان کو شدید پکڑ میں لے لیا○ بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا○

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲ فَاِذَا نُفِخَ

تاکہ ہم اس کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں اور حفاظت کرنے والے کان اس کو محفوظ رکھیں○ پس جب صور

فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ

میں ایک پھونک پھونکی جائے گی ○ اور زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾

تو وہ ایک ہی ضرب سے ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ○ پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی ○

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ

اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن وہ بالکل کمزور ہو گا ○ اور فرشتہ

عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ

اس کے کناروں پر ہو گا' اور اس دن آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے

يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ؕ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ

اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے ○ اس دن تم سب پیش کیے جاؤ گے تم میں سے کوئی چھپنے والا

خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ

چھپ نہیں سکے گا ○ سو جس کو اس کا صحیفۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا:

هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾

آؤ میرا نامۂ اعمال پڑھو ○ مجھے یقین تھا کہ میں نے اپنے حساب سے ملنا ہے ○

فَهُوَ فِىْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِىْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا

پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہو گا ○ بلند جنت میں ○ جس کے پھلوں

دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ

کے خوشے جھکے ہوئے ہیں ○ خوب مزے سے کھاؤ اور پیو ان نیک کاموں کے عوض جو تم نے گزشتہ ایام

الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ

میں بھیجے تھے ○ اور رہا وہ جس کو اس کا صحیفۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' پس وہ کہے گا:

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾

کاش! مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا ○ اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا کیا حساب ہے ○

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾

کاش! وہی (موت) میرا کام تمام کر دیتی ○ میرا مال میرے کسی کام نہ آیا ○

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ

میرا غلبہ جاتا رہا ○ اسے پکڑو پھر اس کو طوق پہنا دو ○ پھر اس کو دوزخ میں

صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا

جھونک دو ○ پھر اس کو ستر ہاتھ پیمائش کی زنجیر

فَاسْلُكُوْهُ ﴿٣٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾

میں جکڑ دو ○ بے شک یہ بڑی عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا ○

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ

اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا ○ پس آج یہاں نہ

هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿٣٥﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿٣٦﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ

اس کا کوئی دوست ہے ○ اور نہ (دوزخیوں کی) پیپ کے سوا کوئی طعام ہے ○ جس کو

اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿٣٧﴾

گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا ○

ع ١ ٣٧ ٥

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ضرور واقع ہونے والی ○ ضرور واقع ہونے والی کیا چیز ہے؟ ○ ضرور واقع ہونے والی کو آپ کیسا جانتے ہیں؟ ○ ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی کو جھٹلایا ○ رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا ○ اور رہے عاد تو ان کو ایک گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ○ (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا، پس (اے مخاطب!) تم دیکھتے کہ یہ لوگ زمین پر کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئے ○ کیا اب تمہیں ان میں سے کوئی باقی نظر آ رہا ہے؟ ○ (الحاقہ: ۸-۱)

''الحاقۃ'' کا معنی اور قیامت کو ''الحاقۃ'' فرمانے کی وجوہ

''الحاقۃ'' سے مراد قیامت ہے اور اس کو ''الحاقۃ'' فرمانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(١) ''الحاقۃ'' حق کا اسم فاعل ہے اور حق کا معنی ہے: کسی چیز کی حقیقت کو ثابت کرنا اور قیامت کے دن ہر چیز کی حقیقت ثابت ہو جائے گی۔

(٢) ''الحاقۃ'' کا معنی ہے: جو چیز ہونے والی ہو اور ثابت ہو اور قیامت کا واقع ہونا واجب ہے' اس لیے اس کو ''الحاقۃ'' فرمایا۔

(٣) ''الحاقۃ'' کا معنی ہے: جس چیز کا صدق واجب ہو اور قیامت کے دن ثواب اور عذاب کا وقوع ہوگا' سو قیامت کے دن ثواب اور عذاب کا صدق واجب ہوگا۔

(٤) ''الحاقۃ'' کا معنی ہے: جو چیز برحق ہو اور اس کا ثبوت یقینی ہو اور قیامت برحق ہے' اس کا ثبوت یقینی ہے۔

(٥) ''الحاقۃ'' کا معنی ہے: وہ حادثہ جس کا کوئی جھٹلانے والا نہ ہو اور قیامت کے متعلق فرمایا:

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ○ (الواقعہ: ٢) 	اس کے وقوع کا کوئی جھٹلانے والا نہیں ہے○

(٦) ''الحاقۃ'' کا معنی ہے: وہ ساعت جس میں جزاء کا وقوع برحق ہے اور قیامت کے دن ہر نیک اور بد کو اپنی اپنی جزا ملے گی۔

(٧) ''الحاقۃ'' کا معنی ہے: جس کا لوگوں پر وقوع برحق ہے۔

(٨) زجاج نے کہا: اس دن تمام مکلفین کے اعمال کے آثار حق ہو جائیں گے اور ہر ایک کو اپنے عمل کا اثر برداشت کرنا ہوگا۔

(٩) زہری نے کہا: جو شخص بھی روزِ قیامت کا منکر تھا' اس پر قیامت کا برحق ہونا واضح ہو جائے گا۔

(١٠) ابو مسلم نے کہا: اس دن آپ کے رب کے کلمات کا برحق ہونا ظاہر ہو جائے گا۔

الحاقہ: ٢ میں فرمایا: الحاقہ کیا چیز ہے! یہ اس کی بڑائی اور عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا' اس کی مثل یہ آیت ہے:

اَلْقَارِعَةُ ○ مَا الْقَارِعَةُ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ○ (القارعہ: ٣۔١) 	دہلانے والی○ دہلانے والی کیا چیز ہے؟○ اور آپ کیسا جانتے ہیں کہ دہلانے والی کیا چیز ہے؟○

الحاقہ: ٣ میں فرمایا: ضرور واقع ہونے والی کو آپ کیسا جانتے ہیں؟○

یعنی ابھی آپ کو قیامت کی عظمت اور شدت کا علم نہیں ہے' یعنی قیامت کی ہولناکیاں اتنی شدید ہیں کہ کسی کی سوچ اور وہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتی اور کوئی سوچنے والا اپنے تخیل سے قیامت کی ہولناکیوں کی شدت کا جتنا بھی اندازہ کرے گا' قیامت کی شدت اس سے کہیں زیادہ ہوگی' اسی طرح ''القارعۃ'' کا معنی ہے: وہ جو خوف سے لوگوں کا دل دہلا دے گی' آسمان پھٹ جائیں گے' زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں دھنکی ہوئی روئی کی طرح اُڑ رہے ہوں گے اور ستاروں کی روشنی ختم ہو جائے گی۔

الحاقہ: ٤ میں فرمایا: ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی کو جھٹلایا○

اس آیت سے اہل مکہ کو ثمود اور عاد کے عذاب سے ڈرایا ہے' اگر تم نے بھی قیامت کو جھٹلایا تو تم پر بھی ایسا ہی عذاب آئے گا۔

الحاقہ: ٥ میں فرمایا: رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا○

قومِ ثمود کی عذاب سے ہلاکت

اس آیت میں ''طاغیة'' کا لفظ ہے'' طاغیة'' کا معنی ہے: جو چیز شدت اور قوت میں حد سے متجاوز ہو'اور''طاغیة'' کا موصوف محذوف ہے اور وہ ''صیحة'' ہے'اس کا معنی ہے: آواز اور چیخ یعنی وہ ایسی چیخ تھی جو تمام چیخوں سے قوت اور شدت میں حد سے زیادہ تھی اور وہ خوفناک چنگھاڑ تھی' اللہ تعالیٰ نے اس چنگھاڑ کی اثر آفرینی کے متعلق فرمایا ہے:

إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ○ (القمر:۳۱) ہم نے ان پر ایک چنگھاڑ بھیجی پھر وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ بنانے والے کی روندی ہوئی گھاس ہو○

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''طاغیة'' سے مراد بجلی کی کڑک ہے یعنی وہ حد سے زیادہ ہولناک کڑک تھی۔

بعض مفسرین نے کہا کہ ''طاغیة'' طغیان سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے: سرکشی' یعنی قوم ثمود کو ان کی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا کیونکہ قوم ثمود نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔

اس آیت کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ قوم ثمود کو ایک سرکش گروہ کی وجہ سے قتل کر دیا گیا' جس نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تھیں (ایڑی کے اوپر کے پٹھوں کو کونچیں کہتے ہیں) جب اونٹنی پانی پی کر لوٹ رہی تھی تو وہ اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے' اس کے راستہ میں ایک چٹان تھی جس کے نیچے قدار نامی ایک شخص چھپ کر بیٹھا ہوا تھا' جب وہ اس کے پاس سے گزری تو مصدع نام کے ایک شخص نے اس کی پنڈلی پر تاک کر تیر مارا اور قدار نے تلوار سے اس کی کونچیں کاٹ دیں' اونٹنی کو ہر چند کہ دو آدمیوں نے مل کر قتل کیا تھا لیکن چونکہ پوری قوم ثمود اس سرکشی' شرارت اور بغاوت میں ان کے ساتھ تھی' اس لیے اس سرکشی کی وجہ سے پوری قوم کو ہلاک کر دیا گیا۔

الحاقہ: ۷۔۶ میں فرمایا: اور رہے عاد تو ان کو ایک گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا○ (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا○

قومِ عاد کی عذاب سے ہلاکت

اس آیت میں ''ریح''' ''صرصر'' اور ''عاتیه'' کے الفاظ ہیں' ''ریح'' کے معنی ہیں: آندھی اور ''صرصر'' کے معنی ہیں: بہت تند و تیز آندھی جس کے چلنے سے صرصر کی آواز آ رہی ہو' گرم لو اور باد سموم کو بھی ''صرصر'' کہتے ہیں جو مہلک ہوتی ہے' سخت سرد ہوا کو بھی ''صرصر'' کہتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ سخت سرد ہوا کے لیے اس کا استعمال عام ہے۔

(لسان العرب ج ۸ ص ۲۲۴' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

''عاتیة'' کا معنی ہے: حد سے متجاوز' یہ باد صرصر کی صفت ہے' جو قوم عاد پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بھیجی گئی تھی' یہ ہوا اس قدر تیز تھی کہ فرشتوں کے کنٹرول سے باہر تھی' یہ یخ اور زناٹے دار ہوا تھی جس نے قوم عاد کو ہلاک کر دیا۔

پھر فرمایا: (اللہ نے) اس آندھی کو ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلط رکھا○

اس آیت میں ''سخرھا'' کا لفظ ہے' مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے: اس آندھی کو ان پر مسلط کر دیا' دوسرے مفسرین نے کہا: اس آندھی کو ان کے اوپر بھیج دیا اور یہ سب اللہ کی تقدیر اور اس کی قدرت سے ہوا' اور اس میں ''حسوماً'' کا لفظ ہے' یعنی ان سات راتوں اور آٹھ دنوں میں وہ آندھی مسلسل چلتی رہی' ''حسوم'' کا لفظی معنی ہے: کاٹنے والی' اسی وجہ سے تلوار کو حسام کہتے ہیں اور یہ آندھی بھی ان کی روح اور جسم کا رشتہ کاٹنے والی تھی اس لیے اس کو حسوم فرمایا' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آندھی نے ان کی ہر خیر اور ہر برکت کو جڑ سے کاٹ دیا۔

اس کے بعد فرمایا: پس اے مخاطب اتم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ زمین پر کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح گر گئے O

اس آیت میں ''صرعٰی'' کا لفظ ہے یہ ''صریع'' کی جمع ہے مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ مر کر گر گئے اور وہ کھوکھلے تنوں کی طرح کھوکھلے ہیں اور ان کے اندر کچھ نہیں ہے ایک اور جگہ فرمایا:

تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ O (القمر: ۲۰) وہ آندھی لوگوں کو اٹھا کر اس طرح پٹختی تھی گویا کہ وہ جڑ سے کٹے ہوئے کھجور کے تنے ہیں O

اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کے اجسام کھجور کے تنوں کی طرح بہت لمبے اور قد آور تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آندھی نے ان کے لمبے لمبے جسموں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا' اور ''الخاویة'' کا معنی ہے: کھوکھلے' اس کی توجیہ یہ ہے کہ آندھی ان کے منہ کے راستہ سے ان کے جسم کے اندر داخل ہوئی اور جسم کے اندر کا تمام گوشت پوست اور تمام اعضاء کو کاٹ کر سرین کے راستے باہر نکال دیا' ''الخاویة'' کا معنی بوسیدہ اور پرانا بھی ہے یعنی وہ لوگ زمین پر کھجور کے بوسیدہ درختوں کی طرح گر گئے۔

الحاقہ: ۸ میں فرمایا: کیا اب تمہیں ان میں سے کوئی باقی نظر آ رہا ہے O

یعنی اب ان میں سے کوئی گروہ باقی ہے یا کوئی فرد باقی ہے' ابن جریج نے کہا: وہ سات راتیں اور آٹھ دن اللہ سبحانہ کے بھیجے ہوئے آندھی کے عذاب میں مبتلا رہے اور آٹھویں دن کی شام کو مر گئے' پھر آٹھویں دن آندھی نے ان کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ O (الاحقاف: ۲۵) وہ آندھی اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی تھی پس وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے مکانوں کے سوا اور کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی' ہم مجرم قوم کو اسی طرح سزا دیتے ہیں O

یعنی سب گھر والے تباہ ہو گئے' صرف عبرت کا نشان رکھنے کے لیے ان کے گھر باقی رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فرعون اور اس سے پہلے لوگ اور وہ جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں انہوں نے گناہ کیے O سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کو شدید پکڑ میں لے لیا O بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا O تا کہ ہم اس کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں اور حفاظت کرنے والے کان اس کو محفوظ رکھیں O پس جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی O اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا تو وہ ایک ہی ضرب سے ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی O اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن وہ بالکل کمزور ہو گا O اور فرشتہ اس کے کناروں پر ہو گا O اور اس دن آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے O

(الحاقہ: ۱۷-۹)

دیگر امتوں کی ہلاکت

اور فرعون اور اس کے متبعین نے اس سے پہلے جو کفر کیا تھا' اور اس سے پہلے جن امتوں نے کفر کیا تھا اور وہ قوم جس کی بستیاں الٹ دی گئیں تھیں یعنی وہ قوم جس کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا' ان کو بھی ان کے کفر اور دیگر گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

الحاقہ: ۱۰ میں فرمایا: سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کو شدید پکڑ میں لے لیا O

ایک قول یہ ہے کہ اس رسول سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے حضرت لوط علیہ السلام مراد ہیں اور یہ قول زیادہ قریب ہے' تب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو زبردست گرفت میں لے لیا۔

الحاقۃ: ۱۲۔۱۱ میں فرمایا: بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا O تا کہ ہم اس کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں' اور حفاظت کرنے والے کان اس کو محفوظ رکھیں O

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے غضب سے وہ پانی محافظ فرشتوں کی طاقت سے باہر ہو گیا اور وہ اس کو روکنے پر قادر نہ ہو سکے' قتادہ نے کہا: وہ پانی ہر چیز سے پندرہ ہاتھ اونچا ہو گیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پانی محافظ فرشتوں کی طاقت سے باہر ہو گیا اور وہ یہ نہ جان سکے کہ کتنا پانی نکل چکا ہے' اور اس سے پہلے پانی کا ایک قطرہ بھی ان کی پیمائش سے زیادہ نازل نہیں ہوتا تھا' ان قصوں کو بیان کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ پچھلی امتوں پر کس طرح عذاب نازل ہوتا رہا تھا اور کفارِ مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں ان کے طریقہ کی اقتداء کرنے سے باز رکھنا مطلوب ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے مؤمنوں پر یہ احسان فرمایا کہ ان کو حضرت نوح کی کشتی میں سوار کر کے طوفان سے نجات دی۔

اس آیت میں کفار قریش کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم کو کشتی میں سوار کیا' اس کا محمل یہ ہے کہ کفار قریش کے آباء واجداد اس وقت ان لوگوں کی پشتوں میں تھے' جن کو کشتی میں سوار کیا تھا اس لیے یہ احسان کفار قریش پر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی قوم کے کفار کو غرق کر دیا اور ان کی قوم کے مؤمنوں کو نجات دی' تا کہ یہ واقعہ تمہارے لیے نصیحت اور عبرت کی نشانی بن جائے' اور حفاظت کرنے والے کان اس نشانی کو سن کر اسے یاد رکھیں۔

الحاقۃ: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: پس جب صور میں ایک پھونک پھونکی جائے گی O اور زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا تو وہ ایک ہی ضرب سے ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O

قیامت کے وقوع کی علامات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے صور میں پہلی بار پھونکنا مراد ہے جس سے قیامت قائم ہو جائے گی اور ہر شخص مر جائے گا' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے دوسری بار پھونکنا مراد ہے لیکن یہ قول سیاق وسباق کے خلاف ہے۔

الحاقۃ: ۱۴ میں زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھانے کا ذکر ہے' اس سے مراد یا تو وہ زلزلہ ہے جو قیامت کے دن آئے گا' یا اس سے مراد وہ زبردست آندھی ہے جو زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھا لے گی' یا کوئی فرشتہ اٹھا لے گا' یا بغیر ظاہری اسباب کے اللہ تعالیٰ ان کو محض اپنی قدرت سے اٹھا لے گا' پھر تمام زمینوں اور پہاڑوں پر ضرب لگائی جائے گی' پھر ان کے بعض' بعضوں کو ٹکر ماریں گے حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے سے پس کر باریک ریت کے ذرات اور بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے' ایک اور جگہ فرمایا:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (الزلزال: ۱) — جب زمین پوری طرح لرز جائے گی O

الحاقۃ: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: پس اس دن واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی O اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن وہ بالکل کمزور ہو گا O

یعنی اس دن قیامت واقع ہو جائے گی اور فرشتوں کے نزول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن آسمان میں بالکل قوت نہیں ہو گی اور وہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائے گا۔

اس آیت میں "الملک" کا لفظ ہے ہر چند کہ یہ واحد ہے لیکن اس سے ایک فرشتہ مراد نہیں ہے بلکہ فرشتوں کی جنس مراد ہے نیز اس آیت میں "الارجاء" کا لفظ ہے اس کا لغوی معنی ہے: نواحی اور اطراف اور یہ لفظ کنویں اور قبر کے کنارے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب آسمان پھٹ جائے گا تو فرشتے آسمان کے پھٹنے کی ہر جگہ سے انحراف کریں گے اور آسمان کی اطراف میں ٹھہرے ہوں گے۔

اس جگہ یہ اشکال ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ (الزمر: ۶۸) اور صور میں پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں اور زمینوں والے ہلاک ہو جائیں گے ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے۔

اس آیت کا تقاضا ہے کہ قیامت آنے کے بعد فرشتے بھی ہلاک ہو جائیں گے پھر وہ آسمان کی اطراف میں کیسے ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک لحظہ کے لیے آسمان کی اطراف میں ٹھہریں گے پھر مر جائیں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عموم سے فرشتوں کو مستثنیٰ کر لیا ہو۔

الحاقہ: ۱۷ میں فرمایا: اس دن آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے O

عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتوں کی تفصیل

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ ہے کہ جو فرشتے اطراف میں ہوں گے ان کے اوپر جو فرشتے ہیں وہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ عام فرشتوں اور حاملین عرش کے درمیان امتیاز کر دیا جائے دوسری تفسیر یہ ہے کہ مقاتل نے کہا ہے کہ حاملین عرش اپنے سروں کے اوپر عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

حسن بصری نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ اس سے صرف آٹھ فرشتے مراد ہیں یا آٹھ ہزار فرشتے ہیں یا فرشتوں کی آٹھ صفیں مراد ہیں۔

امام رازی نے کہا: اس سے آٹھ فرشتوں کو مراد لینا چاہیے اور اس کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب وہ چار فرشتے ہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ چار مزید فرشتوں سے ان کی تائید فرمائے گا تو یہ آٹھ فرشتے ہو جائیں گے۔

دوسری حدیث میں ہے: یہ آٹھ فرشتے ہیں جن کے پیر ساتویں زمین تک ہیں اور عرش ان کے سروں کے اوپر ہے اور یہ سر جھکائے ہوئے تسبیح کر رہے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۲۶ الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۶ النکت والعیون ج ۶ ص ۸۲ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۴۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس دن تم سب پیش کیے جاؤ گے تم میں سے کوئی چھپنے والا چھپ نہیں سکے گا O سو جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: آؤ میرا نامہ اعمال پڑھو O مجھے یقین تھا کہ میں نے اپنے حساب سے ملنا ہے O پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا O بلند جنت میں O جس کے پھلوں کے خوشے جھکے ہوئے ہیں O خوب مزے سے کھاؤ اور پیؤ ان نیک کاموں کے عوض جو تم نے گزشتہ ایام میں بھیجے تھے O اور رہا وہ جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا پس وہ کہے گا: کاش! مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا O اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا کیا حساب ہے O کاش! وہی (موت) میرا کام تمام کر دیتی O میرا مال میرے کسی کام نہ آیا O میرا غلبہ جاتا رہا O (الحاقہ: ۲۹۔۱۸)

اللہ تعالیٰ کے سامنے مخلوق کو حساب کے لیے پیش کیا جائے گا جیسا کہ بادشاہ کے سامنے لشکر کو پیش کیا جاتا ہے تا کہ وہ ان

کے احوال کی باز پرس کرے‘ قرآن مجید میں ہے:

وَعُرِضُوۡا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا ؕ (الکہف:۴۸) اور وہ سب آپ کے رب کے سامنے صف بستہ پیش کیے جائیں گے۔

حضرت ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تین مرتبہ لوگوں کو پیش کیا جائے گا‘ پہلی بار ان سے باز پرس ہوگی اور دوسری بار وہ اپنے عذر پیش کریں گے اور تیسری بار ان کے صحائف اعمال ان کے ہاتھ میں دیئے جائیں گے‘ نیک شخص کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا اور بدکار کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۲۷۷‘ مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۴)

پھر فرمایا: تم میں سے کوئی چھپنے والا چھپ نہیں سکے گا۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ اس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جو ہر چیز کو جاننے والا ہے اور اس سے مخلوق کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے: جو چیزیں دنیا میں تم سے چھپی ہوئیں تھیں وہ قیامت کے دن چھپی ہوئی نہیں ہوں گی‘ مؤمنین کے تمام احوال اور اعمال لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے جس سے ان کو خوشی حاصل ہوگی اور کفار کی برائیاں ظاہر ہوں گی جس سے ان کی رسوائی ہوگی اور ان کو غم ہوگا‘ قرآن مجید میں ہے:

یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ فَمَا لَہٗ مِنۡ قُوَّۃٍ وَّ لَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾ جس دن پوشیدہ چیزوں کی جانچ پڑتال ہوگی ○ پھر اس کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی نہ مددگار ○ (الطارق:۱۰۔۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا جو قیامت کے دن گاڑ دیا جائے گا‘ ثابت نے کہا: وہ قیامت کے دن دکھایا جائے گا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۱۸۷‘ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۳۶‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۸۷۲‘ مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۲)

الحاقہ:۱۹ میں فرمایا: سو جس کو اس کا صحیفۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا‘ وہ کہے گا: آؤ میرا اعمال نامہ پڑھو ○

اس آیت میں ”ھاءُ مُ“ کا لفظ ہے‘ ”ھا“ کا معنی ہے: لو پکڑو‘ اس کی گردان بھی آتی ہے‘ تثنیہ کے لیے ”ھاؤما“ اور جمع کے لیے ”ھاء موا“ اور میم اس میں اس طرح ہے جیسے ”انتما“ اور ”انتم“ میں ہے۔

”کِتٰبِیَہۡ“ (الحاقہ:۱۹) ”حِسَابِیَہۡ“ (الحاقہ:۲۰) ”مَالِیَہۡ“ (الحاقہ:۲۸) اور ”سُلۡطٰنِیَہۡ“ (الحاقہ:۲۹) میں ”ھاء“ سکتہ کے لیے ہے‘ ان ”ھاءات“ کا قاعدہ یہ ہے کہ وقف کی حالت میں یہ ثابت رہیں گی اور وصل کی حالت میں ان کو ساقط کر دیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۲۸‘ داراحیاء التراث العربی‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

الحاقہ:۲۰ میں فرمایا: (دائیں ہاتھ والا کہے گا:) مجھے یقین تھا کہ میں نے اپنے حساب سے ملنا ہے ○

لوگوں کا محشر میں تین بار اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جانا

اس یقین سے مراد وہ یقین ہے جو استدلال سے حاصل ہوتا ہے یعنی میں یہ گمان کرتا تھا کہ میرا حساب ہوگا اور اللہ تعالیٰ میرے گناہوں پر گرفت فرمائے گا‘ پھر اللہ نے اپنے فضل سے مجھے معاف کر دیا اور اس نے گناہوں پر مجھے سزا نہیں دی۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے کو کھڑا کرے گا‘ پھر اس کو اس کے اعمال نامے میں اس کے گناہ دکھائے گا اور اس سے فرمائے گا: تم نے یہ کام کیے تھے؟ وہ کہے گا: ہاں! اے میرے

رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تم کو ان کاموں سے رسوا نہیں کر رہا' میں نے تم کو بخش دیا ہے اور جب وہ بندہ یہ دیکھے گا کہ وہ قیامت کے دن کی رسوائی سے نجات پا گیا ہے تو اس وقت وہ یہ آیات پڑھے گا: " هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ " (الحاقہ: ۲۰۔۱۹)۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۷۱۔ رقم الحدیث: ۱۸۹۷۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مجھے سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی' پھر میں سامنے کی طرف دیکھوں گا تو امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو پہچان لوں گا اور میرے پیچھے بھی اس کی مثل ہوگا اور میرے دائیں بھی اس کی مثل ہوگا اور میرے بائیں بھی اس کی مثل ہوگا' ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! حضرت نوح علیہ السلام کی امت سے لے کر آپ کی امت تک اتنی امتیں ہوں گی' آپ ان میں سے اپنی امت کو کس طرح پہچانیں گے؟ آپ نے فرمایا: میری امت وضو کے اثر سے غر محجل ہوگی (یعنی اس کے ہاتھ' پیر اور اس کا چہرہ سفید ہوگا) اور دوسری کوئی امت اس طرح نہیں ہوگی اور میں اس وجہ سے پہچانوں گا کہ ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور میں اس وجہ سے پہچانوں گا کہ ان کی اولاد ان کے آگے دوڑ رہی ہوگی۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۶ ص ۶۵۔۶۴۔ رقم الحدیث: ۲۱۷۳۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' المستدرک ج ۲ ص ۴۷۸' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۵۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۵۸)

الحاقہ: ۲۱ میں فرمایا: پس وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا ۝

"عيشة راضية" میں مجاز عقلی کی نسبت

اس زندگی کو "راضية" اس لیے فرمایا کہ وہ رضا کی طرف منسوب ہوگی' نیز اصل میں راضی تو وہ شخص ہوگا جو اس زندگی میں ہوگا پس زندگی کی طرف رضا کی نسبت اسناد مجاز عقلی ہے۔

آخرت میں جو اجر و ثواب ہوگا وہ اس لیے پسندیدہ ہوگا کہ اس کے ساتھ اس رنج کی آزمائش نہیں ہوگی کہ کبھی یہ عیش ختم ہو جائے گا' اور وہ ثواب دائمی ہوگا اور اس عیش کے ساتھ تعظیم مقرون ہوگی' خلاصہ یہ ہے کہ وہ عیش جمیع جہات سے پسندیدہ ہو گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتی ہمیشہ زندہ رہیں گے' ان پر موت کبھی نہیں آئے گی اور وہ ہمیشہ صحت مند رہیں گے' کبھی بیمار نہیں ہوں گے اور ہمیشہ نعمت میں رہیں گے' کبھی رنجیدہ نہیں ہوں گے اور وہ ہمیشہ جوان رہیں گے' کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۶)

الحاقہ: ۲۴۔۲۲ میں فرمایا: بلند جنت میں ۝ جس کے پھلوں کے خوشے جھکے ہوئے ہیں ۝ خوب مزے سے کھاؤ اور پیو ان نیک کاموں کے عوض جو تم نے گزشتہ ایام میں بھیجے تھے ۝

جنت کی بلندی کی دو تفسیریں اور جنت کی نعمتوں کی تفصیل

یعنی جس شخص کی زندگی پسندیدہ ہوگی وہ بلند جنت میں ہوگا' اس بلندی سے مراد یا تو مکان کی بلندی ہے یا شرف اور مرتبہ کی بلندی ہے' اگر مکان کی بلندی مراد ہو تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس جنت کے اوپر اور بھی جنتیں ہوں گی' پھر یہ بلند جنت کیسے ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلندی سے مراد اضافی بلندی ہے' حقیقی بلندی نہیں ہے اور جنت بہرحال آسمانوں اور زمینوں سے بلند ہے۔

جنت کے پھلوں کے خوشے جھکے ہوئے ہوں گے تاکہ جنتی کا دل جب کسی خوشے سے پھل توڑ کر کھانے کو چاہے تو وہ

آسانی سے پھل توڑ ئے خواہ وہ اس وقت کھڑا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا لیٹا ہوا ہو۔

الحاقہ :۲۴ میں فرمایا ہے: ان نیک کاموں کے عوض جو تم نے گزشتہ ایام میں بھیجے تھے' اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے نیک کاموں کے سبب سے اجر و ثواب ملتا ہے' حالانکہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ انسان کو اللہ کے فضل سے اجر و ثواب ملتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اجر و ثواب کا ظاہری سبب انسان کے نیک اعمال ہیں اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' اس کی تفصیل کئی بار گزر چکی ہے' دیکھئے الاعراف :۴۳ کی تفسیر۔

الحاقہ :۲۶۔۲۵ میں فرمایا: اور رہا وہ جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' پس وہ کہے گا: کاش! مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا O اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا کیا حساب ہے O

رسوائی کے عذاب کا دوزخ کے عذاب سے زیادہ سخت ہونا اور کفار کا کف افسوس ملنا

جب کفار اور فساق اپنے صحائف اعمال میں اپنے بُرے کام دیکھیں گے تو شرمندہ ہوں گے اور دوزخ کے عذاب سے زیادہ ان کے لیے شرمندگی کا عذاب تکلیف دہ ہوگا' اور وہ کہیں گے: کاش! ہمیں دوزخ کا عذاب دیا جاتا اور ہمارے بُرے کام دکھا کر ہم کو شرمندہ نہ کیا جاتا' اس سے معلوم ہوا کہ روحانی عذاب جسمانی عذاب سے زیادہ سخت ہوتا ہے' اس لیے دوزخی کہے گا: کاش! مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا کیا حساب ہے۔

الحاقہ :۲۷ میں فرمایا: (کافر کہے گا:) کاش! وہی (موت) میرا کام تمام کر دیتی O

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ "یـٰلیتھـا" کی "ھـا" ضمیر دنیا کی پہلی موت کی طرف راجع ہے' ہر چند کہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے لیکن اپنے ظہور کی وجہ سے حکماً مذکور ہے' اور اس آیت میں "الـقـاضـیـة" کا لفظ ہے' اس کا معنی انتہا اور فراغت ہے' جیسے اس آیت میں ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ . (الجمعہ:۱۰) پس جب نماز مکمل ہو جائے یا ختم ہو جائے۔

اسی طرح اس کا معنی ہے: کاش! وہی موت میری انتہاء کر دیتی اور مجھے فارغ کر دیتی تو میں محشر میں نہ آتا۔

الحاقہ :۲۸ میں فرمایا: (کافر کہے گا:) میرا مال میرے کسی کام نہ آیا O

یعنی کون سی چیز مجھ سے آخرت کے عذاب کو دور کر سکتی ہے جب میرا مال ہی میرے کام نہ آیا۔

الحاقہ :۲۹ میں فرمایا: (کافر کہے گا:) میرا غلبہ جاتا رہا۔

اس غلبہ کی دو تفسیریں ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ کہے گا: میری وہ حجت میرے ہاتھ سے جاتی رہی جس سے میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف دنیا میں استدلال کرتا تھا' مقاتل نے کہا: اس کا یہ مطلب ہے کہ جب میرے ہاتھ' پاؤں اور دیگر اعضاء نے میرے خلاف گواہی دے دی تو میرے سارے عذر اور حیلے' بہانے ہاتھ سے جاتے رہے۔

(۲) دنیا میں جو میرا ملک اور لوگوں پر میرا تسلط اور اقتدار تھا وہ میرے پاس نہ رہا اور اب میں بالکل ذلیل اور فقیر ہو گیا یا اس کا معنی ہے: میں دنیا میں اپنے ملک اور اقتدار کی بناء پر اصحاب حق سے مناقشہ کرتا تھا' اب وہ اقتدار نہ رہا اور اب میں نے اپنی ہٹ دھرمی کا خمیازہ بھگتنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اسے پکڑو پھر اس کو طوق پہنا دو O پھر اس کو دوزخ میں جھونک دو O پھر اس کو ستر ہاتھ پیمائش کی زنجیر میں جکڑ دو O بے شک یہ بڑی عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا O اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا O پس آج

یہاں نہ اس کا کوئی دوست ہے O اور نہ دوزخیوں کے پیپ کے سوا کوئی طعام ہے O جس کو گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا O (الحاقۃ: ۳۰۔۳۷)

کفار کو دوزخ میں ستر ہاتھ لمبی زنجیر سے جکڑ کر عذاب دینا

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیات میں پہلے آخرت میں مؤمنوں کے اجر و ثواب' جنت میں ان کی پسندیدہ زندگی اور وسعت کے ساتھ کھانے اور پینے کا ذکر فرمایا' پھر کفار کے عذاب' ان کو طوق ڈالنے اور زنجیروں میں جکڑنے کا اور ان کے لیے دوزخیوں کی پیپ کے طعام کا ذکر فرمایا' اس کے بعد اب یہ بتایا کہ دوزخ کے محافظ ان کے متعلق یہ کہیں گے کہ اس کو پکڑو تو ایک لاکھ فرشتے اس کی طرف جھپٹ پڑیں گے' اور اس کے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ جکڑ کر اس میں طوق ڈال دیا جائے گا' پھر کہا جائے گا: اس کو دوزخ میں ڈال دو' اس آیت میں ''الجحیم'' کا لفظ ہے' یہ آگ کا سب سے بڑا طبقہ ہے کیونکہ یہ دنیا میں اپنا اقتدار جتاتا تھا' اور بڑائی ظاہر کرتا تھا تو اس کو بڑی آگ میں جھونکو' یہ جو فرمایا ہے: اس کو ستر ہاتھ کی زنجیر سے جکڑ دو' اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ستر ہاتھ ہی کی زنجیر ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو بہت لمبی زنجیر کے ساتھ جکڑ دو کیونکہ عرب میں ستر کا لفظ مبالغہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے: ''اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً'' (التوبہ: ۸۰) اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ استغفار کریں' یعنی بہت زیادہ بار بھی استغفار کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ زنجیر ان کی سرین سے داخل ہو کر ان کے حلق سے نکل آتی' پھر ان کی پیشانی اور قدموں کو ملا کر اس زنجیر کے ساتھ باندھ دیا جاتا۔

ایک سوال یہ کیا گیا ہے کہ اتنی لمبی زنجیر کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک لمبی زنجیر کے ساتھ تمام دوزخیوں کو باندھ دیا جائے گا اور جب تمام دوزخی ایک ہی زنجیر کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے تو وہ ان کے لیے زیادہ عذاب کا باعث ہوگا۔

الحاقہ: ۳۴۔۳۳ میں فرمایا: بے شک یہ بڑی عظمت والے اللہ پر ایمان نہیں لاتا تھا O اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا O

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں تقصیر کا عذاب

پہلی آیت میں کافر کی قوتِ عاقلہ کے فساد کی طرف اشارہ ہے اور دوسری آیت میں اس کی قوتِ عاملہ کے فساد کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت میں اس کے عقائد کی خرابی کی طرف اشارہ ہو اور دوسری آیت میں اس کے اعمال کی خرابی کی طرف اشارہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت میں یہ بتایا ہو کہ وہ حقوق اللہ کی ادائیگی نہیں کرتا تھا اور دوسری آیت میں یہ بتایا ہو کہ وہ حقوق العباد کی ادائیگی نہیں کرتا تھا۔

اس آیت میں اس پر قوی دلیل ہے کہ مسکین کو محروم رکھنا بہت بڑا جرم ہے' نیز اس میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ مسکین کو کھلاتا نہیں تھا' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ وہ مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا اور اس کا معنی یہ ہے کہ مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہ دینا بھی بہت بڑا جرم ہے' تو سوچئے کہ مسکین کو کھانا نہ کھلانا اور اس کی مدد نہ کرنا کتنا بڑا جرم ہوگا!

اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ کفار کو احکامِ شرعیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے بھی عذاب دیا جائے گا' اس آیت میں دو گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے' ایک اللہ پر ایمان نہ لانا اور دوسرا مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہ دینا کیونکہ سب سے بڑا جرم اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا ہے اور سب سے زیادہ مذمت والا کام بخل کرنا ہے اور دل کی سختی ہے۔

پہلے جرم کو ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تعظیم بجالانے اور عبادت کیے جانے کا مستحق ہے' سو جس نے اللہ تعالیٰ کے غیر کی تعظیم کی یا اس کی عبادت کی وہ عذاب کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے' پس جس نے ان میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھینا میں اس کو دوزخ میں داخل کردوں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۰۳' کتاب البر والصلۃ باب تحریم الکبر)

روایت ہے کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو اس کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ سالن میں شوربا زیادہ رکھا کریں تاکہ مسکینوں کو کھانا کھلایا جاسکے۔

امام ابن المنذر نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک زنجیر ہے جس کو دوزخ کی دیگچیوں میں مسلسل قیامت تک جوش دیا جاتا رہے گا اور اس زنجیر کو لوگوں کی گردنوں میں ڈالا جائے گا' اللہ صاحب عظمت پر ایمان لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے نصف عذاب سے نجات دے دی ہے' پس اے ام الدرداء تم مسکین کو کھلانے کی ترغیب دیا کرو۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۲۵۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

الحاقہ: ۳۷۔۳۵ میں فرمایا: پس آج یہاں اس کا نہ کوئی دوست ہے O اور نہ دوزخیوں کی پیپ کے سوا کوئی طعام ہے O جس کو گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا O

کفار کا شفاعت سے محروم ہونا

آخرت میں کافروں کا کوئی ایسا دوست نہیں ہوگا جو ان کی غم گساری کرے اور ان سے عذاب کو دور کر سکے' قرآن مجید میں ہے:

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ط O ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا جس کی شفاعت قبول کی جاسکے O (المؤمن: ۱۸)

نیز فرمایا: ''غسلین'' کے سوا ان کا کوئی کھانا نہیں ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ''غسلین'' کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا کہ ''غسلین'' کیا ہے' کلبی نے کہا: یہ وہ پانی ہے جو دوزخیوں کے جسم سے بہے گا' یہ ان کا خون اور پیپ ہے۔

اس کے بعد بتایا کہ اس خون اور پیپ کے کھانے والے کون ہیں' فرمایا: اس کو گناہ گاروں کے سوا اور کوئی نہیں کھائے گا۔ ان گناہ گاروں سے مراد مشرکین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو حق سے باطل کی طرف تجاوز کرتے تھے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ

میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو O اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے O بے شک

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ط قَلِيْلًا

یہ قرآن ضرور رسول کریم کا قول ہے O اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے' تم بہت کم

مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط قَلِيْلًا مَّا

ایمان لاتے ہو O اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے' تم بہت کم



تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ

سمجھتے ہو ○ یہ رب العلمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ○ اور اگر

تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿٤٤﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ

وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے ○ تو ہم ان کو پوری

بِالْيَمِيْنِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ

قوت سے پکڑ لیتے ○ پھر ہم ضرور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے ○ پھر تم میں سے کوئی بھی

اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَ

ان کو بچانے والا نہ ہوتا ○ اور بے شک یہ قرآن اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور نصیحت ہے ○ اور

اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ

بے شک ہم ضرور جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے ہیں ○ اور بے شک یہ قرآن ضرور

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ

کافروں کے لیے باعثِ حسرت ہے ○ بے شک یہ ضرور حق الیقین ہے ○ سو آپ اپنے

رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٥٢﴾ ع

رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھیے ○

ع ٢ ١٥ ٦

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو ○ اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے ○ بے شک یہ قرآن ضرور رسول کریم کا قول ہے ○ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے' تم بہت کم ایمان لاتے ہو ○ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے' تم بہت کم سمجھتے ہو ○ یہ رب العلمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ○ (الحاقۃ: ٤٣-٣٨)

قرآن مجید کا سحر' شعر اور کہانت نہ ہونا

اس آیت کا معنی ہے: میں تمام چیزوں کی قسم کھاتا ہوں' خواہ تم ان کو دیکھتے ہو یا نہیں دیکھتے' مقاتل نے کہا: ان آیات کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ساحر ہیں' اور ابوجہل نے آپ کے متعلق کہا: آپ شاعر ہیں اور عقبہ نے آپ کے متعلق کہا: آپ کاہن ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے رد میں یہ آیات نازل کیں' یہ لوگ قرآن مجید کو سحر' شعر اور کہانت کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ ضرور رسول کریم کا قول ہے' سحر' شعر یا کہانت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ رسول کریم کا قول ہے‘ حسن بصری‘ کلبی اور مقاتل نے کہا: اس کی دلیل یہ آیت ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ (التکویر: ۲۰۔۱۹)　یہ رسول کریم کا قول ہے O جو قوت والا ہے‘ عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے O

کلبی سے یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ رسول کریم سے اس آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور یہ قرآن کسی شاعر کا قول نہیں ہے‘ حالانکہ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے‘ یہ اللہ عزوجل کا قول ہے‘ اور یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس لیے منسوب ہے کہ آپ اس کی تلاوت کرنے والے ہیں اور اس کو پہنچانے والے ہیں۔

نیز فرمایا: اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے اور نہ کسی کاہن کا قول ہے‘ کیونکہ قرآن مجید کی آیات شعر کے فنون کی مخالف ہیں‘ لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو یعنی تم ایمان لانے کا قصد نہیں کرتے‘ شعر میں خیالی باتیں ہوتی ہیں اور قرآن میں حقائق ہیں‘ نیز شعر میں یہ قصد کیا جاتا ہے کہ آخری کلمات ایک وزن پر ہوں اور قرآن مجید کی آیات اس طرح نہیں ہیں اور بعض سورتوں میں اگرچہ آخری کلمات ایک وزن پر ہیں لیکن ان کا ایک وزن پر ہونا اتفاقاً ہے قصداً نہیں ہے ورنہ قرآن مجید کی تمام آیات اسی طرح ہوتیں اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے کیونکہ کاہن کی کوئی ایک بات سچی ہوتی ہے اور اکثر باتیں جھوٹی ہوتی ہیں اور قرآن مجید کی کوئی بات جھوٹی نہیں ہے‘ یہ تو رب العٰلمین کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام ہے جو حضرت جبریل کے واسطہ سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے O تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے O پھر ہم ضرور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے O پھر تم میں سے کوئی بھی ان کو بچانے والا نہ ہوتا O (الحاقۃ: ۴۷۔۴۴)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق رسول ہونے کی دلیل

اس آیت میں ''یمین'' کا لفظ ہے‘ اس کا معنی دایاں ہاتھ ہے اور آیت کا معنی اس طرح ہے: اور اگر ان پر وحی نہ کی جاتی اور یہ بغیر وحی کے کسی کلام کو ہماری طرف منسوب کرتے تو ہم ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیتے یا ان کے دائیں ہاتھ کو تصرف سے روک دیتے‘ اور پھر ان کی شاہ رگ کو کاٹ کر ان کو ہلاک کر دیتے‘ یہ معنی حسن بصری اور ابوجعفر طبری سے منقول ہے‘ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے مراد قوت اور طاقت ہے‘ کیونکہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے‘ اس صورت میں آیت میں مذکور ''من'' زائد ہوگا اور اب اس آیت کا معنی ہوگا: اور اگر وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے O پھر ہم ضرور ان کی شاہ رگ کاٹ دیتے O

اس کے بعد فرمایا: پھر تم میں سے کوئی بھی ان کو بچانے والا نہ ہوتا‘ مقاتل اور کلبی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے: تم میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو اس فعل سے روک نہیں سکتا تھا‘ اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ اس آیت میں ''حاجزین'' ''احد'' کی صفت ہے اور ''حاجزین'' جمع ہے اور ''احد'' واحد ہے حالانکہ موصوف اور صفت میں مطابقت ضروری ہے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ ''احد'' نفی کے تحت ہے اور نکرہ جب حیز نفی میں ہو تو مفید عموم ہوتا ہے‘ اس لیے ''احد'' حکماً جمع ہے اور ''حاجزین'' کو اس کی صفت بنانے پر کوئی اشکال نہیں ہے‘ اس کی نظیر یہ ہے: ''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ'' (البقرہ: ۲۸۵) اس میں بھی ''رسل'' جمع ہے اور ''احد'' کی صفت ہے‘ اور یہ آیت ہے: ''لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ'' (الاحزاب: ۳۲)۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے بھیجے ہوئے برحق رسول نہ ہوتے تو ہم ان کا

دایاں ہاتھ کاٹ دیتے یا ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے' پھر ان کو ہلاک کر دیتے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک یہ قرآن اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ضرور نصیحت ہے O اور بے شک ہم ضرور جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے ہیں O اور بے شک یہ قرآن ضرور کافروں کے لیے باعث حسرت ہے O اور بے شک یہ ضرور حق الیقین ہے O سو آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھیے O (الحاقۃ: ۵۲۔۴۷)

قرآن مجید کی ایجابی صفات

اس سے پہلی آیتوں میں قرآن مجید کی سلبی اور منفی صفات ذکر فرمائیں تھیں کہ یہ قرآن نہ سحر ہے' نہ شعر ہے' نہ کہانت ہے' اور اس آیت میں اس کی ایجابی اور اثباتی صفت ذکر فرمائی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے' ویسے تو قرآن مجید سب کے لیے نصیحت ہے لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ اس نصیحت سے وہی فائدہ حاصل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوں۔

الحاقۃ: ۴۹ میں ان کا ذکر فرمایا جو قرآن مجید کے جھٹلانے والے ہیں یعنی جو شخص دنیا کی رنگینیوں اور اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزوں سے مجتنب رہا' وہ اس قرآن سے نفع اور نصیحت حاصل کرے گا اور جو دنیا اور اس کی زیب و زینت میں ڈوبا رہا وہ قرآن کریم سے کوئی فیض حاصل نہیں کر سکے گا۔

الحاقۃ: ۵۰ میں فرمایا: اور بے شک یہ قرآن ضرور کافروں کے لیے باعث حسرت ہے۔

یہ قرآن قیامت کے دن کفار کے لیے باعثِ حسرت ہوگا' جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمان قرآن مجید کی تصدیق کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کے باعث جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔

الحاقۃ: ۵۱ میں فرمایا: اور بے شک یہ ضرور حق الیقین ہے O

یعنی حق ہے' اس میں کوئی باطل چیز نہیں ہے اور یہ سراسر یقین ہے' اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔ اصطلاح میں حق الیقین اس جزم اور تصدیق کو کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو اور تشکیکِ مشکک سے زائل نہ ہو اور اس پر یقین تجربہ سے حاصل ہوا ہو۔

الحاقۃ: ۵۲ میں فرمایا: سو آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح پڑھیے O

رکوع اور سجود کی تسبیحات کے متعلق احادیث اور ان میں مذاہب

یعنی آپ اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نزولِ وحی کا اہل بنا دیا' اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کو ثابت فرمایا کہ اگر آپ جھوٹے نبی ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کا دایاں ہاتھ کاٹ دیتا اور چونکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ جھوٹے نبی نہیں ہیں' سچے نبی ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "فسبح باسم ربک العظیم" اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے: "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى O" (الاعلیٰ: ۱) اور ان کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' جب یہ آیت نازل ہوئی: "فسبح باسم ربک العظیم" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے رکوع میں کر لو اور جب یہ آیت نازل ہوئی: "سبح اسم ربک الاعلیٰ" تو آپ نے فرمایا: اس کو اپنے سجدہ میں کر لو۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۸۶۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۷)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' آپ رکوع میں فرماتے: ''سبحان ربی العظیم ''اور سجدہ میں فرماتے:''سبحان ربی الاعلٰی ''اور جب بھی آپ رحمت کی آیت پڑھتے تو وقف کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کرتے اور جب آپ عذاب کی آیت پڑھتے تو وقف کر کے اس سے پناہ طلب کرتے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۷۲ سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۶۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۷۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۰۰۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے اور تین مرتبہ کہے:''سبحان ربی العظیم ''تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور یہ کم سے کم مرتبہ ہے اور جب سجدہ کرے اور تین مرتبہ کہے:''سبحان ربی الاعلٰی ''تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ کم سے کم مرتبہ ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۶۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۹۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں' میزان پر بھاری ہیں' رحمان کو محبوب ہیں' وہ ہیں:''سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم ''۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۰۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۶۹۴' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۴۶۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۸۰۶' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۲)

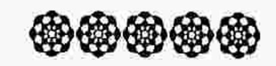
امام احمد کے نزدیک رکوع اور سجود میں تسبیحات کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: اس کو اپنے رکوع میں کر لو اور اس کو اپنے سجدہ میں کر لو اور امر وجوب کے لیے آتا ہے اور جمہور کے نزدیک ان تسبیحات کا پڑھنا مستحب ہے' کیونکہ جب آپ نے اعرابی کو نماز کی تعلیم دی تو طمانیت سے رکوع اور سجود کرنے کا حکم دیا لیکن تسبیح پڑھنے کا ذکر نہیں فرمایا۔

(دیکھئے صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۹۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۵۶' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۰۳' سنن نسائی رقم الحدیث:۸۸۴)

سورۃ الحاقہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۱ صفر ۱۴۲۶ھ/ یکم اپریل ۲۰۰۵ء بہ روز جمعہ سورۃ الحاقہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔ دنیا میں مجھے صحت و عافیت اور عزت و کرامت کے ساتھ رکھیں اور آخرت میں میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور تلامذہ کی مغفرت فرما دیں۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وازوجہٖ وسلم.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورة المعارج

سورت کا نام

اس سورت کا نام المعارج ہے' کیونکہ اس سورت کی ایک آیت میں المعارج کا ذکر ہے:

مِنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ؕ (المعارج:۳) (وہ عذاب) اللہ کی طرف سے ہوگا جو آسانی سیڑھیوں کا مالک ہے ○

آسمانی سیڑھیوں سے مراد وہ سیڑھیاں ہیں جن پر چڑھ کر فرشتے اور حضرت جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہیں' حضرت جبریل علیہ السلام کا اس لیے خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے وحی لے کر انبیاء علیہم السلام کی طرف نازل فرماتے تھے۔

یہ سورت' سورة الحاقہ کا بہ منزلہ تتمہ ہے' کیونکہ جس طرح سورة الحاقہ میں قیامت اور جنت اور دوزخ کے احوال اور مؤمنین اور کافرین کا اخروی انجام ذکر فرمایا تھا' اسی طرح اس سورت میں بھی ان اُمور کو ذکر فرمایا ہے۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۷ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۰ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ سورت' سورة الحاقہ کے بعد اور سورة النبا سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورة المعارج کے مشمولات

☆ اس سورت میں قیامت کے دن کو ثابت کیا گیا ہے اور اس دن میں واقع ہونے والے ہولناک اُمور کو بیان فرمایا ہے اور کفار کو اسی دن سے ڈرایا گیا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کے قہر کو بیان فرمایا ہے اور دوزخ کے ہولناک عذاب کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ دوزخ کا عذاب کس وجہ سے ملتا ہے۔

☆ اس کے مقابلہ میں مؤمنین کے نیک اعمال بیان فرمائے' جس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان پر فضل کرتا ہے' انہیں دوزخ سے نجات دیتا ہے اور دائمی جنتیں عطا فرماتا ہے۔

☆ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے جو دل آزار باتیں اور اذیتیں پہنچتی تھیں' ان پر آپ کو صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

☆ مسلمانوں کے ان نیک اوصاف کا بیان فرمایا ہے' جن کی وجہ سے وہ مشرکین سے ممتاز ہیں۔

☆ یہ بتایا ہے کہ عام انسانوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ مصیبت ٹوٹنے پر بے صبری کا اظہار کرتے ہیں اور نعمت ملنے پر اتراتے ہیں اور ضرورت مندوں کو اپنا مال دینے سے بخل کرتے ہیں اور مسلمان ان اوصاف سے مستثنیٰ ہیں' وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرتے ہیں اور محاسن اخلاق سے متصف ہوتے ہیں اور ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں۔

سورۃ المعارج کے اس مختصر تعارف کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور اس کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا اور خطاء اور باطل سے مجتنب رکھنا۔(آمین!)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۱ صفر ۱۴۲۶ھ/ یکم اپریل ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴





آیاتہا ۴۴ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — رکوعاتہا ۲ — سورۃ المعارج مکیۃ

سورۂ معارج مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چوالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ

ایک طلب گار نے روزِ قیامت کے عذاب کا مطالبہ کیا جو واقع ہونے والا ہے○ اور کافروں سے اس (عذاب) کو کوئی دور

دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ

کرنے والا نہیں ہے○ وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو آسمانی سیڑھیوں کا مالک ہے○ فرشتے اور جبریل

وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ

اس کی طرف چڑھتے ہیں‘ وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار

سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾

سال ہے○ سو آپ صبر جمیل فرمائیے○ بے شک وہ اس عذاب کو دور گمان کرتے ہیں○

وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَ

اور ہم اس کو نزدیک جانتے ہیں○ جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا○ اور

تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾

پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے○ اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا○

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ

حالانکہ ان کو سب دکھا دیئے جائیں گے‘ مجرم تمنا کرے گا: کاش! وہ اس دن کے عذاب سے نجات کے بدلہ میں اپنے

يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ

بیٹوں کا فدیہ دے دے○ اور اپنی بیوی اور بھائی کا○ اور اپنے اس رشتہ دار کا جو (دنیا میں) اس کو پناہ

تُـْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا

دیتا تھا○ اور روئے زمین کے تمام لوگوں کا‘ پھر یہ فدیہ اس کو عذاب سے نجات دے دے○ ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی



لَظٰى ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿١٦﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿١٧﴾ وَ

آگ ہے ○ وہ (سر سے پاؤں تک) کھال اتارنے والی ہے ○ وہ اس کو پکارے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور اعراض کیا ○

جَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿١٨﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿١٩﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

جس نے مال جمع کیا اور حفاظت سے رکھا ○ بے شک انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے ○ جب اس پر مصیبت آئے تو

جَزُوْعًا ﴿٢٠﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿٢١﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿٢٢﴾

گھبرا جاتا ہے ○ اور جب اسے نفع پہنچے تو بخل کرتا ہے ○ سوا ان کے جو نماز پڑھنے والے ہیں ○

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ

جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں ○ اور جن لوگوں کے مالوں میں

حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ

مقرر حق ہے ○ سوال کرنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا ○ اور جو لوگ روزِ قیامت

بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٢٧﴾

پر ایمان لاتے ہیں ○ اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں ○

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ○ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں

حٰفِظُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

کی حفاظت کرتے ہیں ○ سوا اپنی بیویوں اور مملوکہ باندیوں کے سو بے شک

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں ○ پس جو ان کے علاوہ طلب کرے تو وہی لوگ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ○ اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی

رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ

رعایت کرنے والے ہیں O اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں O اور جو لوگ

هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ

اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O وہی لوگ جنتوں میں

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

عزت یافتہ ہوں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ایک طلب گار نے روزِ قیامت کے عذاب کا مطالبہ کیا جو واقع ہونے والا ہے O اور کافروں سے اس (عذاب) کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے O وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو آسمانی سیڑھیوں کا مالک ہے O فرشتے اور جبریل اس کی طرف چڑھتے ہیں' وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے O سو آپ صبر جمیل فرمائیے O (المعارج: ۵۔۱)

کفار کا عذابِ قیامت کو طلب کرنا

''سَئَلَ'' کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ اس کا معنی طلب کرنا ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کا معنی سوال کرنا ہے' راجح پہلا قول ہے۔

المعارج: ۲۔۱ کی تفسیر میں سعید بن جبیر نے کہا: وہ طلب گار النضر بن الحارث بن کلدۃ تھا' اس نے کہا تھا: اگر یہ عذاب برحق ہے تو ہم پر پتھر برسا' قرآن مجید میں ایک اور جگہ اس کا ذکر ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ O (الانفال: ۳۲)

اور جب کافروں نے کہا: اے اللہ! اگر اس قرآن کا نزول تیری طرف سے برحق ہے (تو ہمارے انکار پر) ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر دردناک عذاب لے آ O

یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا' اور علامہ ذہبی نے کہا ہے: یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے موافق صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۴۹۹ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۸۵۴' المکتبۃ العصریہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۳۱۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حسن اور قتادہ نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ نے مشرکین کو عذاب سے ڈرایا تو مشرکین نے ایک دوسرے سے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کرو کہ یہ عذاب کس پر واقع ہوگا اور کب واقع ہوگا؟ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۰۱۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا ہے کہ یہ سائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے' آپ نے کفار کے عذاب کو جلد طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ عذاب ان پر واقع ہوگا اور اس عذاب کو ان سے کوئی دور کرنے والا نہیں ہے' اور اس تاویل کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو آپ صبر جمیل فرمائیے' اس میں یہ دلیل ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ

عذاب کب واقع ہوگا' اس کو اللہ تعالیٰ نے صبر جمیل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۳۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

المعارج: ۳ میں فرمایا: وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو آسمانی سیڑھیوں کا مالک ہے O

''معارج'' کا لغوی اور عرفی معنی

اس آیت میں ''المعارج'' کا لفظ ہے' یہ ''معرج'' کی جمع ہے' ''معرج'' کا معنی ہے: اوپر چڑھنے کا آلہ' یعنی سیڑھی' اور اوپر چڑھنا' بلندی اور فضیلت کو متضمن ہے' اس لیے اس کا معنی ہے: جو بلند درجات' فضائل اور نعمتوں کا مالک ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد آسمان کی سیڑھیاں ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کی سیڑھیاں ہیں' کیونکہ فرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ المعارج سے مراد بالا خانے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت میں اپنے اولیاء کے لیے بالا خانے بنائے ہیں' اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ المعارج سے مراد قرب کے درجات ہیں' جن کی کیفیت نامعلوم ہے' ان درجات پر انبیاء' ملائکہ اور اولیاء فائز ہوتے ہیں اور وہ مقبولیت کے درجات ہیں' پاکیزہ کلمات اور اعمال صالحہ ان کی طرف چڑھتے ہیں' یا وہ نفوسِ قدسیہ جنت کے درجات میں پہنچتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجات ہیں' ہر دو درجوں کے درمیان زمین اور آسمان جتنا فاصلہ ہے' اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور اسی سے جنت کی چار نہریں نکلتی ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے' پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۱' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اہل جنت اپنے اوپر بالا خانے والوں کو دیکھیں گے جیسا کہ وہ اس روشن ستارے کو دیکھتے ہیں جو مشرقی یا مغربی افق میں ہوتا ہے' کیونکہ اہل جنت کے درمیان فضیلت کے درجات ہوتے ہیں' مسلمانوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آیا یہ انبیاء علیہم السلام کی منازل ہیں' جن میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں جا سکے گا؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! جس ذات کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے (اس میں وہ لوگ بھی ہوں گے) جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۹' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۳۳' مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۰)

حضرت ابن مسعود نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: آسمان میں معارج (سیڑھیاں) ہیں' کیونکہ فرشتے ان پر چڑھتے ہیں۔

المعارج: ۵ میں فرمایا: فرشتے اور جبریل اس کی طرف چڑھتے ہیں' وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے O

''الروح'' کا مصداق

اس آیت میں فرشتوں کے بعد روح کا ذکر ہے' علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے کہا: روح کی تفسیر میں تین قول ہیں:

(۱) قبیصہ بن ذویب نے کہا: اس سے مراد (مسلمان) میت کی روح ہے' جب فرشتے اس کو قبض کرتے ہیں تو وہ اس مقام کی طرف چڑھتی ہے جو آسمانوں میں اس کی منزل ہے کیونکہ وہ اس کی عزت اور کرامت کی جگہ ہے اور یہ آیت اس طرح ہے' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا:

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ. (الصّٰفّٰت: ۹۹) — بے شک میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔

(۲) ابوصالح نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے' جو انسانوں کی شکل میں ہے لیکن انسان نہیں ہے۔

(۳) اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ (الشعراء:۱۹۳) — قرآن مجید کو روح امین نے نازل کیا ہے ۝

(النکت والعیون ج ۶ ص ۹۰' دار الکتب العربیہ' بیروت)

میں کہتا ہوں اس آیت میں ''الروح الامین'' سے مراد حضرت جبریل ہیں' اسی طرح قرآن مجید کی اور آیات میں بھی ''الروح'' سے مراد حضرت جبریل ہیں:

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۚ (النبا:۳۸) — جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

اس آیت میں بھی روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور ان کو ان کے شرف اور کرامت کی وجہ سے فرشتوں کے عموم سے نکال کر ذکر فرمایا ہے' المعارج: ۵ میں ان کا ذکر عام فرشتوں کے بعد فرمایا اور النبأ: ۳۸ میں ان کا ذکر عام فرشتوں سے پہلے فرمایا اور ان اقوال میں راجح قول یہی ہے کہ اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

اس کی تحقیق کہ قیامت کا دن آیا پچاس ہزار سال کا ہے یا ایک ہزار سال کا؟

وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے ۝

اس آیت سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جو سونا چاندی رکھتا ہو اور اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے' قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی چٹانوں کے پرت بنائے جائیں گے اور دوزخ کی آگ سے ان کو تپایا جائے گا اور اس کے پہلو' پیشانی اور پیٹھ کو ان کے ساتھ داغا جائے گا' ایک بار یہ عمل کرنے کے بعد اس کو دوبارہ دہرایا جائے گا' جو دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے' اس دن میں یہ عمل مسلسل ہوتا رہے گا' بالآخر جب تمام لوگوں کے فیصلے ہو جائیں گے تو اسے جنت یا دوزخ کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۵۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۴۳۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۰۔۳۸۹)

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور فرشتے اور جبریل پچاس ہزار سال کے دن میں اس طرف چڑھیں گے' اور ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دن ایک ہزار سال کا ہوگا اور اس دن میں فرشتے چڑھیں گے' وہ آیت یہ ہے:

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝ (السجدہ:۵) — وہ آسمان سے زمین تک ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے' پھر وہ کام اس کی طرف اس دن چڑھتا ہے جس کی مقدار تمہارے گننے کے مطابق ایک ہزار سال ہے ۝

اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے روز قیامت تک چڑھنے کے دو اعتبار ہیں' ایک اعتبار ساتویں زمین سے ساتویں آسمان تک ہے' اس کی مدت ہمارے دنوں کی گنتی کے اعتبار سے پچاس ہزار سال ہے اور ایک اعتبار سے زمین سے آسمان تک

اور آسمان سے زمین تک آنے جانے کا ہے اس اعتبار سے اس کی مدت ہمارے گننے کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے۔

امام عبدالرحمن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا: سب سے نچلی زمین کی انتہاء سے لے کر سات آسمانوں کی انتہاء کے اوپر ہمارے اعتبار سے پچاس ہزار سال ہے اور پہلے آسمان سے زمین تک اور پہلی زمین سے پہلے آسمان تک فرشتے ایک دن میں چڑھتے ہیں اور اس چڑھنے کی مدت ہمارے گننے کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۸۷۔ج ۱۰ص ۳۳۷۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر زمین کی موٹائی کی مسافت کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ہے' پس یہ چودہ ہزار سال ہیں اور ساتویں آسمان سے عرش تک کی مسافت کا فاصلہ چھتیس ہزار سال ہے' پس یہ تمام فاصلہ اس دن میں طے ہوگا جس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۸۸۔ ج ۱۰ص ۳۳۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ" (المعارج: ۵) کی تفسیر میں فرمایا: قیامت کا دن اتنا طویل ہوگا جو تمہارے شمار کے اعتبار سے پچاس ہزار سال کا ہوگا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۸۹۸۹۔ ج ۱۰ص ۳۳۷۴)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس حدیث کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے' اور پہلی زمین اور پہلے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے اور ہر آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر دو آسمانوں کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ساتویں آسمان اور کرسی کی گہرائی کے درمیان بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے' اور اس کا مجموعہ چودہ ہزار سال کی مسافت ہے اور کرسی کی گہرائی سے عرش تک چھتیس ہزار سال کی مسافت ہے اور اس کا مجموعہ پچاس ہزار سال کی مسافت ہے' امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو حدیث نقل کی ہے' اس میں اسی طرح ہے' اور شاید یہ حدیث صحیح نہ ہو' ہر چند کہ فرشتوں کا اتنی سرعت کے ساتھ مسافت کو منقطع کرنا بعید نہیں ہے' جس طرح روشنی بہت سرعت کے ساتھ سفر کرتی ہے اور ہمیں اس پر یقین ہے کہ اللہ عزوجل ہر چیز پر قادر ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ص ۹۹۔۹۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مسلمانوں کے لیے قیامت کے دن کی مقدار

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ فرماتے ہیں:

قیامت کے دن کی مقدار ہمارے شمار کے اعتبار سے پچاس ہزار سال صرف کفار کے لیے ہوگی جن کی مغفرت نہیں ہوگی اور جن مؤمنین کی مغفرت ہوگی' ان کے اعتبار سے قیامت کے دن کی مقدار اتنی ہوگی جتنا ظہر سے عصر تک کا وقت ہوگا' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت کا دن مؤمنین پر اتنی مقدار کا ہوگا جتنی مقدار ظہر اور عصر کے درمیان ہوتی ہے۔ (البعث والنشور رقم الحدیث: ۱۲۴۔ ص ۸۷' المستدرک ج ۱ص ۸۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کا دن مؤمنوں پر اتنی مقدار کا ہوگا جتنی مقدار ظہر اور عصر کے درمیان ہوتی ہے۔ (البعث والنشور رقم الحدیث: ۱۲۵۔ ص ۸۷' المستدرک ج ۱ص ۸۴)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر کے لیے قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا کیا جائے گا' کیونکہ اس نے دنیا میں کوئی (نیک) عمل نہیں کیا تھا اور کافر ضرور دوزخ کو دیکھے گا اور یہ گمان کرے گا کہ وہ اس میں چالیس سال کی مسافت تک گرنے والا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۸ ص ۲۴۴' مؤسسۃ الرسالۃ' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۸۵' المستدرک ج ۴ ص ۵۹۷' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۶' اس حدیث کو حاکم اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں کچھ ضعف ہے' یہ حدیث صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۵۲ میں بھی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے' یہ کس قدر طویل دن ہوگا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' مؤمن پر یہ دن خفیف ہوگا حتیٰ کہ جتنے وقت میں وہ دنیا میں عصر کی نماز پڑھتا تھا اس کے لیے قیامت کا دن اس سے بھی خفیف ہوگا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۸ ص ۲۴۶۔ رقم الحدیث: ۱۱۷۱۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۸ھ' اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن لہیعہ اور اس کا شیخ دراج بن سمعان ضعیف راوی ہیں' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۴' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷' حافظ عسقلانی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے' کامل ابن عدی ج ۳ ص ۳۹۰' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۸۱۴' البعث والنشور رقم الحدیث: ۱۲۶)

المعارج: ۵ میں فرمایا: سو آپ صبر جمیل فرمائیے O

''صبر جمیل'' کا معنی

یعنی آپ اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر جمیل فرمائیے۔ النضر بن الحارث' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کے لیے اور قرآن مجید کی تکذیب کرنے کے لیے کہتا تھا: آپ جس عذاب سے ہم کو ڈرا رہے ہیں وہ آج ہی لے آئیے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی باتوں سے اذیت پہنچتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان باتوں پر صبر جمیل فرمائیے۔

صبر جمیل اس صبر کو کہتے ہیں' جس میں صبر کرنے والا بے قراری کا اظہار نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے دکھ کی شکایت کسی اور سے نہ کرے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبر جمیل یہ ہے کہ جس شخص پر مصیبت آئی وہ لوگوں کے ساتھ اس طرح رہے کہ اس کے ظاہر حال سے یہ پتا نہ چلے کہ اس پر کوئی مصیبت آ چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک وہ اس عذاب کو دور گمان کرتے ہیں O اور ہم اس کو نزدیک جانتے ہیں O جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا O اور پہاڑ رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے O اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا O حالانکہ ان کو سب دکھا دیئے جائیں گے' مجرم تمنا کرے گا: کاش! وہ اس دن کے عذاب سے نجات کے بدلے میں اپنے بیٹوں کا فدیہ دے دے O اور اپنی بیوی اور بھائی کا O اور اپنے اس رشتہ دار کا جو (دنیا میں) اس کو پناہ دیتا تھا O اور روئے زمین کے تمام لوگوں کا' پھر یہ فدیہ اس کو عذاب سے نجات دے دے O ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے O وہ (سر سے پاؤں تک) کھال اتارنے والی ہے O وہ اس کو پکارے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور اعراض کیا O جس نے مال جمع کیا اور حفاظت سے رکھا O (المعارج: ۱۸۔۶)

قیامت کے احوال اور اھوال

المعارج: ۷۔۶ میں بتایا: اہلِ مکہ عذاب کو بہت بعید سمجھتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس عذاب کا آنا' ناممکن ہے اور ہم اس کو نزدیک جانتے ہیں کیونکہ ہر وہ کام جو ہونے والا ہو وہ قریب ہوتا ہے۔

المعارج:۸ میں فرمایا: جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گاO

اس آیت میں ''المهل'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: زیتون یا اور کسی خوردنی تیل کا تلچھٹ' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس کا معنی ہے: پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ یا چاندی اور اس کا معنی خون اور پیپ بھی ہے۔

المعارج:۹ میں فرمایا: اور پہاڑ رنگ برنگے اُون کی طرح ہو جائیں گےO

اس آیت میں ''العهن'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: مختلف رنگ کے اُون' حسن بصری نے کہا: اس سے مراد ہے: سرخ رنگ کا اُون' اور ''العهن'' دھنکی ہوئی روئی کو بھی کہتے ہیں' اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب پہاڑ متغیر ہوں گے تو پہلے ریت کے ذرات کی طرح ہو جائیں گے' پھر دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے' پھر باریک غبار کی طرح ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کا گنہ گار مسلمانوں کی شفاعت کرنا

المعارج:۱۴۔۱۰ میں فرمایا: اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گاO حالانکہ ان کو سب دکھا دیئے جائیں گے' مجرم تمنا کرے گا: کاش! وہ اس دن کے عذاب کے بدلہ میں اپنے بیٹوں کا فدیہ دے دےO اور اپنی بیوی اور بھائی کاO اور اپنے اس رشتہ دار کا جو دنیا میں اس کو پناہ دیتا تھاO اور روئے زمین کے تمام لوگوں کا' پھر یہ فدیہ اس کو عذاب سے نجات دے دےO

کیونکہ ہر شخص کو صرف اپنی نجات کی فکر ہوگی تاہم یہ صفت کفار کی ہوگی لیکن مؤمنین قیامت کے دن اپنے دوستوں کا حال پوچھیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے قیامت کے احوال کے متعلق ایک طویل حدیث ہے' اس کے وسط میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر پُل کو لایا جائے گا' ہم نے کہا: یا رسول اللہ! پُل کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ پھسلنے اور گرنے کی جگہ ہے' اس پر کانٹے اور آنکڑے (ہک) ہوں گے اور چوڑے گوکھرو ہوں گے اور ایسے مڑے ہوئے کانٹے ہوں گے جیسے نجد میں ہوتے ہیں' جن کو سعدان کہا جاتا ہے' مؤمن اس پر سے چشم زدن میں بجلی کی طرح' ہوا کی طرح' تیز رفتار گھوڑوں اور سواریوں کی طرح گزر جائیں گے' ان میں سے بعض تو صحیح سلامت گزر جانے والے ہوں گے اور بعض جہنم کی آگ سے جھلس کر بچ نکلنے والے ہوں گے' حتیٰ کہ آخری شخص اس پر سے گھسٹتے ہوئے گزرے گا' تم آج مجھ سے حق کے معاملہ میں اس قدر جرأت مند نہیں ہو' جتنا جرأت مند قیامت کے دن مؤمن اللہ جبار کے سامنے ہوگا' جب وہ دیکھیں گے کہ اپنے مسلمان بھائیوں میں سے ان کو نجات مل گئی ہے تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارے (کچھ اور) بھائی بھی ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور دوسرے (نیک) اعمال کرتے تھے' تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ تم جس کے دل میں بھی ایک دینار کے برابر ایمان پاؤ اس کو دوزخ سے نکال لو اور اللہ ان کی صورتوں کو دوزخ پر حرام کر دے گا' پھر وہ آ کر دیکھیں گے کہ بعض تو اپنے قدموں تک دوزخ میں دھنس چکے ہیں اور بعض آدھی پنڈلیوں تک دوزخ میں ہیں' پس وہ جن کو پہچان لیں گے ان کو دوزخ سے نکال لیں گے' پھر واپس آئیں گے تو اللہ عزوجل فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں نصف دینار کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو' پھر وہ جن کو پہچانتے ہوں گے ان کو دوزخ سے نکال لیں گے' پھر وہ واپس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو' پھر وہ جن کو پہچانتے ہوں گے ان کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۴۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۴)

مرجئہ' معتزلہ اور خوارج کا ردّ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف کافر کے دوست اور رشتہ دار اس کی شفاعت کر کے اس کو عذاب سے نہیں چھڑا سکیں

گے اور مسلمانوں کے دوست اور احباب اور ان کے واقف کار ان کی شفاعت کر کے ان کو دوزخ کے عذاب سے چھڑا لیں گے' اور اس حدیث میں مرجئہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ فاسق مومن کو دوزخ کا عذاب بالکل نہیں ہوگا کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ کچھ فساق مؤمنین کے قدموں تک دوزخ کی آگ ہوگی اور کچھ کی آدھی پنڈلیوں تک دوزخ کی آگ ہوگی' اور اس میں خوارج اور معتزلہ کا بھی ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ فساق مؤمنین ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت نہیں ہوگی اور اس حدیث میں پل صراط کا بھی ثبوت ہے' اس کا بھی معتزلہ انکار کرتے ہیں۔

المعارج: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: ہرگز نہیں! بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے O وہ (سر سے پاؤں تک) کھال اتارنے والی ہے O

المعارج: ۱۵ میں ''لظی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی آگ کا بھڑکنا اور شعلہ زن ہونا ہے۔

المعارج: ۱۶ میں ''شوی'' کا لفظ ہے' یہ ''شواۃ'' کی جمع ہے' اس کا معنی سر کی کھال ہے اور ''الشوی'' کا معنی دونوں ہاتھ دونوں پیر اور سر ہے' اور اس میں ''نزاعۃ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کھینچنے والی۔

دوزخ کے بلانے کی توجیہات

المعارج: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: وہ اس کو پکارے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور اعراض کیا O جس نے مال جمع کیا اور حفاظت سے رکھا O

اس آیت میں بتایا کہ دوزخ کی آگ پکارے گی حالانکہ نداء کرنا اور پکارنا تو ذی روح کا کام ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زبان حال سے پکارے گی' دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آگ کے جسم میں صراحۃً یہ کلام پیدا کر دے گا کہ وہ کہے گی: اے کافرو! میرے پاس آؤ' اے منافقو! میرے پاس آؤ' تیسرا جواب یہ ہے کہ دوزخ کے پکارنے سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کے فرشتے پکاریں گے اور یہاں مضاف محذوف ہے' جیسے ''وسئل القریۃ'' (یوسف: ۸۲) ہے۔

المعارج: ۱۸ میں فرمایا: جس نے مال جمع کیا اور اس کو حفاظت سے رکھا۔

حب دنیا کی آفات

یعنی اس مال میں اس پر جو حقوق واجب تھے ان کو ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے سے اس نے پیٹھ پھیری اور اعراض کیا اور مال جمع کرنے اور اس کو حفاظت سے رکھنے میں دنیا کی محبت اور حرص کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لمبی زندگی کی امید رکھتا ہے اور تمام گناہوں اور نافرمانیوں کی اصل یہ ہے کہ انسان کو یہ امید ہوتی ہے کہ وہ بہت عرصہ تک زندہ رہے گا' اور اگر وہ یہ سمجھے کہ اس کو موت جلد آنے والی ہے تو وہ گناہوں کو ترک کر دے گا اور توبہ اور استغفار کی طرف راغب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے O جب اس پر مصیبت آئے تو گھبرا جاتا ہے O اور جب اسے نفع پہنچے تو بخل کرتا ہے O سوا ان کے جو نماز پڑھنے والے ہیں O جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں O اور جن لوگوں کے مالوں میں مقرر حق ہے O سوال کرنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا O اور جو لوگ روزِ قیامت پر ایمان لاتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں O بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں O

(المعارج: ۲۸۔۱۹)

''ھلوعًا'' اور ''جزوعًا'' کا معنی

اس آیت میں ''ھـلـوعًـا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: بہت زیادہ حرص کرنے والا' بہت زیادہ بے صبری اور بہت زیادہ گھبرانے والا اور بہت زیادہ بے حیائی کی باتیں کرنے والا اور دوسری آیت میں ''جـزوعًـا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: بہت گھبرانے والا' اور مصیبت میں چیخ و پکار کرنے والا' اس کا معنی ہے: وہ شخص خیر پر صبر کرتا ہے نہ شر پر' اور خیر اور شر میں وہ کام کرتا ہے جو اس کو نہیں کرنے چاہئیں۔ ضحاک نے کہا: وہ شخص جو کبھی سیر نہیں ہوتا اور جب اس کو مال مل جائے تو اللہ کا حق ادا کرنے سے منع کرتا ہے' ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس صفت پر پیدا کیا ہے کہ انسان ان چیزوں سے محبت کرتا ہے جو اس کو خوش کریں اور ان چیزوں سے ناراض ہوتا ہے جو اس کو ناپسند ہوں' پھر وہ اپنی طبعی صفت کے برخلاف اپنی پسندیدہ چیزوں کو خرچ کر کے اور ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے' ابوعبیدہ نے کہا: ''ھـلـوع'' وہ شخص ہے جس کو خیر مل جائے تو اس پر شکر نہ کرے اور جب اس پر مصیبت آئے تو اس پر صبر نہ کرے اور ثعلب نے کہا: جب اس کو خیر ملے تو وہ اس پر بخل کرے اور لوگوں کو دینے سے منع کرے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۶۶۔ ۲۶۵)

حرص اور بخل کے پیدائشی وصف ہونے پر قاضی کا اعتراض اور امام رازی کا جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

قاضی نے کہا ہے کہ اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وصف پر پیدا کیا ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وصف کی مذمت کی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فعل کی مذمت نہیں کرتا' دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان مؤمنین کا استثناء کیا ہے' جنہوں نے اس مذموم خصلت کو ترک کر دیا اور اپنے نفس سے جہاد کیا اور اگر یہ خصلت اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہوتی تو وہ اس وصف کو ترک کرنے پر قادر نہ ہوتے۔

پھر امام رازی فرماتے ہیں: ''ھـلـع'' کا لفظ دو چیزوں پر واقع ہوتا ہے: (۱) وہ حالت نفسانیہ جس کی وجہ سے انسان بے صبری' حرص اور بخل کا اظہار کرتا ہے (۲) وہ افعال جو انسان کے قول اور فعل سے ظاہر ہوتے ہیں اور اس حالتِ نفسانیہ پر دلالت کرتے ہیں' رہی یہ حالتِ نفسانیہ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے وجود میں آتی ہے' مثلاً جس شخص کو شجاعت اور سخاوت کے وصف پر پیدا کیا گیا ہے' اس کے لیے اس وصف کو بالکلیہ زائل کرنا ممکن نہیں ہے' اسی طرح جس شخص کو بخل اور بزدلی کے وصف پر پیدا کیا گیا ہے' اس کے لیے اس وصف کو بالکلیہ زائل کرنا ممکن نہیں ہے' بلکہ اس قسم کے قول اور فعل پر مشتمل افعال ظاہرہ کو ترک کرنا' اس کے لیے ممکن اور اس کا اقدام کرنا امر اختیاری ہے اور حالت نفسانیہ جو درحقیقت حرص یا بخل ہے وہ اس میں جبراً پیدا کی گئی ہے۔ (اس جواب پر یہ اعتراض ہے کہ جب اس میں حرص اور بخل کو جبراً پیدا کیا گیا ہے تو حرص اور بخل پر مشتمل قول اور فعل کو ترک کرنا اس کے اختیار میں کس طرح ہوگا؟ سعیدی غفرلہٗ)

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۴۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حرص اور بخل کے پیدائشی وصف ہونے پر قاضی کے اعتراض کا جواب مصنف کی طرف سے

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جس جبلی صفت کو پیدا کیا ہے' اس کو زائل کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے' جس کو بزدل پیدا کیا گیا ہے وہ بہادر نہیں ہو سکتا اور جس کو بخیل پیدا کیا گیا ہے' وہ سخی نہیں بن سکتا' جس کو حریص پیدا کیا گیا ہے' وہ قانع نہیں بن سکتا اور جس کو فحاش پیدا کیا گیا ہے وہ حیاء دار نہیں بن سکتا اور اس مضمون پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل کے متعلق باتیں کر رہے تھے' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم یہ خبر سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اس کی تصدیق کر دینا اور اگر یہ خبر سنو کہ کسی شخص کا جبلی خلق تبدیل ہو گیا تو اس کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ انسان اپنے جبلی وصف کی طرف لوٹ آئے گا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۴۴۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ ضرور تیسری کو تلاش کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو توبہ کرے تو اللہ سبحانہٗ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۹' مسند احمد ج ۶ ص ۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم بوڑھا ہوتا ہے اور اس میں دو خصلتیں جوان ہوتی ہیں' مال کی حرص اور عمر کی حرص۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳۴' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۲۲۹' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۸۵۷' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۰۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں کو اس حال میں پاؤ گے کہ ان میں معادن ہیں' جو زمانۂ جاہلیت میں نیک خصلت تھے' وہ اسلام میں بھی نیک خصلت ہوں گے' جب ان میں دین کی سمجھ ہو۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۲۶' مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۵)

اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ہے:

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

آپ کہیے: اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم ضرور خرچ کرنے کے ڈر سے ان خزانوں کو روک رکھتے' اور انسان ہے ہی بخیل ۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۰)

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ بخل انسان کا اصلی' جبلی اور فطری وصف ہے' اب بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بخل انسان کا فطری وصف ہے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے حکم پر کیسے عمل ہو گا اور جب "ھلوعًا" اور "جزوعًا" یعنی حرص اور بے صبری اس کا جبلی وصف ہے تو قناعت اور صبر کرنے کے حکم پر وہ کیسے عمل کر سکے گا!

اس کا جواب یہ ہے کہ جبلی اوصاف کو زائل کرنا انسان کے لیے ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کو ان اوصاف کے زائل کرنے کا مکلّف کیا گیا ہے' وہ صرف اس کا مکلّف کیا گیا ہے کہ اس کے اندر جو بُرے جبلی اوصاف ہیں ان کے اظہار کو کم کر دے اور اس کی سرشت میں جو قبیح اور بُرے اوصاف ہیں ان کے خلاف اپنے نفس سے جنگ کرتا رہے' یہ ہو سکتا ہے کہ جب وہ اپنے نفس سے بُرائی کے خلاف جنگ کر رہا ہو تو کبھی وہ مغلوب ہو جائے اور اس سے بُرائی کا صدور ہو جائے لیکن اس کے فوراً بعد وہ سنبھل جائے اور اس بُرائی کے صدور پر توبہ اور استغفار کرے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڟ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

اور وہ لوگ جب کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں' پھر اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخش سکتا ہے اور وہ اپنے کیے ہوئے کاموں پر دانستہ اصرار نہ کریں ۝ (آل عمران: ۱۳۵)

تو ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور جنت کی نوید سنائی ہے:

أُولَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ ٱلْعَٰمِلِينَ ۝ (آل عمران: ۱۳۶)

ان ہی لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے' اور نیک عمل کرنے والوں کے لیے کیسا اچھا اجر ہے ۝

قاضی نے حرص اور بخل وغیرہ بُرے اوصاف کے وصف اصلی ہونے اور ان کو اللہ سبحانہٗ کی تخلیق قرار دینے پر جو یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر ان بُرے اوصاف کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا تو ان بُرے اوصاف کی مذمت نہ فرماتا' اس کا امام رازی نے کوئی جواب نہیں دیا' غالباً امام رازی نے اس اعتراض کو قابل التفات نہیں سمجھا' میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر کی تمام چیزوں کو پیدا فرمایا ہے' انبیاء علیہم السلام کو بھی اس نے پیدا فرمایا ہے اور ابلیس لعین کو بھی اس نے پیدا فرمایا اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھی چیزوں کی تعریف کرے اور بُری چیزوں کی مذمت کرے' اسی طرح نیک اعمال اور بُرے اعمال دونوں اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں' اس کے باوجود وہ نیک اعمال کی تحسین فرماتا ہے اور بُرے اعمال کی مذمت فرماتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ ہم نے یہ کہا ہے کہ انسان بُرے اوصاف مثلاً حرص اور بخل وغیرہ بالکلیہ زائل کرنے کا مکلف نہیں ہے بلکہ ان کو کم کرنے کا مکلف ہے' اس پر کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَٱلْكَٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ. (آل عمران: ۱۳۴) اور غصہ کو کم کرنے والے۔

یہ فرمایا ہے کہ غصہ کم کرو' یہ نہیں فرمایا کہ غصے کو معدوم کر دو کیونکہ غیظ وغضب انسان کا جبلی اور فطری وصف ہے اور وہ اس کو بالکلیہ زائل کرنے پر قادر نہیں ہے۔ وللہ الحمد علٰی ذالک

ہم نے الشعراء: ۱۸۴ میں بھی جبلّت کی تحقیق کی ہے۔ (تبیان القرآن ج ۸ ص ۴۳۶۔۴۲۷) اس موضوع پر وسیع مطالعہ کے لیے اس بحث کو بھی دیکھ لیا جائے' لیکن ہم نے یہاں پر زیادہ تفصیل اور جامعیت کے ساتھ لکھا ہے۔

المعارج: ۲۱۔۲۰ میں فرمایا: جب اس پر مصیبت آئے تو گھبرا جاتا ہے ۝ اور جب اسے نفع پہنچے تو بخل کرتا ہے ۝

فقر اور مرض میں شکوہ اور شکایت نہ کی جائے

اس آیت میں ''شر'' کا لفظ ہے اور یہاں اس سے مراد فقر اور مرض ہے اور دوسری آیت میں ''خیر'' کا لفظ ہے اور اس سے مراد خوش حالی اور صحت ہے' اور ان دونوں آیتوں کا حاصل معنی یہ ہے کہ انسان جب تنگ دست یا بیمار ہو جائے تو بے صبری کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں سے شکایت کرتا ہے' اور جب خوش حال اور تندرست ہو جائے تو نیکی کے کام کرنے سے منع کرتا ہے اور اپنے مال کو خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے اور ضرورت مندوں کی طرف توجہ نہیں کرتا' اگر یہ کہا جائے کہ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ انسان تکلیفوں سے بھاگتا ہے اور راحت کو طلب کرتا ہے اور یہ کوئی مذمت کے لائق چیز نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کیوں فرمائی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مذمت کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی نظر صرف دنیاوی احوال اور جسمانی عوارض پر رہتی ہے' حالانکہ اس پر واجب ہے کہ وہ احوالِ آخرت میں مشغول ہو اور جب وہ بیماری یا تنگ دستی میں مبتلا ہو اور اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ عوارض اللہ کی طرف سے آئے ہیں تو اس کو چاہیے کہ وہ ان حالات سے راضی ہو کیونکہ اس کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب وہ بیمار ہو جائے تو بیماری کے ازالہ کے لیے علاج نہ کرے اور جب وہ تنگ دست ہو جائے تو تنگ دستی کے ازالہ کے لیے محنت اور جدوجہد نہ کرے' اس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ بیماری

اور تنگ دستی میں واویلا نہ کرے اور بے قراری کا اظہار نہ کرے اور جب اس کو صحت اور مال حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے' زیادہ سے زیادہ بدنی عبادات کرے اور اپنے مال کو اللہ کی راہ میں اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرے۔

المعارج: ۲۳۔۲۲ میں فرمایا: سوا ان کے جو نماز پڑھنے والے ہیں O جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں O

ہمیشہ نماز پڑھنے کا معنی یہ ہے کہ وہ ہر نماز کو اپنے وقت میں پڑھتے ہیں اور کسی نماز کو ترک نہیں کرتے اور اگر کسی ناگزیر وجہ سے کوئی نماز ترک ہو جائے تو اس کی قضاء پڑھ لیتے ہیں۔

''حق معلوم'' کی تفسیر میں جمہور کا مؤقف

المعارج: ۲۵۔۲۴ میں فرمایا: اور جن لوگوں کے مالوں میں مقرر حق ہے O سوال کرنے والوں کا اور سوال سے بچنے والوں کا O

''حق معلوم'' کی تفسیر میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن بصری اور ابن سیرین نے کہا: اس سے مراد زکوٰۃ مفروضہ ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو شخص فرض زکوٰۃ ادا کر دیتا ہے اگر وہ نفلی صدقات ادا نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے' رہا یہ کہ اس ''حق معلوم'' سے مراد زکوٰۃ مفروضہ ہے تو اس پر کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ان سے استثناء کیا ہے جن کی مال خرچ نہ کرنے کی وجہ سے مذمت کی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے مال سے ''حق معلوم'' ادا کر دیتا ہے وہ مذموم نہیں ہوگا' لہٰذا اس حق کو ادا کرنا واجب ہے اور جس کو خرچ کرنا واجب ہو وہ صرف زکوٰۃ ہے' اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ''حق معلوم'' کا معنی ہے: جس حق کی مقدار معلوم ہو اور صرف زکوٰۃ کی مقدار معلوم اور معین ہے اور صدقاتِ مالیہ کی مقدار معلوم اور معین نہیں ہے۔

مجاہد نے یہ کہا ہے کہ یہ ''حق معلوم'' زکوٰۃ کے علاوہ ہے یعنی جس مال کو بہ طور ندب اور استحباب کے خرچ کیا جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۴۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ مجاہد کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ''حق معلوم'' سے بہ طور استحباب مال خرچ کرنا مراد ہے کیونکہ اس آیت میں ان لوگوں سے استثناء ہے جو مال خرچ نہیں کرتے تھے اور ان کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے' اس کا معنی ہے: ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جن پر مال خرچ کرنا واجب تھا اور وہ اس مال کو خرچ نہیں کرتے تھے اور واجب صرف زکوٰۃ ہے اور مستحب کے ترک پر مذمت نہیں کی جاتی' اس لیے ''حق معلوم'' سے بہ طور استحباب خرچ کرنے کو مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح یہ ہے کہ ''حق معلوم'' سے مراد زکوٰۃ مفروضہ ہے' کیونکہ زکوٰۃ کی مقدار معلوم ہے اور باقی کسی صدقہ کی مقدار معلوم نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ ص ۲۶۷' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

جیسے زکوٰۃ اور وہ صدقات جو سائلین کے لیے مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔

(بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۲۷۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ مفروضہ ہے۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۰۷۶۔ جز ۲۹ ص ۹۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''حق معلوم'' کی تفسیر میں سید مودودی کی رائے

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے ان تمام مفسرین کے خلاف یہ لکھا ہے:

بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ مقرر حصے سے مراد فرض زکوٰۃ ہے' کیونکہ اسی میں نصاب اور شرح دونوں چیزیں مقرر کردی گئیں ہیں' لیکن یہ تفسیر اس بناء پر قابل قبول نہیں ہے کہ سورۂ معارج بالاتفاق مکی ہے اور زکوٰۃ ایک مخصوص نصاب اور شرح کے ساتھ مدینہ میں فرض ہوئی ہے' اس لیے مقرر حق کا صحیح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک حصہ طے کررکھا ہے جسے وہ ان کا حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۹۰' ترجمان القرآن' لاہور' ۱۹۹۰ء) (یہ توجیہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اپنی طرف سے طے کردہ صدقہ کو نہ دینا قابل مذمت نہیں ہے' قابل مذمت تب ہوگا جب اللہ عزوجل کی طرف سے فرض کیے ہوئے صدقہ کو نہ دیا جائے اور وہ صرف زکوٰۃ ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

میں کہتا ہوں کہ سورۃ المزمل بھی مکی ہے اور اس میں یہ صریح آیت ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ (المزمل: ۲۰) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہو۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد پنج وقتہ فرض نماز اور فرض زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۳۴' لاہور' ۱۹۹۰ء)

رہا یہ سوال کہ زکوٰۃ کا مخصوص نصاب اور شرح مدینہ منورہ میں مقرر ہوئی ہے' اس کے جواب میں علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

زکوٰۃ مکہ معظمہ میں بغیر تعیین زکوٰۃ کے فرض کی گئی تھی اور مدینہ منورہ میں نصابوں کی تعیین فرض کی گئی' پس یہ ممکن ہے کہ اس زکوٰۃ سے فرض زکوٰۃ مجملاً مراد لی جائے' پس ان آیات کے مکی ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۹۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے البتہ بعض علماء کے نزدیک اس سورت کا دوسرا رکوع مدنی ہے لیکن علامہ سیوطی نے اس قول کو رد کردیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۷۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہر چند کہ سورۃ المزمل کے دوسرے رکوع کے مکی ہونے میں بعض علماء کا اختلاف ہے' اسی طرح مقرر حق کی تفسیر میں بھی بعض علماء نے اس سے زکوٰۃ کو مراد نہیں لیا' لیکن اکابر مفسرین اور جمہور نے اس سے زکوٰۃ ہی کو مراد لیا ہے اور چونکہ سید مودودی کی تفسیر اس کے خلاف تھی اس لیے ہم نے اس پر تنبیہ کرنا ضروری خیال کیا۔

المعارج: ۲۵ میں فرمایا: (وہ حق معلوم) سائل کا ہے اور محروم کا O

سوال کرنے کے جواز کا ضابطہ

سائل سے مراد ہے: جو مانگتا ہو اور محروم سے مراد وہ شخص ہے جو ضرورت مند ہونے کے باوجود سوال نہیں کرتا اور مال دار شخص اس کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے اس کو خوش حال سمجھتا ہے' اس وجہ سے وہ اپنے حق سے محروم رہتا ہے' اس آیت میں سائل سے مراد پیشہ ور گداگر نہیں ہیں' درج ذیل حدیث میں سوال کرنے کا ضابطہ بیان فرمایا ہے:

حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں ایک بڑی رقم کا مقروض ہوگیا تھا' میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ آپ سے اس کے متعلق سوال کروں' آپ نے فرمایا: اس وقت تک ہمارے پاس ٹھہرو جب تک صدقہ کا مال آ جائے' ہم اس میں سے تمہیں دینے کا حکم کریں گے' پھر فرمایا: اے قبیصہ! تین شخصوں کے علاوہ اور کسی کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے' ایک وہ شخص جو مقروض ہو' اس کے لیے اتنی مقدار کا سوال جائز ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے' اس کے بعد وہ سوال سے رک جائے' دوسرا وہ شخص جس کے مال کو کوئی آفت ناگہانی پہنچی ہو جس سے اس کا مال تباہ ہو گیا ہو' اس کے لیے اتنا سوال کرنا جائز ہے' جس سے اس کا گزارہ ہو جائے' تیسرا وہ شخص جو فاقہ زدہ ہو اور اس کے قبیلہ کے تین عقل مند آدمی اس بات پر گواہی دیں کہ واقعی یہ فاقہ زدہ ہے تو اس کے لیے بھی اتنی مقدار کا سوال کرنا جائز ہے جس سے اس کا گزارہ ہو جائے' اور اے قبیصہ! ان تین شخصوں کے علاوہ سوال کرنا حرام ہے اور جو (ان کے علاوہ کسی اور صورت میں) سوال کر کے کھاتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

مقروض کے لیے ادائیگی قرض کے واسطے سوال کی اجازت اس وقت ہے' جب اس نے کسی جائز ضرورت کی وجہ سے قرض لیا ہو' اگر کسی گناہ کی خاطر قرض لیا ہے تو سوال کی اجازت نہیں' فاقہ زدہ کے لیے اس کی قوم کے تین ذی عقل آدمیوں کی گواہی بطور استحباب ہے ورنہ دو آدمیوں کی گواہی بھی کافی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشہ ور گداگری اسلام میں ناجائز ہے اور اسلامی حکومت پر فرض ہے کہ پیشہ ور گداگروں کے خلاف قانونی کارروائی کرے۔ آج کل بعض لوگ مصنوعی طور پر اور بعض عمداً معذور بن جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ پیر خراب کر کے ایسی وضع اختیار کرتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو ترس آئے اور زیادہ سے زیادہ بھیک ملے' ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت سلامتی' اعضاء ہے' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ضائع کرتے ہیں اور کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض لوگ میک اَپ کا سہارا لے کر مصنوعی بیماریاں ظاہر کرتے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں' بعض مصنوعی طور پر نابینا یا لنگڑے بن جاتے ہیں' ایسے تمام لوگوں کو گرفتار کر کے سخت سزا دینی چاہیے تا کہ اس مکروہ پیشہ کی حوصلہ شکنی ہو اور پیشہ ور گداگری کی لعنت کا خاتمہ ہو۔

اس آیت میں سائلین اور محرومین کا حق فرمایا ہے' اس میں یہ نکتہ ہے کہ اگر مال دار لوگ سائلین اور محرومین کو کچھ مال دے رہے ہیں تو ان پر احسان نہیں کر رہے بلکہ مال داروں کے مال میں یہ ان کا حق ہے جس کو وہ ان تک پہنچا رہے ہیں۔

المعارج: ۲۷۔۲۶ میں فرمایا: اور جو لوگ روزِ قیامت پر ایمان لاتے ہیں O اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں O

یعنی جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور حشر اور نشر پر ایمان لاتے ہیں۔

نیک اعمال نہ کرنے اور بُرے اعمال سے نہ بچنے پر عذاب کا خوف

المعارج: ۲۷ میں اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے کا ذکر فرمایا ہے' یا تو اس سے وہ خوف مراد ہے جو فرائض اور واجبات ادا نہ کرنے پر عذاب کا خوف ہوتا ہے اور یا اس سے وہ خوف مراد ہے جو حرام اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر عذاب کا خوف ہوتا ہے اور جن مسلمانوں کے دلوں میں یہ خوف دائماً رہے گا وہ کسی فرض یا واجب کو ترک کریں گے' نہ کسی حرام یا مکروہ تحریمی کا ارتکاب کریں گے اور اگر ان سے اغواء شیطان یا نفس کے بہکانے سے کوئی گناہ کبیرہ ہو جائے تو وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہیں گے اور اس پر توبہ اور استغفار کرتے رہیں گے۔

المعارج: ۲۸ میں فرمایا: بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں O

تمام نیک اعمال کرنے اور تمام بُرے اعمال سے بچنے کے باوجود اللہ کے عذاب کا خوف

اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے رب کے تمام احکام کو بجالائے اور اس کے منع کیے ہوئے تمام کاموں سے رُک جائے' پھر بھی اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتا رہے' اور وہ اپنے نیک اعمال پر مطمئن نہ ہو جائے' اور اللہ تعالیٰ کے جلال ذات سے ڈرتا رہے' اسے کیا پتا ہے کہ اس کے یہ نیک اعمال قبول ہوں گے یا نہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی تقصیر ہوگئی ہو جس سے اس کی ساری نیکیاں ضائع ہو جائیں اور وہ عذاب کا مستحق ہو جائے' یہی وجہ ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام بھی باوجود کثرتِ عبادت و ریاضت کے خوفِ خدا سے لرزتے رہتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: کاش! میں یہ تنکا ہوتا' کاش! میں پیدا نہ کیا جاتا' کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی' کاش! میں کچھ بھی نہ ہوتا' کاش! میں بھولا بسرا ہوتا۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ص ۱۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش! میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا' مجھے پسند ہے کہ میں پیدا نہ کیا جاتا۔ (مسند احمد ج ۵ص ۱۷۳' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۲۳۶۔ ۲۳۷' المستدرک ج ۴ص ۵۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۲۵۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ اور تم بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرو' اور تم اللہ کو پکارتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاؤ (اور یہ کہو:) میں ضرور یہ پسند کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۰' مسند احمد ج ۵ص ۱۷۳)

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے پسند ہے میں بھولی بسری ہوتی۔ (مسند احمد ج ۶ص ۱۷۶' مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ص ۳۰۷ قدیم' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۴۷۲۴' حلیۃ الاولیاء ج ۲ص ۴۵۲' الطبقات الکبریٰ ج ۷ص ۵۷۔ ۷۴ قدیم)

اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے پسند ہے کہ میں درخت ہوتی جس کو کاٹ دیا جاتا' مجھے پسند ہے کہ مجھ کو پیدا نہ کیا جاتا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷ص ۵۷' کتاب الزہد لاحمد رقم الحدیث: ۱۶۴' کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۸' کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۱۶۱' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۴۷۲۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

الضحاک بن مزاحم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش! میں پرندہ ہوتا' میرے بازوؤں میں پر ہوتے۔ (کتاب الزہد لاحمد رقم الحدیث: ۱۵۶' کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۱۶۲)

یعقوب بن زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ ایک پرندہ درخت پر بیٹھا ہوا ہے تو انہوں نے کہا: کاش! میں اس پرندہ کی جگہ ہوتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ص ۲۴۵' کتاب الزہد للوکیع رقم الحدیث: ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں O سوا اپنی بیویوں اور مملوکہ باندیوں کے' سو بے شک اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں O پس جو ان کے علاوہ طلب کرے تو وہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں O اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں O اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں O اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O وہی لوگ جنتوں میں عزت یافتہ ہوں گے O (المعارج: ۳۵۔ ۲۹)

بیویوں کے سوا جنسی لذت کے حصول کی ممانعت

المعارج: ۳۱۔۲۹ میں بیویوں اور باندیوں کے علاوہ اور کسی سے جنسی تلذذ حاصل کرنے کی ممانعت فرمادی ہے' باندیوں کا اب دنیا میں رواج نہیں رہا' لیکن اگر کسی زمانہ میں باندیاں حاصل ہوں یعنی کافروں کی وہ عورتیں جو میدانِ جہاد میں گرفتار ہوں اور پھر امیر لشکر ان کو مسلمانوں میں تقسیم کر دے تو جس مجاہد کے حصہ میں جو باندی آئے' وہ اس سے جنسی تلذذ حاصل کر سکتا ہے' نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردوں کا لڑکوں سے جنسی لذت حاصل کرنا یا عورتوں کا عورتوں سے جنسی لذت حاصل کرنا حرام اور ناجائز ہے' اسی طرح کسی شخص کا اپنے ہاتھ یا اپنی ران سے جنسی لذت حاصل کرنا بھی حرام ہے' اس کی پوری تفصیل المؤمنون: ۷۔۵ میں گزر چکی ہے۔

المعارج: ۳۲ میں فرمایا: اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں O

امانت کی رعایت

یعنی جو لوگ امانت رکھوانے والے کو اس کے مطالبہ کے وقت اس کی امانت لوٹا دیتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے تمام فرائض اور واجبات بھی امانت میں داخل ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں' جب بات کرے تو جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۹)

اس آیت کی مفصل تفسیر المؤمنون: ۸ میں گزر چکی ہے۔

گواہیوں کی تفصیل

المعارج: ۳۳ میں فرمایا: اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں O

یعنی انہوں نے جس طرح کوئی واقعہ دیکھا وہ اس کو اسی طرح بیان کر دیتے ہیں' اس میں سے کوئی چیز چھپاتے ہیں نہ اس میں کوئی کمی بیشی کرتے ہیں' اور اگر ان کو کسی کے خلاف شہادت دینی پڑے تو اس میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے' خواہ ان کی شہادت کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ حقوق اللہ کی شہادت' جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی شہادت یا ہلال رمضان کی شہادت' یا حدود اور قصاص میں شہادت' اور حقوق العباد کی شہادت جیسے خرید و فروخت میں شہادت' یا قرض اور رہن میں شہادت یا ہبہ میں اور نکاح اور طلاق میں شہادت۔

المعارج: ۳۴ میں فرمایا: اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں O

نماز کی حفاظت سے متعلق اُمور

نمازوں کی حفاظت میں کچھ وہ اُمور ہیں جو نماز پر مقدم ہیں' مثلاً یہ کہ انسان کی توجہ نماز کے وقت کی طرف مبذول رہے اور جیسے ہی نماز کا وقت شروع ہو وہ نماز کی تیاری میں مصروف ہو جائے' وضو کرے اور پاک اور صاف لباس پہنے' جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہو' اور نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے دل کو دنیاوی وسوسوں سے فارغ کرلے اور غیر اللہ کی طرف توجہ سے خالی الذہن ہو جائے' اور دکھاوے اور سنانے سے حتی الامکان احتراز کرے' اور کچھ وہ اُمور ہیں جو نماز میں داخل ہیں' مثلاً یہ کہ قرأت کے دوران اس کا ذہن متوجہ ہو' اور جب تسبیحات پڑھے تو ان کے معنی میں غور کرتا رہے اور نماز میں دائیں بائیں توجہ نہ کرے' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نماز میں اپنی نظر کہاں رکھوں؟ آپ نے فرمایا: اے انس! اپنے سجدہ کی جگہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو بہت سخت حکم ہے' آپ نے فرمایا: پھر فرض نمازوں میں اس طرح کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۲۸۴' نشر السنۃ' ملتان)

اور کچھ وہ اُمور ہیں جو نماز سے مؤخر ہیں اور وہ یہ ہیں کہ نماز پڑھنے کے بعد فضول کاموں اور لھوولعب میں مشغول نہ ہو اور نماز پڑھنے کے بعد حتی الامکان گناہوں سے بچار ہے۔

اس کی مزید تفصیل المؤمنون: ۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

المعارج: ۳۵ میں فرمایا: وہی لوگ جنتوں میں عزت یافتہ ہوں گے O

یعنی جو مسلمان ان صفات کے ساتھ متصف ہوں گے' ان ہی کو جنتوں میں عزت اور وجاہت ملے گی۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ

پس ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ یہ آپ کی طرف بھاگے آ رہے ہیں O دائیں'

وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

بائیں سے گروہ در گروہ O کیا ان میں سے ہر شخص کو یہ توقع ہے کہ اس کو

اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا

نعمت والی جنت میں داخل کر دیا جائے گاO ہرگز نہیں! بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے بنایا ہے جس کو وہ

يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ

جانتے ہیں O سو میں مشارق اور مغارب کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا

بے شک ہم ضرور قادر ہیں O کہ ان کے بدلے میں ہم ان سے بہتر لوگ لے آئیں' اور ہم

نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٤١﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى

اس سے عاجز نہیں ہیںO پس (اے رسول مکرم!) آپ ان کو ان کی بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشے میں چھوڑ دیں

يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ

حتیٰ کہ یہ اس دن سے آملیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے O جس دن یہ قبروں سے

الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾

دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں O

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ

(خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہو گی' یہ وہ دن ہے

الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھاO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ آپ کی طرف بھاگے آ رہے ہیںO دائیں بائیں سے گروہ در گروہO کیا ان میں سے ہر شخص کو یہ توقع ہے کہ اس کو نعمت والی جنت میں داخل کر دیا جائے گاO ہرگز نہیں! بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے بنایا ہے جس کو وہ جانتے ہیںO (المعارج: ۳۹۔۳۶)

مشرکین کے اس زعم کا ردّ کہ ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا

مشرکین مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ کر گروہ در گروہ بیٹھ جاتے تھے اور آپ کو گھیر لیتے تھے' وہ آپ کے ارشادات سن کر مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے: جس طرح (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ مسلمان جنت میں داخل ہوں گے تو ہم ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے' تب یہ آیتیں ان کے ردّ میں نازل ہوئیں۔

المعارج: ۳۶ میں ''مھطعین'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گردن دراز کر کے دوڑتے ہوئے۔ ابو مسلم نے کہا: ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ منافق تھے' یہ آپ کے پاس بیٹھے رہتے تھے اور دوڑنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کی طرف بھاگتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ظاہر نہیں ہے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ مشرکین مکہ تھے کیونکہ سورۃ المعارج مکی ہے اور مکہ میں منافقین نہیں تھے۔

المعارج: ۳۷ میں ''عزین'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گروہ در گروہ' کیونکہ یہ مشرکین آپ کی دائیں اور بائیں جانب گروہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

المعارج: ۳۸ میں فرمایا: کیا ان میں سے ہر شخص کو یہ توقع ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟O

اس آیت کا معنی ظاہر ہے۔

المعارج: ۳۹ میں فرمایا: ہرگز نہیں! بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے بنایا ہے جس کو وہ جانتے ہیںO

اس آیت میں ''کلا'' کا لفظ ہے' اس لفظ کا معنی کسی شخص کی فاسد طمع پر اس کو ڈانٹنا' اور اس کا ردّ کرنا ہے' اس آیت کا منشاء مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر استدلال کرنا ہے' اس کی تقریر یہ ہے کہ اے مشرکو! تم اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک گندے قطرہ سے بنایا ہے تو جب میں ابتداءً تم کو ایک گندے قطرہ سے پیدا کر سکتا ہوں تو دوبارہ تم کو کیوں پیدا نہیں کر سکتا!

مشرکین مکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے تو گویا ان سے کہا گیا کہ جب تم قیامت' حشر و نشر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے ہو تو پھر کس بناء پر یہ توقع کر رہے ہو کہ تم کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

مشرکین مکہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کو حقیر جانتے تھے تو گویا کہ ان سے کہا گیا کہ تم کس بناء پر مسلمانوں کو حقیر جانتے ہو؟ تم اپنی اصل پر غور تو کرو؟ تم کو ایک حقیر بوند سے پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو میں مشارق اور مغارب کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ بے شک ہم ضرور قادر ہیں O کہ ان کے بدلہ میں ہم ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں O پس (اے رسول مکرم!) آپ ان کو ان کی بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشے میں چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ اس دن سے آملیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے O (المعارج: ۴۲۔۴۰)

مشارق اور مغارب کی توجیہ

المعارج: ۴۰ میں مشارق اور مغارب کا ذکر ہے' قرآن مجید میں مشرق اور مغرب کا واحد کے صیغہ کے ساتھ بھی ذکر ہے اور تثنیہ کے ساتھ بھی ذکر ہے اور جمع کے صیغہ کے ساتھ بھی ذکر ہے۔

واحد کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ'' (البقرہ: ۱۱۵)۔

تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ O'' (الرحمٰن: ۱۷)۔

جمع کے صیغہ کے ساتھ اس آیت میں ذکر ہے: ''كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا'' (الاعراف: ۱۳۷)۔

سال میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں اور سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے بھی اتنے ہی مقام ہیں' گویا ہر روز کا ایک الگ مشرق اور ایک الگ مغرب ہوتا ہے' اس اعتبار سے جمع کے صیغہ کے ساتھ مشارق اور مغارب فرمایا' سردی اور گرمی میں نمایاں فرق کے ساتھ دو مشرق اور دو مغرب ہوتے ہیں' ایک انتہائی آخری مشرق اور مغرب اور دوسرا ابتدائی قریب ترین مشرق اور مغرب' اس لحاظ سے مشرقین اور مغربین فرمایا اور ایک مطلقاً طلوع اور غروب کے مقام' جن میں اس تفصیل سے قطع نظر ہو' اس اعتبار سے مشرق اور مغرب فرمایا۔

المعارج: ۴۱ میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان مشرکین مکہ کے بدلہ میں کوئی اور مخلوق لے آئے۔

آیا مشرکین کو ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ کوئی اور قوم لایا یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قدرت کا اظہار کیا ہے یا نہیں اور ان مشرکینِ مکہ کی جگہ کوئی اور قوم وجود میں لایا ہے یا نہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ مہاجرین اور انصار کو وجود میں لے آیا اور بعض مفسرین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین مکہ کے شرک اور کفر کو توحید اور ایمان سے تبدیل کر دیا اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ تبدیلی وقوع میں نہیں آئی کیونکہ بعض مشرکین تا حیات اپنے شرک اور کفر پر قائم رہے اور یہ تبدیلی اس وقت وقوع میں آتی' جب یہ سب ہلاک ہو جاتے اور ان کی جگہ نئی قوم وجود میں آ جاتی اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: اللہ اس پر قادر ہے کہ ان کے بدلہ میں کوئی اور قوم لے آئے' اس سے متبادر یہ ہے کہ وہ ان سب کو ہلاک کر کے کوئی اور قوم پیدا کر دے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا نہیں' صرف ان کو ڈرانے کے لیے اس طرح فرمایا تا کہ یہ ایمان لے آئیں اور بہرحال ان میں سے اکثر ایمان لے آئے حتیٰ کہ پورے جزیرۂ عرب میں اسلام پھیل گیا۔

المعارج: ۴۲ میں فرمایا: پس (اے رسول مکرم!) آپ ان کو ان کی بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشے میں چھوڑ دیں O

اس آیت میں بہ طور وعید فرمایا: ان لوگوں کو ان کی باطل سرگرمیوں اور دنیاوی مشغلوں میں چھوڑ دیں اور آپ دین اسلام کی تبلیغ میں مشغول اور سرگرم رہیں اور ان کے کفر اور شرک پر برقرار رہنے سے آپ پریشان نہ ہوں' بہرحال ان کی اللہ سبحانہٗ سے ملاقات کا ایک دن معین ہے اور اس دن ان کو اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں O (خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی' یہ وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا O (المعارج: ۴۴۔۴۳)

''اجداث' نصب'' اور دیگر مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ''اجداث'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: قبریں' نیز اس آیت میں ''نصب'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: بت' اس کی جمع ''انصاب'' ہے' اور اس لفظ کا معنی علم اور جھنڈا بھی ہے' ابوعمر نے کہا: اس سے شکاری کا جال مراد ہے' جس کی طرف شکاری تیزی کے ساتھ دوڑتا ہے کہ کہیں پھنسا ہوا شکار نکل نہ جائے۔

اس بناء پر آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اس قدر تیزی کے ساتھ بھاگے جا رہے ہوں گے جیسے کوئی شخص دوڑ کے مقابلہ میں اپنے ہدف کی طرف بھاگا جا رہا ہو' اور اس کا دوسرا معنی وہ بت ہیں جن کو مشرکین عبادت کے لیے نصب کرتے ہیں اور ان بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان بتوں کے پاس ان کے نام پر جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔

اور اس آیت میں ''یوفضون'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: وہ تیزی سے دوڑتے ہیں اور آیت کا معنی یہ ہے کہ جس دن وہ قبروں سے نکلیں گے تو بلانے والے کی طرف بہت تیزی سے دوڑتے ہوئے جائیں گے' گویا وہ اپنے کسی معین اور مددگار کی طرف دوڑتے ہوئے جا رہے ہیں۔

المعارج: ۴۴ میں فرمایا: (خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ الآیۃ

ذلت اور ندامت سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی' عذاب اور رسوائی کے خوف سے وہ نظر اوپر نہیں اٹھائیں گے' اور یہی وہ دن ہے جس کے عذاب سے انہیں دنیا میں ڈرایا جاتا تھا۔

سورۃ المعارج کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۸ صفر ۱۴۲۶ھ/ ۸ اپریل ۲۰۰۵ء بہ روز جمعہ سورۃ المعارج کی تکمیل ہوگئی' الٰہ العلمین! میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے تلامذہ' اس کتاب کے ناشرین اور دیگر معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمانا اور دنیاوی مشکلات اور مصائب سے محفوظ اور مامون رکھنا' اور جس طرح یہاں تک پہنچا دیا ہے' قرآن مجید کی بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دینا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وامتہٖ اجمعین



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۂ نوح

سورت کا نام اور وجہِ تسمیہ

اس سورت کا نام اس سورت کی حسب ذیل آیت سے ماخوذ ہے:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ○ (نوح:۱) بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں' اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے ○

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ نوح مکہ میں نازل ہوئی ہے۔
(الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۶۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۱ ہے' اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۱ ہے' سورۃ النحل کی چالیس آیتوں کے نازل ہونے کے بعد اور سورۃ الطور سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی۔

سورۃ المعارج کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ مشرکین مکہ سے بہتر لوگ لے آئیں (المعارج:۴۱) اور اس کے بعد سورۂ نوح میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عالم گیر طوفان بھیجا' جس سے ان کی قوم کے تمام کافر غرق ہو کر ہلاک ہو گئے' صرف وہ اسّی (۸۰) افراد بچے' جو اللہ کی توحید اور حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لا چکے تھے' اور پھر ان ہی باقی ماندہ لوگوں سے دنیا آباد ہوئی' اس طرح اس پر دلیل قائم ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے تو ایک قوم کو ہلاک کر کے اس کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے۔

سورتِ نوح کے مشمولات

☆ جس طرح دیگر مکی سورتوں میں توحید و رسالت پر ایمان لانے کی تاکید کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کا حکم دیا جاتا ہے اور شرک اور بت پرستی کی مذمت کی جاتی ہے' سو اس سورت میں ان ہی اُمور کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

☆ اس سورت کے شروع میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا اور انہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بت پرستی اور گناہوں کو ترک کر دیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے اور ان کے اموال اور ان کی اولاد سے ان کی مدد فرمائے اور آخرت میں ان کو جنت عطا فرمائے لیکن ان کی قوم نے ان کی دعوت کو مسترد کر دیا اور اپنی گم راہی اور نافرمانی پر ڈٹے رہے۔

☆ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اپنی توحید اور اپنی قدرت پر استدلال فرمایا اور آسمانوں اور زمینوں میں اپنی نعمتوں کا بیان فرمایا اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفع کے لیے زمین کو مسخر کر دیا اور اس میں خزانوں اور معدنیات کو رکھ دیا۔

☆ آخر میں یہ بتایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر ان کی کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی وہ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو تلقین کرتے رہے کہ وہ شرک سے باز آئے لیکن جب وہ باز نہ آئی تو پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! اس قوم کو ہلاک کر دے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۂ نوح کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور خطا سے بچائے رکھنا۔

آمین

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۴ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۴ فروری ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰

۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴





سُوْرَۃُ نُوْحٍ مَّکِّیَّۃٌ ۷۱ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | ۲۸ اٰیَاتُهَا ۲ رُکُوْعَاتُهَا

سورۂ نوح مکی ہے ۔ اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ۔ اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلٰى قَوْمِهٖٓ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ

بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں اس سے پہلے کہ

أَنْ يَّأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ① قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ

ان کی طرف درد ناک عذاب آئے ○ (نوح نے) کہا: اے میری قوم! میں تمہیں عذاب سے صاف صاف

مُّبِيْنٌ ② أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَأَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ

ڈرانے والا ہوں ○ کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو ○ وہ تمہارے

لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلٰٓى أَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ إِنَّ

بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا' بے شک

أَجَلَ اللّٰهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④ قَالَ

جب اللہ کی معین کردہ مدت آ جائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا' کاش! تم جانتے ○ (نوح نے) کہا:

رَبِّ إِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ

اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی قوم کو دن اور رات دعوت دی ○ پس میری دعوت سے

دُعَآءِيْٓ إِلَّا فِرَارًا ⑥ وَإِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے ○ اور بے شک میں نے جب بھی ان کو بلایا تا کہ تو ان کو معاف فرمائے

جَعَلُوْٓا أَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ

تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیے

وَأَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ⑦ ثُمَّ إِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ

اور ضد کی اور بہت زیادہ تکبر کیا ○ پھر میں نے ان کو بلند آواز

وقف لازم



جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ إِنِّيٓ أَعۡلَنتُ لَهُمۡ وَأَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ إِسۡرَارًا ﴿٩﴾

سے بلایا O پھر میں نے ان کو علی الاعلان بھی بلایا اور خفیہ طریقہ سے بھی O

فَقُلۡتُ ٱسۡتَغۡفِرُواْ رَبَّكُمۡ إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرۡسِلِ ٱلسَّمَآءَ

پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے O وہ تم پر موسلا دھار

عَلَيۡكُم مِّدۡرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمۡدِدۡكُم بِأَمۡوَٰلٍ وَبَنِينَ وَيَجۡعَل لَّكُمۡ جَنَّٰتٍ وَ

بارش نازل فرمائے گا O اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات اگائے گا اور

يَجۡعَل لَّكُمۡ أَنۡهَٰرًا ﴿١٢﴾ مَّا لَكُمۡ لَا تَرۡجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدۡ خَلَقَكُمۡ

تمہارے لیے دریا بہائے گا O تم اللہ کی عظمت و جلالت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ O حالانکہ اس نے تم کو بہ تدریج

أَطۡوَارًا ﴿١٤﴾ أَلَمۡ تَرَوۡاْ كَيۡفَ خَلَقَ ٱللَّهُ سَبۡعَ سَمَٰوَٰتٍ طِبَاقًا ﴿١٥﴾

پیدا کیا ہے O کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے ہیں O

وَجَعَلَ ٱلۡقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ ٱلشَّمۡسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَ

اور ان میں چاند کو روشن فرمایا اور سورج کو چراغ بنایا O اور

ٱللَّهُ أَنۢبَتَكُم مِّنَ ٱلۡأَرۡضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيدُكُمۡ فِيهَا وَ

اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے O پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا اور

يُخۡرِجُكُمۡ إِخۡرَاجًا ﴿١٨﴾ وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ ٱلۡأَرۡضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾

(دوبارہ) تم کو نکالے گا O اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا O

لِّتَسۡلُكُواْ مِنۡهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾

تا کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلتے پھرتے رہو O

ع ۱ / ۲۰ / ۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے O (نوح نے) کہا: اے میری قوم! میں تمہیں عذاب سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں O کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو O وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرمادے گا

اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا' بے شک جب اللہ کی معین کردہ مدت آ جائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا' کاش! تم جانتے O (نوح: ۴۔۱)

حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کے اہم عنوانات

قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق آیات ہیں' خصوصاً سورۃ الاعراف اور سورۂ ھود میں حضرت نوح علیہ السلام کا بہت مفصل ذکر ہے' ہم نے تبیان القرآن جلد۴ میں اور جلد۵ میں ان آیات کی جو تفسیر کی ہے' ہم ان کے عنوانات کا ذکر کر رہے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کا نام ونسب اور ان کی تاریخ ولادت (ج۴ص۱۹۰) بت پرستی کی ابتداء کیسے ہوئی؟ (ص۱۹۱)' حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا بیان (ص۱۹۲)' حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان کا عذاب (ص۱۹۳)' طوفانِ نوح اور کشتی کی بعض تفاصیل (ص۱۹۴)' حضرت نوح علیہ السلام کی عمر (ص۱۹۴)' قصہ نوح نازل کرنے کے فوائد (ص۱۹۵)' اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے پر دلیل (ص۱۹۵)' حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر قومِ نوح کے استبعاد اور تعجب کی وجوہات (ص۱۹۶)' قومِ نوح کے استبعاد اور تعجب کا ازالہ (ص۱۹۷)۔

اور سورۂ ھود کی تفسیر میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق یہ عنوانات ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ (ج۵ص۵۲۳)' انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص بیان کرنے کی حکمت (ص۵۲۳)' حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں کے شبہات (ص۵۲۳)' بشر کا معنی اور نبی کے بشر ہونے کی حقیقت (ص۵۲۴)' نبی کی خصوصیات (ص۵۲۵)' فرشتہ کو نبی نہ بنانے کی وجوہ (ص۵۲۷)' پس ماندہ لوگوں کا ایمان لانا نبوت میں طعن کا موجب نہیں (ص۵۲۸)' اللہ تعالیٰ کے نزدیک اغنیاء کی بہ نسبت فقراء کا مقرب ہونا (ص۵۲۸)' تبلیغ دین پر اجرت طلب نہ کرنے سے حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی نبوت پر استدلال (ص۵۳۰)' حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی ذات سے اللہ کے خزانے اور علم غیب کی نفی کرنا اور اس کی توجیہ (ص۵۳۲)' حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات پر کفار کے اعتراضات (ص۵۳۳)' کشتی بنانے کی کیفیت اور اس کی مقدار اور اس کو بنانے کی مدت کی تفصیل (ص۵۴۴)' کشتی بنانے کا مذاق اڑانے کی وجوہ (ص۵۴۵)' حضرت نوح علیہ السلام کے جواباً مذاق اڑانے کا محمل (ص۵۴۵)' تنور کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق (ص۵۴۵)' حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہونے والوں کی تفصیل (ص۵۴۶)' ہر کام کے شروع سے پہلے اللہ کا نام لینا (ص۵۴۷)' حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی پر کیوں بلایا جب کہ وہ کافر تھا؟ (ص۵۴۸)' جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کی تفصیل (ص۵۵۱)' ان بچوں اور جانوروں کا کیا قصور تھا جن کو طوفان میں غرق کیا گیا؟ (ص۵۵۲)' اللہ تعالیٰ کسی کافر پر رحم نہیں فرمائے گا (ص۵۵۳)' حضرت نوح علیہ السلام کے سوال پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کا تبصرہ (ص۵۵۶)' حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے متعلق جمہور مفسرین کی توجیہ (ص۵۵۷)' اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور برکتوں کا معنی (ص۵۵۹)۔

سورۃ العنکبوت کی تفسیر کے درج ذیل عنوانات بھی قابل غور ہیں:

اس کی تحقیق کہ طوفانِ نوح تمام زمین پر آیا تھا یا بعض علاقوں پر (ج۹ص۵۵)' طوفانِ نوح کا تمام روئے زمین کو محیط ہونا (ص۵۵)' طوفانِ نوح کا صرف بعض علاقوں پر آنا (ص۵۷)۔

نوح: ۱ میں فرمایا: بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو عذاب سے ڈرائیں' اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے O

آیا حضرت نوح تمام لوگوں کے رسول تھے یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے جن کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۸ص ۲۷۳)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے سورۂ نوح کی تفسیر کا آغاز مذکور الصدر حدیث سے کیا ہے' جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین والوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا' اس حدیث کو علامہ سیوطی نے ابن عساکر کے حوالے سے ذکر کیا ہے' مگر اس میں صرف اتنا ہے کہ سب سے پہلے جس نبی کو بھیجا گیا وہ حضرت نوح ہیں۔ (الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۲۸۴۵) نیز علامہ قرطبی کا یہ کہنا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا تھا اس آیت کے خلاف ہے' کیونکہ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا اور جس نبی کو تمام روئے زمین والوں کی طرف بھیجا گیا وہ صرف ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ حقیقت قرآن مجید کی آیاتِ صریحہ اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے' قرآن مجید میں ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا ۙ (الفرقان: ۱)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے مقدس بندے پر فرقان کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے عذاب سے ڈرانے والے ہو جائیں○

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا (سبا: ۲۸)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اور حسب ذیل احادیث میں بھی اس کی صراحت ہے کہ صرف آپ کو ہی روئے زمین کے تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں' (۱) ایک ماہ کی مسافت سے میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے (۲) میرے لیے تمام روئے زمین نماز کی جگہ اور طہارت کا آلہ بنا دی گئی ہے' پس میری امت میں سے جس شخص پر جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے وہ وہیں نماز پڑھ لے (۳) اور میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا (۴) اور مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے (۵) اور پہلے نبی کو ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۱)

نیز صحیح مسلم میں ایک اور سند سے یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے' مجھے جوامع الکلم (وسیع المعنی کلام) دیئے گئے ہیں اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے اور مالِ غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے اور میرے لیے تمام روئے زمین کو آلۂ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا ہے' اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے' اور مجھ پر نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳)

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ

اس آیت میں فرمایا ہے: اس سے پہلے کہ ان کی طرف دردناک عذاب آئے' مقاتل نے کہا: اس سے مراد ہے: اس سے پہلے کہ ان کو طوفان سے غرق کر دیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے' ایک تفسیر یہ ہے کہ آپ ان کو مطلقاً آخرت کے عذاب سے ڈرایئے' حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے اور ان کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا' وہ آپ کو اس قدر زدوکوب کرتے تھے کہ آپ بے ہوش ہو جاتے تھے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت: ۱۴)

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا' وہ ان میں ساڑھے نوسو سال رہے' پس ان کو طوفان نے اس حال میں پکڑ لیا کہ وہ ظلم کرنے والے تھے ۝

نوح: ۲ میں فرمایا: اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں ۝

یعنی میں تمہارے سامنے تمہاری زبان میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا رہا ہوں کہ اگر تم اللہ پر ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔

نوح: ۳ میں فرمایا: کہ تم اللہ کی عبادت کرو' اس سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو ۝

اللہ کی عبادت اور اس سے ڈرنے کے حکم کے بعد حضرت نوح کی اطاعت کے حکم کی توجیہ

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی یہ ہے کہ اس کے تمام احکام پر عمل کرو' خواہ وہ واجبات ہوں یا مستحبات ہوں اور خواہ ان عبادات کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہو یا دل کے کاموں سے ہو' اور اللہ سے ڈرتے رہنے کا معنی یہ ہے کہ ان تمام کاموں کو ترک کر دو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے' اور فرمایا: میری اطاعت کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت صرف نبی کے بتانے اور اس کی رہ نمائی سے ہو سکتی ہے۔ عام انسان کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے کس کام کا حکم دیا ہے اور کس کام سے منع فرمایا ہے' اور اللہ سبحانہٗ کس کام سے راضی ہوتا ہے اور کس کام سے ناراض ہوتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت نبی کی اطاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی' اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ عزوجل کی عبادت اور اس سے ڈرنے کا حکم دینے کے بعد یہ فرمایا: میری اطاعت کرو۔

نوح: ۴ میں فرمایا: وہ تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا' اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا' بے شک جب اللہ کی معین کردہ مدت آ جائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا' کاش! تم جانتے ۝

بعض گناہوں کی معافی کی بشارت کی توجیہ

اللہ سبحانہٗ نے ان کو تین کاموں کا مکلف کیا' اللہ کی عبادت کرو' اس سے ڈرو اور حضرت نوح کی اطاعت کرو' اور اس پر عمل کرنے کے بعد ان سے دو انعاموں کا وعدہ فرمایا: (۱) اللہ ان کے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا' یعنی ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا (۲) ان سے دنیا کے عذاب اور مصائب کو بھی بہ قدر امکان دور فرما دے گا اور ان کی موت کو بہ قدر امکان مؤخر کر دے گا۔

اس آیت میں ''من ذنوبکم'' فرمایا ہے' یعنی تمہارے بعض گناہوں کو معاف فرما دے گا' یعنی ان کے تمام گناہ معاف

نہیں فرمائے گا' اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان لانے سے پہلے کے گناہ تو صرف ایمان لانے سے ہی معاف ہو جاتے ہیں' پھر قابل معافی جو گناہ بچے وہ ایمان لانے کے بعد کے ہی گناہ ہیں اور وہ کل گناہوں کا بعض ہی ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں' آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنے ہاتھوں کو کھینچ لیا' آپ نے پوچھا: اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: میرا ارادہ ہے کہ میں ایک شرط لگاؤں' آپ نے فرمایا: تم کیا شرط لگاؤ گے؟ میں نے عرض کیا: میری معافی ہو جائے' آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اسلام اس سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور حج اس سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۲۱)

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان بعض گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے کیونکہ جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے وہ گناہ اس وقت معاف ہوں گے جب اصحاب حقوق ان کو معاف کر دیں گے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان بعض گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں' جن پر بندوں نے استغفار کیا ہو اور باقی ماندہ گناہ اللہ سبحانہٗ کی مشیت کی طرف مفوض ہیں' وہ چاہے تو ان گناہوں کی سزا دینے کے بعد ان کو معاف فرما دے' چاہے تو کسی نبی' ولی یا فرشتہ کی سفارش سے ان کو معاف فرما دے اور چاہے تو اپنے فضل محض سے ان کو معاف فرما دے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''مــن'' زائدہ ہے یا بیانیہ ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا' لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ بلیغ کے کلام میں کوئی لفظ زائد اور بے معنی نہیں ہوتا' اور ''من'' بیانیہ اس وقت ہوتا ہے جب اس سے پہلے جنس کا ذکر ہو یا کوئی مبہم لفظ ہو۔

اس کے بعد فرمایا: اور تمہیں ایک معین مدت تک مہلت دے گا' بے شک جب اللہ کی معین کردہ مہلت آ جائے گی تو اس کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔

تقدیر مبرم اور تقدیر معلّق

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں فرمایا ہے' اللہ تمہیں مہلت دے گا یعنی موت یا عذاب کو مؤخر کر دے گا اور دوسرے حصہ میں فرمایا ہے: اللہ کی معین کردہ مہلت مؤخر نہیں ہوتی اور یہ صریح تناقض اور تضاد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی دو قسمیں ہیں: تقدیر مبرم اور تقدیر معلّق' تقدیر مبرم وہ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اس میں تبدیلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بدل جائے اور یہ محال ہے کیونکہ علم بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا علم نہ ہو بعد میں اس کا علم ہو اور یہ محال ہے' اس لیے تقدیر مبرم میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی' قرآن مجید میں ہے:

لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ (یونس:۶۴) اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

اور تقدیر معلّق کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کام کو دوسرے کام پر موقوف کر کے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے' مثلاً اگر تمام قوم نوح ایمان لے آئی تو ان پر طوفان کا عذاب نہیں آئے گا اور اگر تمام قوم ایمان نہیں لائی تو ان پر عذاب آ جائے گا' لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعیت سے علم ہوتا ہے کہ کیا ہو گا اور وہی ام الکتاب ہے' اس کا ثبوت اس آیت میں ہے:

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت

رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے O (الرعد:٣٩)

اس کا ثبوت حسب ذیل احادیث میں ہے:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر کو صرف دعا بدل سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی سے اضافہ ہوسکتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٢١٣٩)

اس تقدیر سے مراد تقدیر معلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی نفع کو کسی بندہ کی دعا پر موقوف کر دیا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ وہ بندہ دعا کرے گا یا نہیں اور اس کا وہ علم ہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

ابوخزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ ہم جو دَم کراتے ہیں یا دوا سے علاج کرتے ہیں یا پرہیز کرتے ہیں' آیا اس سے اللہ کی تقدیر بدل جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٢٠٦٥' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٣٤٣٧' مسند احمد ج ٣ ص ٤٢١)

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر دیا ہے کہ اس مرض میں اس دوا سے مثلاً شفا ہوگی' اگر دوا کی تو شفا ہوگی ورنہ نہیں اور یہ تقدیر معلق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ کیا ہوگا اور وہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (نوح نے) کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی قوم کو دن اور رات دعوت دی O پس میری دعوت سے یہ لوگ اور زیادہ بھاگنے لگے O اور بے شک میں نے جب بھی ان کو بلایا تاکہ تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیے اور ضد کی اور بہت زیادہ تکبر کیا O پھر میں نے ان کو بلند آواز سے بلایا O پھر میں نے ان کو علی الاعلان بھی بلایا اور خفیہ طریقہ سے بھی O پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو' بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے O وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا O اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا' اور تمہارے لیے باغات اگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہائے گا O (نوح:١٢۔٥)

ہدایت اور گم راہی کا اللہ کی تقدیر سے ہونا

نوح:٦۔٥ میں بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو مسلسل دن اور رات' خلوت اور جلوت میں دین کی تبلیغ کرتے رہے' لیکن ان کی تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ الٹا اثر ہوا' بجائے اس کے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف رغبت کرتے وہ ان سے متنفر ہوگئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کا ملنا اور گم راہی میں مبتلا ہونا محض اللہ کی تقدیر اور اس کی اثر آفرینی سے ہوتا ہے۔ ایک عالم ایک مجلس میں وعظ کرتا ہے' ایک شخص کے دل پر اس وعظ کا اثر ہوتا ہے اور وہ اس کی نصیحت کو قبول کر کے راہِ راست پر آجاتا ہے اور دوسرے شخص پر اس کے برعکس اثر ہوتا ہے' وہ اس عالم سے اور متنفر ہو جاتا ہے' اور اس کے وعظ اور نصیحت کے خلاف اپنے دل میں شبہات کے تانے بانے بُننے لگتا ہے اور زیادہ شدت اور تندی سے اس کا ردّ کرتا ہے۔

نوح:٧ میں فرمایا: (نوح نے کہا:) اور بے شک میں نے جب بھی ان کو بلایا تاکہ تو ان کو معاف فرمائے' تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیے اور ضد کی اور بہت زیادہ تکبر کیا O

حضرت نوح علیہ السلام جب بھی انہیں ایمان اور اعمالِ صالحہ کی طرف بلاتے تاکہ ان کی مغفرت ہو جائے تو وہ اعراض کرتے اور آپ کا وعظ نہ سننے کی کوشش کرتے' اس لیے وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ لیتے تاکہ حق اور صداقت کی کوئی آواز ان کے کانوں تک پہنچنے نہ پائے' وہ اپنے کفر اور شرک پر اصرار کرتے اور اس پر جمے رہتے اور

حضرت نوح علیہ السلام کے وعظ سننے اور اس کے قبول کرنے کو اپنی بڑائی اور انانیت کے خلاف سمجھتے۔

نوح: ۹۔۸ میں بتایا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو بہ آواز بلند بھی تبلیغ کی اور خفیہ طریقہ سے بھی لیکن ان کی قوم پر ان کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

نوح: ۱۲۔۱۰ میں فرمایا: (نوح نے کہا:) پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو' بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے ○ الآیات

خوش حالی کے حصول کے لیے اور استغفار کی فضیلت میں آیات' احادیث اور آثار

امام رازی فرماتے ہیں کہ مقاتل نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بہت طویل عرصہ تک حضرت نوح کی تکذیب کی' اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا اور چالیس سال تک ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں' ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی' پھر اس سزا کے تدارک کے لیے انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے شرک اور کفر پر اپنے رب سے توبہ کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو' تمہارا رب تمہارے اوپر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرنے سے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے سے اللہ عزوجل کی رحمت اور وسعت اور کشادگی حاصل ہوتی ہے اور اس پر حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ. (الاعراف: ۹۶)

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو ہم ان کے اوپر آسمان اور زمینوں کی برکتیں کھول دیتے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ. (المائدہ: ۶۶)

اور اگر یہ لوگ تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور اس کو قائم کرتے جو ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تو یہ اپنے اوپر سے کھاتے اور اپنے نیچے سے۔

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ (الجن: ۱۶)

اور اگر یہ لوگ راہ راست پر سیدھے چلتے تو ہم ان کو ضرور بہت وافر پانی پلاتے ○

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. (الطلاق: ۳۔۲)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہتا ہے' اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دیتا ہے ○ اور اس کو وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے بہت زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ اللہ نے تم کو استغفار کی اسی لیے تعلیم دی ہے کہ وہ تم کو بخشنا چاہتا ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۲۶۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: جس شخص کو استغفار کی توفیق دی گئی' وہ مغفرت سے محروم نہیں ہو گا کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ''اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ'' (نوح: ۱۰)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

ابلیس نے اپنے رب عزوجل سے کہا: تیری عزت اور جلال کی قسم! میں بنو آدم کو اس وقت تک گم راہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روحیں ہیں' تب اس کے رب نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں ان کی مغفرت کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۹-۴۱-۷۶' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۹-۱۲۷۳)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کا صحیفۂ اعمال اس کو خوش کرے وہ بہت زیادہ استغفار کرے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۴۳' اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۷۵۷۹)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز استسقاء پڑھانے کے لیے نکلے' آپ نے استغفار کرنے کے اوپر اور کچھ زیادہ نہ کیا حتیٰ کہ آپ واپس آ گئے' لوگوں نے کہا: ہم نے آپ کو بارش کی طلب کے لیے دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا: میں نے حاجت برآری کے ان آلات سے بارش کو طلب کیا ہے جن سے بارش ہوتی ہے' پھر یہ آیات پڑھیں:

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ (نوح: ۱۱-۱۰) تم اپنے رب سے معافی مانگو' بے شک وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے ۝ وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا ۝

الربیع بن صبیح بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حسن بصری سے قحط سالی کی شکایت کی' اس سے حسن نے کہا: اللہ سے استغفار کرو' پھر دوسرا شخص آیا' اس نے ان سے فقر کی شکایت کی' حسن نے اس سے بھی کہا: اللہ سے استغفار کرو' پھر ایک اور شخص آیا' اس نے ان سے کہا: آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بیٹا دے' انہوں نے اس سے بھی کہا: تم اللہ سے استغفار کرو' پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے شکایت کی کہ میرے باغات خشک ہو گئے ہیں' حسن نے اس سے بھی کہا: تم اللہ سے استغفار کرو' ہم نے ان سے کہا: آپ کے پاس مختلف لوگ مختلف شکایات لے کر آئے اور آپ نے سب کو استغفار کرنے کا حکم دیا' حسن بصری نے کہا: میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی' میں نے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت نوح نے اپنی قوم سے کہا: تم اپنے رب سے معافی مانگو' وہ بہت زیادہ معاف فرمانے والا ہے' وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا' اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات اگائے گا اور تمہارے لیے دریا بہائے گا ۝ (نوح: ۱۲-۱۰)

انسان چاہتا ہے کہ آخرت کے اجر و ثواب کے علاوہ اس کو دنیا میں بھی آرام اور راحت نصیب ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرو' تم کو معافی بھی ملے گی اور دنیا کی راحت بھی نصیب ہو گی' استغفار کرنے سے بارش ہو گی' مال و دولت اور اولاد میں اضافہ ہو گا' کھیتوں اور باغات کی پیداوار میں اضافہ ہو گا اور تمہارے لیے دریا رواں دواں ہو جائیں گے' خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام بنیادی اور اصولی نعمتیں استغفار کرنے سے حاصل ہوتی ہیں' سو ہمیں چاہیے کہ ہم بہ کثرت استغفار کیا کریں تاکہ ہماری ہر حاجت پوری ہو' اسی لیے ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ بارش کی طلب میں اصل چیز اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے اور نمازِ استسقاء سنت لازمہ نہیں ہے' سنت مشروعہ ہے' یعنی یہ نماز بھی پڑھنی چاہیے لیکن اصل چیز اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اللہ کی عظمت و جلالت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ ۝ حالانکہ اس نے تم کو بہ تدریج پیدا کیا ہے ۝ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے ہیں ۝ اور ان میں چاند کو روشن فرمایا اور سورج کو چراغ

بنایاO اور اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا ہےO پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا اور (دوبارہ) تم کو نکالے گاO اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایاO تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلتے پھرتے رہوO (نوح: ۲۰۔۱۳)

اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور توقیر اور اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارشی بنانے کا عدم جواز

نوح: ۱۳ میں ''وقار'' کا لفظ ہے اس کا معنی تعظیم ہے: ''وَتُوَقِّرُوْہُ'' (الفتح: ۹) کا معنی ہے: تم اس کی تعظیم کرو اس آیت کا معنی ہے: تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ڈرتے کیوں نہیں یعنی تمہارے حال سے یہ کیوں ظاہر نہیں ہوتا کہ تم اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور توقیر کرنے والے ہو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور توقیر اور اس کی ہیبت اور جلال سے ڈرنے کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! لوگ پریشان ہو گئے' بچے ضائع ہو گئے' اموال کم ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے' آپ ہمارے لیے اللہ سے بارش کی دعا کیجئے' ہم اللہ کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بناتے ہیں اور اللہ کو آپ کے حضور میں شفیع بناتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! کیا تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ' سبحان اللہ پڑھنے لگے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک سبحان اللہ' سبحان اللہ پڑھتے رہے' حتیٰ کہ آپ کے اصحاب کے چہروں پر ملال کے آثار ظاہر ہوئے' پھر آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! تم پر افسوس ہے! اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کو شفاعت (سفارش) کرنے والا نہیں بنایا جاتا' اللہ کی شان اس سے بھی بہت بلند ہے' تم جانتے ہو اللہ کیا ہے؟ بے شک اس کا عرش سات آسمانوں کے اوپر اس طرح ہے اور آپ نے اپنی انگلیوں کو گنبد کی طرح بنایا اور بے شک وہ چرچر کر رہا ہے جس طرح سوار کے بوجھ سے سواری چرچر کرتی ہے۔ (امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یحییٰ بن معین' علی بن مدینی اور ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی موافقت کی ہے۔) (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۲۶' مشکوۃ رقم الحدیث: ۵۷۲۷)

امام ابوسلیمان الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنبد کی مثال بنا کر جو دکھائی اور عرش کے چرچر کرنے کا ذکر فرمایا' یہ اس کم فہم اعرابی کو سمجھانے کے لیے تھا اور آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کیا ہے؟ اس کا معنی ہے: کیا تم اللہ کی عظمت اور اس کے جلال کو جانتے ہو؟ اور سواری کے چرچر کرنے کی مثال سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال کو عرش بھی برداشت نہیں کر سکتا' اور اس مثال کو بتانے سے یہ مراد ہے کہ جس کی اتنی عظیم شان اور جلالت قدر ہو اس کو کسی کے پاس سفارشی بنانا جائز نہیں ہے۔ (معالم السنن ص ۹۶۔۹۴' دارالمعرفۃ' بیروت)

علامہ حسین بن محمد الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے' اور آپ کا بار بار سبحان اللہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے خوف کی وجہ سے تھا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی اس سے تنزیہ اور برأت کے لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارش کرنے والا بنایا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنبد کی مثال جو دی ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دلوں میں بٹھانا مقصود ہے اور یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال اس کے منافی ہے کہ اس کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے۔

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۱۰ ص ۳۲۹۔۳۲۸' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

آپ کے بار بار سبحان اللہ پڑھنے پر آپ کے اصحاب کے چہرے اس لیے متغیر ہو گئے تھے کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے غضب ناک ہوئے ہیں کہ اس اعرابی نے اللہ تعالیٰ کو آپ کی جناب میں سفارشی بنایا' سو وہ آپ کے غضب سے خوف زدہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کے چہرے متغیر ہو گئے' آپ نے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت کی وجہ سے بار بار سبحان اللہ پڑھا اور آپ نے جو گنبد کی مثال دی ہے' اس سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت اس سے بلند ہے کہ اس کو کسی کے پاس سفارشی بنایا جائے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۹ ص ۲۲۷۔۲۲۰ ملخصاً' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

بدرستی شان اینست که طلب شفاعت کرده نمی شود بخدا بر هیچ یکے ووسیله گرفته نمی شود اورا' امر خدا و قدر و مرتبه او بزرگترست ازاں که وسیله سازند او را نزد کسے۔ (یعنی نہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے پاس سفارش کرنے والا بنایا جائے' نہ کسی کے سامنے اللہ تعالیٰ کا وسیلہ پیش کیا جائے۔) (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۶۱' تیج کمار' لکھنؤ' ہند)

مفتی احمد یار خاں کا یہ لکھنا کہ اللہ تعالیٰ کو سفارشی بنانا' جائز ہے اور اس پر مصنف کا تبصرہ

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ ''وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ'' (آل عمران: ۱۵۹) کی تفسیر میں اس حدیث کے برخلاف لکھتے ہیں:

بڑا چھوٹے سے سفارش کر سکتا ہے' دیکھو اللہ تعالیٰ نے رب ہو کر اپنے حبیب سے خطا کاروں کی سفارش فرمائی' مگر اس کا نام سفارش ہو گا نہ کہ شفاعت ہو گا' لہٰذا رب تعالیٰ کو شفیع نہیں کہہ سکتے' وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں رب تعالیٰ کو آپ کی بارگاہ میں شفیع لاتا ہوں تو سرکار اس پر بہت ناراض ہوئے' اس کی یہی وجہ تھی' لہٰذا وہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔ (تفسیر نعیمی ج ۴ ص ۲۹۱۔۲۹۰' مکتبہ اسلامیہ' لاہور' نور العرفان ص ۱۱۱' ادارہ کتب اسلامیہ' لاہور)

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ نے شفاعت اور سفارش میں فرق کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شفیع نہیں بنا سکتے لیکن سفارش کرنے والا بنا سکتے ہیں لیکن یہ فرق صحیح نہیں ہے' شفاعت اور سفارش ایک ہی چیز ہیں' جس چیز کو عربی میں شفاعت کہتے ہیں اسی چیز کو اُردو میں سفارش کہتے ہیں' اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے شفیع کا ترجمہ سفارشی کیا ہے' سنن ابوداؤد کی زیر بحث حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

جو بات عظمت شانِ الٰہی کے خلاف ہو' اسے سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ برتاؤ ہوتا ہے' حالانکہ سفارشی ٹھہرانے کو یہ بات کہ اس کا مرتبہ اس سے کم ہے' جس کے پاس سفارش لائی گئی' ایسی صریح لازم نہیں جسے عام لوگ سمجھ لیں' ولہٰذا وہ صحابی اعرابی رضی اللہ عنہ باآنکہ اہل زبان تھے' اس نکتے سے غافل رہے۔ (الامن والعلیٰ ص ۱۶۷' شبیر برادرز' لاہور' ۱۳۹۶ھ)

خود مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ نے بھی شفیع کا ترجمہ سفارشی کیا ہے' سنن ابوداؤد کی زیر بحث حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یعنی ہم لوگ بارگاہِ الٰہی میں آپ کو شفیع بناتے ہیں کہ آپ کی دعا سے وہ ہم پر بارش بھیجے' اور آپ کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ کو شفیع اور سفارشی بناتے ہیں کہ آپ سے ہماری شفاعت وسفارش کرے کہ آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں گویا آپ کی دعا کا شفیع اللہ تعالیٰ اور بارش کے شفیع آپ ہوں۔ (مراۃ المناجیح ج ۷ ص ۵۹۹)

مفتی احمد یار خاں کے اس ترجمہ سے واضح ہو گیا کہ شفیع اور سفارشی کا ایک ہی معنی ہے۔

اور اس حدیث کی تشریح میں مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں:

سفارش کو شفاعت اس لیے کہتے ہیں کہ سائل حاکم کے سامنے اکیلا پیش ہونے کی ہمت نہیں کرتا' تو اس حاکم کے کسی

منظور و مقبول کے ساتھ مل کر حاکم کے سامنے پیش ہوتا ہے' بہر حال شفیع سے حاکم کا افضل و اعلیٰ ہونا ضروری ہے' اگر خدا تعالیٰ کو شفیع کہا جائے تو لازم آوے گا کہ کوئی اور اس سے اعلیٰ ہے جس کے دربار میں خدا تعالیٰ سے سفارش کرائی گئی' چونکہ یہ بہت باریک بات تھی' اس لیے اس شخص کو نہ تو کافر کہا گیا نہ اس سے توبہ کرائی گئی۔ (مرات المناجیح ج ٧ص ٦٠٠' نعیمی کتب خانہ' گجرات)

مفتی احمد یار خاں نعیمی اہل سنت کے بہت عظیم عالم دین تھے' ان کی بہت خدمات ہیں' میرے دل میں ان کی بہت محبت ہے' لیکن میرے دل میں اللہ عزوجل کی عظمت و جلالت اس سے کہیں زیادہ ہے' اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ کی قدر اور شان واضح کرنے کے لیے یہ وضاحت کی تا کہ ''تفسیر نعیمی'' اور ''نور العرفان'' میں ''وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ '' (آل عمران:١٥٩) کی تفسیر پڑھ کر نوجوان علماء اللہ تعالیٰ کو حضور کی بارگاہ میں سفارشی نہ کہنے لگیں۔

اللہ تعالیٰ کی تعظیم اس کو وسیلہ بنانے کے منافی ہے

نیز مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے:

اللہ کے نام کے وسیلہ سے بندوں سے مدد مانگنا درست ہے' ہم کہا کرتے ہیں: اللہ کے واسطے سے یہ دے دو' اللہ کے نام کا صدقہ دے دو' کہا جاتا ہے: ''شیئاً للّٰہ'' ۔ (مرات المناجیح ج ٧ص ٦٠٠)

مفتی احمد یار خاں نعیمی کی اللہ تعالیٰ مغفرت کرے' انہوں نے یہ بھی صحیح نہیں لکھا' اللہ کی بارگاہ میں کسی مقرب کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے' لیکن اللہ کا وسیلہ کسی کی بارگاہ میں پیش کرنا جائز نہیں ہے' جیسا کہ ہم ابھی شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی عبارت سے بتا چکے ہیں' اور عوام کے اقوال سے استدلال کرنا درست نہیں' استدلال تو قرآن مجید کی آیات' احادیث' آثار صحابہ اور اقوالِ فقہاء سے کیا جاتا ہے اور ''شیاءً للّٰہ'' کی فقہاء نے یہ تاویل کی ہے کہ ''شیئاً اکراما للّٰہ'' اللہ کی تکریم اور تعظیم کے لیے کچھ دو۔ (الفتاویٰ الخیریہ علیٰ ہامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ٢ ص ٢٨٢' المکتبۃ الحسبیبیہ' کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بھی یہی تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے حضور وسیلہ بنانا جائز نہیں ہے' وہ لکھتے ہیں:

یہی حال استعانت و فریاد رسی کا ہے کہ ان کی حقیقت خاص بخدا اور بمعنی وسیلہ و توسل و توسط غیر کے لیے ثابت اور قطعاً روا' بلکہ یہ معنی تو غیر خدا ہی کے لیے خاص ہیں' اللہ عزوجل وسیلہ و توسل و توسط بننے سے پاک ہے' اس سے اُوپر کون ہے کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے کہ یہ بیچ میں واسطہ بنے گا' ولہٰذا حدیث میں ہے: جب اعرابی نے حضور پُرنور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف شفیع بناتے ہیں اور اللہ عزوجل کو حضور کے سامنے شفیع لاتے ہیں' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سخت گراں گزرا' دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے' پھر فرمایا:

ویحك انه لا یستشفع باللّٰه علی احد' شان اللّٰه اعظم من ذلك. رواه ابو داؤد عن جبیر بن مطعم رضی اللّٰه تعالٰی عنه.

ارے نادان! اللہ کو کسی کے پاس سفارشی نہیں لاتے ہیں کہ اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے (اسے ابوداؤد نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)

(الیٰ قولہ) ایک بے وقوف وہابی نے کہا تھا:

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے — جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے کہا:

توسل کر نہیں سکتے خدا سے — اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا سے توسّل کر کے اُسے کسی کے یہاں وسیلہ وذریعہ بنائیے' اس وسیلہ بننے کو ہم اولیائے کرام سے مانگتے ہیں کہ وہ دربارِالٰہی میں ہمارا وسیلہ وذریعہ وواسطہ قضائے حاجات ہو جائیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۱ص ۳۰۴۔۳۰۳' رضا فاؤنڈیشن' لاہور' ۱۴۲۳ھ)

اللہ اور رسول چاہے کہنا موہم بے ادبی ہے' اللہ پھر رسول چاہے' کہنا چاہیے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے مجھے اور اللہ کو برابر (اور ایک درجہ میں) کر دیا ہے' بلکہ جو صرف اللہ چاہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ص ۳۴۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۱۷' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۹۸۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۰۰۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ص ۲۱۷' مسند احمد ج ۱ص ۲۱۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳ص ۳۳۹۔رقم الحدیث: ۱۸۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح لغیرہ ہے۔)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے کسی اہل کتاب نے کہا: تم اچھے لوگ ہو اگر تم یہ نہ کہا کرتے جو اللہ چاہے اور جو محمد چاہے' (یہ سن کر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی تمہارے اس جملہ کو ناپسند کرتا تھا' تم یوں کہا کرو: جو اللہ چاہے' پھر جو محمد چاہے۔

(تاریخ کبیر للبخاری ج ۴ص ۳۶۴' مسند البزار ج ۷ص ۲۵۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۱۸' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۹۸۴' الاسماء والصفات للبیہقی ص ۱۴۳' مسند احمد ج ۵ص ۳۹۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۸ص ۳۶۴۔رقم الحدیث: ۲۳۳۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔)

حضرت قتیلہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: تم لوگ اللہ کا شریک بناتے ہو اور شرک کرتے ہو' تم کہتے ہو: جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں' اور تم کہتے ہو: کعبہ کی قسم! تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ جب وہ قسم کھانے کا ارادہ کریں تو کہیں: رب کعبہ کی قسم! اور یوں کہیں: جو اللہ چاہے پھر جو آپ چاہیں۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۷۸۲' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۹۸۷۔۹۸۶)

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ اللہ اور رسول چاہے تو یہ شرک نہیں ہے کیونکہ عربی میں واؤ اور اُردو میں اور برابری کے لیے نہیں آتا' اس لیے آپ نے ابتداء میں صحابہ کو اس سے منع نہیں کیا لیکن بعد میں جب یہودیوں نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا: میں بھی اس کلام کو ناپسند کرتا تھا اور اس کو خلافِ ادب قرار دے کر فرمایا: تم یوں کہا کرو: اللہ چاہے پھر آپ چاہیں' تا کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مساوات اور برابری کا وہم بھی نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کلام سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں برابری کا وہم بھی ہو اس سے احتراز لازم ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

جب اُس یہودی خبیث نے جس کے خیالات امام الوہابیہ کے مثل تھے' اعتراض کیا اور معاذ اللہ شرک کا الزام دیا' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے کریم کا زیادہ رجحان اسی طرف ہوا کہ ایسے لفظ کو جس میں احمق بدعقل مخالف جائے طعن جانے دوسرے سہل لفظ سے بدل دیا جائے کہ صحابہ کرام کا مطلب تبرک وتوسل برقرار رہے اور مخالف کج فہم کو گنجائش نہ ملے' مگر یہ بات طرزِ عبادت کے ایک گونہ آداب سے تھی' معناً تو قطعاً صحیح تھی' لہٰذا اُس کافر کے بکنے کے بعد بھی چنداں لحاظ نہ فرمایا گیا' یہاں تک کہ طفیل بن سخبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خواب دیکھا اور رویائے صادقہ القائے ملک ہوتا ہے' اب اس خیال کی زیادہ

تقویت ہوئی اور ظاہر ہوا کہ بارگاہِ عزت میں یہی ٹھہرا ہے کہ یہ لفظ مخالفوں کا جائے پناہ ٹھہرا ہے' بدل دیا جائے جس طرح رب العزت جل جلالہ نے ''رَاعِنَا'' کہنے سے منع فرمایا تھا کہ یہود و عنود اُسے اپنے مقصد مردود کا ذریعہ کرتے ہیں اور اس کی جگہ ''اُنظُرنَا'' کہنے کا ارشاد ہوا تھا' ولہٰذا خواب میں کسی بندۂ صالح کو اعتراض کرتے نہ دیکھا کہ یوں تو بات فی نفسہٖ محل اعتراض نہ ٹھہرتی بلکہ خواب بھی دیکھا تو اُنہیں یہود و نصاریٰ اس امام الوہابیہ کے خیالوں کو معترض دیکھا تا کہ ظاہر ہو کہ صرف ذہن دوزی مخالفان کی مصلحت داعی تبدیل لفظ ہے' اب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یوں نہ کہو کہ اللہ و رسول چاہیں تو کام ہوگا' بلکہ یوں کہو کہ اللہ پھر اللہ کا رسول چاہے تو کام ہوگا' (پھر) کا لفظ کہنے سے وہ توہم مساوات کہ ان وہابی خیال کے یہود و نصاریٰ یا یوں کہیے کہ ان یہودی خیال کے وہابیوں کو گزرتا ہے' باقی نہ رہے گا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی تَوَاتُرِ اٰلَائِہٖ والصلاۃ والسَّلام عَلٰی انبیائہ'' اہل انصاف و دین ملاحظہ فرمائیں کہ یہ تقریر منیر کہ فیض قدیر سے قلب فقیر پر القا ہوئی کیسی واضح و مستنیر ہے' اُن احادیث کو ایک مسلسل سلک گوہر میں منظوم کیا اور تمام مدارج و مراتب مرتبہ بحمد اللہ تعالیٰ نورانی نقشہ کھینچ دیا' الحمد للہ کہ یہ حدیث فہمی ہم اہل سنت ہی کا حصہ ہے' وہابیہ وغیرہم بد مذہبوں کو اُس سے کیا علاقہ ہے۔ ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ''۔

(الامن والعلیٰ ص ۱۸۷۔۱۸۶' شبیر برادرز لاہور' ۱۳۹۶ھ)

نوح: ۱۴ میں فرمایا: حالانکہ اس نے تم کو بہ تدریج پیدا کیا ہے○

اللہ تعالیٰ کا مخلوق کو بہ تدریج پیدا فرمانا

اس آیت کی تقریر اس طرح ہے کہ تم اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے حالانکہ اس نے تم کو اوّلاً مٹی سے بنایا' پھر مٹی کو سبزہ اور غلہ بنایا' پھر اس سے غذا بنائی' پھر غذا سے خون بنایا' پھر خون سے نطفہ بنایا' پھر اس نطفہ کو جما ہوا خون بنایا' پھر اس خون کو گوشت کا ٹکڑا بنایا' پھر اس کو ہڈیوں اور گوشت کی صورت دی' پھر اس میں روح پھونکی' پھر تم کو جنین بنایا' پھر ولید بنایا' پھر رضیع (دودھ پیتا) بنایا' پھر صبی (بچہ) بنایا' پھر غلام (نوخیز لڑکا) بنایا' پھر مراہق (قریب بہ بلوغ) بنایا' پھر بالغ بنایا' پھر شاب (جوان) بنایا' پھر رجل (قوی مرد) بنایا' پھر کہول (چالیس سال کی عمر کا) بنایا' پھر شیخ بنایا' ساٹھ سال کے بعد شیخ فانی بنایا' پھر میت بنایا اور قبر میں پہنچایا تو دفین بنایا اور جب قبر میں ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں تو رمیم بنایا اور جب ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل کر خاک ہو گئیں تو پھر تم کو مٹی بنا دیا۔

اس آیت کی دوسری تقریر اس طرح ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ان کی تعظیم اور توقیر نہیں کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت نوح اللہ کے نبی ہیں' ان کی توقیر اللہ کی توقیر ہے' تم اللہ کی وجہ سے ان کی تعظیم اور توقیر کیوں نہیں کرتے' تم ان پر ایمان لاؤ اور ان کے پیغام کو قبول کرو اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانو' اس نے تم کو بہ تدریج پیدا کیا ہے۔

نوح: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے ہیں○ اور ان میں چاند کو روشن فرمایا' اور سورج کو چراغ بنایا○

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید پر دلائل اور آسمانوں کے انطباق اور چاند کے آسمانوں میں ہونے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور توحید پر جو دلائل قائم کیے ہیں' وہ دو قسم کے ہیں: ایک وہ دلائل ہیں جو انسان کے اپنے اندر ہیں اور دوسرے وہ دلائل ہیں جو اس خارجی کائنات میں ہیں' انسان کے اپنے اندر جو دلائل ہیں' ان کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہ تدریج پیدا کیا ہے' اب سوال یہ ہے کہ انسان ممکن اور حادث ہے' کیونکہ انسان عدم سے وجود میں آیا ہے تو

ضروری ہوا کہ اس کو عدم سے وجود میں لانے کی کوئی علت ہو اور اگر وہ علت بھی ممکن اور حادث ہوئی تو اس کے لیے پھر کسی علت کی ضرورت ہوگی اور یوں غیر متناہی علتیں لازم آئیں گی اور یہ محال ہے اس لیے ضروری ہوا کہ انسان کی پیدائش کی علت حادث اور ممکن نہ ہو بلکہ واجب اور قدیم ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علت واحد ہو کیونکہ تعدد وجباء اور تعدد قدماء محال ہے نیز تمام انسانوں کی بہ تدریج پیدائش کا طریقہ واحد ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کا موجد بھی واحد ہو کیونکہ اگر موجد متعدد ہوتے تو ان کے طریقہ ہائے تولید بھی متعدد ہوتے۔

اس خارجی کائنات میں آسمان چاند اور سورج ہیں اور اسی طریقہ سے ان کی تخلیق کی علت بھی واجب قدیم اور واحد ہوگی اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور توحید پر پہلے اس دلیل کا ذکر کیا جو انسان کے اندر ہے پھر اس دلیل کا ذکر فرمایا جو انسان کے باہر ہے کیونکہ انسان اپنے اندر کی نشانیوں کو باہر کی نشانیوں کی بہ نسبت زیادہ پہچانتا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ آسمان اوپر تلے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر منطبق ہیں حالانکہ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۹۸ مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان ایک دوسرے پر منطبق ہیں اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ ایک دوسرے سے مماس ہوں اور پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں دو آسمان ایک دوسرے سے منفصل ہونے کے باوجود اوپر تلے اور ایک دوسرے پر منطبق ہو سکتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ نوح: ۱۶ میں فرمایا ہے: ان (آسمانوں) میں چاند کو روشن فرمایا حالانکہ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق چاند آسمانِ دنیا سے بہت نیچے اور زمین سے پونے دولاکھ میل کی مسافت پر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان دنیا زمین کو محیط ہے اور تمام زمینیں اور فضا اور خلا سب آسمانوں کے احاطہ میں ہیں اس لیے جب چاند خلا میں ہے تب بھی وہ آسمانوں کے احاطہ میں ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ چاند کسی آسمان میں مرکوز ہو یا نصب ہو جیسے ہم کہتے ہیں: پاکستان کا صدر مملکت سرزمین پاکستان میں ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ زمین کے کسی حصہ میں مرکوز ہو اگر وہ ہوائی جہاز میں اسلام آباد سے کراچی پرواز کر رہا ہو تب بھی یہ کہا جائے گا کہ وہ پاکستان میں ہے اسی طرح جب چاند اور سورج اپنے اپنے مدار میں خلا کے اندر گردش کر رہے ہوں گے تب بھی آسمانوں کے احاطہ میں ہوں گے اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ چاند اور سورج آسمانوں میں ہیں۔

نوح: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: اور اللہ نے تمہیں زمین سے اُگایا ہے ○ پھر تم کو اسی زمین میں لوٹائے گا اور دوبارہ تم کو نکالے گا ○

انسان کو زمین سے پیدا کرنے کی توجیہات

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا ہے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو نطفہ سے پیدا کیا ہے اور قرآن مجید میں بھی یہی فرمایا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ . (النحل: ۴) انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ . (الدھر: ۲) بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وہ ہماری اصل ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے

مٹی سے پیدا کیا ہے تو چونکہ اصل انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے تو اس وجہ سے فرمایا: ہم نے تم کو اس زمین سے پیدا کیا ہے' ایک اور سورت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری خلقت کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ (المؤمنون: ۱۴۔۱۲)

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا ۝ پھر ہم نے اس کو مضبوط جائے قرار میں نطفہ بنا کر رکھا ۝ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنا دیا' پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنا دیا' پھر گوشت کی بوٹی سے ہڈیاں بنائیں' پھر ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا' پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک اور مخلوق بنائی' سو اللہ بڑی برکت والا ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے ۝

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کی پیدائش نطفہ اور حیض کے خون سے ہوتی ہے' اور نطفہ اور حیض کا خون دونوں غذا سے بنتے ہیں اور غذا گوشت اور سبزیوں سے حاصل ہوتی ہے اور گوشت بھی حیوانوں کے سبزہ کھانے سے بنتا ہے تو غذا کا رجوع اور مآل سبزیوں کی طرف ہے' اور سبزیاں پانی اور مٹی کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہیں تو خلاصہ یہ ہے کہ نطفہ اور حیض کا خون زمین کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے' لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے' اس کے اوپر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے' ابوعاصم نے کہا: تم حضرت ابوبکر اور عمر کے لیے اس جیسی فضیلت نہیں پا سکو گے' کیونکہ ان دونوں کی مٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۸۔ رقم الحدیث: ۲۳۸۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر انسان کو اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا۔

(مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۵۳۱' مطبوعہ مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۳ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے' فرشتہ زمین سے مٹی لے کر اس کی ناف کاٹنے کی جگہ پر رکھتا ہے' اس مٹی میں اس کی شفاء ہوتی ہے اور اسی میں اس کی قبر ہوتی ہے۔ (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۶۵۳۳' مطبوعہ بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے' اس کی ناف میں وہ مٹی ہوتی ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے' اور جب وہ ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو وہ اس مٹی کی طرف لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا جاتا ہے' حتیٰ کہ اس مٹی میں اس کو دفن کیا جاتا ہے اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی مٹی سے ہم اٹھائے جائیں گے۔ (فردوس الاخبار ج ۴ ص ۲۳۵' اللئالی المصنوعۃ ج ۱ ص ۲۸۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ (فردوس الاخبار ج ۲ ص ۳۰۵۔ رقم الحدیث: ۲۷۷۵' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۸۳' تنزیہ الشریعۃ ج ۱ ص ۳۴۹)

نوح: ۲۰۔۱۹ میں فرمایا: اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ۝ تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلتے پھرتے رہو ۝

نوح: ۲۰ میں ''فجاجا'' کا لفظ ہے' یہ ''فج'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: کشادہ راستہ۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ

نوح نے کہا: اے میرے رب! انہوں نے میری حکم عدولی کی اور انہوں نے ان کی پیروی کی جنہوں نے ان کے

مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۚ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا

مال اور اولاد میں نقصان کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا○ اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی ○ اور انہوں نے کہا:

لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ

تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق

وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ

اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا○ اور بے شک انہوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا، اور (اے میرے رب!) ظالموں میں صرف

اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ

گم راہی کو زیادہ کرنا○ سو ان کو ان کے سنگین گناہوں کی وجہ سے ہی غرق کیا گیا پس فوراً ان کو آگ میں جھونکا

يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ

گیا تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پایا○ اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب!

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ

زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ○ بے شک اگر تو

تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

نے انہیں چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گم راہ کریں گے اور ان سے صرف بدکار کافر پیدا ہوں گے ○

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ

اے میرے رب! مجھے معاف فرما اور میرے ماں باپ کو اور ان کو جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور

لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

۲ع ۱۰/۸ النصف

تمام ایمان والے مردوں اور تمام ایمان والی عورتوں کو اور ظالموں میں صرف ہلاکت کو زیادہ فرما! ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نوح نے کہا: اے میرے رب! انہوں نے میری حکم عدولی کی اور انہوں نے ان کی پیروی کی جنہوں نے ان کے مال اور اولاد میں نقصان کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا○ اور انہوں نے بہت بڑی سازش کی○ اور انہوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور وَدّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا○ اور بے شک انہوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا○ (نوح: ۲۱۔۲۴)

کفارِ نوح کی حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف سازشیں

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی' اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل پیش کیے اور ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا۔

نوح: ۲۱ میں یہ بتایا ہے کہ ان کی قوم نے نہ صرف یہ کہ ان کی حکم عدولی کی بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کے مقابلہ میں ان کے مخالفوں کی اطاعت کی' جو لوگ حضرت نوح کی نبوت کے منکر اور مخالف تھے اور بت پرستی کے داعی تھے' جن کی اطاعت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی' وہ ان کے دنیا میں کسی کام آ سکتے تھے نہ آخرت میں' جن کی دوستی اور اطاعت سے ان کو سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہ تھا' حضرت نوح علیہ السلام کی قوم حضرت نوح کو چھوڑ کر ان کی اطاعت کرتی تھی۔

نوح: ۲۲ میں فرمایا: حضرت نوح کی قوم کے بڑے بڑے سرداروں نے اپنے اطاعت گزاروں کو ورغلایا اور حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف سازش کی' وہ اپنے ماتحت لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف بھڑکاتے تھے' اور حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ناگفتنی باتیں کہتے تھے' قرآن مجید نے دیگر سورتوں میں ان کے وہ اقوال نقل کیے ہیں' فرمایا:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○ (الاعراف: ۶۰)

نوح کی قوم کے سرداروں نے کہا: ہم تم کو صریح گم راہی میں دیکھتے ہیں○

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ○ (ھود: ۲۷)

پس نوح کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ہم آپ کو اپنی مثل بشر ہی دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی پیروی صرف نیچ اور کم عقل لوگوں نے کی ہے اور ہم اپنے اوپر آپ کی کوئی فضیلت نہیں دیکھتے' بلکہ ہم تو آپ کو جھوٹا گمان کرتے ہیں○

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓىٕكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىٕنَا الْاَوَّلِیْنَ○ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ○ (المؤمنون: ۲۴۔۲۵)

پس نوح کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: یہ شخص صرف تمہاری مثل بشر ہے' یہ تم پر اپنی بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ (کسی نبی کو بھیجنا چاہتا) تو کسی فرشتے کو نازل کر دیتا' ہم نے تو اس کے متعلق اپنے پہلے باپ دادوں سے کچھ نہیں سنا○ یہ شخص تو صرف دیوانہ ہے تم اس کو ایک مقرر وقت تک ڈھیل دیتے رہو○

نوح: ۲۳ میں ان بتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی' اور ان کی قوم کے سرداران کو ان بتوں کی عبادت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

وَدّ' سواع' یغوث' یعوق اور نسر وغیرہا کی تاریخی حیثیت

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن قیس نے کہا: یہ بت (ودّ' سواع' یغوث' یعوق اور نسر) حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے نیک لوگ تھے اور ان کے پیروکار تھے جو ان کی اقتداء کرتے تھے' جب وہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان نیک لوگوں کے مجسمے بنالیں تو پھر ہم کو عبادت کرنے میں زیادہ ذوق اور شوق حاصل ہوگا' سو انہوں نے ان کے مجسمے بنا لیے' اور جب یہ نسل بھی ختم ہوگئی اور دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ تمہارے آباؤ اجداد ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے ان پر بارش برسائی جاتی تھی' سو بعد کے لوگوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کر دی۔

(جامع البیان رقم الحدیث:٢٧١٥٤)

قتادہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ودّ دومۃ الجندل میں بنوکلب کا بت تھا' اور سواع رباط میں ہذیل کا بت تھا' اور یغوث جرف میں مراد کے بنوغطیف کا بت تھا' یہ سبا میں تھا' یعوق بلخ میں ہمدان کا بت تھا اور نسر ذی کلاع کا بت تھا جو حمیر سے تھے' قتادہ نے کہا: یہ وہ بت تھے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم عبادت کرتی تھی' پھر بعد میں اہل عرب نے ان کو اپنا معبود بنالیا۔ (جامع البیان رقم الحدیث:٢٧١٥٦)

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام بیمار ہوئے اور ان کے گرد ان کے بیٹے تھے' ان میں ودّ' یغوث' سواع اور نسر تھے اور ودّ ان کے سب سے بڑے بیٹے اور سب سے زیادہ نیک تھے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٨٩٩٦)

امام ابوجعفر نے ودّ کا ذکر کیا اور کہا: ودّ مسلمان شخص تھا اور بہت نیک تھا اور اپنی قوم میں بہت محبوب تھا' جب وہ فوت ہو گیا تو لوگ اس کی قبر پر ارضِ بابل میں گئے اور اس کی یاد میں رونے لگے' جب ابلیس نے ان کی آہ وزاری کو دیکھا تو وہ ان کے پاس انسانی شکل میں آیا اور کہنے لگا: اس شخص کی یاد میں' میں تمہارے رنج وغم کو دیکھ رہا ہوں' تمہارا کیا خیال ہے میں اس شخص کی مثال کا ایک مجسمہ تمہارے لیے بنا دوں' تم اس مجسمہ کو اپنی مجلس میں رکھ لینا' پھر تمہارا دل بہل جائے گا' انہوں نے کہا: ہاں! ٹھیک ہے' سو اس نے ودّ کی مثل کا ایک مجسمہ بنا دیا اور انہوں نے اس کو اپنی مجلس میں رکھ لیا' اور وہ اس کو یاد کرتے رہتے تھے' جب ابلیس نے دیکھا کہ وہ اس کو بہت یاد کرتے ہیں تو اس نے ان لوگوں سے کہا: کیا خیال ہے میں تم میں سے ہر شخص کے گھر میں ودّ کی مثال کا ایک مجسمہ بنا کر رکھ دوں' ان لوگوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا' اور وہ ان مجسموں کو دیکھ کر ودّ کو یاد کرتے رہے' پھر ان کی نسل نے اپنے آباء واجداد کو یہ کرتے ہوئے دیکھا اور وہ یہ بھول گئے کہ ان کے آباء واجداد صرف ان بتوں کو دیکھ کر ودّ کو یاد کرتے تھے' حتیٰ کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر ان بتوں کو اپنا معبود بنا لیا' پھر وہ نسل در نسل ان بتوں کی عبادت کرتے رہے' اور اللہ کو چھوڑ کر جس بت کی سب سے پہلے عبادت کی گئی وہ ودّ کا بت تھا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٨٩٩٧)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ٧٧٤ھ لکھتے ہیں:

محمد بن قیس نے کہا ہے کہ یغوث' یعوق اور نسر' حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیانی عہد کے لوگ ہیں' یہ بہت نیک لوگ تھے اور ان کے بہت پیروکار تھے' جب یہ نیک لوگ فوت ہو گئے' تو ان کے پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی مثال کے مجسمے بنالیں تو ہماری عبادت میں زیادہ ذوق اور شوق ہوگا' پھر انہوں نے ان کی مثال کے مجسمے بنا لیے' پھر جب ان کی نسل ختم ہوگئی اور ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس نے ان کے دماغوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ تمہارے آباء واجداد ان بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان ہی کی وجہ سے بارش ہوتی تھی' سو انہوں نے ان کی عبادت کرنی شروع کر دی۔ اس کے بعد حافظ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کی یہ روایت نقل کی ہے:

حافظ ابن عساکر نے حضرت شیث علیہ السلام کی سوانح میں یہ روایت ذکر کی ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس اولاد ہوئی' بیس بیٹے اور بیس بیٹیاں' ان میں سے جو زندہ رہے وہ ھابیل اور قابیل تھے اور صالح اور عبد الرحمان' جن کا نام عبد الحارث رکھا تھا' اور ودّ کو ہی شیث کہا جاتا تھا' اور ان کو ھبۃ اللہ بھی کہا جاتا تھا' اور ان کے بھائیوں نے ان کو سردار بنا دیا تھا اور ان کے بیٹوں کے نام سواع' یغوث' یعوق اور نسر تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۵ص ۱۸۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت)(تفسیر ابن کثیر ج ۴ص ۴۷۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

امام رازی نے تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۶۵۷ میں' علامہ قرطبی نے جز ۱۸ص ۲۸۱ میں' علامہ بغوی نے معالم التنزیل ج ۵ص ۱۵۷ میں' اور علامہ آلوسی نے روح المعانی جز ۲۹ص ۱۳۳۔۱۳۲ میں ان روایات کو نقل کر کے ان پر اعتماد کیا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ودّ کا بت مرد کی صورت کا تھا' سواع کا بت عورت کی صورت کا تھا' یغوث کا بت شیر کی صورت کا تھا' یعوق کا بت گھوڑے کی صورت پر تھا اور نسر کا بت گدھ کی صورت کا تھا' اور یہ حکایت ان تصریحات کے منافی ہے کہ یہ بت نیک انسانوں کی صورتوں پر بنائے گئے تھے اور یہ تصریحات ہی اصح ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۹ص ۱۳۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

واضح رہے کہ سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اسی اصح روایت کو اختیار کیا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۶ص ۱۰۴' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ۱۴۱۱ھ)

اس روایت کی تحقیق کہ کفارِ مکہ جن بتوں کی عبادت کرتے تھے' یہ وہی بت تھے جن کی کفارِ نوح عبادت کرتے تھے

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جن بتوں کی عبادت کرتی تھی ان کے متعلق امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے:

ابن جریج سے روایت ہے کہ عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ قومِ نوح جن بتوں کی عبادت کرتی تھی وہ بت عرب میں اب بھی ہیں' رہا ودّ تو وہ دومۃ الجندل میں بنو کلب کا معبود ہے' رہا سواع تو وہ ہذیل کا معبود ہے' رہا یغوث تو وہ مراد کا معبود ہے' پھر بنو غطیف کا جوف میں سبا کے پاس معبود ہے' رہا یعوق تو وہ ہمدان کا معبود ہے اور رہا نسر تو وہ حمیر کا ذی الکلاع کے لیے معبود ہے' یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے اسماء ہیں' جب یہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ جن مجالس میں وہ بیٹھے ہیں' وہاں ان نیک لوگوں کے مجسمے بنا کر رکھ دیئے جائیں اور ان نیک لوگوں کے ناموں پر ان بتوں کے نام رکھ دیئے جائیں' پھر جب تک ان لوگوں کی نسل باقی رہی' ان بتوں کی عبادت نہیں کی گئی اور جب وہ لوگ فوت ہو گئے اور ان کا علم نہ رہا تو ان کی عبادت کی جانے لگی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۰)

امام بخاری کی اس روایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ تقریباً تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ ودّ حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا تھا' اور اسی کا نام شیث تھا اور باقی ودّ کے بیٹے تھے اور یہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام سے بہت پہلے گزر چکے تھے اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے صالحین نہیں تھے۔

اور اس پر دوسرا اعتراض حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے سند کے لحاظ سے کیا ہے کہ اس حدیث کو عطا خراسانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے' حالانکہ عطا خراسانی کا حضرت ابن عباس سے سماع نہیں ہے' لہٰذا اس حدیث کی سند

منقطع ہے' پس یہ حدیث ضعیف ہے' پھر اس کا ایک کمزور سا جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سند میں مذکور عطا سے مراد عطا خراسانی نہ ہو بلکہ عطا بن ابی رباح ہو' اور ابن جریج نے اس کو عطا بن ابی رباح سے بھی روایت کیا ہو اور یہ بات امام بخاری سے کیسے مخفی رہ سکتی ہے کیونکہ ان کے حدیث وارد کرنے کی شرط اتصال ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۷۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

• علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے اس جواب کو رد کر دیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

امام بخاری کا حدیث لانے کے لیے اتصال کی شرط عائد کرنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ان سے یہ مخفی نہ ہو کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے' پس سبحان ہے وہ ذات جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے' نیز جس حدیث میں عطا خراسانی منفرد ہو اس کی حدیث کو امام مسلم وارد کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس روایت پر سب سے قوی اعتراض امام رازی نے کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

یہ پانچ بت سب سے بڑے بت تھے' پھر یہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے اہل عرب کی طرف منتقل ہوئے' پس وڈ بنو کلب کا ہو گیا' اور سواع ہمدان کا ہو گیا' یغوث مذحج کا ہو گیا' یعوق مراد کا ہو گیا اور نسر حمیر کا ہو گیا' اسی وجہ سے اہل عرب کو عبد وڈ اور عبد یغوث کہا جاتا تھا' تاریخی کتب میں اسی طرح مذکور ہے اور اس پر یہ اشکال ہے کہ طوفان کے زمانہ میں تمام دنیا ملیا میٹ ہو چکی تھی تو یہ بت کیسے باقی بچ گئے' اور عرب کی طرف منتقل ہوئے اور یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان بتوں کو اپنے ساتھ کشتی میں لے آئے تھے' پھر انہوں نے ان بتوں کو حفاظت کے ساتھ رکھا تا آں کہ یہ امانت عربوں کے پاس پہنچ گئی' کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام بتوں کے محافظ نہیں تھے بت شکن تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۵۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان دلائل کی بناء پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ عرب میں جن بتوں کی پرستش ہوتی تھی' یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالحین کی صورتوں کے مجسمے ہیں اور یہ وہی بت ہیں جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پرستش کرتی تھی' ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان ناموں کا ذکر پچھلے لوگوں سے سنتے آئے تھے تو انہوں نے اپنے بتوں کے بھی وہی نام رکھ لیے۔

نوح: ۲۴ میں فرمایا: اور بے شک انہوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا' اور (اے میرے رب!) ظالموں میں صرف گم راہی کو زیادہ کرنا O

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی توجیہ اور اس دعا کو بددعا کہنے کی مذمت

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ بتایا کہ ان کا فر سرداروں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے اور ان کو بتوں کی پرستش میں مشغول کر دیا ہے' تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے خلاف دعا کی کہ اے اللہ! ان کی گمراہی کو اور زیادہ کر دے۔

اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو تو اس قوم کو ہدایت دینے کے لیے مبعوث کیا گیا تھا' انہوں نے ان کے گم راہ ہونے کی دعا کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا منشاء یہ نہیں تھا کہ ان کو صراطِ مستقیم سے گم راہ کر دیا جائے' اور ان کو دین میں گم راہی کے راستہ پر ڈال دیا جائے بلکہ ان کا منشاء یہ تھا کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف جو سازشیں کر رہے تھے اور آپ کو دین و دنیا میں نقصان پہنچانے کی جو تدبیریں کر رہے تھے ان میں ان کو گم راہ کر دیا جائے' تاکہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکیں اور اپنی سازشوں میں ناکام اور نامراد ہو جائیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں "ضلال" سے مراد اس کا اثر اور نتیجہ ہے یعنی عذاب' اور مراد یہ ہے کہ اے اللہ! ان کے عذاب کو اور زیادہ کر دے۔

مفتی شفیع دیو بندی نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے: حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی گمراہی بڑھا دینے کی دعا

اس لیے فرمائی کہ جلد ان کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور ہلاک کر دیئے جائیں۔ (معارف القرآن ج ۸ص ۵۶۷) سید مودودی نے لکھا ہے: وہ اپنی قوم سے پوری طرح مایوس ہو چکے تھے' ایسے ہی حالات میں حضرت موسیٰ نے بھی فرعون اور قوم فرعون کے حق میں یہ بدعا کی تھی۔ (تفہیم القرآن ج ۶ص ۱۰۴) شیخ امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی دعوت کے تیسرے مرحلہ میں پہنچ کر دیکھ لیا کہ اس قوم میں جتنا جوہر تھا وہ نکل آیا ہے' اس کے مٹ جانے میں ہی خیر ہے۔ (تدبر قرآن ج ۸ص ۶۰۴) ان جوابات کی رکاکت ظاہر ہے اور محتاج بیاں نہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں اور اس کے بعد کی آیات کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ' سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اور شیخ امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے کہ حضرت نوح نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی' اور سید مودودی اور امین احسن اصلاحی نے اس بحث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے بھی اپنی قوم کے لیے بددعا کی تھی۔ (معارف القرآن ج ۸ص ۵۶۷' تفہیم القرآن ج ۶ص ۱۰۴' تدبر قرآن ج ۸ص ۱۰۴) یہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں شدید بے ادبی اور گستاخی ہے' انبیاء علیہم السلام کا کوئی فعل یا قول بدنہیں ہوتا' ان کا ہر قول اور فعل امت کے لیے نمونہ اور حسن ہوتا ہے' اس کی تفسیر میں یوں لکھنا لازم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ناکامی اور نامرادی کی دعا کی یا ان کے خلاف عذاب زیادہ ہونے کی دعا کی' جس طرح ہم نے لکھا ہے۔

نوح: ۲۵ میں فرمایا: سوان کو ان کے سنگین گناہوں کی وجہ سے ہی غرق کیا گیا پس فوراً ان کو آگ میں جھونکا گیا تو انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پایاO

عذابِ قبر کا ثبوت اور اس پر شبہات کے جوابات

اس آیت میں ''مما خطیئتھم'' میں جار مجرور معمول مقدم ہے اور اس کا عامل ''اغرقوا'' مؤخر ہے اور تقدیم ''ما حقه التاخير'' مفید حصر ہے' اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے: سوان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہی غرق کیا گیا۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''اغرقوا فادخلوا نارا'' اور ''فاء'' تعقیب علی الفور کے لیے آتی ہے' اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے: (ان کو) غرق کیا گیا پس فوراً ان کو آگ میں جھونکا گیا۔

ہمارے علماء نے اس آیت سے عذابِ قبر کو ثابت کیا ہے کیونکہ اس میں جو فرمایا ہے: ان کو فوراً آگ میں جھونکا گیا' اس سے مراد دوزخ کی آگ نہیں ہے کیونکہ وہ عذاب تو قیامت کے بعد آخرت میں دیا جائے گا' لہٰذا ان کو فوراً آگ میں جھونکنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو قبر کے اندر آگ میں جھونکا گیا۔

منکرین عذابِ قبر کہتے ہیں کہ قومِ نوح کے کافروں کی قبریں کہاں بنی تھیں جو اس سے عذابِ قبر مراد لیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عذابِ قبر کی بحث میں قبر سے مراد معروف قبر نہیں ہوتی یعنی گڑھا کھود کر اس میں میت کو دفن کیا جائے اور اس کے اوپر اونٹ کے کوہان کی شکل میں مٹی کو برابر کیا جائے بلکہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں انسان مرنے کے بعد رہے خواہ وہ جگہ دریا ہو یا سمندر ہو یا کسی درندہ کا پیٹ ہو۔

منکرین عذابِ قبر کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں ''فادخلوا نارًا'' کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان کو فوراً آگ میں جھونک دیا گیا' بلکہ اس کا یہ معنی ہے کہ قیامت کے بعد ان کو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا' رہا یہ کہ یہ تو مستقبل میں ہوگا اور اس آیت میں ماضی کا صیغہ ہے' جس کا معنی ہے: ان کو آگ میں جھونک دیا گیا' اس کا جواب یہ ہے کہ جس کام کا مستقبل میں تحقق اور وقوع یقینی ہو' اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے' گویا وہ کام ہو گیا' جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ . اور جنت والوں نے دوزخ والوں کو پکارا۔

(الاعراف:۴۴)

یہ بھی ماضی کا صیغہ ہے' حالانکہ یہ پکارنا قیامت کے بعد آخرت میں ہوگا مگر چونکہ اس کا وقوع اور تحقق یقینی ہے' اس لیے اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا' اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ماضی کے صیغہ کا مضارع کا معنی کرنا مجاز ہے اور بلاضرورت شرعی قرآن مجید کے کسی لفظ کو مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے' رہا ''وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ '' (الاعراف:۴۴) تو اس آیت کا معنی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا' جب تک ماضی کو مستقبل کے معنی میں نہ لیا جائے اور ''اغرقوا فادخلوا نارا '' میں اس لفظ کو ماضی کے معنی میں ہی برقرار رکھ کر معنی صحیح ہے اور اس سے مراد قبر کی آگ ہے' لہٰذا اس آیت کو ''و نادیٰ اصحاب الجنة '' پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

منکرین عذاب قبر کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جو شخص پانی میں ڈوب جاتا ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی لاش کئی کئی دن تک سطح آب پر پڑی رہتی ہے' اس صورت میں یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ اس کو آگ جلا رہی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا شخص اس کے اجزاء اصلیہ سے عبارت ہے اور اجزاء اصلیہ انسان کے وہ اجزاء ہیں جو اس کی پیدائش سے لے کر موت تک اس میں برقرار رہتے ہیں' انسان کا جسم گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور وہ اجزاء اس میں مشترک رہتے ہیں' انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے جسم کا وزن چار پونڈ ہوتا ہے اور جوانی میں اس کے جسم کا وزن ڈیڑھ سو سے دو سو پونڈ تک ہوتا ہے اور بڑھاپے میں اس کا وزن ایک سو پونڈ سے ڈیڑھ سو پونڈ تک رہ جاتا ہے' اسی طرح بیماری اور صحت کے اعتبار سے بھی اس کا وزن گھٹتا بڑھتا رہتا ہے' پھر ہم کس بنیاد پر کہتے ہیں کہ یہ وہی انسان ہے جو چار پونڈ کا پیدا ہوا تھا' اور اجزاء اصلیہ کے علاوہ اس کے جسم کے تمام ادوار میں اور کوئی چیز مشترک نہیں ہوتی' روح کا تعلق بھی ان ہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد انسان خواہ دریا میں ہو یا درندہ کے پیٹ میں ہو' اللہ تعالیٰ اس کے اجزاء اصلیہ کو باقی رکھتا ہے اور ان ہی اجزاء پر عذاب اور ثواب کا ترتب ہوتا رہتا ہے۔

نوح: ۲۷۔ ۲٦ میں فرمایا: اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ O بے شک اگر تو نے انہیں چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گم راہ کریں گے اور ان سے صرف بدکار کافر پیدا ہوں گے O

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کیسے معلوم ہوا کہ ان کافروں کی جو اولاد پیدا ہوگی وہ بدکار کافر ہی ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور تجربہ سے ہوا' رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو وہ یہ ہے:

اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ . بے شک آپ کی قوم میں سے جو ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ ہرگز کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔

(ھود:۳٦)

اور تجربہ کا معاملہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نو سو سال رہے اور اس طویل عرصہ میں صرف اسّی (۸۰) لوگ ایمان لائے' باقی اپنے کفر پر ڈٹے رہے' اور وہ اپنی اولاد کو نصیحت کرتے تھے کہ ان کی بات نہ سننا' یہ بہت بڑے جھوٹے ہیں' اور جب وہ شخص مرجاتا تو وہ اپنی اولاد کو ایسی ہی نصیحت کرتا تھا اور ان کی نسل در نسل میں جو بھی پیدا ہوتا تھا وہ بدکار کافر ہی ہوتا تھا۔ اس آیت کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ اے اللہ! تیرے علم اور تیری تقدیر میں یہ مقرر ہے کہ ان کی اولاد میں سب کافر اور بدکار ہی ہوں گے۔

نوح: ۲۸ میں فرمایا: اے میرے رب! مجھے معاف فرما اور میرے ماں باپ کو اور ان کو جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا' اور تمام ایمان والے مردوں اور عورتوں کو اور ظالموں میں صرف ہلاکت کو زیادہ فرما O

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا پر اعتراضات کے جوابات

حضرت نوح علیہ السلام کے والد کا نام لمک بن متوشلخ اور ان کی والدہ کا نام ہے شمخی۔ (روح المعانی ج ۲۹ ص ۱۳۱)

اور حضرت نوح کے والدین مؤمن تھے' کیونکہ کافر کے لیے دعا کرنا جائز نہیں ہے یا اس سے مراد ہے: حضرت آدم علیہ السلام تک ان کے سلسلۂ نسب کے تمام آباء اور امہات۔

حضرت نوح علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے لیے دعا کی' تاکہ یہ ظاہر ہو کہ انسان سب سے زیادہ خود اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا محتاج ہے' پھر اپنے والدین کے لیے دعا کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد انسان پر سب سے زیادہ احسان اس کے والدین کا ہے' اس کے بعد تمام مؤمنین کے لیے دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا یہی طریقہ ہے' حضرت نوح نے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طریقہ سے دعا کی ہے۔

اپنے' اپنے والدین اور تمام مؤمنین کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کفار کے لیے ہلاکت کی دعا کی اور فرمایا: اور ظالموں میں صرف ہلاکت کو زیادہ فرما۔

افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ ہر حال میں کفار کے لیے ہدایت کی دعا کی جائے' اسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام نے اس خلاف اولیٰ دعا پر پہلے ہی اپنے لیے مغفرت کی دعا کی' کیونکہ آپ نے ان کے لیے ہلاکت کی دعا اس لیے کی تھی کہ وہ آپ کو ایذاء پہنچاتے تھے اور آپ کے پیغام کو قبول نہیں کرتے تھے' اس لیے ان کے خلاف دعا کرنا بہ ظاہر ان سے انتقام لینا تھا' اسی وجہ سے میدانِ حشر میں بھی جب لوگ حضرت نوح سے شفاعت کے طالب ہوں گے تو وہ گریز فرمائیں گے۔

اس مقام پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سے ان کی قوم کے کافروں پر جو طوفان آیا' اس کے نتیجہ میں بچے بھی غرق کر دیئے گئے حالانکہ وہ مکلف نہ تھے' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) طوفان آنے سے چالیس سال یا نوے سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو بانجھ کر دیا تھا' اس لیے طوفان کے وقت ان کی کوئی نابالغ اولاد نہ تھی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے ہاں اولاد پیدا ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ ضروری قرار دیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور جب انہوں نے استغفار نہیں کیا تو ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی' جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

پس میں نے ان سے کہا: تم اپنے رب سے استغفار کرو (الیٰ قولہ تعالیٰ) وہ مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ (نوح: ۱۲)

اس آیت کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ اگر وہ استغفار نہیں کریں گے تو ان کے ہاں اولاد نہیں ہوگی اور جب انہوں نے اللہ کی طرف رجوع نہیں کیا تو ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی' اس لیے طوفان سے پہلے کوئی نابالغ بچہ نہیں تھا۔

(۲) اگر بالفرض طوفان سے پہلے بچے ہوں تو وہ طوفان ان کے لیے طبعی موت کا سبب بنا اور وہ ان کے حق میں عذاب نہیں ہوا۔

سورت نوح کی تفسیر کا اختتام

اللہ تعالیٰ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ آج ۸ ربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ/ ۱۸ اپریل ۲۰۰۵ء بہ روز پیر بعد از نمازِ عصر سورۂ نوح کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادے' اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور احباب کی اور قارئین کی اور تمام مؤمنوں کی مغفرت فرما۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین وعلٰی اٰلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ الجن

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الجن ہے' کیونکہ اس سورت کی حسب ذیل آیت میں الجن کا ذکر ہے:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ (الجن:۱) (اے رسول مکرم!) آپ کہیے کہ بے شک میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے کہا: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا○

یہ سورت جنات کے احوال سے متعلق ہے کیونکہ جب انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو وہ آپ کے اوپر ایمان لے آئے' جنات ایک ایسے عالم میں ہیں کہ ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں نہ ان کا کلام سن سکتے ہیں' سوائے وحی الٰہی یا الہام صادق کے ان کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی عشرہ میں نازل ہوئی ہے' جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار میں گئے' اس وقت شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان ایک چیز حائل ہو چکی تھی اور ان پر آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے' جنات نے آپس میں کہا: تمہارے اور آسمان کے درمیان جو چیز حائل ہوئی ہے وہ کوئی نئی چیز ہے' پس تم زمین کے مشارق اور مغارب میں جاؤ اور ڈھونڈو وہ کیا چیز ہے' پھر وہ زمین کے مشارق اور مغارب میں تلاش کرتے رہے کہ ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے۔ پس جو لوگ تہامہ (مکہ معظمہ) کی طرف گئے تھے' وہ ایک کھجور کے درخت کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ عکاظ کے بازار میں اپنے اصحاب کو نمازِ فجر پڑھا رہے تھے' پس جب انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو کہنے لگے: یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہو گئی ہے' پھر وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے اور کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے' جو نیکی کی طرف ہدایت دیتا ہے' ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں کریں گے اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی اور دراصل آپ کی طرف جنات کا قول نازل کیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۲۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۳' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۶۲۴)

امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ سورۃ الجن اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف گئے تھے اور آپ نے بنو ثقیف سے تبلیغ اسلام پر مدد طلب کی تھی' اور یہ واقعہ بھی بہر حال بعثت کے ابتدائی دس سال کا ہی ہے۔

ترتیب مصحف کے اعتبار سے سورت الجن کا نمبر ۷۲ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۴۰ ہے' یہ سورت الاعراف کے بعد اور یٰسین سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ (التحریر والتنویر جز ۲۹ ص ۲۱۷ تیونس)

سورت الجن کے مشمولات

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دعوت صرف انسانوں تک محدود نہ تھی بلکہ جنات تک پہنچ چکی تھی' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت کو سن کر قرآن مجید کے پیغام کو سمجھا اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر' اس کی عظمت پر اور اس کے شریک اور بیوی اور بیٹے سے اس کے منزہ ہونے پر ایمان لے آئے۔

☆ اس پر دلیل ہے کہ جنات کی عبادت کرنا باطل ہے۔

☆ کاہن جو غیب کی باتیں بتاتے ہیں' اس کا بطلان ہے اور یہ ثبوت ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ عزوجل ہے اور انبیاء علیہم السلام اسی قدر علم غیب پر مطلع ہیں جس پر ان کی طرف وحی کی جاتی ہے' اور رسولوں کے واسطے سے اولیاء کرام کو بھی غیب پر اطلاع ملتی ہے لیکن بالذات اللہ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔

☆ جنات بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان میں متعدد فرقے ہیں' ان میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بدکار بھی ہوتے ہیں' موحد بھی ہوتے ہیں اور مشرک بھی ہوتے ہیں' اور وہ لوگ گم راہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں اور جو لوگ جنات کی عبادت کرتے ہیں اور جو مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے ہیں۔

☆ جنات اس پر تعجب کرتے تھے کہ جب وہ فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں پر جاتے تھے تو ان پر آگ کے گولے مارے جاتے تھے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچائیں کہ وہ اخلاص سے عمل کریں اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور یہ بتائیں کہ آپ اپنے نفس کے لیے کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں اور اگر بہ فرض محال آپ اللہ کی نافرمانی کریں تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے آپ کو کوئی بچا نہیں سکتا اور آپ ازخود اپنی عقل سے یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور کفر کرنے والوں پر عذاب کب نازل ہوگا۔

☆ جنات نے یہ اعتراف کیا کہ وہ اللہ سے بھاگ کر کہیں نہ جا سکتے ہیں اور نہ اللہ پر غالب آسکتے ہیں۔

☆ مساجد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی گئیں ہیں' ان میں کسی کو حقیقی حاجت روا سمجھ کر نہ پکارا جائے۔

☆ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول نہیں کرے گا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

☆ اللہ تعالیٰ رسولوں پر جو وحی نازل فرماتا ہے اس کی حفاظت کے لیے اس کے آگے پیچھے فرشتے مقرر ہوتے ہیں' جو جنات اور شیاطین کو وحی سننے نہیں دیتے۔

سورت الجن کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی اعانت سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں وہی لکھنے کی توفیق دینا جو حق اور صواب ہو اور باطل اور ناصواب سے محفوظ اور مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۱ ربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ/ ۲۱ اپریل ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹/ ۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الجن مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا

آپ کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا: ہم نے

سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ

بہت عجیب قرآن سنا ہے ○ جو سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز اپنے

نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ

رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے ○ اور بے شک ہمارے رب کی بزرگی بہت بلند ہے

صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ

اس نے نہ کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ بیٹا ○ اور ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ کے متعلق ناحق باتیں

شَطَطًا ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى

کہا کرتے تھے ○ اور ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ کے اوپر کوئی جھوٹ

اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ

نہیں باندھتا ○ اور بے شک انسانوں میں سے چند لوگ جنات میں کچھ لوگوں کی پناہ طلب کرتے تھے

مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ

اس سے جنات کی سرکشی زیادہ ہو گئی ○ اور جنات نے بھی یہ گمان کر لیا جیسے تمہارا گمان ہے کہ

لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ﴿۷﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاۗءَ فَوَجَدْنٰهَا

اللہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا ○ اور ہم نے آسمان (کی خبر کو) طلب کیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت

مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ

محافظوں اور آگ کے گولوں سے بھرا ہوا ہے ○ اور ہم اس سے پہلے (فرشتوں کی باتیں) سننے کے لیے گھات لگا کر

لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ یَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ یَجِدۡ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا

بیٹھ جاتے تھے، سو اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے عقب میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے O اور ہمیں معلوم

نَدۡرِیۡۤ اَشَرٌّ اُرِیۡدَ بِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِهِمۡ رَبُّهُمۡ

نہیں کہ (اس سے) زمین والوں کے ساتھ کسی بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا

رَشَدًا ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنَّا دُوۡنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا

ارادہ کیا ہے O اور بے شک ہم میں سے چند نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف ہیں، اور ہم مختلف

طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰهَ فِی الۡاَرۡضِ

فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں O اور ہم نے یہ یقین کر لیا کہ ہم ہرگز اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے

وَلَنۡ نُّعۡجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنۡ

اور نہ ہرگز اس سے بھاگ سکتے ہیں O اور بے شک ہم نے جیسے ہی ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، سو جو بھی

یُّؤۡمِنۡ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا

اپنے رب پر ایمان لائے گا وہ نہ کسی خیر میں کمی پائے گا نہ کسی شر میں اضافہ O اور بے شک ہم میں سے

الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَمِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوۡا

چند اطاعت گزار ہیں اور کچھ سرکش ہیں سو جنہوں نے اطاعت کی انہوں نے ہدایت کا راستہ

رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَكَانُوۡا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنۡ لَّوِ

تلاش کر لیا O اور رہے سرکش تو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں O اور اگر وہ راہِ راست

اسۡتَقَامُوۡا عَلَی الطَّرِیۡقَةِ لَاَسۡقَیۡنٰهُمۡ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفۡتِنَهُمۡ

پر رہتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے O تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش

فِیۡهِ ؕ وَمَنۡ یُّعۡرِضۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهٖ یَسۡلُكۡهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّ

کریں، اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا تو وہ اس کو چڑھتے ہوئے سخت عذاب میں داخل کر دے گا O اور

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ

بے شک مساجد اللہ کی (عبادت کے لیے) ہیں تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو○ اور جب اللہ کا بندہ اس کی

عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جتھا بن کر اس پر پل پڑتے○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا: ہم نے بہت عجیب قرآن سنا ہے○ جو سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے○ اور بے شک ہمارے رب کی بزرگی بہت بلند ہے اس نے نہ کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ بیٹا○ (الجن:۳۔۱)

الجن کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

جن کا اصل معنی ہے: کسی چیز کا حواس سے مخفی ہونا' قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ (الانعام:۷۶) جب رات نے اس کو چھپالیا تو اس نے ستارہ دیکھا۔

''الجنان'' قلب کو کہتے ہیں کیونکہ وہ حواس سے مخفی ہوتا ہے''المجن'' اور''المجنة'' کا معنی ڈھال ہے جو اپنے صاحب کو دشمن کے وار سے محفوظ رکھتی ہے اور چھپاتی ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً (المجادلہ:۱۶) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

اور حدیث میں ہے: ''الصوم جنة'' روزہ ڈھال ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۸۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۵۱)

جنت ہر اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں بہت گھنے درخت ہوں جو زمین کو چھپالیں۔

اور آخرت کی جنت کو جنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین کے باغ سے مشابہ ہے یا اس وجہ سے کہ اس کی نعمتیں انسانوں کی آنکھوں اور باقی حواس سے مخفی ہیں' قرآن مجید میں ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ سو کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا چیز چھپائی گئی ہے۔ (السجدہ:۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ''جنّٰت'' کا لفظ فرمایا ہے' جو جمع کا صیغہ ہے کیونکہ ''جنّٰت'' سات ہیں: جنت الفردوس' جنت عدن' جنت النعیم' جنت الماویٰ' دارالسلام' دارالخلد اور علیین۔

اور جب تک پیٹ میں بچہ رہے اس کو الجنین کہتے ہیں کیونکہ پیٹ کا بچہ بھی لوگوں کے حواس سے مخفی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ (النجم:۳۲) جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے۔

اور الجن اس روحانی مخلوق کو کہتے ہیں جو تمام حواس سے مخفی ہوتی ہے' اس کے مقابلہ میں انس ہے' اس بناء پر الجن میں فرشتے اور شیاطین بھی داخل ہیں' پس ہر فرشتہ جن ہے کیونکہ وہ مستور ہے لیکن ہر جن فرشتہ نہیں ہے' اسی بناء پر ابو صالح نے کہا:

تمام فرشتے جن ہیں' ایک قول یہ ہے کہ روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں' جو اخیار اور نیک ہیں وہ فرشتے ہیں اور جو اشرار اور بدکار ہیں وہ شیاطین ہیں' اور جو متوسط ہیں جن میں اخیار بھی ہیں اور اشرار بھی ہیں وہ جنات ہیں' اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: جنات نے کہا:

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ط (الجن:۱۴) اور ہم میں سے چند اطاعت گزار ہیں اور کچھ سرکش ہیں۔

جنات کی ایک قسم کے متعلق فرمایا:

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (الحجر:۲۷) اور ہم نے اس سے پہلے جنات کو دھوئیں والی آگ سے پیدا کیا ○

(المفردات ج ۱ص ۱۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الجن' جان کی ایک قسم ہے' اس کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ آنکھوں سے مخفی ہوتا ہے اور اس لیے کہ وہ لوگوں کو دکھائی نہیں دیتے۔ ''الجآن'' جن کا باپ ہے' اس کو آگ سے پیدا کیا گیا پھر اسی سے اس کی نسل چلی' روایت ہے کہ ایک مخلوق زمین میں رہتی تھی' اس نے زمین میں فساد کیا اور خون ریزی کی' پھر اللہ تعالیٰ نے زمین میں فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے زمین کو صاف کیا۔

(لسان العرب ج ۳ص ۲۱۹۔۲۱۸ ملتقطاً' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۲ء)

علامہ سید محمد بن محمد زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

جن' انس کے برخلاف ہے' اس کا واحد جنی ہے' الصحاح میں مذکور ہے: اس کو جن اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ دکھائی نہیں دیتا' زمانۂ جاہلیت میں فرشتوں کو جنات کہا جاتا تھا کیونکہ فرشتے آنکھوں سے مخفی ہوتے ہیں' ابلیس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ملائکہ میں سے جن تھا' زمخشری نے کہا ہے کہ جنات اور ملائکہ ایک نوع ہیں لیکن ان میں سے جو خبیث اور سرکش ہو وہ شیطان ہے اور جو پاکیزہ ہو وہ فرشتہ ہے' ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ مصنف (صاحب قاموس) کا جن کی تفسیر ملائکہ سے کرنا مردود ہے' کیونکہ ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں نہ کہ نار سے' جب کہ جن نار سے پیدا کیا گیا ہے اور ملائکہ معصوم ہوتے ہیں اور ان میں تناسل نہیں ہوتا' اور نہ وہ مذکر اور مؤنث ہونے کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اور جن اس کے برعکس ہے' اس میں توالد اور تناسل بھی ہے اور وہ مذکر اور مؤنث بھی ہوتا ہے' اسی وجہ سے جمہور علماء نے ''اِلَّآ اِبْلِیْسَ'' (البقرہ:۳۴) کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے اور یا استثناء متصل اس صورت میں ہے چونکہ یہ فرشتوں کے ساتھ مل جل کر رہتا تھا اس لیے تغلیباً اس کو بھی فرشتوں کے ساتھ شامل کر کے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ (تاج العروس شرح القاموس ج ۹ص ۱۶۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

جنات کے متعلق فلاسفہ اور مفکرین کی آراء

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جنات کے ثبوت میں علماء کا شروع سے اختلاف رہا ہے' اکثر فلاسفہ سے یہ منقول ہے کہ وہ جنات کے ثبوت کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ابو علی بن سینا نے اپنے رسالہ ''حدود الاشیاء'' میں لکھا ہے: الجن حیوان ہوائی ہے' جو مختلف اشکال میں متشکل ہو جاتا ہے اور اس اسم کی شرح ہے' اس کا یہ کہنا کہ یہ اسم کی شرح ہے اس پر دلالت کرتا ہے کہ واقع میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے' لیکن جمہور ارباب ملل اور انبیاء علیہم السلام کے مصدقین جنات کے ثبوت کو مانتے ہیں اور قدماء فلاسفہ بھی جنات کے ثبوت

کو مانتے ہیں اور جنات کو ارواحِ سفلیہ کہتے ہیں' ان کا قول ہے کہ جنات کی ماہیات مختلف ہوتی ہیں' بعض شریر ہوتے ہیں اور بعض شریف ہوتے ہیں جو نیکیوں سے محبت کرتے ہیں' اور بعض خبیث ہوتے ہیں وہ بُرائیوں اور آفتوں سے محبت رکھتے ہیں' اور ان کی انواع کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو علم نہیں' یہ موجودات مجردہ ہیں (غیر مادی ہیں) اور خبروں کے عالم ہوتے ہیں اور افعال شاقہ پر قادر ہوتے ہیں' ان کا سننا اور دیکھنا ممکن ہے۔ جنات کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اجسام ہیں' قرآن مجید میں جنات اور ملائکہ کا ثبوت ہے' اور اس کا ثبوت ہے کہ ملائکہ کو افعال شاقہ پر عظیم قوت حاصل ہوتی ہے اور جنات بھی اسی طرح ہیں' پھر یہ ملائکہ ہمارے پاس ہمیشہ حاضر ہوتے ہیں اور وہ کراماً کاتبین ہیں اور محافظ فرشتے ہیں اور یہ فرشتے قبض روح کے وقت بھی حاضر ہوتے ہیں اور یہ فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی حاضر ہوتے تھے اور مسلمانوں اور حاضرینِ مجلس میں سے کوئی بھی ان کو نہیں دیکھتا تھا اور قبض روح کے وقت بھی ان کو کوئی نہیں دیکھتا تھا' بہر حال یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر فرد میں علومِ کثیرہ پیدا کرے اور اس کو مشکل اور شدید دشوار افعال پر قدرت عطا کر دے اور اس تقدیر پر جنات کا وجود ممکن ہے' خواہ ان کے اجسام لطیف ہوں یا کثیف ہوں اور ان کے اجرام کبیر ہوں یا صغیر ہوں' اور وہ ہم کو دکھائی نہ دیتے ہوں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۶۶۴۔ ۶۶۱ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

قرآن میں جن کا جو لفظ آیا ہے' اس سے بدوی اور دیگر غیر متمدن اور غیر تربیت یافتہ لوگ مراد ہیں۔ قرآن مجید میں چودہ جگہ ''الجن والانس'' کا لفظ آیا ہے اور ہر موقع پر ان غیر متمدن لوگوں کی کسی نئی صفت اور خاصیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(تفسیر القرآن ج ۳ ص ۸۹۔ ۷۹ ملخصاً' علی گڑھ' ۱۸۸۵ء' بہ حوالہ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۷ ص ۴۶۶' دانش گاہ پنجاب' لاہور)

غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

قرآن کریم میں ''جن'' اور ''انس'' کے الفاظ متعدد مقامات پر اکٹھے آئے ہیں۔ ہم انس کے عنوان میں بتا چکے ہیں کہ عربوں میں ''اَلْاِنْس'' ان قبیلوں کو کہتے تھے جو ایک مقام پر مستقل طور پر سکونت پذیر ہو جائیں' لیکن جن وہ قبائل تھے جو جنگلوں اور صحراؤں میں جگہ بہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اس طرح شہر والوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے۔ انہیں خانہ بدوش قبائل (Nomadic Tribes) کہا جاتا ہے۔ اب بھی دنیا میں جہاں جہاں اس قسم کے قبائل پائے جاتے ہیں وہ شہر والوں سے دور دور' جنگلوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں۔ آج کل وسائل' رُسل و رسائل کے عام ہو جانے سے' ان قبائل اور شہر والوں کی زندگی میں بہت سے اُمور مشترک ہو چکے ہیں' اس لیے ان میں کوئی بنیادی بُعد محسوس نہیں ہوتا' لیکن جس زمانے میں ملنے جلنے کے وسائل اور نشر و اشاعت کے طریق عام نہیں تھے' شہر والوں اور ان خانہ بدوش صحرانشینوں کے تمدن و معاشرت' عادات و اطوار' خصائص و خصائل اور ذہنی اور نفسیاتی کیفیات وغیرہ میں اس قدر فرق تھا کہ یہ دونوں ایک نوع کے افراد نظر نہیں آتے تھے۔ عربوں میں یہ صحرانشین قبائل بہت زیادہ تھے (انہیں بدو یا اعراب کہا جاتا تھا) چونکہ قرآن کا پیغام شہریوں اور صحرانشینوں سب کی طرف تھا' اس لیے اس نے جن و انس دونوں گروہوں کو مخاطب کیا ہے۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہاں جن سے مراد انسان ہی ہیں' یعنی وہ وحشی قبائل (Gypsis) جو جنگلوں اور صحراؤں میں رہا کرتے تھے' مثلاً سورۂ انعام میں ہے: ''یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ'' (الانعام: ۱۳۰) اے گروہِ جن و انس! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ قرآن نے کسی رسول کا ذکر نہیں کیا جو جن تھا اور سورۂ اعراف میں اس کی تصریح کر دی کہ رسول' بنی آدم میں سے' انہی کی طرف بھیجے گئے تھے۔ (الاعراف: ۳۵) سورۂ جن اور سورۂ احقاف میں مذکور ہے کہ جنوں کی ایک

جماعت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس قرآن سننے کے لیے آئی۔اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ "جنوں" کی طرف رسول انسانوں میں سے ہی ہوتے تھے۔انہی سورتوں (سورۂ جن اور سورۂ احقاف) سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو جن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن سننے کے لیے آئے تھے وہ انسان ہی تھے۔

(لغات القرآن ص ۴۴۶' ادارہ طلوع اسلام' لاہور' ۱۹۸۴ء)

جنات کے متعلق مفسرین کی آراء

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی البصری التوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ جنات تمام انسانوں کو پہچانتے ہیں' اسی لیے وہ تمام انسانوں کی طرف اپنے کلام کا وسوسہ ڈالتے ہیں' جنات کی اصل میں اختلاف ہے' حسن بصری سے منقول ہے کہ جن ابلیس کی اولاد ہیں' جیسے انس حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اوران دونوں میں سے مؤمن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں' اور یہ ثواب اور عقاب میں شریک ہیں' ان دونوں فریقوں میں سے جو مؤمن ہو وہ اللہ کا ولی ہے اوران دونوں فریقوں میں سے جو کافر ہو وہ شیطان ہے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جن الجان کی اولاد ہیں اور شیاطین نہیں ہیں اوران پر موت آتی ہے اوران میں سے مؤمن بھی ہیں اور کافر بھی' اور شیاطین ابلیس کی اولاد ہیں' ان پر ابلیس کے ساتھ ہی موت آئے گی۔اس میں اختلاف ہے کہ جنات میں سے مؤمنین جنت میں داخل ہوں گے یا نہیں' جیسا کہ ان کی اصل میں اختلاف ہے' جن لوگوں کا یہ زعم ہے کہ جنات الجان کی اولاد ہیں' ابلیس کی ذریت نہیں ہیں' وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے اور جو یہ کہتے ہیں کہ جنات ابلیس کی ذریت ہیں' ان کے دو قول ہیں: حسن بصری نے کہا: وہ جنت میں داخل ہوں گے' اور مجاہد نے کہا: وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے' اگرچہ ان کو دوزخ سے دور کر دیا جائے گا۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۱۰۹' دارالکتب العربیہ' بیروت)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ جنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زاد (خوراک) کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے ہر ہڈی میں خوراک ہے' اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جنات کھاتے ہیں' اطباء اور فلاسفہ کی ایک جماعت نے جنات کے کھانے کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بسیط ہیں اوران کا کھانا صحیح نہیں ہے اوران کا یہ قول قرآن اور سنت سے مردود ہے اور مخلوقات میں بسیط اور مرکب نہیں ہیں' واحد محض صرف اللہ سبحانہٗ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنات کو ان کی اصل صورتوں میں دیکھنا محال نہیں ہے' جیسا کہ آپ فرشتوں کو ان کی اصل صورتوں میں دیکھتے تھے اور ہمارے لیے جنات اکثر سانپوں کی صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں جنات کی ایک جماعت اسلام لا چکی ہے' اگر تم نے ان سانپوں میں سے کسی کو گھروں میں رہتے ہوئے دیکھا تو اس کو تین دفعہ نکلنے کے لیے خبردار کرو' اگر اس کے بعد بھی وہ سانپ نظر آئے تو اس کو مار دو وہ شیطان ہے۔ (صحیح مسلم' کتاب السلام' رقم الحدیث: ۱۴۱)

حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر البدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح مسلم' کتاب السلام' رقم الحدیث: ۱۳۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان گھروں میں جنات

سانپوں کی شکل میں رہتے ہیں اگر تم ان میں سے کسی کو دیکھو تو اس کو تین دفعہ ڈراؤ اگر وہ نکل جائے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دو وہ کافر ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۵۷)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

جنات اجسام عاقلہ خفیہ ہیں جن پر ناریت یا ھوایت غالب ہوتی ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ ارواحِ مجردہ کی ایک نوع ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ ابدان سے جدا ہونے والے نفوسِ شریرہ ہیں۔

(تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۲۸۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ ھ)

سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

جنات اجسام عاقلہ ہیں جن پر ناریت غالب ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ (الرحمٰن: ۱۵) اور جن کو خالص آگ کے شعلے سے پیدا کیا O

ایک قول یہ ہے کہ یہ اجسام ھوائیہ ہیں اور تمام صورتوں کو قبول کر لیتے ہیں یا ان کی ایک قسم مختلف اشکال کو قبول کر لیتی ہے یہ لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رہتے ہیں اور کبھی اپنی صورتِ اصلیہ کی مغائر صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور کبھی اپنی اس اصلی صورت میں دکھائی دیتے ہیں جس صورت پر ان کو پیدا کیا گیا اور یہ مشاہدہ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے ساتھ مخصوص ہے اور ان اولیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے جن کو اللہ تعالیٰ ان کی اصلی صورت دکھانا چاہے ان کو سخت مشکل اور دشوار کاموں کے کرنے کی قوت حاصل ہوتی ہے اور اس میں کوئی عقلی مانع نہیں ہے کہ بعض اجسامِ لطیفہ کی نوع دیگر اجسامِ لطیفہ کی ماہیت سے مخالف ہو اور ان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ یہ حیات کو اور افعالِ عجیبہ پر قدرت کو قبول کر لیں اور جدید سائنس نے بعض اجسام لطیفہ میں ایسے خواص کو ثابت کیا ہے جن سے عقل حیران ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ جنات کے اجسام بھی اسی طرح ہوں اور عالمِ طبعی میں اتنے عجائبات ہیں کہ عقل ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۴۲ دارالفکر بیروت ۱۴۱۷ ھ)

اس امر کی تحقیق کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا تھا یا نہیں؟

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو نہیں دیکھا نہ ان کا کلام سنا تھا آپ کی طرف صرف جنات کے کلام کی وحی نازل کی گئی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے سامنے قرآن مجید پڑھا تھا نہ ان کو دیکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عکاظ کے بازار کا قصد کر کے گئے اس اثناء میں شیاطین (جنات) اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی تھی اور ان کے اوپر آگ کے گولے پھینکے جاتے تھے پھر شیاطین واپس آ جاتے تھے وہ ایک دوسرے سے پوچھتے: اب کیا ہو گیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو گئی ہے اور ہم پر آگ کے گولے پھینکے جاتے ہیں انہوں نے کہا: تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان وہی چیز حائل ہوئی ہے جو تازہ ظہور میں آئی ہے تم زمین کے مشارق اور مغارب میں سفر کرو اور دیکھو کہ کون سی چیز ظہور میں آئی ہے پھر وہ روانہ ہوئے اور زمین کے مشارق اور مغارب کا سفر کیا اور وہ اس پر غور کرتے تھے کہ ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کیا چیز حائل ہوئی ہے پھر وہ جنات تہامہ میں پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے درخت کے پاس تھے اس وقت آپ عکاظ کے بازار کا قصد کرنے والے تھے اور آپ اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے جب جنات نے قرآن مجید سنا تو انہوں نے کہا: غور سے سنو یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہوئی ہے پھر وہ وہیں

سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے اور انہوں نے کہا: اے ہماری قوم!

اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ (الجن: ۲۔۱) ہم نے عجیب قرآن (کلام) سنا ہے O جو سیدھا راستہ دکھاتا ہے' ہم اس کے ساتھ ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کریں گے O

اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ . (الجن: ۱) (اے رسول مکرم!) آپ کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا۔

اور آپ کی طرف جنات کے قول کی وحی کی گئی تھی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۴۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۳' مسند احمد ج ۱ص ۲۵۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۴ص ۱۲۹ طبع جدید۔ رقم الحدیث: ۲۲۷۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۲۵۔۱۱۶۲۴' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۲۳۶۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۲۶' المستدرک ج ۲ص ۵۰۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۲۲۶۔۲۲۵)

اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا تھا' ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ میں سے کوئی شخص اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا' جب آپ کی جنات سے ملاقات ہوئی تھی؟ انہوں نے کہا: ہم میں سے کوئی آپ کے ساتھ نہیں تھا' لیکن ایک رات ہم نے آپ کو گم پایا اور ہم کو یہی خیال آتا تھا کہ کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دے دیا' یا آپ کے ساتھ کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آیا' ہم نے انتہائی پریشانی میں وہ رات گزاری' جب صبح ہوئی تو ہم نے آپ کو غار حرا کی طرف سے آتے دیکھا' ہم نے کہا: یا رسول اللہ! اور ہم نے آپ سے اپنی پریشانی بیان کی' آپ نے فرمایا: میرے پاس ایک جن دعوت دینے آیا' میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان کے سامنے قرآن پڑھا' پھر آپ ہم کو لے کر گئے اور ان کے نشانات اور آگ کے نشانات ہمیں دکھائے' شعبی نے بیان کیا کہ انہوں نے آپ سے ناشتہ طلب کیا تھا' عامر نے کہا: یہ ایک جزیرہ کے جن تھے' آپ نے فرمایا: ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو جب وہ تمہارے ہاتھوں میں آئے گی تو گوشت سے بھر جائے گی' اور اسی طرح گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا' پس اے مسلمانو! ان دونوں چیزوں سے استنجاء نہ کیا کرو' یہ تمہارے بھائی جنات کی (اور ان کے جانوروں کی) خوراک ہیں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

(مسند احمد ج ۱ص ۴۳۶ طبع قدیم' مسند احمد ج ۷ص ۲۱۵۔۲۱۴ طبع جدید۔ رقم الحدیث: ۴۱۴۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۶ھ' دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۵۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۴۲۳۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۳۲۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۸۲' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۱۵۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۵' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۸' دلائل النبوۃ ج ۲ص ۲۲۹)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا تھا اور اس رات حضرت ابن مسعود آپ کے ساتھ نہ تھے اور بعض روایات میں ہے کہ اس رات آپ نے جنات کو دیکھا تھا اور حضرت ابن مسعود آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جنات سے ملاقات کی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' پس ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ! کیا تمہارے ساتھ پانی ہے؟ میں نے کہا: میرے ساتھ ایک مشکیزہ میں پانی ہے' آپ نے فرمایا: مجھ پر وہ ڈالو' پھر آپ نے وضو کیا' سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ بن مسعود! یہ پاک مشروب ہے اور پاک کرنے والا ہے۔ (شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے' کیونکہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور وہ

ضعیف راوی ہے۔ مسند احمد ج ۱ ص ۴۹۸ طبع قدیم، مسند احمد ج ۶ ص ۳۲۳۔ رقم الحدیث: ۳۷۸۲ طبع جدید، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۴۱۶ھ، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۵، سنن دار قطنی ج ۱ ص ۷۸ طبع قدیم)

جنات کو دیکھنے اور نہ دیکھنے میں احادیث میں تطبیق

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی ان احادیث کو روایت کیا ہے، بعض احادیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے اور بعض احادیث میں ہے کہ وہ اس شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور بعض احادیث میں ہے کہ جنات نے ازخود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سنا تھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہامہ میں کھجوروں کے جھنڈ کے پاس اپنے بعض اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور بعض احادیث میں ہے کہ آپ قصداً انہیں تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، حافظ ابن کثیر ان احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قصداً جنات کی طرف گئے تھے اور آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی، اور ان کے لیے وہ احکامِ شرعیہ بیان کیے جن کی انہیں ضرورت تھی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی بار جنات نے آپ سے قرآن مجید سنا ہو اور اس وقت آپ کو یہ علم نہ ہو کہ جنات قرآن سن رہے ہیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے، اور اس کے بعد جنات کا وفد آپ کے پاس آیا ہو جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات سے خطاب فرما رہے تھے، اس اثناء میں حضرت ابن مسعود آپ کے ساتھ نہ تھے اور آپ سے دور تھے، اور حضرت ابن مسعود کے علاوہ آپ کے اصحاب میں سے اور کوئی آپ کے ساتھ نہیں گیا تھا اور یہ سنن بیہقی کی روایت میں ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب پہلی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی طرف تشریف لے گئے، اس بار آپ کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، نہ کوئی اور صحابی تھے جیسا کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے اور یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے، اور حضرت ابن مسعود کے ساتھ جانے کے واقعات پہلی بار جانے کے بعد پیش آئے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۸۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنات کو دیکھنے پر دلائل

یہ امر متفق علیہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جنات پر حکومت تھی اور آپ جنات سے مشقت والے کام لیتے تھے، قرآن مجید میں ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام سے جن نے کہا:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ○ (النمل: ۳۹)

ایک سرکش جن نے کہا: میں وہ تخت آپ کے پاس اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں اور بے شک میں اس پر ضرور قوت والا امانت دار ہوں ○

اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام جنات کو دیکھتے تھے تو ضروری ہوا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ وصف حاصل ہو، کیونکہ آپ افضل الرسل ہیں، اور خصوصیت کے ساتھ آپ کے جنات کو دیکھنے اور ان پر تصرف کرنے کی قوت کے حصول پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سرکش جن رات کو مجھ پر حملہ آور ہوا تاکہ میری نماز منقطع کر دے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی، میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی

ستون کے ساتھ باندھ دوں' حتیٰ کہ تم سب صبح اٹھ کر اس کو دیکھتے' پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان کی یہ دعا یاد آئی: اے میرے رب! مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہ ہو' پھر آپ نے اس کو نا کام واپس کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۸)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ساتھ چلیں تا کہ آپ جنات کے سامنے قرآن پڑھیں' وہ آپ کے ساتھ گئے حتیٰ کہ شعب ابن ابی دب کے ساتھ مقام الحجون کے نزدیک پہنچے آپ نے میرے سامنے ایک خط کھینچ کر فرمایا: اس لکیر سے آگے نہ بڑھنا' پھر آپ الحجون کی طرف گئے تو جنات بہت بڑے اجسام میں آپ کی طرف بڑھے' وہ اس طرح دف بجا رہے تھے جس طرح عورتیں دف بجاتی ہیں حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو ڈھانپ لیا اور آپ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے' میں اٹھا پھر آپ نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا' پھر آپ نے قرآن کی تلاوت کی اور آپ کی آواز بلند ہو رہی تھی' جنات زمین سے ملے ہوئے تھے' میں ان کی آوازیں سن رہا تھا اور ان کو دیکھ نہیں رہا تھا۔

دوسری روایت میں ہے: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کون ہیں؟ آپ نے کہا: میں اللہ کا نبی ہوں' انہوں نے کہا: آپ کے حق میں کون گواہی دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت' پھر فرمایا: آؤ اے درخت! وہ درخت اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا' آپ نے اس سے فرمایا: تم میرے لیے کس چیز کی گواہی دیتے ہو؟ اس درخت نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ نے فرمایا: جاؤ! وہیں لوٹ جاؤ جہاں سے آئے ہو' حتیٰ کہ وہ درخت اسی طرح لوٹ گیا' حضرت ابن مسعود نے کہا: جب آپ میرے پاس واپس آئے تو آپ نے پوچھا: کیا تم میرے پاس آنا چاہتے تھے؟ میں نے کہا: جی ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ تمہارے لیے ممکن نہیں تھا' یہ جنات قرآن سننے کے لیے آئے تھے' پھر اپنی قوم کو عذاب سے ڈرانے کے لیے واپس گئے' انہوں نے مجھ سے خوراک کے متعلق سوال کیا تھا' میں نے ان کے لیے ہڈیوں اور مینگنیوں کی خوراک دی' پس تم میں سے کوئی شخص ہڈی سے استنجاء کرے نہ مینگنی سے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود کی روایات میں امام رازی کی توجیہات اور ان پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی لکھتے ہیں:

ان روایات کی تکذیب کی کوئی ضرورت نہیں ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو نہیں دیکھا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ آپ نے جنات کو دیکھا ہے اور ان میں تطبیق کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس واقعہ کو روایت کیا' جب پہلی بار جنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی تلاوت سنی تھی اور اس وقت آپ نے جنات کو نہیں دیکھا تھا' پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کی طرف جانے کا حکم دیا گیا' جس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

(۲) اگر جنات کا واقعہ ایک ہی بار ہوا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور ان کا کلام سنا اور وہ آپ پر ایمان لائے' پھر جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے تو انہوں نے اس واقعہ کی حکایت کرتے ہوئے کہا: ہم نے بہت عجیب قرآن سنا

ہے اور اس طرح اور اس طرح ہوا' تب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ انہوں نے اپنی قوم سے کیا کہا۔

(امام رازی نے اس تقدیر پر یہ نہیں بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا تھا اور ان کا کلام سنا تھا تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو دیکھنے اور سننے کی نفی کی ہے' اس کا کیا محمل ہوگا؟)

(۳) اگر یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ ہوا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کی طرف جانے کا حکم دیا گیا تھا اور ان کے سامنے قرآن مجید پڑھنے کا حکم دیا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں سمجھ سکے کہ جنات نے کیا کہا ہے اور انہوں نے قرآن کریم سن کر کیا کیا' تب اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کی کہ انہوں نے کیا کہا ہے اور کیا کیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۶۶۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی یہ توجیہ بھی دو وجہ سے صحیح نہیں ہے' اوّلاً اس لیے کہ اس توجیہ میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دیکھنے اور سننے کی نفی کا محمل بیان نہیں کیا' اور ثانیاً اس لیے کہ یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کا کلام نہیں سمجھ سکے' بہت سنگین جسارت ہے' ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل اور دیگر فرشتوں کا کلام سمجھ لیں' حیوانات' پہاڑوں' پتھروں اور درختوں کا کلام سمجھ لیں' اللہ سبحانہٗ کی وحی کو سمجھ لیں اور جنات کا کلام نہ سمجھ سکیں۔ ہم امام رازی کو بہت بڑا مفسر اور محقق گردانتے ہیں' مگر ان کی یہ بات ہم سے ہضم نہیں ہوسکی' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے' زیادہ جواب دینے کے شوق میں امام رازی سے یہ تقصیر ہوگئی۔ دیگر مفسرین نے ان روایات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اب ہم اس کو پیش کر رہے ہیں۔

مذکورہ احادیث کے متعلق دیگر مفسرین اور محدثین کی توجیہات

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ لیلۃ الجن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا تھا اور یہ قول زیادہ ثابت ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس میں ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کے سننے کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہوا اور آپ نے جنات کا مشاہدہ نہیں کیا اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو دیکھا ہے اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار ہوا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ص ۱۴۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مفسرین کے بعد اب ہم ان روایات کے متعلق محدثین کی تصریحات پیش کر رہے ہیں:

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں تعارض ہے' اور ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں اور ان میں کوئی تعارض اور تنافی نہیں ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ص ۳۶۴' دار الوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

علماء نے یہ لکھا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق نبوت کی ابتداء سے ہے' جب جنات آئے اور انہوں نے آپ سے قرآن مجید کی تلاوت سنی اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''قل اوحی الی

الایۃ" اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کے بہت بعد کے واقعہ کا ذکر ہے' اس وقت اسلام مشہور ہو چکا تھا اور اللہ ہی کو علم ہے کہ اس کے بعد کتنا عرصہ گزر چکا تھا۔ (صحیح مسلم بشرح النوادی ج ۲ ص ۱۶۴۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق بعثت کے ابتدائی ایام کے ساتھ ہے اور حضرت ابن مسعود کی حدیث کا تعلق' اس کے بہت بعد کا ہے' کیونکہ اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور وہ ہجرت کے بعد (۷ھ) میں اسلام لائے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنات کے متعدد وفود کا آنا ثابت ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۷۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ہم نے الاحقاف: ۳۲۔۲۹ میں بھی ان روایات پر بحث کی ہے' لیکن یہاں زیادہ تفصیل لکھی ہے۔

انسان کے جسم میں جنات کے تصرف کی بحث

جنات کے موضوع میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ جن انسان کے جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے اعضاء پر تصرف کرتا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت حکایات بیان کی جاتی ہیں' ہم نے "شرح صحیح مسلم" کی ساتویں جلد میں اس پر بحث کی' اس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) انسان کے جسم پر جن کے تصرف اور تسلط کے متعلق علماء اسلام کے نظریات۔ شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۶۴۴

(۲) انسان کے جسم میں جن کے دخول اور اس کے تصرف اور تسلط کے متعلق مصنف کا مؤقف۔ شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۶۴۹

تبیان القرآن میں بھی ہم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے' اس کا عنوان ہے:

انسان کے اعضاء پر جنات کے تصرف کی نفی۔ تبیان القرآن ج ۶ ص ۷۷

الجن: ۱ میں فرمایا: آپ کہیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا' اور کہا: ہم نے بہت عجیب قرآن سنا ہے O

صحابہ کرام کے جنات کے قول کی خبر دینے کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنے اصحاب کو یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے واقعۂ جن کے متعلق آپ پر کیا وحی فرمائی ہے' اس کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) تاکہ حضرات صحابہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح آپ کو انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے' اسی طرح آپ کو جنات کی طرف بھی مبعوث فرمایا ہے۔

(۲) قریش یہ جان لیں کہ جنات کے خمیر میں سرکشی ہے' اس کے باوجود جب انہوں نے قرآن مجید کے اعجاز کو جان لیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے' اور قرآن مجید سنتے ہی مسلمان ہو گئے۔

(۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنات بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں' ان میں سے نیکوں کو ثواب اور بدکاروں کو عذاب ہو گا۔

(۴) جنات ہمارا کلام سنتے ہیں اور ہماری لغات کو جانتے ہیں' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف مبعوث ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ بھی ان کی زبان سمجھتے ہوں' ورنہ آپ کیسے ان کے سوالات کا جواب دیں گے۔

(۵) جنات نے کہا: ہم اسلام کو اپنی قوم کی طرف پہنچائیں گے' اس سے معلوم ہوا جو شخص مسلمان ہو جائے وہ دوسروں تک خصوصاً اپنی قوم تک اسلام کا پیغام پہنچائے۔

''وحی'' اور ''نفر'' کا معنی

نیز اس آیت میں ''وحی'' کا لفظ ہے' وحی کا معنی ہے: کلام خفی' دل میں کسی نیک بات کا ڈالنا' اگر نبی کے دل میں بات ڈالی جائے تو وحی ہے اور ولی کے دل میں نیک بات ڈالی جائے تو وہ الہام ہے' اور وحی کا اصطلاحی معنی ہے: وہ کلام خفی جو انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں ڈالا جائے خواہ فرشتہ کے واسطہ سے ہو یا اس کے بغیر' قرآن مجید میں ہے:

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ. (الانعام:۱۹) آپ کہیے: مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے۔

نیز اس آیت میں ''نفر'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: تین سے لے کر نو افراد کی جماعت۔

نیز جنات نے کہا: ہم نے بہت عجیب قرآن سنا ہے' یعنی اس میں جو فصاحت اور بلاغت سے نصیحتیں کی گئی ہیں' ہم کو ان پر بہت تعجب ہے' یہ ایسا فصیح کلام ہے' جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

الجن:۲ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) جو سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے' پس ہم اس پر ایمان لے آئے اور وہ ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے O

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی الوہیت' اس کے علم اور قدرت اور اس کی توحید کی معرفت کی ہدایت دیتا ہے' ہم اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئے اور ہم اب کبھی کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار نہیں دیں گے' اور اب ہم ابلیس کی طرف رجوع نہیں کریں گے اور نہ اس کی اطاعت کریں گے۔

الجن:۳ میں فرمایا: اور بے شک ہمارے رب کی بزرگی بہت بلند ہے' اس نے کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ بیٹا O

''جد'' کا معنی

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: ''وانہ تعالٰی جد ربنا''۔ لغت میں ''جد'' کا معنی ہے: عظمت اور جلال۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جب سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کو حفظ کر لیا تو انہوں نے کہا: ''جد فی عیوننا'' ہماری آنکھوں میں اس کی عظمت اور جلالت بھر ہوگئی اور اس کا معنی غنا بھی ہے' حدیث میں ہے:

لا ینفع ذالجد منک الجد. تیرے مقابلہ میں کسی بزرگ کی بزرگی یا کسی غنی کا غنا فائدہ نہیں دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۳۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۹۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۰۵' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۳۴۰' مسند احمد رقم الحدیث:۱۸۲۰۷' دارالفکر)

یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز سے غنی ہے' تو نہ اس کو بیٹے کی حاجت ہے نہ بیوی کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (جنات نے کہا:) اور ہم میں سے بے وقوف لوگ اللہ کے متعلق ناحق باتیں کہا کرتے تھے O اور ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ کے اوپر کوئی جھوٹ نہیں باندھتا O اور بے شک انسانوں میں سے چند لوگ جنات کی پناہ طلب کرتے تھے' اس سے جنات کی سرکشی زیادہ ہوگئی O اور جنات نے بھی یہ گمان کر لیا جیسے تمہارا گمان ہے کہ اللہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا O (الجن:۷۔۴)

جنات کا اپنے جرائم کا اعتراف کر کے ان سے برأت کا اظہار کرنا

الجن:۴ میں ''سفیہ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کم عقل اور ''شطط'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ظلم میں حد سے تجاوز کرنا۔

جنات میں سے جو مشرکین تھے' وہ کہتے تھے کہ اللہ سبحانہٗ کی بیوی بھی ہے اور بیٹا بھی ہے' یہ ان کی جہالت اور کم عقلی بھی تھی اور ظلم میں حد سے تجاوز کرنا بھی تھا۔

الجن: ۵ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ کے اوپر کوئی جھوٹ نہیں باندھتا O

آپ سے قرآن سننے والے جنات نے اپنے شرک کرنے کا عذر بیان کیا کہ مشرکین جن نے ہم سے کہا کہ اللہ کا بیٹا اور بیوی ہے اور ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی جھوٹ نہیں باندھتا' سو ہم نے بھی ان کے قول کی پیروی کی' پس انہوں نے اقرار کیا کہ وہ ان مشرکین جنات کی تقلید کی وجہ سے شرک اور جہالت میں مبتلا ہو گئے' واضح رہے کہ اصول اور عقائد میں تقلید کرنا مذموم ہے اور فروع اور احکامِ شرعیہ میں تقلید کرنا جائز ہے۔

الجن: ۶ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور بے شک انسانوں میں سے چند لوگ جنات کی پناہ طلب کرتے تھے' اس سے جنات کی سرکشی زیادہ ہو گئی O

اس آیت کی حسبِ ذیل تفسیریں کی گئی ہیں:

(۱) حسن بصری اور ابن زید وغیرہما نے کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی مسافر کسی اجنبی وادی میں پہنچتا تو کہتا: میں اس وادی کی قوم کے جاہلوں کے شر سے اس وادی کے رب کی پناہ میں آتا ہوں' پھر اس وادی میں صبح تک رہتا۔

(۲) مقاتل نے کہا: سب سے پہلے جن لوگوں نے جنات کی پناہ طلب کی تھی وہ اہل یمن تھے' پھر بنو حنیفہ' پھر یہ شرک تمام عرب میں پھیل گیا' پھر جب اسلام آیا تو انہوں نے جنات سے پناہ طلب کرنا چھوڑ دیا اور اللہ کی پناہ کو طلب کرنا شروع کر دیا۔

(۳) کردم بن ابی السائب نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ابتدائی دور تھا' میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ گیا' ہم نے رات ایک بکریوں کے چرواہے کے ساتھ گزاری' جب آدھی رات ہو گئی تو ایک بھیڑیا آیا اور بکری کے بچہ کو اٹھا کر لے گیا' اس چرواہے نے پکارا: اے وادی میں رہنے والے! میں تیری پناہ میں ہوں' پھر ایک منادی پکارا: اے بھیڑیے! اس بکری کے بچے کو چھوڑ دے' پھر وہ بکری کا بچہ دوڑتا ہوا آ گیا اور اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل کی تھی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے لکھا ہے: جب زمانۂ جاہلیت میں قحط پڑ جاتا تو مشرکین کسی شخص کو سرسبز زمین کی تلاش میں بھیجتے' پھر اس کو جس جگہ پانی اور گھاس ملتی تو وہ وہاں اپنے گھر والوں کو بلا لیتا' پھر جب وہ وہاں پہنچ جاتے تو وہ بلند آواز سے پکارتے: اے اس وادی کے رب! ہم اس وادی کی آفات اور بلیات سے تیری پناہ میں آتے ہیں اور ان کی مراد اس وادی کے رب سے جنات ہوتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۶۸)

اس آیت میں "رھقا" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: خطاء اور گناہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد اور قتادہ نے کہا: کلام عرب میں "رھق" کا معنی ہے: بڑے بڑے گناہوں کا احاطہ کرنا۔ مجاہد نے کہا: انسانوں نے جنات کی پناہ میں آ کر ان کی سرکشی میں اور اضافہ کیا۔ سعید بن جبیر نے کہا: "رھق" کا معنی کفر ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ سبحانہٗ کو چھوڑ کر جنات کی پناہ طلب کرنا کفر اور شرک ہے۔

الجن: ۷ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور جنات نے بھی یہ گمان کر لیا جیسے تمہارا گمان ہے کہ اللہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے آسمان (کی خبر) کو طلب کیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت محافظوں اور آگ کے گولوں سے

بھرا ہوا ہے O اور ہم اس سے پہلے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے گھات لگا کر بیٹھ جاتے تھے' سو اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے عقب میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے O اور ہمیں معلوم نہیں کہ (اس سے) زمین والوں کے ساتھ کسی بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے O اور بے شک ہم میں سے چند نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف ہیں اور ہم مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں O اور ہم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ ہم ہرگز اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہرگز اس سے بھاگ سکتے ہیں O اور بے شک ہم نے جیسے ہی ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے' سو جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا وہ نہ کسی خیر میں کمی پائے گا نہ کسی شر میں اضافہ O اور بے شک ہم میں سے چند اطاعت گزار ہیں اور کچھ سرکش ہیں' سو جنہوں نے اطاعت کی انہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کر لیا O اور رہے سرکش تو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں O اگر وہ راہِ راست پر رہتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے O تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں' اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا تو وہ اس کو چڑھتے ہوئے سخت عذاب میں داخل کر دے گا O اور بے شک مساجد اللہ (کی عبادت) کے لیے ہیں تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو O اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جتھا بن کر اس پر پل پڑتے O (الجن: ۱۹۔۸)

جنات سے فرشتوں کی باتوں کو محفوظ رکھنا

الجن: ۸ میں ہے: ''وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ'' اس کا معنی ہے: جنات نے کہا: ہم نے آسمان کی خبر کو طلب کیا تو ہم نے دیکھا کہ وہ سخت محافظوں اور آگ کے گولوں سے بھرا ہوا ہے۔ یعنی جب جنات چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمانوں کے قریب جاتے تھے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے' تو فرشتے ان پر آگ کے گولے برسا کر ان کو آسمانوں سے دور بھگا دیتے تھے' اس مسئلہ کی مکمل بحث الملک: ۵ میں بیان کر چکے ہیں۔

الجن: ۹ میں فرمایا: جنات نے کہا: اور ہم اس سے پہلے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے گھات لگا کر بیٹھ جاتے تھے' سو اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے عقب میں آگ کا شعلہ تیار پاتا ہے O

اس کی تفسیر کے لیے بھی الملک: ۵ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

الجن: ۱۰ میں فرمایا: جنات نے کہا: اور ہمیں معلوم نہیں کہ (اس سے) زمین والوں کے ساتھ کسی بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے O

اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) ہم کو یہ معلوم نہیں کہ چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننے سے زمین والوں کے ساتھ کسی خیر کا ارادہ کیا گیا ہے یا شر کا۔

(۲) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے تاکہ وہ آپ کی نبوت کی تکذیب کر کے ہلاک ہو جائیں' جس طرح پچھلی امتیں اپنے نبیوں کی تکذیب کر کے ہلاک ہو گئیں یا آپ کی بعثت سے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے تاکہ وہ آپ پر ایمان لا کر ہدایت پا جائیں اور دنیا اور آخرت میں سرفراز ہوں۔

الجن: ۱۱ میں فرمایا: جنات نے کہا: اور بے شک ہم میں سے چند نیک ہیں اور کچھ اس کے خلاف ہیں' اور ہم مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں O

جنات کے فرقے

اس آیت میں ''قددا'' کا لفظ ہے' یہ ''قـدۃ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: کچے چمڑے کا ٹکڑا' اور ''قدد'' کا معنی ہے: متعدد

ٹکڑے یعنی متعدد فرقے۔

اس کا معنی ہے: ہم میں سے چند جنات نیک ہیں اور دوسرے اس سے کم درجہ کے ہیں' اور کم درجہ کے جنات سے مراد عام ہے: خواہ وہ نیکی میں کم درجہ کے ہوں یا وہ فاسق اور بدکار ہوں۔

نیز جنات نے کہا: ہم مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں' سدی نے کہا: یعنی جنات میں بھی انسانوں کی طرح مختلف عقائد کے حاملین ہیں' ان میں مرجۂ' قدریہ' روافض اور خوارج ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۱)

ضحاک نے کہا: ان میں مؤمن متقی بھی ہیں اور مؤمن فاسق بھی ہیں' المسیب نے کہا: ان میں یہود' نصاریٰ' مجوس بھی ہیں اور مسلمان بھی ہیں' اور ان میں وہ جنات بھی ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے تھے اور وہ بھی ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۵)

اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سنی بھی ہوں اور دیوبندی اور وہابی بھی ہوں۔

الجن: ۱۲ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور ہم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ ہم ہرگز اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہرگز اس سے بھاگ سکتے ہیں O

اس آیت میں ''ظن'' کا لفظ ہے اور اس سے مراد یقین ہے' اس کا معنی ہے: ہم زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں' ہم آسمان کی طرف بھاگ کر اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے' اس کا دوسرا معنی ہے: جب اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کسی معاملہ کا ارادہ فرمائے تو ہم اس سے بھاگ کر اس کو عاجز نہیں کر سکتے' یعنی دلائل سے ہم پر یہ منکشف ہوا یا اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر سے ہم کو یہ معلوم ہوا کہ ہم اللہ سبحانہٗ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

الجن: ۱۳ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور بے شک ہم نے جیسے ہی ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے' سو جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا وہ نہ کسی خیر میں کمی پائے گا نہ کسی شر میں اضافہ O

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ''بخس'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: نقصان اور کمی اور ''رھق'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: حد سے تجاوز' عدوان اور بہت زیادہ گناہ کرنا۔

اس آیت کا معنی ہے: جب ہم نے قرآن کریم کی آیات سنیں تو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی' اس آیت سے واضح ہو گیا کہ ہمارے نبی انسانوں اور جنات دونوں کی طرف مبعوث تھے' اور اللہ تعالیٰ نے جنات میں سے کسی رسول کو نہیں بھیجا اور نہ بادیہ نشینوں میں سے کسی کو رسول بنایا ہے اور نہ عورتوں میں سے کسی کو رسول بنایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ (یوسف: ۱۰۹)

اور ہم نے آپ سے پہلے شہر والوں میں جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی نہ اس کے گناہوں میں اضافہ کیا جائے گا۔

الجن: ۱۴ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) اور بے شک ہم میں سے چند اطاعت گزار ہیں اور کچھ سرکش ہیں' سو جنہوں نے اطاعت کی' انہوں نے ہدایت کا راستہ اختیار کر لیا O

یعنی قرآن مجید کی آیات سننے کے بعد ہم میں اختلاف ہو گیا' ہم میں سے بعض اسلام لے آئے اور بعض کفر پر برقرار رہے' اس آیت میں ''القاسطون'' کا لفظ ہے' اس کا واحد ''القاسط'' ہے' اس کا معنی ہے: ظالم کیونکہ وہ حق سے عدول کرنے والا ہوتا ہے' اور ''المقسط'' کا معنی ہے: عادل' کیونکہ اس میں باب افعال کا ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے یعنی ظلم کی نفی کرنے والا اور ایسا شخص حق کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس آیت میں ''تحروا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: حق کے راستہ کا قصد کرنا' اسی مفہوم میں تحری قبلہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

الجن: ۱۵ میں فرمایا: (جنات نے کہا:) رہے سرکش تو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں O

امام رازی نے لکھا ہے: جب حجاج بن یوسف نے سعید بن جبیر کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے پوچھا: تم میرے متعلق کیا کہتے ہو؟ سعید بن جبیر نے کہا: تم قاسط ہو' لوگوں نے حجاج سے کہا: واہ واہ! یہ آپ کی قسط اور عدل کے ساتھ صفت بیان کر رہے ہیں' حجاج نے کہا: تم پر افسوس ہے! یہ مجھے ظالم کہہ رہا ہے' قرآن مجید میں ہے: ''واما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا O'' اور رہے ظالم تو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ ''حطباً'' کا معنی ہے: لکڑیاں اور ایندھن۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جنات تو آگ سے بنے ہوئے ہیں' پھر انہیں جہنم کی آگ سے کیا تکلیف ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام رازی نے کہا: وہ اگرچہ آگ سے بنے ہیں' لیکن وہ متغیر ہو کر گوشت اور خون کے بن گئے' اور صحیح جواب یہ ہے کہ انسان مٹی سے بنا ہوا ہے' لیکن پتھر مارنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے' اسی طرح جنات کو بھی دوزخ کی آگ سے تکلیف ہوگی۔

الجن: ۱۶ میں فرمایا: اور اگر وہ راہِ راست پر رہتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے O

استغفار کرنے سے دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا ملنا

یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ (کفارِ مکہ) ایمان لے آتے تو ہم ان پر دنیا کشادہ کر دیتے اور ان کے رزق میں وسعت کر دیتے۔

اس آیت کا پہلے جملے پر عطف ہے یعنی میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے قرآن سنا۔۔۔۔۔ اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر یہ کفارِ مکہ ایمان لے آتے تو ہم ان پر دنیا کشادہ کر دیتے۔

اس آیت میں ''غدق'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کثیر پانی' جس باغ میں پانی بہت زیادہ ہو اس کو ''روضة مغدقة'' کہتے ہیں اور جب بارش بہت زیادہ ہو تو اس کو ''مطر مغدوق'' کہتے ہیں' اور کثیر پانی سے کیا مراد ہے' اس میں تین قول ہیں: اس سے جنتوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جنتوں کے نیچے دریا بہتے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بارش ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عام منافع اور فوائد ہیں کیونکہ پانی دنیا میں ہر خیر کی اصل ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ کفارِ مکہ ایمان لے آئے اور راہِ راست پر چلے تو ان کو دنیا اور آخرت کی ہر خیر حاصل ہوگی اور اس کی نظیر یہ آیات ہیں:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ O (المائدہ: ۶۵)

اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتے تو ہم ان کے تمام گناہ معاف فرما دیتے اور ان کو نعمت والی جنتوں میں داخل فرما دیتے O

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ (المائدہ: ۶۶)

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور ان احکام کو قائم کرتے جو ان کے رب کی طرف سے نازل کیے گئے ہیں' تو وہ اپنے اوپر سے (بارش کے ذریعہ) کھاتے اور اپنے نیچے (زمین کی

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ (الطلاق:۳۔۲)

پیداوار) سے کھاتے۔

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہےO اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۭ (نوح:۱۲۔۱۰)

(نوح نے اپنی قوم سے کہا:) میں نے کہا: تم اپنے رب سے مغفرت کی دعا کرو' بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا ہےO وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش نازل فرمائے گاO اور کثرتِ مال اور بیٹوں کی کثرت سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات پیدا کر دے گا اور دریا نکالے گاO

الجن: ۱۷ میں فرمایا: تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں' اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا تو وہ اس کو چڑھتے ہوئے سخت عذاب میں داخل کر دے گاO

کفار اور فجار کو ڈھیل دینا اور مالِ دنیا کی خرابیاں

سعید بن المسیب' عطاء بن ابی رباح' ضحاک' قتادہ' مقاتل' عطیہ' عبید بن عمیر اور الحسن نے کہا: اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم احکام کو سننے والے اور اطاعت کرنے والے تھے' ان کے اوپر قیصر و کسریٰ' المقوقس اور النجاشی کے خزانے کھول دیئے گئے' پھر ان کی آزمائش کی اور ان کے بعد کے لوگ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے اور انہوں نے خلیفہ برحق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور ان کے مکان کا محاصرہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا۔

اور ہمارے دور میں سرمایہ کی بہت فراوانی ہے' اور اکثر اسلامی ملکوں میں مسلمان بہت عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں' پاکستان میں غیر ملکی ساختہ کاروں کی اتنی کثرت ہے کہ اب ٹریفک کو رواں دواں رکھنا مشکل ہو گیا ہے' لوگ ہزار ہزار گز کے بنگلوں میں رہتے ہیں' لگژری اپارٹمنٹ خریدتے ہیں' بڑے بڑے شاپنگ سینٹرز میں خریداری کرتے ہیں' گھروں میں فریج اور اوون کی کثرت ہے اور سامانِ تعیش بہت زیادہ ہے' روپے پیسے کی کثرت سے فحاشی اور بے حیائی بھی بہت بڑھ گئی ہے' اب کم گھر ٹی۔ وی اور وی۔ سی۔ آر سے خالی ہوتے ہیں' اور زیادہ خوش حال لوگ ڈش کے ذریعہ غیر ملکی چینلوں پر عریاں فلمیں دیکھتے ہیں۔ روپے پیسے کی کثرت سے لوگ جوئے اور سٹے میں رقمیں لگاتے ہیں' سعودی شہزادے اور عرب امارات کے شیوخ امریکا' برطانیہ اور فرانس کے کلبوں اور ہوٹلوں میں ایک ایک میز پر ہزاروں ڈالر اور پونڈ ہار کر اٹھتے ہیں اور ویٹریس کو سینکڑوں ڈالر اور پونڈ کی ٹپ دے دیتے ہیں' فضول خرچی کا یہ عالم ہے کہ محض شوقیہ ہر ماڈل کی نئی کاریں خریدتے ہیں اور ہزاروں ریال کے مہنگے عطریات اور پرفیومز خریدتے ہیں' گھوڑوں اور اونٹوں کی ریس پر لمبی لمبی رقوم کی شرطیں لگا کر ہار جاتے ہیں' حسین سے حسین کال گرل ان کے شبستان کی زینت ہوتی ہے' اور باز اور شکروں کو خریدنے پر ہزاروں ریال اور دراہم خرچ کرتے ہیں' اسی طرح ہر وڈیرہ اور رئیس شراب پیتا ہے' ان کے دیہاتوں اور مزارعین کی کسی لڑکی کی عزت' ناموس اور آبرو ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں' پیسے اور طاقت کے زور پر یہ اپنے ہر مخالف کو کچل دیتے ہیں' ان کے عشرت کدوں سے کسی مظلوم کی آواز باہر نہیں جا سکتی' انہیں تو قانون کا بھی ڈر نہیں' ان کو اسلام کا ڈر کیا ہو گا' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کثرت سے مال دیا' لیکن یہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے اور عیاشیوں میں اور مال و دولت کی کثرت دے کر اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں مبتلا کیا اور یہ اس امتحان میں ناکام ہو

گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہی تو نہیں فرمایا تھا کہ مجھے تم پر شرک کا اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا مال دنیا کی کثرت کا خطرہ ہے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو جزیہ وصول کرنے کے لیے بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے صلح کی تھی' اور حضرت العلا بن حضرمی کو ان کے اوپر امیر بنا دیا تھا' انصار کو جب ان کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ صبح کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے' آپ نماز سے فارغ ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: میرا گمان ہے کہ تم کو ابوعبیدہ کے آنے کی خبر پہنچ گئی ہے اور یہ کہ وہ کچھ مال لے کر آئے ہیں' انہوں نے کہا: ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: پھر تم خوش ہو جاؤ اور اس چیز کی امید رکھو جس سے تم کو خوشی ہوگی' پس اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقر اور تنگ دستی کا خوف نہیں ہے' لیکن مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کی گئی تھی' پھر تم دنیا کے مال و دولت میں رغبت کرو گے جس طرح انہوں نے مال دنیا میں رغبت کی تھی اور مال دنیا تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام سے اس طرح غافل کر دے گا جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو غافل کر دیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۲۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۶۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۶۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۷' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۸۷۶۶)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ نے اہل اُحد (شہداءِ اُحد) کی نمازِ جنازہ پڑھی' پھر آپ واپس منبر پر آئے اور فرمایا: میں (حشر کے دن) تمہارا پیش رو ہوں گا اور تمہارے حق میں گواہی دوں گا' اور بے شک میں اللہ کی قسم! اپنے حوض کو ضرور اب بھی دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں' اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے تم پر یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے تم پر یہ خوف ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۶۰۔۱۳۴۴' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۹۔۱۴۸)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے' یہ وہ چیزیں ہیں: جو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے روئے زمین کی برکتوں سے نکالے گا (یعنی کھیتوں سے غلہ اور باغات سے پھل)' آپ نے فرمایا: یہ دنیا کی تروتازگی ہے (الیٰ قولہ)' بے شک یہ مال میٹھا ہے' جس نے اس مال کو حق کے ساتھ لیا اور حق کے راستوں میں خرچ کیا تو یہ مال اس کے لیے بہت اچھا ہے اور جس نے اس مال کو ناحق طریقہ سے لیا وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۹۵)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مال و دولت کی نعمتیں اس لیے عطا فرمائی ہیں کہ وہ ان کی آزمائش کرے' پس مال و دولت کا انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور انعام ہے' تاکہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی کرتا ہے' اور اللہ سبحانہٗ کی نعمتوں کو اس کی رضا اور خوشنودی میں خرچ کرتا ہے یا ان نعمتوں سے اپنی نفسانی خواہشوں کے تقاضے پورے کرتا ہے اور شیطان کو راضی کرتا ہے' اور جو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت بُرے کاموں میں صرف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فوراً اس پر گرفت نہیں کرتا' اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کے یہ کام صحیح اور درست ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دے رہا ہے کہ وہ جی بھر کر گناہ کرے' پھر اللہ تعالیٰ اس سے اکٹھا حساب لے گا' قرآن مجید میں ہے:

اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ‌ ؕ بَلۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ۝ (المؤمنون: ٥٦۔٥٥)

کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم ان کے مال اور اولاد میں صرف اس لیے اضافہ کر رہے ہیں ○ کہ ان کی بھلائیاں ان کو جلد پہنچا دیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے ○

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ خَيۡرٌ لِّاَنۡفُسِهِمۡ‌ ؕ اِنَّمَا نُمۡلِىۡ لَهُمۡ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِثۡمًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۝ (آل عمران: ١٧٨)

کفار یہ گمان نہ کریں کہ ہمارا ان کو ڈھیل دینا ان کی بہتری کے لیے ہے' بلکہ ہم ان کو اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ زیادہ گناہ کریں' اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ○

ہر چند کہ یہ آیت کفار کے لیے ہے' لیکن جو مسلمان اپنے فسق و فجور اور سرکشی سے تائب نہیں ہوتے اور اپنی ہٹ دھرمی پر اصرار کرتے ہیں' ان کا بھی یہی حکم ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے مہلت دینے کے قانون کا ذکر ہے' اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق کفار اور فساق اور فجار کو مہلت عطا فرماتا ہے' اور ان کو دنیا کی فراغت' خوش حالی' فتوحات اور مال اور اولاد کی کثرت سے نوازتا ہے' وہ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ کا فضل ہو رہا ہے لیکن اگر وہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کے بعد' نیکی' اطاعت اور گناہوں سے اجتناب کا راستہ اختیار نہیں کرتے تو ان کو جو مہلت ملی ہے اس سے ان کے گناہوں میں اضافہ ہی ہوگا اور بالآخر وہ دوزخ کے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔

اللہ کے ذکر سے اعراض کا معنی

نیز اس آیت میں فرمایا: اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا تو وہ اس کو چڑھتے ہوئے سخت عذاب میں داخل کر دے گا۔

ابن زید نے کہا: اس آیت میں رب کے ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور اس سے اعراض کرنے کا معنی ہے: اس کو قبول نہ کرنا اور یہ کافروں کا طریقہ ہے' یا ان آیات کے احکام پر عمل نہ کرنا' جیسا کہ فساق مؤمنین کی روش ہے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے غفلت برتنا اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا' یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرنا ہے۔

''صعدا'' کا معنی

اور اس آیت میں ''عذابا صعدا'' ہے' ''صعدا'' کا معنی ہے: چڑھنا' اور چونکہ انسان کو چڑھنے میں سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور بہت مشقت ہوتی ہے' اس لیے یہاں اس سے مراد ہے: سخت مشقت والا عذاب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''صعدا'' جہنم میں بہت عظیم پہاڑ ہے' جب بھی وہ اس پر اپنا ہاتھ رکھیں گے ان کا ہاتھ پگھل جائے گا' حضرت ابن عباس سے یہ بھی روایت ہے کہ ''صعدا'' کا معنی ہے: مشقت والا عذاب' اور یہ لغت عربی کے موافق ہے' لغت میں ''صعدا'' کا معنی مشقت ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما تصعدنی شیئ ما تصعدتنی خطبة النکاح. (تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٦٧٣)

مجھے کسی کام میں اتنی مشقت نہیں ہوتی جتنی مشقت نکاح کا پیغام دینے میں ہوتی ہے۔

عذاب کی صفت ''صعدا'' اس لیے لائی گئی ہے کہ عذاب' عذاب میں مبتلا شخص پر چڑھ کر اس پر غالب ہو جائے گا اور وہ اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھے گا۔

عکرمہ نے کہا: ''صعدا'' دوزخ میں ایک چکنا پتھر ہے' دوزخی کو اس پر چڑھنے کا مکلف کیا جائے گا اور وہ اس پر چڑھ نہیں سکے گا' بار بار پھسلے گا' پھر اس کو زنجیروں سے باندھ کر آگے سے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے اس کے اوپر لوہے کے گرز مارے جائیں گے' پھر جب وہ اس پتھر کی چوٹی پر پہنچ جائے گا تو اس کو اوپر سے پھر نیچے پھینک دیا جائے گا' اور اس کو پھر دوبارہ اس پتھر کے اوپر چڑھنے کا مکلف کیا جائے گا اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا اور یہ ''صعدا'' کا وہ عذاب ہے جس میں اس کو داخل کیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۳' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۰)

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کا دنیا میں تنگی کا سبب ہونا

اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ (طٰہٰ: ۱۲۴)

اور جو میری یاد سے اعراض کرے گا' اس کی زندگی میں تنگی رہے گی اور ہم قیامت کے دن اسے اندھا اٹھائیں گے ○

بعض مفسرین نے کہا: اس تنگی سے مراد قبر کا عذاب ہے اور بعض نے کہا: اس سے مراد وہ بے چینی' بے کلی اور اضطراب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل بڑے بڑے سرمایہ دار مبتلا ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص کے پاس مال ہو خواہ کم ہو یا زیادہ اور وہ اس مال کو نیک کاموں میں صرف نہ کرے' اس کی زندگی تنگی میں گزرے گی' کیونکہ جو مال دار لوگ اللہ کی یاد سے غافل ہوتے ہیں' ان سے قناعت سلب کر لی جاتی ہے' ان کی حرص اور مال کی پیاس بڑھتی جاتی ہے' وہ کبھی سیراب نہیں ہوتے اور ان کو ہر وقت اپنے مال پر کسی آفت اور مصیبت کا خطرہ لگا رہتا ہے' وہ چین کی نیند سو نہیں سکتے' خواب آور گولیوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے' لیکن ان کو سکون اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا' ان کے کاروباری حریف بہت زیادہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مسابقت کی جنگ میں ان کا بلڈ پریشر بڑھتا رہتا ہے اور یہی اللہ کی یاد سے غافل رہنے والے مال داروں کی زندگی کی وہ تنگی ہے جس میں وہ آئے دن مبتلا رہتے ہیں۔ یہ دنیا کا عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تنگی سے مراد ان کے خون کی شریانوں کا تنگ ہونا مراد ہو' جس کی وجہ سے ان کا بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے' انجائنا ہو جاتا ہے' دل کے دورے پڑتے ہیں اور فالج کا خطرہ ہوتا ہے۔

الجن: ۱۸ میں فرمایا: اور بے شک مساجد اللہ (کی عبادت) کے لیے ہیں تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو ○

مسجد میں ادا کی جانے والی عبادات اور اطاعت

اس آیت میں مساجد سے مراد وہ عمارتیں ہیں جن کو تمام ادیان اور مذاہب والے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بناتے ہیں۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ جنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہمارے لیے مساجد میں آنا اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنا کیسے ممکن ہوگا جب کہ ہم آپ سے بعید ہوتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ مساجد کو اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے۔

حسن بصری نے کہا: مساجد سے مراد تمام روئے زمین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسجد بنا دیا ہے' حدیث میں ہے:

تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور آلۂ تیمم بنا دیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣٣٥، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٥٢٢، سنن النسائی رقم الحدیث: ٤٣٠، سنن بیہقی ج ١ص ٢١٢)

سعید بن المسیب اور طلق بن حبیب نے کہا: مساجد سے مراد وہ اعضاء ہیں جن پر بندہ سجدہ کرتا ہے' وہ کہتا ہے کہ ان اعضاء کی نعمت مجھے صرف اللہ سبحانہٗ نے عطا کی' سو میں ان اعضاء سے صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے سجدہ کروں گا' عطاء نے کہا: تمہاری مساجد تمہارے وہ اعضاء ہیں جن پر تمہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے' سو تم ان اعضاء کو غیر خالق کے لیے ذلیل نہ کرو' حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں' پیشانی پر' ہاتھوں پر' گھٹنوں پر اور قدموں کے سروں پر۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٨١٢، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٤٤٠، سنن نسائی رقم الحدیث: ١٠٩٥)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ٤٩١، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٨٩١، سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٧٢، سنن نسائی رقم الحدیث: ١٠٩٣)

احادیث میں مساجد کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ تین مساجد پر کیا گیا ہے: مسجد حرام' مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس۔

حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مساجد کے علاوہ اور (کسی مسجد کی طرف) سامانِ سفر نہ باندھا جائے' مسجد حرام' مسجد رسول اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١١٨٩، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٣٩٧، موطا امام مالک رقم الحدیث: ٢٤٣)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دیگر مساجد میں نماز پڑھنے سے ہزار گنا افضل ہے سوا مسجد حرام کے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١١٩٠، سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٢٥، سنن بیہقی ج ٥ص ٢٤٦)

نیز احادیث میں دیگر مساجد پر بھی مسجد کا اطلاق کیا گیا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اضمار شدہ گھوڑوں کا الحفیاء سے ثنیۃ الوداع تک مقابلہ کرایا' اور غیر اضمار شدہ گھوڑوں کا ثنیۃ الوداع سے لے کر مسجد بنو زریق تک مقابلہ کرایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٢٠، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٨٧٠، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٥٧٥)

اضمار شدہ گھوڑوں سے ایسے گھوڑے مراد ہیں جن کو پہلے دو تین دن خوب کھلایا پلایا جائے' پھر دو تین دن بھوکا رکھا جائے تا کہ ان کی طاقت برداشت اور جفاکشی زیادہ ہو جائے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔

عبادت کے اندر اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کی اطاعت بھی داخل ہے' مثلاً مساجد میں مالِ غنیمت کو تقسیم کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال آیا' آپ نے فرمایا: اس مال کو مسجد میں پھیلا دو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جس قدر اموالِ غنیمت آئے تھے' یہ ان میں سب سے زیادہ مال تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھانے گئے اور آپ نے اس مال کی طرف بالکل توجہ نہیں فرمائی' نماز پڑھانے کے بعد آپ اس مال کے پاس آ کر بیٹھ گئے' پھر آپ جس کو بھی دیکھتے اس مال میں سے عطا فرماتے' اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! مجھے بھی مال عطا کیجئے کیونکہ میں نے اپنی جان کا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کی جان کا فدیہ بھی دیا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ اس مال میں سے لے لیں' حضرت عباس نے کپڑا بچھایا اور اس ڈھیر سے مال اٹھا اٹھا

کر اس کپڑے پر رکھنے لگے' پھر اس گٹھڑ کو اٹھانا چاہا تو اس کو نہ اٹھا سکے' پھر انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کسی کو حکم دیں وہ اس گٹھڑ کو میری طرف اٹھا دے' آپ نے فرمایا: نہیں' حضرت عباس نے کہا: پھر آپ خود اٹھا دیں' آپ نے فرمایا: نہیں! آپ خود اٹھائیں۔ حضرت عباس نے اس سے کچھ مال کم کیا اور کچھ اور مال اس میں رکھا' حتیٰ کہ پھر اس کی چوٹی بن گئی' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کسی سے کہیں کہ وہ اس مال کو اٹھا کر مجھ پر رکھ دے' آپ نے فرمایا: نہیں' انہوں نے کہا: پھر آپ خود اٹھا کر رکھ دیں' آپ نے فرمایا: نہیں' پھر انہوں نے اس میں سے کچھ مال کم کیا' پھر اس گٹھڑ کو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا' پھر وہ چلے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کافی دیر تک ان کا تعاقب کرتی رہی' حتیٰ کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے' آپ کو ان کی حرص پر تعجب ہو رہا تھا' پھر جب تک اس مال میں سے ایک درہم بھی باقی تھا آپ اس جگہ سے نہیں اٹھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۲۱)

اسی طرح مسجد میں لوگوں کو فقراء پر صدقہ کرنے کی ترغیب دینا بھی جائز ہے اور فقراء پر صدقہ کرنا بھی جائز ہے' حدیث میں ہے:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم دن کے ابتدائی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مسجد میں کچھ فقراء آئے' جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھے' انہوں نے اپنے گلوں میں کفنیاں یا عبائیں پہنی ہوئی تھیں' ان سب کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا' ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا' آپ اندر گئے' پھر باہر آئے' اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا' پھر انہوں نے اقامت کہی اور آپ نے (ظہر کی) نماز پڑھائی' پھر خطبہ دیا اور یہ آیات تلاوت فرمائیں:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (الی قوله تعالیٰ) اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○ (النساء:۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے' (الیٰ قولہ تعالیٰ) بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے ○

اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ (الحشر:۱۸)

اللہ سے ڈرو! اور انسان کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کل آخرت کے لیے کیا بھیج رہا ہے۔

(آپ نے فرمایا:) ایک شخص اپنے دینار سے صدقہ کرے' اپنے درہم سے صدقہ کرے' اپنے کپڑے سے صدقہ کرے' چار کلو گندم سے صدقہ کرے' چار کلو کھجور سے صدقہ کرے خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کرے' پھر انصار میں سے ایک شخص تھیلی اٹھا کر لائے جس کے بوجھ سے ان کا ہاتھ تھکا جا رہا تھا' اس کے بعد صدقہ دینے والے لوگوں کا تانتا بندھ گیا' یہاں تک کہ میں نے غلے اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے' میں نے دیکھا کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے اس طرح تمتما رہا تھا جیسے آپ کا چہرہ سونے کا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جو اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرتا ہے' اس کو اپنے نیک کام کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں اس نیکی پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا' اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہو گی اور ہر وہ شخص جس نے اسلام میں کسی بُرے عمل کی ابتداء کی اس کو اپنے بُرے عمل کا بھی گناہ ہو گا اور بعد میں اس بُرائی پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہو گا اور ان بُرے عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۱۷' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۳)

حضرت عبد الرحمان بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے آج کسی نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں مسجد میں داخل ہوا تو ایک سائل سوال کر رہا تھا' میں نے

عبدالرحمان کے ہاتھ میں ایک روٹی کا ٹکڑا دیکھا' میں نے عبدالرحمان سے لے کر اس سائل کو وہ روٹی کا ٹکڑا دے دیا۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۷۰' المستدرک ج ۱ ص ۴۱۲ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث:۱۵۰۱ طبع جدید)

مسجد میں مقروض اور قیدی کو باندھنا بھی جائز ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ سواروں کی ایک جماعت کو نجد کی طرف بھیجا' وہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو لے کر آئے' اس کا نام ثمامہ بن اثال تھا' پھر انہوں نے اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۶۷۹' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۸۹)

مسجد میں بیمار کو ٹھہرانا اور اس کی عیادت کرنا بھی جائز ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جنگ خندق کے دن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا کندھا زخمی ہو گیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ لگوایا' تاکہ نزدیک سے ان کی عیادت کر لیں اور مسجد میں بنو غفار کا بھی خیمہ تھا' مسلمان صرف اس چیز سے گھبرا گئے کہ ان کی طرف خون بہ کر آ رہا تھا' انہوں نے کہا: اے خیمے والو! تمہاری طرف سے ہمارے پاس کیا چیز بہ کر آ رہی ہے؟ دیکھا تو حضرت سعد کے زخم سے خون بہ رہا تھا اور وہ اسی میں فوت ہو گئے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۱۰۱' سنن نسائی رقم الحدیث:۷۱۰)

مسجد میں بُرے کام کرنے کی مذمت میں احادیث

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: تو اس کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔

اس آیت کے اس حصہ میں مشرکین کی مذمت کی ہے جو مسجد حرام میں اللہ سبحانہٗ کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ بتوں کو اپنی حاجات میں پکارا کرتے تھے اور ان بتوں کی عبادت کرتے تھے' مجاہد نے کہا کہ جب یہود اور نصاریٰ اپنے گرجوں اور اپنے کلیساؤں میں داخل ہوتے تو اللہ سبحانہٗ کے ساتھ شرک کیا کرتے تھے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنوں کو یہ حکم دیا کہ وہ جب کسی بھی مسجد میں داخل ہوں تو صرف اللہ عزوجل کو اپنی حاجات میں پکاریں' اسی کی عبادت کریں اور صرف اسی سے دعا کریں' گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مسجد میں کسی بت یا کسی خود ساختہ معبود کی عبادت نہ کرو اور نہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو حقیقی حاجت روا سمجھ کر پکارو اور نہ اپنی عبادات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا حصہ رکھو اور نہ کسی اور کو شریک کرو۔

اور نہ مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کے سوا کسی اور کام کو کیا جائے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنی گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کیا' تم کہو: اللہ تمہاری اس چیز کو واپس نہ کرے کیونکہ مساجد کو اس لیے نہیں بنایا گیا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۶۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۷۶۷' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اس بدبودار درخت کی کوئی چیز کھائی (لہسن یا پیاز) وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو ان چیزوں سے ایذاء پہنچتی ہے جن چیزوں سے انسانوں کو ایذاء پہنچتی ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۸۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۶۴' مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۴)

امام نسائی کی روایت میں لہسن' پیاز اور گندنے کا ذکر ہے۔ (سنن نسائی رقم الحدیث:۷۰۷) بیڑی' سگریٹ' حقہ اور نسوار کا بھی یہی حکم ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے (حضرت عبداللہ بن عمرو) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عمرو بن العاص) رضی اللہ عنہما سے

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں (غیر شرعی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا اور مسجد میں خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا اور جمعہ کی نماز سے پہلے مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۰۷۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۲' سنن نسائی رقم الحدیث:۷۱۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۷۴۹)

حسن بصری سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ اپنی مسجدوں میں دنیاوی باتیں کریں گے' تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو' اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث:۷۴۳)

حضرت ابوالدرداء' حضرت ابوامامہ اور حضرت واثلہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: تم اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں' اپنے پاگلوں' اپنے جھگڑوں سے اور اپنی بلند آوازوں سے دور رکھو' اور اپنی سونتی ہوئی تلواروں سے اور اپنی حدود کو قائم کرنے سے دور رکھو اور ہر سات دن بعد مسجد میں دھونی دو (خوشبو پھیلاؤ) اور وضو کے آلات مسجدوں کے دروازوں پر رکھو۔ (العلل المتناہیہ رقم الحدیث:۶۷۷' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔)

مسجد میں نیک اعمال کرنے کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۱۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۶۷' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۱۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۴' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۳۹۳' موطأ امام مالک رقم الحدیث:۵۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۵)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی دن کے وقت سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھتے' پھر اس میں بیٹھتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۰۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۱۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۷۸۱' سنن نسائی رقم الحدیث:۷۳۲' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۵۲۰' مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۶)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ اندھیروں میں پیدل چل کر مسجدوں میں آتے ہیں' انہیں قیامت کے دن بھرپور نور کی بشارت دے دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۶۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۲۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گزرو تو چر لیا کرو' پوچھا گیا: یارسول اللہ! جنت کی کیاریاں کیا چیز ہیں؟ آپ نے فرمایا: مساجد' پوچھا گیا: یارسول اللہ! ان میں چرنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر" پڑھنا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۵۰۹)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھانے کافی دیر سے آئے' حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو نکلتا ہوا دیکھ لیتے' پھر آپ جلدی جلدی آئے' پس نماز کی اقامت کہی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختصار کے ساتھ نماز پڑھائی' آپ نے سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے دعا کی' اور ہم سے فرمایا: تم اسی طرح اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہو جس طرح بیٹھے ہو' پھر ہماری طرف مڑ کر فرمایا: میں اب تمہیں بتاؤں گا کہ مجھے صبح آنے میں کیوں دیر ہوگئی' میں رات کو اٹھا' میں نے وضو کیا اور جتنی نماز میرے مقدر میں تھی میں نے اتنی نماز پڑھی' پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی' حتیٰ کہ نیند آگئی' پس میں نے اچانک رب تبارک وتعالیٰ کو نہایت حسین صورت میں دیکھا' پس رب نے فرمایا: اے محمد! میں نے کہا: اے میرے رب! میں حاضر ہوں' فرمایا: مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: میں از خود نہیں جانتا' اس طرح تین مرتبہ فرمایا' پھر میں نے دیکھا کہ میرے رب نے اپنی ہتھیلی میرے دو کندھوں کے درمیان رکھ دی' حتیٰ کہ

میں نے اس کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ کے درمیان محسوس کی' پھر ہر چیز میرے لیے منکشف ہوگئی اور میں نے جان لیا' پھر فرمایا: اے محمد! میں نے کہا: اے میرے رب! میں حاضر ہوں' فرمایا: مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: کفارات میں' فرمایا: کفارے کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا: پیدل چل کر نماز کے لیے جانا' نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں بیٹھنا' تکالیف کے وقت کامل وضو کرنا' فرمایا: پھر کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: درجات میں' فرمایا: وہ کیا کیا ہیں؟ میں نے کہا: کھانا کھلانا' نرمی سے بات کرنا اور اس وقت نماز پڑھنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوں' پھر فرمایا: دعا کرو اور کہو: اے اللہ! میں تجھ سے نیک کاموں کے کرنے کا اور بُرے کاموں سے بچنے کا سوال کرتا ہوں اور مسکینوں سے محبت کرنے کا اور یہ کہ تو مجھ کو معاف فرما اور مجھ پر رحم فرما' اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ سے بچا کر اٹھالینا' اور میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور ان کی محبت کا جن سے تو محبت کرے اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے' آپ نے فرمایا: یہ کلمات برحق ہیں' تم ان کو یاد کرلو اور دوسروں کو سکھاؤ' اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کر کے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے' میں نے اس حدیث کے متعلق امام محمد بن اسماعیل بخاری سے پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۳۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے اور اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازیں ہیں اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازیں ہیں اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازیں ہیں' اور میری اس مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازیں ہیں اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازیں ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! جتنی برکتیں مکہ میں نازل فرمائی ہیں' مدینہ میں اس سے چار گنی برکتیں نازل فرما۔ (صحیح البخاری: ۱۸۸۵) اور مکہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازیں ہیں تو مدینہ میں ایک نماز کا ثواب کم از کم تین لاکھ نمازیں ہونا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ''اعوذ باللّٰہ العظیم وبوجهه الكريم وسلطانه القديم من الشيطان الرجيم'' فرمایا: جب بندہ یہ دعا پڑھ لے تو شیطان کہتا ہے: یہ سارے دن کے لیے مجھ سے محفوظ ہو گیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶)

آپ کی عبادت کو دیکھنے کے لیے ہجوم کی متعدد تفاسیر

الجن: ۱۹ میں فرمایا: اور جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جتھا بن کر اس پر پل پڑتے O

اس آیت میں ''لبدا'' کا لفظ ہے' یہ ''لبدة'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: ٹھٹ کے ٹھٹ' ہجوم' بھیڑ' جماعت در جماعت۔

اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں عبداللہ سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' البتہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے یا جنات کا قول ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہونے کی صورت میں اس آیت کے تین محمل ہیں:

(۱) اللہ عزوجل کا مقدس بندہ نمازِ فجر پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا تھا' اس وقت ان کے پاس جنات آئے اور وہ آپ سے قرآن مجید کی تلاوت سننے لگے اور جنات نے آپ کے گرد جمگھٹا بنا لیا' وہ آپ کی عبادت کرنے پر اور قیام' رکوع اور سجود میں آپ کے اصحاب کی آپ کی اقتداء کرنے پر تعجب کر رہے تھے' کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے ایسا منظر نہیں دیکھا تھا اور نہ اس سے پہلے قرآن مجید کی مثل کوئی کلام سنا تھا۔

(۲) مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ کی مخالفت کر کے بتوں کی پرستش کے بجائے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت

کرتے تو مشرکین آپ کی عداوت میں آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور یوں لگتا جیسے وہ عنقریب آپ پر حملہ کر دیں گے۔

(۳) قتادہ نے کہا: جب آپ عبادت کے لیے کھڑے ہوتے تو تمام انسان اور جنات آپ کی مخالفت میں مجتمع ہو جاتے اور حق کو مٹانے اور اسلام کا نور بجھانے کے لیے ایک دوسرے کی حمایت کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے اعداء کے خلاف آپ کی نصرت کی اور آپ کے مخالف خائب و خاسر ہو گئے۔

اور اگر اس آیت میں جنات کے قول کا ذکر فرمایا ہو تو اس کا معنی یہ ہے: جب اللہ کا بندہ اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو پھر یہ کفار کیوں اس کے گرد جمع ہو کر اس کو اللہ سبحانہٗ کی عبادت سے روکنے کا قصد کرتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّیْ لَآ

آپ کہیے کہ میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا O آپ کہیے: میں (از خود)

اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ

تمہارے لیے کسی ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہوں O آپ کہیے: بے شک مجھے اللہ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی

اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ ۙ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ

بچا نہیں سکتا اور نہ میں اللہ کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ پاتا ہوں O مگر اللہ کی طرف سے پیغامات کو پہنچانا

رِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ

میرے ذمہ ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ

خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ ؕ حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ

رہے گا O (یہ کفار اس وقت تک نہیں مانیں گے) حتیٰ کہ یہ اس عذاب کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے سو یہ عنقریب جان

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ

لیں گے کہ کس کے مددگار بہت کم زور اور شمار میں بہت کم ہیں O آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے

مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ

وعدہ کیا گیا ہے آیا وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی کوئی مدت مقرر کر دی ہے O وہ ہر غیب کا

الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ ۙ اِلَّا مَنِ

جاننے والا ہے سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا O ماسوا ان کے

اِرْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ

جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں' سو وہ اس رسول کے آگے

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ

اور پیچھے نگہبان مقرر فرما دیتا ہے ○ تاکہ اللہ اس بات کو ظاہر فرما دے کہ بے شک

اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى

ان سب رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے ان سب کا اللہ نے

كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

احاطہ کرلیا ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار کر لیا ہے ○

ع ۲ ۹ ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ○ آپ کہیے: میں (از خود) تمہارے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں ○ آپ کہیے: بے شک مجھے اللہ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی بچا نہیں سکتا اور نہ میں اللہ کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ پاتا ہوں ○ مگر اللہ کی طرف سے پیغامات کو پہنچانا میرے ذمہ ہے' اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ○ (یہ کفار اس وقت تک نہیں مانیں گے) حتیٰ کہ یہ اس عذاب کو دیکھ لیں' جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے' سو یہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کے مددگار بہت کم زور اور شمار میں بہت کم ہیں ○ آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے آیا وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی کوئی مدت مقرر کر دی ہے ○ (الجن: ۲۵۔۲۰)

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابلہ میں آپ کو اپنے عجز کے اظہار کا حکم

مشرکین مکہ یہ کہتے تھے: تم جو پیغام سنا رہے ہو اس سے دست بردار ہو جاؤ' تم نے تمام اہل مکہ کو اپنا دشمن بنا لیا ہے' اگر بالفرض تم پر اللہ کا عذاب آیا تو ہم تمہیں اپنی پناہ میں رکھیں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی: آپ کہیے: میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ○

الجن: ۲۱ میں فرمایا: آپ کہیے: میں (از خود) تمہارے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں ○

یعنی میں تم سے کسی ضرر کو دور کرنے پر از خود قادر نہیں ہوں اور نہ از خود تمہیں کوئی نفع پہنچانے پر قادر ہوں' اس آیت کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ میں از خود تم کو ہدایت دینے پر قادر ہوں اور نہ از خود تم کو گم راہ کرنے پر قادر ہوں۔

الجن: ۲۲ میں فرمایا: آپ کہیے: بے شک مجھے اللہ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی بچا نہیں سکتا اور نہ میں اللہ کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ پاتا ہوں ○

یعنی اگر بہ فرض محال' اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دے تو اللہ کے سوا کوئی مجھے اس عذاب سے بچا نہیں سکتا۔

الجن: ۲۳ میں فرمایا: مگر اللہ کی طرف سے پیغامات کو پہنچانا میرے ذمہ ہے ○ الآیۃ

اس آیت کا معنی ہے: مجھے کوئی چیز کسی عذاب یا کسی مصیبت سے بچا نہیں سکتی' سوا اس کے کہ میں اللہ کے اس پیغام کو پہنچاؤں جس کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے' کیونکہ اللہ کے پیغام کو پہنچانا اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس کی اعانت اور اس کی توفیق سے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو بے شک اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے' جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گاO

گنہ گار مسلمانوں کی عدم مغفرت پر معتزلہ کا استدلال اور اس کے جوابات

معتزلہ نے اس آیت کے اس حصہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو مسلمان گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو اور وہ بغیر توبہ کے مر جائے تو وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہے گا کیونکہ وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والے کا مصداق ہے اور جس طرح کافر اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا' اس طرح فاسق مسلمان بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا' ان کے اس استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت کا آخری حصہ اس آیت کے پہلے حصہ سے مربوط ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا پیغام پہنچانے میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا یعنی اللہ کا صحیح پیغام نہیں پہنچائے گا' وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

(۲) امام رازی نے دوسرا یہ جواب دیا ہے کہ جو شخص ہر حکم میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا' وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور ہر حکم میں اللہ اور رسول پر ایمان لانے کا بھی حکم شامل ہے اور جو اس حکم کی بھی نافرمانی کرے گا' وہ مسلمان ہی نہیں ہوگا' لہٰذا یہ آیت مؤمن مرتکب کبیرہ کو شامل نہیں ہے۔

(۳) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو کم درجہ کا اور معمولی سمجھ کر اس حکم کی نافرمانی کرے گا' وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا کیونکہ ایسا شخص مسلمان نہیں رہے گا۔

(۴) جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی کو حلال اور جائز سمجھ کر اس کی نافرمانی کرے گا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

(۵) جو شخص بہ طور اہانت اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا' وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا کیونکہ مؤخر الذکر دونوں صورتوں میں وہ مسلمان ہی نہیں رہے گا۔

الجن: ۲۴ میں فرمایا: (یہ کفار اس وقت تک نہیں مانیں گے) حتیٰ کہ یہ اس عذاب کو دیکھ لیں' جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے' سو یہ عنقریب جان لیں گے کہ کس کے مددگار بہت کم زور اور شمار میں بہت کم ہیںO

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفار کی ذلت اور مؤمنوں کی عزت اور وجاہت

کفارِ مکہ آپ کی عداوت میں اکٹھے ہو کر آپ کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور آپ کی نصرت کرنے والے مسلمانوں کو بہت قلیل اور کم زور سمجھتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کل قیامت کے دن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا عدد کم ہے اور کون کم زور ہے یا دنیا میں ہی ان کو غزوۂ بدر سے علم ہو جائے گا کہ کون سا گروہ قوی ہے اور کون سا گروہ کم زور ہے۔

قیامت کے دن کفار بہت خوار اور زبوں ہوں گے' ذلت اور رسوائی میں مبتلا ہوں گے' اس دن ان کا کوئی حامی اور مددگار

ہوگا اور نہ ان کا کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا اور اس کے برخلاف مسلمان بہت عزت اور کرامت کے ساتھ ہوں گے انبیاء' مرسلین اور فرشتے ان کی شفاعت کریں گے قرآن مجید میں ہے:

فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (العبس: ۴۲-۳۳)

پس جب کان بہرے کر دینے والی (قیامت) آ جائے گی ۝ اس دن انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا ۝ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے ۝ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے ۝ ان میں سے ہر انسان کو اس دن صرف اپنی فکر ہوگی جو اس کو کافی ہو ۝ اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ۝ مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش ۝ اور بہت سے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ۝ ان پر سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی ۝ یہی لوگ کافر بدکار ہیں ۝

نیز قرآن مجید میں ہے:

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ أَن يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ (القیامہ: ۲۵-۲۲)

اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے ۝ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ۝ اور کتنے چہرے اس دن بے رونق اور اداس ہوں گے ۝ وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ۝

نیز مؤمنین کی عزت افزائی کے متعلق فرمایا:

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ۝ سَلَامٌ عَلَيْكُم. (الرعد: ۲۴-۲۳)

اور فرشتے مؤمنوں کے پاس ہر دروازہ سے داخل ہوں گے ۝ (اور کہیں گے:) سلام علیکم۔

اور اللہ عزوجل بھی ان کو سلام کہے گا:

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ۝ (یٰسین: ۵۸)

رب رحیم کی جانب سے سلام کہنا ہے ۝

الجن: ۲۵ میں فرمایا: آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' آیا وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی کوئی مدت مقرر کر دی ہے ۝

آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت وقوعِ قیامت کا علم تھا یا نہیں؟

جب مشرکین نے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: حتیٰ کہ یہ اس عذاب کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے' الایۃ' تو النضر بن الحارث نے کہا: وہ عذاب کب واقع ہوگا جس سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں؟ تب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: آپ کہیے: میں از خود نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے' آیا وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کی کوئی مدت مقرر کر دی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس عذاب کا وقوع تو متیقن ہے لیکن اس عذاب کے وقوع کا وقت غیر معلوم ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں ہے:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۵۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۵۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۴، سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۲۱۴)

علامہ جلال الدین سیوطی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا' قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: آپ نے یہ اشارہ فرمایا کہ میری بعثت اور قیامت کے وقوع میں بہت کم مدت رہ گئی ہے اور جتنا ان دو انگلیوں میں فاصلہ ہے' اسی کی مناسبت سے میرے اور قیامت کے درمیان فاصلہ ہے اور دیگر شارحین نے یہ کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کا پیغام اور آپ کا دین قیامت تک کے لیے ہے اور جس طرح دو انگلیاں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں' اسی طرح آپ کا دین قیامت تک قائم رہے گا اور قیامت سے منفصل نہیں ہوگا۔

(التوشیح علی الجامع الصحیح ج ۵ ص ۱۲۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ قیامت کا وقوع کب ہوگا' پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ قیامت کا وقوع قریب ہے یا بعید ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''لا ادری'' میں اپنی عقل اور اپنے قیاس سے نہیں جانتا یا از خود نہیں جانتا' بے شک آپ کو علم تھا کہ قیامت کب واقع ہوگی کیونکہ جب دو چیزیں متصل ہوں اور ایک شخص کو ایک چیز کا علم ہو تو اس سے متصل دوسری چیز کا بھی علم ہوتا ہے' سو آپ کو اپنی بعثت کا علم تھا تو لازماً اس سے متصل قیامت کا بھی علم تھا' لیکن یہ علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور اس کی وحی سے تھا' از خود نہیں تھا' اس لیے فرمایا: ''لا ادری'' اور ''لا اعلم'' نہیں فرمایا یعنی میں از خود نہیں جانتا' اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کی وحی سے جانتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا O ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں' سو وہ اس رسول کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر فرما دیتا ہے O تاکہ اللہ اس بات کو ظاہر فرما دے کہ بے شک ان سب رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں' اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس سب کا اللہ نے احاطہ فرمالیا ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار کر لیا ہے O (الجن: ۲۸۔۲۶)

غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس آیت میں ''غیب'' کا لفظ ہے' غیب کا لغوی معنی ہے: جو چیز حاضر نہ ہو' اور غیب کا اصطلاحی معنی ہے: جس چیز کا حواسِ خمسہ اور بداہت عقل سے یعنی بغیر غور و فکر کے ادراک نہ کیا جا سکے وہ غیب ہے' جیسے اللہ عزوجل کی ذات' ہم اللہ تعالیٰ کو حواسِ خمسہ سے جان سکتے ہیں اور نہ بغیر غور و فکر کے جان سکتے ہیں' البتہ غور و فکر کر کے یہ جان سکتے ہیں کہ یہ جہان حادث ہے اور ہر حادث کا کوئی محدث اور موجد ہوتا ہے' پس ضروری ہے کہ اس جہان کا بھی کوئی موجد ہو' اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ موجد واجب اور قدیم ہو کیونکہ اگر وہ ممکن اور حادث ہوا تو اس کے لیے پھر کوئی موجد ماننا پڑے گا' اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ موجد واحد ہو کیونکہ اگر اس جہان کے متعدد موجد ہوں تو اس جہان کی تخلیق کے نظام میں یکسانیت نہیں ہوگی اور چونکہ اس جہان کی تخلیق میں یکسانیت ہے' اس لیے ماننا پڑے گا کہ اس جہان کا خالق واحد ہے' پس غور و فکر کرنے سے معلوم ہو گیا کہ اس جہان کا موجد واجب' قدیم اور واحد ہے اور اللہ سبحانہٗ کی یہی شان ہے' پس ہم غور و فکر کر کے اللہ عزوجل کو جان لیتے ہیں اور بغیر غور و فکر کے اللہ تعالیٰ کو نہیں جان سکتے' سو اللہ تعالیٰ غیب ہے۔

اسی طرح ہم جنت اور دوزخ کو حواسِ خمسہ سے نہیں جان سکتے' نہ ان کو دیکھ سکتے ہیں' نہ ان کی آواز سن سکتے ہیں' نہ ان کی کسی چیز کو چکھ سکتے ہیں' نہ ان کو سونگھ سکتے ہیں' نہ ان کو چھو سکتے ہیں' نہ بغیر غور و فکر کے عقل سے ان کو جان سکتے ہیں' البتہ غور و فکر کر

کے یہ جان سکتے ہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزاروں اور نافرمانوں میں فرق ہونا چاہیے سواطاعت گزاروں کے لیے انعام ضروری ہے اور نافرمانوں کے لیے سزا ضروری ہے اور انعام کا محل جنت ہے اور سزا کا محل دوزخ ہے سو ہم عقل سے غور وفکر کر کے جنت اور دوزخ کو جان سکتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ اس دنیا میں ظلم کرتے کرتے مرجاتے ہیں اور ان کو اس دنیا میں ان کے ظلم پر کوئی سزا نہیں ملتی اور بہت لوگ اس دنیا میں ظلم سہتے سہتے مرجاتے ہیں اور ان کو ان کی مظلومیت کے اوپر کوئی جزا نہیں ملتی تو اگر اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہو تو ظالم بغیر سزا کے رہ جائے گا اور مظلوم بغیر جزاء کے رہ جائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس جہان کے بعد کوئی اور جہان بھی ہو جس میں ظالم کو دوزخ میں اور مظلوم کو جنت میں داخل کیا جائے پس اس طرح ہم عقل سے غور وفکر کر کے جنت اور دوزخ کو جان لیتے ہیں مگر بغیر غور وفکر کے ہم جنت اور دوزخ کو نہیں جان سکتے اس لیے جنت اور دوزخ بھی غیب ہیں جس طرح اللہ عزوجل کی ذات غیب ہے۔

غیب کی دو قسمیں ذاتی اور عطائی

غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ غیب ہے جس کو جاننے کا کوئی سبب اور ذریعہ ہو خواہ اس کا سبب عقل ہو یا اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی دی ہوئی خبر ہو مثلاً ہم نے جنت اور دوزخ کے وجود کو عقل کے ذریعہ جانا لیکن جنت میں ثواب کی تمام تفاصیل اور دوزخ میں عذاب کی تمام اقسام کو محض عقل سے نہیں جانا جا سکتا ان کے علم کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں پر وحی فرماتا ہے اور انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو خبر دیتے ہیں اور غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس غیب کو عقل سے جانا جا سکتا ہو نہ وحی سے جیسے اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہیہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور مخلوق کے لیے اس کے علم کی کوئی سبیل نہیں ہے اس غیب کو ذاتی کہتے ہیں اور غیب کی پہلی قسم کو غیب عطائی کہتے ہیں ان کو علم غیب ذاتی اور علم غیب عطائی بھی کہتے ہیں اس کی یہ تعریف بھی ہے کہ جو غیب تعلیم اور بتانے کے بغیر ہو وہ غیب ذاتی ہے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے غیر پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں

ہمارے نزدیک عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور الہام کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھی علم غیب ہوتا ہے بلکہ عام مسلمانوں کو بھی علم غیب ہوتا ہے کیونکہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات فرشتوں اور جنت اور دوزخ کا علم ہے اور چونکہ یہ سب اُمورِ غیب ہیں اس لیے ان کا علم علم غیب ہے لیکن عرفِ شرع میں عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے اس لیے خواہ عام مسلمانوں کو علم غیب حاصل ہو لیکن ان کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے جیسے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزیز اور جلیل ہیں لیکن محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے اور جیسے آپ صاحبِ برکت اور صاحبِ علو ہیں لیکن محمد تبارک وتعالیٰ کہنا جائز نہیں ہے۔

الجن: ۲۶ میں اظہار بہ معنی اطلاع کتب لغت سے

اس آیت میں ایک لفظ ہے: ''فلا یظھر'' علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ ''یظھر'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ای لا یطلع علیه'' یعنی اللہ تعالیٰ اس غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۚ (التوبہ: ۳۳) تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ہر دین پر غالب کر دے۔

اس آیت میں ''لیظہر'' کا معنی ظہور بھی صحیح ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تمام دینوں پر ظاہر کر دے' اور اس کا معنی معاونت اور غلبہ بھی صحیح ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۱۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

واظهرنا الله على الامر اى اطلع. اللہ تعالیٰ نے کسی معاملہ کا ہم پر اظہار کیا یعنی ہم کو اس پر مطلع فرما دیا۔

(لسان العرب ج ۹ ص ۲۰۲' دار صادر' بیروت' ۲۰۰۳ء)

علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ میری جو چیز چوری ہوئی تھی' اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کا اظہار کر دیا' یعنی مجھ کو اس پر مطلع کر دیا۔

(تاج العروس شرح القاموس ج ۳ ص ۳۷۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

الجن: ۲۶ میں اظہار بہ معنی اطلاع کتب تفاسیر سے

مفسرین کرام نے بھی اس آیت میں ''لیظہر'' کا معنی مطلع کرنا کیا ہے۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ رسولوں کو جس قدر غیب پر مطلع کرنا چاہتا ہے' انہیں مطلع فرماتا ہے۔

ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ انبیاء پر جتنا چاہتا ہے غیب نازل فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیب یعنی قرآن نازل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قیامت کے غیب کی خبر دی۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ۱۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے بھی ان دونوں قولوں کو نقل کیا ہے۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۱۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کو جس غیب کا علم ہے وہ عام لوگوں میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں فرماتا' ماسوا رسولوں کے' کیونکہ اس غیب سے ان کی نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے' تاکہ وہ معجزہ سے غیب کی خبر دیں' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ جس کو رسالت اور نبوت کے لیے چن لیتا ہے' اس کو اپنے غیب میں سے جتنا چاہتا ہے مطلع فرماتا ہے۔ (الوسیط ج ۴ ص ۳۶۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

وہ عالم الغیب ہے' پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن کو اس نے چن لیا ہے جو اس کے سب رسول ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۱۶۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

علم غیب صرف اللہ کے لیے ہے' پس اس کو جس غیب کا علم ہے وہ اس پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے جو اس کے سب رسول ہیں' اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس کو اس نے رسالت کے لیے چن لیا اس کو جتنا چاہتا ہے' اپنے غیب سے مطلع فرماتا ہے۔ (زاد المسیر ج ۸ ص ۳۸۵' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ غیب پر صرف چنے ہوئے لوگوں کو مطلع فرماتا ہے' جو اس کے رسول ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ١٠ ص ٦٧٨' دار احیاء التراث العربی بیروت' ١٤١٥ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

پس بے شک اس کو اپنے غیب سے جتنا چاہتا ہے مطلع فرماتا ہے' تا کہ وہ غیب اس کی نبوت پر دلالت کرے۔

قاضی عبداللہ بن عمر شافعی متوفی ٦٨٥ ھ لکھتے ہیں:

وہ عالم الغیب ہے پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا' ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے سب رسول ہیں۔ (تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ٩ ص ٣٠١' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٧ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ٧٧٤ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں یہ فرمایا ہے کہ وہ غیب اور شہادت کا عالم ہے اور اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے کسی علم پر مطلع نہیں ہوتا' ماسوا ان کے جن کو وہ خود مطلع فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ٤ ص ٤٧٨' دار الفکر' بیروت' ١٤١٩ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ١١٣٧ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ علی الاطلاق علم غیب کے ساتھ منفرد ہے' پس اس کے علم غیب پر مخلوق میں سے کوئی بھی اس طرح کامل مطلع نہیں ہوتا کہ اس کو مکمل انکشاف تام ہو جائے' جس سے علم الیقین واجب ہو جائے' ماسوا ان کے جن کو اس نے چن لیا ہے جو اس کے رسول ہیں تا کہ ان کو وہ اپنے بعض ان غیوب پر مطلع فرمائے جو ان کی رسالت سے متعلق ہوں۔

(روح البیان ج ١٠ ص ٢٣٤' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد الحنفی السمرقندی متوفی ٣٧٥ ھ لکھتے ہیں:

وہ اپنی مخلوق میں سے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر جس کو اپنی رسالت کے لیے پسند فرمالیتا ہے تو اس کو جس غیب پر چاہتا ہے مطلع فرماتا ہے تا کہ وہ غیب اس کی نبوت پر دلیل ہو۔ (بحر العلوم' تفسیر سمرقندی ج ٣ ص ٤١٤' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٣ھ)

الجن: ٢٦ میں اظہار بہ معنی اطلاع کے تراجم

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ٦٩١ ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

پروردگار زمانے و در دانند غیب پس آگاہ نسازید برغیب خود ہیچ کس یکے را مگر آنرا کہ پسند دارد از رسول۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ١١٩٦ھ لکھتے ہیں:

پس مطلع نمے سازد بر علم غیب خود ہیچ یک را مگر کسے کہ پسند کرد اورا مراد از پیغمبر است۔

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی متوفی ١٢٣٣ھ لکھتے ہیں:

وہ ہی جاننے والا غیب کا پس نہیں خبردار کرتا او پر غیب اپنے کے کسی کو مگر جس کو پسند کرتا ہے پیغمبروں میں سے۔

شاہ عبد القادر محدث دہلوی متوفی ١٢٣٠ھ لکھتے ہیں:

جاننے والا بھید کا' سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی مگر جس کو پسند کر لیا کسی رسول کو۔

علامہ سید محمد محدث اعظم ہند کچھوچھوی متوفی ١٣٨٣ھ لکھتے ہیں:

اور وہ غیب کا جاننے والا ہے تو نہیں مکمل آگاہی دیتا غیب پر کسی کو مگر جسے چن لیا رسول سے۔

(معارف القرآن ص ۶۸۹ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

غزالیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

وہ غیب جاننے والا (ہے) تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا' مگر جنہیں پسند فرمالیا جو اس کے سب رسول ہیں۔ (البیان ص ۷۴۵۔ ۷۴۴ کاظمی پبلی کیشنز ملتان)

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۹۹۸ء لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرمالیا ہو۔

(جمال القرآن ص ۹۴۶ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

الجن: ۲۶ میں اظہار بہ معنی تسلط پر بحث ونظر

بعض محترم اکابر رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا' سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس ترجمہ میں چند اُمور ہماری ناقص فہم میں نہیں آسکے' جن کا ذکر حسب ذیل ہے:

(۱) ہم کتب لغت کے حوالوں سے لکھ چکے ہیں کہ اس آیت میں "یظھر" کا معنی مطلع کرنا ہے' اور تمام مفسرین نے "یظھر" کی تفسیر میں لکھا ہے: اس کا معنی مطلع کرنا ہے' لہٰذا اس کے معنی میں مسلط کرنا مراد نہیں ہے' نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران: ۱۷۹) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع کردے لیکن اللہ جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

"القرآن یفسر بعضه بعضا" "بعض قرآن بعض کی تفسیر کرتا ہے" سو جس طرح اس آیت میں رسولوں کو غیب پر مطلع کرنے کا ذکر ہے' اسی طرح الجن: ۲۶ میں بھی "یظھر" سے غیب پر مطلع کرنا مراد ہے اور غیب پر مسلط کرنا مراد نہیں ہے۔

(۲) غیب پر مسلط کرنے کا معنی ہے: غیب پر غالب کرنا اور غیب پر غالب کرنے سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ غیب کے ہر فرد کا رسولوں کو علم ہو' اور غیب کا ہر فرد خواہ وہ غیب متناہی ہو' رسولوں کو معلوم نہیں ہوتا' حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں اس کی واضح دلیل ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ آپ کا علم تدریجی ہے' جو نزولِ قرآن کی تکمیل کے ساتھ مکمل ہوا' اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ غیب کا علم نہیں تھا جس کا بعد میں علم ہوا' پھر آپ غیب پر مسلط اور غالب کیسے ہوئے' جب کہ سورۃ الجن ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔

(۳) نیز اس ترجمہ سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا بلکہ اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے' کیونکہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے' اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ رسول غیر پسندیدہ ہیں کیونکہ اس ترجمہ میں رسولوں کو پسندیدہ کی صفت کے ساتھ مقید کیا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول پسندیدہ اور مختار ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے ہر غیب کا رسولوں پر اظہار نہیں فرماتا' اس کے غیوب غیر متناہی ہیں اور رسولوں کے علوم متناہی ہیں' اور متناہی غیر متناہی کا محل نہیں بن سکتا' اسی لیے اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو اپنے بعض غیوب پر مطلع فرماتا ہے اور اس کی مقدار رسولوں کے مرتبہ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے' ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے زیادہ علم غیب عطا فرمایا' جو تمام مخلوق کے علم سے زیادہ ہے۔

(۵) اس آیت میں "من" بیانیہ ہے کیونکہ "من ارتضٰی" مبہم ہے اور اس کا بیان "من رسول" ہے جب کہ اس ترجمہ میں "من" تبعیضیہ کا لحاظ کیا گیا ہے اور اس آیت میں "من" کا تبعیضیہ ہونا ہماری سمجھ میں اس لیے نہیں آ سکا کہ "من" تبعیضیہ کے بعد اُمور متعددہ کا ذکر ہوتا ہے جیسے "اخذت من الدراھم" ہمارے ناقص علم کے مطابق اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہے: وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا' ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے' جو اس کے سب رسول ہیں۔

(۶) اسی طرح بعض محترم اکابر رحمہم اللہ نے آل عمران: ۱۷۹ کا جو ترجمہ کیا ہے' اس کو بھی ہم نہیں سمجھ سکے' وہ ترجمہ یہ ہے:

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے' ہاں! اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

اس ترجمہ میں بھی "من" کو تبعیضیہ قرار دیا ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے بعض رسولوں کو غیب پر مطلع فرمایا ہے اور بعض کو نہیں' کیونکہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے' ہماری ناقص فہم کے اعتبار سے اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہے:

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں کو) غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر) مطلع (کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے سب رسول ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ' آل عمران: ۱۷۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں "من" ابتداء غایت کے لیے ہے اور تمام رسل علیہم السلام میں پسندیدگی کو عام فرمانے کے لیے ہے تاکہ یہ آیت اس پر دلالت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غیب پر مطلع فرمایا ہے' وہ اس قوی اصل پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسل صلوات اللہ علیہم میں یہی سنت ہے کہ وہ انہیں غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ "من" تبعیض کے لیے ہے کیونکہ مغیبات پر مطلع فرمانا بعض رسولوں کے ساتھ اور بعض اوقات میں مخصوص ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا ہو۔ واضح رہے کہ یہ تو درست ہے کہ غیب کی اطلاع بعض اوقات کے ساتھ خاص ہو' لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ غیب کی اطلاع بعض رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے' اور شاید کہ صحیح بات اس کے برعکس ہے۔

(روح المعانی جز ۴ ص ۲۱۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

ہر چند کہ علامہ آلوسی نے اس آیت میں "من" کو ابتداء غایت کے لیے قرار دیا ہے' لیکن اس کا مآل بھی وہی ہے جو "من" بیانیہ کا ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے' نہ کہ بعض رسولوں کو' بلکہ علامہ آلوسی نے "من" تبعیضہ کو صراحۃً رد کر دیا ہے اور ہم نے "من" بیانیہ اس لیے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" (آل عمران: ۱۷۹) "من یشاء" میں "مَن" موصول ہے اور اسم موصول مبہم ہوتا ہے اور اسم مبہم کا یہ تقاضا ہے کہ اس کا بیان کیا جائے' پس "من رسله" "مَن یشاء" کا بیان مقدم ہے' یعنی اللہ جن کو چاہتا ہے ان کو غیب کی اطلاع کے لیے پسند فرمالیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سب رسول ہیں۔

علامہ اسماعیل بن محمد القونوی المتوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں جمع کے صیغہ سے "رسل" فرمایا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اس وقت معتبر ہوتی ہے جب وہ تمام رسولوں کی تصدیق کے ساتھ ہو اور اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر رسولوں کے پسندیدہ ہونے کا ذکر فرمایا تاکہ اس پر تنبیہ ہو کہ غیب کی اطلاع دینا تمام رسولوں کے لیے عام ہے اور یہ صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے نہیں ہے۔

اس پر محشی نے لکھا ہے:

اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس آیت میں ''من رسله'' میں ''من'' بیانیہ ہے' تبعیضیہ نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آل عمران: ۱۷۹' اور الجن: ۲۶ میں مذکور ''مـن'' بیانیہ ہے' تبعیضیہ نہیں۔ میں نے بہت غور وفکر کے بعد ان آیتوں کو اسی طرح سمجھا ہے' اگر یہ درست ہے تو اس گنہ گار پر یہ اللہ کا کرم ہے اور اس کے رسول کا فیضان ہے ورنہ یہ میری سوءِ فہم اور مطالعہ کا نقص ہے' اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بَری ہیں۔

علامہ زمخشری کا کراماتِ اولیاء کا انکار کرنا

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۹ھ نے لکھا ہے: اس آیت سے کرامات باطل ہو جاتی ہیں کیونکہ جن لوگوں کی طرف کرامات منسوب ہوتی ہیں' ہرچند کہ وہ پسندیدہ اولیاء ہیں لیکن وہ رسول نہیں ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے غیب کی اطلاع کو اپنے ان پسندیدہ بندوں کے ساتھ خاص کر لیا ہے جو اس کے رسول ہیں اور ولیوں کو اللہ غیب کی خبر نہیں دیتا' اسی طرح نجومی اور کاہن جو مستقبل میں ہونے والے حوادث کی خبر دیتے ہیں' وہ بھی باطل ہو گئی کیونکہ نجومی اور کاہن اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے اور رسول نہیں ہیں۔ (الکشاف ج ۴ ص ۶۳۵-۶۳۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر میں امام رازی کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ علامہ زمخشری کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس آیت میں زمخشری کے قول پر کوئی دلیل نہیں ہے' کیونکہ اس آیت میں غیب سے مراد عموم نہیں ہے اور اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی غیب کو کسی پر ظاہر نہیں فرماتا' بلکہ غیب سے مراد مخصوص غیب ہے اور وہ ہے وقت وقوعِ قیامت کا علم۔ پس اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس خاص غیب کو کسی پر ظاہر نہیں فرماتا' پھر استثناء کر کے فرمایا: ہاں! جو اس کے پسندیدہ بندے ہیں ان پر اس غیب کو ظاہر فرماتا ہے اور وہ پسندیدہ بندے اللہ تعالیٰ کے سب رسول ہیں' اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ اس غیب کو کسی رسول پر ظاہر نہیں فرماتا تو ہم کہیں گے: نہیں بلکہ قربِ قیامت میں اللہ سبحانہٗ اس غیب کو ظاہر فرمائے گا' جب وہ قیامت کو قائم فرمائے گا کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ (الفرقان: ۲۵) | اور جس دن آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کو لگا تار اتارا جائے گا ۝

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فرشتوں کو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ قیامت کس وقت واقع ہو گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو' گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ عالم الغیب ہے پس وہ اپنے مخصوص غیب یعنی وقت وقوعِ قیامت پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا' پھر اس کے بعد فرمایا: لیکن جن سے وہ راضی ہے وہ اس کے رسول ہیں' سو وہ اس رسول کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر فرما دیتا ہے' جو اس کو سرکش جنات اور انسانوں کے شر سے محفوظ رکھتے ہیں' نیز اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو ان لوگوں کے سوال کے جواب میں ذکر فرمایا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تحقیر کرتے ہوئے اور آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے آپ سے وقت وقوعِ قیامت کا سوال کرتے تھے۔

واضح رہے کہ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں ہے کہ وہ رسولوں کے سوا کسی کو بھی کسی غیب پر مطلع نہیں فرماتا' اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) تقریباً اخبارِ متواترہ سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے شق اور سطیح نام کے دو کاہن

تھے' جنہوں نے یہ خبر دی تھی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہونے والا ہے اور عرب میں اس قسم کے کاہن بہت مشہور تھے' حتیٰ کہ ایران کے بادشاہ کسریٰ نے بھی ان کاہنوں کی طرف رجوع کیا تھا تا کہ ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کر سکے' اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے علاوہ دوسروں کو بھی غیب کی خبروں پر مطلع فرما دیتا ہے۔

(۲) تمام مذاہب اور ادیان میں یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ خواب کی تعبیر صحیح ہوتی ہے' اور خواب کی تعبیر بتانے والا' مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی قبل از وقت خبر دے دیتا ہے اور اس کی تعبیر صادق ہوتی ہے۔

(۳) سلطان سنجر بن ملک بغداد کا بادشاہ تھا' وہ بغداد کی ایک کاہنہ کو خراسان لے گیا اور اس سے مستقبل میں پیش آنے والے اُمور کے متعلق سوالات کیے' اس کاہنہ نے اس کو ان اُمور کی خبر دی اور جس طرح اس نے خبر دی تھی بعد میں اسی طرح واقعات پیش آئے۔

(۴) ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی طرف صادق الہامات ہوتے ہیں اور یہ الہامات اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ جادوگروں کی طرف بھی ہوتے ہیں' ہر چند کہ جادوگروں کی دی ہوئی خبریں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں لیکن ان کی بعض خبریں سچی بھی ہوتی ہیں' اسی طرح نجومیوں کی دی ہوئی اکثر خبریں جھوٹی ہوتی ہیں' لیکن ان کی بعض خبریں سچی بھی ہوتی ہیں۔

یہ تمام اُمور مشاہدہ سے ثابت ہیں' پس یہ کہنا کہ قرآن مجید ان زمینی حقائق اور بین الاقوامی مسلمات کے خلاف بتا رہا ہے' یہ ایسا قول ہے جو قرآن مجید میں طعن کا دروازہ کھولتا ہے اور یہ باطل ہے' پس اس آیت کی صحیح تاویل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں پر بھی غیب کا اظہار فرماتا ہے اور دوسروں پر بھی غیب کا اظہار فرماتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۹-۶۷۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ نہیں لکھا کہ جب اللہ تعالیٰ رسولوں پر بھی اپنے غیب کا اظہار فرماتا ہے اور دوسروں پر بھی غیب کا اظہار فرماتا ہے حتیٰ کہ اولیاء کرام' خواب کی تعبیر بتانے والوں' جادوگروں' کاہنوں اور نجومیوں پر بھی غیب کا اظہار فرماتا ہے تو پھر اس آیت میں حصر کے ساتھ صرف رسولوں پر اظہارِ غیب کا کیوں ذکر فرمایا ہے' جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے سوا اور کسی پر غیب کا اظہار نہیں فرماتا اور اسی وجہ سے علامہ زمخشری اور دیگر معتزلہ نے اولیاء اللہ کی کرامات کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کو غیب کا علم نہیں ہوتا اور نہ وہ غیب کی خبر دے سکتے ہیں۔

مصنف کے نزدیک اس آیت کی تقریر اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں پر بلا واسطہ اپنے غیب کا اظہار فرماتا ہے اور رسولوں کے سوا اور کسی پر بلا واسطہ غیب کا اظہار نہیں فرماتا اور اس آیت میں اسی اعتبار سے حصر ہے' اور اولیاء کرام پر رسولوں کے یا فرشتوں کے واسطے سے غیب کا اظہار فرماتا ہے۔

الجن: ۲۶ میں ''عالم الغیب'' اور ''علٰی غیبه'' سے مراد ہر غیب ہے نہ کہ وقت وقوعِ قیامت

امام رازی کی تفسیر میں ایک مناقشہ یہ ہے کہ امام رازی نے ''لا یظھر علٰی غیبه'' میں غیب سے مراد ایک معین غیب مراد لیا ہے یعنی وقت وقوعِ قیامت' جب کہ عالم الغیب میں لام استغراق کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر غیب کا جاننے والا ہے۔

اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے' سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرما لیا ہے جو

اس کے سب رسول ہیں۔

امام رازی نے یہ کہا ہے کہ''علٰی غیبہ''میں لفظ مفرد مضاف ہے اور اس کے عمل کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کو ایک غیب پر محمول کیا جائے اور وہ وقت وقوع قیامت ہے اور رہا عموم تو اس پر اس لفظ کی کوئی دلالت نہیں ہے۔(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸)

امام رازی کا یہ قول قواعد کے خلاف ہے کیونکہ کلام عرب کے استقراء اور تتبع سے یہ قاعدہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب مصدر یا اسم جنس مضاف ہو تو وہ اضافت استغراق کے لیے ہوتی ہے اور جو غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے' وہ صرف وقت وقوع قیامت کا علم نہیں ہے بلکہ وہ ہر غیب کا علم ہے۔

شیخ رضی الدین محمد بن الحسن الاسترابازی متوفی ۶۸۶ ھ لکھتے ہیں:

فینظر فی ذالک الاسم فان لم یکن معه قرینة لا حالیة و لا مقالیة دالة انه بعض مجهول من کل و لا دالة علٰی انه بعض معین فهی اللام التی جیء بها للتعریف اللفظی و الاسم المحلی بها لاستغراق الجنس فعلی هذا قوله صلی الله علیه وسلم الماء طاهر ای کل الماء طاهر.

پس اس اسم کو دیکھا جائے گا اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا لفظی یا معنوی قرینہ نہ ہو کہ اس سے بعض معین یا غیر معین فرد مراد ہے تو اس اسم پر جو لام ہوگا وہ معرفہ بنانے کے لیے ہوگا اور اس کا مدخول استغراق جنس کے لیے ہوگا' اس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد''الماء طاهر''کا معنی ہے: ہر پانی طاہر ہے۔

(شرح کافیہ ابن الحاجب ج ۳ ص ۳۱۹ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ ھ)

نیز ہم بتا چکے ہیں کہ عالم الغیب میں لام استغراق کا ہے' یعنی ہر غیب کا جاننے والا''الغیب''معرفہ ہے' اس کے بعد ''علٰی غیبہ''کا ذکر ہے اور یہ بھی معرفہ ہے اور جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اوّل کا عین ہوتا ہے اور جب''الغیب''سے مراد ہر غیب ہے تو ضروری ہوا کہ''غیبہ''سے بھی مراد ہر غیب ہو' اس لیے اس غیب سے ایک غیب مراد لینا اور اس کو وقت وقوع قیامت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے' اس لیے اس آیت کا صحیح معنی یہی ہے: وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا' ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے سب رسول ہیں۔(چونکہ رسول غیر متناہی علوم کے متحمل نہیں ہو سکتے' اس لیے یہاں مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے بعض غیوب ہیں۔)

اس قول کا باطل ہونا کہ اللہ تعالیٰ کاہنوں کو بھی غیب کی خبر دیتا ہے

امام رازی کی اس تفسیر میں دوسرا مناقشہ یہ ہے کہ امام رازی نے کہا ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے سوا اور کسی کو غیب کی خبر نہیں دیتا' کیونکہ کبھی کاہن بھی غیب کی خبر دیتے ہیں' پس ثابت ہوا کہ غیر رسول بھی بعض غیوب پر مطلع ہو جاتے ہیں۔(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۹)

یہ قول اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنات چوری چھپے آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں سن لیتے تھے اور آ کر کاہنوں کو بتا دیتے تھے اور کاہن ایک بات کے ساتھ کئی جھوٹی باتیں ملا کر لوگوں کو بتا دیتے تھے لیکن ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جنات کو آسمانوں پر جانے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا' لہٰذا اب کاہن کسی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا' آپ نے فرمایا: وہ کوئی چیز نہیں ہیں' لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! کبھی کبھی وہ ہم کو کسی چیز کی خبر دیتے ہیں اور وہ سچ نکلتی ہے' تب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حق بات فرشتوں سے چوری چھپے سن کر لاتا ہے' پھر اپنے ولی کے کان میں ڈال دیتا ہے اور اس میں سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۲۸)

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

امام رازی نے کہا ہے کہ کاہنوں کے متعلق ایک قوم کا گمان ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں کوئی چیز ڈالی جاتی ہے اور وہ اس وجہ سے غیب کو جان لیتے ہیں اور جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرے شریعت نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے اور اس کی تصدیق کرنے سے منع کیا ہے۔

قاضی مازری نے کہا ہے کہ کہانت کی حسب ذیل اقسام ہیں:

(۱) کسی انسان کا جن دوست ہو' وہ آسمانوں پر جا کر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سنے' پھر جا کر اس انسان کو اس کی خبر دے اور جب سے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں' یہ قسم باطل ہو گئی' جیسا کہ سورۃ الجن کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے۔

(۲) کاہن زمین کی اطراف میں گھوم پھر کر خبر دے' لیکن وہ اس سلسلہ میں سچ بھی بولتا ہے اور جھوٹ بھی اور ہم کو ان کی خبروں کے سننے اور ان کی تصدیق کرنے سے کلیۃً منع کیا گیا ہے۔

(۳) بعض لوگوں میں ایسی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ قیاس اور اندازے سے غیب کی بات معلوم کر لیتے ہیں' لیکن اس میں جھوٹی خبروں کا غلبہ ہوتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۱۵۳' دارالوفاء' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس قول کا باطل ہونا کہ اللہ تعالیٰ خواب کی تعبیر بتانے والوں کو بھی غیب کی خبر دیتا ہے

نیز امام رازی نے کہا: تمام اہل مذاہب اور ادیان اس پر متفق ہیں کہ خواب کی تعبیر کا علم صحیح ہے اور اس سے بھی مستقبل کے واقعات کا علم ہو جاتا ہے' اس سے بھی معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر بتانے والے بھی غیب پر مطلع ہو جاتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۹)

غیر مسلم جو خواب کی تعبیر بتاتے ہیں' اس کے صحیح اور صادق ہونے کی کوئی ضمانت نہیں ہے' البتہ مسلمان کی بتائی ہوئی تعبیر صحیح ہو سکتی ہے' حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہو گا تو مسلمان کا خواب کم جھوٹا ہو گا' تم میں سے جو آدمی جتنا سچ بولتا ہو گا اس کا خواب اتنا سچا ہو گا' اور مسلمان کا خواب نبوت کے پینتالیس (۴۵) حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور خواب کی تین قسمیں ہیں: نیک خواب اللہ کی طرف سے بشارت ہے اور ڈرانے والا خواب شیطان کی طرف سے ہے اور بعض خواب انسان کے دل میں آنے والی باتوں کے موافق ہوتے ہیں' اگر تم میں سے کوئی شخص ڈراؤنا خواب دیکھے تو کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور لوگوں کو نہ بتائے' آپ نے فرمایا: میں پاؤں میں بیڑیوں کو پسند کرتا ہوں اور طوق کو ناپسند کرتا ہوں' پاؤں میں بیڑیوں سے مراد دین میں ثابت قدم رہنا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۱۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۰ ملخصاً)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ خواب میں قمیص دیکھنے کی تعبیر دین ہے' انسان جتنی لمبی قمیص پہنے ہوئے دیکھے گا' اس میں اتنی زیادہ دین داری ہو گی اور جتنی چھوٹی قمیص ہو گی' اس میں اتنی کم دین داری ہو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۵' مسند احمد ج ۳ ص ۸۵)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا' میں نے اس کو پیا' حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ میرے ناخنوں سے دودھ کی سیرابی نکل رہی تھی' پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب کو دے دیا' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر لی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''العلم''۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۹۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۴)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ خواب میں جس واقعہ کی پیشگی خبر دی جاتی ہے' اس کی صراحۃً خبر نہیں دی جاتی بلکہ اشارہ اور کنایہ سے بتایا جاتا ہے' جیسے بیڑیوں سے مراد دین میں ثابت قدمی اور طوق سے مراد دوزخی ہونا' اور قمیص پہنے ہوئے دیکھنے سے مراد دین داری اور دودھ پینے سے مراد علم کا حصول ہے اور کسی کو سفید لباس میں دیکھنا اس کا جنتی ہونا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے متعلق سوال کیا گیا' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ آپ کا دوست تھا اور آپ کی نبوت کے ظہور سے پہلے فوت ہو گیا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے وہ خواب میں دکھایا گیا اور اس پر سفید لباس تھا' اگر وہ دوزخی ہوتا تو اس پر کسی اور رنگ کا لباس ہوتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۸۸' مسند احمد ج ۶ ص ۶۵)

اسی طرح قرآن مجید میں ایک خواب کا ذکر ہے' قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا:

اے یوسف! اے صدیق! آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتایئے کہ سات فربہ گائیں ہیں' جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں' اور سات سبز خوشے ہیں اور دوسرے سات خشک خوشے ہیں' (آپ اس کی تعبیر بتائیں) تاکہ میں واپس جا کر لوگوں کو بتاؤں' شاید وہ لوگ جان لیں ○ یوسف نے کہا: تم سات سال تک لگاتار غلہ بوتے رہو اور جو فصل کاٹو اسے خوشوں میں ہی رہنے دینا' ماسوا اپنے کھانے کے لیے تھوڑی سی مقدار کے ○ اس کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے' وہ اس غلہ کو کھا جائیں گے جس کا تم نے پہلے ذخیرہ کیا تھا ماسوا اس کم مقدار کے جس کی تم نے حفاظت کی تھی ○ اس کے بعد اگلے سال لوگوں پر خوب بارش برسائی جائے گی اور اس میں لوگ انگور کا شیرہ خوب نچوڑیں گے ○ (یوسف: ۴۹۔۴۶)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں خواب کی تعبیروں کا جو ذکر کیا گیا ہے' ان سے یہ واضح ہو گیا کہ خواب کی تعبیر میں صاف اور واضح اور صریح بیان نہیں ہوتا' بلکہ اس میں تلمیحات اور استعارات اور اشارے اور کنایے ہوتے ہیں اور ان کی وہی تعبیر صحیح اور یقینی ہوتی ہے' جو قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے مؤید ہو' اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کو جو وحی کے ذریعہ غیب کی خبر دیتا ہے وہ بالکل صاف' صریح اور یقینی ہوتی ہے' اس میں کسی قسم کا ابہام اور شک نہیں ہوتا' لہٰذا امام رازی کا نبیوں میں علم غیب کے حصر پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس قول کا باطل ہونا کہ اللہ تعالیٰ جادوگروں کو بھی غیب کی خبر دیتا ہے

اس بحث میں امام رازی نے یہ بھی کہا ہے کہ الہامات اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ جادوگروں کی طرف بھی الہامات ہوتے ہیں' امام رازی کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔ جادوگروں سے آج تک یہ ثابت نہیں ہوا کہ انہوں نے غیب کی کوئی خبر دی ہو' جادوگر شیطانی کلمات کے اثر سے نظر بندی کرتے ہیں' شعبدہ بازی سے چیزوں کو کچھ کا کچھ کر کے دکھا دیتے ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ حقائق کو تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں' یعنی مٹی کو سونا بنا سکتے ہیں یا مرد کو عورت بنا سکتے ہیں یا نہیں' لیکن یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ جادوگروں نے غیب کی کوئی خبر دی ہو اور بالفرض اگر انہوں نے شیطانی عمل سے کبھی مستقبل کی کسی بات کو بتایا بھی ہو تو اس کو الہام کہنا صحیح نہیں ہے' اصطلاح میں الہام افاضہ خیر کو کہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ

اولیاء اللہ اور نیک مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے اس کو زیادہ سے زیادہ استدراج کہا جا سکتا ہے اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جادوگر بھی غیب کی خبر دیتے ہیں اس لیے غیب کی خبر دینا رسولوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اس قول کا باطل ہونا کہ اللہ تعالیٰ نجومیوں کو بھی غیب کی خبر دیتا ہے

نیز امام رازی نے لکھا ہے: اسی طرح نجومیوں کی دی ہوئی اکثر خبریں جھوٹی بھی ہوتی ہیں لیکن ان کی بعض خبریں سچی بھی ہوتی ہیں یہ تمام اُمور مشاہدہ سے ثابت ہیں اور یہ کہنا کہ قرآن اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے ایسی بات ہے جو قرآن مجید میں طعن کا دروازہ کھولتی ہے اور یہ بالکل باطل ہے پس اس آیت کی تاویل صحیح وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ قطعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے سوا کسی کو غیب پر مطلع نہیں کرتا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۹)

میں کہتا ہوں کہ امام رازی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ قطعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف رسولوں کو بلا واسطہ غیب کی وحی کرتا ہے اور ان کی دی ہوئی خبر قطعی ہوتی ہے جس کا انکار کفر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کو رسولوں کے یا فرشتوں کے واسطے سے غیب کی خبر کا الہام کرتا ہے اور اس الہام کے ذریعہ ان کی دی ہوئی خبر ظنی اور غیر یقینی ہوتی ہے اور رسولوں اور اولیاء اللہ کے سوا اللہ تعالیٰ کسی کو غیب نہیں دیتا' نہ کاہنوں کو نہ خواب کی تعبیر بتانے والوں کو اور نہ نجومیوں کو اور یہی قطعی بات ہے۔

چونکہ امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نجومیوں کو بھی غیب کی خبر دیتا ہے اس لیے اب ہم نجومیوں کی تعریف' ان کی خبر دینے کے ذرائع' ان کے متعلق احادیث' نجومیوں اور ان سے سوال کرنے والوں کا شرعی حکم بیان کر رہے ہیں۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

وہ تخمین اور اندازوں سے اور انکل پچو سے غیب کی خبریں بتاتے ہیں' اللہ تعالیٰ بعض لوگوں میں ایسی قوت دراکہ رکھتا ہے' جس سے وہ مستقبل کے اُمور کے متعلق قیاس اور اندازے سے باتیں بتاتے ہیں' جو کبھی اتفاقاً سچ نکلتی ہیں اور اکثر جھوٹ ہوتی ہیں۔

کاہن کی ایک قسم عراف ہے' یہ وہ شخص ہے جو علامات' اسباب اور مقدمات سے ان کے نتائج اور مسببات پر استدلال کر کے آئندہ کی باتیں بتاتا ہے اور اُمور مستقبلہ کی معرفت کا دعویٰ کرتا ہے' یہ لوگ ستاروں اور دیگر اسباب سے استفادہ کرتے ہیں' علامہ ہروی نے کہا: عراف نجومی کو کہتے ہیں جو غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہے' حالانکہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

نافع بعض ازواجِ مطہرات سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کسی عراف کے پاس جا کر اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کرے' اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۰)

علم نجوم کا اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم

علامہ مصطفیٰ آفندی بن عبد اللہ آفندی قسطنطنی المتوفی ۱۰۶۷ ھ لکھتے ہیں:

یہ ان قواعد کا علم ہے جس سے تشکلات فلکیہ یعنی افلاک اور کواکب کی اوضاع مخصوصہ مثلاً مقارنت اور مقابلت وغیرہ سے دنیا کے حوادث' ان کے مرنے اور جینے' بننے اور بگڑنے اور دیگر احوال کی معرفت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ستاروں پر ایمان لایا وہ کافر ہو گیا' لیکن اس کا محمل یہ ہے کہ جب نجومی کا اعتقاد یہ ہو کہ ستارے عالم کی تدبیر میں مستقل ہیں۔

علم نجوم کی توجیہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہو کہ بعض حوادث بعض دوسرے حوادث کا سبب ہوں' لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ سیارے نحوست (اور اسی طرح سعادت) کے لیے عادۃً اسباب اور علت

ہیں، نہ اس پر کوئی حسی دلیل ہے نہ سمعی اور نہ عقلی، حسی دلیل کا نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے اور عقلی دلیل اس لیے نہیں ہے کہ سیاروں کے متعلق ان کے اقوال متضاد ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ عناصر سے مرکب نہیں ہیں بلکہ ان کی طبیعت خاصہ ہے، پھر کہتے ہیں کہ زحل سرد خشک ہے اور مشتری گرم تر ہے، اس طرح انہوں نے عناصر کے خواص کو کواکب کے لیے ثابت کیا۔ اور شرعاً اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ستاروں کے کاہن کے پاس گیا یا عراف کے پاس گیا یا منجم کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

دیگر احادیث اس طرح ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص عراف یا ساحر یا کاہن کے پاس گیا، اس سے سوال کیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۴۰۸، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۱۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کاہن یا عراف کے پاس گیا اور اس کے قول کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا کفر کیا جو (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۵۳۲، عالم الکتب)

خصوصیت کے ساتھ نجومیوں کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ستاروں کے علم سے اقتباس کیا اس نے جادو سے اقتباس کیا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۲۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۰۰، دار الفکر)

''کشاف اصطلاحات الفنون'' میں مذکور ہے کہ اس علم کا موضوع ستارے ہیں، اس حیثیت سے کہ ستاروں سے اس جہان کے احوال اور مسائل معلوم ہوں، جیسے ان کا یہ قول ہے کہ جب سورج اس مخصوص جگہ پر ہو تو وہ اس جہان میں فلاں چیز کے پیدا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اصحاب علم نجوم کا یہ زعم ہے کہ وہ سیاروں کی قوتوں کی معرفت سے اس جہان کی چیزوں کو پیدا ہونے سے پہلے جان لیتے ہیں۔

علم نجوم کے بطلان پر یہ دلیل کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خود کسی ترکیب، کسی صنعت اور کسی طریقہ سے غیب کا علم حاصل کیا نہ امت کو اس کی تعلیم دی، انبیاء علیہم السلام کو صرف وحی سے اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے علم غیب حاصل ہوتا تھا۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۳۱۔ ۱۹۳۰، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، تہران، ۱۳۷۸ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

علم نجوم کے احکام کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسباب سے حوادث پر استدلال کرتے ہیں لیکن شریعت میں یہ علم مذموم ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میرے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو بحث نہ کرو، اور جب ستاروں کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو اور جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو رک جاؤ۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۴۲۷، یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۴۴۸، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۰۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۲۳۔ ۲۰۲)

امام غزالی فرماتے ہیں: نجوم کے احکام محض ظن، تخمین اور اندازوں پر مبنی ہیں، اور ان کے متعلق کوئی شخص یقین یا ظن غالب

سے کوئی حکم نہیں لگا سکتا' لہٰذا اس پر حکم لگانا جہل پر حکم لگانا ہے' سو نجوم کے احکام اس لیے مذموم ہیں کہ یہ جہل ہیں نہ اس حیثیت سے کہ یہ علم ہیں' یہ علم حضرت ادریس علیہ السلام کا معجزہ تھا (دراصل وہ علم رمل تھا یعنی لکیروں سے زائچہ بنانے کا علم' وہ نجوم کا علم نہیں تھا) اب یہ علم مٹ چکا ہے' اور کبھی کبھار نجومی کی جو بات سچ نکلتی ہے وہ بہت نادر ہے اور محض اتفاق ہے' کیونکہ وہ کبھی بعض اسباب پر مطلع ہو جاتا ہے اور ان اسباب کے بعد مسبب اسی وقت حاصل ہوتا ہے' جب بہت ساری شروط پائی جائیں' جن کے حقائق پر مطلع ہونا بشر کی قدرت میں نہیں ہے' جیسے انسان کبھی بادل دیکھ کر بارش کا گمان کرتا ہے' حالانکہ بارش کے اور بھی اسباب ہوتے ہیں' جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا' اور جس طرح ہواؤں کا رخ دیکھ کر ملاح کشتی کو سلامتی سے لے جانے کا گمان کرتا ہے حالانکہ سلامتی کے اور بھی اسباب ہیں' جن پر وہ مطلع نہیں ہوتا اور اس کا اندازہ کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔

(احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۳۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ قرطبی مالکی سے

علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے: جب اللہ سبحانہ نے علم غیب سے اپنی مدح فرمائی اور اس کو اپنے ساتھ خاص فرما لیا اور مخلوق سے اس کی نفی فرما دی تو اس میں یہ دلیل تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے چنے ہوئے رسولوں کا نفی کے اس عموم سے استثناء فرمایا اور وحی کے ذریعہ جتنا چاہا ان کو علم غیب عطا فرمایا اور اس کو ان کا معجزہ قرار دیا' اور ان کی نبوت کے صدق کی دلیل بنایا' اور نجومی اور کاہن وغیرہ جو مختلف حیلوں سے غیب کی خبریں بتاتے ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے رسول نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے غیب پر مطلع فرمائے' بلکہ کاہن اور نجومی اللہ کا کفر کرتا ہے اور اپنے حیلوں اور اٹکل پچو سے جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اللہ سبحانہ پر افتراء ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! تم اپنے آپ کو علم نجوم سیکھنے سے بچاؤ' ستارے تو صرف اس لیے ہیں کہ جنگلوں اور سمندروں میں سفر کے وقت اندھیروں میں ان سے رہ نمائی حاصل کرو' نجومی تو جادوگر کی طرح ہیں اور جادوگر کافر کی طرح ہیں اور کافر دوزخ میں ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۷۔۲۶ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ بیضاوی شافعی سے

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جس غیب کا علم اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہے' اس پر اللہ تعالیٰ کسی کو مطلع نہیں فرماتا ماسوا اپنے رسول کے تاکہ غیب کی خبر دینا اس کی نبوت کا معجزہ ہو جائے' اس آیت سے اولیاء اللہ کی کرامات کے بطلان پر استدلال کیا گیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول کو غیب پر بلاواسطہ مطلع فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کی جو کرامات ہوتی ہیں' ان کو فرشتوں کی وساطت سے غیب پر مطلع کیا جاتا ہے' جیسے ہمیں آخرت کے احوال پر انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے مطلع کیا جاتا ہے۔

(تفسیر البیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۳۰۲۔۳۰۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ رومی حنفی سے

علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی متوفی ۸۸۰ھ قاضی بیضاوی کی عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر انبیاء علیہم السلام کو بھی مطلع فرماتا ہے اور اولیاء کرام کو بھی مطلع فرماتا ہے اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اولیاء کو جو غیب کی اطلاع ہوتی ہے وہ ضعیف ہوتی ہے اور اس میں خفاء ہوتا ہے' اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی اطلاع دی جاتی ہے وہ اولیاء اللہ کی اطلاع سے بہت قوی اور مستحکم ہوتی ہے اور اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب

کا کامل اظہار اور کشف جلی صرف اپنے چنے ہوئے رسولوں پر کرتا ہے' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو غیب پر مطلع کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی طرف وحی فرماتا ہے یا اس کے پاس فرشتہ بھیجتا ہے اور حفاظت کرنے والے فرشتوں سے اس وحی کی حفاظت فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کی کرامات اشاروں اور کنایوں پر مشتمل ہوتی ہیں' جیسے ان کی دعاؤں کو قبول فرمانا اور ان کی فراست کا صادق ہونا' کیونکہ اولیاء اللہ کا کشف غیر تام ہوتا ہے اور واضح نہیں ہوتا' امام ابواسحاق نے کہا: اولیاء اللہ کی کرامات ایسی ہوتی ہیں جیسے دعاؤں کا قبول ہونا اور ان کی کرامات معجزات کی مثل نہیں ہوتیں اور امام ابوبکر نے کہا: معجزات اور کرامات میں فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ معجزات کو ظاہر کریں' اولیاء اللہ پر واجب ہے کہ وہ اپنی کرامات کو چھپائیں اور ظاہر نہ کریں اور نبی اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے اپنے معجزہ کا دعویٰ کرتا ہے اور ولی کسی قسم کا دعویٰ نہیں کرتا۔ الزجاج' واحدی اور صاحب المطالع نے کہا: جو شخص علم نجوم کی بناء پر کسی کی موت یا حیات کی خبر دے' یہ آیت اس کی تکفیر کرتی ہے کیونکہ وہ شخص قرآن مجید کا کفر کرتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ. (حاشیہ ابن التجید علی البیضاوی مع حاشیۃ القونوی ج ۱۹ ص ۳۶۷)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ قونوی حنفی سے

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد القونوی الحنفی المتوفی ۱۱۹۵ھ بیضاوی کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل کے ساتھ جو علم غیب مخصوص ہے' اس سے مراد علم بالذات ہے جو علم یقینی کامل ہے اور کسی سبب کے بغیر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے کے سبب سے ہے' خواہ یہ اطلاع وحی سے دی جائے یا الہام سے یا اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں علم بدیہی پیدا کر دے اور نجومیوں کا علم قواعد کے سبب سے ہے اور کاہنوں کا علم جنات کے خبر دینے کے سبب سے ہے کیونکہ جنات چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سن کر اس کی خبر کاہنوں کو دیتے تھے' پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم غیب کے مخصوص ہونے میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا غیب بلا سبب اور بالذات ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب اللہ تعالیٰ کی عطا سے اور وحی یا الہام کے سبب سے ہے۔

(حاشیۃ القونوی ج ۱۹ ص ۳۶۵)

نیز علامہ قونوی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ بلاواسطہ علم غیب عطا فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کو فرشتوں کے واسطہ سے علم غیب عطا فرماتا ہے۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۹ ص ۳۶۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ ابوالحیان اندلسی سے

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ نے امام رازی کی تفسیر کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔

(البحر المحیط ج ۱۰ ص ۳۰۵' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر حافظ ابن کثیر سے

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ غیب اور شہادت کا عالم ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی شخص بھی اس کے علم پر مطلع نہیں ہوتا ماسوا اس کے جس کو وہ خود اپنے کسی علم پر مطلع فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۷۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ اسماعیل حقی سے

علامہ اسماعیل حقی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے کاہنوں اور نجومیوں کی دی ہوئی خبریں خارج ہو گئیں' کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی طرح اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے اور پسندیدہ بندے نہیں ہیں اور ان کی دی ہوئی خبریں الہام اور کشف کے طریقوں سے نہیں ہوتیں' بلکہ وہ علامات اور اندازوں سے خبر دیتے ہیں' اس لیے ان کی اکثر خبریں جھوٹی ہوتی ہیں اور جس شخص نے یہ کہا: میں جنات کی دی ہوئی غیب کی خبروں سے خبر دیتا ہوں وہ کافر ہو جائے گا' کیونکہ انسانوں کی طرح جنات بھی غیب کو نہیں جانتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اب کاہنوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی کہانت نہیں ہے کیونکہ اب جنات کو آسمانوں کے اوپر جانے سے روک دیا گیا ہے۔ ابن الشیخ نے کہا: جو علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس پر کوئی مطلع نہیں ہوتا' ماسوا اللہ کے چنے ہوئے اور پسندیدہ بندوں کے' جو اللہ کے رسول ہیں اور جو علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے' اس پر غیر رسول بھی مطلع ہوتا ہے' یا تو انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے یا دلائل مقررہ سے یا ترتیب مقدمات سے یا اللہ تعالیٰ بعض اولیاء پر بعض غیوب کا الہام فرما دیتا ہے یا فرشتہ کے واسطے سے' پس اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کے سوا کسی کو کسی غیب پر مطلع نہیں فرماتا' کیونکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ چنے ہوئے رسولوں کے علاوہ دوسروں کو بھی کچھ نہ کچھ غیب پر مطلع فرماتا ہے' جیسا کہ مشہور ہے کہ فرعون کے کاہنوں نے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی خبر دی تھی اور یہ خبر دی تھی کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھوں فرعون کی حکومت زائل ہو جائے گی اور بعض کاہنوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے آپ کے ظہور کی خبر دی تھی' اور وہ غیب کی اس خبر دینے میں صادق تھے اور تمام مذاہب اور ادیان والے اس پر متفق ہیں کہ خواب کی تعبیر کا علم صحیح ہوتا ہے اور خواب میں مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی خبر دی جاتی ہے اور وہ تعبیر بھی صادق ہوتی ہے' پھر یہ آیت درج ذیل آیت کی نظیر ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ (آل عمران:۱۷۹)

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تم (عام) لوگوں کو غیب پر مطلع فرمائے لیکن اللہ جن کو چاہے غیب پر اطلاع کے لیے پسند فرما لیتا ہے اور وہ اللہ کے سب رسول ہیں۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۲۳۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

بعثتِ نبوی کے بعد کاہنوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور خواب کی تعبیر اشارات سے معلوم ہوتی ہے' وہ غیب کی خبر نہیں ہوتی۔

الجن: ۲۶ کی تفسیر غیر مقلد عالم شیخ شوکانی سے

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے رسولوں کو جس قدر غیب پر چاہتا ہے مطلع فرماتا ہے' پس کیا رسول کے لیے یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس قدر غیب پر مطلع فرمایا ہے' اس میں سے وہ اپنی امت کے بعض افراد کو مطلع فرما دے؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں! یہ ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی مانع نہیں ہے اور جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی معرفت ہے ان سے یہ امر مخفی نہیں ہے' اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں کھڑے ہو کر قیامت تک ہونے والے تمام اُمور بیان فرما رہے تھے اور آئندہ ہونے والے فتنوں میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑا' جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲) اسی طرح حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مستقبل میں برپا ہونے والے فتنوں کی خبر دیتے تھے' جن کی انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۱) حتیٰ کہ اکابر صحابہ حضرت حذیفہ سے ان فتنوں کے متعلق سوال کرتے تھے اور اس طرح

کی بہت زیادہ احادیث ہیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے گی اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے بعض صالحین کو غیب کی ان خبروں کے ساتھ خاص کر لیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہیں اور وہ صالحین اپنے بعد کے لوگوں کو ان غیب کی خبروں پر مطلع کر دیں اور صالحین کی کرامات اسی طور سے ہیں اور یہ سب فیض ربانی ہے جو حضرت رسالت کے واسطہ سے حاصل ہوا ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۳۱۴۔۳۱۳ دار الوفاء ۱۴۱۸ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر علامہ آلوسی حنفی سے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

صرف اللہ سبحانہ ہر غیب کا عالم ہے اور وہ اپنے اس مخصوص غیب کی کامل اطلاع اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیتا' تاکہ وہ اس غیب کے علم کے ساتھ منفرد رہے اور کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ مخلوق کا کوئی فرد خالق کے علم کے مساوی ہے' البتہ اللہ سبحانہ اپنی حکمت سے جس کو چاہتا ہے اس غیب میں سے جس قدر چاہتا ہے علم عطا فرماتا ہے۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے رسول کے اوپر بعض ان غیوب کو ظاہر فرماتا ہے' جن کا تعلق اس کی رسالت سے ہوتا ہے تاکہ یہ غیب کی خبریں اس کی رسالت کا معجزہ ہو جائیں یا اس غیب کا تعلق احکام شرعیہ اور ان کی جزاء سے متعلق ہوتا ہے اور اسی طرح کے اور دوسرے غیوب جن کا تعلق وظائف رسالت سے ہوتا ہے' اور جب اللہ جل وعلا رسول کی طرف اس غیب کی وحی فرماتا ہے تو اس وحی کی تمام جوانب سے حفاظت فرماتا ہے تاکہ جنات اور شیاطین اس کے درپے نہ ہو سکیں۔

اس کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

صوفیہ میں سے شیخ محی الدین قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ ولی پر بھی فرشتہ نازل ہوتا ہے اور اس کو کبھی کبھی بعض مغیبات کی خبریں دیتا ہے اور انہوں نے اس موقف پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (حٰم السجدہ: ۳۰)	بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر جمے رہے ان کے اوپر فرشتے یہ کہتے ہوئے نازل ہوتے ہیں: تم نہ خوف کرو نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ○

البتہ یہ ضرور ہے کہ فرشتوں کی اس وحی سے ان کو ظن حاصل ہوتا ہے اور اس طرح کا علم حاصل نہیں ہوتا جس طرح فرشتوں کی وحی سے رسول کو علم حاصل ہوتا ہے اور کبھی ان کو الہام کیا جاتا ہے اور کبھی ان کے دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۶۹۔۱۶۵ ملتقطاً و ملخصاً' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

الجن: ۲۶ کی تفسیر سید مودودی سے

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی غیب کا پورا علم اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے اور یہ مکمل علم غیب وہ کسی کو بھی نہیں دیتا۔

یعنی رسول بجائے خود عالم الغیب نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ جب اس کو رسالت کا فریضہ انجام دینے کے لیے منتخب فرماتا ہے تو غیب کے حقائق میں سے جن چیزوں کا علم وہ چاہتا ہے اسے عطا فرما دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ سے غیب کے حقائق کا علم رسول کے پاس بھیجتا ہے تو اس کی نگہبانی کے لیے ہر طرف فرشتے مقرر فرما دیتا ہے تا کہ وہ علم نہایت محفوظ طریقہ سے رسول تک پہنچ جائے اور اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۲۱ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ستمبر ۱۹۹۰ء)

الجن: ۲۶ کی تفسیر مفتی محمد شفیع دیوبندی سے

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی قیامت کے وقتِ معین سے میری بے خبری اس لیے ہے کہ میں عالم الغیب نہیں بلکہ عالم الغیب ہونا صرف اللہ رب العالمین کی خصوصی صفت ہے اس لیے وہ اپنے غیب پر کسی کو بھی غالب و قادر نہیں بناتا۔ یہاں ''عالم الغیب'' میں ''الغیب'' کا الف لام استغراقِ جنس کے لیے ہے (کما فی الروح عن الرضی) یعنی عالم ہر فردِ غیب اور جنسِ غیب کا اور ''علی غیبہ'' میں غیب کی اضافت اللہ کی طرف کرنے سے بھی اسی استغراق اور جامعیت کا اظہار مقصود ہے یعنی ہر فرد و جنسِ غیب کا علم جو اللہ رب العالمین کا مخصوص وصف ہے اُس پر وہ کسی کو قادر و غالب نہیں کرتا کہ کوئی جس غیب کو چاہے معلوم کر لے۔

مقصود اس کلام سے علمِ غیب کلی کا جس سے جہان کا کوئی ذرہ مخفی نہ ہو اُس کی غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات ہے لیکن کسی بے وقوف کو اس سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی غیب کی چیز کی خبر نہیں تو پھر وہ رسول کیا ہوئے کیونکہ رسول کے پاس تو اللہ تعالیٰ ہزاروں غیب کی خبریں بذریعہ وحی بھیجتے ہیں اور جس کے پاس اللہ کی وحی نہ آئے وہ نبی و رسول نہیں کہلا سکتا۔ اس لیے آگے آیت میں ایک استثناء کا ذکر فرمایا۔

علمِ غیب اور غیبی خبروں میں فرق

''اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا'' (الجن: ۲۷)۔

حاصل استثناء کا اُس سفیہانہ شبہ کا یہ جواب ہے کہ علم غیب کلی کی نفی سے ہر غیب کی نفی مطلقاً مراد نہیں بلکہ منصب رسالت کے لیے جس قدر علم غیب کی خبروں اور غیب کی چیزوں کا علم کسی رسول کو دینا ضروری ہے وہ اُن کو منجانب اللہ بذریعہ وحی دے دیا جاتا ہے اور وہ ایسے محفوظ طریقے سے دیا جاتا ہے کہ جب ان پر اللہ کی طرف سے کوئی وحی نازل ہوتی ہے تو اُس کے ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تا کہ شیاطین اُس میں کوئی مداخلت نہ کر سکیں۔ اس میں اوّل تو لفظِ رسول سے اُس غیب کی نوعیت متعین کر دی گئی جس کا علم رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اور وہ ظاہر ہے علمِ شرائع و احکام بتمامہٖ اور غیب کی خبریں بقدرِ ضرورتِ وقت۔ اس کے بعد جو علمِ غیب رسول و نبی کو دیا جاتا ہے اُس کی نوعیت اگلے جملے سے یوں بھی متعین کر دی کہ وہ بذریعہ فرشتوں کے بھیجا جاتا ہے اور وحی لانے والے فرشتے کے گرد دوسرے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس استثناء سے جس علمِ غیب کا نبی و رسول کے لیے اثبات ہے وہ بعض اور مخصوص علمِ غیب ہے جس کی ضرورت منصبِ رسالت کے لیے درپیش ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ استثناء اصطلاحی لفظوں میں استثناء منقطع ہے یعنی جس علمِ غیب کلی کی اصل کلام میں غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی مستثنیٰ میں اُس کا اثبات نہیں بلکہ مخصوص علوم غیبیہ کا اثبات ہے جس کو قرآن کریم میں جابجا ''انباء الغیب'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے ''تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ'' (ھود: ۴۹)۔

بعض ناواقف غیب اور ''انباء الغیب'' میں فرق نہیں سمجھتے اس لیے وہ انبیاء اور خصوصاً خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب کلی ثابت کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل اللہ تعالیٰ کی طرح عالم الغیب ہر ہر ذرۂ کائنات کا علم رکھنے

والا کہنے لگتے ہیں' جو کھلا ہوا شرک اور رسول کو خدائی کا درجہ دینا ہے نعوذ باللہ منہ۔ اگر کوئی شخص اپنا خفیہ راز کسی اپنے دوست کو بتلا دے جو اور کسی کے علم میں نہ ہو تو اس سے دنیا میں کوئی بھی اس دوست کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ہزاروں غیب کی چیزوں کا بذریعہ وحی بتلا دینا اُن کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا' خوب سمجھ لیا جائے۔

جاہل عوام جو ان دونوں باتوں میں فرق نہیں کرتے' جب اُن کے سامنے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں' وہ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ کسی غیب کی چیز کی خبر نہیں' جس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں اور نہ ہو سکتا ہے' کیونکہ ایسا ہونے سے تو خود نبوت و رسالت کی نفی ہو جاتی ہے' جس کا کسی مؤمن سے امکان نہیں۔

آخر سورت میں فرمایا: ''وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا'' (الجن:٢٨) یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات خاص ہے' جس کے علم میں ہر چیز کے اعداد و شمار ہیں۔ اُس کو پہاڑوں کے اندر جتنے ذرّے ہیں اُن کا بھی عدد معلوم ہے' ساری دنیا کے دریاؤں میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار اُس کے علم میں ہے' ہر بارش کے قطروں اور تمام دُنیا کے درختوں کے پتوں کے اعداد و شمار کا اُسی کو علم ہے۔ اس میں پھر علم غیب کُلّی کا ذاتِ حق سبحانہ' وتعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا واضح کر دیا کہ کسی کو مذکورہ استثناء سے غلط فہمی نہ ہو جائے۔

(معارف القرآن ج ٨ ص ٥٨٣۔٥٨١' ادارہ معارف القرآن' کراچی' ١٤١٤ھ)

الجن: ٢٦ کی تفسیر سید نعیم الدین مراد آبادی سے

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ١٣٦٧ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر جس کے ساتھ وہ منفرد ہے' کسی کو مسلط نہیں کرتا یعنی اطلاع کامل نہیں دیتا' جس سے حقائق کا کشف تام اعلیٰ درجہ یقین کے ساتھ حاصل ہو' سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے تو انہیں غیب پر مسلط کرتا ہے اور اطلاع کامل اور کشف تام عطا فرماتا ہے اور یہ علم غیب ان کے لیے معجزہ ہوتا ہے' اولیاء کو بھی اگرچہ غیوب پر اطلاع دی جاتی ہے' مگر انبیاء کا علم بہ اعتبار کشف و انجلاء اولیاء کے علم سے بہت بلند و بالا وارفع و اعلیٰ ہے اور اولیاء کے علوم انبیاء ہی کی وساطت اور ان ہی کے فیض سے ہوتے ہیں۔

معتزلہ ایک گم راہ فرقہ ہے' وہ اولیاء کے لیے علم غیب کا قائل نہیں' اس کا خیال باطل اور احادیثِ کثیرہ کے خلاف ہے اور اس آیت سے ان کا تمسک صحیح نہیں' بیان مذکورہ بالا میں اس کا اشارہ کر دیا گیا ہے' سید الرسل' خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرتضیٰ رسولوں میں سب سے اعلیٰ ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اشیاء کے علوم عطا فرمائے' جیسا کہ صحاح کی معتبر احادیث سے ثابت ہے اور یہ آیت حضور کے اور تمام مرتضیٰ رسولوں کے لیے غیب کا علم ثابت کرتی ہے۔

(خزائن العرفان بر کنز الایمان ص ٩١٧' تاج کمپنی لمیٹڈ' لاہور)

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں بہ کثرت مفسرین کی عبارات پیش کی ہیں' علامہ قرطبی' علامہ رومی' علامہ قونوی اور علامہ اسماعیل حقی کی عبارات اس لیے پیش کیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ نجومیوں' کاہنوں اور جادوگروں کو علم غیب عطا کرنے کے مسئلہ میں امام رازی سے اختلاف کرنے میں ہم منفرد نہیں ہیں' دیگر مفسرین نے بھی ان کے علم غیب کا انکار کیا ہے اور باقی مفسرین کی عبارات اس لیے پیش کی ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب اور آپ کے واسطے سے علم غیب اجماعی عقیدہ ہے' جس کو ہر مکتبہ فکر کے علماء مانتے ہیں۔

امام احمد رضا کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے علم کا فرق

امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ لکھتے ہیں: کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے

غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

(۱) علم کا ذاتی ہونا کہ بذاتِ خود بے عطاء غیر ہے۔

(۲) علم کا غنا کہ کسی آلہ جارحہ و تدبیر فکر و نظر و التفات و انفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

(۳) علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

(۴) علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔

(۵) علم کا ثبات و استمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر' تبدل' فرق اور تفاوت کا امکان نہ ہو۔

(۶) علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات' ذاتیات' اعراض' احوال لازمہ' مفارقہ' ذاتیہ' اضافیہ' ماضیہ آتیہ (مستقبلہ) موجودہ' ممکنہ سے کوئی ذرّہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جلّ وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منفی یعنی کسی کو کسی ذرّہ کا ایسا علم جو ان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں ہے' جو کسی غیر الٰہی کے لیے عقول مفارقہ ہوں' خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کا ایسا علم ثابت کرے یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ (الصمصام ص ۶)

نیز امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اوّلین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علمِ الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے ہے' کیونکہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی کی متناہی سے۔ (الملفوظ ج ا ص ۴۶ 'نوری کتب خانہ' لاہور)

خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے علوم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایسا ہے جیسے قطرہ کے مقابلہ میں سمندر ہو اور اللہ کے علم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وہ نسبت بھی نہیں ہے جو قطرہ اور سمندر میں ہوتی ہے۔ کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور آپ کے علم کی اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف نسبت متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔

امام احمد رضا کے نزدیک عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

علم غیب عطا ہونا اور لفظ ''عالم الغیب'' کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندہ مؤمن کی نسبت صریح لفظ ''یعلم الغیب'' وارد ہے' کمافی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح للملا علی القاری' بلکہ خود حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے: ''کان یعلم علم الغیب'' مگر ہماری تحقیق میں لفظ ''عالم الغیب'' کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہٗ کے ساتھ خاص ہے کہ اوس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔ کشاف میں ہے: ''المراد بہ الخفی الذی لا ینفذ فیہ ابتداء الا علم اللطیف الخبیر ولھذا لا یجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب'' اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب و ما کان و ما یکون کے عالم ہیں' مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا' جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قطعاً عزت و جلالت والے ہیں' تمام عالم میں اون کے برابر کوئی عزیز و جلیل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عزوجل و محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غرض صدق و صورت معنی کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں' نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنی' امام ابن المنیر اسکندری کتاب الانتصاف

میں فرماتے ہیں: ''کم من معتقد لا یطلق القول به خشية ایهام غیره مما لا یجوز اعتقاده فلا ربط بین الاعتقاد والاطلاق '' یہ سب اوس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق اطلاق کیا جائے یا بلاقید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطا کی تصریح کر دی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۸۱، مکتبہ رضویہ کراچی)

علم کلی کی تحقیق

الجن: ۲۶ میں ہم نے علم غیب کے تمام اہم موضوعات پر بحث کی ہے تاہم یہ مبحث ادھورا رہے گا اگر یہ نہ بتایا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم غیب عطا کیا گیا ہے آیا وہ کلی ہے یا نہیں؟ سو ہم کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی علم عطا کیا گیا ہے اور کلی علم کا معنی یہ ہے کہ وہ کل مخلوقات کا علم ہے نہ کہ خالق کا کل علم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس علم کلی کو ماکان و ما یکون کے علم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی بار بار وضاحت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ آپ کو علم کلی دفعۃً دیا گیا یا تدریجاً دیا گیا ہے، بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم کلی دفعۃً عطا کیا گیا ہے اور بعض دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم کلی تدریجاً عطا کیا گیا ہے اور ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ علم کلی آپ کو اجمالاً دفعۃً عطا کیا گیا اور تفصیلاً آپ کو علم کلی تدریجاً عطا کیا گیا، اب ہم پہلے دفعۃً علم کلی عطا کیے جانے کے دلائل پیش کریں گے اور پھر تدریجاً علم کلی عطا کیے جانے کے دلائل پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبه الاستعانة یلیق.

قرآن مجید سے علم کلی دفعۃً عطا کیے جانے کے دلائل

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء: ۱۱۳)

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے ○

اس آیت کی تفسیر میں امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

اولین اور آخرین کی خبروں اور ''ما کان وما یکون'' (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ مستقبل میں ہوگا) میں سے جس کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اس سب کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دے دیا۔ (جامع البیان جز ۵ ص ۳۷۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: آپ کو دنیا اور آخرت کے بیان کا علم دیا اور حلال اور حرام کا علم دیا، تاکہ اس علم سے آپ اللہ کی مخلوق کے سامنے استدلال کریں۔

ضحاک نے کہا: آپ کو خیر اور شر کا علم دیا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۴ ص ۱۰۶۴، رقم الحدیث: ۵۹۵۸۔۵۹۵۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

آپ احکام میں سے جو کچھ نہیں جانتے تھے اور ایک قول ہے: آپ علم غیب سے جو کچھ نہیں جانتے تھے اس کا علم آپ کو دے دیا۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۷۰۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں: اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور ان کے اسرار پر آپ کو مطلع کیا اور ان کے حقائق سے آپ کو آگاہ کیا حالانکہ اس سے پہلے آپ کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہیں تھا' اسی طرح آئندہ بھی آپ کو مطلع فرمائے گا تا کہ منافقین آپ کو پھسلانے پر قادر نہ ہو سکیں۔

(۲) اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو اوّلین کی خبروں سے مطلع کیا تا کہ آپ منافقین کے مکر و فریب سے محفوظ رہیں' اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو علم عطا فرمایا' اس کے متعلق ارشاد کیا: وہ بہت کم ہے" وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا " (بنی اسرائیل: ۸۵) اور صرف آپ کے علم کے متعلق فرمایا: وہ عظیم ہے" وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا " (النساء: ۱۱۳) یہ آپ کے علم کے شرف عظیم پر دلیل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۶۷۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

آپ مخفی چیزوں اور اُمورِ دین اور احکام میں سے جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم دے دیا۔

(تفسیر بیضاوی مع عنایۃ القاضی ج ۳ ص ۳۴۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

تفسیر بیضاوی کی شرح میں علامہ اسماعیل بن محمد قونوی حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:

آپ کو ان مخفی اُمور کا علم دے دیا جو غیب ہیں' جن کا حواس ادراک کر سکتے ہیں نہ بداہت عقل ان کا تقاضا کرتی ہے۔

(حاشیۃ القونوی ج ۷ ص ۲۹۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ علاء الدین علی بن محمد الخازن المتوفی ۷۴۱ھ لکھتے ہیں:

آپ کو احکام شرع اور اُمورِ دین میں سے جن کا علم نہیں تھا' ان کا علم آپ کو دے دیا' ایک قول یہ ہے کہ آپ کو علمِ غیب سے جن چیزوں کا علم نہیں تھا' آپ کو ان کا علم دے دیا' دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کو مخفی چیزوں' دلوں کی باتوں' منافقین کے احوال اور ان کے مکر و فریب کا علم دے دیا۔ (تفسیر الخازن ج ۱ ص ۴۲۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

آپ جن مخفی اُمور اور غیب کو نہیں جانتے تھے ان کا علم آپ کو دے دیا۔

(روح البیان ج ۲ ص ۳۴۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

آپ جن مخفی اُمور' دل کی باتوں' منافقوں کی سازشوں' اُمورِ دین اور احکامِ شرع کو نہیں جانتے تھے' ان سب کا علم آپ کو دے دیا اور آپ کو دین کے اسرار سے مطلع اور حقائقِ شرع سے واقف کر دیا۔ (روح المعانی جز ۴ ص ۲۱۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علم کلی دفعۃً عطا کیے جانے کے متعلق احادیث

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن معاذ بن جبل قال احتبس عنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات غداۃ من صلوۃ الصبح حتی کدنا نترا ای عین الشمس فخرج سریعا فثوب بالصلوۃ فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتجوز فی صلوتہ فلما سلم دعا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں آنے کے لیے دیر کی' حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیتے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کہی گئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھائی' پھر آپ نے سلام پھیر کر بہ آوازِ

بصوته فقال لنا علی مصافکم کما انتم ثم انفتل الینا فقال اما انی ساحدثکم ما حبسنی عنکم الغداة انی قمت من اللیل فتوضات فصلیت ما قدر لی فنعست فی صلوتی فاستثقلت فاذا بربی تبارک و تعالی فی احسن صورة فقال یا محمد قلت رب لبیك قال فیم یختصم الملأ الاعلی قلت لا ادری رب قالها ثلاثا قال فرایته وضع کفه بین کتفی قد وجدت برد انامله بین ثدیی فتجلالی کل شئی و عرفت. الحدیث الی ان قال' قال ابو عیسی هذا حدیث حسن صحیح سالت محمد ابن اسماعیل عن هذا الحدیث فقال هذا صحیح.

بلند ہم سے فرمایا: جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو' پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا: میں اب تم کو یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز میں آنے سے کیوں دیر ہوگئی۔ میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی رکعات نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی' پھر مجھے نماز میں اونگھ آئی' پھر مجھے گہری نیند آ گئی۔ اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا' اس نے فرمایا: اے محمد!' میں نے کہا: اے میرے رب! میں حاضر ہوں' فرمایا: ملأ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: میں نہیں جانتا۔ آپ نے کہا: میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی' پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ (الحدیث)

(سنن ترمذی ص ٤٦٦' رقم الحدیث: ٣٢٣٣' مطبوعہ نور محمد' کراچی)

امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے' میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

شعیب الارنؤوط اور ان کے معاونین نے اس حدیث کی مزید تخریج اس طرح کی ہے:

مسند احمد ج ١ ص ٣٦٨ قدیم' مسند احمد ج ٥ ص ٤٣٨۔ رقم الحدیث: ٣٤٨٤' طبع جدید مؤسسة الرسالة' تفسیر عبد الرزاق ج ٢ ص ١٦٩' العلل المتناہیہ ج ١ ص ٣٤' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ٦٨٢' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ٣٢٠' الشریعة للآجری ص ٤٩٦' السنة لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ٤٦٩' کتاب الاسماء والصفات ص ٣٠٠' مسند البزار رقم الحدیث: ٢١٢٨۔

واضح رہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

نیز امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال اتانی ربی فی احسن صورة فقال یا محمد فقلت لبیك ربی وسعدیك قال فیم یختصم الملأ الاعلی قلت ربی لا ادری فوضع یده بین کتفی حتی وجدت بردها بین ثدیی فعلمت ما بین المشرق و المغرب.

(سنن ترمذی ص ٤٦٦۔ رقم الحدیث: ٣٢٣٤' مطبوعہ نور محمد' کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا' میرے رب نے کہا: اے محمد!' میں نے کہا: حاضر ہوں یا رب!' فرمایا: ملأ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: اے میرے رب! میں نہیں جانتا' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی' پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اتانی ربی عزوجل اللیلة فی احسن صورة احسبه یعنی فی النوم فقال یا محمد تدری فیم یختصم الملأ الاعلی قال قلت لا قال النبی صلی الله علیه وسلم فوضع یده بین کتفی حتی وجدت بردها بین ثدیی او قال نحری فعلمت ما فی السموات والارض. (مسند احمد ج۱ص۳۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات کو نیند میں میرا رب عزوجل حسین صورت میں میرے پاس آیا اور فرمایا: اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ ملأ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ حضرت ابن عباس کہتے ہیں: آپ نے فرمایا: نہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور میں نے ان تمام چیزوں کو جان لیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے ایک اور سند سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں:

فوضع کفیه بین کتفی فوجدت بردها بین ثدیی حتی تجلی لی ما فی السموات وما فی الارض. (مسند احمد ج۴ص۳۶۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو میرے کندھوں کے درمیان رکھا' میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینہ میں محسوس کیا حتیٰ کہ میرے لیے وہ تمام چیزیں منکشف ہوگئیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔

امام ترمذی نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے درمیان محسوس کی۔

فتجلی لی کل شیء وعرفت. الحدیث

پھر میرے لیے ہر چیز منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو پہچان لیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۲۳۵' مسند احمد ج۵ص۲۴۳طبع قدیم' مسند احمد ج۳۶ص۴۲۲۔رقم الحدیث:۲۲۱۰۹' مؤسسة الرسالة' بیروت' تہذیب الکمال ج۱۷ص۲۰۵' صحیح ابن خزیمہ ج۱ص۵۴۲' المعجم الکبیر ج۲۰۔رقم الحدیث:۲۱۶' الکامل لابن عدی ج۶ص۲۳۴۴' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۶۶۸' المعجم الکبیر ج۱۔رقم الحدیث:۲۹۰)

سنن ترمذی کی ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کو علم کلی دفعۃً عطا کیا گیا' اسی طرح درج ذیل حدیث بھی اس مطلوب پر دلالت کرتی ہے:

عن ثوبان قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله زوی لی الارض فرایت مشارقها ومغاربها. (صحیح مسلم ج۲ص۳۹۰' کراچی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے' نیز امام ابوداؤد اور امام احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(دلائل النبوۃ ج۶ص۵۲۷' سنن ابوداؤد ج۲ص۳۲۸' مسند احمد ج۵ص۲۷۸)

اور یہ حدیث بھی اسی مطلوب پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لیے اٹھالیا اور میں دنیا کی طرف اور قیامت تک دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اس کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ان ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھ رہا ہوں' جو اللہ عزوجل کے حکم سے روشن ہیں' اس نے اپنے نبی کے لیے ان کو روشن کیا' جس طرح پہلے نبیوں کے لیے روشن کیا تھا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۰۱' الجامع الکبیر رقم الحدیث: ۴۸۴۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۷۹۔ ۳۱۸۱۰' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے' اس میں سعید بن سنان رہاوی ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷)

ان احادیث کے علاوہ اب ہم چند ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں' جن میں یہ دلیل ہے کہ آپ نے ماکان و مایکون کی خبریں دی ہیں:

''ما کان و ما یکون'' کے علم کے ثبوت میں احادیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو اُمور پیش ہونے والے تھے آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب اُمور بیان کر دیئے' جس نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' اور میرے ان اصحاب کو ان کا علم ہے' ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا' جب میں نے ان کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں' جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جاتا ہے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۰۴' صحیح مسلم کتاب الجنۃ: ۲۳۔ رقم الحدیث: ۲۸۹۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۲۴۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۵' جامع الاصول ج ۱۱۔ رقم الحدیث: ۸۸۸۲)

حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے' پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی' آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی' پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' پھر آپ نے ہمیں ''ما کان و ما یکون'' (جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے) کی خبریں دیں' پس ہم میں سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۹۲' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۰۲۹' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۹۲' جامع الاصول ج ۱۱۔ رقم الحدیث: ۸۸۸۵' الاحاد والمثانی ج ۴۔ رقم الحدیث: ۲۱۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۱۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے ہمیں مخلوق کی ابتداء سے خبریں دینی شروع کیں' حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے' جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۱۹۲' امام احمد نے اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے' مسند احمد ج ۱۴۔ رقم الحدیث: ۱۸۱۴۰' طبع دار الحدیث' قاہرہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے عموم اور علم ما کان و ما یکون کے متعلق علماء اسلام کی تصریحات

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کی شان میں چند اشعار سنائے' جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

فاشهد ان الله لا رب غيره   وانك مامون على كل غائب

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہر غیب پر امین ہیں''

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اشعار سن کر مجھ سے بہت خوش ہوئے' آپ کے چہرۂ اقدس سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ فرمایا: ''افلحت یا سواد'' اے سواد! تم کامیاب ہو گئے۔ اس حدیث کو بہ کثرت علماء اسلام نے اپنی تصنیفات میں ذکر کیا ہے۔ بعض علماء کے اسماء یہ ہیں: امام ابونعیم' امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی' علامہ ابن عبدالبر' علامہ سہیلی' علامہ ابن الجوزی' حافظ ابن کثیر' علامہ بدر الدین عینی' علامہ جلال الدین سیوطی' علامہ حلبی' شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی' علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ا ص ١١٤' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٢ ص ٢٥١' استیعاب علی ہامش الاصابہ ج ٢ ص ١٢٤' الروض الانف ج ا ص ١٤٠' الوفاج ا ص ١٥٣' السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج ا ص ٣٣٦' عمدۃ القاری ج ١٧ ص ٨' الخصائص الکبریٰ ج ا ص ١٧١' بیروت' انسان العیون ج ا ص ٣٢٤' مختصر سیرت الرسول ص ٦٩' سبل الہدیٰ والرشاد ج ٢ ص ٢٠٩)

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

وعلمك ما لم تكن تعلم من خبر الاولين والاخرين وما كان وما هو كائن.

اوّلین اور آخرین کی خبروں اور ما کان وما یکون میں سے جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا۔

(جامع البیان جز ٥ ص ٣٧٣' بیروت)

قاضی عیاض لکھتے ہیں:

واما تعلق عقدة من ملكوت السموت والارض وخلق الله وتعيين اسماء الحسنى واياته الكبرى وامور الاخرة واشراط الساعة واحوال السعداء والاشقياء وعلم ما كان وما يكون مما لم يعلمه الا بوحى.

(الشفاء ج ٢ ص ١٠٠' ملتان)

آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں' اللہ تعالیٰ کی مخلوق' اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعیین' آیاتِ کبریٰ' اُمورِ آخرت' علاماتِ قیامت' اچھے اور بُرے لوگوں کے احوال اور ما کان وما یکون کا علم اس قبیل سے ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وحی کے نہیں جانا۔ آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں' اللہ تعالیٰ کی مخلوق' اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعیین' آیاتِ کبریٰ' اُمورِ آخرت' علاماتِ قیامت' اچھے اور بُرے لوگوں کے احوال اور ما کان وما یکون کا علم اس قبیل سے ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وحی کے نہیں جانا۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ان علمه (صلى الله عليه وسلم) محيط بالكليات والجزئيات. (المرقات ج ١٠ ص ١٥١)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلیات اور جزئیات کو محیط ہے۔

نیز ملا علی قاری فرماتے ہیں:

كون علمها من علومه صلى الله عليه وسلم ان علومه تتنوع الى الكليات والجزئيات وحقائق ودقائق وعوارف ومعارف تتعلق بالذات والصفات وعلمها انما يكون سطرا من سطور علمه ونهرا من بحور علمه ثم مع هذا هو من بركة وجوده صلى الله تعالى عليه وسلم.

لوح وقلم' علومِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ٹکڑا اس لیے ہے کہ حضور کے علم انواع انواع ہیں' کلیات' جزئیات' حقائق' دقائق' عوارف اور معارف کہ ذات وصفاتِ الٰہی سے متعلق ہیں اور لوح وقلم کا علم تو حضور کے مکتوب علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک نہر ہے' پھر بایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت سے تو ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(الزبدۃ شرح قصیدہ بردہ ص ۱۱۶ مطبوعہ پیر جو گوٹھ سندھ ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

الثانية والاربعون اطلاع على ما سيكون الثالثة والاربعون الاطلاع على ما كان مما لم ينقله احد قبله. (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷)

نبوت کی بیالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ما یکون (اُمورِ مستقبلہ) کا علم ہو اور تینتالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ما کان (اُمورِ ماضیہ) کا علم ہو جن کو ان سے پہلے کسی نے نہ بیان کیا ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

(انزله بعلمه) ای متلبسا بعلمه المحيط الذی لا يعزب عنه مثقال ذرة فی السموت والارض ومن هنا علم صلی الله عليه وسلم ما كان وما هو كائن. (روح المعانی ج ۶ ص ۲۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم کے ساتھ تجلی کر کے حضور پر قرآن نازل کیا' جس صفت علم سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ غائب نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما کان وما یکون کو جان لیا۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

فلم يقبض النبی صلی الله عليه وسلم حتى علم كل شئ يمكن العلم به.

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت تک وصال نہیں ہوا جب تک کہ آپ نے ہر اس چیز کو نہیں جان لیا جس کا علم ممکن ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مغیبات اس قدر دیا گیا تھا کہ دنیا کے تمام علوم بھی اگر ملائے جائیں تو آپ کے ایک علم کے برابر نہ ہوں۔ (توضیح البیان فی حفظ الایمان ص ۱۲)

علم کلی تدریجاً عطا کیے جانے کے دلائل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ (ھود: ۱۲۰)

رسولوں کی خبروں میں سے ہم آپ کو وہ بیان فرماتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو ثابت اور برقرار رکھیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ (المومن: ۷۸)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے (بھی) رسول بھیجے' ان میں سے بعض کا قصہ ہم نے آپ سے بیان فرمایا اور بعض کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں فرمایا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ما کان وما یکون کا علم ہے' وہ قرآن عظیم سے مستفاد ہے اور قرآن مجید میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور قرآن مجید دفعۃً نازل نہیں ہوا' بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تدریجاً تیس سال میں نازل ہوا ہے' پس جب بھی کوئی آیت یا کوئی سورت نازل ہوتی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں اضافہ کرتی' حتیٰ کہ قرآن مجید کا نزول مکمل ہو گیا' پس ہر چیز کی تفصیل اور اس کا بیان مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے اوپر نعمت کو مکمل کر دیا جیسا کہ اس نے قرآن میں اس کا وعدہ فرمایا ہے' پس اگر قرآن مجید کے نزول کی تکمیل سے پہلے یہ اعتراض کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض نبیوں کا قصہ

بیان نہیں کیا گیا' یا آپ کو منافقین کا علم نہیں تھا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قصہ یا کسی واقعہ میں توقف فرمایا(جیسا کہ اصحاب کہف' ذوالقرنین اور روح کے سوال کے موقع پر ایسا ہوا) حتیٰ کہ وحی نازل ہو گئی اور آپ پر سوال کردہ امور منکشف ہو گئے' تو وہ قرآن مجید میں ہر چیز کے بیان ہونے کے منافی نہیں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی ہونے کے منافی ہے' جیسا کہ کسی بھی عقل مند پر مخفی نہیں ہے۔

پس منکرین علمِ غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کے لیے جب بھی بعض واقعات اور روایات سے استدلال کریں گے' خواہ ان واقعات اور روایات کی تاریخ کا علم نہ ہو تو ان کا استدلال باطل ہوگا' کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ واقعہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل سے پہلے کا ہو اور آپ کے علم کلی کی تکمیل قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے ساتھ ہوئی ہے' اور اگر وہ واقعہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے بعد کا ہو تو منکرین کو اس پر صریح نص پیش کرنی ہوگی اور اس کے بغیر ان کا دعویٰ محض باطل ہو گا اور منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی تقصیر اور تنقیص اس کے بغیر ثابت نہیں کر سکتے۔

اور اگر بہ فرض محال وہ کوئی ایسی روایت لے آئیں' جس کے متعلق قطعیت سے ثابت ہو کہ وہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے بعد کی ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض علم کی نفی ہوتی ہو' تب بھی وہ ہمیں مضر نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:'' وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ○ '' (النساء:۱۱۳) اور اللہ نے آپ کو ان تمام چیزوں کا علم دے دیا' جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

اور ہم اس آیت قطعی الدلالۃ سے آپ کا علم کلی ثابت کر چکے ہیں اور جو روایات خبر واحد کے قبیل سے ہوں اور وہ قرآن مجید کے معارض ہوں تو ان کو نہ سنا جاتا ہے' نہ قبول کیا جاتا ہے بلکہ ان کو مسترد کر دیا جاتا ہے اور منکرین کے سرخیل شیخ انبیٹھوی نے لکھا ہے کہ عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں بلکہ قطعی ہیں' قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں' خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ (براہین قاطعہ ص ۵۱' مطبع بلالی' ہند)

سو منکرین پر لازم ہے کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی کی نفی ثابت کرنا چاہتے ہیں تو وہ قرآن مجید کی آیت یا حدیث متواتر کی طرح کوئی ایسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ روایت پیش کریں جس سے یہ ثابت ہو کہ قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فلاں چیز کا اصلاً علم نہیں ہوا اور اس طرح نہ ہو کہ آپ کو علم تو تھا لیکن آپ نے اس کو مخفی رکھا' کئی ایسی چیزیں ہیں کہ آپ کو ان کا علم تھا' لیکن آپ نے ان کو ظاہر نہیں کیا اور اس کو مخفی رکھا اور اس دلیل سے یہ بھی ثابت ہو کہ مکمل توجہ کے بعد بھی آپ کو علم نہیں ہوا کیونکہ بسا اوقات آپ کو کسی چیز کا علم ہوتا ہے لیکن آپ کی توجہ نہیں ہوتی۔ (الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ ص ۸۵۔۸۳ ملخصاً' مرکز اہل السنۃ برکات رضا' ۱۴۲۳ھ)

النساء:۱۱۳ سے علم کلی کے استدلال پر شبہات کے جوابات

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ○ (النساء:۱۱۳)

ہم نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور آپ کو وہ سب کچھ بتلا دیا جسے پہلے آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''ما'' استعمال فرمایا ہے اور علماء اصول کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لفظ ''ما'' اپنے عموم اور استغراق میں قطعی ہے اور قطعی کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے بھی نہیں ہو سکتی۔ (توضیح تلویح ص ۹۷' مطبع نور محمد اصح المطابع) اس لیے اگر بعض مفسرین نے یہاں ''ما لم تکن تعلم'' (جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے) کو احکام شریعت کے ساتھ مقید کیا ہے تو وہ

نا قابل التفات ہے' اس آیت کا صریح مفاد اور قطعی مدلول یہ ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے' خواہ وہ احکام شرعیہ ہوں یا اُمورِ دنیویہ' اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ تمام اُمور آپ کو بتلا دیئے۔

رہا یہ سوال کہ پھر اس آیت کے بعد باقی قرآن کیوں نازل ہوتا رہا' اس کا جواب اوّلاً یہ ہے کہ سورۂ نساء مدنی سورتوں میں سے ہے اور کون سی سورت آخری ہے اس پر اتفاق نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سورۂ نساء کی چند آیات قرآن مجید کی آخری آیات ہیں۔ (الاتقان ج ۱ص ۱۱۴' دارالکتب العربی' بیروت) لہٰذا جب کہ آخری سورت اور آخری آیت کا تعین قطعی نہیں ہے تو غیر قطعی چیز قطعی دلیل کے معارض نہیں ہوسکتی۔ ثانیاً اگر یہ مان بھی لیا جائے ''عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ '' (النساء:۱۱۳) آپ اس سے پہلے جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے وہ ہم نے آپ کو بتلا دیا' کے بعد بھی قرآن مجید نازل ہوتا رہا تو یہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ بعض احکام اور واقعات کے معلوم ہونے کے بعد بھی آپ پر قرآن کریم نازل ہوتا رہا۔ دیکھیں قرآن کریم میں نماز کی فرضیت سے متعلق تقریباً سو آیات نازل ہوئیں۔ ظاہر ہے اس کا علم تو ایک مرتبہ نازل ہونے سے ہوگیا تھا باقی آیتوں کا نزول تعلیم کے سبب نہیں' اور حکمتوں کے پیش نظر ہوا۔ سورۂ فاتحہ کا دو مرتبہ نزول ہوا' قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں جو کئی بار نازل ہوئیں' پس تعلیم کے لیے تو ایک مرتبہ نازل ہونا کافی تھا' ایک مرتبہ کے بعد جو سورۃ اور آیات نازل ہوئی ہیں وہ دیگر حکمتوں کی بناء پر تھیں' جنہیں اللہ اور اس کا رسول جانے۔ بہر حال ان کا نزول تعلیم کے لیے نہیں تھا۔ وضو اور نماز پہلی نماز کے ساتھ فرض ہوئے' لیکن آیت وضو سورۂ مائدہ میں مدینہ میں نازل ہوئی' اسی طرح پانچ نمازیں شب معراج مکہ میں فرض ہوئیں اور نماز پڑھنے کی تفصیل حضور کو پہلی وحی کے ساتھ معلوم تھی' اس سے معلوم ہوا کہ آیت کے نزول سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام اور واقعات کا علم ہوتا تھا۔ آیات صرف تعلیم کے لیے نازل نہیں ہوتی تھیں' اس لیے اگر ''عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ '' (النساء:۱۱۳) کے بعد بھی قرآن کریم نازل ہوتا رہا تو اس سے قطعی طور پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تعلیم احکام واخبار کے لیے ہی نازل ہوتا ہے اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ غیر قطعی چیز قطعی کے معارض نہیں ہوسکتی۔ باقی رہا یہ معارضہ کرنا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿ (البقرہ:۱۵۱) (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے ○

اور یہ کہا جائے کہ یہاں بھی ''ما'' کا عموم قطعی ہے تو چاہیے کہ امت کا بھی علم کلی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''یعلمکم'' میں ضمیر ''کم'' بھی جمع ہے اور ''مالم تکونون تعلمون'' بھی جمع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو تقسیم احاد کی طرف احاد کی ہوتی ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ امت کے جمیع افراد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کچھ بتلا دیا جو سب وہ نہیں جانتے تھے۔ اس سے مساوات کا شبہ نہ ہو کیونکہ حضور تنہا ان تمام باتوں کو جانتے ہیں جن باتوں کو تمام امت مل کر جانتی ہے' پھر جس کو جو کچھ بتا دیا وہ اس سے آگے نہیں بڑھا بلکہ یہ بھی ضروری نہیں' اس کو وہ بتایا ہوا ہی یاد ہو (جیسا کہ عنقریب احادیث سے ثابت ہوگا کہ حضور نے تو ابتداء خلق سے لے کر سب کچھ بتا دیا تھا' جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا) لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام علم محفوظ ہے اور ہر آن ترقی پذیر ہے اور ان کا مولیٰ یہی چاہتا ہے کہ ان کا علم بڑھتا رہے۔

ارشاد فرمایا:

قُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ○ (طٰہٰ:۱۱۴) آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اور زیادتی فرما ○

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیاتِ ظاہری میں تو صحابہ کرام کو احکام اور خبار کی تعلیم دیتے ہی تھے۔ وصال کے بعد بھی آپ نے امتیوں کو محروم نہیں رکھا اور قیامت تک آپ کا فیضان جاری ہے اور آپ امت مسلمہ کو تعلیم دے رہے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ (الی قوله تعالٰی) وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ . (الجمعہ: ۳۔۲) (حضور) صحابہ کو بھی کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں (الی قولہ تعالٰی) اور ان بعد والوں کو بھی جو ابھی تک صحابہ سے واصل نہیں ہوئے۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے اور جو بعد میں آئیں گے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ عجمی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر سورۃ الجمعہ نازل ہوئی' جب آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ . (الجمعہ: ۳) اور ان میں سے دوسروں کو بھی تعلیم دیتے ہیں جو ابھی پہلوں کے ساتھ نہیں ملے۔

ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! یہ لوگ کون ہیں؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ اس نے دو یا تین بار سوال کیا' اس وقت ہم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی تھے' آپ نے فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے کے پاس بھی ہو تو اس کو وہ لوگ حاصل کرلیں گے جو اس کی قوم سے ہوں' ایک روایت میں ہے: اس کو فرزندانِ فارس حاصل کرلیں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۸۹۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۴۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۶۰)

ابن زید اور مقاتل بن حیان نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۸۴۔۸۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

عرب' روم' عجم وغیرہم قیامت تک آنے والے تمام مسلمان اس میں شامل ہیں اور حدیث میں فرزندانِ فارس کا ذکر بہ طور مثال کیا گیا ہے۔ (روح المعانی جز ۲۸ ص ۱۳۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ ھ)

ہم نے تبیان القرآن ج ۱۱ میں الجمعہ: ۳ کی تفسیر میں بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد کے مسلمانوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا تزکیہ فرماتے ہیں' سو اس جگہ اس کا بھی مطالعہ فرمائیں' اور مزید شرح صدر کے لیے ہم مستند علماء کے لکھے ہوئے واقعات پیش کررہے ہیں' جس سے آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد کے مسلمانوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں اور ان کا تزکیہ فرماتے ہیں:

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور استفادہ جائز ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ اس امت کے بے شمار کاملین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت کی ہے اور آپ سے علم حاصل کیا ہے۔ شیخ سراج الدین الملقن ''طبقات اولیاء'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے فرمایا: میں ظہر سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا: اے بیٹے! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا: اے ابا جان! میں ایک عجمی شخص ہو کر

فصحاء بغداد کے سامنے کس طرح لب کشائی کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنا منہ کھولو! میں نے اپنا منہ کھولا' آپ نے میرے منہ میں سات بار اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: اب وعظ کرو اور لوگوں کو محبت اور حکمت سے اللہ کے دین کی طرف دو اور نصیحت کرو۔ میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور بیٹھ گیا' میرے پاس خلقت کا ایک اژدھام جمع ہو گیا اور مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی' میں نے دیکھا کہ میرے سامنے مجلس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تشریف فرما ہیں۔ فرمانے لگے: اے بیٹے! وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: اے ابا جان! مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: منہ کھولو! میں نے منہ کھولا تو آپ نے چھ بار میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا' میں نے عرض کیا: آپ نے سات بار مکمل کیوں نہیں کیا؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے پیش نظر۔ اس کے بعد آپ میری نظر سے غائب ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ ایک فکر کا غوطہ زن میرے دل کے سمندر کی گہرائیوں میں غوطے لگا رہا ہے اور تہ سے حقائق و معارف کے موتی نکال کر میرے سینہ کے ساحل پر رکھ رہا ہے اور زبان اور سینہ کے درمیان کھڑا ایک سفیر ترجمان زبان سے کہہ رہا ہے: اچھی عبادت کی نفیس قیمت ادا کر کے ان موتیوں کو خرید لو اور خلیفہ بن موسیٰ النہر ملکی نے شیخ کی سوانح میں لکھا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اور بیداری میں بہ کثرت زیارت کیا کرتے اور شیخ نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ کثرت وظائف حاصل کرتے تھے۔ ایک بار صرف ایک رات میں شیخ کو سترہ مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ اس رات کی زیارتوں میں سے ایک زیارت میں سرکار نے فرمایا: اے خلیفہ! میری زیارت کے لیے زیادہ بے قرار نہ ہوا کرو۔ نہ جانے کتنے اولیاء اللہ میری زیارت کی حسرت میں ہی فوت ہو گئے اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ ''لطائف المنن'' میں لکھتے ہیں: ایک شخص نے شیخ ابو العباس مرسی سے کہا: اے میرے سردار! اپنے اس ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کیجئے کیونکہ آپ بہت سے شہروں میں گئے ہیں اور آپ نے بہت سے نیک لوگوں سے ملاقات کی ہے۔ ابو العباس مرسی نے کہا: قسم بہ خدا! میں اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی سے مصافحہ نہیں کرتا' اور شیخ مرسی نے کہا کہ اگر میں پلک جھپکنے کی مقدار بھی اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوجھل پاؤں تو اس ساعت اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں: کتابوں میں اس قسم کی عبارتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۲۔ ۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

سلف اور خلف سے یہ بات مسلسل منقول چلی آ رہی ہے کہ جو لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں دیکھتے ہیں اور انہیں اس حدیث کی تصدیق ہوتی ہے' جو مجھے نیند میں دیکھے گا وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا' وہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں بھی دیکھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' جن میں ان کو تردد اور پریشانی رہتی ہے اور حضور ان کے لیے مسئلہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ان کا تردد ختم اور پریشانی دُور ہو جاتی ہے اور بغیر کسی زیادتی اور کمی کے فی الواقع ایسا ہی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

پھر تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ کی معین ذاتِ مبارکہ میں منحصر نہیں ہے' کیونکہ آپ کی زیارت کے وقت آپ کی شخصیت کریمہ کے احوال مختلف ہوتے ہیں کیونکہ بسا اوقات ہم زندہ لوگوں میں سے کسی شخص کو دیکھتے ہیں اور اسے ہمارے دیکھنے کا علم نہیں ہوتا اور اگر نیند میں بھی وہی نظر آئے جس کو ہم نے بیداری میں دیکھا تھا تو اسی کو شعور ہونا چاہیے' پس جس صورت کی زیارت ہوتی ہے (واللہ اعلم) وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل صورت کی مثال کے مطابق مخلوق ہوتی

ہے یعنی اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل صورت کے مطابق مثال پیدا فرماتا ہے' جس میں حضور کی حقیقت اور روحانیت ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ وہ صورت ہمیں دکھاتا اور ہمارے دلوں میں واقع کرتا ہے اور اس سے ہم کو ہم کلام کرتا ہے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح بنفسہا اپنے بدن مثالی کے ساتھ آتی ہے اور پھر کبھی یہ زیارت بیداری میں ہوتی ہے اور کبھی نیند میں اور میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرما دے' جیسا کہ منقول ہے علامہ سیوطی (جو عابد اور زاہد' علم میں اپنے معاصرین میں سب سے بڑھ کر تھے) انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیس مرتبہ دیکھا اور آپ سے مختلف احادیث کی تحقیق کی' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصحیح کے مطابق ان احادیث کی تصحیح کی اور ان کی طرف شاذلی نے اپنی بعض ضروریات میں خط لکھا کہ سیوطی ان کی سلطانِ وقت کی طرف سفارش کر دیں کیونکہ سلطان ان کی تعظیم کرتا تھا' پس سیوطی نے اُن کی سفارش کرنے سے انکار کر دیا اور عذر پیش کیا کہ اس کام کے کرنے سے مجھے بھی نقصان ہوگا اور امت مسلمہ کو بھی' کیونکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار مرتبہ زیارت کرتا ہوں اور اگر میں نے تمہارے کہنے کے مطابق سلطان سے تمہاری سفارش کر دی اور حکام کے دروازے پر چلا گیا تو عین ممکن ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ مبارکہ سے محروم ہو جاؤں اور میں اس بڑے امت کے نقصان کے مقابلہ میں تمہارے دنیاوی نقصان کو برداشت کرلوں گا اور شعرانی رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے جاگتے میں بخاری پڑھی' شعرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام لیا۔ ان میں سے ایک ساتھی حنفی تھا اور شعرانی نے وہ دعا بھی لکھی ہے جو حضور نے ختم بخاری کے وقت پڑھی' پس بیداری میں آپ کی زیارت ایک حقیقت ثابتہ ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

(فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴' مطبع حجازی' مصر' ۱۳۵۷ھ)

خلاصہ کلام

علامہ آلوسی اور مخالفین کے پیشوا انور شاہ کشمیری کی ان مفصل عبارات سے یہ امر مبرہن ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف صحابہ کو تعلیم دیتے تھے' بلکہ قیامت تک جتنے لوگ بھی ایمان لانے والے ہیں ان سب کو علم و حکمت سے نوازتے تھے۔

اس تفصیل کے بعد اب اس اعتراض کی گنجائش نہیں رہی کہ اگر "عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" (النساء: ۱۱۳) کا مطلب یہ ہے کہ آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے' وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا تو پھر "وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ" (البقرہ: ۱۵۱) کا معنی یہ ہوگا کہ امت کو بھی ان تمام باتوں کا علم ہوگیا جن کو وہ پہلے نہیں جانتی تھی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علم کلی کے ساتھ کیا خصوصیت رہی' اور اعتراض وارد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جن تمام چیزوں کا قیامت تک کے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے اجتماعی طور پر علم ہوگا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ان تمام چیزوں کا علم رکھتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ تمام افرادِ امت سب مل کر جتنا علم رکھتے ہیں آپ تنہا ان سب چیزوں کا علم رکھتے ہیں' اس لیے امت کی آپ کے ساتھ مساوات لازم نہیں آتی' اور یہ جواب اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ جب جمع کا تقابل جمع کے ساتھ ہو تو تقسیم آحاد کی آحاد کی طرف ہوتی ہے' جیسے "رکب القوم دوابھم" قوم بھی جمع ہے اور دواب بھی جمع ہے' پس اس کا معنی ہے: قوم کے سب لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوگئے' اسی طرح "یعلمکم" میں ضمیر "کم" بھی جمع ہے اور "مالم تکونوا تعلمون" بھی "ما" کے عموم کی وجہ سے معنیً جمع ہے' لہٰذا اس کا معنی ہے: آپ تمام افرادِ امت کو ان کے اپنے اپنے علم کی تعلیم دیتے ہیں یعنی ہر ایک کو اس کے حسب حال تعلیم دیتے ہیں نہ کہ ہر ایک کو تمام چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں' اور ان علوم سے بھی وہ علوم مستثنیٰ ہیں جو نبوت اور رسالت کے خصائص میں سے ہیں' اس کا حاصل یہ ہے کہ امت کے تمام افراد کے علوم مل کر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلہ

میں ایسے ہیں جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہو۔

میری خواہش تھی کہ "عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" (الجن:۲۶) کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے تمام حقائق و معارف بیان کر دوں اور تمام شبہات کے جوابات لکھ دوں' سو اللہ تعالیٰ کا بے حد و حساب احسان ہے کہ اس نے میری اس خواہش کو پورا کر دیا۔ وللّٰه الحمد علٰی ذالك!

الجن:۲۸ میں فرمایا: تا کہ اللہ اس بات کو ظاہر فرما دے کہ بے شک ان سب رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں' اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس سب کا اللہ نے احاطہ فرما لیا ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار کر لیا ہے ○

اللہ سبحانہ کے علم پر حادث ہونے کا اعتراض اور اس کے جوابات

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: تا کہ اللہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں' پھر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نہیں جانتا تھا' بعد میں اس نے جان لیا' اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہو اور چونکہ علم' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' سو اس سے اللہ تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اور جو محل حوادث ہو وہ خود حادث ہوتا ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لیے ہم نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: تا کہ اللہ اس بات کو ظاہر فرما دے کہ بے شک ان سب رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ . (محمد:۳۱) ہم تم کو ضرور آزمائیں گے' حتیٰ کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جان لیں۔

اس پر بھی یہی اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو آزمانے کے بعد علم ہو تو اس کا علم حادث ہوگا' اس کا جواب بھی یہ ہے کہ اس آیت کا معنی اس طرح ہے: ہم تم کو ضرور آزمائیں گے حتیٰ کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کر دیں اور یہاں علم کا معنی کسی چیز کا منکشف ہونا نہیں ہے' بلکہ کسی چیز کو ظاہر کرنا ہے اور یہ اس کا مجازی معنی ہے۔

دیگر مفسرین نے بھی اس آیت کی توجیہات کی ہیں:

قتادہ اور مقاتل نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: تا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جان لیں کہ جس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچایا ہے' دیگر رسولوں نے بھی اسی طرح اللہ عزوجل کے پیغام کو پہنچایا تھا' گویا اس آیت میں مجاز بالحذف ہے' یعنی ہم نے آپ کو یہ خبر دی ہے کہ ہم وحی کی حفاظت کرتے ہیں تا کہ آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح آپ اللہ سبحانہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں دیگر رسول بھی اسی طرح اللہ جل شانہ کا پیغام پہنچاتے رہے ہیں۔

ابن جبیر نے کہا کہ اس آیت کا معنی ہے: تا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جان لیں کہ حضرت جبریل اور ان کے ساتھ والے فرشتوں نے آپ کے پاس آپ کے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ ابن جبیر نے کہا: آپ کے پاس جب بھی وحی آتی تھی تو اس کی حفاظت کرنے کے لیے اس کے ہمراہ چار فرشتے ہوتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ تا کہ رسول جان لے خواہ وہ کوئی رسول ہو کہ اس کے سوا باقی رسولوں نے بھی تبلیغ کی ہے' ابن قتیبہ نے کہا: تا کہ جنات یہ جان لیں کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور وہ پیغامات جنات کے چوری چھپے سننے اور وحی میں کسی اور کلام کی آمیزش سے محفوظ تھے۔

مجاہد نے کہا: تا کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والے یہ جان لیں کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔

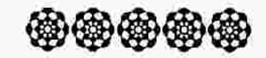
اس کے بعد فرمایا: اور جو کچھ ان کے پاس ہے' ان سب کا اللہ نے احاطہ فرما لیا ہے اور اس نے ہر چیز کا شمار کر لیا ہے۔

ابن جبیر نے کہا: اس کا معنی یہ ہے: تاکہ رسول یہ جان لیں کہ ان کے رب کے علم نے ان کے کاموں کا احاطہ کرلیا ہے اور اس نے ہر چیز کے عدد کا احاطہ کرلیا ہے اور اس کو اس کا پورا علم ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے پس اللہ سبحانہ ہر چیز کا شمار کرنے والا ہے' اس کا احاطہ کرنے والا ہے' اس کو پوری طرح جاننے والا ہے اور ہر چیز کی پوری حفاظت کرنے والا ہے۔

سورۃ الجن کا اختتام

الحمدللہ رب العالمین! آج ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ/۲۲ مئی ۲۰۰۵ء بہ روز ہفتہ بعد نماز ظہر سورۃ الجن کی تفسیر مکمل ہوگئی' ۲۱ اپریل کو اس کی تفسیر شروع کی تھی' اس تفسیر کے دوران میں کافی علیل رہا' شوگر اور کولیسٹرول کی کمی بیشی اور ان کے اثرات کا شکار رہا' تاہم کوشش رہی کہ ہر روز کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہے اور سخت علالت میں بھی اس معمول کو جاری رکھا' اللہ تعالیٰ میری اس سعی کو مشکور فرمائے اور محض اپنے فضل سے میری مغفرت فرمادے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ
واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ وامتہٖ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ المزمل

سورت کا نام

اس سورت کا نام المزمل ہے اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے:

یٰۤاَیُّہَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ (المزمل:۱) اے چادر لپیٹنے والے!O

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے' تاہم اس کے دوسرے رکوع میں اختلاف ہے' بعض کے نزدیک اس کے دوسرے رکوع کی آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں' تاہم صحیح یہ ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۃ العلق نازل ہوئی اور اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں کی ترتیب میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ العلق کے بعد سورۂ نون والقلم نازل ہوئی اور ایک قول یہ ہے کہ العلق کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی' اور ظاہر یہ ہے کہ یہی راجح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ن والقلم کے بعد سورۃ المدثر نازل ہوئی' پس یہ ترتیبِ نزول کے اعتبار سے تیسری سورت ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۷۳ ہے۔

سورۃ المزمل کے مشمولات

☆ اس سورت کے شروع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت لطف وکرم کے ساتھ آپ کو آپ کے اوصاف سے ندا کرتا ہے' پورے قرآن میں کہیں بھی آپ کو آپ کے نام کے ساتھ ندا نہیں کی گئی' البتہ احادیثِ قدسیہ میں آپ کو یا محمد کے ساتھ ندا کی گئی ہے۔

☆ اس آیت میں رات کے نصف حصہ تک یا اس سے کم وبیش حصہ تک آپ کو قیام کرنے کا حکم دیا ہے اور ان مسلمانوں کی تحسین فرمائی ہے' جو رات میں آپ کے ساتھ نماز میں قیام کرتے تھے۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی پہنچانے کے فریضہ پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

☆ آپ کو ہمیشہ نماز قائم کرنے اور صدقات ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

☆ آپ کو اللہ کے احکام کی تبلیغ کرنے' اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے۔

☆ مشرکین جو آپ کی تکذیب کرتے تھے اور آپ کو سب وشتم کرتے تھے' آپ سے فرمایا کہ آپ ان سے اعراض کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔

☆ آپ کی مدد کا اللہ تعالیٰ ضامن ہے اور مشرکین کی تکذیب کی سزا ان کو اللہ تعالیٰ دے گا' اور کفار کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

☆ کفار قریش کو نصیحت کی' جب فرعون کی قوم نے اپنے رسول کی تکذیب کی تو ان پر عذاب آیا سو کفار قریش بھی اس خطرے میں ہیں۔

☆ قیامت کی ہولنا کیوں اور اس دن کی شدت کا ذکر فرمایا۔

☆ رات کے اکثر حصہ میں قیام کے وجوب کو لوگوں کی رعایت سے منسوخ فرما دیا۔

☆ نیک کاموں کی عظیم جزاء عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا' توبہ کرنے کا حکم دیا اور قرآن مجید کو ادب سے پڑھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے سورۃ المزمل کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العلمین! اس ترجمہ اور تفسیر میں مجھے حق پر قائم رکھنا اور باطل سے مجتنب رکھنا اور حق کے ابلاغ اور احقاق اور باطل کے ردّ اور ابطال کی سعادت عطا فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ/ ۲۳ مئی ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴



(٧٣) سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ (٣)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اٰيَاتُهَا ٢٠ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۃ المزمل مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿١﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿٢﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ

اے چادر لپیٹنے والے ○ رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑا ○ آدھی رات یا اس سے

مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿٣﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ﴿٤﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ

کچھ کم کر دیں ○ یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں ○ بے شک ہم آپ پر

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿٥﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ

بھاری کلام نازل فرمائیں گے ○ بے شک رات کو اٹھنا (نفس پر) سخت بھاری ہے اور کلام کو درست

قِيْلًا ۭ﴿٦﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۭ﴿٧﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ

رکھنے والا ہے ○ بے شک دن میں آپ کی بہت مصروفیات ہیں ○ اور آپ اپنے رب کے

رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۭ﴿٨﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

نام کا ذکر کرتے رہیں اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں ○ وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿٩﴾ وَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ

اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں سو آپ اس کو اپنا کارساز بنا لیں ○ اور آپ کافروں کی باتوں پر

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي

صبر کریں اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں ○ اور ان مال دار جھٹلانے والوں کو مجھ

النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿١١﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۙ﴿١٢﴾

پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی مہلت دیں ○ بے شک ہمارے پاس (ان کے لیے) بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے ○

وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۤ﴿١٣﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ

اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور درد ناک عذاب ہے ○ جس دن زمین اور پہاڑ

وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۥ

لرزنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کا بکھرا ہوا ٹیلا بن جائیں گے ○ بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا

شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ ط

جو تم پر گواہ ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا ○

فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾

پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سخت گرفت سے پکڑ لیا ○

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ

اگر تم نے اس کا انکار کیا تو تم اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو

شِيبًا ﴿١٧﴾ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾

بوڑھا کر دے گا ○ آسمان اس کی شدت سے پھٹ جائے گا اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا ○

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٩﴾ ع

ع ۱ ﴿۱۹﴾ ۱۳

بے شک یہ (آیات) نصیحت ہیں، سو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستے کو اختیار کر لے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے چادر لپیٹنے والے ○ رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑا ○ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیں ○ یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں ○ بے شک ہم آپ پر بھاری کلام نازل فرمائیں گے ○ (المزمل: ۵۔۱)

''المزمل'' کا معنی اور مصداق

اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں ''المزمل'' سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، فراء نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کے لیے اپنے اوپر چادر لپیٹ لی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے چادر لپیٹنے والے، ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو چادر لپیٹ کر لیٹے ہوئے تھے تو آپ سے فرمایا گیا: اے چادر لپیٹنے والے، اٹھیے اور عبادت میں مشغول ہو جائیے، ایک قول یہ ہے کہ آپ پر غارِ حرا میں پہلی بار وحی نازل ہوئی اور سورۃ العلق کی ابتدائی تین آیات نازل ہوئیں اور بالفعل آپ پر نبوت کی ذمہ داری ڈال دی گئی تو آپ نبوت کے بارِ گراں سے گھبرا گئے اور خوفِ الٰہی سے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور فرمایا: مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جب کسی شخص کے ساتھ لطف اور محبت کے ساتھ خطاب کرنے کا قصد کیا جائے تو اس کے اس وقت کے حال کے مناسب کسی اسم کو مشتق کر کے اس سے کلام کیا جاتا ہے، جیسا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سیدہ

فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو کر مسجد میں جا کر سو گئے اور اس وقت ان کے پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

قم یا ابا تراب!(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۴۱) اے مٹی والے! اٹھو۔

سو اسی اسلوب پر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی لطف اور محبت کے ساتھ خطاب فرمایا کہ اے چادر لپیٹنے والے! اٹھو۔

نمازِ تہجد پڑھنے کے حکم میں مذاہبِ فقہاء

المزمل: ۴۔۲ میں رات کے قیام یعنی تہجد پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس سلسلہ میں تین قول ہیں:

(۱) سعید بن جبیر نے کہا: ان آیتوں میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور انبیاء سابقین علیہم السلام پر رات کا قیام فرض تھا۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

سعد بن ہشام بن عامر سے ایک طویل روایت ہے' اس میں مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے متعلق خبر دیجئے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم قرآن مجید میں ''یایھا المزمل'' نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں' آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے اس سورت کے شروع میں آپ پر رات کا قیام فرض کر دیا تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ایک سال تک رات کو قیام کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ کو بارہ مہینوں تک روکے رکھا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ میں تخفیف نازل فرمائی' پھر رات کا قیام نفل ہو گیا جب کہ اس سے پہلے فرض تھا۔(صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۴۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۳۴۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۰۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۳۰۱' مسند احمد ج ۶ ص ۵۴)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہی قول صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے حق میں تہجد کی نماز نفل ہو چکی ہے' رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کے متعلق تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے' اور ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آپ سے بھی تہجد کی فرضیت منسوخ ہو چکی ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔(شرح مسلم للنواوی ج ۳ ص ۲۲۴۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ظاہر قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر تہجد کی نماز فرض تھی اور بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی' نیز اس آیت میں ہے: آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں اور یہ اسلوب فرضیت کی علامت نہیں ہے اور یہ صرف مستحب کی علامت ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لیے نفل ہیں: وتر' چاشت کی نماز اور نمازِ فجر کی دو رکعتیں۔(حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۲۳۲)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس مبحث میں صحیح قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔

(المفہم ج ۲ ص ۳۷۹' دار ابن کثیر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تہجد کی نماز خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اور ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں پر بھی فرض تھی' پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد آپ سے اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مگر اس کا نفل ہونا برقرار ہے' ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ دس سال تک تہجد کی نماز پڑھتے رہے' پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: ''اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ'' (المزمل:۲۰) تو اس کا قیام نصف شب تک منسوخ ہو گیا اور تہائی شب تک اس کا قیام رہ گیا' پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: ''فاقرؤا ما تیسر من القرآن'' تو پھر تو آپ پر نصف شب یا تہائی شب کے اختیار سے تہجد پڑھنا واجب تھا' پھر جب آپ پر قیام دشوار ہوا تو اس کا وجوب منسوخ ہو گیا یعنی نصف شب یا تہائی شب تک پڑھنے کا اختیار اور تہائی شب تک پڑھنے کا وجوب باقی رہا' پھر پانچ نمازوں کی فرضیت سے تہائی رات تک تہجد پڑھنے کا وجوب بھی منسوخ ہو گیا اور اس کا استحباب باقی رہا۔ (شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۱۱' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۰ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر تہجد کی فرضیت منسوخ ہونے کے دلائل

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر رات کے قیام اور تہجد کی فرضیت منسوخ ہو چکی ہے' اب یہ امر باقی رہتا ہے کہ تہجد کی فرضیت کی ناسخ کون سی دلیل ہے' اس سلسلہ میں امام فخر الدین محمد بن عمر رازی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آدھی رات تک قیام کریں یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس پر کچھ اضافہ کر دیں' پس اس آیت میں رات کے قیام کو نمازی کی رائے کی طرف مفوض کر دیا ہے اور جو چیز واجب ہو وہ اس طرح نہیں ہوتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ — اور رات کو آپ تہجد پڑھیے یہ آپ کے لیے نفل ہے۔

(بنی اسرائیل:۷۹)

اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ ''نافلۃ لک'' کا معنی ہے: یہ آپ پر زائد فرض ہے' یعنی پانچ نمازوں پر زائد فرض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس تاویل سے اس لفظ کو مجاز پر محمول کیا گیا ہے اور جب تک حقیقت محال یا متعذر نہ ہو کسی لفظ کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جس طرح رمضان کے روزوں سے عاشورہ کا وجوب منسوخ ہو گیا اور قربانی کے وجوب سے عتیرہ کا وجوب منسوخ ہو گیا' اسی طرح پانچ نمازوں کی فرضیت سے تہجد کی نماز کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۸۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نمازِ تہجد پڑھنے کا وقت اور اس کی رکعات

تہجد کی نماز کا وقت رات کا آخری تہائی حصہ ہے یا نصف شب کے بعد کا وقت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر رات کو جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ عزوجل آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' پس فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں' میں بادشاہ ہوں' کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دوں' وہ اسی طرح ندا فرماتا رہتا ہے حتیٰ کہ فجر روشن ہو جاتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۲۱-۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۴۶)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں' حضرت داؤد علیہ السلام نصف شب تک سوتے تھے' پھر تہائی رات کو اٹھ کر نماز میں قیام کرتے تھے' پھر رات کے چھٹے حصہ تک آرام کرتے تھے' اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۵۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۴۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۳۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۱۲)

فرض کیجئے کہ چھ گھنٹے کی رات ہے تو حضرت داؤد علیہ السلام تین گھنٹے سوتے تھے' پھر دو گھنٹے نماز پڑھتے تھے اور آخری ایک گھنٹہ آرام کرتے تھے۔ وعلیٰ هذا القیاس.

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: آپ رات کو سات رکعات بھی پڑھتے تھے' نو رکعات بھی پڑھتے تھے اور گیارہ رکعات بھی پڑھتے تھے اور سنت فجر کی دو رکعات اس کے علاوہ ہوتی تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۹۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

ابوسلمہ بن عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان' آپ نے رات میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں' آپ چار رکعات پڑھتے' ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو' آپ پھر چار رکعات پڑھتے' ان کے حسن اور طول کے متعلق نہ پوچھو' پھر آپ تین رکعات وتر پڑھتے' حضرت عائشہ نے کہا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۴۱' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۳۴۱' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۳)

''ترتیل'' کا لغوی اور اصطلاحی معنی

المزمل: ۴ میں یہ بھی فرمایا: اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔

اس آیت میں ''ترتیل'' کا لفظ ہے' ''ترتیل'' کا معنی ہے: کلام کو ٹھہر ٹھہر کر اور خوش اسلوبی سے پڑھنا۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''رَتَّل'' کا معنی ہے: کسی چیز کو مرتب اور منظم طور پر وارد کرنا اور ''ترتیل'' کا معنی ہے: لفظ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنا۔ (المفردات ج ۱ ص ۲۴۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

علامہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے کہا ہے:

قرآن مجید کو سرعت کے ساتھ نہ پڑھنا بلکہ ٹھہر ٹھہر کر سہولت کے ساتھ معانی میں غور و فکر کے ساتھ پڑھنا ''ترتیل'' ہے۔ الضحاک نے کہا: ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھنا ''ترتیل'' ہے' مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے پسندیدہ اس کی قرأت ہے جو سب سے زیادہ تدبر سے قرآن مجید پڑھے۔

حسن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو قرآن مجید کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ قرآن مجید کو ''ترتیل'' سے پڑھو' یہ ''ترتیل''

ہے۔(مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۳۵۴۔ ج ۸' دار الفکر' بیروت)

ابوبکر بن طاہر نے کہا: ''ترتیل'' یہ ہے کہ قرآن مجید کے خطاب کے لطائف میں غور کرو اور اپنے نفس سے قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کا مطالبہ کرو اور اپنے قلب سے اس کے معانی سمجھنے کا مطالبہ کرو اور اپنی روح کو قرآن مجید کی طرف متوجہ کر دو۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۳۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ ''ترتیل'' کا معنی تبیین ہے' یعنی بیان کرنا' اور قرآن مجید کو جلدی جلدی پڑھنے سے تبیین نہیں ہوتی' یہ اس وقت ہوتی ہے جب تمام حروف کو ان کے مخارج سے واضح طور پر ادا کیا جائے' اور جہاں مدات ہوں ان کو پورے طور پر پڑھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے رات کی نماز میں قرآن مجید کو ''ترتیل'' کے ساتھ پڑھنے کا حکم اس لیے دیا ہے' تاکہ رات کے سکوت' پرسکون ماحول اور تنہائی میں انسان ان آیات کے حقائق اور دقائق میں غور کرنے پر قادر ہو اور جب وہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر پہنچے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت ہو' اور جب وعد اور وعید کے ذکر پر پہنچے تو اس کے دل میں عذاب کا خوف اور ثواب کی امید ہو اور اس وقت اس کا دل اللہ تعالیٰ کی معرفت کے نور سے روشن ہو جائے' اور جلدی جلدی قرآن پڑھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید کے معانی میں غور نہیں کر رہا' پس معلوم ہوا کہ ''ترتیل'' سے مقصود یہ ہے کہ حضورِ قلب اور کمالِ معرفت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۸۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوتِ قرآن کا طریقہ

عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اے اہلِ قرآن! قرآن مجید کو تکیہ نہ بناؤ اور رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو اور اس میں جو کچھ مذکور ہے اس سے نصیحت حاصل کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور تم اس کے ثواب کو جلد طلب نہ کرو' اس کا ثواب بہرحال ہے۔(کنز العمال رقم الحدیث: ۲۸۰۳' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ابوبکر بن ابی مریم ہے اور وہ ضعیف راوی ہے' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۵۲' دار الکتاب العربی' بیروت)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تلاوت کا حق یہ ہے کہ جب بندہ دوزخ کا ذکر پڑھے تو اللہ تعالیٰ سے دوزخ کی پناہ طلب کرے اور جب جنت کا ذکر پڑھے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۶۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ' الدر المنثور ج ۱ ص ۲۴۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قرأت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدات کے ساتھ قراءت کرتے (یعنی لمبا کھینچ کر پڑھتے تھے) آپ بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھتے اور رحمٰن کو کھینچ کر پڑھتے اور رحیم کو کھینچ کر پڑھتے' لفظ اللہ میں لام کے بعد الف کا خوب اظہار کرتے' اور رحمان میں میم کے بعد الف کا اظہار کرتے اور رحیم میں دو سے چھ مدات تک کھینچ کر وقف کرتے۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۴۶)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے ایک ایک حرف کو الگ الگ پڑھ کر بتایا۔(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۲۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۰۱۶)

قرآن مجید کی تلاوت کو طرز کے ساتھ اور خوش الحانی سے پڑھنے کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے' اس

وقت ہم ایک دوسرے کے سامنے قرآن پڑھ رہے تھے' آپ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ تم میں اللہ کی کتاب موجود ہے' اور تم میں بہت نیک لوگ موجود ہیں' اور تم میں گورے اور کالے موجود ہیں' تم قرآن مجید پڑھو اور پڑھاؤ' اس سے پہلے کہ تم میں ایسے لوگ آ جائیں جو قرآن مجید پڑھیں گے اور اس کو درست رکھیں گے' وہ اس کے حروف کو اس طرح سیدھا کریں گے' جس طرح تیروں کو سیدھا کیا جاتا ہے اور قرآن مجید ان کے گلوں سے تجاوز نہیں کرے گا' وہ اس کے اجر کو جلد طلب کریں گے اور آخرت کی نیت نہیں کریں گے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۶۴۵۔ ج ۲ ص ۵۳۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۱)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کو عربوں کے لہجے میں اور ان کی آوازوں میں پڑھو' اور فاسقوں کے لہجوں (اور ان کی طرزوں) میں نہ پڑھو اور نہ یہود و نصاریٰ کے لہجوں میں پڑھو' کیونکہ میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن مجید کو گانوں کی دھنوں پر پڑھیں گے اور راہبوں اور نوحوں کی طرزوں پر پڑھیں گے' اور قرآن مجید ان کے گلوں کے نیچے سے نہیں اترے گا' ان کے دل فتنہ زدہ ہوں گے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۶۴۹۔ ج ۲ ص ۵۴۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

جس طرح فاسقوں کے لہجے اور ان کی طرز میں قرآن مجید کی تلاوت ممنوع ہے' اسی طرح فاسقوں کے لہجے اور ان کی طرز میں نعت پڑھنا بھی ممنوع ہے' کیونکہ نعت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے' لہٰذا قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کو بھی ممنوع ہونا چاہیے' آج کل فلمی گانوں کی دھنوں اور ان کی طرزوں پر نعتیں پڑھی جاتی ہیں اور فلمی گانوں کی دھنوں اور طرزوں کے بنانے والوں کے اہل فسق ہونے میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے لیے اتنی اجازت نہیں دی' جتنی اجازت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غنا (خوش آوازی) کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے لیے دی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۲۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے غنا (خوش آوازی) کے ساتھ قرآن نہیں پڑھا' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۲۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۶۹)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے ابو موسیٰ! تم کو حضرت داؤد علیہ السلام کے مزامیر سے مزمار (بانسری) دی گئی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵۵)

ابن ابی ملیکہ نے کہا: جب کسی شخص کی آواز اچھی نہ ہو تو وہ کوشش کر کے اپنی آواز اچھی بنائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۷۱)

قرآن مجید کو غنا کے ساتھ پڑھنے کے محامل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۷۵۲۷ میں ہے: جس نے غنا کے ساتھ قرآن نہیں پڑھا' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث میں غنا کے کئی محمل ہیں:

(۱) جو قرآن کے سبب سے' دوسری آسمانی کتابوں سے مستغنی نہیں ہوا' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۲) جس کو قرآن کے وعد اور وعید نے نفع نہیں پہنچایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
(۳) جس کو قرآن سے راحت نہیں پہنچی' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
(۴) جس نے دائماً قرآن مجید کی تلاوت کر کے خوش حالی کو حاصل نہیں کیا' وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
(۵) امام عبد الرزاق نے معمر سے روایت کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے نبی کو جتنی اجازت خوش آوازی کے لیے دی ہے کسی چیز کے لیے نہیں دی۔
(۶) امام ابن ابی داؤد اور امام طحاوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا' اللہ تعالیٰ نے نبی کو حسن ترنم کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی جتنی اجازت دی ہے' اتنی اجازت اور کسی چیز کے لیے نہیں دی۔
(۷) امام ابن ماجہ' امام ابن حبان اور امام حاکم نے حضرت فضالہ بن عبید سے مرفوعاً روایت کیا ہے' جو شخص خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ بہت توجہ سے اس کا قرآن سنتا ہے۔
(۸) امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے' قرآن مجید پڑھنا سیکھو اور اس کو خوش الحانی سے پڑھو۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۸۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

متقدمین کے نزدیک الحان کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے جواز میں اختلاف ہے' بہر حال خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' عبد الوہاب مالکی نے الحان (طرز) کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے میں امام مالک سے نقل کیا ہے کہ یہ حرام ہے' اور ابو الطیب الطبری' الماوردی' ابن بطال' قاضی عیاض مالکی' علامہ قرطبی اور متعدد اہل علم نے کراہت کا قول نقل کیا ہے اور ابن بطال نے جماعت صحابہ اور تابعین سے جواز کا قول نقل کیا ہے اور امام طحاوی حنفی نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے اور علامہ نووی نے ''تبیان'' میں کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا مستحب ہے' بہ شرطیکہ الفاظ کو زیادہ کھینچنے سے وہ الفاظ قرأت اور تجوید کی حد سے نہ نکل جائیں اور اگر وہ قرأت کی حد سے نکل جائیں' حتیٰ کہ کسی ایک لفظ کی زیادتی ہو جائے یا کسی ایک حرف کا اخفاء ہو جائے تو پھر یہ حرام ہے اور رہا قرآن مجید کو الحان (طرز اور ترنم) سے پڑھنا تو امام شافعی نے ایک جگہ تصریح کی ہے کہ یہ مکروہ ہے اور دوسری جگہ تصریح کی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام شافعی کے اصحاب کے اس میں دو قول ہیں' اگر الحان اور ترنم کے ساتھ پڑھنے سے قرأت اپنے صحیح طریقہ سے خارج نہ ہو تو پھر جائز ہے ورنہ حرام ہے' اور علامہ الماوردی نے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ ترنم کے ساتھ پڑھنے سے اگر بعض الفاظ اپنے مخارج سے نکل جائیں تو حرام ہے ورنہ جائز ہے' علامہ ابن حمدان حنبلی نے الرعایہ میں اور حنفیہ میں سے صاحب الذخیرہ نے کہا ہے کہ اگر ترنم کی وجہ سے نظم قرآن مشوش نہ ہو تو پھر ترنم کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے' خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے اور اگر کوئی شخص خوش آواز نہ ہو تو اس کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے' جیسا کہ ابن ابی ملیکہ کا قول ہے' جس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۸۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

''قول ثقیل'' (بھاری کلام) کا معنی اور اس کا مصداق

المزمل: ۵ میں فرمایا: بے شک ہم آپ پر بھاری کلام نازل فرمائیں گے O

یہ آیت قیام لیل کی فرضیت کے ساتھ مربوط ہے' یعنی ہم رات کے قیام کی فرضیت کے ساتھ آپ پر بھاری کلام نازل

فرمائیں گے' کیونکہ رات کو نیند کا وقت ہوتا ہے' سو جو شخص پہلے سے تیار نہ ہو اور اس کو رات کے اکثر حصہ میں قیام کا حکم دیا جائے تو وہ اس کے نفس پر سخت دشوار ہوتا ہے اور اس میں نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور اس حکم پر عمل کرنا بندہ کے لیے بہت ثقیل اور بھاری ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ہم عنقریب آپ پر ایسی وحی نازل کریں گے جو اس وجہ سے ثقیل ہوگی کہ اس پر عمل کرنا سخت مشکل اور دشوار ہوگا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرائض اور اس کی حدود ثقیل ہیں' مجاہد نے کہا: قرآن مجید کے حلال اور حرام ثقیل ہیں' حسن بصری نے کہا: اس پر عمل کرنا ثقیل ہے' ابو العالیہ نے کہا: اس کے وعد اور وعید اور حلال اور حرام ثقیل ہیں' محمد بن کعب نے کہا: قرآن مجید منافقین پر ثقیل ہے' ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید کفار پر ثقیل ہے' کیونکہ قرآن مجید میں کفار کے عقائد کے خلاف دلائل ہیں' ان کی گمراہیوں اور ان کے فساد کا بیان ہے' ان کے خداؤں کو برا کہا ہے' اور اہل کتاب نے جو سابقہ آسمانی کتابوں میں تحریف کی تھی اس کو منکشف کر دیا ہے۔

الحسین بن الفضل نے کہا: اس کو صرف وہی دل برداشت کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہو' ابن زید نے کہا: قرآن مجید ثقیل اور مبارک ہے' جس طرح یہ دنیا میں ثقیل ہے اسی طرح آخرت میں میزان پر ثقیل ہوگا' ایک قول یہ ہے کہ خود قرآن مجید ثقیل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوتے اور آپ پر اس حال میں وحی نازل ہوتی تو اونٹنی سینہ کے بل زمین پر گر جاتی اور جب تک وحی کی کیفیت آپ سے منقطع نہیں ہو جاتی' وہ اسی طرح بے حس و حرکت زمین پر پڑی رہتی' وحی کے ثقل کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے:

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا' پس کہا: یارسول اللہ! آپ پر وحی کس طرح آتی تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی کبھی گھنٹی کی آواز کی صورت میں مجھ پر وحی آتی تھی اور وہ مجھ پر بہت زیادہ دشوار ہوتی تھی' جب وہ وحی منقطع ہوتی تھی تو میں اس کو حفظ کر چکا ہوتا تھا اور کبھی کبھی فرشتہ انسان کی شکل میں میرے پاس آتا تھا' وہ مجھ سے بات کرتا تھا اور میں اس کو یاد کرتا رہتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے سخت سردی کے دنوں میں دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہوتی اور جب آپ سے وحی منقطع ہوتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۳۳' مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۸' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۷۹۷۹)

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں "قول ثقیل" سے مراد ہے: "لا الٰہ الا اللّٰہ" کیونکہ حدیث میں ہے: یہ کلمہ زبان پر ہلکا ہے اور میزان میں بھاری ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۳۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

"قول ثقیل" کی تعریف میں متعدد اقوال

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے قول ثقیل کی تعریف میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

(۱) میرے نزدیک "قول ثقیل" کی تعریف میں مختار اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ جس چیز کی قدر و منزلت اور اس کا درجہ اور مرتبہ بہت زیادہ ہو وہ چیز وزنی اور ثقیل ہوتی ہے اور انسان کو عظیم اور جلیل القدر عبادت کا مرتبہ تہجد کی نماز سے حاصل ہوتا ہے' کیونکہ جب انسان اندھیری رات میں اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر' اس کی حمد و ثنا اور اس کے سامنے گڑگڑانے میں مشغول ہوتا ہے اور اس وقت تنہائی اور اندھیرے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی' جس کی وجہ سے اس کی اللہ کی طرف توجہ اور یاد میں خلل آ سکے تو اس وقت اس کے قلب اور اس کی روح پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات

منعکس ہوتی ہیں اور اس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

(۲) ''قول ثقیل'' سے مراد خود قرآن کریم ہے' کیونکہ اس میں اللہ سبحانہ کے اوامر اور نواہی یعنی احکام ہیں' اور عام مسلمانوں کے عمل کرنے کے لیے ایسے احکام ہیں جن پر عمل کرنا نفس پر شاق اور دشوار ہوتا ہے۔

(۳) یہ قول اس لیے ثقیل ہے کہ انسان کی عقل اس کے تمام فوائد اور معانی اور اس کے اسرار و رموز کا بالکلیہ ادراک نہیں کر سکتی' پس متکلمین اس میں مذکور عقائد میں غور وفکر کرتے ہیں اور اس کے دلائل کے سمندروں میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور فقہاء ان آیات میں تفکر کرتے ہیں' جن سے احکامِ شرعیہ حاصل ہوتے ہیں اور اصولیین اس میں احکامِ شرعیہ کے دلائل کی تلاش میں مصروف ہوتے ہیں' اسی طرح اہل لغت' ارباب نحو' اصحاب صرف اور فصاحت و بلاغت کے ماہرین اپنے اپنے موضوع کی آیات میں غور وفکر کرتے ہیں اور ہر شعبہ میں متاخرین پر بعض ایسے نئے نکات منکشف ہوتے ہیں جو پہلوں کو معلوم نہیں تھے' غرض قرآن مجید میں مسلسل غور وفکر کرتے رہنے سے انسان نئے نئے حقائق و معارف سے آشنا ہوتا ہے۔

(۴) اور یہ اس وجہ سے بھی ثقیل ہے کہ یہ معلومات کا خزانہ ہے' یہ محکم اور متشابہ اور ناسخ اور منسوخ پر مشتمل ہے اور ان تک ان ہی علماء کی رسائی ہو سکتی ہے' جو تمام علومِ عقلیہ اور نقلیہ میں بہت ماہر ہوں۔

ان اقوال کے علاوہ امام رازی نے اور اقوال بھی نقل کیے ہیں' جن کو ہم اس سے پہلے علامہ قرطبی کی عبارت میں نقل کر چکے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۶۸۲۔۶۸۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک رات کو اٹھنا نفس پر سخت بھاری ہے اور کلام کو درست رکھنے والا ہے O بے شک دن میں آپ کی بہت مصروفیات ہیں O اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں O وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' سو آپ اس کو اپنا کارساز بنالیں O (المزمل: ۹۔۶)

رات کو نماز کے لیے اٹھنے میں مشقت کی وجوہ

المزمل: ۶ میں فرمایا: بے شک رات کو اٹھنا نفس پر سخت بھاری ہے اور کلام کو درست رکھنے والا ہے O

اس آیت میں ''ناشئۃ اللیل'' کا لفظ ہے' ''انشاء'' کا معنی احداث ہے اور ہر وہ چیز جو حادث ہو وہ ''ناشئۃ'' ہے اور اس میں دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد رات کی ساعات اور رات کے اوقات ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو رات کے اوقات میں حادث ہوتی ہیں۔

پہلے قول کی صورت میں تمام رات ''ناشئۃ'' ہے' حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر نے کہا: تمام رات ''ناشئۃ'' ہے' حضرت زین العابدین نے کہا: مغرب سے عشاء تک کا وقت ''ناشئۃ'' ہے' دوسرے قول کی صورت میں اپنے بستر سے اٹھ کر نماز پڑھنے کے لیے قیام کرنا ''ناشئۃ'' ہے' انسان جب رات کے اندھیرے اور تنہائی میں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے حواس اور کسی چیز کی طرف مشغول نہیں ہوتے' اور اس وقت اس کا دل بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے' جب کہ دن کی روشنی میں اور لوگوں کے ساتھ میل جول اور معاش کی مصروفیات میں اس کا دل و دماغ اور اس کے حواس دنیاداری میں مشغول ہوتے ہیں۔

''اشد وطا'' کا ایک معنی ہے: رات کو اٹھنا دن کی بہ نسبت نفس پر سخت بھاری ہے' کیونکہ دن کو اٹھنے میں اور بہت دنیاوی دلچسپیاں ہوتی ہیں' دن میں انسان کاروبار میں نفع کی امید میں مشغول رہتا ہے' اپنی پسند کی چیزیں خریدتا ہے' سیر اور تفریح کرتا ہے' دوستوں سے ملاقات کرتا ہے اور رات کو اٹھنے میں صرف ایک ہی کام ہے اور وہ اللہ کو یاد کرنا اور اس کی عبادت

کرنا ہے' جس سے جسم کو آسودگی اور تلذذ کے بجائے مشقت اور تھکاوٹ حاصل ہوتی ہے' اس لیے رات کو اٹھنا نفس پر بہت بھاری ہے۔

اور ''وطا'' کا دوسرا معنی ہے: موافقت' یعنی رات کو عبادت کرنے میں قلب کی زیادہ موافقت ہوتی ہے اور دیگر شواغل نہ ہونے کی وجہ سے دل یک سوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور زیادہ خشوع اور خضوع اور کیف و سرور حاصل ہوتا ہے۔

اور رات کو اٹھنا کلام کو زیادہ درست رکھنے والا ہے' کیونکہ رات کو سکوت کا وقت ہوتا ہے' کوئی شور وغیرہ نہیں ہوتا اور اس وقت جو بھی اللہ کے کلام کا ذکر کرتا ہے' اس میں کسی قسم کا خلل نہیں آتا۔

دن کے وقت میں مصروفیات کی وجوہ

المزمل: ۷ میں فرمایا: بے شک دن میں آپ کی بہت مصروفیات ہیں O

اس آیت میں ''سبحا'' کا لفظ ہے' ''سبحا'' کا معنی ہے: تیرنا' اور تیرنے میں انسان اپنے ہاتھوں اور پیروں دونوں سے کام لیتا ہے اور ان کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے' اس لیے اس کا معنی ہے: دن میں آپ کو بہت کام ہوتے ہیں اور آپ کی بہت مصروفیات ہوتی ہیں' اس لیے یک سوئی سے اللہ کو یاد کرنے اور اطمینان سے اس کی عبادت کرنے کا وقت صرف رات میں ہوتا ہے' اس لیے آپ رات کے اوقات کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے لیے نماز میں قیام کرنے کے ساتھ مخصوص رکھیں۔

رب کے نام کو یاد کرنے اور رب کو یاد کرنے کا فرق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

المزمل: ۸ میں فرمایا: اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا حکم دیا ہے' ایک اس کے نام کا ذکر کرنے کا اور دوسرا سب سے منقطع ہو کر صرف اس کی طرف متوجہ رہنے کا۔

یہاں دو چیزیں ہیں: ایک رب کے نام کا ذکر کرنا' دوسرا ہے دل میں رب کا ذکر کرنا' یہاں فرمایا ہے: آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کریں اور دوسری آیت میں فرمایا ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً . آپ چپکے چپکے اور گڑگڑا کر اپنے دل میں اپنے رب کا ذکر کیجئے۔ (الاعراف: ۲۰۵)

ابتداء میں یہ حکم دیا کہ انسان اپنے رب کے نام کا ذکر کرے اور جب وہ ایک طویل مدت تک اپنے رب کا نام ذکر کرتا رہا تو پھر اس کے دل سے اسم محو ہو جائے گا اور اس میں صرف مسمیٰ کی باقی رہ جائے گا' پھر اس کو الاعراف: ۲۰۵ میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے دل میں اپنے رب کو یاد کرے اور جب بندہ اپنے رب کی یاد میں مشغول ہوگا تو اس کو اپنے رب کی ربوبیت کے مطالعہ کا مقام حاصل ہوگا اور وہ یہ جان لے گا کہ اس کا رب کس طرح اس کی تربیت اور پرورش میں اس پر احسان کرتا ہے اور جب بندہ اس مقام پر پہنچے گا تو اس کا دل اپنے رب کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کے مطالعہ میں مشغول ہوگا' پھر وہ اور ترقی کرے گا' پھر وہ اپنے رب کے ذکر میں مشغول رہے گا' اور اس وقت وہ اللہ کی ہیبت اور خشیت کے مطالعہ کے مقام پر ہوگا' اور اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قہاریت' عزت' علو اور صمدیت ہوگی اور بندہ اسی مقام پر ترقی کرتا رہے گا' اور اللہ تعالیٰ کے جلال' اس کی تنزیہ اور اس کی تقدیس میں متردد رہے گا' پھر ترقی کرتے ہوئے اس کی ذات کے مطالعہ کے مقام تک پہنچے گا اور یہ وہ مقام ہے جس کی

شرح کرنے سے الفاظ اور عبارت عاجز ہیں اور اس کو تحریر کا لباس پہنانے سے قاصر ہیں اور جب بندہ یہاں تک پہنچ جائے تو پھر اس کے سامنے صرف اسی کی ذات ہوتی ہے اور یہاں پہنچ کر بندہ ٹھہر جاتا ہے' کیونکہ یہ مقام صفات کی طرح نہیں ہے کہ وہ ایک صفت کے مطالعہ سے دوسری صفت کے مطالعہ کی طرف منتقل ہوتا رہے اور نہ اس کی ذات اجزاء سے مرکب ہے کہ وہ ایک جز کے مطالعہ سے دوسرے جز کی طرف منتقل ہوتا رہے' اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی کسی نفس کے ساتھ کوئی مناسبت ہے کہ وہ اس کی ذات کو اس پر قیاس کر سکے' پس اس کی ذات ظاہر ہے کیونکہ وہ ہر ظاہر کے ظہور کی مبداء ہے اور اس کی ذات باطن ہے کیونکہ وہ تمام مخلوقات کی عقول سے ماوراء ہے' پس سبحان ہے وہ ذات جو اپنے ظہور کی شدت کی بناء پر عقول سے محجوب ہے اور اپنے نور کے کمال کی وجہ سے مخفی ہے۔

سب سے منقطع ہو کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہونے اور اللہ میں مشغول ہونے کا فرق

نیز امام رازی لکھتے ہیں:

اس کے بعد فرمایا: اور سب سے منقطع ہو کر اسی کے ہو رہیں۔

اس آیت میں ''تبتل'' کا لفظ ہے' تمام مفسرین نے ''تبتل'' کی تفسیر اخلاص کے ساتھ کی ہے' اور لغت میں ''تبتل'' کا معنی ہے: منقطع ہونا' حضرت سیدہ مریم کو بتول اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ سب لوگوں سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئی تھیں' اور لیث نے کہا ہے کہ ''تبتل'' کا معنی ہے: ایک چیز کا دوسری چیز سے ممیز اور ممتاز ہونا' اور بتول ہر اس عورت کو کہتے ہیں جو مردوں سے رغبت نہ رکھتی ہو' اس تمہید کے بعد مفسرین نے اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی ہیں:

فراء نے کہا: جب عابد ہر چیز کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جائے تو کہا جاتا ہے: ''قد تبتل'' یعنی ہر چیز سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔

زید بن اسلم نے کہا: ''تبتل'' کا معنی ہے: دنیا اور دنیا کی سب چیزوں کو چھوڑ دینا اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو اجر و ثواب ہے اس کو طلب کرنا۔

جاننا چاہیے کہ اس آیت کا معنی اس سے کہیں بلند ہے' جو ان علماء ظاہر نے بیان کیا ہے' کیونکہ جو سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مستغرق ہوا' وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منقطع اور مستغرق نہیں ہوا' بلکہ اللہ کی عبادت کی طرف منقطع اور مستغرق ہوا اور جو سب سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہوا' وہ بھی اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا بلکہ آخرت کی طرف متوجہ ہوا' اور جو اللہ کی معرفت میں مشغول ہوا وہ بھی اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا' سو جس نے نفس عبادت کے لیے عبادت کو ترجیح دی یا جس نے طلب ثواب کے لیے ثواب کو ترجیح دی یا جس نے معرفت کے لیے معرفت کو ترجیح دی تو وہ معرفت کی طرف متبتل ہوا اور جس نے عبادت کو ترجیح دی وہ عبادت کی طرف متبتل ہوا اور جس نے آخرت اور ثواب کو ترجیح دی وہ آخرت اور ثواب کی طرف متبتل ہوا اور یہ سب اللہ کے غیر کی طرف متبتل ہیں' اللہ کی طرف متبتل نہیں ہیں جب کہ اس آیت میں فرمایا: ''وَتَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا ؕ'' (المزمل: ۸) یعنی سب سے منقطع ہو کر صرف اللہ کی ذات میں مشغول ہو جاؤ اور بس اسی کے ہو جاؤ اور یہ وہ مقام ہے جس کو کلام سے واضح نہیں کیا جا سکتا اور نہ خیال میں اس کی تعبیر آ سکتی ہے اور جو شخص اس مقام کے حصول کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ وہ عین ذات تک پہنچنے والا بنے نہ کہ وہ محض خبر کو سننے والا ہو' اور انسان اس کی کوئی مثال نہیں پا سکتا' ماسوا اس کے جس کو شدید عشق ہو اور اس کی ذات اور اس کے تمام حواس اور مشاعر فنا ہو جائیں' اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ ''تبتل'' کا ذکر فرمایا ہے' پہلی مرتبہ یہ بتانے کے لیے کہ اس کی طرف ''تبتل'' کرنا مقصود بالذات ہے اور دوسری مرتبہ یہ بتانے کے لیے کہ اس کی طرف ''تبتل'' کرنا مقصود

بالعرض ہے۔ (تفسیر کبیرج ۱۰ص ۱۸۷۔۱۸۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

''تبتل'' کے متعلق مصنف کی تحقیق

امام رازی نے ''وتبتل الیہ تبتیلا'' کی تفسیر میں جو فرمایا' وہی برحق اور صحیح ہے تاہم یہ اللہ تعالیٰ کے محبین اور عارفین اور اس کے خاص اولیاء کرام کا مرتبہ ہے' ہم ایسے ناقصین کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ ہم سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں یا اس کی معرفت میں مشغول ہوں یا آخرت کے اجر و ثواب کی نیت سے دنیا اور دنیا کی چیزوں سے منقطع ہو کر آخرت میں مشغول ہوں۔

ہم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سب سے منقطع ہو کر اللہ کے ساتھ مشغول ہو' اس پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ تو رہبانیت ہے اور اسلام میں رہبانیت جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو رہبانیت ممنوع ہے' وہ یہ ہے کہ انسان نکاح نہ کرے اور کسی جنگل یا غار میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے' حصولِ رزق کے لیے محنت اور مشقت نہ کرے' ماں باپ' بیوی بچوں' رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق ادا نہ کرے' اور سب سے منقطع ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ تمام حقوق اور فرائض کو ان حقوق اور فرائض کی وجہ سے ادا نہ کرے بلکہ اس نیت سے ان حقوق اور فرائض کو ادا کرے کہ اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حقوق اور فرائض کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے' تاہم رات کے کسی وقت میں خصوصاً تہائی رات گزر جانے کے بعد تہجد کی نماز پڑھے اور اس کے بعد اپنے دل و دماغ کو تمام خیالات اور تفکرات سے خالی کر کے اور سب سے منقطع ہو کر پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور جب اس ذکر کی برکت سے اس کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے منور ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہو کر بیٹھ جائے اور جب وہ ہر رات کو تہجد پڑھ کر اس کی مشق کرتا رہے گا تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ واصلین اور محبین میں سے ہو جائے گا اور اس کا دل اللہ سبحانہ کی تجلیات کے لیے آئینہ بن جائے گا۔

تہجد پڑھنے کی فضیلت میں احادیث

مذکور الصدر آیات میں تہجد کی نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے' اور رات کے آخری پہر اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب ہر رات کو آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے' جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے' وہ ارشاد فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دوں؟ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ وہ جس بندہ مسلمان کو بھی مل جائے تو وہ اس ساعت میں اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی جو خیر بھی طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ خیر عطا فرما دے گا اور وہ ساعت ہر رات میں آتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں اور سب سے زیادہ پسندیدہ نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے' حضرت داؤد علیہ السلام نصف رات تک سوتے تھے' پھر تہائی رات تک نماز میں قیام کرتے تھے' پھر رات کے چھٹے حصہ میں سوتے تھے (مثلاً چھ گھنٹے کی رات ہو تو تین گھنٹے تک سوتے تھے' پھر دو گھنٹے تک نماز پڑھتے تھے' پھر آخری ایک گھنٹہ میں

آرام کرتے تھے) اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۱۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۵۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم رات کے قیام کو لازم رکھو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ ہے اور یہ تمہارے رب کی طرف تمہارے قرب کا ذریعہ ہے' اور تمہارے گناہوں کے مٹنے کا سبب ہے' اور تمہارے گناہوں سے بچنے کا طریقہ ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۱۴۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے' ایک وہ شخص جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے' دوسرے وہ لوگ جو صف باندھ کر نماز پڑھتے ہیں اور تیسرے وہ لوگ جو دشمن کے مقابلہ میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۸۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۵۶۲' الجامع الصغیر رقم الحدیث:۳۵۵۵)

حضرت عمرو بن عیینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب سب سے زیادہ بندہ کے قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے' اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جن کا اللہ تعالیٰ اس وقت ذکر کرتا ہے تو ہو جاؤ۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۷۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سب سے افضل لوگ قرآن کے حاملین ہیں اور رات کو نماز پڑھنے والے ہیں۔ (تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۴۲۳)

المزمل:۹ میں فرمایا: وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' سو آپ اس کو اپنا کارساز بنا لیں O

یہ آیت بھی پہلی آیت کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ جس کو یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مشرق اور مغرب کا رب ہے' اس کی تمام امیدیں سب سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوں گی اور اس کے تمام اعمال صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ کافروں کی باتوں پر صبر کریں اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں O اور ان مال دار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی مہلت دیں O بے شک ہمارے پاس (ان کے لیے) بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے O اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے O جس دن زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے' اور پہاڑ ریت کا بکھرا ہوا ٹیلا بن جائیں گے O (المزمل:۱۴۔۱۰)

کفار کی ایذا رسانیوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا

المزمل:۱۰ میں فرمایا: اور آپ کافروں کی باتوں پر صبر کریں۔

یعنی کفار آپ کو گالیاں دیتے ہیں اور آپ کا مذاق اُڑا کر آپ کو ایذا پہنچاتے ہیں تو آپ ان کی دل آزار باتوں سے نہ گھبرائیں اور ان کے لیے ہدایت کی دعا کرنے سے نہ رُکیں۔

اور فرمایا: ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں O

یعنی آپ ان سے انتقام لینے کے درپے نہ ہوں' کیونکہ پھر آپ کے لیے ان کو اللہ کا پیغام سنانا مشکل ہوگا' یہ آیت جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے' پھر اس کے کافی عرصہ بعد کفار سے قتال کرنے کا حکم نازل ہوا' پس آیت قتال نے اس سے پہلے کی آیتوں کو منسوخ کر دیا۔

المزمل: ۱۱ میں فرمایا: اور ان مال دار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی مہلت دیں O

یہ ایسا ہے کہ کوئی شخص کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرے' اور اس کا کوئی عزیز دوست اس کام کو اس کی بہ نسبت زیادہ عمدگی سے کر سکتا ہو تو وہ اس سے کہے کہ تم خود یہ کام نہ کرو' اس کام کو تمہارے بدلہ میں کروں گا' اسی نہج پر اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: کفار کی ایذا رسانیوں کا آپ خود ان سے انتقام نہ لیں' آپ کے بدلہ میں ان جھٹلانے والوں سے میں انتقام لوں گا' اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دوں گا۔

کفار سے یہ انتقام جنگ بدر میں لیا گیا' جب کفارِ مکہ کو جنگ بدر میں شکست ہوئی' ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر قید کر لیے گئے یا قیامت کے دن کافروں سے انتقام لیا جائے گا' جب ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اس لیے فرمایا: ان کو تھوڑی مہلت دیں کیونکہ جنگ بدر کا دن آنے والا ہے' یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی مدت تھوڑی ہے اور عنقریب آخرت آنے والی ہے' وہاں ان جھٹلانے والے کافروں سے بھرپور انتقام لیا جائے گا۔

المزمل: ۱۳۔۱۲ میں فرمایا: بے شک ہمارے پاس (ان کے لیے) بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی ہوئی آگ ہے O اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے O

کفار کے جسمانی اور روحانی عذاب کی تفصیل

یعنی ہمارے پاس آخرت میں کفار کے لیے آخرت میں سخت ترین عذاب ہے جو ان کے دنیاوی عیش و آرام اور جسمانی لذتوں کے بالکل خلاف ہے اور ان آیتوں میں اس عذاب کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) ''انکالا'' کا ذکر فرمایا' اس کا معنی ہے: بیڑیاں' اور یہ بیڑیاں ان کے پاؤں میں اس لیے نہیں ڈالی جائیں گی کہ ان کے دوزخ سے نکل بھاگنے کا خطرہ ہے' بلکہ یہ بیڑیاں ان کو ذلت اور رسوائی اور اذیت میں مبتلا کرنے کے لیے ڈالی جائیں گی۔

(۲) ''جحیم'' کا معنی بھڑکتی ہوئی آگ ہے' اور آگ میں جلنے کا عذاب واضح ہے۔

(۳) ''طعاما ذا غصة'' ''غصة'' کا معنی ہے: جو چیز حلق میں پھنس جائے اور یہ تھوہر کے درخت کا پھل ہے' جس کو اندرائن کہتے ہیں' اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کانٹوں والا کھانا ہے۔

(۴) ''عذابا الیما'' اس کا معنی ہے: دردناک عذاب ہے اور اس میں عذاب کی باقی اقسام شامل ہیں۔

امام ابن ابی الدنیا نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ والوں پر آگ کے سانپ اور آگ کے بچھو گرائے جائیں گے اور اگر ان میں سے کوئی سانپ مشرق والوں پر پھونک مارے تو مغرب والوں کو جلا دے گا' اور اگر ان میں سے کوئی بچھو دنیا والوں پر مارا جائے تو تمام دنیا کے لوگ جل جائیں گے اور یہ سانپ اور بچھو اہل دوزخ کی کھالوں اور ان کے جسموں کے درمیان داخل کر دیے جائیں گے۔ (مظہری ج ۱۰ ص ۱۰۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل دوزخ میں سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا' اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۲)

امام رازی فرماتے ہیں: یہ بھی ممکن ہے کہ عذاب کی پہلی چار اقسام کو جسمانی عذاب پر محمول کیا جائے اور ان سے چار قسم کے روحانی عذاب کو بھی مراد لیا جائے:

(۱) یہ بھی ممکن ہے کہ ''انکال'' سے مراد یہ ہو کہ نفس کو تعلقاتِ جسمانیہ اور لذاتِ بدنیہ کی بیڑیاں ڈال دی جائیں' کیونکہ دنیا

میں اس کو اس کی محبت اور رغبت کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے' پھر بعد میں جب اس کے بدن کو وہ لذت حاصل نہیں ہوتی تو وہ شدید غم میں مبتلا ہوتا ہے اور جب کہ اس کے کسب کے آلات باطل ہو چکے ہوتے ہیں تو گویا یہ بیڑیاں ہوتی ہیں جو اس کو عالم دوزخ سے نجات کے لیے مانع ہوتی ہیں۔

(۲) پھر ان روحانی بیڑیوں سے روحانی آگ بھڑکتی ہے' کیونکہ احوال بدنیہ کی طرف اس کو بہت زیادہ رغبت ہوتی ہے اور وہ ان کو حاصل نہیں کر سکتا' اس سے اس کو شدید روحانی جلن پیدا ہوتی ہے' جیسے کسی شخص کو کسی چیز کے حصول کی شدید خواہش ہو' پھر وہ اس کو نہ پا سکے تو اس کا دل جلتا رہتا ہے اور یہی اس کی روحانی ''جحیم'' ہے۔

(۳) پھر وہ اس محرومی کے غصہ کو گھونٹ بھر بھر کر پیتا ہے اور فراق کے درد کو سہتا رہتا ہے' اسی کو ''طعاماً ذا غصۃ'' سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۴) پھر وہ ان احوال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلیات سے دائماً محروم رہتا ہے اور ''عذاباً الیما'' سے یہی مراد ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ان آیات سے فقط یہی روحانی عذاب کے مراتب مراد نہیں ہیں' بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ جسمانی عذاب کے چار مراتب کے ساتھ ساتھ روحانی عذاب کے بھی یہ چار مراتب ہو سکتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۹۰۔۶۸۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

المزمل: ۱۴ میں فرمایا: جس دن زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کا بکھرا ہوا ٹیلا بن جائیں گے O

مشکل الفاظ کے معانی

اس آیت میں ''ترجف'' کا لفظ ہے اور ''الرجفۃ'' کا معنی ہے: شدید زلزلہ' اور ''کثیبا'' کا معنی ہے: ریت کا بہت بڑا ٹیلا ''مھیلا'' کا معنی ہے: ریگ رواں' ریگ سیال' جھڑ کر گرنے والی مٹی اور ریت۔

اللہ تعالیٰ پہاڑوں کے اجزاء کو توڑ پھوڑ دے گا اور وہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح ریزہ ریزہ ہو جائیں گے' پھر اس وقت وہ ریت کے بہت بڑے ٹیلے کی طرح ہو جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو چلائے گا تو وہ رواں دواں ریت کی طرح ہو جائیں گے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم پر گواہ ہے' جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا O پس فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سخت گرفت سے پکڑ لیا O اگر تم نے اس کا انکار کیا تو تم اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا O آسمان اس کی شدت سے پھٹ جائے گا اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا O بے شک یہ (آیات) نصیحت ہیں' سو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کر لے O (المزمل: ۱۹۔۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے تشبیہ دینے کی توجیہ

ان آیات میں اہل مکہ سے خطاب ہے اور ان کو ایمان نہ لانے پر انواع واقسام کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ ان آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ کیوں ذکر فرمایا ہے؟ کسی اور نبی اور رسول کا قصہ کیوں نہیں ذکر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل مکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کم حیثیت اور معمولی انسان سمجھتے تھے اور آپ کی تحقیر کرتے تھے کیونکہ آپ ان ہی کے درمیان پیدا ہوئے تھے اور پلے بڑھے تھے' جیسا کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت کم حیثیت اور معمولی انسان سمجھتا تھا' کیونکہ حضرت موسیٰ اسی کے شہر میں پیدا ہوئے تھے اور اسی کے گھر میں انہوں نے پرورش پائی تھی' جیسا کہ فرعون نے کہا تھا:

اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا . (الشعراء:۱۸) فرعون نے کہا: کیا ہم نے آپ کے بچپن کے زمانہ میں آپ کی پرورش نہیں کی تھی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''جو تم پر گواہ ہے'' اس کی کیا ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن ان کے کفر اور ان کی تکذیب کی گواہی دیں گے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کے گواہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ دنیا میں حق کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بیان فرماتے ہیں کہ جس کفر پر وہ قائم ہیں وہ باطل ہے' کیونکہ گواہ اپنی گواہی سے حق کو بیان کرتا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ المزمل:۱۶ میں ''وبیل'' کا لفظ ہے' اس کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''وبیل'' کا معنی ہے: ثقیل اور غلیظ' اسی وجہ سے سخت بارش کو ''وابل'' کہا جاتا ہے' یعنی ہم نے فرعون کو شدید گرفت میں پکڑ لیا۔

قیامت کے دن بچوں کو بوڑھا کرنے کی توجیہ

المزمل:۱۷ میں فرمایا: اگر تم نے اس کا انکار کیا تو تم اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گاO

زمخشری نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: اگر تم اپنے کفر پر قائم رہے تو قیامت کے دن اپنے آپ کو اس عذاب سے کیسے بچاؤ گے' جو دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ کسی سخت دن کی سختی اور شدت کو اسی طرح بیان کیا جاتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ غم اور فکر انسان پر بڑھاپے کو بہت جلد طاری کر دیتا ہے' کیونکہ غم اور فکر سے انسان کی حرارت غریزی سرد پڑ جاتی ہے' اس وجہ سے اجزاء غذائیہ پوری طرح پک نہیں سکتے اور بلغم کا باقی اخلاط پر غلبہ ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے انسان کے بال سفید ہو جاتے ہیں اور سفید بالوں کو بڑھاپے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ قیامت کے دن بچے حقیقت میں بوڑھے ہو جائیں گے کیونکہ قیامت کے دن بچوں پر غم اور خوف کا طاری ہونا جائز نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کا دن اس قدر طویل ہو کہ بچے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا پورا ہونا کیوں لازم ہے؟

المزمل:۱۸ میں فرمایا: آسمان اس کی شدت سے پھٹ جائے گا اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گاO

قیامت کی ہولناکیوں میں سے یہ ہے کہ وہ دن اس قدر سخت اور شدید ہوگا کہ آسمان اس وقت وسعت' عظمت اور شدت کے باوجود پھٹ کر روئی کے گالوں کی طرح بکھر جائے گا تو سوچو کہ عام مخلوق کا اس دن کیا حال ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

آیت کے اس حصہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ قیامت کے دن آسمان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور جو اس کے علم کا تقاضا ہو اس کا پورا ہونا واجب ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہو کہ آسمان کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا وعدہ کیا ہو وہ لامحالہ پورا ہوتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب محال ہے۔

سورۃ المزمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا اجمالی تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ احوال اور آپ کی عمدہ سیرت کے بیان سے شروع کیا تھا' اور آپ کے احوال دو قسم کے ہیں' ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق اللہ عزوجل کی اطاعت اور اس کی عبادت کے ساتھ ہے' المزمل:۹۔۱ میں اس کا بیان ہے اور آپ کی سیرت کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہے' اس کا ذکر المزمل:۱۱۔۱۰ میں ہے: اور

آپ کافروں کی باتوں پر صبر کریں اور ان کو خوش اسلوبی سے چھوڑ دیں O اور ان مال دار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دیں اور ان کو تھوڑی مہلت دیں O اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر کفار کو دھمکی بھی دی ہے کہ تمہاری دل آزار اور دل خراش باتوں کا جواب دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں ہے' تم سے انتقام میں لوں گا' پھر اس کے بعد کی آیتوں میں المزمل: ۱۸ تک کفار کو آخرت کے عذاب کی وعید سنائی ہے اور قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا ہے۔

المزمل: ۱۹ میں فرمایا: بے شک یہ (آیات) نصیحت ہیں سو جو چاہے اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کرے O

یعنی یہ آیات ہدایت کی انواع اور اقسام پر مشتمل ہیں' سو جو چاہے اپنے رب کی ہدایت کو اختیار کرے' یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت میں مشغول ہو جائے اور اس کی معصیت اور اس کی نافرمانی کو ترک کر دے۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَ

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں اور (کبھی)

نِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ

آدھی رات تک اور (کبھی) ایک تہائی رات تک اور آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں ان میں سے ایک جماعت بھی قیام کرتی ہے' اور اللہ

يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ

رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے' اللہ کو علم ہے کہ اے مسلمانو! تم ہرگز اس قیام

عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ

کا شمار نہیں کر سکو گے' سو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی' پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو' اللہ کو علم ہے

مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ

کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے' اللہ کے

مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ

فضل کو تلاش کرتے ہوئے' اور کچھ دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کر رہے ہوں گے

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو' اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ

اور اللہ کو اچھا قرض دو اور تم اپنی بھلائی کے لیے جو کچھ آگے بھیجو گے

مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ

اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور زیادہ ثواب میں پاؤ گے

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰ ع

اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو' بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں اور (کبھی) آدھی رات تک اور (کبھی) ایک تہائی رات تک اور آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں ان میں سے ایک جماعت بھی قیام کرتی ہے اور اللہ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے' اللہ کو علم ہے کہ اے مسلمانو! تم ہرگز اس قیام کا شمار نہیں کر سکو گے' سو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی' پس تم جتنا آسانی کے ساتھ قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو O الخ (المزمل: ۲۰)

نمازِ تہجد کی فرضیت کا منسوخ ہونا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے دو تہائی رات سے کچھ کم بھی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں' اور کبھی آدھی رات تک بھی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اور کبھی ایک تہائی رات تک تہجد کی نماز پڑھتے ہیں اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت بھی تہجد کی نماز پڑھتی ہے' لیکن ایک تو ہر رات کو اتنا قیام کرنا بہت مشکل اور بھاری کام تھا' دوسرے وقت کا اندازہ کرنا بھی مشکل تھا کہ دو تہائی رات تک قیام ہوا ہے یا نصف رات تک قیام ہوا ہے یا تہائی رات تک قیام ہوا ہے' کیونکہ اللہ ہی رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف نازل فرمائی اور رات کے اس قیام کی فرضیت کو منسوخ فرما دیا' اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز فرض نہیں ہے' مستحب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اب دو تہائی رات یا نصف رات یا تہائی رات تک تہجد کی نماز پڑھنی فرض نہیں ہے' بلکہ جتنے وقت میں بھی آپ آسانی کے ساتھ تہجد پڑھ سکیں پڑھ لیں' فرض ادا ہو جائے گا' پھر جب پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو تہجد کی اتنی مقدار کی فرضیت بھی منسوخ ہو گئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان آیات سے ابتداءً نمازِ تہجد کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

نمازِ تہجد میں کتنا قرآن پڑھنا چاہیے؟

اس آیت میں فرمایا ہے: پس تم جتنا آسانی کے ساتھ قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اس آیت کا معنی ہے:

تہجد کی نماز میں اتنا قرآن مجید پڑھو جتنا تم آسانی کے ساتھ پڑھ سکو' اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

السدی نے کہا: سو آیتیں پڑھو' حسن بصری نے کہا: جس شخص نے تہجد کی نماز میں سو آیتیں پڑھیں' قرآن مجید اس کی مخالفت نہیں کرے گا' کعب احبار نے کہا: جس نے تہجد کی نماز میں سو آیتیں پڑھیں اس کا نام قانتین میں لکھا جائے گا' سعید نے کہا: اس سے مراد پچاس آیتیں ہیں۔

کعب کا قول زیادہ صحیح ہے' کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے رات کو دس آیات کے ساتھ قیام کیا' اس کا نام غافلین میں نہیں لکھا جائے گا' اور جس نے سو آیات کے ساتھ قیام کیا' اس کا نام قانتین میں لکھا جائے گا اور جس نے ہزار آیات کے ساتھ قیام کیا اس کا نام پل بنانے والوں میں لکھا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۹۸)

نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کا فرض نہ ہونا

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں قرآن پڑھنے سے مراد نماز پڑھنا ہے کیونکہ نماز کا ایک جز قرآن پڑھنا ہے اور اس آیت میں جز سے مراد کل ہے اور یہ اطلاق مجازی ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رات میں جتنی نماز آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہو' اتنی نماز پڑھو' لیکن یہ قول باطل ہے کیونکہ قرآن مجید کے کسی لفظ کو مجاز پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے' جب اس لفظ سے حقیقت کا ارادہ کرنا محال ہو یا متعذر ہو' اور اس آیت میں قرآن پڑھنے کا ارادہ کرنا محال نہیں ہے' اسی وجہ سے ائمہ احناف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز میں کسی معین سورت کو پڑھنا فرض نہیں ہے' بلکہ قرآن مجید کا جو حصہ بھی آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے' اتنا قرآن پڑھنا فرض ہے' اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ مطلقاً قرآن کا پڑھنا فرض ہے' جس قدر قرآن کو کوئی شخص آسانی اور سہولت سے پڑھ سکتا ہو' جن بعض احادیث سے نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا لزوم معلوم ہوتا ہے وہ وجوب پر محمول ہے یعنی نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب.

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ کو نہیں پڑھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۹۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۲۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۳۷)

اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے کیونکہ کسی چیز کی فرضیت ایسی دلیل سے ثابت ہوتی ہے' جس کی لزوم پر دلالت بھی قطعی ہو اور اس کا ثبوت بھی قطعی ہو' اس حدیث کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لزوم کی دلالت تو قطعی ہے کیونکہ اس میں یہ ارشاد ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوگی' لیکن اس حدیث کا ثبوت قطعی نہیں ہے' کیونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے قطعی نہیں ہے' جس کا ثبوت قطعی ہے وہ صرف قرآن مجید ہے یا خبر متواتر ہے' اس لیے ہمارے نزدیک نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے' فرض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کو علم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہوئے اور کچھ دوسرے لوگ اللہ کی راہ میں قتال کر رہے ہوں گے' پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو' اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو اچھا قرض دو' اور تم اپنی بھلائی کے لیے جو کچھ آگے بھیجو گے' اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور زیادہ ثواب میں پاؤ گے اور تم اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو' بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (المزمل: ۲۰)

تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی توجیہ

اس آیت کے ابتدائی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی حکمت بیان فرمائی ہے' یعنی اگر یہ کہا جائے

کہ اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو کیوں منسوخ کر دیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کچھ لوگ بیمار ہوں گے تو وہ تہجد نہیں پڑھ سکیں گے' اور کچھ لوگ تجارت کے لیے زمین میں سفر کریں گے تو وہ حالتِ سفر میں تہجد نہیں پڑھ سکیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سخت مشقت کے کاموں میں مصروف ہوں گے' پس اگر وہ دن کی تھکن' رات کی نیند سے نہ اتاریں اور رات کو پھر آدھی رات یا تہائی رات تک تہجد پڑھیں تو پھر ان کے لیے دن میں جہاد کی مشقت اٹھانا بہت مشکل ہوگا اور جہاد بہت اہم فریضہ ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو منسوخ کر دیا اور تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی جو وجوہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے متعلق بیان فرمائی ہیں وہ وجوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی متحقق ہیں بلکہ ان وجوہ کے علاوہ ایک زائد وجہ آپ کا اُمورِ تبلیغ میں مصروف اور مشغول ہونا ہے' اس لیے جس طرح امت سے تہجد کی فرضیت ساقط ہوگئی' اسی طرح آپ سے بھی تہجد کی فرضیت ساقط ہوگئی۔

اس آیت کے لطائف میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کا اور حلال روزی کے حصول کے لیے سفر کرنے والوں کا ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے لے گیا اور محض ثواب کی نیت سے یہ سفر کیا اور اس چیز کو مروج قیمت کے مطابق فروخت کیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا شہداء میں شمار ہوگا۔

سورۃ المزمل کے آخر میں زکوٰۃ کا حکم اس سورت کے مکی ہونے کے خلاف نہیں ہے

اس کے بعد پھر فرمایا: پس تم جتنا آسانی کے ساتھ قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ اس میں پہلے جملہ کی تاکید ہے۔

اس کے بعد فرمایا: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

یعنی فرض نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اس سے مراد فرض زکوٰۃ نہیں ہے' نہ صدقہ فطر مراد ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں مدینہ منورہ میں فرض ہوئیں تھیں اور سورۃ المزمل مکی سورت ہے بلکہ مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے' لہٰذا اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد نفلی صدقات ہیں اور نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا' کیونکہ جس طرح نماز سے بدن کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے' اسی طرح نفلی صدقات ادا کرنے سے مال کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔

علامہ آلوسی حنفی نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ اجمالی طور پر مکہ میں فرض ہوئی تھی اور زکوٰۃ کے مصارف اور اس کی مقدار کا تعین مدینہ منورہ میں ہوا تھا' اس لیے اس آیت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم اس سورت کے مکی ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۹۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی حنفی نے لکھا ہے:

حسن بصری' عکرمہ' عطاء' جابر وغیرہم کے نزدیک سورۃ المزمل پوری مکی ہے' ''البحر المحیط'' میں مذکور ہے کہ سورۃ المزمل مکی ہے' ماسوا اس کے دوسرے رکوع کے جو ''ان ربك یعلم'' سے شروع ہوتا ہے' لیکن علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کا رد کیا ہے کہ اس استثناء کی حکایت ابن الفارس نے کی ہے اور حاکم کی روایت اس کا رد کرتی ہے' حاکم کی روایت یہ ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اسلام کی ابتداء میں پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے تہجد فرض ہوگئی تو اس سورت کے ابتدائی حصہ کے نازل ہونے کے بعد اس سورت کا دوسرا رکوع نازل ہوا' جس سے تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

(روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۷۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ سورۃ المزمل پوری مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس سورت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم اس کے

خلاف نہیں ہے' کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے کہ اجمالی طور پر زکوۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہوگئی تھی اور اس کی تفصیل مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔

اللہ کو قرض دینے کا معنی

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ کو اچھا قرض دو۔

اس آیت کے تین محمل ہیں: (۱) اس سے مراد تمام صدقات ہیں (۲) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں سب سے اچھا مال نکالا جائے' جس مال میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی نیت کی جائے اور وہ مال مستحق کو دیا جائے (۳) اس سے مراد صرف اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا نہیں ہے بلکہ جو بھی نیک کام کیا جائے اس کو حسن نیت سے کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے' خواہ اس کا تعلق مال خرچ کرنے سے ہو یا اور کوئی نیک عمل ہو۔

اس کے بعد فرمایا: اور تم اپنی بھلائی کے لیے جو کچھ آگے بھیجو گے' اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور زیادہ ثواب میں پاؤ گے اور تم اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہو' بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو اور اس کو اس لیے بچا کر رکھو کہ مرتے وقت اس مال میں وصیت کرو گے' اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ تم اس مال کو پہلے ہی اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔

اور تم سے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں اور جو کوتاہیاں ہو چکی ہیں' ان پر تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہو' خاص طور پر جب تم رات کو اٹھ کر نماز میں قیام کرو تو اللہ سبحانہ سے استغفار کرو' بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مغفرت کرنے والا ہے اور ان پر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

مقاتل نے کہا: وہ تمام گناہوں کو معاف فرمانے والا ہے خواہ وہ گناہ کے بعد فوراً توبہ کرنے والا ہو یا گناہ پر اصرار کر کے پھر توبہ کرنے والا ہو' جب بندہ اللہ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

سورۃ المزمل کا اختتام

الحمد للہ رب العالمین! آج ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ/ ۳ جون ۲۰۰۵ء بہ روز جمعہ سورۃ المزمل کی تفسیر کا اختتام ہو گیا' ۲۳ مئی کو سورۃ المزمل کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح دس دنوں میں اس کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرا دی ہے' قرآن مجید کی بقیہ سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اور مجھے صحت و عافیت کے ساتھ تا حیات ایمان پر قائم رکھیں اور اسلام کے تمام احکام پر عامل رکھیں اور معصیت سے مجتنب رکھیں' میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے تلامذہ اور میرے احباب کی' اس کتاب کے ناشر اور معاونین کی اور میرے قارئین کی مغفرت فرمائیں اور تا قیامت اس کتاب کو مقبول عام بنا دیں۔

میں نے کولیسٹرول کم کرنے کے لیے چکنائی بالکل ترک کر دی تھی' حتیٰ کہ چائے میں دودھ ڈالنا بھی چھوڑ دیا تھا اور سبز چائے کا قہوہ پیتا تھا' اس کا خوشگوار اثر میری شوگر پر پڑا اور وہ حیرت انگیز طور پر کم ہو گئی' اب میں پہلے کی بہ نسبت کم مقدار میں شوگر کنٹرول کرنے والی دوا لیتا ہوں' ایک Evopride 2mg صبح کو اور تین دفعہ Glucophage یہ پورے دن کی خوراک ہے۔ اکیس سال سے میں ایک وقت میں صرف دو Bran Bread کے پیس لیتا تھا' اب الحمد للہ! ڈیڑھ روٹی کھاتا ہوں' اس کے علاوہ میں موسم کے لحاظ سے اب پھل بھی کھا رہا ہوں' سو اس تحریر کے حوالے سے میں شوگر کے تمام مریضوں کو یہ

مشورہ دیتا ہوں کہ وہ چکنائی کو بالکل ترک کر دیں' اُبلی ہوئی سبزی اور اُبلا ہوا گوشت کھائیں' بڑے گوشت سے پرہیز کریں' ان شاء اللہ ان کی شوگر بہت کم ہو جائے گی۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علٰی رسوله الکریم

سورة المدّثر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المدثر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں فرمایا ہے: "یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ" اور اس سورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کے ذکر کے ساتھ شروع کیا ہے جس وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو موصوف کیا تھا لفظ "المدثر" اصل میں "المتدثر" تھا جو شخص سردی دور کرنے کے لیے یا سونے کے لیے اپنے اوپر چادر لپیٹ لے اس کو "المدثر" کہا جاتا ہے۔

سورت المدثر کے متعلق احادیث

یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے سوال کیا کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی کون سی سورت نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا: "یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ" (المدثر:۱) سب سے پہلے نازل ہوئی ہے میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ "اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ" (العلق:۱) سب سے پہلے نازل ہوئی ہے ابوسلمہ نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق سوال کیا تھا اور جس طرح تم نے مجھ سے کہا ہے میں نے بھی ان سے اسی طرح کہا تھا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا میں تم کو وہ حدیث نہ سناؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سنائی تھی آپ نے فرمایا: میں حراء میں بیٹھا ہوا تھا جب میں نے اپنی نشست مکمل کر لی تو میں پہاڑ سے نیچے اترا مجھے ندا کی گئی میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا پھر میں نے اپنی بائیں جانب دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا پھر میں نے اپنے آگے دیکھا تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیا پھر میں نے اپنے پیچھے دیکھا تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیا پھر میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو میں نے کوئی چیز دیکھی پھر میں خدیجہ کے پاس آیا اور میں نے کہا: مجھ پر کپڑا لپیٹو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو پھر گھر والوں نے مجھ پر چادر لپیٹ دی اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں:

یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۙ (المدثر:۳۔۱)

اے چادر لپیٹنے والے! ○ اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے ○ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۲۲ صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۱ سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۲۵ السنن الکبریٰ رقم الحدیث:۱۱۶۳۱)

امام بخاری نے اس حدیث کو مکرر بھی بیان کیا ہے۔ (رقم الحدیث:۴۹۲۴)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مشہور روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے یہ آیات نازل ہوئیں:

"اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾" (العلق: ٣-١)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٣' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٦٠' مسند احمد ج ٦ ص ٢٣٣-٢٣٢)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ابوسلمہ نے حضرت جابر سے جو روایت کی ہے' اس میں اوّلیت سے مراد اوّلیت مخصوصہ ہے یعنی پہلی وحی نازل ہونے کے بعد جب وحی کا آنا رک گیا تھا' اس کے بعد جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی وہ "یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ" تھی یا اس سے مراد وہ پہلی وحی تھی جس میں آپ کو کھڑے ہونے اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا گیا تھا' اور حضرت جابر کی اس حدیث میں اوّلیت سے مراد اوّلیت مطلقہ نہیں ہے اور جس راوی یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے "اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ" نازل ہوئی' ان کی اوّلیت سے مراد اوّلیت مطلقہ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں اوّلیت سے مراد اوّلیت اضافی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اوّلیت سے مراد اوّلیت حقیقی ہے اور یوں ان دونوں حدیثوں میں جو بہ ظاہر تعارض تھا' وہ ساقط ہو گیا۔ (فتح الباری ج ٩ ص ٦٨٤-٦٨٣' دار الفکر' بیروت' ١٤٢٠ھ)

امام طبرانی اور امام ابن مردویہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے قریش کی دعوت کی' جب سب نے کھانا کھالیا تو اس نے پوچھا: تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو؟ بعض نے کہا: یہ جادوگر ہیں' اور بعض نے کہا: یہ جادوگر نہیں ہیں اور بعض نے کہا: یہ کاہن ہیں اور بعض نے کہا: یہ کاہن نہیں ہیں' بعض نے کہا: یہ شاعر ہیں اور بعض نے کہا: یہ شاعر نہیں ہے اور بعض نے کہا: یہ پر اثر جادوگر ہیں' پھر ان سب کا آپ کے متعلق یہ اتفاق ہو گیا کہ آپ پہلے والا جادو کر رہے ہیں' جب یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ چادر لپیٹے ہوئے اور سر جھکائے ہوئے باہر نکلے تو اللہ تعالیٰ نے "یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ" سے لے کر "ولربك فاصبر" تک آیات نازل فرمائیں۔

(المعجم الکبیر ج ١١ ص ١٠٢-١٠١' رقم الحدیث: ١١٢٥٠' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ابراہیم بن یزید الخوزی متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ٧ ص ١٣١' الدر المنثور ج ٨ ص ٣٠١' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢٠ھ)

سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر میں باہمی مناسبت

سورۃ المزمل اور سورۃ المدثر میں حسب ذیل وجوہ سے مناسبت ہے:

(١) ان دونوں سورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے لباس کے ایک وصف کے ساتھ ندا کی گئی ہے۔

(٢) ان دونوں سورتوں کے شروع کا تعلق قصہ واحدہ کے ساتھ ہے اور سورۃ المدثر' سورۃ المزمل کے بعد نازل ہوئی ہے اور بعض کے نزدیک سورۃ المدثر پہلے نازل ہوئی ہے' جیسا کہ حضرت جابر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

(٣) سورۃ المزمل کی ابتداء تہجد پڑھنے کے حکم سے ہوئی ہے' اس میں اپنے نفس کی تکمیل کا حکم ہے اور سورۃ المدثر میں لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے حکم سے ابتداء کی گئی ہے اور اس میں دوسروں کی تکمیل کا حکم ہے۔

علامہ ابن عاشور لکھتے ہیں:

وحی کے رکنے کی مدت میں اختلاف ہے' بعض کے نزدیک یہ مدت اڑھائی ماہ ہے' بعض کے نزدیک چالیس دن ہے اور بعض کے نزدیک پندرہ دن ہے۔ (التحریر والتنویر جز ٢٩ ص ٢٩٣' مطبوعہ تیونس)

میں کہتا ہوں کہ وحی کے نزول کو اس لیے روک لیا گیا تھا کہ شروع میں نزولِ وحی سے آپ گھبرا جاتے تھے اور خوف زدہ ہو جاتے تھے' پھر آپ پر وحی کے نزول کو روک لیا گیا تا کہ آپ کو وحی کا اشتیاق اور انتظار ہو اور آپ نزولِ وحی سے مانوس ہو جائیں۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے سورۃ المدثر کا نمبر ٧٤ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٤ ہے۔

سورۃ المدثر کے مشمولات

☆ اس سورت کی ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا مکلف فرمایا ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کے دین پر ایمان لانے کی دعوت دیں' اور ایمان نہ لانے پر ان کو اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈرائیں' اور کفار اور فجار کی ایذاؤں پر صبر کریں۔ (المدثر:۷۔۱)

☆ قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرما کر اس دن کے عذاب سے ڈرایا ہے۔ (المدثر:۱۰۔۸)

☆ پھر ایک شخص جو دل سے مان چکا تھا کہ واقعی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن اپنی ضد' ہٹ دھرمی اور تکبر کی وجہ سے اس کو اللہ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہ تھا' اس لیے اس کا انکار کر کے یہ کہتا تھا کہ یہ جادو ہے' اس کو دوزخ کے عذاب کی وعید سنائی ہے (وہ شخص ولید بن مغیرہ تھا)۔ (المدثر:۲۶۔۱۱)

☆ اللہ تعالیٰ نے ان کو زیادہ ڈرانے کے لیے دوزخ کے اوصاف گنوائے اور اس کے محافظوں کی تعداد بتائی۔ (المدثر:۳۱۔۲۷)

☆ چاند کی اور رات اور صبح کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دوزخ کا عذاب سب سے بڑی مصیبت ہے۔ (المدثر:۳۷۔۳۲)

☆ یہ بتایا ہے کہ ہر شخص صرف اپنے کیے ہوئے کاموں کا ذمہ دار ہوگا' مؤمنین کو نجات کی بشارت دی ہے اور کفار کو عذاب سے ڈرایا ہے۔ (المدثر:۴۸۔۳۸)

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ المدثر کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' الٰہ العلمین اور اے میرے الٰہ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم رکھنا اور اس کو بیان کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمانا' اور مجھے باطل سے مجتنب رکھنا اور اس کا رد کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمانا۔ (آمین یا رب العلمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ / ۵ جون ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱





آیاتہا ٥٦ — سورۃ المدثر مکیۃ ٧٤ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — رکوعاتہا ٢

سورۃ المدثر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھپن آیات اور دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾ وَ

اے چادر لپیٹنے والے! ○ اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے ○ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے ○ اور

ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾

اپنا لباس پاک رکھیے ○ اور بتوں کو چھوڑے رہیے ○ اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ رکھیے ○

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ

اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے ○ پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی ○ تو وہ بہت

يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِیْ وَمَنْ

مشکل والا دن ہو گا ○ کافروں پر (وہ دن) آسان نہ ہو گا ○ آپ اس کو مجھ پر

خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ

چھوڑ دیں جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ○ اور میں نے اس کے لیے بہت مال مہیا کر دیا ○ اور بیٹے

شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾

جو اس کے سامنے ہیں ○ اور میں نے اس کے لیے اور بہت کچھ مہیا کیا ○ وہ پھر بھی یہ چاہتا ہے کہ میں اور زیادہ کروں ○

كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾

ہرگز نہیں! بے شک وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے ○ عنقریب میں اس کو صعود پر چڑھاؤں گا ○

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ

بے شک اس نے سوچا اور فیصلہ کیا ○ اس پر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیا ○ اس پر پھر اللہ کی مار ہو

كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ

اس نے کیسا فیصلہ کیا ○ پھر اس نے غور کیا ○ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا ○ پھر اس نے اعراض کیا



وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ إِنْ هٰذَآ

اور تکبر کیا ○ پھر کہا: یہ (قرآن) تو وہی جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آیا ہے ○ یہ صرف

إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا

بشر کا کلام ہے ○ میں عنقریب اس کو دوزخ میں داخل کر دوں گا ○ اور آپ کو کیا معلوم کہ

سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ

دوزخ کیا ہے! ○ نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے ○ وہ کھال کو جھلسانے والی ہے ○ اس پر انیس

عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَآ أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا

فرشتے مقرر ہیں ○ اور ہم نے دوزخ کے محافظ صرف فرشتے بنائے ہیں' اور ہم نے ان کی

عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا

یہ تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے' تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں

الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِيمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ

اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں

وَالْمُؤْمِنُونَ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُونَ مَا

اور نہ ایمان والے اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کفار یہ کہیں کہ

ذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ

اللہ نے اس عجیب بات کو بیان کرنے سے کیا ارادہ فرمایا ہے؟ اسی طرح اللہ جس میں چاہے گم راہی پیدا کرتا ہے اور

يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ

جس میں چاہے ہدایت پیدا کر دیتا ہے' اور اللہ کے لشکروں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' اور یہ

إِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ ع

صرف بشر کے لیے نصیحت ہے ○

ع ۱ / ۳۱ / ۱۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے چادر لپیٹنے والے!O اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئےO اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئےO اور اپنا لباس پاک رکھیےO (المدثر: ۴-۱)

''المدثر'' کے ساتھ خطاب اور لوگوں کو عذاب سے ڈرانے کے محامل

اس پر تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ اس آیت میں ''المدثر'' سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے' رہا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''المدثر'' کے لقب سے کیوں ندا کی گئی ہے تو اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) یہ سورت قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے' حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حرا پہاڑ پر تھا کہ مجھے ندا کی گئی: ''یا محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں'' میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا' پھر میں نے اپنی بائیں جانب دیکھا تو مجھے کچھ نظر نہیں آیا' پھر میں نے اپنے اوپر نظر ڈالی تو میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا' میں خوف زدہ ہو کر خدیجہ کے پاس گیا' پس میں نے کہا: مجھے چادر اڑھاؤ' مجھے چادر اڑھاؤ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے کہا: ''یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ''۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۳۵۸)

(۲) چند لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی' ان کے نام یہ ہیں: ابوجہل' ابولہب' ابوسفیان' الولید بن المغیرہ' النضر بن الحارث' امیہ بن خلف اور العاص بن وائل' وہ سب اکٹھے ہوئے اور انہوں نے کہا: اب حج کا موسم آ رہا ہے اور عرب کے مختلف علاقوں سے وفود آئیں گے اور ہم سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق سوال کریں گے' تو ہم میں سے ہر شخص الگ الگ جواب دے گا' کوئی کہے گا: وہ کاہن ہیں' کوئی کہے گا: وہ مجنون ہیں' کوئی کہے گا: وہ شاعر ہیں' پس ہمارے مختلف جواب سن کر عرب کہیں گے: ان کے مختلف جواب اس پر دلیل ہیں کہ ان کے جواب باطل ہیں' پس آؤ ہم کسی ایک جواب پر متفق ہو جائیں' کسی نے کہا: سب یہ کہیں کہ وہ شاعر ہیں' ولید نے اس پر اعتراض کیا کہ میں نے بڑے بڑے شعراء کا کلام سنا ہے' (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام ان میں سے کسی شاعر کے مشابہ نہیں ہے' پھر لوگوں نے کہا: یہ کہو کہ وہ کاہن ہیں' اس پر ولید نے اعتراض کیا کہ کاہن کی خبر سچی بھی ہوتی ہے اور جھوٹی بھی ہوتی ہے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آج تک کوئی جھوٹی خبر نہیں دی' پھر انہوں نے کہا: یوں کہو کہ وہ مجنون ہیں' اس پر ولید نے یہ اعتراض کیا کہ مجنون خلافِ عقل اور بے ربط باتیں کرتا ہے اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آج تک ایسا کلام نہیں کیا' پھر الولید واپس اپنے گھر چلا گیا' لوگوں نے کہا: الولید بن المغیرہ نے اپنا مذہب بدل لیا ہے' پھر ابوجہل ولید کے پاس گیا اور کہا: اے ابوعبد شمس! کیا ہوا؟ یہ قریش تمہارے متعلق یہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے اپنا مذہب بدل لیا ہے؟ الولید نے کہا: مجھے اپنا مذہب بدلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' لیکن میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق غور و فکر کر رہا ہوں' میں نے سوچا ہے کہ وہ ساحر (جادوگر) ہیں' کیونکہ جادوگر وہ ہوتا ہے جو باپ اور بیٹے میں اور بھائی اور بھائی میں اور بیوی اور شوہر میں تفرقہ ڈال دیتا ہے' اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ایسا ہی کرتے ہیں' پھر وہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ آپ کو جادوگر کا لقب دیا جائے' پھر وہ سب باہر نکلے اور مکہ کے مجمع میں چلا کر کہا کہ بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادوگر ہیں' پھر لوگوں میں یہ شور مچ گیا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جادوگر ہیں' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ کو بہت رنج ہوا' آپ غم زدہ ہو کر گھر آئے اور چادر اوڑھ کر لیٹ گئے' تب

اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کی:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ (المدثر: ۲۔۱) اے چادر لپیٹنے والے! ۝ اٹھیے پس لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے ۝

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۹۷۔۶۹۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۳) جو شخص چادر میں لپٹا ہوا ہو وہ گویا کہ لوگوں سے چھپا ہوا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں تھے، گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ اے وہ شخص جو چادر لپیٹے ہوئے گوشہ گمنامی میں ہیں، آپ اٹھیے، گم نامی سے نکلیے، مخلوق کو ڈرانے میں مشغول ہو جائیں اور لوگوں کو پیغامِ حق سنانا شروع کر دیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعلمین بنایا ہے، پس گویا کہ یوں کہا گیا: اے وہ شخص جو علم عظیم کے لباس میں ملبوس ہیں اور خلق عظیم سے متخلق ہیں اور رحمتِ کاملہ کے حامل ہیں، اٹھیں اور لوگوں کو اپنے رب کے عذاب سے ڈرائیں۔

(۵) اے چادر لپیٹنے والے! اپنے بستر سے اٹھیں اور تبلیغِ اسلام اور پیغامِ حق سنانے میں مشغول ہو جائیں۔

(۶) آپ عزم صمیم کے ساتھ اٹھیں اور اپنی قوم کو اللہ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیں اور اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان کو اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈرائیں۔

المدثر: ۳ میں فرمایا: اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے ۝

اس کی تفسیر کے بھی کئی محمل ہیں:

اللہ کی بڑائی بیان کرنے کے محامل

(۱) کلبی نے کہا: بت پرست اللہ کی شان میں جو نازیبا باتیں کہتے ہیں، مثلاً اللہ سبحانہ کو صاحبِ اولاد کہتے ہیں اور اس کے کئی شریک قرار دیتے ہیں، اور اس کو چھوڑ کر دوسروں کو عبادت کا مستحق قرار دیتے ہیں، ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی برأت بیان کیجئے اور اس کی تعظیم کیجئے۔

(۲) مقاتل نے کہا: آپ اللہ اکبر کہیے، روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر کہا: ''اللہ اکبر کبیرا'' پھر حضرت خدیجہ نے کہا: اللہ اکبر اور خوش ہوئیں اور انہوں نے جان لیا کہ آپ پر یہ وحی کی گئی ہے۔

(۳) اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نماز میں اللہ اکبر کہیے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ المدثر تو اوائل سورتوں میں سے ہے اور اس وقت تک نماز فرض نہیں ہوئی تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعید نہیں ہے کہ آپ نفلی نماز پڑھتے ہوں اور آپ کو یہ حکم دیا گیا ہو کہ آپ اس نماز میں اللہ اکبر پڑھیے۔

امام ابو منصور محمد بن محمود الماتریدی السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

''قُمْ فَاَنْذِرْ ۝'' (المدثر: ۲) میں صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے اور اجر و ثواب سنانے کی بشارت کا حکم نہیں دیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر جو شخص شرک اور کفر اور بداعمالیوں کو ترک کر دے گا، وہ آخرت کے عذاب سے نجات پا جائے گا، اس لیے عذاب سے ڈرانے کا حکم ثواب کی بشارت کے حکم کو متضمن ہے، اور زیادہ اہم چیز گناہوں کو ترک کرنا ہے، اس لیے ابتدائی دعوت کے مقام میں صرف اسی پر اقتصار کیا گیا۔

''وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝'' (المدثر: ۳) کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی تعظیم کیجئے اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا معنی ہے کہ اللہ عزوجل کے

احکام کی اطاعت کیجئے اور جن کاموں کو اللہ تعالیٰ نے لازم کیا ہے ان پر لزوماً عمل کیجئے نہ یہ کہ فقط زبان سے کہیں "یا عظیم"۔

اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ کفار' مشرکین اور ملحدین جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور اس کے شرکاء ہیں' ان سے اللہ تعالیٰ کی برأت بیان کیجئے' اس کے حق کی عظمت بیان کیجئے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیجئے' یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی اطاعت کرنا ہے اور اس کے امر پر عمل کرنا ہے' نہ یہ کہ صرف دل میں اس کی بڑائی کا اعتقاد رکھا جائے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۱۰' موسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

المدثر: ۴ میں فرمایا: اور اپنا لباس پاک رکھیے ○

لباس پاک رکھنے کے محامل

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اپنے کپڑوں کو معصیت سے اور عہد شکنی سے آلودہ نہ کرد (یعنی اپنے لباس کو معصیت اور عہد شکنی کے ساتھ متصف نہ کرنے کے وصف پر برقرار اور دائم رہو)۔

ابن زید نے کہا: اپنے لباس کو ظاہری نجاست کی آلودگی سے پاک رکھیں۔

(جامع البیان جز ۲۹ ص ۱۸۳۔۱۸۱ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمود الماتریدی السمرقندی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے پر مامور تھے' اس لیے آپ کو اپنا لباس صاف اور پاک رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ لوگ آپ کی طرف تعظیم اور وقار کے ساتھ دیکھیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: آپ فخر اور عہد شکنی کا لباس نہ پہنیں' حسن بصری نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے اخلاق اچھے رکھیں' بعض نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ زیادہ لمبے کپڑے نہ پہنیں' مبادا وہ کپڑے کسی نجاست پر گر جائیں۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۱۱' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے کہا: اس آیت سے مقصود یہ بتانا ہے کہ نماز صرف پاک کپڑوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔

پھر امام رازی فرماتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ آپ اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں' اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے قلب کو مشرکین کے اخلاق سے پاک رکھیں' کیونکہ وہ دوسروں پر افتراء باندھتے ہیں' عمداً جھوٹ بولتے ہیں اور قطع رحم کرتے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ آپ اپنے نفس اور اپنے قلب کو ان سے انتقام لینے کے عزم اور ان کے ساتھ بُرا سلوک کرنے کے عزم سے پاک رکھیں' تیسرا قول یہ ہے کہ آپ نے جس چادر کو لپیٹا ہوا ہے' اس چادر کو مشرکین کے افتراء کی وجہ سے بے صبری اور بے قراری سے پاک رکھیں۔

اس آیت کی ایک اور تفسیر یہ ہے کہ "المدثر" کا معنی ہے: نبوت کی چادر لپیٹنے والے' گویا کہ یوں فرمایا گیا ہے:

اے نبوت کی چادر لپیٹنے والے! آپ اپنے آپ کو بے صبری' بے قراری' غضب اور کینہ سے پاک رکھیں کیونکہ یہ اوصاف منصب نبوت کے لائق نہیں ہیں۔

اس کنایہ کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا لباس اس کو لازم ہوتا ہے' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بزرگی انسان کے لباس سے اور اس کی عفت اس کے تہ بند سے ظاہر ہوتی ہے اور درج ذیل آیت میں بھی مرد اور عورت کی ذوات کو لباس سے تعبیر فرمایا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ (البقرہ: ۱۸۷) تمہاری بیویاں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے

لباس ہو۔

(تفسیر کبیرج ۱۰ ص ۶۹۹ 'داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بتوں کو چھوڑے رہیے O اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ رکھیے O اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے O پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی O تو وہ بہت مشکل والا دن ہوگا O کافروں پر (وہ دن) آسان نہ ہوگا O (المدثر: ۱۰۔۵)

عصمت انبیاء پر ایک اعتراض کا جواب

اس آیت میں ''الرجز'' کا لفظ ہے' اور اس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

العتبی نے کہا: ''الرجز'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا يٰمُوۡسَى ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ لَئِنۡ كَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَكَ . (الاعراف: ۱۳۴)

جب فرعونیوں پر کوئی عذاب آتا تو وہ کہتے: اللہ نے جو آپ سے عہد کیا ہوا ہے' اس کی بناء پر آپ اپنے رب سے دعا کیجئے' اگر آپ نے اس عذاب کو ہم سے دور کر دیا تو ہم ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

پھر شیطان کے مکر وفریب کا نام بھی ''الرجز'' رکھا گیا کیونکہ وہ عذاب کا سبب ہے' اور بتوں کا نام بھی ''رجز'' رکھا گیا کیونکہ ان کی پرستش بھی عذاب کا سبب ہے' اس تفسیر کی بناء پر اس آیت کا معنی ہے: آپ حسب سابق تمام انواع واقسام کے معاصی سے احتراز کرتے رہیں اور اپنی اسی خصلت پر ڈٹے رہیں۔

جو لوگ عصمتِ انبیاء کے قائل نہیں ہیں' وہ اس آیت سے اپنے مؤقف پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ پہلے معاصی کا ارتکاب کرتے تھے' تبھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کو ارتکابِ معصیت سے منع فرمایا ہے کہ آپ گناہ نہ کریں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کو گناہ نہ کرنے کے دوام کا حکم دیا ہے' جیسا کہ ہم نماز میں کہتے ہیں: ''اھدنا الصراط المستقیم'' ہم کو سیدھے راستے کی ہدایت دے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم پہلے ہدایت یافتہ نہیں ہیں' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو ہدایت پر ہمیشہ برقرار رکھ' اگر ہم پہلے ہی ہدایت یافتہ نہ ہوتے تو نماز کیسے پڑھتے؟

احسان رکھنے کی ممانعت کو امام رازی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دینا

المدثر: ۶ میں فرمایا: اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجئے O

اس کی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں:

اس آیت کی حسب ذیل وجوہ سے تفسیر کی گئی ہے:

(۱) اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا حکم دیا تھا: قوم کو ڈرائیں' اپنے رب کی بڑائی بیان کریں' اپنے کپڑے پاک رکھیں' معاصی کو ہمیشہ چھوڑے رہیے۔ اس کے بعد فرمایا: ان سخت احکام پر عمل کرنے میں اپنے رب پر احسان نہ جتائیں جیسے کوئی شخص زیادہ لینے کے لیے احسان کرتا ہے۔ حسن بصری نے کہا: آپ اپنی نیکیوں سے اپنے رب پر احسان نہ کریں تاکہ اس سے زیادہ اجر لیں۔

(۲) آپ لوگوں کو جو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور احکامِ دین کی تعلیم دیتے ہیں' اس سے ان پر احسان نہ کریں جیسے کوئی شخص زیادہ لینے کے لیے احسان جتاتا ہے۔

(۳) آپ اپنی نبوت کا لوگوں پر احسان نہ جتائیں جیسے کوئی شخص زیادہ لینے کے لیے احسان جتاتا ہے۔
(۴) آپ لوگوں کو اس لیے عطا نہ کریں کہ ان سے بدلہ میں زیادہ لیں' اور اکثر مفسرین نے اس آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔

اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس عمل سے منع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں درج ذیل حکمتیں ہیں:
(۱) تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو عطا کرنا صرف اللہ کے لیے ہو' لوگوں کے لیے نہ ہو۔
(۲) جو شخص کسی کو دنیا کی قلیل چیز دے گا اور اس سے زیادہ لینے کی توقع رکھے گا' وہ ضرور اس غیر کے ساتھ تواضع اور انکسار کے ساتھ پیش آئے گا اور یہ چیز منصب نبوت کے لائق نہیں ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا یہ ممانعت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے یا امت بھی اس ممانعت میں داخل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا ظاہر عموم نہیں ہے اور نہ قرینہ حال اس کے عموم کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ چیز منصب نبوت کے خلاف ہے' اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امت کو جو سود لینے سے منع فرمایا ہے وہ بھی اسی میں داخل ہے۔

اس آیت کی پانچویں تفسیر یہ کی گئی ہے کہ آپ لوگوں کو کچھ دے کر اس وجہ سے ان پر احسان نہ رکھیں کہ آپ اپنے عطیہ کو بہت زیادہ گمان کرتے ہیں' بلکہ آپ کی شان کے لائق یہ ہے کہ آپ اپنی دی ہوئی چیز کو کم اور حقیر گمان کریں کیونکہ اگر آپ کسی کو پوری دنیا بھی دے دیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قلیل ہے۔

اور اس کی چھٹی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اگر آپ کسی کو کوئی چیز دیں تو اس کے اوپر اس وجہ سے احسان نہ رکھیں کہ آپ اس کو بہت چیز دے رہے ہیں کیونکہ کسی چیز کو دے کر اس پر احسان جتانا اس کے اجر و ثواب کو ضائع کر دینا ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰىۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ. (البقرہ: ۲۶۴)

اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور طعنہ کی اذیت دے کر باطل نہ کرو جیسے کوئی شخص دکھانے کے لیے اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۰۱۔۷۰۰' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں اللہ پر احسان رکھنے کی ایک وجہ ذکر کی ہے اور پانچ وجوہ بندوں پر احسان رکھنے کی ذکر کی ہیں اور یہ تصریح کی ہے کہ یہ ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور امت کے لیے یہ ممانعت نہیں ہے' ہمارے نزدیک امام رازی کی یہ تفسیر مناسب نہیں ہے کیونکہ منع اس چیز سے کیا جاتا ہے جس کا ثبوت ممکن اور متصور ہو' مثلاً دیوار سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم جھوٹ نہ بولو' کیونکہ دیوار کا جھوٹ بولنا ممکن اور متصور ہی نہیں ہے' اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ممکن اور متصور ہی نہیں ہے کہ آپ سخت اور مشکل احکام پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ پر احسان رکھیں' یا آپ اپنی نبوت' اپنی پیغام رسانی' یا اپنی تبلیغِ دین کا امت پر احسان رکھیں یا آپ امت کو کچھ عطا فرمائیں تو بدلہ میں زیادہ لینے کے لیے یا اس کو زیادہ گمان کر کے یا ریاکاری کے لیے امت پر احسان رکھیں' یہ چیز تو عام مسلمان سے بھی متوقع نہیں ہے چہ جائیکہ آپ جو کائنات میں سب سے زیادہ متقی اور عبادت گزار ہیں اور سب سے زیادہ مخلص ہیں' آپ سے اس چیز کا خطرہ ہو حتیٰ کہ آپ کو اس چیز سے منع کرنے کی ضرورت پیش آئے' ہمارے نزدیک یہ آیت مجاز عقلی پر محمول ہے' اس آیت میں صراحت

سے احسان رکھنے کی ممانعت کی نسبت آپ کی طرف ہے اور درحقیقت یہ نسبت آپ کی امت کی طرف ہے اصطلاح میں اس کو تعریض کہتے ہیں یعنی کہنا کسی کو اور سنانا دوسرے کو جیسے ماں اپنی بیٹی سے کہے: تم سالن میں تیل کم ڈالا کرو حالانکہ اس کی بیٹی تو سالن پکاتی ہی نہیں، سالن اس کی بہو پکاتی ہے تو وہ کہہ اپنی بیٹی کو رہی ہے اور سنا اپنی بہو کو رہی ہے، قرآن مجید میں اس کی مثال یہ آیت ہے:

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ . (الزمر:٦٥) — اگر آپ نے (بھی) شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔

آپ سے تو شرک متصور ہی نہیں ہے، درحقیقت اس آیت میں آپ کی امت سے خطاب ہے۔

اسی طرح آپ سے تو یہ متصور ہی نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ پر یا بندوں پر احسان رکھیں، اس لیے کہا آپ سے گیا ہے اور سنایا بندوں کو ہے، امام رازی نے اس آیت کی تفسیر کی دو اور وجہیں بھی ذکر کی ہیں، لیکن ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صدور بہت زیادہ بعید ہے، اس لیے ہم نے ان کو ترک کر دیا۔ امام رازی بہت زیادہ ژرف بین مفسر ہیں، بہت نکتہ آفریں ہیں اور ہم ان سے بہت زیادہ استفادہ کرتے ہیں، لیکن اس آیت کی تفسیر میں انہوں نے زیادہ غور نہیں کیا۔

عبادت سے اللہ تعالیٰ پر احسان نہ رکھنے اور امت سے زیادہ لینے کے لیے ان پر احسان نہ رکھنے کے حضور کی سیرت سے دلائل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ آپ اللہ سبحانہ پر احسان رکھنے کے لیے سخت اور مشکل احکام پر عمل کرتے ہیں، جب کہ آپ کا حال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنا زیادہ قیام کرتے تھے کہ آپ کے دونوں پیر سوج جاتے تھے، حضرت عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اتنی زیادہ مشقت کیوں اٹھاتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت فرما دی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ ہو جاؤں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۱۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۹۵۴، سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۷۴، سنن نسائی رقم الحدیث:۱۶۴۸، مسند احمد ج ۴ ص ۲۵۶)

قرآن مجید میں تصریح ہے کہ مال فے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے (مال فے وہ مال ہے جس کو کفار مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں چھوڑ کر چلے جائیں) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (الحشر:٦) — اور کفار کا جو مال فے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا، جس کے لیے تم نے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ، بلکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنے رسولوں کو غالب فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

ام حبیبہ بنت العرباض اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دیئے ہوئے مال فے سے صرف اُون لیتے، اور فرماتے: میں اس مال میں سے صرف اتنا ہی لوں گا جتنا تم میں سے کوئی ایک لے گا ماسوا خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) کے اور وہ بھی تم میں لوٹا دیا جائے گا۔ الحدیث

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۸ طبع قدیم، مسند البزار رقم الحدیث:۱۷۳۴، المعجم الکبیر ج ۱۸۔ رقم الحدیث:۶۴۹، المعجم الاوسط رقم الحدیث:۲۴۴۳، حافظ الہیثمی نے کہا: ام حبیبہ کی کسی نے جرح کی ہے نہ توثیق کی ہے اور اس حدیث کی سند کے باقی رجال ثقہ ہیں۔ مسند احمد ج ۲۸ ص ۳۸۵۔ رقم الحدیث:۱۷۱۵۴)

غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ جو مال فے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا' آپ اس میں سے بھی امت کو لوٹا دیتے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ آپ امت سے زیادہ مال لینے کے لیے اس پر احسان فرماتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مال چھوڑا' وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جس نے کوئی قرض یا اولاد چھوڑی وہ ہمارے ذمہ ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۳۹۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۰۷۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۹۶۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مؤمن کا دنیا اور آخرت میں' میں سب سے زیادہ ولی (حق دار) ہوں اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ . — نبی مؤمنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے حق دار ہیں۔
(الاحزاب:۶)

پس جو مؤمن مر جائے اور مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا ہے' جو بھی اس کے رشتہ دار ہوں اور جس نے کوئی قرض چھوڑا یا عیال کو چھوڑا تو وہ میرے پاس آئیں' پس میں اس کا ولی (ذمہ دار) ہوں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۳۹۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۰۷۰' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۹۶۳)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے' ہم نے جو مال بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۷۱۱۔۳۰۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۵۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۹۲۵' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۷۱۹' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۵۷۶)

ان احادیث کو پڑھ کر کیا کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت سے زیادہ لینے کے لیے اس پر احسان فرماتے تھے۔

بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ لینے سے منع کرنا تب درست ہوتا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ دنیا لینے کی طلب ہوتی' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ دنیا لینے کی مطلقاً طلب نہیں تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے ہوئے تھے اور اس چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے بستر بنا دیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا لینا ہے' میں دنیا میں ایک سوار مسافر کی طرح ہوں' جس نے ایک درخت کے سائے میں آرام کیا' پھر اس کو ترک کر دیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۳۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۰۹' مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۱)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھے یہ پیش کش کی کہ میرے لیے مکہ کی وادی کو سونے کا بنا دے' میں نے کہا: نہیں! اے میرے رب! میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا' اور تین دفعہ عرض کیا: جب میں بھوکا ہوں گا تو تیرے سامنے گڑگڑاؤں گا اور جب میں سیر ہوں گا تو تیری حمد کروں گا اور تیرا شکر ادا کروں گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۳۴۷' مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۲)

آپ دنیا سے اس قدر مستغنی تھے کہ پوری کائنات میں آپ ایسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا' پھر آپ کے متعلق یہ کہنا کس طرح درست ہو گا کہ آپ لوگوں پر اس لیے احسان کرتے تھے کہ لوگ آپ کو زیادہ دیں' سو المدثر:۶ میں آپ کو اس سے منع کیا گیا'

اس لیے لامحالہ اس آیت کی وہی تاویل اور توجیہ کرنی ہوگی جو ہم نے بیان کی ہے کہ اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب کیا گیا ہے اور حقیقت میں مراد آپ کی امت ہے۔

دیگر متقدمین اور متاخرین کی المدثر:٦ کی تفسیر

امام رازی اس تفسیر میں منفرد نہیں ہیں' ان سے پہلے اور ان کے بعد کے تمام قابل ذکر مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے' دیکھئے امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ' امام ابواسحاق ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ' علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ' امام واحدی متوفی ۴۶۸ھ' علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ' علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ' قاضی ثناء اللہ مظہری متوفی ۱۱۴۳ھ' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ' ان کی تفسیروں کے حوالے درج ذیل ہیں:

جامع البیان جز ۲۹ص ۱۸۵' الکشف والخفاء ج ۱۰ص ۷۰' النکت والعیون ج ۶ص ۱۳۸' الوسیط ج ۴ص ۳۸۱' الکشاف ج ۴ ص ۶۴۸' زاد المسیر ج ۸ص ۴۰۲۔۴۰۱' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۶۴' تفسیر البیضاوی مع الخفاجی ج ۹ص ۳۲۳' روح البیان ج ۱۰ص ۲۶۷' تفسیر المظہری ج ۱۰ص ۹۱' روح المعانی جز ۲۹ص ۲۰۵۔

المدثر:٦ کی بعض اُردو تفاسیر

اردو تفاسیر میں سید مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے المدثر:٦ کی تفسیر میں لکھا ہے:

یعنی جیسے کہ دنیا میں ہدیے اور نیوتے دینے کا دستور ہے کہ دینے والا یہ خیال کرتا ہے کہ جس کو میں نے دیا ہے وہ اس سے زیادہ مجھے دے دے گا' اس قسم کے ہدیے اور نیوتے شرعاً جائز ہیں' مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع فرمایا گیا کیونکہ شانِ نبوت بہت ارفع واعلیٰ ہے اور اس منصب عالی کے لائق یہی ہے کہ جس کو جو دیں وہ محض کرم ہو' اس سے لینے یا نفع حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔ (خزائن العرفان ص ۹۲۰' تاج کمپنی لمیٹڈ' کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

یعنی کسی شخص پر احسان اس نیت سے نہ کیجئے کہ جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہو جائے گا' اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو ہدیہ تحفہ اس نیت سے دینا کہ وہ اس کے معاوضہ میں اس سے زیادہ دے گا' یہ مذموم و مکروہ ہے۔ قرآن کی دوسری آیت سے اگرچہ اس کا جواز عام لوگوں کے لیے معلوم ہوتا ہے مگر وہ بھی کراہت سے خالی نہیں اور شریفانہ اخلاق کے منافی ہے' خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو اس کو حرام قرار دیا گیا۔ (معارف القرآن ج ۸ص ۶۱۴' ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۴۱۴ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

ان کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جس پر بھی احسان کرو' بے غرضانہ کرو' تمہاری عطا اور بخشش اور سخاوت اور حسنِ سلوک محض اللہ کے لیے ہو' اس میں کوئی شائبہ اس خواہش کا نہ ہو کہ احسان کے بدلہ میں تمہیں کسی قسم کے دنیوی فوائد حاصل ہوں' بالفاظ دیگر اللہ کے لیے احسان کرو' فائدہ حاصل کرنے کے لیے کوئی احسان نہ کرو۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نبوت کا جو کام تم کر رہے ہو' یہ اگرچہ اپنی جگہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ تمہاری بدولت خلقِ خدا کو ہدایت نصیب ہو رہی ہے' مگر اس کا کوئی احسان لوگوں پر نہ جتاؤ اور اس کا کوئی فائدہ اپنی ذات کے لیے حاصل نہ کرو۔

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ تم اگرچہ ایک بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہو' مگر اپنی نگاہ میں اپنے عمل کو کبھی بڑا نہ سمجھو اور کبھی یہ خیال تمہارے دل میں نہ آئے کہ نبوت کا یہ فریضہ انجام دے کر اور اس کام میں جان لڑا کر تم اپنے رب پر کوئی احسان کر

رہے ہو۔ (تفہیم القرآن ج ٦ ص ١٤٥' ادارہ ترجمان القرآن' لاہور' ستمبر ١٩٩٠ء)

سابقہ تفاسیر کا جائزہ

سید مودودی کی یہ تفسیر امام رازی کی بیان کی ہوئی تفسیر کا خلاصہ ہے' اندازِ بیان کا فرق ہے' امام رازی نے نہایت ادب سے اس طرح لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں نہیں کرنا چاہیے' اور سید مودودی نے حسبِ عادت اور حسبِ مزاج اللہ تعالیٰ کی ترجمانی اور نمائندگی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے لکھا ہے: تمہیں یوں نہیں کرنا چاہیے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ تمام تفسیریں غلط ہیں' ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام تفسیریں صرف ظاہر آیت کی تعبیر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں ہیں کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا تھا کہ اُس شخص کو کسی کام سے منع کیا جاتا ہے جس سے وہ کام متصور ہو اور اس سے اس کام کی توقع ہو یا خطرہ ہو' مثلاً اندھے آدمی سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تم پرائی عورتوں کو نہ دیکھو اور گونگے سے نہیں کہا جاتا کہ تم جھوٹ نہ بولو' کیونکہ ان لوگوں سے ان کاموں کا خطرہ ہی نہیں ہے' سو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرتِ سلیمہ' آپ کی پاکیزہ سرشت' آپ کے حسین مزاج اور آپ کے مکارمِ اخلاق کے پیش نظر آپ سے یہ خطرہ ہی نہیں ہے کہ آپ اللہ پر احسان رکھنے کے لیے عبادت کریں گے یا بندوں سے زیادہ لینے کے لیے انہیں کچھ دے کر ان پر احسان کریں گے حتیٰ کہ اس آیت میں آپ کو اس مذموم فعل سے منع کیا جائے' اس لیے میرے نزدیک اس آیت میں اگرچہ بہ ظاہر اس فعل سے ممانعت کی نسبت آپ کی طرف ہے' مگر حقیقت میں آپ کی اُمت کو اس فعل سے منع کیا گیا ہے اور اس ممانعت سے مراد بھی امت ہی ہے۔

بسیار تلاش کے بعد مجھے صرف ایک مفسر گرامی ایسے ملے' جنہوں نے میری طرح اس آیت کی تفسیر کی ہے:

امام ابو منصور محمد بن محمود الماتریدی السمرقندی الحنفی المتوفی ٣٣٣ھ لکھتے ہیں:

مجاہد اور حسن بصری نے کہا: آپ زیادہ عمل نہ کریں تاکہ اپنے رب پر احسان رکھیں' امام ابو منصور فرماتے ہیں: اگر اس آیت کی یہی تاویل ہے تو پھر اس خطاب سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر ہے' اگرچہ خطاب آپ سے ہی ہے' کیونکہ یہ وہم نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ وہم ہو سکتا ہے کہ آپ اس لیے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں گے کیونکہ اس قسم کا عمل تو عام لوگوں میں سے بھی کوئی نہیں کر سکتا' جس میں ذرا سی بھی نیکی ہو' تو اس قسم کے کام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیسے وہم کیا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر احسان رکھنا تو منافقین کا فعل ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ. (الحجرات: ١٧)

وہ (منافقین) اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں' آپ کہیے: تم اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ رکھو۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ٥ ص ٣١١' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ١٤٢٥ھ)

مصنف کے مؤقف کی مزید وضاحت

تاہم امام ماتریدی نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ آپ سے یہ فرمایا جائے کہ آپ زیادہ لینے کے لیے احسان نہ رکھیں اور اس کی تائید میں طٰہٰ: ١٣١ اور آل عمران: ١٩٦ کو پیش کیا ہے' اور بہ اعتبار ظاہر آیات کے ہم بھی اس کو جائز کہتے ہیں' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مقام' آپ کی پاکیزہ سیرت اور آپ کی نیک سرشت کے اعتبار سے ہم کہتے ہیں کہ ان آیات کا ظاہر آپ کے شایانِ شان نہیں ہے اور ایسی تمام آیات مجازِ عقلی پر محمول ہیں' جیسے یہ آیات مجازاً امت کی طرف اسناد پر محمول ہیں:

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (البقرہ:۱۴۵)

اور اگر آپ کے پاس علم آنے کے بعد بھی آپ نے اہل کتاب کی خواہشوں کی پیروی کی تو بے شک آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے ○

یعنی اگر آپ کی امت نے ایسا کیا تو وہ ظالموں میں سے ہو جائے گی' اسی طرح فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (یونس:۱۰۶)

اور آپ اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت نہ کریں جو نہ آپ کو نفع پہنچا سکے نہ نقصان پہنچا سکے' پس اگر بالفرض آپ نے ایسا کیا تو آپ ظالموں میں سے ہوں گے ○

یعنی اگر آپ کی امت نے ایسا کیا تو وہ ظالموں میں سے ہوگی۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۙ○ (آل عمران:۱۹۶)

کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے ○

یعنی آپ کی امت کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ (طٰہٰ:۱۳۱)

اور ان چیزوں کی طرف آپ ہرگز اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو زینت دنیا کے طور پر دے رکھی ہیں تاکہ ہم ان کو اس زینت دنیا میں آزمائیں اور آپ کے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے ○

یعنی آپ کی امت ان چیزوں کی طرف آنکھیں نہ پھیلائے۔

ہمارے نزدیک ایسی تمام آیات میں بہ ظاہر آپ کی طرف نسبت ہے اور حقیقۃً ان آیات میں تعریضاً امت کی طرف نسبت ہے اور یہ تمام آیات مجاز عقلی پر محمول ہیں اور یہی آپ کے مقام کے مناسب ہے۔

المدثر: ۷ میں فرمایا: اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے ○

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دینے کی وجوہ

اس آیت میں حسب ذیل وجوہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

(۱) جب آپ کو مال دیا جائے تو آپ حسب مزاج اس مال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیں اور اس سے مال میں جو کمی ہوگی اس پر آپ حسب عادت اپنے رب کی رضا کے لیے صبر کیجئے۔

(۲) اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ اپنی قوم کو ڈرائیں' آپ اپنے رب کی بڑائی بیان کریں' اپنے کپڑے پاک رکھیں' اور ہمیشہ معصیت سے مجتنب رہیں' اور بے شک ان احکام پر عمل کرنا بہت سخت اور مشکل ہے' سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے ان مشکل احکام پر صبر کیجئے۔

(۳) قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور اللہ عزوجل کی بڑائی بیان کرنے کی وجہ سے یہ قوم آپ کا مذاق اڑائے گی اور آپ کی مذمت کرے گی' آپ قوم کی ان دل خراش باتوں پر صبر کریں۔

(۴) ان آیات میں مشرکین کو تعریض ہے' احکام آپ کو دیئے ہیں اور سنایا مشرکین کو جا رہا ہے' آپ سے فرمایا ہے: اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے یعنی مشرکین اپنے رب کی بڑائی نہیں بیان کرتے بلکہ بتوں کی بڑائی بیان کرتے ہیں' آپ سے فرمایا

ہے: اپنے کپڑے پاک رکھیں یعنی مشرکین اپنے کپڑے پاک نہیں رکھتے بلکہ نجس اور گندے رکھتے ہیں' آپ سے فرمایا ہے: بتوں کو چھوڑے رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنے پر برقرار رہیں یعنی مشرکین بتوں کو نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی پرستش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں' آپ سے فرمایا: زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ رکھیں یعنی مشرکین کسی کو کچھ دے کر اس پر احسان کرتے ہیں تو اس سے زیادہ لینے کی توقع کرتے ہیں' آپ سے فرمایا: اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے یعنی مشرکین مصائب پر صبر نہیں کرتے' کوئی مر جائے تو نوحہ کرتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں' اگر ان کی مرضی کے خلاف لڑکی پیدا ہو جائے تو اس کو زندہ درگور کر دیتے ہیں۔

المدثر: ۸ میں فرمایا: پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی O

''نقر'' اور ''ناقور'' کا معنی اور صور کے متعلق احادیث

اس آیت میں ''نقر'' کا لفظ ہے' ''نقر العود'' اور ''الدف'' کا معنی ہے: بانسری یا ڈھول بجانا' پرندے کا چونچ سے انڈے میں سوراخ کرنا' ''نقر فی الناقور'' کا معنی ہے: بگل بجانا' اس آیت میں یہی آخری معنی مراد ہے اور ''الناقور'' کا معنی ہے: بگل۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے پہلی بار صور میں پھونکنا مراد ہے یا دوسری بار' جب پہلی بار صور میں پھونکا جائے گا تو تمام عام لوگ مر جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام بے ہوش ہو جائیں گے اور جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو مردے زندہ ہو جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام ہوش میں آ جائیں گے۔ حدیث میں ہے:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کیسے نعمتوں سے محظوظ ہوں جب کہ فرشتہ نے صور منہ میں رکھا ہوا ہے اور سر جھکائے ہوئے ہے اور اس نے اپنا کان اللہ کا حکم سننے کی طرف لگایا ہوا ہے کہ اس کو کب صور میں پھونکنے کا حکم دیا جاتا ہے' یہ حدیث صحابہ پر بہت شاق گزری تو آپ نے فرمایا: تم کہو: ''حسبنا اللّٰه ونعم الوکیل'' ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۳' مسند احمد ج ۳ ص ۷)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ ایک سینگھ (بگل) ہے' جس میں پھونک ماری جائے گی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۲)

المدثر: ۱۰۔۹ میں فرمایا: تو وہ بہت مشکل والا دن ہوگا O کافروں پر (وہ دن) آسان نہ ہوگا O

کافروں پر وہ دن اس لیے مشکل ہوگا کہ ان سے سخت حساب لیا جائے گا' ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' مارے خوف کے ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی' ان کے اعضاء ان کی بداعمالیوں کو بیان کریں گے اور وہ برسر محشر رسوا ہوں گے' اور مسلمانوں سے آسان حساب لیا جائے گا' ان سے حساب میں مناقشہ نہیں کیا جائے گا' ان کے چہرے اور ان کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے' میزان میں ان کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ اس کو مجھ پر چھوڑ دیں جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا O اور میں نے اس کے لیے بہت مال مہیا کر دیا O اور بیٹے جو اس کے سامنے ہیں O اور میں نے اس کے لیے اور بہت کچھ مہیا کیا O وہ پھر بھی یہ چاہتا ہے کہ میں اور زیادہ کروں O ہرگز نہیں! بے شک وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے O عنقریب میں اس کو صعود پر چڑھاؤں گا O بے شک اس نے سوچا اور فیصلہ کیا O اس پر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیا O اس پر پھر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیا O پھر اس نے غور کیا O پھر

تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا O پھر اس نے اعراض کیا اور تکبر کیا O پھر کہا: یہ (قرآن) تو وہی جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آیا ہے O یہ صرف بشر کا کلام ہے O میں عنقریب اس کو دوزخ میں داخل کر دوں گا O اور آپ کو کیا معلوم کہ دوزخ کیا ہے O
(المدثر: ۲۷۔۱۱)

الولید بن المغیرہ کی مذمت میں قرآن مجید کی آیات

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیات الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۴۱۵)

المدثر: ۱۱ میں فرمایا: آپ اس کو مجھ پر چھوڑ دیں' اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس سے انتقام لینے کے درپے نہ ہوں' اس سے انتقام لینے کے لیے میں اکیلا کافی ہوں' اور یہ جو فرمایا ہے: میں نے اس کو اکیلا پیدا کیا ہے' اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اس کو پیدا کرنے میں میرا کوئی شریک نہیں ہے' اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب میں نے اس کو پیدا کیا تو وہ اکیلا تھا' نہ اس کے پاس مال تھا نہ اس کی کوئی اولاد تھی' اس آیت میں ولید کے لیے وحید کا لفظ فرمایا ہے' امام رازی نے کہا: اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ اکیلا ہے یعنی اس کا کوئی جائز باپ نہیں ہے اور یہ اس کے نسب میں طعن کی طرف اشارہ ہے' جیسے فرمایا تھا: ''عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝'' (القلم: ۱۳) پھر ان سب عیوب کے باوجود وہ نطفہ ناتحقیق ہے۔

المدثر: ۱۲ میں فرمایا: اور میں نے اس کے لیے بہت مال مہیا کر دیا O

اس آیت میں ''مال ممدود'' کا لفظ ہے' یعنی وہ مال جس میں مسلسل مدد کی جاتی رہی یا اس کا معنی ہے: وہ مال جو مختلف علاقوں سے کھینچ کر اس کے لیے لایا جاتا رہا O

المدثر: ۱۳ میں فرمایا: اور بیٹے جو اس کے سامنے ہیں O

یعنی اس کے بیٹے اس کے سامنے مکہ میں رہتے تھے' اور چونکہ وہ بہت مال دار تھے' اس لیے ان کو مال کمانے کے لیے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا' اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام محافل اور مجالس میں اس کے تمام بیٹے اس کے ساتھ رہتے تھے' مجاہد نے کہا: وہ دس بیٹے تھے' ایک قول یہ ہے کہ وہ سات بیٹے تھے' ان کے نام یہ ہیں: الولید' خالد' عمارۃ' ہشام' العاص' قیس اور عبد شمس' ان میں سے خالد' عمارۃ اور ہشام نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (الماوردی ج ۶ ص ۱۴۰)

المدثر: ۱۴ میں فرمایا: اور میں نے اس کے لیے اور بہت کچھ مہیا کیا O

یعنی مال اور اولاد کے علاوہ اس کو مکہ میں دنیاوی طور پر بہت عزت دار بنایا اور اس کا قریش کے سرداروں میں شمار کیا جاتا تھا۔

المدثر: ۱۵ میں فرمایا: وہ پھر بھی یہ چاہتا ہے کہ میں اور زیادہ کروں O

الکلبی اور مقاتل نے کہا: وہ یہ توقع رکھتا تھا کہ میں اس کو مزید مال اور اولاد عطا کروں گا حالانکہ وہ میرا کفر کرتا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ یہ امید رکھتا تھا کہ میں اس کو آخرت میں زیادہ درجات عطا کروں گا' وہ یہ کہتا تھا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں تو جنت صرف میرے لیے بنائی گئی ہے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ (مریم: ۷۷) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا کفر کیا اور کہا: مجھے ضرور (آخرت میں) مال اور اولاد دی جائے گی O

المدثر: ۱۶ میں فرمایا: ہرگز نہیں! بے شک وہ ہماری آیات کا دشمن ہے O

یہ ایک سوال کا جواب ہے' گویا کہ کہا گیا کہ اس کے مال اور اولاد میں اضافہ کیوں نہیں کیا جائے گا؟ فرمایا: اس لیے کہ وہ

ہماری آیتوں کا دشمن ہے۔

اس آیت میں ولید بن مغیرہ کو ''عنید'' فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید' اپنی قدرت' اپنے رسول کی نبوت' قیامت' مرنے کے بعد اٹھنے اور جزا اور سزا پر جس قدر دلائل مہیا کیے ہیں وہ ان سب کا عناداً انکار کرتا تھا۔

اس کو ''عنید'' فرمانے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ ان تمام دلائل اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق کو دل سے پہچانتا تھا اور زبان سے عناداً انکار کرتا تھا اور یہ کفر کی سب سے بدترین قسم ہے۔

اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی آیات کا عناداً انکار کرتا تھا اور کسی چیز کا عناداً انکار نہیں کرتا تھا' گویا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کا معاند تھا۔

المدثر: ۱۷ میں فرمایا: عنقریب میں اس کو صعود پر چڑھاؤں گاO

یعنی عنقریب میں اس کو صعود پر چڑھنے کا مکلف کروں گا' صعود کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ وہ ایک دشوار گزار گھاٹی ہے جس پر چڑھنا سخت دشوار اور مشکل ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ صعود دوزخ کی ایک گھاٹی کا نام ہے' جب انسان اس گھاٹی پر ہاتھ رکھتا ہے تو وہ پگھل جاتی ہے اور جب اس سے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ پھر اصل حالت پر آ جاتی ہے' اور جب اس پر پیر رکھتا ہے تو وہ پگھل جاتی ہے اور جب پیر اٹھاتا ہے تو وہ پھر اصل حالت پر آ جاتی ہے' روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الصعود'' دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس کی چڑھائی ستر سال کی ہے' پھر اس سے اتنے ہی سال تک گرتا رہے گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۴۳۳' الماوردی ج ۶ ص ۱۴۱)

المدثر: ۱۸ میں فرمایا: بے شک اس نے سوچا اور فیصلہ کیاO

یعنی اس نے غور وفکر کر کے اپنے دل میں ایک کلام مرتب کیا۔

المدثر: ۱۹ میں فرمایا: اس پر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیاO

اس سے مراد اظہارِ تعجب ہے یعنی وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اس سے زیادہ قوی طعن نہیں کر سکتا تھا' وہ طعن یہ تھا کہ آپ کو جادوگر کہا جائے۔

المدثر: ۲۰ میں فرمایا: اس پر پھر اللہ کی مار ہو اس نے کیسا فیصلہ کیاO

اللہ تعالیٰ تو بددعا دینے سے پاک ہے' مقصد یہ ہے کہ اس کے متعلق اس طرح بددعا کا کلمہ کہنا چاہیے۔

المدثر: ۲۱ میں فرمایا: پھر اس نے غور کیاO

اس کا معنی یہ ہے کہ پہلے اس نے غور وفکر کیا اور سوچا' پھر دوسری بار سوچ کر فیصلہ کیا اور تیسری بار اپنے فیصلہ میں پھر نظر ثانی کی' یہ اس کے دل کے احوال تھے۔

المدثر: ۲۲ میں فرمایا: پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑاO

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو پہچانتا تھا لیکن عناداً آپ کا انکار کرتا تھا اور اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اس نے کافی غور وخوض کے بعد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف ایک شبہ تیار کیا' لیکن چونکہ وہ دل سے آپ کی نبوت کے صدق کا معترف تھا' اس لیے اپنے تیار کیے ہوئے شبہ پر خوش نہیں ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس شبہ کی جڑیں کھوکھلی ہیں' اس لیے اس نے تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا۔

(۲) روایت ہے کہ ولید بن مغیرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا' آپ اس وقت اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ؕ (حٰم السجدۃ:۱۳) اگر یہ (کفار) اب بھی روگردانی کریں تو کہیے: میں تم کو اس کڑک (آسمانی عذاب) سے ڈراتا ہوں جو عاد اور ثمود کی کڑک کی مثل ہےO

اس وقت ولید نے قسم کھائی کہ وہ آپ کے معاملہ میں خاموش رہے گا' اس سے معلوم ہوا کہ ولید جانتا تھا کہ آپ صادق ہیں اور آپ مستجاب الدعوات ہیں' اور جب ولید کفار کے پاس گیا تو ان سے کہا: میں نے ابھی (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سنا ہے' وہ کسی انسان یا جن کا کلام نہیں ہے' اس کلام میں انتہائی خوب صورتی اور مٹھاس ہے' وہ کلام غالب ہوگا' مغلوب نہیں ہوگا۔ (اسباب النزول ص ۴۶۸' المستدرک ج ۲ص ۵۰۶) قریش کہنے لگے: ولید نے دین بدل لیا اور اگر اس نے دین بدل لیا تو سارے قریش اپنے دین بدل لیں گے' ابوجہل نے کہا: اس مہم کو میں سر کروں گا' پھر وہ غم گین صورت بنا کر ولید کے پاس گیا' ولید نے پوچھا: اے بھتیجے! کیا ہوا؟ ابوجہل نے کہا: تم نے دین بدل لیا تا کہ تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب کے دستر خوان سے کھا سکو اور یہ قریش تمہارے لیے مال جمع کر رہے ہیں تا کہ اصحاب محمد سے جو کچھ تم حاصل کرتے ہو' اس کے مساوی معاوضہ تمہیں دے سکیں' ولید نے کہا: وہ تو خود سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے' وہ مجھے مال کیسے دے سکتے ہیں' لیکن میں ان کے متعلق بہت غور و فکر کرتا رہا' بالآخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ جادوگر ہیں' پس میں قرآن کو عظیم کلام گمان کرتا ہوں اور یہ اعتراف کرتا ہوں کہ وہ کسی جن یا انسان کا کلام نہیں ہے' ولید بن مغیرہ کا یہ کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے قرآن مجید کے متعلق جو سحر کا دعویٰ کیا تھا وہ محض عناد تھا۔

(۳) ولید بن مغیرہ یہ جانتا تھا کہ سحر کا تعلق اللہ تعالیٰ کے کفر کے ساتھ ہے' اور وہ بُرے کاموں پر مبنی ہوتا ہے اور یہ بالکل ظاہر تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے تو جادو کرنا آپ کی شان کے کب لائق تھا' اور ان تمام وجوہ سے یہ ثابت ہوا کہ اس نے اس لیے ماتھے پر بل ڈالے اور منہ بنایا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ جو کچھ قرآن مجید کے متعلق کہہ رہا ہے وہ محض افتراء اور بہتان ہے۔

المدثر: ۲۴۔۲۳ میں فرمایا: پھر اس نے اعراض کیا اور تکبر کیاO پھر کہا: یہ (قرآن) تو وہی جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آیا ہےO

ولید بن مغیرہ تمام لوگوں سے پیٹھ پھیر کر اپنے گھر چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کو اپنی بڑائی کے خلاف سمجھا اور کہنے لگا: یہ تو وہی پہلے والا جادو ہے۔

المدثر: ۲۵ میں فرمایا: (ولید نے کہا:) یہ صرف بشر کا کلام ہےO

ولید کا یہ قول بھی عناد پر مبنی تھا' کیونکہ اس نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حٰم السجدۃ: ۱۳ کی تلاوت سنی تھی تو اس نے کہا تھا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے نہ جن کا کلام ہے' اس کلام میں شیرینی ہے اور حسن ہے' یہ کلام غالب رہے گا اور مغلوب نہیں ہوگا' جب پہلے وہ یہ کہہ چکا تھا تو اب اس کا اسی کلام کو بشر کا کلام کہنا محض عناد ہے۔

المدثر: ۲۶ میں فرمایا: میں عنقریب اس کو دوزخ میں داخل کر دوں گاO

اس آیت میں ''سقر'' کا لفظ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سقر جہنم کے چھٹے طبقے کا نام ہے اور یہ اسم غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں دو سبب ہیں: تعریف اور وزن فعل۔

المدثر: ۲۷ میں فرمایا: اور آپ کو کیا معلوم کہ دوزخ کیا ہے! ○

یہ تعظیم کا کلمہ ہے اور یہ دوزخ کے وصف میں انتہائی مبالغہ ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۰۷۔۷۰۴ ملخصاً' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۷۲۔۶۷ ملخصاً)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے ○ وہ کھال کو جھلسانے والی ہے ○ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ○ اور ہم نے دوزخ کے محافظ صرف فرشتے بنائے ہیں' اور ہم نے ان کی یہ تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے' تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا نور اور زیادہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں اور نہ ایمان والے اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کفار یہ کہیں کہ اللہ نے اس عجیب بات کو بیان کر کے کیا ارادہ فرمایا ہے' اسی طرح اللہ جس میں چاہے گم راہی پیدا کر دیتا ہے' اور اللہ کے لشکروں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ صرف بشر کے لیے نصیحت ہے ○

(المدثر: ۳۱۔۲۸)

دوزخ کی صفات کے متعلق قرآن مجید کی آیات

المدثر: ۲۸ میں فرمایا: نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے ○

اس کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے' بعض کے نزدیک ان دونوں جملوں کا معنی واحد ہے' اور دونوں جملوں کو محض تاکید کے لیے لایا گیا ہے' اور بعض کے نزدیک ان دونوں جملوں کے معنی متغایر ہیں اور ان میں درج ذیل وجوہ سے فرق ہے:

(۱) دوزخ خون' گوشت اور ہڈیوں میں سے کسی چیز کو باقی نہیں رکھتی اور جب ان کو دوبارہ پیدا کر دیا جاتا ہے تو ان کے جلانے کو نہیں چھوڑتی اور دوبارہ زیادہ شدت کے ساتھ جلاتی ہے اور غیر متناہی مدت تک اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔

(۲) جو عذاب کے مستحق ہیں ان کو عذاب دیئے بغیر باقی نہیں رکھتی' پھر ان کے بدنوں کو ضرور جلاتی ہے اور جلائے بغیر نہیں چھوڑتی۔

(۳) ان عذاب یافتہ لوگوں کے بدنوں میں سے کسی چیز کو باقی نہیں رکھتی' پھر یہ آگ اپنی قوت اور شدت سے ان کو جلائے بغیر نہیں چھوڑتی۔

المدثر: ۲۹ میں فرمایا: وہ کھال کو جھلسانے والی ہے ○

اس آیت میں ''لواحۃ'' کا لفظ ہے' ''لواحۃ'' کے معنی میں دو قول ہیں: (۱) لیث نے کہا: ''لواحۃ'' کا معنی ہے: متغیر کرنے والی' الفراء نے کہا: وہ کھال کو جلا کر سیاہ کرنے والی ہے (۲) الحسن اور الاصم نے کہا: ''لواحۃ'' کا معنی ہے: ظاہر ہونے والی کیونکہ دوزخ کی آگ پانچ سو سال کی مسافت سے لوگوں پر ظاہر ہو جائے گی' قرآن مجید میں ہے:

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ○ (النزعٰت: ۳۶) اور ہر دیکھنے والے کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی ○

المدثر: ۳۰ میں فرمایا: اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ○

اس آیت کا معنی ہے کہ دوزخ کے معاملات انیس فرشتوں کے حوالے کر دیئے گئے ہیں اور دوزخیوں پر یہ انیس فرشتے مقرر ہیں' انیس کی تفسیر میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ انیس قسم کے فرشتے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ فرشتوں کی انیس صفیں ہیں' امام الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ نے مفسرین سے نقل کیا ہے کہ دوزخ کے انیس محافظ ہیں' ایک مالک ہے' ان کے ساتھ اٹھارہ اور فرشتے ہیں' ان کی آنکھیں بجلی کی طرح ہیں' ان کی ڈاڑھیں گائے کے سینگھ کی طرح ہیں' ان کے بالوں کی لمبائی ان کے قدموں تک ہے' ان کے مونہوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں' ان کے دو کندھوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہے' ان

کی ایک ہتھیلی میں ربیعہ اور مضر جیسے دو قبیلے آ سکتے ہیں' ان سے نرمی اور رحم کو نکال لیا گیا ہے' وہ ستر ہزار افراد کو اپنے ہاتھ میں پکڑ سکتے ہیں اور ان کو جہاں چاہیں دوزخ میں پھینک سکتے ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۷۷ الوسیط للواحدی ج ۴ ص ۳۸۴)

علامہ واحدی متوفی ۴۶۸ھ اور علامہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوجہل لعین نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مددگار انیس فرشتے ہیں' وہ تم کو انیس فرشتوں سے ڈرا رہے ہیں' جب کہ تم ایک جم غفیر ہو' کیا تم میں سے سو آدمی مل کر اس ایک فرشتے کو نہیں پکڑ سکتے اور پھر تم دوزخ سے نکل کر جنت میں چلے جاؤ' پھر ان میں سے بنو جمح کے ابوالاشدین نامی ایک شخص نے کہا: اے قریش کے لوگو! جب قیامت کا دن ہوگا تو میں تمہارے آگے آگے پل صراط پر چلوں گا' پس میں اپنے دائیں کندھے کی ٹکر سے دس فرشتوں کو اور بائیں کندھے کی ٹکر سے بقیہ نو فرشتوں کو دوزخ میں گرادوں گا اور پھر ہم جنت میں داخل ہو جائیں گے' تب اس کے بعد کی آیات نازل ہوئیں۔ (الوسیط ج ۴ ص ۳۸۴' زاد المسیر ج ۸ ص ۴۰۸)

فرشتوں کو دوزخ کا محافظ بنانے کی حکمتیں

المدثر: ۳۱ میں فرمایا: اور ہم نے ان کی یہ تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے۔

جب ابوجہل اور ابوالاشدین نے یہ بڑھکیں اور ڈینگیں ماریں اور شیخی بگھاری تو مسلمانوں نے کہا: تم پر افسوس ہے تم فرشتوں کو لوہاروں اور جیل کے داروغوں پر قیاس کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حسب ذیل وجوہ سے دوزخ کا پہرے دار اور محافظ بنایا ہے:

(۱) تاکہ دوزخ کے داروغہ عذاب یافتہ لوگوں کی جنس سے نہ ہوں کیونکہ اگر وہ ان کی جنس سے ہوتے تو ہوسکتا تھا کہ کفار اور مشرکین کے عذاب کو دیکھ کر ان کے دلوں میں کوئی نرمی اور رحم پیدا ہوتا اور جب وہ ان کی مخالف جنس سے ہوں گے تو یہ امکان نہیں رہے گا' اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم انسانوں کی جنس سے بھیجا گیا تاکہ آپ ہم پر نرمی اور رحم فرمائیں اور ہمارے لیے رؤف ورحیم ہو جائیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں فرشتے سب سے زیادہ ارتکابِ معصیت سے دور ہیں اور سب سے زیادہ پرمشقت عبادت کرنے پر قادر ہیں۔

(۳) ان کی قوت جنات اور انسانوں کی قوت سے زیادہ ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں تو وہ غیر متناہی مدت تک دوزخ میں کیسے رہ سکیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر متناہی مدت تک کفار' مشرکین اور منافقین کو دوزخ کی آگ میں زندہ رکھے گا' ان کے اجسام جلتے رہیں گے اور دوبارہ پھر بنتے رہیں گے تو اس کی قدرت سے کب بعید ہے کہ وہ نور سے بنے ہوئے فرشتوں کو غیر متناہی مدت تک بغیر کسی درد اور تکلیف کے زندہ اور قائم رکھے۔

اس کے بعد فرمایا: تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا نور اور زیادہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں اور نہ ایمان والے' اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کفار یہ کہیں کہ اللہ نے اس عجیب بات کو بیان کر کے کیا ارادہ فرمایا ہے؟

دوزخ کے فرشتوں کی تعداد پر کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات

دوزخ کے محافظوں کی تعداد بیان کرنے میں کفار کی دو وجہ سے آزمائش ہے:

(۱) کفار قرآن مجید کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ دوزخ کے محافظ بیس کیوں نہیں ہیں' انیس کے عدد کی کیا خصوصیت ہے؟

(۲) کفار کہتے تھے کہ انیس کا عدد تو بہت کم ہے اور اہل دوزخ کی تعداد بہت زیادہ ہے' جب سے دنیا بنائی گئی ہے قیامت تک کے کافر' جن اور کافر انسان بے حد اور بے شمار ہیں تو دوزخ میں اتنی بڑی تعداد کی حفاظت کے لیے صرف انیس فرشتے کیسے پورے ہوں گے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے' وہ بغیر کسی علت اور سبب کے جتنی چاہتا ہے' جو چیز چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' اس نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائی ہیں' کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے اس سے کم تعداد میں آسمان اور زمینیں کیوں نہیں بنائیں؟ اس نے نطفہ کو جما ہوا خون بنانے کے لیے چالیس دن مقرر کیے' پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کا ٹکڑا بنانے کے لیے چالیس دن مقرر کیے' پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنانے کے لیے چالیس دن مقرر کیے' پھر اُس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے اس سے کم یا زیادہ مدت کیوں مقرر نہیں کی؟ اس نے ہدایت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور رسل بھیجے' اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں بھیجے؟ آسمانی کتابیں چار نازل کیں' اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں نازل کیں؟ یہ کوئی سوال نہیں کر سکتا' وہ فاعل مختار ہے اور کسی چیز کا جواب دہ نہیں ہے۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ○ وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں ہے اور لوگوں سے سوال کیا جائے گا ○ (الانبیاء: ۲۳)

ان کا دوسرا سوال یہ تھا کہ صرف انیس فرشتوں کی قلیل تعداد ابتداء آفرینش سے قیامت تک تمام کافر جنات اور کافر انسانوں کی دوزخ میں حفاظت کے لیے کیسے کافی ہوگی؟ میں کہتا ہوں کہ یہ تو انیس فرشتے ہیں' اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو صرف ایک فرشتے سے بھی ان سب کی حفاظت کرا سکتا تھا' کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ابتداء آفرینش سے قیامت تک کے تمام جانداروں کی روح قبض کرنے کے لیے صرف ایک فرشتہ عزرائیل ہے' اگر یہ کہا جائے کہ اس کے انصار اور مددگار اور بہت فرشتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ دوزخ کے محافظین کے انصار اور مددگار بھی اور فرشتے ہوں۔ ان معترضین نے اس پر غور نہیں کیا کہ ایک ابلیس ہے اور وہ اکیلا ان جیسے قیامت تک کے تمام لوگوں کو گم راہ کر رہا ہے' دوزخ کے محافظ فرشتے تو پھر بھی انیس ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: اسی طرح اللہ جس میں چاہتا ہے گم راہی پیدا فرما دیتا ہے۔

کفار کی آزمائش کی وضاحت

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کی آزمائش کے لیے دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس مقرر کر دی ہے' تا کہ کفار مکہ انیس کی تعداد پر اعتراض کر کے کافر ہو جائیں یا اپنے کفر میں اور راسخ اور پختہ ہو جائیں۔

اس آزمائش کی حسب ذیل توجیہات کی گئی ہیں:

الجبائی نے کہا: آزمائش کا یہ معنی ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچان لیں کہ اگر وہ چاہے تو صرف انیس فرشتوں کو ایسی طاقت عطا فرما سکتا ہے' جو لاکھوں فرشتوں کو بھی حاصل نہ ہو۔

الکعبی نے کہا: اس آزمائش سے مراد امتحان ہے تا کہ مؤمنین اس تعداد کی حکمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ کر امتحان میں کامیاب ہوں اور کفار اس تعداد پر اعتراضات کر کے انجام کار نا کام ہوں۔

رہا یہ اعتراض کہ جب کافروں میں کفر کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو پھر کافروں کو اس کفر پر سزا کیوں دی جائے گی؟ اس کا جواب کئی بار دیا جا چکا ہے کہ کافروں نے اس کفر کو خود اختیار کیا تھا اور بندہ اپنے لیے جس چیز کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں اسی چیز کو پیدا فرما دیتا ہے۔

سابقہ آسمانی کتابوں میں دوزخ کے فرشتوں کی تعداد کے ذکر پر سید مودودی کے اعتراضات اور ان کے جوابات

ایک سوال یہ ہے کہ دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس ہے اس کو قرآن مجید میں بیان کرنے کی کیا حکمت ہے؟ اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں۔ (المدثر: ۳۱) اہل کتاب کے شک نہ کرنے اور ان کے یقین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی آسمانی کتابوں میں یہ تعداد مذکور ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکتب میں نہیں گئے اور آپ نے سابقہ آسمانی کتابوں کو نہیں پڑھا اور اس کے باوجود آپ نے دوزخ کے فرشتوں کی وہی تعداد بیان کر دی جو ان کی آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کا بہت بڑا ذریعہ بن گیا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس تفسیر پر درج ذیل اعتراض کیا ہے:

یہ تفسیر ہمارے نزدیک دو وجوہ سے صحیح نہیں ہے اوّل یہ کہ یہود و نصاریٰ کی جو مذہبی کتابیں دنیا میں پائی جاتی ہیں ان میں تلاش کے باوجود ہمیں یہ بات کہیں نہیں ملی کہ دوزخ کے فرشتوں کی تعداد ۱۹ ہے۔ دوسرے قرآن مجید میں بہ کثرت باتیں ایسی ہیں جو اہل کتاب کے ہاں ان کی مذہبی کتابوں میں بھی بیان کی گئی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس کی یہ توجیہ کر دیتے ہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ باتیں ان کی کتابوں سے نقل کر لی ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ۶ ص ۱۵۰ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۴۱۱ھ)

اگر سید مودودی کی بات مان لی جائے تو پھر اس کی کیا توجیہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے فرشتوں کی تعداد انیس بیان کرنے کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور نہ اہل کتاب شک کریں۔ (المدثر: ۳۱) خود سید مودودی نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی کوئی توجیہ بیان نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا لازماً یہی معنی ہے کہ دوزخ کے فرشتوں کی یہ تعداد سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی تھی اور قرآن مجید نے ان کے موافق ان فرشتوں کی تعداد انیس بیان کی تاکہ اہل کتاب کو قرآن مجید کی صداقت پر یقین آ جائے اور ایمان والوں کا قرآن مجید پر ایمان اور پختہ ہو جائے اور اہل کتاب شک نہ کریں۔

رہا سید مودودی کا یہ اعتراض کہ یہود و نصاریٰ کی جو مذہبی کتابیں دنیا میں پائی جاتی ہیں ان میں تلاش کے باوجود ہمیں یہ آیت کہیں نہیں ملی کہ دوزخ کے فرشتوں کی تعداد ۱۹ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سید مودودی کے زمانہ میں جو تورات اور انجیل کے نسخے تھے ان میں یہ تعداد لکھی ہوئی نہیں ہوگی لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ کسی زمانہ میں بھی ان کی کتابوں میں یہ تعداد لکھی ہوئی نہیں تھی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ان کی کتابوں میں یہ تعداد لکھی ہوئی نہیں تھی۔ یہ حقیقت مسلم ہے کہ یہود آئے دن اپنی تورات میں تحریف کرتے رہتے ہیں اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ تورات کے ۱۹۲۷ء کے ایڈیشن میں ایک آیت اس طرح لکھی ہوئی تھی:

اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا' فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا' دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ (کتاب مقدس' تورات' استثناء باب: ۳۳' آیت: ۲' پرانا عہد نامہ ص ۱۹۲' مطبوعہ برٹش اینڈ فاران بائبل سوسائٹی' انارکلی' لاہور' ۱۹۲۷ء)

جب ان لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہو رہی ہے کیونکہ آپ مکہ میں دس ہزار صحابہ کے ساتھ داخل ہوئے تھے' تو انہوں نے اس آیت کے الفاظ بدل دیئے اور یوں لکھا: اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔

اب تورات کے موجودہ نسخوں میں یہ آیت اس طرح لکھی ہوئی ہے:

اور اس نے کہا: خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا' اور کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ (کتاب مقدس' تورات' استثناء باب: ۳۳' آیت: ۲۰۳' پرانا عہد نامہ ص ۲۰۱' مطبوعہ بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء)

سید مودودی کا حال کس قدر عجیب ہے کہ وہ قرآن مجید کی اس صریح آیت کو چھوڑ رہے ہیں "تاکہ اہل کتاب یقین کر لیں الایۃ" اور چونکہ ان کے زمانہ میں چھپی ہوئی تورات میں یہ آیت نہیں ہے' اس لیے اس کی تصدیق کر رہے ہیں کہ تورات میں یہ آیت نہیں ہے۔

سید مودودی کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہ کثرت باتیں ایسی ہیں جو اہل کتاب کے ہاں ان کی مذہبی کتابوں میں بھی بیان کی گئی ہیں' لیکن اس کے باوجود وہ اس کی یہ توجیہ کر دیتے ہیں کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں ان کی کتابوں سے نقل کر لی ہیں۔

اگر بالفرض اہل کتاب یہ توجیہ پیش کرتے ہیں تو ان کی یہ توجیہ قطعاً باطل اور مردود ہے' نزولِ قرآن سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکتب میں پڑھنے کے لیے نہیں گئے تھے اور آپ نے اہل کتاب کی کتابیں نہیں پڑھی تھیں اور نہ نزولِ قرآن سے پہلے آپ کا لکھنے پڑھنے کے ساتھ کوئی شغل تھا' قرآن مجید میں اس کی شہادت موجود ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (العنکبوت: ۴۸)

اور نزولِ قرآن سے پہلے آپ نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست لوگ شک میں پڑ جاتے ○

یعنی اگر نزولِ کتاب سے پہلے آپ کا لکھنے پڑھنے کا شغل ہوتا تو آپ کی نبوت اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کے منکرین شک میں پڑ جاتے اور یہ کہتے کہ آپ ہم کو جو کچھ سنا رہے ہیں وہ سب آپ نے پچھلی کتابوں سے نقل کر لیا ہے اور جب نزولِ قرآن سے پہلے آپ کا لکھنے پڑھنے کا شغل تھا ہی نہیں تو کسی کو یہ کہنے کی جرأت ہی نہ ہو سکی' یہ جرأت صرف سید مودودی نے کی ہے اور قرآن مجید کی واضح شہادت کے باوجود اہل کتاب کی خود ساختہ توجیہ کی بنیاد پر اس حقیقت کا انکار کر رہے ہیں کہ سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی یہ تصریح تھی کہ دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تورات اور انجیل محرف تھیں اور اہل کتاب ان کتابوں میں یہ پڑھتے تھے کہ دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس ہے' لیکن ان کو اس تعداد پر مکمل اعتماد اور اطمینان نہیں تھا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ ان دونوں کتابوں میں تحریف ہوتی رہی ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ. (النساء: ۴۶)

یہودی کلام میں اس کے مقامات سے تحریف کرتے رہتے ہیں۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ

وہ کلام میں اس کے اصل مقامات کو چھوڑ کر اس میں تحریف

کر دیتے ہیں۔ (المائدہ:۴۱)

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ (البقرہ:۷۵)

اور ان میں ایک فریق ایسا تھا جو کلام اللہ کو سنتا تھا' پھر عالم اور عاقل ہونے کے باوجود اس میں تحریف کر دیتا تھا○

غرض یہ کہ اہل کتاب کا اپنی کتابوں میں تحریف کرنا ایک ثابت شدہ حقیقت تھی' جس کا انہیں بھی علم اور اعتراف تھا' اس لیے ان کو اس پر کامل اطمینان نہیں تھا کہ دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد ۱۹ ہے' لیکن جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن لیا تو ان کو بھی اس تعداد پر مکمل اعتماد ہو گیا' یہ اور بات ہے کہ بعد میں انہوں نے اس تعداد کے ذکر کو اپنی کتابوں سے نکال دیا تا کہ ان کی کتابوں کی یہ آیت قرآن مجید کی تصدیق کا ذریعہ نہ بن جائے' اور سید مودودی نے ان کی تصدیق کر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار قریش کی تکذیب کا علم تھا' اور آپ جانتے تھے کہ جب آپ دوزخ کے فرشتوں کی اس تعداد کا ذکر کریں گے تو کفار آپ کا مذاق اُڑائیں گے اور آپ پر ہنسیں گے' اس کے باوجود جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اس کو پڑھ کر سنایا اور آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ کفار کیا کہیں گے اور اس وقت سب نے جان لیا کہ اگر آپ کا مقصد دنیا کو طلب کرنا ہوتا اور دنیا میں اپنا تسلط اور اقتدار حاصل کرنا ہوتا تو آپ کبھی اس تعداد کا ذکر نہ کرتے جو آپ کا مذاق اڑانے اور آپ کی نبوت پر طعن کا سبب بنا اور اس سے ہر منصف مزاج شخص پر واضح ہو گیا کہ آپ کا مقصد صرف اللہ کے پیغام کو پہنچانا ہے' خواہ کوئی اس کو مانے یا نہ مانے۔

دوزخ کے فرشتوں کی تعداد کے بیان سے مؤمنین کے ایمان کے زیادہ ہونے کی وضاحت

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے۔

مؤمنین کا اس پر یقین ہوتا ہے بلکہ ان کا اس پر قوی ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے تمام معلومات کا علم ہے اور اس کا علم صحیح ہے اور معلومات کے مطابق ہے اور اس کا علم قدیم اور واجب ہے' اور اس میں تغیر اور زوال محال ہے' اسی طرح اس کا کلام بھی صادق ہے اور واقع کے مطابق ہے اور اس کے کلام میں کذب محال ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دوزخ کے محافظ فرشتے انیس ہیں تو ان کو اس خبر پر کوئی تردد نہیں ہوا' ان کو پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کے کلام کے صدق پر ایمان تھا' اب اس آیت کی تصدیق کرنے سے یہ ایمان اور زیادہ ہو گیا اور جب ان کے علم میں یہ آیا کہ کفار مکہ اس تعداد کا انکار کر رہے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑا رہے ہیں تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کی اور اس تعداد کے صدق پر اپنے ایمان کو مزید مستحکم کیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تمہارے نزدیک ایمان میں کمی اور زیادتی تو نہیں ہوتی تو پھر ایمان والوں کے ایمان کے زیادہ ہونے کی کیا توجیہ ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نفس ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی لیکن ایمان کامل میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے اور اس آیت میں ایمان والوں کے ایمان سے مراد ایمان کامل ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ نفس ایمان کم اور زیادہ تو نہیں ہوتا' لیکن وہ قوی اور ضعیف ہوتا ہے' اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جب کفار نے اس تعداد کا مذاق اڑایا تو ان کا اس تعداد پر ایمان اور قوی ہو گیا۔

اس اعتراض کا جواب کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے' اس کے بعد کفار کا ذکر کرنا تکرار ہے

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کفار یہ کہیں کہ اللہ نے اس عجیب بات کو بیان کر کے کیا ارادہ فرمایا ہے؟

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے' قرآن مجید کے عرف میں ان لوگوں سے مراد منافقین ہوتے ہیں' اور یہ سورت مکی ہے اور مکہ میں تو منافقین نہیں تھے' اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اس سے مراد کفار ہیں تو کفار کا تو اس کے بعد مستقل ذکر آ رہا ہے پھر یہ تکرار ہوگا' نیز دوسرے جملہ کا پہلے جملہ پر عطف ہے اور عطف تغایر کو چاہتا ہے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس سے مراد کفار ہی ہیں' لیکن اس تعداد پر اعتراض کرنے والے دو قسم کے تھے' بعض کفار شک کی وجہ سے اس تعداد پر اعتراض کرتے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں بیماری تھی اور بعض محض بغض اور عناد کی بناء پر اس تعداد کا مذاق اڑاتے تھے اور اس تعداد پر اعتراض کرتے تھے اور دوسرے جملہ میں جو کفار کا ذکر فرمایا ہے' اس سے مراد کفار کی یہی قسم ہے۔

امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے' اس سے مراد منافقین ہی ہیں' رہا یہ اعتراض کہ یہ سورت تو مکی ہے اور منافقین تو مدینہ منورہ میں وجود میں آئے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے' اس کو علم تھا کہ عنقریب منافقین وجود میں آئیں گے' اس لیے اس نے مستقبل میں ہونے والے واقعہ کی پہلے ہی خبر دے دی' اس اعتبار سے یہ آیت معجزہ ہے کہ اس میں غیب کی خبر دی گئی اور بعد میں ایسا ہی ہوا' جن لوگوں کے دلوں میں شک کی بیماری تھی' انہوں نے قرآن مجید پر اعتراضات کیے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شک کرنے والوں سے اہل مکہ ہی مراد لیے جائیں' کیونکہ اکثر کفارِ مکہ قرآن مجید کے صدق پر شک کرتے تھے اور بعض قرآن مجید کی تکذیب پر یقین رکھتے تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۱۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ کفار تو قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہی نہیں تو پھر انہوں نے کیوں کہا: اللہ نے اس مثال سے کیا ارادہ فرمایا ہے؟

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کفار یہ کہیں کہ اللہ نے اس عجیب بات کو بیان کر کے کیا ارادہ فرمایا ہے؟

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ لوگ تو قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانتے ہی نہیں تھے' پھر وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عجیب بات سے کیا ارادہ فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ قول منافقین کا ہے تو وہ ظاہر میں قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانتے تھے' اور اگر یہ قول کفار کا ہے تو ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے نزدیک یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے تو بتائیں اللہ تعالیٰ نے اس عجیب مثال سے کیا ارادہ فرمایا ہے؟

اس سوال کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ خود ہی گمراہ کرتا ہے تو پھر گم راہوں کی مذمت کیوں فرماتا ہے؟

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اسی طرح اللہ جس میں چاہے گم راہی پیدا کر دیتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی کفار میں گم راہی کو پیدا فرمایا ہے تو پھر ان کی مذمت کیوں فرمائی ہے اور آخرت میں ان کو دوزخ میں کیوں ڈالے گا؟ اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ دوزخ کے محافظ فرشتے انیس ہیں تو کچھ لوگوں نے اپنے اختیار سے اس آیت

کی تصدیق کر دی' اور کچھ لوگوں نے اپنے اختیار سے اس آیت کی تکذیب کر دی' جن لوگوں نے اس آیت کی اپنے اختیار سے تصدیق کی' ان میں اللہ تعالیٰ نے ایمان پیدا کر دیا' اور جن لوگوں نے اپنے اختیار سے اس آیت کی تکذیب کی' ان میں اللہ تعالیٰ نے گم راہی پیدا کر دی' پس ہدایت اور گم راہی دونوں کو پیدا اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور دنیا میں انسان کی تحسین یا مذمت اور آخرت میں اس کو ثواب یا عذاب اس کے اختیار اور کسب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۲) معتزلہ نے یہ جواب دیا ہے کہ کفار کو گم راہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر الطاف اور عنایات نہیں کرتا۔

(۳) معتزلہ نے ایک اور جواب یہ دیا ہے کہ کفار کو گم راہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار کو جنت کے راستہ کی ہدایت نہیں دے گا۔

اس شبہ کا ازالہ کہ صرف انیس فرشتے تمام دوزخیوں کو کس طرح عذاب پہنچا سکتے ہیں؟

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور اللہ کے لشکروں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آیت کے اس حصہ میں اس شبہ کا ازالہ ہے کہ فقط انیس فرشتے بے شمار کافر جنات اور کافر انسانوں کو عذاب دینے کے لیے کیسے کافی ہوں گے؟ اور اس کا ازالہ اس طرح ہے کہ ان انیس محافظوں کے ماتحت کس قدر فرشتے ہیں' ان کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ انیس کا عدد مقرر کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے' اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کو دوزخ میں عذاب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کی کوئی حاجت نہیں ہے' کیونکہ حقیقت میں عذاب دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' وہی دوزخ میں کفار اور مشرکین کے اندر درد اور الم کو پیدا فرمائے گا۔

اللہ کے لشکر کا بیان

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں ہے کہ خشکی کی مخلوقات' سمندری مخلوقات کا دسواں حصہ ہیں اور ان کا مجموعہ فضائی مخلوقات کا دسواں حصہ ہے اور ان سب کا مجموعہ آسمانِ دنیا کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے اور اس کا مجموعہ دوسرے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے' اسی طرح ساتویں آسمان تک کے فرشتوں کی تعداد ہے اور اس کا مجموعہ کرسی کے فرشتوں کی تعداد کا دسواں حصہ ہے' اور اس کا مجموعہ حاملینِ عرش کے فرشتوں کی تعداد کا دسواں حصہ ہے اور ان سب کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ماسوا کتنی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔

یہ آیت اور اس کی مثل دیگر آیات اور احادیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ اجسامِ علویہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے لشکر ہیں اور ان کے حقائق اور احوال کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' اور اللہ عز وجل کی سلطنت کے دائرہ کا کلام احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کے مرکز کی طرف طائرِ فکر کی پرواز پہنچ سکتی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۲۱' دار الفکر' ۱۴۱۷ھ)

''اور یہ صرف بشر کے لیے نصیحت ہے'' کے مرجع کی تعیین

اس آیت کا آخری جملہ یہ ہے: اور یہ صرف بشر کے لیے نصیحت ہے O

اس میں اختلاف ہے کہ یہ ضمیر کس کی طرف لوٹ رہی ہے' بعض مفسرین نے کہا: یہ سقر (دوزخ) کی طرف لوٹ رہی ہے' یعنی اس سے پہلے دوزخ اور اس کی صفات کا جو ذکر فرمایا ہے وہ صرف بشر کے لیے نصیحت ہے تاکہ بشر ایسے کام نہ کرے جو دوزخ میں پہنچانے کا موجب ہوں' اور بعض مفسرین نے کہا: یہ ضمیر ان آیات کی طرف راجع ہے جن میں ان متشابہات کا ذکر کیا

گیا ہے اور دوزخ کے احوال میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس ہے اور یہ آیات تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہیں لیکن ان سے فائدہ صرف مؤمنین حاصل کرتے ہیں۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾

ہرگز نہیں! چاند کی قسم ○ اور رات کی جب وہ جانے لگے ○ اور صبح کی جب وہ روشن ہو ○

إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَن شَاءَ

بے شک دوزخ ضرور بہت بڑی چیزوں سے ایک ہے ○ بشر کو ڈرانے والی ہے ○ تم میں سے ہر اس شخص

مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

کے لیے (ڈرانے والی) ہے جو (نیکی میں) آگے بڑھے یا (برائی کی وجہ سے) پیچھے رہ جائے ○ ہر شخص اپنے عمل کے

رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾

بدلے میں گروی ہے ○ ماسوا دائیں طرف والوں کے ○ وہ جنتوں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے ○

عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ

مجرموں کے متعلق ○ (وہ مجرموں سے کہیں گے:) تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟ ○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے

مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا

والوں میں سے نہ تھے ○ اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ○ اور ہم لغو

نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾

کاموں میں مشغول رہتے تھے ○ اور ہم یوم جزا کی تکذیب کرتے تھے ○

حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿٤٨﴾

حتیٰ کہ ہم پر یقینی چیز آ گئی ○ پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی ○

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ

پس انہیں کیا ہوا جو وہ نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں ○ گویا وہ بدکے ہوئے

معانقہ عند المتقدمین

مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ

وحشی گدھے ہیں ○ جو شیر سے بھاگ رہے ہیں ○ بلکہ ان میں سے ہر شخص

امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا بَلْ

یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں ○ ہرگز نہیں! بلکہ

لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَآءَ

یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے ○ ہرگز نہیں! بے شک یہ نصیحت ہے ○ سو جو چاہے

ذَكَرَهٗ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ

اس نصیحت کو قبول کرے ○ اور وہ صرف اللہ کے چاہنے سے ہی نصیحت کو قبول کریں گے' وہی اس کا

التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور مغفرت فرمانا اسی کی شان ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! چاند کی قسم ○ اور رات کی جب وہ جانے لگے ○ اور صبح کی جب وہ روشن ہو ○ بے شک دوزخ ضرور بہت بڑی چیزوں سے ایک ہے ○ (المدثر: ۳۵۔۳۲)

دوزخ کی مزید صفات کا تذکرہ

المدثر: ۳۲ میں لفظ "کلا" ہے' یہ لفظ انکار کے لیے آتا ہے' اس سے پہلے فرمایا: یہ صرف بشر کے لیے نصیحت ہیں' یعنی دوزخ کے متعلق آیاتِ نصیحت ہیں' اس سے اگر کوئی شخص یہ گمان کرلے کہ پھر کفارِ مکہ نے بھی ان آیات سے ہدایت حاصل کر لی؟ تو اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا' ہرگز نہیں یعنی انہوں نے ہدایت حاصل نہیں کی' یا اس سے اس شخص پر انکار کیا جو یہ کہتا تھا کہ وہ دوزخ کے فرشتوں سے مقابلہ پر قادر ہے یا ان لوگوں پر انکار فرمایا ہے جو دوزخ کے فرشتوں کی تعداد کا مذاق اڑاتے تھے' پھر چاند کی اور رات کی اور روشن صبح کی قسم کھا کر فرمایا: بے شک دوزخ ضرور بہت بڑی چیزوں سے ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بشر کو ڈرانے والی ہے ○ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے (ڈرانے والی ہے) جو (نیکی میں) آگے بڑھے یا (برائی کی وجہ سے) پیچھے رہ جائے ○ ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں گروی ہے ○ ماسوا دائیں طرف والوں کے ○ (المدثر: ۳۹۔۳۶)

یعنی دوزخ ان بہت بڑے مصائب میں سے ایک ہے' جن سے ڈرایا جاتا ہے۔

المدثر: ۳۷ کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص نیکی میں آگے بڑھنا چاہے' اس کے حق میں دوزخ ڈرانے والی ہے اور جو شخص برائی میں مبتلا ہو کر پیچھے رہنا چاہے' اس کو بھی دوزخ ڈرانے والی ہے۔

امام رازی کا جبریہ کی تائید کرنا

معتزلہ نے اس آیت سے جبریہ کے خلاف استدلال کیا ہے کہ بندہ اپنے افعال پر قادر ہے' مجبور نہیں ہے۔امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بندہ کے افعال اس کی مشیّت (اس کے چاہنے) پر موقوف ہیں اور بندہ کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ . (الدھر:۳۰) تم وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔

(اس آیت کی تحقیق ہم ان شاء اللہ سورۃ الدھر میں کریں گے) امام رازی فرماتے ہیں: اس صورت میں یہ آیت معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے اور اصحاب نے اس آیت کے دو اور جواب بھی دیئے ہیں:

(۱) اس آیت میں دھمکانے کے لیے مخاطبین کی مشیت کی طرف نسبت کی ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ . جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(الکہف:۲۹)

(۲) اس آیت میں بندوں کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر محمول ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے جس شخص کو آگے بڑھانا چاہے گا یا اللہ تعالیٰ جس شخص کو پیچھے رکھنا چاہے گا' اس کے لیے دوزخ ڈرانے والی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۱۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی جبریہ کی تائید پر مصنف کا تبصرہ

جس طرح اس آیت کی تفسیر میں امام رازی نے جبریہ کی تائید کی ہے' اسی طرح قرآن مجید کی اور متعدد آیات میں امام رازی نے جبریہ کی تائید اور تقویت کی ہے' لیکن جمہور اہل سنت کے نزدیک قدر اور جبر دونوں نظریات باطل ہیں' معتزلہ اور قدریہ کا نظریہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے' اور جبریہ کا مؤقف یہ ہے کہ انسان کو اپنے افعال پر کوئی اختیار نہیں ہے' انسان وہی چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور انسان وہی فعل کرتا ہے جو اس میں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے' اور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کے افعال کو خلق' اللہ تعالیٰ کرتا ہے کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور ان افعال کا کسب بندہ کرتا ہے اور کسب کا معنی ہے: فعل کا ارادہ کرنا' بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کرتا ہے اور بندہ کو جو جزاء اور سزا ملتی ہے وہ بندے کے کسب اور ارادہ کی بناء پر ملتی ہے' اور جبریہ کا مؤقف اس وجہ سے باطل ہے کہ اگر انسان کا اپنے افعال میں کوئی اختیار اور ارادہ نہ ہو تو پھر قیامت' جزاء اور سزا' جنت اور دوزخ سب بے معنی اور عبث ہو جائیں گے' کیونکہ جب بندہ کا کسی فعل میں کوئی اختیار نہ ہو' اور وہ نیک کام کرے یا بد کام کرے' وہ کام اس کے اختیار اور ارادہ کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے پیدا کرنے سے اس سے صادر ہو رہے ہوں تو اسے نیک کاموں پر کس وجہ سے جزاء ملے گی اور بُرے کاموں پر کس وجہ سے سزا ملے گی؟ پھر اللہ تعالیٰ کا نبیوں اور رسولوں کو دنیا میں ہدایت کے لیے بھیجنا بھی بے معنی اور عبث ہو گا' کیونکہ جب انسان کو کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے' تو پھر نبیوں اور رسولوں کا اسے نیکی کی تلقین کرنا اور بُرائیوں سے روکنا کس وجہ سے ہو گا؟ نیز ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کے ہاتھ میں رعشہ ہو' اس کے ہاتھ اس کے اختیار اور اس کے ارادہ کے بغیر حرکت کرتے رہتے ہیں اور جو آدمی صحیح اور تندرست ہو وہ جب چاہے اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتا ہے اور جب چاہے حرکت نہیں دیتا اور ان دونوں کی حرکتوں میں بداہۃً فرق ہے' مرتعش کی حرکات اس کے اختیار اور ارادہ کے بغیر صادر ہوتی ہیں' اور تندرست آدمی کی حرکات اس کے اختیار اور ارادہ سے صادر ہوتی ہیں' لہٰذا جبریہ کا یہ کہنا کہ انسان جمادات کی طرح بے اختیار اور مجبور ہے اور امام

رازی ایسے عقلیات کے امام کا جبریہ کی تائید کرنا ہماری عقل سے بالاتر ہے' ممکن ہے اس کی کوئی وجہ وجیہ ہو' جس تک ہم نہ پہنچ سکے ہوں۔

المدثر: ۳۹۔۳۸ میں فرمایا: ہر شخص اپنے عمل کے بدلہ میں گروی ہے O ماسوا دائیں طرف والوں کے O

وہ کون سے نفوس ہیں جو قیامت کے دن اپنے اعمال کے عوض گروی ہوں گے اور وہ کون سے نفوس ہیں جو گروی نہیں ہوں گے؟

اس آیت کا معنی ہے: ہر نفس نے اپنے آپ کو اللہ کے پاس اپنے عمل کے بدلہ میں رہن اور گروی رکھا ہوا ہے' اور اس کے عمل کے مطابق اس سے معاملہ کیا جائے گا' اگر اس کے اعمال نیک ہیں تو وہ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لے گا اور اگر اس کے اعمال بد ہیں تو اپنے نفس کو ہلاکت سے نہیں بچا سکے گا۔

ماسوا دائیں طرف والوں کے' کیونکہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے گروی نہیں ہوں گے' ان کے مصداق اور ان کی تعیین میں اختلاف ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ ملائکہ ہیں' حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ مسلمانوں کی اولاد ہیں' وہ مکلف نہیں تھے۔ انہوں نے کوئی کسب نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ گروی ہوں' ابن جریج نے کہا: ہر شخص سے حساب لیا جائے گا ماسوا دائیں طرف والوں کے اور وہ اہل جنت ہیں' پس بے شک ان سے حساب نہیں لیا جائے گا' اور اسی طرح مقاتل نے بھی کہا ہے کہ یہ وہ اصحاب الجنۃ ہیں جو یوم میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تھے' جب اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: یہ جنتی ہیں اور مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے' الحسن اور ابن کیسان نے کہا: یہ وہ مخلص مسلمان ہیں جن کے نفوس کو گروی نہیں رکھا جائے گا کیونکہ انہوں نے اپنے حقوق ادا کر دیئے ہوں گے' ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صحائف اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے' امام ابوجعفر نے کہا: ہم اور ہمارے شیعہ دائیں طرف والے ہیں (اس قول میں شیعہ سے مراد ان کے محبین ہیں' آج کل کے شیعہ اور رافضی مراد نہیں ہیں) اور ہم اہل بیت سے جس نے بغض رکھا ان کے نفوس قیامت کے دن گروی ہوں گے' الحکم نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت کے لیے چن لیا' یہ گروی نہیں ہوں گے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے خدام اور اس کے چنے ہوئے بندے ہیں اور ان کو ان کا کسب ضرر نہیں دے گا' القاسم نے کہا: ہر شخص سے اس کے عمل پر محاسبہ کیا جائے گا خواہ اس کا عمل نیک ہو یا بد ہو' ماسوا اس کے جس کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر ہو نہ کہ اپنے اعمال پر اور جس نے اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کیا اس کا نفس گروی نہیں ہوگا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۸۰۔۷۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جنتوں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے O مجرموں کے متعلق O (وہ مجرموں سے کہیں گے:) تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟ O وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے O اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے O اور ہم لغو کاموں میں مشغول رہتے تھے O اور ہم یوم جزا کی تکذیب کرتے تھے O حتیٰ کہ ہم پر یقینی چیز آ گئی O (المدثر: ۴۷۔۴۰)

اس کی تحقیق کہ کفار احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب ہیں یا نہیں

ان آیتوں کا معنی یہ ہے کہ دائیں طرف والے ایک دوسرے سے مجرمین کے متعلق سوال کریں گے اور یہ کہیں گے کہ مجرمین کہاں ہیں؟ اور جب ان کو دیکھ لیں گے تو کہیں گے: تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

امام محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ ضروری ہے کہ اس آیت میں نماز سے مراد فرض نماز ہو اور زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ واجبہ ہو کیونکہ واجب کے ترک پر ہی عذاب ہوتا ہے اور انہوں نے کہا: ہم لغو کاموں میں مشغول رہتے تھے اس سے مراد ہے: ہم باطل کاموں میں مشغول رہتے تھے اور انہوں نے کہا: ہم یوم جزاء یعنی قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے حتیٰ کہ ہم پر موت آ گئی۔

امام رازی فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ کفار کو احکامِ شرعیہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا' اس کی مکمل بحث ہم نے اپنی کتاب ''المحصول من اصول الفقہ'' میں کی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۱۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ سورۃ المدثر انتیس ویں پارہ کی آخری چار سورتوں میں سے ہے اور یہاں تک کی تفسیر امام رازی ہی کی' کی ہوئی ہے جیسا کہ ان کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار احکامِ فرعیہ کے مکلّف ہیں اور اس کی پوری تحقیق ہم نے اپنی کتاب المحصول میں کی ہے۔

المحصول میں امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

ہمارے اکثر اصحاب اور اکثر معتزلہ کا مؤقف یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ فرعیہ میں اللہ تعالیٰ کا امر (حکم) حصولِ ایمان پر موقوف نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے جمہور اصحاب نے کہا ہے کہ احکامِ شرعیہ فرعیہ میں امر (حکم) حصولِ ایمان پر موقوف ہے اور ہمارے فقہاء میں سے ابو حامد اسفرائنی کا بھی یہی قول ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کفار نواہی (ممنوعات) کے مخاطب ہیں اور اوامر (احکام) کے مخاطب نہیں ہیں۔

واضح رہے کہ اس اختلاف کا دنیاوی احکام میں کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا' کیونکہ کافر جب تک اپنے کفر پر قائم ہے' اس کا نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور جب وہ اسلام قبول کر لے تو اس پر قضاء واجب نہیں ہے' اس اختلاف کا ثمرہ آخرت میں مرتب ہوتا ہے' کیونکہ کافر جب اپنے کفر پر مر جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کو اپنے کفر پر عذاب ہوگا' رہا یہ کہ اس کو نماز' زکوٰۃ اور دیگر احکامِ شرعیہ کے ترک پر بھی عذاب ہوگا یا نہیں؟ سو اس مسئلہ میں ہمارا مؤقف یہ ہے کہ جس طرح کافر کو ایمان نہ لانے پر عذاب ہوگا' اسی طرح اس کو عبادت کے ترک کرنے پر بھی عذاب ہوگا اور دوسرے فریق نے یہ کہا کہ کافر کو صرف ایمان نہ لانے پر عذاب ہوگا۔ اس مسئلہ میں ہمارے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) کافر کے لیے ان عبادات کے وجوب کا سبب قائم ہے اور کفر ان عبادات کو کرنے سے مانع نہیں ہے' لہٰذا کافر کو ان عبادات کے ترک کرنے پر عذاب ہوگا۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ کافر کے لیے ان عبادات کو کرنے کا سبب قائم ہے' اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ . (البقرہ: ۲۱) — اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ . (آل عمران: ۹۷) — اور اللہ کے لیے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں' جو لوگ سفر حج کی طاقت رکھتے ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں عبادت اور حج کرنے کا حکم عام لوگوں کو دیا ہے جس میں مؤمن اور کافر دونوں شامل ہیں۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ کفر عبادت کرنے سے مانع نہیں ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر اس پر قادر ہے کہ وہ پہلے ایمان لائے'

پھر نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے' جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ بے وضو شخص کو بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ پہلے وضو کرے پھر نماز پڑھے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ کافروں کو نماز نہ پڑھنے اور زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے عذاب ہوگا:

مَاسَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ (المدثر: ۴۳-۴۲)

(مؤمن مجرموں سے کہیں گے:) تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے○

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ تو کافروں کا قول ہے' ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ قول باطل ہو اور اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اگر ان کا یہ قول باطل ہوتا تو اللہ فرمادیتا کہ ان کا یہ جواب باطل ہے' معترض کہتا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ (الانعام: ۲۳)

اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے○

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تکذیب نہیں کی' پس معلوم ہوا کہ مشرکین کے غلط اور جھوٹے قول کی تکذیب ضروری نہیں' پس ہوسکتا ہے کہ مشرکین کا یہ کہنا کہ ہم کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے یہ بھی جھوٹا قول ہو۔

معترض کہتا ہے کہ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کفار کو صرف تکذیب کی بنا پر عذاب ہو رہا ہو' قرآن مجید میں ہے:

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ (المدثر: ۴۶)

اور ہم یوم جزاء کی تکذیب کرتے تھے○

اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن کی تکذیب کرنا' دوزخ میں دخول کا مستقل سبب ہے اور جب دوزخ میں دخول کا مستقل سبب موجود تھا تو کسی اور سبب کی ضرورت نہیں تھی۔

معترض کہتا ہے: اگر ہم یہ تمام باتیں مان لیں' پھر بھی یہ تو ہوسکتا ہے کہ ''لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○'' (المدثر: ۴۳) کا معنی ہو''لم نك من المومنين ''یعنی ہم کو عذاب اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم مؤمن نہ تھے' اور ''مصلین'' کا معنی مؤمنین ہے' اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مخنث کو لایا گیا' جس نے اپنے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگائی ہوئی تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ پس بتایا گیا: یارسول اللہ! یہ شخص عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے' پھر آپ کے حکم سے اس کو مدینہ بدر کر دیا گیا' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ اس کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: مجھے ''مصلین'' (نماز پڑھنے والوں) کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۲۸)

اس حدیث میں بھی ''مصلین'' سے مراد مؤمنین ہیں۔

معترض کہتا ہے: چلو اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ ان کفار کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا تو یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ ان کفار سے مراد وہ لوگ ہوں جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے' پس انہوں نے اپنے زمانۂ اسلام میں نمازیں پڑھی تھیں' لیکن ان کو اس وجہ سے عذاب ہو رہا تھا کہ وہ آخر وقت تک نمازیوں کے ساتھ شامل نہیں رہے تھے۔

امام رازی ان تمام اعتراضات کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس قول کو نقل فرمایا ہے کہ ان کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا تو ضروری ہے کہ کفار کا یہ کلام صادق ہو کیونکہ اگر ان کا یہ کلام کاذب ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے کذب کو بیان فرما دیتا' ورنہ ان کے اس کلام کو نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اور معترض نے جو یہ کہا ہے کہ کفار نے

قیامت کے دن یہ بھی کہا تھا کہ اللہ کی قسم! ہم شرک کرنے والے نہ تھے' اور ان کا یہ کلام بداہۃً جھوٹ تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا رد نہیں فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد اس لیے نہیں فرمایا کہ عقل ان کے اس کلام کو باطل سمجھنے کے لیے کافی تھی اور ان کے اس کلام کو نقل اس لیے فرمایا تا کہ دنیا اور آخرت میں ان کا عناد اور ان کی ہٹ دھرمی واضح ہو جائے' اور المدثر: ۴۳ میں ان کے کلام کے کذب کو سمجھنے کے لیے عقل کافی نہیں تھی' اس لیے اس کلام کا رد نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ کفار کا یہ کلام صادق ہے' ورنہ اس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

رہا معترض کا یہ کہنا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کو عذاب اس وجہ سے ہوا ہو کہ وہ قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے جیسا کہ المدثر: ۴۶ میں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ "قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝" (المدثر: ۴۴۔۴۳) کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ اور بلا فائدہ کیا ہو' اور معترض نے جو یہ کہا ہے کہ قیامت کی تکذیب کرنا کفار کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب مستقل ہے' پھر دوسرے اسباب کی کیا ضرورت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کے عذاب میں اضافہ کرنے کے لیے ان اسباب کی بھی ضرورت ہے۔

معترض نے یہ کہا کہ ہو سکتا ہے "مصلین" سے مراد مؤمنین ہوں' ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل اس آیت میں جاری نہیں ہو سکتی: "وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝" (المدثر: ۴۴) اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے' معترض نے جو معارضہ کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بھی مجرمین میں داخل ہیں۔

(۳) ہمارے مؤقف پر تیسری دلیل یہ ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ (القیامۃ: ۳۱) — نہ اس نے تصدیق کی نہ نماز پڑھی ۝

اس کے بعد فرمایا:

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ (القیامۃ: ۳۵۔۳۴) — تیری موت کے وقت عذاب لائق ہے پھر قبر میں عذاب لائق ہے ۝ پھر حشر میں تیرے لیے عذاب لائق ہے' پھر دوزخ میں تیرے لیے عذاب لائق ہے ۝

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ . (حٰم السجدہ: ۷۔۶) — ان مشرکین کے لیے عذاب ہے ۝ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔

(۴) اس مؤقف پر چوتھی دلیل یہ ہے کہ کفار نہی کے بالاتفاق مخاطب اور مکلف ہیں' سو ضروری ہے کہ وہ امر کے بھی بالاتفاق مکلف ہوں' وہ نہی کے اس لیے مکلف ہیں تا کہ اس خرابی سے احتراز حاصل ہو' جو امر ممنوع کے ارتکاب سے پیدا ہوتی ہے' پس ضروری ہوا کہ وہ امر کے بھی مخاطب اور مکلف ہوں تا کہ وہ مصلحت حاصل ہو جو مامور بہ پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ (المحصول ج ۲ ص ۴۱۳۔۴۰۸ ملخصاً وخرجاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

کفار فروع کے مخاطب ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا مؤقف اور ان کے دلائل

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

قاعدہ یہ ہے کہ جن افعال کے کرنے کے جواز کا تعلق مؤمنین کے ساتھ ہے' جب ان کی نسبت کفار کی طرف کی جائے تو اس سے مراد ان افعال کا قبول کرنا ہوتا ہے اور جب ان افعال کی نسبت مؤمنوں کی طرف کی جائے تو خود وہ افعال مراد ہوتے

ہیں' لہٰذا اب یہ سوال نہیں ہوگا کہ کفار کو نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے عذاب کیوں دیا جائے گا' کفار تو نماز پڑھنے کے مکلف ہی نہیں ہیں کیونکہ بغیر ایمان کے نماز قبول نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو عذاب اس لیے دیا جائے گا کہ انہوں نے نماز پڑھنے کے حکم کو قبول نہیں کیا تھا۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ کفار کو عذاب اس وجہ سے دیا جائے گا کہ وہ قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے' اور اگر وہ نماز پڑھتے اور مسکین کو کھانا کھلاتے' تب بھی ان کو اس عمل سے فائدہ نہ ہوتا کیونکہ ان کا اللہ پر اور قیامت پر ایمان نہیں تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۲۵' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

صدر الشریعۃ الفقیہ عبید اللہ بن مسعود حنفی متوفی ۷۴۷ھ لکھتے ہیں:

آیا کفار احکامِ شرعیہ کے مخاطب ہیں یا نہیں' یہ مسئلہ امام فخر الاسلام کی کتاب الاصول میں نہیں ہے' لیکن جب کہ یہ مسئلہ امام شمس الائمۃ کی کتاب الاصول میں مذکور ہے تو اس کا امام سرخسی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے:

کفار ایمان کے اور عقوبات (حدود) اور معاملات اور عبادات کے آخرت میں مواخذہ کے حق میں مخاطب ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ (المدثر: ۴۴-۴۲)

(مؤمنین' مجرمین سے کہیں گے:) تمہیں کس جرم نے دوزخ میں داخل کیا؟ ۝ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے ۝ اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ۝

کفار ایمان' عقوبات اور معاملات کے تو بالاتفاق مکلف ہیں اور مواخذہ آخرت کے حق میں وہ عبادات کے بھی بالاجماع مکلف ہیں' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے' باقی رہا دنیا میں عبادات کو ادا کرنا تو اس میں اختلاف ہے' مشائخ عراق کے نزدیک ان پر دنیا میں عبادات کو ادا کرنا واجب ہے' کیونکہ اگر ان پر عبادات کو ادا کرنا واجب نہ ہوتا تو ان عبادات کو ترک کرنے پر ان سے آخرت میں مواخذہ نہ ہوتا' اور ہمارے شہروں کے مشائخ (مشائخ سمرقند) کے نزدیک کفار عبادات کے مخاطب نہیں ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت دینے کی دعوت دو' پھر اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں تو ان کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۲۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۸۳' مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۳)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر پانچ نمازیں اس وقت فرض ہوں گی جب وہ توحید کی شہادت ادا کردیں' ورنہ نہیں' جو فقہاء مفہوم مخالف سے استدلال کے قائل ہیں' ان کے اعتبار سے تو یہ دلیل بالکل ظاہر ہے' ہمارے نزدیک اس وجہ سے کہ کفار پر عبادت کی فرضیت کی کوئی دلیل نہیں ہے' نیز اس لیے کہ عبادت کرنے کا حکم حصولِ ثواب کے لیے دیا جاتا ہے اور کفار حصولِ ثواب کے اہل نہیں ہیں اور ان سے عبادت کا ساقط ہونا ان کے حق میں تخفیف نہیں ہے' بلکہ یہ ان پر تغلیظ ہے' اس کی نظیر یہ ہے کہ طبیب جب مریض کی شفاء سے مایوس ہو جائے تو اس کو دوا پینے کا حکم نہیں دیتا کیونکہ دوا اس کے لیے غیر مفید ہے' اسی طرح یہاں ہے' اور امام شمس الائمۃ سرخسی نے ذکر کیا کہ ہمارے علماء نے اس مسئلہ میں کوئی تصریح نہیں کی بلکہ بعض متاخرین نے حنفی شافعی اختلافی مسائل سے استدلال کیا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں اختلاف ہے' بعض متاخرین نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جب مرتد دوبارہ مسلمان ہو جائے تو اس پر ایامِ ردّت کی نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک قضاء لازم ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے نزدیک مرتد نماز کے حکم کا مخاطب نہیں ہے' اور امام شافعی کے

نزدیک مخاطب ہے' اور بعض متاخرین نے اس مسئلہ سے استنباط کیا ہے کہ جب ایک شخص نے اوّل وقت میں نماز پڑھی' پھر العیاذ باللہ وہ مرتد ہو گیا پھر وہ دوبارہ اسلام لے آیا اور ابھی وقت باقی تھا تو ہمارے نزدیک اس پر لازم ہے کہ اس نماز کو ادا کرے اور امام شافعی کے نزدیک لازم نہیں ہے' کیونکہ اس کے مرتد ہونے سے وہ خطاب معدوم ہو گیا' وہ نماز اس سے خطاب کی بناء پر صحیح تھی اور جب خطاب معدوم ہو گیا تو وہ ادا باطل ہو گئی اور جب وہ دوبارہ مسلمان ہوا اور وقت باقی تھا تو اس پر وہ نماز ابتداءً واجب ہو گئی اور امام شافعی کے نزدیک مرتد بھی حکم شرعی کا مخاطب ہے' لہٰذا اس کی ادا باطل نہیں ہوئی' اور یہ تمام دلائل ضعیف ہیں۔

پہلی دلیل کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس پر ہمارے نزدیک ایام ردّت کی قضا لازم نہیں ہے' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ (الانفال:۳۸) آپ کافروں سے کہیے کہ اگر یہ باز آ جائیں تو ان کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

پس مرتد پر ایام ردّت کی نمازوں کی قضاء لازم نہ ہونے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ کفار ہمارے نزدیک احکامِ شرعیہ کے مخاطب نہیں ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانۂ کفر کے گناہ معاف کیے جا چکے ہیں' خواہ وہ احکامِ شرعیہ کے مخاطب رہے ہوں۔ اور دوسری دلیل کی وجہ ضعف یہ ہے کہ جس شخص نے اوّل وقت میں نماز پڑھی پھر مرتد ہو گیا اور ابھی نماز کا وقت باقی تھا کہ وہ پھر مسلمان ہو گیا تو اس کی اوّل وقت میں پڑھی ہوئی نماز اس لیے باطل ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۚ (المائدہ:۵) جس شخص نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا تو اس کا عمل باطل ہو گیا۔

پس اس کی اوّل وقت میں پڑھی ہوئی نماز باطل ہو گئی اور جب وہ دوبارہ مسلمان ہوا اور ابھی اس نماز کا وقت ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ نماز دوبارہ پڑھے' اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ ہمارے نزدیک مرتد ہونے کے وقت میں حکم شرعی کا مخاطب نہیں رہا تھا۔ (توضیح ج ا ص ۳۹۳۔۳۹۰' اصح المطابع' نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی' ۱۴۰۰ھ)

علامہ عبید اللہ کی یہ پوری تقریر علامہ سرخسی متوفی ۴۸۳ھ کی اصول السرخسی ج اص ۹۱۔۸۸' دار المعرفۂ بیروت' ۱۴۱۸ھ کا خلاصہ ہے۔

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ ''توضیح'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

کفار پر دنیا میں عبادت کے واجب ہونے کے متعلق عراق کے مشائخ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ کفار پر دنیا میں عبادات کا ادا کرنا واجب ہے اور وہ عبادات کے حکم کے مخاطب ہیں اور یہی امام شافعی کا قول ہے' اور ماوراء النہر کے شہروں کے عام مشائخ (سمرقند کے فقہاء) کا قول یہ ہے کہ کفار عبادات کے حکم کے مخاطب نہیں ہیں' قاضی ابوزید' امام سرخسی' فخر الاسلام بزدوی اور عام متاخرین کا بھی یہی مختار ہے۔ (تلویح ج اص ۳۹۱' اصح المطابع' کراچی' ۱۴۰۰ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''توضیح'' میں المدثر: ۴۳ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ کفار عبادات کے مخاطب ہیں اور یہ امام شافعی اور عراق کے مشائخ حنفیہ کے موافق ہے' اور صاحب توضیح اہل سمرقند کے قول کو ثابت کرنے کے درپے نہیں ہوئے اور اہل سمرقند نے جو یہ کہا ہے کہ اس آیت کی یہ تاویل ہے کہ وہ کفار نماز کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھتے' ان کا یہ جواب مردود ہے کہ یہ

مجاز ہے اور مجاز بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتا' اور اس مسئلہ میں معتمد قول مشائخ عراق کا ہے' جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے کہا ہے کہ کفار کو عبادات نہ کرنے پر عذاب ہوگا اور ظاہر نصوص مشائخ عراق کی تائید کرتی ہیں' اور اس کی مخالفت محض تاویل سے ہے اور حضرت معاذ کی حدیث میں مذکور ترتیب سے ہے کہ پہلے کفار کو ایمان کی دعوت دو' پھر بتاؤ کہ ان پر پانچ نمازیں فرض ہیں' اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کفار عبادت کے حکم کے مخاطب نہیں ہیں' البتہ ان کی عبادت بغیر ایمان کے صحیح نہیں ہوگی' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کی طرف سے اس مسئلہ میں کوئی قول منقول نہیں ہے حتیٰ کہ ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

(نسمات الاسحار شرح المنار ص ١٦١۔١٦٠' ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ' ١٤١٨ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی متوفی ١٠٦٩ھ' البقرہ: ٢١ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علامہ بیضاوی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ'' (البقرہ: ٢١) علقمہ اور الحسن نے روایت کیا ہے کہ ہر وہ چیز جس میں ''یایھا الناس'' نازل ہوئی ہے وہ مکی آیت ہے اور ہر وہ چیز جس میں ''یایھا الذین امنوا'' نازل ہوئی ہے وہ مدنی آیت ہے' اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تب بھی اس آیت کی کفار کے ساتھ تخصیص واجب نہیں ہے' اور نہ ان کو خصوصیت کے ساتھ عبادت کا حکم دینا واجب ہے کیونکہ جو حکم دیا گیا ہے کہ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو' یہ عبادت کی ابتداء کرنے میں اور عبادت میں زیادتی اور اس کے دوام میں عام ہے' پس کفار سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد عبادت کی ابتداء کریں کیونکہ ایمان لانا عبادت کے مقبول ہونے کی شرط ہے اور جس طرح کسی شخص کا بے وضو ہونا اس پر نماز کے وجوب کے منافی نہیں ہے' اسی طرح کسی شخص کا کفر بھی اس پر عبادت کے وجوب کے منافی نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ کفر کو زائل کر کے اور اللہ پر ایمان لا کر عبادت میں مشغول ہو اور اس حکم میں (اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو) مؤمنین سے مطلوب یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت کو زیادہ کریں اور اس پر ثابت قدم رہیں۔

علامہ خفاجی فرماتے ہیں: اصولِ فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ کفار احکامِ فرعیہ (مثلاً نماز اور زکوٰۃ) کے مکلف ہیں یا نہیں؟ علامہ ابن ہمام حنفی نے ''التحریر'' میں اور قاضی بیضاوی شافعی نے ''المنہاج'' میں یہ تصریح کی ہے کہ شرعی شرط کا حصول مکلف ہونے کی شرط نہیں ہے کیونکہ کسی شخص کا بے وضو ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کو نماز کا مکلف نہ کیا جائے' اسی طرح کسی شخص کا کفر بھی اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کو عبادت کا مکلف نہ کیا جائے' سمرقند کے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ نماز کی فرضیت کے لیے یہ شرط ہے کہ اس سے پہلے ایمان کو حاصل کیا جائے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شرعی شرط کا حصول مکلف ہونے کی شرط ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز سب سے عظیم عبادت ہے اور تمام طاعات کی اصل ہے' لہٰذا جو اس سے کم درجہ کی عبادت ہے' اس کی شرط کو مکلف ہونے کے لیے ضروری نہیں قرار دیا جائے گا' اور مشائخ سمرقند کے ماسوا شرعی شرط کے حصول کے بغیر بھی مکلف ہونے پر متفق ہیں اور ان کا اختلاف اس میں ہے کہ شرعی شرط کا حصول عبادت کی ادائیگی اور اعتقاد دونوں میں ضروری ہے یا صرف اعتقاد میں ضروری ہے' پس مشائخ عراق اور شافعیہ کے نزدیک شرعی شرط کا حصول عبادت کی ادائیگی اور اس کے اعتقاد دونوں میں ضروری ہے' پس ان کے نزدیک جو کفار نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھیں گے یا نماز اور زکوٰۃ کو ادا نہیں کریں گے ان کو عذاب دیا جائے گا' اور مشائخ بخارا اور سمرقند کے نزدیک شرعی شرط کا حصول صرف اعتقاد میں ضروری ہے' اس لیے جو کفار نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھیں گے' ان کو عذاب دیا جائے گا اور ان کو ادا نہ کرنے پر عذاب نہیں ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک وہ نماز اور زکوٰۃ کے ادا کرنے کے مکلف نہیں ہیں' صرف ان کی فرضیت کا اعتقاد رکھنے کے مکلف ہیں' اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے ان میں سے کسی چیز کی تصریح نہیں کی ہے لیکن امام محمد کے

قول میں مشائخ عراق اور شافعیہ کے قول کی تائید کی طرف اشارہ ہے اور ظاہر قرآن بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ . (حٰم السجدہ: ٧۔٦) ان مشرکین کے لیے ہلاکت ہو○ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔

(عنایۃ القاضی ج ٩ ص ١٠١ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٧ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ اس آیت (المدثر: ٤٤۔٤٣) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کفار فرعی عبادات کے مکلف ہیں کیونکہ کفار نے اپنے عذاب کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتے تھے پس اگر وہ نماز پڑھنے کے مخاطب نہ ہوتے تو ان کو عذاب نہ دیا جاتا اور اس استدلال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان کو اس لیے عذاب دیا جائے گا کہ وہ نماز کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور وہ بھی فرضیتِ نماز کا اعتقاد رکھنے کے مخاطب ہیں نیز یہ ہو سکتا ہے کہ "لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ" (المدثر: ٤٣) سے مراد "لم نك من المومنين" ہو یعنی ہم مؤمنین میں سے نہ تھے علاوہ ازیں یہ تو کافروں کا کلام ہے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے عذاب کی وجہ بیان کرنے میں جھوٹ بولا ہو یا ان کو عذاب کی وجہ سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو اور ان جوابات کو رد کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ جوابات ظاہر قرآن کے خلاف ہیں اور کفار سے اس سوال اور جواب سے مقصود تو مسلمانوں کو نماز نہ پڑھنے سے ڈرانا ہے اور اگر کفار کا جواب جھوٹا ہو یا خطا پر مبنی ہو تو اس کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ (روح المعانی جز ٢٩ ص ٢٢٨ دار الفکر بیروت ١٤١٧ھ)

زیر بحث مسئلہ میں مصنف کا موقف

مصنف کے نزدیک قرآن کی یہ آیات اور حٰم السجدہ: ٦ اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور قرآن مجید کے کسی لفظ کو خلافِ ظاہر پر اس وقت محمول کیا جاتا ہے جب وہاں حقیقی معنی کا ارادہ کرنا محال عقلی ہو یا محال عادی ہو یا شرعاً متعذر ہو اور جب ان آیات میں حقیقت کا ارادہ کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے تو ان آیات کو خلافِ ظاہر پر محمول کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کفار احکامِ فرعیہ کے مخاطب ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ مشائخ عراق کا بھی یہی موقف ہے اور امام محمد نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور اگر اس مسئلہ میں مشائخ سمرقند کی مخالفت ہوتی ہے تو ہوتی رہے مشائخ سمرقند کی موافقت کے لیے بہرحال ظاہر قرآن کی مخالفت تو نہیں کرنی چاہیے جب کہ ہم مشائخ سمرقند کے مقلد بھی نہیں ہیں امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں اور امام ابوحنیفہ سے اس مسئلہ میں کوئی تصریح منقول نہیں ہے۔

المدثر: ٤٥ میں فرمایا: اور ہم لغو کاموں میں مشغول رہتے تھے۔

لغو کاموں کی وضاحت

لغو کاموں سے مراد ایسے کام ہیں جن کا کوئی قابلِ ذکر فائدہ نہ ہو قرآن مجید کی اصطلاح میں لغو کاموں سے مراد ایسے کام ہیں جو شرعاً مذموم ہیں اور ایسے اقوال اور افعال ہیں جو فی نفسہٖ باطل ہوں شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان جو خلوت میں باتیں ہوتی ہیں اور جو امورِ عملِ زوجیت سے متعلق ہوتے ہیں اسی طرح اور بے شرمی کی باتیں بھی لغو باتوں میں داخل ہیں قرآن مجید کی تفسیر اور احادیث کی شروح میں فلسفہ کی دور از کار بحثیں کرنا اور قرآن اور حدیث کو یونانی فلسفہ کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا بھی اسی میں داخل ہیں صحابہ کرام کی خانہ جنگیوں کا طویل طویل ذکر کرنا اور کسی ایک فریق کی حمایت اور دوسرے کی مذمت کرنا بھی لغو کاموں میں داخل ہے۔

یقینی چیز کی وضاحت

المدثر: ۴۷۔۴۶ میں فرمایا: اور ہم یوم جزاء کی تکذیب کرتے تھےO حتیٰ کہ ہم پر یقینی چیز آ گئیO
قیامت کے انکار کو سب سے آخر میں ذکر کیا کیونکہ یہ کافروں کا سب سے بڑا جرم تھا' پھر کہا کہ ہم پر یقینی چیز آ گئی' مفسرین نے اس سے مراد موت لی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کفار موت کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرتے تھے اور وہ اپنی زندگی میں اس کا انکار کرتے رہے حتیٰ کہ آخرت میں ان پر منکشف ہو گیا کہ جزا اور سزا برحق ہے اور انہوں نے اس چیز کو یقین سے جان لیا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گیO پس انہیں کیا ہوا جو وہ نصیحت سے اعراض کر رہے ہیںO گویا وہ بدکے ہوئے وحشی گدھے ہیںO جو شیر سے بھاگ رہے ہیںO بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیںO ہر گز نہیں! بلکہ یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتےO
(المدثر: ۵۳۔۴۸)

فساق مؤمنین کے لیے شفاعت کا ثبوت

المدثر: ۴۸ سے ہمارے متکلمین نے یہ استدلال کیا ہے کہ مؤمنین فساق کے لیے شفاعت ہوگی اور ان کو فائدہ دے گی کیونکہ جس طرح کفار کو شفاعت سے فائدہ نہیں ہوگا' اگر مؤمنین فساق کو بھی شفاعت سے فائدہ نہ ہو تو پھر کفار کے متعلق خصوصیت سے یہ کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی: پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی' اور اس کی تائید میں یہ حدیث بھی ہے:
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

مشرکین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر ہونا اور اعراض کرنا

المدثر: ۴۹ میں فرمایا: پس انہیں کیا ہوا جو وہ نصیحت سے اعراض کر رہے ہیںO
اس نصیحت سے مراد قرآن کریم ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عام تبلیغی مواعظ ہیں۔
المدثر: ۵۱۔۵۰ میں فرمایا: گویا وہ بدکے ہوئے وحشی گدھے ہیںO جو شیر سے بھاگ رہے ہیںO
اس آیت میں ''حمر مستنفرۃ'' کے الفاظ ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''حمر'' سے مراد جنگلی گدھے ہیں اور ''مستنفرۃ'' کا معنی بدکنا' بھڑکنا اور بھاگنا ہے' جنگلی گدھے انسانوں سے متوحش اور نامانوس ہوتے ہیں' اس لیے ان کو دیکھ کر بھاگتے ہیں۔
المدثر: ۵۱ میں ''قسورۃ'' کا لفظ ہے' اس کا اطلاق شیر پر کیا جاتا ہے' ''قسر'' کا معنی قہر اور غلبہ ہے اور شیر دوسرے جنگلی جانوروں پر قہر اور غلبہ کرتا ہے' اس لیے اس کو ''قسورۃ'' کہا جاتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب جنگلی گدھا شیر کو دیکھ لیتا ہے تو بہت تیز بھاگتا ہے' اسی طرح جب مشرکین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں تو بھاگتے ہیں۔
''القسورۃ'' تیراندازوں کی اس جماعت کو بھی کہتے ہیں جو شکار کے لیے نکلتی ہے' لوگوں کے ٹھہرنے اور ان کے شور و غل کو بھی کہتے ہیں اور رات کے اندھیرے کو بھی کہتے ہیں۔
علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ مشرکین کو گدھوں سے جو تشبیہ دی اس میں ان کی حماقت پر متنبہ فرمایا ہے اور جب کوئی شخص کسی

دشمن سے ڈر کر بھاگتا ہے تو اس کی واضح ترین مثال جنگلی گدھوں کا شیر سے ڈر کر بھاگنا ہے۔

المدثر:۵۲ میں فرمایا: بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے ہوئے آسمانی صحیفے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں O

مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا کہ ہم میں سے کوئی شخص آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائے گا حتیٰ کہ ہم میں سے ہر شخص کے پاس آسمان سے ایک کتاب نہ آ جائے اور اس میں یہ لکھا ہو کہ یہ رب العلمین کی جانب سے فلاں بن فلاں کے نام ہے اور اس میں یہ تحریر ہو کہ ہم تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیتے ہیں' اور اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ. ہم اس وقت تک ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہم پر کوئی کتاب نازل نہ کریں جس کو ہم خود پڑھیں۔ (بنی اسرائیل:۹۳)

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ ہم میں سے ہر شخص کو ایک صحیفہ لا کر دیں' جس میں اس شخص کے نجات یافتہ ہونے کی تصریح ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ہر شخص جب صبح کو اٹھتا تھا تو اس کی پیشانی پر اس کا گناہ اور اس کا کفارہ' لکھا ہوا ہوتا تھا' اگر ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہو تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔

المدثر:۵۳ میں فرمایا: ہرگز نہیں! بلکہ یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے O

اس آیت میں ان کو ان فرمائشی معجزات کے طلب کرنے سے منع فرمایا ہے' اور فرمایا ہے: یہ آخرت سے نہیں ڈرتے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آیات میں غور و فکر نہیں کرتے' اگر کسی معجزہ کو طلب کرنے سے ان کا مقصد یہ ہو کہ ان کو ہدایت حاصل ہو جائے تو اس کے لیے ایک ہی معجزہ کافی ہے' یہ بار بار فرمائشی معجزات کیوں طلب کرتے ہیں' کیا ان کی ہدایت کے لیے قرآن مجید کی آیات کافی نہیں ہیں؟ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمی ہونے کے باوجود ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کرنا کافی نہیں ہے' جس کی نظیر آج تک کوئی نہیں لا سکا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! بے شک یہ نصیحت ہے O سو جو چاہے اس نصیحت کو قبول کرے O اور وہ صرف اللہ کے چاہنے سے ہی اس نصیحت کو قبول کریں گے' وہی اس کا مستحق ہے کہ صرف اس سے ڈرا جائے اور مغفرت فرمانا اسی کی شان ہے O (المدثر:۵۶۔۵۴)

معتزلہ اور جبریہ کا ردّ

المدثر:۵۵۔۵۴ میں کفار کے نصیحت قبول نہ کرنے کا ذکر کیا ہے اور قرآن مجید کے متعلق ان کے بے ہودہ خیالات کی نفی فرمائی ہے۔

المدثر:۵۶ میں فرمایا: اور وہ صرف اللہ کے چاہنے سے ہی اس نصیحت کو قبول کریں گے۔

امام رازی لکھتے ہیں: معتزلہ نے کہا ہے کہ وہ نصیحت کو صرف اس وقت قبول کریں گے جب اللہ تعالیٰ ان کو نصیحت کے قبول کرنے پر مجبور کر دے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نصیحت قبول کرنے کی مطلقاً نفی کی ہے' پھر اس حالت کا استثناء فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ یہ چاہے کہ وہ نصیحت کو قبول کریں' اور جب کفار نے نصیحت کو قبول نہیں کیا تو ہم کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں چاہا کہ وہ نصیحت کو قبول کریں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۱۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے لکھا ہے: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر

موقوف ہیں' خواہ وہ مشیت بالذات ہو یا بالواسطہ ہو۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۳۴' دارالفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس آیت سے بہ ظاہر جبریہ کی تائید معلوم ہوتی ہے کہ انسان وہی کام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور انسان کے افعال میں انسان کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہے' ہمارے نزدیک اس آیت کا محمل یہ ہے کہ انسان جو کام کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی کام پیدا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کسی کام کو پیدا کرنا اسی کی مشیت پر موقوف ہے اور اس اعتبار سے یہ کہنا درست ہے کہ انسان وہی کام کرتا ہے جس کام کو اللہ چاہتا ہے یعنی جس کام کے پیدا کرنے کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وہی اس کا مستحق ہے کہ صرف اس سے ڈرا جائے اور مغفرت فرمانا بھی اسی کی شان ہے O

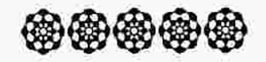
یعنی وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کے بندے صرف اسی سے ڈریں اور اس کے عذاب سے خوف کھا کر اس پر ایمان لائیں اور اس کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں اور وہی اس کا مستحق ہے کہ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کر دے' جب اس کے بندے اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اس کا اہل ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے' سو جو شخص مجھ سے ڈرا اور اس نے میرا کوئی شریک نہیں قرار دیا تو میں اس کا اہل ہوں کہ میں اس کی مغفرت کر دوں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۹)

سورۃ المدثر کا اختتام

آج ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ/ ۱۶ جون ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات بعد از نماز ظہر سورۃ المدثر کا اختتام ہو گیا' ۵ جون کو سورۃ المدثر کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح گیارہ دنوں میں اس کی تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی تفسیر کو بھی مکمل فرما دیں اور مجھے صحت اور توانائی کے ساتھ تا حیات ایمان پر قائم رکھیں اور اسلام کے تمام احکام پر عامل رکھیں' اس تفسیر کو قبول فرمائیں اور تا روزِ قیامت اس کو فیض آفریں رکھیں' میری اور میرے والدین کی اور میرے اساتذہ کی اور میرے احباب' تلامذہ اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین.



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ القیامۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور وہ یہ ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ (القیامۃ:۱) میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں O

قیامت کے مباحث بہت زیادہ اہم تھے کیونکہ کفار اور مشرکین قیامت کے وقوع کا بہت شدت سے انکار کرتے تھے اس لیے اس سورت کا نام القیامۃ رکھا گیا کیونکہ اس سورت میں قیامت کے وقوع پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اور ان کے شبہات کا ازالہ فرمایا گیا ہے۔

اس سورت کی المدثر سے مناسبت یہ ہے کہ المدثر:۴۴۔۴۳ میں یہ بتایا گیا تھا کہ نماز نہ پڑھنے اور مسکین کو کھانا نہ کھلانے کی وجہ سے مشرکین کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا اور صراحۃً آخرت کا ذکر اس آیت میں فرمایا تھا:

كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۭ (المدثر:۵۳) ہرگز نہیں' بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے O

اور قیامت کے بعد آخرت کا وقوع ہوگا' اور اس سورت میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا ذکر فرمایا ہے' اور قیامت کے اوصاف' احوال اور احوال کا ذکر فرمایا ہے' پھر قیامت کے مقدمات اور اس سے پہلے پیش آنے والے اُمور کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انسان کے بدن سے روح کس طرح نکلے گی اور انسان کی ابتدا کی تخلیق کس طرح کی گئی تھی۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۱ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۵ ہے۔

سورت القیامۃ کے مشمولات

☆ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی دین اور ایمان کے مبادیات بیان کیے گئے ہیں اور وہ مرنے کے بعد اٹھنے اور جزاء اور سزا کے معاملات ہیں' اور انسان کی تخلیق کی ابتداء کا ذکر ہے۔

☆ سورت کی ابتداء قیامت کی قسم کھا کر فرمائی ہے اور اس کے ساتھ نفس لوامہ کی قسم کھائی ہے تا کہ ان مشرکین کا رد ہو جو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کیے جانے کے قائل نہیں تھے۔

☆ آیت ۱۵۔۷ تک قیامت کی علامات کا ذکر فرمایا ہے کہ جب چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے وغیرہا۔

☆ آیت ۱۹۔۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے اثناء وحی میں وحی کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان دلایا ہے

کہ اللہ سبحانہ اس بات کا کفیل اور ضامن ہے کہ وہ آپ کے دل میں اور دماغ میں اس وحی کو محفوظ اور ثابت رکھے گا اور اس کے معانی کو بیان فرمائے گا' لہٰذا از خود آپ قرآن مجید میں نازل ہونے والے الفاظ کو بار بار دہرانے اور یاد کرنے کی کوشش نہ کریں۔

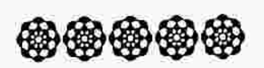
☆ آیت: ۲۵۔۲۰ میں آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی محبت کی مذمت فرمائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ بعض انسان نیک فطرت ہیں' جن کے چہرے ایمان کے انوار سے منور رہتے ہیں اور بعض انسان بدفطرت ہیں' جن کے چہرے سیاہ اور مرجھائے ہوئے ہوتے ہیں۔

☆ آیت: ۳۵۔۲۶ میں موت کے وقت انسان کی حالت کو بیان فرمایا ہے اور جب جسم سے روح نکلتی ہے تو اس پر کیسی تنگی اور سختی ہوتی ہے۔

☆ آیت ۴۰۔۳۶ میں حشر اور معاد جسمانی پر دلائل قائم فرمائے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ دوسری بار پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے سے زیادہ مشکل تو نہیں ہے۔

سورۃ القیامۃ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اس کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے بارِ الٰہ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور ناصواب سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ جون ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱





(٧٥) سورة القیامة مکیة ٣١ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ٤٠ رکوعاتہا ٢

سورۃ القیامۃ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿١﴾ وَلَآ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿٢﴾

میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں ○ اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں ○

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهُ ﴿٣﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں فرمائیں گے؟ ○ کیوں نہیں! ہم اس پر قادر

عَلٰٓى أَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ ﴿٤﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ

ہیں کہ اس کی انگلیوں کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر درست کر دیں ○ بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی برے

أَمَامَهُ ﴿٥﴾ يَسْـَٔلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿٦﴾ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿٧﴾

کام کرتا رہے ○ وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہو گا؟ ○ پس جب نظر چکا چوند ہو جائے گی ○

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿٨﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿٩﴾ يَقُوْلُ

اور چاند بے نور ہو جائے گا ○ اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے ○ اس دن

الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿١٠﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ إِلٰى

انسان کہے گا: آج فرار کی جگہ کہاں ہے؟ ○ ہرگز نہیں! اس دن کہیں پناہ نہ ہو گی ○ اس دن

رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ

آپ کے رب کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہو گی ○ اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے

بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿١٤﴾

اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی ○ بلکہ انسان کو خود اپنے اوپر بصیرت ہو گی ○

وَّلَوْ أَلْقٰى مَعَاذِيْرَهُ ﴿١٥﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ

خواہ وہ اپنے تمام عذر پیش کرتا ہو ○ آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ

بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ

دیں ○ بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے ○ سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں

قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ

تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں ○ پھر اس کا (معنی) بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے ○ ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی

الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

چیز سے محبت رکھتے ہو ○ اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو ○ اس دن بہت چہرے

نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾

تروتازہ ہوں گے ○ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ○ اور بہت چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے ○

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾

وہ یہ گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ○ یقیناً جب ان کی روح ہنسلی کی ہڈیوں تک پہنچ جائے گی ○

وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ

اور کہا جائے گا: کوئی دم کرنے والا ہے؟ ○ اور وہ گمان کرے گا کہ یہ جدائی کی ساعت ہے ○ اور پنڈلی

السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِۨالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾

پنڈلی سے لپٹ جائے گی ○ اس دن آپ کے رب کی طرف لے جایا جائے گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں ○ اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں ○ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں فرمائیں گے ○ کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر درست کر دیں ○ بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی بُرے کام کرتا رہے ○ (القیامہ: ۵۔۱)

قسم سے پہلے حرف ''لا'' کے دو محمل

القیامہ: ۱ میں فرمایا ہے: ''لا اقسم بیوم القیامۃ'' اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ''لا اقسم'' میں ''لا'' زائدہ ہے یا نفی کے معنی میں ہے' اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ یہ ''لا'' زائدہ ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی لفظ زائد اور بے معنی نہیں ہو سکتا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ بے معنی نہیں ہے' البتہ یہ نفی کے معنی میں نہیں ہے' اس کو کلام میں قسم سے پہلے زینت کے لیے ذکر کیا جاتا ہے' اور کلام عرب میں اسی طرح ہوتا ہے اور قرآن مجید لغت عرب اور اسلوب عرب پر نازل ہوا ہے اور قرآن مجید میں اس کی بہت نظائر ہیں' جیسے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ. (النساء: ۶۵) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے۔

اور تحسین کلام کے لیے لفظ ''لا'' کو ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے نفی کا معنی مقصود نہیں ہوتا' جیسے فرمایا:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ. (الاعراف: ۱۲) تجھے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا۔

اور قسم میں جب لفظ ''لا'' کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا فائدہ قسم کی تاکید ہوتی ہے۔

بعض مفسرین نے کہا: یہ لفظ ''لا'' نفی کے لیے ہے یعنی جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے' اس کی مخالف چیز کی نفی کے لیے ہے' گویا کہ مشرکین نے قیامت کے وقوع کی نفی کی اور شدومد سے قیامت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں یہ بات نہیں ہے کہ قیامت واقع نہیں ہوگی' میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں یعنی قیامت ضرور واقع ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ وہ بہت عظیم دن ہوگا اور تمام نیکوکاروں اور بدکاروں کے اعمال کا ثمرہ اس دن ظاہر ہو جائے گا۔

القیامہ: ۲ میں فرمایا: اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں O

نفس لوامہ کے مصداق میں متعدد اقوال

ملامت کرنے والے نفس کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن ہر نفس اپنے آپ کو ملامت کرے گا' خواہ وہ نیک ہو یا بد' نیک نفس اپنے آپ کو اس لیے ملامت کرے گا کہ اگر وہ اور زیادہ نیکیاں کر لیتا تو اس کو جنت میں اور زیادہ درجات ملتے اور بد نفس اپنے اوپر اس لیے ملامت کرے گا کہ وہ کیوں نہ گناہوں سے باز آیا اور کیوں نہ نیک کاموں میں مشغول رہا؟

(۲) نفس لوامہ سے مراد نفوسِ متقیہ ہیں' یعنی متقی لوگ' وہ قیامت کے دن نافرمانی کرنے والوں کو ملامت کریں گے کہ تم لوگوں نے گناہوں کو کیوں ترک نہیں کیا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کو کیوں اختیار نہیں کیا؟

(۳) نفس لوامہ سے مراد نفوسِ شریفہ ہیں جو اپنے آپ کو ہر وقت ملامت کرتے رہتے ہیں خواہ وہ نیک کاموں میں مصروف ہوں' حسن بصری نے کہا: تم مؤمن کو دیکھو گے کہ وہ ہر حال میں خود کو ملامت کرتا رہتا ہے اور جاہل بُرے کاموں میں مشغول ہو' پھر بھی اپنے آپ سے راضی رہتا ہے۔

(۴) نفس لوامہ سے مراد بدفطرت نفوس ہیں' جب وہ قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک احوال دیکھیں گے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ وہ کیوں گناہوں میں مبتلا رہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ. (الزمر: ۵۶) ایسا نہ ہو کہ کوئی نفس یہ کہے: ہائے افسوس! میں نے اللہ کے معاملہ میں کوتاہی برتی۔

(۶) انسان کو افسوس کرنے والا تخلیق کیا گیا ہے' انسان پہلے کسی چیز کو طلب کرتا ہے اور جب وہ چیز اسے مل جاتی ہے تو پھر وہ اس پر افسوس کرتا ہے اور اس کو طلب کرنے پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ میں نے اس چیز کو کیوں طلب کیا تھا' مثلاً شوگر کا مریض شوگر فری بسکٹ یا شوگر فری مربّہ منگواتا ہے اور جب اس کو کھانے سے اس کا پیٹ خراب ہو جاتا ہے تو اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے کہ میں نے کیوں یہ چیزیں منگوائیں اور چونکہ اس کے ساتھ یہ عمل بار بار ہوتا ہے' اس لیے اس کا نفس لوامہ ہو جاتا ہے' اس کی نظیر قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ (المعارج: ۲۱-۱۹) بے شک انسان بہت کم زور دل کا پیدا کیا گیا ہے O جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے O اور جب اس کو

کوئی خیر ملتی ہے تو وہ شکر ادا نہیں کرتا ○

قیامت اور نفس لوّامہ کی مناسبت

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیامت کے ذکر میں اور نفس لوامہ میں کیا مناسبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں لفظوں کو قسم میں جمع فرمایا ہے اور دونوں لفظوں کی قسم کھائی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے احوال بہت خوف ناک اور بہت دہشت ناک ہوں گے اور جب قیامت قائم ہوگی تو نفوس لوامہ کے احوال ظاہر ہوں گے' بعض نفوس کے نیک اعمال اور ان پر انعامات کا اظہار ہوگا' اس وقت وہ تمنا کریں گے: کاش! ہم نے زیادہ نیک عمل کیے ہوتے تو ہم کو زیادہ انعامات ملتے اور بعض نفوس کے بُرے اعمال اور ان کے نتائج کا اظہار ہوگا' اس وقت وہ شرم سار ہوں گے اور اپنے آپ کو ملامت کریں گے کہ کاش! ہم نے یہ بُرے کام نہ کیے ہوتے' سو اس طرح نفس لوامہ کی احوالِ قیامت کے ساتھ بہت قوی مناسبت ہے' قیامت کے عجیب و غریب احوال اور ان کے ساتھ نفس لوامہ کی مناسبت ان آیات میں غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریات: ۵۶)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○

قیامت کے دن جب اکثر انسان اپنے نامہ اعمال کو اور میزان کو دیکھیں گے اور ان کو اپنے نیک اعمال کم دکھائی دیں گے تو وہ اپنے اوپر افسوس اور ملامت کریں گے کہ ہم کو عبادت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا تھا اور ہم نے لھو و لعب اور لایعنی کاموں میں زندگی گزار دی۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ○ (الاحزاب: ۷۲)

ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر اپنی امانت (احکام) کو پیش کیا' انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی' بے شک وہ بہت ظالم اور بہت جاہل ہے ○

قیامت کے دن جب انسان اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی امانت میں خیانت کرنے کے نتائج اور عواقب دیکھے گا تو اس کو اپنی خیانت پر بہت افسوس ہوگا اور وہ اپنے آپ کو بہت ملامت کرے گا۔

اور ایسی بہت آیات ہیں جن میں غور کرنے سے قیامت اور نفس لوامہ میں مناسبت کا پتا چلتا ہے۔

نفس انسان کی تین قسمیں

نفس کی تین قسمیں ہیں: نفس امارہ' نفس لوّامہ اور نفس مطمئنہ۔

نفس امارہ کی یہ تعریف ہے کہ وہ طبیعت بدنیہ اور اس کے تقاضوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور لذات اور شہوات حسیہ کے حصول کا حکم دیتا ہے اور دل کو گھٹیا اور خسیس چیزوں کی طرف کھینچتا ہے اور یہ نفس' اخلاق مذمومہ' شرور اور خبائث کا معدن اور منبع ہوتا ہے۔

نفس لوّامہ وہ ہے جو دل کے نور سے روشن ہوتا اور جب انسان پر غفلت طاری ہوتی ہے اور وہ اپنی جبلّت ظلمانیہ کے تقاضے سے کسی برائی یا گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کا وہ نفس اس کو ملامت کرتا ہے اور اس سے متنفر ہوتا ہے۔

اور نفس مطمئنہ وہ ہے جو دل کے نور سے مکمل منور ہوتا ہے اور وہ مذموم صفات سے عاری اور خالی ہوتا ہے اور اوصاف محمودہ سے متصف ہوتا ہے اور اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہوتا ہے اور اس انسان کی جبلت ظلمانیہ اسے برائی پر نہیں اکساتی اور نیکی

کے خلاف مزاحمت نہیں کرتی۔
بعض صوفیاء نے یہ کہا ہے کہ نفس لوامہ ہی نفس مطمئنہ ہے جونفس امارہ کو ملامت کرتا رہتا ہے اور بعض صوفیاء نے کہا: نفس لوامہ کا نفس مطمئنہ سے اوپر درجہ ہے کیونکہ نفس مطمئنہ خود کامل ہوتا ہے اور نفس لوامہ ملامت کر کے دوسرے کی تکمیل کرتا ہے۔
(المفردات ج ۲ ص ۵۸۸' روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۳۶ـ۲۳۵)

نفس کی تعریف اور اس کا مصداق

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری التوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:
لغت میں نفس کا معنی کسی شی کا وجود ہے اور عرف میں نفس سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کے اوصاف کا معلول ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نفس سے مراد وہ لطیف چیز ہو جو اس جسم میں موجود ہے' اور وہی انسان کے اخلاقِ مذمومہ کا محل ہے' جیسا کہ روح ایک لطیف چیز ہے جو اس جسم میں رکھی گئی ہے اور وہی اخلاقِ محمودہ کا محل ہے اور ان میں سے بعض' بعض کے تابع ہیں اور ان کا مجموع انسان ہے۔
روح اور نفس کا صورت میں اجسامِ لطیفہ سے ہونا ایسے ہے جیسے ملائکہ اور شیاطین کا لطیف صورت میں ہونا ہے اور جس طرح آنکھ دیکھنے کا محل ہے' اور کان سننے کا محل ہے اور ناک سونگھنے کا محل ہے اور مونھ (منہ) چکھنے کا محل ہے اور جو سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے اور سونگھنے والا ہے اور چکھنے والا ہے' اس کا مجموع انسان ہے' اسی طرح اوصافِ محمودہ کا محل قلب اور روح ہے اور اوصافِ مذمومہ کا محل نفس ہے اور نفس بھی اس مجموع کا جز ہے اور قلب بھی اس مجموع کا جز ہے۔
(الرسالۃ القشیریہ ص ۱۲۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

صوفیاء اور علامہ قشیری کی تعریفوں میں تطبیق

میں کہتا ہوں کہ صوفیاء اور علامہ قشیری نے جو نفس کی تعریفیں کی ہیں' ان میں کوئی تخالف اور اضطراب نہیں ہے' علامہ قشیری کے نزدیک فی نفسہٖ اپنی وضع اور تخلیق کے اعتبار سے نفس صفاتِ مذمومہ کا محل ہے اور صوفیاء اسی کو نفس امارہ کہتے ہیں' لیکن بعض نیک مسلمان نفس کے جبلی تقاضوں اور اس کے احکام کو مسترد کر کے اس کو صیقل کر لیتے ہیں اور جب ان کا نفس انہیں بُرے کاموں پر اکساتا ہے تو وہ اس کو ملامت اور سرزنش کرتے ہیں اور اس کو وہ نفس لوامہ کہتے ہیں اور بعض نفوسِ قدسیہ قلب کے نور سے مکمل منور ہو جاتے ہیں' وہ مذموم صفات سے بالکل عاری اور خالی ہوتے ہیں' وہ اوصافِ محمودہ سے متصف اور اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہوتے ہیں اور وہ بُرے کاموں پر نہیں اُکساتے اور نہ نیک کاموں کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین کے نفوس ہوتے ہیں۔ اللھم ارزقنا شیئا من فیوضاتھم.
القیامہ: ۴۔۳ میں فرمایا: کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں فرمائیں گے؟O کیوں نہیں! ہم اس پر ضرور قادر ہیں O الآیۃ

القیامہ: ۲۔۱ کی قسموں کا جواب

اس سے پہلے القیامہ: ۲۔۱ میں جن قسموں کا ذکر فرمایا ہے' ان قسموں کے جواب میں مفسرین کا اختلاف ہے' جمہور مفسرین نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو ضرور مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا اور یہ جواب محذوف ہے' اس پر قرینہ القیامہ: ۴۔۳ ہے' جن میں فرمایا ہے: کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں فرمائیں گے O کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر درست کر دیں O حسن بصری نے کہا: اس کے جواب پر دلیل القیامہ: ۴ ہے' یعنی کیوں نہیں!

ہم اس پر قادر ہیں۔

القیامہ: ۳ کا شانِ نزول

مشہور یہ ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد معین انسان ہے' مفسرین نے بغیر سند کے یہ روایت بیان کی ہے کہ عدی بن ربیعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! مجھے بتایئے کہ قیامت کب آئے گی اور اس کا معاملہ کس طرح ہوگا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قیامت کے احوال کی خبر دی' وہ کہنے لگا: اگر میں قیامت کے دن کو دیکھ بھی لوں تب بھی میں آپ کی تصدیق نہیں کروں گا اور آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا' کیا اللہ تعالیٰ مُردوں کی ہڈیوں کو جمع فرمائے گا؟ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت عدی بن ربیعہ اور اخنس بن شریک کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان دونوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی: اے اللہ! ان دو بُرے پڑوسیوں سے تو مجھے کفایت فرما' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (امام ابواسحاق ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ: الکشف والبیان ج ۱۰ص ۸۲' امام ابوالحسن الواحدی متوفی ۴۶۱ھ: اسباب النزول ص ۴۶۹' امام بغوی متوفی ۵۱۲ھ: معالم التنزیل ج ۵ص ۱۸۲' علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ: الکشاف ج ۴ص ۶۶۰' امام رازی متوفی ۶۰۶ھ: تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۷۲۲' علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ: الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۸۶' علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ: روح المعانی جز ۲۹ص ۲۳۶)

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر کفار کا شبہ اور اس کا جواب

کفار جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے' اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ جب انسان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور مٹی کے ذرات سے مختلط ہو جائیں گی' پھر عرصہ گزرنے کے بعد آندھیوں اور تیز ہواؤں سے ان کے ذرات اُڑ کر دوسری ہڈیوں کے ذرات سے خلط ملط ہو جائیں گے' پھر ایک انسان کے ذرات دوسرے انسان کے ذرات سے کیسے ممیز اور ممتاز ہوں گے' پھر ان مختلف اور مختلط ذرات کو دوبارہ کس طرح انسانی پیکر میں ڈھالا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر درست کر دیں۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان مختلف اور مختلط ذرات کو باہم ممتاز کرنا اور انسانی پیکر میں ڈھالنا اس شخص کے لیے مشکل ہوگا جس کا علم ناقص ہو اور اس کی قدرت ناقص ہو' اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کیوں مشکل ہوگا جس کا علم بھی کامل اور محیط ہے اور اس کی قدرت بھی کامل اور محیط ہے۔

نیز اس آیت کی تفسیر اس طرح ہے کہ ہم انسان کی انگلیوں کے پوروں کو دوبارہ بنانے پر کیوں قادر نہیں ہوں گے جب کہ ہم ان کو پہلی بار بنا چکے ہیں اور دوسری بار بنانا تو پہلی بار بنانے سے زیادہ آسان ہے اور انگلیوں کی ہڈیوں کا ذکر فرما کر اس پر تنبیہ کی کہ جب ہم انسان کے جسم کی ان چھوٹی ہڈیوں کو دوبارہ بنانے پر قادر ہیں تو بڑی ہڈیوں کے بنانے پر بہ طریق اولیٰ قادر ہیں۔

القیامہ: ۵ میں فرمایا: بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی بُرے کام کرتا رہے O

توبہ نہ کرنا اور روزِ قیامت کی تکذیب کرنا

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) یعنی وہ شخص مستقبل میں بھی بُرے کام کرتا رہے اور بُرے کاموں کو بالکل ترک نہ کرے' سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ وہ شخص تسلسل کے ساتھ گناہ کرتا رہے اور توبہ کو مؤخر کرتا رہے اور یہ کہتا رہے کہ میں عنقریب توبہ کرلوں گا حتیٰ کہ وہ بُرے کاموں اور گناہوں میں مشغول ہو اور اسی حال میں اس کو موت آ جائے۔

(۲) ''لیفجر امامہ'' کا معنی ہے: اس کو آگے جو اُمور پیش آنے ہیں یعنی آخرت میں ان کی تکذیب کرتا رہے اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے اور آخرت میں حساب و کتاب اور ثواب اور عذاب کی تکذیب کرتا رہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ القیامہ:٦ میں فرمایا: وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ یعنی اس کے آگے جو قیامت کا دن آنے والا ہے' اس کی تکذیب کرتا رہے اور گویا وہ قیامت کو جھٹلاتے ہوئے کہتا ہے: وہ دن کب آئے گا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ پس جب نظر چکا چوند ہو جائے گی ○ اور چاند بے نور ہو جائے گا ○ اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے ○ اس دن انسان کہے گا: آج فرار کی جگہ کہاں ہے؟ ○ (القیامہ:١٠۔٦)

یعنی سوال کرنے والا انکاراً اور استہزاءً کہے گا کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ وہ قیامت کے دن کو بہت بعید سمجھے گا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ○ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تَدَّعُونَ ○ (الملک:٢٧۔٢٥)

کافر کہتے ہیں: قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ) ○ آپ کہیے: اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے' میں تو تمہیں واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں ○ پھر جب یہ لوگ اس وعدہ کو قریب تر پالیں گے اس وقت ان کافروں کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا: یہی وہ چیز ہے جس کو تم طلب کرتے تھے ○

القیامہ:٩۔٧ میں فرمایا: پس جب نظر چکا چوند ہو جائے گی ○ اور چاند بے نور ہو جائے گا اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے ○

قیامت کی تین علامتیں اور ان پر اعتراضات کے جوابات

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی تین علامتیں ذکر فرمائی ہیں' پہلی علامت یہ ہے کہ جب بجلی چمکے گی اور بہت تیز روشنی کو دیکھنے سے' دیکھنے والے کی نظر خیرہ ہو جائے گی اور اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا جیسا کہ بہت روشنی پڑنے سے ایسا عموماً ہو جاتا ہے۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ انسان کو ایسی حالت کا کب سامنا ہوگا' ایک قول یہ ہے کہ موت کے وقت' دوسرا قول یہ ہے کہ جب انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو دوزخ کو دیکھ کر اس کی نظر چکا چوند ہو جائے گی اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ کیفیت موت کے وقت ہوگی' انہوں نے کہا: جب قیامت کے منکر نے قیامت کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کو جواب دیا گیا کہ جب اس کی موت قریب آئے تو عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر اس کی نظر خیرہ ہو جائے گی اور اس کے شکوک زائل ہو جائیں گے اور اس کو قیامت پر یقین آ جائے گا۔

دوسری علامت یہ ہے کہ چاند بے نور ہو جائے گا یعنی اس کو گہن لگ جائے گا' اس پر ملحدین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ چاند کو اس وقت گہن لگتا ہے' جب چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے اور جب سورج اور چاند جمع ہوں گے اس وقت تو یہ حالت پیدا نہیں ہوگی' اس کا جواب یہ ہے کہ چاند کو گہن لگنے کا یہ نظام اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور وہ اس نظام کا پابند نہیں ہے کہ اس کے بغیر چاند کو گہن نہ لگ سکے' جیسے اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے اختلاط جنسی کو انسان کی پیدائش کا سبب بنایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس نظام کا پابند نہیں ہے کہ اس کے بغیر انسان کو پیدا نہ کر سکے' اس نے عورت کے بغیر حضرت حواء کو پیدا کر دیا اور

مرد کے بغیر حضرت عیسیٰ کو پیدا کر دیا اور مرد اور عورت دونوں کے بغیر حضرت آدم کو پیدا کر دیا' اسی طرح اس نے چاند اور سورج کے درمیان زمین کے حائل ہونے کو چاند کے گہن کا سبب بنایا ہے لیکن قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ براہِ راست زمین کے حائل ہونے کے بغیر چاند کو گہنا دے گا اور اس کو بے نور کر دے گا۔

تیسری علامت میں فرمایا: سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ . سورج میں یہ طاقت نہیں کہ وہ چاند کو پا سکے۔

(یٰس: ۴۰)

جب سورج چاند کو نہیں پکڑ سکتا تو وہ دونوں جمع کس طرح ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب قیامت کے وقوع سے پہلے وہ معمولی کی گردش کرتے رہیں گے' لیکن جب قیامت آئے گی تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا' دوسرا جواب یہ ہے کہ سورج اور چاند کے جمع ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ دونوں بے نور ہونے میں جمع ہو جائیں گے۔

القیامہ: ۱۰ میں فرمایا: اس دن انسان کہے گا: آج فرار کی جگہ کہاں ہے؟ O

یعنی جو انسان قیامت کے وقوع کا منکر ہے' جب وہ قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک احوال دیکھے گا تو وہ گھبرا کر پوچھے گا: آج فرار کی جگہ کہاں ہے؟ O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! اس دن کہیں پناہ نہ ہوگی O اس دن آپ کے رب کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہوگی O اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی O بلکہ انسان کو خود اپنے اوپر بصیرت ہوگی O خواہ وہ اپنے تمام عذر پیش کرتا ہو O (القیامہ: ۱۵۔۱۱)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہ ہوگی

القیامہ: ۱۱ میں اس سے جھڑک کر منع فرمایا ہے کہ وہ اللہ سے فرار کی جگہ ڈھونڈے' اور اس آیت کا معنی ہے: اس دن کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی' ''وزر'' کا معنی ہے: روکنے والا پہاڑ یا پناہ کی جگہ۔

القیامہ: ۱۲ میں فرمایا: اس دن آپ کے رب کی طرف ہی ٹھہرنے کی جگہ ہوگی O

اس آیت میں ''المستقر'' کا لفظ ہے' یہ استقرار سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: ٹھہرنا' اس دن تم اللہ عزوجل کو چھوڑ کر کسی اور کے پاس ٹھکانا نہیں بنا سکو گے' جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى O (العلق: ۸) بے شک آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنے کی جگہ ہے O

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ O (النور: ۴۲) اور اللہ ہی کی طرف ٹھہرنے کی جگہ ہے O

اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ O (الشوریٰ: ۵۳) سنو تمام اُمور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں O

ان آیات کا معنی یہ ہے کہ تمہارا ٹھکانا تمہارے رب ہی کے پاس ہے' خواہ وہ جنت ہو یا دوزخ ہو' یعنی تمہارا ٹھکانا اللہ سبحانہ کی مشیت کی طرف مفوض ہے' وہ جس کو چاہے گا اپنے وعدہ کے مطابق یا اپنے فضل سے جنت میں داخل کر دے گا اور جس کو چاہے گا اپنی وعید کے مطابق یا اپنے عدل سے دوزخ میں داخل کر دے گا۔

القیامہ: ۱۳ میں فرمایا: اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی O

بندوں کو ان کے اعمال کی خبر دینا

یعنی انسان کو اس کے ان کاموں کی خبر دی جائے گی جو اس نے کیے ہیں اور ان کاموں کی خبر دی جائے گی جو اس نے

نہیں کیے' یا جو کام اس نے خود کیے مثلاً جو صدقات دیئے یا وہ کام جس کا اس نے اپنے مرنے کے بعد کرنے کا حکم دیا کہ اس کے مال سے اتنا صدقہ دے دیا جائے' یا اس نے جو نیک کام ایجاد کیے' جن پر اس کے مرنے کے بعد عمل ہوتا رہا' یا اس نے جو بُرے کام ایجاد کیے جن پر اس کے مرنے کے بعد عمل ہوتا رہا' مجاہد نے کہا: اس سے مراد اس کے پہلے عمل ہیں اور آخری عمل ہیں' اس آیت کی نظیر یہ آیات ہیں:

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ . (المجادلہ: ٦) اللہ ان کو ان کے کیے ہوئے تمام اعمال کی خبر دے گا جن کو اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور وہ بھول چکے ہیں۔

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ؕ . (یٰس: ١٢) اور ہم ان کے وہ اعمال لکھ رہے ہیں جن کو وہ آخرت کے لیے بھیج رہے ہیں۔

انسان کو جو اس کے اعمال کی خبر دی جائے گی تو زیادہ ظاہر یہ ہے کہ قیامت کے دن جب اس پر اس کا حساب پیش کیا جائے گا یا میزان کے وقت اس کو اس کے اعمال کی خبر دی جائے گی' حسب ذیل احادیث میں بھی اس کا ثبوت ہے:

قیامت کے دن بندہ کے نیک اعمال ملنے کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کی موت کے بعد جو نیک اعمال آ کر اس کو ملتے ہیں' ان میں سے وہ علم ہے جس کی اس نے تعلیم دی اور اس کی اشاعت کی اور وہ نیک اولاد ہے جس کو اس نے ترک کیا یا وہ قرآن مجید کا نسخہ ہے' جس کا اس نے وارث کیا یا وہ مسجد ہے' جس کو اس نے بنایا یا اس نے کسی مسافر کے لیے جو گھر بنایا یا وہ نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا یا اس نے اپنی زندگی میں اپنی صحت کے ایام میں جو صدقہ دیا یہ وہ نیکیاں ہیں جو اس کی موت کے بعد اس کو آ کر ملیں گی۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٢٤٢' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ٢٤٩٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات نیک اعمال ایسے ہیں جن کا اجر بندے کی موت کے بعد اس کی قبر میں بھی جاری رہتا ہے' جس شخص نے کسی علم کی تعلیم دی یا اس نے کوئی نہر جاری کی یا اس نے کوئی کنواں کھودا' یا اس نے کوئی درخت اگایا' یا اس نے کوئی مسجد بنائی یا اس نے قرآن مجید کے نسخہ کا کسی کو وارث بنایا یا اس نے (نیک) اولاد چھوڑی' جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے استغفار کرتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ٢ ص ٣٤٣-٣٤٤' اس حدیث کی سند میں محمد بن عبید اللہ العرزمی نام کا راوی متروک الحدیث ہے)

ان دونوں حدیثوں میں موت کے بعد ان نیک اعمال کے ملنے کا ذکر ہے' اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت ان اعمال کی خبر نہیں دی جائے گی بلکہ قیامت کے دن حساب پیش کرتے وقت یا میزان کے پاس ان نیک اعمال کی خبر دی جائے گی' اس سلسلہ میں دیگر احادیث یہ ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو تین اعمال کے سوا اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں' (وہ تین اعمال یہ ہیں:) صدقۂ جاریہ' وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٦٣١' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٢٨٨٠' سنن نسائی رقم الحدیث: ٣٦٥١' سنن ترمذی رقم الحدیث: ١٣٧٦' مسند احمد ج ٢ ص ٣٧٢)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو نکالا' اس کو اپنی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس نیکی پر عمل کریں گے' ان کی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا

اور ان بعد والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کوئی بُرا طریقہ نکالا' اس پر اپنی بُرائی کا گناہ ہوگا اور بعد کے لوگوں کی برائیوں کا بھی گناہ ہوگا اور ان بعد والوں کے گناہوں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۱۷' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۵۴' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۶۷۵' مسند احمد ج ۴ص ۳۵۹)

القیامہ:۱۴ میں فرمایا: بلکہ انسان کو خود اپنے اوپر بصیرت ہوگی ○

انسان کی اپنے اوپر بصیرت کے دو محمل

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی اور اس آیت میں گویا ترقی کر کے فرمایا: بلکہ اس کو یہ ضرورت نہیں ہوگی کہ کوئی اور اس کو خبر دے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نفس خود مشاہدہ کر رہا ہوگا کہ وہ خود ان افعال کا فاعل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس کو خود اپنے اوپر بصیرت ہوگی' اس کے دو محمل ہیں:

(۱) انسان اپنی بداہت عقل سے جانتا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرنے سے اس کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اسی میں سعادت ہے' اور جو کام اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادت سے دور کرتے ہوں اور دنیا کی زینت اور اس کی لذتوں میں مشغول رکھتے ہوں اور ان ہی میں معصیت اور شقاوت ہے' خواہ وہ اپنی چرب زبانی سے ملمع کاری کرتا رہے اور حق کو باطل اور باطل کو حق بیان کرتا رہے لیکن وہ اپنی عقل سلیم سے جانتا ہے کہ دراصل حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ اسی لیے فرمایا ہے کہ انسان کو خود اپنے اوپر بصیرت ہوگی۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' سعید بن جبیر اور مقاتل نے کہا کہ انسان کے اعضاء خود اس کے کاموں پر گواہی دیں گے' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ (النور:۲۴)

جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے ○

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ (یٰس:۶۵)

آج ہم ان کے مونھوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پیر ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے ○

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ (حٰم السجدہ:۲۰)

حتیٰ کہ جب وہ دوزخ کے پاس آ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے کاموں کی گواہی دیں گے ○

امام واحدی نے کہا ہے کہ یہ آیات کفار پر محمول ہیں کیونکہ وہ اپنے اعمال کا انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے منہ پر مہر لگا دے گا پھر ان کے اعضاء ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔

القیامہ:۱۵ میں فرمایا: خواہ وہ اپنے تمام عذر پیش کرتا ہو ○

''معاذیر''''معذرۃ'' کی جمع ہے' اس آیت کا معنی ہے کہ انسان ہر چند کہ اپنے کاموں کا عذر پیش کرے گا اور اپنی مدافعت میں دلائل لائے گا اور ہر ممکن طریقہ سے بحث کرے گا لیکن اس سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اعضا خود اس کے خلاف گواہی دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں O بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھنے ہوئے کی اتباع کریں O پھر اس کا معنی بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O (القیامہ:۱۹۔۱۶)

دورانِ وحی قرآن مجید کو یاد کرنے کے لیے عجلت سے قرآن مجید کو دہرانے کی ممانعت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت دیتے' آپ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ اس آیت کو دہراتے رہتے تھے' آپ کا ارادہ یہ ہوتا تھا کہ آپ اس آیت کو حفظ کر لیں' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) اپنی زبان کو حرکت نہ دیں O آپ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے' سفیان نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر دکھایا' امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تنزیل سے بہت مشقت اٹھاتے تھے' اور اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اپنے ہونٹوں کو اس طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرکت دیتے تھے' سعید بن جبیر نے کہا: میں اپنے ہونٹوں کو اس طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حرکت دیتے تھے' پھر انہوں نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر دکھائی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۴۸' مسند الحمیدی رقم الحدیث:۵۲۷' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۲۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۳۹' مسند احمد ج۱ص۳۴۳)

القیامہ:۱۷ میں فرمایا: بے شک اس کو (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور آپ کو اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں قرآن مجید کو محفوظ کرنا اللہ سبحانہ کے ذمہ ہے

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یعنی ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کے سینہ میں جمع کریں' پس جب ہم قرآن کی کوئی آیت نازل کریں تو آپ غور سے سنیں' پھر یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ کی زبان سے پڑھوائیں' اس کے بعد جب حضرت جبریل آتے تو آپ سر جھکا کر بیٹھ جاتے' پھر جب وہ چلے جاتے تو آپ قرآن مجید کی ان آیتوں کو اس طرح پڑھ لیتے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۲۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۲۹)

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت جبریل دوبارہ آپ کے پاس آئیں اور آپ کے سامنے دوبارہ ان آیات کو پڑھیں اور آپ سن کر ان کو دہرائیں حتیٰ کہ آپ کو وہ آیات حفظ ہو جائیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! ہم یہ آیات آپ سے اس طرح پڑھوائیں گے کہ آپ ان کو نہیں بھولیں گے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ (الاعلیٰ:۶) ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے سو آپ نہیں بھولیں گے O

(تفسیر کبیر ج۱۰ ص۷۲۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام رازی نے اس آیت کی جو پہلی تفسیر ذکر کی ہے وہ صحیح نہیں ہے' اس آیت کی وہی تفسیر صحیح ہے جو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کی ہے۔

القیامہ:۱۸ میں فرمایا: سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ پڑھے ہوئے کی اتباع کریں○

حضرت جبریل کے فعل کو اللہ سبحانہ کا فعل قرار دینے کی ایک مثال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کئی مثالیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کو اپنا پڑھنا قرار دیا ہے اور یہ آیت حضرت جبریل علیہ السلام کے شرف عظیم پر دلالت کرتی ہے' ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر انصار سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا تھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ ؕ (التوبہ:۱۱۱) بے شک اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیا:

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ (الفتح:۱۰) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کر رہے ہیں' ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

حالانکہ ان کے ہاتھوں پر آپ کا ہاتھ ہے۔ اسی طرح فرمایا:

وَمَا رَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ (الانفال:۱۷) آپ نے (حقیقت میں) کنکریاں نہیں ماریں جب آپ نے (بہ ظاہر) کنکریاں ماری تھیں لیکن وہ کنکریاں اللہ نے ماری تھیں۔

اسی طرح یہ آیت ہے:

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء:۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کر لی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

حضرت جبریل کے پڑھنے کی اتباع کا معنی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت جبریل قرآن پڑھیں تو آپ ان کے پڑھنے کی اتباع کریں۔

صحیح یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کا پڑھنا حضرت جبریل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ نہیں ہونا چاہیے بلکہ واجب یہ ہے کہ جب تک حضرت جبریل پڑھتے رہیں' آپ خاموشی سے ان کے پڑھنے کو سنتے رہیں' حتیٰ کہ جب حضرت جبریل اپنے پڑھنے سے فارغ ہو جائیں تو اس کے بعد آپ پڑھنا شروع کریں اور پڑھنے کی اتباع کا یہی معنی ہے اور حلال اور حرام میں قرآن مجید کی اتباع کا یہ کوئی مقام نہیں ہے' جیسا کہ اس سے پہلے صحیح بخاری کی روایت سے گزر چکا ہے کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی کسی آیت کو لے کر نازل ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سر جھکا کر سنتے رہتے تھے اور جب حضرت جبریل چلے جاتے تو پھر آپ پڑھنا شروع کرتے تھے۔

القیامہ:۱۹ میں فرمایا: پھر اس کا معنی بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے○

حضرت جبریل سے قرآن مجید کے معانی پوچھنے کی ممانعت

امام رازی فرماتے ہیں: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور ان کے پڑھنے کے درمیان میں قرآن مجید کے مشکل مباحث اور اس کے معانی کے متعلق حضرت جبریل سے پوچھتے رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں باتوں سے منع فرمایا اور فرمایا: آپ حضرت جبریل کے ساتھ ساتھ نہ پڑھیں بلکہ ان کے پڑھنے کے بعد پڑھیں اور قرآن مجید کے معانی کے متعلق آپ پریشان نہ ہوں اور حضرت جبریل سے اس کے معنی کے متعلق نہ پوچھیں' اس کا معنی بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

بیان کے خطاب سے مؤخر ہونے کے متعلق امام ماتریدی کی تحقیق

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی آیت میں جو خطاب ہو اس کا فوراً بیان کرنا ضروری نہیں ہے اور خطاب کے وقت سے اس کے بیان کو مؤخر کرنا بھی جائز ہے' اور علامہ ابوالحسن نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ وقت خطاب سے بیان کی تاخیر واجب ہے اور تم اس کے قائل نہیں ہو۔

(۲) ہمارا موقف یہ ہے کہ خطاب کا اجمالی بیان تو فوراً لازم ہے اور تفصیلی بیان میں تاخیر ہو سکتی ہے۔

قفال نے ایک تیسرا بیان بھی دیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے: پھر ہم آپ کو خبر دیں گے کہ ہم پر اس کا بیان لازم ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: آیت میں مطلقاً بیان کا ذکر ہے خواہ اجمالی ہو یا تفصیلی' سو ہر قسم کا بیان خطاب سے مؤخر ہو سکتا ہے اور قفال کا سوال ضعیف ہے' کیونکہ اس میں بغیر کسی دلیل کے ظاہر کو ترک کر دیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۲۹ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے: جن آیات کو ہم نے اجمالاً نازل کیا ہے' ان کا بیان کرنا ہم پر لازم ہے' پس اس کے بیان سے اس کا اہتمام کر دیا جائے گا' اور یہ بتایا جائے گا کہ وہ کام جائز ہے یا مستحسن ہے کیونکہ فرائض کی کئی شاخیں ہوتی ہیں' اس میں ارکان' لوازم اور آداب ہوتے ہیں' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ خطاب کے وقت سے بیان کو مؤخر کرنا جائز ہے اور فرمایا: ہم پر بیان کرنا لازم ہے' یعنی اس میں کنایہ ہے یا اس کا تعلق اصول کے ساتھ ہے یا فروع کے ساتھ ہے' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اصول اور کنایات کو بیان کیا جائے گا اور بعد میں جو مجتہدین ان آیات میں غور و فکر کریں گے ان پر ان آیات کے مقاصد کھول دیئے جائیں گے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۲۹' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

بیان کے خطاب سے مؤخر ہونے کے متعلق امام رازی کی تحقیق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

قدیم روافض کی قوم کا یہ زعم ہے کہ اس قرآن میں تغیر و تبدل اور تحریف کی گئی ہے اور اس میں زیادتی اور کمی بھی کی گئی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیات جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عجلت سے اور زبان کو حرکت دینے سے منع فرمایا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ آپ حضرت جبریل کے پڑھنے کے دوران نہ پڑھیں اور ان کے پڑھنے کے بعد پڑھیں اور ان کے معنی کے متعلق آپ حضرت جبریل سے نہ پوچھیں' ان کے معنی کا بیان کرنا ہم پر لازم ہے' روافض کہتے ہیں کہ القیامہ: ۱۹۔۱۶ کی یہ آیات اس سے پہلے کی آیات سے اور اس کے بعد کی آیات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں' اس سے معلوم ہوا کہ یہ حصہ قرآن نہیں ہے' اور غیر قرآن کو قرآن میں شامل کر دیا گیا ہے' اس لیے ہم پر ضروری ہے کہ ہم ان آیات کی اس سے پہلی اور بعد کی

آیات کے ساتھ مناسبت بیان کریں' سو ہم کہتے ہیں کہ یہ مناسبت متعدد وجوہ سے ہے:

(۱) ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھنے میں جو عجلت کرنے سے منع فرمایا' یہ عجلت کا واقعہ سورۃ القیامہ کی ان ہی آیات کے درمیان پیش آیا ہو' تو اس لیے ضروری ہوا کہ آپ کو ان ہی آیات کے درمیان عجلت کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا گیا ہو۔

(۲) اس سے پہلے ذکر فرمایا ہے کہ کفار سعادتِ عاجلہ کو پسند کرتے تھے' ارشاد فرمایا:

بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝ بلکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آگے بھی بُرے کام کرتا رہے ۝ (القیامہ:۵)

پھر اس کے بعد بیان فرمایا کہ عجلت کرنا مطلقاً مذموم ہے حتیٰ کہ نیک کاموں میں بھی عجلت نہیں کرنی چاہیے' اس لیے فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ آپ (قرآن کو یاد کرنے کے لیے) عجلت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں ۝ (القیامہ:۱۶)

اور ان آیات کے اخیر میں فرمایا:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ (القیامہ:۲۰) ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی چیز سے محبت رکھتے ہو ۝

(۳) گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! اس تعجیل سے آپ کی غرض یہ ہے کہ آپ قرآن کو حفظ کر لیں اور مشرکینِ مکہ کو قرآن مجید کی تبلیغ کریں لیکن اس میں آپ کو تعجیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ ہر انسان کو اپنے نفس پر بصیرت ہے' اور وہ اپنے دلوں سے یہ بات جانتے ہیں کہ انہوں نے کفر' بت پرستی اور انکارِ قیامت کو جو اختیار کیا ہوا ہے وہ باطل ہے اور بدترین عقیدہ ہے' پس اگر قرآن مجید کو عجلت سے پڑھنے میں آپ کی غرض یہ تھی کہ ان کو ان کے عقیدہ کی خرابی پر مطلع کریں لیکن یہ چیز تو وہ ازخود جانتے ہیں تو پھر اس کے لیے ان کو جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو ایک اور سورت میں بھی بیان فرمایا ہے:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ:۱۱۴) آپ اس سے پہلے قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں حتیٰ کہ آپ کی طرف وحی پوری کی جائے اور یہ دعا کریں کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما ۝

یعنی قرآن مجید کو حفظ کرنے کے لیے اس کو بار بار دہرانے سے مدد طلب نہ کریں' بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں: اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

قفال نے اس کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ عام انسان سے خطاب ہے' جس طرح عام انسان سے خطاب کر کے یہ فرمایا ہے:

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝ اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے اور پچھلے کاموں کی خبر دی جائے گی۔ (القیامہ:۱۳)

جب انسان کو اس کے اعمال نامہ میں تمام بُرے کام دکھائے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا:

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ۝ آج اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کے لیے کافی ہے ۝ (بنی اسرائیل:۱۴)

پھر جب وہ اپنا اعمال نامہ پڑھنے لگے گا تو خوف کی شدت سے اس کی زبان کپکپانے لگے گی اور وہ عجلت سے پڑھنے کی کوشش کرے گا' تب اس سے کہا جائے گا: تم عجلت سے پڑھنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو کیونکہ ہم پر ہماری وعید کے اعتبار سے یا ہماری حکمت کے اعتبار سے واجب ہے کہ ہم تمہارے تمام اعمال کو تمہارے سامنے جمع کریں اور تمہارے سامنے تمہارے اعمال کو پڑھیں' پس جب ہم تمہارے اعمال کو تمہارے سامنے پڑھیں تو تم ہمارے پڑھنے کی اتباع کرو اور یہ اقرار کرو کہ تم نے یہ اعمال کیے ہیں' پھر ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے احکام کا بیان کریں اور ان پر عمل نہ کرنے کی سزاؤں کا بیان کریں اور اس آیت کی اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کے تمام اعمال کو اس کے سامنے تفصیل سے بیان فرمائے گا' اور ان آیات میں اس کے لیے دنیا میں شدید وعید ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے' پھر قفال نے یہ کہا کہ یہ ان آیات کی بہت حسین توجیہ ہے اور عقلی طور پر اس میں کوئی خرابی نہیں ہے' اگرچہ اس کی تائید میں احادیث اور آثار وارد نہیں ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۲۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی چیز سے محبت رکھتے ہو O اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو O اس دن بہت چہرے تروتازہ ہوں گے O اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے O اور بہت چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے O وہ یہ گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا O (القیامہ: ۲۵۔۲۰)

القیامہ: ۲۱۔۲۰ میں کفارِ مکہ سے خطاب ہے اور جلد ملنے والی چیز سے مراد دنیا اور اس کی زیب و زینت ہے' اس آیت میں کفار کی دنیا سے محبت کرنے پر مذمت کی ہے اور ان کو اس لیے زجر و توبیخ کی ہے تاکہ وہ اپنی اس روش سے باز آجائیں' اور آخرت سے مراد جنت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تبلیغ فرماتے تھے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے ڈراتے تھے کہ تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور میری رسالت پر ایمان لے آؤ اور نیک کام کرو اور بُرے کام چھوڑ دو تو نہ تم صرف عذابِ نار سے محفوظ رہو گے بلکہ جنت اور آخرت کی دیگر دائمی نعمتوں کے مستحق ہو جاؤ گے لیکن وہ شرک اور کفر اور دنیا کے عارضی مفاد کی خاطر جنت اور آخرت کی دیگر دائمی نعمتوں کو چھوڑ دیتے تھے۔

القیامہ: ۲۳۔۲۲ میں فرمایا: اس دن بہت چہرے تروتازہ ہوں گے O اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے O

''ناضرۃ'' کا معنی

اس آیت میں ''ناضرۃ'' کا لفظ ہے' ''نضر'' کا معنی ہے: سونا' چاندی' اور ''نضرۃ'' کا معنی ہے: تروتازگی' زندگی کی رونق' ''نضیر'' کا معنی ہے: تروتازہ پر رونق پانی' سونے چاندی والا' ''نضر اللہ وجھہ'' کا معنی ہے: اللہ اس کا چہرہ تروتازہ اور خوش و خرم رکھے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۴۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابن عمر اور مجاہد نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے' اس کا معنی ہے: اللہ سبحانہ نے ان کے لیے جو ثواب رکھا ہے وہ اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی جنت میں رؤیت کی نفی پر معتزلہ کا استدلال اور اس کے جوابات

معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے کا انکار کیا ہے اور اس آیت سے استدلال کیا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ آنکھیں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتیں اور اللہ تعالیٰ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے یعنی انہیں دیکھتا ہے۔ (الانعام: ۱۰۳)

معتزلہ کا اس آیت سے استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں کفار کی آنکھیں مراد ہیں یعنی کفار قیامت کے دن اللہ

تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکیں گے' جیسا کہ اس آیت میں اس کی تصریح ہے:

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ (المطففین:۱۵)

ہرگز نہیں! یہ کفار اس دن اپنے رب سے حجاب میں رکھے جائیں گے ۝

اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ الانعام کی اس آیت میں مؤمنوں اور کافروں سب کی آنکھیں مراد ہیں تو ہم کہیں گے کہ المطففین:۱۵ کی بناء پر اس میں تخصیص کر لی گئی اور اس سے مراد صرف کافروں کی آنکھیں ہیں اور اگر الانعام:۱۰۳ کے عموم پر اصرار کیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ آیت دنیا کے ساتھ خاص ہے یعنی دنیا میں کوئی اللہ سبحانہ کو نہیں دیکھ سکتا اور اگر اس آیت کو روزِ قیامت کے ساتھ خاص کیا جائے تو ہم کہیں گے کہ روزِ قیامت میں کئی احوال ہوں گے۔ بعض احوال میں اللہ سبحانہ جلال اور غضب میں ہوگا' اس وقت اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکے گا اور جب اللہ رحم اور کرم فرمائے گا تو اس وقت مؤمنین اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور ان سب جوابات کے علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ الانعام:۱۰۳ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہ طور احاطہ کوئی نہیں دیکھ سکے گا' کیونکہ دیکھنے کو یہ لازم نہیں ہے کہ انسان جس چیز کو دیکھے اس کا احاطہ بھی کرے' ہم آسمان کو دیکھتے ہیں اور اس کا احاطہ نہیں کرتے جب کہ آسمان متناہی ہے تو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے یہ کیسے لازم آئے گا کہ ہم اس کا احاطہ کر لیں' جب کہ اللہ تعالیٰ غیر متناہی ہے' نیز ہم کہتے ہیں کہ المطففین:۱۵ میں بھی یہ دلیل ہے کہ مؤمنین قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ کفار اس دن اپنے رب سے حجاب میں رکھے جائیں گے' پس اگر مؤمنین بھی اس دن حجاب میں رکھے جائیں تو مؤمنوں اور کافروں میں کیا فرق رہے گا اور یہ آیت خصوصیت سے کفار کی محرومی کی کیسے دلیل ہوگی۔

قیامت اور جنت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور دیدار کے معانی

مؤمنین قیامت کے دن اور جنت میں اپنے رب کو دیکھیں گے' اس پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے ادنیٰ شخص کا یہ مقام ہوگا کہ وہ اپنی جنتوں کی طرف اور اپنی بیویوں کی طرف اور اپنے خادموں کی طرف اور اپنی کنیزوں کی طرف' ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھ سکے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم شخص وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف صبح اور شام دیکھے گا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں: "وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝" (القیامہ:۲۳-۲۲)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۲۷-۲۵۵۶' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہیں' ان کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ چاندی کا ہے اور دو جنتیں سونے کی ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے وہ سونے کا ہے اور مسلمانوں اور ان کے رب کے دیدار کے درمیان صرف اللہ کی کبریائی کی چادر ہوگی' جو جنت عدن میں اس کے چہرے پر ہو گی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۸۸۰-۴۸۷۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۵۲۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۷۳۸۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۴۸' مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۱)

حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: بے شک تم لوگ اپنے رب کو بالکل ظاہر دیکھو گے جیسا کہ تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو' تمہیں اپنے رب کو دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی' پس اگر تم اس کی استطاعت رکھتے ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز پڑھنے سے مغلوب نہ ہو (یعنی فجر اور عصر کی نمازوں کو دوام کے ساتھ پڑھو) تو ایسا کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۴۳۵۔۴۸۵۱۔۵۵۴ صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۲۹ سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۵۵۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۷۷ مسند الحمیدی رقم الحدیث:۷۹۹ مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۰)

حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم میں سے ہر شخص اپنے رب کو دیکھے گا؟ (راوی عبید اللہ بن معاذ نے کہا: یعنی وہ قیامت کے دن تنہا اپنے رب کو دیکھے گا) آپ نے فرمایا: ہاں اے ابورزین!' انہوں نے پوچھا: اللہ کی مخلوق میں اس کی کیا علامت ہے؟ آپ نے فرمایا: اے ابورزین! کیا تم میں سے ہر شخص چاند کو نہیں دیکھتا؟ (ابن معاذ راوی نے کہا: یعنی چودھویں رات میں کیا ہر شخص اکیلا چاند کو نہیں دیکھتا) ہم نے کہا: کیوں نہیں!' آپ نے فرمایا: پس اللہ سبحانہ تو سب سے زیادہ عظیم ہے (ابن معاذ نے کہا: چاند تو اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے اور اللہ عزوجل تو بہت عظیم اور بہت بزرگ ہے)۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۳۱ حافظ ابن حجر نے کہا: اس حدیث کی سند مقبول ہے)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس جب حجاب کھول دیا جائے گا تو سب اللہ سبحانہ کی طرف دیکھیں گے' سو اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے اپنی رؤیت اور اپنے دیدار سے بڑھ کر زیادہ پسندیدہ کوئی چیز ان کو عطا نہیں کی اور نہ اس سے زیادہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی کوئی چیز عطا کی تھی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۱ سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۵۵۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۷ صحیح ابن حبان رقم الحدیث:۷۴۴۱ مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب عزوجل تجلی فرمائے گا' حتیٰ کہ سب اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر سجدے میں گر جائیں گے' پھر اللہ سبحانہ فرمائے گا: اپنے سر اٹھاؤ کیونکہ یہ دن عبادت کرنے کا دن نہیں ہے۔ (سنن دارقطنی' کتاب الرؤیۃ' رقم الحدیث:۶۲)

القیامہ:۲۵۔۲۴ میں فرمایا: اور بہت چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے ○ وہ یہ گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا ○

''باسرۃ'' اور ''فاقرۃ'' کے معانی

القیامہ:۲۴ میں ''باسرۃ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: اداس' بے رونق اور پریشان' ''بسر'' کا معنی ہے: وقت سے پہلے کسی کام میں جلدی کرنا اور یہاں مراد ہے وقت سے پہلے اداس ہونا اور تیور بگڑ جانا' مجازاً اس کا معنی ترش رُو ہونا اور منہ بگاڑنا بھی ہے۔

القیامہ:۲۵ میں ''فاقرۃ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: مصیبت اور سختی' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی ہے: پشت کے مہرے کو توڑنے والی مصیبت۔

یعنی کفار کے چہرے قیامت کے دن بہت بگڑے ہوئے' اداس اور مرجھائے ہوئے ہوں گے۔

مجاہد وغیرہ نے کہا: ''فاقرۃ'' کا معنی ہے: ایسی مصیبت جو آدمی کی کمر توڑ دے' قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: شر' سدی نے کہا: اس کا معنی ہے: ہلاکت' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد ہے: دوزخ میں داخل ہونا اور یہ سب متقارب معانی ہیں۔

اصل میں اس کا معنی ہے: لوہا گرم کر کے اونٹ کی ناک پر ایسا گرم نشان لگانا جو اس کی ہڈی تک پہنچ جائے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۰۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یقیناً جب ان کی روح ہنسلی کی ہڈیوں تک پہنچ جائے گی ○ اور کہا جائے گا کہ کوئی دم کرنے والا ہے؟ ○ اور وہ گمان کرے گا کہ یہ جدائی کی ساعت ہے ○ اور پنڈلی' پنڈلی سے لپٹ جائے گی ○ اس دن آپ کے رب کی طرف لے

جایا جائے گا○ (القیامہ:۳۰۔۲۶)

''کلا'' اور ''تراقی'' کا معنی

القیامہ:۲۶ میں ''کلاّ'' کا لفظ ہے اس کے دو معنی ہیں' یہ کسی کو کسی کام سے روکنے اور باز رکھنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور تحقیق اور یقین کے اظہار کے بھی لیے آتا ہے۔

الزجاج نے کہا: ''کلاّ'' یہاں پر دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے سے روکنے اور منع کرنے کے لیے ہے' گویا کہ یوں کہا گیا کہ جب تم نے جان لیا کہ ایمان لانے والے اور اعمالِ صالحہ کرنے والے آخرت میں کامیاب ہیں' اور کفر کرنے والے اور بُرے کام کرنے والے آخرت میں ناکام ہیں' اوّل الذکر دائمی نعمتیں پائیں گے اور ثانی الذکر ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے اور تم کو معلوم ہو گیا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو پھر تم دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے سے باز آ جاؤ اور یاد رکھو کہ تمہارے سامنے موت آنے والی ہے اور پھر دنیا کی یہ عارضی راحتیں تم سے منقطع ہو جائیں گی اور پھر بعد کی زندگی شروع ہو گی جو ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی۔

دوسرے مفسرین نے کہا: ''کلاّ'' اس آیت میں تحقیق اور یقین کے معنی میں ہے' یعنی جب ان کی روح ہنسلی کی ہڈیوں تک پہنچ جائے گی۔اس آیت میں ''التراقی'' کا لفظ ہے' یہ ''الترقوہ'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: ہنسلی' ''بلغت روحہ التراقی'' اس کا معنی ہے: وہ جاں بلب ہو گیا' ہنسلی کا معنی ہے: گردن کے نیچے اور سینہ کے اوپر کی ہڈی' یعنی جب اس کی روح اس کے جسم سے نکل کر اس کے گلے تک پہنچ جائے گی اور اب وہ کسی لمحہ بھی مرا چاہتا ہو گا۔

مقاتل نے کہا: قیامت کے دہشت ناک احوال سننے کے بعد بھی کافر ایمان نہیں لائے گا' لیکن وہ اپنے آپ سے موت کو دور نہیں کر سکے گا اور گھونٹ گھونٹ کر کے موت کو پیتا رہے گا' لیکن بالآخر اس کو مرنا ہے۔

القیامہ:۲۷ میں فرمایا: اور کہا جائے گا: کوئی دم کرنے والا ہے؟○

''راق'' کا معنی

اس آیت میں ''راق'' کا لفظ ہے' اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ یہ ''رقیۃ'' کا اسم فاعل ہے' یعنی دم کرنے والا' کچھ کلمات پڑھ کر پھونک مارنے والا' اور اس کا دوسرا معنی ہے: یہ ''رُقِیْ'' کا اسم فاعل ہے' اس کا معنی ہے: اوپر چڑھنے والا' قرآن مجید میں ہے:

اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ (بنی اسرائیل:۹۳)	(کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:) یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھنے کا بھی اس وقت تک ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک آپ ہم پر کوئی کتاب نازل نہ کریں جس کو ہم خود پڑھ لیں۔

اگر ''راق'' سے مراد دم کرنے والا ہو تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب موت انسان کے گلے تک پہنچ جائے تو وہ انسان خود یا اس کے رشتہ دار اس کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور کسی طبیب یا دم کرنے والے اور جھاڑ پھونک کرنے والے کو طلب کرتے ہیں۔

اور اگر ''راق'' کا معنی اوپر چڑھنے والا ہو تو اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اس کافر کی روح کو اوپر لے جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فرشتے کافر کے قرب کو ناپسند کرتے ہیں تو ملک الموت فرشتوں سے کہیں گے: تم میں سے کون

اس کی روح کو لے کر اوپر چڑھے گا؟ الکلبی نے کہا: بندہ کی موت کے وقت رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے جمع ہوتے ہیں اور جب بندہ کی روح اس کے گلے کی ہڈی تک پہنچ جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں: اس کی روح کو کون اوپر لے جائے گا؟

القیامہ: ۲۸ میں فرمایا: اور وہ گمان کرے گا کہ یہ جدائی کی ساعت ہے O

اس آیت میں "ظن" کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: گمان' اور بسا اوقات ظن کا لفظ یقین کے معنی میں ہوتا ہے اور اس آیت میں بھی ظن کا لفظ یقین کے معنی میں ہے' یعنی جب تک انسان کی روح اس کے بدن کے ساتھ متعلق رہتی ہے تو وہ دنیا سے شدید محبت کی وجہ سے دنیا کی زندگی سے محبت کرتا رہتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ (القیامہ: ۲۰) ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد ملنے والی چیز سے محبت کرتے ہو O

اور انسان کی امید دنیا سے منقطع نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی روح اس کے گلے تک نہ پہنچ جائے' پھر اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح ایسا جوہر ہے جو قائم بنفسہٖ ہے اور بدن کی موت کے بعد باقی رہتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روح کے فراق اور اس کی جدائی کو موت فرمایا ہے اور روح کی صفت باقی رہنا ہے اور صفت اپنے موصوف کے وجود کا تقاضا کرتی ہے۔

القیامہ: ۲۹ میں فرمایا: اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی O

پنڈلی سے پنڈلی لپٹنے کے دو محمل

اس آیت میں "الساق" کا لفظ ہے" "الساق" کا حقیقی معنی ہے: پنڈلی جو کہ مخصوص عضو ہے' اور اس کا مجازی معنی ہے: کسی کام یا کسی چیز کی شدت' کیونکہ جب انسان کوئی بہت سخت اور مشکل کام کرتا ہے تو اپنی پنڈلی سے پائنچے اوپر اٹھا لیتا ہے اور جب انسان دنیا سے رخصت ہونے لگتا ہے تو اس کے لیے یہ بہت سخت اور مشکل وقت ہوتا ہے' اب اس کی دو مشکلیں اور دو سختیاں ایک دوسرے سے لپٹ جاتی ہیں' ایک دنیا سے انتقال کی سختی' دوسرے اپنے مال اور اولاد سے جدائی کی سختی' اسی طرح اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے جدائی کی پریشانی اور دوسری یہ پریشانی کہ اس دنیا میں اس کا دل لگا ہوا تھا' اب وہ ایسی جگہ قبر میں جانے والا ہے' اس اجنبی جگہ وہ کیسے رہے گا؟ یہاں پر ایک آدمی کے لیے کئی کمرے ہوتے ہیں' ایک کمرہ مطالعہ کا ہوتا ہے اور ایک کمرا کھانے پینے اور آرام کا ہوتا ہے' یہاں اس کو بجلی کی روشنی اور بجلی کے پنکھے میسر ہوتے ہیں' باتیں کرنے اور دل بہلانے کے لیے دوست اور احباب ہوتے ہیں' پھر اس کو قبر میں رکھ دیا جائے گا اور وہ بہت تنگ جگہ ہوگی' نہ وہاں روشنی ہوگی نہ ہوا ہوگی' نہ اس سے کوئی باتیں کرنے والا ہوگا' نہ وہ سیر اور تفریح کے لیے کہیں جا سکے گا' اس چھوٹی سی تنگ اور تاریک جگہ میں اس کا کیسے گذارا ہوگا' پس ایک مشکل سے کئی مشکلات اور ایک سختی کے ساتھ کئی سختیاں اور ایک پریشانی سے کئی پریشانیاں وابستہ ہوتی ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ "الساق" سے اس کا حقیقی معنی مراد ہو یعنی پنڈلی' الشعبی اور قتادہ نے کہا: جب انسان پر نزع روح کا وقت آتا ہے تو وہ تکلیف کی شدت میں بے قراری سے ایک ٹانگ کے اوپر دوسری ٹانگ مارتا ہے' اس طرح ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کے ساتھ چمٹ جاتی ہے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی پنڈلیاں مرنے کے بعد سوکھی ہوئی ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔

القیامہ: ۳۰ میں فرمایا: اس دن آپ کے رب کی طرف لے جایا جائے گا○

اس آیت میں "المساق" کا لفظ ہے یہ "ساق یسوق" کا مصدر "مساق" ہے جیسے "قال یقول" کا مصدر "مقال" ہے اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے رب کی طرف لے جایا جائے گا' دوسری تفسیر یہ ہے کہ لوگوں کو ان کا رب ہنکا کر اپنی طرف لے جائے گا۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾

نہ اس نے تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی ○ لیکن اس نے تکذیب کی اور روگردانی کی ○

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ

پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیا○ تیرے لیے (مرتے وقت) خرابی ہو پھر تیرے لیے (قبر میں) خرابی ہو○ پھر

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾

تیرے لیے (حشر) میں خرابی ہو پھر تیرے لیے (دوزخ میں) خرابی ہو○ کیا انسان نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟○

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً

کیا وہ حقیر پانی کا قطرہ نہ تھا جس کو ٹپکایا جاتا ہے؟ ○ پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوا

فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

پھر (اللہ نے) اس کو پیدا فرمایا پھر اس کو درست بنایا ○ پھر اس سے دو جوڑے بنائے مرد

وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ

اور عورت ○ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ

يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

مُردوں کو زندہ کرے؟○

ع ۲ ۱۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نہ اس نے تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی○ لیکن اس نے تکذیب کی اور روگردانی کی○ پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیا○ تیرے لیے (مرتے وقت) خرابی ہو' پھر (قبر میں) تیرے لیے خرابی ہو○ پھر تیرے لیے (حشر میں) خرابی ہو' پھر تیرے لیے (دوزخ میں) خرابی ہو○ (القیامہ ۳۵-۳۱)

"اولٰی لک فاولٰی" کا شانِ نزول اور اس کے معانی

یہ آیات ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں' یعنی ابو جہل نے نہ تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی تصدیق

کی اور نہ آپ کے پیغام پر عمل کرتے ہوئے نماز پڑھی' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔قتادہ نے کہا:اس نے نہ اللہ کی کتاب کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی' اور ایک قول ہے: نہ اس نے اللہ کے پاس اپنے اجر کا ذخیرہ کرنے کے لیے صدقہ دیا اور نہ وہ نمازیں پڑھیں جن کے پڑھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' اور ایک قول ہے: نہ وہ دل سے ایمان لایا اور نہ اس نے بدن سے نماز پڑھی۔

اس کے بعد فرمایا: اس نے قرآن کی تکذیب کی اور ایمان لانے سے اعراض کیا' پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف اکڑتا ہوا گیا۔

القیامہ:۳۳ میں ''یتمطّٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: غرور سے اکڑتا ہوا' ناز سے مٹکتا ہوا' ''مطا'' کا معنی ہے: پشت' اس کی جمع ''امطاء'' ہے' ''مطیّۃ'' کا معنی ہے: سواری اور بوجھ' اس کی جمع ''مطایا'' ہے' ''مطو'' اور ''مطاء'' کا معنی ہے: اکڑنا' تیز تیز چلنا' ''امطاء'' کا معنی ہے: جانور پر بوجھ لادنا' ''تمطّی'' کا معنی ہے: اکڑنا' مٹک مٹک کر چلنا۔

القیامہ:۳۵۔۳۴ میں فرمایا: ''اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰىۙ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰىؕ۝'' یعنی تیرے لیے (مرتے وقت) خرابی ہو پھر (قبر میں) تیرے لیے خرابی ہو○ پھر تیرے لیے (حشر میں) خرابی ہو پھر (دوزخ میں) تیرے لیے خرابی ہو○ ان آیتوں میں ایک دھمکی کے بعد دوسری دھمکی ہے اور ایک وعید کے بعد دوسری وعید ہے' پس ان آیتوں میں اس کی چار بُرائیوں کے مقابلہ میں چار وعیدیں ہیں' پہلی تین آیتوں میں اس کی چار بُرائیوں کا ذکر فرمایا: (۱) اس نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تصدیق نہیں کی (۲) نماز نہیں پڑھی (۳) اس نے قرآن مجید کی تکذیب کی (۴) اس نے ایمان لانے سے اعراض کیا اور اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا' پھر ان چار بُرائیوں کے مقابلے میں چار سزاؤں اور چار وعیدوں کا ذکر فرمایا: (۱) اس کے لیے مرتے وقت خرابی ہوگی (۲) قبر میں خرابی ہوگی (۳) حشر میں خرابی ہوگی (۴) دوزخ میں خرابی ہوگی۔

ایک قول یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکلے تو وہ سامنے بنومخزوم کے دروازہ سے آ رہا تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک بار یا دو بار جھٹکا دیا' پھر فرمایا: ''اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰىۙ۝'' (القیامہ:۴۰) پس ابوجہل نے کہا: کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟ پس اللہ کی قسم! میں اس وادی میں سب سے زیادہ معزز اور مکرم ہوں' پھر آپ کے اوپر یہ آیات نازل ہوئیں۔(تفسیر امام عبدالرزاق رقم الحدیث:۳۴۲۰۔۳۴۱۹)

قتادہ نے کہا: ابوجہل اکڑ اکڑ کر جا رہا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰىۙ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰىؕ۝'' (القیامہ:۳۵۔۳۴) تب ابوجہل نے کہا: میرا نہ تم کچھ بگاڑ سکتے ہو' نہ تمہارا رب کچھ بگاڑ سکتا ہے' پس بے شک میں ان دو پہاڑوں کے درمیان سب سے زیادہ معزز اور مکرم ہوں' پھر جنگ بدر کے دن اس نے مسلمانوں کی طرف سر بلند کر کے دیکھا اور کہا: آج کے بعد کبھی اللہ کی عبادت نہیں کی جائے گی' پھر اللہ سبحانہ نے اس کی گردن ماردی اور وہ بڑی ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

اس آیت میں ''اولٰی لك'' کی ایک تفسیر یہ ہے کہ ''اولٰی'' کا معنی قریب ہے' یعنی تیرے لیے ہلاکت اور عذاب قریب ہے پھر اس کو تاکید کے لیے چار بار مکرر ذکر فرمایا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تکرار اس لیے ہے کہ اس عذاب کو تو اپنے پہلے بُرے کام کے لیے لازم سمجھ لے پھر دوسرے بُرے کام کے لیے' پھر تیسرے بُرے کام کے لیے' پھر چوتھے بُرے کام کے لیے' جن کا ذکر القیامہ:۳۳۔۳۱ میں مذکور ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ''اولٰی'' کا معنی ''ویل'' ہے یعنی ہلاکت' اور چار بار ''ویل'' کے ذکر کا معنی یہ ہے: تیرے لیے

زندگی میں ویل ہو اور مرتے وقت ویل ہو اور حشر کے دن ویل ہو اور دوزخ میں دخول کے دن ویل ہو۔
اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ تیرے لیے ہلاکت ہو اور عذاب ہو اور اس کو تاکید کے لیے چار بار مکرر فرمایا۔
(الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ص۱۰۴۔۱۰۳ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:
ان آیات میں ابوجہل کے خلاف ہلاکت اور عذاب کی دعا ہے یعنی دنیا اور آخرت میں تجھ پر بار بار ہلاکت اور عذاب آتا ہے قفال نے کہا: اس آیت کے تین محمل ہیں: (۱) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافروں کے لیے وعید ہے (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن اسلام سے ایک بات کہی اس دشمن اسلام کو وہ بات ناگوار گزری تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہی ہوئی بات کی مثل یہ آیتیں نازل فرمادیں (۳) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ اللہ کے دشمن سے یہ کلمات کہیں گویا کہ جب ابوجہل اکڑ کر اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ اس کے خلاف یہ دعائیہ کلمات کہیں: سن تیرے قریب اب وہ عذاب آ پہنچا ہے جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہ تھی۔
(تفسیر کبیر ج۱۰ص۷۳۷۔۷۳۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا انسان نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا O کیا وہ حقیر پانی کا قطرہ نہ تھا جس کو ٹپکایا جاتا ہے؟ O پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوا پھر (اللہ نے) اس کو پیدا فرمایا پھر اس کو درست بنایا O پھر اس سے دو جوڑے بنائے مرد اور عورت O کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرے؟ O (القیامہ: ۴۰۔۳۶)

انسان کو عبث پیدا نہ فرمانا اور اس کے ضمن میں وقوعِ قیامت کی دلیل

القیامہ: ۳۶ میں ''سُدی'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: مہمل یعنی کیا انسان نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کو مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ اس کو نہ کسی چیز کا حکم دیا جائے گا نہ کسی کام سے منع کیا جائے گا' نہ اس کو دنیا میں مکلف کیا جائے نہ آخرت میں اس سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: کیا انسان کا یہ گمان ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو ہرگز جمع نہیں کریں گے؟ (القیامہ: ۳) اور اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع اور انسان کے دوبارہ زندہ کیے جانے پر دو دلیلیں قائم فرمائیں' ان میں سے ایک دلیل یہ آیت ہے اور اس کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں تصرف کرنے کے لیے اعصاب اور آلات دیئے ہیں اور صحیح اور غلط کا ادراک کرنے کے لیے عقل عطا کی ہے' اب اگر اس نے انسان کو اپنی اطاعت اور عبادت کے حکم کا مکلف نہیں کیا اور اس کو بُرے کاموں سے باز رہنے کا مکلف نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اطاعت اور عبادت نہ کرنے اور بُرے کاموں کے کرنے سے راضی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے' اس لیے ضروری ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا مکلف مانا جائے' پھر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لیے قیامت کا قائم کرنا ضروری ہے تاکہ قیامت کے بعد حشر کے دن اطاعت گزاروں کو جزا دی جائے اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً ساری کائنات کو پیدا فرمایا ہے تو دوسری بار اسی کائنات کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کب مشکل ہے' جب کہ اس کو ہر چیز کا علم ہے' وہ جانتا ہے کہ انسان کے مرنے اور اس کے جسم کے بوسیدہ ہونے کے بعد اس کے جسم کے مختلف اور منتشر ذرات کہاں کہاں ہیں اور وہ ان ذرات کو جمع کر کے ان سے اسی جیسا انسان کھڑا کرنے پر

قادر ہے اور اس دلیل کی طرف اشارہ اس سے اگلی آیت میں کیا ہے۔

القیامہ: ۳۸۔۳۷ میں فرمایا: کیا وہ حقیر پانی کا قطرہ نہ تھا جس کو ٹپکایا جاتا ہے؟O پھر وہ خون کا لوتھڑا ہوا پھر (اللہ نے) اس کو پیدا فرمایا پھر اس کو درست بنایاO

نطفہ کا معنی اور اس کے ضمن میں وقوع قیامت کی دلیل

نطفہ اس قلیل پانی کو کہتے ہیں جو مرد کی پشت اور عورت کے سینہ کی پسلی کے درمیان ہوتا ہے' اور اس کو مرد عورت کے رحم میں ڈال دیتا ہے' اس آیت میں انسان کی تحقیر کی طرف اشارہ ہے گویا انسان اس منی سے پیدا کیا گیا ہے جو نجاست کے مخرج سے نکلتی ہے' جو اگر انسان کے جسم پر لگ جائے تو جسم ناپاک اور اگر اس کے کپڑے پر لگ جائے تو وہ کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے' سو جب انسان ایسی حقیر چیز سے پیدا کیا گیا ہے تو پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے اکڑنا اور اس کی عبادت کرنے میں عار محسوس نہیں کرنی چاہیے اور اس آیت میں اشارہ اور کنایہ سے یہ بتایا ہے کہ انسان کو پہلی بار اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو دوسری بار اس کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کب مشکل ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ اور کنایہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدہ مریم کی الوہیت اور ان کے خدا ہونے کا درج ذیل آیت میں رد فرمایا ہے:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ (المائدہ: ۷۵)

مسیح ابن مریم (خدا نہیں ہیں) صرف اللہ کے رسول ہیں' ان سے پہلے بھی بہت رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں نیک اور سچی بندی تھیں اور وہ دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم دونوں کھانا کھاتے تھے' گویا ان دونوں کو اپنی بقا کے لیے کھانے کی احتیاج تھی اور جو اپنی بقا کے لیے کھانے کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اور جو کھانا کھاتا ہے وہ قضاء حاجت بھی کرتا ہے اور جو قضاء حاجت کرتا ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اس طرح لطیف پیرائے سے اشارہ اور کنایہ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی الوہیت کا رد فرما دیا' اسی طرح زیر بحث آیت میں لطیف پیرائے اور کنائے سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کو قائم کرنے اور انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر دلیل قائم فرما دی۔

القیامہ: ۴۰۔۳۹ میں فرمایا: پھر اس سے دو جوڑے بنائے مرد اور عورتO کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرے؟O

انسان کی صرف دو صنفوں پر ایک اعتراض کا جواب

یعنی پھر انسان کی دو قسمیں بنا دیں' مرد اور عورت تو جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداءً پیدا فرمایا تو وہ اس کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا فرما سکتا۔

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہاں انسان کی صرف دو قسمیں بیان فرمائی ہیں' حالانکہ انسان کی ایک تیسری قسم ہے اور وہ خنثیٰ (مخنث) ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں انسان کی اعم اور اغلب اقسام بیان فرمائی ہیں اور چونکہ مرد اور عورت کے مقابلہ میں مخنث کی تعداد بہت کم ہے' اس لیے اس کا ذکر نہیں فرمایا' دوسرا جواب یہ ہے کہ مخنث کو تغلیباً مردوں کی صنف میں داخل فرما دیا۔

امام عبدالرزاق اور امام ابن جریر نے اپنی اپنی سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ان آیتوں

کو پڑھتے تو آپ فرماتے: "سبحانك اللهم بلٰى" کیوں نہیں اے اللہ! تو ایسا نہ کرنے سے یا اس پر قادر نہ ہونے سے پاک ہے۔ (تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۳۲۲، جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۶۸۸)

سورۃ القیامہ کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۸ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ/ ۲۶ جون ۲۰۰۵ء بہ روز اتوار بعد از نماز ظہر سورۃ القیامہ کی تفسیر مکمل ہوگئی، اس سورت کی تفسیر ۱۷ جون ۲۰۰۵ء کو شروع کی تھی اور نو دن میں اس کی تفسیر مکمل ہوگئی، حالانکہ بیچ میں ایک دن مجھے بخار بھی آیا، آج کل پورا پاکستان شدید گرمی کی لپیٹ میں ہے، کراچی میں بھی درجہ حرارت 42c تک پہنچ گیا تھا، اب الحمد للہ کم ہو کر 35c-36c تک رہ گیا ہے۔

الٰہ العالمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر مکمل کرادی ہے، باقی قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرادیں، اور شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کو تا روزِ قیامت باقی اور فیض آفریں رکھیں اور میری، میرے والدین کی اور تبیان القرآن کے تمام معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمادیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين افضل المرسلين شفيع المذنبين وعلى آله واصحابه اجمعين.



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الدھر

سورت کا نام اور وجہِ تسمیہ

اس سورت کا نام الانسان بھی ہے اور الدھر بھی ہے' برصغیر پاک و ہند میں اس سورت کا نام الدھر معروف ہے اور دوسرے علاقوں میں اس کا نام الانسان مشہور ہے' زیادہ تر عربی تفاسیر میں اس سورت کا نام الانسان لکھا ہوا ہے اور برصغیر میں قرآن مجید کے جو نسخے چھپے ہوئے ہیں ان میں اس سورت کا نام الدھر لکھا ہوا ہے اور یہ دونوں نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہیں:

هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ یَكُنۡ شَیۡـًٔا مَّذۡكُوۡرًا۝ (الدھر:۱)

یقیناً انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۝

سورت الدھر اور سورۃ القیامہ کی مناسبت

اس سے پہلے سورۃ القیامہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ انسان کی تخلیق کی ابتداء نطفہ سے کی گئی ہے' پھر اس کی دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت اور اس سورت کی ابتداء میں بتایا کہ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے پیدا کیا اور ان کو سمیع و بصیر بنا دیا' پھر بشر کی دو قسمیں ہیں: بعض شکر گزار ہیں اور بعض ناشکرے ہیں۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی سورت میں جنت اور دوزخ کا حال اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور اس سورت میں جنت اور دوزخ کے اوصاف کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے' خصوصاً جنت کے اوصاف کا بہت تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ تیسری مناسبت یہ ہے کہ سورۃ القیامہ میں کفار اور فجار کو قیامت کے دن جو دہشت ناک اُمور پیش آئیں گے ان کا ذکر فرمایا ہے اور اس سورت میں قیامت کے دن نیک مسلمانوں کو جو نعمتیں ملیں گی' ان کا ذکر فرمایا ہے۔

سورت الدھر کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے' اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سورت کی بعض آیات مکی ہیں اور بعض آیات مدنی ہیں' حضرت ابن عباس' ابن ابی طلحہ' قتادہ اور مقاتل کا قول یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور یہی جابر بن زید کا قول ہے اور قتادہ سے بھی اس کی حکایت کی گئی ہے اور حسن' عکرمہ اور کلبی نے کہا کہ ایک آیت کے سوا یہ مدنی ہے' وہ آیت یہ ہے: "فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ اٰثِمًا اَوۡ كَفُوۡرًا۝" (الدھر:۲۴) اور انہوں نے یہ معین نہیں کیا کہ یہ آیت کس سورت کی ہے۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ سورۃ الدھر مکی ہے' کیونکہ اس سورت کا اسلوب اور اس کا طرزِ بیان دیگر مکی سورتوں کے موافق ہے' البتہ

ایک آیت ایسی ہے جس کا مضمون مکی سورتوں کے بجائے مدنی سورتوں کے موافق ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ○ (الدھر:٨)

اور وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ○

یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' انہوں نے مدینہ میں ایک رات ایک مسکین کو کھانا کھلایا اور دوسری رات ایک یتیم کو کھانا کھلایا اور تیسری رات ایک قیدی کو کھانا کھلایا' کیونکہ اس وقت مکہ میں مسلمانوں کے قیدی نہیں تھے اور قیدی سے متبادر یہ ہے کہ جس مشرک کو دارالحرب سے قید کیا گیا ہو۔

جابر بن زید نے کہا ہے کہ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٩٨ ہے' یہ سورت سورۃ الرحمان کے بعد اور سورۃ الطلاق سے پہلے نازل ہوئی ہے اور یہ نمبر ان لوگوں کے قول کے مطابق ہے جو اس سورت کو مدنی قرار دیتے ہیں لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس اعتبار سے اس کے نزول کا نمبر ٣٠ یا ٣١ ہے اور یہ سورۃ القیامہ سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ٧٦ ہے اور اس میں بالاتفاق ٣١ آیات ہیں۔ (التحریر والتنویر جز ٢٩ص ٣٧٠' تیونس)

سورت الدھر کے مشمولات

☆ الدھر٦۔١میں تخلیق انسان کی ابتداء کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان کو سننے اور دیکھنے کی طاقت عطا کی ہے اور اس کو دنیا میں سیدھا راستہ دکھایا ہے اور انسانوں کی دو قسمیں ہیں: بعض شکر گزار ہیں اور بعض ناشکرے ہیں' پھر بتایا کہ شکر گزاروں کی جزا جنت ہے اور ناشکروں کی سزا دوزخ ہے۔

☆ الدھر:١١۔٧ میں یہ بتایا ہے کہ شکر گزار اپنی مانی ہوئی نذر کو پورا کرتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں۔

☆ الدھر:٢٢۔١٢ میں بتایا ہے کہ شکر کرنے والوں کو جنت میں بہت ثواب ہوگا اور ان کی بہت عزت افزائی ہوگی۔

☆ الدھر:٢٦۔٢٣ میں بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن مجید نازل کیا گیا ہے اور آپ کو عمدہ طریقہ سے صبر کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا اور اس کے لیے قیام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

☆ الدھر:٢٨۔٢٧ میں دنیا کی جلد ملنے والی عارضی چیزوں کی محبت اور آخرت کی نعمتوں کو ترک کرنے کی مذمت کی ہے اور کفر اور عناد پر وعید فرمائی ہے۔

☆ الدھر:٣١۔٢٩ میں بتایا ہے کہ قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے نصیحت ہے اور ان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی دعوت دی ہے۔

سورۃ الدھر کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں سورۃ الدھر کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے اللہ! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت اور اسلام کی صحیح ترجمانی پر قائم رکھنا اور زلّات سے محفوظ اور مامون رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

١٩ جمادی الاولیٰ ١۴٢٦ھ/ ٢٧ جون ٢٠٠٥ء

موبائل نمبر: ٢١٥٦٣٠٩۔٠٣٠٠

٢٠٢١٧۴۴۔٠٣٢١



سورة الدهر مكية — آياتها ٣١ — ركوعاتها ٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الدھر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اکتیس آیات اور دو رکوع ہیں

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ

یقیناً انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آ چکا ہے جب وہ کوئی

شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿١﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

قابل ذکر چیز نہ تھا ○ بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے

اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٢﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ

ہم اس کو آزماتے ہیں سو ہم نے اس کو سننے والا، دیکھنے والا بنا دیا ○ ہم نے اس کو (سیدھا)

السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿٣﴾ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

راستہ دکھا دیا، اب وہ چاہے شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا ○ بے شک ہم نے

لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿٤﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ

کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ○ بے شک نیکو کار

يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿٥﴾ عَيْنًا

ایسے مشروب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے ○ اس چشمے

يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٦﴾ يُوْفُوْنَ

سے اللہ کے بندے پئیں گے وہ اس چشمہ کو جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے ○ وہ نذر پوری

بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿٧﴾ وَ

کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے ○ وہ

يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ

اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے

أَسِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ

ہیں ○ (ابرار کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے اس کے

جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا

عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش ○ بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں

عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١٠﴾ فَوَقَاهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ

جو بے حد ترش اور سخت ہے ○ سو اللہ نے ان کو اس دن کے شر سے بچا لیا

وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١١﴾ ج وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا

اور ان کو تروتازگی اور فرحت عطا فرمائی ○ اور ان کے صبر کی جزا میں

جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٢﴾ لا مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ج لَا

ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمایا ○ وہ جنت میں مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے، وہ جنت میں

يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾ ج وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ

نہ گرمی کی دھوپ پائیں گے اور نہ سردی کی ٹھنڈک ○ اور درختوں کے سائے ان پر

ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿١٤﴾ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ

جھکے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے ○ اور ان کے لیے چاندی

بِآنِيَةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ﴿١٥﴾ لا قَوَارِيرَا

کے برتن اور ایسے گلاس گردش میں لائے جائیں گے جو شیشہ کی طرح شفاف ہوں گے ○ یہ شیشہ کی مثل

مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا

برتن چاندی کے ہوں گے (پلانے والے) ان کو ٹھیک اندازے پر رکھیں گے ○ وہاں ان کو ایسے جام بھی پلائے

كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿١٧﴾ ج عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾

جائیں گے جن میں سونٹھ کے چشمہ کی آمیزش ہو گی ○ اس چشمہ کو جنت میں سلسبیل کہا جاتا ہے ○

قرأ حفص بغیر الالف فی الوصل فیھما، ووقف علی الاول بالالف وعلی الثانی بغیر الالف ۱۲

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ

اور دائمی جنتی لڑکے ان کے پاس گردش کریں گے تم انہیں دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ

حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ

وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں O تم وہاں جہاں بھی دیکھو گے تو سراسر

نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ

نعمتیں اور عظیم سلطنت ہی دیکھو گے O اہل جنت کے اوپر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے

خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ ۚ وَسَقَاهُمْ

اور دبیز ریشم کے بھی اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے' اور ان کا رب

رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ

انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا O (کہا جائے گا:) یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری

سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾ ع

کوششیں بارآور ہوئیں O

ع ۱ ۲۲ ۱۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یقیناً انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آ چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا O بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے ہم اس کو آزماتے ہیں' سو ہم نے اس کو سننے والا' دیکھنے والا بنا دیا O ہم نے اس کو (سیدھا) راستہ دکھا دیا' اب وہ چاہے شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا O (الدھر: ۳۔۱)

''ھل'' کا معنی

اس آیت کے شروع میں ''ھــل'' کا لفظ ہے اور یہ استفہام کے لیے آتا ہے' اس کا معنی ہے: ''کیا'' اس صورت میں اس آیت کا معنی ہوگا: کیا انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آ چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا اور یہ معنی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سوال کر رہا ہے: کیا انسان پر ایسا وقت آ چکا ہے' اور سوال کرنا عدم علم پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ جاننا محال ہے' اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں لفظ ''ھــل'' ''قــد'' کے معنی میں ہے' یعنی بے شک یا بالیقین انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت آ چکا ہے' اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝ (الغاشیہ: ۱) بے شک آپ کے پاس قیامت کی خبر آ چکی ہے O

اس آیت میں ''انسان'' کے مصداق میں متعدد اقوال

اس آیت میں ''انسان'' کا لفظ ہے' علامہ علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ نے لکھا ہے: انسان کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) قتادہ' السدی اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا اور اس میں پہاڑ اتوار کے دن نصب کیے اور پیر کے دن درخت پیدا کیے اور مکروہ چیزیں منگل کے دن پیدا کیں اور نور بدھ کے دن پیدا کیا' اور جمعرات کے دن اس میں چوپاؤں کو پھیلا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب مخلوق کے آخر میں جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا' وہ جمعہ کی ساعات میں سے آخری ساعت تھی' عصر سے لے کر رات کے وقت تک۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۸۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۰۹۴۳)

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جریج کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد ہر انسان ہے۔

(النکت والعیون ج ۵ ص ۱۶۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ. بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے۔

(الدھر: ۲)

اس دوسری آیت میں ''انسان'' سے مراد عام بنو آدم اور عام انسان ہیں اور دونوں آیتوں میں لفظ ''انسان'' معرفہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو دوسرا معرفہ پہلے معرفہ کا عین ہوتا ہے اور جب دوسری آیت میں انسان سے مراد عام بنو آدم ہیں تو پہلی آیت میں ''انسان'' سے مراد عام بنو آدم ہونے چاہئیں' نیز اس لیے بھی تاکہ نظم قرآن میں خلل نہ آئے۔

اس آیت میں ''حین من الدھر'' فرمایا ہے' علامہ الماوردی نے کہا ہے: اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

جس مدت میں انسان قابل ذکر نہ تھا' اس مدت کے متعلق متعدد اقوال

(۱) اس سے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح پھونکے جانے سے چالیس سال پہلے کا زمانہ مراد ہے' اس وقت ان کا جسم مکہ اور طائف کے درمیان افتادہ تھا' ابوصالح کی روایت کے مطابق یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۲) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرا قول اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو گارے والی گیلی مٹی (طین) سے پیدا کیا گیا' اور ان کا جسم چالیس سال اس حالت میں رہا' پھر چالیس سال وہ سڑی ہوئی کیچڑ (حما مسنون) کی حالت میں رہے' پھر چالیس سال وہ خشک بجتی ہوئی مٹی (صلصال) کی حالت میں رہے' پھر ایک سو بیس سال بعد ان کے جسم کی تخلیق مکمل ہوگئی' پھر ان میں روح پھونک دی گئی۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد غیر معین مدت اور غیر محدود زمانہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: جب وہ (انسان) کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا' اس ارشاد کے بھی دو محمل ہیں:

(۱) یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ (انسان) خلقت میں کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قابل ذکر چیز تھا۔

(۲) اس وقت انسان مٹی کا ایک جسم تھا جس کی صورت بنی ہوئی تھی' اس وقت اس کا نہ ذکر کیا جاتا تھا نہ وہ معروف تھا' اس وقت اس کا کوئی نام نہ تھا' پھر اس میں روح پھونک دی گئی تو وہ قابل ذکر ہو گیا' یہ فراء اور قطرب اور ثعلب کا قول ہے۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۱۶۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

الدھر: ۲ میں فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے' ہم اس کو آزماتے ہیں' سو ہم نے اس کو سننے والا'

دیکھنے والا بنادیا○

''نطفه'' اور ''امشاج'' کا معنی

اس آیت میں ''نـطـفة'' کا لفظ ہے' نطفہ منی کے قطرہ کو کہتے ہیں' قلیل پانی جو کسی جگہ محفوظ ہو اس کو نطفہ کہتے ہیں' اور ''امشـاج'' کا معنی اخلاط ہے' ''امشـاج'' کا واحد ''مشج'' اور ''مشيج'' ہے' یعنی دو چیزوں کا ایک دوسرے سے مل جانا' فراء نے کہا: ''امشـاج'' سے مراد ہے: مرد کے پانی اور عورت کے پانی کا مختلط ہونا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''امشاج'' کا معنی ہے: سفیدی میں سرخی یا سرخی میں سفیدی۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا پیلا ہوتا ہے' ان میں سے جس کا پانی بھی غالب یا سابق ہو' بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۱۱' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۹۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۶۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مرد کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے' وہ عورت کے پانی سے مختلط ہو جاتا ہے جو پیلا پتلا ہوتا ہے' ان دونوں پانیوں سے بچہ پیدا ہوتا ہے' بچے کے پٹھے' ہڈی اور اس کی قوت مرد کے پانی سے ہوتی ہے' اور اس کا خون' گوشت اور بال عورت کے پانی سے بنتے ہیں۔

نطفہ کے اختلاط میں متعدد اقوال

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: نطفہ حیض کے خون کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے کیونکہ جب عورت کے رحم میں مرد کا پانی داخل ہوتا ہے اور عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو اس کا حیض آنا بند ہو جاتا ہے' تو پھر مرد کا نطفہ حیض کے خون کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے۔ قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: ''امشـاج'' کا معنی یہ ہے کہ پہلے پانی اور خون مختلط ہوتا ہے' پھر وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نطفہ کے اختلاط سے مراد یہ ہے کہ نطفہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف اور ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ہم اس کو آزماتے ہیں' سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنادیا۔

اس کا معنی ہے: جب ہم نے انسان کو پیدا کیا تھا تو ہم اس کو آزمائش میں ڈالنے کا ارادہ کرنے والے تھے' سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنادیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں سننے اور دیکھنے کا معنی سمجھنا ہو' جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے فرمایا تھا:

لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ . (مریم:۴۲) تم اس کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے؟

یعنی جو کسی چیز کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

الدھر:۳ میں فرمایا: ہم نے اس کو (سیدھا) راستہ دکھا دیا اب وہ چاہے شکر کرنے والا ہو چاہے ناشکرا○

''سبیل'' سے مراد عام راستہ ہے یا ہدایت کا مخصوص راستہ

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواسِ ظاہرہ' حواسِ باطنہ اور عقل سلیم عطا کی ہے' جن کی مدد سے انسان سیدھے راستہ کو پاسکتا ہے۔

انسان اپنی تخلیق کی ابتداء میں تمام اشیاء کی معرفت سے خالی ہوتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو عقل اور حواس عطا فرمائے' جن کی وجہ سے وہ اشیاء کی معرفت حاصل کرتا ہے' اس آیت میں ''سبیل'' سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد عام راستہ ہو خواہ وہ خیر کا راستہ ہو یا شر کا' نجات کا راستہ ہو یا ہلاکت کا' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿ (البلد: ۱۰) اور ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھادیئے O

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہدایت کا راستہ ہو اور یہی وہ معروف راستہ ہے جس کی تمام نبیوں اور رسولوں نے ہدایت دی ہے اور قرآن مجید نے اس راستہ پر سبیل کا اطلاق کیا ہے' مشرکین قیامت کے دن کہیں گے:

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا O (الاحزاب: ٦۷) اور مشرکین کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی' جنہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کردیا O

راستہ کی ہدایت دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ایسی نشانیاں رکھی ہیں کہ ان نشانیوں سے انسان اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور اس کی توحید تک پہنچ سکتا ہے' اور انسان کو عقل عطا کی ہے جس کے ذریعہ وہ جان سکتا ہے کہ کوئی چیز بھی کسی موجد کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی تو اتنی بڑی کائنات کسی موجد کے بغیر کیسے وجود میں آسکتی ہے اور اس کائنات کی یکسانیت یہ بتاتی ہے کہ اس کا موجد واحد ہے کیونکہ اس کائنات کا طبعی اور فطری نظام واحد ہے اور نظام کی وحدت ناظم کی وحدت کا تقاضا کرتی ہے' اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے مراد یہ بھی ہے کہ اس نے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور آسمانی کتابیں اور صحائف نازل فرمائے۔

انسان کو اختیار دیا ہے خواہ وہ شکر گزار ہو خواہ ناشکرا

اس کے بعد فرمایا: اب وہ (انسان) چاہے شکر کرنے والا ہو چاہے ناشکرا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو خیر اور شر اور نجات اور ہلاکت کے دونوں راستے دکھادیئے' کائنات میں اپنی ذات اور توحید پر دلائل رکھے اور انسان کو عقل دی کہ ہم تک پہنچ سکے' پھر مزید تنبیہ کے لیے نبیوں کو بھیجا اور کتابوں کو نازل کیا' اب انسان کا اختیار ہے وہ چاہے تو نجات کا راستہ اختیار کرکے شکر گزار بن جائے اور چاہے تو ہلاکت کا راستہ اختیار کرکے ناشکرا بن جائے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ . (الکہف: ۲۹) اور آپ کہیے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے' سو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے O بے شک نیکوکار ایسے مشروب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے O اس چشمے سے اللہ کے بندے پئیں گے' وہ اس چشمہ کو جہاں چاہیں گے بہا کرلے جائیں گے O (الدھر: ٦۔۴)

ربط آیات اور مشکل الفاظ کے معانی

اس سے پہلی آیت میں شکر کرنے والوں اور ناشکروں کا ذکر فرمایا تھا' اب اس کے بعد کی دو آیتوں میں ان دونوں کے اخروی انجام کا ذکر فرمایا ہے' اور لف ونشر غیر مرتب کے طور پر پہلے ناشکروں کی سزا کا ذکر فرمایا ہے تاکہ ناشکروں اور ان کی سزا کا ذکر متصل ہوجائے' اس کے بعد شکر کرنے والوں کی جزا کا ذکر فرمایا ہے۔

الدھر:۴ میں "اعتدنا" کا ذکر ہے' "اعتداد" کا معنی ہے: کسی چیز کو تیار کرنا حتیٰ کہ جب اس چیز کی ضرورت ہو وہ چیز حاضر اور موجود ہو' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۞ (قٓ:۲۳) اور اس کے ساتھ رہنے والا فرشتہ کہے گا: یہ حاضر ہے جو میرے پاس تھا۔

اور اس آیت میں "سلاسلاً" کا ذکر ہے' اس کا معنی ہے: زنجیریں' جن سے مجرموں کے پیر باندھے جائیں گے اور اس میں "اغلالاً" کا ذکر ہے' اس سے مراد طوق ہیں جن سے ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ جوڑ کر باندھ دیا جائے گا اور "سعیر" کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے: دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ دوزخ ان صفات کے ساتھ بنائی جا چکی ہے' معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ دوزخ ابھی بنائی نہیں گئی اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی دوزخ ضرور بنائے گا' ہم کہتے ہیں کہ اس توجیہ میں بلاضرورت قرآن مجید کی آیات کو مجاز پر محمول کرنا ہے۔

الدھر:۵ میں فرمایا: بے شک نیکوکار ایسے مشروب کے جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہے ۞

دنیا کے کافور اور جنت کے کافور کا فرق

اس آیت میں "ابرار" کا لفظ ہے' یہ "بر" کی جمع ہے' جیسے "رب" کی جمع "ارباب" ہے' "بر" کا معنی ہے: نیک کام کرنے والا' اور اس میں "کاس" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گلاس' جام' آب خورہ۔

اس آیت پر ایک یہ سوال ہوتا ہے کہ اس میں فرمایا ہے کہ جنت کا مشروب کافور کے ساتھ ملا ہوا ہوگا حالانکہ کافور کا ذائقہ تلخ اور کڑوا ہوتا ہے تو جس مشروب میں کافور ملا ہوگا وہ لذیذ نہیں ہوگا' اس کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) کافور نام کا جنت میں ایک چشمہ ہے' جس کا پانی کافور کی طرح سفید ہوگا اور اس کی تاثیر کافور کی طرح ٹھنڈی ہوگی لیکن اس کا ذائقہ تلخ نہیں ہوگا بلکہ شیریں ہوگا' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جنت میں نیک لوگوں کو ایسا مشروب پلایا جائے گا جس میں کافور کے چشمہ کا پانی ملا ہوا ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ جنت کے چشمہ میں کافور کی خوشبو پیدا کر دے گا اور اس کا ذائقہ شیریں اور لذیذ ہوگا اور کافور کی خوشبو کی وجہ سے اس چشمہ کا نام کافور ہوگا۔

الدھر:۶ میں فرمایا: اس چشمہ سے اللہ کے بندے پئیں گے' وہ اس چشمہ کو جہاں چاہیں گے بہا کر لے جائیں گے ۞

"عباد اللہ" کا لفظ کفار کو شامل نہیں ہے

پہلی آیت میں اور اس آیت میں فرق یہ ہے کہ ان بندوں کی اپنے مشروب پینے کی ابتداء ان کے گلاسوں سے ہوگی' پھر وہ کافور کے چشمہ سے پانی نکال کر اس میں شرابِ طہور ملا کر پئیں گے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ کے بندے اس چشمہ سے پئیں گے اور اس میں "عباد صالحین" نہیں فرمایا' اس کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس چشمے سے پئیں گے خواہ وہ دنیا میں نیک رہے ہوں یا نہ رہے ہوں' البتہ کفار اس چشمہ سے بالاتفاق نہیں پئیں گے' اس سے واضح ہوا کہ "عباد اللہ" کا لفظ مؤمنین کے ساتھ خاص ہے' اسی طرح قرآن مجید میں جو ارشاد ہے: "وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ" (الزمر:۷) اس آیت میں بھی "عباد اللہ" کا لفظ کفار کو شامل نہیں ہے اور اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں سے کفر کے صدور پر راضی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے O وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں O (ابرار کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں' ہم تم سے اس کے عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش O بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور بہت سخت ہے O (الدھر: ۱۰-۷)

''نذر'' کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور نذر کے شرعی احکام

''نذر'' کا لغوی معنی ہے: وعدہ کرنا اور اس کا شرعی معنی ہے: بندہ اللہ تعالیٰ سے کسی عبادت کے کرنے کا وعدہ کرے' خواہ مطلقاً' جیسے کہے: اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مجھ پر اتنا صدقہ کرنا لازم ہے' خواہ معلقاً' جیسے کہے: اگر اللہ نے میرے مریض کو شفا دے دی یا میرے گم شدہ شخص کو مجھ سے ملا دیا تو میں اس کی رضا کے لیے اپنے مال میں سے اتنا صدقہ کروں گا' یا اس کی رضا کے لیے اتنی نفل نمازیں پڑھوں گا۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت غیر مشروط طور پر کرنی چاہیے اور اپنے کسی کام کی شرط لگا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا مکروہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نذر نہیں ماننی چاہیے اور اس کی عبادت کی جو نذر مانی جائے' اس کا پورا کرنا واجب ہے اور غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔

عبادت کی نذر ماننے کی کراہت پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی' (یعنی جو کام نہیں ہونا وہ نہیں ہوگا خواہ تم اس کام کے لیے نذر مانو یا نہ مانو) نذر کے ذریعہ عبادت کا حصول صرف بخیل سے ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۳۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث المسلسل: ۴۲۱۷)

اور معصیت کی نذر کی ممانعت کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی معصیت میں نذر جائز نہیں اور اس کا کفارہ وہ ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۹۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۸۴۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۵' مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۷)

اور عبادت کی نذر کا پورا کرنا واجب ہے' اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی' اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی ہے وہ اللہ کی معصیت نہ کرے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۶۹۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۸۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۲۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۸۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۲۶' مسند احمد ج ۶ ص ۳۶)

غیر اللہ کی نذر ماننے کے عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ تمام فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے' جاہل عوام یوں نذر مانتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی! اگر آپ نے میرے فلاں بیمار کو تندرست کر دیا یا میرے فلاں گم شدہ شخص کو مجھ سے ملا دیا تو میں آپ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا یا بریانی کی دیگ پیش کروں گا' یہ طریقہ ناجائز ہے' اگر اولیاء اللہ سے مدد مانگنی ہو تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اے اللہ کے ولی! آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ میرے فلاں بیمار کو تندرست کر دے' اگر آپ کی دعا سے میرا بیمار تندرست ہو گیا تو میں ایک دیگ کا صدقہ کر کے اس کا ثواب آپ کی نذر کروں گا اور آپ کو ہدیہ

کروں گا اور اس دیگ کو آپ کے مزار کے فقراء کے کھانے کے لیے پیش کروں گا۔ اس طریقہ سے جب وہ اولیاء اللہ سے مدد کی درخواست کرے گا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اس درخواست میں "نذر" کا لفظ ہدیہ اور تحفہ کے معنی میں ہے۔

ہم نے نذر کے موضوع پر مفصل گفتگو الحج: ۲۹ میں کی ہے' تبیان القرآن ج ۷ ص ۷۴۵۔۷۴۰ میں مطالعہ فرمائیں۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ابرار (نیک بندوں) کے اخروی اجر و ثواب کا بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ نیک اعمال کون سے ہیں جن کی وجہ سے ابرار کو آخرت میں ایسا اجر و ثواب ملتا ہے' سو فرمایا: وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے۔

قیامت کے احوال کو شر کہنے کی توجیہ اور اولیاء اللہ کا اس دن کے شر سے محفوظ رہنا

نذر پوری کرنے کے بعد یہ ذکر فرمایا ہے: وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نیک عمل اس وقت مقبول ہوتا ہے جب اس عمل سے عبادت کی نیت کی جائے' سو بتایا کہ ان کا نذر پوری کرنا اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ہے' وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر پھیلا ہوا ہے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس کا شر تو قیامت کے دن پھیلے گا' ابھی تو نہیں پھیلا ہوا' حالانکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس کا شر پھیلا ہوا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جو کام مستقبل میں یقیناً ہونا ہو' اس کو تحقق وقوع کے لیے ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ قیامت کے جس قدر دہشت ناک احوال ہیں' وہ سب اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال حکمت اور صواب ہوتے ہیں' پھر ان کو شر کہنا کس طرح درست ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اس حیثیت سے شر نہیں کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں' بلکہ قیامت کے دن جن جن لوگوں پر وہ دہشت ناک احوال طاری ہوں گے' ان کے حق میں وہ شر ہوں گے' جس طرح امراضِ مہلکہ اور شدید مصائب کو شر کہا جاتا ہے' حالانکہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اور نفوسِ قدسیہ کے متعلق فرمایا ہے:

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ . (الانبیاء: ۱۰۳) قیامت کی بڑی دہشت بھی انہیں غم گین نہ کر سکے گی۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قیامت کا ہول اور اس کا خوف بہت شدید ہوگا' کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان پھٹ جائیں گے اور پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائیں گے اور ستارے جھڑ جائیں گے اور سورج اور چاند کو لپیٹ دیا جائے گا' یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی' پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اُڑ رہے ہوں گے اور سمندروں میں آگ لگی ہوئی ہوگی اور ان چیزوں کو دیکھ کر تمام مکلفین کو ہول اور خوف ہوگا اور سب پر دہشت طاری ہوگی' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ○ (الحج: ۲)

جس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی' اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تمہیں لوگ مدہوش دکھائی دیں گے حالانکہ واقع میں وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے○

یَّوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبَا○ (المزمل: ۱۷)

وہ دن جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا○

فی نفسہٖ اس دن کا ہول اور خوف بہت شدید ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے اولیاء کو اس دن کے دہشت ناک احوال اور خوف سے محفوظ رکھے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن کا شر فساق فجار اور کفار میں پھیلا ہوا ہوگا اور مؤمنین اس دن کے شر سے مامون اور محفوظ ہوں گے اور اس پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں:

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ . (الانبیاء:۱۰۳) قیامت کی بڑی دہشت بھی انہیں غم گین نہ کر سکے گی۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ (الزخرف:۶۸) اے میرے بندو! آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم غم گین ہو گے ۝

جنات عدن میں داخل ہوتے وقت مؤمنین کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ۝ (فاطر:۳۴) اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا' بے شک ہمارا رب بہت بخشنے والا اور شکر کرنے کی اچھی جزا دینے والا ہے ۝

الدھر: ۸ میں فرمایا: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ۝

ایثار کی فضیلت میں احادیث

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ اللہ کی محبت میں' اس کا معنی ہے: ہرچند کہ انہیں خود کھانے کی خواہش ہوتی ہے اور کھانے کی ضرورت ہوتی ہے' پھر بھی وہ اپنے اوپر دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے ہیں اور ان کے لیے ایثار کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! کون سا صدقہ سب سے زیادہ عظیم ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس وقت صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور تمہیں خود مال کی ضرورت ہو اور تمہیں فقر کا خطرہ ہو اور خوش حالی کی امید ہو اور صدقہ دینے میں اتنی تاخیر نہ کرو حتیٰ کہ تمہاری روح تمہارے حلقوم تک پہنچ جائے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۱۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۰۳۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان نے ضرورت کے باوجود کسی برہنہ مؤمن کو کپڑے پہنائے تو اللہ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا' اور جس مسلمانوں نے اپنی بھوک کے باوجود کسی مسلمان کو کھانا کھلایا' اللہ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس مسلمان نے پیاس کے باوجود کسی مسلمان کو پانی پلایا' اللہ اس کو جنت کی شراب سے پلائے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۸۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۴۴۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۱۱۱۱' حلیۃ الاولیاء ج ۸ص ۱۳۴' مسند احمد ج ۳ص ۱۴۔۱۳ طبع قدیم' مسند احمد ج ۷ اص ۱۶۷۔۱۶۶۔ رقم الحدیث:۱۱۱۰۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

الدھر: ۸ حضرت علی کے متعلق نازل ہوئی ہے یا ایک انصاری کے متعلق؟

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت ابوالدحداح انصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' انہوں نے ایک دن روزہ رکھا' جب افطار کا ارادہ کیا تو ایک سائل نے نداء کی: تمہارے پاس جو طعام ہے وہ مجھے کھلا دو' کیونکہ میں نے آج سارے دن سے کچھ نہیں کھایا' حضرت ابوالدحداح یا حضرت علی نے اپنی اہلیہ سے کہا: اٹھو! اس کو ایک روٹی اور سالن دے دو' اور اس کو کھانا کھلا دو' تھوڑی دیر بعد ایک یتیم لڑکی نے آ کر صدا دی اور کہا: مجھے کھانا کھلاؤ' میں بہت کم زور ہوں اور میں نے سارے دن سے کچھ نہیں کھایا' حضرت ابوالدحداح نے کہا: اے ام الدحداح! اس کو ایک روٹی اور سالن دو اور اس کو کھانا کھلاؤ' کیونکہ اللہ کی قسم! یہ اس مسکین سے زیادہ مستحق ہے' وہ ابھی اس کو

کھلانے میں مشغول تھے کہ دروازہ پر ایک قیدی نے آ کر سوال کیا: تمہارے شہر میں ایک اجنبی مسافر آیا ہے' اس کو کھانا کھلاؤ' پس میں تمہارے ہاں قیدی ہوں اور مجھے بھوک نے بہت ستا رکھا ہے' پس اس ذات کی رضا کے لیے جس نے تمہیں عزت دی ہے اور مجھے ذلت میں مبتلا کیا ہے تم مجھے کھانا کھلا دو' پھر حضرت ابوالدحداح نے کہا: اے ام الدحداح! اٹھو اور اس مسافر قیدی کو ایک روٹی اور سالن کھلا دو' یہ ان دونوں سائلوں سے زیادہ مستحق ہے' پھر انہوں نے ان کو تین روٹیاں کھلا دیں اور ان کے لیے صرف ایک روٹی رہ گئی' تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل کی مدح میں یہ آیتیں نازل کیں: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں O (وہ کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں' ہم تم سے اس کے عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش O بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور بہت سخت ہے O (الدھر: ۱۰۔۸)

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۲۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

حضرت علی کا اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو تین دن بھوکا رکھ کر مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلانا

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے سبب نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے' مقاتل نے کہا: یہ آیت ایک انصاری کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے ایک دن میں ایک مسکین' ایک یتیم اور ایک قیدی کو کھانا کھلایا' اس کے بعد امام ثعلبی نے اپنی سند کے ساتھ اس انصاری کے قصہ کو بیان کیا ہے' وہ کہتے ہیں: ہمیں علی بن ابی حمزہ نے بیان کیا ہے' انہوں نے کہا: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک مسکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ! مجھے کھانا کھلائیں' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! میرے پاس تمہیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے' لیکن میں تلاش کرتا ہوں' پھر وہ شخص ایک انصاری کے پاس گیا' وہ اپنی بیوی کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہا تھا' اس نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تھا' میں نے آپ سے کہا: مجھے کھانا کھلائیں' آپ نے فرمایا: میرے پاس تمہیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے لیکن میں تلاش کرتا ہوں' اس انصاری نے اپنی بیوی سے پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کی بیوی نے کہا: اس کو کھلاؤ اور پلاؤ' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یتیم گیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھے کھانا کھلایئے' آپ نے فرمایا: میرے پاس تمہیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے لیکن میں تلاش کرتا ہوں' پھر وہ یتیم اس انصاری کے پاس گیا جس کے پاس مسکین گیا تھا اور اس نے کہا: مجھے کھانا کھلاؤ' اس انصاری نے اپنی بیوی سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کی بیوی نے کہا: اس کو کھانا کھلاؤ' پس انہوں نے اس کو کھانا کھلایا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قیدی گیا اور کہا: یارسول اللہ! مجھے کھانا کھلایئے' آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تمہیں کھلانے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن میں تلاش کرتا ہوں' پھر وہ قیدی اس انصاری کے پاس گیا اور اس سے کہا: مجھے کھانا کھلاؤ' انصاری نے اپنی بیوی سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کی بیوی نے کہا: اس کو کھانا کھلاؤ' ان تینوں کو کھانا کھلانے کے واقعات ایک ہی وقت میں ہوئے' تب اللہ تعالیٰ نے اس نصاری کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں O (الدھر: ۸) (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۹۸' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی نے بھی امام ثعلبی سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۱۶۔۱۱۵)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ثعلبی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے' ان کے نانا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ان کی عیادت کے لیے گئے اور انہوں نے کہا: اے ابوالحسن! کاش تم اپنے بچوں کے لیے نذر مان لیتے

اور جو نذر پوری نہ کی جائے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے' تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میرے دونوں بیٹے تندرست ہو گئے تو میں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے تین دن کے روزے رکھوں گا' پھر حضرت علی خیبر کے یہودی شمعون کے پاس گئے اور اس سے تین صاع (بارہ کلوگرام) جَو قرض لیے' اس یہودی نے کہا: کیا خیال ہے اگر تم ان تین صاع جَو کے عوض مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سے کچھ اُون کے دھاگے بنوا کر دے دو' آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا' انہوں نے اس کی موافقت کی' حضرت علی بازار سے جَو لے آئے' حضرت فاطمہ نے وہ جَو پیسے' آٹا گوندھا اور پانچ روٹیاں پکائیں تاکہ بہ شمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے لیے ایک ایک روٹی ہو جائے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی' پھر گھر آئے اور اپنے آگے کھانا رکھا' اتنے میں ایک مسکین آ کر دروازے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے اہل بیت محمد! السلام علیکم! میں مسلمان مسکینوں میں سے ایک مسکین ہوں' آپ مجھے کھانا کھلائیں' اللہ آپ کو جنت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے گا' حضرت علی نے فرمایا: اس کو کھانا کھلا دو اور انہوں نے ایک دن اور ایک رات کچھ کھائے بغیر گزارا اور سوا خالص پانی کے اور کسی چیز کو تناول نہیں کیا' دوسرے دن پھر حضرت فاطمہ نے ایک صاع (چار کلوگرام) گندم کو پیسا اور آٹا گوندھ کر اس کی روٹیاں پکائیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' پھر گھر آئے' ان کے سامنے کھانا رکھا گیا' اتنے میں ایک یتیم دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: اے اہل بیت محمد! السلام علیکم! میں مہاجرین کی اولاد سے ایک یتیم ہوں' میرے والدین شہید ہو گئے' آپ مجھے کھانا کھلائیں' اللہ آپ کو جنت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے گا' پھر حضرت علی نے اس کو کھانا کھلا دیا اور دو دن بھوکے گزارے' اور پانی کے سوا کسی چیز کو تناول نہیں کیا' تیسرے دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے باقی ایک صاع جَو کو پیسا اور آٹا گوندھ کر روٹیاں پکائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' پھر گھر آئے' ان کے سامنے کھانا رکھا گیا' اتنے میں ایک قیدی آ کر دروازے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے اہل بیت محمد! السلام علیکم! آپ ہمیں گرفتار کرتے ہیں اور کھانا نہیں کھلاتے' آپ مجھے کھانا کھلائیں کیونکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدی ہوں' اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے گا' پھر انہوں نے اس کو کھانا کھلا دیا' اور تین دن اور تین راتیں انہوں نے کچھ نہیں کھایا' اور سوائے پانی کے اور کسی چیز کو تناول نہیں کیا' اور چوتھا دن آیا تو وہ اپنی نذر پوری کر چکے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت حسن کو پکڑا اور بائیں ہاتھ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو پکڑا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے' بھوک کی شدت سے ان کے جسم بے حد دبلے ہو چکے تھے اور ان کے جسموں پر کپکپی طاری تھی' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حالت دیکھی تو فرمایا: اے ابوالحسن! یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے' میری بیٹی فاطمہ کے پاس چلو' وہ سب ان کے پاس گئے' وہ اس وقت محراب میں تھیں اور بھوک کی شدت سے ان کا پیٹ ان کی کمر سے چپکا ہوا تھا اور ان کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا: اے اللہ مدد فرما! محمد کے اہل بیت تو بھوک سے بے حال ہو رہے ہیں' پھر حضرت جبریل علیہ السلام آسمان سے اترے اور کہا: اے محمد! آپ یہ لیں! اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل بیت کے متعلق خوش خبری دیتا ہے' آپ نے فرمایا: اے جبریل! ہم کیا لیں؟ تو حضرت جبریل نے آپ کو یہ آیات پڑھائیں: وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ الأیات (الدھر: ۱۰۔۸)

(الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۰۱۔۹۸ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

حضرت علی کے مذکور ایثار کی روایت کو نقل کرنے والے مفسرین

حسب ذیل مفسرین نے بھی اس روایت کا ذکر کیا ہے:

علامہ ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ: الوسیط ج ۴ص ۴۰۱۔ ۴۰۰، بیروت، ۱۴۱۵ھ۔ امام الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ: معالم التنزیل ج ۵ص ۱۹۱، بیروت، ۱۴۲۰ھ۔ علامہ ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ: زاد المسیر ج ۸ص ۴۳۲، بیروت، ۱۴۰۷ھ۔ علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ: الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۱۱۶۔ ۱۱۵، بیروت، ۱۴۱۵ھ۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ: تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۷۴۶، بیروت، ۱۴۱۵ھ۔

مشہور شیعہ مفسر ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

عام اور خاص علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیات حضرت علی علیہ السلام اور فاطمہ اور الحسن اور الحسین علیہم السلام کے متعلق نازل ہوئی ہیں کیونکہ انہوں نے مسکین، یتیم اور قیدی کو تین راتیں اپنے افطار پر ترجیح دی اور خود وہ علیہم السلام بھوکے رہے اور کھانے پینے کی کسی چیز سے افطار نہیں کیا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کی بہت عمدہ تعریف کی اور ان کے متعلق یہ سورت نازل کی اور ان کے لیے یہ فضیلت کافی ہے کہ قیامت تک ان کی عظمت میں اس سورت کی تلاوت ہوتی رہے گی اور یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ (التبیان ج ۱۰ص ۲۱۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

محققین مفسرین کا حضرت علی کے اس ایثار کی روایت کو مسترد کرنا

علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

جاہل شخص یہ نہیں جانتا کہ اس قسم کا ایثار کرنا مذموم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ۬ قُلِ الْعَفْوَ . لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں، آپ کہیے کہ جو (تمہاری ضرورت سے) زیادہ ہو۔ (البقرہ: ۲۱۹)

یعنی جو تمہاری اور تمہارے اہل وعیال کی ضرورت سے زائد ہو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ یہ حدیث منقول ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۲۶، سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۳)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد جو کچھ خرچ کرتا ہے، اس میں افضل دینار وہ ہے جس کو وہ اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جس کو اللہ کی راہ میں اپنی سواری پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جس کو اللہ کی راہ میں اپنے اصحاب پر خرچ کرتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۴، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۶۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۷۶۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۸۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار کو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم اپنے غلام پر خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم مسکین پر خرچ کرتے ہو اور ایک دینار کو تم اپنے اہل پر خرچ کرتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجر اس کا ہے جس کو تم اپنے اہل پر خرچ کرتے ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۹۱۸۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ان کا کار مختار (سیکرٹری) آیا، آپ نے پوچھا: کیا تم نے غلاموں کو ان کی روزی دے دی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: جاؤ ان کو ان کی روزی دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: کسی شخص کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جس کو روزی دینے کا وہ مالک ہے اس کو روزی نہ دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (خرچ کرنے میں) سب سے پہلے اپنے نفس سے ابتداء کرو اور اس پر صدقہ کرو' پھر اگر اس سے کچھ بچ جائے تو اپنے اہل کو دو' پھر اگر اہل کو دینے سے کچھ بچ جائے تو اپنے رشتہ داروں کو دو' پھر اگر ان کو دینے سے بچ جائے تو تمہارے سامنے اور دائیں بائیں جو لوگ ہیں ان کو دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۹۷' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۴۶)

کیا کوئی صاحب عقل یہ گمان کرسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان احادیث اور ان احکام سے ناواقف تھے' حتیٰ کہ انہوں نے اپنے پانچ اور چھ سال کے بچوں کو تین دن اور تین راتیں بھوکا رکھا' حتیٰ کہ وہ بھوک کی شدت سے بے حال ہو گئے' ان کی آنکھیں اندر دھنس گئیں اور ان کے پیٹ ان کی کمر سے چپک گئے' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا یہ حال دیکھ کر رو پڑے' چلو مان لیا کہ حضرت علی نے اپنے نفس پر اس سائل کو ترجیح دی تو کیا ان کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ اپنی اہلیہ کو بھی اس ایثار پر برانگیختہ کرتے' چلو مان لیا کہ ان کی اہلیہ نے بھی حضرت علی کی طرح اپنے نفس پر اس سائل کو ترجیح دی' تو کیا حضرت علی کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی تین دن اور تین راتیں بھوکا رہنے کی ترغیب دیتے' نیز حضرت علی کے لیے یہ کب ضروری تھا کہ وہ سائل کو پانچوں روٹیاں دے دیتے' وہ سائل کو ایک روٹی دے دیتے' باقی روٹیاں وہ خود اور ان کے اہل وعیال کھاتے' کوئی احمق اور جاہل ہی ایسا کام کرسکتا ہے' جو دل حق آگاہ ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسے کام کا گمان نہیں کرسکتے' مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ قید خانوں میں بیٹھے ہوئے ایسی احادیث گھڑتے رہتے ہیں اور جب ماہر علماء کے پاس یہ احادیث پہنچتی ہیں تو وہ ان کو مسترد کر دیتے ہیں اور ہر چیز کے لیے آفت اور سازش ہوتی ہے اور دین کی آفت اور سازش سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ص۱۱۹۔۱۱۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس قصہ پر تعقب کیا گیا ہے کہ یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے' جیسا کہ حکیم ترمذی اور ابن جوزی نے ذکر کیا ہے' موضوع ہونے کے لفظی اور معنوی دلائل خود اس حدیث میں موجود ہیں' پھر اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہو کیونکہ حضرت علی کی حضرت فاطمہ سے شادی مدینہ میں ہوئی تھی اور وہیں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے تھے حالانکہ النحاس نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور یہی جمہور کا مؤقف ہے' اور یہ کہنے سے کہ یہ آیت حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی' ان کی شان اور فضیلت کم نہیں ہوتی اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ ابرار میں داخل نہ ہوں بلکہ اور مسلمانوں کی بہ نسبت وہ ابرار میں پہلے داخل ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے مولیٰ اور محبوب ہیں اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ٹکڑا ہیں اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رَوح اور رَیحان (خوشی اور خوش بو) ہیں اور جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور وہ اپنی فضیلت کے ثبوت میں اس من گھڑت روایت سے مستغنی ہیں۔ (روح المعانی جز۲۹ص۲۷۱۔۲۷۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے' کلبی نے اس حدیث کو از ابو صالح از حضرت ابن عباس روایت کیا ہے اور امام ثعلبی نے اس کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ج۴ص۶۷۰) اور امام ابن جوزی نے لکھا ہے: یہ حدیث موضوع ہے۔ (کتاب الموضوعات ج۱ص۳۹۰) اور حکیم ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث ان

احادیث میں سے ہے جن کو محققین کے قلوب مسترد کر دیتے ہیں' اس حدیث میں اس طرح ملمع کاری کی گئی ہے اور اس کو ایسا مزین اور پُر اثر بنایا گیا ہے کہ جاہل آدمی یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش! وہ بھی ایسا کام کرے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ ایسا کام کرنے والا قابل مذمت ہے۔ (نوادر الاصول ج ۱ص ۱۵۵۔۱۵۴)

الدھر: ۸ صرف حضرت علی کے متعلق نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کا تعلق تمام ابرار کے ساتھ ہے

ہر چند کہ بعض مفسرین نے اس روایت کو اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے' لیکن ان میں سے محققین نے یہ لکھا ہے کہ اس آیت کو حضرت علی کے ساتھ مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے' بلکہ یہ آیت تمام ابرار اور نیک کام کرنے والوں کے لیے عام ہے اور اس آیت کی بشارت میں تمام مؤمنین داخل ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل ہیں۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

محققین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو امتحان اور آزمائش کے لیے پیدا فرمایا ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے سب کو ہدایت دی ہے اور ان کے اعذار اور شبہات کو زائل فرما دیا ہے' پھر مخلوق کی دو قسمیں بن گئیں' ایک گروہ شاکرین کا ہے اور ایک گروہ کافرین کا ہے' پھر کافروں کے لیے عذاب کی وعید کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد شاکرین کے لیے وعد کا ذکر فرمایا' پس فرمایا: ''اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ '' (الدھر:۵) بے شک نیکوکار مشروب کے جام پئیں گے' یہ جمع کا صیغہ ہے جو تمام شکر گزاروں اور نیکوکاروں کو شامل ہے اور ایسی عام آیت کی ایک شخص کے ساتھ تخصیص کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ سورت شروع سے اس آیت تک یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس میں تمام اطاعت کرنے والوں اور نیکی کرنے والوں کے حال کا بیان ہے' پس اگر ہم اس آیت کو کسی ایک شخص کے ساتھ مخصوص کر دیں تو اس سورت کا نظم خراب ہو جائے گا' اور اس کی ترتیب فاسد ہو جائے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان آیات میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ جمع کے صیغوں کے ساتھ ہیں اور عام ہیں' سو فرمایا:

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ ۔ (الدھر:۵) نیکوکار مشروب کے جام پئیں گے۔

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا ۔ (الدھر:۷) وہ نذر پوری کرتے ہیں اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ○ (الدھر:۸) وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ○

اسی طرح اس کے بعد بشارتوں کی تمام آیات بھی جمع کے صیغوں کے ساتھ ہیں اور عام ہیں' اور ان آیات کے عموم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دخول کا انکار نہیں ہے اور وہ اطاعت کرنے والوں کے اخروی انعام کی تمام بشارتوں میں داخل ہیں' جیسا کہ ان آیات کے عموم میں دوسرے متقی صحابہ اور تابعین اور بعد کے نیک مسلمان داخل ہیں' سو اب اس آیت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ص ۷۴۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام ابرار (نیکوکاروں) کے متعلق نازل ہوئی ہے' اور ہر اس شخص کے متعلق جس نے کوئی نیک کام کیا' سو یہ آیت تمام مؤمنین کے لیے عام ہے' اور نقاش' ثعلبی' قشیری اور متعدد مفسرین نے حضرت علی' حضرت فاطمہ اور ان کی باندی فضہ کے قصہ میں ایک حدیث ذکر کی ہے' جو صحیح ہے نہ ثابت ہے' جس کو لیث نے از مجاہد از حضرت ابن عباس' الدھر: ۷ کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۹ص ۱۱۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس قصہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس آیت میں ''ابــرار'' سے مراد فقط اہل بیت ہوں کیونکہ خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے' لہٰذا اس آیت میں دوسرے نیک مسلمان بھی داخل ہیں جو مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلائیں اور یہ قصہ راوی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے' مگر یہ قصہ علماء کے درمیان مشہور ہے اور ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے' حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: یہ قصہ من گھڑت ہے' اس کو جاہل احمق کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا' ابن جوزی نے اس کا موضوعات میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے' نیز اس قصہ کی بناء پر لازم آئے گا کہ یہ سورت مدنی ہو حالانکہ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے' اور حضرت علی کے ساتھ حضرت فاطمہ کا نکاح جنگ اُحد کے بعد مدینہ میں ہوا تھا۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۳۱۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

الدھر: ۸ میں ''عـلٰی حبـہ'' کی ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں: یعنی اللہ کی محبت میں کھانا کھلانا یا اپنے نفس کی خواہش کے باوجود کھانا کھلانا

اس آیت میں فرمایا ہے: ''عـلٰی حبـہ'' اس کی دو تفسیریں ہیں' ایک یہ کہ ''حبہ'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے' فضیل بن عیاض نے کہا: وہ اللہ سے محبت کی وجہ سے مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں' الدارانی نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ''حبــہ'' کی ضمیر طعام کی طرف راجع ہے یعنی اس کے باوجود کہ اس شخص کو طعام کی خواہش ہو اور اسے کھانے کی ضرورت ہو' پھر بھی وہ مسکین' یتیم اور قیدی کی ضرورت کو اپنی محبت اور خواہش پر ترجیح دے اور ایثار کرے' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ. (البقرہ: ۱۷۷)

نیک وہ شخص ہے جو مال سے اپنی محبت کے باوجود وہ مال رشتہ داروں کو' یتیموں کو' مسکینوں کو' مسافروں کو' سوال کرنے والوں اور غلاموں کو ان کے آزاد کرنے کے لیے دے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ. (آل عمران: ۹۲)

تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تحسین فرمائی ہے جو ایثار کرتے ہیں اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں' سو فرمایا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۖؕ. (الحشر: ۹)

اور وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ ان کو خود بھی شدید خواہش ہو۔

اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دینے کی آیات اور احادیث کا محمل اور ایثار کا معیار

ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان اپنے کھانے' کپڑے' دواؤں کے لیے کچھ نہ رکھے اور نہ اپنے ماں باپ اور اہل وعیال کے لیے کچھ رکھے اور دوسرے ضرورت مندوں میں اپنا مال تقسیم کرتا پھرے خواہ وہ خود' اس کے ماں باپ اور اہل وعیال فاقوں سے مرتے رہیں کیونکہ یہ ضروری ہے کہ ایک موضوع پر قرآن مجید اور احادیث کی تمام تصریحات کو سامنے رکھ کر کوئی حکم نکالا جاتا ہے' ان آیات میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو صدقہ کرنے کی فضیلت ہے اور ایثار کا بیان ہے' لیکن دوسری آیت میں فرمایا ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ . لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ جو (تمہاری ضرورت سے) زیادہ ہو۔ (البقرہ:۲۱۹)

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: سب سے پہلے اپنے نفس سے ابتداء کرو اور اس پر صدقہ کرو' پھر اگر اس سے کچھ بچ جائے تو اپنے اہل کو دو' پھر اگر اہل کو دینے سے کچھ بچ جائے تو اپنے رشتہ داروں کو دو' پھر اگر ان کو دینے سے بچ جائے تو تمہارے سامنے اور دائیں بائیں جو لوگ ہیں ان کو دو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۷' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۴۶)

اس لیے الدھر: ۷ کا محمل یہ ہے کہ اپنی' اپنے ماں باپ کی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات سے جو مال زائد ہو یا جو طعام زائد ہو اور تمہیں اس مال اور طعام کی شدید خواہش بھی ہو تو تم اس میں سے مسکین' یتیم اور قیدی کو کھلاؤ' اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ ط . تم اس وقت تک نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔ (آل عمران:۹۲)

تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ ط '' (آل عمران:۹۲) اور میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحاء کا باغ ہے اور یہ اللہ کے لیے صدقہ ہے' میں اللہ کے پاس اس نیکی کے ذخیرہ ہونے کی توقع کرتا ہوں' یارسول اللہ! آپ اس باغ کو جہاں چاہیں خرچ کریں' آپ نے فرمایا: رہنے دو' یہ نفع آور مال ہے' یہ نفع آور مال ہے (دوبار فرمایا)' تم نے اس کے متعلق جو کہا ہے وہ میں نے سن لیا اور میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اس کو اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دو' پھر حضرت ابوطلحہ نے اس باغ کو اپنے قرابت داروں میں اور اپنے عم زاد میں تقسیم کر دیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۶۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۶۶)

''مسکین'' اور ''یتیم'' کا معنی

اس آیت میں ''مســکیــن'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: جو خود کمانے پر قادر نہ ہو' ایک قول یہ ہے کہ جس کے پاس بالکل مال نہ ہو وہ مسکین ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ط (البلد: ۱۶۔۱۴) یا بھوک والے دن کھانا کھلانا ۝ کسی رشتہ دار یتیم کو ۝ یا کسی خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو ۝

اور اس آیت میں ''یتیــم'' کا لفظ ہے' یتیم اس بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو چکا ہو' ہر وہ چیز جو یکتا اور منفرد ہو' اس کو بھی یتیم کہتے ہیں' جو موتی سیپی میں اکیلا ہو اس کو در یتیم کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۷۱۵) امام رازی نے کہا: جو اپنی کم عمری کی وجہ سے کمانے کے قابل نہ ہو اور اس کا کمانے والا فوت ہو چکا ہو' اس کو یتیم کہتے ہیں۔

اسیر کے معنی اور مصداق میں مفسرین کے متعدد اقوال اور مسلمان قیدیوں اور مشرک قیدیوں کو کھانا کھلانے اور ان پر صدقہ کرنے کے احکام

اور اس آیت میں ''اسیر'' (قیدی) کا لفظ ہے' اس کے معنی اور مصداق میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اسیر مشرکین میں سے ہوتا ہے' روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم مشرک قیدیوں کو بھیجتے تاکہ ان کی حفاظت کی جائے اور ان کے حق کو قائم رکھا جائے کیونکہ اس وقت تک ان کو کھانا کھلانا واجب ہے حتیٰ کہ امام ان کے متعلق یہ فیصلہ کرے کہ ان کو قتل کیا جائے گا یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے گا یا ان کو غلام بنایا جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قیدی کافر ہو یا مسلمان ہو کیونکہ جب اس کے کفر کے باوجود اس کو کھانا کھلانا واجب ہے تو اگر وہ مسلمان ہوگا تو بہ طریق اولیٰ اس کو کھانا کھلانا واجب ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب اس کو قتل کرنا واجب ہوگا تو اس کو کھانا کھلانا کیوں واجب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک حال میں اس کو قتل کرنے کا وجوب دوسرے حال میں اس کو کھانا کھلانے کے وجوب کے منافی نہیں ہے اور یہ واجب نہیں ہے کہ جب اس کو ایک وجہ سے سزا دی جائے تو اس کو دوسری وجہ سے بھی سزا دی جائے یہی وجہ ہے کہ جس شخص پر قصاص لازم ہو اور اس پر قتل سے کم سزا بھی ہو تو اس کو قتل سے کم سزا دینا مستحسن نہیں ہے پھر یہ سوال ہے کہ قیدی کو کھانا کھلانا کس پر واجب ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ سربراہِ مملکت پر واجب ہے کہ اس کو کھانا کھلائے اور اگر وہ نہ کھلائے تو پھر عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کو کھانا کھلائیں۔

(۲) السدی نے کہا: اسیر سے مراد غلام ہے۔

(۳) اسیر سے مراد مقروض ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا مقروض تمہارا قیدی ہے سو تم اپنے مقروض کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (الکشاف ج ۴ ص ۶۶۹)

(۴) اسیر سے مراد وہ مسلمان ہے جس کو کسی جرم کی وجہ سے قید میں رکھا گیا ہو یہ مجاہد عطا اور سعید بن جبیر کا قول ہے اور حضرت ابوسعید خدری نے اس سلسلہ میں ایک حدیث مرفوع بھی روایت کی ہے۔

(۵) اسیر سے مراد بیوی ہے کیونکہ وہ بھی خاوند کی قید میں ہوتی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ تمہاری مددگار ہیں۔ (مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۱۲ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۶۳)

قفال نے کہا ہے کہ ''اسیر'' کا لفظ ان تمام معانی کا محتمل ہے کیونکہ ''اسر'' کا معنی ہے: کسی کو تسمہ کے ساتھ باندھنا اور اسیر کو بند کرنے کے لیے تسمہ کے ساتھ باندھا جاتا ہے پھر اسیر کو قیدی کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا خواہ اس کو باندھا جائے یا نہ اور اس کا رجوع اس کی طرف ہو گیا جس کو بند کیا گیا ہو اور قید میں رکھا گیا ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۴۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں ''اسیر'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قیدی صرف مشرکین ہوتے تھے۔

امام سعید بن منصور امام ابن شیبہ اور امام ابن مردویہ نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت قیدی صرف مشرکین تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۴۰۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

امام عبد بن حمید نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اس وقت قیدی مشرکین تھے پس اللہ کی قسم! تمہارے مسلمان بھائی کا تم پر حق اور اس کی حرمت بہت زیادہ ہے۔

امام ابن المنذر نے اس آیت کی تفسیر میں ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کو قید نہیں کرتے تھے لیکن یہ آیت ان قیدیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مشرکین تھے ان سے فدیہ لینے کے لیے انہیں گرفتار کیا جاتا تھا سو یہ

آیت ان کے متعلق نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح کرنے کا حکم دیتے تھے۔

امام عبد بن حمید نے عکرمہ سے ''اسیر'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ عرب ہند اور دیگر علاقوں سے جن کو گرفتار کریں' تم پر لازم ہے کہ تم ان کو کھلاؤ اور پلاؤ حتیٰ کہ تم ان کو قتل کر دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دو۔

امام ابوشیبہ نے ابورزین سے روایت کیا ہے کہ میں شقیق بن سلمہ کے ساتھ تھا' ان کے پاس سے کچھ مشرکین قیدی گزرے' انہوں نے مجھے ان پر صدقہ کرنے کا حکم دیا اور پھر اس آیت کو تلاوت کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۰۴۰۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

امام ابن شیبہ نے سعید بن جبیر اور عطاء سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اہل قبلہ وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۰۴۰۵' الدر المنثور ج ۸ ص ۳۴۳۔ ۳۴۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ خواہ کوئی بھی اسیر ہو' کیونکہ حسن بصری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی اسیر لایا جاتا تو آپ اس کو کسی مسلمان کے سپرد کر دیتے اور فرماتے: اس کے ساتھ نیک سلوک کرو' اس کے پاس وہ قیدی دو یا تین دن رہتا تو وہ اس کو اپنے نفس پر ترجیح دیتا' قتادہ نے کہا: ان دنوں قیدی مشرک ہوتا تھا تو تمہارا مسلمان بھائی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کو کھانا کھلاؤ۔

امام ابن عساکر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں قیدیوں کو گرفتار کیا تو سات مہاجرین نے ان قیدیوں پر خرچ کیا: حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی' حضرت زبیر' حضرت عبد الرحمان' حضرت سعد' حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' انصار نے کہا: ہم نے ان مشرکین کو اللہ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے قتل کیا ہے اور تم ان پر خرچ کر کے ان کی مدد کر رہے ہو' تب اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کے متعلق ۱۹ آیات نازل کیں' ''ان الابرار یشربون'' سے لے کر ''عینا فیھا تسمی سلسبیلا'' تک اور ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ قیدی خواہ مشرک ہوں ان کو کھانا کھلانا مستحسن ہے اور اس میں ثواب کی توقع ہے۔

پہلی حدیث (حضور قیدی کو کسی مسلمان کے حوالے کر دیتے تھے) حافظ ابن حجر نے اس کے متعلق کہا ہے کہ کسی قابل ذکر محدث نے اس کو روایت نہیں کیا اور ابن العراقی نے کہا: میں اس سے واقف نہیں ہوں' اور دوسری حدیث کو امام ابن عساکر کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کیا اور مجھے اس کی صحت پر اعتماد نہیں ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ یہ آیات مدنیہ ہوں اور تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔

ہاں عامۃ العلماء کے نزدیک دارالاسلام میں کفار کے ساتھ نیک سلوک کرنا جائز ہے اور ان پر صدقات واجبہ کو صرف نہیں کیا جائے گا' ابن جبیر اور عطاء نے کہا ہے کہ اس اسیر سے مراد وہ ہے جو اہل قبلہ سے ہو' علامہ طیبی نے کہا: اس قول کا محمل یہ ہے کہ جب دارالحرب میں کوئی مسلمان کفار کی قید میں ہو تو اس کو کھانا کھلانا مستحسن ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس اسیر سے مراد وہ مسلمان ہے جو دارالحرب میں کفار کی قید میں ہو اور اس کو آزاد کرانے کے لیے فدیہ کی ضرورت ہو' اور وہ فدیہ کو طلب کرنے کے لیے نکلے' محی السنۃ نے مجاہد' ابن جبیر اور عطا سے نقل کیا ہے کہ اس اسیر سے وہ مراد ہے جو اہل قبلہ سے ہو' اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان قیدیوں کو کھانا کھلانا مستحسن ہے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو مسلمان مال دار ہو اور اس پر کسی کا قرض ہو جس کو ادا کرنے پر وہ قادر ہو اور وہ عناداً قرض ادا نہ کرتا ہو یا کسی اور نفسانی غرض سے اور اس وجہ سے اس کو قید کر لیا گیا ہو تو اس

کو کھانا کھلانا مستحسن نہیں ہے' حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اس اسیر سے مراد غلام ہے کیونکہ وہ بھی مالک کی قید میں ہوتا ہے اور وہ اپنی خواہش سے کوئی کام نہیں کر سکتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقروض بھی تمہارا قیدی ہے' اس لیے اس آیت میں اسیر سے مراد مقروض بھی ہو سکتا ہے۔ (روح المعانی جز ٢٩ ص ٢٦٨۔ ٢٦٧' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

الدھر: ٩ میں فرمایا: (ابرار کہتے ہیں:) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں' ہم تم سے اس کے عوض نہ کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش ○

ابرار کا محتاجوں کے ساتھ نیکی کر کے صلہ اور ستائش سے منع کرنا اور اس کی وجوہ

اس سے پہلی آیات میں ذکر فرمایا تھا کہ ابرار (نیک لوگ) مسکین' یتیم اور قیدی کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان کے اس حسن سلوک کی دو غرضیں تھیں' ایک اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول' جس کو انہوں نے اپنے اس قول سے ظاہر کیا: ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں اور دوسری قیامت کے دن کا خوف' جس کا انہوں نے اس قول سے اظہار کیا: بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور بہت سخت ہے۔ (الدھر: ١٠)

ہو سکتا ہے کہ ان ابرار نے اپنی زبان سے یہ کہا ہو کہ ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں تاکہ ان کا یہ کہنا اس پر دلیل ہو کہ وہ ان ضرورت مندوں سے اپنے اس احسان کا بدلہ نہیں چاہتے' نہ اپنے متعلق کلماتِ تحسین سننا چاہتے ہیں' اور انہوں نے اپنی زبان سے اس لیے یہ کہا ہو کہ دوسرے احسان کرنے والے بھی سن لیں کہ کسی کے ساتھ نیکی کر کے نہ اس سے اس نیکی کا معاوضہ طلب کرنا چاہیے نہ اس کی تعریف و توصیف کا منتظر رہنا چاہیے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بات انہوں نے دل میں کہی ہو اور ان کی نیت صلہ اور ستائش کی نہ ہو اور زبان سے انہوں نے کچھ نہ کہا ہو' مجاہد سے روایت ہے کہ انہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کے حال کا پتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔

انسان جب کسی کے ساتھ نیکی کرتا ہے تو کبھی تو وہ نیکی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور ان ابرار کی یہ نیکی ایسی ہی تھی اور کبھی یہ نیکی کسی صلہ کی طلب اور ستائش کی چاہت کے لیے ہوتی ہے' اوّل الذکر نیت محمود ہے اور ثانی الذکر نیت مذموم ہے اور اس کے مذموم ہونے پر دلیل یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ.

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور (طعنہ کی) ایذاء سے باطل نہ کرو' مثل اس شخص کے جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے۔ (البقرہ: ٢٦٤)

اس لیے ابرار نے صراحت کے ساتھ کہا: ہم تم سے صلہ چاہتے ہیں نہ ستائش۔

الدھر: ١٠ میں فرمایا: (ابرار نے کہا:) بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو بے حد ترش اور سخت ہے ○

''عبوس'' اور ''قمطریر'' کا معنی

اس آیت میں دو مشکل لفظ ہیں: ''عبوسًا'' اور ''قمطریرا''۔

''عبوسًا'' کے معنی ہے: منہ بنانے والا' تیوری چڑھانے والا' ترش رُو' سخت منہ بگاڑنے والا' اس آیت میں ''عبوسًا'' ''یوم'' کی صفت ہے' اس کا معنی ہے: ایسا دن جو لوگوں پر بہت سخت اور دشوار ہو' قاموس میں لکھا ہے: ایسا مکروہ دن جس سے لوگوں کے منہ بگڑ جائیں۔ (القاموس ص ٥٥٥' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ١٤٢٤ھ) امام رازی نے لکھا ہے کہ ''یوم'' کی صفت جو ''عبوس''

لائی گئی ہے یہ مجاز ہے یعنی وہ دن منہ بنانے یا بگاڑنے والا نہیں ہے بلکہ اس دن کی سختی اور شدت سے لوگوں کے منہ بگڑ جاتے ہیں جیسے کہتے ہیں: "نهاره صائم" اس کا حقیقی معنی ہے: اس کا دن روزہ دار ہے حالانکہ اس سے مراد ہوتا ہے: اس دن میں وہ روزہ دار ہے اس طرح "یوماً عبوساً" کا معنی ہے: اس دن کے ہول اور اس کی شدت سے لوگوں کے منہ بگڑ جائیں گے روایت ہے کہ کافر کی آنکھوں کے درمیان سے اس دن پسینہ تیل کی طرح بہ رہا ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۴۹)

"قمطرت الناقة" کے الفاظ اس وقت بولے جاتے ہیں جب اونٹنی دُم اٹھا کے ناک چڑھا کر اور منہ بنا کر مکروہ شکل اختیار کرے اس مناسبت سے ہر مکروہ اور رنج میں مبتلا کرنے والے دن کو "قمطریر" کہا جانے لگا اور جس دن میں بہت مصائب اور آلام نازل ہوں اس دن کو "قمطریر" کہتے ہیں اور چونکہ قیامت کا دن بہت ہولناک ہوگا اس لیے قیامت کے دن کو "قمطریر" کہتے ہیں۔ (المفردات ج ۲ ص ۳۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اللہ نے ان کو اس دن کے شر سے بچالیا اور ان کو تروتازگی اور فرحت عطا فرمائی ○ اور ان کے صبر کی جزاء میں ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمایا ○ وہ جنت میں مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے وہ جنت میں نہ گرمی کی دھوپ پائیں گے اور نہ سردی کی ٹھنڈک ○ اور درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے ○ اور ان کے لیے چاندی کے برتن اور ایسے گلاس گردش میں لائے جائیں گے جو شیشہ کی طرح شفاف ہوں گے ○ یہ شیشے کی مثل برتن چاندی کے ہوں گے (پلانے والے) ان کو ٹھیک ٹھیک اندازے پر رکھیں گے ○ وہاں ان کو ایسے جام بھی پلائے جائیں گے جن میں سونٹھ کے چشمے کی آمیزش ہوگی ○ اس چشمہ کو جنت میں سلسبیل کہا جاتا ہے ○ اور دائمی جنتی لڑکے ان کے پاس گردش کریں گے تم انہیں دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں ○ تم وہاں جہاں بھی دیکھو گے تو سراسر نعمتیں اور عظیم سلطنت ہی دیکھو گے ○ اہل جنت کے اوپر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے بھی اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا ○ (کہا جائے گا:) یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوششیں بارآور ہوئیں ○ (الدھر: ۲۲۔۱۱)

جنت میں ابرار کو ملنے والی نعمتیں

الدھر: ۱۱ سے الدھر: ۲۲ تک اللہ تعالیٰ نے جنت کی وہ نعمتیں بیان کی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ابرار کو آخرت میں عطا فرمائی ہیں۔

اس سے پہلے یہ بتایا تھا کہ ابرار نے محض اللہ کی رضا کے لیے اور قیامت کے خوف سے محتاجوں اور ضرورت مندوں کو کھانا کھلایا تھا اور ان پر صدقہ کیا تھا اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان دونوں غرضوں کو پورا کر دیا ان کو قیامت کے دن کے ہول سے بھی بچالیا اور چونکہ ان سے راضی ہو گیا اس لیے ان کو تروتازگی اور خوشی عطا فرمائی اس کی مزید تفصیل اس کے بعد کی آیات میں ہے۔

الدھر: ۱۳۔۱۲ میں فرمایا: اور ان کے صبر کی جزا میں ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمایا ○ وہ جنت میں مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے وہ جنت میں نہ گرمی کی دھوپ پائیں گے نہ سردی کی ٹھنڈک ○

صبر کی اقسام

اس آیت میں صبر سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لیے غرباء اور مساکین پر صدقہ کرنے سے جو مال میں کمی ہوتی ہے وہ اس پر صبر کرتے ہیں یا نماز روزے حج اور دیگر عبادات میں جو جسمانی مشقت اٹھانی پڑتی ہے وہ اس پر صبر کرتے ہیں یا ناجائز

خواہشوں پر صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے' صبر کی چار قسمیں ہیں: (۱) کسی مصیبت پر جب پہلی بار صدمہ پہنچے تو اس پر صبر کرے (۲) فرائض اور واجبات کی ادائیگی کی مشقت پر صبر کرے (۳) اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کرنے پر صبر کرے (۴) دنیاوی مصائب پر اپنے نفس کو رونے پیٹنے اور شکوہ شکایت کرنے سے روکے اور صبر کرے۔

وہ مسہریوں پر یا مسندوں پر ٹیک لگائے ہوئے جنت میں بیٹھے ہوئے ہوں گے' وہاں کی ہوا معتدل ہوگی' سرد ہوگی نہ گرم۔ ''زمھریر'' کا معنی بنوطے کی لغت میں چاند ہے' سو اس آیت کا معنی ہے: جنت میں خود بہ خود روشنی ہوگی' اس لیے وہاں نہ سورج کی ضرورت ہوگی نہ چاند کی۔

الدھر: ۱۴ میں فرمایا: اور درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے O

ابرار کو دو قسم کی جنتیں ملنا اور سورج اور چاند کے بغیر درختوں کے سائے کی توجیہات

پہلی آیت میں بتایا تھا کہ ابرار کو ایک جنت وہ دی جائے گی جس میں ان کو ریشمی لباس پہنایا جائے گا اور اس جنت میں ان کو گرمی اور سردی سے بھی محفوظ رکھا جائے گا اور دوسری جنت ایسی دی جائے گی جس میں درختوں کے سائے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے' کیونکہ ان ابرار نے کہا تھا کہ ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (الدھر: ۱۰) اور ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اللہ تعالیٰ اسے دو جنتیں عطا فرماتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ (الرحمٰن: ۴۶) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں O

سو ان ابرار کو بھی دو جنتیں دی جائیں گی۔

اس جگہ ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ سایا وہاں ہوتا ہے جہاں سورج ہو' پس جب جنت میں سورج نہیں ہوگا تو وہاں سایا بھی نہیں ہونا چاہیے' پھر درختوں کے سائے کیسے ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درختوں کے سائے سے مراد یہ ہے کہ اگر وہاں سورج ہوتا تو وہاں جو سائے ہوتے ان کو اہل جنت کے قریب کر دیا جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنت میں دوسرے اجسامِ نورانیہ کی روشنی ہو جس کی وجہ سے درختوں کا سایہ ہو کیونکہ جنت میں بہرحال اندھیرا تو نہیں ہوگا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ درختوں کے سائے سے مراد خود درخت ہوں' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سورج اور چاند کے بغیر وہاں سایا پیدا کر دے' کیونکہ انسان سائے میں بھی تلذذ حاصل کرتا ہے' جیسے جنت میں سونے اور چاندی کی کنگھیاں ہوں گی حالانکہ جنت میں بالوں کے اندر نہ میل کچیل ہوگا اور نہ بال اُلجھے ہوئے ہوں گے' جنہیں سنوارنے کے لیے کنگھی کرنے کی ضرورت ہو' اور جیسے پیاس کے بغیر جنت میں تلذذ کے لیے مشروب پلائے جائیں گے۔

نیز فرمایا: اور پھلوں کے خوشے ان کے قریب کر دیئے جائیں گے' یعنی اگر وہ کھڑے ہوں تب بھی خوشوں سے پھل توڑ سکیں گے اور اگر اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوں یا مسہریوں پر لیٹے ہوں تب بھی خوشوں سے پھل توڑ سکیں گے۔

الدھر: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: اور ان کے لیے چاندی کے برتن اور ایسے گلاس گردش میں لائے جائیں گے جو شیشہ کی طرح شفاف ہوں گے O یہ شیشہ کی مثل برتن چاندی کے ہوں گے' (پلانے والے) ان کو ٹھیک اندازے پر رکھیں گے O

جنت میں چاندی اور سونے کے برتنوں کے استعمال میں تعارض کے جوابات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شفاف چاندی کے برتنوں اور گلاسوں کا ذکر فرمایا ہے اور ایک اور آیت میں سونے کے

پیالوں اور گلاسوں کا ذکر فرمایا ہے:

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّأَكْوَابٍ ۚ ان پر سونے کے پیالوں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا جائے گا۔ (الزخرف:۷۱)

اور بہ ظاہر ان آیتوں میں تعارض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ جنت میں سونے اور چاندی دونوں کے برتن ہوں گے اور اہل جنت کے تنعم اور تعیش کے لیے کبھی ان کو سونے کے برتنوں میں کھلایا اور پلایا جائے گا اور کبھی چاندی کے برتنوں میں۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ان کے لیے شفاف چاندی کے برتن ہوں گے' شفاف وہ چیز ہوتی ہے جس کے آر پار دیکھا جا سکے اور چاندی کثیف ہوتی ہے' اس کے آر پار نہیں دیکھا جا سکتا' اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کی چاندی ایسی ہی ہوتی ہے لیکن جنت کی چاندی اور جنس کی ہوگی' اس کے آر پار دیکھا جا سکے گا' نیز شیشہ بھی پتھر کی جنس سے ہے اور وہ فی نفسہٖ کثیف ہوتا ہے تو جب اللہ تعالیٰ کثیف پتھر کو شفاف اور لطیف بنا سکتا ہے تو وہ کثیف چاندی کو بھی لطیف اور شفاف بنا سکتا ہے' نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جنت کی کسی چیز کی دنیا کی کسی چیز کے ساتھ کوئی مماثلت نہیں ہے' ان میں صرف نام کا اشتراک ہے' ورنہ جس نام کی چیز دنیا میں ہے' جنت میں اس نام کی چیز اس سے بہت مختلف ہوگی۔

نیز فرمایا: (پلانے والے) ان کو ٹھیک اندازے پر رکھیں گے O

یعنی ان گلاسوں میں اتنی مقدار میں مشروب ڈالا جائے گا' جس سے پینے والے سیر ہو سکیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب پینے والے اور مشروب پینا چاہیں گے تو پلانے والے ان کو اور مشروب لا کر پلائیں گے۔

سونٹھ کے پانی کی توجیہ

الدھر: ۱۷ میں فرمایا: وہاں ان کو ایسے جام بھی پلائے جائیں گے جن میں سونٹھ کے چشمے کی آمیزش ہوگی O

اس سے پہلی آیتوں میں مشروب کے برتنوں کی تفصیل بیان فرمائی تھی اور مشروب کی مقدار کا بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں مشروب کی کیفیت کا بیان فرمایا ہے کہ اس میں سونٹھ کے چشمے کی آمیزش ہوگی' اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کھانے کے بعد ہاضمے کے لیے سونٹھ کا پانی پیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جنت میں کھانے پینے کے بعد الگ سے سونٹھ کا پانی پینے کی ضرورت نہیں ہوگی' جنت کے مشروبات میں ازخود سونٹھ کا پانی ملا ہوا ہوگا۔

سلسبیل کا معنی

الدھر: ۱۸ میں فرمایا: اس چشمہ کو جنت میں سلسبیل کہا جاتا ہے O

ابن الاعرابی نے کہا: ''سلسبیل'' کا لفظ صرف قرآن میں آیا ہے' عربی زبان میں یہ لفظ نہیں ہے' اس لیے یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ ''سلسبیل'' کا مادہ کیا ہے اور یہ کس لفظ سے ماخوذ ہے' اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ جو مشروب میٹھا ہو اور آسانی سے حلق سے اتر جائے اس کو مشروب ''سلسال'' یا ''سلسبیل'' کہا جاتا ہے۔ زجاج نے کہا: لغت میں ''سلسبیل'' اس چیز کی صفت ہے جو انتہائی سلاست میں ہو یعنی جو چیز انتہائی آسان اور رواں ہو' اس چشمہ کا پانی سونٹھ کے چشمہ کی طرح ہوگا اور آسانی اور روانی سے حلق سے اترے گا۔

جنتی لڑکوں کے دائمی ہونے کی توجیہ

الدھر: ۱۹ میں فرمایا: اور دائمی جنتی لڑکے ان کے پاس گردش کریں گے' تم انہیں دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں O

بچپن میں انسان کے چہرے پر بھولپن اور معصومیت ہوتی ہے‘ جس کی وجہ سے اس کا چہرہ پُر بہار اور پُرکشش ہوتا ہے اور اسے دیکھنے سے طبیعت خوش ہوتی ہے‘ اور جیسے جیسے انسان کی عمر بڑھتی ہے اس کے چہرے پر پکا پن آ جاتا ہے‘ چہرے پر مُتے اور دانے نکل آتے ہیں‘ اس کے چہرے کی خوب صورتی‘ رونق اور کشش جاتی رہتی ہے اور وہ چہرہ جو بچپن میں بھولا بھالا اور معصوم لگتا تھا‘ جوان ہونے کے بعد خرانٹ لگنے لگتا ہے‘ اس کے برعکس جنت میں جو اہل جنت کی خدمت پر مامور لڑکے ہوں گے‘ ان کے چہروں پر ہمیشہ اسی طرح بھولپن‘ معصومیت‘ رونق اور رعنائی رہے گی جو دنیا میں بالغ ہونے سے پہلے لڑکوں کے چہروں پر ہوتی ہے۔

اس لیے فرمایا: اور دائمی جنتی لڑکے‘ یعنی ان لڑکوں کی صورتوں پر جو بھولپن اور معصومیت ہوگی وہ دائمی ہوگی‘ اس کے برخلاف دنیا میں لڑکوں کے چہرے پر یہ کیفیت بالغ ہونے سے پہلے تک رہتی ہے‘ اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ وہ لڑکے دائمی ہیں یعنی ان کو موت نہیں آئے گی لیکن پہلی تفسیر راجح ہے‘ اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ’’مخلدون‘‘ کا معنی ہے: ’’محلون‘‘ یعنی وہ زیورات سے آراستہ ہوں گے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم انہیں دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

یعنی وہ حسین و جمیل اور صبیح اور ملیح لڑکے جب مجلس میں متفرق جگہوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے تو تم انہیں دیکھ کر یہ گمان کرو گے کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

الدھر: ۲۰ میں فرمایا: تم وہاں جہاں بھی دیکھو گے تو سراسر نعمتیں اور عظیم سلطنت ہی دیکھو گے O

جنتیوں کی سلطنت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی بیان کرنے والا جنت کی نعمتوں کے حسن اور ان کی پاکیزگی کو کماحقہٗ بیان نہیں کر سکتا‘ اہل جنت میں سے جو شخص ادنیٰ درجہ کا ہوگا تو وہ دیکھے گا کہ اس کا ملک ایک ہزار سال کی مسافت کو محیط ہے اور دور والے کو اسی طرح دیکھے گا جیسے وہ قریب والے کو دیکھ رہا ہوگا اور جب وہ کسی چیز کا ارادہ کریں گے تو وہ ان کو فوراً حاصل ہو جائے گی‘ نیز اس آیت میں فرمایا: ان کی عظیم سلطنت ہوگی‘ کلبی نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اللہ کا ولی اپنے گھر میں آرام کر رہا ہوگا‘ پھر اللہ کا فرستادہ اس کے پاس عمدہ پوشاک‘ لذیذ کھانے اور مرغوب مشروبات لے کر آئے گا اور اس کی اجازت سے اس کے گھر میں داخل ہوگا‘ اور اللہ تعالیٰ کے مقرب اور مکرم فرشتے بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں نہیں آسکیں گے‘ اس سے بڑھ کر ان کی نعمتیں اور ان کی عظیم سلطنت اور کیا ہوگی۔

الدھر: ۲۱ میں فرمایا: اہل جنت کے اوپر باریک ریشم کے سبز کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے بھی اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا O

’’سندس‘‘ اور ’’استبرق‘‘ کا معنی

اس آیت میں ’’سندس‘‘ کا لفظ ہے‘ اس کا معنی ہے: باریک ریشم‘ باریک دیبا‘ علامہ سیوطی نے ’’الاتقان‘‘ میں لکھا ہے کہ جوالیقی نے کہا ہے کہ فارسی میں اس کا معنی ہے: باریک دیبا‘ اور لیث نے کہا ہے کہ اربابِ لغت اور مفسرین میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ یہ لفظ معرب ہے‘ یعنی اصل میں یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کو عربی لفظ بنایا گیا ہے‘ شیدلہ نے کہا: اصل میں یہ ہندی زبان کا لفظ ہے۔ (لغات القرآن ج ۳ ص ۲۳۶‘ کراچی)

اور ’’استبرق‘‘ کا لفظ ہے‘ اس کا معنی ہے: ریشم کا زریں کپڑا۔ (لغات القرآن ج ا ص ۷۷‘ کراچی)

سونے اور چاندی کے کنگن میں تعارض اور اس کے جواب

نیز فرمایا: اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔
ایک اور سورت میں ان کو سونے کے کنگن پہنانے کا ذکر ہے‘ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ. (الکہف:۳۱)
ان کے لیے دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں‘ وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

ان آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے‘ اہل جنت کو سونے اور چاندی دونوں کے کنگن بہ یک وقت پہنائے جائیں گے یا کبھی سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور کبھی چاندی کے‘ دوسرا جواب یہ ہے کہ انسانوں کی طبیعتیں اور مزاج مختلف ہوتے ہیں‘ بعض لوگ چاندی پسند کرتے ہیں اور بعض لوگ سونا پسند کرتے ہیں‘ جنت میں دونوں قسم کے کنگن ہوں گے جن کو سونا پسند ہوگا وہ سونے کے کنگن پہنیں گے اور جن کو چاندی پسند ہوگی وہ چاندی کے کنگن پہنیں گے‘ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جنت کے ’’ولدان‘‘ اور ’’غلمان‘‘ (نوخیز‘ بے ریش لڑکوں) کا ذکر ہے کہ وہ جنت میں چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ہوں گے اور الکہف: ۳۱ میں جنت کے مردوں کا ذکر ہے کہ وہ سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہوں گے۔

’’شراب طہور‘‘ کا معنی

نیز اس آیت میں فرمایا: اور ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا O
’’طہور‘‘ ’’طاھر‘‘ کا مبالغہ ہے یعنی جنت کی شراب بہت زیادہ پاکیزہ ہوگی‘ اور وہ دنیا کی خمر (انگور کی شراب) کی طرح نجس نہیں ہوگی‘ اور اس کو بنانے میں ناپاک اور نجس ہاتھوں کا استعمال نہیں ہوا ہوگا‘ اور جسم کے مسامات سے جو پسینہ نکلے گا اس میں بھی نجس شراب کی بو نہیں ہوگی بلکہ مشک کے پسینہ کی خوشبو آ رہی ہوگی۔
مقاتل نے کہا: جنت کے دروازے پر ایک چشمہ ہے جو ایک درخت کے تنے سے نکلتا ہے‘ جو شخص اس مشروب کو پیتا ہے اس کا دل کینہ اور حسد سے اور اس کے پیٹ میں جو بھی گندگی ہوتی ہے اس سے صاف ہو جاتا ہے اور یہی ’’شراب طہور‘‘ کا معنی ہے کیونکہ ’’طہور‘‘ کا معنی ہے: پاک کرنے والا۔
ابوقلابہ نے کہا: اہل جنت کو کھانے اور پینے کے بعد شراب طہور پلائی جائے گی‘ اس سے ان کے جسم کا باطن پاک ہو جائے گا‘ اور ان کی کھالوں سے پسینہ نکلے گا جس سے مُشک کی خوشبو آئے گی اور ان دونوں قولوں کی بناء پر ’’طہور‘‘ کا معنی ’’مطہر‘‘ ہے اور یہ شراب ان کے باطن سے اخلاقِ مذمومہ اور اشیاء موذیہ خارج کر دے گی۔
روح بشری ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرتی رہتی ہے اور ایک نور سے دوسرے نور کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے‘ حتیٰ کہ جب وہ روح تمام مقامات اور انوار طے کرتی ہوئی اللہ عزوجل کے قریب پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نور‘ اس کی کبریائی اور عظمت کے مقابلہ میں تمام انوار مضمحل ہو جاتے ہیں‘ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ابرار کے ثواب اور ان کے درجات کو اس آیت پر ختم کیا کہ: اور ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا۔
الدھر: ۲۲ میں فرمایا: (کہا جائے گا:) یہ ہے تمہاری جزاء اور تمہاری کوششیں بار آور ہوئیں O

ابرار کا جنت میں کلماتِ تحسین سے استقبال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب اہل جنت‘ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جنت کی نعمتوں کا مشاہدہ کر لیں گے‘ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمام نعمتیں تمہارے لیے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے لیے تمہارے واسطے

تیار کیا تھا' باوجود اس کے کہ تمہارے اعمال کم تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو تمہارے اعمال کی جزا میں تیار فرمایا ہے' اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کی زبان سے یہ کہلوائے گا کہ وہ اہل جنت سے کہیں:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ تم پر سلام ہو تم نے جو صبر کیا تھا آخرت کا یہ گھر اس کی کیسی اچھی جزا ہے ۝ (الرعد: ۲۴)

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ (الحاقہ: ۲۴) جو اعمال تم نے گزشتہ زمانہ میں کیے تھے ان کے بدلہ میں خوشی سے کھانا پینا تمہیں مبارک ہو ۝

اہل جنت سے فرشتوں کے اس کلام سے مقصود یہ تھا کہ اہل جنت کو مزید خوش اور مسرور کیا جائے کیونکہ جب مجرم کو سزا دی جاتی ہے تو اس کو بتایا جاتا ہے: یہ تیری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے تاکہ اس کے غم اور افسوس میں اور اضافہ ہو' اسی طرح ابرار اور نیک لوگوں کو انعامات دے کر یہ بتایا جائے گا کہ یہ تمہاری اطاعت اور عبادات کا صلہ ہے تاکہ ان کی مسرت اور شادمانی میں اور زیادتی ہو۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو یعنی میرے علم میں تمہارے لیے یہ انعامات مقدر تھے' اسی لیے میں نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے لیے یہ انعامات تیار کیے۔

بندوں کی نیکیوں کے مشکور ہونے اور اللہ تعالیٰ کے شاکر ہونے کی توجیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمہاری سعی (نیک اعمال) مشکور ہیں' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابرار اور نیک بندوں کے نیک اعمال پر ان کا شکر ادا کیا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لائق یہ ہے کہ بندے اس کا شکر ادا کریں' نہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا شکر ادا کرے۔ اس سوال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) شکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ مشکور کی حمد وثناء اور تعریف اور تحسین کی جائے' آخرت میں اللہ تعالیٰ بندوں کے نیک اعمال کی تحسین فرمائے گا اور بتائے گا کہ ان نیک اعمال کی وجہ ہی سے ان کو جنت میں ان بلند مقامات پر رکھا گیا ہے اور ان کو یہ انعامات دیئے گئے اور یہی ان کے نیک اعمال کا مشکور ہونا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے شکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں کے نیک اعمال کو قبول فرماتا ہے' ان کے نیک اعمال کی اچھی جزا عطا فرماتا ہے اور ان کے نیک اعمال کی قدر دانی اور قدر افزائی فرماتا ہے۔

(۳) جو شخص تھوڑی سی چیز سے راضی ہو جائے اس کو شکور کہا جاتا ہے یعنی وہ بہت زیادہ شکر ادا کرنے والا ہے' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تھوڑی سی عبادت سے راضی ہو جاتا ہے اور ان کی کم عبادت پر ان کو بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۱۵۸) جس نے خوشی سے کوئی نیکی کی تو بے شک اللہ (اس کا) قدردان بہت جاننے والا ہے ۝

(۴) بندے کے اللہ سے قرب کا آخری درجہ یہ ہے کہ وہ اللہ سے راضی بھی ہو اور مرضی بھی ہو یعنی اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ (الفجر: ۲۸۔۲۷) اے مطمئن روح! ۝ تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی ہو' وہ تجھ سے راضی ہو ۝

سو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ (انعامات) تمہاری جزاء ہیں تو یہ بندے کے راضی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور جب

فرمایا: تمہاری سعی مشکور ہے یعنی تمہاری اطاعات اور عبادات کی تحسین کی گئی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی طرف اشارہ ہے امام رازی نے فرمایا: یہ بندے کے قرب کا آخری درجہ ہے تو ابرار کے ثواب کے ذکر میں اس کو سب سے آخر میں ہی ذکر کرنا مناسب تھا' اس لیے ابرار کے ثواب کے بیان کے آخر میں فرمایا: یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوششیں بار آور ہوئیں۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ

بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل فرمایا ہے ○ آپ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے'

رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ

اور آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں خواہ وہ گناہ گار ہو یا ناشکرا ○ اور آپ اپنے رب کے نام

رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ

کا صبح اور پچھلے پہر ذکر کریں ○ اور رات کے کچھ وقت میں اس کے لیے سجدہ کریں اور رات کے طویل حصہ میں

لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ

اس کی تسبیح کریں ○ بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز سے محبت کرتے ہیں اور بھاری دن (قیامت)

وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَاۤ

اپنے پس پشت ڈال دیتے ہیں ○ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ

اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَاۤ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ

مضبوط بنائے ہیں' اور ہم جب چاہیں گے ان کے بدلے میں اور لوگ لے آئیں گے ○ بے شک یہ (آیات)

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا

نصیحت ہیں' سو جو شخص چاہے اپنے رب کے راستہ کو اختیار کر لے ○ اور اللہ تعالیٰ

تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾

کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے' بے شک اللہ بہت علم والا' بے حد حکمت والا ہے ○

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے' اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○

ع ۲ ۹ ۲۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل فرمایا ہے O آپ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے اور آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں خواہ وہ گناہ گار ہو یا ناشکراO (الدھر:۲۴۔۲۳)

ربط آیات اور تھوڑا تھوڑا قرآن مجید نازل کرنے کی حکمت

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ انسان حادث ہے' پہلے وہ موجود نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ اس کو عدم سے وجود میں لایا:

هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـًٔـا مَّذۡكُوۡرًا O (الانسان:۱)　یقیناً انسان پر ایک ایسا وقت آ چکا ہے' جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھاO

پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس نے انسان کو مخلط نطفہ سے پیدا کیا' پھر فرمایا ''نَبۡتَلِيۡهِ '' (الانسان:۲) ہم اس کو آزماتے ہیں' سو ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا بنا دیا' پھر ہم نے اس کو سیدھا راستہ دکھا دیا' پھر بتایا کہ انسان اپنے اختیار سے دو فرقوں میں بٹ گئے' ان میں سے بعض شکر گزار تھے اور بعض ناشکرے' پھر اختصار کے ساتھ کفار کے عذاب کو بیان فرمایا اور اس کے بعد تفصیل کے ساتھ ابرار اور اطاعت کرنے والوں کے اجر وثواب کو بیان فرمایا اور اخیر میں فرمایا: ''وَّكَانَ سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا O'' (الانسان:۲۲) یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری کوششیں بارآور ہوئیں' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے احوال دنیا بیان فرمائے اور اطاعت کرنے والوں کے احوال کو نافرمانی کرنے والوں کے احوال پر مقدم رکھا' اطاعت کرنے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کی امت ہے' سو الانسان:۲۳ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِيۡلًا O (الانسان:۲۳)　بے شک ہم نے آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل فرمایا ہےO

اس آیت سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضبوط کرنا ہے اور آپ کو تسلی دینا ہے' کیونکہ قریشِ مکہ آپ پر تہمت لگاتے تھے کہ آپ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ کہانت اور جادو ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ یہ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو تھوڑا تھوڑا کر کے جو نازل فرمایا ہے' اس میں بھی حکمت بالغہ ہے کہ جس وقت کے لیے جو حکم مقرر ہے اس وقت میں وہ حکم دیا جائے' یہی وجہ ہے کہ کفار سے قتال کا حکم ہجرت کے بعد دیا گیا اور ہجرت سے پہلے کفار کی ایذاء کے مقابلہ میں آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا۔

الدھر:۲۴ میں فرمایا: آپ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے اور آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں خواہ وہ گناہ گار ہو یا ناشکراO

کفار کا آپ کو لالچ دے کر اور دھمکا کر تبلیغ اسلام سے روکنا اور آپ کی استقامت

امام مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ۱۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آپ صبر کیجئے حتیٰ کہ آپ کے اور اہل مکہ کے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے' اور جب یہ آپ کو برا کہیں تو آپ جواب میں ان کو برا نہ کہیں اور جب یہ آپ کو ایذاء پہنچائیں تو آپ جواب میں ان کو ایذاء نہ پہنچائیں۔

اور فرمایا: آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں' اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے' وہ گناہ گار ہو یا ناشکرا' ناشکرے سے مراد عتبہ بن ربیعہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ کفار دار الندوۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے' ان میں عمرو بن عمیر بن مسعود الثقفی بھی تھا' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! یہ بتاؤ کہ تم

نے اپنے باپ دادا کا دین کیوں چھوڑ دیا؟ ولید بن مغیرہ نے کہا: اگر تم مال کے طلب گار ہو تو میں تمہیں اپنا آدھا مال دے دیتا ہوں بہ شرطیکہ تم اپنے دین کا پیغام سنانا چھوڑ دو' اور ابوالبختری بن ہشام نے کہا: لات اور عزیٰ کی قسم! اگر یہ اپنے دین سے پھر گئے تو میں اپنی بیٹی کی ان کے ساتھ شادی کر دوں گا۔ وہ عرب کی تمام عورتوں سے زیادہ حسین و جمیل ہے اور وہ گفتگو میں بھی سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ باتیں سن کر خاموش رہے اور آپ نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا' پھر ابن مسعود ثقفی نے کہا: کیا بات ہے تم ہمیں جواب کیوں نہیں دیتے؟ اگر تمہیں اپنے رب کے عذاب کا خوف ہے تو میں تم کو اس عذاب سے پناہ میں رکھوں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر ہنسی آ گئی' پھر آپ نے اپنے کپڑے سمیٹے اور وہاں سے اٹھ کر چل دیئے اور تب یہ آیت نازل ہوئی: آپ ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں خواہ وہ گنہ گار ہو یا ناشکرا' یعنی ولید بن مغیرہ اور ابوالبختری کی اطاعت نہ کریں۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۳۳۔۴۳۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ کہتے ہیں: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ابوجہل نے یہ کہا تھا: اگر میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں ان کی گردن کو اپنے پیروں سے روندوں گا۔

(تفسیر القرآن العزیز رقم الحدیث: ۳۴۴۲' دار المعرفۃ' بیروت' ۱۴۱۱ھ' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۷۹۷)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! ہم نے آپ پر یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے آزمائش اور امتحان کے لیے نازل کیا ہے' سو آپ اپنی رسالت کی تبلیغ اور اپنے رب کے نازل کردہ فرائض کے امتحان اور آزمائش میں صبر کیجئے اور جن کاموں کا آپ کو حکم دیا ہے' ان پر عمل کرتے رہیے اور ان کافروں میں سے کسی کی اطاعت نہ کریں خواہ وہ گناہ گار ہوں یا ناشکرے' اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی میں اپنی قوم کے گناہ گار مشرکوں کی اطاعت نہ کریں جو آپ کو معصیت پر سوار کرنا چاہتے ہیں اور نہ ناشکروں کی بات مانیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور بتوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ۲۷۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

آپ کو کفار کی اطاعت سے منع کرنے کے متعلق امام رازی کی توجیہ

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں میں سے کسی کی اطاعت نہیں کرتے تھے' پھر اس ممانعت کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ ہدایت' ارشاد اور متنبہ ہونے کے محتاج ہیں کیونکہ لوگوں کی طبیعتوں میں شہوات اور ناجائز خواہشیں ہیں جو ان کو فتنہ اور فساد پر اُبھارتی ہیں' اور اگر لوگوں میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کی توفیق سے مستغنی ہوتا تو لوگوں میں اس کے سب سے زیادہ مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو معصوم ہیں اور جب آپ بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کی توفیق سے مستغنی نہیں ہیں تو ہر مسلمان پر یہ منکشف ہو جائے گا کہ وہ ناجائز خواہشوں اور شہواتِ باطلہ اور تمام معاصی سے بچنے اور باز رہنے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کی توفیق کا محتاج ہے' سو وہ اسی کی طرف راغب ہو اور اسی سے گڑگڑا کر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے بُرے کاموں سے بچائے اور نیک کاموں پر لگائے رکھے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۵۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

امام رازی کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر مفسر اس آیت کی تفسیر میں اس سوال کی طرف متوجہ ہوا اور نہ اس کا جواب ذکر کیا'

البتہ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ نے امام رازی ہی کی مذکور الصدر تفسیر کو اپنی عبارت میں نقل کر دیا ہے۔
(روح البیان ج ۱۰ص ۳۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

آپ کو کفار کی اطاعت سے منع کرنے کے متعلق مصنف کی توجیہ

ہماری رائے یہ ہے کہ امام رازی نے جو اس سوال کا جواب ذکر کیا ہے' اس کی متانت اور اس کے حسن اور خوبی اور اس کی گہرائی اور گیرائی کا کوئی ثانی نہیں ہے' تاہم مصنف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب بہ ظاہر آپ سے ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد آپ کی امت ہے اور اس آیت میں صنعت تعریض ہے' فرمایا آپ سے ہے اور سنایا آپ کی امت کو ہے یعنی اے مسلمانو! جب تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی گناہ گاروں اور ناشکروں کی اطاعت سے منع کیا ہے تو سوچو کہ تمہارے لیے یہ ممانعت کس قدر سخت اور قوی ہے اور اس آیت میں خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد نہیں ہے' اس پر دلیل یہ ہے کہ اس شخص کو کسی کام سے منع کیا جاتا ہے جس کے لیے وہ کام کرنا ممکن ہو' اور جس شخص کے لیے کوئی کام کرنا ممکن ہی نہیں ہے اس کو اس کام سے منع نہیں کیا جاتا مثلاً گونگے سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تم فحش گفتگو نہ کرو کیونکہ اس کے لیے گفتگو کرنا ممکن ہی نہیں ہے' اسی طریقہ پر ہم کہتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے داعی ہیں' اس وجہ سے آپ کے لیے گناہ گاروں اور ناشکروں کی اطاعت کرنا ممکن ہی نہیں ہے' اس لیے ہمارے نزدیک اس آیت میں اسناد مجاز عقلی ہے اور اس آیت میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے' آپ گناہ گاروں اور ناشکروں کی اطاعت نہ کریں لیکن حقیقت میں یہ خطاب آپ کی امت سے ہے کہ وہ گناہ گاروں اور ناشکروں کی اطاعت نہ کریں کیونکہ آپ کے لیے تو ان کی اطاعت کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ ہمارے جواب کو مزید تفصیل سے سمجھنے کے لیے ''وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ'' (المدثر: ۶) کا مطالعہ کریں۔

آپ کو کفار کی اطاعت سے منع کرنے کے متعلق سید مودودی کی تقریر

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کرتے ہوئے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی ان میں سے کسی سے دب کر دین حق کی تبلیغ سے باز نہ آؤ اور کسی بدعمل کی خاطر دین کی اخلاقی تعلیمات میں' یا کسی منکر حق کی خاطر دین کے عقائد میں ذرہ برابر بھی ترمیم و تغیر کرنے کے لیے تیار نہ ہو' جو کچھ حرام و ناجائز ہے اسے برملا حرام و ناجائز کہو' خواہ کوئی بدکار کتنا ہی زور لگائے کہ تم اس کی مذمت میں ذرا سی نرمی ہی برت لو اور جو عقائد باطل ہیں انہیں کھلم کھلا باطل اور جو حق ہیں انہیں علانیہ حق کہو' چاہے کفار تمہارا منہ بند کرنے یا اس معاملہ میں کچھ نرمی اختیار کر لینے کے لیے تم پر کتنا ہی دباؤ ڈالیں۔ (تفہیم القرآن ج ۶ص ۲۰۲ ترجمان القرآن لاہور ۱۴۱۱ھ)

اس عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور آپ سے عقیدت کی رمق بھی نہیں ہے اور نہیں لگتا کہ یہ آپ کے کسی امتی کا کلام ہے اور کیا کسی بندے کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اللہ بن کر جو چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتا پھرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اپنے رب کے نام کا صبح اور پچھلے پہر ذکر کریں O اور رات کے کچھ وقت میں اس کے لیے سجدہ کریں' اور رات کے طویل حصہ میں اس کے لیے تسبیح کریں O بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز سے محبت کرتے ہیں' اور بھاری دن اپنے پس پشت ڈال دیتے ہیں O ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ مضبوط بنائے ہیں اور ہم جب چاہیں گے ان کے بدلے میں اور لوگ لے آئیں گے O (الدھر: ۲۸-۲۵)

صبح اور پچھلے پہر اللہ کے ذکر کرنے سے مراد پانچ نمازیں ہیں یا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا

الدھر:۲۵ کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ صبح اور پچھلے پہر اپنے رب کے نام کے ذکر سے مراد نماز پڑھنا ہے اور ''بکرۃ'' سے مراد فجر کی نماز ہے اور ''اصیلا'' (پچھلے پہر) سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں اور ''وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ'' (الدھر:۲۶) سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور ''سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا'' (الدھر:۲۶) سے مراد تہجد کی نماز ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد ہمیشہ فرض رہی یا ابتداء میں یہ نماز فرض تھی' بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی' اس کی تفصیل سورۃ المزمل میں بیان ہو چکی ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اپنے رب کے نام کے ذکر سے مراد نماز نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنا ہے' اور اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ دن اور رات کے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے' خواہ وہ زبان سے ذکر کرے یا دل سے ذکر کرے۔

قرآن مجید اور احادیث سے اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کرنے کی ترغیب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (الاحزاب:۴۲-۴۱)

اے ایمان والو! اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو ۝ اور صبح کو اور پچھلے پہر اس کی پاکیزگی بیان کرو ۝

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! اسلام کے احکام مجھ پر بہت زیادہ ہیں' پس آپ مجھے ایسی چیز بتایئے جس کو میں پلّے باندھ لوں' آپ نے فرمایا: تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہر وقت تر رہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۹۳)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: قیامت کے دن کس بندہ کا درجہ سب سے افضل ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے مردوں کا اور زیادہ ذکر کرنے والی عورتوں کا' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اس کا درجہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی افضل ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کفار اور مشرکین سے جہاد کرے حتیٰ کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون سے رنگین ہو جائے پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والوں کا درجہ اس سے زیادہ ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۶)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو تمہارے اس عمل کے متعلق نہ بتاؤں جو تمہارے رب کے نزدیک سب سے زیادہ افضل' سب سے زیادہ پاکیزہ اور سب سے زیادہ بلند درجے والا ہے اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کو خرچ کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور وہ تمہارے لیے اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کہ تمہارا اپنے دشمنوں سے مقابلہ ہو' تم ان کی گردنوں پر وار کرو' وہ تمہاری گردنوں پر وار کریں' صحابہ نے کہا: کیوں نہیں! یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: وہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۷۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۷۹۰' مسند احمد ج۵ ص۱۹۵)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں' رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر طمانیت نازل ہوتی ہے اور اللہ

تعالیٰ ان کا اپنے پاس والوں میں ذکر فرماتا ہے۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٧٠٠ سنن ترمذی رقم الحدیث:٣٣٧٨ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٣٧٩١)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: تم یہاں کس لیے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس نعمت پر اس کی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی اور ہم پر اسلام کا احسان فرمایا' آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم صرف اس لیے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم صرف اس لیے بیٹھے ہیں' آپ نے فرمایا: میں نے تم پر کسی جھوٹ کی تہمت کی بناء پر تم سے حلف نہیں لیا تھا لیکن ابھی میرے پاس حضرت جبریل آئے ہیں اور انہوں نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرما رہا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٧٠١ سنن ترمذی رقم الحدیث:٣٣٧٩ سنن نسائی رقم الحدیث:٥٤٤١)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کریں اور نہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھیں تو وہ مجلس ان کے لیے ہلاکت ہو گی' اگر اللہ چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا اور اگر وہ چاہے گا تو ان کو بخش دے گا' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٣٣٧٩' مسند احمد ج ٢ص ٤٣٠)

قیامت کے دن کو پس پشت ڈالنے اور اس دن کے بھاری ہونے کی توجیہ

الدھر:٢٧ میں فرمایا: بے شک یہ لوگ جلد ملنے والی چیز سے محبت کرتے ہیں اور بھاری دن اپنے پس پشت ڈال دیتے ہیں O

اس سے پہلی آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب تھا اور مؤمنین کے لیے ہدایت تھی اور اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق بتایا کہ یہ کفار کفر پر ڈٹے رہنے کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کی ناجائز نفسانی خواہشیں کفر پر قائم رہنے سے ہی پوری ہوتی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توحید اور رسالت کی جو دعوت دی ہے اور اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے' اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جن چیزوں پر ایمان اور عمل ان کو آخرت کے عذاب سے نجات دے اس سے اعراض کرتے ہیں' رہا یہ کہ ان کے متعلق فرمایا: وہ بھاری دن یعنی قیامت کے دن کو پس پشت ڈال دیتے ہیں' اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے قیامت کے دن کے محاسبہ اور اس دن کے عذاب سے بچنے کی کوئی تیاری نہیں کی بلکہ اس کے لیے کوئی کوشش نہیں کی تو گویا انہوں نے قیامت کے دن کے عذاب کی وعید کو پس پشت ڈال دیا اور قیامت کے دن کو بھاری دن فرمانے کی توجیہ یہ ہے کہ چونکہ اس دن بہت سخت ہولناک اُمور پیش آئیں گے تو گویا وہ بہت بھاری دن ہوگا یعنی اس کی ہولناکیاں کفار اور فساق پر بہت بھاری ہوں گی۔

الدھر:٢٨ میں فرمایا: ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ مضبوط بنائے ہیں' اور ہم جب چاہیں گے ان کے بدلہ میں اور لوگ لے آئیں گے۔

دنیا کی جلد ملنے والی چیزوں کی محبت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ کفار دنیا میں جلد ملنے والی نعمتوں سے محبت کرتے ہیں' سو دنیاوی نعمتوں سے محبت کرنے کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانیں اور اس کی اطاعت کریں کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا اور ان کا مضبوط جسم بنایا' ان کے جوڑ بند پختہ کیے اور ان کے جوڑوں کو رگوں اور پٹھوں کے ساتھ مضبوطی سے باندھا۔ اس کے علاوہ ان کو دنیا میں زندہ رہنے کے تمام اسباب عطا کیے' سو اگر وہ ان دنیاوی نعمتوں سے محبت

کرتے ہیں تو اس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کے عطا کرنے والے سے محبت کریں' اس کا شکر ادا کریں اور اس کی اطاعت وعبادت کریں' نیز ان کو اس سے بھی ڈرنا چاہیے' جو ان نعمتوں کو عطا کر سکتا ہے وہ ان نعمتوں کو چھین بھی سکتا ہے' تو ان نعمتوں کے زائل ہو جانے کے خوف کا بھی یہ تقاضا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کریں' خلاصہ یہ ہے کہ اوّل تو ان لوگوں کو آخرت کی دائمی نعمتوں سے محبت کرنی چاہیے اور ان نعمتوں کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا چاہیے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنی چاہیے اور اگر وہ دنیا کی جلد ملنے والی عارضی نعمتوں سے محبت کرتے ہیں تو ان نعمتوں کے زوال کے خطرہ سے بچنے کے لیے اور ان نعمتوں کی بقاء کے لیے اور ان نعمتوں کے پیدا کرنے اور عطا کرنے والے کا شکر ادا کرنے کے لیے بھی ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا چاہیے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنی چاہیے۔

''اسر'' کا معنی اور کافروں کو فنا کر کے دوسری قوم کو پیدا کرنے کی قدرت

اس آیت میں ''اسر'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: انسان کے جوڑوں کی بندش' امام رازی نے لکھا ہے: ''اسر'' کا معنی ہے: کسی چیز کو رسی سے باندھنا' کسی قیدی کو یا گھوڑے کو مضبوطی سے باندھنا اور اسی آیت میں یہ معنی ہے کہ ہم نے ان کے اعضاء کو ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے باندھا ہوا ہے اور ان کے جوڑوں کو رگوں اور پٹھوں کے ساتھ پختگی کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: اور ہم جب چاہیں گے ان کے بدلہ میں اور لوگ لے آئیں گے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ہم جب چاہیں گے ان لوگوں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے بدلہ میں اور لوگ پیدا کر دیں گے' اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں بیان فرمایا ہے:

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ۝ (النساء: ۱۳۳)
اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تو وہ تم سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ۝

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ (ابراہیم: ۱۹)
(اے مخاطب!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے ۝

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۝ (محمد: ۳۸)
اگر تم نے روگردانی کی تو وہ تمہارے بدلہ میں اور لوگوں کو لے آئے گا' جو تمہاری طرح نہ ہوں گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ (آیات) نصیحت ہیں سو جو شخص چاہے اپنے رب کے راستہ کو اختیار کرے ۝ اور اللہ کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے' بے شک اللہ بہت علم والا' بے حد حکمت والا ہے ۝ وہ جس چیز کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے' اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۝ (الدھر: ۳۱۔۲۹)

جبر وقدر کے مسئلہ میں مفسرین اور محدثین کی تقاریر

اللہ تعالیٰ نے پہلے نیک لوگوں کے احوال بیان فرمائے' پھر بدکار لوگوں کے احوال بیان فرمائے' اس کے بعد فرمایا: یہ (آیات) نصیحت ہیں یعنی اس سورت کی آیات میں جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور آخرت پر دلائل دیئے گئے ہیں اور ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے اور کفر وشرک کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے پس ان پر غور کر کے جو شخص اپنی آخرت اور عاقبت کو سنوارنا چاہتا ہے تو وہ اپنے رب کے راستہ کو اختیار کرے۔

اور اللہ کے چاہے بغیر تم نہیں چاہ سکتے۔اس آیت میں انسان کے چاہنے اور اللہ کے چاہنے کا ذکر ہے اور یہاں جبر وقدر کی بحث چھڑ گئی۔

امام رازی کی جبریہ کی تایید میں تقریر

امام محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ یہ آیت ان آیات میں سے ہے جس سے استدلال کرتے ہوئے جبر وقدر کے استدلال کی موجیں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں' پس قدری جو کہتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے وہ اس سے استدلال کرتا ہے:

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيْلًا (الدھر:۲۹) سو جو شخص چاہے اپنے رب کے راستہ کو اختیار کرے

اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کے افعال اس کے چاہنے اور اس کے اختیار پر موقوف ہیں اور یہ صریح میرا مذہب ہے' اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:۲۹) سو جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کفر کرے۔

اور جبری جو کہتا ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مجبور ہے' وہ کہتا ہے کہ جب اس آیت کو اس کے بعد والی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو اس سے جبریہ کا مذہب واضح طور پر نکل آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو چاہے اپنے رب کے راستہ کو اختیار کرے' اس کا تقاضا ہے کہ بندہ کی مشیت اس وقت خالص ہوگی جب وہ فعل کو مستلزم ہوگی اور اس کے بعد فرمایا: اور اللہ کے چاہے بغیر تم نہیں چاہ سکتے' اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت بندہ کی مشیت کو مستلزم ہے اور مستلزم کا مستلزم' مستلزم ہوتا ہے' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کی مشیت بندہ کی مشیت کو مستلزم ہے اور یہی جبر ہے' اسی طرح الکہف: ۲۹ سے بھی جبر پر استدلال ہوتا ہے کیونکہ اس کا تقاضا ہے کہ مشیت فعل کو مستلزم ہوتی ہے اور اللہ کی مشیت بندہ کی مشیت کو مستلزم ہے اور مستلزم کا مستلزم' مستلزم ہوتا ہے' پس واضح ہوا کہ بندہ کا ایمان لانا یا کفر کرنا اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے اور یہی جبر ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: قاضی معتزلی نے جبریہ کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں اللہ کی طرف راستہ اختیار کرنے کا ذکر ہے' اور ہم مانتے ہیں کہ اللہ اس راستہ کو چاہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس راستہ کو اپنانے کا حکم دیا ہے' اس لیے ضروری ہے کہ اللہ اس راستہ کو چاہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بہ طور عموم کہہ دیا جائے کہ بندہ اسی چیز کو چاہتا ہے جس کو اللہ چاہتا ہے' کیونکہ اس خاص چیز کے متعلق مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو چاہا اور اس کا ارادہ کیا۔

امام رازی اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: قاضی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس آیت میں اس خاص چیز کے متعلق یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو چاہا اور اس کا ارادہ فرمایا اور یہ عام قاعدہ نہیں ہے' اس لیے کہ یہ احتمال ہے کہ اس خاص صورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو اور اسی جیسی اور صورتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۶۲۔۷۶۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی کی اہل سنت کی تایید میں تقریر اور امام رازی کا رد

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ امام رازی کی تقریر کا خلاصہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس آیت سے جبریہ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا' جس میں بندہ کے اختیار کی بالکل نفی ہو جاتی ہے اور بندہ مجبور محض ہو جاتا ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا راستہ اختیار کرنے کے لیے صرف بندہ کا چاہنا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

بھی بندہ کے لیے اس چیز کو چاہا ہو' تاہم بندہ کا چاہنا بہ طور کسب ہے اور اللہ کا چاہنا بہ طور خلق ہے۔

ہاں! اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں جو فرمایا ہے: "فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ۝" (الدھر:۲۹) سو جو شخص چاہے اپنے رب کے راستہ کو اختیار کرے' اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کا مطلقاً چاہنا فعل کو مستلزم ہوتا ہے یعنی بندہ جب بھی کسی فعل کو چاہے گا وہ اس فعل کو کرے گا' حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے' کیونکہ بندہ کئی مرتبہ کسی فعل کو کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس فعل کو نہیں کر پاتا' اس لیے ضروری ہے کہ دوسری آیت کو تحقیق کے لیے مانا جائے یعنی "وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ" (الدھر:۳۰) اور اللہ کے چاہے بغیر تم نہیں چاہ سکتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کا چاہنا فعل کو مستلزم ہے اور دوسری آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ کی چاہت اس وقت فعل کو مستلزم ہوگی جب اللہ تعالیٰ بھی بندہ کی چاہت کو چاہے گا' سو اس کو غور وفکر سے پڑھو۔

یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں عقلیں حیران ہیں اور اس میں علماء کے قدم پھسل گئے ہیں' جبریہ کا سب سے قوی شبہ یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کا وجود واجب نہ ہو وہ موجود نہیں ہوتی' پس جب کسی فعل کی علت تامہ متحقق ہو جائے تو اس فعل کا وجود لازم اور واجب ہوگا اور اس سے اضطرار اور بندہ کا مجبور ہونا لازم آئے گا اور اگر اس فعل کا وجود لازم نہ ہو تو معلول کا اپنی علت تامہ سے تخلف لازم آئے گا اور یہ محال ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ فعل کے صدور کے لیے یہ لازم نہیں کہ اس کا وجود واجب ہو تو پھر اس کے صدور میں ترجیح بلامرجح لازم آئے گی۔

تحقیق یہ ہے کہ نہ مطلقاً معتزلہ کا قول صحیح ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے نہ مطلقاً جبریہ کا قول صحیح ہے کہ بندہ مجبور محض ہے بلکہ حق ان دونوں کے درمیان ہے اور بندہ کا چاہنا اور اللہ کا چاہنا دونوں امر ثابت ہیں' علامہ کورانی نے کہا ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مختار ہے اور اپنے اختیار میں غیر مختار ہے' یعنی بندہ جو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسی کو پیدا کرتا ہے لیکن وہ اپنے چاہنے میں مختار نہیں ہے' وہ اسی فعل کو چاہتا ہے جس کو اللہ چاہتا ہے اور اس کو جو ثواب اور عذاب ہوتا ہے وہ اس کی نیک صلاحیت واقعیہ کی وجہ سے یا اس کی بدصلاحیت واقعیہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی فطرت اور اپنے مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے اور سبحان ہے وہ جس نے ہر چیز کی تخلیق کی' اس کو بھلائی اور بُرائی کا ادراک کرایا اور پھر اس کو ہدایت دی۔

(روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۸۸۔۲۸۷ ملخصاً وموضحاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حافظ سیوطی کی قدریہ کے ردّ میں اس آیت کی تقریر

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے قدریہ پر لعنت کی اور پھر لعنت کی' آپ نے تین بار اس طرح فرمایا (قدریہ اور معتزلہ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے) قدریہ کا قول نہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے موافق ہے اور نہ فرشتوں کے قول کے موافق ہے اور نہ شیطان کے قول کے موافق ہے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ (الدھر:۳۰) — تم وہی چاہتے ہو جس کو اللہ چاہتا ہے۔

فرشتوں نے کہا:

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ (البقرہ:۳۲) — ہمیں صرف اسی چیز کا علم ہے جس کا تو نے ہمیں علم عطا فرمایا ہے۔

اللہ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ؕ (ھود:۳۴)

میری نصیحت سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا خواہ میں تمہاری خیر خواہی چاہوں اگر اللہ تمہیں گم راہی میں مبتلا رکھنا چاہتا ہو' وہی تمہارا رب ہے' اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۝

اور اہل جنت نے کہا:

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ. (الاعراف:۴۳)

اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم خود سے ہدایت پانے والے نہ تھے۔

اور اہل دوزخ نے کہا:

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا. (المؤمنون:۱۰۶)

اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی۔

اور شیطان نے کہا:

رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ. (الحجر:۳۹)

اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گم راہ کیا ہے۔

نیز حافظ سیوطی لکھتے ہیں: امام ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو فرماتے: ہر آنے والی چیز قریب ہے' آنے والی چیز دور نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کسی عجلت کی وجہ سے کسی کام کو جلدی نہیں کرتا' جو اللہ چاہتا ہے نہ کہ وہ جو لوگ چاہتے ہیں' لوگ ایک چیز کا ارادہ کرتے ہیں اور اللہ کسی اور چیز کا ارادہ کرتا ہے' جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے خواہ لوگ ناپسند کریں' جس چیز کو اللہ قریب کر دے اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو اللہ دور کر دے اس کو کوئی قریب کرنے والا نہیں ہے اور اللہ کے اذن کے بغیر کوئی چیز واقع نہیں ہوتی۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۳۴۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

قدریہ کے رد میں احادیث اور آثار

اس موقف کی تائید میں درج ذیل احادیث اور آثار ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک تمام بنو آدم کے قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان قلب واحد کی طرح ہیں' وہ اس قلب کو جس طرح چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۴' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸ قدیم' مسند احمد ج ۱۱ ص ۱۳۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۰۲)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے قہر اور غلبہ اور دلوں پر تصرف کرنا اس طرح آسان ہے جس طرح کسی شخص کے لیے اس چیز پر تصرف کرنا آسان ہے جو اس کے ہاتھ میں ہو اور اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور مشیت کے اعتبار سے تصرف فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کے تصرف میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۸ ص ۱۴۲' دار الوفاء بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابی مالکی اندلسی متوفی ۸۲۸ھ نے بھی اس حدیث کی یہی شرح لکھی ہے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۸ ص ۲۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر کہا: میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شبہات ہیں' آپ مجھے ایسی حدیث بیان کیجئے جس سے اللہ تعالیٰ میرے دل سے ان شبہات کو زائل کر دے' حضرت ابی بن کعب نے کہا: اگر اللہ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے لیے ان کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تم اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو اس کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک قبول نہیں فرمائے گا' جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور جب تک کہ تم کو یہ یقین نہ ہو کہ جو مصیبت تم پر آئی ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت تم سے ٹل گئی وہ تم پر آ نہیں سکتی تھی اور اگر تم اس عقیدہ کے خلاف پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے' پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا' پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا' پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح حدیث روایت کی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۷' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۹۶۲' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۵۶۴' المستدرک ج ۲ ص ۵۴۴' مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۳ اقدیم' مسند احمد ج ۳۵ ص ۴۶۶۔ رقم الحدیث: ۲۱۵۸۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ میں تھے جو بقیع الغرقد میں تھا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر بیٹھ گئے' آپ کے پاس ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کریدنے لگے' پھر آپ نے اپنا سر اٹھا کر فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے کہ اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہے یا جنت میں ہے اور یہ لکھ دیا گیا ہے کہ وہ شخص بد بخت ہے یا نیک بخت ہے' لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے نبی! پس کیوں نہ ہم اس لکھے ہوئے پر قناعت کر لیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں' پس جو شخص نیک بختوں میں سے ہوگا وہ نیکوں میں سے ہو جائے گا اور جو شخص بد بختوں میں سے ہوگا وہ بدوں میں سے ہو جائے گا' آپ نے فرمایا: تم عمل کرتے رہو' ہر ایک کے لیے اس کا عمل آسان کر دیا جائے گا' جو نیک بختوں میں سے ہوگا اس کے لیے نیکی کو آسان کر دیا جائے گا اور جو بد بختوں میں سے ہوگا اس کے لیے بدی کو آسان کر دیا جائے گا' پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ؕ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ (اللیل: ۱۰۔۵)

پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور (اپنے رب سے) ڈرا ○ اور نیک بات کی تصدیق کی ○ تو ہم اس کے لیے نیک راستہ کو آسان کر دیں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور لاپرواہی کی ○ اور نیک بات کی تکذیب کی ○ تو ہم اس کے لیے (آخرت کی) تنگی کو آسان کر دیں گے ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۶۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸)

جبر وقدر کے مسئلہ میں علامہ خطابی کی تقریر

علامہ ابوسلیمان الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو یہ خبر دی کہ اس باب میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا' اور یہ ایسی چیز ہے جو ان چیزوں

کے مشابہ نہیں ہے جن کا تمہیں علم ہے اور آپ نے لوگوں کو یہ خبر دی کہ ان کے دنیا میں اعمال آخرت کے انجام کی علامت ہیں' پس جس شخص کے لیے نیک اعمال آسان کر دیئے گئے تو اس کے لیے آخرت میں کامیابی کی توقع ہے اور جس کے لیے بُرے کام آسان کر دیئے گئے اس کے لیے آخرت میں ہلاکت کا خطرہ ہے اور یہ علم ظاہر کے اعتبار سے علامات ہیں اور یہ کسی انجام کو واجب نہیں کرتیں' کیونکہ اللہ سبحانہ نے غیب کے علم کو اپنی مخلوق سے مخفی رکھا ہے' جس طرح اس نے وقت وقوعِ قیامت کو مخلوق سے مخفی رکھا ہے' پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کی بعض علامات بیان فرمائیں کہ اس زمانہ میں باندیوں سے ان کے مالک پیدا ہوں گے' اور تم دیکھو گے کہ ننگے پیر ننگے بدن فقراء بکریوں کو چرانے والے اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے' اسی طرح اس نے ظاہری اعمال کو اخروی انجام کی علامت بنا دیا۔

(معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۷ ص ۶۳۔ ۶۲' دار المعرفۃ' بیروت)

نیز علامہ ابو سلیمان الخطابی لکھتے ہیں:

جب یہ کہا جاتا ہے کہ قضاء و قدر اللہ کی جانب سے ہیں تو لوگ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہیں اور ان کا اپنے افعال میں کوئی اختیار نہیں ہے لیکن ان کا یہ گمان صحیح نہیں ہے' کیونکہ تقدیر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے عمل اور ان کے کسب کا پہلے سے علم ہوتا ہے اور خیر اور شر ہر چیز کو اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے اور جن افعال کو بندے اختیار کرتے ہیں ان کو بھی پیدا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (معالم السنن مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۷ ص ۶۹)

جبر و قدر کے مسئلہ میں علامہ ابن بطال کی تقریر

علامہ علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اہل سنت کے اس مؤقف کی دلیل ہے کہ سعادت اور شقاوت اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں' اس کے برخلاف قدریہ یہ کہتے ہیں کہ شر کو اللہ نے پیدا نہیں کیا اور اس حدیث میں جبریہ کا بھی رد ہے کیونکہ مجبور وہ شخص ہوتا ہے' جس سے کوئی فعل اس کی مرضی اور اس کی خواہش کے بغیر جبراً کرایا جائے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نیک بخت کے لیے نیک کام آسان کر دیئے جائیں گے اور بد بخت کے لیے بُرے کام آسان کر دیئے جائیں گے' اور کسی کام کو آسان کرنا اس کام پر مجبور کرنے کی ضد ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ان کاموں کو معاف فرما دیا جن کاموں پر ان کو مجبور کیا گیا تھا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۱۹۸' تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۸۲) اور کسی کام کو آسان کرنے کا معنی یہ ہے کہ انسان اس کام کو اپنی پسند اور اپنی خواہش کے موافق کرے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۳ ص ۳۴۹' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۰ھ)

جبر و قدر کے مسئلہ میں علامہ عینی کی تقریر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سائل سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں یا کوئی اور صحابی' سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ہر پیدا ہونے والے کے لیے جنت یا دوزخ میں ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے تو پھر ہم عمل کی مشقت کیوں اٹھائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل کرنے میں کوئی مشقت نہیں ہے کیونکہ جو شخص جس ٹھکانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اس کے لیے اس ٹھکانے کا عمل آسان کر دیا گیا ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب قضاء ازلی کا یہ تقاضا ہے تو پھر نیک کاموں پر تحسین اور ثواب اور بُرے کاموں کی مذمت اور ان پر عذاب کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تحسین اور مذمت اچھائی اور بُرائی کے محل ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے' اچھائی اور بُرائی کے فاعل ہونے کے اعتبار سے نہیں ہوتی' جیسے کسی اچھی چیز کی تعریف کی جاتی ہے اور بُری

چیز کی مذمت کی جاتی ہے اور رہا ثواب اور عقاب تو وہ باقی اُمور عادیہ کی طرح ہے اور جس طرح یہ کہنا درست نہیں ہے کہ لکڑی آگ میں ڈالنے سے کیوں جلتی ہے اور ابتداءً کیوں نہیں جلتی' اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ بندہ کو بُرے کام کرنے پر عذاب کیوں ہوتا ہے اور ابتداءً عذاب کیوں نہیں ہوتا۔

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ اسلوب سے جواب دیا ہے اور لوگوں کو تقدیر پر تکیہ کرنے اور عمل ترک کرنے سے منع کیا ہے اور ان کو یہ حکم دیا ہے کہ عبودیت کے تقاضے سے ان پر جو عبادات لازم ہیں ان عبادات کو ادا کریں اور اُمور الٰہیہ میں تصرف نہ کریں اور عبادت کرنے اور عبادت ترک کرنے کو جنت اور دوزخ میں دخول کا سبب مستقل نہ قرار دیں' بلکہ ان کو فقط جنتی اور دوزخی ہونے کی علامت قرار دیں۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی لوگوں کے جنتی یا دوزخی ہونے کو لکھ دیا ہے تو لوگوں نے یہ سمجھا کہ اس لکھے ہوئے کو عمل ترک کرنے کی حجت بنالیا جائے تو آپ نے انہیں یہ بتایا کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں' اور ایک چیز دوسری چیز کو باطل نہیں کرتی' ایک چیز باطنی ہے اور وہ علت موجبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور دوسری چیز علامت ظاہرہ ہے یعنی نیک اعمال کسی انسان کے جنتی ہونے کی ظاہری علامت ہیں اور آپ نے بتایا کہ ہر انسان کو جس ٹھکانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اس کے لیے اس ٹھکانے کا عمل آسان کر دیا ہے اور دنیا میں اس کا عمل اس کے آخرت کے ٹھکانے کی علامت ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا رزق مقدر کر دیا ہے' اس کے باوجود اس کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے حصول کے لیے کسب کرے اور کوشش کرے' اسی طرح ہر انسان کی مدت حیات مقدر کر دی ہے اس کے باوجود اس کو بیماریوں میں علاج کرنے کا حکم دیا ہے' اسی طرح قدرتی آفات اور مصائب بھی مقدر ہیں' اس کے باوجود ان کے ازالہ کے لیے دعا کرنے کا حکم ہے' پس جس طرح رزق کے مقدر ہونے کے باوجود اس کے حصول کے لیے کسب اور کوشش کو ترک نہیں کیا جاتا' اور موت کا وقت مقرر ہونے کے باوجود علاج کو ترک نہیں کیا جاتا اور مصائب کے مقدر ہونے کے باوجود ان کو دور کرنے کی دعاؤں کو ترک نہیں کیا جاتا' اسی طرح جنت یا دوزخ کے پیشگی مقدر ہونے کے باوجود ان کے حصول یا ان سے بچنے کی کوشش اور کسب کو ترک نہیں کیا جائے گا' خلاصہ یہ ہے کہ باطنی علت موجبہ کی وجہ سے ظاہری علامت کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۷۳-۲۷۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

جبر وقدر کے مسئلہ میں علامہ ابی مالکی کی تقریر

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی اندلسی متوفی ۸۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سائل کے سوال کی تقریر یہ ہے کہ جب ہر شخص کے آخرت کے ٹھکانے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے اور جس چیز کی قضاء ازل میں ہو چکی ہے' اس کا نافذ ہونا ضروری ہے تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ ہم عمل کرنے کو ترک کر دیتے ہیں' علامہ مازری نے کہا: اس شخص کو جو شبہ ہوا تھا وہی شبہ معتزلہ کو بھی ہوا اور انہوں نے کہا کہ بندہ اپنے اعمال کا خود خالق ہے' انہوں نے کہا: بندہ کی معصیت اور نافرمانی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی قضاء سے ہو تو بندہ کو اس معصیت پر عذاب دینا کس طرح درست ہوگا اور جب بندہ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کا فعل ہو اور اس کے پیدا کرنے سے ہو تو پھر بندہ سے اس کی اطاعت کو کیوں کر طلب کیا جائے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے شبہ کو زائل کیا اور اس شخص کے گمان کے برخلاف اس کو عمل کرنے کا حکم دیا اور اس کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے لیے نیک اعمال کو آسان کر دیا ہے اور بدکار لوگوں کے لیے بُرے اعمال کو آسان کر دیا ہے اور ہمارے نزدیک انسان اپنے افعال کا کسب کرتا ہے اور وہ اپنے افعال میں مجبور نہیں ہے' یعنی بندہ جس فعل

کو اختیار کرتا ہے اور اس کا ارادہ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے اعمال کو آخرت میں اس کے جنتی یا دوزخی ہونے کی علامت بنا دے۔ اس تقریر سے جس طرح اس شخص کا شبہ زائل ہوتا ہے' اسی طرح معتزلہ کا شبہ بھی زائل ہو جاتا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۱۵۔۱۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جبر و قدر کے مسئلہ میں علامہ نواوی کی تقریر

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اہل سنت کے مذہب پر واضح دلیل ہے کہ تقدیر ثابت ہے اور تمام افعال خواہ وہ خیر ہوں یا شر ہوں' نافع ہوں یا مضر ہوں' وہ سب اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے واقع ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ○ — اللہ سے (اس کے فعل کے متعلق) سوال نہیں کیا جائے گا اور لوگوں سے (ان کے افعال کے متعلق) سوال کیا جائے گا ○ (الانبیاء: ۲۳)

اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کوئی علت اور سبب نہیں ہے۔

امام ابو المظفر السمعانی المتوفی ۴۸۹ھ نے کہا ہے کہ اس باب کی معرفت کا طریقہ کتاب اور سنت پر موقوف ہے' اس کو قیاس اور محض عقل سے نہیں جانا جا سکتا' پس جو شخص کتاب اور سنت سے عدول کرے گا وہ گم راہ ہو جائے گا اور حیرت کے سمندر میں غرق ہو جائے گا اور وہ کسی ایسی چیز تک نہیں پہنچے گا جس سے اس کا دل مطمئن ہو کیونکہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے' ایک سر اور راز ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مخلوق سے مخفی رکھا ہے' ایک قول یہ ہے کہ جب لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو ان پر تقدیر کا مسئلہ منکشف ہو جائے گا اور اس سے پہلے منکشف نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور تقدیر پر تکیہ کر کے عمل ترک کرنے سے منع فرمایا ہے' بلکہ احکام شرعیہ پر عمل کرنا واجب ہے اور ہر شخص آخرت میں جس ٹھکانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اس پر آسان کر دیا جائے گا' قلم تقدیر کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے اور یہ لکھا ہوا لوحِ محفوظ میں ہے' اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی کیفیت اور صفت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور مخلوق اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۱۰ ص ۶۷۰۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

جبر و قدر کے مسئلہ میں علامہ قاضی عیاض کی تقریر

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عمل کرو' ہر شخص کے لیے وہ عمل آسان کر دیا جائے گا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اور آپ کا استدلال اس آیت سے ہے: "فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○" (اللیل: ۷) تو ہم اس کے لیے نیکی کو آسان کر دیں گے' اس حدیث اور اس آیت میں جبریہ کے خلاف حجت قاطعہ ہے اور اس کی تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کا جنت یا دوزخ میں ٹھکانا لکھ دیا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: بلکہ ان کی قضاء کر دی گئی اور اس کو ان میں نافذ کر دیا گیا ہے۔

ہمارے ائمہ محققین نے کہا ہے کہ ان احادیث کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس کا جاننے والا ہے کہ کون اس کی اطاعت کرے گا تو وہ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور کون اس کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا' اور جو شخص جنت یا دوزخ کا مستحق ہوتا ہے' اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے علم میں جنتی تھا تو وہ جنت کا مستحق ہو گیا یا وہ اللہ کے علم

میں دوزخی تھا تو وہ دوزخ کا مستحق ہو گیا اور نہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کی وجہ سے کسی شخص کو اپنی اطاعت یا معصیت پر مجبور کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے یہ علم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے یا اس کی معصیت کریں گے اور ان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو ان کے متعلق یہ علم ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے متعلق فرمایا:

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (الاحقاف:۱۴) یہ ان کے ان کاموں کی جزاء ہے جن کو وہ دنیا میں کرتے تھے ○

اور اہل دوزخ کے متعلق فرمایا:

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ○ (حٰم السجدہ:۲۸) یہ اس کی سزا ہے کہ وہ دنیا میں ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ○

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ○ (النجم:۳۱) تاکہ اللہ بُرے لوگوں کو ان کے بُرے کاموں کی سزا دے اور جن لوگوں نے نیک کام کیے ہیں ان کو ان کی نیکیوں کی جزا دے ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے حساب سے ثواب اور عذاب دیتا ہے' اور سب چیزوں کا اس کو پہلے سے علم ہوتا ہے' پس وہ جس پر رحم فرماتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے اور اس کے لیے نیک عمل آسان کر دیتا ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اور کفر کرتا ہے وہ اس کو رسوا اور ناکام کر دیتا ہے' پس اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کا حکم دیا اور بُرائیوں سے روکا تاکہ اس کی اطاعت کرنے والا' اس کی اطاعت کر کے جنت میں داخل ہو جائے اور اس کی نافرمانی کرنے والا اس کی نافرمانی کر کے دوزخ میں داخل ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کی آزمائش ہے تاکہ وہ دیکھے کہ بندے کیسا عمل کرتے ہیں اور یہ دیکھے کہ ان میں کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے اور تاکہ حکم دینے اور منع کرنے سے اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر حجت پوری ہو جائے اور بندوں کے لیے ان کی ہدایت کا راستہ یا گمراہی کا راستہ آسان ہو جائے اور مزین ہو جائے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ○ (اللیل:۱۰-۵) پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور (اپنے رب سے) ڈرا ○ اور نیک بات کی تصدیق کی ○ تو ہم اس کے لیے نیک راستہ آسان کر دیں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور لاپرواہی کی ○ اور نیک بات کی تکذیب کی ○ تو ہم اس کے لیے (آخرت کی) تنگی کو آسان کر دیں گے ○

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے متعلق فرمایا:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ○ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ (الحجرات:۸-۷) لیکن اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو پسندیدہ بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا اور کفر اور فسق اور معصیت کو تمہارے نزدیک ناپسندیدہ بنا دیا' یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ○ اللہ کے فضل اور اس کے انعام سے۔

اور کفار اور بدبختوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ؕ (النمل: ۴)

بے شک جولوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوش نما بنا دیا ہے' پس وہ بھٹک رہے ہیں ○

اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَہٗ سُوۡٓءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۫ۖ (فاطر: ۸)

پس کیا جس شخص کے لیے اس کے بُرے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں وہ ان (بُرے اعمال) کو اچھا سمجھنے لگتا ہے' سو بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گم راہی میں رکھتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

پس ان میں سے کوئی شخص بھی اپنے عمل میں مجبور نہیں ہے' جیسے جبریہ کہتے ہیں اور نہ ہی قدریہ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان جو چاہے وہ کرسکتا ہے خواہ اللہ چاہے یا نہ چاہے۔

جبر وقدر کے مسئلہ میں مصنف کی تقریر

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے' انسان کا بھی خالق ہے اور اس کے اعمال کا بھی خالق ہے اور وہ انسان کے اسی فعل کو پیدا کرتا ہے جس کو وہ اختیار کرتا ہے اور ارادہ کرتا ہے' اب سوال یہ ہے کہ انسان کے اختیار اور ارادہ کو کون پیدا کرتا ہے؟ اگر اس کے اختیار کو انسان پیدا کرتا ہے تو یہ قدریہ کا مذہب ہے اور اگر انسان کے اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے تو پھر یہ جبریہ کا مذہب ہے' متکلمین نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لیے کہا کہ اختیار اور ارادہ حال ہے اور حال ان کی اصطلاح میں بالذات موجود ہے نہ بالذات معدوم ہے اور ایسی چیز خلق کے تحت نہیں آتی' احداث کے تحت آتی ہے' لہٰذا اختیار اور ارادہ کا خلق نہیں ہوتا کہ جبر لازم آئے بلکہ اس کا احداث ہوتا ہے اور اختیار اور ارادہ کا محدث خود انسان ہے اور بعض متکلمین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اختیار اور ارادہ کے سوا اس کے تمام افعال کا خالق ہے اور قرآن مجید میں ہے:

قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ ۔ (الرعد: ۱۶)

آپ کہیے: اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

اس آیت میں ہر چیز کے عموم سے انسان کا اختیار اور ارادہ مستثنیٰ ہے' یعنی انسان کے اختیار کے سوا اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے لیکن یہ دونوں جواب اقناعی ہیں تحقیقی نہیں ہیں' ان سے اصل اشکال کی گرہ نہیں کھلتی لیکن اگر ان جوابوں کو نہ مانا جائے تو پھر جبر لازم آئے گا' اور اگر جبر کو مان لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ انسان کے ارادہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور انسان مجبور محض ہے تو پھر سوال ہوگا کہ جب انسان کو نیکی کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی کرنے اور بُرائی ترک کرنے کا حکم کیوں دیا اور اس حکم کو پہنچانے کے لیے نبی اور رسول کیوں بھیجے' کتابیں کیوں نازل کیں' جنت اور دوزخ کیوں بنائی' حساب اور کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ نیز ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ ہم جو بھی کام کرتے ہیں اپنی مرضی اور خوشی سے کرتے ہیں حالانکہ جبر میں تو زبردستی کرایا جاتا ہے' پھر جب اہل قدر کی بات صحیح ہے نہ اہل جبر کی تو پھر ہمیں اس اشکال کو حل کرنے کے درپے نہیں ہونا چاہیے' جیسا کہ علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ عقدہ ہم سے دنیا میں حل نہیں ہوگا' آخرت میں ہم پر یہ مسئلہ منکشف ہو جائے گا' تاہم یہ سوال پھر بھی ہوگا کہ اس مسئلہ میں ہمارا کیا عقیدہ ہونا چاہیے؟ تو ہمارے لیے اجمالی طور پر اتنا مان لینا کافی ہے کہ ہمارا اور ہمارے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ہم احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے میں مجبور نہیں ہیں' ہم اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور ہمیں یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے۔ ہم چونکہ تمام کام اپنے اختیار سے کرتے ہیں اس لیے جبر نہیں ہے اور چونکہ ہمیں یہ اختیار اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے' اس لیے قدر نہیں ہے۔ ہم ان دقیق

ابحاث میں نہیں پڑتے کہ اس اختیار کی کیا صفت ہے اور کیا کیفیت ہے؟ ہم نے اس مسئلہ میں جن مشاہیر مفسرین اور محدثین کی تحقیقات پیش کی ہیں' ان کا بھی یہی مآل ہے۔

الدھر: ۳۱ میں فرمایا: وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

جنت میں دخول کا ظاہری اور حقیقی سبب

اس آیت میں رحمت سے مراد ایمان ہے یا جنت ہے' سو اس آیت کا معنی ہے: وہ جس کو چاہتا ہے ایمان میں داخل فرماتا ہے' یعنی ازل میں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایمان لائے گا اس کو ایمان میں داخل فرمائے گا' یا رحمت سے مراد جنت ہے' سو اس کا معنی ہے: جنت میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے' اور اس کے فضل اور احسان سے ہے' بندے کے نیک اعمال کے سبب سے اور اس کے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل جنت میں دخول کا سبب حقیقی ہے اور جن آیات میں جنت کا دخول اعمال کے سبب سے فرمایا ہے' اس سے مراد سبب ظاہری اور سبب صوری ہے۔

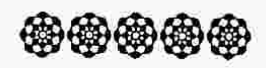
اور فرمایا ہے: اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے لوگوں کے لیے فیصلہ فرما دیا ہے' نیکوکاروں کے لیے جنت میں دخول مقدر کر دیا ہے اور کفار اور فجار کے لیے دوزخ تیار کر دی ہے۔

سورۃ الدھر کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۸ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ/ ۱۶ جولائی ۲۰۰۵ء بہ روز ہفتہ بعد از نمازِ ظہر سورۃ الدھر کی تفسیر مکمل ہو گئی' ۲۷ جون کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح انیس دن میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ اے میرے رب! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور شرح صحیح مسلم اور تفسیر تبیان القرآن کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھیں اور میری اور میرے والدین کی اور تمام قارئین کی مغفرت فرمائیں۔

آج آٹھ ربیع الثانی ہے' آج ہی کی تاریخ کو دو سال پہلے میری والدہ محترمہ کی وفات ہوئی تھی' آج ان کی دوسری برسی ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میری امی کو پہنچا دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین وعلٰی آلہٖ واصحابہ وازواجہ وذریتہ وامتہ اجمعین۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

سورۃ المرسلات

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المرسلات ہے اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت کا پہلا لفظ ہے اور اس سورت کا نام اس کے ایک جز پر رکھ دیا ہے' اس سورت کی ابتدائی چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مختلف النوع ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھائی ہے:

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًاۙ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًاۙ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًاۙ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًاۙ (المرسلات: ۴۔۱)

ان ہواؤں کی قسم جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں○ پھر ان ہواؤں کی قسم جو بہت تیز چلتی ہیں○ پھر ان ہواؤں کی قسم جو (بادلوں کو) پھیلاتی ہیں○ پھر ان فرشتوں کی قسم جو حق اور باطل کو جدا کرنے والے ہیں○

امام بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں عکرمہ اور الحسن سے روایت کیا ہے کہ سورۃ المرسلات مکہ میں نازل ہوئی' حافظ سیوطی نے بھی ''الاتقان'' میں اسی طرح لکھا ہے' جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو ابتداء میں مکہ میں نازل ہوئیں تھیں' کیونکہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں چھپے ہوئے تھے۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۷۷ ہے۔ اس سو...(ت) میں) ایک آیت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ○ (المرسلات: ۴۸)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے○

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے مشرکین کا ذکر ہے اور مشرکین سے نماز پڑھنے کے لیے نہیں کہا جاتا تھا' بلکہ ایمان لانے کے لیے کہا جاتا تھا لیکن اس بنیاد پر اس سورت کو مدنی قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کی توجیہ یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اور پھر نماز پڑھو' اس کی پوری بحث المدثر: ۴۴۔۴۳ میں گزر چکی ہے۔ (التحریر والتنویر جز ۲۹ ص ۴۱۸' تیونس)

سورت المرسلات کے متعلق احادیث

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت سورۃ المرسلات نازل ہوئی' اس وقت ہم آپ کے ساتھ تھے اور ہم آپ کے منہ سے سن کر اس سورت کو یاد کر رہے تھے' اس وقت ایک سانپ نکلا' ہم اس کو مارنے کے لیے دوڑے' وہ جلدی سے ایک سوراخ میں گھس گیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچ گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچ گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۳۴)

حضرت عمر نے فرمایا: یہ واقعہ منیٰ کے ایک غار میں پیش آیا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۳۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غار میں تھے' اس وقت آپ پر سورۃ المرسلات نازل ہوئی' ہم نے آپ کے منہ سے اس سورت کو سن کر یاد کیا' اس وقت آپ کا منہ اس سورت کی تلاوت سے تر تھا' پھر اچانک ایک سانپ نکل آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس سانپ کو مار ڈالو' ہم اس کی طرف جھپٹے' وہ ہم سے نکل گیا' آپ نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچ گیا جس طرح تم اس کے شر سے بچ گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ان سے سنا: وہ ''وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا'' پڑھ رہے تھے' وہ کہنے لگیں: اے میرے بیٹے! اللہ کی قسم! تمہارے اس سورت کی تلاوت کرنے نے مجھے یاد دلا دیا کہ یہ وہ آخری سورت ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۶۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۱۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۰۸' سنن نسائی رقم الحدیث:۹۸۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۳۱)

حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

امام ابن مردویہ عمرو بن شعیب سے' وہ اپنے والد محمد اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہواؤں کی آٹھ اقسام ہیں' ان میں سے چار قسمیں عذاب کی ہیں اور چار قسمیں رحمت کی ہیں' پس جو ہوائیں عذاب کی ہیں' وہ یہ ہیں: (۱) العاصف (۲) الصرصر (۳) العقیم (۴) القاصف اور جو ان میں سے رحمت کی ہیں' وہ یہ ہیں: (۱) الناشرات (۲) المبشرات (۳) المرسلات (۴) الذاریات۔ اللہ تعالیٰ مرسلات کو بھیجتا ہے' وہ بادل کو پھیلا دیتی ہے' پھر مبشرات کو بھیجتا ہے' وہ بادلوں میں پانی داخل کرتی ہیں' پھر ذاریات کو بھیجتا ہے' وہ بادل کو اٹھاتی ہیں اور اس سے پانی ٹپکاتی ہیں' پھر بارش ہوتی ہے پھر ناشرات کو بھیجتا ہے' وہ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہاں بادل کو لے جاتی ہیں۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۳۵۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

جو چار عذاب کی ہوائیں ہیں' ان کے معانی حسب ذیل ہیں:

(۱) العاصفات کا معنی ہے: بہت تیز چلنے والی ہوائیں' آندھیاں (۲) الصرصر' بہت تیز چلنے والی آندھی یا بہت سرد ہوا (۳) العقیم' وہ ہوا جو بے برکت اور بے فیض ہو (۴) القاصف' نہایت تیز اور شدید گرج دار ہوا۔

سورۃ المرسلات کے مشمولات

☆ جس طرح عموماً مکی سورتوں میں قیامت' حشر ونشر اور احوال آخرت بیان کیے جاتے ہیں' اسی طرح المرسلات میں بھی ان مضامین کو بیان کیا گیا ہے' اور مرنے کے بعد زندہ کرنے پر دلائل قائم کیے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنی توحید پر دلائل قائم کیے ہیں' کفار اور مؤمنین کے اخروی انجام کو بیان فرمایا ہے' کفار کو ان کے بعض اعمال پر ملامت کی ہے اور بعض اُمورِ غیبیہ بیان فرمائے ہیں۔

☆ المرسلات: ۷۔۱ میں ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر قیامت کا واقع ہونا بیان کیا ہے۔

☆ المرسلات: ۱۵۔۸ میں وقت وقوع قیامت کی علامات بیان فرمائی ہیں۔

☆ المرسلات: ۲۸۔۱۶ میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر اپنی قدرت کو دلائل سے بیان فرمایا ہے اور گزشتہ اُمتوں کی ہلاکت کو بیان فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے انکار پر کفار کو ڈرایا اور دھمکایا ہے۔

☆ المرسلات: ۴۰۔۲۹ میں مجرمین کا ٹھکانا اور کافروں کا عذاب بیان فرمایا ہے۔

☆ المرسلات: ۴۵۔۴۱ میں مؤمنین متقین کی نعمتوں کا بیان فرمایا ہے اور دائمی جنتوں میں اللہ تعالیٰ نے جو متعدد انواع سے اپنا فضل اور احسان فرمایا ہے اور ان کی تکریم کی ہے' اس کا بیان فرمایا ہے۔

☆ المرسلات: ۵۰۔۴۶ میں کفار کے بعض اعمال پر ان کو سرزنش کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ محض اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ رہے ہیں۔

سورۃ المرسلات کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ المرسلات کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صداقت پر قائم رکھنا اور باطل اور ناحق سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' بلاک ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ جولائی ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴





سورة المرسلات مكية (۷۷) | بسم الله الرحمن الرحيم | اياتها ۵۰ ركوعاتها ۲

سورۃ المرسلات مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پچاس آیات اور دو رکوع ہیں

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ

ان ہواؤں کی قسم جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں ○ پھر ان ہواؤں کی قسم جو بہت تیز چلتی ہیں ○ پھر ان ہواؤں کی قسم جو (بادلوں کو)

نَشْرًا ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ

پھیلاتی ہیں ○ پھر ان فرشتوں کی قسم جو حق اور باطل کو جدا کرنے والے ہیں ○ پھر ان فرشتوں کی قسم جو (دلوں میں) ذکر ڈالنے والے ہیں ○

نُذْرًا ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾

حجت قائم کرنے کی وجہ سے یا عذاب سے ڈرانے کی وجہ سے ○ بے شک جس (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے ○ پس

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا

جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے ○ اور آسمان کو چیر دیا جائے گا ○ اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیئے جائیں گے ○ اور جب

الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾

رسولوں کے حاضر ہونے کا وقت آ جائے گا ○ کس دن کے لیے مدت مقرر کی گئی تھی؟ ○ فیصلہ کے دن کے لیے ○

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور آپ کیا سمجھے کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ ○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

کیا ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا تھا؟ ○ پھر ہم ان کے بعد والے لوگوں کو لاتے رہے ○

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ

ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں ○ اس دن تکذیب

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾

کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ○

فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ق

پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا ○ ایک مدت معین تک ○ پھر ہم نے اندازہ کیا

فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ

سو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں ○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ کیا ہم نے

نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا

زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا ○ زندوں اور مُردوں کے لیے ○ اور ہم نے

فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾

اس میں بلند اور بھاری پہاڑ بنا دیئے اور تم کو میٹھا پانی پلایا ○

وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ

اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ چلو اس (دوزخ) کی طرف جس کو تم

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ

جھٹلاتے تھے ○ چلو اس (دھوئیں) کے سائے کی طرف جو تین شاخوں

شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِیْ

والا ہے ○ وہ نہ (ٹھنڈا) سایا فراہم کرنے والا ہے نہ شعلہ سے بچاتا ہے ○ بے شک دوزخ محل

بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ

کے برابر انگارے پھینکتی ہے ○ گویا وہ زرد اونٹ ہیں ○ اس دن تکذیب کرنے

لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ

والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ یہ وہ دن ہے جس میں وہ (نفع آور) بات نہ کرسکیں گے ○ اور نہ انہیں عذر پیش

فَیَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا یَوْمُ

کرنے کی اجازت دی جائے گی ○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ یہ فیصلہ کا

الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ

دن ہے‘ جس میں ہم نے تم کو اور پہلوں کو جمع کیا ہے O اگر تم کوئی چال چلنا چاہتے ہو تو

فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

میرے خلاف چال چلو O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

ع ۱ ۲۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان ہواؤں کی قسم جو مسلسل بھیجی جاتی ہیں O پھر ان ہواؤں کی قسم جو بہت تیز چلتی ہیں O پھر ان ہواؤں کی قسم جو (بادلوں کو) پھیلاتی ہیں O پھر ان فرشتوں کی قسم جو حق اور باطل کو جدا کرنے والے ہیں O پھر ان فرشتوں کی قسم جو (دلوں میں) ذکر ڈالنے والے ہیں O حجت قائم کرنے کی وجہ سے یا عذاب سے ڈرانے کی وجہ سے O بے شک جس (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے O (المرسلات: ۷۔۱)

جن پانچ چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ جس قیامت کے واقع ہونے کا اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے‘ وہ ضرور آنے والی ہے‘ ان پانچ چیزوں کے ناموں کا اللہ تعالیٰ نے ذکر نہیں فرمایا‘ لیکن ان کی صفات کا ذکر فرمایا ہے‘ اور ان کے موصوف کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے‘ بعض نے کہا: ان کا موصوف ہوائیں ہیں‘ بعض نے کہا: ان کا موصوف فرشتے ہیں‘ بعض نے کہا: ان کا موصوف قرآن مجید ہے‘ بعض نے کہا: ان کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہیں اور جمہور مفسرین نے یہ کہا کہ پہلی تین صفات کا موصوف ہوائیں ہیں اور بعد کی دو صفات کا موصوف فرشتے ہیں‘ امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر وغیرہم کا یہی مختار ہے اور ہم نے بھی اسی کے موافق ان آیات کا ترجمہ کیا ہے‘ ہم پہلے ان صفات کے معانی ذکر کریں گے‘ پھر ہر احتمال کے موافق ان آیات کا محمل بیان کریں گے۔

المرسلات: ۵۔۱ کے الگ الگ محامل

المرسلات: ۱ میں فرمایا: ”وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا“ ”المرسلات“ کا معنی ہے: جن کو بھیجا گیا ہو‘ خواہ وہ ہوائیں ہوں یا فرشتے ہوں یا قرآن مجید ہو یا انبیاء علیہم السلام ہوں اور ”عرفًا“ کے دو معنی ہیں: نیکی اور تواتر اور تسلسل۔ اب اگر اس کا معنی نیکی اور بھلائی ہو اور اس صفت کا موصوف ہوائیں ہوں تو اس کا معنی ہے: جو ہوائیں نیکی اور بھلائی کے ساتھ چلتی ہیں‘ اور اگر اس صفت کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنی ہے: وہ فرشتے جو مسلمانوں کے پاس اللہ کی رحمت لے کر پہنچے اور اگر اس کا موصوف قرآن مجید ہو تو اس کا معنی ہے: قرآن مجید جو رحمت کے ساتھ نازل کیا گیا‘ اور اگر اس کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہوں تو وہ رحمت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں اور وہ ”عرفًا“ یعنی معروف کاموں کی تلقین اور تبلیغ کرتے ہیں۔

اور اگر ”عرفًا“ کا معنی تواتر اور تسلسل ہو اور اس کا موصوف ہوائیں ہوں تو اس کا معنی ہے: وہ ہوائیں جو مسلسل چلائی جاتی ہیں اور اگر اس کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنی ہے: وہ فرشتے جن کو مسلسل بھیجا گیا اور اگر اس کا موصوف قرآن مجید ہو تو اس کا معنی ہے: قرآن مجید کی آیات جو تواتر کے ساتھ نازل کی گئیں اور اگر اس کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہوں تو اس کا معنی ہے: وہ انبیاء علیہم السلام جو مسلسل ہدایت دینے کے لیے آتے رہے۔

المرسلات: ۲ میں فرمایا: ''فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا''۔ ''عاصف'' کا معنی ہے: تند و تیز ہوا' آندھی' اگر اس کا موصوف ہوا ہو تو پھر اس کا معنی ظاہر ہے کہ سخت آندھی چیزوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے' جیسے سخت اور تیز آندھی نے قومِ عاد کو ہلاک کر دیا تھا اور اگر اس کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنی ہے: وہ فرشتے جو تیزی کے ساتھ آندھی کی طرح آئے یا وہ آندھی کی طرح تیزی سے کفار کی روحوں کو لے گئے' اور اگر اس کا موصوف قرآن ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ اگرچہ ابتداء میں قرآن کا نظام ضعیف ہوتا ہے لیکن وہ بہ تدریج آندھی کی طرح شدید ہو جاتا ہے اور باطل کے تمام مکر اور سازشوں کو اُڑا کر لے جاتا ہے اور اگر اس کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہوں تو اس کا معنی ہے: ابتداء میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور تبلیغ میں نرمی ہوتی ہے' پھر بہ تدریج ان کی تعلیم اور تبلیغ میں شدت اور سختی آتی جاتی ہے۔

المرسلات: ۳ میں فرمایا: ''وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا''۔ ''نشر'' کا معنی پھیلانا ہے' اگر اس کا موصوف ہوائیں ہوں تو اس کا معنی ہے: وہ ہوائیں جو بادلوں کو پھیلا کر بارش لاتی ہیں اور اگر اس کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنی ہے: وہ فرشتے جو زمین پر اترنے کے لیے اپنے پر پھیلاتے ہیں یا احکامِ شرعیہ کو زمین میں پھیلاتے ہیں یا وہ فرشتے جو قیامت کے دن لوگوں کے صحائف اعمال کو پھیلائیں گے اور اگر اس کا موصوف قرآن مجید ہو تو اس کا معنی ہے: قرآن مجید کی آیات نے حکمت' ہدایت اور نصیحت کو تمام دنیا کے لوگوں کے دلوں میں پھیلا دیا اور اگر اس کا موصوف انبیاء ہوں تو اس کا معنی ہے: انبیاء علیہم السلام نے اپنے دین اور اپنی شریعت کو تمام دنیا میں پھیلا دیا۔

المرسلات: ۴ میں فرمایا: ''فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا''۔ ''الفارقات'' کا معنی ہے: فرق کرنے والے اور جدا جدا کرنے والے' اگر اس کا موصوف ہوائیں ہوں تو اس کا معنی ہے: وہ ہوائیں جو بادلوں کو پھاڑ کر اس کے ٹکڑے جدا جدا کر دیتی ہیں اور اگر اس کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنی ہے: وہ فرشتے جو حق اور باطل کے درمیان تفریق کر دیتے ہیں' اور اگر اس کا موصوف قرآن مجید ہو تو قرآن مجید کی آیات بھی حق اور باطل کے درمیان تفریق کر دیتی ہیں اور اگر اس کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہوں تو وہ بھی حق اور باطل اور توحید اور الحاد کے درمیان فرق کر دیتے ہیں۔

المرسلات: ۵ میں فرمایا: ''فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا''۔ ''الملقيٰت'' کا معنی ہے: پیش کرنے والے' پہنچانے والے' اگر اس کا موصوف ہوائیں ہوں تو اس کا معنی یہ ہے کہ عقل والا یہ دیکھے گا کہ جب زور کی آندھی چلتی ہے تو وہ بڑے بڑے پتھروں اور چٹانوں کو منہدم کر دیتی ہے' مضبوط اور تناور درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے' سمندر میں موجوں کو اٹھا کر طوفان لے آتی ہے' سو ان اُمور کا مشاہدہ کر کے وہ خوف زدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اس کے ذکر کی پناہ میں آئے گا اور اس طرح یہ معنی صادق آئے گا کہ ہوائیں دلوں میں اللہ کے ذکر کو ڈالتی ہیں' اور اگر اس کا موصوف فرشتے ہوں تو اس کا معنی ہے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے ذکر کو انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں اور اگر اس کا موصوف قرآن مجید ہو تو پھر اس کا معنی ظاہر ہے کیونکہ قرآن مجید کی آیات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہیں' اور اگر اس کا موصوف انبیاء علیہم السلام ہوں تو اس کا معنی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی دعوت دیتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی طرف راغب کرتے ہیں۔

المرسلات: ۶ میں فرمایا: حجت قائم کرنے کی وجہ سے یا عذاب سے ڈرانے کی وجہ سے O

رسولوں کو مبعوث فرمانے کی حکمت

یعنی جو فرشتے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے پیغام کو انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں یا انبیاء علیہم السلام مخلوق کو اللہ تعالیٰ

کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں' وہ اس لیے ہے کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے تا کہ کل قیامت کے دن جب کسی شخص سے پوچھا جائے: تم اللہ تعالیٰ پر ایمان کیوں نہیں لاتے یا تم نے بُرے اعمال ترک کیوں نہیں کیے یا نیک اعمال کیوں نہیں کیے؟ تو وہ یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچے ہی نہیں تھے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ. (النساء: ۱۶۵) — ہم نے ثواب کی بشارت دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے تا کہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے۔

یا رسولوں کو اس لیے احکام دے کر لوگوں کے پاس بھیجا کہ وہ ان کو عذاب سے ڈرا کر بُرے اعمال ترک کرنے اور نیک اعمال کرنے پر آمادہ کریں۔

المرسلات: ۷ میں فرمایا: بے شک جس (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے O

اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے وعدہ کا پورا ہونا

یہ اس سے پہلی کھائی ہوئی قسموں کا جواب ہے' یعنی ہواؤں' فرشتوں' قرآن اور نبیوں کی قسم! تم سے جس قیامت کے وقوع کا وعدہ کیا گیا وہ ضرور واقع ہونے والی ہے' یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم کو جس عذاب سے ڈرایا گیا تھا' اگر تم اللہ پر ایمان نہ لائے تو وہ عذاب تم پر ضرور واقع ہوگا' یا تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا کہ تم کو مرنے کے بعد ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا' سو تم سے کیا ہوا وہ وعدہ ضرور پورا کیا جائے گا' اس کے بعد کی آیتوں میں قیامت کے وقوع کی علامات بیان فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے O اور آسمان کو چیر دیا جائے گا O اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دیئے جائیں گے O اور جب رسولوں کے حاضر ہونے کا وقت آ جائے گا O کس دن کے لیے مدت مقرر کی گئی تھی O فیصلہ کے دن کے لیے O اور آپ کیا سمجھے کہ فیصلہ کا دن کیا ہے O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O (المرسلات: ۱۵۔۸)

قیامت کے وقوع کی علامات

اس سے پہلی آیت میں قیامت کے وقوع کا بیان فرمایا تھا اور ان آیات میں قیامت کے وقوع کی علامات بیان فرمائی ہیں:

المرسلات: ۸ میں "طمست" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: مٹا دینا اور نیست و نابود کر دینا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ (الانفطار: ۲) — اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O

اور اس کا معنی مٹانا اور بے نور کرنا بھی ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۙ (التکویر: ۲) — اور جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے O

المرسلات: ۹ میں فرمایا: اور آسمان کو چیر دیا جائے گا O

اس آیت میں "فرجت" کا لفظ ہے "فرج" کا معنی پھاڑنا اور شق کرنا ہے' قرآن مجید میں آسمانوں کے پھٹنے کا ذکر ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۙ (الانشقاق: ۱) — اور جب آسمان شق ہو جائے گا O

وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ. (الفرقان: ۲۵) — اور جس دن آسمان بادلوں سمیت پھٹ جائے گا۔

المرسلات: ۱۰ میں فرمایا: اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دیئے جائیں گے O

اس آیت میں ''نسفت'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: کسی چیز کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دینا' قرآن مجید میں ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں پس آپ کہیے کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا ۝ (طٰہٰ:۱۰۵)

المرسلات:۱۱ میں فرمایا: اور جب رسولوں کے حاضر ہونے کا وقت آجائے گا ۝

اس آیت میں ''اقتت'' کا لفظ ہے' یہ اصل میں ''وقتت'' ہے اور ''وقت'' سے بنا ہے' مجاہد اور زجاج نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد وہ وقت ہے جس میں رسول اپنی امت کے لیے گواہی پر پیش ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ وقت ہو جب انبیاء علیہم السلام حصول ثواب کے لیے جمع ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ وقت ہو جب رسولوں کی امتوں سے پوچھا جائے گا کہ جب انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کی تو انہوں نے کیا جواب دیا؟ اور رسولوں سے بھی سوال کیا جائے گا' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ پس ہم ان سے ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے ۝ (الاعراف:۶)

اور یہ وہ وقت ہو گا جب نبی علیہ السلام جنت اور دوزخ کا' صحائف اعمال کے پیش کرنے کا' حساب کا' میزان پر اعمال کے وزن کا اور قیامت کے تمام اُمور کا مشاہدہ کریں گے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ اور قیامت کے دن آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے' کیا تکبر کرنے والوں کا جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟ ۝ (الزمر:۶۰)

کفارِ قریش کو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرانا

المرسلات:۱۲ میں فرمایا: کس دن کے لیے مدت مقرر کی گئی تھی؟ ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی عظمت کو بیان فرمایا ہے' اس دن کو اللہ تعالیٰ نے کیوں مؤخر فرمایا' تا کہ تمام لوگوں کے اعمال اور ان کے اعمال کے ذرائع اور وسائل منقطع ہو جائیں اور پھر لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاء اور سزا دی جائے' جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکذیب کی' ان کو سزا دی جائے اور جن لوگوں نے اس کی توحید کی تصدیق کی ان کو جزا دی جائے' اس دن قیامت کی ہولناکیاں ظاہر ہوں گی اور لوگوں کے سامنے ان کے صحائف اعمال میزان پر پیش کیے جائیں گے۔

المرسلات:۱۳ میں فرمایا: فیصلہ کے دن کے لیے ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس دن رحمٰن مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر کر لیا گیا ہے ۝ (الدخان:۴۰)

المرسلات:۱۴ میں فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ ۝

یعنی آپ کو فیصلہ کے دن کی شدت اور اس کی ہولناکیوں کو کس نے بتایا ہے؟

المرسلات:۱۵ میں فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ۝

''ویل'' کا معنی

یعنی جولوگ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید کی تکذیب کرتے تھے اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے پیغام اور ان کی دی ہوئی خبروں کی تکذیب کرتے تھے اور قیامت کی اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کی تکذیب کرتے تھے ان کے لیے ''ویل'' ہے یعنی عذاب ہلاکت اور رسوائی ہے۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ ''ویل'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت نعمان بن بشیر نے کہا کہ ''ویل'' جہنم میں ایک وادی ہے جس میں انواع واقسام کا عذاب ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب دوزخ کی آگ شکستہ ہوگی تو دوزخ کا ایک انگارہ لے کر اس پر مارا جائے گا اور پھر دوزخ کی آگ ایک دوسرے کو کھا جائے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے جہنم کو پیش کیا گیا تو میں نے ویل سے بڑی اس میں کوئی وادی نہیں دیکھی' اور یہ بھی روایت ہے کہ ویل وہ جگہ ہے جس میں تمام دوزخیوں کی قے اور ان کی پیپ کو جمع کیا جائے گا اور اس میں سے تھوڑی تھوڑی پیپ بہتی رہے گی۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۲۷۸۴۵) اور لوگوں کو معلوم ہے کہ سب سے بُری اور گندی جگہ وہ ہوتی ہے جہاں پر بدبودار نجاست اور غلاظت اور بول اور براز کو ڈالا جائے' سو تمام دوزخیوں کی بدبودار نجاستوں اور غلاظتوں کو دوزخ کی اس وادی میں ڈالا جائے گا' جس کا نام ویل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۲۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا تھا؟ O پھر ہم ان کے بعد والے لوگوں کو لاتے رہے O ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ O پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ پر رکھا O ایک مدت معین تک O پھر ہم نے اندازہ کیا سو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O (المرسلات: ۲۴۔۱۶)

کفارِ قریش کو گزشتہ کافروں کی ہلاکت اور عذاب سے ڈرانا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہلی امتوں میں جتنے بھی کفار تھے ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا' پھر ان کے بعد جو کفار آئیں گے ان کو بھی ہم پہلوں کے ساتھ ملا دیں گے اور ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں' جیسا کہ جنگ بدر میں ستر مشرکین قتل کر دیئے گئے اور بعد میں جو لوگ کفر پر مر گئے' ان کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا اور یہ کفار اگرچہ دنیا میں ہلاک کر دیئے گئے یا ان کو دنیا میں عذاب دیا گیا' لیکن سب سے بڑا عذاب ان کو قیامت کے دن ہوگا' اسی لیے المرسلات: ۱۹ میں فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

المرسلات: ۲۴۔۲۰ میں فرمایا: کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ O پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا O ایک مدت معین تک O پھر ہم نے اندازہ کیا سو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

کفارِ قریش کو حیات بعد الموت پر قدرت سے ڈرانا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس نے تم کو ابتداءً پیدا فرمایا ہے' سو وہ تم کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے' سو جب وہ تم کو دوبارہ پیدا کرے گا پھر اس نے تم کو جو نعمتیں عطا کی ہیں' ان کے مقابلہ میں تمہاری اطاعتوں اور عبادتوں کا حساب لے گا۔

اس نے تم کو حقیر پانی کی بوند سے پیدا فرمایا' پھر اس نے تم کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا اور وہ جگہ رحم ہے کیونکہ جس پانی سے بچہ پیدا ہوتا ہے وہ پانی رحم میں رہتا ہے اور جس پانی سے بچہ پیدا نہیں ہوتا وہ رحم سے خارج ہو جاتا ہے' اور رحم میں وہ ایک معین مدت تک رہتا ہے اور وہ مدت وقت ولادت ہے اور کتنی مدت میں بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے' پھر فرمایا: پھر ہم نے اندازہ کیا سو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ بچہ کی پیدائش کے لیے جس مدت کا اندازہ فرماتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور بہت بڑا احسان ہے' عام طور پر حمل کی مدت نو ماہ ہوتی ہے' اس مدت میں پیٹ میں بچہ بہ تدریج نشو ونما کے مراحل طے کرتا ہے اور اس کی ماں بہ تدریج اس کا بوجھ اٹھانے کی عادی ہو جاتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے' ورنہ اگر استقرار نطفہ کے فوراً بعد ۴ پونڈ کا بچہ بن جاتا تو عورت کو اچانک اس بوجھ کو اٹھانے میں بھی بڑی تکلیف ہوتی اور وضع حمل کے وقت بھی بہت تکلیف ہوتی' اخیر میں پھر فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہ تدریج پیدائش کی جو نعمت عطا کی ہے' اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا O زندوں اور مردوں کے لیے O اور ہم نے اس میں بلند اور بھاری پہاڑ بنا دیئے اور تم کو میٹھا پانی پلایا O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O (المرسلات: ۲۸۔۲۵)

کفارِ قریش کو ان کے اندر رکھی ہوئی نعمتوں اور ان کے باہر رکھی ہوئی نعمتوں کے شکر ادا نہ کرنے کے عذاب سے ڈرانا

المرسلات: ۲۵ میں ''کفاتا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: سب کو سمیٹنے کی جگہ' زمین زندہ انسانوں کو اپنے اوپر سمیٹے ہوئے ہے اور مردہ انسانوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے' مکان زندہ انسانوں کو سمیٹتے ہیں اور قبریں مردہ انسانوں کو سمیٹتی ہیں ''کفت'' کا معنی ہے: ظرف اور زمین زندہ اور مردہ انسانوں کا ظرف ہے ''کفات'' جمع کرنے کے مقام کو بھی کہتے ہیں اور زمین زندہ اور مردہ انسانوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ لغت میں ''کفت'' کا معنی ہے: کسی چیز کا رخ پھیر دینا' پنجے میں دبوچ لینا' جمع کرنا' حفاظت کرنا' اڑنے کے ارادہ سے پرندہ کا بازو سمیٹنا' روک کے رکھنا' حدیث میں ہے: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خمروا الانية واوكئوا الاسقية واجيفوا الابواب واكفتوا صبيانكم بالليل.

برتن ڈھانپ کر رکھو' مشکوں کا منہ باندھ کر رکھو' دروازے بند رکھو اور رات کو بچوں کو روک کے رکھو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۱۶) (المفردات ج ۲ ص ۵۵۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کا ذکر فرمایا کیونکہ ہمارے باہر کی چیزوں میں جو چیز ہم سے سب سے زیادہ قریب ہے وہ زمین ہے' اور ''کفاتا'' کا معنی ہے: سمیٹنا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندوں اور مُردوں کا ذکر فرمایا ہے یعنی زمین نے تمام زندوں اور مردوں کو سمیٹ رکھا ہے' یعنی زندہ انسان زمین پر گھروں میں رہتے ہیں اور مردہ انسان زمین میں بنائی ہوئی قبروں میں رہتے ہیں اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انسان کے جو فضلات ہوتے ہیں اور گندی بدبودار چیزیں ہوتی ہیں ان سب کو زمین سمیٹ لیتی ہے اور انسان کو زندہ رہنے کے لیے جس قدر خوراک کی ضرورت ہوتی ہے' خواہ وہ غلہ ہو یا پھل ہوں وہ سب زمین سے پیدا ہوتے ہیں اور زمین بے شمار زندوں اور لاتعداد مُردوں کی کفیل ہے۔

بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جو مُردے زمین میں مدفون ہیں' وہ زمین میں محفوظ ہیں اور جو چیز محفوظ ہو اس کو چرانے سے ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے' لہٰذا جو شخص کسی مردے کا کفن چرائے اس کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔

اس آیت کی تفسیر الفرقان: ۵۳ میں گذر چکی ہے سو انسانوں پر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور جن لوگوں نے اپنے منعم کو نہیں پہچانا اور اس کی تکذیب کی ان کے لیے قیامت کے دن ہلاکت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: چلو اس (دوزخ) کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے O چلو اس (دھوئیں) کے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے O وہ نہ (ٹھنڈا) سایا فراہم کرنے والا ہے نہ شعلہ سے بچاتا ہے O بے شک دوزخ محل کے برابر انگارے پھینکتی ہے O گویا وہ زرد اونٹ ہیں O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O (المرسلات: ۳۴۔۲۹)

کفار کو آخرت کے عذاب سے ڈرانا

ان آیات سے بھی کفارِ قریش کو ڈرایا گیا ہے سو ان آیتوں میں ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے دنیا میں کفار آخرت کے عذاب کا انکار کرتے تھے اس لیے آخرت میں دوزخ کے محافظ ان سے کہیں گے: چلو اس عذاب کی طرف جس کا تم انکار کرتے تھے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق کے سروں کے قریب ہوگا اور اس دن لوگوں کے جسموں پر لباس نہیں ہوگا اور سورج کی گرمی سے ان کے بدن جھلس رہے ہوں گے پھر جس پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا اس کو اپنے سائے میں رکھے گا قرآن مجید میں ہے:

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ O (الطور: ۲۷)

(جنتی لوگ کہیں گے:) سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا اور ہمیں تند و تیز گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا O

دوزخ کے دھوئیں کی تین شاخوں کے محامل

کفار اور مکذبین سے کہا جائے گا: اب چلو اللہ کے اس عذاب کی طرف جس کی تم دنیا میں تکذیب کرتے تھے اور دوزخ کے دھوئیں کی طرف چلو اللہ تعالیٰ نے اس دھوئیں کے سائے کی کئی صفات بیان فرمائی ہیں یہاں فرمایا ہے: ''الـی ظـل ذی ثلاث شعب'' اس (دھوئیں) کے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے۔

دھوئیں کی تین شاخوں کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اوپر بھی آگ ہوگی اور ان کے نیچے بھی آگ ہوگی اور آگ ان کو محیط بھی ہوگی اور اس آیت میں آگ کو مجازاً سایا فرمایا ہے کیونکہ آگ ان کو ہر طرف سے محیط ہوگی قرآن مجید میں ہے:

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ O (الزمر: ۱۶)

کفار کے لیے اوپر سے بھی آگ کے سائے (سائبان) اور ان کے نیچے بھی آگ کے سائے ہوں گے یہی عذاب ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہو O

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ. (العنکبوت: ۵۵)

جس دن ان کو عذاب ان کے اوپر سے بھی ڈھانپ لے گا اور ان کے پیروں کے نیچے سے بھی۔

(۲) قتادہ نے کہا: تین شاخوں سے مراد دھوئیں کی تین جانبیں ہیں قرآن مجید میں ہے:

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ. (الکہف: ۲۹)

بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گے۔

آگ کی کی قناتوں سے مراد دھواں ہے' پھر اس دھوئیں کی ایک شاخ ان کی دائیں جانب ہوگی اور دوسری شاخ ان کی بائیں جانب ہوگی اور تیسری شاخ ان کے سروں پر ہوگی۔

امام رازی فرماتے ہیں: یہ اس لیے ہے کہ غضب انسان کی دائیں جانب سے ہوتا ہے اور شہوت انسان کی بائیں جانب ہوتی ہے' اور قوتِ شیطانیہ اس کے دماغ میں ہوتی ہے' اور تمام افعال جو انسان سے صادر ہوتے ہیں ان کا منبع اس کے عقائد میں ہوتا ہے اور اس کے اعمال ان ہی تین قسموں پر مشتمل ہوتے ہیں' پھر ان تین مصادر سے تین ظلمات پیدا ہوتی ہیں اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہاں پر تین درجات ہیں: حس' خیال اور وہم اور یہ عالم قدس سے روح کے استفادہ نور سے مانع ہوتے ہیں اور ان تین درجات میں سے ہر درجہ کے لیے ایک خاص قسم کی ظلمت ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۷۴)

(۳) بعض علماء نے یہ کہا کہ دھوئیں کی تین شاخوں سے مراد یہ ہے کہ وہ دھواں بہت عظیم ہوگا اور چونکہ وہ دھواں بہت عظیم ہو گا' اس لیے وہ تین شاخوں میں منقسم ہو جائے گا۔

المرسلات: ۳۱ میں فرمایا: وہ نہ (ٹھنڈا) سایا فراہم کرنے والا ہے اور نہ شعلے سے بچانے والا ہے ○

دھوئیں کے سائے کی صفات

یعنی اس دھوئیں کا سایا ایسا نہیں ہوگا جیسا سایا قیامت کے دن مؤمنین کے لیے ہوگا' اس دھوئیں کے سائے سے شعلے اور چنگاریاں نکل رہی ہوں گی۔

یہ سایا جہنم میں ہوگا' یہ جہنم کی گرمی سے ٹھنڈک کا سایا فراہم نہیں کرے گا' اور نہ اس کے شعلوں سے بچائے گا' قرآن مجید میں اس سائے کی صفت بیان فرمائی ہے:

فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ۙ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ○ (الواقعہ: ۴۲-۴۴)

دوزخی گرم ہوا اور گرم پانی میں ہوں گے ○ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ○ وہ سایا نہ ٹھنڈا ہے نہ فرحت بخش ○

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہنم میں داخل ہونے سے پہلے جب انہیں محشر میں حساب کتاب کے لیے ٹھہرایا ہوا ہو اس وقت ان کے لیے دھوئیں کا سایا فراہم کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ سایا تم کو سورج کی گرمی سے نہیں بچائے گا اور نہ تم سے دوزخ کی آگ کے شعلے کو دور کرے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوزخ کے شعلہ سے مراد پیاس ہو' یعنی یہ سایا تمہاری پیاس کو دور نہیں کرے گا۔

المرسلات: ۳۲ میں فرمایا: بے شک دوزخ محل کے برابر انگارے پھینکتی ہے ○

''شرر' قصر' جمالة'' اور ''صفر'' کے معانی اور محل کی مثل انگاروں کی توجیہ

اس آیت میں ''شـرر'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چنگاریاں' جب آگ جلتی ہے تو اس آگ سے چنگاریاں اڑتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کی یہ صفت بیان کی ہے کہ اس کا دھواں اس کا سایا ہوگا' بایں طور کہ وہ آگ بہت بڑے بڑے انگارے اڑا رہی ہوگی' اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں بہت عظیم ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اس آگ کے انگارے ''قصر'' کی مثل ہوں گے اور ''قصر'' کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد بڑے بڑے محلات ہیں۔

(۲) مبرد نے کہا: بہت بڑی لکڑی کو ''قـصـرة'' کہا جاتا ہے اور اس کی جمع ''قـصـر'' ہے' عبد الرحمان بن عباس نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''قـصـر'' کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ ایک لکڑی ہے جس کو ہم سردیوں

میں جلانے کے لیے اکٹھا کرتے تھے‘ اس لکڑی کو ہم کاٹتے تھے اور اس کا نام ہم نے ”قصر“ رکھا تھا‘ سعید بن جبیر‘ مقاتل اور ضحاک وغیرہ نے کہا: یہ کھجور کے درخت اور بڑے بڑے درختوں کے تنے ہیں۔

المرسلات: ۳۳ میں فرمایا: گویا وہ زرد اونٹ ہیں O

اس آیت میں ”جمالات“ کا لفظ ہے‘ یہ لفظ ”جمال“ کی جمع ہے‘ جیسے ”رحال“ کی جمع ”رحالات“ ہے اور ”بیوت“ کی جمع ”بیوتات“ ہے‘ ”جمالات“ کی صفت ”صفر“ ہے‘ اس کا معنی زرد ہے اور اس سے مراد سیاہ رنگ کے اونٹ ہیں جو زردی کی طرف مائل ہوں‘ دوزخ کی آگ کے انگاروں کو دو چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے وہ انگارے محل کے برابر ہوں گے اور زرد اونٹ کی مثل ہوں گے‘ اس سے مقصود یہ ہے کہ جس آگ کے انگارے اتنے بڑے بڑے ہوں گے وہ آگ کتنی عظیم ہوگی اور وہ انگارے اڑ کر دوزخیوں پر گریں گے اور جس شخص کے اوپر بلندی سے محل کے برابر یا اونٹ کے برابر کوئی چیز آ کر گرے‘ اس کا کیا حال ہوگا؟ سو دوزخیوں کے اوپر جب اتنے بڑے انگارے گریں گے تو ان کا کس طرح کچومر نکل جائے گا‘ پھر ان لوگوں کو بتایا کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں‘ ان کو ایسے عذاب کا سامنا ہوگا‘ پس ان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کریں‘ اور اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ وہ دن ہے جس میں وہ (نفع آور) بات نہ کر سکیں گے O اور نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O یہ فیصلہ کا دن ہے جس میں ہم نے تم کو اور پہلوں کو جمع کیا ہے O اگر تم کوئی چال چلنا چاہتے ہو تو میرے خلاف چال چلو O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O (المرسلات: ۴۰-۳۵)

متعدد وجوہ سے کفار کو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرانا

المرسلات: ۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل وجوہ سے کفار کو قیامت کے دن اور اس دن کے عذاب سے ڈرایا ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنی بدعقیدگیوں اور بُرے اعمال پر کوئی عذر پیش نہیں کر سکیں گے اور نہ مذموم عقائد اور مذموم افعال کی توجیہ میں کوئی دلیل پیش کر سکیں گے۔

(۲) تمام لوگوں کے سامنے ان کے قبیح اور بُرے افعال پیش کیے جائیں گے اور جن لوگوں کے سامنے وہ عزت دار بنتے تھے‘ ان کے سامنے ان کو رسوا اور ذلیل کیا جائے گا اور شرمندگی اور رسوائی کا عذاب‘ تلوار کے ساتھ قتل کرنے اور آگ میں جلانے کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے۔

(۳) جو غلام بھاگا ہوا ہو اس کو اس کے آقا کے سامنے پکڑ کر پیش کرنا‘ اس کے لیے سخت عذاب اور ذلت کا موجب ہوتا ہے۔

(۴) جن لوگوں کو وہ دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھتا تھا‘ وہ قیامت کے دن اس کے سامنے عزت اور سرفرازی سے نوازے جائیں گے اور وہ خود کو جن کے مقابلہ میں بہت عزت دار اور کامیاب سمجھتا تھا وہ ان کے سامنے ذلت اور خواری میں مبتلا کیا جائے گا اور یہ اُمور کفار کے لیے شدید اذیت کا باعث ہوں گے اور یہ چاروں وجوہ ان کے لیے روحانی عذاب کا باعث ہوں گی۔

(۵) اور پانچواں عذاب جسمانی ہے‘ وہ قیامت کے دن دوزخ کے عذاب اور اس کی شدید ہولناکی کا مشاہدہ کریں گے اور جب ان کو اتنے شدید قسم کے عذاب کا مشاہدہ کرایا جائے گا‘ (اللہ تعالیٰ ہم کو اس عذاب سے پناہ میں رکھے) جس کی تمام

کیفیات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا' تو پھر ضرور ان لوگوں کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ متعدد آیات سے ثابت ہے کہ کفار قیامت کے دن باتیں کریں گے پھر یہاں کیوں فرمایا: وہ اس دن بات نہ کرسکیں گے؟

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار اس دن کوئی بات نہ کرسکیں گے' حالانکہ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار قیامت کے دن بات کریں گے' وہ آیات یہ ہیں:

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ○ (الزمر: ۳۱)
پھر تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے ○

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ (الانعام: ۲۳)
پھر ان کے شرک کا مآل صرف یہ ہوگا کہ وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! اے ہمارے رب! ہم شرک کرنے والے نہ تھے ○

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ○ (النساء: ۴۲)
جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور رسول کی نافرمانی کی تھی' وہ یہ چاہیں گے کہ کاش! انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جائے' اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے ○

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا: اس آیت میں ایک عبارت مقدر ہے اور پوری عبارت اس طرح ہے: یہ وہ دن ہے جس میں وہ کوئی بات نہیں کرسکیں گے' یعنی اپنے کفر وشرک کی تائید میں کوئی دلیل پیش نہیں کرسکیں گے اور نہ انہیں اس کی اجازت دی جائے گی کہ وہ اپنا کوئی عذر پیش کرسکیں' کیونکہ انہوں نے جو کفر اور شرک کیا تھا' اس کا نہ کوئی عذر صحیح ہے نہ کوئی صحیح جواب ہے' پس جب وہ اپنے حق میں کوئی دلیل پیش کرسکیں گے اور نہ کوئی معقول توجیہ کرسکیں گے تو گویا انہوں نے کوئی بات نہیں کی' کیونکہ جو شخص کوئی مفید اور نفع آور بات نہ کرسکے گویا اس نے کوئی بات نہیں کی' جیسے اگر کوئی شخص کوئی مفید بات نہ کرے تو آپ اس سے کہیں کہ تم نے کوئی بات نہیں کی یا تم نے کچھ نہیں کیا۔

(۲) الفراء نے اس کے جواب میں کہا: یعنی وہ اس وقت کوئی بات نہیں کرسکیں گے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ پورے قیامت کے دن میں کوئی بات نہیں کرسکیں گے' اس کی مثال ایسے ہے جیسے آپ کسی شخص سے کہیں: جس دن فلاں شخص کراچی پہنچے گا میں اس دن آپ کے پاس آؤں گا' اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اس پورے دن میں آپ کے پاس آؤں گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت وہ کراچی پہنچے گا میں اس وقت آپ کے پاس آؤں گا۔

(۳) اس آیت میں یہ فرمایا ہے: یہ وہ دن ہے جس میں وہ کوئی بات نہیں کرسکیں گے۔ یہ جملہ مطلق ہے اور مطلق عموم کا فائدہ نہیں دیتا نہ انواع میں نہ اوقات میں' سو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ قیامت کے پورے دن میں کوئی بات نہیں کرسکیں گے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کفر اور شرک کیا؟ تو وہ اپنی مدافعت میں کوئی بات نہیں کرسکیں گے۔

(۴) یہ آیت دوزخ کے محافظوں کے اس قول کے بعد ہے: چلو اس (دھوئیں) کے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے ○ (المرسلات: ۳۰) اس وقت وہ دوزخ کے محافظوں کا حکم مانتے ہوئے دوزخ کے دھوئیں کی طرف چل پڑیں گے' جب دنیا

میں انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے کا حکم دیا جاتا تھا تو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور اس وقت وہ دوزخ کے محافظوں کے حکم کے اوپر بے چون و چرا عمل کریں گے حالانکہ دنیا میں انہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے جاتے تھے ان پر عمل کرنے کی بہ نسبت قیامت کے دن دوزخ کے محافظوں کے حکم پر عمل کرنا سخت مشکل دشوار اور عذاب اور ہلاکت کا موجب ہے اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اگر وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے سے انکار نہ کرتے اور عناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہ کرتے تو انہیں قیامت کے دن اس ہلاکت آفریں حکم پر عمل نہ کرنا پڑتا' خلاصہ یہ ہے کہ المرسلات: ۳۵ میں جو فرمایا: یہ وہ دن ہے جس میں وہ کوئی بات نہ کرسکیں گے' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دوزخ کے محافظ ان سے یہ کہیں گے: چلو اس (دھوئیں) کے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے' تو وہ اس وقت دوزخ کے محافظوں کے سامنے کوئی بات نہ کرسکیں گے اور بے چون و چرا ان کے حکم پر عمل کریں گے' اور اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ قیامت کے پورے دن میں کوئی بات نہیں کرسکیں گے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک عورت اپنے خاوند سے لڑائی کے دوران کہتی ہے: میں اسی وقت تمہارے گھر سے جارہی ہوں' اس کا خاوند اس سے کہتا ہے: اگر تو گئی تو تجھے طلاق' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اسی وقت اس کے گھر سے گئی تو اس کو طلاق ہوگی' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ بعد میں جب بھی کبھی اس کے گھر سے گئی تو اس کو طلاق ہو جائے گی بلکہ اس کا جانا اسی وقت کے ساتھ مقید ہوگا' اسی طرح ان آیت میں جو فرمایا ہے: یہ وہ دن ہے جس میں وہ کوئی بات نہ کرسکیں گے' یہ بھی اسی وقت کے ساتھ مقید ہے جب دوزخ کے محافظ انہیں دوزخ کے دھوئیں کی طرف جانے کا حکم دیں گے' نہ کہ یہ معنی ہے کہ وہ قیامت کے پورے دن بات نہ کرسکیں گے۔

المرسلات: ۳۶ میں فرمایا: اور نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی O

امام رازی کی طرف سے اس اعتراض کا جواب کہ کفار کو اپنا عذر پیش کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟

اس آیت سے بہ ظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین کا عذر تو ہوگا لیکن ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور یہ حکمت کے خلاف ہے۔

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

حقیقت میں کفار اور مشرکین کا کوئی عذر نہیں ہوگا' لیکن بعض اوقات ان کے دماغ میں یہ فاسد خیال آئے گا کہ ان کا کوئی ٹوٹا پھوٹا عذر ہے تو ان کو اس فاسد عذر کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی' اور ہوسکتا ہے کہ ان کا فاسد عذر یہ ہو کہ جب بندوں کے تمام افعال اور اعمال تیرے علم' تیری مشیت' تیری قضاء اور تیری تخلیق سے ہوتے ہیں تو پھر تو میرے ان اعمال پر مجھے سزا کیوں دے رہا ہے؟ اور کفار کا یہ عذر فاسد ہے کیونکہ کفار اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا خالق اور مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے' کسی کو اس کے تصرف پر کسی قسم کے اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے' اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ (النساء: ۱۶۵)

ہم نے خوش خبری دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجے تا کہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر لوگوں کی کوئی حجت اور الزام باقی نہ رہے۔

اور فرمایا:

وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ○ (طٰہٰ:۱۳۴)

اور اگر ہم اپنے رسول کو بھیجنے سے پہلے انہیں عذاب دے کر ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے: اے ہمارے رب! اگر تو ہماری طرف اپنے رسول کو بھیج دیتا تو ہم تیری آیات کی اتباع کرتے' اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے ○

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اسی لیے بھیجا تھا تا کہ کفار قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر اور حجت نہ پیش کر سکیں' اور رسولوں کے بھیجنے کے بعد اگر چہ یہ عذر ختم ہو گیا کہ بغیر احکام کی تبلیغ کے ان کو عذاب کیوں دیا جا رہا ہے' تاہم یہ عذر تو بہر حال باقی ہے کہ جب ان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے اپنے چاہنے سے پیدا کیا ہے تو پھر ان کو کیوں عذاب دیا جا رہا ہے؟ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو عذاب سے ڈرا کر ان کے عذر کو پہلے ہی زائل فرما دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ (المرسلات:۵۔۶)

پھر ان فرشتوں کی قسم جو دلوں میں ذکر ڈالنے والے ہیں ○ حجت قائم کرنے کی وجہ سے یا عذاب سے ڈرانے کی وجہ سے ○

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۷۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

مصنف کی طرف سے اس اعتراض کا جواب کہ کفار کو اپنا عذر پیش کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟

میں کہتا ہوں: اس آیت سے کفار اور مشرکین کا یہ عذر ساقط نہیں ہوگا' وہ کہیں گے کہ بے شک تو نے عذاب سے ڈرانے کے لیے رسول بھیجے تھے اور اپنی حجت قائم کی تھی لیکن ہمارے دلوں میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوا' اس لیے ہم نے شرک اور کفر کو ترک نہیں کیا' تو اگر چاہتا تو ہمارے دلوں کو بدل ڈالتا اور ہمارے دلوں میں اپنا خوف پیدا کر دیتا' پھر ہم رسولوں کے پیغام پر عمل کرتے۔ امام رازی چونکہ جبریہ کی نمائندگی کرتے ہیں اس لیے کفار کے اس شبہ کا کوئی جواب نہیں دے سکے اور نہ جبریہ کے اصول پر اس کا کوئی معقول جواب دیا جا سکتا ہے' البتہ اہل سنت کے اصول پر اس شبہ کا جواب اس طرح دیا جائے گا کہ بے شک کفار کے اعمال اور افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے لیکن کفار کے ان ہی افعال کو پیدا کیا ہے جن افعال کو انہوں نے چاہا اور ان کا ارادہ کیا' اگر وہ اللہ پر ایمان لاتے اور اس کی اطاعت کا ارادہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں اس کو پیدا کر دیتا' لیکن انہوں نے کفر اور شرک کا ارادہ کیا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں کفر اور شرک کو پیدا کر دیا اور اسی ارادہ اور اختیار کی بناء پر ان کو عذاب دیا جا رہا ہے' لہٰذا کفار اور مشرکین کا اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی صحیح عذر نہیں ہوگا اور اس فاسد عذر کو پیش کرنے کی انہیں اجازت نہیں دی جائے گی۔

اب رہا یہ اعتراض کہ مان لیا کہ کفار کا عذر فاسد تھا لیکن اس کے باوجود انہیں موقع تو دینا چاہیے تھا تا کہ وہ اپنا عذر بیان کرتے' پھر ان کے عذر کے فساد کو بیان کر دیا جاتا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے پاس رسول بھیجے اور ان رسولوں نے انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے کا حکم دیا' اور رسولوں کا انہیں اطاعت اور عبادت کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دیا ہے اور وہ مجبور محض نہیں ہیں' لیکن انہوں نے اپنے اختیار سے رسولوں کی اطاعت کرنے کے بجائے شیطان کی اطاعت کرنے کو اختیار کیا' سو اب اگر آخرت میں وہ اس عذر کو پیش کرتے بھی تو کوئی فائدہ نہ تھا کیونکہ اس کا جواب تو ان پر دنیا میں ہی واضح ہو چکا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس خاص موقع پر جب دوزخ کے محافظ ان سے کہیں گے کہ چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے' اس وقت وہ

بات نہیں کر سکیں گے اور نہ انہیں عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی کیونکہ یہ وقت ان کی سزا کے نفاذ کا ہو گا لیکن اس سے پہلے پورے روزِ قیامت میں تو وہ باتیں کریں گے اور اپنے متعدد عذر بھی پیش کریں گے حتیٰ کہ حساب کے وقت وہ یہ بھی کہیں گے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ (الانعام: ۲۳) اللہ کی قسم! اے ہمارے رب! ہم شرک کرنے والے نہ تھے ○

اس کے بعد فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے' یعنی اگر یہ کفار اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کر دیتے تو قیامت کے دن انہیں دوزخ کے تین شاخوں والے دھوئیں کی طرف نہ جانا پڑتا' سو اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

المرسلات: ۳۸ میں فرمایا: یہ فیصلہ کا دن ہے جس میں ہم نے تم کو اور پہلوں کو جمع کیا ہے ○

کفار کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے عذاب سے ڈرانا

اس آیت میں بھی کفار کو قیامت کے دن کے عذاب اور ان کو ہونے والی شرمندگی سے ڈرایا ہے' اور اس دن کفار کے درمیان دو قسم کے فیصلے کیے جائیں گے' ایک وہ فیصلے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو گا اور دوسرے وہ فیصلے ہوں گے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو گا' جن اُمور کا فیصلہ حقوق اللہ سے ہو گا ان میں کفار کے ایمان نہ لانے اور کفر پر اصرار کرنے کی سزا کا فیصلہ ہو گا اور نیک اعمال نہ کرنے اور بُرے کام کرنے پر سزا کا فیصلہ ہو گا۔

اور جن امور کا تعلق حقوق العباد سے ہو گا' مثلاً کسی شخص پر انہوں نے ظلم کیا ہو گا' کسی کو ناحق مارا پیٹا ہو گا یا کسی کو ناحق قتل کیا ہو گا یا کسی کا مال چھینا ہو گا یا کسی کی آبرو ریزی کی ہو گی تو ان مظالم کی ان کو الگ سزا دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جن مشرکوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تھی اور جنہوں نے آپ سے پہلے نبیوں کی تکذیب کی تھی' ان سب کو جمع کیا جائے گا اور ان کا فیصلہ کیا جائے گا اور ان کو سزا سنائی جائے گی۔

المرسلات: ۳۹ میں فرمایا: اگر تم کوئی چال چلنا چاہتے ہو تو میرے خلاف چال چلو ○

کفار کا اللہ کے سامنے مکر کرنے سے عاجز ہونا

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ کفار اور مشرکین مختلف حیلوں اور مکر سے لوگوں کے حقوق کو اپنی ذات سے دور کریں گے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اگر تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ میرے حقوق کو بھی اپنی ذات سے مکر اور حیلے سے دور کر سکو تو کرو' اور یہ امر تعجیز کے لیے ہے یعنی تم اس سے عاجز ہو کہ مکر اور حیلے سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کے حقوق کو اپنی ذات سے دور کر دو' جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم نے اپنے مقرب بندے پر جو کلام نازل کیا ہے اگر تم کو اس کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے' سو تم اس کلام کی مثل کوئی سورت بنا کر لے آؤ۔ (البقرہ: ۲۳) حالانکہ کفار قرآن کی مثل کسی سورت کو لانے سے عاجز تھے تو جس طرح اس آیت میں ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے حکم دیا تھا' اسی طرح اس آیت میں بھی ان کے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے حکم دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا معنی ہے: تم دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مجھ سے جنگ کرتے تھے' آؤ! آج مجھ سے جنگ کرو' ایک قول یہ ہے کہ تم دنیا میں میری نافرمانی کرتے تھے' آج تم میری نافرمانی نہیں کر سکتے اور نہ اپنے آپ کو نافرمانی سے بَری کر سکتے ہو۔

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ آپ کہیے کہ تم اپنے تمام شرکاء کو بلالو پھر تم سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کا حیلہ کرو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ (الاعراف: ۱۹۵)

پھر المرسلات: ۴۰ میں فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

یعنی اگر تم نے دنیا میں میری توحید کی تصدیق نہ کی تو پھر آخرت میں تمہیں اس چیلنج کا سامنا کرنا ہوگا اور تم اس چیلنج کو پورا نہ کر سکو گے۔

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾

بے شک متقین (ٹھنڈے) سایوں اور چشموں میں ہوں گے O اور لذیذ پھلوں میں سے جن کو وہ چاہیں گے O

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ

(ان سے کہا جائے گا:) خوشی کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کی وجہ سے جن کو تم کرتے تھے O ہم نیک کام کرنے

نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا

والوں کو اسی طرح نیک جزا دیتے ہیں O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O تم کچھ دن

وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا إِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾

تک کھاؤ اور فائدہ اٹھا لو بے شک تم مجرم ہو O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے: نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اس (قرآن) کے بعد وہ پھر کس چیز پر ایمان لائیں گے؟ O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین (ٹھنڈے) سایوں اور چشموں میں ہوں گے O اور لذیذ پھلوں میں سے جن کو وہ چاہیں گے O (ان سے کہا جائے گا:) خوشی کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کی وجہ سے جن کو تم کرتے تھے O ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح نیک جزا دیتے ہیں O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O (المرسلات: ۴۵۔۴۱)

متقین کو اجر وثواب عطا کرنے سے جو مشرکین کو عذاب ہوگا اس سے ان کو ڈرانا

جس طرح کسی شخص کے لیے اس کی سزا باعث رنج اور ذلت ہوتی ہے‘ اسی طرح اس شخص کے لیے اس کے مخالفوں اور دشمنوں پر انعام واکرام بھی رنج اور ذلت کا سبب ہوتا ہے‘ کفار کو قیامت کے دن جو عذاب دیا جائے گا وہ ان کے لیے رنج اور ذلت کا باعث ہوگا‘ اسی طرح مؤمنین پر جو آخرت میں انعام اور اکرام ہوگا وہ بھی ان کے لیے رنج اور ذلت کا باعث ہوگا‘ اس

سے پہلی آیتوں میں قیامت کے دن کفار کا عذاب بیان فرمایا تھا اور اب اس رکوع کی آیتوں میں قیامت کے دن مؤمنوں پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کا ذکر ہے اور یہ بھی کفار کے لیے سوہان روح ہے' جس طرح ان کے لیے عذاب تکلیف اور رنج کا باعث ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر انعام و اکرام کے ذکر کے بعد فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

متقین کے مصداق میں اللہ کی اطاعت اور عبادت کو نہ داخل کرنے پر امام رازی کے دلائل

المرسلات: ۴۱ میں ''متقین'' کا لفظ ہے اور امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ متقی کا مصداق وہ شخص ہے جو صرف شرک اور کفر کی تمام اقسام کو ترک کرنے والا ہو اور اس کے مصداق میں ہر قسم کے گناہوں کو ترک کرنا اور اللہ کی اطاعت کرنا داخل نہیں ہے' امام رازی کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص شرک اور کفر کو ترک کرنے والا ہو' اس پر متقی کا لفظ صادق آئے گا۔ امام رازی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس سورۃ المرسلات میں شروع سے لے کر یہاں تک صرف شرک اور کفر کی مذمت کی ہے' اس لیے اس آیت میں جو متقین پر انعام و اکرام کا ذکر فرمایا ہے' اس کی وجہ بھی صرف متقین کا ایمان ہونا چاہیے اور اگر اس آیت میں متقین سے مراد شرک اور کفر کے ترک کے علاوہ معاصی کے ترک کرنے اور اطاعت اور عبادت کو بھی مراد لیا جائے تو اس سورت کی نظم اور ترتیب میں خلل ہو جائے گا' پس ثابت ہو گیا کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو صرف کفر اور شرک کو ترک کرنے والے ہوں۔ امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ لفظ کو اس کے کامل مصداق پر محمول کرنا چاہیے اور متقین کا کامل مصداق وہ لوگ ہیں جو شرک اور کفر کو ترک کرنے والے ہوں' لہٰذا متقین کے لفظ کو ان ہی لوگوں پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۷۸۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

متقین کے مصداق میں اللہ کی اطاعت اور گناہوں سے اجتناب کو داخل کرنے پر مصنف کے دلائل

ہمارے نزدیک متقی کا مصداق وہ شخص ہے جو کفر و شرک کے علاوہ گناہ ہائے کبیرہ کو بھی ترک کرنے والا ہو' اور اللہ تعالیٰ نے اجر و ثواب کی جو بشارتیں دی ہیں وہ ان ہی متقین کے لیے ہیں اور صرف کفر و شرک کو ترک کرنے سے اور گناہوں کا ارتکاب کرتے رہنے سے انسان ان بشارتوں کا مستحق نہیں ہوتا' الا یہ کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے یا اللہ اس کو اپنے فضل محض سے معاف فرما دے۔ گناہوں کو ترک کیے بغیر ان بشارتوں کا مستحق ماننا مرجۂ کا مذہب ہے اور امام رازی بھی مرجۂ کے مخالف ہیں اور ان کا ردّ کرتے ہیں' ہمارے نزدیک متقین کے مصداق میں گناہوں کا ترک کرنا داخل ہے' اس کی دلیل یہ آیات ہیں:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۭ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۭ	سو جس شخص نے سرکشی کی ○ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ○ تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے ○ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکے رکھا ○ تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے ○ (النّزعٰت: ۴۱-۳۷)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جنت کے انعام کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس کو خواہشات سے روکے اور جو شخص اپنے نفس کی خواہشوں پر عمل کر کے گناہ کبیرہ کرتا رہا اور بغیر توبہ کیے مر گیا' وہ جنت کے انعام کا مستحق نہیں ہوگا' اس لیے ضروری ہے کہ متقین کے مصداق میں گناہ ہائے کبیرہ کا ترک کرنا بھی مراد لیا جائے۔ ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۸۔۷)

سو جس شخص نے رائی کے دانے کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا ۝ اور جس شخص نے رائی کے دانے کے برابر بھی برائی کی وہ اس کی سزا پائے گا ۝

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص کفر اور شرک سے مجتنب رہا' اس کے باوجود وہ گناہوں میں ملوث رہا تو وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا اور اس کے لیے جنت کی بشارتیں نہیں ہیں' الا یہ کہ وہ مرنے سے پہلے توبہ کر لے یا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل محض سے معاف فرما دے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرما دیں' کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: میں اپنی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۳۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۳۶' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

لیکن ایسا شخص بہر حال گناہ ہائے کبیرہ کا مرتکب ہوگا متقی نہیں ہوگا' متقی وہ شخص ہوتا ہے جو کفر اور شرک کو ترک کرنے والا ہو اور اس کے علاوہ نیک اعمال سے متصف ہو اور کبائر سے مجتنب ہو اور اس پر واضح دلیل قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۷۷)

(اصل) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو لیکن (اصل) نیکی اس شخص کی ہے' جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے اپنی محبت کے باوجود (اللہ کے حکم سے) رشتہ داروں اور یتیموں' مسکینوں' مسافروں' سوالیوں اور غلام آزاد کرانے کے لیے خرچ کرے' اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے جب وہ عہد کریں' اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے' یہی لوگ سچے (مؤمن) ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۚ ۝ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جو لوگ متقی ہیں جب شیطان ان کو برائی پر اکساتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۝

البقرہ: ۱۷۷ سے معلوم ہوا کہ متقین وہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد نیک کام کرتے ہیں اور الاعراف: ۲۰۱ سے معلوم ہوا کہ متقین گناہوں سے باز رہتے ہیں۔

متقین کے مصداق میں اطاعت اور عبادت کو داخل نہ کرنے پر امام رازی کے دلائل کے جوابات

امام رازی کی پہلی دلیل یہ ہے کہ جو شرک اور کفر کو ترک کرنے والا ہو' اس پر متقی کا لفظ صادق آئے گا' ہم کہتے ہیں کہ بے شک لغوی طور سے اس پر متقی کا لفظ صادق آئے گا لیکن قرآن کی اصطلاح میں اس پر متقی کا لفظ صادق نہیں آئے گا کیونکہ قرآن کی اصطلاح میں متقی وہ شخص ہے جو ایمان کے ساتھ ساتھ اطاعت اور عبادت بھی کرے اور کبیرہ گناہوں سے باز رہے' جیسا کہ البقرہ: ۱۷۷ اور الاعراف: ۲۰۱ سے واضح ہو چکا ہے اور قرآن مجید کی آیات اور سورتوں میں تعارض نہیں ہے کہ ایک سورت میں متقی سے مراد ایمان مع اطاعت ہو اور دوسری سورت میں متقی سے مراد مجرد ایمان ہو' اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کا یہ معیار بتایا ہے کہ اس میں اختلاف اور تعارض نہیں ہے' ارشاد فرمایا:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے' اگر یہ قرآن اللہ کے

اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ○ (النساء:۸۲) سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت اختلاف (اور تعارض) پاتے ○

امام رازی کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سورۃ المرسلات کی اس سے پہلے کی تمام آیات میں فرمایا ہے کہ کفار کو صرف تکذیب کرنے کی وجہ سے عذاب ہوگا' اس کا تقاضا یہ ہے کہ متقین کو صرف تصدیق کرنے کی وجہ سے جنت دی جائے' ہم کہتے ہیں کہ کفار کو عذاب صرف توحید کی تکذیب کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ عبادات نہ کرنے کی وجہ سے بھی عذاب ہوگا' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۙ○ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۙ○ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۙ○ (المدثر:۴۴۔۴۰)

جنتی جنتوں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے○ مجرموں کے متعلق○ تم کو دوزخ میں کس جرم نے داخل کیا؟○ وہ کہیں گے: ہم نمازیوں میں سے نہ تھے○ اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے○

اس لیے کفار کی تکذیب کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق نہیں کرتے تھے' بلکہ اس کا معنی ہے: وہ اس کی توحید کی بھی تکذیب کرتے تھے اور اس کے احکام کی بھی عملاً تکذیب کرتے تھے اور جب اس کے مقابلہ میں متقین کو جنت کی نعمتیں دینے کا ارشاد ہوگا تو اس آیت میں متقین سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی قولاً تصدیق کرتے ہوں اور اس کے احکام کی عملاً تصدیق کرتے ہوں یعنی متقین وہ ہیں جو کفر و شرک کو ترک کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے والے ہوں اور اس کی نافرمانی کرنے سے باز رہنے والے ہوں' امام رازی نے فرمایا ہے: اگر مؤمن سے ثواب کے وعدہ کو اس کی اطاعت کے ساتھ مقید کیا جائے تو وہ اس سورت کی نظم کے موافق نہیں ہے' کیونکہ اس سورت میں اس سے پہلے کفار کے کفر پر مذمت کی گئی' لہٰذا متقین کا ثواب بھی صرف ایمان کی وجہ سے ہونا چاہیے' ہم کہتے ہیں کہ خواہ ظاہری طور پر ایسا ہو لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے' ہم بتا چکے ہیں البقرہ: ۱۷۷ میں فرمایا جا چکا ہے: جو نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں' اپنے وعدہ کو پورا کریں اور تکلیف اور سختی میں صبر کریں' یہی لوگ سچے (مؤمن) ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں اور قرآن مجید میں اختلاف اور تعارض نہیں ہے کہ کہیں کچھ مراد ہو اور کہیں کچھ اور مراد ہو' جب کہ ہم کہتے ہیں کہ سورۃ المرسلات میں کفار کے صرف کفر پر مذمت نہیں ہے بلکہ ان کی تکذیب کی مذمت ہے اور کفار قولاً اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکذیب کرتے تھے اور عملاً اس کے احکام کی تکذیب کرتے تھے' لہٰذا مؤمن سے وعدہ ثواب کو ایمان کے ساتھ اطاعت سے بھی مقید کیا جائے تو یہ اس سورت کی نظم کے بھی مطابق ہے مخالف نہیں ہے۔

امام رازی کی تیسری دلیل یہ ہے کہ لفظ کو اس کے کامل مصداق پر محمول کرنا چاہیے اور متقی کا کامل مصداق وہ شخص ہے جو کفر اور شرک کو ترک کرنے والا ہو' لہٰذا متقی سے مراد کفر و شرک کو ترک کرنے والا مراد لینا اولیٰ ہے۔

ہم کہتے ہیں: نہیں متقی کا کامل مصداق وہ شخص ہے جو کفر و شرک کو بھی ترک کرنے والا ہو اور گناہ ہائے کبیرہ کو بھی ترک کرنے والا ہو اور اس کے تمام احکام کی اطاعت کرنے والا ہو اور اس کی تمام عبادات کو بجا لانے والا ہو اور ایسے متقی کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے جنت کی تمام نعمتیں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' نیز اگر صرف کفر اور شرک کو ترک کرنے کی وجہ سے جنت کی نعمتیں مل جائیں' وہ ٹھنڈے سایوں اور چشموں میں ہوں' وہ حسب منشا لذیذ پھل حاصل کریں' خوشی کے ساتھ کھائیں اور پئیں تو جو متقین شرک اور کفر کو ترک کرنے کے ساتھ اس کی اطاعت اور عبادت بھی کرتے ہوں اور اس کی نافرمانی سے باز رہتے ہوں' ان کے لیے کیا انعام ہوگا؟ جن نعمتوں کا یہاں ذکر ہے انسان کو ان سے بڑھ کر اور کیا نعمت چاہیے' پھر وہ کیوں مشکل احکام کی

اطاعت کرے اور عبادت کی مشقت میں پڑے اور کیوں اپنی نفسانی خواہشوں کی مخالفت کرے' جنت کی نعمتیں تو اس کو اس مشقت کے بغیر بھی مل جائیں گی۔

المرسلات: ٤٣ اور ٤٤ سے متقین کے مصداق میں اطاعت اور عبادت کے دخول کا ثبوت

اگر امام رازی المرسلات: ٤٣ پر غور فرمالیتے تو کبھی یہ بات نہ کہتے' اللہ تعالیٰ نے متقین کے لیے جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے اس میں یہ آیت ہے کہ متقین سے فرمایا جائے گا:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ خوشی کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان نیک اعمال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ○ (المرسلات: ٤٣)

اس آیت میں صراحۃً نیک اعمال کا ذکر ہے کہ متقین کو یہ نعمتیں ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ملیں گی' لہٰذا ضروری ہوا کہ متقی کے مصداق میں ایمان کے ساتھ نیک اعمال کا بھی اعتبار کیا جائے۔

اسی طرح المرسلات: ٤٤ سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ متقین سے مراد وہ مؤمنین ہیں جو نیک عمل کرتے تھے' متقین کے متعلق کہا جائے گا:

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح نیک جزا دیتے ہیں ○ (المرسلات: ٤٤)

اس آیت میں متقین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ محسنین ہیں یعنی احسان کرنے والے اور احسان کرنے والوں کی تفسیر حدیث میں اس طرح ہے:

حضرت جبریل نے کہا: مجھے بتایئے احسان کی کیا تعریف ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك. تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہ دیکھ سکو تو بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٥٠' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠۔٩۔٨' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٤٦٩٥' سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٦١٠' سنن نسائی رقم الحدیث: ٤٩٩٠' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ٦٤)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم ان متقین کو ایسی جزا دیں گے جیسا کہ ان کی اطاعت کی جزاء کو ہم نے دنیا میں بیان فرمایا تھا' اسی طرح اہل احسان نے جو ہماری اطاعت کی ہے' ہم ان کو جزاء اور ثواب دیں گے اور انہوں نے دنیا میں جو ہماری بہ طریق احسان (یعنی خوب اچھی) عبادت کی ہے ہم ان کو ایسی جزا دیں گے اور آخرت میں ان کے اجر کو ہم ضائع نہیں کریں گے۔

(جامع البیان جز ٢٩ ص ٣٠٣' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ٣٣٣ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے متقی کو محسن فرمایا کیونکہ اس نے متقین کے ذکر سے ابتداء کی تھی اور یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کیا نعمتیں تیار کی ہیں' پھر یہ خبر دی کہ یہ ان کے احسان یعنی خوب اچھی عبادت کرنے کی جزا دی گئی ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جب متقی کے لفظ کو بغیر کسی قید کے ذکر کیا جائے تو اس سے مراد ہوتا ہے: محاسن کرنے والے یعنی خوب اچھی عبادت کرنے والے اور ''مھالك'' یعنی کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنے والے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ٥ ص ٣٦٢' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ١٤٢٥ھ)

ان عبارات سے آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ متقین کے مصداق وہ لوگ ہیں جو کفر و شرک کو اور گناہ ہائے کبیرہ کو ترک کریں اور نہایت اچھے طریقہ سے عبادت کریں' نہ وہ جو صرف کفر اور شرک کو ترک کریں خواہ کبیرہ گناہوں کو ترک نہ کریں اور اطاعت اور عبادت نہ کریں۔

امام رازی بہت بڑے نکتہ آفریں مفسر ہیں' ہم ان کے تفسیری نکات سے بہت استفادہ کرتے ہیں لیکن اس جگہ ہم خود کو ان سے متفق نہ کر سکے' اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند فرمائے یقیناً اس نکتہ آفرینی سے ان کی مراد مرجئہ کے مذہب کی تائید نہیں تھی اور وہ مرجئہ کے اس قول کے مخالف ہیں کہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرنے کی ضرورت ہے نہ بُرے اعمال کو ترک کرنے کی۔

متقین کے مصداق میں اطاعت اور عبادت کے دخول پر دیگر مفسرین کی تصریحات

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ المرسلٰت: ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو لوگ دنیا میں فرائض ادا کر کے اور گناہوں سے اجتناب کر کے اللہ کے عذاب سے بچتے ہیں (یعنی متقین) وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سایوں میں ہوں گے' ان کو اس دن کی گرمی اور تکلیف نہیں پہنچے گی' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کا کفر کرنے والے ہیں وہ تین شاخوں والے دھوئیں میں ہوں گے اور متقین ایسے چشموں میں ہوں گے جو جنت کے درختوں کے نیچے بہ رہے ہوں گے اور ان کا جب دل چاہے گا وہ جنت کے درختوں کے پھل کھائیں گے اور ان کو ان پھلوں کے کھانے سے کسی نقصان کا خطرہ نہیں ہو گا۔

اور المرسلٰت: ۴۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان متقین سے کہا جائے گا: تمہارا جب دل چاہے ان پھلوں میں سے کھاؤ اور ان چشموں سے پیو اور ان چیزوں کو کھانے اور پینے سے تمہیں نہ کوئی تکدر اور اکتاہٹ ہو گی نہ رکاوٹ ہو گی اور تم ہمیشہ ان کو کھاتے رہو گے اور ان کو کھانے اور پینے سے تم کو کبھی کوئی ضرر نہیں ہو گا' تم کو یہ جزا اس لیے دی گئی ہے کہ تم دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بہت جدوجہد کرتے تھے۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ۳۰۳۔۳۰۲' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ المرسلٰت: ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

متقین کا مصداق وہ لوگ ہیں جو اقوال کے ساتھ تصدیق کرتے ہیں اور اعمال سے ان اقوال کو یقینی بناتے ہیں' پس متقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بُری صحبت سے بچاتا ہے' سو اللہ تعالیٰ اس کی جزاء میں اس کو قیامت کے دن کے شر سے بچائے گا اور محسن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ خوب اچھی مصاحبت کرتا ہے تو اللہ اس کی آخرت کو خوب اچھا کرتا ہے اور اس کو سایوں' چشموں اور پھلوں کے عزت و کرامت والے مقام میں ٹھہراتا ہے اور متقی وہ ہے جو اپنے نفس کو (گناہوں کی) ہلاکت سے بچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے عذاب سے بچاتا ہے اور محسن وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ احسان کرتا ہے اور اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ احسان کرتا ہے اور اس پر سایوں اور چشموں کا انعام فرماتا ہے (اللہ تعالیٰ نے متقین کو المرسلٰت: ۴۴ میں محسنین بھی فرمایا ہے)۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۶۲' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ متقین کی تعریف میں لکھتے ہیں:

یعنی ان الذین یتقون الشرک والفواحش. یعنی جو لوگ شرک اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔

(بحر العلوم ج ۳ ص ۴۳۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

حافظ اسماعیل بن عمر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ المرسلات:۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ اپنے ان متقین بندوں کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: جنہوں نے واجبات کو ادا کر کے اور محرمات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی کہ وہ قیامت کے دن جنتوں اور چشموں میں ہوں گے اس کے برخلاف مشرکین سیاہ اور بدبودار دھوئیں میں ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۰۹ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ المرسلات:۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
جن لوگوں نے احسان کے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور دنیا میں نیک اعمال کیے ہم ان کو ثواب عطا کریں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۴۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ المرسلات:۴۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
جو متقین سایوں اور چشموں میں تھے ان سے کہا گیا کہ تم خوشی سے کھاؤ اور پیو کیونکہ تم دنیا میں ایمان کے ساتھ صالح عمل کرتے تھے۔

علامہ آلوسی المرسلات:۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اس آیت میں ''المحسنین'' سے مراد ''المتقین'' ہیں جن کا المرسلات:۴۱ میں ذکر آچکا ہے صفت احسان کے ساتھ ان کی مدح کی وجہ سے ان کی طرف ضمیر نہیں لوٹائی بلکہ صراحۃً محسنین کا ذکر فرمایا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان کو یہ انعام واکرام ان کے نیک کاموں کی وجہ سے دیا گیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ متقین اور محسنین سے مراد مؤمنین صالحین ہوں اور اس آیت میں معتزلہ کے اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس آیت میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

علامہ آلوسی المرسلات:۴۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ○ کیونکہ ان کے دشمن اور مخالف اس ثوابِ عظیم کو پائیں گے اور وہ عذاب الیم میں برقرار رہیں گے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۳۰۶ دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ)

جن مفسرین نے بغیر غور وفکر کے امام رازی کی تقلید میں متقین کے مصداق سے اطاعت اور عبادت کو خارج کیا

علامہ اسماعیل حقی البروسوی المتوفی ۱۱۳۷ھ المرسلات:۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
المتقین سے مراد ہے: جو کفر اور تکذیب سے اجتناب کرنے والے ہوں کیونکہ یہ لفظ مکذبین کے مقابلہ میں ہے۔
(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۳۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد الحنفی القونوی المتوفی ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں:
اس آیت میں تقویٰ کا پہلا مرتبہ مراد ہے اور وہ شرک سے اجتناب کرنا ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ المتقین ' المکذبین کے مقابلہ میں ہے پس متقین کا مصداق نافرمان موحدین کو بھی شامل ہے اگرچہ ان کے درجات میں فرق ہے اور ان متقین کا ثواب سایوں میں ہے۔ (حاشیۃ القونوی علی البیضاوی ج ۱۹ ص ۵۲۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

سید ابوالاعلیٰ مودودی المرسلات:۴۱ میں متقین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
چونکہ یہ لفظ یہاں مکذبین (جھٹلانے والوں) کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اس لیے متقیوں سے مراد اس جگہ وہ لوگ

ہیں جنہوں نے آخرت کو جھٹلانے سے پرہیز کیا اور اس کو مان کر دنیا میں یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کی کہ ہمیں آخرت میں اپنے اقوال وافعال اور اپنے اخلاق وکردار کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ (تفہیم القرآن ج ۶ ص ۲۱۶ ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۴۱۱ھ)

ہر چند کہ سیّد مودودی نے اخیر میں یہ قید لگادی ہے کہ انہوں نے دنیا میں اس انداز سے زندگی بسر کی (الخ) لیکن انہوں نے متقین کو بہ ہرحال مکذبین کا مقابل قرار دیا ہے اور اس میں نیک اعمال کی قید نہیں لگائی۔

ان مفسرین کے رد کے وہی دلائل ہیں جو ہم امام رازی کے دلائل کے جواب میں پیش کر چکے ہیں۔

متقین کے مصداق کے بارے میں مصنف کے مؤقف پر ایک اعتراض کا جواب

ہوسکتا ہے ہماری تقریر پر یہ اعتراض ہو کہ امام رازی نے جو متقین کے مصداق سے گناہوں سے احتراز اور اطاعت کو خارج کیا ہے یہ صحیح ہے کیونکہ جو مؤمن گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور اس نے اطاعت اور عبادت نہ کی ہو وہ بھی ابتداءً بخشا جائے اور جنت میں چلا جائے اور وہ سایوں اور چشموں میں ہو اور اپنے پسندیدہ پھلوں میں ہو اور اس سے کہا جائے کہ خوشی سے کھاؤ اور پیو تو اس میں امام رازی نے کوئی غلط بات نہیں کہی' یہ تو عین اہل سنت و جماعت کے مذہب کے مطابق ہے' کیونکہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ جو مؤمن مرتکب کبیرہ بغیر توبہ کے مرگیا' وہ لازماً دوزخ میں داخل ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور اس کے مقابلہ میں اہل سنت و جماعت یہ کہتے ہیں کہ مؤمن مرتکب کبیرہ کو بخش دیا جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو ابتداءً اپنے فضل سے جنت میں داخل فرمادے گا اور ان کا استدلال قرآن مجید کی حسب ذیل آیت سے ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ قید نہیں لگائی کہ شرک سے کم گناہ کو وہ اس کے لیے بخشے گا جو اس پر مرنے سے پہلے توبہ کر لے گا' اس کا مطلب یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ خواہ توبہ نہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کو چاہے گا تو بخش دے گا' اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (الرعد: ۶)

اور بے شک آپ کا رب لوگوں کو ان کے گناہوں کے باوجود بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب سخت سزا دینے والا ہے ○

اس آیت کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو عین حالت معصیت میں بھی بخش دیتا ہے' تو پھر امام رازی نے متقین کے مصداق میں اگر گناہوں سے اجتناب اور اطاعت وعبادت کرنے کی قید نہیں لگائی تو وہ ان آیاتِ مبارکہ اور اہل سنت کے نظریہ کے مطابق ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو مرتکب کبیرہ کو اس کے گناہوں کے باوجود اور اس کی توبہ کے بغیر بخش دے گا اور وہ ابتداءً جنت میں چلا جائے گا اور سایوں' چشموں اور پسندیدہ پھلوں میں رہے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ خوشی سے کھاؤ اور پیو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو گناہوں کے باوجود اس کی توبہ کے بغیر بخش دے گا اور جنت میں بھیج دے گا' لیکن وہ بہ ہرحال مرتکب کبیرہ ہوگا اور غیر تائب ہوگا' متقی نہیں ہوگا' نیز اس آیت میں اس کی مغفرت کا ذکر ہے' یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ اس کی ابتداءً مغفرت فرمادے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی مغفرت اس کی سزا بھگتنے کے بعد ہو یا لمبے عرصہ تک میدانِ محشر میں کھڑے رکھنے کے بعد ہو۔ بھلا جن لوگوں نے بے خوفی اور دلیری سے کبیرہ گناہ کیے ہوں' وہ ان لوگوں

کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں جو ہر وقت اور ہر آن اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتے رہتے ہیں اور گناہوں سے باز رہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ○ (الجاثیہ:۲۱)

جن لوگوں نے گناہ کیے ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو ان ایمان والوں کی مثل کر دیں گے جنہوں نے نیک اعمال کیے اور ان کی زندگی اور ان کی موت یکساں ہو جائے' وہ یہ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں○

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ گناہ گار مسلمان تو مؤمنین صالحین کے برابر بھی نہیں ہیں چہ جائیکہ متقین کے برابر ہوں' ہم گناہ گار مسلمانوں کی مغفرت کا انکار نہیں کرتے' ہمارا انکار ان کو متقین قرار دینے سے ہے۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے تبیان القرآن ج ۶ ص ۴۰۷۔۴۰۶ کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم کچھ دن تک کھاؤ اور فائدہ اٹھا لو بے شک تم مجرم ہو○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے○ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے○ اس قرآن کے بعد وہ پھر کس چیز پر ایمان لائیں گے○ (المرسلات: ۵۰۔۴۶)

کفار کو نعمتوں کے شکر نہ ادا کرنے پر عذاب سے ڈرانا

المرسلات: ۴۱ سے پہلے جو کفار اور مشرکین کی مذمت کی گئی تھی' یہ آیت بھی اسی کی طرف راجع ہے یعنی ان مکذبین سے کہا جائے گا: تم دنیا میں چند روزہ زندگی گزار کر کھانے پینے کا عارضی نفع اٹھا لو بے شک تم مجرم ہو یعنی کافر ہو' تم نے دنیا میں جو شرک کیا ہے اور دیگر گناہ کبیرہ کیے ہیں تم کو آخرت میں ان کی سزا بھگتنی ہو گی۔

اس آیت میں اگرچہ دنیا کی چیزوں کو کھانے پینے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا ہے' لیکن درحقیقت ان چیزوں سے ڈرایا ہے کیونکہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا اور ان کا شکر ادا نہیں کرے گا تو آخرت میں اس کو عذاب کا سامنا کرنا ہو گا کیونکہ ہر چند کہ دنیا کا عیش و آرام' لذیذ اور مرغوب چیزوں کو کھانا اور نفسانی خواہشوں کو پورا کرنا بہت خوش گوار ہے' لیکن یہ اس وقت ہے جب انسان اللہ پر ایمان لائے اور اس کے احکام پر عمل کرے تو اس کی دنیا بھی آرام دہ ہو گی اور آخرت بھی اور اگر وہ اللہ کی توحید اور اس کے احکام کی تصدیق نہ کرے تو اس کو آخرت میں عذاب ہو گا اور وہ دردناک عذاب کبھی منقطع نہیں ہو گا تو اس کے مقابلہ میں دنیا کی یہ عارضی خوشیاں بہت کم ہیں اور اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان عارضی لذائذ کے مقابلہ میں اس کو کتنا طویل اور سخت عذاب بھگتنا ہو گا تو وہ ان چیزوں کی طرف کبھی رغبت نہ کرے۔

المرسلات: ۴۷ میں فرمایا: اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے○

یعنی اگر یہ کفار اللہ تعالیٰ کی ناشکری کا جرم نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے احکام کی تصدیق کرتے اور ان پر عمل کرتے تو ان کو قیامت کے دن ہلاکت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

المرسلات: ۴۸ میں فرمایا: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے○

کفار کو نماز نہ پڑھنے پر عذاب سے ڈرانا

اس آیت میں بھی کفار کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے' گویا کہ ان سے کہا گیا: چلو مان لیا تم دنیا سے اور اس کے عیش سے محبت کرتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت سے مکمل اعراض نہ کرو بلکہ اس کی عبادت کرتے رہو' اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے اور

اس کے احکام پر عمل کرتے رہے اور نماز پڑھتے رہے اور اس کے ساتھ دنیا کی لذتیں بھی حاصل کرتے رہے تو تمہاری مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے' پھر یہ کفار ایسا نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے سر تسلیم خم نہیں کرتے تھے اور اپنے جہل اور کفر پر اصرار کرتے تھے اور اپنے آپ کو دائمی عذاب کے لیے تیار رکھتے تھے۔

کفار کو نماز پڑھنے کا حکم دینے کی متعدد تفاسیر

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ ھ لکھتے ہیں:

مقاتل نے کہا: یہ آیت ثقیف کے متعلق نازل ہوئی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اسلام لے آؤ اور نماز پڑھو' انہوں نے کہا: ہم جھکیں گے نہیں یعنی رکوع نہیں کریں گے' یہ ہمارے لیے عیب ہے' آپ نے فرمایا: اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں رکوع اور سجود نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان سے آخرت میں کہا جائے گا: نماز پڑھو' جب ان کو سجدہ کرنے کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہیں کرسکیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن انہیں نماز پڑھنے کے لیے کہا جائے گا اور قیامت دارِ تکلیف نہیں ہے کہ ان کو کسی عبادت کا حکم دیا جائے اور اس کے نہ کرنے سے ان کو عذاب ہو' ان کو سجدہ کرنے کے لیے اس وجہ سے بلایا جائے گا کہ دنیا میں ان کی عبادت کرنے کا حال منکشف ہو جائے' پس جو شخص دنیا میں اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہوگا وہ قیامت کے دن آسانی سے سجدہ کرے گا اور جو دنیا میں ریاکاری سے سجدہ کرتا ہوگا وہ قیامت کے دن سجدہ نہیں کرسکے گا اور اس کی کمر تختے کی طرح ہو جائے گی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ان سے کہا جائے گا: تواضع اور عاجزی کرو تو وہ تواضع نہیں کرسکیں گے اور یہ نماز اور غیر نماز ہر حالت میں عام ہے اور نماز کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ توحید کے بعد تمام احکام شرعیہ کی اصل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٩ ص ١٣٦' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ ھ)

المرسلات: ۴۹ میں فرمایا: اور اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے O

یعنی جن کافروں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے اس حکم کی تکذیب کی ان کے لیے ہلاکت ہے۔

المرسلات: ۵۰ میں فرمایا: اس قرآن کے بعد وہ پھر کس چیز پر ایمان لائیں گے؟ O

اس سورت کے شروع سے اس آیت تک اللہ تعالیٰ نے دس وجوہ سے کفار کو ایمان نہ لانے پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا ہے اور ان کی مذمت کی ہے اور ان کو قرآن کی آیات میں اور کائنات میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دی ہے' تو اللہ تعالیٰ نے کفار کے حال پر تعجب ظاہر فرمایا کہ اس قرآن کے بعد اور کوئی ہدایت کی کتاب آئے گی نہیں اور نہ اس نبی کے بعد اور کوئی ہدایت دینے والا نبی آئے گا تو پھر کفار کس بات کا انتظار کر رہے ہیں' وہ ایمان کیوں نہیں لے آتے؟

سورۃ المرسلات کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ١٦ جمادی الثانیہ ١٤٢٦ھ/ ٢٤ جولائی ٢٠٠٥ء بہ روز اتوار بعد از نمازِ عصر سورۃ المرسلات کی تفسیر ختم ہوگئی' ١٧ جولائی کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح ٧ روز میں اس کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

اے میرے رب! جس طرح آپ نے یہاں تک ٢٩ پاروں کی تفسیر مکمل کرادی ہے' اسی طرح اپنے فضل و کرم سے آخری عمّ پارے کی تفسیر مکمل کرادیں' میری صحت اور توانائی کو اور ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو قائم رکھیں اور میری اور میرے والدین

کی اور تمام قارئین کی مغفرت فرما دیں اور ایمان پر عزت اور کرامت کے ساتھ خاتمہ فرما دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین سیدنا محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورة النبا

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام النبا ہے' اور یہ نام اس سورت کی دوسری آیت سے ماخوذ ہے' وہ آیت یہ ہے:

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ۝ (النبا: ٢-١)

یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ ۝ عظیم خبر کے متعلق ۝

وہ خبر وقوع قیامت کی خبر ہے' اور وہ لوگوں کے مرنے کے بعد ان کے زندہ ہونے کی خبر ہے' لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے کہ قیامت کب واقع ہوگی اور ان کو مرنے کے بعد کب زندہ کیا جائے گا!

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سورت "عمّ یتساء لون" مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں عبدالعزیز بن قیس سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کتنی قرأت کرتے تھے' حضرت انس نے اپنے ایک بیٹے سے کہا: انہوں نے ہمیں ظہر اور عصر کی نماز پڑھائی اور اس نماز میں "المرسلات" اور "عم یتساء لون" پڑھیں۔ (الدرالمنثور ج ٨ ص ٣٥٨' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ)

المرسلات اور النبا میں مناسبت

(١) سورۃ المرسلات اور سورۃ النبا دونوں میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو بتایا ہے اور ان دونوں میں اس چیز کو دلیل کے ساتھ ثابت کیا ہے' سورۃ المرسلات میں فرمایا:

أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ۝ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ۝ كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝ أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ ۝ (المرسلات: ٢٣-١٦)

کیا ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا؟ ۝ پھر ہم ان کے بعد دوسری قوموں کو لاتے ہیں ۝ ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں ۝ اس دن مکذبین کے لیے ہلاکت ہے ۝ کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟ ۝ پھر ہم نے اس پانی کو محفوظ جگہ میں رکھا ۝ ایک مقرر اندازے تک ۝ پھر ہم نے اندازہ کیا' سو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں ۝

اور سورۃ النبا میں فرمایا:

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ۝ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ۝ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ۝ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ

کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ ۝ اور پہاڑوں کو میخیں ۝ اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ۝ اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت

لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۙ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۙ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۭ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۙ (النبا: ۱۷۔۶)

بنایاO اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایاO اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایاO اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائےO اور ہم نے سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایاO اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زور کی بارش نازل کیO تاکہ ہم اس کے سبب سے غلہ اور سبزہ نکالیںO اور گھنے باغاتO بے شک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہےO

(۲) ان دونوں سورتوں میں جنت اور دوزخ کی صفات بیان کی گئی ہیں' قیامت کے ہولناک مناظر بیان کیے گئے' کفار اور مشرکین کو دوزخ میں جو عذاب دیا جائے گا' اس کا بیان کیا گیا ہے اور متقین کو جنت میں جن انعامات اور اکرامات سے نوازا جائے گا' ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) سورۃ المرسلات میں اجمالاً فرمایا تھا:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۭ (المرسلات: ۱۴) آپ کیا سمجھے کہ فیصلہ کا دن کیا ہےO

اور النبا میں اس کی تفصیل فرمائی ہے:

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۙ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۙ (النبا: ۱۸۔۱۷)

بے شک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہےO جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج چلے آؤ گےO

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۰ اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۷۸ ہے۔

سورت النبا کے مشمولات

☆ النبا: ۵۔۱ میں قیامت کے وقوع کی خبر دی گئی ہے اور قیامت کے وقوع پر دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

☆ النبا: ۱۶۔۶ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعدد مظاہر سے انسان کے مرنے کے بعد اس کو زندہ کرنے پر متعدد دلائل دیئے گئے ہیں۔

☆ النبا: ۲۰۔۱۷ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مُردوں کو زندہ کرنے کا کون سا وقت ہے اور یہ وہ وقت ہے جس میں اوّلین اور آخرین کو جمع کیا جائے گا۔

☆ النبا: ۳۸۔۲۱ میں کافروں کے عذاب کی مختلف اقسام اور مؤمنوں کے ثواب کی مختلف انواع بیان کی گئی ہیں۔

☆ اور اس سورت کو اس خبر پر ختم کیا گیا ہے کہ یہ دن برحق ہے اور کفار کو اس عذاب سے ڈرایا گیا جس کی شدت کو دیکھ کر وہ کہیں گے: کاش! ان کو مٹی بنا دیا جاتا۔

سورۃ النبا کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل اور کذب سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ/ ۲۷ جولائی ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹/ ۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴



سورۃ النبا ۷۸ ۔ آیاتہا ۴۰ ۔ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ النبا مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ

یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ ○ عظیم خبر کے متعلق ○ جس میں یہ اختلاف

فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥ اَلَمْ

کر رہے ہیں ○ ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے ○ پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے ○ کیا ہم نے

نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝٨

زمین کو فرش نہیں بنایا؟ ○ اور پہاڑوں کو میخیں ○ اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ○

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝١٠ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ

اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایا ○ اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا ○ اور ہم نے دن کو روزی کمانے

مَعَاشًا ۝١١ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝١٢ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا

کا وقت بنایا ○ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے ○ اور ہم نے سورج کو چمکتا

وَّهَّاجًا ۝١٣ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝١٤ لِّنُخْرِجَ

ہوا چراغ بنایا ○ اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زور دار بارش نازل کی ○ تاکہ ہم اس کے سبب

بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝١٥ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝١٦ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ

سے غلہ اور سبزہ اگائیں ○ اور گھنے باغات ○ بے شک فیصلہ کا دن

مِيْقَاتًا ۝١٧ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝١٨ وَّ

مقرر شدہ وقت ہے ○ جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج آؤ گے ○ اور

فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝١٩ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ

آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے ○ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ

سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾

سراب بن جائیں گے O بے شک دوزخ گھات میں ہے O سرکشوں کا ٹھکانا ہے O

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا

جس میں وہ مدتوں تک رہیں گے O اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی

شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ

مشروب O سوا کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے O یہ ان کے موافق بدلہ ہے O بے شک

كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾

وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے O اور انہوں نے ہماری آیات کی پوری پوری تکذیب کی O

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ

اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے O اب چکھو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے

اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾

ہی رہیں گے O

ع ۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟O عظیم خبر کے متعلق O جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں O ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے O پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے O (النبا: ۵۔۱)

''عمّ یتساء لون'' کی لفظی تحقیق

النبا: ۱ میں پہلا لفظ ہے: ''عمّ'' یہ لفظ اصل میں ''عن ما'' تھا ''ن'' اور ''م'' قریب المخرج ہیں' اس لیے ''ن'' کا ''م'' میں ادغام کر دیا گیا تو یہ ''عما'' ہو گیا' پھر کثرت استعمال کی وجہ سے اس میں تخفیف کی گئی اور اس کے آخر میں الف کو حذف کر دیا گیا تو یہ ''عمّ'' ہو گیا جیسے ''لم' بم'' اور ''فیم'' میں تخفیف کی وجہ سے ان الفاظ کے اخیر میں الف کو حذف کیا گیا ہے' کیونکہ یہ الفاظ بھی اصل میں ''لما' بما'' اور ''فیما'' تھے۔

کلامِ عرب میں لفظ ''ما'' کسی مجہول چیز کی ماہیت اور حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے' جیسے کہا جاتا ہے: ''ما الروح'' روح کی حقیقت کیا ہے؟ اور ''ما الجن'' جن کی حقیقت کیا ہے؟ پھر جس عظیم چیز کی ماہیت اور حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے کفار ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے' اس کی حقیقت اور اس کی صفات کا ادراک کرنے سے ان کی عقل عاجز تھی' اس لیے اس عظیم چیز کی ذات اور صفات ان کے نزدیک مجہول تھیں' اس لیے انہوں نے لفظ ''ما'' سے سوال کیا کہ وہ کیا چیز ہے؟ اور اس کی کیا صفات ہیں؟ اور اس پر لفظ ''ما'' کا دخول اس چیز کے مرتبہ کے بلند ہونے اور اس چیز کے عظیم ہونے

کی دلیل ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

مَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿ (المطففین: ۸)　　آپ کو کیا معلوم کہ سجین کیا ہے؟ O

''سجن'' کا معنی قید خانہ ہے''سجین'' کی ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ قید خانہ کی طرح ایک نہایت تنگ مقام ہے، اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ زمین کے سب سے نچلے حصہ میں ایک جگہ ہے جہاں کافروں، مشرکوں اور ظالموں کی روحوں کو رکھا جاتا ہے اور اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں کافروں، مشرکوں اور ظالموں کے صحائف اعمال رکھے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''سجین'' بہت عظیم چیز ہے، جس کا کافروں کی روحوں اور ان کے صحائف اعمال کے مستقر سے تعلق ہے۔

''ما'' کا مدخول کوئی عظیم مجہول چیز ہوتی ہے، جس کی حقیقت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، اس کی دوسری مثال یہ ہے:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿ (البلد: ۱۲)　　اور آپ کیا سمجھے کہ العقبۃ کیا ہے O

''العقبہ'' گھاٹی کو کہتے ہیں یعنی جو پہاڑ میں چڑھائی کا راستہ ہو، یہ راستہ عام طور پر نہایت دشوار گزار ہوتا ہے، یعنی جب انسان کوئی نیک کام کرنا چاہتا ہو تو اس کو شیطان اس نیکی سے روکنے کے لیے بہت وسوسے ڈالتا ہے اور اس کا نفس بھی اس محنت اور مشقت سے جان چھڑانے کے لیے اس کو متعدد طریقوں سے روکتا ہے، اسی طرح جب انسان کا نفس اس کو کسی بُرے کام کی طرف مائل کرتا ہے اور اس بُرائی پر اُبھارتا ہے تو انسان کو نیکی کرنے کے لیے یا بُرائی سے بچنے کے لیے شیطان سے اور اپنے نفس سے سخت جنگ کرنا پڑتی ہے اور جس طرح پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنا سخت دشوار ہوتا ہے، اس طرح ایسے مواقع پر نیک عمل کرنا اور بُرے کام کو ترک کرنا بھی بہت دشوار ہوتا ہے، سو یہ وہ عظیم گھاٹی ہے جس کو سمجھنا اور جاننا مطلوب ہے۔

سوال کرنے والوں کا مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے: یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ O

یہ سوال کرنے والے کون لوگ تھے؟ اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) یہ سوال کرنے والے کفار تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دھمکانے کے لیے فرمایا:

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ O (النبا: ۵۔۴)　　ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے O پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے O

اور دھمکانا صرف کفار کے لیے مناسب ہے، اس سے معلوم ہوا یہ کفار تھے جو ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے۔

(۲) کفار اور مؤمنین دونوں سوال کرتے تھے، رہے مؤمنین تو وہ اس لیے سوال کرتے تھے کہ دین میں ان کی بصیرت اور قیامت پر ان کا ایمان اور زیادہ قوی ہو جائے اور رہے کفار تو وہ اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے اور اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالنے کے لیے سوال کرتے تھے۔

(۳) سوال کرنے والے کفار اور مشرکین تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ آپ جس قیامت کا ہم سے وعدہ کر رہے ہیں، وہ کب آئے گی۔

النبا: ۲ میں فرمایا: عظیم خبر کے متعلق O

پہلی تفسیر کہ عظیم خبر سے مراد قرآن مجید کی خبر ہے

جس عظیم خبر کے متعلق کفار سوال کرتے تھے وہ کس چیز کی خبر تھی؟ آیا قرآن کی یا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی یا

قیامت کی' ان تینوں احتمالات کی طرف مفسرین گئے ہیں' پہلا قول یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی خبر ہے۔

(۱) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد نے کہا: ''النبا العظیم'' سے مراد قرآن مجید ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۸۹۰)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ (النبا: ۳)

اور قرآن مجید کے متعلق کفارِ مکہ اختلاف کر رہے تھے' بعض کہتے تھے کہ قرآن مجید جادو ہے' اور بعض کہتے تھے کہ وہ شعر ہے اور بعض کہتے تھے کہ وہ ''اساطیر الاولین'' ہے یعنی پچھلی قوموں کے افسانے ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قیامت کے انکار پر وہ متفق تھے' نیز النبا: ۲ میں فرمایا: وہ عظیم خبر کے متعلق سوال کرتے تھے' اور خبر کا مصداق صرف قرآن مجید ہے' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت خبر نہیں ہے بلکہ آپ کی نبوت کی خبر دی گئی ہے' اسی طرح قیامت بھی خبر نہیں ہے بلکہ قیامت کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔

دوسری تفسیر کہ عظیم خبر سے مراد آپ کی بعثت کی خبر ہے

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر ہے۔

علامہ عبدالرحمان بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے: اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اور آپ کا دعویٰ نبوت مراد ہے۔

(زاد المسیر ج ۹ ص ۴' مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے: یہ کیا نیا پیغام لائے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یہ کس چیز کے متعلق سوال کر رہے ہیں؟ کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجنے پر وہ بہت تعجب کر رہے تھے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۝ (قٓ: ۲)

بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا' پس کافروں نے کہا: یہ تو بہت عجیب بات ہے ۝

نیز جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توحید کا پیغام سنایا تو ان کو اس پر بھی بہت تعجب ہوا' قرآن مجید نے ان کا قول نقل فرمایا ہے:

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ (صٓ: ۵)

کیا اس نے اتنے بہت معبودوں کو ایک مستحق عبادت بنا دیا ہے؟ بے شک یہ بہت تعجب کی بات ہے ۝

پس مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق تعجب کا اظہار کرتے تھے اور اس کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے' اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ ۝ عظیم خبر کے متعلق ۝ جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں ۝

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کا اختلاف یہ تھا کہ بعض آپ کو شاعر کہتے تھے' بعض مجنون کہتے تھے اور بعض ساحر کہتے تھے۔

تیسری تفسیر عظیم خبر سے مراد حیات بعد الموت کی خبر ہے

(۳) اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ وہ قیامت اور لوگوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے متعلق سوال کرتے تھے۔

امام محمد بن جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
قتادہ نے "النبأ العظیم" کی تفسیر میں کہا: اس سے مراد مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا ہے۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۸۹۱)
ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اس خبر سے مراد قیامت کا دن ہے' کفار نے کہا: اس دن کے متعلق تم یہ زعم کرتے ہو کہ ہم اور ہمارے آباء کو اس دن میں زندہ کیا جائے گا اور ان کا اس میں اختلاف تھا اور وہ اس پر ایمان نہیں لاتے تھے' پس اللہ تعالیٰ نے بتایا: بلکہ وہ عظیم خبر ہے جس سے تم اعراض کرتے ہو' وہ قیامت کا دن ہے جس پر تم ایمان نہیں لاتے۔
قتادہ نے کہا: موت کے بعد زندہ کیے جانے میں ان کے دو فرقے تھے: بعض تصدیق کرتے تھے اور بعض تکذیب کرتے تھے۔ (جامع البیان جز ۲۹ ص ۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

معاد جسمانی کے متعلق کفار اور مشرکین کی آراء

معاد کے متعلق کفار اور مشرکین کی حسب ذیل آراء تھیں:
بعض مشرکین معاد جسمانی میں شک کرتے تھے' وہ کہتے تھے:

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ. (حٰمٓ السجدہ: ۵۰)
میرا یہ گمان نہیں ہے کہ قیامت قائم ہوگی' اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا تو یقیناً میرے لیے اس کے پاس اچھا انعام ہوگا۔

اور بعض ان میں سے وہ تھے جو دہریوں کے عقائد کے حامل تھے' وہ کہتے تھے:

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ (المؤمنون: ۳۷)
ہماری صرف یہی دنیا کی زندگی ہے' ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا ۝

اور ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کی قدرت کے منکر تھے اور مردہ انسان کے دوبارہ زندہ کرنے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر سمجھتے تھے:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ (یٰس: ۷۸)
اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور کہا: ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ ۝

اور بعض مرنے کے بعد زندہ ہونے کو مانتے تھے مگر وہ یہ کہتے تھے کہ ان کو ان کی بدعقیدگیوں اور بداعمالیوں سے حشر کے دن کوئی ضرر نہیں ہوگا' وہ کہتے: ہمارے یہ بت ہم کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لیں گے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ. (یونس: ۱۸)
اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ (بت) قیامت کے دن اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے۔

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی سوال کیا: یہ لوگ کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں؟ ۝ پھر خود ہی جواب دیا: عظیم خبر کے متعلق ۝ اس کی توجیہ یہ ہے کہ کسی چیز کو سوال اور جواب کے طریقہ پر بیان کرنا اس چیز کو فہم اور وضاحت کے زیادہ قریب کر دیتا ہے' اس کی مثال یہ آیت ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝
آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ واحد قہار کی ۝

(المؤمن: ۱۶)

النبا: ۵۔۴ میں فرمایا: ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے O پھر ہرگز نہیں! یہ عنقریب جان لیں گے O

''کلا'' کا لفظی اور مرادی معنی

ان دونوں آیتوں کے شروع میں ''کلا'' ہے' ''کلا'' کے لفظ کو اس لیے وضع کیا گیا ہے کہ جو چیز پہلے مذکور ہے اس کا رد کیا جائے' یعنی واقع اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ کفار اور مشرکین کہتے ہیں کہ یہ خبر عظیم باطل ہے' وہ حیات بعد الموت کو باطل کہتے ہیں' ہرگز نہیں! حیات بعد الموت باطل نہیں ہے' ان کو جب عنقریب ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اس کو عین الیقین کے ساتھ جان لیں گے' پھر ہرگز نہیں! ان کو جب دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو وہ اس کو حق الیقین کے ساتھ جان لیں گے۔

عین الیقین کا معنی ہے: کسی چیز کا مشاہدہ سے علم ہونا' اور حق الیقین کا معنی ہے: کسی چیز کا تجربہ سے یقین ہونا' جب مشرکین قبروں سے نکلیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ لوگ قبروں سے زندہ ہو کر نکل رہے ہیں تو ان کو حیات بعد الموت پر علم الیقین ہوگا' پھر جب وہ اس پر توجہ کریں گے کہ وہ خود بھی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں تو ان کو حیات بعد الموت پر حق الیقین ہو جائے گا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''کلا'' کا لفظ ''حقا'' کے معنی میں ہے یعنی یقیناً یہ عنقریب جان لیں گے O پھر یقیناً یہ عنقریب جان لیں گے O' اور یہ جو فرمایا ہے: یہ عنقریب جان لیں گے' اس میں ان کے لیے وعید اور عذاب کی دھمکی ہے کہ یہ جس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کر رہے ہیں اور جس چیز کا مذاق اڑا رہے ہیں' وہ برحق ہے' اس کو کوئی ٹالنے والا یا مسترد کرنے والا نہیں ہے اور لاریب وہ چیز ضرور واقع ہوگی اور دوبارہ جو اس جملہ کا ذکر کیا ہے' اس میں یہ بتایا ہے کہ دوسری دھمکی پہلی دھمکی سے زیادہ شدید ہے۔

''کلا سیعلمون'' کو دوبار ذکر کرنے کے فوائد

اس جملہ کو جو دوبار ذکر فرمایا ہے' اس کی مفسرین نے حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) پہلی آیت کا تعلق کفار سے ہے اور دوسری آیت کا تعلق مؤمنین سے ہے' یعنی عنقریب کفار کو اس عظیم خبر کی تکذیب کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا' اور عنقریب مؤمنین کو اس عظیم خبر کی تصدیق کا انجام اور اس کی جزاء کا علم ہو جائے گا۔

(۲) پہلے جملہ کا معنی یہ ہے کہ عنقریب کفار میدانِ حشر کا مشاہدہ کر لیں گے اور دوسرے جملہ کا معنی ہے: عنقریب کفار اس تکذیب کے عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے۔

(۳) پہلے جملہ کا معنی ہے: عنقریب کفار کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے اور دوسرے جملہ کا معنی ہے: عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا یہ گمان اور وہم صحیح نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

(۴) پہلے جملہ میں جو وعید ہے' اس کا تعلق دنیا کی وعید سے ہے جیسے کفارِ مکہ کو جنگ بدر میں شکست اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر آدمی قید ہوئے اور دوسرے جملہ میں جو وعید ہے اس کا تعلق آخرت کی سزا سے ہے۔

(۵) پہلے جملہ میں جو وعید ہے' اس کا تعلق کافروں کی موت' نزع کی سختی اور سکرات الموت سے ہے اور دوسرے جملہ میں وعید کا

تعلق دوزخ کی سزا سے ہے۔

(۶) پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق نہ کرنے پر عذاب کی وعید ہے اور دوسرے جملہ میں احکامِ شرعیہ فرعیہ پر عمل نہ کرنے کی بناء پر وعید ہے۔

(۷) پہلے جملہ میں جسمانی عذاب کی وعید ہے جو عذاب ان کو دوزخ میں دیا جائے گا اور دوسرے جملہ میں روحانی عذاب کی وعید ہے جو مؤمنوں پر انعام واکرام اور ان کی تعظیم وتکریم کو دیکھ کر انہیں ہوگا اور دنیا میں جن کو وہ حقیر سمجھتے تھے آخرت میں ان کی توقیر دیکھ کر ان کے دل جلیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟O اور پہاڑوں کو میخیںO اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیاO اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایاO اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایاO اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایاO اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائےO اور ہم نے سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایاO اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زوردار بارش نازل کیO تاکہ ہم اس کے سبب سے غلہ اور سبزہ اگائیںO اور گھنے باغاتO بے شک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہےO (النبا: ۱۷۔۶)

حیات بعد الموت پر اجمالی شواہد اور دلائل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا تھا کہ کفار حیات بعد الموت کا اور حشر اجساد کا انکار کرتے ہیں' ان کے انکار کی بنیاد یہ تھی کہ جب انسان مر کر مٹی ہو جائے گا' اور یک مردہ کی مٹی دوسرے مردے کی مٹی میں مل جائے گی اور تیز ہواؤں اور آندھیوں سے ان کے ذرات دور دراز علاقوں میں پہنچ جائیں گے تو کیسے معلوم ہوگا کہ کون سا ذرہ کس انسان کا ہے اور کون سا ذرہ دوسرے انسان کا ہے؟' ان کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جس کا علم ناقص ہو وہ ان مختلط ذرات کو باہم ممتاز نہیں کر سکتا اور جس کی قدرت ناقص ہو وہ ان بکھرے ہوئے ذرات کو جوڑ کر پھر ویسا ہی انسان بنا کر کھڑا نہیں کر سکتا' اللہ تعالیٰ کا علم بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی کامل' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور اپنی قدرت کے کمال پر النبا: ۱۶۔۶ تک شواہد پیش کیے کہ اس نے زمین کو فرش بنایا' اس میں پہاڑوں کی میخیں لگائیں' انسانوں کو پیدا کیا' دن اور رات کا نظام بنایا' سات مضبوط آسمان بنائے' سورج اور بادلوں کو پیدا کیا' زمین سے غلہ اور سبزہ اور گھنے باغات اگائے' کیا جس نے یہ ساری کائنات تخلیق کی ہے وہ تم کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا اور آخرت میں تمہارا محاسبہ نہیں کر سکتا اور نیکوکاروں کو ثواب اور گناہ گاروں کو عذاب نہیں دے سکتا؟

النبا: ۷ میں فرمایا: اور پہاڑوں کو میخیںO

صوفیاء کی اصطلاح میں ''اوتاد'' کا معنی

اس آیت میں ''اوتاد'' کا لفظ ہے' یہ ''وتد'' کی جمع ہے' ''وتد'' کا معنی ہے: میخ اور کیل' اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش بنا کر اس میں پہاڑوں کی میخیں لگا دیں تاکہ زمین اپنی جگہ قائم رہے' اس آیت میں پہاڑوں کو میخوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح میخ کو جب کسی چیز میں گاڑ دیا جائے تو وہ اس چیز کو قائم رکھتی ہے' اسی طرح جب پہاڑوں کو زمین میں نصب کر دیا گیا تو پہاڑ زمین کو اپنے محور پر قائم رکھتے ہیں اور زمین کو محور سے متجاوز نہیں ہونے دیتے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ ''اوتاد'' حقیقت میں اکابر اولیاء اور اللہ تعالیٰ کے مخصوص اہل صفا ہیں' وہ ان پہاڑوں کی طرح ہیں جن کو زمین میں نصب کیا ہوا ہے' ابوسعید خراز سے یہ سوال کیا گیا کہ اوتاد اور ابدال میں کون افضل ہیں؟ انہوں نے کہا: اوتاد افضل ہیں' سائل نے سوال کیا: کیسے؟ ابوسعید خراز نے کہا: کیونکہ ابدال ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹتے رہتے ہیں اور

ایک مقام سے دوسرے مقام میں ان کا بدل چھوڑ دیا جاتا ہے اور اوتاد انتہائی بڑے مرتبہ پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں' وہ اپنے مقام سے نہیں ہٹتے اور اپنے مقام پر اس طرح قائم رہتے ہیں جیسے کسی جگہ میخ کو گاڑ دیا گیا ہو اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی وجہ سے مخلوق کا نظام اور قوام قائم رہتا ہے' ابن عطاء نے کہا: اوتاد ہی اہل استقامت اور اہل صدق ہیں' ان کے احوال متغیر نہیں ہوتے اور وہ مقام تمکین پر فائز ہیں۔ (روح البیان ج ۱۰ص ۳۴۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت'۱۴۲۱ھ)

النبا: ۸ میں فرمایا: اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیاO

''زوج'' کے معنی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر استدلال

اس آیت میں ''زوج'' کا لفظ ہے' علامہ محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ ''زوج'' کے معنی میں لکھتے ہیں:

''زوج'': شوہر' بیوی' طاق (فرد کے خلاف) یعنی جفت کو کہا جاتا ہے' دو چیزوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ''زوج'' ہیں۔ (القاموس المحیط ص ۱۹۲' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس آیت میں ''زوج'' سے یہی آخری معنی مراد ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس حال میں پیدا کیا ہے کہ تمہاری دو صنفیں ہیں اور تم دونوں کی وجہ سے نسل انسانی کا فروغ ہو رہا ہے اور زوج کا اطلاق ہر اس چیز پر کیا جاتا ہے جس کی دو مثلیں ہوں' عام ازیں کہ وہ جان دار چیزیں ہوں یا بے جان چیزیں ہوں' جیسے میاں بیوی' جرابیں' موزے اور جوتے وغیرہ' اسی طرح دو متقابل چیزوں پر بھی زوج کا اطلاق کیا جاتا ہے' جیسے فقر اور غنا' صحت اور مرض' علم اور جہل اور قوت اور ضعف وغیرہ' اسی طرح قبیح اور حسین' طویل القامت اور قصیر القامت وغیرہ اضداد پر بھی زوج کا اطلاق کیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور انتہائی حکمت پر واضح دلیل ہے کہ اس نے غنی اور فقیر' صحت مند اور بیمار اور توانا اور کمزور متضاد صفات کے حامل انسان پیدا کیے تاکہ ان کا امتحان اور آزمائش ہو سکے اور یہ دیکھا جائے کہ غنی اور صحت مند' صحت اور خوش حالی پر شکر کرتا ہے یا نہیں اور فقیر اور بیمار اپنے فقر اور مرض پر صبر کرتا ہے یا نہیں' کیونکہ انسان بیماری کی حالت میں صحت کی قدر کرتا ہے اور فقر کی حالت میں خوش حالی کی قدر کرتا ہے۔

النبا: ۹ میں فرمایا: اور ہم نے تمہاری نیند کو راحت بنایاO

''نوم'' اور ''سبات'' کے معانی اور نیند کو ''سبات'' فرمانے کی وجوہ

اس آیت میں دو لفظ ہیں: ''نوم'' اور ''سبات''' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ ''نوم'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نوم'' کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں اور وہ سب صحیح ہیں:

(۱) رطب (تر) بخارات کے دماغ کی طرف چڑھنے کی وجہ سے دماغ کے پٹھوں کا ڈھیلا پڑ جانا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نفس کو بغیر موت کے وفات دے دے' قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ (الزمر: ۴۲)

اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض فرماتا ہے اور جن کو موت نہیں آئی ان کی روحوں کو نیند کے وقت قبض فرماتا ہے۔

(۳) نیند خفیف موت ہے اور موت ثقیل نیند ہے۔ (المفردات ج ۲ص ۶۶۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

''سبت'' کے اصل معنی ہیں: ''القطع'' یعنی کسی کام کو منقطع کرنا' ہفتہ کے دن کو ''یوم السبت'' کہا جاتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اتوار کے دن سے شروع کی اور چھ دنوں میں اس تخلیق کو مکمل کر لیا' پھر ہفتہ کے دن اس

نے اپنے عمل کو منقطع کر دیا تو اس لیے اس کا نام ''یوم السبت'' ہوا' یعنی کام منقطع کرنے کا دن' قرآن مجید میں ہے:

إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ (الاعراف:۱۶۳)

جب وہ (بنو اسرائیل) ہفتہ کے دن تجاوز کرتے تھے' جب ان کے کام کے انقطاع کے دن مچھلیاں ظاہراً سامنے آتی تھیں اور جس دن وہ کام منقطع کرتے تھے (ہفتہ کے دن) اس دن وہ ان کے سامنے نہیں آتی تھیں۔

اور فرمایا:

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ (النبا:۹)

اور ہم نے تمہاری نیند کو کام کاج کے انقطاع کا ذریعہ بنا دیا یعنی راحت ۝

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۲۔۲۹۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیند کو ''سبات'' فرمایا یعنی قطع کا ذریعہ اور سبب' سو اس کی علماء نے حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) زجاج نے کہا: نیند انسان کے اعمال اور اس کی حرکات کے منقطع ہونے کا سبب ہے' اس لیے اس کو ''سبات'' فرمایا۔

(۲) قرآن مجید میں نیند کو موت فرمایا ہے (الزمر:۴۲) اس لیے بیداری کو حیات اور معاش یعنی روزی کمانے کا ذریعہ فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ (النبا:۱۱) اور ہم نے دن کو کام کاج اور حصول رزق کا ذریعہ بنا دیا ۝

(۳) لیث نے کہا: ''السبات'' ایسی نیند ہے جو بے ہوشی کے مشابہ ہے' اگرچہ ہر نیند ایسی نہیں ہوتی لیکن وجہ تسمیہ کے لیے جامع ہونا ضروری نہیں ہے' جیسے پاجامہ کو پاجامہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ پیروں کا لباس ہے حالانکہ پیروں کا ہر لباس پاجامہ نہیں ہوتا' شلوار' تہبند اور پتلون بھی پیروں کا لباس ہے' اس لیے اس سے امام رازی کا یہ اعتراض ساقط ہو گیا کہ اگرچہ ''سبات'' بے ہوشی کو کہتے ہیں لیکن اس وجہ سے نیند کو ''سبات'' کہنا درست نہیں کیونکہ ہر نیند اتنی گہری نہیں ہوتی کہ وہ بے ہوشی کے مشابہ ہو۔

(۴) ''سبات'' کا معنی قطع ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے اور انسان کو نیند بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے اور قسط وار آتی ہے' ایسا نہیں ہوتا کہ انسان مسلسل کئی کئی دن سوتا رہے' وہ چند گھنٹے سو جاتا ہے' پھر جاگ کر کام کاج کرتا ہے' پھر سو جاتا ہے تو اس کو نیند قطعات کی صورت میں آتی ہے۔

(۵) انسان جب کام کرنے سے تھک جاتا ہے تو کام منقطع کر کے سو جاتا ہے اور یہ نیند اس کی تھکاوٹ کو زائل کر دیتی ہے' پس اس تھکاوٹ کے ازالہ کو ''سبات'' اور قطع فرمایا یعنی تھکاوٹ کو قطع کرنا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نیند کو راحت بنا دیا۔

(۶) مبرد نے کہا: جب انسان پر نیند کا غلبہ ہو اور انسان اس نیند کو دور کرنے اور منقطع کرنے کی کوشش کرے تو عرب اس کو بھی ''سبات'' کہتے ہیں' اس صورت میں اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تمہاری نیند کو خفیف اور ہلکی بنایا ہے تاکہ تمہارے لیے اس نیند کو منقطع کرنا آسان ہو' گویا کہ یوں کہا گیا کہ ہم نے تمہاری نیند کو لطیف نیند بنایا ہے اور اس کو ایسی گہری اور ثقیل نہیں بنایا کیونکہ وہ بیماری ہے' صحت نہیں ہے۔

النبا: ۱۰ میں فرمایا: اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا ۝

لباس کا معنی اور رات کو لباس فرمانے اور اس کے نعمت ہونے کی وجوہ

اس آیت میں "لباس" کا لفظ ہے' علامہ محمد بن ابوبکر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں:

"لباس" کا ایک معنی ہے: اشتباہ' یعنی کسی شخص پر کوئی معاملہ خلط ملط کر دینا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَوْجَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○ (الانعام:۹)

اور اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تو ہم اس کو انسان ہی بناتے اور ہم ان پر اسی چیز کا التباس اور اشتباہ ڈال دیتے جس کا التباس اور اشتباہ انہیں اب ہو رہا ہے○

اور لباس اس چیز کو کہتے ہیں جس کو پہنا جائے' مرد عورت کا لباس ہے اور عورت مرد کا لباس ہے' قرآن مجید میں ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ (البقرہ:۱۸۷)

وہ (بیویاں) تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ (الاعراف:۲۶)

اور تقویٰ کا لباس یہی زیادہ بہتر ہے۔

تقویٰ کے لباس سے مراد حیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے یا عذاب کے ڈر سے فحش کاموں اور دیگر برائیوں کو ترک کر دینا)۔ (مختار الصحاح ص ۳۴۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ہر وہ چیز جو انسان کی قبیح چیزوں کو ڈھانپ لے' اس کو لباس کہتے ہیں' شوہر بیوی کا لباس ہے کیونکہ بیوی کی ضروریات اور اس کی خواہش کو پورا کرنے کی وجہ سے وہ بیوی کو فحش اور غلط کاموں کے ارتکاب سے روکتا ہے' اسی طرح بیوی شوہر کا لباس ہے کیونکہ اس کی خدمت اور اس کی خواہش پوری کرنے کی وجہ سے وہ شوہر کو غلط راہوں پر جانے سے روکتی ہے۔

قفال نے کہا: اصل میں لباس ڈھانپنے والی چیز کو کہتے ہیں اور چونکہ رات اپنی ظلمت اور اندھیرے کی وجہ سے لوگوں کو ڈھانپ لیتی ہے' اس لیے رات کو لباس فرمایا ہے' اور رات انسان کے حق میں اس لیے نعمت ہے کہ جب انسان اپنے دشمن سے چھپنا چاہے تو رات اس کے لیے ساتر ہو جاتی ہے اور جس طرح لباس کی وجہ سے انسان کا جمال زیادہ اور کامل ہوتا ہے اور لباس کی وجہ سے وہ سردی اور گرمی کے ضرر کو دور کرتا ہے' اسی طرح رات کو نیند کی وجہ سے انسان کا حسن و جمال زیادہ ہو جاتا ہے' اس کی تھکاوٹ کے زائل ہونے کی وجہ سے اس کے چہرے سے اضمحلال دور ہو جاتا ہے اور وہ تر و تازہ اور شاداب ہو جاتا ہے اور اس کے دماغ سے تفکرات کا ہجوم نکل جاتا ہے اور وہ پُرسکون ہو جاتا ہے۔

النبا:۱۱ میں فرمایا: اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا○

"معاش" کا معنی اور اس کے نعمت ہونے کی توجیہ

اس آیت میں "معاش" کا لفظ ہے' "معاش" "عیش" سے بنا ہے' "عیش" کا معنی ہے: وہ حیات جو جان داروں کے ساتھ مخصوص ہے' کیونکہ مطلقاً حیات کا لفظ تو حیوان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے' اسی لفظ سے معیشت بنا ہے۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۵۸)

معیشت کا معنی ہے: حیات کے ذرائع اور وسائل یعنی زندگی گزارنے کے اسباب۔

دن کو معاش فرمایا یعنی یہ زندگی گزارنے کا وقت ہے' اس وقت میں تم کو نیند سے بیدار کیا جاتا ہے اور نیند موت کی بہن ہے گویا اس وقت میں تم کو از سر نو زندہ کیا جاتا ہے' اس وجہ سے دن کا معاش ہونا بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

علامہ علاء الدولہ محمد بن احمد سمنانی متوفی ۶۵۹ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کیا ہم نے بشریت کی زمین کو تمہاری استراحت کا پالنا نہیں بنایا' اور بشریت کے منافع کی انواع کے پھیلنے کا ذریعہ نہیں

بنایا اور تمہارے نفوس کی شقاوت اور دلوں کی سختیوں کے پہاڑوں کو بشریت کی سرزمین کے قیام کے ستون اور پائے نہیں بنایا اور تم کو جوڑے جوڑے بنایا' روح کا جوڑا اور نفس کا جوڑا یا دل کو مذکر اور نفس کو مؤنث بنایا اور تمہاری نیند کی غفلت کو راحت بنایا تاکہ تم لذتوں اور شہوتوں کو پوری پوری حاصل کر کے استراحت کر سکو اور تمہاری طبیعتوں کی رات کو تمہارے دن کی روحانیت کے لیے پردہ بنایا اور تمہارے دن کی روحانیت کو معاش بنایا' جس میں تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کر سکو۔

(مخطوطہ تکملہ التاویلات النجمیہ بہ حوالہ روح البیان ج ۱۰ ص ۳۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

التاویلات النجمیہ کا تعارف

شیخ نجم الدین ابوبکر بن عبداللہ رازی متوفی ۶۵۴ھ دایہ کے لقب سے معروف تھے' انہوں نے صوفیانہ اصطلاحات پر قرآن مجید کی تفسیر لکھی' لیکن سورۃ الذاریات تک مکمل کر سکے' بعد ازاں الطور سے آخر قرآن تک شیخ علاء الدولہ سمنانی نے اس کا تکملہ لکھا' یہ تفسیر پانچ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے' ہنوز طبع نہیں ہوئی' اس کا قلمی نسخہ دارالکتب' قاہرہ میں موجود ہے۔ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ روح البیان میں کہیں کہیں اس کا اقتباس نقل کرتے رہتے ہیں۔

النبا: ۱۲ میں فرمایا: اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے O

لفظ ''بنینا'' لانے کی حکمت

''شداد'' کا لفظ ''شدیدۃ'' کی جمع ہے' یعنی جس کی تخلیق مضبوط اور محکم ہو اور وقت کے گزرنے سے اس میں کوئی تغیر نہ ہو سکے اور اس میں نہ کوئی ٹوٹ پھوٹ ہو سکے اور نہ اس میں کوئی شگاف پڑ سکے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ (الانبیاء: ۳۲) اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا ہے۔

اس آیت میں ''بنینا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ہم نے بنیاد رکھی اور بنیاد مکان کے نیچے ہوتی ہے اور چھت اوپر ہوتی ہے تو چھت بنانے کے لیے لفظ ''بنینا'' کو لانے کی کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بنیاد ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہوتی ہے' جب کہ چھت میں ٹوٹ پھوٹ کا خطرہ ہوتا ہے' تو ''بنینا'' کا لفظ لا کر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ یہ چھت بھی بنیاد کی طرح مضبوط ہے اور ٹوٹ پھوٹ کے خطرہ سے محفوظ ہے۔

بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ جس طرح آسمان سات ہیں' اسی طرح قلب کے بھی سات طبقات ہیں: (۱) طبقۃ الصدور اور یہ جوہر اسلام کا معدن ہے (۲) طبقۃ القلب اور یہ جوہر ایمان کا محل ہے (۳) الشغاف' یہ عشق' محبت اور شفقت کا معدن ہے (۴) الفواد' یہ مکاشفہ اور مشاہدہ کا معدن ہے (۵) حبۃ القلب' یہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ مخصوص ہے' اس طبقہ میں دونوں جہان میں سے کسی کی محبت نہیں ہوتی (۶) السویدا' یہ علم لدنی کا معدن ہے اور بیت الحکمۃ ہے (۷) بیت المعزۃ' یہ اکملین کا قلب ہے' اس بیت میں اسرارِ الٰہیہ ہیں' یہ باطن سے ظاہر کی طرف بالکل نہیں نکلتے اور نہ کبھی ان کا کوئی اثر ظاہر ہوتا ہے۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۳۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

النبا: ۱۳ میں فرمایا: اور ہم نے سورج کو چمکتا ہوا چراغ بنایا O

''وھاج'' اور ''ثجاج'' کے معانی

اس آیت میں ''وھاج'' کا لفظ ہے' یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور یہ ''وھج'' سے بنا ہے' ''وھج'' کا معنی ہے: روشن ہونا' چمکنا اور بھڑکنا' سو اس کا معنی ہے: بہت زیادہ روشن۔

بعض علماء نے کہا: ''الوھج'' کا معنی ہے: ''مجمع النور والحرارۃ'' گویا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ سورج انتہائی

درجہ کا روشن اور نہایت درجہ کا گرم ہے' کلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ''الوھاج''صرف نور کا مبالغہ ہے' اور الخلیل کی کتاب میں لکھا ہے کہ''الوھج''آگ اور سورج کی گرمی ہے۔

اس کا تقاضا ہے کہ''الوھاج''حرارت کا مبالغہ ہو یعنی انتہائی گرم اور روشن۔

النبا:۱۴ میں فرمایا: اور ہم نے برسنے والے بادلوں سے زوردار بارش نازل کی O

اس آیت میں''المعصرات''کا لفظ ہے' اس کا واحد''المعصرۃ''ہے' اس کا لغوی معنی ہے: نچوڑنے والی' یعنی بادلوں کو نچوڑنے والی ہوائیں۔

''المعصرات''کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو روایتیں ہیں' ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو چیر دیتی ہیں' اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد بادل ہیں۔

مجاہد' مقاتل' کلبی اور قتادہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ''المعصرات''سے مراد وہ تند و تیز ہوائیں ہیں جو بادلوں کو چیر دیتی ہیں' قرآن مجید میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا. اللہ ہوائیں چلاتا ہے جو بادل کو اٹھاتی ہیں۔

(الروم:۴۸)

ابو العالیہ' الربیع اور الضحاک نے کہا:''المعصرات''سے مراد بادل ہیں اور انہوں نے بادلوں کو''المعصرات''کہنے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) المؤرج نے کہا: لغت قریش میں''المعصرات''کا معنی بادل ہے۔

(۲) المازنی نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ''المعصرات''ہی بادل ہوں' جو نچڑتے ہیں کیونکہ جب نچوڑنے والی چیزیں بادلوں کو نچوڑتی ہیں تو ان سے پانی برستا ہے اور بارش ہوتی ہے۔

(۳) ''المعصرات''سے مراد وہ بادل ہیں جو نچڑنے کے قریب ہوتے ہیں کیونکہ جب ہوائیں ان بادلوں کو نچوڑتی ہیں تو وہ برسنے لگتے ہیں' جس طرح جب فصل کٹنے کے قریب ہو تو کہا جاتا ہے فصل کٹ گئی' اس طرح جب لڑکی کے حیض آنے کا وقت قریب ہو تو کہا جاتا ہے: لڑکی نچڑ گئی۔

نیز اس آیت میں مذکور ہے:''ماءً ثجاجاً''۔''ثجاج''کا معنی ہے: زور و شور کے ساتھ برسنے والا' اس کا معنی ہے: پانی برسنا اور بہنا''ثج''کا مصدر لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی ہوتا ہے' گویا اس کا معنی بہنا بھی ہے اور بہانا بھی ہے' حدیث میں بھی''الثج''کا لفظ ہے:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''افضل الحج العج والثج''یعنی سب سے افضل حج وہ ہے جس میں بلند آواز سے تلبیہ کہا جائے اور قربانی کے جانوروں کا خون بہایا جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۸۲۷' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۷۹۷)

النبا:۱۵۔۱۴ میں فرمایا: تاکہ ہم اس کے سبب سے غلہ اور سبزہ اگائیں O اور گھنے باغات O

غلہ اور سبزہ اگانے کی ظاہری اور صوفیانہ تفسیر

جب یہ پانی زمین تک پہنچ جائے گا اور مٹی اور بیج سے مخلوط ہو جائے گا تو ہم اس سے غلہ اور سبزہ اگائیں گے' غلہ سے مراد وہ زرعی پیداوار ہے' جو انسان کی خوراک بنتی ہے' جیسے گندم' جَو' چاول اور مختلف دالیں' اور سبزہ سے مراد وہ مختلف اقسام کا چارہ ہے

جو جانوروں کی خوراک بنتا ہے' اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور حیوانوں دونوں کی خوراک کا بندوبست کیا ہے' اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ . (طٰہٰ:٥٤) تم خود کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ۔

نیز النبا:١٦ میں فرمایا: اور گھنے باغات O

تا کہ انسان باغات کے پھلوں سے نئے نئے ذائقوں کی لذت حاصل کرے' جنت کا اصل معنی ستر اور چھپانا ہے' ڈھال کو ''جُنة'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دشمن کے وار کے لیے ستر ہوتی ہے' گھنے باغات سے مراد کھجور اور دوسرے پھلوں کے باغات ہیں اور ''الفافا'' کے معنی ہیں: ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے یعنی گھنے۔ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جس کی بہ کثرت گھنی اور سایا دار شاخیں ہوتی ہیں' درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے میں گھسی ہوئی ہوتی ہیں تو وہ گھنا ہوتا ہے اور خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔

علامہ علاء الدولہ سمنانی متوفی ٦٥٩ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ ہم نے ارواح کے آسمان سے الطاف کی ہواؤں سے علومِ ذاتیہ اور حکمت ہائے ربانیہ کو قطرہ' قطرہ تمہارے دلوں کی سرزمین پر ٹپکایا ہے تا کہ ہم اس سے محبتِ ذاتیہ کا غلہ اور شوق اور اشتیاق کا غلہ اگائیں اور محبتِ الٰہی کے گھنے باغات پیدا کریں۔ (التاویلات النجمیہ ج ٥ مخطوطہ)

النبا:١٧ میں فرمایا: بے شک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے O

حیات بعد الموت پر دلائل اور شواہد کا خلاصہ

اس سورت کے شروع میں عظیم خبر کا ذکر فرمایا تھا اور اس سے مراد حیات بعد الموت ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے النبا:٦ سے النبا:١٦ تک حیات بعد الموت پر دس آیتوں میں دس دلائل پیش فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں بنایا اور لوگوں کو جوڑا جوڑا پیدا کیا' نیند کو راحت' رات کو پردہ پوش اور دن کو معاش بنایا الخ۔

اور ان دس چیزوں کو پیدا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو اس ساری کائنات کا علم ہے اور وہ ان کی تخلیق پر قادر ہے' پس وہ عالم اور قادر ہے اور واجب ہے کیونکہ ممکن تو خود اپنی تخلیق میں محتاج ہے اور جب وہ واجب ہے تو ضروری ہے کہ وہ واحد ہو' کیونکہ تعدد وجباء محال ہے اور جب وہ اس تمام کائنات کو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ اس کائنات کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے: بے شک فیصلہ کا دن مقرر شدہ وقت ہے O اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دن اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ہے' اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ایک دن مقرر فرما دیا ہے جس میں قیامت قائم ہوگی' اس دن تمام لوگ ختم ہو جائیں گے اور ان کے اعمال بھی منقطع ہو جائیں گے' پھر ایک اور دن مقرر فرما دیا ہے جس میں صور پھونکا جائے گا تو تمام مردہ لوگ زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش تھے وہ ہوش میں آ جائیں گے' پھر سب لوگوں کو جمع کر کے ان کا حساب لیا جائے گا' نیکوں کو ثواب دیا جائے گا اور بدکاروں کو عذاب دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج آ ؤ گے O اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے O اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے O بے شک دوزخ گھات میں ہے O سرکشوں کا ٹھکانا ہے O جس میں وہ مدتوں تک رہیں گے O اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب O سوا کھولتے

ہوئے پانی اور پیپ کے O یہ ان کے موافق بدلہ ہے O بے شک وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے O اور انہوں نے ہماری آیات کی پوری پوری تکذیب کی O اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے O اب چکھو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے O (النبا: ۳۰۔۱۸)

حشر کے دن لوگوں کے فوج در فوج آنے کے متعلق ایک روایت کی تحقیق

صور سے مراد سینگھ کی شکل کی ایک چیز ہے جس کو بگل کہتے ہیں' اس میں پھونک مارنے سے بہت ہیبت ناک آواز نکلے گی' صور کی پوری تفصیل (الزمر: ۶۸) میں بیان کی جا چکی ہے۔

جس جگہ میدانِ حشر قائم کیا جائے گا' تمام مُردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر وہاں فوج در فوج پہنچیں گے' عطاء نے کہا: ہر نبی اپنی امت کے ساتھ آئے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ (بنی اسرائیل: ۷۱) جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بغیر سند کے ایک حدیث ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! تم نے بہت بڑی چیز کے متعلق سوال کیا ہے' پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' پھر فرمایا: میری امت سے دس قسم کے لوگوں کا حشر کیا جائے گا' بعض بندروں کی صورتوں میں ہوں گے' بعض خنزیروں کی صورتوں میں ہوں گے' بعض منہ کے بل اوندھے گھسٹ گھسٹ کر آرہے ہوں گے' بعض اندھے ہوں گے' بعض بہرے اور گونگے ہوں گے' بعض لوگوں کی زبانیں ان کے سینوں تک لٹکی ہوئی ہوں گی' ان کے مونہوں سے قے بہ رہی ہوگی' جس سے تمام اہل محشر کو گھن آ رہی ہوگی' بعض لوگوں کے ہاتھ اور پیر کٹے ہوئے ہوں گے' بعض لوگ آگ کے درختوں کے تنوں پر سولی پر چڑھے ہوئے ہوں گے' بعض لوگوں سے مردار سے زیادہ بُری بدبو آ رہی ہوگی' بعض لوگ تیل کے جبّے پہنے ہوئے ہوں گے جو ان کے بدن سے چپکے ہوئے ہوں گے۔

رہے وہ لوگ جو بندروں کی صورتوں پر ہوں گے وہ چغل خور ہوں گے' اور جو لوگ خنزیروں کی صورتوں پر ہوں گے وہ حرام کھانے والے ہوں گے' اور جو لوگ منہ کے بل چل رہے ہوں گے وہ سود کھانے والے ہوں گے' اور جو لوگ اندھے ہوں گے وہ ظالمانہ فیصلے کرنے والے ہوں گے' اور جو بہرے اور گونگے ہوں گے وہ اپنے اعمال پر اترانے والے ہوں گے' اور جن کی زبانیں لٹکی ہوئی ہوں گی یہ وہ علماء اور واعظین ہیں جو اپنے قول کے خلاف عمل کریں گے' اور جن لوگوں کے ہاتھ اور پیر کٹے ہوئے ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پڑوسیوں کو ستاتے ہیں اور جن کو آگ کے درختوں پر سولی دی ہوئی ہوگی یہ وہ سپاہی ہیں جو لوگوں کو (ظلماً) حاکم کے پاس لے جائیں گے' اور جن سے مردار سے زیادہ سخت بدبو آ رہی ہوگی یہ وہ ہیں جو اپنی لذتوں اور شہوتوں کی اتباع کریں گے اور اپنے مالوں میں سے اللہ کے حقوق ادا نہیں کریں گے اور جو لوگ تیل کے جبے پہنے ہوئے ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو فخر اور تکبر کرنے والے ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۱۵' الکشاف ج ۴ ص ۶۸۷' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۳۔۱۲' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۵۳۔۱۵۲' الدر المنثور ج ۸ ص ۳۶۱' روح البیان ج ۱۰ ص ۳۵۳' روح المعانی جز ۲۹ ص ۲۰۔۱۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اس حدیث کو امام ابن مردویہ اور امام ثعلبی نے بیان کیا ہے' اس کو محمد بن زہیر از محمد بن ہندی از حنظلہ سدوسی از والد خود از براء بن عازب روایت کیا ہے' اس کی سند میں حنظلہ سدوسی بہت ضعیف ہے' امام احمد نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے اور بہت عجیب چیزیں روایت کرتا ہے' امام ذہبی نے اس کا میزان میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کی سند میں مجہول راوی ہیں۔ (تخریج الکشاف ج ۴ ص ۶۸۷)

النبا:۱۹ میں فرمایا: اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے بن جائیں گے O

آسمان کے دروازوں کا ثبوت

اس آیت کا معنی ہے: فرشتوں کے نزول کے لیے آسمان میں دروازے بن جائیں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا O (الفرقان:۲۵) — جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کو لگاتار اتارا جائے گا O

ایک قول یہ ہے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور دروازوں کی مثل ہو جائے گا' ایک قول یہ ہے کہ دروازوں سے مراد آسمان کے راستے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ آسمان بکھر جائے گا اور اس میں دروازے بن جائیں گے' ایک قول یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں' ایک دروازے سے اس کے نیک اعمال اوپر کی طرف چڑھتے ہیں اور دوسرے دروازے سے اس کا رزق آسمان سے اترتا ہے' اور جب قیامت قائم ہو گی تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے' آسمان کے دروازوں کا اس حدیث میں ذکر ہے:

شب معراج کی حدیث میں ہے: پھر ہم کو آسمان کی طرف لے جایا گیا' حضرت جبریل نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں جبریل ہوں' کہا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)' پوچھا گیا: کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہا: ہاں! ان کو بلایا گیا ہے' پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۶۳' السنن الکبریٰ رقم الحدیث:۳۱۴)

قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں آسمان کے دروازوں کا صراحتًہ ذکر ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ. (الاعراف:۴۰) — جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان پر ایمان لانے سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔

النبا:۲۰ میں فرمایا: اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے O

قیامت کے دن پہاڑوں کے چھ احوال

اس آیت میں "سراب" کا لفظ ہے' شدید گرمی میں دو پہر کے وقت دھوپ کی تیزی سے ریگستان میں جو ریت پانی کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہے اور دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی بہ رہا ہے اور درختوں کا عکس اس میں دکھائی دے رہا ہے اس کو سراب کہتے ہیں کیونکہ اس چمکتی ہوئی ریت پر نظر پڑنے سے پانی کا دھوکا ہو جاتا ہے' اس لیے دھوکے اور فریب کے لیے سراب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

اور اس آیت میں "سُیِّرَت" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا یا کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پہاڑوں کے حسب ذیل احوال ذکر فرمائے ہیں:

(۱) پہلا حال یہ ہے کہ پہاڑوں پر ایک ضرب لگا کر ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے گا اور اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا:

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً O (الحاقہ:۱۴) — اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا اور ان کو ایک ضرب سے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا O

(۲) دوسرا حال یہ ہے کہ پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اُون کی طرح اُڑ رہے ہوں گے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے ۝

(القارعہ:۵)

(۳) تیسرا حال یہ ہے کہ پہاڑ بکھرے ہوئے ذرات کے غبار کی طرح ہو جائیں گے:

وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے ۝ پھر وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہو جائیں گے ۝ (الواقعہ:۶۔۵)

(۴) چوتھا حال یہ ہے کہ پہاڑوں کو دھنک دیا جائے گا کیونکہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے مختلف حصوں میں پڑے ہوں گے' پھر اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعہ ان کو دھنک ڈالے گا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں' سو آپ کہیے کہ میرا رب ان کو دھنک ڈالے گا (یعنی ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا) ۝ (طٰہٰ:۲۰)

(۵) پانچواں حال یہ ہے کہ جس طرح کسی سوراخ یا روشن دان سے سورج کی شعاعیں نکلتی ہیں اور ان میں روشنی کے باریک ذرات کے غبار دکھائی دیتے ہیں' اسی طرح جب اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجے گا تو وہ پہاڑوں کے ذرات کو اُڑائیں گی اور وہ شعاعوں میں باریک ذرات کے منتشر غبار کی طرح دکھائی دیں گے:

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی حالت میں دیکھو گے۔ (الکہف:۴۷)

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ (النمل:۸۸) اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرتے ہیں کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بھی بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے۔

(۶) پہاڑوں کا چھٹا حال یہ ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر سراب اور فریب نظر ہو جائیں گے اور حقیقت میں لاشی اور معدوم ہو جائیں گے اور جو شخص پہاڑوں کی جگہ دیکھے گا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی جیسے کسی شخص کو دور سے ریگستان میں چمکتا ہوا پانی نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہاں پانی کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا اور اس حال کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا:

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ (النبا:۲۰) اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب بن جائیں گے ۝

قیامت کے دہشت ناک مناظر بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ دوزخ کے ہولناک احوال بیان فرما رہا ہے۔

النبا:۲۱ میں فرمایا: بے شک دوزخ گھات میں ہے ۝

''مرصاد'' کا معنی اور مصداق

دوزخ گھات میں ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ دوزخ منتظر ہے یعنی جب سے دوزخ بنائی گئی ہے' وہ مجرموں کا انتظار کر رہی ہے کہ ان کو کب دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

''مرصاد'' کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ ''مرصاد'' اسم ظرف ہے اور یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں سے گھات لگائی جاتی ہے' جیسے ''مضمار'' اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں گھوڑوں کو ''اضمار'' کیا جاتا ہے یعنی پہلے انہیں کچھ دن خوب کھلاتے پلاتے ہیں اور بعد میں انہیں کچھ دن بھوکا رکھتے ہیں تا کہ ان کا جسم مضبوط ہو جائے اور مشقت برداشت کرنے کا عادی

ہو جائے۔ اس اعتبار سے اس میں دو احتمال ہیں' ایک یہ کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں دوزخ کے محافظ مجرموں کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں' دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے مؤمنین دوزخ کے اوپر سے گزریں گے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا‌ ۚ. (مریم:۷۱) تم میں سے ہر شخص دوزخ میں سے گزرے گا۔

پس جنت کے محافظین دوزخ کے پاس مؤمنین کے استقبال کرنے کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔

''مرصاد'' کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ''رصد'' کا مبالغہ ہے' ''رصد'' کا معنی ہے: انتظار کرنا اور ''مرصاد'' کا معنی ہے: بہت شدید انتظار کرنا' گویا کہ دوزخ اللہ کے دشمنوں کا بہت شدید انتظار کر رہی ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الۡغَيۡظِ‌ؕ. (الملک:۸) قریب ہے کہ دوزخ مارے غیظ وغضب کے پھٹ جائے۔

اور دوزخ ہر کافر اور منافق کا انتظار کر رہی ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دوزخ کو پیدا کیا جا چکا ہے' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: بے شک دوزخ گھات میں ہے یعنی وہ ابتداء سے مجرموں کا انتظار کر رہی ہے اور جب دوزخ کی تخلیق کی جا چکی ہے تو جنت کی بھی تخلیق کی جا چکی ہے کیونکہ دونوں کی تخلیق میں فرق کا کوئی قائل نہیں ہے۔

النبا:۲۲ میں فرمایا: سرکشوں کا ٹھکانا ہے O

یعنی دوزخ تمام مجرموں کی گھات میں ہے' خواہ وہ کفار ہوں یا مؤمنین فساق ہوں' وہ انتظار تو تمام مجرموں کا کر رہی ہے لیکن ٹھکانا صرف سرکشوں کا ہے' اور سرکشوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کرتے ہیں اور اس کی مخالفت اور اس سے معارضہ کرنے میں حد سے بڑھتے ہیں۔

النبا:۲۳ میں فرمایا: جس میں وہ مدتوں تک رہیں گے O

''احقاب'' کا معنی دوزخ میں کفار کے خلود اور دوام کے منافی نہیں ہے

اس آیت میں ''احقابا'' کا لفظ ہے' یہ ''حقب'' کی جمع ہے' ''حقب'' کا معنی ہے: زمانہ کی ایک مقرر مدت' اس مدت کے تعین میں اہل لغت کا اختلاف ہے' بعض نے کہا: یہ مدت اسی برس ہے' بعض نے کہا: تین سو برس اور بعض نے کہا: تین ہزار برس' قتادہ نے کہا: ''احقاب'' سے مراد ہے: غیر متناہی زمانہ۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ ''احقاب'' کی تفسیر میں مفسرین سے حسب ذیل وجوہ منقول ہیں:

(۱) کلبی اور مقاتل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''احقاب'' کا واحد ''حقب'' ہے اور اس کا معنی ہے: اسی اور کچھ سال اور سال تین سو ساٹھ دنوں کا ہوتا ہے اور ایک دن دنیا کے ہزار سالوں کے برابر ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی روایت کی ہے۔

(۲) ھلال ہجری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ''احقاب'' کے متعلق سوال کیا تو حضرت علی نے فرمایا: ''احقاب'' کا واحد ''حقب'' ہے' اور اس کا معنی سو سال ہیں' اور ایک سال میں بارہ مہینے ہیں اور ایک مہینہ میں تیس دن ہیں اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا: ''احقاب'' کے متعلق کوئی نہیں جانتا کہ اس سے کتنی مدت مراد ہے لیکن اس کا واحد ''حقب'' ہے اور اس کی مدت ستر سال ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ''احقاب'' خواہ کتنا طویل ہو مگر اس کی مدت ہے تو متناہی اور اہل دوزخ کے عذاب کی مدت غیر متناہی ہے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) ''احقاب'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ اہل دوزخ کو کئی ''حقب'' تک عذاب دیا جائے گا' ایک ''حقب'' ختم ہونے کے بعد دوسرا ''حقب'' شروع ہو جائے گا اور یوں ان کو غیر متناہی ''حقب'' تک عذاب ہوتا رہے گا۔

(تفسیر مجاہد ص ۳۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت)

(۲) زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ ''احقاب'' یعنی مدت طویل تک عذاب میں مبتلا رہیں گے' ان کو ٹھنڈک حاصل ہوگی نہ کوئی مشروب' پس ''احقاب'' کی مدت میں انہیں ایک خاص قسم کا عذاب ہوتا رہے گا اور اس مدت میں ان کو پینے کے لیے صرف گرم پانی اور دوزخیوں کی پیپ دی جائے گی' پھر جب اس ''احقاب'' کی مدت گزر جائے گی تو ان کو دوسری قسم کا عذاب دیا جائے گا اور یوں ہر ''احقاب'' کے بعد عذاب کی جنس بدلتی رہے گی اور ان کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہوتا رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہوگا۔

(۳) اگرچہ اس آیت میں مفہوم مخالف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''احقاب'' کی مدت گزرنے کے بعد اہل دوزخ کا عذاب منقطع ہو جائے گا لیکن اس کے مقابلہ میں صریح قرآن میں یہ مذکور ہے کہ اہل دوزخ کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہوگا اور صریح دلیل مفہوم مخالف والی دلیل پر مقدم ہوتی ہے اور عذاب ختم نہ ہونے کا صریح ذکر اس آیت میں ہے:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ (المائدہ: ۳۷)

کفار دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے حالانکہ وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے دوزخ میں دائمی عذاب ہوگا ۝

(۴) علامہ زمخشری صاحب کشاف نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ''حقب'' کے معنی ہیں: بارش کا نہ ہونا اور خیر سے منقطع ہونا' یعنی کفار دوزخ میں اس حال میں رہیں گے کہ وہ خیر سے منقطع رہیں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۶۔۱۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ کس وقت کفار دوزخ سے نکل جائیں گے اور وہ دوزخ میں خلود اور دوام کے ساتھ نہیں رہیں گے' کیونکہ ہر چند کہ ''احقاب'' کا معنی متناہی زمانہ ہے لیکن دوزخ میں کفار کے لیے ایک ''احقاب'' نہیں ہوگا بلکہ احقابِ کثیرہ غیر متناہیہ ہوں گے' اور اگر بالفرض یہ آیت مفہوم مخالف کے اعتبار سے دوزخ میں کفار کے عدم خلود پر دلالت کرتی ہے تو قرآن مجید کی بہت آیتیں دوزخ میں کفار کے خلود اور دوام پر مفہوم صریح سے دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً یہ آیت ہے:

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ (المائدہ: ۳۷)

اور کفار دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے اس میں دائمی عذاب ہوگا ۝

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۵۔۲۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

بعض علماء کے نزدیک کفار کا عذاب دائمی نہیں ہے

شیخ ابن قیم اور بعض دوسرے فقہاء اسلام نے زیر تفسیر آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار محدود اور متناہی زمانہ تک دوزخ میں رہیں گے' پھر ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (شفاء العلیل ص ۲۶۴۔۲۵۲' مصر' حادی الارواح ج ۲ ص ۲۳۵۔۱۶۷)

لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے اور جمہور فقہاء اسلام کے خلاف ہے' ان کے استدلال کا جواب ہم امام رازی اور

علامہ آلوسی کی عبارات سے واضح کر چکے ہیں' ان علماء نے قرآن مجید کی بعض دوسری آیات سے بھی اپنے مؤقف کو ثابت کیا ہے' ہم ان آیات کو مع ان کے جوابات کے پیش کر رہے ہیں۔

ھود: ۱۰۷ سے کفار کے دائمی عذاب نہ ہونے پر استدلال

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ○ (ھود: ۱۰۷۔۱۰۶)

رہے وہ لوگ جو بد بخت ہیں سو وہ دوزخ میں ہوں گے وہ دوزخ میں زور زور سے چیخیں گے اور چلائیں گے ○ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے' ماسوا اس مدت کے جس کو آپ کا رب چاہے گا' بے شک آپ کا رب جس چیز کا ارادہ کرے اس کو خوب کرنے والا ہے ○

''وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے'' آیت کے اس حصہ سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا قائم رہنا تو دائمی اور ابدی نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے دوزخ میں قیام کو آسمانوں اور زمینوں کے قیام پر معلق کیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کفار کا دوزخ میں قیام بھی دائمی اور ابدی نہیں ہے بلکہ وقتی اور عارضی ہے۔

قرآن مجید کی دیگر نصوص قطعیہ اور بہ کثرت احادیث سے چونکہ یہ ثابت ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے' اس لیے مفسرین نے اس آیت کی متعدد تاویلات کی ہیں' بعض ازاں یہ ہیں:

استدلال مذکور کے جوابات

(۱) ان آیتوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ○ (ھود: ۱۰۸)

رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے' ماسوا اس مدت کے جس کو آپ کا رب چاہے گا' یہ غیر منقطع عطا ہے ○

اگر جب تک آسمان اور زمین قائم رہنے سے یہ لازم آتا ہے کہ آسمان اور زمین کے فنا ہونے کے بعد دوزخ کا عذاب منقطع ہو جائے تو پھر ھود: ۱۰۸ سے یہ لازم آئے گا کہ آسمان اور زمین کے فنا ہونے کے بعد جنت کا اجر و ثواب بھی منقطع ہو جائے حالانکہ اس بات کے شیخ ابن قیم بھی قائل نہیں' سو یہ لوگ اس آیت کا جو جواب دیں گے جمہور علماء کی طرف سے وہی جواب ھود: ۱۰۸ کا بھی تسلیم کر لیا جائے۔

(۲) اس آیت میں آسمان اور زمین سے مراد دنیا کے آسمان اور زمین نہیں ہیں بلکہ جنت اور دوزخ کے آسمان اور زمین مراد ہیں کیونکہ جنت اور دوزخ فضا اور خلا میں تو نہیں ہیں' ان میں فرش ہوگا جس پر لوگ بیٹھے ہوئے یا ٹھہرے ہوئے ہوں گے' اور ان کے لیے کوئی سائبان بھی ہوگا جس کے سائے میں وہ لوگ ہوں گے اور عربی میں ہر سایا کرنے والی چیز پر سماء کا اطلاق کیا جاتا ہے اور جنت میں زمین کے وجود پر یہ آیت دلیل ہے:

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ○ (الزمر: ۷۴)

اور (جنتی) کہیں گے: اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے ہم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو (اس) زمین کا وارث بنایا تا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں' پس نیک عمل کرنے والوں کا ثواب کیسا اچھا ہے ○

آخرت کے زمین وآسمان دنیا کے زمین وآسمان سے مختلف ہیں' اس پر یہ آیت بھی دلیل ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ . جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔ (ابراہیم:۴۸)

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ جنت اور دوزخ کے زمین وآسمان اس دنیا کے زمین وآسمان کے مغائر ہیں اور جب جنت اور دوزخ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے تو ان کے زمین اور آسمان بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جنت اور دوزخ میں رہنے والے بھی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔

(۳) اگر زمین وآسمان سے مراد اس دنیا کے زمین وآسمان ہوں تب بھی یہ آیت جنت اور دوزخ میں جنتیوں اور دوزخیوں کے دوام کے منافی نہیں ہے' کیونکہ عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے تو فلاں چیز رہے گی اور قرآنِ مجید چونکہ عربوں کے اسلوب کے موافق نازل ہوا ہے' اس لیے جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے' اس سے مراد دوام اور خلود ہی ہے' اور معنی یہی ہے کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(۴) مقدم کے ثبوت سے تالی کا ثبوت ہوتا ہے لیکن مقدم کی نفی سے تالی کی نفی نہیں ہوتی' مثلاً ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ انسان ہے تو پھر یہ حیوان ہے' یہ درست ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کہ اگر یہ انسان نہیں ہے تو پھر یہ حیوان نہیں ہے کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ انسان نہ ہو گھوڑا ہو اور حیوان ہو' اسی طرح جب تک آسمان اور زمین ہیں وہ دوزخ میں رہیں گے' اس سے یہ لازم نہیں ہوگا کہ جب آسمان اور زمین نہ ہوں تو وہ دوزخ میں نہ ہوں۔

الانعام: ۱۲۸ سے کفار کے دائمی عذاب نہ ہونے پر استدلال اور اس کے جوابات

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ (الانعام:۱۲۸) اللہ فرمائے گا: دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے' تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو' مگر جتنی مدت اللہ چاہے' بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے ۝

اس استثناء کی دو توجیہیں ہیں: (۱) وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے مگر اس سے دو وقت مستثنیٰ ہیں: ایک قبر سے حشر تک کا زمانہ اور دوسرا میدانِ حشر میں ان کے محاسبہ تک کا وقت۔ اس کے بعد ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (۲) جب دوزخی دوزخ کی آگ کی شدت سے فریاد کریں گے تو ان کو دوزخ کی آگ سے نکال کر زمہریر (سخت ٹھنڈا اور برفانی طبقہ) میں ڈال دیا جائے گا اور جب زمہریر کی ٹھنڈک سے گھبرا کر فریاد کریں گے' تو ان کو پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ الغرض! وہ ہر حال میں ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہوں گے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ حکم لگائے کہ وہ اپنی کس مخلوق کو جنت میں نہیں داخل کرے گا یا دوزخ میں نہیں داخل کرے گا۔ (جامع البیان جز ۷ ص ۴۶' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جن آیات سے مخالفین نے یہ استدلال کیا تھا کہ کفار کو دائمی عذاب نہیں ہوگا' ان کے جوابات ذکر کرنے کے بعد اب ہم قرآن مجید کی وہ آیات پیش کر رہے ہیں جن میں کفار کے لیے دوزخ کے دائمی عذاب کی تصریح ہے' قرآن مجید میں ایسی ۳۷ آیات ہیں۔

کفار کے لیے دوزخ کے دائمی عذاب کی تصریح کی آیات

جن آیات میں کفار کے لیے دوزخ میں خلود اور خالدین کی تصریح ہے' ان کے حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

(۱) الفرقان:۶۹ (۲) یونس:۵۲ (۳) السجدہ:۱۴ (۴) حٰم السجدہ:۲۸ (۵) محمد:۱۵ (۶) النساء:۱۴ (۷) التوبہ:۶۳ (۸) الحشر:۱۷ (۹) البقرہ:۳۹ (۱۰) البقرہ:۸۱ (۱۱) البقرہ:۲۱۷ (۱۲) البقرہ:۲۵۷ (۱۳) البقرہ:۲۷۵ (۱۴) آل عمران:۱۱۶ (۱۵) المائدہ:۳۷ (۱۶) المائدہ:۸۰ (۱۷) التوبہ:۱۷ (۱۸) یونس:۲۷ (۱۹) هود:۲۳ (۲۰) الرعد:۵ (۲۱) الانبیاء:۹۹ (۲۲) المؤمنون:۱۰۳ (۲۳) الزخرف:۷۴ (۲۴) المجادلہ:۱۷ (۲۵) البقرہ:۱۶۲ (۲۶) آل عمران:۸۸ (۲۷) النساء:۱۶۹ (۲۸) التوبہ:۶۸ (۲۹) ھود:۱۰۷ (۳۰) النمل:۲۹ (۳۱) طٰہٰ:۱۰۱ (۳۲) الاحزاب:۶۵ (۳۳) الزمر:۷۲ (۳۴) المؤمن:۷۶ (۳۵) التغابن:۱۰ (۳۶) الجن:۲۳ (۳۷) البینہ:۶۔

ان آیات میں تین آیات ایسی ہیں جن میں ''خالدین'' کی تاکید ''ابداً'' کے ساتھ ہے' وہ آیات حسب ذیل ہیں:

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًاۙ اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًاؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا۝ (النساء:۱۶۹۔۱۶۸)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا' اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ان کو کوئی راستہ دکھائے گا۝ سوائے دوزخ کے راستے کے' جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اور یہ کام اللہ پر آسان ہے۝

(۲) اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِیْرًاۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًاۚ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًاۚ۝ (الاحزاب:۶۵۔۶۴)

بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۝ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' وہ کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائیں گے۝

(۳) وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًاؕ۝ (الجن:۲۳)

اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے رسول کی' اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۝

ان ۳۷ آیات کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی آیات میں جن میں یہ دلیل ہے کہ کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور وہ کبھی دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُۚ (النساء:۴۸)

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

اب اگر اللہ تعالیٰ کسی کافر یا مشرک کی سزا معاف کر کے اس کو بخش دے تو اس کی اس خبر کے خلاف لازم آئے گا اور یہ محال ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ کسی کافر کے عذاب میں تخفیف نہیں فرمائے گا' اب اگر وہ کسی کافر کی سزا معاف کر دے تو اس آیت کے خلاف ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ۝ (الاعراف:۴۰)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان (پر ایمان لانے) سے تکبر کیا' ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے' اور ہم اسی طرح مجرموں کو

سزا دیتے ہیں○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک واضح مثال سے یہ بتایا ہے کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا محال ہے اسی طرح کفار کا جنت میں داخل ہونا محال ہے اب کفار کی مغفرت اور ان کے جنت میں داخل ہونے کے امکان کو ظاہر کرنا اس آیت کی تکذیب کے مترادف ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھی یہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ (النساء: ۵۶)

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا' ہم عنقریب ان کو آگ میں داخل کر دیں گے' جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب کو چکھیں۔

اس آیت سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ کافروں پر عذاب کا سلسلہ تا ابد جاری رہے گا' ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی قید اور بغیر کسی استثناء کے یہ کلی حکم لگایا ہے کہ کافروں کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب ہو گا اور اب یہ امکان پیدا کرنا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کافروں کو ایک مدت تک عذاب دے کر ان کو معاف فرما دے گا' ان تمام آیتوں کی تکذیب کے مترادف ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان کو معاف نہیں کرے گا' ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی' ان کو جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا اور جب بھی ان کی کھال جل جائے گی اس کو دوسری کھال سے بدل دیا جائے گا اور ان کے علاوہ بہ کثرت آیات ہیں' جن میں فرمایا ہے کہ کافروں کو دائمی اور ابدی عذاب ہو گا۔

کفار کے دائمی عذاب سے استثناء کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا' یہ دوزخی کون ہیں؟ تحقیق یہ ہے کہ ان دوزخیوں سے مراد موحدین ہیں جن کو ان کے گناہوں کے سبب سے تطہیر کے لیے دوزخ میں ڈالا جائے گا' پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

(۱) قتادہ اور ضحاک نے بیان کیا کہ یہ استثناء ان موحدین کی طرف راجع ہے جنہوں نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا تھا' اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا ان کو دوزخ میں رکھے گا' پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دے گا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۱۴۳۱۴۔۱۴۳۱۳۔۱۴۳۱۲۔۱۴۳۱۱' تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۱۲۳۷۔۱۱۲۳۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو جنت میں داخل کر دے گا' وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہے گا جنت میں داخل فرمائے گا' اور اہلِ دوزخ کو دوزخ میں داخل کر دے گا' پھر فرمائے گا: تم دیکھو کہ جس کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو' پھر وہ دوزخ سے اس حال میں نکالے جائیں گے کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے' پھر ان کو حیات کے دریا میں ڈال دیا جائے گا تو وہ اس طرح نشو و نما پانے لگیں گے جس طرح دریا کے کنارے اُگا ہوا دانہ نشو و نما پاتا ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح زرد رنگ کا لپٹا ہوا نکلتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۰۔۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴)

(۲) اس آیت کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے' سوا ان اوقات کے جب وہ دنیا میں تھے یا برزخ میں تھے یا میدانِ حشر میں حساب کتاب کے لیے کھڑے ہوئے تھے' خلاصہ یہ ہے کہ دوزخیوں کا دوزخ کے عذاب سے

استثناء ان تین اوقات اور احوال کی طرف راجع ہے۔

(۳) اس آیت کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ یہ استثناء ان کے چیخنے اور چلانے کی طرف راجع ہے یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ چیختے اور چلاتے رہیں گے لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی چیخ و پکار نہیں ہوگی۔

(۴) اس آیت کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ دوزخ میں آگ کا عذاب بھی ہوگا اور زمہریر کا عذاب بھی ہوگا جس میں بہت سخت ٹھنڈک ہوگی اور یہ استثناء آگ کے عذاب کی طرف راجع ہے یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ آگ کے عذاب میں رہیں گے مگر جس وقت اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کو آگ کے عذاب سے نکال کر ٹھنڈک کے عذاب میں ڈال دے گا۔

(۵) اس آیت کی پانچویں توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت سورۂ فتح کی اس آیت کی طرح ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ (الفتح: ۲۷)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ سچا خواب دکھایا' اگر اللہ چاہے گا تو تم ضرور مسجد حرام میں امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے (بعض) اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور (بعض) اپنے سروں کو کترواتے ہوئے۔

بظاہر اس آیت کا یہ معنی ہے: اگر اللہ چاہے گا تو تم امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو گے اور اگر اللہ چاہے گا تو نہیں داخل ہو گے' حالانکہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ مسلمان مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق ہونا واجب ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم معاذ اللہ جہل سے بدل جائے گا' سو جس طرح اس آیت میں ''اللہ چاہے گا'' کا یہ معنی نہیں ہے کہ مسلمانوں کا مسجد حرام میں داخل نہ ہونا بھی ممکن ہے' اسی طرح زیر تفسیر آیت میں بھی ''مگر جتنا آپ کا رب چاہے'' کا یہ معنی نہیں ہے کہ ایک محدود مدت کے بعد اللہ تعالیٰ یہ چاہے گا کہ دوزخیوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔

اہلِ جنت کے جنت میں اور اہلِ نار کے نار میں دوام کے متعلق احادیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' جب تک آسمان اور زمین رہیں گے مگر جتنا آپ کا رب چاہے۔

اس آیت میں جو استثناء ہے اس کی بھی وہی توجیہات ہیں جو اس سے پہلی آیت میں بیان کی جا چکی ہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کو ان اہلِ جنت پر محمول کیا جائے جو کچھ عرصہ دوزخ میں رہیں گے' پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور اب اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا کہ نیک بخت لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے' سوا اس وقت کے جب وہ دوزخ میں تھے' پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: ''یہ غیر منقطع عطاء ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' مجاہد اور ابو العالیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ اس لیے فرمایا کہ کسی شخص کو یہ وہم نہ ہو کہ اہل جنت کا جنت میں قیام منقطع ہو جائے گا بلکہ ان کا جنت میں قیام حتمی اور یقینی طور پر دائمی اور غیر منقطع ہے اور حدیث صحیح میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کو ایک سرمئی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا' پھر ایک منادی یہ ندا کرے گا: اے اہلِ جنت! پھر وہ سر اٹھا کر منادی کی طرف دیکھیں گے' منادی کہے گا: تم پہچانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور سب اس کو دیکھ لیں گے' پھر وہ منادی ندا کرے گا: اے اہلِ نار! وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے' منادی کہے گا: تم پہچانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے: ہاں! یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے' پھر اس مینڈھے کو ذبح کر

دیا جائے گا' پھر وہ منادی کہے گا: اے اہلِ جنت! اب ہمیشہ رہنا ہے' موت نہیں ہے اور اے اہلِ نار! اب ہمیشہ رہنا ہے اور موت نہیں ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۳۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۹' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۵۷' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۱۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۷' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۱۱' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۷)

قرآن مجید میں اہل جنت کے متعلق ہے:

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۚ (الدخان: ۵۶) وہ جنت میں موت کا مزہ نہیں چکھیں گے سوا اس پہلی موت کے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک منادی ندا کرے گا: (اے اہلِ جنت!) تم ہمیشہ تندرست رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے' اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور تم ہمیشہ جوان رہو گے تم کبھی بوڑھے نہیں ہو گے اور تم ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے تم پر کبھی مصیبت نہیں آئے گی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۴۶' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۹' سنن الدارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۹۶۳)

خلودِ عذاب کے منکرین کا بعض احادیث سے استدلال اور اس کا جواب

عذاب دوزخ کے خلود اور دوام کے منکرین نے اپنے مؤقف پر بعض احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے پاس عرش کے اوپر لکھ دیا کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۵۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے سو رحمتیں پیدا کیں' ایک رحمت تمام مخلوق میں رکھ دی اور ننانوے (۹۹) رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں' امام مسلم نے اس کے بعد دوسری روایت میں ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے لیے سو رحمتیں ہیں' ان میں سے ایک رحمت جنات' انسانوں' جانوروں اور حشرات الارض میں نازل کی ہے جس سے وہ ایک دوسرے پر نرمی اور رحم کرتے ہیں اور وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں اور اللہ نے ننانوے رحمتیں مؤخر کر لی ہیں جن کے ساتھ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۵۴' باب سعۃ رحمۃ اللہ رقم الحدیث: ۱۹۔۱۸)

منکرین خلود کہتے ہیں کہ دوزخ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مظہر ہے اور جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے' اب اگر دوزخ کا عذاب بھی جنت کے ثواب کی طرح دائمی ہو تو پھر اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت نہیں لے جا سکے گی' اس لیے ماننا پڑے گا کہ دوزخ کا عذاب دائمی نہیں ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ کا عذاب گناہ گار مسلمانوں پر دائمی نہیں ہوگا اور کفار پر دائمی عذاب ہوگا جیسا کہ بہ کثرت قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے واضح ہو چکا ہے۔

سید سلیمان ندوی نے منکرین خلود کی طرف سے درج ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

(۱) طبرانی میں حضرت ابوامامہ صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئے گا جب خزاں رسیدہ پتے کی مانند ہو جائے گا اور اس کے دروازے کھل جائیں گے۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن ایسا آئے گا جس میں اس کے دروازے کھل جائیں گے اور اس میں کوئی نہ ہوگا۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جو کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہنم میں ایک دن ایسا آئے گا' جب اس میں کوئی نہ ہوگا۔

(۴) تفسیر عبد بن حمید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر اہلِ دوزخ ریگستانِ عالج کے ذرّات کے شمار کے بقدر بھی دوزخ میں رہیں' پھر بھی ایک دن آئے گا جب وہ اس سے نکلیں گے۔

(۵) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہنم پر ایک دن آئے گا جب اس کے خالی دروازے بھڑ بھڑائیں گے اور اس میں کوئی نہ ہوگا اور یہ اس وقت ہوگا جب لوگ اس میں صدہا ہزار سال (احقاب) کی مدت پوری کرلیں گے۔

(۶) عبد الرزاق' ابن منذر' طبرانی اور بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی رضی اللہ عنہ یا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ صحابی یا کسی اور صحابی نے فرمایا کہ ''الا ماشاء ربك'' کا استثناء پورے قرآن پر حاوی ہے' یعنی جہاں جہاں قرآن میں ''خالدین فیھا'' (سدا اس میں رہیں گے) ہے' وہاں مشیّت الٰہی کا استثناء قائم ہے۔

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دوزخ پر ایک زمانہ آئے گا جب اس کے خالی دروازے کھڑکھڑائیں گے۔ (سیرۃ النبی ج ۴ ص ۴۰۹۔ ۴۰۸' دارالاشاعت' کراچی' ۱۹۸۵ء)

یہ تمام روایات ضعیف ہیں اور ان میں سے بعض بلاسند مذکور ہیں' لہٰذا یہ روایات قرآن مجید کی آیاتِ قطعیہ اور احادیثِ صحیحہ کے مزاحم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

اس اعتراض کا جواب کہ جب دوزخی دوزخ کے عادی ہوجائیں گے تو پھر ان کو تکلیف نہیں ہوگی

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

صوفیہ میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے متبعین یہ فرماتے ہیں کہ کافر و مشرک جن پر خلودِ نار کا حکم ہے' وہ بالآخر دوزخ میں رہتے رہتے ایسے ہوجائیں گے کہ ان کو اسی دوزخ میں راحت ولذت معلوم ہونے لگے گی' جیسے بعض کیڑے غلاظتوں ہی کو پسند کرتے ہیں اور ان ہی میں لطف اٹھاتے ہیں۔ (سیرۃ النبی ج ۴ ص ۴۰۶' دارالاشاعت' کراچی' ۱۹۸۵ء)

قرآن مجید میں صرف یہ مذکور نہیں ہے کہ مشرکین ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بلکہ قرآن مجید میں یہ بھی تصریح ہے کہ ان کو ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا اور عذاب کا معنی ہے: درد اور اذیت میں مبتلا ہونا اور یہ لطف اٹھانے کے منافی ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ (الفرقان:۶۹)

مشرک کے لیے قیامت کے دن دگنا عذاب کردیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ مبتلا رہے گا ۝

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ (یونس:۵۲)

پھر ظالموں سے کہا جائے گا: دائمی عذاب کو چکھو۔

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (السجدہ:۱۴)

تم اپنے کرتوتوں کے سبب دائمی عذاب کو چکھو ۝

ان آیات سے واضح ہوگیا کہ کفار اور مشرکین ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

دائمی عذاب پر امام رازی کے دو اعتراضوں کا جواب

امام رازی نے لوگوں کی طرف سے ایک اعتراض اس طرح نقل کیا ہے کہ کافر نے زمانہ متناہی میں جرم کیا ہے اور اس کی سزا غیر متناہی زمانہ تک دینا ظلم ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذاب کافر کی نیت کے اعتبار سے ہے' اس کی نیت دائماً کفر کرنے کی ہوتی ہے' اگر بالفرض وہ غیر متناہی زمانہ تک زندہ رہتا تو غیر متناہی زمانہ تک کفر کرتا' اس وجہ سے اس کو غیر متناہی زمانہ تک عذاب دیا جائے گا۔

نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جتنے وقت میں جرم کیا جائے' اس کو سزا بھی اتنے ہی وقت میں دی جائے' انسان ایک منٹ میں کسی کو گولی مار کر قتل کر دیتا ہے اور بعض اوقات اس کی سزا عمر قید ہوتی ہے' شوگر یا ہائی بلڈ پریشر کا مریض تھوڑے سے وقت میں بدپرہیزی کرتا ہے اور اس کی وجہ سے عمر بھر کے لیے فالج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

امام رازی نے دوسرا اعتراض یہ ذکر کیا ہے کہ یہ عذاب نفع سے خالی ہے اس لیے یہ قبیح ہے' یہ نفع سے اس لیے خالی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو اس کا نفع ہو نہیں سکتا' کیونکہ وہ نفع اور ضرر سے مستغنی اور بلند ہے' اور دوزخی کافر کو بھی اس عذاب سے نفع نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے حق میں یہ عذاب ضرر محض ہے' اور جنتی مسلمانوں کو بھی کافر کے عذاب سے کوئی نفع نہیں ہوگا' کیونکہ وہ اپنی لذتوں میں منہمک اور مشغول ہوں گے تو کسی کے دائمی عذاب میں مبتلا ہونے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ امام رازی کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل کے اعتبار سے تو کافر کو مطلقاً عذاب ہونا ہی نہیں چاہیے اور اس دلیل کو دائمی عذاب کے ساتھ مخصوص کرنا باطل ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار کو عذاب دینا ان کے جرم کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عدل ہے' اس میں لحاظ نہیں کیا گیا کہ اس سے کسی کو نفع پہنچے گا یا نہیں۔ یہ دو اعتراض امام رازی نے تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۰۴ میں ذکر کیے ہیں۔

کفار اور مشرکین کے دوزخ میں دائمی عذاب کے منکرین کے ہم نے تمام اعتراضات کے چن چن کر جواب لکھ دیئے ہیں' اللہ تعالیٰ مشہور اسکالر حضرت مولانا عبد المجید زید حبہٗ (برسٹل' برطانیہ) کو جزائے خیر عطا فرمائے' انہوں نے برطانیہ سے فون کر کے مجھ سے فرمائش کی کہ میں اس مسئلہ کی تحقیق کروں اور اس سلسلہ میں سید سلیمان ندوی کی ''سیرۃ النبی'' کی چوتھی جلد کا بھی جائزہ لوں' اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج ان کی یہ فرمائش بہ احسن وجوہ پوری ہوگئی ہے' والحمد للّٰہ رب العالمین۔ ۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ/ ۶ اگست ۲۰۰۵ء۔

النبا: ۲۶۔۲۴ میں فرمایا: اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب O سوا کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے O یہ ان کے موافق بدلہ ہے O

''برد'' کی دو تفسیریں

یعنی کفار اور مشرکین بار بار مدتوں تک جس عذاب میں مبتلا رہیں گے' اس میں وہ نہ ٹھنڈک پائیں گے نہ کوئی مشروب' شدید گرمی اور تپش میں رہنے کے باوجود انہیں ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا نصیب نہیں ہوگا' اور نہ کوئی سایا ملے گا جو انہیں دوزخ کی گرمی سے بچا سکے' اور نہ انہیں کوئی مشروب ملے گا جس سے انہیں پیاس میں تسکین حاصل ہو' اور ان کے باطن کی گرمی کو زائل کر دے۔

اخفش' کسائی' فرا اور قطرب اور عتبی نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں ''برد'' (ٹھنڈک) سے مراد نیند ہے' کیونکہ نیند سونے والے کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اور پیاسا آدمی جب سو جائے تو وہ سونے کے بعد ٹھنڈا اور تروتازہ ہو جاتا ہے' لیکن پہلا قول راجح ہے کیونکہ ''برد'' سے نیند مراد لینا مجاز ہے اور جب ''برد'' کا حقیقی معنی ٹھنڈک مراد لینا یہاں ممکن ہے تو بلاوجہ اس آیت کو مجاز پر

محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

النبا: ۲۵ میں کہا گیا ہے کہ ''حمیم'' سے مراد پگھلا ہوا پیتل ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے' صحیح یہ ہے کہ ''حمیم'' کا معنی بہت گرم اور ابلتا ہوا پانی ہے۔

غساق کا معنی

نیز اس آیت میں ''غساق'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ٹھنڈا یخ بدبودار پانی۔ (غریب القرآن) دوزخیوں سے بہنے والا لہو۔ (جلالین' المفردات) حدیث میں ہے کہ اگر ''غساق'' کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام دنیا والوں کے دماغ سڑ جائیں۔ (مجمع بحار الانوار)

علامہ پٹنی نے لکھا ہے: ''غساق'' کا معنی ہے: دوزخیوں کا بہنے والا لہو یا ان کا دھوون یا آنسو یا زمہریر کی انتہائی ٹھنڈک۔ ''قاموس'' اور ''تاج العروس'' میں بھی اس کا معنی زمہریر کی انتہائی ٹھنڈک لکھا ہے۔

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے ''غساق'' کے حسب ذیل معانی لکھے ہیں:

(۱) ابو معاذ نے کہا: ''غساق'' فارسی کا لفظ ہے جس کو عربی بنا لیا ہے' فارس کے لوگ جب کسی چیز سے گھن کھاتے تھے تو اس کو خاشاک کہتے تھے۔

(۲) جس چیز کی ٹھنڈک ناقابل برداشت ہو اس کو ''غساق'' کہتے ہیں' زمہریر بھی اسی کو کہتے ہیں۔

(۳) دوزخیوں کی آنکھوں سے جو آنسو بہیں گے اور ان کی کھالوں سے جو خون اور پیپ بہے گا اور ان کی رگوں سے جو گھناؤنی رطوبات نکلیں گی' اس کو ''غساق'' کہتے ہیں۔

(۴) ''غساق'' کا معنی ہے: سخت بدبودار چیز' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ''غساق'' کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام دنیا بدبودار ہو جائے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۴' مسند احمد ج ۳ ص ۸۳' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۴۷۸' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۶۸۲)

(۵) ''غاسق'' کا معنی ہے: اندھیری رات کی تاریکی' قرآن مجید میں ہے:

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ (الفلق: ۳) (میں پناہ میں آتا ہوں) اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ پھیل جائے ۝

اس اعتبار سے ''غساق'' ایسا مشروب ہے جو سخت سیاہ اور مکروہ ہو گا اور آدمی اس کو دیکھ کر اس طرح گھبرائے گا جس طرح اندھیری رات کی تاریکی کو دیکھ کر گھبراتا ہے۔

ان معانی کے اعتبار سے اس آیت کا معنی ہے کہ دوزخی سخت کھولتے ہوئے پانی کو پیئے گا یا بدبودار پیپ کو پیئے گا۔

النبا: ۲۶ میں فرمایا: یہ ان کے موافق بدلہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

اس اعتراض کا جواب کہ ان کی سزا جرم کے کیسے موافق ہو گی جب کہ متناہی زمانہ کے جرم کی سزا غیر متناہی زمانہ تک دی جائے گی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی سزاؤں کی انواع اور اقسام کو بیان فرمایا اور اب یہ بتایا ہے کہ یہ ان کے جرائم کی مکمل سزا ہے' کیونکہ ان کا جرم بہت بڑا تھا' اس لیے ان کو سزا بھی بہت بڑی دی ہے اور یہ سزا ان کے اعمال کے موافق ہے' ہر چند کہ ان کا جرم متناہی زمانہ میں تھا لیکن چونکہ ان کی نیت ہمیشہ کفر اور شرک پر قائم رہنے کی تھی' اس لیے ان کو اتنا

شدید عذاب غیر متناہی زمانہ تک دیا گیا' اس لیے اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ یہ سزا ان کے جرم کے موافق کیسے ہوگی جب کہ ان کا جرم متناہی زمانہ میں تھا اور ان کو سزا غیر متناہی زمانہ میں دی جا رہی ہے' امام رازی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اور جو چاہے وہ فیصلہ کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۱۸)

النبا: ۲۷ میں فرمایا: بے شک وہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے O

حساب کی امید نہ رکھنے کی توجیہات

اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انسان اس چیز کی امید رکھتا ہے جس میں اس کے لیے کوئی منفعت ہوتی ہے اور کوئی خیر ہوتی ہے اور کفار اور مشرکین کے لیے ان کے محاسبہ میں کون سی خیر اور کون سی منفعت ہے' جس وجہ سے وہ اس کی امید رکھیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ''رجـاء'' کے لفظ کا معنی امید نہیں ہے بلکہ توقع ہے' یعنی ان کو یہ توقع نہیں تھی کہ ان کا حساب لیا جائے گا' پھر اچانک قیامت کے دن ان کا محاسبہ شروع ہو جائے گا اور جو آفت اور مصیبت خلافِ توقع پیش آ جائے وہ اس کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں امید کا معنی خوف ہے یعنی کفار اور مشرکین قیامت کے دن کے حساب اور محاسبہ سے ڈرتے نہ تھے اور بے دھڑک فحاشی اور منکرات کا ارتکاب کرتے اور کفر و شرک کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے۔

نیز اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ مؤمن نہ تھے کیونکہ مؤمن تو ہر آن آخرت کے محاسبہ سے ڈرتا رہتا ہے۔

النبا: ۲۸ میں فرمایا: اور انہوں نے ہماری آیات کی پوری پوری تکذیب کی O

قوتِ عملیہ کے تین شعبے

اس سے پہلی آیت میں کفار کی قوتِ عملیہ کا فساد بتایا تھا کہ وہ بڑی بے خوفی سے اور دیدہ دلیری سے کفر اور شرک کرتے تھے' اور منکرات اور فواحش اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے تھے' یعنی انہوں نے اپنی قوتِ عملیہ کو فاسد کر لیا تھا اور اس آیت میں ان کی قوتِ نظریہ کا فساد بتایا ہے کہ وہ حق کا انکار کرتے تھے اور باطل پر اصرار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے' قیامت' حیات بعد الموت اور جزاء اور سزا کی نہ صرف تکذیب کرتے تھے بلکہ ان کا مذاق اڑاتے تھے' قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں مانتے تھے' اس کو شعر اور سحر کہتے تھے اور اس پر پھبتیاں کستے تھے' اور دوسرے احکامِ شرعیہ کی بھی تکذیب کرتے تھے اور جس طرح ان کی قوتِ عملیہ فاسد تھی اسی طرح ان کی قوتِ نظریہ بھی فاسد تھی۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں دی ہیں: ایک قوتِ نظریہ ہے اور دوسری قوتِ عملیہ ہے' قوتِ نظریہ سے وہ غور و فکر کرتا ہے اور غلط اور صحیح میں' شرک اور توحید میں اور کفر اور ایمان میں امتیاز کرتا ہے اور غلط افکار اور عقائد کو ترک کر کے صحیح افکار اور عقائد کو اپناتا ہے اور قوتِ عملیہ سے بُرے کاموں کو ترک کرتا ہے اور اچھے کاموں کو اختیار کرتا ہے اور یہ تہذیب نفس ہے' اور اپنی اصلاح کرنے کے بعد اپنے ماتحت اور زیر کفالت لوگوں کی اصلاح کرتا ہے' اس کو تدبیر منزل کہتے ہیں اور اپنے نفس اور اپنے گھر اور دفتر کی اصلاح کے بعد اپنے شہر اور اپنے ملک کی اصلاح کے لیے اپنے حصہ کی مساعی کو بروئے کار لاتا ہے' قرآن مجید میں قوتِ عملیہ کے ان تینوں شعبوں کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. (التحریم:۶)
اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اس آیت میں تہذیبِ نفس اور تدبیر منزل کا حکم ہے یعنی اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح کرو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ. (آل عمران:۱۱۰)
تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ. (الحج:۴۱)
یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا فرمائیں تو یہ نماز (کا نظام) قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے۔

مؤخر الذکر دونوں آیتوں میں سیاست مدنیہ کا حکم دیا ہے یعنی اپنے نفس اور اپنے گھر کی اصلاح کے بعد اپنے ملک اور اپنی قوم کی اصلاح کریں۔

کفار اور مشرکین نے قوتِ نظریہ کو بھی فاسد کر لیا تھا اور قوتِ عملیہ کے ان تینوں شعبوں کو بھی فاسد کر لیا تھا۔

النبا:۲۹ میں فرمایا: اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے O

اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کے علم کا ثبوت اور فلاسفہ کے اعتراض کا جواب

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں ہر چیز کا علم تھا اور اس نے اپنے علم کو لوحِ محفوظ میں لکھ کر محفوظ کر لیا ہے اور اس کے فرشتوں نے بندوں کے صحائف اعمال میں بندوں کے تمام اعمال کو لکھ کر محفوظ کر لیا ہے' اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار سے کیا عمل کریں گے اور اس کو ان کے ہر ہر جزی عمل کا تفصیلی علم تھا اور اس کا علم غیر متبدل اور غیر فانی ہے ورنہ اس کا جہل لازم آئے گا اور یہ محال ہے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ O (المجادلہ:۶)
جس دن اللہ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو ان کے کیے ہوئے عملوں کی خبر دے گا' جن کو اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور جن کو یہ بھول گئے تھے اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے O

بندوں نے اپنے اختیار سے جو عمل کیے ان ہی اعمال کا اللہ تعالیٰ کو ازل میں پیشگی علم تھا' جس کو اس نے گن گن کر لوحِ محفوظ میں لکھ لیا تھا' اور بعد میں فرشتوں نے ان کے ہر ہر عمل کو لکھ لیا' ان آیات میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام جزئیات کا علم ہے' اس کے برخلاف فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات کا علم ہے اور جزئیات کا علم نہیں ہے کیونکہ جزئیات تو متغیر ہوتی رہتی ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کے لیے جزئیات کا علم مانا جائے تو اس کے علم میں تغیر اور حدوث لازم آئے گا اور یہ محال ہے' کیونکہ مثلاً اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ فرعون غرق ہوگا' اور جب فرعون غرق ہو رہا تھا تو پہلا علم متغیر ہو کر اس طرح ہوگا کہ فرعون غرق ہو رہا ہے' اور اب جب کہ فرعون غرق ہو چکا ہے اگر وہی پہلا علم اپنے حال پر ہو کہ فرعون غرق ہوگا یا غرق ہو رہا ہے تو یہ علم واقع کے خلاف ہوگا اور جو علم واقع کے خلاف ہو وہ جہل ہوتا ہے' اس لیے لامحالہ وہ علم متغیر ہو جائیں گے اور اب اس کا علم اس طرح ہوگا کہ فرعون غرق ہو چکا ہے' پس اگر اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم ہو تو اس کا علم متغیر ہو جائے گا اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے اور یہ محال ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے علم کی کیفیت کا علم نہیں ہے' ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام کلیات اور جزئیات کا علم ہمیشہ سے ہے اور کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے' یہ جاہل فلاسفہ اتنا نہیں سمجھتے کہ مخلوق کو تو جزئیات کا علم ہوتا ہے اگر خالق کو جزئیات کا علم نہ ہو تو مخلوق کا علم خالق سے بڑھ جائے گا اور یہ محال ہے' باقی رہا اس کا علم کس کیفیت سے ہے' اس کا علم ہمیں کیسے ہوسکتا ہے' کیا ہم کو یہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے تو وہ کیسے سنتا ہے؟ وہ بصیر ہے تو وہ کیسے دیکھتا ہے؟ وہ کیسے کلام کرتا ہے؟ وہ زندہ ہے تو کیسے زندہ ہے؟ ہم اس کی کسی صفت کی کیفیت کو نہیں جانتے تو اس کے علم کی کیفیت کو کیسے جان سکتے ہیں' تاہم فلاسفہ کے اطمینان کے لیے متکلمین نے یہ کہا ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا علم مطلق ہے اور لابشرط شی کے مرتبہ میں ہے' فرعون کے غرق ہونے سے پہلے اس علم کی تعبیر اس طرح تھی کہ فرعون غرق ہوگا اور غرق کے وقت اس کی تعبیر اس طرح ہوگی کہ وہ غرق ہو رہا ہے' اور غرق ہونے کے بعد اس کی تعبیر اس طرح ہوگی کہ وہ غرق ہو چکا ہے۔

النبا: ۳۰ میں فرمایا: اب چکھو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے ۝

کفار سے اللہ تعالیٰ کے کلام کی توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور مشرکین کے فحش اقوال اور افعال بیان فرمائے تھے اور پھر ان کے عذاب کی اقسام اور انواع کو بیان فرمایا' اس کے بعد مکرر بیان فرمایا کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ہم نے ہر چیز کو گن کر لکھ رکھا ہے اور اب اس رکوع کے آخر میں فرمایا: اب چکھو ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے' یہ آیت ان کے عذاب میں مبالغہ پر کئی وجوہ سے دلالت کرتی ہے:

(۱) اس آیت میں تاکید کے ساتھ فرمایا: ''فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا'' (النبا: ۳۰) ہم تم میں ہرگز زیادہ نہیں کریں گے مگر عذاب۔

(۲) پہلے غائب کے صیغہ کے ساتھ فرمایا تھا: وہ محاسبہ سے نہیں ڈرتے (النباء: ۲۷) اور اب بالمشافہ فرمایا: اب عذاب کو چکھو۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دوزخیوں کے اوپر اس سے زیادہ شدید عذاب کی اور کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۷۹۶۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ایک سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے:

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ . اور اللہ نہ ان سے کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا۔

(آل عمران: ۷۷)

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: پس چکھو' تو ان سے کلام تو فرما لیا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: وہ ان سے لطف اور کرم سے کلام نہیں فرمائے گا اور یہ کلام ان کے ساتھ نہایت غضب سے ہے۔

نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کفار پر ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا اور ان کو ہر آن اور ہر لمحہ پہلے سے زیادہ عذاب ہوگا۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ

بے شک متقین کے لیے کامیابی کی جگہ ہے ۝ باغات اور انگوروں کی بیلیں ہیں ۝ اور نوجوان



أَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَأْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا

ہم عمر بیویاں ہیں ○ اور چھلکتے ہوئے جام ہیں ○ اس میں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ

كِذَّابًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّن رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ

ایک دوسرے کی تکذیب ○ آپ کے رب کی طرف سے جزا ہوگی نہایت کافی عطا ہوگی ○ جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے نہایت رحم فرمانے والا ہے اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا ○

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا

جس دن جبریل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اس سے کوئی بات نہیں کر سکے گا سوا

مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ

اس کے جس کو رحمٰن نے اجازت دی اور اس نے صحیح بات کی ○ وہ دن

الْحَقُّ فَمَن شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهِ مَآبًا ﴿۳۹﴾ إِنَّآ أَنذَرْنٰكُمْ

برحق ہے سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے ○ بے شک ہم نے تمہیں

عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ

عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے اس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے

الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِي كُنتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

اور کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہو جاتا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک متقین کے لیے کامیابی کی جگہ ہے ○ باغات اور انگوروں کی بیلیں ہیں ○ اور نوجوان ہم عمر بیویاں ہیں ○ اور چھلکتے ہوئے جام ہیں ○ وہ اس میں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کی تکذیب ○ آپ کے رب کی طرف سے جزا ہوگی نہایت کافی عطا ہوگی ○ جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے نہایت رحم فرمانے والا ہے اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا ○ (النبأ: ۳۷-۳۱)

اہل جنت پر نوازشیں

اس سے پہلی آیتوں میں کفار اور مشرکین کے عذاب کی انواع اور اقسام بیان فرمائی تھیں اور ان آیتوں میں متقین کے

اجروثواب کی انواع اور اقسام بیان فرمائی ہیں اور یہی قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ ایک ضد کے بعد اس کی دوسری ضد کا ذکر فرماتا ہے اور کفار اور ان کے عذاب کے بعد مؤمنین اور ان کے ثواب کا ذکر فرما رہا ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: متقین کے لیے کامیابی کی جگہ ہے' متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور کفر اور تمام کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں اور اگر ان سے کوئی لغزش ہو جائے تو فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔ان کے لیے کامیابی کی جگہ ہے'اس جگہ سے مراد جنت ہے۔

النبا: ۳۲ میں فرمایا: باغات اور انگوروں کی بیلیں ہیں O

اس آیت میں ''حدائق'' کا لفظ ہے'یہ ''حدیقۃ'' کی جمع ہے''حدیقۃ'' اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد چار دیواری ہو اور ''اعنابا'' سے مراد ہے: انگوروں کی بیلیں۔

النبا: ۳۳ میں فرمایا: اور نو جوان ہم عمر بیویاں O

''کواعب'' ان دوشیزاؤں کو کہتے ہیں جن کے سینے خوب اُبھرے ہوئے ہوں'اور ''اتراب'' کا معنی ہے: ہم عمر اور ہم سن۔

النبا: ۳۴ میں فرمایا: اور چھلکتے ہوئے جام ہیں O

اس آیت میں ''کاساً دھاقاً'' کے الفاظ ہیں''کاساً'' کا معنی ہے: جام اور ''دھاقا'' کا معنی ہے: چھلکتا ہوا'اس سے مراد ہے: شراب کے چھلکتے ہوئے جام لیکن جنت کی شراب نشہ آور نہیں ہوگی۔

النبا: ۳۵ میں فرمایا: وہ اس میں نہ کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ ایک دوسرے کی تکذیب O

اس آیت میں فرمایا ہے: وہ اس میں نہ کوئی لغو بات سنیں گے'اس آیت میں ''اس میں'' سے کیا مراد ہے'ایک قول یہ ہے کہ وہ اس شراب کے جام میں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے'اس کے برخلاف دنیاوی شراب کے گلاسوں کو پینے سے انسان کو نشہ ہو جاتا ہے اور اس کے ہوش وحواس جاتے رہتے ہیں اور اس کو صحیح اور غلط میں تمیز نہیں رہتی اور جنت میں جو ان کو شراب کے جام دیئے جائیں گے'اس کو پینے سے ان میں ایسی کیفیت پیدا نہیں ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت میں کوئی لغو اور ناپسندیدہ بات نہیں کریں گے۔

اس آیت میں ''کذابا'' کا لفظ ہے'یہ ''کذب'' کا مبالغہ ہے یعنی وہ جنت میں بہت بڑی جھوٹی بات نہیں سنیں گے' بہت بڑی جھوٹی بات سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ نہیں سنیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے یا اس کا بیٹا یا بیوی ہے یا فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب نہیں سنیں گے۔

النبا: ۳۶ میں فرمایا: آپ کے رب کی طرف سے جزا ہوگی نہایت کافی عطا ہوگی O

جزا اور عطا میں بہ ظاہر تعارض کے جوابات

اس آیت میں جزاء اور عطا کے دو لفظ ہیں' جزا کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنوں نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے تھے' اس کی وجہ سے وہ اس اجروثواب کے مستحق ہیں اور عطاً کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے استحقاق کے بغیر محض اپنے فضل وکرم سے ان کو اجروثواب عطا فرما رہا ہے اور یہ تناقض ہے'اس کا جواب یہ ہے کہ بندے جو اجروثواب کے مستحق ہوتے ہیں وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ وہ اس وجہ سے اجروثواب کے مستحق ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اجروثواب کا وعدہ فرما لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کریم ہے'وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

اور اس آیت میں ''حساب'' کا لفظ ہے'' حساب'' کے دو معنی ہیں' ایک معنی ہے: کفایت' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جو اجر وثواب عطا فرمائے گا وہ ان کو کافی ہوگا اور حساب کا دوسرا معنی ہے: گنتی کرنا' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو گنتی کے موافق اجر وثواب عطا فرمائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جزاء کے تین درجات بیان فرمائے ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس گنا اجر عطا فرمائے گا (۲) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا سات سو گنا اجر عطا فرمائے گا (۳) اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا غیر متناہی اجر عطا فرمائے گا' اور ان تین درجات کا ذکر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں ہے:

(۱) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ. (الانعام:۱۶۰)
جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کو اس کی دس مثل اجر ملے گا۔

(۲) مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ. (البقرہ:۲۶۱)
جو لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی مثل ہے جو سات خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سو دانے ہوں۔

(۳) اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ (الزمر:۱۰)
صرف صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا ○

النبا: ۳۷ میں فرمایا: جو آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کا رب ہے' نہایت رحم فرمانے والا ہے' اس سے (بغیر اجازت) بات کرنے کا کسی کو اختیار نہ ہوگا ○

بلا اذن شفاعت نہ کرنے کی تحقیق

اس آیت میں جو فرمایا ہے: اس سے بات کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہوگا' اس کی تین تفسیریں ہیں:

(۱) عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ سے خطاب نہیں کر سکیں گے' رہے مؤمنین تو وہ گناہ گار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

(۲) قاضی نے کہا: اس سے مراد مؤمنین ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ مؤمنین کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے خطاب نہیں کر سکیں گے' کیونکہ جب یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا تو ثابت ہوا کہ وہ کفار کو جو عذاب پہنچائے گا وہ اس کا عدل ہے' اور مؤمنین کو جو ثواب عطا فرمائے گا وہ بھی اس کا عدل ہے اور وہ کسی کے حق میں کمی نہیں کرے گا۔ امام رازی فرماتے ہیں: یہ قول بھی پہلے قول کی بہ نسبت زیادہ حق کے قریب ہے کیونکہ اس سے پہلے اس آیت میں مؤمنین کا ذکر ہے' مشرکین کا ذکر نہیں ہے۔

مصنف کے نزدیک یہ دوسری تفسیر صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ مؤمنین کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے حالانکہ دلائل سے ثابت ہے کہ صالحین مؤمنین گناہ گار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے اور اس آیت کا محمل یہ ہے کہ کوئی مؤمن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا۔

(۳) اس سے مراد تمام آسمان اور زمین والے ہیں اور یہی صحیح ہے کیونکہ مخلوق میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ سے کلام اور خطاب کرنے کا اختیار نہیں ہے' اور جو شفاعات کی جائیں گی وہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اجازت سے کی جائیں گی اور ان کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملکیت کی نفی کی ہے اور کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے یا خطاب کرنے کا مالک نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور احسان سے جس کو شفاعت کرنے کا موقع عطا

فرمائے گا وہ اس شفاعت کا مالک نہیں ہوگا' البتہ ماذون ہوگا۔
باقی رہا یہ کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے خطاب کرنے کا مالک نہیں ہے؟ اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:
(۱) اللہ کے ماسوا ہر چیز اللہ کی مملوک ہے اور مملوک اپنے مالک سے کلام کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔
(۲) اگر یہ کہا جائے کہ مملوک اپنے مالک سے کلام کرنے کا مستحق ہے اور اس کا اللہ پر حق ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن جبریل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے' اس سے کوئی بات نہیں کر سکے گا' سوا اس کے جس کو رحمٰن نے اجازت دی' اور اس نے صحیح بات کی O وہ دن برحق ہے' سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنا لے O بے شک ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے' اس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہو جاتا O (النبا: ۴۰۔۳۸)

النبا: ۳۸ میں ''روح'' کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

النبا: ۳۸ میں ''روح'' کا لفظ ہے' اس کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:
ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخزومی المتوفی ۱۰۴ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: روح اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے اور اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو بنو آدم کی صورتوں پر بنایا ہے اور آسمان سے جو بھی فرشتہ نازل ہوتا ہے' اس کے ساتھ ایک روح ہوتی ہے۔
(تفسیر مجاہد ص ۳۱۹' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

ابوالحسن مقاتل بن سلیمان البلخی المتوفی ۱۵۰ھ روایت کرتے ہیں:
اس روح کا چہرہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے' اس کا نصف آگ ہے اور اس کا نصف برف ہے' وہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! جس طرح تو نے اس آگ اور اس برف میں الفت ڈال دی ہے' یہ آگ اس برف کو نہیں پگھلاتی اور نہ یہ برف اس آگ کو بجھاتی ہے' اسی طرح اپنے ایمان والے بندوں کے درمیان الفت ڈال دے تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے اس روح کو اختیار کر لیا اور فرمایا: جس دن روح اور اس کے تمام فرشتے کھڑے ہوں گے۔
(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۴۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
روح کی تفسیر میں اختلاف ہے' بعض نے کہا: اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور بعض نے کہا: اس سے مراد مسلمانوں کی روح ہے اور بعض نے کہا: اس سے مراد فرشتوں کے محافظ ہیں' وہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور لوگ ان کو نہیں دیکھتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح سے مراد وہ کتابیں ہوں جو آسمان سے نازل کی گئی ہیں' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:
يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ . (النحل: ۲) وہ فرشتوں کو اپنے حکم کی وحی (آسمانی کتاب) دے کر جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔
پھر یہ آسمانی کتابیں اس شخص سے مناقشہ کریں گی جس نے ان کے حق کو ضائع کر دیا' یا جس نے ان کتابوں کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس شخص کے حق میں شفاعت کریں گی جس نے ان کا حق ادا کیا اور ان کے احکام پر عمل کیا اور بعض نے کہا: اس سے مراد وہ مخفی چیز ہے جس کی تفسیر نہیں کی جا سکتی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ . یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے: روح میرے رب کے امر سے ہے۔ (بنی اسرائیل:۸۵)

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۱۷ ۳۴' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ ھ نے لکھا ہے: اس آیت میں روح کی تفسیر میں آٹھ قول ہیں:

(۱) ابو صالح نے کہا: روح انسانوں کی طرح اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے اور انسان نہیں ہے اور وہ اللہ سبحانہ کا لشکر ہے۔

(۲) مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ملائکہ میں سب سے اشرف ہیں۔

(۳) ابن ابی نجیح نے کہا: وہ ملائکہ کے محافظ ہیں۔

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ تخلیق کے لحاظ سے سب سے عظیم فرشتہ ہے۔

(۵) سعید بن جبیر نے کہا: وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

(۶) حسن بصری نے کہا: وہ بنو آدم کی ارواح ہیں' وہ صف باندھے کھڑی ہوں گی اور فرشتے بھی صف باندھے کھڑے ہوں گے۔

(۷) قتادہ نے کہا: وہ بنو آدم ہیں۔

(۸) زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۱۹۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

مصنف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس آیت میں روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں کیونکہ قرآن مجید کی اکثر آیات میں روح سے مراد حضرت جبریل ہیں اور مزید قرینہ یہ ہے کہ ان کا فرشتوں کے ساتھ ذکر ہے۔

روح اور فرشتوں کے صحیح بات کہنے کی توجیہات

اس آیت میں فرمایا ہے: روح اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روح اور سب فرشتے ایک صف میں کھڑے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ سب الگ الگ صفوں میں کھڑے ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ روح (خواہ اس کا جو بھی مصداق ہو) اور فرشتے جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے' اس کی دو شرطیں ہیں: (۱) وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ . کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔ (البقرہ:۲۵۵)

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنی شفاعت میں صحیح بات کہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب وہ رحمٰن کی اجازت سے شفاعت کرے گا تو وہ لامحالہ صحیح بات کہے گا' پھر یہ شرط کیوں عائد کی ہے کہ وہ صحیح بات کہے؟ اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلقاً کلام کرنے کی اجازت دی' پھر وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کلام کریں گے جو بالکل صواب اور صحیح ہو اور شفاعت میں اللہ تعالیٰ کی لگائی ہوئی حدود کے موافق ہو اور یہ ان کی انتہائی اطاعت اور عبادت کی دلیل ہے۔

(۲) اس سے مراد حضرت جبریل اور دیگر فرشتوں کی شفاعت نہیں ہے' بلکہ شفاعت کے دیگر مصادیق مراد ہیں' لیکن پہلا جواب راجح ہے۔

النبا: ۳۹ میں فرمایا: وہ دن برحق ہے' سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنالے O

حصولِ شفاعت کی دعا پر معتزلہ کا اعتراض اور اس کے جوابات

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے اور اس دن کو حسب ذیل وجوہ سے حق فرمایا ہے۔

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایک کم عقل عورت کے پاس سے گزرے' وہ یہ دعا کر رہی تھی: اے اللہ! مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے اہل لوگوں میں سے بنا دے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یوں دعا کرو کہ اے اللہ! مجھے جنت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء سے بنا دے کیونکہ آپ کی شفاعت تو آپ کی امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

اس پر معتزلہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب تم یہ دعا کرتے ہو کہ اے اللہ! ہمیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرما تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم یہ دعا کرتے ہو کہ اے اللہ! ہمیں گناہ کبیرہ کرنے والوں میں سے بنا کیونکہ آپ کی شفاعت تو گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے شرک سے اجتناب کیا اور اس سے گناہ کبیرہ سرزد ہو گئے تو چونکہ وہ اللہ کی توحید پر ایمان لایا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی تو اس کے یہ محاسن اس کو شفاعت کا اہل بنا دیتے ہیں' اور جب وہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! مجھے اپنے نبی کی شفاعت سے حصہ عطا فرما تو گویا وہ یوں کہتا ہے: اے اللہ! مجھے نیک کاموں کی توفیق عطا فرما اور مجھے ان لوگوں میں سے بنا دے جو تیری تعظیم کرتے ہیں اور تیری اطاعت اور عبادت سے تیرا تقرب حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ میں شفاعت کو حاصل کرلوں اور اس کا اپنی دعا سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اللہ اس کو کبیرہ گناہ کرنے والوں میں سے کر دے۔

ہمارے اس قول کے صحیح ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۴۴-۱۴۳)

پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے ۝ تو وہ حشر تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے ۝

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ان کی تسبیح نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی' اور اگر وہ تسبیح کرنے والے نہ ہوتے تو وہ مچھلی کے پیٹ سے نجات کے مستحق نہ ہوتے' اسی طرح مرتکب کبیرہ اپنے سابقہ نیک کاموں کی وجہ سے شفاعت کا مستحق ہوگا اور اس کی دوزخ سے نجات کی امید کی جائے گی' وہ اپنے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے شفاعت کا مستحق نہیں ہوگا' نیز معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ گناہ صغیرہ کا مرتکب اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اپنی مغفرت کا سوال کیا تو تمہارے اعتراض کے طور پر اس کی دعا کا یہ معنی ہوگا کہ اے اللہ! مجھے صغیرہ گناہوں میں مبتلا رکھ تاکہ تو میری مغفرت کر دے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کے طلب کرنے کی دعا کرنا بالکل جائز نہیں ہے اور تم جو اس اعتراض کا جواب دو گے ہماری طرف سے شفاعت کی دعا پر تمہارے اعتراض کا وہی جواب ہو گا۔

اگر معتزلہ ہمارے معارضہ کے جواب میں یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مرتکب صغیرہ ہو جائے تو ہم کہیں گے کہ جو شخص یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عطا فرما تو اس دعا کا بھی یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مرتکب کبیرہ ہونے کی دعا کر رہا ہے۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۳۷۲-۳۷۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

میں نے اپنے تلمیذ رشید مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہٗ وحبہٗ کے سامنے جب معتزلہ کا یہ اعتراض ذکر کیا کہ حصول شفاعت کی دعا کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ یہ دعا کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گناہ کبیرہ کا مرتکب کر دے' کیونکہ حدیث میں ہے: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٤٧٣٩) تو انہوں نے برجستہ کہا: یہ اعتراض تو اس وقت ہوتا جب حدیث میں کوئی حصر کا لفظ ہوتا کہ میری شفاعت صرف مرتکب کبائر کے لیے ہوگی حالانکہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی متعدد اقسام ہیں:(١) آپ کی شفاعتِ کبریٰ تمام اہل محشر کے لیے ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کا حساب لینا شروع کر دے (٢) اور آپ صالحین کے لیے ترقی درجات کے لیے شفاعت فرمائیں گے (٣) جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے آپ ان کی نجات کے لیے شفاعت فرمائیں گے (٤) آپ اپنے اہل بیت کے لیے خصوصی شفاعت فرمائیں گے (٥) آپ ستر ہزار در ستر ہزار مؤمنوں کے لیے شفاعت فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بغیر حساب اور کتاب کے جنت میں داخل فرما دے (٦) اذان کے بعد آپ پر درود پڑھ کر آپ کے لیے وسیلہ کی دعا کرنے والوں کے لیے شفاعت فرمائیں گے (٧) جو مسلمان آپ کی قبرانور کی زیارت کریں گے ان کے لیے شفاعت فرمائیں گے (٨) جنت کا دروازہ کھلوانے کے لیے شفاعت فرمائیں گے (٩) اہل مدینہ کے لیے شفاعت فرمائیں گے (١٠) اذان میں نام اقدس سن کر انگوٹھوں کو چومنے والوں کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔

ان دس قسموں کے علاوہ ایک قسم یہ ہے کہ آپ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے بھی شفاعت فرمائیں گے' سو حصولِ شفاعت کی دعا کرنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دعا کرنے والے کو کبیرہ گناہ کرنے والوں سے کر دیا جائے؟ یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ اس کو باقی دس قسموں میں سے کسی قسم میں کر دیا جائے' سو یہ جواب سن کر میں نے مفتی اسماعیل کی بہت تحسین کی اور ان کو دعا دی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے شاگرد کو ایسا ذہن عطا فرمایا ہے اور حاضر جواب بنایا ہے' وللّٰه الحمد علٰی ذالك۔

النبا:٢٩ میں فرمایا: وہ دن برحق ہے' سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنالے O

روزِ قیامت کے حق ہونے کی توجیہ

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اس دن سوا حق کے اور کوئی بات نہیں کہی جائے گی اور اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کا دن برحق ہے' وہ ضرور واقع ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا: سو اب جو چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنالے' یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے گم راہی اور ہدایت کے دونوں راستے وضاحت سے دکھا دیئے ہیں اور کسی کو ہدایت یا گم راہی اختیار کرنے سے نہیں روکا اور جس نے رشد اور ہدایت کے راستہ کو اختیار کیا اس کا ٹھکانا جنت کی طرف ہے اور یہی راستہ اس کے رب کی طرف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کا معنی ہے: جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرے گا' اس کو ہدایت دے گا حتیٰ کہ وہ اپنے رب کی طرف ٹھکانا بنالے گا۔(تفسیر کبیر ج ١١ص ٢٦' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

عطاء نے کہا: اپنے رب کی اطاعت کر کے اور اس کا قرب حاصل کر کے اپنے رب کی طرف ٹھکانا بناؤ۔

(جامع البیان رقم الحدیث:٢٨٠١٢)

النبا:٤٠ میں فرمایا: بے شک ہم نے تمہیں آنے والے عذاب سے ڈرا دیا ہے' اس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہو جاتا O

النبا: ٤٠ میں آدمی کے متعلق مفسرین کے اقوال

یعنی جس عذاب سے تم کو ڈرایا گیا ہے اس کا آنا بہت قریب ہے' اگرچہ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ اس کا آنا بہت دور ہے' جیسا

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ (النحل:۱) اللہ تعالیٰ کا (قیامت کے متعلق) حکم آ پہنچا ہے اب جلدی نہ مچاؤ۔

اس کے بعد فرمایا: اس دن آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اس آیت میں آدمی کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(۱) اس سے مراد تمام مخلوق ہے خواہ مؤمن ہو یا کافر' ہاتھوں کے بھیجنے کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ انسان کے اکثر اعمال اس کے ہاتھوں سے ہوتے ہیں اور قیامت کے دن اس کا صحیفہ اعمال بھی اس کے ہاتھوں میں دیا جائے گا' اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے جو نیک یا بد کام کیے ہیں' ان میں اس کے ہاتھوں کا دخل نہ ہو' جیسا کہ بارش کو رحمت کہا جاتا ہے اگرچہ فی نفسہٖ بارش رحمت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے بارش نازل ہوتی ہے۔

(۲) عطاء نے کہا: آدمی سے مراد اس آیت میں کافر ہے' کیونکہ مؤمن جس طرح اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے کاموں کو دیکھے گا' اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے عفو اور اس کی رحمت کی طرف دیکھے گا اور رہا کافر تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھے گا تو وہ صرف اپنے ہاتھوں سے بھیجے ہوئے گناہوں کو دیکھے گا۔

(۳) حسن اور قتادہ نے کہا: اس آیت میں آدمی سے مراد مؤمن ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کافر کہے گا: اے کاش! میں مٹی ہو جاتا' پس جب اس آیت کے دوسرے حصہ میں کافر مراد ہے تو ضروری ہوا کہ پہلے حصہ میں مؤمن مراد ہو' نیز اس لیے کہ جب مؤمن نے اپنے ہاتھوں سے نیک کام بھی بھیجے اور بُرے کام بھی تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف بھی ہوگا اور اس کی رحمت اور مغفرت کی امید بھی ہوگی' پس وہ منتظر ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا' رہا کافر تو اس کو یقین ہوگا کہ اس کو عذاب ہوگا' اس کو نہ کوئی تجسس ہوگا نہ انتظار۔

کافر کے قول ''کاش! میں مٹی ہو جاتا'' کے متعلق روایات

کافر قیامت کے دن زندہ کیے جانے سے پہلے مٹی تھا' اب جب وہ اپنا انجام دیکھ لے گا تو کہے گا: کاش! وہ اسی طرح مٹی ہو جاتا اور اب اس کو عذاب نہ دیا جاتا' جیسا کہ ان آیات میں ہے: قیامت کے دن کافر کہے گا:

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۚ (الحاقہ:۲۷) کاش کہ موت ہی میرا کام تمام کر دیتی ○

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ○ (النساء:۴۲) جس دن کفار اور رسول کی نافرمانی کرنے والے یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے ○

امام ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور اس کو امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی التوفی ۵۱۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے بھی ان سے نقل کیا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قیامت کے دن روئے زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور تمام جانوروں' حیوانوں اور حشرات الارض کو اکٹھا کیا جائے گا' پھر جانوروں سے قصاص لیا جائے گا' حتیٰ کہ اگر سینگھ والی بکری نے بغیر سینگھ والی بکری کے سینگھ مارا تو اس سے قصاص لیا جائے گا' پھر جب ان کے قصاص سے فراغت ہو جائے گی تو پھر ان سے کہا جائے گا: اب تم مٹی ہو جاؤ' یہ منظر دیکھ کر کافر کہے گا: کاش! میں بھی مٹی ہو جاتا۔

مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ وحشی جانوروں کو حشرات الارض کو اور پرندوں کو جمع فرمائے گا اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا' حتیٰ کہ بغیر سینگھ کی بکری کا سینگھ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا' پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: میں نے تم کو پیدا کیا اور تم کو بنو آدم کے لیے مسخر کیا اور تم اپنی پوری زندگی ان کی اطاعت کرتے رہے' اب تم اپنے پہلے حال کی طرف لوٹ جاؤ اور مٹی ہو جاؤ' پس جب کافر ان کی طرف دیکھے گا جو مٹی ہو گئے تو تمنا کرے گا اور یہ کہے گا: کاش! میں دنیا میں خنزیر کی صورت میں ہوتا اور آج مٹی ہو جاتا۔

ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان بیان کرتے ہیں: جب اللہ قیامت کے دن لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور اہل جنت کو جنت میں جانے کا حکم دے گا اور اہل دوزخ کو دوزخ میں جانے کا حکم دے گا تو اس وقت سب جانوروں سے اور مؤمنین جنات سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ' پھر وہ سب مٹی ہو جائیں گے' اس وقت کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں کافر سے مراد ابلیس ہے کیونکہ اس نے حضرت آدم کی مذمت کی تھی کہ ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور اس پر فخر کیا تھا کہ اس کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے' پس جب وہ قیامت کے دن یہ دیکھے گا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے مؤمنوں کو کس قدر ثواب عطا کیا جا رہا ہے اور وہ کس قدر سختی اور عذاب میں ہے تو ابلیس کہے گا: کاش! میں مٹی ہوتا۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۲۱۔۱۲۰' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۲ھ' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۰۳' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۰ھ' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۶۴۔۱۶۳)

سورۃ النبا کا اختتام

الحمدللہ رب العٰلمین! آج ۴ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۱۰ اگست ۲۰۰۵ء' بہ روز بدھ بعد نماز عصر سورۃ النبا کی تفسیر مکمل ہو گئی' الٰہ العٰلمین! جس طرح آپ نے محض اپنے کرم سے سورۃ النبا کی تفسیر مکمل کرا دی' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اپنی رحمت سے شرح صحیح مسلم کو اور اس تفسیر تبیان القرآن کو قیامت تک باقی' مقبول اور فیض آفریں رکھیں اور میری اور میرے والدین اور اس کتاب کے ناشر اور قارئین کی محض اپنے کرم سے مغفرت فرما دیں' دارین کی سختیوں سے مامون رکھیں اور دارین کی خوشیاں اور کامرانیاں عطا فرمائیں۔

والحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین وعلٰی آلہٖ واصحابہ وازواجہ وامتہ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی ونسلم علٰی رسوله الکریم

سورة النّٰزِعٰت

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام اس آیت میں مذکور پہلے لفظ سے ماخوذ ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ (النّٰزِعٰت: ۱) ان (فرشتوں) کی قسم جو (جسم میں) ڈوب کر نہایت سختی سے (کافر کی) روح کھینچتے ہیں O

امام ابن الضریس' النحاس' ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ النّٰزِعٰت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۰۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۱ ہے' یہ سورۃ النبا کے بعد نازل ہوئی ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے بھی اس سورت کا نمبر ۸۱ ہے۔

النّٰزِعٰت اور النبا میں مناسبت

سورۃ النّٰزِعٰت اور سورۃ النبا دونوں میں قیامت کے مناظر اور متقین اور مجرمین کے اخروی احوال بیان کیے گئے ہیں۔ ان دونوں سورتوں کی ابتداء میں قیامت کے مناظر اور حیات بعد الموت پر دلائل پیش کیے گئے ہیں' اور حساب اور جزاء اور سزا کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں' النبا کے آخر میں قیامت کے عذاب کے قریب آنے سے ڈرایا ہے اور النّٰزِعٰت کے آخر میں حشر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

النّٰزِعٰت کے مشمولات

☆ النّٰزِعٰت: ۵۔۱ میں ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو کافروں کے جسموں سے ان کی روحوں کو نہایت سختی کے ساتھ کھینچ کر نکالیں گے اور مؤمنوں کے جسموں سے ان کی روح کو نہایت نرمی سے نکالیں گے اور اس قسم کا جواب محذوف ہے یعنی تم کو ضرور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

☆ النّٰزِعٰت: ۱۰۔۶ میں قیامت کا ذکر ہے اور کفار کے انکارِ قیامت کا ذکر ہے۔

☆ النّٰزِعٰت: ۱۴۔۱۱ میں کفار کے انکارِ قیامت کی تفصیل ہے اور ان کا رد کیا گیا ہے۔

☆ النّٰزِعٰت: ۲۶۔۱۵ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے ساتھ معرکہ آرائی کا ذکر ہے جو اپنی حکومت کے غرور میں خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا تا کہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا سبب ہو۔

☆ النّٰزِعٰت: ۳۳۔۲۷ میں اللہ تعالیٰ نے حیات بعد الموت کے منکرین سے خطاب فرمایا ہے اور بعض محسوس دلائل سے مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کو ثابت فرمایا ہے اور ان کو بتایا ہے کہ وہ آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں سے زیادہ قوی تو نہیں ہیں' جب اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کرسکتا ہے تو ان منکرین کو کیوں دوبارہ پیدا نہیں کرسکتا!

☆ النّٰزِعٰت: ۴۶۔۳۴ کی آخری آیتوں میں قیامت کے ہولناک اُمور بیان فرمائے ہیں اور بتایا ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں: بعض سعید ہیں اور بعض شقی ہیں اور یہ کہ مشرکین یہ سوال کرتے ہیں کہ قیامت کس وقت آئے گی' اور اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس کے وقت کو اپنی عقل سے کوئی نہیں جان سکتا' حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی عقل سے نہیں معلوم کرسکتے کہ قیامت کس وقت آئے گی البتہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو اس کا علم عطا فرمایا ہے' اور یہ کہ مشرکین کا دنیا میں رہنا چند روز ہے اور جب قیامت اچانک آئے گی تو ان کے ہوش اُڑ جائیں گے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور امداد پر توکل کرتے ہوئے سورۃ النّٰزِعٰت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق پر قائم رکھنا اور مجھ سے وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور غلط اور باطل سے مجھے مجتنب رکھنا اور اس کا رد کرنے کی ہمت عطا فرمانا اور اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ فرما اور مجھے بُرے کاموں سے مجتنب اور نیک کاموں سے متصف رکھنا اور انجامِ کار میری مغفرت فرما دینا۔

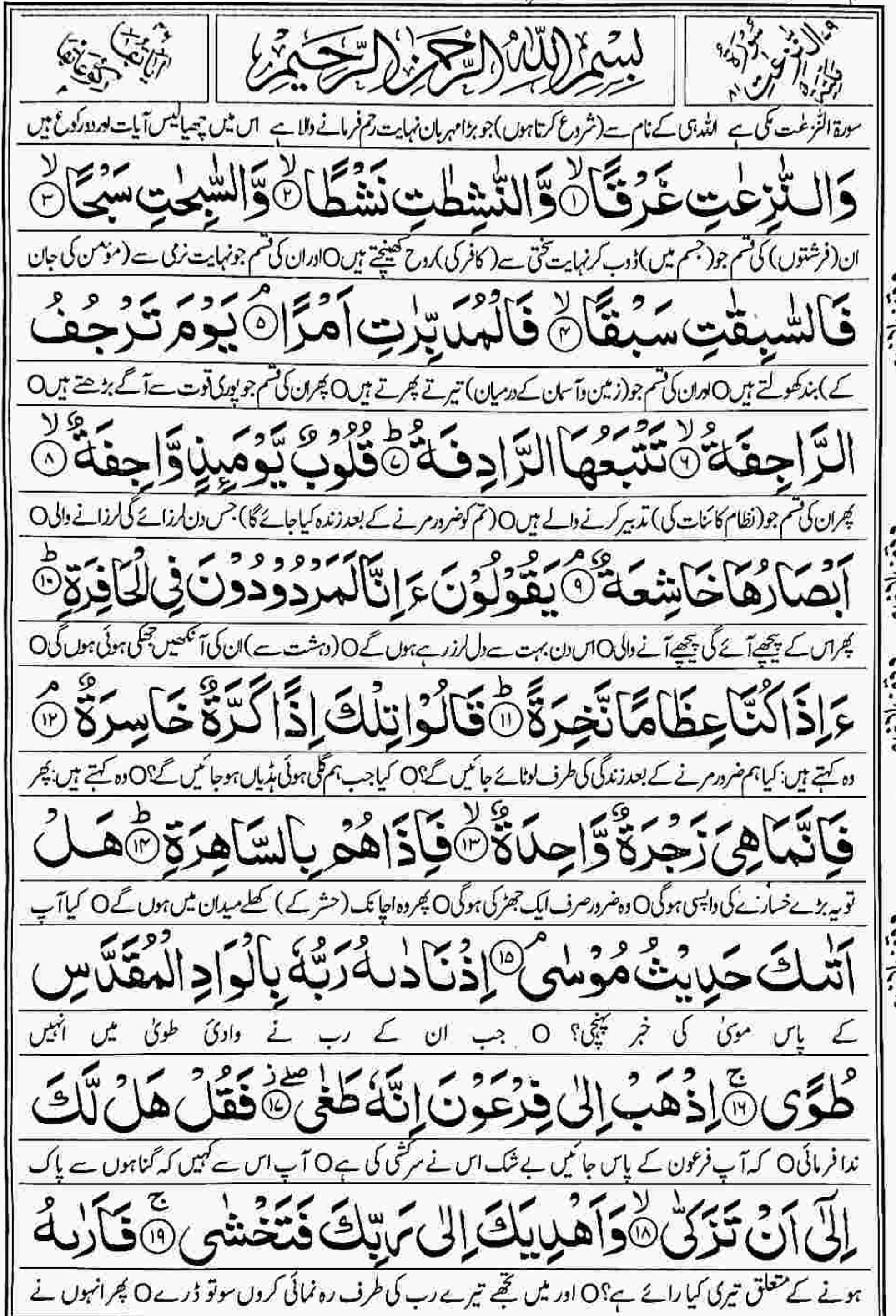
غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۵ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۱۱ اگست ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴





(۷۹) سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ (۸۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آیاتها ۴۶ رکوعاتها ۲

سورۃ النّٰزعٰت مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے اس میں چھیالیس آیات اور دو رکوع ہیں

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝١ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝٢ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝٣

ان (فرشتوں) کی قسم جو (جسم میں) ڈوب کر نہایت سختی سے (کافر کی) روح کھینچتے ہیں ۝ اور ان کی قسم جو نہایت نرمی سے (مومن کی جان

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝٤ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝٥ يَوْمَ تَرْجُفُ

کے) بند کھولتے ہیں ۝ اور ان کی قسم جو (زمین و آسمان کے درمیان) تیرتے پھرتے ہیں ۝ پھر ان کی قسم جو پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں ۝

الرَّاجِفَةُ ۝٦ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝٨

پھر ان کی قسم جو (نظام کائنات کی) تدبیر کرنے والے ہیں ۝ (تم کو ضرور مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا) جس دن لرزانے والی ۝

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِى الْحَافِرَةِ ۝١٠

پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی ۝ اس دن بہت سے دل لرز رہے ہوں گے ۝ (دہشت سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ۝

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝١١ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢

وہ کہتے ہیں: کیا ہم ضرور مرنے کے بعد زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ ۝ کیا جب ہم گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے؟ ۝ وہ کہتے ہیں: پھر

فَاِنَّمَا هِىَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝١٣ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤ هَلْ

تو یہ بڑے خسارے کی واپسی ہوگی ۝ وہ ضرور صرف ایک جھڑکی ہوگی ۝ پھر وہ اچانک (حشر کے) کھلے میدان میں ہوں گے ۝ کیا آپ

اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝١٥ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟ ۝ جب ان کے رب نے وادیٔ طویٰ میں انہیں

طُوًى ۝١٦ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝١٧ فَقُلْ هَلْ لَّكَ

ندا فرمائی ۝ کہ آپ فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سرکشی کی ہے ۝ آپ اس سے کہیں کہ گناہوں سے پاک

اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝١٨ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝١٩ فَاَرٰىهُ

ہونے کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ ۝ اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہ نمائی کروں سو تو ڈرے ۝ پھر انہوں نے

وقف لازم

وقف لازم

وقف لازم

وقف لازم

الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝۲۰ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝۲۱ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝۲۲

اسے بہت بڑی نشانی دکھائی ۝ سو اس نے تکذیب کی اور نافرمانی کی ۝ پھر اس نے پیٹھ پھیری اور ان کے خلاف کارروائی کی ۝

فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝۲۳ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝۲۴ فَاَخَذَهُ

اس نے لوگوں کو جمع کر کے یہ اعلان کیا ۝ پس کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں ۝ پس اللہ

اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝۲۵ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ

نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب کی گرفت میں لے لیا ۝ بے شک اس میں ڈرنے والوں کے لیے ضرور

يَّخْشٰى ۝۲۶

عبرت ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان (فرشتوں) کی قسم جو (جسم میں) ڈوب کر نہایت سختی سے (کافر کی) روح کھینچتے ہیں ۝ اور ان کی قسم جو نہایت نرمی سے (مؤمن کی جان کے) بند کھولتے ہیں ۝ اور ان کی قسم جو (زمین اور آسمان کے درمیان) تیرتے پھرتے ہیں ۝ پھر ان کی قسم جو پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں ۝ پھر ان کی قسم جو (نظامِ کائنات کی) تدبیر کرنے والے ہیں ۝ (تم کو ضرور مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا)۔ (النّزعٰت: ۵۔۱)

کافر کی روح کھینچنے کی کیفیت اور کافر کی روح کا سختی کے ساتھ جسم سے نکالنا

النّزعٰت: میں ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو بنو آدم کے جسموں سے ان کی روحوں کو نکالتے ہیں' اور جب وہ کفار کے جسموں سے ان کی روحوں کو نکالتے ہیں تو ان کے جسموں میں ڈوب کر نہایت سختی سے ان کی روحوں کو کھینچتے ہیں' جیسے کوئی کانٹوں والی شاخ کیچڑ اور گارے میں پھنسی ہو تو اس کو سختی سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔

جب کوئی پرندہ کسی پنجرہ میں بند ہو اور اس کے چاروں طرف خون خوار بلیاں اس کو نوچنے کے لیے تیار ہوں تو وہ اس پنجرہ میں دبکا رہتا ہے کیونکہ اس کو پتا ہوتا ہے کہ وہ اسی وقت تک محفوظ ہے جب تک اس پنجرہ میں ہے' اگر کوئی پنجرہ کی کھڑکی کھول کے اس کو نکالے تو وہ پنجرہ میں ہی سکڑا بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کو سختی سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں اور امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اور دوسرے مفسرین نے بھی اس کو نقل کیا ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ملک الموت کافر کی روح کو ہر بال' ہر ناخن اور قدموں کی جڑوں کے نیچے سے کھینچتا ہے اور اس کو اس کے جسم میں بار بار لوٹا کر نکالتا ہے اور مقاتل نے کہا: ملک الموت اور اس کے مددگار فرشتے کفار کی روحوں کو اس طرح سختی سے کھینچتے ہیں' جیسے لوہے کی سیخ میں بہت کانٹے ہوں اور ان میں گیلا اُون پھنسا ہوا ہو تو اس کو سختی سے کھینچ کر نکالا جائے پھر اس کی جان ایسے نکلتی ہے جیسے پانی میں ڈوبا ہوا شخص نکلتا ہے۔

(الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۲۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۰۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

ع ۲۶/۲ ۔ ۱

امام عبدالرحمان بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ کفار کی روحیں ہیں جن کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے' پھر آگ میں غرق کردیا جاتا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۱۱۰' الدرالمنثور ج ۸ ص ۳۷۰)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم کھائی ہے اور کھینچنے والوں کو کسی کے ساتھ خاص نہیں کیا' اس لیے یہ عام ہے خواہ فرشتہ ہو یا موت ہو یا ستارہ ہو یا کمان ہو۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت علی' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے یہ فرمایا ہے کہ النّٰزعٰت سے مراد وہ فرشتے ہیں جو سختی سے کافر کی روح کو اس کے جسم سے کھینچتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۹ ص ۱۶۵) اور ظاہر ہے کہ ان حضرات صحابہ کرام کی یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر محمول ہے' کیونکہ یہ ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کو اپنی عقل اور قیاس سے متعین کیا جا سکے۔

النّٰزعٰت: ۲ میں فرمایا: اور ان (فرشتوں) کی قسم جو نہایت نرمی سے (مومن کی جان کے) بند کھولتے ہیں ○

''ناشطات'' کا معنی اور مؤمن کی روح کا آسانی کے ساتھ جسم سے نکلنا

اس آیت میں ''ناشطات'' کا لفظ ہے' یہ ''ناشطة'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: گرہ یا بند کھولنے والے' فراء نے کہا: اس سے مراد ہے: مؤمنوں کی روحوں کو آسانی سے ان کے جسموں سے نکالنے والے فرشتے' ''انشطت العقال'' کا معنی ہے: میں نے اونٹ کے زانو بند کی گرہ کھول دی' ''نشط'' کا معنی ہے: گرہ لگانا اور ''انشط'' کا معنی ہے: گرہ کھولنا' نیز ''نشاط'' کا معنی خوش ہونا بھی ہے' اس صورت میں معنی ہوگا: مؤمنوں کی خوش ہونے والی روحیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مؤمنوں کی روحیں خوشی خوشی اپنے جسموں سے نکلتی ہیں کیونکہ ان کے نکلنے سے پہلے ہی ان کے سامنے جنت کر دی جاتی ہے۔ (لغات القرآن ج ۶ ص ۱۳۔۱۲)

امام ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی فرشتے مؤمن کے جسم سے اس کی گرہ یا اس کا بند کھول دیتے ہیں جس طرح جب اونٹ کی ٹانگ سے بندھی ہوئی رسی کو کھول دیا جائے تو کہتے ہیں: ''نشطت العقال من ید البعیر'' یہ فراء کا قول ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے: مؤمنوں کی روحیں خوشی خوشی اپنے جسموں سے نکلتی ہیں' کیونکہ جو مومن بھی فوت ہوتا ہے' مرنے سے پہلے اس کو جنت پیش کی جاتی ہے اور وہ اس میں اپنی ان ازواج کو دیکھتا ہے جو بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۲۳' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۰۴' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۶۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مؤمنین کی روحیں جب ملک الموت کو دیکھیں گی تو ملک الموت کہے گا: اے نفس مطمئنہ! چلو رَوح اور ریحان (خوشی اور خوشبو) کی طرف اور رب کی طرف جو ناراض نہیں ہے اور خوشی خوشی کرامت کے ساتھ جنت کی طرف چلو۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۳۷۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حارث بن خزرج کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ایک انصاری کے سرہانے ملک الموت کھڑا ہوا تھا' میں نے کہا: اے ملک الموت! میرے صحابی کے ساتھ نرمی کرنا کیونکہ یہ مؤمن ہے' ملک الموت نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ خوش ہوں اور اپنی آنکھ ٹھنڈی رکھیں' بے شک میں ہر

مؤمن کے ساتھ نرمی کرنے والا ہوں۔ (مسند البزار رقم الحدیث:۷۸۴'المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۱۸۸)

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کی موت کے وقت پیشانی پر پسینہ ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۹۸۲'سنن نسائی رقم الحدیث:۱۸۲۷'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۴۵۲'مسند احمد ج۵ص ۳۵۰)

اس حدیث کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ یہ موت کی شدت سے کنایہ ہے' دوسرا یہ کہ یہ موت کے وقت خیر کی علامت ہے۔

مؤمن کی روح کھینچنے کی کیفیت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ مؤمن دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے سفید چہرے والے فرشتے نازل ہوتے ہیں' ان کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ جنت کے کفن ہوتے ہیں اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے' حتیٰ کہ وہ منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت آ کر اس مؤمن کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے' اور اس سے کہتا ہے: اے نفسِ مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی طرف نکل' پھر اس کی روح اس کے جسم سے اس طرح نکلتی ہے جس طرح مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے' پھر فرشتہ اس روح کو پکڑ لیتا ہے اور پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی اس کو نہیں چھوڑتا اور اس کو اس کفن میں اور اس خوشبو میں رکھ دیتا ہے اور اس سے روئے زمین کی سب سے پاکیزہ مشک کی خوشبو آتی ہے' فرشتے اس روح کو لے کر فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں' فرشتے ان سے پوچھتے ہیں: یہ کیسی پاکیزہ معطر روح ہے؟ وہ بتائیں گے: یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس کا وہ نام بتائیں گے جو اس کا دنیا میں سب سے اچھا نام تھا' حتیٰ کہ وہ فرشتے اس روح کو لے کر آسمانِ دنیا پر پہنچیں گے اور اس کے لیے آسمان کو کھلوائیں گے تو آسمان کھول دیا جائے گا' پھر آسمانِ دنیا سے لے کر ساتویں آسمان تک اس کا ہر آسمان پر استقبال کیا جائے گا' پس اللہ عزوجل فرمائے گا: میرے بندہ کا صحیفہ اعمال علیین میں رکھ دو اور اس کو زمین کی طرف لے جاؤ' میں نے اسی زمین سے ان کو پیدا کیا ہے اور اسی زمین میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی زمین سے ان کو دوبارہ نکالوں گا' پھر اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جائے گا' پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیں گے اور اس سے پوچھیں گے: تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میرا رب اللہ ہے' وہ پھر پوچھیں گے: تمہارا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: میرا دین اسلام ہے' وہ پھر پوچھیں گے: یہ کون شخص ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' وہ کہیں گے: تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہے گا: میں نے کتاب اللہ کو پڑھا' پس میں ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا: میرے بندہ نے سچ کہا' اس کے لیے جنت سے فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت سے ایک کھڑکی کھول دو' پھر اس کے پاس جنت کی ہوا اور اس کی خوشبو آئے گی اور حد نگاہ تک اس کی قبر میں توسیع کر دی جائے گی' پھر اس کے پاس ایک خوب صورت شخص آئے گا' جس کا لباس بھی حسین ہوگا اور اس کی خوشبو بھی بہت اچھی ہوگی' وہ کہے گا: تمہیں اس چیز کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا' وہ کہے گا: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بہت حسین ہے اور خیر انگیز ہے' وہ کہے گا: میں تمہارا نیک عمل ہوں' تو وہ کہے گا: اے میرے رب! قیامت کو قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کی طرف لوٹ جاؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندۂ کافر دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ فام فرشتے اترتے ہیں' ان کے پاس ٹاٹ ہوتا ہے اور وہ منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں' پھر ملک الموت آ کر اس کافر کے

سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے خبیث روح! اللہ کی ناراضگی اور غضب کی طرف نکل' وہ روح اس کافر کے جسم میں پھیل جاتی ہے' وہ اس روح کو اس طرح گھسیٹ کر نکالتے ہیں جس طرح کانٹوں والی سلاخ میں پھنسے ہوئے گیلے اُون کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے' پھر وہ اس روح کو پکڑ لیتے ہیں اور پکڑنے کے بعد پلک جھپکنے کی مقدار بھی نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اس کی روح کو اس ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں' اس سے مردار کی طرح سخت بدبو نکلتی ہے' وہ اس روح کو لے کر چڑھتے ہوئے فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں' وہ پوچھتے ہیں: یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ بتاتے ہیں: یہ فلاں بن فلاں ہے اور دنیا میں اس کے بدترین نام کو بتاتے ہیں' حتیٰ کہ آسمانِ دنیا میں پہنچتے ہیں' آسمان کو کھلواتے ہیں تو آسمان کو نہیں کھولا جاتا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ (الاعراف: ۴۰)

ان (کافروں کے لیے) آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس کو سب سے نچلی زمین سجین میں داخل کر دو' پھر اس کی روح کو پھینک دیا جائے گا' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ○ (الحج: ۳۱)

جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ گویا آسمان سے گر پڑا' اب یا تو اسے پرندے اُچک کر لے جائیں گے یا ہوا اس کو دور دراز کی جگہ پر پھینک دے گی ○

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جائے گی' پھر دو فرشتے آ کر اس کو بٹھائیں گے اور اس سے پوچھیں گے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: افسوس! میں نہیں جانتا' وہ پوچھیں گے: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: افسوس میں نہیں جانتا' وہ پوچھیں گے: یہ شخص کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ وہ کہے گا: افسوس میں نہیں جانتا' پھر آسمان سے ایک منادی ندا کرے گا: یہ جھوٹ بول رہا ہے' اس کے لیے دوزخ سے فرش بچھا دو' اور اس کے لیے دوزخ کی کھڑکی کھول دو' پھر اس کے پاس دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اور اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کی اِدھر کی پسلیاں اُدھر نکل جائیں گی اور اس کے پاس ایک بدصورت شخص آئے گا جس کا لباس بھی بہت بُرا ہوگا اور اس سے سخت بدبو آ رہی ہوگی' پس وہ کہے گا: تمہیں بُری چیزوں کی بشارت ہو' یہ تمہارا وہ دن ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا' وہ کافر کہے گا: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو بہت خوفناک ہے جو شر انگیز ہے' وہ شخص کہے گا: میں تمہارا خبیث عمل ہوں' تب وہ کافر کہے گا: اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔

علامہ شعیب الارنؤوط اور دیگر محققین نے کہا ہے: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (حاشیہ مسند احمد ج ۳۰ ص ۵۰۳)

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۰ ص ۴۹۹۔ رقم الحدیث: ۱۸۵۳۴' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۰۵۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۸۲۔ ۳۸۰' مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۷۵ طبع جدید' دارالکتب العلمیہ' بیروت' المستدرک ج ۱ ص ۳۳۸۔ ۳۳۷' شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۹۵' کتاب الزہد لابن المبارک رقم الحدیث: ۱۲۱۹' کتاب الشریعۃ للآجری رقم الحدیث: ۸۱۲۔ ص ۳۰۲' الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۵۲۲۱۔ ج ۴ ص ۲۷۱۔ ۲۷۰' حافظ منذری نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۰۔ ۴۹' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۱۶۳۰' جمع الجوامع رقم الحدیث: ۵۱۶۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۴۹۵' شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ للالکائی المتوفی ۴۱۸ھ۔ ج ۲ ص ۱۵۲۔ رقم الحدیث: ۲۱۴۰' شرح الصدور ص ۵۵۔ ۵۴' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام

ابن ابی حاتم اور امام ابن جریر کے حوالہ سے بھی لکھا ہے لیکن بسیار تلاش کے بعد مجھے ان کی تفسیروں میں یہ حدیث نہیں ملی)

میں نے اس حدیث کے متعدد حوالہ جات اس لیے جمع کیے ہیں تا کہ قارئین کو یہ اطمینان ہو کہ یہ حدیث صحیح ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اس حدیث میں بندہ مومن کے خاتمہ کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہم کو عطا کردے' اے میرے رب! میرے لیے میری موت کو سہل اور آسان کردے اور موت کے وقت میرے جسم سے میری روح کو اس طرح نکالنا جس طرح پانی کی مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ نکلتا ہے اور موت کے بعد بندہ مؤمن کو جن نعمتوں سے نوازنے کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ تمام نعمتیں مجھے اور میرے قارئین اور محبین کو عطا فرمانا' میں نے اپنے قارئین کے لیے حسن خاتمہ کی دعا کی ہے' سو قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ بھی میرے لیے حسن خاتمہ کی دعا کریں' خصوصاً ایسے خاتمہ کی جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

اسی موضوع پر ایک اور حدیث ہے' جس کو حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے ذکر کیا ہے' وہ لکھتے ہیں:

امام بزار اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس فرشتے ایک ریشم کے ٹکڑے میں مشک اور مختلف پھول لے کر آتے ہیں' پھر اس کے جسم سے روح کو اس طرح نکالا جاتا ہے' جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال کو نکالا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: اے پاکیزہ روح! اس حال میں کہ تو راضی ہو اور تجھے راضی کیا گیا ہو' تو اللہ کی خوشی اور اس کی کرامت کی طرف نکل اور جب وہ روح نکلتی ہے تو اس کو اس مشک اور پھولوں پر رکھ دیا جاتا ہے اور اس ریشم کو لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو علیین کی طرف لے جایا جاتا ہے اور بے شک جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے ایک ٹاٹ میں انگارے رکھ کر لاتے ہیں' پھر اس کی روح کو نہایت سختی کے ساتھ کھینچ کر نکالا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: اے خبیث روح! اس حال میں کہ تو ناراض ہو اور تجھ پر اللہ ناراض ہو' اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ذلت اور اس کے عذاب کی طرف نکل اور جب وہ روح نکل آتی ہے تو اس کو ان انگاروں پر رکھ دیا جاتا ہے اور اس ٹاٹ کو اس کے اوپر لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس کو سجین کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

(شرح الصدور ص ۶۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ علی بن محمد بن حبیب الماوردی متوفی ۴۵۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''النشطت'' سے وہ فرشتے مراد ہیں جو مؤمنین کی روحوں کو آسانی کے ساتھ ان کے جسموں سے نکالتے ہیں۔

(۲) قتادہ نے کہا: یہ ستارے ہیں جن کو ان کی طلوع ہونے کی جگہوں سے غروب ہونے کی جگہوں کی طرف نکالا جاتا ہے۔

(۳) مجاہد نے کہا: یہ روح ہے' جو انسان کی روح کا بند کھول دیتی ہے۔

(۴) سدی نے کہا: یہ روح ہے' جس کا موت سے بند کھل جاتا ہے۔

(۵) عطاء نے کہا: یہ جانوروں کی گردنوں میں ڈالی جانے والی رسیاں ہیں۔

(۶) ابوعبیدہ نے کہا: یہ وحشی جانور ہیں جن کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف کھول دیا جاتا ہے' جیسے تفکرات انسان کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف لے جاتے ہیں۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۱۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

النّزعٰت: ۳ میں فرمایا: اور ان کی قسم (جو زمین اور آسمان کے درمیان) تیرتے پھرتے ہیں O

''السابحات'' کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''السابحات'' سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مؤمنین کی روحوں کے ساتھ تیرتے ہیں' الکلبی نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو مؤمنین کی روحوں کو قبض کرتے ہیں' جیسے کوئی شخص پانی میں تیرتا ہے تو کبھی پانی میں ڈبکی لگاتا ہے اور کبھی سطح آب پر اُبھر آتا ہے اور مجاہد اور ابو صالح نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو بہت تیز رفتار گھوڑے کی طرح تیزی سے آسمان سے اترتے ہیں جیسے تیز رفتار گھوڑے کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تیرنے والا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مجاہدین کے گھوڑے ہیں' قتادہ نے کہا: اس سے مراد ستارے' سورج اور چاند ہیں' اللہ سبحانہ فرماتا ہے:

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (یٰس: ۴۰) — ہر ستارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے ۝

عطاء نے کہا: اس سے مراد کشتیاں ہیں۔

(الکشف والخفاء ج ۱۰ ص ۱۲۴' النکت والعیون ج ۶ ص ۱۹۳' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۰۵' الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۶۷)

''السابقات'' کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

النّٰزعٰت: ۴ میں فرمایا: پھر ان کی قسم جو پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں ۝

مجاہد اور ابو روق نے کہا: جو ابن آدم کی خیر اور عمل صالح کو پہنچانے میں سبقت کرتے ہیں' مقاتل نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو ارواحِ مؤمنین کو جنت میں لے جانے میں سبقت کرتے ہیں' حضرت ابن مسعود نے کہا: یہ مؤمنین کی روحیں ہیں جو فرشتوں کی طرف سبقت کرتی ہیں' یہ اللہ کی ملاقات اور اس کی رحمت اور کرامت کے شوق میں آگے بڑھتی ہیں' عطاء نے کہا: یہ گھوڑے ہیں' قتادہ نے کہا: یہ ستارے ہیں' بعض بعض سے چلنے میں سبقت کرتے ہیں۔ (الکشف والخفاء ج ۱۰ ص ۱۲۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ فرشتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام تک وحی پہنچانے میں شیاطین پر سبقت کرتے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ بنو آدم نیک اعمال کی طرف سبقت کرتے ہیں تو یہ ان کو لکھ لیتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۶۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

''السابقات'' سے مراد مؤمنین کی ارواح ہیں' ان کو ''سابقات'' اس لیے فرمایا کہ جب وہ روحیں یہ دیکھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کیا کیا تکریم اور خیر تیار کی ہے تو وہ اپنے مقرر وقت سے پہلے اپنے اجسام سے نکلنا چاہتی ہیں تاکہ وہ اجسام سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی تیار کی ہوئی کرامت تک پہنچ جائیں۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۶)

ایک قول یہ ہے کہ یہ سبقت موت کے وقت ہوگی' جب مؤمن کو موت آئے گی تو وہ اس وقت میں اس قیدی کی طرح ہوگا جو قید سے رہائی اور راحت چاہتا ہو کیونکہ اس وقت مؤمن دیکھے گا کہ اس کے لیے کیا ثواب تیار کیا گیا ہے' پس اس وقت اس کی خواہش ہوگی کہ وہ اس جسم سے نکل کر اس ثواب تک پہنچ جائے اور کافر جب دیکھے گا کہ اس کے لیے کیا عذاب تیار کیا گیا ہے تو اس کی روح اس جسم سے نکلنا ناپسند کرے گی اور اس وقت اس کے لیے یہی دنیا جنت ہوگی اور وہ اپنے عذاب کو دیکھ کر اس جسم سے جدا ہونا نہیں چاہے گی اور اس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: جو اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے' اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۰۸۔ ۶۵۰۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۸۳)

کیونکہ جب مؤمن موت کے وقت جنت میں اپنے ثواب کو دیکھے گا' تو اس وقت اس کی روح جسم سے نکل کر جنت میں جانا اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرے گی اور جب موت کے وقت اپنے عذاب کو دیکھے گا تو اس کی روح جسم سے نکل کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرے گی۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۷۴ 'مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون بیروت' ۱۴۲۵ھ)

النّٰزعٰت: ۵ میں فرمایا: پھر ان کی قسم جو (نظام کائنات کی) تدبیر کرتے ہیں O

''المدبرات'' کے مصداق میں اقوال مفسرین

امام الحسین بن مسعود الفرا البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''المدبرات امرا'' سے مراد فرشتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے چند اُمور ان کے سپرد کر دیئے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کو حکم دیا ہے وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں' عبدالرحمان بن سابط نے کہا: دنیا میں نظام عالم کی تدبیر چار فرشتے کرتے ہیں: حضرت جبریل' حضرت میکائیل' حضرت ملک الموت اور حضرت اسرافیل علیہم السلام۔

حضرت جبریل کے سپرد وحی لانا اور ہوائیں اور لشکر ہیں' حضرت میکائیل کے سپرد بارش اور زمین کی پیداوار کا نظام ہے اور حضرت ملک الموت کے سپرد روحوں کو قبض کرنا ہے اور حضرت اسرافیل کے سپرد صور پھونکنا ہے اور وہ بغیر کسی اہم امر کے زمین پر نازل نہیں ہوتے۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۰۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اولیاء اللہ کی ارواح کا ''المدبرات'' کا مصداق ہونا اور لوگوں کے کام آنا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''الناشطات'' سے مراد مؤمنین کی ارواح ہیں جو نہایت نرمی اور آسانی سے اپنے جسموں سے نکل جاتی ہیں' پھر وہ ارواحِ بشریہ جو تعلق جسمانی سے خالی ہوتی ہیں اور عالم بالا کے ساتھ اتصال کی مشتاق ہوتی ہیں جب وہ اجسام کی ظلمت سے نکل جاتی ہیں تو وہ عالم ملائکہ اور منازل قدس کی طرف مسرت اور شادمانی سے بہت سرعت کے ساتھ جاتی ہیں اور ان کے تیزی سے روانہ ہونے کو ''سابحات'' (تیرنے والیاں) سے تعبیر فرمایا ہے' پھر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیا سے متنفر ہونے میں اور عالم علوی کے ساتھ اتصال کی محبت میں ان ارواح کے درجات مختلف ہوتے ہیں' پس جن ارواح کے یہ احوال زیادہ کامل ہوتے ہیں ان کی عالم قدس کی طرف روانگی اتنی سرعت کے ساتھ ہوتی ہے اور جن کے یہ احوال کم زور ہوتے ہیں ان کی روانگی اسی قدر آہستہ ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو ارواح ''سابقات'' ہوتی ہیں یعنی جو عالم قدس سے محبت کی وجہ سے بہت تیزی سے عالم قدس کی طرف سبقت کرتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان ہی ارواح کی قسم کھائی ہے یعنی ان ارواح کی قسم جو عالم قدس کی طرف سبقت کرتی ہیں تم ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے' پھر یہ مستبعد نہیں ہے کہ ان ارواحِ شریفہ عالیہ میں جو قوت اور شرف ہے ان ہی کے آثار سے اس عالم کے احوال ظہور میں آتے ہوں' لہٰذا وہی ارواحِ شریفہ ''فالمدبرات امرا'' کی مصداق ہیں' کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ انسان خواب میں اپنے استاذ کو دیکھتا ہے اور اس کو جو مشکل پیش آتی ہے اس کا اپنے استاذ سے ذکر کرتا ہے اور اس کا استاذ اس کو اس مشکل کے حل کی طرف رہ نمائی کرتا ہے اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ بیٹا خواب میں اپنے باپ کو دیکھتا ہے اور اس کا باپ اس کو کسی مدفون خزانے کی رہ نمائی کرتا ہے اور کیا جالینوس نے یہ نہیں کہا کہ وہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہو گیا اور اپنے علاج سے عاجز ہو گیا' اس نے کہا: میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس نے علاج کی کیفیت بتائی اور کیا امام غزالی نے یہ نہیں کہا کہ ارواحِ شریفہ (یعنی نیک لوگوں کی روحیں) جب اپنے بدنوں سے جدا ہو جاتی ہیں' پھر اتفاق سے کوئی

انسان ان کے پہلے جسم اور روح کے مشابہ ہوتا ہے تو یہ بعید نہیں ہے کہ اس نیک روح کا اس بدن کے ساتھ تعلق ہو اور وہ نیک کاموں میں اس کی مدد کرے اور اس معاونت کا نام الہام ہے اور اس کی نظیر کفار اور فجار کی روحوں میں یہ ہے کہ وہ اپنے مناسب بدن میں بُرائی کو ڈالتی ہیں اور اس کو وسوسہ کہتے ہیں اور یہ تفسیر اگرچہ مفسرین سے منقول نہیں ہے لیکن لفظ اس کا بہت زیادہ احتمال رکھتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۳۱ ٗ داراحیاء التراث العربی ٗ بیروت ٗ ۱۴۲۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ کہنا جہالت ہے کہ اولیاء اللہ اپنی وفات کے بعد تصرف کرتے ہیں ٗ مثلاً بیمار کو شفا دیتے ہیں ٗ ڈوبے ہوئے کو غرق سے نجات دیتے ہیں ٗ دشمن کے خلاف مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے سپرد کر دیئے ہیں ٗ ہاں! اس میں توقف نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کی وفات کے بعد ان کو کرامت عطا کرتا ہے ٗ جیسا کہ ان کی وفات سے پہلے ان کو کرامت عطا کی تھی (پس ان کی دعا سے) اللہ تعالیٰ بیمار کو شفا عطا فرماتا ہے اور ڈوبنے والے کو غرق سے نجات دیتا ہے اور دشمن کے خلاف مدد فرماتا ہے اور بارش نازل فرماتا ہے اور ایسے ہی اُمور ان کی کرامت ہیں اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ظاہر فرماتا ہے جو صورت میں ان کے مشابہ ہوتا ہے ٗ پھر وہ شخص اللہ تعالیٰ سے کسی ایسی چیز کا سوال کرے جو گناہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت اور وجاہت کی وجہ سے اس کے سوال کو پورا فرما دیتا ہے اور اگر کوئی سوال کرنے والا کسی گناہ کا سوال کرے اور اللہ تعالیٰ اس کے سوال کو پورا کر دے تو یہ اس سائل کے لیے مکر اور استدراج ہے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۳ ٗ دارالفکر ٗ بیروت ٗ ۱۴۱۷ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

نیک روحیں بدن سے جدا ہونے کے بعد ''المدبرات'' کا مصداق ہیں (الیٰ قولہ) پس جب تدبیر کرنا روح کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس جہان میں تدبیر کرتی ہے ٗ پس جب وہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد اس جہان سے برزخ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے تو اس کی تدبیر اور تاثیر بہت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ انسان کا جسم روح کے لیے حجاب ہے ٗ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب سورج کے لیے بادل حجاب نہ ہوں تو اس کی دھوپ بہت تیز اور سخت ہوتی ہے۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۷۳ ٗ داراحیاء التراث العربی ٗ بیروت ٗ ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس دن لرزائے گی لرزانے والی ○ پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی ○ اس دن بہت سے دل لرز رہے ہوں گے ○ دہشت سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ○ وہ کہتے ہیں: کیا ہم ضرور مرنے کے بعد زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ ○ کیا جب ہم گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے؟ ○ وہ کہتے ہیں: پھر تو یہ بڑے خسارے کی واپسی ہوگی ○ وہ ضرور صرف ایک جھڑکی ہوگی ○ پھر وہ اچانک (حشر کے) کھلے میدان میں ہوں گے ○ (النّزعٰت: ۱۴۔۶)

قیامت کے احوال اور ''راجفۃ'' کا معنی

اس آیت میں فرمایا ہے: ''یوم ترجف الراجفۃ'' اور یوم پر زبر اس لیے ہے کہ وہ فعل محذوف کا مفعول ہے اور وہ فعل ہے ''لتبعثن'' ''یعنی تم ضرور زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے ٗ جس دن لرزائے گی لرزانے والی ○

اس پر یہ اعتراض ہے کہ لرزائے گی لرزانے والی ٗ اس سے پہلا صور پھونکنا مراد ہے حالانکہ لوگوں کو دوسرے صور کے پھونکنے کے وقت زندہ کیا جائے گا ٗ اس کا جواب یہ ہے کہ النّزعٰت: ۷ میں دوسرے صور کے پھونکنے کا ذکر ہے:

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ (النّزعٰت: ۷) — پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی ○

''راجفۃ'' کے لغت میں دو معنی ہیں: ایک معنی حرکت ہے ٗ قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ . (المزمل:۱۴) جس دن زمین اور پہاڑ تھرائیں گے۔

اس کا دوسرا معنی ہے: گرج دار آواز یا ہولناک آواز یا کڑک‘ قرآن مجید میں ہے:

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ . (الاعراف:۹۱) پس ان کو ہولناک کڑک نے پکڑ لیا۔

ان آیات میں قیامت کے احوال ذکر کیے گئے ہیں‘ ”الراجفة“ سے مراد ہے: پہلی بار صور میں پھونکنا اور اس کو ”راجفة“ (لرزانے والی) اس لیے فرمایا ہے کہ پہلے صور کے پھونکنے سے دنیا لرزنے لگے گی اور اس میں زلزلہ آ جائے گا‘ پھر اس کے بعد جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے تو زمین مردوں کو زندہ کرنے کے لیے دوبارہ لرزے گی۔

اس کے بعد فرمایا: اس دن بہت سے دل لرز رہے ہوں گے O دہشت سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی O (النّٰزعٰت:۹۔۸)

یعنی مشرکین کے دل لرز رہے ہوں گے اور منافقین کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی‘ قرآن مجید میں ہے:

الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ط. (محمد:۲۰) جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے اس شخص کی نظر ہوتی ہے جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔

اس کے بعد فرمایا: وہ کہتے ہیں: کیا ہم ضرور مرنے کے بعد زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟O (النّٰزعٰت:۱۰)

”حافرة“ کا معنی

اس آیت میں ”حافرة“ کا لفظ ہے‘ اس کا معنی ہے: پہلی حالت الٹے پاؤں‘ ”حافرة“ ”حفر“ سے بنا ہے‘ اس کا معنی ہے: زمین کھودنا‘ ”حافرة“ کا لفظ الٹے پاؤں لوٹنے اور پہلی حالت پر پلٹنے کے لیے ضرب المثل ہو گیا ہے‘ انسان جس راستہ آیا‘ الٹے پاؤں اسی راستہ پر پلٹا تو چلنے کی وجہ سے قدموں کے نشانات سے جو زمین کھدی‘ اس نسبت سے وہ حالت ”حافرة“ کہلائی اور بعض کا قول ہے کہ ”حافرة“ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں ان کی قبریں کھدی ہوتی ہیں اور ”حافرة“ بہ معنی ”محفورة“ ہے‘ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ”حافرة“ اس وجہ سے ہے کہ وہ ”حوافر“ کا مستقر ہے یعنی کھروں اور سموں کے ٹکنے کی جگہ ہے۔

اس آیت میں اس کا معنی ہے: پہلی حالت پر پلٹنے کی جگہ‘ گویا مشرکین یہ کہتے تھے کہ آیا ہم مرنے کے بعد پھر پہلی زندگی کی طرف لوٹ جائیں گے؟

النّٰزعٰت:۱۱ میں فرمایا: کیا ہم جب گلی ہوئی ہڈیاں ہو جائیں گے؟O

اس آیت میں ”نخرة“ کا لفظ ہے‘ اس کا معنی ہے: بوسیدہ چورا‘ چور چور ہڈیاں‘ بوسیدہ ہونا‘ ریزہ ریزہ ہونا۔

النّٰزعٰت:۱۲ میں فرمایا: وہ کہتے ہیں کہ پھر تو بڑے خسارے کی واپسی ہوگی۔

”نخرة“ کا معنی اور خسارہ کی تفسیر میں دو قول

حسن بصری نے کہا: اس قول سے مشرکین نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کیا ہے‘ یعنی ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا اور دوسرے مفسرین نے کہا: مشرکین کے قول کا معنی یہ ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں کا گمان ہے اگر ہم کو دوبارہ زندہ کیا گیا تو یہ دوسری زندگی مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہوگی کیونکہ مشرکین کا گمان یہ تھا کہ جس طرح وہ دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں‘ آخرت میں بھی اسی طرح عیش و عشرت میں ہوں گے اور مسلمان جس طرح دنیا میں تنگی سے گزر بسر کر رہے ہیں‘ اس

سے دوسری زندگی مسلمانوں کے لیے خسارہ کا باعث ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک کافر کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ○ (الکہف: ۳۶)

اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میں اس (دنیا) سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا ○

پس مشرکین یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں دنیا کی جن نعمتوں سے نوازا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ اور مرتبہ مسلمانوں میں بہت بڑا اور بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء پر تو معیشت تنگ کر دے اور اپنے دشمنوں پر معیشت کو وسیع کر دے اور جب ان پر دنیا میں معیشت کشادہ کی گئی تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہی دنیا اور آخرت میں فضیلت والے ہیں اور جو ان کے مخالف ہیں' وہی خسارے والے ہیں۔

النّٰزعٰت: ۱۳ میں فرمایا: وہ ضرور صرف ایک جھڑکی ہوگی ○

''زجرۃ'' کا معنی

اس میں یہ بتایا ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا بہت سرعت سے ہوگا اور اس کو قائم کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے اور اس سے دوسری بار صور میں پھونکنا مراد ہے اور یہ حضرت اسرافیل کی چیخ ہے' مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین کے نیچے سے زندہ کرے گا' وہ اس ہولناک آواز کو سن کر اٹھ کھڑے ہوں گے' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ○ (ص: ۱۵)

انہیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے جس میں کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے ○

النّٰزعٰت: ۱۴ میں فرمایا: پھر وہ اچانک (حشر کے) کھلے ہوئے میدان میں ہوں گے ○

''ساھرۃ'' کا معنی

اس آیت میں ''ساھرۃ'' کا لفظ ہے' ''ساھرۃ'' کا معنی ہے: میدان' ''سھر'' کا معنی: نیند اُڑ جانا بھی ہے' لیکن اس کا زیادہ استعمال روئے زمین کے متعلق ہوتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: ''ساھرۃ'' سفید ہموار زمین کو کہتے ہیں' اس نام سے اس کو موسوم کرنے کی دو وجہیں ہیں: (۱) اس پر چلنے والا خوف سے سوتا نہیں (۲) اس زمین میں سراب رواں ہوتا ہے' عربوں کا محاورہ ہے: ''عین ساھرۃ'' (جاری چشمہ) اور میرے نزدیک اس کی تیسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زمین پر چلنے والے کی خوف سے نیند اُڑ جاتی ہے' تو جس زمین پر حشر برپا ہوگا' وہاں کافر بہت زیادہ خوف زدہ ہوں گے' علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ''ساھرۃ'' یہی دنیا کی زمین ہوگی یا آخرت کی زمین ہوگی کیونکہ دوسرے صور میں پھونکنے سے جو مہیب آواز پیدا ہوگی جس کو اس سے پہلی آیت میں ''زجرۃ'' (جھڑکی) فرمایا ہے' اس وقت لوگ جوق در جوق آخرت کی زمین میں منتقل ہوں گے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟ ○ جب ان کے رب نے وادیٔ طویٰ میں انہیں ندا فرمائی ○ کہ آپ فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سرکشی کی ہے ○ آپ اس سے کہیں کہ گناہوں سے پاک ہونے کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ ○ اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہ نمائی کروں سو تو ڈرے ○ پھر انہوں نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی ○ سو اس نے تکذیب کی اور نافرمانی کی ○ پھر اس نے پیٹھ پھیری اور ان کے خلاف کارروائی کی ○ اس نے لوگوں کو جمع

کر کے یہ اعلان کیا O پس کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں O پس اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب کی گرفت میں لے لیا O بے شک اس میں ڈرنے والے کے لیے ضرور عبرت ہے O (النّٰزعٰت: ۲۶۔۱۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ معرکہ کا قصہ اور اس سے کفارِ مکہ کو ڈرانا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے انکار پر بہت اصرار کر رہے ہیں حتیٰ کہ وہ اس کا مذاق اُڑا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں: ''تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ'' (النّٰزعٰت: ۱۲) پھر تو آخرت کی طرف لوٹنا بہت خسارہ والا ہوگا اور ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا یہ مسلسل انکار بہت شاق گزرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تا کہ آپ کو تسلی دی جائے کہ فرعون کو دعوت دینے میں موسیٰ علیہ السلام نے بھی مشقت اٹھائی تھی اور فرعون بھی آخر وقت تک اپنے انکار پر جما رہا تھا' سو آپ پریشان نہ ہوں اور غم نہ کریں' انبیاء علیہم السلام کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینے میں ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ فرعون کفارِ مکہ سے زیادہ قوی اور جابر حکم ران تھا' اس کے پاس بہت بڑا لشکر تھا اور اس کی بہت بڑی سلطنت تھی اور جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو رد کر دیا اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی تو اس کا جاہ وحشم' اس کی بڑی سلطنت اور اس کا لشکر اس کے کچھ کام نہ آیا' اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا اور اس کو دنیا اور آخرت میں عبرت کا نشان بنا دیا اور فرعون کی قوت اور حشمت کے مقابلہ میں یہ کفارِ مکہ کیا چیز ہیں' اگر یہ بھی آخر وقت تک اپنے انکار پر جمے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی دنیا اور آخرت میں عبرت کا نشان بنا دے گا۔

النّٰزعٰت: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی؟ O جب ان کے رب نے وادیٔ طویٰ میں انہیں ندا فرمائی O

النّٰزعٰت: ۱۶ میں ''طـوی'' کا لفظ ہے' طویٰ شام کی ایک وادی کا نام ہے جو پہاڑ طور کے پاس ہے' جب رات کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا فرمائی تھی کہ آپ فرعون کے پاس جائیں' طویٰ وادیٔ مقدس ہے' جس میں دو مرتبہ برکت ڈالی گئی ہے۔

فراء نے یہ کہا ہے کہ طویٰ مدینہ اور مصر کے درمیان ایک وادی ہے۔

النّٰزعٰت: ۱۷ میں فرمایا: کہ آپ فرعون کے پاس جائیں بے شک اس نے سرکشی کی ہے O

اس آیت میں ''طغٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بیان فرمایا کہ اس نے کس چیز میں حد سے تجاوز کیا تھا' اس لیے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تکبر کیا اور کافر ہو گیا اور دوسرے مفسرین نے کہا: اس نے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حد سے تجاوز کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے خالق اور مخلوق دونوں کے معاملہ میں حد سے تجاوز کیا ہو' خالق کے معاملہ میں تجاوز یہ تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں مانا اور لوگوں سے کہا: ''أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى'' (النّٰزعٰت: ۲۴) (تمہارا سب سے بڑا رب میں ہوں) اور مخلوق کے سامنے تکبر یہ تھا کہ اس نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لیا' ان سے بے گار کے کام لیتا تھا اور ان پر طرح طرح کے ظلم کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان کو تلقین کی کہ وہ ان سے کہیں:

النّٰزعٰت: ۱۸ میں فرمایا: آپ اس سے کہیں کہ گناہوں سے پاک ہونے کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ O

اس آیت میں ''تـزکّٰی'' کا لفظ ہے' اس کا مادہ ''زکی'' ہے' اس کا معنی ہے: عیوب سے بَری ہونا اور قبائح سے پاک

ہونا' قرآن مجید میں ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۞ (الشمس:۹) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہوگیا۞

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو تلقین کی تھی کہ فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کریں' فرمایا:

فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا . (طٰہٰ:۴۴) پس تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ جب کسی کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینی ہو تو اس کے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہیے اور نرمی سے بات کرنی چاہیے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانْفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ . (آل عمران:۱۵۹) اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو مبلغین لوگوں کے ساتھ سختی کے ساتھ کلام کرتے ہیں اور بہت زیادہ تعصب سے کام لیتے ہیں وہ تبلیغ کرنے میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر نہیں ہیں۔

النّٰزعٰت:۱۹ میں فرمایا: اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رہ نمائی کروں سو تو ڈرے۞

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت اور اس پر ایمان لانا' اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر مقدم ہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہدایت کو پہلے ذکر کیا اور اللہ سے ڈرنے کا ذکر بعد میں کیا' اور اس کی نظیر یہ آیت ہے:

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ . (طٰہٰ:۱۴) بے شک میں ہی اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' تو آپ میری عبادت کیجیے۔

اور اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کا خوف اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں ہے' اسی لیے فرمایا:

اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ۗ . (فاطر:۲۸) اللہ کے بندوں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

النّٰزعٰت: ۲۰ میں فرمایا: پھر انہوں نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی۞

اس آیت میں جس بہت بڑی نشانی کا ذکر فرمایا ہے' اس کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

بہت بڑی نشانی کے متعلق متعدد اقوال

(۱) اس سے مراد ید بیضاء ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاَدۡخِلۡ يَدَكَ فِیۡ جَيۡبِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ ۚ . (النمل:۱۲) آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان (بغل) میں ڈالیں آپ کا ہاتھ سفید چمک دار بغیر کسی عیب کے نکلے گا۔

وَاضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً اُخۡرٰى ۞ لِنُرِيَكَ مِنۡ اٰيٰتِنَا الۡكُبۡرٰى ۞ (طٰہٰ:۲۳-۲۲) اور آپ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبایئے وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا' یہ دوسری نشانی ہے۞ تاکہ ہم آپ کو اپنی بعض بہت بڑی نشانیاں دکھائیں۞

(۲) اس سے مراد عصا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ جب عصا کو زمین پر ڈالتے تو وہ اژدھا بن جاتا تھا' اس کے اجزاء اور اس کا جسم بڑھ جاتا تھا اور اس سے حضرت موسیٰ کو بہت بڑی قدرت اور بہت شدید طاقت حاصل ہوتی تھی' اور وہ اژدھا بہت ساری چیزوں کو نگل جاتا تھا اور وہ چیزیں فنا ہو جاتی تھیں اور بڑی بڑی چیزوں کے اجزاء فنا ہو جاتے تھے اور چیزوں کے

رنگ اور ان کی صورتیں زائل ہو جاتی تھیں اور ان چیزوں میں سے ہر چیز ایک مستقل معجزہ ہے لہٰذا عصا بہت بڑی نشانی ہوا۔

(۳) بہت بڑی نشانی سے مراد ید بیضاء اور عصا کا مجموعہ ہے۔

النّٰزعٰت: ۲۱ میں فرمایا: سو اس نے تکذیب کی اور نافرمانی کیO

یعنی اس کی تکذیب کا خلاصہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ معجزے ان کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت نہیں کرتے' اسی لیے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے معارضہ کرنے کے لیے دوسرے شہروں سے جادوگروں کو اکٹھا کیا' قرآن مجید میں ہے:

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۚ (الشعراء: ۵۳) پھر فرعون نے شہروں میں (جادوگروں کو) جمع کرنے والوں کو بھیج دیاO

النّٰزعٰت: ۲۲ میں فرمایا: پھر اس نے پیٹھ پھیری اور ان کے خلاف کارروائی کیO

اس آیت میں ''یسعی'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''سعی'' ہے' اس کا معنی جدوجہد کرنا بھی ہے اور بھاگنا بھی اور اس آیت کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) جب فرعون نے اژدھے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ مرعوب ہو کر بھاگ گیا۔

(۲) فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پیٹھ پھیری اور ان کے خلاف کارروائی کرنے میں مشغول ہو گیا۔

النّٰزعٰت: ۲۴۔۲۳ میں فرمایا: اس نے لوگوں کو جمع کر کے یہ اعلان کیاO پس کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوںO

فرعون نے دوسرے شہروں سے جادوگروں کو بلوا کر جمع کیا۔ (الشعراء: ۵۳) پھر جس مقام پر تمام جادوگر جمع ہوئے تھے' اس میدان میں اس نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

سب سے بڑا رب ہوں' کا معنی

اس نے جو یہ کہا تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں' اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں اور سمندروں اور دریاؤں کو میں نے پیدا کیا ہے کیونکہ یہ دعویٰ تو ایک مجنون کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا' بلکہ فرعون دہریہ تھا' وہ اس جہان کا کوئی صانع نہیں مانتا تھا' نہ نبی اور رسول کو مانتا تھا' اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا مربی اور محسن ہوں' لہٰذا تم میرا شکر ادا کرو اور میری تعظیم کرو اور مجھے سجدہ کرو اور میرے احکام مانو اور میری اطاعت کرو' وہ قیامت' حشر ونشر اور جزاء اور سزا کا بھی منکر تھا۔

النّٰزعٰت: ۲۶۔۲۵ میں فرمایا: پس اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب کی گرفت میں لے لیاO بے شک اس میں ڈرنے والے کے لیے ضرور عبرت ہےO

''اٰخرۃ'' اور ''اولٰی'' کی متعدد تفاسیر

اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ نے اس کو ''اٰخرۃ'' اور ''اولٰی'' کے عذاب کی گرفت میں لے لیا' مجاہد' شعبی' سعید بن جبیر اور مقاتل نے کہا: ''اٰخرۃ'' اور ''اولٰی'' سے مراد فرعون کے دو دعوے ہیں' جو حسب ذیل ہیں:

مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ۚ (القصص: ۳۸) مجھے اپنے سوا تمہارے اور کسی معبود کا علم نہیں ہے۔

اس دعویٰ کے چالیس سال بعد اس نے یہ دعویٰ کیا:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿ۖ﴾ (النّٰزعٰت: ۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں○

یعنی فرعون کے ان دو دعووں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مقصود اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ جب فرعون نے پہلا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کو گرفت میں نہیں لیا بلکہ اس کو چالیس سال تک مہلت دی اور جب اس نے چالیس سال تک رجوع نہیں کیا بلکہ اس سے بڑھ کر دعویٰ کیا تو پھر اس کو اپنے عبرت ناک عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

حسن اور قتادہ نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ''اخرۃ'' اور ''اولیٰ'' کا معنی یہ ہے کہ اسے آخرت اور دنیا کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا' دنیا میں اس کو سمندر میں غرق کر دیا اور آخرت میں اس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

قفال نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ فرعون کے دو جرم تھے' اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی' سو اس کو ان دو وجہوں سے عذاب ہوگا اور ''اخرۃ'' اور ''اولیٰ'' سے یہی مراد ہے۔

پھر فرمایا: اس میں ڈرنے والوں کے لیے ضرور عبرت ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا جو قصہ بیان فرمایا ہے اور فرعون کو جو رسوا کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو عزت دی ہے اس میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے عبرت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں سرکشی کرے اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرے' وہ فرعون کے انجام سے دوچار ہوگا۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ وقفۃ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿ۙ۲۸﴾

آیا تم کو پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کو؟ جس کو اللہ نے بنا دیا ہے○ اللہ نے اس کی چھت بلند کی پھر اس کو ہموار بنایا○

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۪۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ

اس کی رات تاریک کر دی اور اس کا دن روشن کر دیا○ اور اس کے بعد زمین کو

دَحٰىهَا ﴿ؕ۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۪۳۱﴾ وَالْجِبَالَ

پھیلا دیا○ اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا○ اور پہاڑوں کو

اَرْسٰىهَا ﴿ۙ۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿ؕ۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ

اس زمین میں نصب کر دیا○ تم کو اور تمہارے چوپایوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے○ پس جب بڑی مصیبت آ

الْكُبْرٰى ﴿ۖ۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿ۙ۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ

جائے گی○ اس دن انسان اپنی کوشش یاد کرے گا○ اور ہر دیکھنے

الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿ۙ۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿ۙ۳۸﴾

والے کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی○ سو جس نے سرکشی کی○ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی○

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝٣٩ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ

تو بے شک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے ○ اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝٤٠ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝٤١

سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا ○ پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے ○

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۝٤٢ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ ○ آپ کا اس کا ذکر کرنے سے کیا

ذِكْرٰىهَا ۝٤٣ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۝٤٤ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ

تعلق ہے○ آپ کے رب کی طرف ہی اس کی انتہا ہے○ آپ تو صرف اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے

يَّخْشٰىهَا ۝٤٥ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً

ڈرتا ہے○ گویا کہ وہ جس دن اس کو دیکھیں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ وہ (دنیا میں) صرف دن کے آخری حصے میں ٹھہرے

اَوْ ضُحٰىهَا ۝٤٦

تھے یا دن کے اوّل حصے میں○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آیا تم کو پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کو؟ جس کو اللہ نے بنا دیا ہے○ اللہ نے اس کی چھت بلند کی پھر اس کو ہموار بنایا○ اس کی رات تاریک کردی اور اس کا دن روشن کردیا○ اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا○ اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا○ اور پہاڑوں کو اس زمین میں نصب کردیا○ تم کو اور تمہارے چوپایوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے○ (النّٰزعٰت: ٣٣۔٢٧)

النّٰزعٰت: ٢٨۔٢٧ میں فرمایا: آیا تم کو پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کو؟ جس کو اللہ نے بنا دیا ہے○ اللہ نے اس کی چھت بلند کی پھر اس کو ہموار بنا دیا○

آسمانوں کی تخلیق سے حیات بعد الموت پر استدلال

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ختم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ کلام کو پھر حیات بعد الموت کے منکرین کی طرف راجع فرمایا اور یہ استدلال کیا کہ اے منکرو! تمہارے مقابلہ میں آسمان بہت بڑی مخلوق ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم آسمان طبق در طبق بنا دیئے ہیں تو تم کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کب مشکل ہے' جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ. (یٰس: ٨١)

کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے وہ اس پر قادر نہیں کہ ان کی مثل پیدا فرمائے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ. آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے

(المؤمن:۵۷) ضرور بہت بڑا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت کے منکرین اس بات کو مانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (لقمان:۲۵) کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور بہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

اور ہر صاحبِ عقل اس بات کو مانے گا کہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا بہت مشکل اور دشوار ہے اور جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرما چکا ہے تو اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا کب مشکل اور دشوار ہے تو پھر انسانوں کے دوبارہ پیدا کرنے کا کیوں انکار کرتے ہو!

آسمان بہت عظیم مخلوق ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے احکام پر عمل کرنے کی جو امانت سونپی ہے اس نے اس امانت میں خیانت نہیں کی اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرا اور آسمان کے مقابلہ میں انسان اس قدر ضعیف اور ناتواں ہے وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام میں خیانت کرنے سے نہیں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو صرف انسانوں کے لیے پیدا فرمایا' سو اللہ تعالیٰ ان کو نصیحت کرتا ہے کہ ان کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائے اور لوگ اپنی سرکشی کو ترک کر کے اس دعوت پر ایمان لے آئیں جس کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے پیش فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بنایا' پھر اس کو بنانے کی کیفیت بیان فرمائی کہ اس نے اس کی چھت کو بلند کیا' پھر اس کو ہموار کیا' ہموار بنانے سے مراد یہ ہے کہ آسمان میں شکنیں اور سلوٹیں نہیں ہیں' وہ کہیں سے اونچا نیچا نہیں ہے' جیسے اس نے ارشاد فرمایا:

مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ. تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھو گے۔

(الملک:۳)

النّٰزعٰت:۲۹ میں فرمایا: اس کی رات تاریک کر دی اور اس کا دن روشن کر دیاO

''اغطش'' کا معنی

اس آیت میں ''اغطش'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: رات کا تاریک ہونا' یا رات کو تاریک کرنا' اس کا مادہ ''غطش'' ہے' اس کا معنی ہے: کمزور نظر یا دھندلی نظر والا' ''تغاطش'' کا معنی ہے: جان بوجھ کر اندھا یا غافل بننا۔

(المفردات ج ۲ ص ۴۶۹' بیروت' مختار الصحاح ص ۲۸۲' بیروت)

اور اس آیت میں ''ضحٰی'' کا لفظ ہے' ''ضحٰی'' چاشت کے وقت کو کہتے ہیں جیسے ہمارے ہاں دن کے دس گیارہ بجے کا وقت ہوتا ہے' اس آیت میں اس سے مراد دن ہے اور دن کو ''ضحٰی'' سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اس وقت میں خوب دھوپ نکل آتی ہے اور دن مکمل طور پر روشن ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں ''لیلھا و ضحاھا'' کی ضمیریں آسمان کی طرف لوٹ رہی ہیں یعنی آسمان کی رات تاریک کر دی اور آسمان کے دن کو روشن کر دیا کیونکہ رات اور دن کا وجود سورج کے طلوع اور غروب سے ہوتا ہے اور سورج کا تعلق آسمان سے ہے۔

النّٰزعٰت:۳۰ میں فرمایا: اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیاO

''دحٰها'' کا معنی اور زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کرنے کی تحقیق

اس آیت میں ''دحٰھا'' کا لفظ ہے'''دحی''''دحو'' سے بنا ہے'اس کا معنی ہے: کسی چیز کو ہموار کر دیا' بچھا دیا' یا پھیلا دیا' اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آسمان کو بنایا' اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا' دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمین کو بنایا' اس کے بعد آسمان کو بنایا' وہ آیت یہ ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ. (البقرہ:۲۹)
وہی (اللہ ہے) جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا' پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا۔

اس تعارض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کا مادہ پیدا کیا یا نفس زمین کو پیدا کیا' پھر آسمانوں کو پیدا فرمایا اور آسمانوں کو پیدا کرنے کے بعد پھر زمین کو پھیلایا اور اس کو موجودہ شکل دی۔ البقرہ:۲۹ میں نفس زمین کو پیدا کرنے کا ذکر ہے اور النّٰزعٰت:۳۰ میں زمین کو پھیلانے اور اس کو موجودہ شکل دینے کا ذکر ہے۔

(۲) اس آیت سے مراد صرف زمین کو پھیلانا نہیں ہے بلکہ زمین کو قابل کاشت بنانا ہے کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں فرمایا ہے: اور اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا۔ (النّٰزعٰت:۳۱) کیونکہ زمین میں کھیتی باڑی اور روئیدگی کی صلاحیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آسمان سے بارشیں ہوں اور زمین میں دریا اور چشمے بھی اسی وقت وجود میں آتے ہیں' جب آسمان سے پانی برسے' اس لیے پہلے آسمانوں کو پیدا کرنے کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد زمین کو قابل کاشت بنانے کا اور البقرہ:۲۹ میں نفس زمین کو پیدا کرنے کا ذکر ہے۔

(۳) ''بعد ذالك'' کا معنی حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ یعنی آسمانوں کے بنانے کے ساتھ زمین کو پھیلا دیا' جیسے فرمایا ہے: ''عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ ۝'' (القلم:۱۳) یعنی ولید بن مغیرہ ان عیوب کے ساتھ بے نسب بھی ہے۔

النّٰزعٰت:۳۱ میں فرمایا: اور اس زمین سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا ۝

''مرعاها'' کا معنی اور زمین کے منافع اور فوائد

اس آیت میں فرمایا ہے: زمین سے اس کا پانی نکالا' اس سے مراد ہے: زمین کے چشموں سے پھوٹ کر نکلنے والا پانی' اور اس میں ''مرعاھا'' کا لفظ ہے''المرعٰی'' کا معنی ہے: چراگاہ' یہ ظرف مکان ہے' جانوروں اور انسانوں کی خوراک یعنی گھاس' غلہ' پھل وغیرہ' اصل میں ''رعی'' کا معنی ہے: جاندار کی حفاظت کرنا اور اس کو باقی رکھنا' حفاظت کی تین صورتیں ہیں: (۱) خوراک کے ذریعہ (۲) دشمنوں سے بچانا (۳) مناسب انتظام سے حق دار کو اس کا حق دلانا۔ ''راعی'' چرواہے کو بھی کہتے ہیں اور حاکم اور نگران کو بھی راعی کہتے ہیں' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے ہر شخص راعی (محافظ) ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت (ماتحت افراد) کے متعلق سوال کیا جائے گا' امام (ملک کا سربراہ) راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت (عوام) کے متعلق سوال ہوگا' مرد اپنے گھر میں راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت (گھر والوں) کے متعلق سوال ہوگا' عورت اپنے خاوند کے گھر میں راعیہ ہے اور اس سے اس کی رعیت (گھر کے مال ومتاع) کے متعلق سوال کیا جائے گا' خادم اپنے مالک کے مال کا راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت (مالک کے مال) کے متعلق سوال کیا

جائے گا' اور مرد اپنے باپ کے مال کا راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا اور تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت (اس کے زیر انتظام لوگوں) کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۹۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۰۵' مسند احمد ج ۲ ص ۵)

اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے زمین سے انسانوں اور ان کے جانوروں کی خوراک نکالی' سبزہ اور غلہ پیدا کیا' طرح طرح کے پھل پیدا کیے' جڑی بوٹیاں پیدا کیں' جن سے انسان علاج کرتے ہیں' روئی پیدا کی جس سے لباس بنایا جاتا ہے' درخت پیدا کیے جن سے فرنیچر اور دوسری ضرورت کی چیزیں بنائی جاتی ہیں' زمین میں معدنیات رکھے' جن میں لوہا ہے جس سے مشینیں اور اسلحہ بنایا جاتا ہے' تانبا اور پیتل ہے جن سے برتن بنائے جاتے ہیں' سونا اور چاندی ہے جن سے زیورات بنائے جاتے ہیں' تیل اور قدرتی گیس ہے' جن سے ایندھن حاصل کیا جاتا ہے' دریا پیدا کیے' جن سے کاشت کاری کے لیے پانی حاصل کیا جاتا ہے اور بجلی بنائی جاتی ہے۔

النّٰزعٰت: ۳۳۔۳۲ میں فرمایا: اور پہاڑوں کو اس زمین میں نصب کر دیا ○ تم کو اور تمہارے چوپایوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے ○

''ارساھا'' کا معنی

اس آیت میں ''ارسٰی'' کا لفظ ہے' یہ ''رسو'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: لنگر باندھنا' ثابت رکھنا اور میخ ٹھوکنا۔

یعنی پہاڑوں کو زمین میں نصب کر دیا تا کہ وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکے' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ پہاڑوں کا اپنی جگہ قائم رہنا ان کی اپنی طبیعت کا تقاضا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قائم کرنے کی وجہ سے ہے۔

دوسری آیت میں ''اَنْعام'' کا لفظ ہے' یہ ''نَعَم'' کی جمع ہے' صحاح میں مذکور ہے کہ اس لفظ کا اطلاق زیادہ تر اونٹ' گائے اور بکریوں اور دنبوں پر کیا جاتا ہے۔ (مختار الصحاح ص ۳۸۵) یعنی ''المرعٰی'' میں جو نباتات ہیں وہ تمہارے لیے بھی ہیں اور تمہارے جانوروں کے لیے بھی ہیں یعنی زمین سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے اس میں سب کے لیے منافع ہیں اور سب کی خوراک ہے' خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب بڑی مصیبت آ جائے گی ○ اس دن انسان اپنی کوشش یاد کرے گا ○ اور ہر دیکھنے والے کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی ○ سو جس نے سرکشی کی ○ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ○ تو بے شک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے ○ اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا ○ پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے ○ (النّٰزعٰت: ۴۱۔۳۴)

''طامۃ'' کا معنی

النّٰزعٰت: ۳۴ میں فرمایا: پس جب بڑی مصیبت آ جائے گی ○

اس آیت میں ''طامۃ'' کا لفظ ہے' یہ لفظ ''طمّ'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کا اتنا زیادہ ہونا کہ وہ چھا جائے اور سب پر غالب آ جائے' اس آیت میں اس سے مراد قیامت ہے کیونکہ ہنگامہ قیامت ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا ○

(مختار الصحاح ص ۲۳۹)

النّٰزعٰت: ۳۶۔۳۵ میں فرمایا: اس دن انسان اپنی کوشش یاد کرے گا ○ اور ہر دیکھنے والے کے لیے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی ○

اس آیت میں کوشش سے مراد انسان کے کیے ہوئے اعمال ہیں' قیامت کے دن اس کے ہاتھ میں اس کا صحیفہ اعمال دے دیا جائے گا اور جن کیے ہوئے کاموں کو وہ بھول چکا تھا اس کو وہ سب یاد آ جائیں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ (المجادلہ:٦)

جس دن اللہ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو ان کے کیے ہوئے کاموں کی خبر دے گا' جن اعمال کو اللہ نے شمار کر رکھا ہے اور یہ بھول چکے تھے' اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے○

دوزخ کو ظاہر کرنا

دوسری آیت میں فرمایا ہے: اور دوزخ کو بالکل ظاہر کر دیا جائے گا' اس میں "بـرّزت" کا لفظ ہے' اس کا مادہ "بـروز" ہے' اس کا معنی ظہور ہے' دوزخ کے ظہور کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ○ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ○ (مریم:۷۲-۷۱)

تم میں سے ہر شخص دوزخ پر وارد ہوگا' یہ آپ کے رب کا قطعی فیصلہ ہے○ پھر ہم متقین کو نجات دے دیں گے اور ظالموں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے○

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ○ (الشعراء:۹۱-۹۰)

اور جنت کو متقین کے قریب کر دیا جائے گا○ اور گم راہوں کے لیے دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا○

النّزعٰت: ۳۹-۳۷ میں فرمایا: سو جس نے سرکشی کی○ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی○ تو بے شک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے○

قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ کا کمال اور فساد

انسان کی دو قوتیں ہیں: قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ' قوتِ نظریہ کا کمال یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو اور وہ اس کی توحید کی تصدیق کرے اور یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس پر غالب ہے' پھر وہ اپنے آپ کو حقیر جانے گا اور انکسار اور تواضع کرے گا' پھر وہ سرکشی اور تکبر نہیں کرے گا اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرے گا اور اس کی توحید کی تصدیق نہیں کرے گا تو پھر وہ سرکشی اور تکبر کرے گا' اور قوتِ عملیہ کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرامین پر عمل کرے اور دنیا کے عیش و عشرت پر آخرت کو ترجیح دے اور قوتِ عملیہ کا فساد یہ ہے کہ انسان دنیا کے لھو و لعب اور عیش و عشرت میں مستغرق ہو اور آخرت کو فراموش کر دے' پس النّزعٰت: ۳۷ میں قوتِ نظریہ کے فساد کا ذکر ہے کیونکہ جب قوتِ نظریہ فاسد ہو جاتی ہے تو انسان سرکشی کرتا ہے اور النّزعٰت: ۳۸ میں قوتِ عملیہ کے فساد کا ذکر ہے کیونکہ جب قوتِ عملیہ فاسد ہو جاتی ہے تو انسان دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے کی مذمت میں احادیث

النّزعٰت: ۳۸ میں دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے کی مذمت ہے اور اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا کو حلال طریقہ سے سوال سے بچتے ہوئے طلب کیا' اور اپنے اہل و عیال کی کفالت اور اپنے پڑوسی پر شفقت کرنے کے لیے حاصل کیا' وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح ہوگا اور جس نے دنیا کو حرام طریقہ سے طلب کیا تاکہ وہ مال دار ہو اور لوگوں پر فخر کرے اور ان کو اپنی شان دکھائے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ

اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۳۷۵، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۱۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہ ہو اور دنیا کو وہی شخص جمع کرتا ہے جس میں کوئی عقل نہ ہو۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۷۱، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۰۶۳۸)

حسن نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد ہے۔ (شعب الایمان ج ۷ ص ۳۸۸۔ رقم الحدیث: ۱۰۵۰۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دنیا پیٹھ پھیر کر جارہی ہے اور آخرت سامنے سے آ رہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں، سو تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بنو، آج عمل ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہوگا اور عمل نہیں ہو گا۔ (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب فی الامل وطولہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا: دنیا میں مسافر کی طرح رہو یا راستہ عبور کرنے والے کی طرح اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب تم صبح کو اٹھو تو شام کا انتظار نہ کرو، اور تم اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے دنوں کے لیے عمل کرو اور اپنی زندگی میں اپنی موت کے لیے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۲۱۷، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی شخص میں دنیا سے بے رغبتی اور قلت کلام دیکھو تو اس کا قرب حاصل کرو کیونکہ اس کو حکمت عطا کی گئی ہے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۳۵۲۔ رقم الحدیث: ۱۰۵۵۲)

النّٰزعٰت: ۳۹ میں فرمایا: تو بے شک دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہے O

دوزخ کی صفات کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری (دنیا کی) آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۵، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۴۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک دوزخ والوں میں سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو آگ کی دو جوتیاں اور دو تسمے پہنائے جائیں گے، اس سے اُس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جس طرح چولہے پر رکھی ہوئی دیگچی کھولتی ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۶۱، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۰۴، سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۴۸، مسند احمد ج ۳ ص ۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سفید ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی، پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ میں صرف شقی داخل ہوگا، آپ سے سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! شقی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس نے اللہ کے لیے کوئی اطاعت نہیں کی اور اس کی کسی معصیت کو ترک نہیں کیا۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے جنت کو پیدا کیا تو جبریل سے فرمایا: جاؤ جنت کو دیکھو' حضرت جبریل نے جنت کو دیکھا اور نعمتوں کو دیکھا جو اہل جنت کے لیے بنائی ہیں' پھر آ کر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! جو شخص بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں داخل ہوگا' پھر جنت کو مشقت والی چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا' پھر فرمایا: اے جبریل! اب جا کر جنت کو دیکھو' حضرت جبریل گئے اور انہوں نے جا کر جنت کو دیکھا' پھر آ کر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! مجھے خدشہ ہے کہ اب اس میں کوئی بھی نہیں داخل ہوگا' پھر جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا تو فرمایا: اے جبریل! جاؤ دوزخ کو دیکھو' حضرت جبریل گئے اور دوزخ کو دیکھا' پھر آ کر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! جو بھی دوزخ کے متعلق سنے گا وہ اس میں داخل نہیں ہوگا' پھر دوزخ کو شہوات سے ڈھانپ دیا گیا' پھر فرمایا: اے جبریل! جاؤ دوزخ کو دیکھو' حضرت جبریل گئے اور دوزخ کو دیکھا' پھر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! مجھے خدشہ ہے کہ کوئی شخص بھی اس میں داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۴۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۷۶۳' مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۲)

النّٰزعٰت: ۴۱۔۴۰ میں فرمایا: اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا O پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے O

خوفِ خدا سے گناہ ترک کرنے والوں کی دو قسمیں

النّٰزعٰت: ۴۰ میں فرمایا: اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا' اس سے مراد یا تو مطلقاً میدانِ حشر میں کھڑا ہونا ہے یا اس سے مراد حساب کے لیے کھڑا ہونا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ معصیت کے جس حال میں کھڑا ہوا ہو وہ اس حال میں ڈر رہا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کام کے کرنے سے منع فرمایا تھا اور میں اس کام کو کر رہا ہوں' پھر اس نے اپنے آپ کو گناہ کی اس لذت حاصل کرنے اور شہوت کے تقاضے کو پورا کرنے سے روکا ہو اور اس کو آخرت کے عذاب کا خوف دامن گیر ہوا ہو اور جب اس پر یہ کیفیت طاری ہوگئی تو اس پر اپنی شہوت کے تقاضے کو ترک کرنا آسان ہو جائے گا اور آخرت کے لیے نیک کام کرنا سہل ہو جائے گا۔

جو لوگ آخرت کے خوف سے گناہ کو ترک کر دیتے ہیں' ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو ہمیشہ اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھتے ہیں اور کبھی شہوت سے مغلوب ہو کر گناہ کی وادی میں نہیں اترتے اور بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کو آخرت کا عذاب یاد دلاتے ہیں اور اس کو اس اجر و ثواب کی طرف راغب کرتے ہیں' جو اہل اطاعت کے لیے تیار کیا گیا ہے' پھر گویا وہ آخرت کے عذاب اور ثواب کا مشاہدہ کر لیتے ہیں' پھر وہ آخرت کی لذتوں کو دنیا کی لذتوں پر ترجیح دیتے ہیں' کیونکہ وہ دنیا سے زیادہ لذیذ ہیں اور دائمی ہیں' پھر اس پر آخرت کے لیے عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں ''ھوٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: نفس کا اپنی شہوت اور لذت کو حاصل کرنے کی طرف مائل ہونا اور نفس کی فطرت میں شہوت اور لذت سے محبت ہے اور نفس کو اپنی شہوت کے حصول سے اسی طرح روکا جا سکتا ہے کہ وہ نفس کو ارتکاب معصیت پر عذاب سے ڈرائے اور ترکِ معصیت کے ثواب کی طرف اس کو راغب کرے۔

اس کے بعد فرمایا: ایسے شخص کا ٹھکانا جنت ہی ہے O

جنت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

جنت کی صفات کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے

اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ سو کوئی نفس نہیں جانتا کہ اللہ نے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کن نعمتوں کو چھپا رکھا ہے۔ (السجدہ: ۱۷)

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۴۴ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۴ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۹۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۸ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۲۸ مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ جنت کی نعمتوں میں رہے گا' وہ خوف زدہ نہیں ہوگا' اس کے کپڑے میلے ہوں گے نہ اس کی جوانی ختم ہوگی۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۶ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۲۶ سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۱۹ مسند احمد ج ۲ ص ۳۷)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں' ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بلند درجہ ہے' اسی سے جنت کے چار دریا نکلتے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے' پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو الفردوس کا سوال کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۹۰ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۳۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۳۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا ○ آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے؟ ○ آپ کے رب کی طرف ہی اس کی انتہاء ہے ○ آپ تو صرف اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے ○ گویا کہ وہ جس دن اس کو دیکھیں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ وہ (دنیا میں) صرف دن کے آخری حصے میں ٹھہرے تھے یا دن کے اوّل حصے میں ○ (النّٰزِعٰت: ۴۶۔۴۲)

کفار وقوعِ قیامت کا کیوں سوال کرتے تھے؟

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کے امکان پر دلائل قائم فرمائے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کی خبر دی' پھر قیامت کے دن رونما ہونے والے ہولناک اور دہشت ناک مناظر بیان فرمائے' پھر قیامت کے دن مؤمنوں اور کافروں کے انجام کی خبر دی اور اس کے بعد اب النّٰزِعٰت: ۴۲ میں فرمایا ہے: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟

مشرکین قیامت کے وقوع کی خبر اور اس کے ہولناک مناظر کی خبریں سنتے تھے اور قیامت کے یہ نام بتائے گئے کہ وہ ''الطامۃ'' (بہت بڑی مصیبت) ہے' ''الصاخۃ'' (ایسی زبردست چیخ جو کانوں کو بہرا کردے) ہے' ''الغاشیۃ'' (جس کی ہولناکیاں سب پر چھا جائیں گی) ہے' ''الحاقۃ'' (ثابت شدہ حقیقت) ہے' ''الواقعۃ'' (ضرور واقع ہونے والی) ہے' ''القارعۃ'' (کھٹکھٹا کر خبردار کرنے والی) ہے اور ''الساعۃ'' وغیرہا ہیں' اس لیے وہ تجسس سے پوچھتے تھے کہ وہ کب واقع ہوگی؟ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ قیامت کے متعلق اس لیے سوال کرتے ہوں کہ وہ اس کو جلد طلب کرنا چاہتے تھے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ قیامت کے وقوع کی جلدی ان لوگوں کو ہے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔ (الشوریٰ: ۱۸)

کفار کا وقوع قیامت کا سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب

النّٰزِعٰت: ۴۳ میں فرمایا: آپ کا اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے O
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا ہے کہ آپ کا یہ منصب نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتائیں کہ قیامت کب واقع ہوگی۔

النّٰزِعٰت: ۴۴ میں فرمایا: آپ کے رب کی طرف ہی اس کی انتہاء ہے O
یعنی قیامت کے وقوع کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو اس کے وقوع کا علم نہیں دیا' واضح رہے کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے وقوع کی خبر نہیں دی تھی' پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے وقوع کا علم عطا فرما دیا اور اس آیت کا معنی ہے کہ قیامت کے وقوع کے علم ذاتی کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے' اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم سورۃ الجن میں بیان کر چکے ہیں۔

النّٰزِعٰت: ۴۵ میں فرمایا: آپ تو صرف اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے O
اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیں اور آپ کا عذاب سے ڈرانا' اس پر موقوف نہیں ہے کہ آپ کو قیامت کے وقوع کا علم ہو' باقی رہا یہ اعتراض کہ اس آیت میں فرمایا ہے: آپ اس کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہے حالانکہ آپ سب کو ڈرانے والے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ واقع میں سب کو ڈرانے والے ہیں اور قیامت سے ڈرنے والوں کی تخصیص اس لیے فرمائی ہے کہ وہی لوگ آپ کے ڈرانے سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں۔

النّٰزِعٰت: ۴۶ میں فرمایا: گویا کہ وہ جس دن اس کو دیکھیں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ وہ (دنیا میں) صرف دن کے آخری حصے میں ٹھہرے تھے یا دن کے اوّل حصے میں O
اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ . (الاحقاف: ۳۵)

یہ (کفار) جس دن اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو (ان کو یوں لگے گا) کہ وہ (دنیا میں) دن کی ایک گھڑی ہی ٹھہرے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس عذاب کا کافروں نے انکار کیا تھا جب ان کو اس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا تو ان کو یوں محسوس ہوگا کہ وہ ہمیشہ سے اس عذاب میں رہے ہیں اور دنیا میں تو انہوں نے صرف دن کا تھوڑا سا وقت گزارا تھا۔

سورۃ النّٰزِعٰت کا اختتام

الحمد للہ علیٰ احسانہ! آج ۱۸ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۲۴ اگست ۲۰۰۵ء بہ روز بدھ سورۃ النّٰزِعٰت کی تفسیر مکمل ہوگئی' ۱۱ اگست ۲۰۰۵ء کو اس سورت کی تفسیر کی ابتداء کی تھی' اس طرح تیرہ دنوں میں اس کی تفسیر اپنے اختتام کو پہنچی۔ اے بار الٰہ! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اور میری مغفرت فرما دیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۂ عبس

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام عبس ہے اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے وہ آیت یہ ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ (عبس:۱) (رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا○

یہ سورت حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے' جو نابینا تھے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگے: یارسول اللہ! مجھے ہدایت دیجئے' اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے سردار بیٹھے ہوئے تھے (اور آپ ان کو تبلیغ فرما رہے تھے' آپ کو طبعی طور پر حضرت ابن ام مکتوم کی دخل اندازی ناگوار گزری) آپ نے حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کیا اور دوسروں کی طرف متوجہ رہے' حضرت ابن ام مکتوم نے کہا: کیا آپ کے خیال میں میری بات میں کوئی حرج ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' اس کے متعلق یہ سورت نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۳۱)

اس سورت کے نزول کا تعین اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کب اسلام لائے تھے۔

حضرت عمرو بن ام مکتوم کا تذکرہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ان کے نام میں اختلاف ہے' ایک قول ہے: ان کا نام عبداللہ ہے اور اکثر مؤرخین نے کہا ہے کہ ان کا نام عمرو بن قیس بن زائدہ ہے' ان کی ماں کا نام ام مکتوم عاتکہ بنت عبداللہ ہے' یہ حضرت ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے' یہ بہت پہلے اسلام لے آئے تھے اور مہاجرین اوّلین میں سے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے پہلے مدینہ میں آ گئے تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے تھوڑے عرصہ بعد آئے تھے' پہلا قول زیادہ صحیح ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عام غزوات میں مدینہ میں اپنا خلیفہ بناتے تھے اور یہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے' یہ جنگ قادسیہ میں گئے اور وہیں شہید ہو گئے' ایک قول ہے: وہاں سے آ کر وفات پائی۔

امام ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیرہ غزوات میں اپنا خلیفہ بنایا۔

(الاصابہ رقم الحدیث:۵۷۸۰' الاستیعاب رقم الحدیث:۱۹۶۹' اسد الغابہ رقم الحدیث:۴۰۱۱)

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۴ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۰ ہے' یہ سورۃ النجم کے بعد اور سورۃ القدر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورتِ عبس کے مشمولات

☆ اس سورت کا موضوع دیگر مکی سورتوں کی طرح اسلام کے عقائد پر زور دینا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت' اس کے ساتھ اخلاق کی تعلیم ہے کہ تمام لوگوں کے درمیان مساوات رکھنی چاہیے اور امیروں اور غریبوں کے درمیان فرق نہیں رکھنا چاہیے۔

☆ عبس: ۱۶۔۱ میں حضرت عمرو بن ام مکتوم کا قصہ ہے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مسئلہ معلوم کرنے آئے' اس وقت آپ کفارِ قریش کو ایمان کی دعوت دے رہے تھے' درمیان میں حضرت ابن مکتوم کی دخل اندازی آپ کو ناگوار گزری اور آپ کا چہرۂ انور متغیر ہوا' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ابن مکتوم کی طرف متوجہ کیا کہ آپ ان صنادید قریش کو چھوڑ دیں' یہ بے پرواہی سے آپ کی بات سن رہے ہیں' آپ اپنے غلام ابن مکتوم کی طرف متوجہ ہوں جو نہایت محبت اور اشتیاق سے آپ سے مسئلہ سمجھنے کے لیے آیا ہے۔

☆ عبس: ۲۳۔۱۷ میں بتایا: جو اپنے رب کی نعمتوں کا کفر کرتے ہیں اور اس کی ہدایت سے اعراض کرتے ہیں' اس میں کفار کے احوال کا ذکر ہے۔

☆ عبس: ۳۲۔۲۴ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل دیئے ہیں کہ اس نے کھانے اور پینے کے لیے سبزہ اور غلہ پیدا کیا اور پانی مہیا کیا اور جس طرح اس کو ان چیزوں پر قدرت ہے اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کرے۔

☆ عبس: ۴۲۔۳۳ میں قیامت کے دہشت ناک مناظر بیان فرمائے ہیں اور مؤمنین صالحین اور کفار اور فجار کے ثواب اور عذاب کو بیان فرمایا ہے۔

سورۂ عبس کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

اے میرے رب! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور اس کی تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور ناصواب سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۰ رجب ۱۴۲٦ھ/ ۲٦ اگست ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵٦۳۰۹۔۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱





عبس مکیۃ ۲۴ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آیاتہا ۴۲ رکوعہا ۱

سورت عبس مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بیالیس آیات اور ایک رکوع ہے

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ﴿۲﴾ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ

(رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا ○ کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا ○ آپ کو کیا پتا شاید وہ پاکیزگی

يَزَّكّٰٓی ﴿۳﴾ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ﴿۵﴾ فَاَنْتَ

حاصل کرتا ○ یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت نفع دیتی ○ جس نے بے پرواہی کی ○ تو آپ اس کے

لَهٗ تَصَدّٰی ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰی ﴿۸﴾

درپے ہیں ○ اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کرے تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا ○ اور رہا وہ جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے ○

وَهُوَ يَخْشٰی ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ﴿۱۰﴾ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ

اور وہ اللہ سے ڈرتا ہے ○ تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے ○ بے شک یہ (قرآن) نصیحت ہے ○ سو جو چاہے اس

ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾

وقف لازم

سے نصیحت حاصل کرے ○ یہ عزت والے صحیفوں میں ہے ○ جو بلندی والے پاکیزہ ہیں ○ ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے ○

كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ

جو عزت والے نیک ہیں ○ (کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے ○ اسے کس چیز سے پیدا

خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾

کیا ہے؟ ○ اس کو نطفہ سے پیدا کیا' پھر اس کو مناسب اندازہ پر رکھا ○ پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا ○

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ

پھر اس کو موت دی پس اس کو قبر میں پہنچایا ○ پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے نکالے گا ○ بے شک اس نے اللہ کے حکم

مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ

پر ابھی تک عمل نہیں کیا ○ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے پر غور کرے ○ ہم نے خوب پانی



صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَ

بہایا O پھر ہم نے زمین کو شق کیا O سو اس میں غلہ اگایا O اور

عِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً

انگور اور سبزی O اور زیتون اور کھجور O اور گھنے باغات O اور میوے اور (مویشیوں)

وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾

کا چارا O تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے O پس جب کانوں کو بہرا کرنے والی (قیامت) آجائے گی O

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَ

اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا O اور اپنی ماں اور باپ سے O اور اپنی بیوی اور

بَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾

بیٹوں سے O اس دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہو گی جو اس کو (دوسروں سے) بے پرواہ کر دے گی O

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَ

اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے O مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش O اور

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ

اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہو گی O وہی

هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

لوگ کافر بدکار ہیں O

ع ۱ ۴۲ ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا O کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا O آپ کو کیا پتا شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا O یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت نفع دیتی O اور جس نے بے پرواہی کی تو آپ اس کے درپے ہیں O اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کرے تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا O اور رہا وہ جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے O اور وہ اللہ سے ڈرتا ہے O تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے O (عبس: ۱۰-۱)

”عبس“ کا معنی اور اس آیت کا شانِ نزول

عبس: ۲-۱ میں فرمایا: (رسول) چیں بہ جبیں ہوئے اور انہوں نے منہ پھیرا O کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا O

اس آیت میں "عبس" کا لفظ ہے امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:
دل کی تنگی سے ماتھے پر بل آ جانے کا نام "عبوس" ہے سو اس کا معنی ہے: اس نے تیوری چڑھائی وہ ترش رُو ہوا وہ چیں بہ جبیں ہوا۔ (المفردات ج ۲ ص ۴۱۶ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

عبس: ۲ میں فرمایا: کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا O

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ بن ربیعہ ابوجہل بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب وغیرہم کو اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اسلام لانے کے درپے تھے اور اس پر بہت حریص تھے کہ وہ ایمان لے آئیں تاکہ ان کے ایمان لانے کی وجہ سے ان کے پیروکار بھی اسلام لے آئیں اس وقت ایک نابینا شخص عبداللہ ابن ام مکتوم (صحیح نام عمرو ابن ام مکتوم) آئے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھانے کا سوال کر رہے تھے انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو جو علم دیا ہے اس میں سے مجھے تعلیم دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا اور آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات آئے اور آپ دوسروں کی طرف متوجہ رہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۶۵۔ رقم الحدیث: ۲۸۱۴۳ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابومنصور ماتریدی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حضرت ابن ام مکتوم کی دخل اندازی سے ناگواری ہوئی تھی اس کا اگر تمام روئے زمین کے لوگوں کی نیکیوں کے ساتھ وزن کیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کافر سرداروں کو نصیحت کر رہے تھے اور ان کو اسلام کی طرف راغب کر رہے تھے اس توقع پر کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور ان کے اسلام لانے سے ان کی قوم کے بہت لوگوں کے اسلام لانے کی توقع تھی اور جب وہ لوگ اسلام لے آتے تو اسلام کی بہت زیادہ تقویت ہوتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ اجر و ثواب ہوتا اور جب حضرت عمرو ابن ام مکتوم کے درمیان میں سوال کرنے سے آپ کی وہ نصیحت منقطع ہوگئی تو جس اجر و ثواب کی آپ کو توقع تھی وہ پوری نہ ہوئی سو اس وجہ سے اس موقع پر آپ کا منقبض اور تنگ دل ہونا کوئی بعید چیز نہیں ہے نیز آپ کے چہرے پر جو ناگواری کے تاثرات آئے اور ماتھے پر بل ظاہر ہوئے اور آپ نے پیٹھ موڑی یہ ایسے اُمور ہیں جن کا تعلق مشاہدہ کرنے اور دیکھنے سے ہے اور حضرت عمرو بن ام مکتوم نابینا تھے انہوں نے آپ کے یہ تاثرات نہیں دیکھے اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے ان سے سرد مہری کا سلوک کیا اور آپ کافر سرداروں کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے متوجہ تھے اور اگر آپ ان سے بے رخی اختیار کرتے تو نہ صرف ان کے اسلام لانے کی توقع نہ رہتی بلکہ ان کی وجہ سے ان کی قوم کے اور دیگر لوگوں کے اسلام لانے کی توقع بھی ختم ہو جاتی اور ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم کفار کو اسلام کی دعوت دیں خواہ اس کوشش میں ہماری جانیں چلی جائیں اور ہمارا تمام مال خرچ ہو جائے اور اس کوشش میں اگر ہم کسی مسلمان کی طرف توجہ نہ کریں یا اس سے بے رخی برتیں تو اس عظیم مقصد کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور تبلیغ اسلام کے بلند پایہ کام کے مقابلہ میں یہ کوئی قابل ملامت چیز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کا منصب عطا فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام بعض اوقات اپنے اجتہاد سے کوئی

کام اللہ تعالیٰ سے اذن لیے بغیر کر لیتے ہیں' وہ کام اپنی جگہ پر صحیح ہوتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ سے اس کام کی اجازت نہیں لی ہوتی' اس لیے اللہ تعالیٰ اس کام پر عتاب فرماتا ہے' جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر اپنی قوم سے ناراض ہو کر ان کے علاقہ سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا' اگرچہ یہ کام حضرت یونس علیہ السلام کے بجائے کوئی عام شخص کرتا تو اس کی حمد وثناء کی جاتی اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے لوگ کافر تھے اور حضرت یونس علیہ السلام کے دین کی وجہ سے ان کے دشمن تھے' سو یونس علیہ السلام ان سے اس لیے علیحدہ ہو گئے کہ ان سے نجات پا جائیں اور اپنے دین کو سلامت رکھیں اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی عام شخص ایسا کام کرتا تو اس کی بہت مدح سرائی کی جاتی۔

(۲) جب حضرت یونس علیہ السلام ان کے کفر اور ان کی گم راہی کی وجہ سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے تو آپ کا چلا جانا ان کی گم راہی اور کفر کو ترک کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کے لیے انجامِ کار بہت مؤثر ہوا' سو حضرت یونس علیہ السلام کا یہ اقدام ان کو نصیحت کرنے میں بہت مؤثر ثابت ہوا۔

(۳) حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کے پاس سے اس لیے چلے گئے کہ دوسرے لوگوں سے اپنے دین کی حمایت اور نصرت حاصل کریں اور جب خود ان کی قوم دین کے معاملہ میں ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہی تھی تو دوسرے لوگوں سے تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا بہت مناسب اور مستحسن تھا۔

ان تین وجوہات کے پیش نظر اگر کوئی عام آدمی قوم کے پاس سے چلا جاتا تو ضرور مستحسن ہوتا لیکن نبی کا معاملہ مختلف ہوتا ہے' اس کا اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رابطہ رہتا ہے' اس لیے ضروری ہے کہ وہ کوئی اہم فیصلہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ کرے اور چونکہ حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر قوم کے پاس سے چلے گئے تھے' اس لیے ان پر عتاب فرمایا گیا' اسی طرح ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابن ام مکتوم کی طرف توجہ نہ کر کے سردارانِ قریش کو تبلیغ اسلام میں مشغول رہنا اپنی جگہ پر بہت عظیم عبادت اور بہت بڑی نیکی تھی اور اگر کوئی عام آدمی یہ کام کرتا تو اس کے لیے یہ تمام روئے زمین کی نیکیوں سے بڑھ کر عظیم کام تھا لیکن چونکہ آپ نبی تھے اور آپ کا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رابطہ تھا اور آپ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے اذن مخصوص لیے بغیر حضرت ابن مکتوم کی طرف توجہ نہ کر کے سردارانِ قریش کی طرف تبلیغ میں مشغول رہے' اس لیے آپ پر ان آیات میں عتاب فرمایا۔

ثوری نے بیان کیا ہے کہ اس کے بعد جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم کو دیکھتے تو ان کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے اور فرماتے: مرحبا ہو جس شخص کے لیے میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا اور فرماتے: کیا تم کو کوئی کام ہے؟ اور آپ نے ان کو دو مرتبہ مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۱۸۳' الکشف والبیان ج ۱۰ص ۱۳۱' الکشاف ج ۴ص ۷۰۱' معالم التنزیل ج ۵ص ۲۱۰' روح المعانی جز ۳۰ص ۶۹)

ان آیات کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تمام جہان والوں کے لیے شفقت اور رحمت رکھی تھی اور آپ کی شفقت یہاں تک تھی کہ جو کفار اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی توحید پر ایمان نہیں لاتے تھے' آپ کو ان کا اس قدر غم ہوتا تھا کہ لگتا تھا کہ آپ اس غم میں اپنی جان دے دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ (الشعراء:۳) شاید آپ اس غم میں اپنی جان دے دیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے ○

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ (النمل: ۷۰)

آپ ان کے متعلق غم نہ کریں اور نہ ان کی سازشوں سے تنگ دل ہوں ○

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ . (فاطر: ۸)

سو آپ ان کے غم میں اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

اور ان آیات کی نظیر یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ . (التحریم: ۱)

اے نبی! جو چیزیں اللہ نے آپ کے لیے حلال کر رکھی ہیں آپ ان کے نفع سے اپنے آپ کو کیوں روک رہے ہیں' آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہیں۔

اس آیت میں آپ کو اپنی بیویوں کی رضا جوئی سے منع نہیں فرمایا کیونکہ دوسری آیت میں فرمایا ہے:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ وَتُـــٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ . (الاحزاب: ۵۱)

آپ ان ازواج میں سے جن کو چاہیں دور رکھیں اور جن کو چاہیں اپنے پاس رکھ لیں' اور آپ جن کو الگ کر چکے ہیں ان میں سے کسی کو اپنے پاس بلالیں تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے' اس (حکم) میں اس کی زیادہ توقع ہے کہ ان ازواج کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم گین نہ ہوں اور آپ جو کچھ بھی ان کو دیں اس پر وہ سب راضی رہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ التحریم میں آپ کو ازواج کی رضا جوئی سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کا محمل یہ ہے کہ آپ اس قدر مشقت نہ اٹھائیں کہ ازواج کی رضا کی خاطر اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کے نفع سے اپنے آپ کو روک لیں۔

اس لیے سورۂ عبس کی ان آیات کا محمل یہ ہے کہ سرداران قریش کا ایمان سے اعراض کرنا آپ پر اس قدر گراں گزرتا تھا کہ آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے' حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى'' (عبس: ۱) (آپ نے تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیری) اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے سے آپ کے چہرے پر کس قدر شدید ناگواری ہوتی تھی نہ یہ کہ اس آیت میں آپ کو ملامت کی گئی ہے یا آپ پر عتاب کیا گیا ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۸۲۔۳۸۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

یہ توجیہ اس لیے محل اعتراض ہے کہ بعد کی آیات اس کے موافق نہیں ہیں۔

امام رازی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

ان آیات پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم تادیب اور ملامت کے مستحق تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن ام مکتوم کو ملامت کرنے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب فرمایا' رہا یہ کہ حضرت ابن ام مکتوم ملامت کے مستحق تھے اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) حضرت ابن ام مکتوم نابینا ہونے کی وجہ سے اگرچہ یہ دیکھ نہیں رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرداران قریش سے گفتگو فرما رہے ہیں' لیکن ان کی سماعت تو صحیح تھی' وہ کفار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کی آواز سن رہے تھے' پس ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو منقطع کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض پوری ہونے سے پہلے اپنی غرض پوری

کرنے کی کوشش کرنا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا ہے اور یہ عظیم معصیت ہے۔

(۲) اہم کام کو مقدم کیا جاتا ہے' حضرت ابن ام مکتوم اسلام لا چکے تھے اور دین کی تعلیم حاصل کر چکے تھے اور سردارانِ قریش ابھی اسلام نہیں لائے تھے اور ان کا اسلام لانا ایک عظیم جماعت کے اسلام لانے کا سبب تھا اور حضرت ابن ام مکتوم کا اس اہم کام میں مداخلت کرنا ایک معمولی کام کی خاطر ایک عظیم خیر کو منقطع کرنے کا سبب تھا' اس لیے ان کا یہ اقدام حرام تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ (الحجرات:۴)

بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ○

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نداء کرنے سے منع فرمایا ہے اور حضرت ابن مکتوم کی نداء کفار کے ایمان قبول کرنے سے قطع کرنے کے حکم میں تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہم کے بہ ظاہر خلاف تھی' لہٰذا اس کا ذنب اور معصیت ہونا زیادہ اولیٰ ہے' سو حضرت ابن ام مکتوم کا فعل گناہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل واجب تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بہ ظاہر ایسا ہی تھا' لیکن اغنیاء کو فقراء پر اور سرداروں کو کمزوروں پر مقدم کرنے سے فقراء کے دل ٹوٹ جاتے' اس وجہ سے آپ پر عتاب کیا گیا جب کہ آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ فقراء کو نہ دھتکاریں' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ. (الانعام:۵۲)

اور ان لوگوں کو نہ دھتکاریں جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔

امام رازی کا دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ ہے کہ شاید یہ عتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری فعل پر نہیں کیا گیا بلکہ جو چیز آپ کے دل میں تھی اس پر عتاب کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سردارانِ قریش سے قرابت' ان کے شرف اور ان کے بڑے مرتبہ کی وجہ سے آپ کے دل میں ان کی طرف میلان تھا اور آپ طبعی طور پر نابینا شخص سے اس کے نابینا ہونے کی وجہ سے اور اس سے قرابت نہ ہونے کی وجہ سے اور اس کے معزز نہ ہونے کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے تھے اور جب اس وجہ سے آپ نے اس کے آنے پر تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیری تو آپ پر عتاب کیا گیا نہ کہ اس کے بے موقع سوال کرنے کی وجہ سے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۵۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے دوسرے جواب پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی کا یہ دوسرا جواب بالکل صحیح نہیں ہے' پہلی بات تو یہ ہے کہ امام رازی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے حال پر کیسے مطلع ہو گئے کہ آپ کے دل میں سردارانِ قریش کی قرابت' ان کے شرف اور مرتبہ کی وجہ سے ان کی طرف میلان تھا اور نابینا شخص کے نابینا ہونے' اس سے عدم قرابت اور اس کے غیر معزز ہونے کی وجہ سے آپ اس سے متنفر تھے' یہ قول آپ کی سیرتِ طیبہ کے سراسر خلاف ہے' مزید یہ کہ دلوں کے حالات جاننا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ابوجہل اور ابولہب کا تعلق سرزمین مکہ سے تھا اور وہ آپ کے قرابت دار تھے لیکن آپ ان سے متنفر تھے' حضرت بلال حبش کے تھے' حضرت صہیب روم کے تھے اور حضرت سلمان فارسی فارس کے تھے اور یہ سب فقراء اور مساکین تھے اور آپ کے قرابت دار نہ تھے اور آپ ان سے بے حد

محبت کرتے تھے اور ان کی تکریم کرتے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! مجھے مسکینی میں زندہ رکھنا اور مجھے مسکینی میں موت عطا کرنا اور مسکینوں کی جماعت میں میرا حشر کرنا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے' اے عائشہ! تم کسی مسکین کو نہ مسترد کرنا خواہ ایک کھجور کا ٹکڑا دو' اے عائشہ! مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کو قریب رکھو' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم کو قریب رکھے گا۔(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۳۵۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۱۲۶' المستدرک ج ۴ ص ۳۲۲' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۲' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۵۹۲' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۶۲' مشکوٰۃ رقم الحدیث:۵۱۴۵)

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مساکین کی عیادت کرتے تھے اور ان کے متعلق سوال کرتے تھے۔(سنن نسائی رقم الحدیث:۱۹۰۳)

ان احادیث سے یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں امیر کافروں کی محبت تھی نہ غریب مسلمانوں سے نفرت تھی' اللہ تعالیٰ امام رازی کی مغفرت فرمائے' وہ اس دوسرے جواب کو ذکر نہ کرتے تو بہتر تھا۔

امام رازی نے ان آیات پر دوسرا سوال یہ وارد کیا ہے:

جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف تیوری چڑھانے پر عتاب کیا ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابن ام مکتوم کی بہت تعظیم ظاہر ہوتی ہے اور جب ایسا ہے تو پھر حضرت ابن ام مکتوم کو نابینا کے وصف سے کیوں ذکر فرمایا ہے کیونکہ نابینا کا وصف تو تحقیر کے لیے ذکر کیا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نابینا کا وصف حضرت ابن ام مکتوم کی تحقیر شان کے لیے نہیں ذکر کیا گیا بلکہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ نابینا ہونے کی وجہ سے مزید شفقت اور رعایت کے مستحق تھے' تو اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کے یہ کیسے مناسب تھا کہ آپ ان پر سختی کرتے۔

اور ان آیات پر تیسرا سوال یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت تھی کہ آپ حسب مصلحت اپنے اصحاب کے ساتھ سلوک کریں اور کئی مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی تادیب کرتے تھے اور بعض کاموں پر ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو محاسن آداب کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور کسی نامناسب کام پر تیوری چڑھانا بھی ان کی تادیب میں داخل ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں مداخلت کرنا بھی نامناسب کام ہے تو اس پر تیوری چڑھانے پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیوں عتاب فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی تادیب میں ماذون تھے لیکن اس موقع پر اغنیاء کو فقراء پر ترجیح دینے سے یہ وہم ہوتا تھا کہ آپ دنیا کو دین پر ترجیح دیتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۵۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ قرطبی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے پر عتاب کی توجیہ

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اگر حضرت ابن ام مکتوم کو یہ علم ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سرداران قریش کو تبلیغ فرما رہے ہیں اور آپ کو ان کے اسلام کی توقع ہے اور پھر وہ آپ کی گفتگو میں مداخلت کرتے تو ان کا یہ فعل بے ادبی ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر بھی آپ پر عتاب فرمایا

تا کہ اہل صفہ (فقراء صحابہ) کے دل نہ ٹوٹ جائیں یا اس لیے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مؤمن فقیر کافر غنی سے بہتر ہے اور یہ کہ مؤمن کی رعایت کرنا کافر غنی سے زیادہ لائق ہے خواہ کافر کے ایمان لانے کی توقع ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابن ام مکتوم پر اعتماد ہو کہ اگر آپ ان کی طرف توجہ نہ بھی کریں تو ان کو ملال نہیں ہو گا اور دوسری جانب کفار کے مجلس سے اٹھ کر چلے جانے کا خطرہ ہو جیسا کہ ایک موقع پر آپ کچھ صحابہ کو عطا فرما رہے تھے اور جس کی حضرت سعد بن وقاص نے سفارش کی تھی اس کو عطا نہیں فرمایا اور آخر میں بہ طور عذر یہ فرمایا: میں ایک شخص کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس خوف سے کہ اللہ اس کو دوزخ میں منہ کے بل گرا دے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۸۳، مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۶)

ابن زید نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم کے سوال پر اس لیے تیوری چڑھائی تھی اور ان سے اعراض کیا تھا کہ جو شخص حضرت ابن ام مکتوم کو لے کر آ رہا تھا' آپ نے اس کو اشارہ کیا تھا کہ وہ حضرت ابن ام مکتوم کو روکے' لیکن حضرت ابن ام مکتوم نے اس کو دھکا دیا اور انکار کیا اور کہا کہ وہ ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کریں گے اور یہ ان کی طرف سے ایک قسم کا سخت رویہ تھا' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ''عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ'' (عبس: ۱) انہوں نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اور غائب کے صیغہ سے کلام فرمایا اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے یہ نہیں فرمایا: آپ نے تیوری چڑھائی اور آپ نے منہ پھیرا' پھر آپ سے انس فرمانے کے لیے بالمشافہ فرمایا:

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۙ (عبس: ۳) آپ کو کیا پتا شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا O

یعنی حضرت ابن ام مکتوم جو آپ سے قرآن اور دین کی تعلیم کا سوال کر رہے تھے' وہ اس تعلیم پر عمل کرتے اور دین میں زیادہ تقویٰ اور پاکیزگی حاصل کرتے اور ان سے ناواقفیت کی ظلمت زائل ہو جاتی' اور ایک قول یہ ہے کہ ''لعله'' کی ضمیر کافر کی طرف لوٹ رہی ہے' یعنی آپ جن کافروں کے اسلام قبول کرنے کی خواہش کر رہے ہیں' آپ کو کیا پتا کہ آپ کی تبلیغ کا ان پر اثر ہو گا اور وہ پاکیزگی حاصل کر لیں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۸۴۔۱۸۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ اسماعیل حقی کی طرف سے آپ کے تیوری چڑھانے کی توجیہ

علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن ام مکتوم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے دوران مداخلت کرنا بہ ظاہر ذنب اور معصیت ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا تیوری چڑھانا برحق تھا لیکن آپ کے اس فعل سے یہ وہم ہوتا تھا کہ آپ اغنیاء کو فقراء پر مقدم کرتے ہیں اور فقراء کی دل آزاری کی کوئی پرواہ نہیں کرتے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب فرمایا اور اس پر متنبہ کیا کہ آپ کا یہ فعل منصب نبوت کے شایانِ شان نہیں ہے اور آپ کا یہ فعل ترک اولیٰ اور ترک افضل کے قبیل سے ہے۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۳۹۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

''عتاب'' کے معنی کی تحقیق

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

العتب والعتبان لذمك الرجل على اساءة كانت له اليك.

عتاب کا معنی یہ ہے کہ تم کسی شخص کے ساتھ برا سلوک کرو تو وہ تم کو اس برے سلوک پر ملامت کرے۔

نیز لکھتے ہیں: کسی شخص کو نیک کام کی طرف لوٹانے کی رہ نمائی کرنے کو عتاب کہتے ہیں' اور لکھتے ہیں:

الرجل الذی یعاتب صاحبه او صدیقه فی کل شیء اشفاقا علیه ونصیحة له۔ کسی شخص کا اپنے شاگرد یا اپنے دوست پر شفقت کرتے ہوئے ہر چیز میں نصیحت کرنا۔

(لسان العرب ج ۱۰ص ۲۲ دار صادر بیروت ۲۰۰۳ء)

''عتـــاب'' کا معنی ہر شخص کے لیے اس کے مرتبہ اور منصب کے اعتبار سے کیا جائے گا' عام لوگوں کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا: ان کے کسی غلط یا بُرے کام پر ان کو ملامت کرنا اور انبیاء علیہم السلام کے حق میں عتاب کا معنی ہوگا: ان کے کسی خلاف اولیٰ کام پر لطف و محبت سے ان کو متنبہ فرمانا گویا یوں کہنا: آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے' یہ کام آپ کے شایانِ شان نہیں ہے' جیسا اس آیت میں ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ . (التوبہ: ۴۳) اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے (منافقین کو ان کے صدق کے ظہور سے پہلے) کیوں اجازت دے دی؟

کسی صحیح یا مستند حدیث میں مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کیا گیا' البتہ علامہ قرطبی نے ثوری کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن ام مکتوم کو دیکھ کر چادر بچھا دیتے اور فرماتے: مرحبا ہو جس شخص کے لیے میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا یہی محمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تیوری چڑھانے پر لطف و محبت کے ساتھ تنبیہ فرمائی تا کہ مخالفینِ اسلام کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ پیغمبر اسلام امیر کافروں کو غریب مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے۔

حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرنے کی وجہ سے آپ پر عتاب کرنے کی آیات

عبس: ۳ میں فرمایا: آپ کو کیا پتا کہ شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا O

جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ''لـعــل'' (شاید) کا لفظ آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے: واجب ہے۔ اس آیت میں ''یزکّٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ''یتزکّٰی'' یعنی وہ آپ کی تعلیم پر عمل کر کے پاکیزگی حاصل کرتا۔

عبس: ۴ میں فرمایا: یا نصیحت قبول کرتا تو اس کو نصیحت نفع دیتی O

یعنی آپ اس کو نصیحت کرتے اور وہ آپ کی نصیحت پر عمل کرتا تو اس کو فائدہ ہوتا۔

عبس: ٦۔۵ میں فرمایا: اور جس نے بے پرواہی برتی O تو آپ اس کے درپے ہیں O

یعنی آپ اللہ کی طرف سے جو دین لے کر آئے ہیں وہ اس کو چھوڑ کر اس طریقہ کو اختیار کر رہا ہے جو شیطان نے اس کے لیے مزین کر دیا ہے یا ''استغنی'' کا معنی ہے: مال و دولت سے غنی ہونا کیونکہ آپ جن کو تبلیغ کر کے مسلمان کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ سب اصحاب ثروت اور مال دار لوگ تھے اور آپ کو توقع تھی کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کی اتباع میں بہت لوگ اسلام قبول کر لیں گے' آپ ان کے درپے ہیں' اس کا معنی ہے: آپ ان کو مسلمان کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

عبس: ۷ میں فرمایا: اور اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کرے تو آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا O

یعنی آپ کا کام تو صرف نصیحت کرنا ہے' اگر یہ سردارانِ قریش آپ کی نصیحت قبول نہ کریں' آپ سے اعراض کریں اور آپ سے عداوت رکھیں تو آپ کو ان سے ضرر نہیں پہنچے گا بلکہ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا اور آپ سے ان کے شر کو دور کرے گا۔

عبس: ۹۔۸ میں فرمایا: اور رہا وہ جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے O اور وہ اللہ سے ڈرتا ہے O

ان آیتوں کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص محض اللہ کے خوف کی وجہ سے آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے۔

عبس: ۱۰ میں فرمایا: تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے O

حسن بصری نے کہا: آپ نے جو مؤمن سے پیٹھ پھیری اور کافروں کی طرف توجہ کی یہ میرا حکم نہ تھا' ابوبکر اصم نے کہا: جب مذکورہ دس آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف ہوا کہ کہیں آپ کا منصب رسالت زائل نہ ہو جائے' پھر بعد کی آیت سے آپ کو اطمینان ہوا۔ اس آیت میں "تلھی" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ایک سے اعراض کر کے دوسرے کے ساتھ مشغول ہونا۔

آپ کو جو یہ خوف ہوا کہ کہیں آپ کا منصب رسالت زائل نہ ہو جائے' اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اللہ سے بہت زیادہ ڈرتے تھے' آپ کو خیال ہوا کہ میرا مومن سے پیٹھ پھیرنا شاید اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے' بعد کی آیات سے آپ کو تسلی ہوئی' پھر آپ کا یہ خوف زائل ہو گیا اور آپ کو اطمینان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ناراض نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہ قرآن نصیحت ہے O سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے O یہ عزت والے صحیفوں میں ہے O جو بلندی والے پاکیزہ ہیں O ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے O جو عزت والے نیک ہیں O (عبس: ۱۶۔۱۱)

قرآن مجید کا پاکیزہ فرشتوں کے ہاتھوں سے لکھا ہوا ہونا

عبس: ۱۱ میں فرمایا: بے شک یہ قرآن نصیحت ہے O

"کلا" حرف زجر ہے' اس کا معنی ہے: جس پر عتاب کیا گیا ہے وہ دوبارہ ایسا کام نہ کرے جو مستوجب عتاب ہو' حسن بصری نے کہا: جب حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان آیات کو پڑھا تو آپ بہت متاسف ہوئے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ سے غم کی کیفیت دور ہو گئی' کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ آپ کا حضرت ابن ام مکتوم سے اعراض کرنا صرف ترک اولیٰ تھا۔

اس سے پہلی سورتوں کے ساتھ اس آیت کے اتصال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی طرف یہ وحی کی ہے کہ آپ کافر دنیاداروں کو مؤخر کریں اور مسلمان فقراء کو مقدم رکھیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو نصیحت ہے' آپ پر مواخذہ یا گرفت نہیں ہے' اسلام پوری طرح واضح ہو چکا ہے خواہ کوئی دنیادار اس کو قبول کرے یا نہ کرے' سو آپ کو ان کی طرف زیادہ التفات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عبس: ۱۴۔۱۲ میں فرمایا: سو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے O یہ عزت والے صحیفوں میں ہے O جو بلندی والے پاکیزہ ہیں O

قرآن مجید واضح نصیحت ہے' سو جو لوگ اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہیں اور اس کے احکام پر عمل کرنا چاہیں تو ان کے لیے یہ کام بہت آسان ہے' یہ نصیحت صحائف میں مذکور ہے یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے' وہ لوح اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت یافتہ ہے اور ساتویں آسمان کی بلند جگہ پر ہے اور اس لوح کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا اور کوئی نہیں چھوتا اور شیاطین کے ناپاک ہاتھوں کے مَس سے وہ محفوظ ہے۔

عبس: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: اور ان کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے O جو عزت والے نیک ہیں O

"سفرۃ" اور "کرام" کا معنی اور فرشتوں کا انسان سے اس کی بیوی کے ساتھ صحبت کے وقت اور قضاء حاجت کے وقت دور رہنا

اس آیت میں "سفرۃ" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کاتبین یعنی لکھنے والے "سفر" کا اصل معنی ہے: کشف اور بیان' مسافر کو اس لیے مسافر کہتے ہیں کہ سفر کے ذریعہ اس پر نیا علاقہ اور نئے لوگ منکشف ہو جاتے ہیں' اسی طرح کسی چیز کو لکھ کر

منکشف اور واضح کر دیا جاتا ہے' "سفرة" سے مراد یہاں پر ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان سفیر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام رسولوں تک پہنچاتے ہیں' اسی طرح ملائکہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان وسائط ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کا علم بندوں تک پہنچانے کے ذرائع ہیں۔

دوسری آیت میں "بررة" کا لفظ ہے' یہ "بار" کی جمع ہے' "بار" کا معنی ہے: نیکی کرنے والا' جیسے "کافر" کی جمع "کفرة" اور "فاجر" کی جمع "فجرة" ہے۔

صحائف کی دوسری تفسیر یہ ہے: صحائف انبیاء' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ (الاعلیٰ: ۱۸) بے شک یہ نصیحت انبیاء متقدمین کے صحیفوں میں ہے ۝

اور "سفرة کرام" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید کے قاری ہیں۔ قفال نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: ان صحائف کو پاکیزہ فرشتوں کے سوا اور کوئی نہیں چھوتا۔

سفیر رسول کو' اور قوم کے درمیان صلح کرانے والے کو کہتے ہیں' حدیث صحیح میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن کو پڑھتا ہے اور وہ حافظ ہو' وہ "السفرة الکرام البررة" (نیک پاکیزہ فرشتوں) کے ساتھ ہوتا ہے اور اسی طرح وہ شخص ہے جو قرآن مجید کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو حفظ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۳۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۸)

اس آیت میں "کرام" کا لفظ ہے یعنی وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہیں' حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ اپنے آپ کو گناہوں سے دور رکھتے ہیں' الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کرام کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ فرشتے اس بات سے مکرم ہیں کہ وہ ابن آدم کے ساتھ اس وقت ہوں جب وہ اپنی بیوی سے خلوت کرتا ہے' یا بیت الخلاء میں قضاء حاجت کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے ۝ اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ ۝ اس کو نطفہ سے پیدا کیا' پھر اس کو مناسب اندازہ پر رکھا ۝ پھر اس کے لیے راستہ آسان کیا ۝ پھر اس کو موت دی پس اس کو قبر میں پہنچایا ۝ پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے نکالے گا ۝ بے شک اس نے اللہ کے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا ۝ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے پر غور کرے ۝ ہم نے خوب پانی بہایا ۝ پھر ہم نے زمین کو شق کیا ۝ سو اس میں غلہ اگایا ۝ اور انگور اور سبزی ۝ اور زیتون اور کھجور ۝ اور گھنے باغات ۝ اور میوے اور (مویشیوں کا) چارا ۝ تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے ۝ (عبس: ۳۲۔۱۷)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل نفسیہ

عبس: ۱۷ میں فرمایا: (کافر) انسان ہلاک ہو جائے وہ کیسا ناشکرا ہے ۝

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ قریش کے کافر سردار اپنے آپ کو فقراء مسلمین سے بلند اور برتر سمجھتے تھے' ان آیات میں ان کے تکبر کا رد فرمایا ہے کہ انسان کس چیز پر تکبر کر رہا ہے' یہ ابتداء میں نطفہ تھا' ناپاک پانی کا قطرہ اور آخر میں یہ بدبودار مردار ہو جائے گا۔

اس آیت میں "قتل" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کافر انسان مار دیا جائے' یا اس کو عذاب دیا جائے یا اس کو ہلاک کر دیا جائے' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عتبہ بن ابی لہب کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ

ایمان لا چکا تھا اور جب سورۃ النجم نازل ہوئی تو مرتد ہو گیا اور کہنے لگا: میں النجم کے۔ وا پورے قرآن پر ایمان لاتا ہوں تو اللہ عزوجل نے عتبہ بن ابی لہب کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی اور ''قتل الانسان'' سے مراد ہے: عتبہ پر لعنت کی جائے کہ اس نے قرآن کا انکار کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف یہ دعا کی:

اللھم سلط علیه کلبك اسد الغاضرة. اے اللہ اس کے اوپر زرخیز زمین میں اپنے کتے کو مسلط کر دے جو پھاڑنے والے شیر کی طرح ہو۔

وہ فوراً شام کی طرف نکل گیا' جب زرخیز زمین میں پہنچا تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یاد آئی' پھر ایک رات کو شیر آیا' اس نے عتبہ بن ابی لہب کا منہ سونگھا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' اس کا باپ اس پر رونے لگا اور کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو بھی کہا وہ ہو کر رہا۔ (یہ روایت علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن جز۱۹ ص۱۸۷ میں درج کی ہے' مگر اس پر اعتراض کیا گیا کہ اس کی سند صحیح نہیں ہے اور علامہ قرطبی نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا' البتہ اس سے ملتی جلتی ایک حدیث حاکم نے روایت کی ہے' وہ یہ ہے:)

نوفل بن ابی عقرب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ لہب بن ابی لہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی کیا کرتا تھا' ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی: اے اللہ! اس کے اوپر اپنے کتے کو مسلط کر دے' وہ شام جانے کے ارادہ سے ایک قافلہ کے ساتھ گیا' پھر ایک جگہ قیام کیا' وہ کہنے لگا: مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعا سے ڈر لگ رہا ہے' قافلہ والوں نے کہا: ہرگز نہیں! انہوں نے اس کا سامان اپنے پاس رکھ لیا اور اس کی حفاظت کرنے کے لیے بیٹھ گئے' پھر شیر آیا اور اس کو جھپٹ کر لے گیا۔ (المستدرک ج۲ ص۵۳۹ قدیم' المستدرک رقم الحدیث:۳۹۸۴' علامہ ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے)

عبس:۱۸ میں فرمایا: اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟O

یہ استفہام تعجب ہے' یعنی یہ انسان کس چیز پر تکبر کر رہا ہے' یہ سوچے کہ اس کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

عبس:۱۹ میں فرمایا: اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر اس کو مناسب اندازہ پر رکھاO

حسن بصری نے کہا: وہ شخص کیسے تکبر کرتا ہے جو دن میں کئی بار بول و براز کے لیے بیت الخلاء جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ؕ (الکہف:۳۷) کیا تو اس ذات کا کفر کر رہا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفہ سے' پھر تجھے مکمل مرد بنا دیاO

اللہ تعالیٰ انسان کو تخلیق کے کئی ادوار میں لاتا رہا' پہلے وہ نطفہ تھا' پھر وہ جما ہوا خون ہو گیا' پھر گوشت کا ٹکڑا بن گیا' پھر اس میں ہڈیاں پہنائیں' پھر اس میں روح پھونک دی۔

عبس:۱۹ میں فرمایا: پھر اس کے لیے راستہ آسان کیاO

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے: انسان کا اپنی ماں کے پیٹ سے نکلنا آسان کر دیا' ماں کے پیٹ میں ولادت کے وقت مولود کا سر نیچے اور اس کی ٹانگیں اوپر ہوتی ہیں اور تنگ راستہ سے زندہ مولود کا نکل آنا اللہ تعالیٰ کی نہایت عجیب قدرت کا ظہور ہے۔

(۲) ابو مسلم نے کہا: اس سے مراد ہے: ''وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ'' (البلد:۱۰) ہم نے انسان کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا دیئے' یعنی انسان کو دنیا اور آخرت کی ہر خیر اور شر کے راستے دکھا دیئے ہیں اور اس کو یہ قدرت عطا کر دی ہے کہ وہ چاہے تو خیر کے راستے پر چلے اور چاہے تو شر کے راستے پر چلے اور خیر اور شر کی راہ نمائی اس کے حواس' اس کی عقل' علماء' انبیاء

علیہم السلام اور آسمانی کتابیں اور صحائف کرتے ہیں۔

عبس :۲۲۔۲۱ میں فرمایا: پھر اس کو موت دی پس اس کو قبر میں پہنچایاO پھر جب چاہے گا اس کو زندہ کر کے نکالے گاO

انسان کی تخلیق کا پہلا مرتبہ یہ تھا کہ اس کو نطفہ سے بہ تدریج مکمل انسان بنایا اور دوسرا مرتبہ یہ تھا کہ اس کے لیے اللہ تک پہنچنا آسان کر دیا اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کی روح قبض کی اور اس کو قبر میں پہنچا دیا اور پھر قیامت کے دن اس کو میدانِ حشر میں لا کھڑا کیا۔ انسان کی موت بھی اس کے لیے نعمت ہے کیونکہ موت کی وجہ سے اس کی جزاء کا دروازہ کھلتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے نیک اعمال پر جو نعمتیں مقدر کی ہیں ان کے حصول کا وقت آتا ہے' اور اس کے قبر میں دفن ہونے میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں کیونکہ اگر وہ دفن نہ ہوتا تو درندے اور پرندے اس کو کھا جاتے اور زمین پر اس کے اعضاء بکھرے ہوئے ہوتے' اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس کو میدانِ حشر میں لے آئے گا' اس میں یہ اشارہ ہے کہ حشر کا وقت معین اور معلوم نہیں ہے' جس طرح انسان کو اس کی موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔

عبس :۲۳ میں فرمایا: بے شک اس نے اللہ کے حکم پر عمل نہیں کیاO

اس آیت کے شروع میں ''کلا'' کا لفظ ہے' اور یہ لفظ زجر اور ڈانٹنے کے لیے آتا ہے اور کسی کام سے روکنے اور ہٹانے کے لیے آتا ہے' پس اس لفظ سے کافر انسان کو اس کے تکبر سے' اس کے کفر سے اور توحید کے انکار پر اصرار سے روکا گیا ہے کہ اس کافر نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا اور اپنے کفر اور تکبر سے ابھی تک باز نہیں آیا۔

عبس :۲۴ میں فرمایا: انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے پر غور کرےO

اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت پر دلائل خارجیہ

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں یہ اسلوب ہے کہ وہ دو قسم کے دلائل ذکر فرماتا ہے' ایک وہ دلائل جو انسان کے اپنے نفس میں ہیں اور دوسرے وہ دلائل جو انسان کے نفس سے باہر آفاق میں ہیں تاکہ انسان اپنے اندر غور کرے تو اللہ کی اطاعت کی طرف رجوع کر لے اور اپنے باہر غور کرے تو اللہ کی فرماں برداری کی طرف پلٹ آئے' سو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے طعام کی طرف متوجہ کیا' اس کا طعام زمین کی پیداوار سے حاصل ہوتا ہے اور زمین کی پیداوار اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی تخلیق سے حاصل ہوتی ہے' پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود اس کی اپنی تخلیق کی طرف متوجہ فرمایا' یہ دلائل نفسیہ تھے' اب اس کو طعام کی طرف متوجہ فرمایا ہے' یہ دلائل آفاق ہیں۔

عبس :۲۵ میں فرمایا: ہم نے خوب پانی بہایاO

اس سے مراد ہے: ہم نے آسمان سے بارش نازل فرمائی۔

عبس :۲۶ میں فرمایا: پھر ہم نے زمین کو شق کیاO

یعنی ہم نے زمین کو اس قابل بنایا کہ اس میں ہل چلایا جا سکے اور کاشت کاری کی جا سکے' اگر وہ زمین بہت سخت اور پتھریلی ہوتی تو اس میں کسی چیز کی کاشت نہ ہو سکتی۔

عبس :۲۷ میں فرمایا: سو اس میں غلہ اگایاO

اس سے مراد گندم' جو' مکئی' باجرہ وغیرہ ہیں اور مختلف قسم کی دالیں اور چاول جن سے غذا حاصل ہوتی ہے۔

عبس :۲۸ میں فرمایا: اور انگور اور سبزیO

غلہ کے بعد انگور کا ذکر کیا' کیونکہ انسان کھانے کے بعد پھل کھاتا ہے' اس کے بعد ''قضباً'' کا لفظ ہے' اس کا معنی کھیرا ہے

یا عام سبزی۔

عبس:۲۹ میں فرمایا:اور زیتون اور کھجور O اور گھنے باغات O

زیتون کے پھل کے بہت فوائد ہیں' زیتون کا پھل کھایا بھی جاتا ہے اور اس کا تیل بھی نکالا جاتا ہے' زیتون کا تیل بہت مقوی ہوتا ہے' اس میں کولیسٹرول بالکل نہیں ہوتا اور اس کو کھانے سے بدن اور اعصاب میں بہت قوت حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح کھجور میں بھی بہت غذائیت اور بہت قوت ہے اور ہم اس سے پہلے اس کے متعلق تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

عبس:۳۰ میں فرمایا:اور گھنے باغات O

''حدائق'' ''حديقة'' کی جمع ہے' ''حديقة'' اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد چار دیواری ہو' ''غلب'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کی گردن موٹی ہو اور اس سے مراد وہ باغ ہیں جن میں بہت گھنے درخت ہوں۔

عبس:۳۲۔۳۱ میں فرمایا:اور میوے اور (مویشیوں کا) چارا O تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے O

اس آیت میں ''فاكهة'' کا عطف ''عنب'' پر ہے' اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ انگور اور کھجور اور زیتون ''فاكهة'' یعنی میووں میں داخل نہیں ہیں کیونکہ عطف تغایر کو چاہتا ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ ''فاكهة'' سے مراد خشک پھل ہوں جیسے پستہ' بادام اور اخروٹ وغیرہ۔

''ابا'' کا معنی ہے: چراگاہ اور چارا انسان کے جانوروں کی غذا ہے۔

یہ آیات اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل ہیں کیونکہ ان چیزوں کی پیدائش طرزِ واحد پر ہوتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا واحد ہے' نیز جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں' وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کردے۔

اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا کر کے انسان پر انعام اور احسان کیا ہے تو انسان پر لازم ہے کہ وہ اس کو خالق اور واحد مستحق عبادت مانے اور اس کے سامنے سرکشی نہ کرے اور تکبر اور کفر نہ کرے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جب کانوں کو بہرا کرنے والی (قیامت) آجائے گی O اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا O اور اپنی ماں اور باپ سے O اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے O اس دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی جو اس کو (دوسروں سے) بے پرواہ کردے گی O اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے O مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش O اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی O وہی لوگ کافر بدکار ہیں O (عبس:۴۲۔۳۳)

قیامت کے دن نفسی نفسی کا عالم

عبس:۳۳ میں فرمایا: پس جب کانوں کو بہرا کرنے والی (قیامت) آجائے گی O

''صاخة'' کا معنی ہے: اس قدر شدید آواز جو کانوں کو بہرا کردے' اور اس سے مراد دوسرا صور پھونکنا ہے' جس کی ہیبت ناک آواز سن کر تمام مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ اس سے پہلی آیات میں انسان کے مرنے اور اس کے دفن ہونے کا ذکر فرمایا تھا' اور قبر میں مدفون ہونے کے بعد دوسرے صور کی آواز سے مردے زندہ ہو جائیں گے اور پھر حشر برپا ہوگا۔

عبس:۳۶۔۳۴ میں فرمایا: اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا O اور اپنی ماں اور باپ سے O اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے O

ہوسکتا ہے کہ بھاگنے سے اس کا ظاہری معنی مراد ہو' یعنی ایک دوسرے کے مطالبہ سے پیچھا چھڑانا اور اس سے دور ہونا' مثلاً

ایک شخص اپنے بھائی سے کہے گا: تم نے میرے مال کو انصاف سے خرچ نہیں کیا اور ماں باپ کہیں گے: تم نے ہمارے ساتھ نیکی کرنے میں کوتاہی کی اور بیوی کہے گی: تم نے مجھے حرام مال کھلایا' بیٹے کہیں گے: تم نے ہم کو تعلیم نہیں دی اور ہماری تربیت نہیں کی۔ ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا وہ قابیل ہو گا جو ہابیل سے بھاگے گا اور جو شخص اپنی بیوی سے بھاگے گا وہ حضرت نوح اور حضرت لوط ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرار سے مراد دور جانا نہ ہو بلکہ اس سے مراد نصرت اور حمایت نہ کرنا ہو اور بے زار ہونا مراد ہو' جیسے یہ آیات ہیں:

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا. (البقرہ: ۱۶۶) جن کافر سرداروں کی پیروی کی گئی تھی وہ ان سے بے زار ہو جائیں گے جنہوں نے پیروی کی تھی۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا. (الدخان: ۴۱) اس دن کوئی دوست کسی دوست کے بالکل کام نہیں آئے گا۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

قیامت کے دن نفسی نفسی کی وجہ یہ ہو گی کہ جتنے ہر ایک کے دوسرے پر حقوق ہوں گے اُن کا مکمل طور پر ادا کرنا ممکن نہیں ہو گا تو قرابت داروں کو اُس دن یہ خوف ہو گا کہ حقوق میں تقصیر کی وجہ سے اُن پر گرفت کی جائے گی' اس وجہ سے وہ ایک دوسرے سے بھاگیں گے اور اُن میں سے ہر ایک اس وجہ سے بھاگے گا کہ اُس کے اوپر اپنے قرابت داروں کا بوجھ نہ ڈال دیا جائے' جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں ہے:

وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ. (فاطر: ۱۸) اگر کوئی بوجھل شخص اپنا بوجھ اُٹھانے کے لیے کسی کو بلائے گا تو اس کا بوجھ بالکل نہیں اُٹھایا جائے گا خواہ وہ قرابت دار ہو۔

قرابت دار دُنیا میں ایک دوسرے کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے سے تعاون نہیں کریں گے بلکہ بھاگیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیر بحث آیت کفار کے متعلق ہو۔ رہے مسلمان تو ہو سکتا ہے کہ اُن کے درمیان قرابت کے حقوق برقرار رہیں' جیسا کہ مسلمان دوستوں کے درمیان محبت باقی رہے گی۔ قرآن مجید میں ہے:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ؕ. (الزخرف: ۶۷) تمام دوست قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ماسوا متقین کے O

اور اگر زیر بحث آیت مسلمانوں اور کافروں دونوں کے ساتھ متعلق ہو تو ہو سکتا ہے کہ قیامت کے بعض احوال ایسے ہوں جن میں مسلمان قرابت دار ایک دوسرے سے بھاگیں گے' یہی نفسی نفسی کا موقع ہو گا' پھر جب انہیں امن ہو جائے گا اور ان کے پاس اجازتِ شفاعت کی بشارت آ جائے گی تو وہ شفاعت کریں گے' ایک دوسرے کا حال معلوم کریں گے اور ایک دوسرے سے نہیں بھاگیں گے۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۳۸۷' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

عبس: ۳۷ میں فرمایا: اس دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہو گی' جو اس کو دوسروں سے بے پرواہ کر دے گی O

اس آیت میں اس کا سبب بیان فرمایا ہے کہ کیوں کوئی شخص اپنے بھائی سے اور کوئی شخص اپنے بیٹوں سے بھاگے گا کیونکہ اس دن ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہو گی' یعنی اس کا دل و دماغ صرف اپنے تفکرات سے بھرا ہوا ہو گا اور اس میں کسی اور کی گنجائش نہیں ہو گی اور وہ اس شخص کے مشابہ ہو گا جس کے پاس بہت غلام ہوں اور وہ مزید کسی غلام کو رکھنے کی گنجائش نہ رکھتا ہو۔

عبس: ۳۹۔۳۸ میں فرمایا: اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے O مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش O

مؤمنوں اور کافروں کے چہروں کی آخرت میں کیفیات

اس آیت میں ''مسفرۃ'' کا لفظ ہے''اسفار'' اس وقت کو کہتے ہیں جب صبح روشن ہو جائے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص رات کو بہت نماز پڑھتا ہے صبح اس کا چہرہ روشن اور حسین ہو جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مؤمن دنیا سے منقطع ہو کر جب عالم قدس سے واصل ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت اور رضا اس پر سایا فگن ہوتی ہے' یعنی جس وقت میزان کے وزن اور حساب سے فارغ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت اور سرفرازی سے بہت خوش ہوتا ہے تو اس وقت کی اس کی خوشی کو ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔

عبس: ۴۲۔۴۰ میں فرمایا: اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی O وہی لوگ کافر بدکار ہیں O

غبار کا معنی ظاہر ہے جیسے انسان پر سفر میں گرد وغبار چھا جاتا ہے' اور ان آیات میں ''ترھق'' کا لفظ ہے''رھق'' کا معنی ہے: کسی چیز کا جلدی سے عارض ہونا' کسی چیز کا دوسری چیز پر زبردستی چھا جانا''قترۃ'' کا معنی ہے: دھوئیں کی سیاہی' اللہ تعالیٰ کفار کے چہروں میں سیاہی اور غبار کو جمع فرمادے گا جیسا کہ انہوں نے اپنے اندر دنیا میں کفر اور برے اعمال کو جمع کر لیا تھا۔

ان آیات سے خوارج نے یہ استدلال کیا ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کاملین اور کفار کا ذکر فرمایا ہے اور مؤمن مرتکب کبیرہ کا ذکر نہیں فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ وہ کفار میں داخل ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا ذکر دوسری آیات میں ہے' اسی طرح مرجئہ نے کہا کہ مرتکب کبیرہ کا ذکر ان آیات میں نہیں ہے' اس سے معلوم ہوا کہ وہ مؤمنین کاملین میں داخل ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے ضرر نہیں ہوتا' اس کا جواب بھی یہی ہے کہ دوسری آیات میں ان کا ذکر آ چکا ہے۔

سورۂ عبس کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۶ رجب ۱۴۲۶ھ/ یکم ستمبر ۲۰۰۵ء' بہ روز جمعرات بعد از نماز عصر سورۂ عبس کی تکمیل ہو گئی' ۲۰ رجب کو اس تفسیر کا آغاز کیا تھا' اس طرح چھ دنوں میں اس تفسیر کی تکمیل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح اس نے محض اپنے کرم سے یہاں تک تفسیر مکمل کرادی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی بھی تفسیر مکمل کرادے۔ مجھ کو صحت اور توانائی کے ساتھ ایمان پر قائم رکھے اور تا حیات اسلام کے احکام پر عامل رکھے۔

والحمد للہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین سید المرسلین قائد الغر المحجلین وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورة التکویر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ' اس کے متعلق احادیث اور اس کے مشمولات

اس سورت کا نام التکویر ہے اور یہ ''کوّرت'' کا مصدر ہے' قرآن کی اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ مذکور ہے:

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۝ (التکویر:۱) جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا ۝

ابن یزید الصنعانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو اس سے خوشی ہو کہ وہ قیامت کے دن اس طرح دیکھے جیسے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو' اس کو چاہیے کہ وہ یہ سورتیں پڑھے: ''اذا الشمس کورت'' اور ''اذا السماء انفطرت'' اور ''اذا السماء انشقت''۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۳۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورج اور چاند کو قیامت کے دن لپیٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۲۰۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ ان دونوں کو لپیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تاکہ وہ مشرکین مزید ذلیل وخوار ہوں جو ان کی عبادت کرتے تھے۔

اس سے پہلے سورۂ عبس میں بھی قیامت کے ہولناک واقعات بیان کیے گئے تھے' جیسے فرمایا تھا: جب کانوں کو بہرا کرنے والی قیامت آجائے گی تو اس دن ہر شخص اپنے بھائی سے بھاگے گا الخ' یا اس لیے کہ اس کا بھائی وہ تکلیف اور شدت نہ دیکھ سکے جس میں وہ مبتلا ہے اور یا اس لیے کہ اسے علم ہوگا کہ وہ اپنے بھائی سے کسی تکلیف کو دور نہیں کر سکے گا اور اس سورت میں بھی قیامت کے ہولناک مناظر بیان فرمائے ہیں' جیسے فرمایا: جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر:۷ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر:۸۱ ہے۔

اس سورت میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد بیان فرمائے ہیں' مثلاً توحید' رسالت' قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہونا اور قیامت کے دن ہولناک اُمور کا واقع ہونا' انسان دنیا میں جن چیزوں کو بہت عظیم اور بہت عجیب سمجھتا ہے ان کا ٹوٹ پھوٹ جانا جیسے زمین' پہاڑ' آسمان' سورج' چاند اور ستاروں کا متغیر ہو کر فنا ہو جانا۔

اس مختصر تعارف کے بعد اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے میں اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! اس ترجمہ اور تفسیر میں ہر ہر قدم پر مجھے لغزشوں سے محفوظ رکھنا اور اس سورت کے اسرار اور عجائب کو مجھ پر کھول دینا۔ (آمین) غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۷ رجب ۱۴۲۶ھ/۲ ستمبر ۲۰۰۵ء موبائل نمبر:۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹/۰۳۰۰_۲۰۲۱۷۴۴/۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴



(٨١) سُورَةُ التَّكْوِيرِ مَكِّيَّةٌ (٧)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(آیاتہا ٢٩) (رکوعہا ١)

سورۃ التکویر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انتیس آیات اور ایک رکوع ہے

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا

جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا ○ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ○ اور جب

الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾ وَإِذَا الْوُحُوشُ

پہاڑ چلائے جائیں گے ○ اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی ○ اور جب وحشی جانور

حُشِرَتْ ﴿٥﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾ وَإِذَا النُّفُوسُ

جمع کیے جائیں گے ○ اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے ○ اور جب جانیں

زُوِّجَتْ ﴿٧﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾

ملا دی جائیں گی ○ اور جب زندہ درگور (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا ○ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی؟ ○

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا

اور جب صحائف اعمال پھیلا دیے جائیں گے ○ اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا ○ اور جب

الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ

دوزخ کو بھڑکا دیا جائے گا ○ اور جب جنت قریب کر دی جائے گی ○ تو ہر شخص جان لے گا

مَّا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾

جو کام اس نے پیش کیا ہے ○ میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی ○ چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی ○

وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ

اور رات کی جب جانے لگے ○ اور صبح کی جب چمکنے لگے ○ بے شک یہ معزز

رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ

رسول کا قول ہے ○ جو قوت والا ہے عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے ○ جس کی

ثَمَّ اَمِيۡنٍ ﴿٢١﴾ وَمَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ

آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے وہاں امانت دار ہے O اور تمہارے نبی مجنون نہیں ہیں O اور بے شک انہوں نے اسے روشن

الۡمُبِيۡنِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوۡلِ

کنارے پر دیکھا O اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے پر بخیل نہیں ہیں O اور یہ (قرآن) شیطان مردود

شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ ﴿٢٥﴾ فَاَيۡنَ تَذۡهَبُوۡنَ ﴿٢٦﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ

کا قول نہیں ہے O سو تم کہاں جا رہے ہو؟ O بے شک وہ تمام جہان والوں

لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٢٧﴾ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَآءُوۡنَ

کے لیے نصیحت ہے O تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھا چلنا چاہے O اور تم صرف

اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٢٩﴾

وہی چاہتے ہو جس کو اللہ رب العلمین چاہتا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا O اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے O اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی O اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے O اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے O اور جب جانیں ملا دی جائیں گی O اور جب زندہ درگور (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا O وہ کس گناہ میں قتل کی گئی؟ O اور جب صحائف اعمال پھیلا دیے جائیں گے O اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا O اور جب دوزخ کو بھڑکایا جائے گا O اور جب جنت قریب کر دی جائے گی O تو ہر شخص جان لے گا جو کام اس نے پیش کیا ہے O (التکویر: ۱۴۔۱)

''کوّرت'' کا معنی

ابتدائی تیرہ آیات میں بارہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بارہ چیزیں قیامت کی علامات ہیں اور ان تیرہ آیات کا پہلی آیت پر عطف ہے اور معطوف اور معطوف علیہ مل کر شرط ہیں اور آیت: ۱۴ اس کی جزاء ہے' خلاصہ کلام اس طرح ہے کہ جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اور باقی مذکور علامات بھی واقع ہو جائیں گی تو ہر شخص جان لے گا جو کام اس نے پیش کیا ہے یعنی جو عمل اس نے آخرت کے لیے آگے بھیجا ہے' وہ کیا ہے۔

التکویر: ۱ میں فرمایا: جب سورج کو لپیٹ دیا جائے گا O

اس آیت میں ''کوّرت'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''تکویر'' ہے' حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے: جب سورج کی روشنی ختم ہو جائے گی اور اس میں کوئی روشنی نہیں ہو گی۔ (تفسیر مجاہد ص ۳۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: جب اس کی روشنی نہیں رہے گی۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۵۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ مذکور الصدر تفسیر روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
ابوصالح اور ابویعلیٰ روایت کرتے ہیں: جب سورج کو پھینک دیا جائے گا۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۲۱۸۔ ۲۸۲۱۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

پھر امام ابن جریر اپنا مختار لکھتے ہیں:
ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ کلام عرب میں ''تکویر'' کا معنی ہے: ایک چیز کے بعض اجزاء کو اس کے اوپر لپیٹنا' جیسے عمامہ کو سر کے اوپر لپیٹا جاتا ہے یا جیسے بڑی چادر میں کپڑے جمع کر کے اس چادر کو کپڑوں کے اوپر لپیٹا جاتا ہے' اسی طرح سورج کو لپیٹنے کا معنی یہ ہے کہ سورج کے بعض اجزاء کو بعض پر لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا اور جب ایسا کیا جائے گا تو اس کی روشنی جاتی رہے گی۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۸۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ سورج اور چاند کو کس گناہ کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورج اور چاند دونوں کو قیامت کے دن لپیٹ دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۰۰) امام بزار اور دوسرے ائمہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ان کو لپیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا' حسن بصری نے کہا: ان دونوں کا کیا گناہ ہے جو ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا؟ ابوسلمہ نے کہا: میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر اعتراض کر رہے ہو کہ ان کا کیا گناہ ہے؟ امام بزار نے کہا: حضرت ابوہریرہ سے اسی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔
امام ابویعلیٰ نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: سورج اور چاند کو دوزخ میں اس لیے پھینکا جائے گا تاکہ سورج اور چاند کی عبادت کرنے والے ان کا انجام دیکھ لیں۔
امام ابن وہب نے ''جمع الشمس والقمر'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج اور چاند کو جمع کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور امام ابن ابی حاتم نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے۔
علامہ خطابی نے کہا ہے کہ سورج اور چاند کے دوزخ میں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو عذاب دیا جا رہا ہو' لیکن اس سے ان لوگوں کو ذلیل کرنا مقصود ہے جو دنیا میں سورج اور چاند کی عبادت کرتے تھے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کی وہ عبادت باطل تھی' ایک قول یہ ہے کہ سورج اور چاند کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے' پھر ان کو آگ میں لوٹا دیا گیا ہے' اور اسماعیلی نے کہا: ان کو دوزخ میں ڈالنے سے ان کو عذاب دینا لازم نہیں آتا کیونکہ دوزخ میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی ہوں گے' پتھر بھی ہوں گے اور بھی کئی چیزیں ہوں گی اور اہل دوزخ کو عذاب دینے کے لیے عذاب کے کئی آلات ہوں گے' لہٰذا سورج اور چاند کا عذاب یافتہ ہونا لازم نہیں آئے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۴۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)
التکویر: ۲ میں فرمایا: اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O

''انکدرت'' کا معنی

اس آیت میں ''انکدرت'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''انکدار'' ہے' اس کا معنی ہے: میلا ہونا لیکن پراگندہ ہو کر بکھر جانے میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے' اس آیت کا معنی ہے: جب ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے' اسی طرح ''انفطرت'' ہے' اس کا مصدر ''انفطار'' ہے' اس کا معنی ہے: چرنا اور پھٹنا اور ''اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ'' (الانفطار: ۱) کا معنی ہے: جب آسمان

پھٹ جائے گا۔

عطاء نے کہا: ستارے آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں سے معلق ہیں اور یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں اور جب آسمان اور زمین فنا ہو جائیں گے تو یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے چھوٹ جائیں گی۔

التکویر: ۳ میں فرمایا: اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے O

اس کا معنی ہے: جب پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے فضا میں اُڑا دیا جائے گا اس کی تفسیر النبا: ۲۰ اور النمل: ۸۸ میں گزر چکی ہے۔

التکویر: ۴ میں فرمایا: اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی O

''العشار'' کا معنی اور ان کے معطل کیے جانے کی توجیہ

عربوں کے نزدیک حاملہ اونٹنیاں سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہیں اور جب ان کو معطل کر کے چھوڑ دیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے کسی غیر معمولی چیز کا مشاہدہ کر لیا ہے' جس کی وجہ سے ان اونٹنیوں کی طرف ان کی توجہ نہیں رہی۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۵۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے اور اچانک قیامت آ جائے گی اور ان کے اموال اور املاک ضائع ہو جائیں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''العشار'' سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں' جب اچانک قیامت آ جائے گی تو بادل اس پانی کو برسا نہیں سکیں گے۔

التکویر: ۵ میں فرمایا: اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے O

''وحوش'' کا معنی اور ''وحوش'' سے قصاص لینے کے فوائد

خشکی کے جانوروں میں سے جو جانور انسان سے عام طور پر مانوس نہیں ہوتے ان کو ''وحوش'' کہا جاتا ہے' ان وحشی جانوروں کو ہر طرف سے جمع کیا جائے گا حتیٰ کہ مکھیوں کو بھی قصاص کے لیے جمع کیا جائے گا' ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کسی کا استحقاق واجب نہیں ہے' اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا اور جن جانوروں نے دوسرے جانوروں کو ایذاء پہنچائی ہوگی' ان سے قصاص لیا جائے گا' پھر ان سے کہا جائے گا: مر جاؤ تو وہ تمام وحشی جانور مر جائیں گے اور اس قصہ کو ذکر کرنے کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو عدل کرنے کے لیے جمع کرے گا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنات کو عدل کرنے کے لیے جمع نہ کرے۔

(۲) وحشی جانور انسانوں سے بدکتے ہیں اور ان کو دیکھ کر بھاگتے ہیں' اس کے باوجود وہ سب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے' اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے وہ اپنی فطرت کو بھول چکے ہوں گے۔

(۳) ان حیوانات میں سے بعض حیوان دوسرے بعض حیوانات کی غذا ہوتے ہیں' جیسے شیر اور بکری' لیکن اس دن یہ سب جمع ہوں گے اور کوئی دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوگا کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے وہ اپنے طبعی تقاضوں کو بھول چکے ہوں گے۔

التکویر: ۶ میں فرمایا: اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے O

''تسجیر'' کا معنی

امام مجاہد بن جبر مخزومی متوفی ١٠٤ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب سمندر کو گرم کیا جائے گا' حتیٰ کہ وہ آگ ہو جائے گا' اور مجاہد نے کہا: سمندر میں آگ لگائی جائے گی۔ (تفسیر مجاہد ص ٣٢٣' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٦ھ)
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:
''تسجیر'' کا معنی ہے: تنور میں آگ جلا کر اس کو گرم کرنا' اور جب سمندروں میں آگ لگادی جائے گی تو ان میں پانی بالکل نہیں رہے گا اور پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور اس وقت تمام سمندر اور زمینیں ایک چیز ہو جائیں گی' جو انتہائی گرم اور جلانے والے ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زمین تمام سمندروں کا پانی چوس لے اور بلند ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر ہو جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمام پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں اور تمام زمینیں سمندر کی سطح کے مساوی ہو جائیں اور یہ سب کا سب گرم یا بھڑکایا ہوا سمندر بن جائے۔
قفال نے کہا: اس آیت کی تین وجوہ سے تاویل ہوسکتی ہے:
(١) جہنم سمندر کی تہوں میں ہو اور دنیا کو قائم کرنے کے لیے اس وقت وہ گرم نہیں ہے اور جب دنیا کی مدت ختم ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس آگ کی تاثیر سمندر تک پہنچا دے گا' پھر اس سبب سے تمام سمندر بھڑکائی ہوئی آگ بن جائے گا۔
(٢) اللہ تعالیٰ سورج' چاند اور ستاروں کو سمندر میں ڈال دے گا' اس سبب سے سمندر بھڑکائی ہوئی آگ بن جائے گا۔
(٣) اللہ تعالیٰ سمندر میں بہت عظیم آگ پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے سمندر بہت گرم ہو جائے گا۔
امام رازی فرماتے ہیں کہ ان تاویلات کے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جو دنیا کو تباہ کرنے اور قیامت کو قائم کرنے پر قادر ہے' وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ سمندروں کو گرم کر دے اور اس کے پانی کو آگ لگا دے اور اس کو اس کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ سمندر میں سورج اور چاند کو ڈالے یا اس کی تہوں میں جہنم ہو۔
(تفسیر کبیر ج ١١ ص ٦٥' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)
یہ چھ علامتیں جن کا ذکر آ چکا ہے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا وقوع دنیا کو تباہ کرنے کے شروع میں ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا وقوع قیامت کے بعد ہو لیکن باقی چھ علامتیں' ان کا وقوع قیامت کے ساتھ مختص ہے۔

دوزخ کا مصداق کس جگہ پر ہے؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
سعید بن میسب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے پوچھا: جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا: سمندر میں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ وہ صادق ہے' قرآن مجید میں ہے: ''وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ'' (الطور: ٦) اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی قسم! اور قرآن مجید میں ہے: ''وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ'' (التکویر: ٦) اور جب سمندر بھڑکائے جائیں گے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ٢٨٢٣٩' دارالفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)
شمر بن عطیہ نے کہا: ''وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ'' (الطور: ٦) بھڑکائے ہوئے تنور کے قائم مقام ہے اور ''وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ'' (التکویر: ٦) بھی اس کی مثل ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ٢٨٢٤١)
علامہ آلوسی نے امام رازی کی تفسیر کا بعض حصہ نقل کر دیا ہے۔ (روح المعانی جز ٣٠ ص ٩١)

اس آیت کی جو تفسیر کی گئی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن یہ سمندر آگ بن جائے گا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی سمندر وہ جہنم ہو جس کا قرآن مجید اور احادیث میں تذکرہ ہے کیونکہ جہنم کو پیدا کیا جا چکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا ہے اور اس کے بعض احوال بیان فرمائے ہیں اور جن کفار کو جہنم میں عذاب دیا جا رہا ہے ان میں سے بھی بعض کا ذکر فرمایا ہے نیز قرآن مجید میں ہے:

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ (نوح:۲۵) قوم نوح کو ان کے گناہوں کی وجہ سے غرق کر دیا گیا پھر فوراً ان کو جہنم کی آگ میں داخل کر دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس سمندر کے علاوہ کوئی اور چیز جہنم ہے جس کی آگ میں قومِ نوح کو داخل کیا گیا اور جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور ان لوگوں کو دیکھا جن کو جہنم میں عذاب دیا جا رہا ہے رہا یہ سمندر تو اس کو قیامت میں بھڑکایا جائے گا اور اس کے پانی کو آگ بنایا جائے گا سو یہ سمندر جہنم کا مصداق نہیں ہے اور قرآن اور احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ جہنم کہاں پر ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اثر منقول ہے وہ اس باب میں قطعی الثبوت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

التکویر: ۷ میں فرمایا: اور جب جانیں ملا دی جائیں گی ○

روحوں کو جسموں کے ساتھ ملانے کے محامل

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ارواح کو اجسام کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

(۲) قیامت کے دن تین جوڑے بن جائیں گے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ (الواقعہ: ۱۰-۷) اور تمہارے تین گروہ ہو جائیں گے ○ اور دائیں ہاتھ والے پس کیا خوب ہیں دائیں ہاتھ والے ○ اور بائیں ہاتھ والے پس کیسے ہیں بائیں ہاتھ والے ○ اور جو سبقت کرنے والے ہیں وہ تو سبقت کرنے والے ہی ہیں ○

(۳) زیادہ عبادت کرنے والوں کا ایک گروہ بنایا درمیانی عبادت کرنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر دوسرا گروہ بنایا جائے گا اور نافرمانی کرنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر تیسرا گروہ بنایا جائے گا۔

(۴) مؤمنین کی روحوں کو بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کافروں کی روحوں کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

(۵) ہر نظریاتی گروہ کو اس کے افراد کے ساتھ ملا دیا جائے گا یہودی کو یہودیوں کے ساتھ عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ اور مسلمان کو مسلمانوں کے ساتھ۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جنت میں نیک آدمی کو نیک آدمی کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور دوزخ میں بدکار کو بدکار کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور حسن بصری اور قتادہ نے کہا: ہر شخص کو اس کی جماعت کے ساتھ ملا دیا جائے گا یہودی کو یہودی کے ساتھ اور نصرانی کو نصرانی کے ساتھ الربیع بن خثیم نے کہا: ہر شخص کو اس کے عمل کے ساتھ ملا دیا جائے گا عطاء اور مقاتل نے کہا: مؤمنین کی روحوں

کو بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور کافروں کی روحوں کو شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائے گا' عکرمہ نے اس آیت کا معنی اس طرح کیا ہے کہ روحوں کو ان کے جسموں میں لوٹا دیا جائے گا۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۱۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

التکویر: ۹۔۸ میں فرمایا: اور جب زندہ درگور (لڑکی) سے سوال کیا جائے گا ○ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی؟ ○

زمانۂ جاہلیت میں بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''موء ودۃ'' اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کو زندہ قبر میں دبا دیا جاتا ہے' عربوں کے ہاں جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو وہ اس کو اُون کا جبہ پہنا کر جنگل میں بکریوں اور اونٹوں کو چرانے کے لیے چھوڑ دیتا اور اگر وہ اس کو قتل کرنا چاہتا تو اس کو چھوڑ دیتا حتیٰ کہ جب اس کا قد چھ بالشت کا ہو جاتا تو اس کا باپ اس کی ماں سے کہتا: اس کو خوب صورت کپڑے پہناؤ حتیٰ کہ میں اس کو اس کے رشتہ داروں سے ملانے کے لیے لے جاؤں اور اس نے صحرا میں ایک کنواں کھودا ہوا ہوتا تھا' وہ اس لڑکی کو وہاں لے جا کر اس سے کہتا: اس کنویں میں جھانک کر دیکھو' پھر اس کو پیچھے سے دھکا دے کر کنویں میں گرا دیتا اور اس کے اوپر مٹی ڈال کر اس کو زمین کی تہ کے ساتھ ملا دیتا۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۱۳۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

زندہ درگور کرنے کا سبب اور اس لڑکی سے سوال کرنے کی توجیہ

امام رازی نے فرمایا ہے کہ عرب اپنی بیٹیوں کو اس لیے زندہ درگور کرتے تھے کہ ان کو بیٹی کا باپ کہلانے سے عار آتا تھا یا وہ تنگی رزق کے خطرے سے بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے' وہ کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو وہ بیٹیوں کو بیٹیوں کے ساتھ ملا دیتے تھے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس کو زندہ درگور کیا گیا ہے' اس سے سوال کیا جائے گا' بہ ظاہر یہ چاہیے تھا کہ قاتل سے سوال کیا جاتا کہ تم نے اس لڑکی کو کس گناہ کی وجہ سے زندہ درگور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اور جواب اس کے قاتل کی تذلیل کے لیے کیا جائے گا' جیسے عیسائیوں کی تذلیل کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ. (المائدہ: ۱۱۶)

کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟ عیسیٰ کہیں گے: اے اللہ! تو پاک ہے' میرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مقتولہ سے اس لیے سوال کیا جائے گا کہ وہ قاتل کے خلاف کیا دعویٰ کرتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۶۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

زندہ درگور کرنے کی ممانعت میں احادیث

زندہ درگور کرنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

سلمہ بن زید الجعفی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (زمانۂ جاہلیت میں) زندہ درگور کرنے والا اور جس کو زندہ درگور کیا گیا' دونوں دوزخ میں ہیں ماسوا اس کے کہ زندہ درگور کرنے والا اسلام کا زمانہ پا لے اور پھر اللہ اس سے درگزر فرمائے (زمانۂ جاہلیت میں مرنے والی نابالغ لڑکی کا دوزخ میں ہونا محل اشکال ہے)۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۸۔ رقم الحدیث: ۱۵۴۹۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت قیس بن حازم رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: یارسول اللہ! میں نے زمانۂ جاہلیت میں اپنی آٹھ بیٹیوں کو زندہ در گور کیا تھا' آپ نے فرمایا: ان میں سے ہر ایک کے بدلہ میں ایک غلام آزاد کرو' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں اونٹوں والا ہوں' آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو ان میں سے ہر ایک کے بدلہ میں ایک اونٹ کی قربانی دو۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۸۰' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۳۳۷' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳۴)

التکویر: ۱۰ میں فرمایا: اور جب صحائف (اعمال) پھیلا دیئے جائیں گے O

انسان کی موت کے وقت اس کے صحائف اعمال کو لپیٹ دیا جاتا ہے اور حساب کے وقت اس کے صحائف اعمال کو کھول کر پھیلا دیا جائے گا۔

التکویر: ۱۱ میں فرمایا: اور جب آسمان کھینچ لیا جائے گا O

آسمان کے اوپر جنت اور اللہ تعالیٰ کا عرش ہے' آسمان کو ان سے الگ کر لیا جائے گا جس طرح ذبیحہ کی کھال کھینچ کر اس کو ذبیحہ سے الگ کر لیتے ہیں۔

التکویر: ۱۲ میں فرمایا: اور جب دوزخ کو بھڑکا دیا جائے گا O

بنو آدم کے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے جہنم کو بھڑکایا جائے گا' معتزلہ نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابھی جہنم کو پیدا نہیں کیا گیا کیونکہ قیامت کے دن اس کو بھڑکایا جائے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ جہنم کو پیدا کیا جا چکا ہے' لیکن اس کی آگ کو قیامت کے دن بھڑکایا جائے گا۔

التکویر: ۱۳ میں فرمایا: اور جب جنت قریب کر دی جائے گی O

جنت متقین کے قریب کر دی جائے گی' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ O (الشعراء: ۹۰) اور جنت متقین کے قریب کر دی جائے گی O

التکویر: ۱۴ میں فرمایا: تو ہر شخص جان لے گا جو کام اس نے پیش کیا ہے O

اس سے پہلے بارہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے' ان کا مجموعہ شرط ہے یعنی جب قیامت کے دن ان بارہ چیزوں کا وقوع ہو گا تو ہر شخص جان لے گا کہ اس کے صحائف اعمال میں کن کاموں کو حاضر کیا گیا ہے' ظاہر ہے کہ وہ اعمال تو حاضر نہیں کیے جائیں گے' بلکہ جن صحائف میں وہ اعمال لکھے ہوئے ہیں' ان کو حاضر کیا جائے گا اور یہ اس وقت ہو گا جب اس سے حساب لیا جائے گا یا جب میزان پر اس کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی O چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی O اور رات کی جب جانے لگے O اور صبح کی جب چمکنے لگے O بے شک یہ معزز رسول کا قول ہے O جو قوت والا ہے عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے O جس کی آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے وہاں امانت دار ہے O اور تمہارے نبی مجنون نہیں ہیں O اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا O اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے پر بخیل نہیں ہیں O اور یہ (قرآن) شیطان مردود کا قول نہیں ہے O سو تم کہاں جا رہے ہو؟ O بے شک وہ تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے O تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھا چلنا چاہے O اور تم صرف وہی چاہتے ہو جس کو اللہ رب العلمین چاہتا ہے O (التکویر: ۲۹۔۱۵)

التکویر: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے ستاروں کی O چلنے پھرنے والے چھپنے والے ستاروں کی O

''الخنّس ''اور''الکنّس'' کے معانی

اس آیت میں''الـخـنّـس'' کا لفظ ہے'یہ''خــانـس''اسم فاعل کی جمع ہے'اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانے والے' پھر جانے والے' رُک جانے والے' چھپ جانے والے' بعض مفسرین کے نزدیک اس سے ستارے مراد ہیں کیونکہ وہ دن میں چھپ جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک چاند اور سورج کے علاوہ پانچوں سیارے ہیں جن کو خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی مریخ' زحل' عطارد' زہرہ اور مشتری کیونکہ ان کی چال اس طرح ہے کہ کبھی یہ مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس چلتے ہیں اور کبھی سورج کے نزدیک آ کر غائب ہو جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد نیل گائے ہے کیونکہ اس میں بھی پیچھے ہٹنے' پھر جانے' رُکنے اور چھپنے کی صفت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

فرّاء نے کہا: اس سے مراد ستارے ہیں اور ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور امام عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ عمرو بن شرحبیل سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ الخنّس کیا چیز ہے؟ میں نے کہا: میرا گمان ہے کہ وہ نیل گائے ہے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: میرا بھی یہی گمان ہے' اور حسن بصری نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو دن میں چھپ جاتے ہیں۔

التکویر: ۱۶ میں''الکنّس'' کا لفظ ہے' یہ''کانس''اسم فاعل کی جمع ہے'''کناس''ہرن کے رہنے کی جھاڑی کو کہتے ہیں اور جھاڑی میں ہرن کے چھپنے کو بھی کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''الـکـنّس'' وہ ستارے ہیں جو چھپ کر غائب ہو جاتے ہیں اور بعض نے کہا:''الـکـنّس'' سے مراد ہرن ہیں' امام سعید بن منصور نے سند حسن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ''الکنّس'' سے مراد وہ ستارے ہیں جو رات میں نظر آتے ہیں اور دن میں چھپ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے' مجاہد سے''الـکـنّس'' کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: مجھے پتا نہیں' ابراہیم نے کہا: آپ کو کیوں پتا نہیں تو انہوں نے کہا: ہم نے سنا ہے کہ اس سے مراد نیل گائے ہے اور یہ لوگ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں' ابراہیم نے کہا: یہ لوگ حضرت علی کے اوپر جھوٹ باندھتے ہیں۔

(فتح الباری ج۹ ص۷۰۶۔۷۰۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام بخاری نے کہا:''الخنّس'' کا معنی ہے: وہ ستارے جو اپنے مدار میں لوٹ جاتے ہیں اور''الکنّس'' کا معنی ہے: وہ ستارے جو ہرن کی طرح چھپ جاتے ہیں۔ (صحیح البخاری تفسیر''اذا الشمس کورت'')

امام رازی نے کہا ہے کہ''الخنّس''اور''الکنّس'' سے ستاروں کا مراد لینا زیادہ لائق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ستاروں کی قسم کھانا ہرن کی قسم کھانے سے زیادہ اولیٰ ہے۔

التکویر: ۱۷ میں فرمایا: اور رات کی جب جانے لگے ○

اس آیت میں''عسعس'' کا لفظ ہے' یہ لغت اضداد سے ہے''عسعس'' کا لفظ رات کے آنے اور رات کے جانے' دونوں میں مستعمل ہے۔

التکویر: ۱۸ میں فرمایا: اور صبح کی جب چمکنے لگے ○

اس سے مراد ہے: جب صبح کی روشنی مکمل طور سے پھیل جائے۔

التکویر:۱۹ میں فرمایا: بے شک یہ معزز رسول کا قول ہے O

حضرت جبریل علیہ السلام کی چھ صفات کا تذکرہ اور امام رازی کا تمام رسولوں کو حضرت جبریل کی امت قرار دینا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں حضرت جبریل کی چھ صفات ذکر کی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ رسول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمام انبیاء کی طرف اللہ کے رسول ہیں' سو وہ رسول ہیں اور تمام انبیاء ان کی امت ہیں۔ درج ذیل آیتوں سے بھی یہی مراد ہے:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ . (النحل:۲)

وہی جبریل کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں جس پر چاہے نازل فرماتا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ (الشعراء:۱۹۵۔۱۹۴)

جس کو الروح الامین (جبریل) لے کر نازل ہوئے ہیں O آپ کے قلب کے اوپر تاکہ آپ (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں O

اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ کریم ہیں اور ان کا کرم یہ ہے کہ وہ افضل چیز عطا کرتے ہیں اور وہ معرفت اور ہدایت ہے۔

تیسری اور چوتھی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ قوی ہیں اور عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں۔ (التکویر:۲۰) ان کی قوت یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوت کا ذکر فرمایا ہے' تو آپ کی قوت کا کیا اندازہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت لوط علیہ السلام کی چار بستیوں کو اپنے ایک پَر کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھالیا تھا' حتیٰ کہ آسمان والوں نے کتوں اور مُرغیوں کی آوازیں سُنیں اور مقاتل نے ذکر کیا ہے کہ ابیض نامی شیطان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت جبریل نے اُس کو معمولی سی ضرب لگائی' جس کے نتیجہ میں وہ مکہ سے ہند کے پرلے سرے میں جا پڑا اور بعض مفسرین نے کہا: اس قوت سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور اس میں خلل نہ آنے دینا' اُن کی تخلیق کی ابتداء سے لے کر آخرت تک اور ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جلال ذات کے مشاہدہ کی جو قدرت ہے وہ یہاں مراد ہے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت معزز اور بہت مکرم ہیں۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُن کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے' (عرش والے کے نزدیک) امانت دار ہیں (التکویر:۲۱)۔

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرشتوں میں واجب الاطاعت ہیں' وہ ان ہی کے حکم سے آتے ہیں اور جاتے ہیں۔

چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا پیغام پہنچانے میں امانت دار ہیں' اللہ تعالیٰ نے اُن کو خیانت کرنے سے اور لغزش کرنے سے محفوظ اور مامون رکھا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۷۰۔۶۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے یہی تقریر البقرہ: ۳۰ کی تفسیر میں بھی کی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۸۶)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ پوری تفسیر کبیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے اور علامہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ' علامہ شمس الدین

ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' حاجی خلیفہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے جو یہ لکھا ہے کہ امام رازی تفسیر کبیر کو مکمل نہیں کر سکے' یہ خلاف تحقیق ہے۔ دراصل ان علماء کرام نے پوری تفسیر کبیر کا مطالعہ نہیں فرمایا' ورنہ یہ حضرات یہ بات نہ کہتے کہ امام رازی کی وفات کے بعد تفسیر کبیر کو علامہ احمد قمولی متوفی ۷۲۷ھ نے مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے' انہوں نے انجانے میں امام رازی کے کمالات علامہ قمولی سے منسوب کر دیئے۔

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ شمول جبریل امین تمام فرشتوں سے افضل ہونا ـــــــ اور امام رازی کا ردّ

امام رازی نے حضرت جبریل علیہ السلام کی جو چھ صفات ذکر فرمائی ہیں' ہم کو صرف پہلی صفت کی تفسیر میں ان سے اختلاف ہے' کیونکہ اس پہلی صفت کی تفسیر میں انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تمام انبیاء کی طرف رسول ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام ان کی امت ہیں اور چونکہ رسول اپنی امت سے افضل ہوتا ہے' اس سے یہ لازم آیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام تمام رسولوں سے افضل ہوں' جب کہ اس کے برخلاف دلائل سے یہ ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام حضرت جبریل سے افضل ہیں اور جبریل علیہ السلام اُن سے مفضول ہیں' اور ان کی خدمت کرنے پر مامور ہیں۔ اس سلسلہ میں دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۙ (آل عمران: ۳۳)

بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہانوں پر بزرگی دی O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت نوح کو اور آل ابراہیم (حضرت اسحٰق' حضرت اسماعیل اور تمام انبیاء بنی اسرائیل) اور آل عمران (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آل ابراہیم میں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی اور تمام جہانوں میں بہ شمول حضرت جبریل علیہ السلام تمام ملائکہ مقربین اور دیگر تمام ملائکہ شامل ہیں۔

(۲) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ (الحجر: ۳۰' ص: ۷۳)

تو سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا O

اس آیت میں تمام فرشتوں کے معنی کو مؤکد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تین الفاظ ذکر فرمائے ہیں: (۱) ''الملائکة'' یہ جمع معرف بلام الاستغراق ہے (۲) ''کلھم'' (۳) ''اجمعون''۔

امام رازی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ خلیل اور سیبویہ نے کہا ہے کہ ''کلھم اجمعون'' میں ایک تاکید کے بعد دوسری تاکید ہے۔ مُبرّد سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو اُس نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ صرف یہ فرماتا کہ فرشتوں نے سجدہ کیا تو یہ احتمال ہوتا کہ بعض فرشتوں نے سجدہ کیا' جب ''کلھم'' فرمایا تو یہ احتمال زائل ہو گیا اور ظاہر ہو گیا کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا' پھر یہ احتمال رہا کہ انہوں نے مختلف اوقات میں سجدہ کیا' سو جب ''اجمعون'' فرمایا تو یہ احتمال بھی زائل ہو گیا اور واضح ہو گیا کہ سب فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۴۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی سورۂ صٓ میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رہا یہ کہ زمین کے تمام فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا یا اس میں آسمانوں کے فرشتے بھی داخل ہیں؛ جیسے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور الروح الاعظم؛ جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ　جس دن حضرت جبریل اور تمام فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ (النبا: ۳۸)

سو اس میں بہت دقیق مباحث ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۴۱۰)

امام رازی کچھ بھی کہیں؛ بہرحال قرآن مجید کی اس نص قطعی سے یہ ثابت ہو گیا کہ بلا استثناء تمام فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا اور اس میں واضح طور پر حضرت جبریل بھی شامل ہیں اور اس سجدہ کا حکم جبھی دیا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت علمی تمام فرشتوں پر ثابت کر دی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اُن تمام چیزوں کے نام بتا دیئے جن کے نام فرشتے نہ بتا سکے تھے اور اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کریں اور یہ بات معروف اور ثابت ہے کہ جس کو سجدہ کیا جائے' وہ اُس سے افضل ہوتا ہے جو اس کو سجدہ کرے' لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام بہ شمول حضرت جبریل تمام فرشتوں سے افضل قرار پائے۔

(۳) وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ (البقرہ: ۳۰)　اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (ص: ۲۶)　اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے' تو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔

ان دونوں آیتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت داؤد (علیہما السلام) کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور خلیفہ کا معنی ہے: نائب اور قائم مقام' سو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے' جب کہ کسی فرشتے کو اپنا نائب اور خلیفہ نہیں بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بہ شمول جبریل امین تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔

(۴) تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ (الفرقان: ۱)　وہ ذات بہت بابرکت ہے جس نے (حق اور باطل کے درمیان) فیصلہ کرنے والی کتاب کو اپنے مقرب بندہ پر بہ تدریج نازل فرمایا' تاکہ وہ (بندہ خاص) تمام جہان والوں کے لیے (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں ○

تمام جہانوں میں حضرت جبریل بھی شامل ہیں' سو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں۔

(۵) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۷)　اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے ○

اس آیت سے واضح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ شمول حضرت جبریل تمام فرشتوں کے لیے رحمت ہیں' کیونکہ وہ بھی تمام جہانوں کے عموم میں داخل ہیں اور جو رحمت ہو وہ اُس سے افضل ہوتا ہے جس کے لیے وہ رحمت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل سے افضل ہیں۔

(۶) فرشتوں کے افضل ہونے کی معتزلہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی عبادت بہت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی نہیں

کرتے اور اس پر درج ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (النحل: ۵۰) اور وہ (فرشتے) وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم: ۶) وہ (فرشتے) اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے ○

فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے سے کوئی مانع اور مزاحم نہیں ہے۔ اُن میں نہ بھوک اور پیاس ہے نہ شہوت اور غضب جب کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے بھوک و پیاس بھی رکھی شہوت غضب اور نیند بھی رکھی ہے تو انسان کی عبادت کے لیے یہ چیزیں موانع اور رکاوٹیں ہیں۔ان موانع اور رکاوٹوں کے باوجود انسان کا اللہ عزوجل کی عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت سے کہیں افضل ہے لہٰذا عام فرشتوں کی عبادتوں سے عام مؤمنین کی اطاعت اور عبادت افضل ہے اور خاص فرشتوں (مثلاً حضرت جبریل حضرت میکائیل علیہما السلام وغیرہما) کی عبادت و اطاعت سے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت و عبادت افضل ہے لہٰذا واضح ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بہ شمول جبریل امین تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔

(۷) وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ (الانفطار: ۱۱۔۱۰) بے شک تمہارے اوپر محافظ فرشتے مقرر ہیں ○ (جو) معزز لکھنے والے (ہیں) ○

سو مؤمنین محفوظ ہیں اور فرشتے اُن کے محافظ اسی طرح فرشتے انبیاء علیہم السلام کی بھی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ○ (الجن: ۲۷) پس بے شک اُس رسول کے آگے اور پیچھے (ہر طرف) نگہبان مقرر فرما دیتا ہے ○

یہ قاعدہ ہے کہ جس کی حفاظت کی جائے وہ اپنے محافظ سے افضل ہوتا ہے۔عام مؤمنین کے محافظ عام ملائکہ ہیں اور خواص انبیاء کرام کے محافظ رُسل ملائکہ ہیں لہٰذا عام مؤمنین عام ملائکہ سے افضل ہیں اور انبیاء علیہم السلام رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔

التکویر: ۱۹ میں ''رسولِ کریم'' کی صفت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہونا

التکویر: ۲۱۔۱۹ میں جو چھ صفات ذکر کی گئی ہیں اور اُن کے متعلق امام رازی نے یہ لکھا ہے کہ یہ حضرت جبریل کی چھ صفات ہیں اس کے متعلق مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ صفات ہیں۔

ان آیات کی جو یہ تفسیر کی گئی ہے کہ حضرت جبریل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں یہ ایسی تفسیر ہے جس سے حضرت جبریل علیہ السلام بھی راضی نہیں ہوں گے اور ہم اللہ تعالیٰ کی تائید سے یہ کہتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے مفسرین کا جم غفیر اس طرف گیا ہے کہ اس آیت میں ''رسول کریم'' سے لے کر باقی صفات تک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔اگر یہ کہا جائے کہ ''انه لقول رسول كريم'' سے مراد حضرت جبریل ہیں تو اس کے خلاف یہ آیات ہیں:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ (الحاقۃ: ۴۲۔۴۰) بے شک یہ ضرور رسول کریم کا قول ہے ○ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو ○ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے تم بہت ہی کم سمجھتے ہو ○

ان آیات سے یہ متعین ہوگیا کہ سورۃ الحاقہ میں ''رسول کریم'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' سو اسی طرح التکویر:۱۹ میں بھی ''رسول کریم'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

التکویر: ۲۰ میں ''ذی قوۃ'' کی صفت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہونا

''ذی قوۃ'' سے مراد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' کیونکہ جس قرآن کے نزول کو پہاڑ برداشت نہ کر سکے کہ اگر وہ قرآن پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا' آپ پر وہ کلام پورا نازل ہوا اور آپ کی طمانیت میں کوئی فرق نہیں آیا اور اللہ عزوجل کی جس تجلی کو پہاڑ طور سہار نہ سکا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تجلی کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے' آپ نے اس ذات کو بھی بلا حجاب جاگتے ہوئے اس طرح دیکھا کہ دکھانے والے نے بھی داد دی کہ ''مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○'' (النجم:۱۷) نہ آپ کی نظر کج ہوئی نہ حد سے آگے بڑھی' سو آپ کی قوت کا کیا ٹھکانا کہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے سے حضرت جبریل کے پر جلتے ہیں اور آپ بڑے اطمینان سے اُس سے آگے گئے اور آپ کی طاقت کا کیا کہنا کہ آپ نے وہ کلام سُنا جس کو کوئی مخلوق سُن نہیں سکتی اور اُس ذات کو بے حجاب دیکھا جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت جبریل کا چند بستیوں کو پلٹ دینا کیا نسبت رکھتا ہے۔

التکویر: ۲۰ میں چوتھی صفت اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز اور وجیہ ہونے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہونا

حضرت جبریل کی چوتھی صفت یہ تھی کہ وہ عرش والے کے نزدیک مکرم اور معزز ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ عزوجل کے نزدیک مکرم اور معزز ہیں' اس کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں آیات اور احادیث حسب ذیل ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت اور وجاہت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ○ (طٰہٰ:۱۳۰)
آپ رات اور دن کے اوقات میں اللہ کی تسبیح پڑھیے تاکہ آپ راضی ہو جائیں ○

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ○ (الضحیٰ:۵)
اور عنقریب آپ کو آپ کا رب اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ○

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۔ (البقرہ:۱۴۴)
بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف مڑنا دیکھ رہے ہیں' سو ہم آپ کو اُس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے' جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر آپ راضی ہیں۔

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (بنی اسرائیل:۷۹)
عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا ○

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و وجاہت کے متعلق احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں صرف یہ گمان کرتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری فرمانے میں بہت جلدی کرتا ہے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث:۴۷۸۸' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۱۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور آدم اور ہر نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا اور میں ہی سب سے پہلے زمین سے اٹھوں گا اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸' مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سنو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں ہی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا جس کے تحت حضرت آدم اور اُن کے ماسوا سب ہوں گے اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور قیامت کے دن سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے کھول دے گا' تو اس جنت میں میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں تمام اوّلین اور آخرین سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مکرم ہوں اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۶' سنن دارمی رقم الحدیث: ۴۷)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں خاتم النبیین ہوں اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور یہ میں فخریہ نہیں کہتا۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۴۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے: (۱) مجھے جوامع الکلم (جامع مانع باتیں) دی گئی ہیں (۲) رُعب سے میری مدد کی گئی ہے (۳) میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے (۴) میرے لیے تمام روئے زمین کو پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ اور مسجد بنا دیا گیا ہے (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۶) مجھ پر انبیاء کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کے رسول ہیں اور بہ شمول حضرت جبریل تمام ملائکہ بھی مخلوق میں داخل ہیں' لہٰذا آپ اُن کے بھی رسول ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے دو وزیر آسمان کے ہیں: جبریل اور میکائیل' اور میرے دو وزیر زمین کے ہیں: ابوبکر اور عمر۔

(المستدرک ج ۲ ص ۲۶۴' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۲۶۷۹)

جس نے اپنے وزیر بنائے ہوں وہ اُن وزیروں سے افضل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل اور حضرت میکائیل سے افضل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھ سے جبریل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے تمام روئے زمین کے مشارق اور مغارب کو اُلٹ پلٹ کر کے دیکھا' مجھے کوئی شخص سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ملا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۲۸۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۶' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۷' الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۶۶)

اس حدیث میں خود حضرت جبریل نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ پوری کائنات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ پوری کائنات میں بہ شمول حضرت جبریل تمام فرشتے بھی ہیں' لہٰذا ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل سے افضل ہیں۔ اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء علیہم السلام حضرت جبریل کی امت ہوتے تو حضرت جبریل سب سے افضل ہوتے' حالانکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل سے افضل ہیں' تو آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ امام رازی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تمام انبیاء کے رسول ہیں اور تمام انبیاء اُن کی امت ہیں۔

کیا کوئی ہمیں بتا سکتا ہے کہ ان احادیث و آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے نبی سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عزت و وجاہت اور قدر و منزلت بیان کی گئی ہے' اس کے مقابلہ کی کوئی عظمت' حضرت جبریل کے لیے بھی قرآن اور حدیث میں ہے؟

التکویر: ۲۱ میں ''مُطَاعٍ'' کی صفت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہونا

ان آیتوں میں پانچویں صفت ''مُطَاعٍ'' ہے' جس کا معنی ہے: وہ شخص جس کی اطاعت کی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''مُطاع'' ہونے کا ذکر درج ذیل آیات میں ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ (آل عمران: ۳۲) آپ کہہ دیجئے: اللہ کی اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرو۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے بے شک اللہ کی اطاعت کی۔

کیا حضرت جبریل کے لیے بھی کہا گیا ہے کہ جس نے اُن کی اطاعت کی اُس نے اللہ عزوجل کی اطاعت کر لی؟ تو معلوم ہوا کہ اصل مُطاع تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

التکویر: ۲۱ میں ''امین'' کی صفت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہونا

ان آیتوں میں چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ امانت دار ہیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وحی پہنچانے میں امانت دار ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندوں تک وحی پہنچانے میں بھی امانت دار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسرار اور اس کی حکمتوں کے رکھنے میں بھی امانت دار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غیوب پر بھی امانت دار ہیں اور مخلوق کی امانتیں رکھنے میں بھی امانت دار ہیں' حتیٰ کہ جان کے دشمن بھی آپ ہی کے پاس امانتیں رکھواتے تھے' تو کیوں نہ کہا جائے کہ اس آیت میں ''امین'' سے مراد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کی پہلی صفت ''رسول'' ہے' سو آپ رسول ہیں۔ دوسری صفت ''کریم'' ہے' سو آپ اللہ عزوجل کے نزدیک مکرم ہیں۔ تیسری صفت ''ذِي قُوَّةٍ'' ہے اور آپ کائنات میں سب سے بڑھ کر قوی ہیں۔ چوتھی صفت عرش والے کے نزدیک معزز ہونا ہے' سو آپ اللہ عزوجل کے نزدیک عزت اور وجاہت والے ہیں' پانچویں صفت ''مُطاع'' ہے' تو آپ کی سب سے زیادہ اطاعت کی گئی' اور چھٹی صفت امانت دار ہونا ہے' سو آپ سب سے بڑھ کر امانت دار ہیں' لہٰذا ان چھ صفات کے اعلیٰ مصداق حضرت جبریل علیہ السلام کی بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جن مفسرین نے التکویر:۱۹ میں ''رسول کریم'' سے حضرت جبریل کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مُراد لیا ہے

اب ہم یہ بتائیں گے کہ کن مفسرین نے حضرت جبریل کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات کا مصداق قرار دیا ہے:

علامہ ابوالمظفر منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ لکھتے ہیں:

''انہ لقول رسول کریم'' کی تفسیر میں یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ جبریل کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ''رسول کریم'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' اور قول اوّل مشہور ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۶ ص ۱۶۹' دارالوطن' ریاض' ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

''رسول کریم'' کی تفسیر میں دو قول ہیں: حسن بصری' قتادہ اور ضحاک نے کہا کہ اس سے مراد جبریل ہیں' ابن عیسیٰ نے کہا کہ اس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۲۱۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

قتادہ اور حسن بصری نے کہا کہ ''رسول کریم'' سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور انہوں نے کہا کہ یہ بھی صحیح ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (التبیان فی تفسیر القرآن ج ۱۰ ص ۲۸۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ لکھتے ہیں:

جمہور متاوّلین کے نزدیک ''رسول کریم'' سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور دیگر مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (المحرر الوجیز ج ۱۶ ص ۲۴۲' المکتبۃ التجاریہ' ۱۴۱۱ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابوالحیان اندلسی الغرناطی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

جمہور نے کہا کہ ''رسول کریم'' سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (البحر المحیط ج ۱۰ ص ۴۱۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الثعالبی المالکی المتوفی ۸۷۵ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک ''رسول کریم'' سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ کل آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور قاضی عیاض نے شفاء میں فرمایا کہ ''مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ'' (التکویر:۲۱) کی تفسیر میں اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (تفسیر الثعالبی ج ۵ ص ۵۵۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

''رسول کریم'' سے مراد جبریل ہیں یا پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۷۹' مکتبہ عثمانیہ' کوئٹہ' ۱۴۲۵ھ)

نواب صدیق بن حسن بھوپالی القنوجی المتوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

''رسول کریم'' سے مراد جبریل ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

(فتح البیان ج ۷ ص ۳۷۳' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اُس میں دو واسطے ہیں: ایک وحی لانے والا فرشتہ جبریل علیہ السلام اور دوسرا پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم۔

مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

خیال رہے کہ جبریل بھی اللہ کے رسول ہیں اور حضور بھی' لیکن ان کی رسالتوں میں کئی فرق ہیں' ایک یہ کہ حضرت جبریل صرف نبیوں کے لیے رسول ہیں اور حضور ساری مخلوق کے لیے' دوسرا یہ کہ حضرت جبریل کی رسالت حضور کی وفات سے ختم ہو گئی مگر حضور کی رسالت ابد الآباد تک قائم رہے گی' تیسرا یہ کہ حضور بااختیار رسول ہیں' حضرت جبریل بے اختیار جیسے ڈاکیہ اور سفیر' اس لیے حضرت جبریل حضور کی امت ہیں' نہ کہ اس کے برعکس۔ (نور العرفان ص ۹۳۷۔۹۳۶' ادارہ کتب اسلامیہ' گجرات)

مفتی محمد شفیع دیو بندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ ''رسول کریم'' سے مراد (سیدنا) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے اور صفاتِ مذکورہ کو کسی قدر تکلف سے آپ کی ذات پر منطبق کیا ہے۔ واللہ اعلم (معارف القرآن ج ۸ ص ۶۸۴' ادارۃ المعارف' کراچی' ۱۴۱۴ھ)

اس طویل ترین بحث سے قارئین پر جہاں یہ واضح ہوا کہ التکویر میں ذکر کردہ صفات کے مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو سکتے ہیں' وہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام رازی کا تمام رسولوں کو حضرت جبریل کی امت قرار دینا صحیح نہیں ہے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ بہ شمول حضرت جبریل تمام فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہیں۔

التکویر: ۲۴۔۲۲ میں فرمایا: اور تمہارے نبی مجنون نہیں ہیں O اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارے پر دیکھا O اور وہ (نبی) غیب کی خبر دینے پر بخیل نہیں ہیں O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبریل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا اور ''ضنین'' کا معنی

بعض اہل مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے' التکویر: ۲۲ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تمہارے پیغمبر مجنون نہیں ہیں O اور التکویر: ۲۳ میں فرمایا: انہوں نے حضرت جبریل کو آسمان کے روشن کنارے پر دیکھا۔

ابو الاحوص اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو ان کی اصل صورت میں دیکھا' ان کے چھ سو پر تھے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۳۱۱)

عامر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے' حضرت جبریل آپ کے پاس حضرت دحیہ کی صورت میں آتے تھے' ایک دن وہ آپ کے پاس ایسی صورت میں آئے جس نے آسمان کے تمام کناروں کو بھر لیا تھا' ان پر سبز ریشم کا لباس تھا' جس پر موتی لٹک رہے تھے اور یہ اس آیت کا مصداق ہے: ''وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ'' (التکویر: ۲۳)۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۳۱۲)

زر بیان کرتے ہیں کہ ''الضنین'' کا معنی بخیل ہے اور غیب سے مراد قرآن مجید ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۳۱۳)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن غیب ہے' پس اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عطا کیا' آپ نے اس کی تعلیم دی اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی اور اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ بخل نہیں کیا۔

ابن زید نے کہا: ''الغیب'' القرآن ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ بخل نہیں کیا' لوگوں تک اس کو پہنچایا اور اس کی تبلیغ کی' اللہ تعالیٰ نے الروح الامین جبریل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور جبریل نے اس کو پہنچایا' جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے امانت دی تھی اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امانت کو اللہ کے بندوں تک پہنچایا' ان

میں سے کسی نے بخل کیا نہ چھپایا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۳۱۸)

التکویر: ۲۵ میں فرمایا: اور یہ (قرآن) شیطان مردود کا قول نہیں ہے O

کفار مکہ یہ کہا کرتے تھے کہ شیطان آپ کے پاس اس قرآن کو لے کر آتا ہے اور آپ کی زبان پر ان کلمات کو القاء کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس قول کا ردّ فرمایا ہے۔

التکویر: ۲۶ میں فرمایا: سو تم کہاں جا رہے ہو؟ O

اس آیت کا معنی ہے: اسلام کے اس سیدھے اور واضح راستہ کو چھوڑ کر تم کہاں جا رہے ہو؟

التکویر: ۲۷ میں فرمایا: بے شک وہ تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے O

یعنی قرآن مجید تمام مخلوق کے لیے ہدایت ہے۔

التکویر: ۲۸ میں فرمایا: تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو سیدھا چلنا چاہے O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگرچہ قرآن مجید اپنی ذات میں تمام مخلوق کے لیے ہدایت ہے لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اُٹھا سکتے ہیں جو خود بھی سیدھے راستہ پر چلنا چاہتے ہوں۔

التکویر: ۲۹ میں فرمایا: اور تم صرف وہی چاہتے ہو جس کو اللہ رب العٰلمین چاہتا ہے O

ان دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ استقامت کا فعل استقامت کے ارادہ پر موقوف ہے اور یہ ارادہ اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ عطا فرمائے' خلاصہ یہ ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں' امام رازی فرماتے ہیں: یہ ہمارے اصحاب کا قول ہے' اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ بندہ جس فعل کو اختیار کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا فرما دیتا ہے' بندہ کے اختیار کو کسب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فعل کو خلق کہتے ہیں' بندہ کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے' اس کی تفصیل الدھر: ۳۰ میں گزر چکی ہے۔

سورۃ التکویر کا اختتام

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۹ رجب ۱۴۲۶ھ/ ۴ ستمبر ۲۰۰۵ء بہ روز ہفتہ سورۃ التکویر کی تفسیر مکمل ہو گئی' ۲ ستمبر کو اس سورت کی تفسیر شروع کی تھی' اس طرح تین روز میں اس کی تفسیر مکمل ہوئی۔

اے میرے رب! آپ اس تفسیر کو مکمل کرا دیں اور میری مغفرت فرما دیں۔

والحمد للّٰه رب العٰلمين والصلٰوة والسلام علٰى سيد المرسلين
وعلٰى آلہ واصحابه وازواجه وذرياته اجمعين.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الانفطار

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الانفطار ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''انفطرت'' کا لفظ ہے اور اس کا مصدر ''الانفطار'' ہے وہ آیت یہ ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿ (الانفطار:١) جب آسمان پھٹ جائے گاO

ترتیب مصحف اور ترتیب نزول دونوں اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٨٢ ہے۔

اس سورت میں حیات بعد الموت پر دلائل دیئے گئے ہیں اور قیامت کے ہولناک مناظر کا ذکر کیا گیا ہے اور مشرکین کو دلائل توحید کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان کے اعمال کا شمار کیا جارہا ہے اور اس کے نیک اور بداعمال کی جزا دی جائے گی اور لوگوں کو ڈرایا گیا ہے کہ وہ یہ گمان نہ کریں کہ وہ اپنے بُرے اعمال کے باوجود اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیں گے۔

الٰہ العلمین! اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں مجھے خطاء سے محفوظ رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
٢٩ رجب ١٤٢٦ھ/٤ ستمبر ٢٠٠٥ء
موبائل نمبر: ٠٣٠٠-٢١٥٦٣٠٩
٠٣٢١-٢٠٢١٧٤٤





سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ ٨٢ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ١٩ رُكُوْعُهَا ١

سورۃ الانفطار مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انیس آیات اور ایک رکوع ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان پھٹ جائے گا ○ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے ○ اور جب سمندر (اپنی جگہ سے)

فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ

بہا دیے جائیں گے ○ اور جب قبریں شق کر دی جائیں گی ○ تو ہر شخص جان لے گا کہ اس نے پہلے کیا عمل کیا تھا اور بعد میں کیا

وَاَخَّرَتْ ﴿٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ الَّذِيْ

کیا تھا ○ اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا؟ ○ جس نے

خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾

تجھے پیدا کیا، پھر درست کیا، پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا ○ پھر جس صورت میں چاہا تجھے بنا دیا ○

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿٩﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا

بے شک تم روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہو ○ اور بے شک تم پر نگہبان (مقرر) ہیں ○ معزز

كَاتِبِيْنَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿١٢﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿١٣﴾

لکھنے والے ○ وہ جانتے ہیں تم جو کچھ عمل کرتے ہو ○ بے شک نیکو کار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں ○

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿١٤﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا

اور بے شک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں ○ وہ روزِ جزاء کو اس میں پہنچیں گے ○ اور وہ اس سے

بِغَآئِبِيْنَ ﴿١٦﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ

چھپ نہیں سکیں گے ○ اور آپ نے کیا سمجھا روزِ جزا کیا ہے؟ ○ پھر آپ نے کیا سمجھا روزِ جزاء

الدِّيْنِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿١٩﴾ ع

کیا ہے؟ ○ جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوں گے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب آسمان پھٹ جائے گاO اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O اور جب سمندر (اپنی جگہ سے) بہا دیئے جائیں گے O اور جب قبریں شق کر دی جائیں گی O تو ہر شخص جان لے گا کہ اس نے پہلے کیا عمل کیا تھا اور بعد میں کیا کیا تھاO (الانفطار: ۵۔۱)

قیامت کے احوال اور آثار کے ذکر سے مقصود انسان کو ڈرانا ہے

الانفطار: ۱ میں فرمایا: جب آسمان پھٹ جائے گاO

آسمان کے پھٹنے کا قرآن مجید کی متعدد آیات میں ذکر ہے:

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًاO (الفرقان: ۲۵)　　اور جس دن آسمان بادل سمیت پھٹ جائے گا اور فرشتوں کو لگا تار اتارا جائے گاO

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ O (الرحمٰن: ۳۷)　　پس جب آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے گا جیسے سرخ چمڑاO

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ O (الانشقاق: ۱)　　اور جب آسمان پھٹ جائے گاO

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

سورۃ الانفطار میں آسمان کے پھٹنے کا ذکر ہے اور دوسری سورت میں آسمان کے کھولنے کا ذکر ہے:

وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا O (النبا: ۱۹)　　اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے ہو جائیں گےO

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آسمان کے پھٹنے کا معنی یہ ہے کہ اس میں دروازے بن جائیں گے اور بعض نے کہا: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ قیامت کب آئے گی تو فرمایا: جب آسمان پھٹ جائے گا اور یہ تفسیر زیادہ قریب ہے کیونکہ یہ آیت ڈرانے اور دہلانے کے لیے ہے' اور آسمان کے دروازے کھلنے سے وہ ڈر اور خوف نہیں ہوتا جو آسمان کے پھٹنے سے ہوتا ہے۔

پھر آسمان کے پھٹنے' ستاروں کے جھڑنے' سمندروں کے بہانے' پہاڑوں کو چلانے اور زمین کو ہموار میدان بنانے کے ذکر میں قیامت کے آثار اور احوال کا بیان ہے' اور اس میں یہ اشارہ نہیں ہے کہ ایسا کس وقت ہوگا' کیونکہ اس کے وقوع کے وقت پر مطلع ہونے سے ڈر اور خوف پیدا نہیں ہوگا اور اس کے آثار کے ذکر کرنے سے ڈر اور خوف پیدا ہوگا اور وہ ایسا شدید ہولناک دن ہوگا کہ قوی اور غالب چیزیں بھی اپنی جگہ برقرار نہیں رہیں گی' پہاڑوں' زمینوں اور آسمانوں میں تغیرات برپا ہو جائیں گے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ O (القارعہ: ۵)　　اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گےO

سو جب پہاڑوں' زمینوں اور آسمانوں کا یہ حال ہوگا تو ضعیف جسامت والے انسان کا کیا حال ہوگا!

آسمان' زمین اور پہاڑ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہیں اور سرمو نافرمانی نہیں کرتے' وہ قیامت کے دن ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو انسان جوان کے مقابلہ میں کمزور جسامت کا ہے' اس کے اعمال خبیث ہیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کی بہت نافرمانیاں کی ہیں' اس کا کیا حال ہوگا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے یہ احوال اور آثار بیان فرمائے تاکہ انسان ان ہولناک آثار پر مطلع ہو کر اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی کرنے اور گناہوں سے باز آ جائے' اس وجہ سے ان

اُمور کو بیان فرمایا۔

قیامت کے ان احوال کو بیان فرمایا اور یہ نہیں بتایا کہ قیامت کے وقوع کا وقت کیا ہے' اسی وجہ سے انسان کی عمر کی انتہا نہیں بیان کی گئی تا کہ انسان ہر وقت ڈرتا رہے' کہیں اسی وقت اس کی موت نہ آ جائے اور ہر وقت گناہوں سے باز رہے کہ کہیں گناہ کی حالت میں اسے موت نہ آ جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے احوال قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں بیان فرمائے ہیں اور اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) انسان کے دل کی مختلف کیفیات ہوتی ہیں' بعض اوقات وہ ایک مرتبہ کسی چیز کا ذکر سن کر اثر نہیں لیتا لیکن جب بار بار کسی چیز کا ذکر کیا جائے تو اس کا دل و دماغ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے' بعض دفعہ وہ کسی چیز کا ذکر سرسری طور پر سنتا ہے اور بعض دفعہ وہ اس چیز کو بہت توجہ اور غور سے سنتا ہے اور اثر پذیر ہوتا ہے۔

(۲) اس زمانہ میں لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے اور بار بار وعظ اور نصیحت کے ذکر سے ان کے دل نرم ہوتے تھے اور ان کا ایمان قوی ہوتا تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۹۸۔۳۹۷' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

الانفطار: ۲ میں فرمایا: اور جب ستارے جھڑ جائیں گے O

ستاروں کے جھڑنے کی توجیہ

ستاروں کا جھڑنا یا اس وجہ سے ہوگا کہ ستاروں کی تخلیق مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے کی گئی تھی' سو جب قیامت کے بعد مخلوق ہی نہیں رہے گی تو ستاروں کی بھی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ اب اندھیری راتوں میں ستاروں سے رہ نمائی حاصل کرنے والا کوئی نہیں ہوگا' دوسری وجہ یہ ہے کہ ستاروں کو آسمان کی زینت کے لیے بنایا گیا ہے تو جب آسمان ہی پھٹ جائیں گے تو ان کی زینت کے لیے ستاروں کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

الانفطار: ۳ میں فرمایا: اور جب سمندر (اپنی جگہ سے) بہا دیئے جائیں گے O

سمندروں کو بہانے کے محامل

بعض مفسرین نے کہا: تمام سمندروں کا پانی ایک سمندر میں بہا دیا جائے گا' پھر اس سمندر کے پانی کو زمین جذب کر لے گی' پھر اللہ تعالیٰ تمام زمین کو ہموار کر دے گا حتیٰ کہ اس میں کوئی اونچی نیچی جگہ نہیں رہے گی' پھر اللہ تعالیٰ پہاڑوں سے یا کسی اور چیز سے زمین کو خشک کر دے گا اور بعض مفسرین نے کہا: ہر سمندر کا پانی اپنی جگہ جوش مارے گا اور یہ نہیں ہوگا کہ تمام سمندروں کا پانی کسی ایک سمندر میں جمع ہو جائے۔

امام رازی نے لکھا ہے: اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) سمندروں کے درمیان جو اللہ تعالیٰ نے حاجب اور رکاوٹ بنائی ہے جو بعض سمندروں کو بعض سے ملنے نہیں دیتی' اللہ تعالیٰ وہ رکاوٹ اٹھا لے گا حتیٰ کہ تمام سمندر مل کر ایک سمندر بن جائیں گے اور یہ رکاوٹ زمین میں زلزلہ آنے سے زائل ہو جائے گی (۲) اس وقت سمندر کا پانی ٹھہرا ہوا اور مجتمع ہے' پس جب سمندروں کو بہا دیا جائے گا تو یہ پانی متفرق ہو کر چلا جائے گا (۳) حسن بصری نے کہا: ''فجرت'' کا معنی ہے: سمندر کو خشک کر دیا جائے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۷۳)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ (۱) سمندروں کے درمیان جو رکاوٹیں ہیں ان کو زائل کر دیا جائے گا' پھر میٹھا پانی کڑوے پانی کے ساتھ مل کر ایک سمندر بن جائے گا (۲) زمین تمام سمندروں کے پانی کو جذب کر لے گی اور ہموار ہو جائے گی اور تمام زمینیں اس میں برابر ہوں گی کہ اس میں پانی نہیں ہوگا اور زمین کا ہموار ہونا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ (طٰہٰ: ۱۰۷) آپ اس زمین میں نہ کہیں موڑ دیکھیں گے نہ اونچ نیچ ۝

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۱۱۱-۱۱۰ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اس آیت سے علامہ آلوسی کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ سمندروں کے بہانے سے زمین ہموار ہو جائے گی بلکہ اس آیت کا سیاق وسباق یہ ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے سے زمین ہموار ہو جائے گی' قرآن مجید میں ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ (طٰہٰ: ۱۰۷-۱۰۵) اور وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہیے کہ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا ۝ اور زمین کو ہموار اور صاف میدان کر کے چھوڑ دے گا ۝ آپ اس زمین میں نہ کہیں موڑ دیکھیں گے نہ اونچ نیچ ۝

الانفطار: ۴ میں فرمایا: اور جب قبریں شق کر دی جائیں گی ۝

''بعثرت'' کا معنی ہے: الٹ پلٹ کر دینا یعنی اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دینا' یعنی قبروں کو شق کر کے ان میں سے مُردوں کو زندہ کر کے نکال لیا جائے گا' جیسے یہ آیت ہے:

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ (الزلزال: ۲) اور زمین اپنا بوجھ باہر نکال پھینکے گی ۝

الانفطار: ۵ میں فرمایا: تو ہر شخص جان لے گا کہ اس نے پہلے کیا عمل کیا تھا اور بعد میں کیا کیا تھا ۝

انسان کے مقدم اور مؤخر اعمال کے محامل

یعنی تمام لوگ جان لیں گے کہ انہوں نے دنیا میں اوّل سے لے کر آخر تک کیا عمل کیے تھے اور ان کے اوپر اپنا کوئی عمل مخفی نہیں رہے گا اور بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے دنیا میں جو بھی نیک کام کیے تھے یا بُرے کام کیے تھے' قیامت کے دن وہ ان سب کاموں کو جان لے گا اور بعض مفسرین نے کہا کہ اس کے پہلے مقدم کاموں سے وہ کام مراد ہیں جو اس نے خود کیے اور مؤخر کاموں سے وہ کام مراد ہیں جو اس کے نکالے ہوئے طریقہ کے مطابق لوگوں نے اس کے مرنے کے بعد کیے' خواہ وہ نیک کام ہوں یا بُرے کام ہوں۔

ضحاک نے کہا: جن کاموں کو اس نے مقدم کیا' اس سے مراد فرائض ہیں اور جن کو اس نے مؤخر کیا اس سے مراد ہے: جن فرائض کو اس نے ضائع کر دیا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ انسان کو اس کے ان کاموں کا کب علم ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو ان کاموں کا علم اجمالی تو حشر کے شروع میں ہو جائے گا کیونکہ نیکوکار سعادت کے آثار اور بدکار شقاوت کے آثار اوّل امر میں ہی دیکھ لے گا اور اس کو علم تفصیلی اس وقت ہوگا جب اس کے سامنے اس کا اعمال نامہ پیش کیا جائے گا اور جب اس سے حساب لیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا؟ ۝ جس نے تجھے پیدا کیا' پھر درست کیا' پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا ۝ پھر جس صورت میں تجھے چاہا بنا دیا ۝ بے شک تم روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہو ۝ اور بے شک تم پر نگہبان (مقرر) ہیں ۝ معزز لکھنے والے ۝ وہ جانتے ہیں تم جو کچھ عمل کرتے ہو ۝ (الانفطار: ۱۲-۶)

الانفطار: ۶ میں فرمایا: اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا؟ ۝

اللہ تعالیٰ کا اپنی کریمی کے تقاضے سے فوراً گناہوں پر سزا نہ دینا اور اس سے انسان کا دھوکا کھانا

تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا تھا کہ تو نے اپنے رب کی اطاعت اور عبادت سے اعراض کیا اور تو گناہوں کے

ارتکاب میں مشغول رہا۔

اس آیت میں رب کے ساتھ اس کی صفت کریم کا ذکر فرمایا ہے اور یہی انسان کو دھوکے میں رکھنے کی علت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے انسان کے گناہ پر فوراً گرفت نہیں فرماتا اور اس سے درگزر فرماتا ہے' یا اپنی گرفت کو مؤخر فرما دیتا ہے اور اس سے انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ انسان کے گناہوں کو معاف فرماتا رہے گا' ورنہ گناہ کے ارتکاب کے فوراً بعد ہی اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے دیتا تو پھر وہ دوبارہ یا بار بار گناہ نہ کرتا' پس اس کا عذر یہ ہے کہ وہ کہے گا کہ مجھے بار بار گناہ کرنے پر تیرے کرم نے اُبھارا یا میری جہالت نے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اس آیت کو پڑھتے تو فرماتے: اے میرے رب! جہالت' یعنی انسان اللہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے جہالت کی وجہ سے گناہوں میں مشغول رہتا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے متعلق ہے یعنی اے مشرک! تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا حتیٰ کہ تو نے کہا: اللہ نے تجھ کو تیرے باپ دادا کی تقلید میں بت پرستی کا حکم دیا ہے کیونکہ جب وہ بے حیائی کا کام کرتے تھے تو کہتے تھے: انہیں اللہ نے اس بے حیائی کا حکم دیا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۚ (الاعراف: ۲۸)

جب وہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔

اے مشرک! کیا تیری طرف رسول کو نہیں بھیجا گیا تھا' کیا تیری طرف کتاب نہیں نازل کی گئی تھی' تجھ پر واضح نہیں ہو گیا کہ اللہ نے تجھے کس چیز کا حکم دیا ہے اور کس چیز سے تجھے روکا ہے؟

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۳۹۸' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

الانفطار: ۷ میں فرمایا: جس نے تجھے پیدا کیا پھر درست کیا' پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا O

انسان کی تخلیق کی تفصیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور سلطنت کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے ماں کے پیٹ کے تین اندھیروں میں انسان کی تخلیق کی' جہاں کوئی انسان کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا اور انسان پر اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی مخالفت اور اس کی نافرمانی سے باز آئے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کا بیان ہے تاکہ اس سے انسان جان لیں کہ ان کو عبث اور بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا کیونکہ جو اپنی حکمت اور قدرت سے انسان کو پیٹ کے تین اندھیروں میں پیدا فرماتا ہے وہ اپنی مخلوق کو عبث اور فضول پیدا نہیں فرما سکتا بلکہ اس نے اپنی مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ ان کو نیک باتوں کا حکم دے اور بُری باتوں سے روکے اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجے اور ان پر آسمانی کتابوں کو نازل کرے' جن کی اتباع کرنے کو ان پر لازم کرے اور جب لوگ ان کی اتباع کرنے سے اعراض کریں اور ان کی پیروی کو ترک کریں تو ان کو سزا دے۔

اس کے بعد فرمایا: پھر (تیرے اعضاء کو) متناسب بنایا یعنی تجھے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کیا کیونکہ انسان اصل میں اپنے باپ کی پشت میں ایک گندہ قطرہ تھا' پھر اس گندے قطرہ کو اس کی ماں کے رحم میں منتقل کیا' پھر اس کو نطفہ بنایا' پھر اس کو جمے ہوئے خون کی طرف منتقل کیا' پھر اس کو گوشت کا ٹکڑا بنایا اور اس کو ہڈیاں پہنائیں اور اس کے تمام اعضاء بنائے اور اس کی بہترین صورت بنائی اور یہ نعمت ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کتنا عظیم

احسان فرمایا ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

الانفطار: ۸ میں فرمایا: پھر جس صورت میں چاہا تجھے بنا دیا O

اللہ تعالیٰ کا انسان کو معتدل صورت بنانا

یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے اس صورت میں بنا دیا' جس صورت میں تو اب ہے' اس نے تجھے کسی حیوان کی صورت میں نہیں بنایا' اس میں عقل اور تمیز رکھی جس سے وہ نفع اور نقصان کو پہچان سکتا ہے اور اس کو ایسی صورت میں بنایا کہ آسمانوں اور زمینوں اور حیوانوں کو اس کے لیے مسخر کر دیا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ (لقمان: ۲۰)

اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم کو وافر مقدار میں دے رکھی ہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا O (بنی اسرائیل: ۷۰)

ہم نے اولادِ آدم کو بہت عزت دی اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریوں میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے روزی دی اور ان کو بہت ساری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی O

سب چیزیں انسان کے لیے مسخر کی ہیں اور انسان کو کسی چیز کے لیے مسخر نہیں کیا اور اس کو یہ نعمتیں اس لیے یاد دلائی ہیں کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے۔

امام رازی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء معتدل بنائے' ایسا نہیں کیا کہ ایک ہاتھ بڑا اور دوسرا ہاتھ چھوٹا ہوتا' یا ایک ٹانگ بڑی ہوتی اور دوسری چھوٹی ہوتی' اسی طرح ایک آنکھ بڑی ہوتی اور دوسری چھوٹی ہوتی' اسی طرح اس کی ہڈیاں' اس کے اعصاب اور اس کی شریانیں سب بہترین حکمت پر بنائی گئی ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور قوت کا ذکر فرمایا ہے تاکہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی کو ترک کرے اور اس کی اطاعت اور عبادت کی طرف سبقت کرے۔

الانفطار: ۹ میں فرمایا: بے شک تم روزِ جزا کو جھٹلاتے ہو O

روزِ جزاء کی تکذیب کے محامل

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) میں نے تم کو جو نعمتیں عطا کی ہیں' تم ان نعمتوں کو ان کے مقاصد میں میری ہدایت کے مطابق خرچ نہیں کرتے' بلکہ تم روزِ جزاء کی تکذیب کرتے ہو۔

(۲) تم اللہ تعالیٰ کے کرم سے دھوکا نہ کھاؤ' حالانکہ تم گناہوں سے باز نہیں آتے بلکہ تم روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہو۔

(۳) جیسے تمہارا گمان ہے کہ نہ کوئی مرنے کے بعد زندہ ہوگا نہ کسی کو حساب و کتاب کے لیے محشر میں لایا جائے گا' اس طرح نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عبث اور بے کار پیدا کیا ہے اور تم اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے' بلکہ تم اس کو جھٹلاتے ہو۔

اس آیت میں ''دین'' کا لفظ ذکر فرمایا ہے' اس جگہ ''دین'' سے مراد حساب بھی ہے یعنی تم روزِ حساب کی تکذیب کرتے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''دین'' سے مراد دینِ اسلام ہو۔

الانفطار: ۱۲۔۱۰ میں فرمایا: اور بے شک تم پر نگہبان (مقرر) ہیں O معزز لکھنے والے O وہ جانتے ہیں تم جو کچھ عمل کرتے

ہو○

''کراماً کاتبین'' کے اعمال بنی آدم لکھنے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے مختلف فرشتوں کے ذمہ مختلف کام لگائے ہوئے ہیں' جیسے حضرت عزرائیل کے ذمہ روح قبض کرنا لگایا ہے اور حضرت میکائیل کے ذمہ رزق پہنچانا ہے اور بعض فرشتوں کے ذمہ یہ ہے کہ وہ زمین میں گھوم پھر کر دیکھیں کہ کہاں اللہ کے بندے اس کا ذکر کر رہے ہیں' ان کو ملائکہ سیاحین کہا جاتا ہے اور اسی طرح بعض فرشتوں کو بندوں کے اعمال لکھنے پر مامور کیا ہے ان کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے' ان فرشتوں کو انسانوں کے اعمال لکھنے پر اس لیے مامور کیا ہے تاکہ ان کا لکھا ہوا قیامت کے دن انسان پر حجت ہو جائے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کفار کے اعمال کو بھی فرشتے لکھتے ہیں یا نہیں کیونکہ وہ تو صرف بُرے کام کرتے ہیں نیک کام نہیں کرتے' اس لیے بعض علماء نے کہا: ان کے اعمال کو لکھنے والے فرشتے نہیں ہیں' اور بعض نے کہا: ان کے لیے بھی لکھنے والے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ۚ (الحاقہ: ۲۵)

اور رہا وہ شخص جس کو اس کا صحیفۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا' پس وہ کہے گا: اے کاش! مجھ کو یہ صحیفہ نہ دیا جاتا○

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ (الانشقاق: ۱۰۔۱۱)

اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا○ تو وہ عنقریب موت کو پکارے گا○

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو فرشتہ کافر کی دائیں جانب ہوتا ہے وہ کیا کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بائیں جانب کے لکھے ہوئے پر گواہ ہوتا ہے۔

سفیان سے سوال کیا گیا کہ جب بندہ نیک یا بدعمل کرتا ہے' اس کا فرشتوں کو علم ہونا تو ظاہر ہے لیکن جب نیک یا بدعمل کا ارادہ کرتا ہے' اس کا فرشتوں کو کیسے علم ہوتا ہے؟ سفیان نے جواب دیا: جب بندہ نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے مُشک کی خوشبو آتی ہے اور جب وہ بُرے عمل کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے سخت ناگوار بدبو آتی ہے۔

مسلمانوں کا بُرے کام کرنا کفار کے بُرے کام کرنے سے زیادہ سنگین ہے کیونکہ مسلمانوں کو علم ہے کہ ان کے اعمال کی حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو ان کے اعمال کو لکھتے رہتے ہیں' اس کے باوجود جب وہ بُرے کام کریں تو یہ زیادہ قابل ملامت ہے کیونکہ کفار کو تو اس پر ایمان نہیں ہے کہ ان کے تمام اعمال کو فرشتے لکھ رہے ہیں۔

کراماً کاتبین قضاء حاجت اور جماع کے وقت انسان سے الگ ہو جاتے ہیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ برہنہ ہونے سے بچو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ فرشتے رہتے ہیں جو صرف قضاء حاجت کے وقت تم سے جدا ہوتے ہیں اور جس وقت مرد اپنی بیوی کے ساتھ عمل تزویج کرتا ہے' سو تم فرشتوں سے حیاء کرو اور ان کی تکریم کرو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۸۰۰)

امام بزار حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم کو برہنہ ہونے سے منع فرماتا ہے' سو تم ان فرشتوں سے حیا کرو' جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں' وہ کراماً کاتبین ہیں جو تین اوقات کے سوا تم سے جدا نہیں ہوتے' قضاء حاجت کے وقت' جنابت کے وقت اور غسل کے وقت۔

امام ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت باہر

نکلے' آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو جنگل میں نہار ہا تھا' آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: اللہ سے ڈرو اور کراماً کاتبین کا اکرام کرو' جو دو حالتوں کے سوا ہر وقت تمہارے ساتھ رہتے ہیں' جب انسان بیت الخلاء میں ہو یا اپنی بیوی کے ساتھ ہو' کیونکہ اللہ نے ان کا نام کرام رکھا ہے' وہ ایسی حالتوں میں دیوار یا اوٹ کے پیچھے جاتے ہیں اور انسان کی طرف نہیں دیکھتے۔

امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے جب ایسا صحیفہ اللہ کے پاس لے کر جائیں جس کے اوّل اور آخر میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے درمیان میں لکھی ہوئی چیزوں کو بخش دیتا ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۰۳۔۴۰۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں O اور بے شک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں O وہ روزِ جزاء کو اس میں پہنچیں گے O اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے O اور آپ نے کیا سمجھا روزِ جزاء کیا ہے؟ O پھر آپ نے کیا سمجھا روزِ جزاء کیا ہے؟ O جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا' اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے ہوں گے O (الانفطار: ۱۹۔۱۳)

الانفطار: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: بے شک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں O اور بے شک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں O

''ابرار'' کا معنی اور مرتکب کبیرہ کو دائمی عذاب نہ ہونا

اس سے پہلی آیات میں بتایا تھا کہ کراماً کاتبین بنو آدم کے تمام اعمال لکھ رہے ہیں اور ان آیتوں میں ان عمل کرنے والوں کے اُخروی اعمال کو بیان فرمایا ہے۔

ان آیتوں میں ''ابرار'' کا ذکر فرمایا ہے اور ''ابرار'' کا معنی ہے: بر (نیکی) کرنے والے اور ''بر'' کا بیان اس آیت میں ہے:

بر (نیکی) صرف یہ نہیں ہے کہ تم مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف منہ کرلو بلکہ حقیقت میں نیکوکار وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یومِ آخر پر اور فرشتوں پر اور کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان لائے' اور جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دے اور غلاموں کو آزاد کرے اور پابندی سے نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جب کوئی عہد کرے تو اس کو پورا کرے' تنگ دستی' دکھ درد اور جنگ کے وقت صبر کرے یہی وہ لوگ ہیں جو صادق ہیں اور یہی متقی ہیں O (البقرہ: ۱۷۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بر اور تقویٰ اور ابرار اور متقین دونوں سے مراد واحد ہے اور جو ان تمام اوصاف سے متصف ہو وہ نیکوکار اور متقی ہے۔

معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ: اور بدکار ضرور دوزخ میں ہیں (الانفطار: ۱۴) اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے (الانفطار: ۱۶)۔

یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مرتکب گناہ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے' کیونکہ مرتکبِ کبیرہ فاجر ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فجار ضرور دوزخ میں ہیں اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے' لیکن ہمارے نزدیک مؤمن مرتکبِ کبیرہ فاجر نہیں ہے' فاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی تکذیب کرے جیسا کہ ان آیات سے واضح ہوتا ہے:

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝

بے شک فجار کا صحیفہ اعمال سجین میں ہے O اور آپ کیا سمجھے کہ سجین کیا ہے؟ O وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے O اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے بڑی خرابی ہے O وہ لوگ جو روزِ جزاء کی

تکذیب کرتے ہیں ○ (المطففین: ۱۱۔۷)

پس فجار کے عموم میں مؤمنین مرتکبین کبائر داخل نہیں ہیں اور اگر بالفرض مؤمن مرتکب کبیرہ کو دوزخ میں داخل کیا جائے تو وہ تھوڑا عرصہ تطہیر کے لیے دوزخ میں داخل ہوگا' بعد میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

الانفطار: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: وہ روزِ جزاء کو اس میں پہنچیں گے ○ اور وہ اس سے چھپ نہیں سکیں گے ○

جنت کا ثواب اور دوزخ کا عذاب غیر منقطع ہے

یہ آیت اہلِ نار اور اہلِ جنت دونوں کی طرف راجع ہے' پس اہلِ جنت' جنت سے غائب نہیں ہوں گے اور اہل دوزخ' دوزخ سے غائب نہیں ہوں گے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک دن جنت کا ثواب ختم ہو جائے گا اور اسی طرح ایک دن دوزخ کا عذاب ختم ہو جائے گا' ہم کہتے ہیں کہ اگر جنت کا ثواب ایک دن ختم ہو جائے تو جنتی جنت میں خوش اور راضی نہیں رہیں گے کیونکہ ان کو معلوم ہوگا کہ ایک دن یہ عیش ختم ہونے والا ہے' اسی طرح اگر ایک دن دوزخ کا عذاب ختم ہو جائے تو دوزخی دوزخ میں مطمئن اور خوش رہیں گے کہ ایک دن یہ عذاب ختم ہونے والا ہے اور یہ چیز قرآن مجید کی بہت آیتوں کے خلاف ہے۔

الانفطار: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: اور آپ نے کیا سمجھا روزِ جزاء کیا ہے؟ ○ پھر آپ نے کیا سمجھا روزِ جزاء کیا ہے؟ ○

روزِ جزاء کے ادراک کی نفی کا محمل

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ فرماتے ہیں:

آپ اپنی عقل سے یوم جزاء کو نہیں جانتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم دے دیا' اور بعض مفسرین نے کہا: یہ اس دن کی تعظیم اور اس کے ہول ناک ہونے کی وجہ سے فرمایا ہے۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۴۰۲)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کے خطاب میں اختلاف ہے' بعض مفسرین نے کہا: اس آیت میں کافر سے زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے لیے خطاب ہے اور اکثر مفسرین نے کہا: اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور آپ سے یہ خطاب اس لیے فرمایا کہ نزولِ وحی سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا کہ یوم جزاء کیا ہے۔

اس آیت میں دوبارہ فرمایا ہے: آپ نے کیا سمجھا کہ روزِ جزاء کیا ہے' کیونکہ پہلی بار کا خطاب اہلِ دوزخ کے لیے ہے اور دوسری بار کا خطاب اہلِ جنت کے لیے ہے' گویا کہ فرمایا: آپ نے کیا سمجھا کہ فجار کے ساتھ قیامت کے دن کیا معاملہ کیا جائے گا اور ابرار کے ساتھ قیامت کے دن کیا معاملہ کیا جائے گا اور ''یوم الدین'' کا دوبارہ ذکر اس کی اہمیت اور تعظیم کی وجہ سے کیا گیا۔

الانفطار: ۱۹ میں فرمایا: جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوں گے ○

اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر شفاعت کی ممانعت

یہ وہ دن ہے جس میں شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی اور انبیاء علیہم السلام بہت لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے اور جب ایسا ہوگا تو ایک شخص دوسرے شخص کے لیے کسی چیز کا مالک ہوگا اور وہ شفاعت ہے تو پھر اس آیت کیا توجیہ ہوگی؟ اس

کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) کفار اپنے بتوں سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ مصائب میں ان کی مدد کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان کے رد میں نازل فرمائی ہے' کفار جو اپنے بتوں سے مصائب دور کرنے کی توقع رکھتے تھے اس کے متعلق یہ آیت ہے:

إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ○ (العنکبوت: ۲۵)

(ابراہیم نے کہا:) تم نے اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پرستش کی ہے تم نے اس کو آپس میں دنیاوی دوستی کی بنیاد بنالیا ہے' پھر تم قیامت کے دن ایک دوسرے کا کفر کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ میں ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا○

(۲) اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی نفس کسی نفس کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا مگر جب اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن دے گا تو پھر وہ شفاعت کریں گے' جس طرح اس آیت میں ارشاد ہے:

لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○ (النبا: ۳۸)

رحمان کے اذن کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکے گا اور وہ درست بات کرے گا○

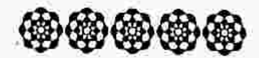
(۳) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مالک بنائے بغیر کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔

نیز فرمایا: اور اس دن تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوں گے' یعنی بغیر کسی تنازع کے' اور ہر وقت میں تمام احکام اللہ ہی کے لیے ہوتے ہیں لیکن دنیا میں ظالم لوگ اس میں تنازع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے احکام چلاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے لھو ولعب' خواتین کے لیے بے حجاب نکلنے اور مرد و زن کے مخلوط اجتماعات اور رقص اور فحاشی کی ممانعت اور مذمت کی ہے اور اس دور کے حکم ران ترقی کے نام پر اس کو رواج دے رہے ہیں اور عوام کو اس کی ترغیب دے رہے ہیں اور میوزک کو عام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے احکام کو جاری کرنا ہے' علم' سائنس اور تکنیکی مہارت کے حصول کے بجائے بسنت منانے' میراتھن دوڑ اور فحش کام منانے کی ترویج اور اشاعت پر زور دے رہے ہیں۔

سورة الانفطار کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج یکم شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۷ ستمبر ۲۰۰۵ء بہ روز بدھ بعد از نماز عصر الانفطار کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب! اس تفسیر کو مکمل کرادے اور اس کو قیامت تک کے لیے مرغوب اور فیض آفریں بنادے اور میری مغفرت فرمادے۔

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین
وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علٰی رسوله الكريم

سورة المطففین

سورت کا نام' وجہ تسمیہ اوراس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف

اس سورت کا نام المطففین ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ مذکور ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ (المطففین:۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے○

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے' حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

ابن الفرس نے کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے کیونکہ اس میں ''اساطیر'' کا ذکر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت مدنی ہے کیونکہ اہل مدینہ ناپ تول میں بہت زیادہ کمی کرتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ ناپ تول میں کمی کے سوا اس کی باقی آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور ایک قوم نے کہا: یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں نازل ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام نسائی وغیرہ نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو اہل مدینہ ناپ تول میں سب سے زیادہ خراب تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ'' (المطففین:۱) تو پھر وہ عمدہ طریقہ سے ناپ طول کرنے لگے۔ (الاتقان ج۱ ص ۶۷' دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ)

(السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۳' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۹۱۹' المستدرک ج۲ ص ۳۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۰۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج۶ ص ۳۲)

تاہم ہمارے مصاحف میں اس سورت کو مکی لکھا گیا ہے' ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۳ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۶ ہے' یہ سورۃ العنکبوت کے بعد اور سورۃ البقرۃ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

سورۃ المطففین کی سورۃ الانفطار کے ساتھ مناسبت

(۱) سورۃ الانفطار کے آخر میں فرمایا تھا:

یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡئًا ؕ (الانفطار:۱۹) جس دن کوئی نفس کسی نفس کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہو گا۔

اس آیت میں نافرمانی کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ کوئی شخص ان کی شفاعت نہیں کر سکے گا اور سورۃ المطففین میں بھی نافرمانی کرنے والوں کے لیے وعید ہے:

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ (المطففین:۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے عذاب ہے○

(۲) ان دونوں سورتوں میں قیامت کے دہشت ناک اُمور اور اس کی علامتیں بیان فرمائی ہیں۔
(۳) سورۃ الانفطار میں بندوں کے اعمال لکھنے والے فرشتوں (کراماً کاتبین) کا ذکر فرمایا تھا۔ (الانفطار:۱۱۔۱۰) اور اس سورت میں فرمایا ہے: ''کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ '' (المطففین:۲۰) وہ ایک لکھا ہوا صحیفہ ہے۔

سورۃ المطففین کے مشمولات

☆ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر کیا گیا ہے' خصوصاً قیامت کے احوال اور اھوال کا ذکر فرمایا ہے اور ناپ تول میں کمی کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔
☆ المطففین:۶۔۱ میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید وعید کا ذکر فرمایا ہے۔
☆ المطففین:۱۷۔۷ میں بتایا ہے کہ فساق اور فجار کا اعمال نامہ سجین میں لکھا ہوا ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہے۔
☆ المطففین:۲۸۔۱۸ میں بتایا ہے کہ ابرار اور نیکوکار کے صحائف اعلیٰ علیین میں لکھے ہوئے اور وہ فساق اور فجار کے صحائف سے ممتاز ہیں۔
☆ المطففین:۳۶۔۲۹ میں بتایا ہے کہ دنیا میں کفار مؤمنین کے ایمان لانے کا مذاق اُڑاتے تھے اور ان پر ہنستے تھے اور آخرت میں جب مؤمنین کفار کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار دیکھیں گے تو وہ ان کو دیکھ کر ہنسیں گے۔

سورۃ المطففین کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ المطففین کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۸ ستمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴





سورۃ المطففین ٨٣ — مکیۃ ٨٦

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیاتها ٣٦ — رکوعها ١

سورۃ المطففین مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھتیس آیات اور ایک رکوع ہے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ﴿١﴾ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿٢﴾

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے ○ وہ لوگ جب دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں ○

وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿٣﴾ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ

اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں ○ کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ

أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ

ان کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے گا؟ ○ بہت بڑے دن میں ○ جب سب لوگ رب العلمین

لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ﴿٧﴾

کے سامنے کھڑے ہوں گے ○ بے شک کافروں کا صحیفہ اعمال سجین میں ہے ○

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ﴿٨﴾ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٩﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

اور آپ کیا سمجھے کہ سجین (والا صحیفہ) کیا ہے؟ ○ وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے ○ تکذیب کرنے والوں کے

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿١١﴾ وَمَا

لیے شدید عذاب ہے ○ جو روزِ جزاء کی تکذیب کرتے ہیں ○ اس دن

يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا

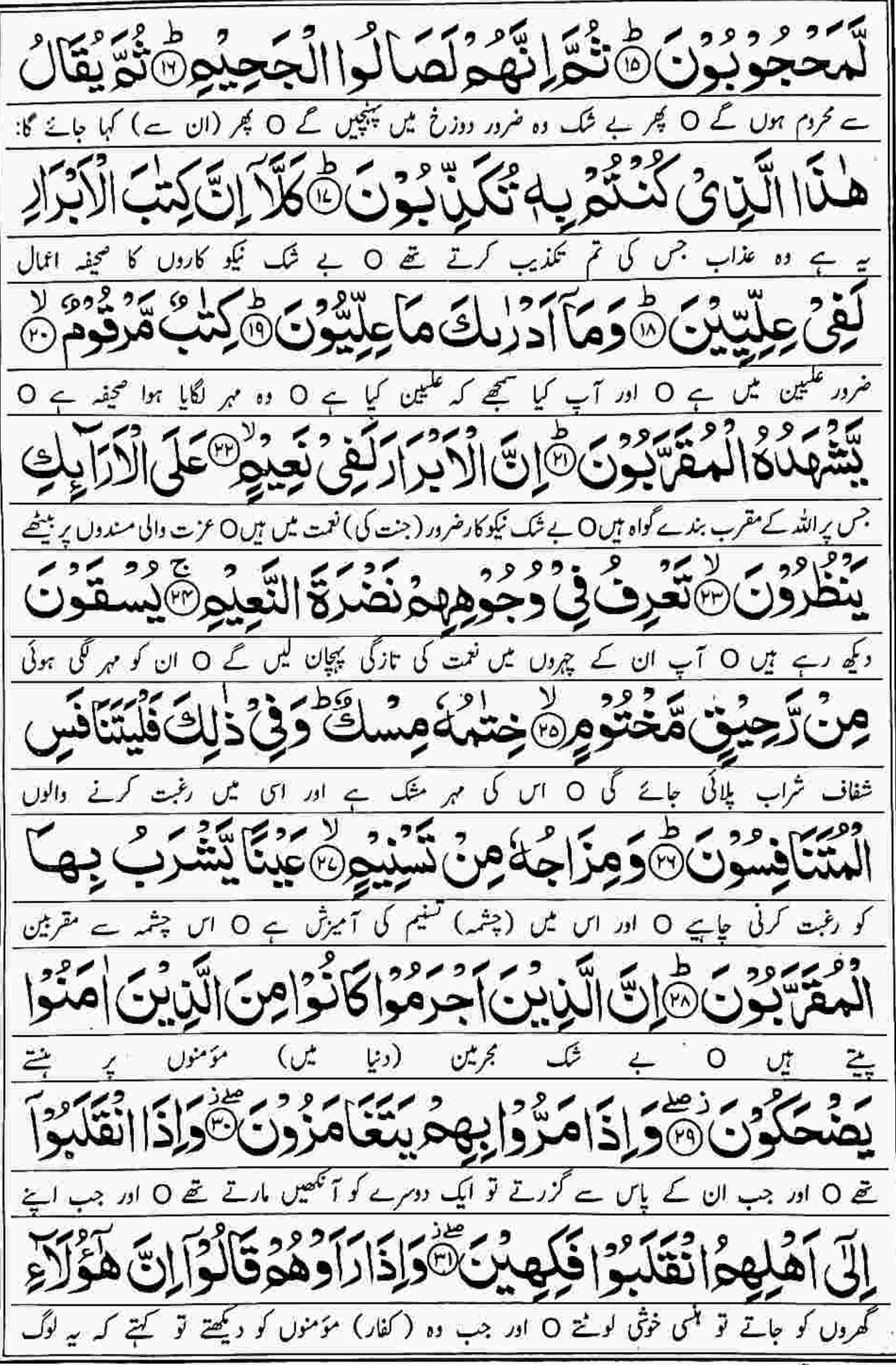
کی تکذیب صرف سرکش گنہ گار کرتا ہے ○ جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو

قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم

وہ کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے ہیں ○ ہرگز نہیں! بلکہ ان کے (برے) کاموں نے

مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ○ بے شک وہ اس دن اپنے رب (کے دیدار)



لَمَحۡجُوۡبُوۡنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّهُمۡ لَصَالُوا الۡجَحِيۡمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ

سے محروم ہوں گے ○ پھر بے شک وہ ضرور دوزخ میں پہنچیں گے ○ پھر (ان سے) کہا جائے گا:

هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿١٧﴾ كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الۡاَبۡرَارِ

یہ ہے وہ عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھے ○ بے شک نیکو کاروں کا صحیفہ اعمال

لَفِىۡ عِلِّيِّيۡنَ ﴿١٨﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا عِلِّيُّوۡنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ ﴿٢٠﴾

ضرور علیین میں ہے ○ اور آپ کیا سمجھے کہ علیین کیا ہے ○ وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے ○

يَّشۡهَدُهُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِىۡ نَعِيۡمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الۡاَرَآئِكِ

جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیں ○ بے شک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں ○ عزت والی مسندوں پر بیٹھے

يَنۡظُرُوۡنَ ﴿٢٣﴾ تَعۡرِفُ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِيۡمِ ﴿٢٤﴾ يُسۡقَوۡنَ

دیکھ رہے ہیں ○ آپ ان کے چہروں میں نعمت کی تازگی پہچان لیں گے ○ ان کو مہر لگی ہوئی

مِنۡ رَّحِيۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسۡكٌ‌ ؕ وَفِىۡ ذٰلِكَ فَلۡيَتَنَافَسِ

شفاف شراب پلائی جائے گی ○ اس کی مہر مشک ہے اور اسی میں رغبت کرنے والوں

الۡمُتَنَافِسُوۡنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنۡ تَسۡنِيۡمٍ ﴿٢٧﴾ عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا

کو رغبت کرنی چاہیے ○ اور اس میں (چشمہ) تسنیم کی آمیزش ہے ○ اس چشمہ سے مقربین

الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿٢٨﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا كَانُوۡا مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

پیتے ہیں ○ بے شک مجرمین (دنیا میں) مومنوں پر ہنستے

يَضۡحَكُوۡنَ ﴿٢٩﴾ وَاِذَا مَرُّوۡا بِهِمۡ يَتَغَامَزُوۡنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا انۡقَلَبُوۡۤا

تھے ○ اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو ایک دوسرے کو آنکھیں مارتے تھے ○ اور جب اپنے

اِلٰٓى اَهۡلِهِمُ انۡقَلَبُوۡا فَكِهِيۡنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا رَاَوۡهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

گھروں کو جاتے تو ہنسی خوشی لوٹتے ○ اور جب وہ (کفار) مومنوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ

لَضَآلُّوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرۡسِلُوۡا عَلَیۡهِمۡ حٰفِظِیۡنَ ﴿۳۳﴾ فَالۡیَوۡمَ الَّذِیۡنَ

ضرور گم راہ ہیں O حالانکہ یہ (کفار) ان (مؤمنوں) پر نگہبان نہیں بنائے گئے O پس آج مؤمنین

اٰمَنُوۡا مِنَ الۡكُفَّارِ یَضۡحَكُوۡنَ ﴿۳۴﴾ عَلَی الۡاَرَآئِكِ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾

کافروں پر ہنس رہے ہیں O عزت والی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں O

هَلۡ ثُوِّبَ الۡكُفَّارُ مَا كَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾

کفار کو اپنے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے؟O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے O وہ لوگ جب دوسروں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں O اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں O (المطففین: ۳۔۱)

''مطففین'' کا معنی اور ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے متعلق احادیث

المطففین: اس میں ''ویل'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ان کو آخرت میں شدید عذاب ہوگا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جہنم میں ''ویل'' نام کی ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ بہ کر آئے گی۔

''المطففون'' کا معنی ہے: وہ لوگ جو ناپ اور تول میں کمی کرتے ہیں' بعض علماء نے کہا: ''تطفیف'' پیمائش اور وزن میں بھی ہوتی ہے اور وضو اور نماز اور حدیث میں بھی ہوتی ہے۔ امام مالک نے کہا: ہر چیز میں پورا پورا دینا بھی ہے اور کم کر کے دینا بھی ہے۔

اہل لغت نے کہا ہے: ''المطفف'' ''تطفیف'' سے ماخوذ ہے اور ''طفیف'' کا معنی ہے: قلیل اور ''مطفف'' وہ شخص ہے جو اپنے صاحب کو وزن یا پیمائش میں اس کے حق سے کم دے۔

ناپ تول میں کمی کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو اہل مدینہ ناپ تول میں سب سے زیادہ خبیث تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ'' (المطففین: ۱) پھر وہ عمدہ طریقہ سے ناپ تول کرنے لگے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۲۳' صحیح ابن عباس رقم الحدیث: ۴۹۱۹' المستدرک ج ۲ ص ۳۳' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۰۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۳۲)

امام ابن سعد' امام بزار اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا عامل بنایا' جب وہ خیبر کی طرف گئے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی: ''وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ'' تو میں نے کہا: فلاں شخص ہلاک ہو گیا' اس کے پاس ایک صاع (چار کلو اناج کا پیمانہ) ہے' جس سے وہ ناپ کر دیتا ہے اور ایک دوسرا صاع ہے جس سے وہ ناپ کر لیتا ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۸۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک شخص کسی ناپ تول کرنے والے کو ملازم رکھے اور اس کو علم ہو کہ یہ ناپ تول میں کمی کرتا ہے تو اس کا گناہ اس کے اوپر ہوگا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۱۷' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۰۷' طبع جدید)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا: اے مہاجرین کے گروہ! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو: (۱) جس قوم میں بھی بے حیائی ظاہر ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ برسرِ عام بے حیائی کے کام کریں تو ان میں طاعون پھیل جاتا ہے اور وہ بیماریاں جو ان کے پہلے لوگوں میں نہیں تھیں (۲) اور جو قوم بھی ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس پر قحط آ جاتا ہے اور افلاس چھا جاتا ہے اور ان پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں (۳) اور جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتے' وہ آسمان کی بارش سے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور اگر حیوانات نہ ہوتے تو ان پر بالکل بارش نہ ہوتی (۴) اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتے ہیں' ان کے اوپر ان کے مخالف دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے وہ ان کے ہاتھوں سے مال چھین لیتا ہے (۵) اور جو ائمہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو ترجیح نہیں دیتے' اللہ تعالیٰ ان میں ایک دوسرے کا خوف پیدا کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۹' تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۶۳۶' الدر المنثور ج ۸ ص ۴۰۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ انہیں مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا ○ بہت بڑے دن میں ○ جب سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ○ بے شک کافروں کا صحیفہ اعمال سجین میں ہے ○ اور آپ کیا سمجھے کہ سجین (والا صحیفہ) کیا ہے ○ وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے ○ تکذیب کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہے ○ جو روزِ جزاء کی تکذیب کرتے ہیں ○ اس دن کی تکذیب صرف سرکش گنہ گار کرتا ہے ○ (المطففین: ۱۲۔۴)

المطففین: ۶۔۴ میں فرمایا: کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے گا ○ بہت بڑے دن میں ○ جب سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ○

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو ملامت

المطففین: ۴ میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے حال پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ کس قدر دیدہ دلیری سے ناپ تول میں کمی کر رہے ہیں' گویا ان کے دلوں میں ناپ تول میں کمی کرنے کے متعلق کوئی خطرہ اور کوئی کھٹکا نہیں ہے اور ان کو یہ اندازہ نہیں ہے کہ ان کو مرنے کے بعد اٹھایا جائے گا اور ناپ تول میں کمی کرنے کے متعلق ان سے سوال کیا جائے گا' یعنی ان کو ناپ تول میں کمی کرنے پر عذاب کا یقین ہی نہیں ہے' اگر انہیں اس پر عذاب کا یقین ہوتا تو وہ اس فعل سے باز آ جاتے۔

المطففین: ۵ میں جو "یوم عظیم" فرمایا ہے' اس سے مراد قیامت کا دن ہے یا یومِ جزاء ہے۔

المطففین: ۶ میں فرمایا ہے: جب سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ○ اس دن کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

قیامت کے دن گرمی کی شدت سے پسینہ آنے کے مختلف احوال

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المطففین: ۶ کی تفسیر میں فرمایا: حتیٰ کہ اس دن ایک شخص اپنے پسینہ میں آدھے کانوں تک ڈوب جائے گا ○

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۷۸)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو لوگوں کے قریب کر دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ان سے ایک میل کی مقدار پر ہو گا (سلیم بن عامر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ اس میل سے کیا مراد ہے) پھر لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے اپنے پسینہ میں ہوں گے' کسی کے ٹخنوں تک

پسینہ ہوگا اور کسی کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا اور کسی کی کوکھوں تک پسینہ ہوگا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی لگام بنا ہوا ہو گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۶۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۲۱' مسند احمد ج ۶ ص ۴۔۳' المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۶۰۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کا دن مؤمن پر آسان کر دیا جائے گا حتیٰ کہ جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا اس سے بھی کم وقت میں وہ دن اس پر گزر جائے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۷۵' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۱۳۹۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۳۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مؤمن پر قیامت کا دن فرض نماز کے وقت کی مقدار آسان کر دیا جائے گا۔

اور اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (یونس: ۶۳۔۶۲)

سنو! اولیاء اللہ پر (قیامت کے دن) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے ○ جو لوگ ایمان لائے اور وہ (اللہ سے) ڈرتے رہتے تھے ○

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے جود اور لطف سے ہمیں بھی ان مقرب لوگوں کے گروہ میں شامل کر لے۔

اس سے پہلے صحیح البخاری (۴۹۳۸) کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ میدانِ حشر میں لوگ رب العٰلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے' دوسرا قول یہ ہے: لوگ ایک دوسرے سے اپنے دنیاوی حقوق لینے کے لیے کھڑے ہوں گے اور ایک قول یہ ہے کہ لوگ اللہ کے سامنے فیصلہ کے لیے کھڑے ہوں گے۔

مخلوق کی تعظیم کے لیے قیام کی ممانعت میں احادیث اور آثار

اللہ کے سامنے جو بندے کھڑے ہوں گے وہ تعظیم عبودیت کے لیے کھڑے ہوں گے' رہا بندوں کا بندوں کے سامنے کھڑا ہونا' سو اس میں اختلاف ہے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اور بعض احادیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے' عدم جواز کی احادیث حسب ذیل ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور صحابہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کو علم تھا کہ آپ کو یہ پسند نہیں ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۷۵۴)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے باہر آئے' ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح بعض عجمی بعض عجمیوں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۲۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۳۶' مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۳)

قیام تعظیم کی ممانعت کے محامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو قیام کو ناپسند فرماتے تھے' اس کی وجوہ بیان کرتے ہوئے ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم متکبرین اور جابروں کی عادت کی مخالفت کرنے کے لیے اپنے لیے قیام کو ناپسند فرماتے تھے' بلکہ آپ

نے عام عربوں کی عادت پر قائم رہنے کو اختیار فرمایا کہ وہ اپنے کھڑے ہونے' بیٹھنے' کھانے پینے' لباس پہننے' چلنے اور باقی کاموں میں تکلف نہیں کرتے تھے کیونکہ روایت ہے' آپ نے فرمایا: میں اور میری امت کے متقین تکلف سے بَری ہیں۔

(احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۰۷' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ العراقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام دارقطنی نے ''الافراد'' میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۴۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' کشف الخفاء ج ۱ ص ۲۰۵)

علامہ طیبی نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کراہیت کی وجہ یہ ہو کہ آپ کی محبت کا تقاضا اتحاد تھا' جو تکلف نہ کرنے کا موجب ہے اور امام ابو حامد نے کہا ہے کہ جب اتحاد مکمل ہو جاتا ہے تو ان کے درمیان صحبت کے حقوق میں تخفیف ہو جاتی ہے اور قیام اور عذر پیش کرنا اور حمد و ثنا کرنا' ہر چند کہ صحبت کے حقوق میں سے ہیں لیکن ان کے ضمن میں ایک قسم کی اجنبیت اور تکلف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی کی تعظیم کے لیے قیام کرنے یا قیام نہ کرنے کا حکم' زمانہ' اشخاص اور احوال کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔

سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد کی جس حدیث میں یہ ارشاد ہے: جو شخص اس سے خوش ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں' اس کو چاہیے کہ وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے' یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو اپنی بڑائی کو ظاہر کرنے کے لیے یہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں' لیکن جب وہ اپنی بڑائی کو طلب نہ کرے اور لوگ از خود طلب ثواب کے لیے اس کے سامنے کھڑے ہوں یا اپنی تواضع کے اظہار کے لیے کھڑے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نیز سنن ابوداؤد میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے باہر آئے تو ہم آپ (کی تعظیم) کے لیے کھڑے ہو گئے' آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کھڑے ہو جس طرح عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں' یعنی لوگ ان کے مال اور ان کے منصب کی وجہ سے ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے تھے' جب کہ صرف علم اور تقویٰ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا چاہیے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۸ ص ۴۷۷۔۴۷۵' مکتبہ حقانیہ' پشاور)

اصحابِ فضیلت کی تعظیم کے لیے قیام کے استحسان میں احادیث اور آثار

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو ماننے پر تیار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلوایا' وہ قریب سے ایک دراز گوش پر سوار ہو کر آئے' جب وہ قریب آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۲۶۲۔۴۱۲۱۔۳۸۰۴۔۳۰۴۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۶۸)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری توبہ قبول ہونے کا اعلان کر دیا (الیٰ قولہ) تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑتے ہوئے آئے حتیٰ کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی اور اللہ کی قسم! حضرت طلحہ کے علاوہ مہاجرین میں سے اور کوئی کھڑا نہیں ہوا تھا۔

(صحیح مسلم کتاب التوبہ۔ باب: ۹۔ رقم حدیث الباب: ۵۳۔ رقم بلا تکرار: ۲۷۶۹۔ الرقم المسلسل: ۶۸۸۳' شعب الایمان رقم الحدیث: ۸۹۲۸)

حضرت عمر بن السائب بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے' اسی اثناء میں آپ کے رضاعی والد آ گئے' آپ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنا کپڑا بچھایا' سو وہ اس پر بیٹھ گئے' پھر آپ کی رضاعی والدہ آ گئیں تو آپ نے اس کپڑے کو دوسری جانب سے ان کے لیے پھاڑ دیا' وہ اس پر بیٹھ گئیں' پھر آپ کے رضاعی بھائی آ گئے'

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۱۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ مدینہ میں آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن میرے حجرے میں تھے انہوں نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف برہنہ پشت کھڑے ہو گئے اور چادر گھسیٹتے ہوئے گئے' اللہ کی قسم! میں نے اس سے پہلے نہ اس کے بعد کبھی آپ کو برہنہ پشت دیکھا' آپ نے ان کو گلے لگایا اور ان کو بوسہ دیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۷۳۲' کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۴۲۸)

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے اور بیٹھنے میں اور آپ کی سیرت میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر آپ کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا' جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے' ان کو بوسا دیتے اور ان کو اپنی مجلس میں بٹھاتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ اپنی مجلس سے کھڑی ہو جاتیں' آپ کو بوسا دیتیں اور آپ کو اپنی مجلس میں بٹھاتیں۔ الحدیث (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۸۷۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۲۱۷' الادب المفرد للبخاری رقم الحدیث:۹۹۹' مسند احمد ج ۸ ص ۲۸۲' شعب الایمان رقم الحدیث:۸۹۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے کلام فرماتے تھے پس جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے حتیٰ کہ ہم دیکھتے کہ آپ اپنی کسی زوجہ محترمہ کے حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۴۶۷۔ رقم الحدیث:۸۹۳۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نیک مسلمانوں سے تھے' جب وہ یمن سے لوٹ کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف کھڑے ہو گئے' ان کو گلے لگایا اور فرمایا: مہاجر سوار کو خوش آمدید ہو۔

(اسد الغابہ ج ۴ ص ۶۸۔ رقم الحدیث:۳۷۴۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جب حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی' آپ نے ان کو گلے لگایا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسا دیا۔

(اسد الغابہ ج ۱ ص ۵۴۲' بیروت' الاصابہ ج ۱ ص ۵۹۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اجلال اور تعظیم سے یہ ہے کہ جس مسلمان کے سفید بال ہوں اس کا اکرام کیا جائے (بزرگوں کی تعظیم کی جائے) اور جو قرآن کا حافظ عالم ہو اور اس میں غلو نہ کرتا ہو اور اس سے بے وفائی نہ کرتا ہو (عالم باعمل ہو)' اس کی تعظیم کی جائے اور سلطان عادل کی تعظیم کی جائے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۴۳)

عالم باعمل یا کسی بزرگ متقی کی آمد پر کھڑے ہو جانا بھی اس کی تعظیم ہے' اسی طرح کسی عادل حاکم کے لیے کھڑے ہونا بھی اس کی تعظیم ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں سے ان کے حسب مراتب سلوک کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۴۲)

یعنی فساق فجار کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہو اور علماء دین اور مشائخ عظام اور اپنے والدین کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو۔

حضرت ابن السرح رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جس نے ہمارے چھوٹوں

پر رحم نہیں کیا اور ہمارے بڑوں کا حق نہیں پہچانا پس وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲' المستدرک ج ۴ ص ۱۷۸' کنز العمال رقم الحدیث: ۵۹۷۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کیا اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہیں کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶ ص ۲۰۹۸' المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل' پاکستان)

ان احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص بڑا ہو اس کی تعظیم اور توقیر کرنی چاہیے' خواہ وہ عمر کے اعتبار سے بڑا ہو یا علم وفضل کے اعتبار سے بڑا ہو یا زہد وتقویٰ کے لحاظ سے بڑا ہو اور اس کے آنے پر کھڑے ہو جانا بھی اس کی تعظیم وتوقیر ہے۔

اصحابِ فضیلت کی تعظیم کے لیے قیام میں فقہاء مالکیہ کا موقف

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ متکبر شخص ہے اور اس کے لیے قیام کیا جائے تو وہ خوش ہوتا ہے' اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے یا وہ اپنے دل میں اس کا بڑا مرتبہ سمجھتا ہے تو اس کے لیے تعظیماً قیام کرنا مکروہ ہے' البتہ اولاد کا والد کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا' یا شاگرد کا استاذ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا یا کسی نیک دوست یا منعم کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا صحیح ہے' صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کو بلوا کر فرمایا: اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے مرتبہ کے اظہار کے لیے تھا اور حضرت معاذ خود کو بڑا نہیں سمجھتے تھے' اس لیے یہ قیام جائز اور مستحسن ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی شخص سے جائز امید ہو یا آنے والا شخص اس کی کسی پریشانی کو دور کر دے تو اس کی تعظیم کے لیے قیام کرنا جائز ہے۔ (عارضۃ الاحوذی ج ۵ ص ۱۵۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

قیام تعظیمی میں اختلاف ہے' اگر کوئی شخص اپنے آپ کو تعظیم کا مستحق سمجھتا ہو اور اس کا منتظر ہو کہ اس کے لیے قیام کیا جائے تو اس کے لیے قیام کرنا ممنوع ہے اور اگر کسی کے آنے سے خوشی ہو یا اور دیگر صحیح اسباب کی وجہ سے قیام کیا جائے تو پھر جائز ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۲۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اصحابِ فضیلت کی تعظیم کے لیے قیام میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کے لیے فرمایا: ''اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو'' اس ارشاد میں اصحاب فضیلت کی تکریم ہے' اور جب وہ آئیں تو ان کے آنے پر کھڑے ہونے کی تعلیم اور تلقین ہے' جمہور علماء نے اس حدیث سے قیام تعظیم کو ثابت کیا ہے۔ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ یہ وہ قیام نہیں ہے جو ممنوع ہے' جو قیام ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص بیٹھا ہو اور جب تک وہ بیٹھا رہے لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اصحابِ فضیلت جب آئیں تو ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا مستحب ہے' اس کے ثبوت میں بہت احادیث ہیں اور اس کی ممانعت میں کوئی صحیح اور صریح حدیث نہیں ہے اور میں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں احادیث اور عباراتِ علماء کو جمع کیا ہے اور مانعین کے توہمات کا ازالہ کیا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۸ ص ۴۸۸۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ' الاذکار ج ۱ ص ۳۰۹ ۔ ۳۰۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ حضرت سعد کی حدیث سے ثابت ہوا کہ سربراہِ مملکت کو مسلمان بزرگ کی تعظیم کا حکم دینا چاہیے اور سربراہِ مملکت کی مجلس میں اربابِ فضیلت کی تکریم کرنا اور ان کے لیے قیام کرنا مشروع ہے اور تمام لوگوں پر لازم کیا ہے کہ وہ اپنے بزرگ کے آنے پر اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔ علامہ ابن الحاج مالکی قیامِ تعظیم کا انکار کرتے ہیں' اور علامہ نواوی کے دلائل کا رد کرتے ہیں' حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس طویل بحث کو نقل کیا ہے اور آخر میں ان کے درمیان محاکمہ کر کے یہ لکھا ہے:

اگر قیام کے ترک کرنے پر کوئی خرابی یا شر مرتب ہو تو قیام کو ترک کرنا ممنوع ہے یا اس سے کسی کی توہین ہوتی ہو تو بھی قیام کو ترک کرنا ممنوع ہے اور علامہ عبد السلام نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بعض محققین سے نقل کر کے یہ لکھا ہے کہ اگر عجمیوں کی طرح قیام کی عادت بنالی جائے (کہ ایک شخص بیٹھا ہو اور دوسرے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں) تو پھر یہ قیام ممنوع ہے' اور اگر کوئی شخص سفر سے آئے یا حاکم کے لیے اس کی حکومت کی مجلس میں قیام کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' میں کہتا ہوں کہ اسی کے ساتھ علامہ ابن الحاج کی توجیہات کو بھی ملا لیا جائے کہ جس شخص کو کوئی نعمت ملی ہو تو اس کو مبارک باد دینے کے لیے قیام کرنا' یا کسی عاجز کی مدد کے لیے کھڑے ہونا یا مجلس میں توسیع کے لیے کھڑے ہونا' سو قیام کی یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۲۳۔ ۳۱۸ ملخصاً' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

اصحابِ فضیلت کی تعظیم کے لیے قیام میں فقہاء احناف کا موقف

حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سربراہِ مملکت یا حاکم کو کسی مسلمان بزرگ کی تعظیم کا حکم دینا چاہیے' اور سربراہ ملک کی مجلس میں اربابِ فضیلت کی تکریم کرنی چاہیے اور ان کے لیے تعظیماً قیام کرنا چاہیے اور عام لوگوں کو ان کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دینا چاہیے اور حضرت معاویہ کی حدیث میں جو ارشاد ہے کہ جس کو اپنے لیے قیام سے خوشی ہو' وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے' یہ وعید متکبرین کی طرف راجع ہے یا ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو اپنے لیے نہ اٹھنے پر ناراض ہوتے ہوں۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۲ میں ہے کہ اپنے سردار حضرت سعد کی طرف کھڑے ہو اور اس کو سواری سے اتارو اور اس حدیث کی سند حسن ہے۔ فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۱۹) علامہ عینی ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے حضرت سعد کی طرف کھڑے ہونے کا حکم ان کو سواری سے اتارنے کے لیے دیا تھا کیونکہ وہ بیمار تھے' بعض علماء کا قول بعید ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۴۰۱۔ ۴۰۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے اس روایت کو اس لیے بعید کہا ہے کہ مسند احمد کی حدیث کی سند ضعیف ہے اور حافظ ابن حجر کا اس کی سند کو حسن کہنا ان کا تسامح ہے' اس حدیث کی سند کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ شعیب الارنؤوط لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ضعف ہے' اس حدیث کی سند میں عمرو بن علقمہ ہے' اس سے اس کے بیٹے محمد کے سوا اور کسی نے حدیث روایت نہیں کی' اور ابن حبان کے سوا اور کسی نے اس کی توثیق نہیں کی' سو وہ مجہول راوی ہے۔

(حاشیہ مسند احمد ج ۴۲ ص ۳۰' رقم الحدیث: ۲۵۰۹۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

تاہم اگر اس حدیث کی سند حسن بھی ہو پھر بھی اس حدیث میں جو قید ہے (اس کو سواری سے اتارو)' وہ صحیح بخاری کے اطلاق کے معارض نہیں ہو سکتی کیونکہ تعارض اس وقت ہوتا ہے جب دو حدیثیں ایک درجہ کی ہوں اور صحیح اور حسن ایک درجہ کی حدیثیں نہیں ہیں۔

علامہ حسین بن منصور اوز جندی المعروف بہ قاضی خاں حنفی المتوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

کچھ لوگ مصاحف سے دیکھ کر قرآن مجید پڑھ رہے تھے یا ایک شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا' پھر ان کے پاس اصحاب فضیلت بزرگوں میں سے کوئی شخص آیا تو قرآن مجید پڑھنے والوں میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا' فقہاء نے کہا ہے کہ اگر آنے والا عالم ہے یا اس کا والد ہے یا اس کا وہ استاذ ہے جس نے اس کو علم سکھایا ہے تو اس کی وجہ سے اس کا قیام کرنا جائز ہے' اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں ج ۴ ص ۴۲۲ علی ہامش الہندیہ' مصر' فتاویٰ ہندیہ ج ۵ ص ۳۱۶' بولاق' مصر' ۱۳۱۰ھ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

جو شخص مسجد میں بیٹھا ہوا ہو یا جو شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور اس حال میں اس کے پاس ایسا شخص آئے جو تعظیم کا مستحق ہو تو اس کی تعظیم کے لیے قیام کرنا جائز ہے۔ علامہ ابن وھبان نے کہا: بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ قیام مستحب ہے' کیونکہ اس قیام کو ترک کرنے سے کینہ' بغض اور عداوت پیدا ہوتی ہے' خصوصاً اس جگہ جہاں قیام کرنے کا معمول ہو' اور اس پر جو وعید ہے اس کا محل ترکوں اور عجمیوں کا قیام ہے (جس میں ایک شخص بیٹھا ہو اور دوسرے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں)۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ "عنایۃ" وغیرہا میں شیخ حکیم ابو القاسم سے منقول ہے کہ جب ان کے پاس کوئی غنی آتا تو وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے اور جب ان کے پاس فقراء اور طالب علم آتے تو وہ ان کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے' ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: غنی مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتا ہے' اگر میں اس کی تعظیم نہ کروں تو ضرر ہو گا اور فقراء اور طلبہ مجھ سے صرف سلام کا جواب چاہتے ہیں اور یہ کہ میں ان سے علمی باتیں کروں' اس کی پوری تفصیل علامہ شرنبلالی کے رسالہ میں ہے۔

البتہ دنیا حاصل کرنے کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کرنا حرام ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے کسی دولت مند شخص کے لیے عاجزی کی اور اپنے آپ کو ذلیل کیا اور اس کی تعظیم اس سے طمع کی وجہ سے کی' اس کی دو تہائی مروّت اور نصف دین جاتا رہے گا۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۲۹۹۔ رقم الحدیث: ۸۲۳۲)

والدین پر رحمت کے لیے ان کے سر پر بوسا دیا جائے' اپنے بھائی پر شفقت کے لیے اس کی پیشانی پر بوسا دیا جائے' مؤمنین کی تعظیم کے لیے ان کے ہاتھ پر بوسا دیا جائے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح اور شام مصحف کو بوسا دیتے تھے۔ (درمختار) کسی کی تعظیم کے لیے زمین کو بوسا دینا حرام ہے۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۹ ص ۴۶۹۔ ۴۶۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

المطففین: ۹۔ ۷ میں فرمایا: بے شک کافروں کا صحیفہ اعمال سجین میں ہے O اور آپ کیا سمجھے کہ سجین (والا صحیفہ) کیا ہے؟ O وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے O

"سجین" کا معنی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فجار کی ارواح اور ان کے اعمال سجین میں ہیں' مجاہد نے کہا: سجین ساتویں زمین کے نیچے ایک چٹان ہے' اس کے نیچے فجار کا صحیفہ اعمال ہے۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کافر کے پاس موت کے فرشتے آتے ہیں تو وہ اس کا وقت آنے پر اس کو بالکل مہلت نہیں دیتے اور فوراً اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور اس کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس کو وہ شر دکھاتے ہیں جو اللہ دکھانا چاہتا ہے' پھر اس کو ساتویں زمین تک اتارتے ہیں اور وہی سجین ہے اور وہیں فرشتے اس کا صحیفہ اعمال رکھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سجین جہنم میں ایک کھلا ہوا کنواں ہے۔
(النکت والعیون ج ۶ ص ۲۲۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

المطففین: ۸ میں "کتاب مرقوم" کا ذکر ہے' اس سے مراد وہ صحیفہ ہے جس میں ان کے اعمال لکھ کر مہر لگا دی گئی ہے' اب اس میں نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے نہ اس سے کوئی کمی ہو سکتی ہے۔

المطففین: ۹ میں فرمایا: آپ کیا سمجھے کہ سجین کیا ہے؟O یہ سجین کی تعظیم کے لیے فرمایا ہے۔

المطففین: ۱۲۔۱۰ میں فرمایا: تکذیب کرنے والوں کے لیے شدید عذاب ہےO جو روزِ جزاء کی تکذیب کرتے ہیںO اس دن کی تکذیب صرف سرکش گنہ گار کرتا ہےO

روزِ جزاء کی تکذیب کرنے والے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مکذبین کے لیے قیامت کے دن شدید عذاب ہے' پھر بتایا کہ یہ وہ مکذبین ہیں جو یومِ جزاء' یومِ حساب اور فیصلہ کے دن کی تکذیب کرتے ہیں اور فرمایا: اس دن کی تکذیب تو صرف سرکش گنہ گار کرتا ہے جو حق سے تجاوز کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات میں ظلم کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت الولید بن مغیرہ' ابوجہل اور ان ایسے لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے ہیںO ہرگز نہیں! بلکہ ان کے (بُرے) کاموں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیاO بے شک وہ اس دن اپنے رب (کے دیدار) سے محروم ہوں گےO پھر بے شک وہ ضرور دوزخ میں پہنچیں گےO پھر (ان سے) کہا جائے گا: یہ ہے وہ عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھےO بے شک نیکوکاروں کا صحیفہ اعمال ضرور علیین میں ہےO اور آپ کیا سمجھے کہ علیین کیا ہے؟O وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہےO جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیںO (المطففین: ۲۱۔۱۳)

"اساطیر" کا معنی

المطففین: ۱۳ میں "اساطیر" کا لفظ ہے' یہ "اسطورۃ" کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: من گھڑت لکھی ہوئی کہانیاں' وہ جھوٹی خبر جس کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ وہ جھوٹ گھڑ کر لکھی ہوئی ہے۔

المطففین: ۱۴ میں فرمایا: ہرگز نہیں بلکہ ان کے (بُرے) کاموں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیاO

دل پر زنگ لگنا

لفظ "کلا" سے کفار کے قول کا رد فرمایا ہے یعنی یہ پہلے لوگوں کے قصے نہیں ہیں۔

اس آیت میں "رَان" کا لفظ ہے' اس کا مصدر "رین" ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کا زنگ آلود ہونا اور میلا ہونا۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب وہ اس گناہ کی تلافی کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ اس گناہ کو کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ زیادہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے اور یہ وہ "رَان" ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے: "كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ O" (المطففین: ۱۴) امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۴۴)

اسی طرح مفسرین نے کہا ہے کہ مسلسل گناہ کرتے رہنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے' فراء نے کہا: جس شخص کے گناہ بہت زیادہ ہو جائیں تو وہ اس کے دل کا احاطہ کر لیتے ہیں اور یہی دل کا زنگ ہے' مجاہد نے کہا: جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے' انہوں نے اپنی ہتھیلی کی ایک انگلی بند کر لی اور جب دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے' انہوں نے دوسری انگلی بند کر لی' پھر جب بار بار گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے' انہوں نے ساری انگلیاں بند کر کے مٹھی بند کر لی حتیٰ کہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔

المطففین: ۱۵ میں فرمایا: بے شک وہ اس دن اپنے رب (کے دیدار) سے محروم ہوں گے 0

قیامت کے دن کافروں کا اپنے رب کے دیدار سے محروم ہونا اور مؤمنوں کا اپنے رب کے دیدار سے شادکام ہونا

اس آیت میں ''کلا'' کا لفظ تحقیق کے لیے ہے یا کفار کے قول کو رد کرنے کے لیے ہے' یعنی بے شک کفار قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔

زجاج نے کہا: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھائی دے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس آیت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نہ پھر اس میں کفار کی کوئی تخصیص اور تنقیص ہوگی کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کو نہیں دیکھ سکیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے دن مؤمنین اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ اور بارونق ہوں گے 0 اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے 0 (القیامہ: ۲۳-۲۲)

اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور مؤمنین کو قیامت کے دن جو اپنے دیدار سے شادکام کرے گا' کفار کو اس سے محروم رکھے گا کیونکہ دنیا میں انہوں نے اپنے رب کی توحید پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت اور عبادت کرنے سے اعراض' انکار اور انحراف کیا تھا' اس لیے قیامت کے دن ان کو اس کے دیدار سے محروم رکھا جائے گا' قیامت کے دن جو ہولناک اُمور ہوں گے اور سب پر اس دن کے واقعات سے دہشت چھائی ہوئی ہوگی تو مؤمنین جب اپنے رب کا دیدار کریں گے تو ان کی ساری وحشت اور کلفت زائل ہو جائے گی' دنیا میں مؤمنین کاملین اس طرح اپنے رب کی عبادت کرتے تھے گویا اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں' یہی وجہ ہے کہ جب کوفہ کی مسجد میں چھت سے سانپ گر پڑا تو مسجد میں بھگدڑ مچ گئی' ایک ہنگامہ مچ گیا لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اسی طرح صبر و سکون سے نماز پڑھتے رہے' ان کے خضوع اور خشوع میں کوئی فرق نہیں آیا کیونکہ وہ اس طرح اپنے رب کی عبادت کر رہے تھے گویا کہ وہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں' سو قیامت کے دن ان کاملین کو ان کی اس عبادت کا انعام اس طرح دیا جائے گا کہ وہ بالیقین فی الواقع اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے' قیامت کے دہشت ناک واقعات سے ایک ہنگامہ بپا ہوگا اور ان کاملین کو کچھ خبر نہیں ہوگی' یہ اطمینان اور سکون سے اپنے رب کے دیدار کے جلووں میں مست اور بے خود ہوں گے' رہے ہم ایسے عام مؤمنین تو ہمارے شب و روز ایسی غفلت اور معصیت میں گزرتے ہیں کہ ہم اپنے اعمال اور اپنی ناقص عبادات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کے بھی مستحق نہیں ہیں' ہوا' پانی' خوراک اور دنیا کی جو نعمتیں ہمیں ملتی ہیں' وہ ان کاملین کے توسل اور تصدق سے ملتی ہیں' سو آخرت میں بھی ہمیں اُمید ہے کہ ان ہی کاملین کے توسل سے ہمیں آخرت کی نعمتیں نصیب ہوں گی اور قیامت کے دن ان کی عبادتوں کی برکت سے ہمیں بھی اپنے رب کا دیدار حاصل ہوگا اور ان شاء اللہ ہماری یہ امید پوری ہوگی۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا اور وہ اس کو نہیں دیکھ سکیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لیے اپنے دیدار کی تجلّی فرمائے گا اور وہ اس کو دیکھ لیں گے' امام شافعی نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کفار پر ناراضگی کی وجہ سے ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا تو جب اللہ تعالیٰ مؤمنین سے راضی ہے تو ان کو اپنا دیدار عطا فرمائے گا' سنو! اللہ کی قسم! اگر محمد بن ادریس کو یہ یقین نہ ہوتا کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھے گا تو وہ دنیا میں اس کی عبادت نہ کرتا' الحسین بن الفضل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو دنیا میں اپنی توحید پر ایمان کے نور سے محروم رکھا اور آخرت میں ان کو اپنے دیدار سے محروم رکھے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۲۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

المطففین: ۱۶ میں فرمایا: پھر بے شک وہ ضرور دوزخ میں پہنچیں گے O

یعنی دوزخ میں وہ لازم رہیں گے اور اس سے باہر نہیں آ سکیں گے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا. جب بھی ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کو دوسری کھالوں کے ساتھ بدل دیں گے۔ (النساء: ۵۶)

المطففین: ۱۷ میں فرمایا: پھر (ان سے) کہا جائے گا: یہ ہے وہ عذاب جس کی تم تکذیب کرتے تھے O

یعنی ان سے جہنم کے محافظ کہیں گے: یہ وہ عذاب ہے جس کی خبر تم کو رسولوں نے دی تھی اور تم اس کی تکذیب کرتے تھے۔

المطففین: ۲۱۔۱۸ میں فرمایا: بے شک نیکو کاروں کا صحیفہ اعمال ضرور علیین میں ہے O اور آپ کیا سمجھے کہ علیین کیا ہے؟ O وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے O جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیں O

علیین اور مؤمنوں کے صحائف کے متعلق احادیث اور آثار

نیکو کاروں کا صحیفہ علیین میں بلند جگہ رکھا ہوا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ صحیفۂ اعمال جنت میں ہے' ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ آسمان میں اللہ کی کتاب میں ہے' مجاہد اور قتادہ نے کہا: ساتویں آسمان میں مؤمنین کی روحیں ہیں' ضحاک سے ایک روایت ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ ہے' جس پر اللہ کے تمام احکام ختم ہو جاتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے۔

ایک قول یہ ہے کہ علیین فرشتوں کی صفت ہے اور اس سے مراد ملائکہ مقربین ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیین والے ضرور جنت کو فلاں مقام سے دیکھ رہے ہیں' پس جب اہل علیین میں سے کوئی شخص جھانکتا ہے تو اس کے چہرے کی روشنی سے جنت روشن ہو جاتی ہے' پس جنتی کہتے ہیں: یہ کیسا نور ہے؟ تو کہا جائے گا: علیین والوں میں سے ایک شخص نے جھانکا تھا اور وہ لوگ ابرار' اطاعت گزار اور اصحاب صدق ہیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۸۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت اہل علیین کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح چمکتے ہوئے ستارہ کو آسمان کے کنارے میں دیکھا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۳۱۔۲۸۳۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ علیین کیا ہے؟ O یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کو علیین کے متعلق کس

نے خبر دی اس میں علیین کے بلند مرتبہ کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وہ مہر لگایا ہوا صحیفہ ہے O

علامہ قرطبی نے یہ روایت ذکر کی ہے:

فرشتے بندوں کے اعمال لے کر اوپر چڑھتے ہیں' جب وہ اوپر پہنچتے ہیں تو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے: تم میرے بندے کے اعمال کے محافظ ہو اور میں اپنے بندے کے دل کا نگہبان ہوں اور اس نے اخلاص سے میرے لیے عمل کیا ہے' اس کے اس عمل کو علیین میں رکھ دو' بے شک میں نے اس کو بخش دیا ہے اور فرشتے کسی اور بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں' جب وہ اوپر پہنچتے ہیں تو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے: تم میرے بندے کے اعمال کے محافظ ہو اور میں اس کے دل کا نگہبان ہوں' اس نے یہ عمل اخلاص سے میرے لیے نہیں کیا' اس عمل کو سجین میں رکھ دو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۲۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: جس پر اللہ کے مقرب بندے گواہ ہیں O

یعنی ابرار کے نیک اعمال پر ہر آسمان سے مقرب فرشتے گواہ ہیں۔ وہب بن منبہ اور امام ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ مقربین سے مراد یہاں پر حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں' پس جب مؤمن کوئی نیک عمل کرتا ہے تو فرشتہ اس کو صحیفہ میں لکھ کر آسمان پر چڑھتا ہے اور اس کا نور آسمانوں میں اس طرح چمکتا ہے جس طرح سورج کا نور زمین پر چمکتا ہے حتیٰ کہ وہ فرشتہ اس کو لے کر حضرت اسرافیل تک پہنچتا ہے' پھر وہ اس پر مہر لگا دیتا ہے اور حضرت اسرافیل اس پر گواہ ہوتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ ص ۲۲۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک نیکوکار ضرور (جنت کی) نعمت میں ہیں O عزت والی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں O آپ ان کے چہروں میں نعمت کی تازگی پہچان لیں گے O ان کو مہر لگی ہوئی شفاف شراب پلائی جائے گی O اس کی مہر مشک ہے اور اسی میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے O اور اس میں (چشمہ) تسنیم کی آمیزش ہے O اس چشمہ سے مقربین پیتے ہیں O (المطففین: ۲۸۔۲۲)

جنت میں ابرار کی نعمتیں' "رحیق مختوم" اور "تسنیم" کے معانی

ابرار یعنی نیکوکار جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو رہے ہوں گے' اور وہ اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے ان کرامات کو دیکھ رہے ہوں گے' جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کی ہیں' مقاتل نے کہا: وہ اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے اہل دوزخ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے' ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلال ذات کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

ان نعمتوں کے ملنے سے ان کو جو خوشی ہوگی اور ان کے چہروں پر جو رونق اور تر و تازگی ہوگی' اس کو دیکھ کر آپ انہیں پہچان لیں گے' ان کو شرابِ طہور پلائی جائے گی جس میں کوئی تلخی ہوگی نہ کوئی نشہ ہوگا' اس آیت میں "رحیق" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: صاف اور شفاف شراب' اس شراب پر مشک کی مہر لگی ہوئی ہوگی' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: شراب پینے کے بعد ان کو مشک کا ذائقہ آئے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان نے کسی بے لباس مسلمان کو لباس پہنایا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا' اور جس مسلمان نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا' اور جس مسلمان نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا' اللہ اس کو "رحیق مختوم" (مشک کے ذائقہ والی شراب) سے پلائے گا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۶۸۲)

المطففین: ۲۶ میں ''فلیتنافس'' کا لفظ ہے، اس کا مصدر ''تنافس'' ہے، اس کا معنی ہے: رغبت کرنا، یعنی ان نعمتوں میں رغبت کرنا چاہیے اور ان نعمتوں کے حصول کے لیے اعمالِ صالحہ کرنے چاہئیں۔

اور اس (شراب) میں چشمہ تسنیم کی آمیزش ہے۔ تسنیم وہ مشروب ہے جس کو اوپر سے انڈیلا جائے گا، اور یہ جنت کی سب سے افضل شراب ہے۔ لغت میں تسنیم کا معنی ہے: بلندی، اونٹ کے کوہان کو سنام کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی اونٹ کی پیٹھ پر بلند ہوتا ہے، اسی طرح ''تسنیم القبور'' اس قبر کو کہتے ہیں جو اونٹ کے کوہان کی شکل پر بنائی جائے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: تسنیم جنت میں ایک چشمہ ہے جس سے صرف مقربین کو پلایا جائے گا، ایک قول یہ ہے کہ تسنیم ہوا میں ایک چشمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بہ رہا ہے اور اس سے اہل جنت کے برتنوں میں صاف شراب انڈیلی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک مجرمین (دنیا میں) مؤمنوں پر ہنستے تھے O اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو ایک دوسرے کو آنکھیں مارتے تھے O اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو ہنسی خوشی لوٹتے O اور جب مؤمنوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ ضرور گم راہ ہیں O حالانکہ یہ (کفار) ان (مؤمنوں) پر نگران نہیں بنائے گئے O پس آج مؤمنین کافروں پر ہنس رہے ہیں O عزت والی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں O کفار کو اپنے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے؟ O (المطففین: ۳۶۔۲۹)

دنیا میں کفار کا مؤمنوں پر ہنسنا اور ان کا مذاق اُڑانا اور آخرت میں مؤمنوں کا کفار سے بدلہ لینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ آخرت میں ابرار اور نیکوں کو کیا کیا نعمتیں ملیں گی اور ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ کفار دنیا میں مؤمنوں کا کس طرح مذاق اڑاتے تھے اور ان کی تحقیر کرتے تھے اور آخرت میں معاملہ الٹ ہو جائے گا اور اب مؤمنین کفار کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر ان پر ہنسیں گے، ان آیات سے مقصود مؤمنین کو تسلی دینا ہے اور ان کے دلوں کو تقویت پہنچانا ہے۔

المطففین: ۲۹ میں فرمایا: بے شک مجرمین (دنیا میں) مؤمنوں پر ہنستے تھے O

صنادید کفار مثلاً ابوجہل، الولید بن مغیرہ اور العاص بن وائل سہمی وغیرہ، حضرت عمار، حضرت صہیب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم پر ہنستے تھے اور دیگر فقراء مسلمین کا مذاق اڑاتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کے شانِ نزول میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ساتھ جا رہے تھے، منافقین ان کو دیکھ کر ہنسنے لگے اور ایک دوسرے کو آنکھیں ماریں، پھر اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ کر کہا: ہم نے آج ایک گنجے کو دیکھا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

المطففین: ۳۰ میں ''یتغامزون'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: پلکوں اور بھوؤں سے اشارے کرنا اور اس کا معنی عیب بیان کرنا بھی ہے، اس آیت کا معنی ہے: وہ آنکھوں سے اشارے کر کے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے اور یہ کہتے تھے: ان لوگوں کو دیکھو، یہ مشقت اٹھا رہے ہیں اور دنیا کی لذتوں سے منہ موڑ رہے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ان کو اس سے ثواب ملے گا۔

المطففین: ۳۱ میں فرمایا: اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو ہنسی خوشی لوٹتے O

وہ اپنے شرک کرنے اور دیگر معصیت کے کام کرنے اور دنیا کی لذتوں کو حاصل کرنے پر خوش ہوتے تھے اور مسلمانوں کی مذمت کر کے مزے لیتے تھے۔

المطففین: ۳۲ میں فرمایا: اور جب وہ (کفار) مؤمنوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ لوگ ضرور گم راہ ہیں O

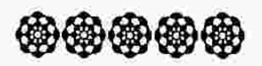
یعنی کفار کے نزدیک مسلمانوں کی گم راہی یہ تھی کہ وہ دنیا کی نقد لذتوں کو چھوڑ کر آخرت کی اُدھار لذتوں کا سودا کر رہے

تھے۔
المطففین: ۳۳ میں فرمایا: حالانکہ یہ (کفار) ان (مؤمنوں) پر نگران نہیں بنائے گئے O
یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو مسلمانوں پر نگران اور محافظ بنا کر نہیں بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے اعمال اور احوال کی نگرانی کرتے رہیں کہ آیا ان کے اعمال حق ہیں یا باطل اور ان پر یہ عیب لگائیں کہ وہ گم راہ ہیں بلکہ ان کافروں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی اصلاح کریں۔
المطففین: ۳۵۔۳۴ میں فرمایا: پس آج مسلمان کافروں پر ہنس رہے ہیں O عزت والی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں O
مسلمانوں کے کفار پر آخرت میں ہنسنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:
(۱) دنیا میں کفار مسلمانوں کی تنگ دستی اور زبوں حالی دیکھ کر ان پر ہنستے تھے اور آخرت میں مسلمان کفار کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر ان پر ہنسیں گے اور اس پر ہنسیں گے کہ کفار نے باقی لذتوں کے بدلہ میں فانی لذتوں کا سودا کر لیا اور ان کو اس تجارت میں خسارا ہوا۔
(۲) کفار دوزخ میں دیکھیں گے کہ دوزخ سے باہر نکلنے کا دروازہ کھل گیا ہے جب وہ دوڑ کر اس دروازے تک پہنچیں گے تو وہ دروازہ بند ہو جائے گا اور مؤمنین جنت میں عزت والی مسندوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے اور یہ منظر دیکھ کر ہنس رہے ہوں گے۔ مؤمنین عزت والی مسندوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے کہ کفار دنیا کی عزت اور تکبر کے بعد آج کتنی ذلت اور رسوائی میں ہیں۔
المطففین: ۳۶ میں فرمایا: کفار کو اپنے کاموں کا کیا بدلہ ملا ہے O
اس آیت میں "ثـــواب" کا لفظ ہے یعنی کفار کو اپنے مذاق اڑانے کا کیسا ثواب ملا ہے اور ان کے بدلہ کو استہزاءً ثواب فرمایا ہے۔

سورۃ المطففین کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۶ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۵ء، بہ روز سنیچر سورۃ المطففین کی تفسیر مکمل ہو گئی، رب العلمین تبیان القرآن کو مکمل فرمادے اور میری مغفرت فرمائے۔

والصلوٰة والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین
والاٰخرین وعلٰی آلہٖ واصحابہ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ الانشقاق

سورت کا نام' وجہ تسمیہ اور دیگر اُمور

اس سورت کا نام الانشقاق ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''انشقت'' کا لفظ ہے' وہ آیت یہ ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۝ (الانشقاق:١) جب آسمان پھٹ جائے گا ۝

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٨٣ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ٨٤ ہے۔

امام ابن ابی شیبہ' امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی' انہوں نے نماز میں '' اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۝ '' کی تلاوت کی اور سجدۂ تلاوت ادا کیا' میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں اس سورت پر سجدہ تلاوت ادا کیا ہے' سو میں ہمیشہ اس سورت پر سجدہ تلاوت ادا کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میں آپ سے جا ملوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٧٦٦' صحیح مسلم رقم الحدیث:٥٧٨' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:١٤٠٨' سنن نسائی رقم الحدیث:٩٦٧)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ '' اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۝ '' اور '' اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ '' میں سجدہ تلاوت ادا کیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:٥٧٨' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:١٤٠٧' سنن ترمذی رقم الحدیث:٥٧٣' سنن نسائی رقم الحدیث:٩٦٦' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:١٠٥٨)

سورۃ التکویر' سورۃ الانفطار' سورۃ المطففین اور سورۃ الانشقاق ان چاروں سورتوں میں قیامت کے دن کی صفات بیان کی گئی ہیں' سورۃ التکویر میں سب سے زیادہ قیامت کی صفات کا ذکر ہے' سورۃ الانفطار میں قیامت کے دن کی ابتدائی صفات کا ذکر فرمایا ہے' سورۃ المطففین میں فجار اور ابرار کے انجام کا زیادہ تذکرہ ہے' سورۃ الانشقاق میں قیامت کے ہولناک اُمور کا ذکر ہے اور نیکوکاروں کے حساب میں آسانی اور بدکاروں کے حساب میں سختی کا ذکر ہے' سورۃ المطففین میں صحیفہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کا ذکر ہے اور سورۃ الانشقاق میں صحیفہ اعمال کے پیش کرنے کا ذکر ہے۔

سورۃ الانشقاق کے مشمولات

☆ الانشقاق:٥۔١ میں دیگر مکی سورتوں کی طرح ضروری عقائد کا ذکر ہے اور قیامت کے دن واقع ہونے والے ہولناک مناظر کا بیان ہے اور اس کی ابتداء قیامت کے دن تکوینی تبدیلیوں سے کی گئی ہے۔

☆ الانشقاق:١٥۔٦ میں بتایا ہے کہ قیامت کے دن جب حساب لیا جائے گا اور انسان کا صحیفہ اعمال پیش کیا جائے گا تو اس کا کیا حال ہوگا اور جب انسان کو دو قسموں میں بانٹ دیا جائے گا' ایک وہ ہوں گے جن کا صحیفہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ

میں ہوگا اور ایک وہ ہوں گے جن کا صحیفہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا۔

☆ الانشقاق: ۱۹۔۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے شفق کی' رات کی اور چاند کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مشرکین سخت ہولناک اُمور کا سامنا کریں گے۔

☆ الانشقاق: ۲۵۔۲۰ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین' کفار' ملحدین اور دہریوں کی ایمان نہ لانے پر مذمت کی ہے اور ان کو درد ناک عذاب سے ڈرایا ہے اور ان مؤمنین کی نجات کی بشارت دی ہے جو اعمالِ صالحہ سے متصف ہیں اور ان کو دائمی اور مستمر ثواب عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے جو کم ہوگا نہ منقطع ہوگا۔

☆ بہرحال یہ سورت دو مقصدوں پر مشتمل ہے: ایک یہ کہ انسان قیامت کے دن اپنے دنیا میں کیے ہوئے اعمال کے نتائج کو حاصل کرے گا اور دوسرا یہ کہ آخرت میں دو ٹھکانے ہیں یا جنات النعیم اور یا دوزخ کی آگ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جنات النعیم عطا فرمائے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ اور مامون رکھے۔ (آمین)

سورۃ الانشقاق کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ کریم کے فیضان پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' رب العلمین! ان مقاصد میں مجھے حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور غلط سے بچانا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۷ شعبان ۱۴۲۶ھ/۱۲ ستمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴



سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا ۱ ، اٰيَاتُهَا ۲۵

سورۃ الانشقاق مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پچیس آیات اور ایک رکوع ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۲ وَاِذَا الْاَرْضُ

جب آسمان پھٹ جائے گاO اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا اور یہی اس پر حق ہےO اور جب زمین پھیلا دی جائے

مُدَّتْ ۝۳ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵

گیO اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گیO اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گی اور یہی

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶

اس پر حق ہےO اے انسان! تو اپنے رب تک پہنچنے کے لیے بہت مشقت کر رہا ہے سو تو اس سے ملنے والا ہےO

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا

سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گاO تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب

يَّسِيْرًا ۝۸ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ

لیا جائے گاO اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گاO اور جس شخص کا صحیفہ اعمال

كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّيَصْلٰى

اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گاO تو وہ عنقریب اپنی موت کو طلب کرے گاO اور بھڑکتی ہوئی آگ

سَعِيْرًا ۝۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ

میں پہنچے گاO بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں بہت خوش تھاO اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں

يَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰۤى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝۱۵ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝۱۶

لوٹے گاO کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا تھاO پس میں شفق کی قسم کھاتا ہوںO

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝۱۷ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝۱۸ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا

اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لےO اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائےO تم ضرور درجہ بہ درجہ



عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ

چڑھو گے ○ تو ان کو کیا ہوا وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟ ○ اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا

الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ السجدۃ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾

جائے تو وہ سجدہ نہیں کرتے ○ بلکہ کفار جھٹلا رہے ہیں ○

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا

اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیں ○ سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے ○

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب آسمان پھٹ جائے گا ○ اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا اور یہی اس پر حق ہے ○ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ○ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی ○ اور اپنے رب کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گی اور یہی اس پر حق ہے ○ (الانشقاق: ۵۔۱)

الانشقاق: ۱ میں آسمان کے پھٹنے کا ذکر ہے یعنی جب آسمان پھٹ جائے گا اور بادلوں سمیت اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور یہ قیامت کی علامات میں سے ہے۔

''اذنت'' کا معنی

الانشقاق: ۲ میں ''اذنت'' کا لفظ ہے علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ نے لکھا ہے: اس کا معنی ہے: کسی بات کو سن کر اس کا علم حاصل کیا جائے۔ (المفردات ج ۱ ص ۱۷ مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ ھ)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ ھ نے فرمایا ہے کہ درج ذیل حدیث میں بھی ''اذن'' کا معنی سنا ہے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ما اذن اللہ لشیء کاذنہ لنبی یتغنی بالقرآن.　　اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو اتنا نہیں سنا جتنا اس نے اپنے نبی سے خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید کو سنا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۲۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۹۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ''وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا'' کا معنی ہے: زمین نے اپنے رب کا حکم سنا۔

قتادہ اور ضحاک نے بیان کیا کہ اس کا معنی ہے: زمین نے اپنے رب کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کی۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۱۴۲۔۱۴۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

الانشقاق: ۴۔۳ میں فرمایا: اور جب زمین پھیلا دی جائے گی ○ اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ باہر ڈال دے گی اور خالی

ہو جائے گیO

زمین کو پھیلانے کے متعلق احادیث

زمین کو کھینچ کر پھیلانے کا ذکران احادیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے قیامت کا تذکرہ کیا' پہلے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سوال کیا تو حضرت ابراہیم کو اس کا علم نہیں تھا' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا' ان کو بھی علم نہ تھا' پھر سب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا' حضرت عیسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت سے پہلے مجھ کو زمین پر نازل فرمائے گا بہرحال قیامت کب آئے گی اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' پھر انہوں نے خروجِ دجال کا ذکر کیا اور فرمایا: میں نازل ہو کر اس کو قتل کروں گا' لوگ اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں گے اور یاجوج ماجوج ہر بلندی سے ان کے سامنے آئیں گے' وہ جس پانی کے پاس سے گزریں گے اس کو پی جائیں گے اور جس چیز کے پاس سے گزریں گے اس کو خراب کر دیں گے' پھر لوگ اللہ سے فریاد کریں گے' پس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے' پھر روئے زمین میں ان کی لاشوں سے بدبو پھیل جائے گی' پھر لوگ اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے' میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا' وہ بارش ان کی لاشوں کو سمندر میں ڈال دے گی' پھر پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور مجھے بتایا گیا کہ جب یہ ہوگا تو قیامت اس طرح اچانک آ جائے گی جس طرح گھر والوں کو پتا نہیں چلتا کہ حاملہ عورت کے کب بچہ ہو جاتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۸۱' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

علی بن حسین بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ زمین کو پھیلا دے گا حتیٰ کہ لوگوں کے لیے صرف اپنے قدموں کی جگہ ہوگی' پس سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا اور جبریل رحمٰن کی دائیں طرف ہوں گے' پس میں کہوں گا: اے میرے رب! بے شک انہوں نے مجھے خبر دی تھی کہ تو نے ان کو میری طرف بھیجا ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ سچ ہے' پھر میں شفاعت کروں گا' پس میں کہوں گا: اے میرے رب! تیرے بندوں نے اطرافِ زمین میں تیری عبادت کی ہے' علی بن حسین نے کہا: یہی مقامِ محمود ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۴۵۱' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مجاہد نے کہا: زمین اپنے مُردوں کو باہر نکال دے گی۔ قتادہ نے کہا: زمین اپنے بوجھ کو باہر نکال کر پھینک دے گی۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۱۴۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی فرماتے ہیں: زمین کی وسعت میں قیامت کے دن اضافہ کیا جائے گا کیونکہ اس دن اس میں تمام مخلوق حساب کے لیے کھڑی ہوگی' اور زمین میں اس دن اضافہ کرنا ضروری ہے خواہ زمین کو پھیلا کر اس میں اضافہ کیا جائے یا زمین کے طول وعرض میں زیادتی کر کے اس میں اضافہ کیا جائے۔

اور اس دن زمین اپنے پیٹ سے تمام مُردوں اور خزانوں کو نکال کر باہر پھینک دے گی اور زمین خالی ہو جائے گی' اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے باطن میں کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔

اس سے پہلے آسمان کے لیے فرمایا تھا کہ وہ اس کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گا اور اب زمین کے لیے فرمایا: وہ اس کا حکم سن کر اس کی اطاعت کرے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے انسان! تو اپنے رب تک پہنچنے کے لیے بہت مشقت کر رہا ہے سو تو اس سے ملنے والا ہے O سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا O اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا O تو وہ عنقریب اپنی موت کو طلب کرے گا O اور بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچے گا O بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں بہت خوش تھا O اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا O کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا تھا O (الانشقاق: ۱۵۔۶)

''کادح'' کا معنی اور آسان حساب کا معنی

اس آیت میں ''کادح'' کا لفظ ہے''کادح'' کا معنی ہے: کوشش کرنے والا اور جدوجہد کرنے والا' اس کے بعد فرمایا ہے: ''الی ربك'' یعنی تو اپنے رب کی طرف بہت کوشش کرنے والا ہے' اس کا معنی ہے:

تو اپنے رب سے ملاقات کے لیے کوشش کر رہا ہے' اور رب سے ملاقات کا معنی ہے: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا۔

اس کے بعد فرمایا: سو تو اس سے ملنے والا ہے یعنی تو اپنے رب کے حکم سے ملاقات کرنے والا ہے یعنی جب تو حساب کے لیے پیش ہوگا۔

الانشقاق: ۹۔۷ میں فرمایا: سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا O

آسان حساب کا معنی یہ ہے کہ اس کے اوپر اس کے اعمال پیش کیے جائیں اور وہ جان لے کہ ان اعمال میں یہ طاعت ہے اور یہ معصیت ہے' پھر اس کو طاعت کے اوپر ثواب دیا جائے اور اس کی معصیت سے درگزر کر لیا جائے تو یہ آسان حساب ہے' اس میں اس شخص پر کوئی سختی ہے نہ اس سے کوئی مناقشہ ہے' اور نہ اس سے یہ کہا جائے گا: تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ تم نے فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ اگر اس سے کوئی عذر پوچھا جائے اور وہ عذر پیش نہ کر سکے تو وہ رسوا ہوگا' پھر جب اس سے یہ آسان حساب لیا جائے گا تو وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا اور وہ ثواب کو حاصل کرنے والا ہوگا اور عذاب سے نجات پانے والا ہوگا اور اس کے اہل سے مراد اس کو ملی ہوئی بڑی آنکھوں والی حوریں' اس کی بیویاں اور اس کی اولاد ہیں' بہ شرطیکہ وہ مؤمن اور اہل جنت سے ہوں۔

آسان حساب کے متعلق احادیث

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی کوئی ایسی بات سنتیں' جس کو انہوں نے نہ سمجھا ہوتا تو وہ اس کے متعلق سوال کرتیں' حتیٰ کہ اس کو سمجھ لیتیں اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص سے حساب لیا گیا' اس کو عذاب دیا گیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا (الانشقاق: ۸) تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O

آپ نے فرمایا: اس سے مراد حساب کو پیش کرنا ہے' لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۷' مسند احمد ج ۶ ص ۴۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نماز میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! مجھ سے آسان حساب لینا' میں نے کہا: یا نبی اللہ! آسان حساب کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے

کے صحیفہ اعمال کو دیکھے اور اس سے درگزر فرمالے اور جس سے اس دن حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا اور مؤمن پر دنیا میں جو بھی مصیبت آتی ہے اللہ عزوجل اس مصیبت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے حتیٰ کہ اسے جو کانٹا چبھتا ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۵۵۔۵۷ شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۷۰۰ صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۳۷۲۔ ۸۴۹ مسند احمد ج ۶ ص ۴۸)

الانشقاق: ۱۲۔۱۰ میں فرمایا: اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا○ تو وہ عنقریب اپنی موت کو طلب کرے گا○ اور بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچے گا○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت اسود بن عبد الاسد کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس کا حکم ہر مومن اور کافر کے متعلق عام ہے وہ اپنا دایاں ہاتھ کتاب کو لینے کے لیے بڑھائے گا تو فرشتہ اس کے بائیں ہاتھ میں کتاب پکڑا کر اس ہاتھ کو موڑ کر اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دے گا' مقاتل نے کہا: اس کے سینہ کی ہڈیوں کو توڑ کر اس کے بائیں ہاتھ کو اس میں باندھا جائے گا' پھر اس کا ہاتھ اس کے پیچھے سے نکال کر اس میں اس کا صحیفہ اعمال پکڑا دیا جائے گا۔

وہ اپنی موت کو طلب کرے گا اور کہے گا: ہائے میرا عذاب! اور ہائے میری موت!

پھر اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

کافر کا دنیا کی خوش حالی کے بعد آخرت کی تنگی کی طرف لوٹنا اور "یحور" کا معنی

الانشقاق: ۱۵۔۱۳ میں فرمایا: بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں بہت خوش تھا○ اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا○ کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا تھا○

دنیا میں اہل جنت غم اور خوف میں مبتلا رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آخرت میں نعمتیں اور خوشی عطا فرمائی۔

جیسا کہ ان آیات میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ○ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ○ (الطور: ۲۷۔۲۶)

(اہل جنت کہیں گے:) ہم اس سے پہلے اپنے اہل کے درمیان بہت ڈرتے رہتے تھے○ سو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہم کو دوزخ کی گرم ہواؤں کے عذاب سے بچا لیا○

اور اہل دوزخ کے متعلق یہ بتایا کہ وہ دنیا میں بہت خوش تھے' پھر ان کو آخرت میں دوزخ کے عذاب میں جھونک دیا گیا۔

الانشقاق: ۱۴ میں "یحور" کا لفظ ہے اس کا مصدر "حور" ہے۔ "حور" کا مشہور معنی سفیدی ہے "الخبز الحواری" کا معنی ہے: سفید روٹی' اور اسی وجہ سے جنت کی گوری خواتین کو قرآن مجید میں حور فرمایا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھے "یَحُوْرَ" کے معنی کا اس وقت تک نہیں پتا چلا حتیٰ کہ میں نے سنا: ایک اعرابی اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا: "حوری ارجعی الی" "اے گوری بچی! میری طرف لوٹ آ" اور اس آیت کا معنی ہے: اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللھم انی اعوذ بك من وعثاء السفر و کابۃ المنقلب والحور بعد الکور۔ الحدیث

اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اور واپسی کے غم سے اور زیادتی کے بعد کمی کی طرف لوٹنے سے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۵۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۵۰۸' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۰۸۰۴)

اس کے بعد فرمایا: کیوں نہیں! بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا تھا○

یعنی جس طرح اس نے گمان کیا ہے' واقع میں اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ ضرور ہماری طرف لوٹ کر آئے گا' بے شک اس کا رب اس کو پیدا کرنے سے پہلے بھی یہ جاننے والا تھا کہ اس نے اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس میں شفق کی قسم کھاتا ہوں O اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لے O اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے O تم ضرور درجہ بہ درجہ چڑھو گے O تو ان کو کیا ہوا وہ کیوں ایمان نہیں لاتے ؟O اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو وہ سجدہ نہیں کرتے O بلکہ کفار جھٹلا رہے ہیں O اور اللہ خوب جاننے والا ہے' جس کو یہ اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیں O سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے O (الانشقاق: ۲۵۔۱۶)

''شفق'' کا معنی

الانشقاق: ۱۶ میں ''شفق'' کا لفظ ہے۔

''شـفـق'' کے معنی میں اختلاف ہے' فقہاء شافعیہ کے نزدیک غروبِ آفتاب کے بعد جو سرخی آسمان کے کناروں میں دکھائی دیتی ہے وہ شفق ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اس سرخی کے غائب ہونے کے بعد جو سفیدی دکھائی دیتی ہے وہ شفق ہے۔

محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

شفق کے مصداق میں علماء کا اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ نے فرمایا: شفق آسمان کے کناروں میں وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے' حضرت ابوبکر' حضرت معاذ' حضرت انس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے' اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ شفق سرخی ہے' اور امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے' یہ حضرت ابن عمر' حضرت شداد بن اوس اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ شفق سرخی ہے۔ (موطأ امام مالک ج ۱ ص ۳۹' سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۶۹) اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب کا آخری وقت وہ ہے جب آسمان کے کناروں میں سیاہی پھیل جائے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۵۷' اسلام آباد)

اور آسمان کے کناروں میں سیاہی اسی وقت پھیلتی ہے جب سفیدی زائل ہو جائے اور امام شافعی نے جو حدیث روایت کی ہے کہ شفق سرخی ہے' وہ دراصل حدیث موقوف ہے۔ (عنایہ مع فتح القدیر ج ۱ ص ۲۲۴۔۲۲۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

الانشقاق: ۱۷ میں فرمایا: اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ سمیٹ لے O

''وسق'' اور ''اتساق'' کا معنی

اس آیت میں ''وسق'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: جمع کرنا' اسی اعتبار سے فقہاء غلہ کے اس پیمانے کو وسق کہتے ہیں' جس میں ساٹھ صاع طعام (غلہ یا اناج) جمع کیا جا سکے (ایک صاع چار کلوگرام کا ہوتا ہے) اور ''وما وسق'' سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں' جن کو رات جمع کر لیتی ہے' جیسے چاند اور ستارے' اور انسانوں' حیوانوں اور حشرات الارض کی حرکات' کام کاج اور انتشار سے سکون کی طرف رجوع کرنا۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد ہے: رات میں انسان جو کام کرتے ہیں' قفال نے کہا: ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد بندوں کا تہجد پڑھنا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمان بندوں کی تحسین فرمائی ہے جو سحری کے وقت اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔

الانشقاق: ۱۸ میں فرمایا: اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے O

اس آیت میں ''اتسق'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کا تام اور مکمل ہونا' اس کے اجزا کا مجتمع ہونا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے: جب چاند مستوی ہو جائے' قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: جب چاند گول ہو جائے۔

الانشقاق: ۱۹ میں فرمایا: تم ضرور درجہ بہ درجہ چڑھو گے O

انسانوں کا مختلف احوال اور منازل میں منتقل ہونا

اس آیت میں عام انسانوں اور کفار سے خطاب ہے اور اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) انسان پہلے مرحلہ میں گندے پانی کا قطرہ تھا' پھر اپنی تخلیق کے مراحل طے کرتا ہوا مکمل انسان بنا' پھر جوان ہوا' پھر ادھیڑ عمر کو پہنچا' پھر بوڑھا ہوا' پھر مر گیا اور قبر میں دفن ہو گیا' پھر برزخ میں آ گیا' پھر حشر میں پہنچا' پھر اپنے ایمان اور اعمال کے اعتبار سے جنت میں گیا یا دوزخ میں جھونک دیا گیا' یوں انسان متعدد اُمور اور احوال میں منتقل ہوتا رہا' ایک امر کے بعد دوسرے امر کی طرف اور ایک حال کے بعد دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا رہا اور ایک منزل کے بعد دوسری منزل میں پہنچتا رہا اور پھر اس کو دارِ ثواب یا دارِ عذاب میں خلود اور دوام حاصل ہو گیا۔

(۲) لوگ قیامت کے دن مختلف احوال اور شدائد کی طرف منتقل ہوتے رہیں گے' ایک شدت سے دوسری شدت کی طرف اور ایک ہول سے دوسرے ہول کی طرف' گویا کہ جب لوگوں نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور قیامت اور حشر کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے رات کی اور چاند کی قسم کھا کر فرمایا: قیامت ضرور واقع ہو گی اور تم ضرور میدانِ حشر میں جمع کیے جاؤ گے اور حشر کے ہولناک مناظر اور شدتوں کا سامنا کرو گے' حتیٰ کہ تمہارے حساب اور کتاب کے بعد تم کو جنت یا دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ (التغابن: ۷)

آپ کہیے: کیوں نہیں اور میرے رب کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے' پھر تم کو تمہارے اعمال کی خبر دی جائے گی۔

(۳) قیامت کے دن لوگ دنیاوی احوال کے برعکس احوال میں منتقل ہوتے رہیں گے' جو شخص دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا تھا وہ آخرت میں عزت اور وجاہت والا ہو گا اور جو دنیا میں عزت اور وجاہت والا تھا وہ آخرت میں ذلیل اور حقیر ہو گا' جو دنیا میں عیش و عشرت میں تھے وہ آخرت میں تنگ دست اور قلاش ہوں گے اور جو دنیا میں تہی دست اور قلاش تھے وہ آخرت میں نعمتوں میں ہوں گے' قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ (الواقعہ: ۳)

وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہے O

اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو یہ بلند کرنے والی ہے اور فساق فجار اور کفار کو یہ پست کرنے والی ہے' دنیا میں اہل ایمان ضعیف اور حقیر سمجھے جاتے تھے' وہ آخرت میں قوی اور معزز ہوں گے اور کفار دنیا میں قوی اور معزز سمجھے جاتے تھے' وہ آخرت میں ضعیف اور حقیر ہوں گے' اور اس سورت کی اس سے پہلے والی آیات کا بھی یہی مضمون ہے' ان آیات میں فرمایا ہے:

سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O اور وہ اپنے اہل کی طرف خوشی خوشی لوٹے گا O اور جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا O تو وہ عنقریب اپنی موت کو طلب کرے گا O اور بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچے گا O بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں بہت خوش تھا O اس کا گمان تھا کہ وہ اللہ کی طرف نہیں لوٹے گا O (الانشقاق: ۱۴۔۷)

(۴) تم لوگ ضرور اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقہ پر چلو گے‘ جس طرح وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت کی تکذیب کرتے تھے‘ اسی طرح تم بھی تکذیب کرو گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بہ درجہ ترقی کرنا

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اس اعتبار سے اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشرکین اور منکرین قیامت پر فتح اور غلبہ کی بشارت ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے رات اور چاند کی قسم کھا کر فرمایا: اے رسول مکرم! ہم آپ کو ایک حالت سے دوسری حالت تک سوار کرتے رہیں گے اور آپ کو تدریجاً غلبہ اور فتح سے ہم کنار کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ اپنے مقصد میں سرخ رُو ہو جائیں گے۔

(۲) ابتداء میں آپ پر فقر‘ شدت اور خوف کا جو حال تھا‘ بعد میں ہم آپ کو اس حال سے خوش حالی‘ عافیت اور امن کے حال کی طرف منتقل کر دیں گے۔

(۳) ابتداء میں جو مشرکین آپ کے مخالف تھے ہم بعد میں ان کو آپ کے حامی اور انصار بنا دیں گے۔

(۴) ہم آپ کو زمین کے طبقات سے آسمان کے طبقات پر سوار کریں گے تا کہ آپ ہماری نشانیوں کا مشاہدہ کریں اور جنت اور دوزخ کو ملاحظہ کریں۔

(۵) آپ درجہ بہ درجہ بلند منازل اور رفیع مراتب پر سوار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات کو حاصل کرتے رہیں گے۔

ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں سوار ہونے کے متعلق احادیث اور اقوالِ مفسرین

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقہ کی اتباع کرو گے‘ بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ‘ حتیٰ کہ اگر پہلے لوگ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے تھے تو تم بھی داخل ہو گے‘ ہم نے پوچھا: یارسول اللہ! یہود و نصاریٰ کے طریقہ پر؟ آپ نے فرمایا: اور کس کے!

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۶‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۶۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت پر وہ احوال اور افعال ضرور طاری ہوں گے جو بنی اسرائیل پر طاری ہوئے تھے‘ برابر سرابر‘ حتیٰ کہ ان میں سے اگر کسی نے اپنی ماں کے ساتھ برسرِ عام بدکاری کی تو میری امت میں بھی کچھ لوگ ایسا کریں گے۔ الحدیث (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۴۱‘ المستدرک ج ۱ ص ۱۲۹)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے ”لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝“ (الانشقاق: ۱۹) کی تفسیر میں مکحول سے روایت کیا ہے کہ ہر بیس سال بعد تم میں وہ کیفیات ہوں گی جو تم میں پہلے نہیں تھیں۔

امام عبد بن حمید نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ لوگوں کے احوال بدلتے رہیں گے‘ وہ پہلے تنگ دست ہوں گے‘ پھر خوش حال ہو جائیں گے اور پہلے خوش حال ہوں گے پھر تنگ دست ہو جائیں گے۔

امام ابن المنذر نے سعید بن جبیر سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جو لوگ دنیا میں گھٹیا اور پست سمجھے جاتے تھے‘ وہ آخرت میں معزز ہوں گے اور جو لوگ دنیا میں معزز تھے وہ آخرت میں حقیر ہوں گے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۲۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

الانشقاق: ۲۰ میں فرمایا: تو ان کو کیا ہوا وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟O

یہ کفار قیامت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر ایمان کیوں نہیں لاتے حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہے اور کفار کے شبہات زائل کیے جا چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر بتایا ہے کہ افلاک اور عناصر میں تغیرات واقع ہو رہے ہیں' شفق کے ظہور سے پہلے دن کی روشنی ہوتی ہے اور اس کے بعد رات کا اندھیرا چھا جاتا ہے اور رات کی ظلمت سے پہلے دن کا نور ہوتا ہے اور چاند کی جسامت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ افلاک اور عناصر میں تغیر کرنے پر قادر ہے تو وہ تمام مخلوق میں تغیر کرنے پر قادر ہے تو وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ قیامت قائم کر کے سب کو فنا کر دے اور پھر دوبارہ سب کو زندہ کر دے' پھر مشرکین اس پر کیوں ایمان نہیں لاتے!

الانشقاق: ۲۱ میں فرمایا: اور جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو وہ سجدہ نہیں کرتےO

اگر انسان بہ غور قرآن مجید کو سنے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کلام فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور جب قرآن مجید معجز کلام ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا صدق واجب ہے' لہٰذا آپ کے احکام کی اطاعت کرنا واجب ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو بعید قرار دیا کہ کفار قرآن مجید کو سن کر سجدہ نہیں کرتے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ روایت ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْO'' (العلق: ۱۹) سجدہ کر اور اللہ کے قریب ہو' پھر آپ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مؤمنین نے سجدہ کیا' اور کفار اپنے سروں کے اوپر تالیاں بجاتے رہے' تب یہ آیت نازل ہوئی کہ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جائے تو یہ سجدہ نہیں کرتے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے سجدہ تلاوت کے وجوب پر دو وجہ سے استدلال کیا ہے' اوّل اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی اتباع کو واجب قرار دیا' فرمایا:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ. (الاعراف: ۱۵۸)

پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کرو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو قرآن مجید سن کر سجدۂ تلاوت ادا نہیں کرتے' اور جب کسی فعل کے ترک پر مذمت کی جائے تو اس فعل کا کرنا واجب ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۰۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الانشقاق: ۲۲ میں فرمایا: بلکہ کفار جھٹلا رہے ہیںO

یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے دلائل بالکل واضح ہیں لیکن کفار اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کی وجہ سے اور ضد اور عناد کی وجہ سے ان دلائل کو جھٹلا رہے ہیں۔

الانشقاق: ۲۳ میں فرمایا: اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو یہ اپنے دلوں میں رکھے ہوئے ہیںO

اس آیت میں ''یوعون'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''الوعا'' ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو جمع کر کے تھیلی میں رکھنا' قرآن مجید میں ہے:

وَجَمَعَ فَاَوْعٰىO (المعارج: ۱۸)

اس نے جمع کیا اور سنبھال کر رکھاO

انہوں نے اپنے دلوں میں جو شرک اور تکذیب کو جمع کر کے رکھا ہوا ہے' اللہ کو اس کا خوب علم ہے اور وہ ان کو اس کی دنیا

میں اور آخرت میں سزا دینے والا ہے۔

الانشقاق: ۲۴ میں فرمایا: سو آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے O

یعنی یہ کفار اپنے شرک اور تکذیب کی وجہ سے اس بشارت کے مستحق ہیں۔

الانشقاق: ۲۵ میں فرمایا: سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے O

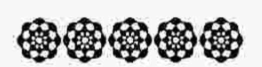
اس کا معنی یہ ہے کہ ان کفار میں سے جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے' ان کو عظیم ثواب ہوگا۔

اس آیت میں ''غیر ممنون'' کا لفظ ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ ان کو جو ثواب ملے گا اس پر نہ کوئی احسان رکھا جائے گا اور نہ طعنہ دے کر ان کو اذیت پہنچائی جائے گی' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ ثواب نہ کبھی ختم ہوگا نہ کبھی کم ہوگا اور یہ عبادات کی ترغیب میں بہت عظیم بشارت ہے' جیسا کہ اس سے پہلی آیتوں میں کفر اور معصیت سے بہت زیادہ زجر و توبیخ کی گئی ہے۔

سورۃ الانشقاق کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۰ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۵ ستمبر ۲۰۰۵ء' بہ روز جمعرات سورۃ الانشقاق کی تفسیر مکمل ہو گئی' رب العلمین! اس تفسیر کو مکمل کرا دینا اور اس کو قیامت تک کے لیے فیض آفریں اور مقبول بنا دینا اور محض اپنے فضل و کرم سے میری مغفرت فرما دینا۔

والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلٰی آلہٖ
واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ البروج

سورت کا نام' وجہِ تسمیہ اور دیگر اُمور

اس سورت کا نام البروج ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے البروج والے آسمان کی قسم کھائی ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ (البروج:۱) برجوں والے آسمان کی قسم!○

(۱) یہ سورت اس سے پہلی سورتوں کے ساتھ اس چیز میں مشابہ ہے کہ ان چاروں سورتوں میں آسمان کے ذکر سے ابتداء کی گئی ہے' وہ سورتیں یہ ہیں: الانفطار' الانشقاق' البروج اور الطارق' الانفطار اور الانشقاق' البروج سے پہلے ہیں اور الطارق' البروج کے بعد ہے۔

(۲) ان دونوں سورتوں میں مؤمنین کے لیے بشارت اور کفار کے لیے وعید ہے اور قرآن مجید کی تعظیم ہے۔

(۳) اس سے پہلی سورت میں یہ بتایا تھا کہ مشرکین نے اپنے سینوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کے خلاف جو بغض اور عناد چھپایا ہوا ہے' اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور اس سورت میں یہ بتایا کہ اس سے پہلی امتوں کے کافروں کا بھی یہی طریقہ تھا' اس میں مشرکین کے لیے نصیحت ہے اور مؤمنوں کے دلوں کو مطمئن اور مضبوط رکھنا ہے۔

سورۃ البروج کے مشمولات

☆ البروج:۹۔۱ میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی' قیامت کے دن کی' اور اپنی امتوں پر گواہی دینے والے نبیوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے: وہ ایک ایندھن والی آگ تھی جس نے مؤمنوں اور مؤمنات کو جلا ڈالا تھا تا کہ انہیں ان کے دین کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کیا جائے۔

☆ البروج:۱۱۔۱۰ میں ان سرکش کافروں کے لیے دوزخ کے عذاب کی وعید ہے اور مؤمنین کے لیے جنتوں کی بشارت ہے۔

☆ البروج:۲۲۔۱۲ میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی عظمت بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے اعداء سے اس کے انتقام لینے کی قدرت بیان فرمائی ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۷ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸۵ ہے۔

سورۃ البروج کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں ''والسماء ذات البروج''

اور ''والسماء والطارق'' کی تلاوت کرتے تھے۔(مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عشاء کی نماز میں ان سورتوں کی تلاوت کی جائے جن کے شروع میں ''والسماء'' کا ذکر ہے۔(مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۷)

حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں ''والسماء والطارق'' اور ''والسماء ذات البروج'' پڑھتے تھے۔(مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۳)

سورۃ البروج سے مقصود

اس سورت کو نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو تسلی دی جائے کہ وہ کفار کی ایذا رسانیوں سے ہراساں اور پریشان نہ ہوں' کیونکہ سابقہ امتوں کے کفار بھی کفارِ مکہ کی طرح تھے' وہ نبیوں اور لوگوں کو ایذا پہنچاتے تھے جیسے ثمود' نمرود اور فرعون تھے' اور نجران یمن میں ایک ظالم بادشاہ تھا' جس نے ایک نیک لڑکے کو ہلاک کروا دیا اور جو لوگ اس بادشاہ کی خدائی پر ایمان نہیں لائے ان کو زندہ آگ میں جلوا دیا۔اس کا مفصل قصہ ان شاء اللہ! ہم البروج ۸۔۴ کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

سورۃ البروج کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔رب العٰلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۱ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۶ ستمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴





سورۃ البروج مکیۃ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — آیاتہا ۲۲ رکوعہا ۱

سورۃ البروج مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بائیس آیات اور ایک رکوع ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② وَشَاهِدٍ وَّ

برجوں والے آسمان کی قسم ○ اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا ہوا ہے ○ اور حاضر کی (قسم) اور

مَشْهُوْدٍ ③ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ④ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ⑤

جس کو حاضر کیا جائے گا ○ خندقوں والے ہلاک کیے جائیں ○ بھڑکتی ہوئی آگ والے ○

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ⑥ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

جب وہ ان کے کنارے بیٹھے تھے ○ اور وہ مومنوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس کا مشاہدہ

شُهُوْدٌ ⑦ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ

کر رہے تھے ○ اور ان کو ان مومنوں کی صرف یہ بات ناگوار گزری کہ وہ اللہ پر ایمان لائے جو غالب،

الْحَمِيْدِ ⑧ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

حمد کیا ہوا ہے ○ جس کی آسمانوں اور زمینوں میں حکومت ہے، اور اللہ ہر

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

چیز پر نگہبان ہے ○ بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو (آگ کی)

ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ⑩

مصیبت میں ڈالا، پھر انہوں نے توبہ نہیں کی ان کے لیے دوزخ کا (عام) عذاب اور (خصوصاً) جلنے کا عذاب ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ⑪ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ

جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ○ بے شک آپ کے رب کی گرفت بہت

لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾

سخت ہے O بے شک وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا O وہی بہت بخشنے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہے O

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰىكَ

عظمت والے عرش کا مالک ہے O جس کام کا ارادہ کرے اس کو کرنے والا ہے O کیا آپ کے پاس

حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

لشکروں کی خبر پہنچی؟ O فرعون اور ثمود کی O بلکہ کفار تکذیب

فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ

کے درپے ہیں O اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے O بلکہ قرآن

قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

ع ۱ / ۲۲ / ۱۰

بہت عظمت والا ہے O لوحِ محفوظ میں (مکتوب) ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: برجوں والے آسمان کی قسم O اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا ہوا ہے O اور حاضر کی اور جس کو حاضر کیا جائے گا O (البروج: ۳۔۱)

البروج: ۱ میں اللہ تعالیٰ نے برجوں والے آسمان کی قسم کھائی "بروج" "برج" کی جمع ہے اور اس کا معنی درج ذیل ہے:

"بروج" کا لغوی اور اصطلاحی معنی

"بروج" "برج" کی جمع ہے۔ اس کے معنی بلند عمارت اور محل ہیں۔ گنبد اور ستارے کے مقام کو کہتے ہیں۔ آسمان کا بارہواں حصہ جو رصد گاہوں سے دکھائی دیتا ہے' اس کو برج کہتے ہیں۔ علماء ہیئت کہتے ہیں کہ آسمان نو ہیں۔ سات آسمانوں میں سے ہر آسمان میں ایک سیارہ ہے۔ سات سیارگان یہ ہیں: قمر' زحل' عطارد' شمس' مشتری' مریخ اور زہرہ اور آٹھویں آسمان میں وہ ستارے ہیں جو ثابت ہیں (یعنی گردش نہیں کرتے) اور نویں آسمان کو وہ فلک اطلس کہتے ہیں' وہ سادہ ہے' اور آٹھویں آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے جو مختلف شکلیں بنتی ہیں' وہ اس نویں آسمان میں نظر آتی ہیں جن کو رصد گاہوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہیں یہ شکل شیر کی سی بن جاتی ہے' اس کو برج اسد کہتے ہیں اور کہیں ترازو کی سی شکل بنتی ہے' اس کو برج میزان کہتے ہیں اور کہیں یہ شکل بچھو کی سی بنتی ہے' اس کو برج عقرب کہتے ہیں۔ یہ کل بارہ برج ہیں' حمل' ثور' جوزا' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو اور حوت۔ سورج ہر ماہ میں ایک برج کی مسافت کو طے کرتا ہے اور ایک سال میں بارہ بروج کی مسافت قطع کرتا ہے۔ گرمی' سردی' بہار اور خزاں' یہ چاروں موسم سورج کی اسی حرکت سے وجود میں آتے ہیں۔

(روح المعانی جز ۱۴ ص ۳۳۔۳۲ ملخصاً وموضحاً)

ترقی اردو بورڈ کی مرتب کردہ لغت میں لکھا ہے:

سیارہ کا دائرہ گردش جسے اس کا گھر' مقام یا منزل کہتے ہیں' آسمانی دائرہ کے بارہ حصوں میں سے ہر ایک راس ہے۔ قدیم ہیئت دانوں نے ستاروں کے مقامات سمجھنے کے لیے منطقہ یا راس منڈل (فضا) کے بارہ حصے کیے ہیں۔ ہر حصہ میں جو ستارے واقع ہیں ان کی اجتماعی صورت سے جو شکل بنتی ہے' اس حصہ کا نام اسی شکل پر رکھ دیا گیا ہے' مثلاً چند ستارے مل کر شیر کی سی شکل بناتے ہیں' اس حصہ کا نام برج اسد رکھ لیا گیا ہے۔ (اُردو لغت ج ۲ ص ۹۹۵' مطبوعہ محیط اُردو پریس' کراچی)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

اہل عرب ستاروں اور بروج کے علم کو بہت عظیم علوم میں سے شمار کرتے تھے اور ان سے راستوں' اوقات اور ان سے خشک سالی اور فصل کی سرسبزی اور زرخیزی پر استدلال کرتے تھے۔ مریخ کا برج الحمل اور العقرب ہے اور زہرہ کا برج الثور اور المیزان ہے اور عطارد کا برج الجوزاء اور السنبلہ ہے اور القمر کا برج السرطان ہے اور الشمس کا برج الاسد ہے اور مشتری کا برج القوس اور الحوت ہے اور زحل کا برج الجدی اور الدلو ہے۔ (تفسیر منیر ج ۳۰ ص ۱۴۰' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۱ھ)

''بروج'' کے مصادیق میں اقوالِ مفسرین

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں:

کسی عمارت کو مضبوط بنانے کے لیے اس کی ایک طرف پر جو گنبد بنایا جاتا ہے اس کو برج کہتے ہیں' اور بعض نے کہا: برج کا معنی محل ہے اور بعض نے کہا: برج کا معنی ستارے ہیں اور بعض نے کہا: یہ سورج' چاند اور ستاروں کی گزرگاہ ہیں اور ان کی منازل بروج ہیں۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۲۴' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

بروج کی تفسیر میں تین اقوال ہیں:

(۱) یہ مشہور بارہ برج ہیں' ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان میں بہت عجیب حکمت ہے کیونکہ ان بروج میں سورج حرکت اور دورہ کرتا ہے اور اس جہان کے فوائد سورج کے دورہ پر موقوف ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان بروج کا خالق زبردست حکیم ہے۔

(۲) بروج چاند کی منازل ہیں اور ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان بروج میں چاند دورہ کرتا ہے اور چاند کی حرکت سے آثارِ عجیبہ وجود میں آتے ہیں۔

(۳) بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں اور ان کو ان کے ظہور کی وجہ سے بروج فرمایا ہے کیونکہ بروج کا لغوی معنی ہے: ظہور۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۰۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں: بروج کے متعلق چار قول ہیں:

(۱) الحسن' قتادہ' مجاہد اور ضحاک نے کہا: بروج سے مراد ستارے ہیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' عکرمہ اور مجاہد نے کہا: بروج سے مراد محلات یا قلعے ہیں' عکرمہ نے کہا: یہ محل آسمان میں ہیں' مجاہد نے کہا: بروج میں محافظ ہیں۔

(۳) المنہال بن عمرو نے کہا: وہ کوئی خوب صورت مخلوق ہے۔

(۴) ابوعبیدہ اور یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ منازل ہیں' اور یہ بارہ برج ہیں جو ستاروں' سورج اور چاند کی منازل ہیں' قمر ہر برج میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا رہتا ہے اور یہ اٹھائیس دن ہیں اور دو راتیں چھپا رہتا ہے اور سورج ہر برج میں ایک ماہ

چلتا رہتا ہے' اور ان بارہ برجوں کے یہ اسماء ہیں: (١) الحمل (٢) الثور (٣) الجوزاء (٤) السرطان (٥) الاسد (٦) السنبلۃ (٧) المیزان (٨) العقرب (٩) القوس (١٠) الجدی (١١) الدلو (١٢) الحوت۔

کلام عرب میں ''البروج'' کا معنی ہے: ''القصور'' یعنی محلات یا قلعے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ١٩ ص ٢٤٤' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

بارہ برجوں کے معانی

(١) الحمل کا معنی ہے: بکری کا بچہ' موسم بہار کے برجوں میں سے ایک برج (٢) ثور کا معنی ہے: بیل (٣) الجوزاء کا معنی ہے: سیاہ بکری جس کے درمیان میں سفیدی ہو (٤) السرطان کا معنی ہے: کیکڑا' ایسا پھوڑا جس کی رگیں کیکڑے کے پاؤں کی طرح دکھائی دیتی ہیں' کینسر (٥) الاسد کا معنی ہے: شیر (٦) السنبلہ کا معنی ہے: گندم کا خوشا یا گچھا (٧) المیزان کا معنی ہے: ترازو (٨) العقرب کا معنی ہے: بچھو (٩) القوس کا معنی ہے: کمان (١٠) الجدی کا معنی ہے: پہلے سال کا بکری کا بچہ یہ برج الدلو کے متصل ہے (١١) الدلو کا معنی ہے: ڈول (١٢) الحوت کا معنی ہے: مچھلی۔

یعنی آسمان پر بعض جگہ ستاروں کے اجتماع سے بکری کے بچہ کی شکل بن جاتی ہے' کہیں بیل کی شکل بن جاتی ہے' کہیں بکری کی شکل بن جاتی ہے اور کہیں کیکڑے کی شکل بن جاتی ہے' علیٰ ہذا القیاس' یہ شکلیں رصدگاہ میں قوی دوربین سے نظر آتی ہیں' علماء ہیئت نے اپنی آسانی کے لیے ان شکلوں کے یہ نام رکھ لیے ہیں۔

الحمل اور العقرب مریخ کی منزل ہے' الثور اور المیزان زہرہ کی منزل ہے' الجوزاء اور السنبلہ عطارد کی منزل ہے' السرطان قمر کی منزل ہے' الاسد شمس کی منزل ہے' القوس اور الحوت مشتری کی منزل ہے اور الجدی اور الدلو زحل کی منزل ہے۔

(معالم التنزیل ج ٣ ص ٤٥٤' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢٠ھ)

ستاروں کی بروج میں انگریزی مہینوں کے اعتبار سے گردش

ماہرین علم نجوم کے اعتبار سے درج ذیل مہینوں میں ستارے ان بروج میں گردش کرتے ہیں' تاہم یہ کوئی شرعی اور حتمی چیز نہیں ہے:

(١) اپریل: الحمل	ARIES	(٢) مئی: الثور	TAURUS
(٣) جون: الجوزاء	GEMINI	(٤) جولائی: السرطان	CANCER
(٥) اگست: الاسد	LEO	(٦) ستمبر: السنبلہ	VIRGO
(٧) اکتوبر: المیزان	LIBRA	(٨) نومبر: العقرب	SCORPIO
(٩) دسمبر: القوس	SAGITTARIUS	(١٠) جنوری: الجدی	CAPRICORN
(١١) فروری: الدلو	AQUARIUS	(١٢) مارچ: الحوت	PISCES

البروج: ٢ میں فرمایا: اور اس دن کی (قسم) جس کا وعدہ کیا ہوا ہے O

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے' آسمان والوں اور زمین والوں سے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ قیامت کے دن ان سب کو جمع کیا جائے گا۔

البروج: ٣ میں فرمایا: اور حاضر کی (قسم) اور جس کو حاضر کیا جائے گا O

''شاھد'' اور ''مشھود'' کے مصادیق کا قرآن مجید' احادیث اور آثار سے تعین

اس آیت میں ''شاھد'' کا لفظ ہے' جس کا معنی ہے: حاضر اور ''مشھود'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: جس کو حاضر کیا گیا ہو۔

''شاھد'' اور ''مشھود'' کے مصداق میں اختلاف ہے' حضرت علی' حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''شاھد'' سے مراد جمعہ کا دن ہے اور ''مشھود'' سے مراد عرفہ کا دن ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن کا وعدہ کیا ہوا ہے وہ قیامت کا دن ہے اور ''یومِ مشھود'' یومِ عرفہ ہے اور ''شاھد'' یوم جمعہ ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۳۹' المستدرک ج ۲ ص ۵۱۹)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دن اور ہر رات شاہد ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو دن بھی بندے پر گزرتا ہے وہ اس سے ندا کر کے یہ کہتا ہے: اے ابن آدم! میں نو پیدا شدہ ہوں اور آج تم مجھ میں جو بھی عمل کرو گے میں اس پر شہید (گواہ) ہوں' سو تم مجھ میں نیک کام کرو کل میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا' سو اگر میں گزر گیا تو پھر تم مجھے کبھی نہیں دیکھو گے اور رات بھی آنے کے بعد اسی طرح ندا کرتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۰۳' دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۱۶۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ''شاھد'' سے مراد اللہ تعالیٰ ہے' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (النساء: ۷۹) — اور اللہ کافی شاہد (گواہ) ہے ۝

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ (الانعام: ۱۹) — آپ کہیے کہ سب سے بڑی شہادت کس کی ہے؟ آپ کہیے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ شہید (گواہ) ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اور قول یہ ہے کہ ''شاھد'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء: ۴۱) — (اے رسول مکرم!) اس وقت آپ کی کیا شان ہو گی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر شہید (گواہ) بنائیں گے ۝

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۴۵) — اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے اور ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا ۝

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ: ۱۴۳) — اور رسول تم پر گواہ ہوں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں پر شاہد ہوں گے' اور ان کی امت مشھود ہو گی:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ (النساء: ۴۱) — اس وقت آپ کی کیا شان ہو گی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ انسان کے اعضاء اس کے اوپر شاہد ہیں:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النور: ٢٤)

جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے تھے ○

انسان کا مال بھی اس کے خلاف شاہد ہوگا' جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے اور وہ مسلمان کیسا اچھا ہے جو اس مال سے مسکین کو' یتیم کو اور مسافر کو دیتا ہے یا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس مال کو ناحق طریقہ سے لیتا ہے وہ اس شخص کی مثل ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور وہ مال اس شخص کے خلاف گواہ ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٦٥' صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٥٢' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ٦٤٢٧' مسند احمد ج ٣ ص ٩١)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا دن مشہود ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بہ کثرت صلوٰۃ (درود) پڑھا کرو کیونکہ یہ دن مشہود ہے' اس دن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١٦٣٧)

ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام شاہد ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشہود ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں تمام انبیاء علیہم السلام سے فرمایا:

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (آل عمران: ٨١)

فرمایا: پس تم سب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر) گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خندقوں والے ہلاک کیے جائیں ○ بھڑکتی ہوئی آگ والے ○ جب وہ ان کے کنارے بیٹھے تھے ○ اور وہ مؤمنون کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس کا مشاہدہ کر رہے تھے ○ (البروج: ٧-٤)

''اخدود'' کا معنی

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آسمان کی' قیامت کے دن کی اور شاہد اور مشہود کی قسم کھائی ہے' اس کا جواب محذوف ہے یعنی ان چیزوں کی قسم! تم ضرور قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے جاؤ گے۔

البروج: ٤ میں ''اخدود'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: زمین میں لمبا چوڑا گڑھا جیسے خندق' اس کی جمع ''اخادید'' ہے۔

البروج: ٥ کا معنی ہے: اس خندق میں ایندھن ڈال کر آگ بھڑکائی گئی۔

البروج: ٦ کا معنی ہے: جن لوگوں نے اس خندق میں آگ بھڑکائی تھی وہ اس خندق کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور اس میں مؤمنوں کو ڈال رہے تھے۔

نجران یمن کے شمال میں ایک شہر ہے' جو نجران بن زیدان کی طرف منسوب تھا' اس شہر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان زمانہ فترت میں یہ واقعہ پیش آیا' اس واقعہ کو امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ ھ نے اس طرح روایت کیا ہے:

اصحابِ اخدود کے واقعہ کی تفصیل میں صحیح حدیث

امام مسلم بن حجاج قشیری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا اور اس کا ایک جادوگر تھا' جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں' آپ میرے

پاس کوئی لڑکا بھیج دیجئے' میں اس کو جادو کی تعلیم دے دوں' بادشاہ نے اس کے پاس جادو سیکھنے کے لیے ایک لڑکا بھیج دیا' جب وہ جاتا تو اس کے راستے میں ایک راہب پڑتا تھا' وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی باتیں سنتا تھا اور اسے اس کی باتیں اچھی لگتی تھیں اور جب وہ جادوگر کے پاس پہنچتا تو (تاخیر کے سبب) جادوگر اس کو مارتا' لڑکے نے راہب سے اس کی شکایت کی' راہب نے اس سے کہا: جب تم کو ساحر سے خوف ہو تو کہہ دینا کہ گھر والوں نے مجھے روک لیا تھا اور جب گھر والوں سے خوف ہو تو کہہ دینا ساحر نے مجھے روک لیا تھا' یہ سلسلہ یونہی تھا کہ اسی اثناء میں ایک بڑے درندے نے لوگوں کا راستہ بند کر لیا' لڑکے نے سوچا کہ آج میں آزماؤں گا کہ آیا ساحر افضل ہے یا راہب؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا: اے اللہ! اگر تجھ کو راہب کے کام ساحر سے زیادہ پسند ہیں تو اس جانور کو قتل کر دے تاکہ لوگ گزرنے لگیں' اس نے پتھر مار کر اس جانور کو قتل کر ڈالا اور لوگ گزرنے لگے' پھر اس نے راہب کے پاس جا کر اس کو خبر دی' راہب نے اس سے کہا: اے بیٹے! آج تم مجھ سے افضل ہو گئے ہو' تمہارا مرتبہ وہاں تک پہنچ گیا جس کو میں دیکھ رہا ہوں' عنقریب تم مصیبت میں گرفتار ہو گے' جب تم مصیبت میں گرفتار ہو تو کسی کو میرا پتا نہ دینا' یہ لڑکا مادرزاد اندھے اور برص والے کو ٹھیک کر دیتا تھا' اور لوگوں کی تمام بیماریوں کا علاج کرتا تھا' بادشاہ کا ایک مصاحب اندھا تھا' اس نے یہ خبر سنی تو وہ اس کے پاس بہت سے ہدیے لے کر آیا' اور کہا: اگر تم نے مجھے شفا دے دی تو میں یہ سب چیزیں تم کو دے دوں گا' لڑکے نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا' شفا تو اللہ دیتا ہے' اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ گے تو میں اللہ سے دعا کروں گا' اللہ تم کو شفا دے گا' وہ اللہ پر ایمان لے آیا اور اللہ نے اس کو شفا دے دی' وہ بادشاہ کے پاس گیا اور پہلے کی طرح اس کے پاس بیٹھا' بادشاہ نے اس سے پوچھا: تمہاری بینائی کس نے لوٹائی؟ اس نے کہا: میرے رب نے' بادشاہ نے کہا: کیا میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے کہا: میرا اور تمہارا رب اللہ ہے' بادشاہ نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس وقت تک اس کو اذیت دیتا رہا جب تک کہ اس نے اس لڑکے کا پتا نہ بتا دیا' پھر اس لڑکے کو لایا گیا' بادشاہ نے اس سے کہا: اے بیٹے! تمہارا جادو یہاں تک پہنچ گیا کہ تم مادرزاد اندھوں کو ٹھیک کرتے ہو' برص والوں کو تندرست کرتے ہو اور بہت کچھ کرتے ہو' اس لڑکے نے کہا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا' شفا تو صرف اللہ دیتا ہے' بادشاہ نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس کو اس وقت تک اذیت دیتا رہا جب تک کہ اس نے راہب کا پتا نہ بتا دیا' پھر راہب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ' راہب نے انکار کیا' اس نے آرا منگوایا اور اس کے سر کے درمیان میں رکھا اور اس کو چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے' پھر اس مصاحب کو بلایا اور اس سے کہا کہ اپنے دین سے پھر جاؤ' اس نے انکار کیا' اس نے اس کے سر پر بھی آرا رکھا اور چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے' پھر اس لڑکے کو بلایا' اور اس سے کہا اپنے دین سے پھر جاؤ' اس لڑکے نے انکار کیا' بادشاہ نے اس لڑکے کو چند اصحاب کے حوالے کیا اور کہا: اس لڑکے کو فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ' اس کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھو' اگر یہ اپنے دین سے پلٹ جائے تو فبہا ورنہ اس کو اس چوٹی سے پھینک دینا' وہ لوگ اس لڑکے کو لے گئے اور پہاڑ پر چڑھ گئے' اس لڑکے نے دعا کی: اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے ان سے بچا لے' اسی وقت ایک زلزلہ آیا اور وہ سب پہاڑ پر سے گر گئے' وہ لڑکا بادشاہ کے پاس چلا گیا' بادشاہ نے پوچھا: جو تمہارے ساتھ گئے تھے ان کا کیا ہوا؟ اس نے کہا: اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا' بادشاہ نے اس کو پھر اپنے چند اصحاب کے حوالے کیا اور کہا: اس کو ایک کشتی میں سوار کرو' جب کشتی سمندر کے وسط میں پہنچ جائے تو اگر یہ اپنے دین سے لوٹ آئے تو فبہا ورنہ اس کو سمندر میں پھینک دینا' وہ لوگ اس کو لے گئے' اس نے دعا کی: اے اللہ! تو جس طرح چاہے مجھے ان سے بچا لینا' وہ کشتی فوراً الٹ گئی' وہ سب غرق ہو گئے' اور وہ لڑکا بادشاہ کے پاس چلا گیا' بادشاہ نے اس سے پوچھا: تمہارے ساتھ جو گئے تھے ان کا کیا ہوا؟ اس نے کہا: اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا' پھر اس نے بادشاہ سے کہا: تم اس وقت تک مجھے قتل نہیں کر سکو گے جب تک کہ میرے کہنے کے

مطابق عمل نہ کرو' بادشاہ نے کہا: وہ کیا عمل ہے؟ لڑکے نے کہا: تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو اور مجھے ایک درخت پر سولی کے لیے لٹکاؤ' پھر میرے ترکش سے ایک تیر نکالو' ایک تیر کو کمان کے چلّہ میں رکھ کر کہو: اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے' پھر مجھے تیر مارو' جب تم نے ایسا کر لیا تو وہ تیر مجھے ہلاک کر دے گا' سو بادشاہ نے تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور اس کو ایک درخت کے تنے پر لٹکایا' پھر اس کے ترکش سے ایک تیر لیا' پھر اس تیر کو کمان کے چلّہ میں رکھا' پھر کہا: اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے' تب وہ تیر اس لڑکے کی کنپٹی میں پیوست ہو گیا' اس لڑکے نے تیر کی جگہ کنپٹی پر اپنا ہاتھ رکھا اور مر گیا' تمام لوگوں نے کہا: ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے' ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے' ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے' یہ خبر بادشاہ کو پہنچی اور اس سے کہا گیا: کیا تم نے دیکھا جس بات سے تم ڈرتے تھے' اللہ نے وہی تمہارے ساتھ کر دیا' تمام لوگ ایمان لے آئے' بادشاہ نے گلیوں کے دہانوں پر خندقیں کھودنے کا حکم دیا' سو وہ خندقیں کھودی گئیں اور ان میں آگ لگائی گئی اور کہا: جو اپنے دین سے نہ پھرے اس کو اس خندق میں ڈال دو یا اس سے کہا گیا کہ آگ میں داخل ہو جا' سو لوگ آگ کی خندقوں میں داخل ہو گئے' اخیر میں ایک عورت آئی' اس کے ساتھ ایک بچہ تھا' وہ اس میں گرنے سے جھجکی' اس کے بچہ نے کہا: اے ماں! ثابت قدم رہو' تم حق پر ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۰۰۵' الرقم المسلسل: ۷۳۷۶' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۰' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۶۱)

اصحاب الاخدود کے واقعہ کی تشریح

علامہ ابی مالکی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے کہ راہب نے لڑکے سے کہا: جب تم کو ساحر سے خوف ہو تو کہنا: مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر والوں سے خوف ہو تو کہنا: مجھے ساحر نے روک لیا تھا' اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ راہب نے اس کو جھوٹ کی تلقین کی' قاضی عیاض نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے جھوٹ بولنا جائز ہے' خصوصاً اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کے لیے اور جب کوئی شخص کسی کو دین سے روک رہا ہو تو اس موقع پر بھی جھوٹ بولنا جائز ہے' علامہ خطابی نے کہا: اس جواز کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راہب اور اس لڑکے کا یہ واقعہ ان کی مدح و ثنا کے طور پر بیان کیا ہے اور ان کے اسی فعل کو مقرر رکھا ہے' اگر یہ فعل غلط ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا غلط ہونا بیان کر دیتے۔

اس حدیث میں ہے کہ جب اس لڑکے کو اذیت دی گئی تو اس نے راہب کا پتا بتا دیا' علامہ خطابی کہتے ہیں کہ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس لڑکے نے راہب کے قتل کی رہنمائی کیسے کی' جبکہ راہب نے اس سے یہ کہا بھی تھا کہ اگر تم کسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ' پھر بھی میرا پتا نہ بتانا' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لڑکا نابالغ تھا' اگر اس کو بالغ مان لیا جائے تو جواب یہ ہے کہ لڑکے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس راہب کو قتل کر دیا جائے گا اور راہب نے اپنا پتا بتانے سے منع کیا تھا لیکن لڑکے نے اس سے وعدہ نہیں کیا تھا' علاوہ ازیں لڑکا اذیت کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا۔

اس حدیث میں ہے کہ لڑکے نے بادشاہ کو یہ بتایا کہ وہ اس کو کس طریقہ سے قتل کر سکتا ہے' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس لڑکے نے اپنے قتل پر معاونت کی اور یہ جائز نہیں ہے' قاضی عیاض نے کہا: لڑکے نے یہ رہنمائی اس لیے کی تھی کہ تمام لوگوں میں اللہ پر ایمان لانے کی حقانیت ظاہر ہو جائے اور لوگ اس دلیل کو دیکھ کر اللہ پر ایمان لے آئیں' اور ایسا ہی ہوا' علامہ خطابی نے اس کے جواب میں کہا: وہ لڑکا نابالغ تھا یا اس نے اس وجہ سے رہنمائی کی کہ اس کو یقین تھا کہ وہ مآل کار قتل کر دیا جائے گا۔

اس حدیث میں اس بچہ کا ذکر ہے جس نے طفولیت میں کلام کیا' اور یہ اس قسم کے چھ بچوں میں سے ایک ہے۔ قاضی

عیاض نے کہا: اس حدیث میں مصائب پر اولیاء اللہ کے صبر کا بیان ہے' اور یہ کہ دین کی تبلیغ میں اللہ کے نیک بندوں پر مصائب آتے ہیں اور یہ کہ خطرہ کے وقت بھی اپنے دین کا اظہار کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس سے دعا کرنی چاہیے اور اس حدیث میں اولیاء اللہ کی کرامات کا بیان ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۹ ص ۲۷۴۔۲۷۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

جان جانے کے خوف کے باوجود کلمہ کفر نہ کہنے کی عزیمت

اللہ عزوجل نے اس آیت میں اس امت کے مؤمنین کو یہ بتایا ہے کہ ان سے پہلے موحدین کو اللہ کی راہ میں کتنی مشکلات اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے اس لڑکے کا ذکر کیا تاکہ اگر ان کو دین کی راہ میں تکلیفوں اور ایذاؤں کو برداشت کرنا پڑے تو وہ ان پر صبر کریں اور ان کے اندر حوصلہ پیدا ہو اور وہ اس لڑکے کو اپنے لیے اسوۂ نمونہ اور اپنا آئیڈیل بنائیں' اور دین حق پر مضبوطی سے جمے اور ڈٹے رہیں اور دین حق کی تبلیغ میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کریں اور جس طرح اس لڑکے نے اپنی کم سنی کے باوجود حق کی راہ میں صبر کیا' اسی طرح اس راہب نے بھی صبر کیا' حتیٰ کہ اس کو آری سے کاٹ ڈالا گیا' اسی طرح اور بہت لوگ جو اللہ پر ایمان لائے تھے اور ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا' انہوں نے عزم اور ہمت سے کام لیا' حتیٰ کہ ان کو آگ میں ڈال دیا گیا اور ان کے پائے استقلال میں جنبش نہیں آئی۔

قاضی ابوبکر بن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے کہا ہے کہ ایمان بچانے کے لیے جان دینے کا عمل اب منسوخ ہو چکا ہے (دل میں ایمان رکھ کر زبان سے کلمۂ کفر کہہ دینا چاہیے تاکہ جان بچائی جا سکے)۔

(احکام القرآن ج ۴ ص ۳۷۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے اور جس شخص میں حوصلہ اور ہمت ہو اور وہ جان جانے کی پرواہ کیے بغیر دین حق پر جم سکے اور ڈٹ سکے' اس کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ ہے اور یہی عزیمت ہے کہ وہ کلمۂ کفر نہ کہے خواہ اس کی جان چلی جائے۔

قرآن مجید میں ہے' حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (لقمان: ۱۷)

اے میرے پیارے بیٹے! تم نماز قائم رکھنا اور نیک کاموں کا حکم دیتے رہنا اور بُرائی سے روکتے رہنا اور (اس معاملہ میں) تم پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا' بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے ۝

نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے عظیم جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۷۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۱۱)

محمد بن سنجر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں' وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہی تھی' آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے نصیحت کیجئے' آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرنا' خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تم کو آگ میں جلا دیا جائے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۱۹۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۰۴' امام طبرانی کی سند میں ایک راوی یزید بن سنان رہاوی ہے' امام بخاری وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے اور اکثر نے اس کی تضعیف کی ہے)

جان جانے کے خطرہ سے کلمۂ کفر کہنے کی رخصت' جب کہ دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو

ہاں! اگر کوئی شخص اپنی جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر کہہ دے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو اس کو جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر کہنے کی رخصت ہے' البتہ عزیمت پہلی صورت ہے' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النحل:۱۰۶)

جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا' سو اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو' ہاں! جو لوگ کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○

اس کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہے:

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ مشرکین نے حضرت عمار کو' ان کے والد یاسر کو اور ان کی ماں سمیہ کو اور حضرت صہیب کو' حضرت بلال کو' حضرت خباب کو اور حضرت سالم کو پکڑ لیا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ حضرت سمیہ کو انہوں نے دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور نیزہ ان کی اندام نہانی کے آر پار کر دیا اور ان سے کہا: تم مردوں سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اسلام لائی ہو' سو ان کو قتل کر دیا اور ان کے خاوند یاسر کو بھی قتل کر دیا' یہ دونوں وہ تھے جن کو اسلام کی خاطر سب سے پہلے شہید کیا گیا اور رہے عمار تو ان سے انہوں نے جبریہ کفر کا کلمہ کہلوایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ حضرت عمار نے کلمہ کفر کہا ہے تو آپ نے فرمایا: بے شک عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے معمور ہے' اس کے گوشت اور خون میں ایمان رچ چکا ہے' پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: اگر وہ دوبارہ تم سے جبراً کلمہ کفر کہلوائیں تو تم دوبارہ کہہ دینا۔

(اسباب نزول القرآن رقم الحدیث: ۵۶۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' المستدرک ج ۲ ص ۳۵۷' تفسیر عبدالرزاق رقم الحدیث: ۲۱۹۳۶)

محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور ان کو اس وقت تک نہیں چھوڑا حتیٰ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بُرا کہا اور ان کے معبودوں کو اچھا کہا' تب ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا: تمہارے ساتھ کیا ہوا؟ حضرت عمار نے کہا: بہت بُرا ہوا' یارسول اللہ! انہوں نے مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑا حتیٰ کہ میں آپ کو بُرا کہوں اور ان کے بتوں کو اچھا کہوں۔ آپ نے پوچھا: تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: میرا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ تمہیں دوبارہ مجبور کریں تو دوبارہ کہہ دینا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

(المستدرک ج ۳ ص ۳۹۲ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۴۱۳ طبع جدید' حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۴۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کا اظہار کیا' وہ سات افراد تھے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت بلال' حضرت خباب' حضرت عمار' حضرت سمیہ (حضرت عمار کی والدہ) اور حضرت صہیب۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع آپ کے چچا نے کیا۔ حضرت ابوبکر کا دفاع ان کی قوم نے کیا' باقی پانچوں کو مشرکین نے پکڑ لیا اور ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں تپانا شروع کر دیا' حتیٰ کہ انہوں نے اپنی

پوری کوشش سے ان کو عذاب پہنچایا' پھر حضرت بلال کے سوا سب نے جان بچانے کے لیے ان کی موافقت کر لی پھر ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک قوم آئی اور ان کو ایک چمڑے پر ڈال کر لے گئی' پھر شام کو ابوجہل آیا اور حضرت سمیہ کو گالیاں دینے لگا' پھر اس نے ان کی اندام نہانی میں نیزہ مارا جو ان کے منہ کے پار ہو گیا۔ وہ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی سب سے پہلی خاتون تھیں۔ حضرت بلال نے کفار کی موافقت کرنے کے مقابلہ میں اللہ کی راہ میں جان دینے کو آسان سمجھا' کفار نے ان کے گلے میں رسی ڈال کر بچوں کو تھما دی' وہ ان کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد' احد (اللہ ایک ہے) پکارتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ص ۴۸۔ ۴۷' مسند احمد ج ۱ص ۴۰۴ طبع قدیم' مسند احمد رقم الحدیث: ۳۸۳۲ طبع جدید' عالم الکتب' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۵۰' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۰۸۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ص ۲۸۲۔ ۲۸۱' اس حدیث کی سند صحیح ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: میرے پاس سے منتشر ہو جاؤ' پس جس شخص کے پاس طاقت ہے وہ آخر رات تک ٹھہر جائے اور جس کے پاس طاقت نہیں ہے وہ رات کے پہلے حصہ میں چلا جائے اور جب تم یہ سن لو کہ میں اس جگہ ٹھہر گیا ہوں تو مجھ سے آ کر مل جانا۔ جب صبح ہوئی حضرت بلال' حضرت خباب' حضرت عمار اور قریش کی ایک کنیز جو اسلام لا چکی تھی' ان سب کو ابوجہل اور دوسرے مشرکین نے پکڑ لیا۔ انہوں نے حضرت بلال سے کہا: تم کفر کرو۔ انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے ان کو لوہے کی زرہیں پہنا کر انہیں دھوپ میں تپایا' وہ ان کو گھسیٹ رہے تھے اور وہ احد' احد کہہ رہے تھے۔ حضرت خباب کو وہ کانٹوں میں گھسیٹ رہے تھے اور رہے حضرت عمار تو انہوں نے جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہہ لیا اور قریش کی اس کنیز کے جسم میں ابوجہل نے چار کیلیں ٹھونکیں' پھر اس کو گھسیٹا' پھر ان کی اندام نہانی میں نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا' پھر حضرت بلال' حضرت خباب اور حضرت عمار' رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے اور آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ نے حضرت عمار سے پوچھا: جب تم نے کلمہ کفر کہا تھا تو تمہارے دل کی کیفیت کیا تھی؟ کیا تم نے کھلے دل سے کلمہ کفر کہا تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا: پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ'' (النحل: ۱۰۶)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۲۶۶۶' الدر المنثور ج ۵ص ۱۷۱۔ ۱۷۰)

البروج: ۴ میں فرمایا ہے: خندقوں والے ہلاک کیے جائیں O

خندق کھودنے والوں کا انجام

یہ دعائیہ کلمہ ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ دعا تو عاجز انسان کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ عاجز نہیں ہے' ہر چیز پر قادر ہے' پھر اس کا یہ فرمانا کس طرح صحیح ہوگا کہ خندقوں والے ہلاک کر دیئے جائیں یا ان کو اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مؤمنوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ انہیں اصحاب الاخدود کے متعلق یہ دعا کرنی چاہیے' اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اصحاب الاخدود سے مراد خندقیں جلانے والے نہیں ہیں' بلکہ خندقوں میں جلنے والے مؤمنین ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ ان کو قتل کر دیا گیا یعنی آگ میں جلا دیا گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ان ظالموں کے انجام کی خبر دی ہے' کیونکہ روایت ہے کہ جن مؤمنوں کو خندق میں ڈالا گیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان مؤمنوں کی روحوں کو آگ میں پہنچنے سے پہلے قبض فرما لیا اور آگ نے خندق سے نکل کر ان لوگوں کو جلا ڈالا' جو خندق کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے' ایک قول یہ ہے کہ مؤمنین نجات پا گئے اور خندق کے کنارے بیٹھے ہوئے کفار جل گئے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۲۵۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کو ان مؤمنوں کی صرف یہ بات ناگوار گزری کہ وہ اللہ پر ایمان لائے جو غالب' حمد کیا ہوا ہے O جس کی آسمانوں اور زمینوں میں حکومت ہے' اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے O بے شک جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو (آگ کی) مصیبت میں ڈالا' پھر انہوں نے توبہ نہیں کی ان کے لیے دوزخ کا (عام) عذاب ہے اور (خصوصاً) جلنے کا عذاب ہے O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے O (البروج: ۱۱۔۸)

خندق میں ڈالنے والے کافروں کے لیے دوزخ کے عذاب اور جلنے کی وعید اور مؤمنوں کے لیے جنت اور اللہ کی رضا کی بشارت

نجران کے بادشاہ اور اس کے جن کارندوں نے مؤمنوں کو جلایا تھا' ان کو صرف یہ بات بُری لگی کہ ان کے ملک کے مؤمنین اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق پر قائم رہے اور ان کو ڈرانے اور دھمکانے سے توحید کی تصدیق سے دست کش نہیں ہوئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''العزیز'' ذکر فرمائی ہے' ''العزیز'' کا معنی ہے: ایسا غالب جو کبھی مغلوب نہ ہو اور ایسا قاہر جس کے قہر کو ٹالا نہ جا سکے اور دوسری صفت ''الحمید'' ذکر کی ہے' ''حمید'' کا معنی ہے: جو اپنے مؤمن بندوں کی زبانوں سے حمد اور ثنا کا مستحق ہو' ہر چند کہ بعض چیزوں کی تسبیح عام لوگوں کو سنائی نہیں دیتی لیکن اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ان چیزوں کی تسبیح بھی سنتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ. ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔

(بنی اسرائیل: ۴۴)

البروج: ۹ میں فرمایا: جس کی آسمانوں اور زمینوں میں حکومت ہے' اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے O

اللہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور وہی ان کا خالق اور مدبر ہے اور اگر وہ چاہے تو ان کو فنا کر دے اور جب اللہ تعالیٰ ان صفات کے ساتھ متصف ہے تو وہی اس لائق اور مستحق ہے کہ اس کے اوپر ایمان لایا جائے تو کفار کا اس پر ایمان لانے کو قابلِ سزا جرم قرار دینا اور مؤمنوں کو آگ کی خندق میں ڈالنا قطعاً باطل اور ظلم عظیم ہے۔

البروج: ۱۰ میں فرمایا: بے شک جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو (آگ کی) مصیبت میں ڈالا' پھر انہوں نے توبہ نہیں کی' ان کے لیے دوزخ کا (عام) عذاب ہے اور (خصوصاً) جلنے کا عذاب ہے O

اس آیت میں ''فتنۃ'' کا لفظ ہے' ''فتنۃ'' کا معنی ہے: ابتلاء اور امتحان' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کفار نے مؤمنوں کو امتحان میں مبتلا کیا اور کفر نہ کرنے پر آگ کی خندق میں ڈال دیا اور بعض مفسرین نے کہا کہ ''فتنۃ'' کا معنی آگ میں جلانا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: جن لوگوں نے مؤمنوں کو آگ میں جلا دیا۔

نیز اس آیت میں فرمایا: پھر انہوں نے توبہ نہیں کی' یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیتے تو وہ اس وعید سے نکل آتے اور ان کو آخرت میں دوزخ کا عذاب نہ ہوتا' اور اس آیت میں یہ قطعی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عمداً قتل کرنے والے کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہے' حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو اسلام اور شرفِ صحابیت سے مشرف کر دیا۔

اس آیت میں خندق میں مؤمنوں کو ڈالنے والے ظالموں کے لیے دو عذابوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک دوزخ کا عذاب ہے

اور ایک جلنے کا عذاب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دو جرم تھے: ایک کفر تھا اور دوسرا مؤمنوں کو جلانے کا تھا' ہر چند کہ دوزخ میں بھی جلانے کا عذاب ہے لیکن ان کو اس عذاب کے علاوہ شدید نوعیت کے جلانے کا عذاب بھی دیا جائے گا۔

البروج:۱۱ میں فرمایا: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے' ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے O

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے عذاب کی وعید بیان فرمائی تھی اور اس آیت میں مؤمنوں کے لیے جنت کے ثواب کی بشارت سنا رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی بشارت دی اور ''الفوز الکبیر'' (بہت بڑی کامیابی) کی بھی بشارت دی ہے' اور بہت بڑی کامیابی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جو جنت میں جانے کے بعد حاصل ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کے رب کی گرفت بہت سخت ہے O بے شک وہ ہی ابتداءً پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا O وہی بہت بخشنے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہے O عظمت والے عرش کا مالک ہے O جس کام کا ارادہ کرے اس کو کرنے والا ہے O کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی؟ O فرعون اور ثمود کی O بلکہ کفار تکذیب کے درپے ہیں O اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے O بلکہ قرآن بہت عظمت والا ہے O لوحِ محفوظ میں (مکتوب) ہے O (البروج:۲۲۔۱۲)

اللہ تعالیٰ کی عظیم اور منفرد صفات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے عذاب کی وعید اور مؤمنوں کے لیے جنت کی بشارت کا ذکر فرمایا تھا اور اب تاکید کے لیے دوبارہ وعد اور وعید کا ذکر فرما رہا ہے۔

البروج:۱۲ میں یہ ذکر ہے کہ آپ کے رب کی گرفت بہت سخت ہے' اس آیت میں ''بطش'' کا لفظ ہے' ''بطش'' کا معنی ہے: کسی چیز کو شدت کے ساتھ پکڑنا اور جب اس کی صفت شدت ہو گی تو اس کا معنی ہے: کسی کو بہت زیادہ ملامت کرنا اور اس کو بہت سختی کے ساتھ پکڑنا۔

البروج:۱۳ میں فرمایا: بے شک وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا O

اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر ان کو فنا کر دے گا' پھر ان کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے میدانِ حشر میں جمع فرمائے گا تاکہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دوزخ والوں کو آگ کھا لے گی حتیٰ کہ وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ ان کو نئے سرے سے پیدا فرما دے گا اور اس آیت سے یہی معنی مراد ہے۔

البروج:۱۴ میں فرمایا: وہی بہت بخشنے والا اور بہت دوست رکھنے والا ہے O

معتزلہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کے لیے غفور ہے' جو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ پر توبہ کرے اور ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مطلقاً غفور ہے' جو اپنے گناہوں پر توبہ کرے اس کو بھی بخش دیتا ہے اور جو توبہ نہ کرے اس کو بھی بخش دیتا ہے' کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء:۴۸)	بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔

شرک سے کم گناہ کو بخشنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی قید نہیں لگائی' اس سے معلوم ہوا کہ شرک سے کم گناہ (گناہ کبیرہ) کی بخشش عام ہے خواہ توبہ کے ساتھ ہو خواہ بغیر توبہ کے۔

امام رازی نے لکھا ہے: کیونکہ توبہ کرنے والے کی مغفرت واجب ہے اور جو کام واجب ہو اس پر مدح نہیں کی جاتی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور ہونے کو بہ طور مدح ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں بہت بخشنے والے سے مراد ہے: وہ بغیر توبہ کے بخشنے والا ہے۔ (تفسیر کبیر ج۱۱ ص۱۱۴ ' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے' توبہ کو قبول کرنا محض اس کا فضل و کرم ہے' اگر وہ کسی کی توبہ قبول نہ کرے تو اس سے کون باز پرس کرسکتا ہے' اس کا بخش دینا بہرحال اس کا فضل ہے' خواہ وہ توبہ سے بخشے یا بغیر توبہ کے۔

''الـودود'' کے معنی میں کئی اقوال ہیں' اکثر مفسرین نے کہا: ''الـودود'' کا معنی ہے: محبت کرنے والا' کلبی نے کہا: ''الـودود'' کا معنی ہے: جو اپنے دوستوں کی مغفرت کر کے ان سے محبت کرے' ازہری نے کہا: اللہ کے نیک بندوں سے اللہ محبت کرتا ہے اور یہ اس کا فضل ہے' قفال نے کہا: ''الودود'' کا معنی حلیم ہے۔

البروج: ۱۵ میں فرمایا: عظمت والے عرش کا مالک ہے O

اس آیت میں ''عـرش'' کا لفظ ہے' بادشاہ کا تخت اس کی سلطنت اور اقتدار سے کنایہ ہوتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے عرش مراد ہو اور اللہ عزوجل نے آسمانوں کے اوپر اپنا بہت عظیم تخت بنایا ہو' جس کی عظمت اور جلالت کے اوپر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مطلع نہ ہو۔

اس آیت میں ''مـجـیـد'' کا لفظ ہے' ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ تعالیٰ' مجد اور جلال اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اکثر مفسرین کا یہی مختار ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے عرش کی صفت ہو جس طرح قرآن مجید (البروج: ۲۱) میں ''مجید'' قرآن کی صفت ہے۔

البروج: ۱۶ میں فرمایا: جس کام کا ارادہ کرے اس کو کرنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ جس کام کو مناسب جانتا ہے' اس کو کرنے والا ہے اور اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے' اور اس کے کام میں کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا' وہ اپنے مؤمن بندوں کو جنت میں داخل کرے گا اور کوئی اس کو اس سے روک نہیں سکتا اور وہ کفار اور مشرکین کو دوزخ میں داخل کرے گا اور کوئی ان کو دوزخ سے بچا نہیں سکتا اور وہ گناہ گار مؤمنوں میں سے جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق دے کر اس کو معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا اس کے اوپر دنیا میں کوئی مصیبت ڈال کر اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا اور جس کو چاہے گا اس کو کچھ عرصہ تطہیر کے لیے دوزخ میں عذاب دے گا اور پھر جنت میں داخل کر دے گا' اور جس کو چاہے گا اس کو اپنے مقربین میں سے کسی کی شفاعت سے معاف فرما دے گا اور جس کو چاہے گا اس کو محض اپنے فضل سے معاف فرما دے گا' غرض دنیا اور آخرت میں وہ مالک اور مختار ہے' جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور جو چاہے گا وہ کرے گا۔

عہد رسالت اور اس سے پہلے کے مکذبین کی سرشت

البروج: ۲۰۔۱۷ میں فرمایا: کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی؟ O فرعون اور ثمود کی O بلکہ کفار تکذیب کے درپے ہیں O اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ کفار نے خندق کھود کر آگ جلائی اور اس میں مؤمنوں کو ڈال دیا' اب یہ بتایا کہ ان سے پہلے جو کفار تھے وہ بھی اسی طرح مؤمنوں پر ظلم کرنے والے تھے' اپنے اپنے زمانے میں فرعون اور ثمود بھی مؤمنوں پر ظلم کرتے تھے' اس سے پہلی سورتوں میں قوم فرعون اور ثمود کے واقعات گزر چکے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں کفار مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ کارروائی کرتے رہے ہیں۔

اور فرمایا: اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کرنے والا ہے O اس کے حسب ذیل معانی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور اس کا اقتدار تمام کفار کو محیط ہے' کوئی کافر اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان سب کو فوراً ہلاک کر دے اور آپ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ان پر فوراً عذاب نازل کر دے' سو آپ ان کی تکذیب کی وجہ سے نہ گھبرائیں' جب اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لینا چاہے گا تو اس کو ایک پل بھی دیر نہیں لگے گی۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے احاطہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کی ہلاکت قریب آ پہنچی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو محیط ہے اور ان کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔

البروج: ۲۱ میں فرمایا: بلکہ قرآن بہت عظمت والا ہے O

قرآن مجید کی فضیلت

یہ قرآن تغیر اور تبدل سے محفوظ ہے' اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی سعادت اور دوسری قوم کی شقاوت کو بیان فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ فلاں قوم کو فلاں قوم سے ضرر پہنچے گا' یہ قرآن شرف' کرم اور برکت میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے اور لوگوں کو اپنے دین اور دنیا کی بھلائی میں جن احکام کی ضرورت ہوتی ہے' وہ تمام احکام اور ہدایات اس میں مذکور ہیں' یہ واحد آسمانی کتاب ہے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوئی ہے اسی زبان میں اب تک محفوظ ہے اور قیامت تک اسی زبان میں محفوظ رہے گی' اس میں کسی قسم کی کمی اور زیادتی نہیں ہو سکی اور نہ اس کی کسی سورت یا آیت کی اب تک کوئی نظیر لائی جا سکی اور نہ قیامت تک لائی جا سکے گی' قرآن مجید کے سوا اور کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جس کو اتنا زیادہ پڑھا جاتا ہو اور اس کو حفظ کیا جاتا ہو اور ہر سال اس کو نماز (تراویح) میں ذوق وشوق سے سنا اور سنایا جاتا ہو۔

البروج: ۲۲ میں فرمایا: لوحِ محفوظ میں (مکتوب) ہے O

لوحِ محفوظ کی تعریف میں اقوالِ مفسرین

قرآن مجید لوح میں مکتوب ہے اور شیاطین کی دسترس سے محفوظ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوح سرخ یاقوت کی تختی ہے' اس کا بالائی حصہ عرش کے ساتھ بندھا ہوا ہے' اور زیریں حصہ ایک فرشتہ کی گود میں ہے' اس کی کتابت نور ہے' اس کا قلم نور ہے' اللہ عزوجل ہر روز اس میں تین سو ساٹھ مرتبہ نظر فرماتا ہے' اور ہر نظر سے وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے' ایک قوم کو بلند کرتا ہے اور دوسری قوم کو پست کر دیتا ہے' یعنی کسی کو فقیر بنا دیتا ہے اور کسی کو غنی بنا دیتا ہے' کسی کو زندہ کرتا ہے اور کسی کو موت عطا کرتا ہے' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

مقاتل نے کہا: لوحِ محفوظ عرش کی دائیں جانب ہے۔

کہا گیا ہے کہ لوحِ محفوظ میں مخلوق کی تمام اقسام اور ان کے متعلق تمام اُمور کا ذکر ہے' اس میں ان کی موت کا' حیات کا' ان کے رزق کا' ان کے اعمال کا اور ان میں نافذ ہونے والے اُمور کا ذکر ہے' اور ان کے اعمال کے نتائج کا ذکر ہے اور وہی اُمّ الکتاب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز لوحِ محفوظ میں لکھی' وہ یہ ہے: میں اللہ ہوں' میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' محمد میرے رسول ہیں' جس نے میرے فیصلہ کو تسلیم کر لیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا کیا' میں نے اس کو صدیق لکھا ہے اور اس کو صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا اور جس نے

میرے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا اور میری نازل کی ہوئی مصیبت پر صبر نہیں کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا' وہ مجھے چھوڑ کر جس کو چاہے اپنا معبود بنا لے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۹ص ۲۵۷۔۲۵۶' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی نے کہا ہے کہ لوح سات آسمانوں کے اوپر ہے۔ یہاں فرمایا ہے: قرآن مجید لوحِ محفوظ میں ہے اور ایک آیت میں فرمایا ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ یہ قرآن کریم ہے ○ جو پوشیدہ کتاب میں ہے ○

(الواقعہ: ۷۸۔۷۷)

ہوسکتا ہے کہ لوحِ محفوظ اور کتابِ مکنون سے مراد ایک ہی چیز ہو اور اس کے محفوظ ہونے کا یہ معنی ہو کہ یہ فرشتوں کے غیر کے چھونے سے محفوظ ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ (الواقعہ: ۷۹) اس کو مطہرون کے سوا کوئی نہیں چھوتا ○

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ملائکہ مقربین کے سوا یہ اوروں سے محفوظ ہے' کوئی دوسرا اس پر مطلع نہیں ہوسکتا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ تغیر اور تبدل سے محفوظ ہو۔

بعض متکلمین نے کہا ہے کہ لوح وہ چیز ہے جو فرشتوں کے لیے ظاہر ہوتی ہے اور وہ اس کو پڑھتے ہیں اور جب کہ اس کی تائید میں احادیث اور آثار وارد ہیں تو ان کی تصدیق واجب ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۱۱۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ البروج کا اختتام

آج تیرہ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۸ ستمبر ۲۰۰۵ء' بہ روز اتوار بعد از نمازِ عصر سورۂ بروج کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة الطارق

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الطارق ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں "الطارق" کا لفظ مذکور ہے وہ آیت یہ ہے:

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ (الطارق:۱) آسمان کی قسم اور رات کو طلوع ہونے والے کی قسم ۝

"الطارق" اس روشن ستارے کو کہتے ہیں جو رات کو طلوع ہوتا ہے یہ ستارہ دن میں چھپا ہوا ہوتا ہے اور رات کو ظاہر ہوتا ہے اسی طرح لغت میں رات میں آنے والے کو طارق کہتے ہیں۔

سورۃ الطارق کا نزول کے اعتبار سے نمبر ۳۶ ہے اور تلاوت کے اعتبار سے اس کا نمبر ۸۶ ہے۔

سورۃ الطارق کے متعلق احادیث

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت خالد العدوانی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثقیف کے بازار میں دیکھا اس وقت آپ ایک لاٹھی کے سہارے کھڑے ہوئے تھے آپ ثقیف کے پاس گئے اور ان سے مدد طلب کی حضرت خالد بیان کرتے ہیں کہ اس وقت آپ اس سورت کی تلاوت فرما رہے تھے: "وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝" حتیٰ کہ آپ نے اس سورت کو ختم کر لیا میں نے اس سورت کو زمانۂ جاہلیت میں یاد رکھا پھر اسلام لانے کے بعد اس کو پڑھا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرۃ اور سورۂ نساء پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! تم لوگوں کو فتنہ میں ڈال رہے ہو! کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تم "وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝" پڑھو اور "والشمس وضحاها" پڑھو یا ان کی مثل کوئی سورت پڑھو۔ (سنن نسائی رقم الحدیث:۹۸۰)

امام ابن مردویہ نے "وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝" کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رات میں طلوع ہونے والے کی قسم کھائی ہے اور ہر وہ چیز جو رات میں آئے وہ "الطارق" ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۴۴۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

سورۃ الطارق کی سورۃ البروج کے ساتھ مناسبت

(۱) سورۃ الطارق اور سورۃ البروج دونوں کی ابتداء میں آسمان کی قسم کھائی گئی ہے۔

(۲) دونوں سورتوں میں انسانوں کے مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کا ذکر ہے سورۃ البروج میں فرمایا: "اِنَّهٗ هُوَ يُبۡدِئُ وَيُعِيۡدُ ۝" (البروج:۱۳) وہی ابتداءً پیدا فرماتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا اور سورۃ الطارق میں فرمایا: "اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ۝" (الطارق:۸) بے شک اللہ اس کو دوبارہ لوٹانے پر ضرور قادر ہے۔

(۳) سورۃ البروج میں ہے: ''بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝'' (البروج: ۲۲-۲۱) بلکہ یہ قرآن مجید ہے' لوحِ محفوظ میں (مکتوب) ہے' اور اس سورت میں فرمایا ہے: ''اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ'' (الطارق: ۱۳) یہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا کلام ہے۔

سورۃ الطارق کے مشمولات

☆ سورۃ الطارق مکی ہے اور دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد بیان کیے گئے ہیں' مثلاً قیامت' لوگوں کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا' حساب کتاب' جزاء سزاء اور یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو عدم سے وجود میں لایا ہے اور جو ابتداءً کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر ہو وہ اس کو دوبارہ بھی پیدا کرنے پر قادر ہوتا ہے۔

☆ الطارق: ۴-۱ میں آسمان اور رات کو طلوع ہونے والے روشن ستاروں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے: ہر نفس کے اوپر فرشتے نگہبان ہیں۔

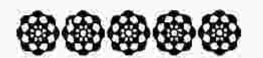
☆ الطارق: ۸-۵ میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی موت کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کرنے پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداءً نطفہ سے پیدا کیا ہے اور جب وہ انسان کو ابتداءً پیدا کر سکتا ہے تو انتہاءً بھی پیدا کر سکتا ہے۔

☆ الطارق: ۱۰-۹ میں انسان کے حشر کا حال بیان فرمایا ہے کہ اس دن اللہ انسان کے دل کی پوشیدہ باتوں کا بھی حساب لے گا اور اس دن انسان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

☆ الطارق: ۱۷-۱۱ میں زمین اور آسمان کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ قرآن مجید صادق ہے اور یہ حق اور باطل کے درمیان صحیح فیصلہ کرنے والا ہے اور اس میں قرآن مجید کی تکذیب کرنے والے کفار کو زجر و توبیخ کی اور شدید وعید سنائی ہے۔

سورۃ الطارق کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الطارق کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ رب العٰلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۴ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۹ ستمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴





سورة الطارق مكية ۸۶ — بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ — آياتها ۱۷ ركوعها ۱

سورۃ الطارق مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں سترہ آیات اور ایک رکوع ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝۱ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲ النَّجۡمُ

آسمان کی قسم اور رات کو طلوع ہونے والے (ستارے) کی ○ اور آپ کیا سمجھے کہ وہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے؟ ○ (وہ) نہایت

الثَّاقِبُ ۝۳ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ۝۴ فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ

روشن ستارہ (ہے) ○ بے شک ہر نفس کے اوپر ایک محافظ (نگہبان) ہے ○ سو انسان کو غور کرنا چاہیے کہ

مِمَّ خُلِقَ ۝۵ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶ يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ

وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ○ وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ○ جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان

وَالتَّرَآئِبِ ۝۷ اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ۝۸ يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ۝۹

سے نکلتا ہے ○ بے شک اللہ اس کو لوٹانے پر ضرور قادر ہے ○ جس دن سینہ کی چھپی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی ○

فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝۱۰ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۝۱۱

سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہو گی نہ اس کا کوئی مددگار ہو گا ○ بارش والے آسمان کی قسم ○

وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ۝۱۲ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ۝۱۳ وَّمَا هُوَ

اور پھٹنے والی زمین کی قسم ○ بے شک یہ (قرآن) (حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے ○ اور یہ کوئی

بِالۡهَزۡلِ ۝۱۴ اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ۝۱۵ وَّاَكِيۡدُ كَيۡدًا ۝۱۶ فَمَهِّلِ

مذاق نہیں ہے ○ بے شک کافر اپنی سازش کر رہے ہیں ○ اور میں اپنی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں ○ سو آپ

الۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ۝۱۷ ع

ع ۱ / ۱۷ / ۱۱

کافروں کو چھوڑ دیں (اور) ان کو تھوڑی مہلت دیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمان کی قسم اور رات کو طلوع ہونے والے (ستارے) کی ○ اور آپ کیا سمجھے کہ وہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے؟ ○ (وہ) نہایت روشن ستارہ (ہے) ○ بے شک ہر نفس کے اوپر ایک محافظ (نگہبان) ہے ○ (الطارق: ۴-۱)

''طارق'' کا معنی اور اس کے متعلق احادیث

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آسمان' سورج' چاند اور ستاروں کا ذکر بہت زیادہ کیا ہے' کیونکہ ان کی گردش میں' ان کے طلوع اور غروب میں اور دیگر احوال میں بہت عجائب اور غرائب ہیں اور دوسری مخلوقات کے لیے اس میں بہت منافع ہیں۔

''طارق'' کا معنی ہے: رات کو آنے والا خواہ وہ ستارہ ہو یا کوئی اور چیز ہو' دن میں آنے والے کو طارق نہیں کہتے۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

ستارے کو طارق اس لیے فرمایا ہے کہ وہ رات میں طلوع ہونے کے ساتھ مختص ہے اور عرب ہر اس شخص کو طارق کہتے ہیں جو رات کا قصد کرے۔ ''طرق'' کا اصل معنی ہے: کوٹنا' اسی وجہ سے ہتھوڑے کو 'مطرقة'' کہتے ہیں اور رات میں آنے والے کو بھی اسی لیے 'طارق'' کہتے ہیں کہ وہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے دروازہ کو کوٹنے اور کھٹکھٹانے کا محتاج ہوتا ہے۔

رات کو گھر میں داخل ہونے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم رات میں آؤ تو فوراً گھر داخل نہ ہو' حتیٰ کہ تمہاری بیوی زیر ناف بال صاف کرے اور سر کے بکھرے ہوئے بال سنوارے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۲۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۷۱۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۷۷۶' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۷۱۲' مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۸)

نیز طارق کے متعلق یہ حدیث بھی ہے:

ابوالتیاح بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبد الرحمٰن بن خنبش التمیمی رضی اللہ عنہ سے پوچھا' اس وقت وہ بوڑھے ہو چکے تھے: کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں' میں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس رات میں کیا کرتے تھے' جس رات میں شیاطین نے آپ کے خلاف سازش کی تھی اور مکر کیا تھا' یعنی آپ کو ایذاء پہنچانے کا حیلہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا: اس رات شیاطین آپ کے پاس وادیوں اور گھاٹیوں سے نازل ہوئے' ان میں سے ایک شیطان تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا شعلہ تھا اور وہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ جلانا چاہتا تھا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ پڑھیے' آپ نے پوچھا: میں کیا پڑھوں؟ حضرت جبریل نے کہا: آپ پڑھیے:

اعوذ بكلمات الله التامة من شر ما خلق وذرأ وبرأ ومن شر ما ينزل من السماء ومن شر ما يعرج فيها ومن شر فتن الليل والنهار ومن شر كل طارق الا طارقا يطرق بخير' يا رحمن.

میں اللہ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں' ہر اس شر سے جس کو اس نے پیدا کیا اور زمین میں منتشر کر دیا اور ہر اس شر سے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور ہر اس شر سے جو آسمان کی طرف چڑھتا ہے اور رات اور دن کے فتنوں کے شر سے اور ہر طارق (رات میں آنے والے) کے شر سے' سوا اس طارق کے جو خیر کے ساتھ آئے یا رحمٰن۔

پھر ان شیاطین کی آگ بجھ گئی اور ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شکست دے دی۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۴ ص ۲۰۰۔ رقم الحدیث:۱۵۴۶۰' مؤسسة الرسالة' بیروت' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۳۸۳۸' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث:۶۸۴۴' اس حدیث کی سند میں ضعف ہے کیونکہ اس روایت میں جعفر بن سلیمان متفرد ہے اور اس کی روایات منکر ہیں)

الطارق:۲ میں فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ وہ رات کو طلوع ہونے والا کیا ہے؟○

امام رازی فرماتے ہیں: ہر سننے والا یہ جانتا ہے کہ طارق سے مراد کیا ہے سفیان بن عیینہ نے کہا: ہر وہ چیز جس کے متعلق قرآن میں ہو''وما ادرٰك ''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دے دی ہے اور ہر وہ چیز جس کے متعلق ''وما یدریك'' ہو اس کی خبر نہیں دی گئی' جیسے یہ آیت ہے:

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ○ اے مخاطب! تو کیا جانے ہوسکتا ہے کہ قیامت قریب ہو○

(الشوریٰ:۱۷)

الطارق:۳ میں فرمایا:''النَّجْمُ الثَّاقِبُ ''یعنی (وہ) نہایت روشن ستارہ (ہے)○

''النجم الثاقب'' کا معنی اور مصداق اور سورۃ الطارق کا شانِ نزول

وہ ستارہ بہت بلند مرتبہ والا ہے' یہ وہ ستارہ ہے جس سے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے' اس ستارے کو نہایت روشن ان وجوہ سے فرمایا ہے: (۱) ثاقب کا معنی ہے: سوراخ کرنے والا اور یہ ستارہ اپنی روشنی سے اندھیرے میں سوراخ کر دیتا ہے' پھر اس میں نافذ ہو جاتا ہے اس کو ''دری'' بھی کہتے ہیں یعنی یہ اندھیرے کو دور کر دیتا ہے (۲) یہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور اس کی روشنی ہوا میں اس طرح نفوذ کر جاتی ہے جیسے کوئی چیز کسی چیز میں سوراخ کر دیتی ہے اور ثاقب کا معنی ہے: سوراخ کرنے والا (۳) یہی وہ ستارہ ہے کہ جب شیطان اس کو دیکھتا ہے تو یہ شیطان میں سوراخ کر دیتا ہے یعنی شیطان میں نفوذ کر کے اس کو جلا دیتا ہے (۴) الفراء نے کہا: ''النجم الثاقب '' کا معنی ہے: وہ ستارہ جو تمام ستاروں سے بلند ہے کیونکہ جو پرندہ بہت اونچی پرواز کر کے آسمان کے قریب جا پہنچے' عرب اس کو ''ثاقب'' کہتے ہیں۔

اس ستارے کو ''الطارق'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ رات میں طلوع ہوتا ہے اور رات میں آنے والے کو طارق کہتے ہیں اور یہ رات میں طلوع ہو کر جنات کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے یعنی جو جنات فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے آسمان کے قریب جاتے ہیں' ان پر شہاب ثاقب برسائے جاتے ہیں۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ''النجم الثاقب'' سے مراد کئی ستاروں کا مجموعہ ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ ''(العصر:۲) بے شک انسان ضرور خسارے میں ہے' یا اس سے کوئی ایک معین ستارہ مراد ہے' ابن زید نے کہا: ''النجم الثاقب'' سے مراد ثریا ہے' الفراء نے کہا: اس سے مراد زحل ہے کیونکہ وہ اپنے نور سے سات آسمانوں میں سوراخ کر دیتا ہے اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد وہ شہاب ثاقب ہیں جن سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ○ مگر جو شیطان (فرشتوں کی) کوئی بات اُچک کر بھاگے تو شہاب ثاقب اس کا پیچھا کرتا ہے○ (الصّٰفّٰت:۱۰)

آسمان دنیا پر زینت کے علاوہ ستاروں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے اس کی حفاظت کی جائے' پس جب شیطان آسمان پر فرشتوں کی کوئی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو ستارے ان پر ٹوٹ کر گرتے ہیں' جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی بہت آیات اور احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ ابوطالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روٹی اور دودھ دیا' جس وقت وہ بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے تو ایک ستارہ ٹوٹ کر گرا اور پھر وہ آگ ہو گیا' ابوطالب نے گھبرا کر کہا: یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: اس ستارے سے شیطان کو مارا گیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تو ابوطالب کو سخت تعجب ہوا' پھر یہ سورت نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر ج۱۱ص۱۱۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الطارق:۴ میں فرمایا: بے شک ہر نفس کے اوپر ایک محافظ (نگہبان) ہے O

انسان کے محافظ اور نگہبان کی تحقیق

اس آیت میں یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ محافظ کون ہے اور وہ کس چیز کی حفاظت کرتا ہے' اس سلسلہ میں حسب ذیل تفصیل ہے:

بعض مفسرین نے کہا کہ وہ محافظ اللہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے' اور ہر چیز کی بقا کا انتظام بھی اسی نے کیا ہے' اس نے زمین میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی' بادلوں سے پانی برسایا' سورج کی تپش سے غلہ کو پکایا اور چاند کی کرنوں سے اس میں ذائقہ پیدا کیا' اس نے انسان کی ہدایت کے لیے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا اور آسمانی کتابوں کو نازل فرمایا اور یوں انسان کی جسمانی اور روحانی تربیت اور اس کی حفاظت کا نظام وضع فرمایا' نیز زمین میں ایسی جڑی بوٹیاں پیدا فرمائیں جن سے انسان اپنی بیماریوں کا علاج کر سکے اور سورج اور چاند کی روشنی سے جنگلوں' صحراؤں اور سمندروں کے اندھیروں کو دور فرمایا' قرآن مجید میں ہے:

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۔ (یوسف:۶۴) اللہ سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ محافظ فرشتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں فرشتوں کو انسان کا محافظ فرمایا ہے' وہ آیات درج ذیل ہیں:

فرشتوں کے اعمالِ بنی آدم لکھنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ (الانعام:۶۱)
اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے اور وہ تمہارے اوپر نگرانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ (الرعد:۱۱)
اس کے محافظ اور نگہبان انسان کے آگے پیچھے مقرر ہیں' جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ O مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ O (قٓ:۱۸۔۱۷)
جب (انسان کے ہر قول اور فعل) دو فرشتے لے لیتے ہیں ایک (اس کی) دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے O وہ جو بات بھی کرتا ہے اس کا محافظ فرشتہ اس کو لکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے O

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ O كِرَامًا كَاتِبِيْنَ O يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ O (الانفطار:۱۲۔۱۰)
اور بے شک تم پر ضرور محافظ (فرشتے) مقرر ہیں O معزز لکھنے والے O وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو O

فرشتوں کے اعمالِ بنی آدم لکھنے کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک کاموں کا لکھنے والا مرد کی دائیں طرف ہوتا ہے اور بُرے کاموں کا لکھنے والا مرد کی بائیں طرف ہوتا ہے اور نیک کاموں کا لکھنے والا بُرے کاموں کے لکھنے والے پر امین (امیر) ہوتا ہے۔ جب انسان کوئی نیک کام کرتا ہے تو نیک کام لکھنے والا اس کو دس کام لکھتا ہے اور جب وہ کوئی بُرا کام کرتا ہے تو نیک کام لکھنے والا فرشتہ بُرے کام لکھنے والے فرشتہ سے کہتا ہے: سات گھنٹوں تک اس کے بُرے کام کو نہ لکھو' شاید یہ تسبیح پڑھ لے یا استغفار کر لے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۹۷۱' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۰۵۰۔۷۰۴۹' حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۲۴)

مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۰۸' الاحادیث الصحیحہ للالبانی رقم الحدیث: ۱۲۰۹' حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اور ایک سند کی توثیق کی گئی ہے اور البانی نے کہا ہے: اس کی سند حسن ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میرا بندہ بُرے کام کا قصد کرے تو اس کو مت لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کی ایک بُرائی لکھو اور جب وہ نیک کام کا قصد کرے اور اس نیک کام کو نہ کرے تو اس کی ایک نیکی لکھ دو' اور جب وہ نیک کام کرے تو اس کی دس نیکیاں لکھ دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۷۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۱۸۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ نیک کام کرنے کا دل میں منصوبہ بناتا ہے تو جب تک وہ نیک کام نہیں کرتا' میں اس کی ایک نیکی لکھ دیتا ہوں اور جب وہ اس نیک کام کو کر لیتا ہے تو میں اس کی دس نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور جب وہ بُرے کام کا منصوبہ بناتا ہے تو جب تک وہ اس بُرے کام کو نہ کرے میں اس کو معاف کر دیتا ہوں اور جب وہ اس بُرے کام کو کرے تو میں اس کی ایک بُرائی لکھ دیتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے عرض کرتے ہیں: اے میرے رب! تیرا یہ بندہ بُرا کام کرنا چاہتا ہے حالانکہ اس بندہ کو اس کی بُرائی پر خوب بصیرت ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انتظار کرو' اگر وہ بندہ اس بُرے کام کو کرلے تو اس کی ایک بُرائی لکھ دو اور اگر وہ اس بُرائی کو ترک کر دے تو اس کی ایک نیکی لکھ دو' اس نے اس بُرائی کو میرے خوف کی وجہ سے ترک کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اسلام میں نیک عمل کرے تو ہر نیک کام جو وہ کرتا ہے' اس کو دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھا جاتا ہے اور ہر بُرے کام کو جو وہ کرتا ہے' اس کی صرف ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نیک کام کا قصد کیا اور اس کو نہیں کیا تو اس کی ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جس نے نیک کام کا قصد کیا اور اس نیک کام کو کرلیا تو اس کا وہ نیک کام دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھا جاتا ہے اور جس نے بُرائی کا قصد کیا اور اس کو کیا نہیں تو اس کی بُرائی نہیں لکھی جاتی اور اگر اس بُرے کام کو کرلیا تو اس کی ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۷۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ نیکیوں اور بُرائیوں کو لکھتا ہے' پھر بیان فرمایا: جس نے نیکی کا قصد کیا اور اس نیکی کو نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر وہ نیکی کے قصد کے بعد اس نیکی کو کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیوں تک بلکہ سات سو کو بھی دگنا چوگنا کر کے لکھ دیتا ہے اور اگر کوئی شخص بُرائی کا قصد کرے اور وہ بُرائی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر وہ اس بُرے کام کا قصد کر کے اس بُرے کام کو کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی صرف ایک بُرائی لکھ دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۹۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۱)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بُرائی کے لکھنے کا اسناد اپنی طرف کیا ہے اور دوسری احادیث میں فرشتوں کی طرف اسناد فرمایا ہے اور حقیقت میں لکھتے فرشتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی آیات اور دیگر احادیث میں اس کی تصریح ہے لیکن چونکہ انہیں لکھنے کا حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے' اس لیے اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے لکھنے کا اسناد اپنی ذات کی طرف فرمایا ہے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ حفاظت کرنے والے فرشتوں کو اس طرح لکھنے کا حکم دیتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ لکھنے والے فرشتوں کو اس

مقدار پر مطلع فرما دیتا ہے۔

ان احادیث میں معصیت کے قصد یا معصیت کے منصوبہ کا ذکر آیا ہے' اس سے مراد "ھم" ہے اور وہ عزم اور نیت سے کم درجہ کی چیز ہے یعنی اس میں گناہ کرنے کا راجح ارادہ ہے اور مرجوح جانب گناہ نہ کرنے کی ہے لیکن اگر وہ گناہ کرنے کا عزم اور اس کی نیت کر لے تو پھر اس کا گناہ لکھ دیا جاتا ہے کیونکہ گناہ کا عزم کرنا بھی گناہ ہے۔

علامہ طبری نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا قول صحیح ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ حفاظت کرنے والے فرشتے جانتے ہیں کہ بندہ کے دل میں نیکی کا ھم اور قصد ہے یا بُرائی کا ھم اور قصد ہے اور وہ اسی طرح بندہ کے عقائد کو بھی جانتے ہیں اور اس حدیث میں ان لوگوں کے قول کا ردّ ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتے بندے کے صرف اس عمل کو لکھتے ہیں جو ظاہر ہوتا ہے یا جس بات کو وہ سنتے ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فرشتوں کو غیب کا علم نہیں ہوتا' پھر انہیں بندے کے ھم اور اس کے قصد کا کیسے علم ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جب بندہ نیکی کا قصد کرتا ہے تو اس سے اچھی خوشبو آتی ہے اور جب بندہ بُرائی کا قصد کرتا ہے تو اس سے بدبو آتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو طبری نے ابومعشر مدنی سے روایت کیا ہے اور عنقریب کتاب التوحید میں حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت آئے گی کہ جب میرا بندہ بُرا کام کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو نہ لکھو حتیٰ کہ وہ اس بُرائی پر عمل کر لے۔

(صحیح البخاری: ۷۵۰۱)

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فرشتہ انسان کے ظاہر اور باطن پر مطلع ہوتا ہے' یا تو اللہ تعالیٰ اس کو مطلع فرماتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس میں ایسا علم پیدا فرماتا ہے جس سے فرشتہ اس کا ادراک کر لیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی نے بخاری کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے' وہ یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جب میرا بندہ بُرائی کا ارادہ کرے تو اس کو مت لکھو حتیٰ کہ وہ اس بُرے کام کو کرے' اگر وہ بُرا کام کرے تو اس کی ایک بُرائی لکھ لو اور اگر وہ میری وجہ سے اس بُرے کام کو ترک کر دے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اور اگر وہ کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو نہ کر سکے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اور اگر وہ اس نیک کام کو کرے تو اس کے لیے وہ نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک لکھ دو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۵۰۱)

حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص کوئی بات کہتا ہے' جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اس کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ بات کہاں تک پہنچے گی' اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے قیامت تک کے لیے اس کے واسطے اپنی رضا لکھ دیتا ہے اور ایک شخص کوئی بات کہتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اس کو اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کی وہ بات کہاں تک پہنچے گی' پھر اللہ تعالیٰ اس کے واسطے قیامت تک اپنی ناراضگی لکھ دیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۵ ص ۱۸۰۔ رقم الحدیث: ۱۵۸۵۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۱۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۶۹' السنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۳۰۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۲۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۸۰' المستدرک ج ۱ ص ۴۵' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۵' شعب الایمان رقم الحدیث: ۴۹۵۷)

اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے لکھنے کا یہ محمل ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان کے جسم میں بھی کوئی بیماری ہوتی ہے تو اللہ عزوجل اس کی حفاظت کرنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندہ کے لیے ہر دن اور رات کو وہی نیک عمل لکھتے رہو جو وہ صحت کے ایام میں کرتا تھا' جب تک کہ وہ میری اس بیماری کی قید میں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ص ۲۳۰' کراچی' شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۹۲۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندے کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے عمل کو لکھتے رہتے ہیں' پس جب وہ بندہ مر جاتا ہے تو جو فرشتے اس کا عمل لکھتے تھے' وہ عرض کرتے ہیں کہ اب تو ہمیں اجازت دے کہ ہم آسمان پر چلے جائیں' اللہ عزوجل فرمائے گا: میرا آسمان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے' جو میری تسبیح کرتے رہتے ہیں' وہ عرض کریں گے: پھر ہم زمین میں قیام کریں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے جو میری تسبیح کرتی رہتی ہے' وہ عرض کریں گے: پھر ہم کہاں جائیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے کی قبر پر قیام کرو' میری تسبیح پڑھو' میری حمد پڑھو' میری تکبیر پڑھو اور ''لا الہ الا اللّٰہ'' پڑھو اور قیامت تک ان کلمات کو میرے بندے کے صحیفہ اعمال میں لکھتے رہو۔

امام بیہقی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند میں عثمان بن مطر ہے اور وہ قوی نہیں ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۹۹۳۱' الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث: ۱۱۴' الدر المنثور ج ۷ص ۵۲۱' کنز العمال رقم الحدیث: ۴۲۹۶۷)

فرشتے انسان کی کس چیز کی حفاظت کرتے ہیں؟

فرشتے انسان کی کس چیز کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں؟ اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہر نفس کے اوپر حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں۔

قتادہ نے کہا: وہ فرشتے تمہارے عمل کی اور تمہارے رزق کی اور تمہاری موت اور حیات کی حفاظت کرتے ہیں اور جب تمہاری زندگی پوری ہو جائے' اے ابن آدم! تو تمہاری روح قبض کر کے تمہیں تمہارے رب کے پاس لے جاتے ہیں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۸۵۸۵ـ۲۸۵۸۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

ہر نفس کے اوپر اس کے رب کی طرف سے ایک نگران ہے' جو اس کے اعمال کی حفاظت کرتا ہے اور وہ جو بھی اچھے اور بُرے کام کرتا ہے' ان کو شمار کرتا رہتا ہے۔

الکلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حفاظت کرنے والا مقرر ہے' جو اس کے اقوال اور افعال کی حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ اس کو اس کی تقدیر کے حوالے کر دیتا ہے۔ (النکت والعیون ج ۵ص ۲۳۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نیز امام بغوی لکھتے ہیں:

حسن بصری نے کہا: فرشتے انسانوں سے دو حالوں میں مجتنب رہتے ہیں: قضاء حاجت کے وقت اور جماع کے وقت' مجاہد نے کہا: وہ اس کی ہر بات کی حفاظت کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ بیماری کی حالت میں جو کراہتا ہے اس کو بھی لکھتے ہیں' عکرمہ نے کہا: وہ اس کی صرف وہی بات لکھتے ہیں جس پر اس کو ثواب یا عذاب ہو' ضحاک نے کہا: انسان کی ٹھوڑی کے نیچے جو بال ہیں وہ ان بالوں پر بیٹھتے ہیں' حسن بصری سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ (النکت والعیون ج ۴ص ۲۷۲' بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں: اس مسئلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حفاظت کرنے والے فرشتے انسان کے تمام اعمال کو لکھتے ہیں' خواہ وہ اعمال ظاہر ہوں یا باطن اور قیامت کے دن اس کا صحیفہ اعمال پیش کر دیں گے۔

(۲) فرشتے انسان کے عمل کی' اس کے رزق کی اور اس کی مدتِ حیات کی حفاظت کرتے ہیں اور جب انسان اپنی مدت حیات کو اور اپنے رزق کو پورا کر لیتا ہے تو وہ اس کی روح کو قبض کر کے اس کے رب کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

(۳) وہ انسان کی آفتوں اور مصیبتوں سے حفاظت کرتے ہیں' اور انسان کو صرف وہی آفت پہنچتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہوتی ہے۔

(۴) الکلبی نے کہا: وہ انسان کی قبر میں پہنچنے تک حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے O وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے O جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے O بے شک اللہ اس کو لوٹانے پر ضرور قادر ہے O جس دن سینہ کی چھپی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی O سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہوگی نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا O (الطارق: ۱۰۔۵)

''دافق' صلب'' اور ''ترائب'' کا معنی

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہر نفس کے لیے ایک محافظ ہے' جو اس کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور اس کے اعمال کو لکھتا رہتا ہے' اس کو جاننے کے بعد انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ اہم مقاصد کے حصول کی کوشش کرے اور شرع اور عقل اس پر متفق ہیں کہ سب سے اہم مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید کو ماننا ہے اور اس کو ماننا ہے کہ اس نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے' جہاں اس سے اس کے اعمال کی پرسش ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت آخرت کی معرفت پر مقدم ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انسان کو اس کے خالق کی طرف متوجہ کیا۔

الطارق: ۶۔۵ میں فرمایا: سو انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے O وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے O

الطارق: ۶ میں ''دافق'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: اچھل کر بہنے والا۔

جو لوگ مر کر دوبارہ اٹھنے کا اور رسول کے بھیجنے کا انکار کرتے ہیں' وہ اس پر غور کریں کہ وہ نطفہ سے پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نطفہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے' پھر اس میں ہڈیاں بن جاتی ہیں' اور پھر اس سے انسان کی صورت بن جاتی ہے' اگر اس نطفہ کو ایک طباق میں رکھ دیا جائے اور تمام جن اور انسان مل کر یہ کوشش کریں کہ وہ اس نطفہ سے انسان کا کوئی ایک عضو بنا لیں تو نہیں بنا سکتے' اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا جو قدرتی نظام بنایا ہے' اس نظام سے ہٹ کر انسان کی پیدائش عمل میں نہیں آ سکتی۔

الطارق: ۷ میں فرمایا: جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے O

اس آیت میں ''صلب'' کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے: مرد کی پیٹھ' اور ''ترائب'' کا لفظ ہے' اس سے مراد عورت کے سینہ کی درمیانی جگہ ہے' یعنی اس کے پستانوں کے درمیانی جگہ' جب انسان جماع کرتا ہے تو اس کی پیٹھ سے پانی نکل کر رحم میں داخل ہوتا ہے اور عورت کے سینہ سے نکل کر پانی وہاں پہنچتا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ہم مانتے ہیں کہ نطفہ بدن کے تمام اجزاء سے نکلتا ہے' اسی وجہ سے انسان اپنے والدین کے بہت مشابہ ہوتا ہے' اور خروج

منی کے بعد تمام جسم کے غسل کی بھی یہی حکمت ہے اور جو آدمی بہت زیادہ جماع کرتا ہے اسی وجہ سے اس کی کمر میں بہت درد ہوتا ہے اور یہ اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ جو پانی کمر میں جمع ہوتا ہے وہ بہت زیادہ نکل جاتا ہے۔
(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۸ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:
''صُلْب'' کہتے ہیں: ریڑھ کی ہڈی کو''ترائب'' ''تریبة'' کی جمع ہے''هي موضع القلادة من الصدر''۔(قرطبی عن ابن عباس) گلے کا ہار سینہ پر جس جگہ لٹکتا ہے اس کو ''ترائب'' کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ مادۂ منویہ مرد کی پشت اور عورت کے سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے لیکن دوسرے مفسرین جن کے سرخیل حسن بصری ہیں وہ کہتے ہیں: ''وقال الحسن المعنى: يخرج من صُلب الرجل وترائب الرجل ومن صُلب المرأة وترائب المرأة'' (قرطبی) یعنی یہ مادہ مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈی کے درمیان سے اسی طرح عورت کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈی کے درمیان سے نکلتا ہے یہی قول طبی تحقیقات کے مطابق ہے۔

اس آیت پر بعض ملحدین نے اعتراض کیا ہے کہ مادۂ منویہ کے خروج کا کیا مطلب ہے؟ خروج کا مطلب اگر جسم سے باہر خارج ہونا ہو تو بداہۃً غلط ہے کیونکہ منی کا خروج یہاں سے نہیں ہوتا۔ اگر خروج کا معنی اس کا مقر ہے جہاں وہ جمع ہوتی ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس کا ذخیرہ ''اوعية المنى: خُصْيَتَيْن'' ہیں نہ کہ پشت و سینہ اگر خروج کا مقصد یہ ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی یہاں تیار ہوتے ہیں تو بھی درست نہیں کیونکہ اس کے بنانے میں سب سے زیادہ حصہ دماغ کا ہے نہ کہ صُلب و ترائب کا۔

جن لوگوں نے ان اُمور کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے ان کے نزدیک معترض کا یہ اعتراض اس کی جہالت اور اس کے الحاد کی دلیل ہے۔ قرآن کریم نے ''بین الصُّلب والترائب'' کے مختصر اور جامع الفاظ سے حقیقت کی جس طرح ترجمانی کی ہے اس سے بہتر ناممکن ہے۔ جسم میں کوئی ایک عضو ایسا نہیں جو تنہا اس مادۂ تولید کو بناتا ہو بلکہ تمام اعضائے رئیسہ کے اشتراک سے یہ مادہ تیار ہوتا ہے۔ دماغ، دل اور جگر کا حصہ اس میں نمایاں اور سب سے زیادہ ہے۔ دل اور جگر کا مقام تو بلاشبہ ''بین الصُّلب والترائب'' ہے۔ باقی رہا دماغ تو ریڑھ کی ہڈی میں نُخاع (وہ سفید رنگ کی تار جو دماغ سے گردن سے گزرتی ہوئی ریڑھ کی ہڈی کے سارے موہروں سے ہوتی ہوئی کمر تک پہنچتی ہے) اس مادہ کی تیاری میں حصہ لیتا ہے۔ یہاں اس کے اصلی عناصر تیار ہو کر کیسۂ منی میں پہنچتے ہیں اور وہاں سے نکل کر کئی نالیوں کو طے کرتے ہوئے باہر نکلتے ہیں چنانچہ علامہ آلوسی نے اس حقیقت کو مندرجہ ذیل سطور میں بیان فرمایا ہے:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ریشہ دماغی، قلبی اور جگری قوتیں سب اس مادہ کو اس قابل بنانے میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ انسان کا مبدأ بن جاتا ہے۔ ''من بين الصلب والترائب'' کی مختصر اور جامع عبارت اس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ ''ترائب'' قلب اور جگر کو شامل ہے ''صُلْب'' سے وہ ریڑھ کی ہڈی کا ریشہ مراد ہے جس کے ذریعہ سے دماغ اس کی تیاری میں حصہ لیتا ہے۔

علاوہ ازیں مادۂ منویہ اگرچہ خصیتین پیدا کرتے ہیں اور کیسۂ منویہ میں جمع ہو جاتا ہے مگر اس کے اخراج کا مرکزِ تحریک صُلب اور ترائب کے درمیان واقع ہے اور دماغ سے اعصابی رَو جب اس مرکز کو پہنچتی ہے تب اس مرکز کی تحریک سے کیسۂ منویہ سکڑتا ہے اور اس سے ماءِ دافق پچکاری کی طرح نکلتا ہے۔ قرآنِ کریم کا بیان علمِ طب کی جدید تحقیقات کے عین مطابق

ہے۔

علامہ بیضاوی اور علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے بھی اپنی تفاسیر میں اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

(ضیاء القرآن ج ۵ ص ۵۳۷۔۵۳۶)

الطارق: ۸ میں فرمایا: بے شک اللہ اس کو لوٹانے پر ضرور قادر ہے O

انسان کو لوٹانے کے دو محمل' آخرت کی طرف یا باپ کی صلب کی طرف

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں' ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان کو اس کے باپ کی صلب کی طرف لوٹانے پر ضرور قادر ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے میدانِ حشر میں اٹھانے پر ضرور قادر ہے اور یہ تفسیر زیادہ قریب اور واضح ہے کیونکہ اس کے بعد کی آیات حشر کے احوال اور کوائف سے متعلق ہیں' اور اس سے پہلے یا بعد اس چیز میں کفار کا اختلاف ذکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ اس کے باپ کی پشت میں لوٹانے پر قادر ہے یا نہیں ہے' جب کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کفار شک کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اس کا رد فرمایا ہے' اور اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابتداءً انسان کو پیدا فرمایا ہے اور نطفہ کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان بنا کر کھڑا کر دیا ہے تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ پیدا کر دے۔

پہلی تفسیر پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پانچ چھ فٹ کے انسان کو اس کے باپ کی پشت میں لوٹانا کس طرح ممکن ہے' جب کہ اس کا باپ بھی پانچ چھ فٹ ہی کا ہوتا ہے؟ اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو بڑھاپے سے جوانی کی طرف لوٹائے اور جوانی سے بچپن کی طرف لوٹائے' پھر اس کو گوشت کا لوتھڑا بنا دے' پھر اس کو جما ہوا خون بنا دے' پھر اس کو نطفہ بنا دے' پھر اس نطفہ کو اس کے باپ کی صلب کی طرف لوٹا دے تو وہ یقیناً اس پر قادر ہے۔ (اس پر بھی یہ اشکال ہے کہ اس نطفہ کو باپ کی صلب کی طرف لوٹانا غیر معروف اور غیر مشاہد ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) (تاویلات ماتریدیہ ج ۵ ص ۴۳۳' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں: اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) اس آیت کا معنی یہ ہے: جس ذات نے انسان کو ابتداءً پیدا کیا ہے' وہ اس کے مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے:

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ (یٰس: ۷۹) آپ کہیے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ (الروم: ۲۷) وہی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے' پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: وہ اس پر قادر ہے کہ نطفہ کو دوبارہ آلے میں لوٹا دے' عکرمہ اور ضحاک نے کہا: وہ اس پر قادر ہے کہ نطفہ کو پشت میں لوٹا دے' ضحاک سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ نطفہ بنا دے' مقاتل بن حیان نے کہا: اس کا معنی ہے: اگر میں چاہوں تو انسان کو بڑھاپے سے جوانی کی طرف لوٹا دوں اور جوانی سے بچپن کی طرف لوٹا دوں اور بچپن سے پھر نطفہ کی طرف لوٹا دوں' تاہم اس آیت کی تفسیر میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (علامہ قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں یہ

دونوں قول لکھے ہیں۔سعیدی غفرلہٗ) (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۱۲۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس دوسری تفسیر کو رد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بالکل باطل ہے اور صحیح تفسیر پہلی ہے اور حضرت علامہ آلوسی نے جو کچھ لکھا ہے' وہی صحیح اور معقول ہے اور مجاہد اور ضحاک وغیرہ کے اقوال صحیح نہیں ہیں۔

آیا اللہ تعالیٰ پوری دنیا کو ایک انڈے میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

امام ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ نے فرمایا: اسی طرح یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ پوری دنیا کو ایک انڈے میں داخل کر دے؟ اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ پوری دنیا کو تنگ کر کے اور سکیڑ کر انڈے میں داخل کر دے یا انڈے کو اس قدر وسیع کر دے اور پھیلا دے کہ پوری دنیا اس میں آ جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ انڈا اپنے حال پر رہے اور دنیا اپنے حال پر رہے اور پھر پوری دنیا انڈے میں سما جائے تو یہ محال ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ جز کل ہو جائے اور کل جز ہو جائے' اسی طرح انسان اپنی جسامت میں رہتے ہوئے اپنے باپ کی پشت میں آ جائے تو یہ محال ہے لیکن اگر انسان کی جسامت بہ تدریج کم ہو کر نطفہ کے برابر ہو جائے تو پھر اس کا اپنے باپ کی پشت میں منتقل ہونا ممکن ہے۔ اسی طرح یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اہل جنت کی حرکت اور سکون کی کوئی انتہاء ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ نہیں ہے' پھر سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو ان کی حرکت کی انتہاء اور حرکت کے عدد کا علم ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ یہ حرکت کبھی منقطع نہیں ہو گی اور اس کو ان حرکات کے انقطاع کا علم نہیں ہے اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اہل جنت کی حرکات کے انقطاع کا علم نہیں ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے جہل کا اثبات نہیں ہے' بلکہ جہل کا اثبات اس وقت ہوتا جب یہ کہا جاتا کہ اس کو غیر منقطع حرکات کے انقطاع کا علم ہے۔

(تاویلات ماتریدیہ ج ۵ص ۴۳۴' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

الطارق: ۱۰۔۹ میں فرمایا: جس دن سینہ کی چھپی باتیں ظاہر کر دی جائیں گی O سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہو گی نہ اس کا کوئی مددگار ہو گا O

''سرائر'' اور ''ابتلاء'' کا معنی

الطارق: ۹ میں ''السرائر'' کا لفظ ہے' اس سے مراد ہے: دل میں جو عقائد اور نیات چھپی ہوئی ہیں اور جو اعمال پوشیدہ طور پر کیے ہیں' اور اس آیت میں ''تبلی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ابتلاء اور آزمائش' اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے اعمال قیامت کے دن اس کے سامنے پیش کیے جائیں گے' نیز اس کے صحیفۂ اعمال میں غور کیا جائے گا جس میں فرشتوں نے اس کے اعمال کی تفصیل لکھی ہے' آیا فرشتوں کا لکھا ہوا اس کے پیش کردہ اعمال کے مطابق ہے یا نہیں' ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال کا علم ہے لیکن اتمامِ حجت کے لیے اس کیفیت سے حساب لیا جائے گا۔

اس کی دوسری تفسیر اس طرح ہے کہ بعض افعال کا ظاہر تو حسین ہوتا ہے اور ان کا باطن قبیح ہوتا ہے اور بعض افعال کا ظاہر قبیح ہوتا ہے اور ان کا باطن حسین ہوتا ہے اور اس دن اعمال کی آزمائش اس طرح کی جائے گی کہ جن افعال کا ظاہر حسین ہے اور باطن قبیح ہے' ان افعال کے قبیح ہونے کی وجوہ پیش کی جائیں گی اور جن افعال کا ظاہر قبیح ہے اور باطن حسین ہے' ان افعال کی تحسین کی وجوہ پیش کی جائیں گی۔

اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ جو افعال اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان راز ہیں' ان کو قیامت کے دن ظاہر کر دیا جائے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر راز کو ظاہر کر دے گا حتیٰ کہ اس اظہار کی وجہ سے بعض چہرے خوش ہوں گے اور بعض چہرے

مرجھائے ہوئے ہوں گے۔

الطارق: ۱۰ میں فرمایا: سو اس وقت نہ اس کی کوئی طاقت ہوگی نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا O

اس کی طاقت نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسی قوت نہیں ہوگی' جس کی وجہ سے وہ از خود اپنی ذات سے عذاب کو دور کر سکے' اور ناصر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی ایسا مددگار نہ ہوگا جو اس سے عذاب کو دور کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بارش والے آسمان کی قسم O اور پھٹنے والی زمین کی قسم O بے شک یہ (قرآن) (حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے O اور یہ کوئی مذاق نہیں ہے O بے شک کافر اپنی سازش کر رہے ہیں O اور میں اپنی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں O سو آپ کافروں کو چھوڑ دیں (اور) ان کو تھوڑی مہلت دیں O (الطارق: ۱۷۔۱۱)

آسمان کو ''ذات الرجع'' فرمانے کی توجیہات

اللہ سبحانہٗ نے توحید اور حشر کے ثبوت پر دلائل دینے کے بعد ایک اور قسم کھائی' اس قسم میں آسمان کو ''ذات الرجع'' فرمایا ہے' ''ذات الرجع'' کا معنی ہے: بار بار لوٹنے والا۔ زجاج وغیرہ نے کہا ہے: اس سے مراد ہے: بارش کو برسانے والا' کیونکہ بارش بار بار لوٹ کر آتی ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ زمین کے سمندروں سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر بادلوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے' پھر بارش کی صورت میں وہی پانی زمین کی طرف لوٹ جاتا ہے' تیسری وجہ یہ ہے کہ عرب نیک فال کے طور پر بارش کو ''ذات الرجع'' یعنی لوٹ کر آنے والی کہتے ہیں کہ بارش دوبارہ پھر لوٹ کر آئے' جیسے عید کے دن کو عید اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان کی زندگی میں پھر لوٹ کر آتا ہے' کیونکہ عید کا لفظ عود سے بنا ہے' جس کا معنی ہے: لوٹنا اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ بارش ہر سال لوٹ کر آتی ہے بلکہ ایک سال میں متعدد بار آتی ہے' اس لیے بارش کو ''ذات الرجع'' کہتے ہیں' یعنی بار بار لوٹ کر آنے والی اور کیونکہ بارش کا نزول آسمان کی جانب سے ہوتا ہے' اس لیے آسمان کو بھی ''ذات الرجع'' فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ'' (الطارق: ۱۱) کا معنی ہے: بار بار بارش برسانے والا آسمان' کیونکہ آسمان سے بار بار بارش نازل ہوتی ہے یا جو خیر آسمان کی طرف سے آتی ہے' وہ بار بار لوٹ کر آتی ہے۔

ابن زید نے کہا: آسمان اپنے سورج اور اپنے چاند کو غروب ہونے کے بعد بار بار طلوع کی طرف لوٹاتا ہے۔

الطارق: ۱۲ میں فرمایا: اور پھٹنے والی زمین کی قسم O

زمین کو ''ذات الصدع'' فرمانے کی توجیہات

اس آیت میں زمین کو ''ذات الصدع'' فرمایا ہے' ''الصدع'' کا معنی ہے: ''الشق'' یعنی پھٹنا' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ O (الروم: ۴۳) اس دن سب پھٹ کر بکھر جائیں گے O

حضرت ابن عباس نے فرمایا: زمین پھٹتی ہے اور اس سے پودے اور کونپلیں نکل آتی ہیں۔

مجاہد نے کہا: اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان شق اور شگاف ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا. (الانبیاء: ۳۱) اور ہم نے اس زمین میں کشادہ راستے بنا دیئے۔

لیث نے کہا: ''الصدع'' سے مراد زمین کی پیداوار ہیں کیونکہ زمین کی پیداوار زمین کو پھاڑ کر باہر نکل آتی ہیں اور اسی اعتبار سے زمین کی پیداوار کو ''الصدع'' فرمایا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: جس طرح اللہ تعالیٰ نے جان داروں کی تخلیق کو اپنی توحید اور حشر کی معرفت کی دلیل بنایا ہے' اسی طرح اس نے اس قسم میں زمین کی پیداوار کی تخلیق کو اس کی معرفت کی دلیل بنایا ہے' پس بارش برسانے والا آسمان بہ منزلہ باپ

ہے اور پھٹ کر غلہ نکالنے والی زمین بہ منزلہ ماں ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں اس پر موقوف ہیں کہ آسمان کی جانب سے بار بار بارشیں نازل ہوتی رہیں اور زمین پھٹ کر بار بار غلہ اور پھل اُگاتی رہے۔

آسمان اور زمین کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے جوابِ قسم کا ذکر کیا۔

الطارق: ١٣ میں فرمایا: بے شک یہ (قرآن) (حق اور باطل میں) فیصلہ کرنے والا کلام ہے O

''قول فصل'' کی دو تفسیریں' فیصلہ کرنے والی کتاب یا مفصل کتاب

حارث اعور' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اس کتاب میں تم سے پہلے لوگوں کی خبر ہے اور تمہارے بعد کے لوگوں کے لیے حکم ہے اور یہ فیصلہ پر مشتمل کتاب ہے' کوئی مذاق نہیں ہے' جس کسی جبار نے اس کو ترک کر دیا' اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا اور جس نے اس کتاب کے غیر میں ہدایت کو تلاش کیا' اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ٢٩٠٦)

''قول فصل'' کا ایک معنی یہ ہے کہ یہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا قول ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے: یہ مفصل قول ہے' اس میں حلال اور حرام کو بیان فرما دیا ہے اور یہ بیان فرما دیا ہے کہ کن کاموں سے بچنا چاہیے اور کن کاموں کو کرنا چاہیے اور اس میں حق اور باطل اور صحیح اور غلط کو بیان فرما دیا ہے اور اس میں مؤمنوں کے لیے ثواب کی بشارت اور کفار کے لیے عذاب کی وعید کو بیان فرما دیا ہے' انبیاء سابقین اور مؤمنین صالحین کا ذکر ہے اور سابقہ امتوں کے کافروں اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر ہے اور قیامت تک پیش آنے والے اُمور کے یے جامع ہدایت ہے اور مکمل دستور العمل ہے۔

''قول فصل'' کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے پہلے جو ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تم کو اس دن زندہ کرے گا' جس دن تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تمہاری خفیہ باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا' یہ برحق قول ہے کوئی مذاق نہیں ہے۔

الطارق: ١٥۔١٤ میں فرمایا: بے شک کافر اپنی سازش کر رہے ہیں O اور میں اپنی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں O

کافروں کی سازش اور ان کا مکر یہ تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالتے تھے تا کہ وہ اسلام نہ لائیں' مثلاً وہ یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں ہے کہ تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا' تو جب انسانوں کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی اور وہ مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے اور ان کے اجزاء دوسرے مردوں کے اجزاء سے خلط ملط ہو جائیں گے تو ان کو باہم کس طرح تمیز دی جائے گی؟ اور وہ کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے تو یہ کسی بڑے سردار پر کیوں نہ نازل ہوا؟ اور وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جو جانور اپنی طبعی موت سے مر جائے وہ حرام ہے اور جس جانور کو مسلمان اللہ کے نام سے ذبح کریں وہ حلال ہے' سو یہ کیسی غلط بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مارا ہوا جانور حرام ہو اور بندے کا مارا ہوا جانور حلال ہو؟ اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طعن کرتے تھے اور کہتے تھے: وہ ساحر ہیں یا شاعر ہیں یا مجنون ہیں اور انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سازش کو ناکام کر دیا اور ان کے تمام شبہات کو زائل کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور مدد فرمائی اور آپ کے لائے ہوئے دین کو سر بلند اور غالب کر دیا۔

کفار کے ''کید'' اور اللہ تعالیٰ کے ''کید'' کا فرق

اس آیت میں کفار کی سازش کو بھی ''کید'' فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو خفیہ تدبیر فرمائی' اس کو بھی ''کید'' فرمایا ہے

حالانکہ ان کی سازش باطل تھی اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر حق ہے' صورۃً مماثلت کی وجہ سے دونوں کے لیے ایک لفظ ''کید'' فرمایا ہے جیسا کہ ان آیتوں میں ہے:

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ (الشوریٰ:۴۰) برائی کا بدلہ اسی کی مثل بُرائی ہے۔

حالانکہ بُرائی ظلم ہے اور اس کا بدلہ عدل ہے' جیسے کوئی کسی کو ظلماً قتل کر دے' پھر اس کے قصاص میں قاتل کو قتل کیا جائے تو پہلا قتل ظلم ہے اور دوسرا قتل عدل ہے۔

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ (الحشر:۱۹) کافروں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔

کافروں کا بھلانا گناہ اور اللہ کا بھلانا یعنی ان پر رحم نہ فرمانا ان کے گناہ کی سزا ہے' لیکن صورۃً مماثلت کی وجہ سے دونوں کے لیے بھلانے کا لفظ استعمال فرمایا۔

اس طرح کی اور بہت آیات ہیں' جیسے فرمایا:

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ (النساء:۱۴۲) منافقین اپنے (زعم میں) اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں حالانکہ اللہ ان کو ان کے دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔

زیرِ تفسیر آیت میں کافروں کا ''کید'' (سازش) یہ تھا کہ اللہ کے دین سے لوگوں کو متنفر کیا جائے' اور اللہ تعالیٰ کا ''کید'' یہ تھا کہ ان کو ان کے کفر میں ڈھیل دی جائے' پھر اچانک ان پر گرفت کی جائے۔

الطارق: ۱۷ میں فرمایا: سو آپ کافروں کو چھوڑ دیں (اور) ان کو تھوڑی مہلت دیں O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مہلت دینے کے حکم کی توجیہ

اس آیت میں ''رُوَیْد'' کا لفظ ہے' یہ اسماء افعال میں سے ہے' اس کا معنی ہے: ان کو مہلت دیں اور ان کے ساتھ نرمی کریں۔ اس آیت میں پہلے ''فمھل'' فرمایا' اس کے بعد ''امھلھم'' فرمایا' دونوں کا معنی ہے: ان کو مہلت دیں اور ''رُوَید'' کا بھی یہی معنی ہے' غرضیکہ متعدد تاکیدات کے ساتھ فرمایا ہے: ان کو مہلت دیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ جس طرح آپ کو تنگ کر رہے تھے اور مسلمانوں کو مشتعل کر رہے تھے' اس کا تقاضا تھا کہ ان کافروں سے فوری انتقام لیا جائے' لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے آپ کو صبر وضبط کی تلقین فرماتا رہا' دوسری وجہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ کے مسلسل مظالم کا تقاضا یہ تھا اور حالات اس موڑ پر آ گئے تھے کہ آپ ان کے خلاف ہلاکت کی دعا کرتے' اس لیے فرمایا: آپ ان کو تھوڑی مہلت دیں' کیونکہ عنقریب غزوۂ بدر میں یا آخرت میں ان سے انتقام کا موقع آئے گا' اگرچہ آپ نے ان کی ہلاکت کی ایسی کوئی دعا نہیں کی تھی' بلکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! مشرکین کے خلاف دعا کیجئے' آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا مجھے صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۹۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے آپ سے پوچھا: آپ پر کون سا ایسا دن آیا ہے جو اُحد کے دن سے زیادہ آپ پر سخت تھا؟ آپ نے فرمایا: میں نے تمہاری قوم کی جس بدسلوکی کا سامنا کیا ہے' سو کیا ہے اور ان کی سب سے زیادہ بدسلوکی کا دن یوم عقبہ تھا' میں نے ابن عبد یالیل کے سامنے اپنی نبوت کو پیش کیا' اس نے میری امید کے مطابق جواب نہیں دیا' پھر میں نہایت غمگین ہو کر چلا گیا' پھر قرن الثعالب پر پہنچ کر میں سنبھلا' میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک بادل نے مجھ پر سایا کیا ہوا تھا' میں نے دیکھا کہ اس میں حضرت جبریل تھے' انہوں نے مجھ کو ندا کر کے کہا: آپ کی قوم نے جو آپ کو جواب دیا ہے' وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ

ان لوگوں کے متعلق جو چاہیں اس کو حکم دیں' پہاڑوں کے فرشتہ نے آپ کو ندا کر کے آپ کو سلام کیا' پھر کہا: یا محمد! آپ جو چاہیں حکم دیں' آپ چاہیں تو میں دو پہاڑوں کے درمیان ان کو پیس دوں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا' جو صرف اللہ واحد کی عبادت کریں گے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۲۳۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۹۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۷۷۰۶)

سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی سرشت اور مزاج کے موافق فرمایا' ان کو تھوڑی مہلت دیں' عنقریب جنگ بدر میں آپ کو جہاد کی اجازت دی جائے گی' پھر ان سے انتقام لے لیں یا پھر آخرت میں ان سے انتقام لیا جائے گا۔

سورۃ الطارق کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۸ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۲۳ ستمبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ الطارق کی تفسیر ختم ہو گئی۔

وصلی اللّٰہ علٰی سیدنا محمد وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین.



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ الاعلیٰ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الاعلیٰ ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''الاعلیٰ'' کا لفظ ہے وہ آیت یہ ہے:

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ (الاعلیٰ:۱) اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے ۝

یہ بیان کیجئے کہ آپ کے رب کا نام ہر نقص اور ہر عیب سے بَری ہے اور ہر حسن اور کمال سے متصف ہے یہ سورت مکی ہے ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۸ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۸۷ ہے اور اس کے فضائل میں حسب ذیل احادیث اور آثار ہیں:

امام ابن الضریس امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ سورۃ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' مکہ میں نازل ہوئی۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۳۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جو سب سے پہلے ہمارے پاس (مدینہ) آئے وہ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما تھے وہ دونوں ہم کو قرآن پڑھاتے تھے پھر حضرت عمار حضرت بلال اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم آئے پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیس اصحاب کے ساتھ آئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میں نے نہیں دیکھا کہ اہل مدینہ کسی چیز سے اس قدر خوش ہوئے ہوں جس قدر آپ کے تشریف لانے سے خوش ہوئے حتیٰ کہ میں نے بچیوں اور بچوں کو یہ کہتے ہوئے دیکھا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تشریف لے آئے پس جب آپ آئے تو میں نے ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' اور اس کی مثل سورتیں پڑھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۴۱)

امام احمد امام بزار اور امام ابن مردویہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورت ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' سے محبت کرتے تھے۔ (منداحمد ج ۱ ص ۹۶)

امام مسلم امام ابوداؤد امام ترمذی امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی اسانید سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کے دن یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى'' اور ''هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ'' اور اگر عید جمعہ کے دن ہوتی تو ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۸۷۸ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۱۲۲ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۳۳ سنن نسائی رقم الحدیث:۱۴۲۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۱۱۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں سورۃ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ

الْاَعْلَى ''اور سورۃ ''هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ '' پڑھا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۲۸۳' مسند احمد رقم الحدیث: ۱۹۵۷۶)

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں سورۃ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى '' پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۶۰)

امام ابوداؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سورۃ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى '' سورۃ ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ '' اور سورۃ ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ '' پڑھا کرتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۲۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۷۳۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۷۱)

امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى '' پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۃ ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ '' پڑھتے تھے اور تیسری رکعت میں سورۃ ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ '' پڑھتے تھے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۲۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۶۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۷۳)

سورۃ الاعلیٰ کے مشمولات

☆ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرت کا اثبات ہے' اور قرآن مجید کو حفظ کرنے کی ترغیب ہے' اور انسان کے نفس کی تہذیب کی تلقین ہے۔

☆ سورۃ الاعلیٰ ۵۔۱ میں اللہ تعالیٰ کے نام کی تسبیح پڑھنے کا حکم ہے اور اس کی حمد اور تمجید کا حکم ہے کیونکہ اس نے مخلوق کو پیدا کیا' اس کو ہدایت دی اور اس کے نفع کی چیزوں کو پیدا کیا۔

☆ سورۃ الاعلیٰ: ۷۔۶ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن مجید کو حفظ کرنا آسان بنا دیا ہے اور یہ بشارت دی ہے کہ آپ قرآن مجید کو کبھی نہیں بھولیں گے۔

☆ سورۃ الاعلیٰ: ۱۳۔۸ میں نفوسِ انسانیہ کی اصلاح اور تہذیب کی تلقین فرمائی ہے۔

☆ سورۃ الاعلیٰ: ۱۹۔۱۴ میں یہ بتایا ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو کفر' شرک اور کبیرہ گناہوں سے پاک کر لیا اور وہ ہمیشہ اللہ عزوجل کے جلال اور اس کی عظمت کو یاد کرتا رہا اور اس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دی تو اس کا نفس پاکیزہ ہو جائے گا اور وہ آخرت میں کامیاب ہو جائے گا۔

سورۃ الاعلیٰ کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الاعلیٰ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ رب العلمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل اور کذب سے مجتنب رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۱ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰

۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴





سورۃ الاعلیٰ مکیۃ ۸۷ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ۱۹ رکوعہا ۱

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انیس آیات اور ایک رکوع ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝۱ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲ وَالَّذِىْ

اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے ۝ جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا پھر اس کو درست بنایا ۝ اور جس نے

قَدَّرَ فَهَدٰى ۝۳ وَالَّذِىْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۴ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝۵

(صحیح) اندازہ کیا پھر ہدایت دی ۝ اور جس نے چراگاہ بنائی ۝ پھر تازہ گھاس کو خشک مائل بہ سیاہ کر دیا ۝

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝۶ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ

ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے ۝ مگر جو اللہ چاہے بے شک وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ

وَمَا يَخْفٰى ۝۷ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹

کو جانتا ہے ۝ اور ہم آپ کے لیے سہولت کر دیں گے ۝ سو آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ دے ۝

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝۱۱ الَّذِىْ يَصْلَى

عنقریب وہی شخص نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہے ۝ اور اس نصیحت سے بڑا بدبخت دور رہے گا ۝ جو بڑی آگ

النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ

میں جائے گا ۝ پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا ۝ بے شک جس نے اپنا باطن صاف کر لیا وہ

تَزَكّٰى ۝۱۴ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ

کامیاب ہو گیا ۝ اور جس نے اپنے رب کا نام ذکر کیا، پھر وہ نماز پڑھتا رہا ۝ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح

الدُّنْيَا ۝۱۶ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۱۷ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ

دیتے ہو ۝ اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ۝ بے شک یہ (نصیحت) پہلے صحائف

الْاُوْلٰى ۝۱۸ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝۱۹ ع

میں بھی (مذکور) ہے ۝ ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں ۝

۱ ع ۱۹ ۱۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیئے جو سب سے بلند ہے O جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا پھر اس کو درست بنایا O اور جس نے (صحیح) اندازہ کیا پھر ہدایت دی O اور جس نے چراگاہ بنائی O پھر تازہ گھاس کو خشک مائل بہ سیاہ کر دیا O (الاعلیٰ: ۵۔۱)

تسبیح کا معنی اور اللہ کے نام کی نقص اور عیب سے بَری ہونے کی وجوہ

الاعلیٰ: ۱ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کی تسبیح پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

تسبیح کا معنی ہے تقدیس اور تنزیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کو ان چیزوں سے بَری کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں' اور وہ حسب ذیل چیزیں ہو سکتی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام اللہ کے نام پر رکھنا' جیسے مشرکین نے اپنے بت کا نام لات رکھا تھا' اور مسیلمہ کا نام یمامہ کا رحمان رکھا تھا' ہمارے ہاں کسی کا نام عبد الرحمان یا عبد الغفار ہوتا ہے' پھر لوگ تخفیف کے لیے اس کو رحمان صاحب یا غفار صاحب کہتے ہیں' یہ بھی اسی حکم میں ہے' اس سے بھی سختی کے ساتھ اجتناب کرنا لازم ہے' بعض لوگ کہتے ہیں: اے رحمان بھائی! اے غفار بھائی! یہ اور بھی معیوب ہے' اللہ تعالیٰ کے اسماء ذات ہوں یا اسماء صفات' ان کا احترام کرنا لازم ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے اسماء کی ایسی تفسیر نہ کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے' مثلاً اس کی صفت اعلیٰ ہے تو اس کی ایسی تفسیر کی جائے کہ وہ کسی بلند جگہ پر قائم ہے' بلکہ یہ کہا جائے کہ وہ قہر کرنے میں اور غلبہ میں سب سے زیادہ بلند ہے یا اس کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا نام بغیر اس کے خوف اور اس کی تعظیم کے نہ لیا جائے' مثلاً غفلت اور بے دھیانی سے اس کا نام نہ لیا جائے' کوئی ناجائز اور معیوب کام کرتے وقت اس کا نام نہ لیا جائے' کسی ناپاک حالت اور ناپاک جگہ اس کا نام نہ لیا جائے' مثلاً غسل خانے یا واش روم میں اس کا نام نہ لیا جائے' جنابت کی حالت میں یا برہنہ بدن اس کا نام نہ لیا جائے' اس کے معنی پر توجہ کے بغیر اس کا نام نہ لیا جائے' کھیل کود میں اور مشغلہ کے طور پر تالی بجاتے ہوئے اس کا نام نہ لیا جائے' جیسے مشرکین تالیاں بجاتے ہوئے اور سیٹیاں بجاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات سماع شرع پر موقوف ہیں' یعنی کتاب اور سنت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات وارد ہو چکی ہیں' ان ہی صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے' ہمارے ہاں عام لوگ اللہ میاں کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ کو میاں کہنا جائز نہیں ہے' میاں شوہر کو کہا جاتا ہے' بعض لوگ بوڑھے آدمی کو میاں جی کہتے ہیں' بعض لوگ اللہ سائیں کہتے ہیں' سائیں فقیر کو بھی کہا جاتا ہے' یہ تو اردو کے الفاظ ہیں' عربی کے الفاظ میں سے بھی اللہ تعالیٰ پر ان ہی اسماء کا اطلاق جائز ہے جو قرآن اور حدیث میں وارد ہو چکے ہوں' اللہ تعالیٰ پر علام کا اطلاق ہے' علامۃ کے لفظ میں اگرچہ زیادہ مبالغہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق جائز نہیں ہے کیونکہ ہر چند کہ تاء کے متعدد معانی ہیں لیکن تاء تانیث کے لیے بھی آتی ہے' اسی طرح قرآن اور حدیث میں اگر افعال کا اطلاق ہو تو اپنی طرف سے ان سے اسم مشتق کر کے اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنا جائز نہیں ہے مثلاً قرآن مجید میں ''یُعَلِّمُ'' کا لفظ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ پر معلم کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ معلم اس کو کہتے ہیں جو فیس لے کر بچوں کو پڑھاتا ہو' غرض جس لفظ میں کسی اعتبار سے بھی نقص اور عیب کا معنی ہو' اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہیں اور نہ یہ قاعدہ ہے کہ جس لفظ میں بھی کسی عمدگی اور خوبی کا معنی ہو' اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کر دیا جائے بلکہ یہ دیکھا

جائے کہ اس لفظ کا اطلاق قرآن اور حدیث میں آیا ہے یا نہیں' اسی طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ خنزیروں' بندروں اور کیڑوں مکوڑوں کا خالق ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۔ اور اللہ کے لیے سب اچھے نام ہیں سو ان ناموں سے اللہ کو پکارو۔ (الاعراف: ۱۸۰)

اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی صفات' اس کے افعال' اس کے اسماء اور اس کے احکام میں سے کسی کے ساتھ بھی اس چیز کو ذکر نہ کیا جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے' مثلاً اس کی ذات کے متعلق یہ نہ کہا جائے کہ وہ جسم ہے یا باپ ہے یا شوہر ہے اور اس کی صفات کے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ وہ حادث ہیں یا محدود ہیں یا ناقص ہیں' اور اس کے افعال کے متعلق یہ نہ کہا جائے کہ اس کا فلاں کام ظلم ہے یا درست نہیں ہے بلکہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ مالک علی الاطلاق ہے' جو چاہے کرے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے' ہر کام اس کی قدرت اور اس کے چاہنے اور اس کی تخلیق سے ہوتا ہے لیکن وہ ہر کام پر راضی نہیں ہوتا اور اس کے احکام کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس نے ہمیں جس کام کا بھی حکم دیا ہے' اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ اس کے ماننے اور اس پر عمل کرنے میں ہمارا فائدہ ہے بلکہ اس نے ہم کو اس لیے احکام دیئے ہیں کہ وہ ہمارا خالق اور مالک ہے' ہم اس کی مخلوق اور اس کے مملوک ہیں اور مالک جو چاہے اپنی مملوک کو حکم دے سکتا ہے۔

''سبحان ربی الاعلیٰ'' کے متعلق احادیث

حضرت عقبہ بن عامر جہنی بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ'' (الواقعہ: ۷۴) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو تم رکوع میں پڑھا کرو' اور جب یہ آیت نازل ہوئی: ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى'' تو آپ نے فرمایا: اس کو تم سجدہ میں پڑھا کرو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۶۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۸۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے: ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى'' (الاعلیٰ: ۱) تو آپ پڑھتے: ''سبحان ربی الاعلیٰ''۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۳۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے تو تین مرتبہ کہے: ''سبحان ربی العظیم'' اور یہ کم سے کم تین مرتبہ ہے اور جب سجدہ کرے تو تین مرتبہ پڑھے: ''سبحان ربی الاعلیٰ'' اور یہ کم سے کم تین مرتبہ ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۸۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۸۹۰)

اللہ تعالیٰ کی صفت ''الاعلیٰ'' ذکر کرنے کی وجوہ

اس آیت میں رب کی صفت ''الاعلیٰ'' بیان فرمائی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حمد و ثنا کرنے والے کی حمد و ثنا سے اعلیٰ' اجل اور اعظم ہے اور ہر ذکر کرنے والے کے ذکر سے بلند و بالا ہے' اس کا جلال اور اس کی کبریائی ہمارے ادراک اور ہمارے تصور اور ہمارے علوم اور معارف سے بہت بلند ہے اور اس کی ظاہری اور باطنی نعمتیں ہماری حمد اور شکر سے بہت بلند اور برتر ہیں اور اس کے حقوق ہماری اطاعت اور عبادت اور ہمارے تمام نیک اعمال سے بہت زیادہ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے آخر میں یہ دعا کرتے: اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں تیری ایسی حمد و ثناء نہیں کر سکا'

جیسی حمد و ثنا خود تو نے اپنی کی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۲۷ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۵۶۶ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۰۶ مسند احمد ج ۱ ص ۹۶ طبع قدیم مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۷-۱۴۷ رقم الحدیث: ۷۵۱ اس حدیث کی سند قوی ہے)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تو نے اپنی ذات کی ایسی حمد و ثناء کی جو تیری ذات کے لائق ہے سو تیری ایسی حمد و ثناء کون کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رب کی صفت ''الاعلیٰ'' ذکر کی ہے اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مستحق ہے کہ ہر نقص اور عیب سے اس کا بری ہونا بیان کیا جائے یعنی وہ اپنے ملک اپنی سلطنت اور اپنی قدرت کی وجہ سے ہر چیز سے اعلیٰ اور بلند ہے۔

الاعلیٰ: ۳-۲ میں فرمایا: جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا پھر اس کو درست بنایا O اور جس نے (صحیح) اندازہ کیا پھر ہدایت دی O

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی ہدایت سے اس کی الوہیت اور اس کی توحید پر استدلال

چونکہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول پر موقوف ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تسبیح کا حکم دینے کے بعد اپنے وجود اور اپنی الوہیت کا ذکر فرمایا کہ اسی نے مخلوق کو پیدا کیا اور اسی نے ہدایت دی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی توحید پر یہ دلیل قائم کی:

الَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَهُوَ یَهۡدِیۡنِ ۙ (الشعراء: ۷۸) جس نے مجھے پیدا کیا ہے پس وہی مجھے ہدایت دیتا ہے O

اور جب فرعون نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے پوچھا: تم دونوں کا رب کون ہے یا موسیٰ! (طٰہٰ: ۴۹) تو انہوں نے جواب دیا:

رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی O (طٰہٰ: ۵۰) ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک کو اس کی مخصوص بناوٹ عطا کی پھر ہدایت دی O

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ابتدائی آیات نازل کیں ان میں بھی اپنی تخلیق اور ہدایت کا ذکر فرمایا:

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ ۙ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ (العلق: ۵-۱) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا O جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا O پڑھیے اور آپ کا رب بہت کریم ہے O جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا O انسان کو وہ سب سکھا دیا جس کو وہ نہیں جانتا تھا O

اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور توحید پر ایسی واضح دلیل ہے جس کا مشرکین بھی اعتراف کرتے تھے قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ (لقمان: ۲۵) اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (ان کو پیدا کیا ہے)۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِهَا لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ (العنکبوت: ۶۳) اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی کس نے نازل کیا اور اس پانی سے زمین کے مردہ (بنجر) ہونے کے بعد کس نے اس کو زندہ کیا (زرخیز بنایا) تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

اور چونکہ تمام روئے زمین کو زرخیز بنانے کا یہی واحد نظام ہے کہ آسمان سے بارش برسائی جائے تو معلوم ہوا کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے تو اسی طرح یہ آیت اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی ربوبیت' اس کی الوہیت اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہے' جس کا کفار اور مشرکین بھی اعتراف کرتے تھے اور العلق: ۵ میں فرمایا: انسان کو وہ سب سکھا دیا جس کو وہ نہیں جانتا تھا' اس میں اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا ذکر ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا عام اور ہمہ گیر ذریعہ اس کی تخلیق اور اس کی ہدایت ہے اور جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت حاصل ہو جائے تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اور یہ کہے کہ وہ خود تو ممکن اور حادث ہے لیکن اس کا خالق اور اس کو راہِ راست کی ہدایت دینے والا مخلوق ہونے اور امکان اور حدوث سے پاک ہے' بلکہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور ہر حسن اور کمال سے متصف ہے۔

عام مخلوق اور خصوصاً انسان کی درست تخلیق کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے مخلوق کو پیدا کیا پھر اس کو درست بنایا' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا' اور بالخصوص انسان کو پیدا کیا اور اس کو درست بنایا یعنی اس کو حسین بناوٹ پر پیدا فرمایا' جیسا کہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ (التین: ۴)

بے شک ہم نے انسان کو سب سے اچھی بناوٹ میں پیدا کیا ۝

انسان کو اس نے تمام عبادات ادا کرنے کے قابل بنایا' اور زمینوں اور آسمانوں کو تمام جمادات' نباتات اور حیوانات کو اس کے نفع کے لیے مسخر کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں ہر قسم کا تصرف اور عمل کرنے کا مالک اور قادر ہے۔

تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جس نے (صحیح) اندازہ کیا پھر ہدایت دی ۝

اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور ستاروں اور عناصر اور معادن اور نباتات اور حیوانات اور انسانوں کی جسامتِ مخصوصہ اور ان کی صورتوں کا اور ان کی صلاحیتوں کا اور ان کی کارکردگی کا اور مدتِ معلومہ تک ان کی بقاء کا اور ان کی صفات میں سے ان کے رنگوں' ان کی خوشبوؤں' ان کے حسن اور قبح' ان کی سعادت اور ان کی شقاوت' اور ان کی ہدایت اور ان کی گمراہی کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا اور اس کے مطابق ان کو پیدا کیا۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ (الفرقان: ۲)

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کا مناسب اندازہ قرار دیا ۝

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۝ (الاحزاب: ۳۸)

اور اللہ کے تمام کام تقدیر (صحیح اندازے) پر مبنی ہیں ۝

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں' آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا: نہیں یا رسول اللہ! ماسوا اس کے کہ آپ ہمیں بتائیں' آپ نے اس کتاب کے موافق فرمایا جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی' یہ رب العلمین کی طرف سے کتاب ہے' اس میں اہل جنت کے اور ان کے آباء اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں' پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے' پس اس میں کوئی اضافہ کیا جائے گا نہ اس میں کوئی کمی کی جائے گی' کبھی بھی' پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی: یہ رب العلمین کی طرف سے کتاب ہے' اس میں اہل دوزخ کے اور ان کے آباء کے اور ان کے قبائل کے اسماء ہیں' پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے' پس اس میں کوئی اضافہ کیا جائے گا نہ اس میں کوئی کمی کی جائے گی' کبھی بھی' آپ کے اصحاب نے

کہا: یارسول اللہ! پھر اگر تمام کاموں سے فراغت ہو چکی ہے تو پھر عمل کس لیے کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: تم ٹھیک ٹھیک اور صحیح کام کرتے رہو' کیونکہ جنتی شخص کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر کیا جائے گا' خواہ اس نے کوئی عمل کیا ہو' اور دوزخی شخص کا خاتمہ اہل دوزخ کے عمل پر کیا جائے گا' خواہ اس نے کوئی عمل کیا ہو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑ دیئے' پھر فرمایا: تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے' ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:٢١٤١' مسند احمد ج ٢ ص ١٦٧)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کسی بندے کے ساتھ نیکی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو نیکی میں استعمال فرماتا ہے' آپ سے کہا گیا: یارسول اللہ! وہ اس کو کیسے استعمال فرماتا ہے؟ فرمایا: وہ اس کو موت سے پہلے نیک عمل کی توفیق دیتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٢١٤٢' مسند احمد ج ٣ ص ١٠٦)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک کوئی بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس پر ایمان نہ لائے کہ ہر خیر اور شر تقدیر سے وابستہ ہے' اور اس پر جو مصیبت آئی ہے وہ اس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس سے ٹل گئی ہے وہ اس پر آ نہیں سکتی تھی۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٢١٤٤)

ابن ابی خزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا: یارسول اللہ! یہ بتائیے کہ ہم جو دَم کراتے ہیں یا دوا دارو کرتے ہیں اور جس ڈھال کے ذریعہ حملے سے بچتے ہیں کیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر کو ٹال سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:٢١٤٨' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٢٠٦٥)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ نے لعنت کی ہے اور ہر نبی نے لعنت کی ہے' (بعض روایات میں ہے: اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے) (١) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (٢) اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا (٣) طاقت اور جبر سے اقتدار حاصل کرنے والا تاکہ عزت والوں کو ذلیل کرے اور ذلت والوں کو عزت دے (٤) اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنے والا (٥) میری اولاد میں جن چیزوں کو اللہ نے حرام کیا ہے ان کو حلال کرنے والا (٦) میری سنت کو (اہانۃً) ترک کرنے والا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٢١٥٤)

الولید بن عبادۃ بن الصامت بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے یہ وصیت کی: اے میرے بیٹے! اللہ سے ڈرتے رہو اور تم ہرگز تقویٰ حاصل نہیں کر سکو گے' جب تک اللہ پر ایمان نہ لاؤ اور اس پر ایمان نہ لاؤ کہ ہر خیر اور شر اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے' اگر تم اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر مر گئے تو دوزخ میں داخل ہو گے' اور بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ قلم ہے' پھر (اس سے) فرمایا: لکھ' اس نے کہا: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر کو لکھو' اور جو کچھ ہو چکا ہے اور ابد تک جو ہونے والا ہے' وہ لکھو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:٢١٥٥' مسند احمد ج ٥ ص ٣١٧' صحیح مسلم رقم الحدیث:٣٣١٩)

اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کے متعدد معانی اور محامل

اور اس آیت میں فرمایا: پھر اللہ نے ہدایت دی۔

ہر مزاج مخصوص قوت کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر قوت میں مخصوص فعل کی صلاحیت ہے اور مخلوق کو درست بنانے کا معنی یہ ہے کہ انسان کے اجزاء جسمانیہ کو مخصوص طریقہ سے بنانا اور ان میں مخصوص قوت کی صلاحیت رکھنا اور یہی تقدیر ہے اور انسان کو

ہدایت دینے کا یہ معنی ہے کہ انسان کے اعضاء میں ایسی قوتوں کو تخلیق کرنا کہ ہر قوت افعال مخصوصہ کا مبدأ‘ مصدر اور معدن بن سکے اور اس کے مجموعہ سے مکمل مصلحت حاصل ہو جائے‘ پھر مفسرین نے اس ہدایت کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔

مقاتل نے کہا: مذکر کو ہدایت دی کہ وہ مؤنث سے کس طرح اپنی خواہش پوری کرے‘ یہ فطری ہدایت ہے جو ہر جاندار میں ہے۔

بعض علماء نے کہا: ہر جاندار کو اور ہر انسان کو اس کی غذا حاصل کرنے کا طریقہ سکھایا‘ خواہ وہ چرنے‘ چگنے سے ہو یا دوسرے جانوروں کو شکار کر کے اور ان کو چیرنے‘ پھاڑنے سے ہو یا سبزیاں اور گوشت کھانے سے ہو‘ یہ بھی فطری ہدایت ہے۔

بعض علماء نے کہا: انسان کو اچھا اور برا اور نیک اور بد راستہ سمجھایا‘ کیونکہ انسان کو حساس اور عقل سے کام لینے والا بنایا ہے اور اس کو اس پر قادر بنایا ہے کہ وہ مفید چیزوں کو حاصل کرے اور نقصان دہ چیزوں سے دور رہے‘ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ۱۰۔۷)

نفس (انسان) کی اور اس کو درست بنانے کی قسم ۝ پس اللہ نے اس کو برے کاموں اور ان سے بچنے کی سمجھ عطا کر دی ۝ جس نے اپنے باطن کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا ۝ اور جس نے اپنے نفس کو برے کاموں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا ۝

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۱۰)

اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیئے ۝

بعض علماء نے کہا: ہدایت دینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے افعال سے اپنی الوہیت پر‘ اپنی ذات اور صفات پر‘ اپنی توحید پر اور اپنی قدرت پر مطلع فرمایا کیونکہ ہر عقل والا دیکھتا ہے کہ اس جہان میں ایسی چیزیں ہیں جو از خود وجود میں نہیں آ سکتیں اور یہ چیزیں ایسی مربوط‘ منظم اور دائمی ہیں کہ ان کو اتفاقی حادثہ نہیں قرار دیا جا سکتا اور یہ تمام چیزیں اس جہان میں نظام واحد کے ساتھ منسلک ہیں‘ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ سورج یا چاند ایک دن ایک جانب سے طلوع ہوں اور دوسرے دن دوسری جانب سے‘ اسی طرح ہر چیز میں یکسانیت‘ نظم اور تسلسل ہے‘ اس لیے اس نظام کو بنانے اور چلانے والے متعدد نہیں ہو سکتے‘ اس لیے نظام کا خالق ضرور واحد اور صرف واحد ہے۔

قتادہ نے کہا: ہدایت دینے کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ سے زبردستی اور جبراً گناہ نہیں کرایا اور نہ کسی کو جبراً گم راہ کیا اور نہ کسی کو گناہ کرنے اور گم راہی کا حکم دیا لیکن وہ اپنے بندوں کی اطاعت اور عبادت سے راضی ہے اور اس نے اپنے بندوں کو اطاعت اور عبادت کرنے کا حکم دیا ہے‘ اور ان کو کفر اور معصیت سے منع فرمایا ہے۔

ہر چند کہ ہدایت دینے کے متعدد معانی اور محامل ہیں‘ لیکن ان سب کا مآل دو معنی کی طرف ہے‘ ایک دنیاوی اُمور کی فطری ہدایت کہ کس طرح کوئی جاندار اپنی خوراک حاصل کرے اور کس طرح اپنی نسل بڑھائے‘ اور کس طرح اپنا سر چھپائے اور بسیرا کرے اور اپنے آپ کو گرمی‘ سردی اور برسات سے بچائے اور دوسرا معنی ہے: دینی اُمور کی ہدایت کہ کس طرح اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے اور مانے اور اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کن کاموں کو کرے اور کن کاموں سے باز رہے‘ اس ہدایت کا داعیہ‘ باعثہ اور محرک انسان کی فطرت اور اس کے خمیر میں رکھا گیا ہے‘ لیکن یہ ہدایت عقل سے‘ رسولوں سے‘ آسمانی کتابوں سے اور دینی رہنماؤں سے حاصل ہوتی ہے۔

”المرعٰی“ کا معنی

الاعلیٰ: ۴ میں فرمایا: اور جس نے چراگاہ بنائی ۝

اس آیت میں ''المرعٰی'' کا لفظ ہے'اس کا معنی ہے: چراگاہ' جانوروں اور انسانوں کی خوراک' یعنی قدرتی گھاس' سبزہ' غلہ اور پھل وغیرہ' یہ لفظ اصل میں ''رعی'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: جاندار کی حفاظت کرنا اور اس کو باقی رکھنا' حفاظت کی تین صورتیں ہیں: (۱) خوراک مہیا کرنا (۲) جان داروں کو دشمنوں سے محفوظ رکھنا اور ان کو بچانا' ان کی بیماریوں کا حسب مقدور علاج کرنا (۳) زیر کفالت افراد کا مناسب انتظام کرنا اور ان کو دنیا اور آخرت کے ضرر سے بچانے کی تلقین اور تگ و دو کرنا اور ان کی اصلاح کرنا اور پھر اس کی تین قسمیں ہیں' اگر ایک فرد کو بُرائی سے بچانا اور نیکی سے متصف کرنا ہو تو اس کو تہذیب نفس کہتے ہیں اور اگر ایک گھر اور ایک خاندان کو بُرائیوں سے دور رکھنا اور نیکیوں سے متصف کرنا ہو تو اس کو تدبیر منزل کہتے ہیں اور اگر ایک شہر اور ایک ملک کی اصلاح کرنی ہو تو اس کو سیاستِ مدنیہ کہتے ہیں یعنی ایک شہر یا ملک کی اندرونی خرابیوں مثلاً چوری کی وارداتوں' ڈاکوں' بھتوں' لسانی اور مذہبی فسادات' سمگلنگ' چور بازاری' نقلی اور ملاوٹ والی اشیاء' نشہ آور چیزوں اور مخرب اخلاق کاموں کو روکنا اور شہر یا ملک کی خوش حالی' روزگاری کے مواقع اور عام ضروری اشیاء کو فراہم کرنا اسی طرح ملک کے خارجی اور بیرونی معاملات کو صحیح طور پر چلانا' تجارت اور دفاع کے شعبوں کو مضبوط اور منظم کرنا یہ سیاستِ مدنیہ ہے' ''راعی'' چرواہے اور محافظ کو بھی کہتے ہیں اور حاکم کو بھی کہتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت افراد کے متعلق سوال ہوگا' سربراہ ملک نگران ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا اور ایک شخص اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے گھر کے لوگوں کے متعلق سوال ہوگا' عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے اور اس سے گھر کے متعلق سوال ہوگا' خادم اپنے مالک کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کے مال کے متعلق سوال ہوگا اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کے مال کے متعلق سوال ہوگا اور تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٨٩٣' سنن ترمذی رقم الحدیث: ١٧٠٥' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ٢٠٦٤٩' مسند احمد ج ٢ ص ٥)

الاعلیٰ: ۵ میں فرمایا: پھر تازہ گھاس کو خشک مائل بہ سیاہ کر دیا O

''غثاء'' اور ''احوی'' کا معنی

اس آیت میں ''غثاء'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: خشک گھاس' سیلاب کا کوڑا اور جھاگ' سوکھے گلے سڑے پتے اور ''احوی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کالا سیاہ مائل بہ سبز' سرخ مائل بہ سیاہ' یہ لفظ ''حوۃ'' سے بنا ہے' ''حوۃ'' اس سیاہی کو کہتے ہیں جو مائل بہ سبز ہو یا وہ سرخی جو مائل بہ سیاہی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے O مگر جو اللہ چاہے' بے شک وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے O اور ہم آپ کے لیے سہولت کر دیں گے O سو آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ دے O عنقریب وہی شخص نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہے O اور اس نصیحت سے بڑا بدبخت دور رہے گا O جو بڑی آگ میں جائے گا O پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جیے گا O (الاعلیٰ: ١٣۔٦)

اللہ تعالیٰ کے یاد کرانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید نہ بھولنا اور اس کے ضمن میں آپ کی نبوت کی دلیلیں

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح پڑھنے کا حکم دیا تھا' اور آپ کو معلوم تھا کہ کامل تسبیح جب ہوگی جب

آپ قرآن کے موافق تسبیح پڑھیں' اس لیے آپ قرآن مجید کو یاد کرنے کی کوشش کرتے تھے' مبادا آپ قرآن مجید بھول جائیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے فرمایا: ہم عنقریب آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے' دوسری وجہ یہ ہے کہ جب حضرت جبریل آپ پر قرآن نازل کرتے تو آپ جلدی جلدی دہرانے کی کوشش کرتے کہ آپ بھول نہ جائیں' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے فرمایا: ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے' اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے' ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے' اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) حضرت جبریل آپ کے سامنے متعدد بار قرآن مجید پڑھیں گے تو اس کو بار بار سن کر آپ کو خوب حفظ ہو جائے گا' پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

(۲) ہم آپ کا سینہ کھول دیں گے اور آپ کی قوتِ حافظہ کو اس قدر قوی کر دیں گے کہ آپ کو پکا حفظ ہو جائے گا' پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

(۳) آپ ہمیشہ تسبیح پڑھتے رہیے' ہم آپ کو عنقریب قرآن مجید پڑھائیں گے' جو تمام اوّلین اور آخرین کے علوم کا جامع ہے' اس میں آپ کی اور آپ کی قوم کا ذکر ہے' ہم اس کو آپ کے دل میں جمع کر دیں گے اور اس پر عمل کرنا ہم آپ کے لیے آسان کر دیں گے۔

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دو وجہوں سے دلالت کرتی ہے' ایک اس وجہ سے کہ آپ اُمی شخص تھے اور آپ کا اس ضخیم کتاب کو بغیر درس اور تکرار اور بغیر لکھنے کے یاد کرنا خلافِ عادت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت جبریل کے سامنے دہرانے سے منع فرما دیا تھا تو صرف ایک مرتبہ حضرت جبریل سے سن کر اس قدر ضخیم کتاب کو حفظ کر لینا غیر معمولی اور خلافِ عادت کام ہے' اور یہ آپ کا زبردست معجزہ ہے اور آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سورت الاعلیٰ مکہ میں نازل ہونے والی اوائل سورتوں میں سے ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے یہ آٹھویں سورت ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیش گوئی فرما دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو نہیں بھولیں گے اور یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور یہ بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ باقی کسی موقع پر کسی ایک لفظ کی طرف توجہ کا مبذول نہ ہونا قرآن مجید بھولنے کو مستلزم نہیں ہے۔

الاعلیٰ: ۷ میں فرمایا: مگر جو اللہ چاہے' بے شک وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے O

بعض آیات کے بھولنے کے متعلق احادیث اور ان کی توجیہ

بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں بعض الفاظ کو پڑھنا بھول گئے تھے۔

مسور بن یزید الاسدی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا' آپ نے کچھ چھوڑ دیا اور اس کو نہیں پڑھا' ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی ہے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے مجھ کو یاد کیوں نہیں دلایا؟ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی' آپ کی قرأت میں آپ پر کچھ اشتباہ ہو گیا' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی تھی؟ انہوں نے عرض کی: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر تم کو کس نے منع کیا؟ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۹۰۷)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور آپ

نے قرآن مجید کی ایک سورت سے کچھ ترک کر دیا' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اُبی نے کہا: یارسول اللہ! کیا فلاں فلاں آیت منسوخ ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' حضرت اُبی نے کہا: آپ نے اس آیت کو نہیں پڑھا تھا' آپ نے فرمایا: تم نے مجھے تلقین کیوں نہیں کی (تم نے مجھے بروقت لقمہ کیوں نہیں دیا)؟ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۴۰۸' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۲۱۶)

مصنف کے نزدیک ان احادیث کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو بھولے نہیں تھے' حتیٰ کہ یہ احادیث زیر تفسیر آیت کے معارض ہوں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض حکمتوں کو پورا کرنے کے لیے اس آیت کی قرأت کی طرف سے آپ کی توجہ ہٹا دی تھی اور وہ حکمت یہ ہے کہ اگر امام نماز میں قرأت کے درمیان کہیں بھول جائے تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ امام کو لقمہ دے اور قرأت کے علاوہ اگر امام نماز کے کسی رکن کو بھول جائے تو اس کو لقمہ دینا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ امام کو از خود یاد آ جائے اور وہ اس رکن کو ادا کر کے سجدہ سہو ادا کرے' الایہ کہ امام نماز ختم کرنے والا ہو تو پھر اس کو لقمہ دے دے' اس کی تفصیل فتح القدیر ج ۱ ص ۴۱۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت اور فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۴۲۵۔۴۲۲' لائل پور میں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ بھولنے کے استثناء پر امام ماتریدی کی تقریر

امام ابو منصور محمد بن محمد متوفی ۳۳۳ھ' الاعلیٰ: ۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مگر جو اللہ چاہے' بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے: مگر اللہ جو چاہے گا' وہ آپ کو قرآن مجید سے بھلا دے گا' لیکن میری رائے میں یہ معنی صحیح نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پڑھانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن میں سے کچھ نہ بھولنا آپ کی نبوت کی دلیل ہے' اگر آپ قرآن میں سے کچھ بھول گئے تو یہ آپ کی نبوت میں طعن ہو گا' اور بعض احادیث میں یہ وارد ہے کہ آپ نماز میں ایک آیت بھول گئے تھے' لیکن یہ اخبار احاد ہیں جو علم یقینی کا فائدہ نہیں دیتیں' البتہ ان کے تقاضے پر عمل کرنا واجب ہے' ہمارے نزدیک اس آیت میں استثناء کے تین محامل ہیں:

(۱) انبیاء علیہم السلام اپنی عصمت میں زلات (لغزشوں' اجتہادی خطاء' مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کا ارتکاب) سے مامون نہیں ہوتے کہ ان پر جو انعام کیا گیا ہے وہ ان سے زائل نہ ہو جائے' اگر چہ اب ہم پر ان کی عصمت ظاہر ہو چکی ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے دلائل کے جواب میں فرمایا:

اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا ۭ (الانعام: ۸۰)

کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے بحث کر رہے ہو حالانکہ وہ مجھے (کامل) ہدایت دے چکا ہے' اور تم جن چیزوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا' ماسوا اس کے کہ میرا رب ہی کوئی چیز چاہے۔

مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈراتے تھے کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی مخالفت نہیں چھوڑی تو وہ آپ پر کوئی آفت یا مصیبت نازل کر دیں گے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرتا' تمہارے بت مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' ہاں! اگر میرا رب ہی مجھ پر کوئی آفت نازل کرنا چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے' پس جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام میں یہ استثناء ہے' اسی طرح زیر تفسیر آیت میں استثناء ہے کہ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے' پھر آپ نہیں بھولیں گے' ہاں! اگر اللہ خود ہی چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ

اگر ہم تمہارے دین میں آ جائیں تو پھر ہم اللہ پر جھوٹی

إِذْ نَجَّنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۚ. (الاعراف:۸۹)

تہمت لگانے والے ہوں گے اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں تمہارے دین سے بچا کر رکھا ہے اور تمہارے دین میں داخل ہونا ہمارے لیے جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ جو چاہے وہ ہمارا رب ہے۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا:

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ ۚ. (یوسف:۷۶)

اسی طرح ہم نے یوسف کے لیے خفیہ تدبیر کی تھی وہ اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون کی رُو سے نہیں رکھ سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

جس طرح مذکور الصدر انبیاء علیہم السلام کے عام اور کلی معاملات میں عادۃً کوئی استثناء نہیں ہوسکتا تھا' مگر یہ کہ اللہ چاہے کیونکہ وہ ہر ممکن پر قادر ہے' اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پڑھا دیا تو آپ عادۃً اس کو نہیں بھول سکتے تھے' لیکن اگر اللہ چاہے تو ایسا ہوسکتا تھا' مگر ایسا ہوا نہیں جیسا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معاملات میں ایسا نہیں ہوا' اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی قدرت اور سلطنت کے اظہار کے لیے ایسا فرمایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کسی حکم کو منسوخ فرما دے گا اور اس حکم کی آیت کو آپ کے دل سے بھلا دے گا اور یہاں حقیقت میں آپ کا کسی آیت کو بھولنا نہیں ہوگا بلکہ اس آیت کی تلاوت کو منسوخ کرنا ہوگا' جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ. (البقرہ:۱۰۶)

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیں یا اس کو بھلا دیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی اور آیت لے آتے ہیں۔

(۳) اس آیت کے استثناء میں آپ کے بھولنے سے مراد آپ کی توجہ ہٹ جانا ہے' اور توجہ کے بعد وہ آیت آپ کو یاد آجاتی ہے' جیسے قرآن کے پکے اور ماہر حافظ سے ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی کام میں مشغول ہو تو اس کی کسی آیت کی طرف توجہ نہیں رہتی لیکن جب وہ بہ غور توجہ کرتا ہے تو اس کو وہ آیت یاد آجاتی ہے اور ان تین جوابات سے اس آیت میں استثناء کا معنی واضح ہو جاتا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۳۹' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ بھولنے کے استثناء پر امام ابن جوزی کی تقریر

امام عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

(۱) حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ جس حکم کو منسوخ کرنا چاہے گا اس کی آیت کو آپ کے دل سے بھلا دے گا۔

(۲) اس آیت میں استثناء اس آیت کی مثل ہے:

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ. (ھود:۱۰۷۔۱۰۶)

بدبخت لوگ دوزخ میں رہیں گے' وہاں چیخیں گے اور چلائیں گے ۝ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان اور زمین برقرار ہیں' ماسوا اس وقت کے' جس وقت کو آپ کا رب چاہے۔

یعنی اگر کسی وقت میں اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کافروں کو دوزخ سے نکال لے گا لیکن اللہ تعالیٰ ایسا نہیں چاہے گا' اسی طرح اگر اللہ چاہے گا تو آپ قرآن مجید بھول جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ ایسا نہیں چاہے گا۔

(زاد المسیر ج ۹ ص ۹۰۔۸۹' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ بھولنے کے استثناء پر امام رازی کی تقریر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مذکور استثناء کے متعلق دو قول ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ استثناء حقیقت میں حاصل نہیں ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کوئی چیز نہیں بھولے' اس اعتبار سے اس استثناء کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس آیت میں تبرک کے لیے "الا ماشاء اللہ" فرمایا ہے (جیسے ہم ان شاء اللہ کہتے ہیں:) اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ. (الکہف: ۲۴-۲۳) آپ کسی چیز کے متعلق یہ نہ کہیں کہ میں اس کو کل کرنے والا ہوں ۝ مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: میں تمام معلومات کو جاننے والا اور ہر چیز کے انجام کو تفصیلاً جاننے والا ہوں' اس کے باوجود میں مستقبل میں وقوع کی خبر نہیں دے رہا تو آپ کو اور آپ کی امت کو یہ طریق اولیٰ نہیں چاہیے کہ وہ مستقبل میں کسی کام کے وقوع کی خبر دیں۔

(۲) الفراء نے کہا: اس کا معنیٰ ہے: اللہ تعالیٰ جو چاہے گا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھلا دے گا' مگر اس استثناء کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اگر اللہ یہ ارادہ کرے کہ وہ آپ کو بھولنے والا بنا دے تو وہ اس پر قادر ہے' جیسے اس نے فرمایا ہے:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ. (بنی اسرائیل: ۸۶) اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ پر نازل کی ہے ہم اس کو سلب کر لیں۔

حالانکہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا' اور اس آیت کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے رب کی قدرت بتانا چاہتا ہے حتیٰ کہ آپ یہ جان لیں کہ آپ کا نہ بھولنا آپ کے رب کے فضل اور اس کے احسان کے سبب سے ہے' آپ کی اپنی قوت حفظ کے سبب سے نہیں ہے۔

(۳) جب اللہ تعالیٰ نے اس استثناء کا ذکر فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ہو سکتا تھا کہ آپ پر جو بھی وحی نازل ہوئی ہے' خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر' اس کو آپ بھول جائیں' اس لیے آپ ہر وقت اور ہر حال میں قرآن مجید کی طرف بھرپور توجہ رکھتے تھے۔

(۴) اس استثناء سے مقصود یہ ہے کہ آپ بالکل نہیں بھولیں گے' جیسے کوئی شخص اپنے ساتھی سے کہے: تم میرے مال میں حصہ دار ہو مگر جو اللہ چاہے' حالانکہ وہ استثناء کا بالکل ارادہ نہیں کرتا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ استثناء حقیقت میں واقع ہوا ہے اور اس تقدیر پر حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: مگر اللہ جو چاہے گا وہ آپ بھول جائیں گے' کیونکہ آپ بھول جاتے تھے' پھر اس کے بعد آپ اس کو یاد کرتے تھے' لیکن آپ دائماً اور کلی طور پر کبھی کسی آیت کو نہیں بھولتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ نماز میں ایک آیت کو پڑھنا بھول گئے اور حضرت اُبی بن کعب نے یہ گمان کیا کہ وہ آیت منسوخ ہو گئی ہے' انہوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں اس کو بھول گیا تھا۔

(۲) مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے: اللہ جو چاہے گا آپ کو بھلا دے گا اور اس بھلانے سے مراد منسوخ کرنا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ هم جس آیت کو منسوخ کر دیں یا اس کو بھلا دیں تو ہم اس

مِثْلِهَا ؕ . (البقرہ:۱۰۶) سے بہتر یا اس جیسی لے آتے ہیں۔

اور اب آیت کا معنی یہ ہوگا: اللہ تعالیٰ جس آیت کو چاہے کہ تمام اوقات میں آپ کو وہ بھلا دے تو وہ آپ کو حکم دے گا کہ آپ اس کو نہ پڑھیں اور یہ آپ کے نسیان کا اور آپ کے سینہ سے اس آیت کے زوال کا سبب ہوگا۔

(۳) اس کا معنی یہ ہے کہ آپ قلیل اور نادر طور پر ان چیزوں کو بھولیں گے' جن کا تعلق سنن اور آداب سے ہے نہ ان چیزوں کو جن کا تعلق فرائض اور واجبات سے ہے کیونکہ ان کا بھولنا دین اور شریعت میں خلل کا موجب ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۳۱' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس کے بعد فرمایا: بے شک وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے O

ظاہر سے مراد ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے ساتھ جو قرآن مجید پڑھتے تھے' اور پوشیدہ سے مراد ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنہائی میں جو اپنے طور پر قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھولنے کے خطرہ سے قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے بتایا: آپ خوف نہ کریں میں اس کا ضامن ہوں کہ آپ قرآن نہیں بھولیں گے' دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے' جس حکم پر عمل کرنا ان کے لیے دشوار ہوگا' وہ اس حکم کو منسوخ کر دے گا اور اس آیت کی قرأت آپ سے بھلا دے گا کیونکہ وہ ظاہر اور باطن کا جاننے والا ہے۔

الاعلیٰ: ۸ میں فرمایا: اور ہم آپ کے لیے سہولت کر دیں گے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت کے لیے دین کا آسان ہونا

سہولت سے مراد ہے: وہ نیک اعمال جو سہولت مہیا کرتے ہیں' اس آیت کے مفسرین نے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) ہم آپ کو قرآن مجید کے حفظ کرنے کے آسان اور سہل طریقہ کی توفیق دیں گے۔

(۲) ہم آپ کو ایسے نیک اعمال کی توفیق دیں گے' جس سے آپ کے لیے جنت کا راستہ آسان اور سہل ہو جائے گا۔

(۳) ہم آپ پر نزولِ وحی کو آسان کر دیں گے تاکہ آپ سہولت سے وحی کو حفظ کر سکیں' جان سکیں اور اس پر عمل کر سکیں۔

(۴) ہم آپ پر ایسے شرعی احکام نازل کریں گے' جن پر عمل کرنا آسان ہوگا اور لوگوں کے لیے شرعی احکام پر عمل کرنا مشکل اور دشوار نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ . (الحج:۷۸)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ . (الاعراف:۲)

یہ ایک کتاب ہے جو آپ پر اس لیے نازل کی گئی ہے کہ آپ اس سے لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں سو آپ کے سینہ میں اس سے تنگی نہ ہو۔

اور احادیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین آسان ہے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۰۴۹' مسند احمد ج ۵ ص ۶۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر آسان احکام بیان کرو اور مشکل احکام نہ بیان کرو اور لوگوں کو خوش خبری سناؤ اور لوگوں کو بد دل اور متنفر نہ کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٦٩' صحیح مسلم رقم الحدیث:١٧٣٤' السنن الکبریٰ رقم الحدیث:٨٥٩٠)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا' لوگ اس کی طرف جھپٹے' تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو' اور اس جگہ کے اوپر ایک یا دو ڈول پانی بہا دو' کیونکہ تم آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٢٢٠' صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٨٥' مسند احمد ج ٢ص ٢٨٢)

امام رازی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سہولت اور آسانی کے اس قدر دروازے کھولے ہیں کہ کسی اور پر اس قدر دروازے نہیں کھولے' آپ کو جاہلیت کے معاشرہ میں پیدا کیا' والد رحمہ اللہ پہلے فوت ہو چکے تھے' پھر والدہ رحمہا اللہ بھی فوت ہو گئیں اور چند سال بعد دادا کا سایا بھی سر سے اٹھ گیا' کسی مکتب میں پڑھنے کے لیے نہیں گئے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقوال اور افعال کو تمام جہانوں کے لیے نمونہ بنا دیا اور آپ کو تمام مخلوق کا ھادی بنا دیا' حضرت سعدی فرماتے ہیں ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانہ چند ملت بشست

وہ یتیم شخص جو پڑھنے کے لیے مکتب میں داخل نہیں ہوا' اس کی تعلیمات نے کتنی ہی لائبریریوں کی پہلی کتابوں کو بھلا دیا۔

الاعلیٰ: ٩ میں فرمایا: سو آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ دے O

اس اعتراض کا جواب کہ آپ کا منصب تو ہر شخص کو نصیحت کرنا ہے نہ کہ صرف ان کو جن کو نصیحت نفع دے

اس سے پہلی آیت میں بتایا تھا کہ ہم نے آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے دین آسان کر دیا ہے' اب اس پر یہ متفرع کیا ہے کہ جب دین آسان ہے تو لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیں اور نصیحت کریں' اگر ان کو نصیحت فائدہ دے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ آپ کا منصب تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو نصیحت فرماتے رہیں' خواہ ان کو فائدہ ہو یا نہ ہو' پھر یہ شرط کیوں عائد کی ہے کہ اگر ان کو نصیحت فائدہ دے؟ اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں:

اگر کوئی حکم کسی شرط پر موقوف ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب وہ شرط نہ پائی جائے تو اس حکم پر عمل نہ کیا جائے یعنی یہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اور یہ چیز حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا. اور تم اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکیزہ رہنے کا ارادہ کریں۔ (النور:٣٣)

اس ممانعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر تمہاری باندیاں پاکیزہ رہنے کا ارادہ نہ کریں تو پھر تم ان کو بدکاری پر مجبور کرو۔

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ. تم پر (سفر میں) نمازوں کو قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں بہ شرطیکہ تم کو یہ خطرہ ہو کہ کفار (دورانِ نماز) تم پر حملہ کر دیں گے۔ (النساء:١٠١)

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم صرف حالت جنگ میں نمازوں کو قصر کر سکتے ہو اور حالت امن میں نمازوں کو قصر نہیں

کر سکتے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ. (البقرہ:۲۸۳)

اگر تم سفر میں ہو اور تم کو (قرض کی دستاویز) لکھنے والا نہ ملے تو تم (قرض کے عوض) رہن کو رکھ لیا کرو۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر قرض کی رقم کو لکھنے والا مل جائے تو پھر قرض کے عوض رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

ان مثالوں سے جہاں اعتراض مذکور کا جواب ہوا' وہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ فقہاء احناف کا یہ مؤقف صحیح ہے کہ احکام شرعیہ میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا۔

نصیحت کے نفع آور ہونے کی شرط عائد کرنے کے فوائد

باقی یہ شرط جو لگائی گئی ہے کہ اگر نصیحت ان کو فائدہ دے تو ان کو نصیحت کریں' اس کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) اگر کوئی مقصود کسی شرط کو عائد کرنے سے زیادہ بہتر طور پر پورا ہوتا ہو تو شرط کا عائد کرنا مناسب ہے' لہٰذا جن کو نصیحت فائدہ دے' ان کو نصیحت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

(۲) اس آیت میں صراحۃً یہ فرمایا ہے: ان کو نصیحت کریں جن کو نصیحت فائدہ دے' اور یہ حکم التزاماً اس کو بھی متضمن ہے کہ جن کو نصیحت فائدہ نہ دے' ان کو بھی نصیحت کریں تا کہ اتمام حجت ہو جائے اور آپ کے مطلقاً ہادی ہونے کا تقاضا پورا ہو۔

(۳) اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر پر مطلع فرمایا ہے کہ کفار کو آپ کی نصیحت فائدہ نہیں دے گی' وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپ کی نصیحت کو قبول نہیں کریں گے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو کئی بار نصیحت کی مگر انہوں نے آپ کی نصیحت کو قبول نہیں کیا حتیٰ کہ آپ بہت غم گین اور افسردہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ○ (قٓ:۴۵)

اور آپ ان کو جبراً مؤمن بنانے والے نہیں ہیں' لہٰذا آپ صرف ان ہی لوگوں کو قرآن مجید سے نصیحت کیجئے جو (عذابِ آخرت کی) وعید سے ڈرتے ہوں○

یعنی عام لوگوں کو نصیحت کرنا ابتداءً تو ضروری ہے لیکن بار بار اور پیہم صرف ان ہی لوگوں کو نصیحت کرنا ضروری ہے' جن کے حق میں نصیحت کرنا مفید ہو۔

ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کسی حکم کے ساتھ کسی شرط کو عائد کرنا' اس کے حق میں تو درست ہے جس کو انجام کا پتا نہ ہو' اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے' اس کو علم ہے کہ کفار کو یہ نصیحت فائدہ نہیں دے گی' پھر اس نے یہ شرط کیوں عائد کی کہ اگر نصیحت فائدہ دے' اس کو تو معلوم ہے کہ کفار کو نصیحت سے فائدہ ہو گا یا نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تبلیغ اور پیغام بھیجنے کا حکم اور چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کو عواقب اُمور اور مغیبات کا علم ہونا دوسری چیز ہے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر مبنی نہیں ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ○ (طٰہٰ:۴۴)

آپ دونوں فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کریں' شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے○

حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم تھا کہ فرعون نصیحت حاصل کرے گا نہ ڈرے گا۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا یہ امر منضبط ہے کہ آپ کتنی بار عام لوگوں کو نصیحت کریں تو آپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو

جائیں گے۔

امام رازی نے فرمایا: اس کا انضباط عرف پر مبنی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۳۳)

مصنف کے نزدیک عام تبلیغ کا حکم اس وقت تک تھا' جب تک یہ آیت اور ق: ۴۵ نازل نہیں ہوئی تھی اور جب یہ آیات نازل ہوگئیں تو اب آپ پر صرف ان ہی لوگوں کے لیے نصیحت کرنا ضروری ہے' جن کو نصیحت فائدہ دے یا جو آخرت کی وعید سے ڈرتے ہوں۔

الاعلیٰ: ۱۰ میں فرمایا: عنقریب وہ شخص نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہے O

اللہ سے ڈرنے والے کا مصداق

وہی شخص آپ کی نصیحت کو قبول کرے گا' جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے یا روزِ آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ عزوجل کی توحید پر' آپ کی رسالت پر اور قرآن کے کتابِ ہدایت ہونے پر ایمان لاتے ہیں' بُرے کاموں سے بچتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور یہ ایمان ہی ان کو آپ کی نصیحت کے قبول کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کبھی اس شخص کو بھی نصیحت کی جاتی ہے جو آخرت کی امید رکھتا ہے' مگر آخرت سے ڈرنے والے کے لیے نصیحت زیادہ مفید ہے' قشیری نے کہا: ان آیتوں کا معنی یہ ہے کہ آپ بالعموم نصیحت کیجئے' اگرچہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت زیادہ مفید ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف دلوں میں ہوتا ہے اور دلوں کے حال پر صرف اللہ تعالیٰ مطلع ہوتا ہے' اس لیے آپ کے لیے افضل یہ ہے کہ آپ ہر شخص کو نصیحت کرتے رہیں' کیونکہ کوئی شخص نصیحت کو قبول کرے یا نہ کرے' آپ کو تو بہرحال نصیحت کرنے سے اجر وثواب ملے گا۔

امام رازی نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابن ام مکتوم کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

الاعلیٰ: ۱۳۔۱۱ میں فرمایا: اور اس نصیحت سے بڑا بدبخت دور رہے گا O جو بڑی آگ میں جائے گا O پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا O

بڑی آگ کا مصداق

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی دو قسمیں ہیں: مؤمنین اور کافرین' اور مؤمنین اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو قبول کرتے ہیں اور اس سے نفع حاصل کرتے ہیں' سو جو شخص آپ کی نصیحت کو مسترد کردے' وہ کافر ہوگا اور بہت بڑا بدبخت ہوگا اور وہی بہت بڑی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

بہت بڑی آگ کی تفسیر میں کئی قول ہیں: حسن بصری نے کہا: بہت بڑی آگ دوزخ کی آگ ہے اور چھوٹی آگ دنیا کی آگ ہے' ایک قول یہ ہے کہ جیسے گناہوں کے مختلف درجات ہوتے ہیں' سب سے بڑا گناہ شرکِ اکبر ہے' اس کے بعد شرکِ اصغر ہے یعنی ریاکاری' اس کے بعد ماں باپ کی نافرمانی ہے' اس کے بعد قطع رحم ہے' پھر دیگر گناہ کبیرہ ہیں' اسی اعتبار سے دوزخ کے بھی مختلف درجات ہیں اور سب سے بڑا درجہ کفر اور شرک کرنے والوں کے لیے ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (النساء: ۱۴۵)

بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''اشقی'' یعنی بہت بڑا بدبخت دوزخ میں ہوگا تو جو شخص بہت بڑا بدبخت

اور بہت بڑا مجرم نہ ہو کیا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''اشقی'' بہ معنیٰ ''شقی'' ہے یعنی جو شخص کافر ہے وہ دوزخ میں داخل ہوگا خواہ بڑا کافر ہو یا چھوٹا۔

پھر فرمایا: پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا○

یعنی اس پر موت نہیں آئے گی تا کہ اس کو عذاب سے نجات مل جائے اور نہ وہ اس طرح زندہ رہے گا کہ زندگی سے لطف اٹھا سکے' جیسے فرمایا:

لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ (فاطر:۳۶)

نہ ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے کم کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس نے اپنا باطن صاف کر لیا وہ کامیاب ہو گیا○ اور جس نے اپنے رب کا نام ذکر کیا' پھر وہ نماز پڑھتا رہا○ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو○ اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے○ بے شک یہ نصیحت پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے○ ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں○ (الاعلیٰ:۱۹۔۱۴)

تزکیہ نفس کا معنیٰ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا اور ان کی ہٹ دھرمی اور ان کے اُخروی انجام کا ذکر فرمایا تھا' اور جیسا کہ قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ کفار کے بعد مؤمنین کا ذکر فرماتا ہے اور وعید کے بعد اور عذاب کے بعد ثواب کا ذکر فرماتا ہے' اس لیے ان مؤمنوں کا ذکر فرما رہا ہے' جنہوں نے اپنا تزکیہ کر لیا اور اپنا باطن صاف کر لیا۔

اب یہ بحث ہے کہ تزکیہ سے کیا مراد ہے؟ امام رازی کی رائے یہ ہے کہ تزکیہ سے مراد ہے: کفر و شرک کو ترک کر کے اپنے باطن کو صاف کرنا اور کفر کی تاریکی کو اپنے قلب سے زائل کر کے اس کو ایمان کے نور سے روشن کرنا' کیونکہ اس آیت میں مطلق تزکیہ کا ذکر ہے اور جب کسی چیز کو مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد اس کا کامل فرد ہوتا ہے اور تزکیہ کا کامل فرد کفر اور شرک کو زائل کرنا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''تزکی'' کا معنی ہے: ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۱۳۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى'' کی تفسیر میں فرمایا: جس نے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت دی اور یہ شہادت دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور ''وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى'' کی تفسیر میں فرمایا: یہ پانچ نمازوں کی حفاظت کرتا ہے۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۲۲۸۴' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں عباد بن احمد العرزمی متروک ہے۔ مجمع الزوائد ج ۷ص ۱۳۷)

دوسرے مفسرین نے یہ کہا ہے کہ تزکیہ سے مراد ہے: کفر و شرک اور ہر قسم کے کبیرہ گناہوں کی آلودگی سے قلب کو صاف کر دینا اور اس کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ

بے شک ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی○ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں○ اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں○ اور جو اپنا باطن صاف کرنے والے ہیں○ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں○ سوا اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے سو بے شک ان میں وہ ملامت کیے ہوئے نہیں

هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (المؤمنون:۱۱۔۱)

ہیں○اور جس نے ان کے علاوہ کسی اور کو طلب کیا سو وہی لوگ (اللہ کی حدود سے) تجاوز کرنے والے ہیں○اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کی پاس داری کرنے والے ہیں○اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں ○وہی لوگ وارث ہیں○جو جنت الفردوس کی وراثت پائیں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں○

حافظ جلال الدین سیوطی نے الاعلیٰ: ۱۵۔۱۴ کی تفسیر میں حسب ذیل آثار ذکر کیے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا: جس نے شرک کو ترک کیا' توحید کا اقرار کیا اور پانچوں نمازیں پڑھیں۔

امام بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' میں عکرمہ سے روایت کیا ہے: جس نے ''لا الہ الا اللّٰہ'' پڑھا۔

امام ابن ابی حاتم نے عطاء سے روایت کیا ہے' جس نے بہ کثرت استغفار کیا۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۹۲۳۱)

امام عبد الرزاق اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے' جس نے نیک عمل کیے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۹۲۳۲)

تزکیہ کی تفسیر صدقۂ فطر قرار دینے کے متعلق احادیث اور آثار

امام بزار' امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے سند ضعیف سے عبد اللہ بن عمرو بن عوف سے' انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز پڑھنے سے پہلے ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝'' (الاعلیٰ: ۱۵۔۱۴) ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقۂ فطر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝'' سے مراد صدقۂ فطر ہے۔ (تفسیر امام ابن حاتم رقم الحدیث:۱۹۲۳۳)

امام ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن نمازِ عید پڑھنے کے لیے جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرتے۔

امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی ہے کہ عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کیا جائے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے: جس شخص نے اپنے مال کو پاک کیا اور جس شخص نے اپنے اخلاق سے اپنے باطن کو پاکیزہ کیا۔

امام سعید بن منصور اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو الاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے صدقہ کیا' پھر نماز پڑھی' پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۹۲۴۰)

(الدر المنثور ج ۸ ص ۴۴۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

تزکیہ کا معنی ہے: اپنے قلب سے عقائد باطلہ اور گناہ ہائے کبیرہ کی طرف میلان کو زائل کرنا اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا معنی یہ ہے: جو شخص اپنے رب کے سامنے منکسر اور متواضع ہوتا ہے' اس کا دل اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت سے منور ہو جاتا ہے' پھر اس نور کی وجہ سے اس کے تمام اعضاء سے خضوع اور خشوع ظاہر ہوتا ہے۔

فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ نماز کی "تکبیرۃ الافتتاح" میں اللہ اکبر کہنا ضروری ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ اکبر کہنا ضروری نہیں ہے' اگر اس نے اللہ اعظم کہہ دیا' پھر بھی نماز کو شروع کرنا صحیح ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: "وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلّٰى ۝" (الاعلیٰ:۱۴) اس نے اپنے رب کا نام ذکر کیا' پھر نماز پڑھی۔

الاعلیٰ:۱۶ میں فرمایا: بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔

دنیا کی لذتوں کو آخرت کی نعمتوں پر ترجیح دینے کی مذمت میں احادیث اور آثار

اس آیت کا معنی ہے کہ تم دنیا کے مشاغل اور دنیا کی لذات کو آخرت کے مشاغل اور آخرت کی لذات پر ترجیح دیتے ہو۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک خطبہ دیا' ہم میں سے جس نے اس کو یاد رکھا' اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا' اس خطبہ میں آپ نے قیامت تک ہونے والے اُمور کو بیان فرما دیا' آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: یہ دنیا سرسبز اور میٹھی ہے اور اللہ تم کو اس میں خلیفہ بنانے والا ہے' سو دیکھنے والا ہے کہ تم اس میں کیا عمل کرتے ہو' سنو! تم دنیا اور عورتوں سے بچو۔ الحدیث

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۱۷ ص ۲۲۷۔ رقم الحدیث: ۱۱۱۴۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اُحد کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد فرمایا: بے شک اللہ کی قسم! میں اب بھی اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرے بعد تم سب مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۳۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں رغبت کی اور اس کی دنیا میں رغبت زیادہ ہو گئی تو جس قدر اس کی دنیا میں رغبت ہو گی' اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اتنا اندھا کر دے گا اور جو دنیا میں بے رغبتی کرے گا اور اس کی امید کم کرے گا' اللہ اس کو پڑھنے کے بغیر علم عطا فرمائے گا اور بغیر حصول ہدایت کے ہدایت عطا فرمائے گا' نیز فرمایا: سنو! تمہارے بعد ایسی قوم آئے گی جس کو بغیر قتل اور جبر کے حکومت حاصل نہیں ہو گی اور بغیر بخل اور عجز کے خوش حالی حاصل نہیں ہو گی اور بغیر دین سے نکلنے اور خواہش کی پیروی کے محبت حاصل نہیں ہو گی' سنو! جس شخص نے ایسے زمانہ کو پایا اور حصولِ مال پر قدرت کے باوجود فقر پر صبر کیا اور حصولِ عزت پر قدرت کے باوجود ذلت پر صبر کیا اور حصولِ محبت پر قدرت کے باوجود بغض پر صبر کیا اور یہ صرف اللہ عزوجل کی رضا جوئی کے لیے کیا تو اللہ اس کو پچاس صدیقوں کا اجر عطا فرمائے گا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۳۵ ملخصاً' حسن بصری نے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! یہ دنیا ہلاکت کا گھر ہے' ٹھہرنے کا گھر نہیں ہے' یہ غم کا گھر ہے' خوشی کا گھر نہیں ہے' جس نے دنیا کو پہچان لیا وہ دنیا کی کشادگی سے خوش نہیں ہو گا اور دنیا کی شدت سے غم گین نہیں ہو گا' سنو! اللہ نے دنیا کو آزمائش کا گھر بنایا ہے اور آخرت کو انجام کا گھر بنایا ہے' پس دنیا کی آزمائش کو آخرت کا ثواب بنا دیا' اور آخرت کا ثواب دنیا کی آزمائش کا عوض ہے' پس اللہ تعالیٰ اچھی جزاء دینے کے لیے آزمائش کرتا ہے' پس تم دنیا کے میٹھے گھونٹ سے آخرت کی کڑواہٹ کی وجہ سے بچو اور اس کی لذتوں سے آخرت کے مصائب کی وجہ سے بچو اور اس گھر کو آباد کرنے کی کوشش نہ کرو' جس کو ویران کرنے کا اللہ نے فیصلہ کر لیا ہے اور تم دنیا سے میلان نہ رکھو' جس سے

اجتناب کا اللہ نے ارادہ فرمایا ہے ورنہ تم اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے اور اس کی سزا کے مستحق ہو گے۔

(الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۸۱۸۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے سب سے بُرے لوگ وہ ہیں جن کو نعمتوں سے غذا دی گئی' جو بہت لذیذ کھانا کھاتے ہیں اور بہت عمدہ کپڑے پہنتے ہیں' وہی یقیناً میری امت کے سب سے بُرے لوگ ہیں اور جو شخص کسی ظالم سربراہ کی وجہ سے ملک سے بھاگے وہ نافرمان نہیں ہے بلکہ ظالم سربراہ ملک نافرمان ہے' سنو! خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۳۶۴۷)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ الاعلیٰ پڑھی' جب وہ اس آیت پر پہنچے: ''بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا'' (الاعلیٰ:۱۶) تو انہوں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ہم نے آخرت کے اوپر دنیا کو ترجیح دے دی ہے' پھر انہوں نے کہا: ہم نے دنیا کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ ہم نے دنیا کی خوش نما چیزوں کو' دنیا کی (حسین) عورتوں کو اور دنیا کی کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کو دیکھا اور آخرت کی نعمتیں ہم سے غائب تھیں' اور ہم نے جلد ملنے والی چیزوں کو تاخیر سے ملنے والی نعمتوں پر ترجیح دی۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۲۸۶۵۸)

الاعلیٰ:۱۷ میں فرمایا: اور آخرت ہی بہت عمدہ اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے O

اُخروی نعمتوں کے افضل ہونے کی وجوہ

آخرت حسب ذیل وجوہ سے دنیا سے بہتر ہے:

(۱) آخرت جسمانی اور روحانی سعادتوں پر مشتمل ہے جب کہ دنیا میں صرف دنیاوی لذتیں ہیں۔

(۲) دنیا کی لذتیں مصیبت اٹھانے کے بعد ملتی ہیں اور آخرت کی لذتیں ابتداءً ملتی ہیں۔

(۳) دنیا کی لذتوں کے ساتھ یہ فکر بھی ہوتی ہے کہ یہ لذتیں کسی وقت بھی زائل ہو سکتی ہیں۔

(۴) دنیا کی لذتیں فانی ہیں اور آخرت کی لذتیں باقی ہیں۔

الاعلیٰ:۱۸ میں فرمایا: بے شک یہ (نصیحت) پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے O

کون سی نصیحت سابقہ صحائف میں مذکور ہے؟

اس میں اختلاف ہے کہ اس نصیحت کا اشارہ کس طرف ہے' بعض علماء نے کہا: اس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی توحید' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت' کفار کو عذاب کی وعید اور مؤمنین کو ثواب کی بشارت کی طرف ہے۔

بعض علماء نے کہا: اس کا اشارہ ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی'' (الاعلیٰ:۱۴) کی طرف ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ہر نامناسب کام سے پاک اور صاف کرے' قوتِ نظریہ کو تمام عقائد باطلہ سے پاک کرے اور قوتِ عملیہ کو تمام مذموم اخلاق سے پاک کرے۔

''وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ'' (الاعلیٰ:۱۵) میں یہ بتایا ہے کہ انسان اپنی روح کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے منور کرے اور ''فَصَلّٰی'' میں یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مزین کرے۔

''بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا'' (الاعلیٰ:۱۶) میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی زیب و زینت میں غافل ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کو فراموش نہ کرے۔

''وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی'' (الاعلیٰ:۱۷) میں یہ رہ نمائی کی ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے

ثواب کی طرف رغبت کرے اور اُخروی انعامات کی طرف۔

اور چونکہ اشارہ اس کی طرف کیا جاتا ہے جو زیادہ قریب مذکور ہو اس لیے متبادر یہ ہے کہ یہ اشارہ الاعلیٰ: ۱۷ کی طرف ہے' اور اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ○ (الشعراء: ۱۹۶) بے شک یہ (قرآن) انبیاء سابقین کے صحائف میں بھی مذکور ہے ○

الاعلیٰ: ۱۹ میں فرمایا: ابراہیم اور موسیٰ کے صحائف میں ○

اس آیت میں الاعلیٰ: ۱۸ کا بیان ہے' الاعلیٰ: ۱۸ میں فرمایا تھا: بے شک یہ (نصیحت) پہلے صحائف میں بھی (مذکور) ہے اور الاعلیٰ: ۱۹ میں ان صحائف کا بیان ہے کہ ان صحائف سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحائف ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحائف کے متعلق تفصیل حسب ذیل حدیث میں ہے:

نبیوں' رسولوں' کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق

امام ابونعیم اصبہانی نے اپنی سند کے ساتھ ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے' اس موضوع سے متعلق اس روایت کا درمیانی حصہ ہم پیش کر رہے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں' میں نے کہا: بہت اچھے ہیں' میں نے کہا: یارسول اللہ! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی' پھر ان کو اپنے سامنے بنایا' پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں: آدم' شیث اور خنوخ' یہ ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح' اور چار نبی عرب ہیں: ھود' صالح' شعیب اور تمہارے نبی' اے ابوذر! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں' شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے' خنوخ پر تیس صحیفے نازل کیے گئے' ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے اور تورات' انجیل' زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۷' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(موارد الظمآن ص ۵۴۔۵۲' مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ' بیروت)

امام احمد نے بھی دو سندوں سے اس حدیث کو حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے مگر اس میں تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶۔۱۷۹' مطبوعہ مکتبہ اسلامی' بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ۶ ص ۳۵۷۔۳۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

حافظ الہیثمی نے بھی امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے تین سو پندرہ رسولوں کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۷ شعبان ۱۴۲۶ھ/۲ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر مکمل ہو گئی' رب العلمین! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر مکمل کرادی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں' میں جن امراض میں مبتلا ہوں مجھے ان سے شفاء عطا فرمائیں' مجھے مزید توانائی عطا فرمائیں' صاحب زادہ حبیب الرحمان (بریڈفورڈ)' مولانا عبدالمجید (برسٹل)' ثمینہ بہن (برسٹل)' مولانا اسماعیل نورانی (کراچی)' شیخ نجیب الدین (کراچی)' شفیق بھائی' شمیم بھائی' سید عمیر (کراچی)' اور مفتی منیب الرحمان (کراچی)' سید محسن اعجاز (لاہور) اور فوزیہ بہن (لاہور) اور میرے تمام محسنین اور احباب کو اور مجھ کو دنیا اور آخرت کی مشکلات اور آفات و بلیات سے محفوظ اور مامون رکھیں اور آخرت کی دائمی نعمتیں اور جنت الفردوس عطا فرمائیں' میری والدہ ماجدہ' میرے والد گرامی اور میرے تمام اساتذہ کی اور تمام تلامذہ اور جملہ قارئین کی مغفرت فرمائیں اور میری تمام تصانیف کو تا قیام قیامت باقی' مرغوب اور فیض آفریں رکھیں۔ آمین یارب العلمین۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین افضل المرسلین
وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الغاشیۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ اور اس کے متعلق احادیث

اس سورت کا نام الغاشیۃ ہے' کیونکہ اس سورت کی ابتدائی آیت میں ''الغاشیۃ'' کا لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝ (الغاشیہ:۱) بے شک آپ کے پاس ڈھانپنے والی چیز کی خبر آ چکی ہے ۝

اس آیت میں ''ھل'' بہ معنی ''قد'' ہے یعنی تحقیق' ''الغاشیۃ'' کا معنی: ڈھانپنے والی' اس سے مراد قیامت ہے' کیونکہ قیامت کی ہولناکیاں تمام مخلوق کو ڈھانپ لیں گی۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ الغاشیۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۴۹' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت النعمان بن بشر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ الجمعہ کے ساتھ سورۃ الغاشیۃ پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۲۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۴۲۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۱۱۹)

سورۃ الغاشیۃ کا ترتیب مصحف کے اعتبار سے نمبر ۸۸ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۶۸ ہے۔

سورۃ الغاشیۃ کی سورۃ الاعلیٰ کے ساتھ مناسبت

سورۃ الاعلیٰ میں مؤمنین اور کافروں اور جنت اور دوزخ کے اوصاف اجمالاً بیان کیے گئے تھے:

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝ (الاعلیٰ: ۱۲۔۱۰) عنقریب وہی شخص نصیحت قبول کرے گا جو اللہ سے ڈرتا ہے ۝ اور اس نصیحت سے بڑا بد بخت دور رہے گا ۝ جو بڑی آگ میں جائے گا ۝

اور الغاشیۃ میں ان کی صفات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں' دوزخ اور اہل دوزخ کی صفات میں ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِىْ مِنْ جُوْعٍ ۝ (الغاشیہ: ۷۔۲) اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے ۝ کام کرنے والے' مشقت برداشت کرنے والے ۝ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے ۝ انہیں کھولتے ہوئے چشمہ (کے پانی) سے پلایا جائے گا ۝ ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہوگا ۝ جو نہ فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا ۝

سورۃ الغاشیۃ کے مشمولات

☆ سورۃ الغاشیۃ میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد بیان فرمائے ہیں۔

☆ اس سورت میں قیامت کے دہشت ناک احوال بیان فرمائے ہیں' اور مؤمنین اور کافرین کے اعمال کی جزاء اور سزا بیان فرمائی ہے اور اہل جنت اور اہل دوزخ کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی قدرت' اس کی حکمت اور اس کے علم پر آسمانوں' اونٹوں' پہاڑوں اور زمینوں وغیرہا کی تخلیق سے استدلال فرمایا ہے۔

☆ اس سورت کے آخر میں لوگوں کو یہ یاد دلایا ہے کہ انہوں نے اللہ عزوجل کی طرف لوٹ کر جانا ہے' جہاں ان سے اعمال کا حساب لیا جائے گا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ پر جو احکامِ شرعیہ نازل کیے گئے ہیں' وہ لوگوں کو یاد دلائیں۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الغاشیۃ کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ الٰہ العٰلمین! مجھے اس مہم میں ہدایت اور استقامت پر قائم رکھیں۔ آمین یارب العٰلمین

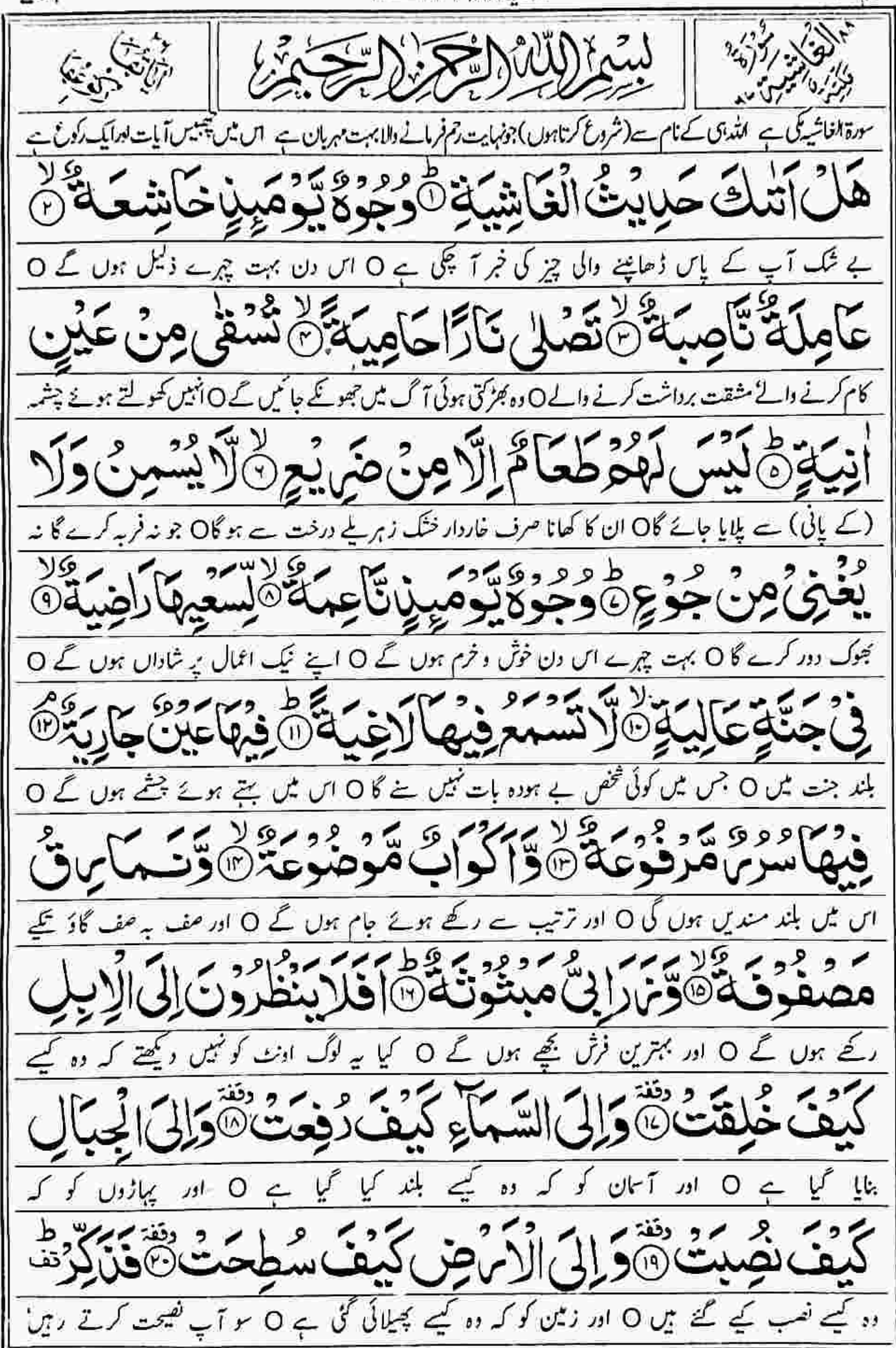
غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۷ شعبان ۱۴۲۶ھ/۲ اکتوبر ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴





الغاشية مكية — بسم الله الرحمن الرحيم — آياتها ۲۶ ركوعها ۱

سورۃ الغاشیہ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھبیس آیات اور ایک رکوع ہے

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾

بے شک آپ کے پاس ڈھانپنے والی چیز کی خبر آ چکی ہے O اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے O

عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ ﴿٣﴾ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾ تُسْقَىٰ مِنْ عَيْنٍ

کام کرنے والے مشقت برداشت کرنے والے O وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے O انہیں کھولتے ہوئے چشمہ

آنِيَةٍ ﴿٥﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ﴿٦﴾ لَا يُسْمِنُ وَلَا

(کے پانی) سے پلایا جائے گا O ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہوگا O جو نہ فربہ کرے گا نہ

يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ﴿٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾

بھوک دور کرے گا O بہت چہرے اس دن خوش و خرم ہوں گے O اپنے نیک اعمال پر شاداں ہوں گے O

فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾

وقف لازم

بلند جنت میں O جس میں کوئی شخص بے ہودہ بات نہیں سنے گا O اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے O

فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ ﴿١٣﴾ وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ ﴿١٤﴾ وَنَمَارِقُ

اس میں بلند مسندیں ہوں گی O اور ترتیب سے رکھے ہوئے جام ہوں گے O اور صف بہ صف گاؤ تکیے

مَصْفُوفَةٌ ﴿١٥﴾ وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ﴿١٦﴾ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ

رکھے ہوں گے O اور بہترین فرش بچھے ہوں گے O کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے

كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ

بنایا گیا ہے O اور آسمان کو کہ وہ کیسے بلند کیا گیا ہے O اور پہاڑوں کو کہ

كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ

وہ کیسے نصب کیے گئے ہیں O اور زمین کو کہ وہ کیسے پھیلائی گئی ہے O سو آپ نصیحت کرتے رہیں

إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ

آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں O آپ ان (کافروں) کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں O مگر جو حق سے پشت پھیرے

وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ ٱللَّهُ ٱلْعَذَابَ ٱلْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَآ إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾

اور کفر کرے O تو اللہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا O بے شک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے O

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿٢٦﴾

پھر بے شک ہم پر ہی ان کا حساب ہے O

ع ۱۲ (۲۶) النصف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک آپ کے پاس ڈھانپنے والی چیز کی خبر آ چکی ہے O اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے O کام کرنے والے مشقت برداشت کرنے والے O وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے O انہیں کھولتے ہوئے چشمہ (کے پانی) سے پلایا جائے گا O ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہوگا O جو نہ فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا O (الغاشیہ: ۷۔۱)

قیامت کے دن کو ''الغاشیۃ'' فرمانے کی وجوہ

الغاشیہ: ۱ میں ''الغاشیۃ'' (ڈھانپنے والی چیز) قیامت کو کہا گیا ہے اور اس کو ''الغاشیۃ'' کہنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) قرآن مجید میں ہے: ''يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ'' (العنکبوت: ۵۵) وہ دن جو ان کو عذاب سے ڈھانپ لے گا۔

(۲) قیامت کو ''الغاشیۃ'' اس لیے فرمایا ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز کا تمام اطراف سے احاطہ کر لے اس کو غاشیہ کہتے ہیں۔

(۳) قیامت اچانک آ کر لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈھانپ لے گی' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

أَفَأَمِنُوٓا۟ أَن تَأْتِيَهُمْ غَٰشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ ٱللَّهِ. کیا یہ لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب سے ڈھانپنے والی چیز آ جائے۔ (یوسف: ۱۰۷)

(۴) قیامت تمام اوّلین اور آخرین لوگوں کو ڈھانپ لے گی۔

(۵) قیامت کے ہولناک مناظر اور اس کے دہشت ناک احوال اور شدائد لوگوں کو ڈھانپ لیں گے۔

(۶) ''الغاشیۃ'' دوزخ کی آگ ہے' جو کفار اور اہل دوزخ کے چہروں کو ڈھانپ لے گی' قرآن مجید میں ہے:

تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (ابراہیم: ۵۰) ان کے چہروں کو دوزخ کی آگ ڈھانپ لے گی O

الغاشیہ: ۲ میں فرمایا: اس دن بہت چہرے ذلیل ہوں گے O

اس آیت میں ''خاشعۃ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: ذلیل وخوار ہونے والے' دبنے والے' عاجزی کرنے والے۔

اس آیت کا لفظی معنی ہے: کفار کے چہرے اس دن ذلیل وخوار ہوں گے اور اس سے مراد ہے: خود کفار اس دن ذلیل و خوار ہوں گے' چہروں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ ان کی ذلت اور خواری کے آثار ان کے چہروں سے ظاہر ہوں گے' قرآن مجید کی دیگر آیتوں میں بھی کفار کی ذلت اور خواری کا ذکر فرمایا ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ. کاش کہ آپ دیکھتے جب مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے

سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔ (السجدہ: ۱۲)

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ. اور آپ انہیں اس حال میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ پر پیش کیے جائیں گے اور وہ ذلت سے جھک رہے ہوں گے۔ (الشوریٰ: ۴۵)

الغاشیہ: ۳ میں فرمایا: کام کرنے والے مشقت برداشت کرنے والے ○

کفار پر شدتِ عذاب

آخرت کے دن کفار کے چہروں پر مشقت ہوگی، کیونکہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے تکبر کرتے تھے وہ دوزخ میں مشقت والے عمل کریں گے وہ زنجیروں اور بھاری اور وزنی طوق گلے میں ڈالے ہوئے گھسٹ رہے ہوں گے قرآن مجید میں ہے:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ○ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ○ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ○ اس کو پکڑو پھر اس کو طوق پہنا دو ○ پھر اس کو دوزخ میں جھونک دو ○ پھر اس کو ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے ○ (الحاقہ: ۳۲-۳۰)

ان کی مشقت والا عمل یہ ہوگا کہ وہ زنجیروں اور طوق میں جکڑے ہوئے دوزخ کے شعلوں کی لپٹ سے کبھی اوپر اٹھیں گے اور کبھی نیچے جائیں گے نیز دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے وہ میدانِ محشر میں ایک ہزار سال کے دن میں ننگے بھوکے پیاسے کھڑے ہوں گے اور یہ ان کا بہت مشقت والا عمل ہوگا۔

حسن بصری نے کہا: ان کو یہ ذلت اور مشقت دنیا میں حاصل ہوگی اور یہ لوگ یہود نصاریٰ بت پرست اور مجوس ہیں انہوں نے اپنے ذہنوں اور دماغوں میں اللہ تعالیٰ کا جو تصور بنا رکھا تھا یہ اس کے مطابق دنیا میں عبادت کی مشقت برداشت کرتے رہے روزے رکھتے اور مشقت والی ریاضتیں کرتے لیکن ان کی یہ ریاضتیں آخرت میں کسی کام نہ آئیں اس لیے یہ ذلیل و خوار ہوں گے۔

الغاشیہ: ۴ میں فرمایا: وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے ○

اس آیت میں ''تصلٰی'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: کسی جگہ داخل ہونا اور کسی جگہ پہنچنا۔

اور اس آیت میں ''حامیۃ'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: دہکتی ہوئی جلتی ہوئی آگ یہ لفظ ''حمیٌ'' سے بنا ہے اس کا معنی ہے: دہکنا اور گرم ہونا۔ (مختار الصحاح ص ۱۰۴ دار احیاء التراث العربی بیروت) اور ''تصلی'' کا لفظ ''صلی'' سے بنا ہے اس کا معنی ہے: داخل ہونا اس سے مراد ہے: وہ دوزخ میں جھونکے گئے اور جل رہے ہیں۔

(القاموس المحیط ص ۱۳۴۴ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۴ھ)

الغاشیہ: ۵ میں فرمایا: انہیں کھولتے ہوئے چشمہ (کے پانی) سے پلایا جائے گا ○

اس آیت میں ''انیۃ'' کا لفظ ہے یہ لفظ ''انیٌ'' سے بنا ہے اس کا معنی ہے: سخت کھولنا اور پکنا۔

مفسرین نے کہا ہے کہ یہ پانی اس قدر گرم ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ پہاڑوں پر ڈال دیا جائے تو تمام پہاڑ پگھل جائیں گے۔

الغاشیہ: ۶ میں فرمایا: ان کا کھانا صرف خاردار خشک زہریلے درخت سے ہوگا ○

اس آیت میں ''ضریع'' کا لفظ ہے ''ضریع'' کا معنی ہے: خاردار جھاڑی حدیث میں ہے:

''الضریع'' ایک گھاس ہے' جس کو شبرق کہا جاتا ہے' اہل حجاز ''الضریع'' سوکھی ہوئی گھاس کو کہتے ہیں اور یہ زہریلی گھاس ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری تفسیر سورۃ الغاشیۃ باب: ۸۸)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

عذاب کی متعدد اقسام ہیں' اسی طرح معذبین کے بھی کئی طبقات ہیں' بعض معذبین تھوہر کے درخت کو کھائیں گے' اور بعض ''غسلین'' کو کھائیں گے اور بعض ''الضریع'' کو کھائیں گے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''الضریع'' آگ کا درخت ہے اور خلیل نے کہا: وہ سبز رنگ کی بدبودار گھاس ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۱۶' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

الغاشیہ: ۷ میں فرمایا: جو نہ فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا○

کفارِ قریش نے کہا: ہمارے اونٹ ضریع (خشک گھاس) کھاتے ہیں اور خوب فربہ ہو جاتے ہیں تو اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بہت چہرے اس دن خوش و خرم ہوں گے○ اپنے نیک اعمال پر شاداں ہوں گے○ بلند جنت میں○ جس میں کوئی شخص بے ہودہ بات نہیں سنے گا○ اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے○ اس میں بلند مسندیں ہوں گی○ اور ترتیب سے رکھے ہوئے جام ہوں گے○ اور صف بہ صف گاؤ تکیے رکھے ہوں گے○ اور بہترین فرش بچھے ہوں گے○ (الغاشیہ: ۱۶۔۸)

مؤمنین کا آخرت میں اجر و ثواب اور مشکل الفاظ کے معانی

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کفار کے عذاب کی شدتوں کا ذکر فرمایا اور اب قرآن مجید کے اسلوب کے مطابق آخرت میں مؤمنین کے ثواب کی فرحتوں اور نعمتوں کا ذکر فرما رہا ہے۔

الغاشیہ: ۸ میں بتایا کہ مؤمنین کے چہرے بہت بارونق اور حسین ہوں گے' جیسے اس آیت میں ہے:

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ○ تم ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی اور رونق کو پہچان لو گے○ (المطففین: ۲۴)

الغاشیہ: ۹ میں فرمایا: اپنے نیک اعمال پر شاداں ہوں گے○

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کرنے کی جو کوشش اور جدوجہد کی تھی' اس پر ان کی حمد کی جائے گی' کیونکہ ان ہی نیک اعمال کی وجہ سے ان کو آخرت میں اچھی جزا حاصل ہوگی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے کیا خوب عمل کیے تھے اور جب ان کے نیک اعمال کی تعریف کی جائے گی تو وہ خوش اور راضی ہوں گے۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب وہ اپنے دنیا میں کیے ہوئے اعمال کے نتیجے میں بہت عظیم ثواب کا مشاہدہ کریں گے تو وہ بہت خوش اور راضی ہوں گے' اس عظیم ثواب کی تفصیل درج ذیل آیتوں میں آ رہی ہے۔

الغاشیہ: ۱۰ میں فرمایا: بلند جنت میں○

اس بلندی سے بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ جنت مسافت میں بلند ہوگی اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ جنت شرف اور مرتبہ میں بلند ہوگی' کیونکہ جنت کے بعض درجات بعض دوسرے درجات سے اعلیٰ ہوں گے' عطاء نے کہا: دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔

الغاشیہ: ۱۱ میں فرمایا: جس میں کوئی شخص بے ہودہ بات نہیں سنے گا○

لغوبات سے مراد ہے: فضول' عبث اور بے کار بات' قرآن مجید میں ہے:

لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا. (مریم: ۶۲) وہ جنت میں فضول بات نہیں سنیں گے۔

جنت میں لغوبات نہ سننے کی وجوہ

جنت میں لغوبات نہ سننے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جنت لغو باتوں سے پاک ہے کیونکہ جنتی گویا کہ اللہ تعالیٰ کے پڑوسی ہیں اور انہوں نے جنت کو نیکی اور حق سے حاصل کیا ہے نہ کہ لغو اور باطل سے' اسی طرح دنیا کی ہر وہ مجلس جو شریف اور معزز ہو' وہ لغو باتوں سے پاک ہوتی ہے اور جس مجلس میں لغو باتیں نہ ہوں اور وقار جس قدر زیادہ ہو' اس کی عزت اور جلالت اس قدر زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) زجاج نے کہا: اہل جنت صرف حکمت کی باتیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں' اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں گے۔

(۳) مقاتل نے کہا: جس طرح دنیا میں لوگ شراب پیتے وقت ہلڑ مچاتے ہیں' جنت میں شراب پیتے وقت ایسا نہیں ہوگا۔

(۴) جنت میں لوگ ایسی باتیں نہیں کریں گے' جس سے دوسروں کی دل آزاری ہو یا ان کو ایذاء پہنچے۔

الغاشیہ: ۱۲ میں فرمایا: اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے O

جنت کے چشمے' گلاس' فرش اور تکیے

اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں انواع و اقسام کے بہت زیادہ چشمے ہوں گے۔

الغاشیہ: ۱۴۔۱۳ میں فرمایا: اس میں بلند مسندیں ہوں گی O اور ترتیب سے رکھے ہوئے جام ہوں گے O

ان کی مسندیں فضاء میں بلند ہوں گی' کیونکہ جب مؤمن مسند پر بیٹھے گا تو وہ اپنے رب کی عطا کی ہوئی تمام نعمتوں کو دیکھے گا' حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان کی مسندیں زمرد' موتیوں اور یاقوت سے مزین ہوں گی اور آسمانوں میں بلند ہوں گی۔

ترتیب شدہ جام سے مراد یہ ہے کہ ان چشموں کے کنارے گلاس قطار در قطار رکھے ہوئے ہوں گے اور جب کوئی شخص چشمہ سے پینا چاہے گا تو گلاس بھر کر پی لے گا' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب وہ چشمہ سے پینا چاہے گا تو گلاس خود بہ خود بھر جائے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ گلاس چاندی اور سونے کے ہوں اور ان پر ہیرے اور جواہر جڑے ہوئے ہوں۔

الغاشیہ: ۱۵ میں فرمایا: اور صف بہ صف گاؤ تکیے رکھے ہوں گے O

اس آیت میں ''نمارق'' کا لفظ ہے' یہ ''نمرقة'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: بڑا تکیہ' گدا' زین یا پالان' اور ''نمرقة'' کا معنی ہے: چھوٹا تکیہ۔ (القاموس المحیط ص ۹۲۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

الغاشیہ: ۱۶ میں فرمایا: اور بہترین فرش بچھے ہوں گے O

اس آیت میں ''زرابی'' کا لفظ ہے' یہ ''زربی'' کی جمع ہے' اس کا معنی ہے: غالیچے اور فرش یا ہر وہ چیز جس کو زینت کے لیے بچھایا جائے اور اس پر تکیہ لگایا جائے۔ (القاموس المحیط ص ۹۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے بنایا گیا ہے O اور آسمان کو کہ وہ کیسے بلند کیا گیا ہے O اور پہاڑوں کو کہ وہ کیسے نصب کیے گئے ہیں O اور زمین کو کہ وہ کیسے پھیلائی گئی ہے O سو آپ نصیحت کرتے رہیں' آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں O آپ ان کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں O مگر جو حق سے پشت پھیرے اور کفر کرے O تو اللہ اس

کو بہت بڑا عذاب دے گا○ بے شک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے○ پھر بے شک ہم پر ہی ان کا حساب ہے○
(الغاشیہ:۲۶۔۱۷)

اونٹ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی نشانیاں

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے آنے کی خبر دی تھی اور یہ بتایا تھا کہ اہل قیامت کی دو قسمیں ہیں: ایک مؤمنین ہیں جو نجات یافتہ ہیں اور دوسرے کافرین ہیں جو عذاب یافتہ ہیں' اور قیامت کے دن پر اور عذاب اور ثواب پر ایمان لانا اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا واحد خالق اور مدبر اور حکیم مانا جائے' اس لیے اب درج ذیل آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔

الغاشیہ: ۱۷ میں اونٹ کی تخلیق کا ذکر فرمایا' اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے تمام حیوانات اس کی تخلیق اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ تمام حیوانات کی پیدائش اور ان کی نشوونما کا طریقہ واحد ہے اور ان کی تخلیق کی طرز اور نظم واحد ہے اور تخلیق کی طرز کا واحد ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا خالق بھی واحد ہے' پھر ان تمام حیوانات اور چوپایوں میں سے اونٹ کی تخصیص کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے حیوانات میں جو منافع اور فوائد رکھے ہیں' وہ یہ ہیں: انسان بعض جانوروں کا گوشت کھاتا ہے اور بعض جانوروں کا دودھ پیتا ہے' بعض جانوروں پر اپنا سامان لادتا ہے اور بعض جانوروں پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتا ہے' اور بعض جانوروں کو صرف ان کی خوب صورتی اور ان کا حسن و جمال دیکھنے کے لیے رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات میں ان فوائد کا ذکر فرمایا ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ○ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ○ (یٰس: ۷۲۔۷۱)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے جو مخلوق بنائی ہے' ان میں سے ہم نے ان کے فائدہ کے لیے چوپائے بھی بنائے ہیں' جن کے یہ مالک ہیں○ اور ہم نے ان چوپایوں کو ان کے تابع کر دیا ہے' سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں○

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (النحل: ۸۔۵)

اور اللہ نے تمہارے نفع کے لیے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت منافع ہیں اور بعض چوپائے تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں○ اور ان چوپاؤں میں تمہارے لیے حسن و جمال ہے جب تم شام کو چرا کر لاؤ اور جب صبح چرانے لے جاؤ○ اور وہ تمہارا سامان ان شہروں تک اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت برداشت کیے خود نہیں جا سکتے تھے' بے شک تمہارا رب بہت شفیق اور نہایت مہربان ہے○ اور اس نے گھوڑوں کو اور خچروں کو اور گدھوں کو پیدا کیا تا کہ تم ان پر سوار ہو' اور وہ باعث زینت ہوں' اور ان چیزوں کو پیدا کیا جن کو تم نہیں جانتے○

ان آیات میں مویشی کو پیدا کرنے کے یہ فوائد بیان فرمائے ہیں کہ تم ان پر سواری کرتے ہو‘ان کا گوشت کھاتے ہو‘ان کی اُون اور بالوں سے لباس اور ٹوپیاں بناتے ہو‘ان کا حسن و جمال دیکھ کر تمہیں خوشی ہوتی ہے اور وہ تمہارے بار برداری کے کام آتے ہیں اور ان میں سے بعض کا تم دودھ پیتے ہو‘اور یہ تمام فوائد اونٹ کے اندر باقی تمام جانوروں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں کیونکہ اگر حلال جانوروں کے گوشت کھانے کا فائدہ دیکھا جائے تو اونٹ کا گوشت سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر دودھ پینے کا فائدہ دیکھا جائے تو اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر جانوروں پر سوار ہو کر قطع مسافت کو دیکھا جائے تو ریگستانی علاقوں میں اونٹ سب سے زیادہ مسافت قطع کرتا ہے بلکہ ان علاقوں میں صرف اونٹ ہی کے ذریعہ سفر کیا جاتا ہے‘اور بار برداری کے لحاظ سے اونٹ تمام جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے‘اور عربوں کے دلوں میں تمام جانوروں سے زیادہ اونٹ کی وقعت اور اہمیت ہوتی ہے‘اسی وجہ سے انہوں نے کسی انسان کو خطأ قتل کرنے کی دیت سو اونٹ مقرر کی ہے‘نیز اونٹ دوسرے جانوروں کی بہ نسبت کئی کئی دن کی خوراک کو اپنے اندر ذخیرہ کر لیتا ہے اور بغیر کھائے پیئے لمبے عرصہ تک سفر کرتا رہتا ہے‘اسی لیے اس کو صحرائی جہاز کہا جاتا ہے‘نیز یہ بہت آسانی سے سدھایا جاتا ہے اور بہت اطاعت گزار ہے‘اس کی نکیل کی رسی کو پکڑ کر ایک بچہ بھی اسے جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے‘اونٹ میں اس قدر حیران کن صفات ہیں جو عقل والے کو اس پر مجبور کرتی ہیں کہ وہ اس کی تخلیق پر غور کرے اور اس کی حکمتوں سے یہ قیاس کرے کہ اس کا خالق کس قدر زبردست قدرت اور حکمت والا ہے اور بے ساختہ یہ کہے کہ ’’سبحان اللہ ما خلق باطلا‘‘ اللہ سبحان ہے اس نے کوئی چیز بے فائدہ نہیں بنائی۔

الغاشیہ: ۱۸ میں فرمایا: اور آسمان کو کہ وہ کیسے بلند کیا گیا ہے O

آسمان‘ پہاڑ اور زمین میں نشانیاں

اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی ستون کے اتنی عظیم چھت بنا دی ہے جو پوری روئے زمین کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس میں بے شمار ستاروں کی قندیلیں روشن کر دی ہیں‘ جو صحراؤں‘ بیابانوں اور سمندروں میں اندھیری رات کے مسافروں کی رہ نمائی کرتی ہیں‘ برسہا برس سے یہ نظام یونہی طرزِ واحد پر قائم ہے‘ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی توحید پر ایک روشن دلیل نہیں ہے۔

الغاشیہ: ۱۹ میں فرمایا: اور پہاڑوں کو کہ وہ کیسے نصب کیے گئے ہیں O

زمین میں ان پہاڑوں کو نصب کیا گیا‘ یہ نہ ادھر اُدھر ہلتے ہیں نہ جھکتے ہیں‘ اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑوں کے اندر معدنی دولت کے ذخائر رکھے ہیں‘ ان میں سونا اور چاندی ہے‘ لوہا اور تانبا ہے‘ کوئلہ ہے اور انسانی ضروریات کا سامان ہے۔

الغاشیہ: ۲۰ میں فرمایا: اور زمین کو کہ وہ کیسے پھیلائی گئی ہے O

ان مذکور نشانیوں میں باہمی مناسبت

اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق اور اپنی توحید پر دلائل کا ذکر کرتے ہوئے اونٹ‘ آسمان‘ پہاڑوں اور زمین کا ذکر فرمایا ہے اور چاروں کے ذکر میں کوئی مناسبت ضروری ہے۔

اس مناسبت کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن مجید لغتِ عرب پر نازل ہوا ہے اور عرب عموماً صحراؤں میں سفر کرتے تھے اور صحرا میں بالکل تنہا ہوتے تھے اور جب انسان تنہا ہوتا ہے تو وہ اردگرد کی چیزوں پر غور و فکر کرتا ہے‘ سب سے پہلے وہ اپنی سواری اونٹ کی طرف دیکھتے تو ان کو اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائب اور اسرار دکھائی دیتے‘ وہ اس سے حاصل ہونے والے فوائد اور منافع پر غور کرتے اور جب وہ اوپر نظر اٹھاتے تو ان کو آسمان کے سوا کچھ نظر نہ آتا اور وہ اس بے ستون وسیع و عریض بلند نیلی چھت کو دیکھ کر حیران ہوتے‘ اور جب وہ اپنے دائیں اور بائیں دیکھتے تو ان کو پہاڑ نظر آتے اور جب وہ اپنے نیچے دیکھتے تو ان

کو پھیلی ہوئی زمین نظر آتی اور یہی وہ موقع تھا کہ جب وہ ان چیزوں کے اسرار اور منافع پر غور وفکر کرتے تو ان پر لازم تھا کہ وہ اس غور وفکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی توحید پر ایمان لے آتے' سو اللہ تعالیٰ نے انسان کے غور وفکر کرنے کے لیے ان چاروں چیزوں کا ایک ساتھ ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے خوب صورت چیزوں سے اپنی تخلیق اور توحید پر کیوں استدلال نہیں فرمایا؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کے حسن وجمال اور سونے اور چاندی سے اپنی تخلیق اور توحید پر استدلال نہیں کیا کیونکہ جب انسان کسی حسین وجمیل خاتون کو یا کسی خوب صورت مرد کو دیکھتا ہے تو اس کی توجہ اس کے فوائد اور منافع اور اس کے اسرار اور اس کی حکمتوں کی طرف نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ اس کے حسن سے متاثر ہو کر اپنی جنسی تسکین کے متعلق سوچنے لگتا ہے اور اس پر شہوانی جذبات غالب آ جاتے ہیں' اسی طرح جب وہ سونے چاندی کی دھاتوں اور لہلہاتے ہوئے سرسبز اور شاداب باغات کی طرف دیکھتا ہے تو وہ سونے چاندی کے زیورات بنانے کے متعلق سوچتا ہے اور باغوں میں خوش ذائقہ اور خوش رنگ اور خوش بودار پھلوں کو دیکھ کر ان کو کھانے کے متعلق تجویزیں بناتا ہے اور اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ اس کے خالق نے ان چیزوں میں کیسے اسرار اور حکمتیں رکھی ہوئی ہیں' اس کے برخلاف جب انسان اونٹ' آسمان' پہاڑوں اور زمین کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں شہوانی خیالات نہیں آتے' وہ اونٹ کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ اس بہ ظاہر بے ڈھنگے جانور میں کتنے منافع اور فوائد ہیں' اگر اللہ تعالیٰ نے اس صحرائی جہاز کو پیدا نہ کیا ہوتا تو وہ اس بے آب وگیاہ صحرا کو کیسے عبور کرتا' پھر اس کی نظر آسمان کی طرف اٹھتی ہے تو وہ اس کی وسعت پر حیران ہوتا ہے' پہاڑوں کی ہیبت سے متاثر ہوتا ہے' اس پھیلی ہوئی زمین کی وسعتوں پر غور کرتا ہے' غرض ان چاروں چیزوں سے اسے اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید کے آثار نظر آتے ہیں۔

الغاشیہ: ۲۱ میں فرمایا: سو آپ نصیحت کرتے رہیے' آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں O

اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق' توحید اور قیامت پر دلائل ذکر کرنے کے بعد فرمایا' سو آپ نصیحت کرتے رہیے' آپ ایمان لانے کی ترغیب پر ثواب کی بشارت دیں گے اور جو کفر پر اصرار کرے گا' اس کو عذاب سے ڈرائیں گے اور اگر کفار آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ کو ایذاء پہنچاتے ہیں تو آپ اس پر صبر کریں' اب آپ ہی نصیحت کرنے والے ہیں کیونکہ اب آپ کے بعد کوئی اور نبی تو مبعوث نہیں کیا جائے گا' نبوت اور رسالت آپ پر ختم ہو چکی ہے۔

الغاشیہ: ۲۲ میں فرمایا: آپ ان (کافروں) کو جبراً مسلمان کرنے والے نہیں ہیں O

جبریہ کے نظریہ کا باطل ہونا

اس مضمون کی دیگر آیات یہ ہیں:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۔ (قٓ: ۴۵) — اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ O (یونس: ۹۹) — اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ سب کے سب ایمان لے آتے' تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے حتیٰ کہ وہ سب مؤمن ہو جائیں O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ تمام مشرکین مؤمن اور مؤحد ہو جائیں اور آپ کی اَن تھک تبلیغ کرنے کے باوجود ان کے ایمان نہ لانے سے آپ بہت رنجیدہ اور غم گین ہوتے تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کے ازالہ اور آپ کی تسلی کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں کہ اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایک ساتھ ایمان لے آتے' لیکن اللہ سبحانہ

نے ایسا نہیں چاہا کیونکہ سب لوگوں کو جبراً مؤمن بنا دینا' اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق اور باطل میں تمیز کرنے کے لیے عقل دی ہے اور اس کو اختیار عطا فرمایا ہے' وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی عقل سے کھوٹے کھرے کو پرکھ کر اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت' اس کی تخلیق' اس کی توحید اور اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر ایمان لائے۔ اس آیت میں فرقہ جبریہ کا رد ہے' جو یہ کہتا ہے کہ انسان کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے' انسان کا مؤمن ہونا یا انسان کا کافر ہونا' یا انسان کا نیک اور صالح ہونا' یا اس کا فاسق اور فاجر ہونا' سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے اور انسان اپنے تمام افعال میں مجبور محض ہے۔ ان کا یہ نظریہ بداہۃً باطل ہے' اگر ایسا ہو تو دنیا میں رسولوں کو ہدایت کے لیے بھیجنا اور جنت اور دوزخ کو پیدا کرنا اور جزاء اور سزا کا نظام بنانا یہ سب عبث اور بے فائدہ ہو جائے گا۔

الغاشیہ: ۲۴۔۲۳ میں فرمایا: مگر جو حق سے پشت پھیرے اور کفر کرے O تو اللہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا O

بہت بڑے عذاب کا محمل

اگر آپ کی پرزور تبلیغ کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ سے ان کے ایمان نہ لانے پر سوال نہیں کیا جائے گا' لیکن جو ان میں سے پشت پھیرے گا تو اللہ سبحانہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا اور وہ دوزخ کا عذاب ہے' دوزخ کے عذاب کو بہت بڑا عذاب اس وجہ سے فرمایا ہے کہ کفر کا عذاب مجرد فسق کے عذاب سے بہت بڑا ہے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ O (السجدہ: ۲۱)

ہم ان کو (دنیا میں) بڑے عذاب کے علاوہ ضرور کم درجہ کا عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ (کفر سے) پلٹ آئیں O

بڑے عذاب سے مراد دوزخ کا عذاب ہے اور اس سے کم درجہ کے عذاب سے مراد ہے: دنیا کا عذاب' جیسے دنیا میں جنگ کے اندر شکست سے دوچار ہونا' سمندری طوفان اور دریاؤں میں سیلاب آنا' زلزلے' قحط اور موذی بیماریوں میں مبتلا ہونا۔

دوزخ کے عذاب کو بہت بڑا عذاب کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد ہے: دوزخ کی آگ کا سب سے نچلا طبقہ۔

الغاشیہ: ۲۶۔۲۵ میں فرمایا: بے شک ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے O پھر بے شک ہم پر ہی ان کا حساب ہے O

کفار اور مشرکین کو عذاب دینا کیوں ضروری ہے؟

ان آیتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ ہر چند کہ مشرکینِ مکہ آپ کی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں' آپ کا مذاق اڑاتے ہیں' آپ پر آوازیں کستے ہیں اور آپ پر طعن اور تشنیع کرتے ہیں اور آپ کو طرح طرح کی ایذاء پہنچاتے ہیں لیکن بالآخر یہ ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے' پھر ہم ان کا حساب لیں گے اور ان کو قرار واقعی سزا دیں گے۔

ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ کفار سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا' اللہ تعالیٰ کا حق ہے' لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ مالک اپنا حق وصول کرے' مالک اپنے حق کو معاف بھی تو کر سکتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ سزا کو معاف کرنا صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہے' اللہ تعالیٰ آخرت میں کفار اور مشرکین کی سزا کو نہ معاف فرمائے گا اور نہ ان کی سزا میں تخفیف فرمائے گا' کیونکہ دنیا میں وہ ان کو دائمی سزا کی خبر دے چکا ہے' اب اگر اس سزا کے خلاف ہو تو اس کی خبر کذب اور جھوٹ ہو گی اور کذب اور جھوٹ اللہ تعالیٰ پر محال ہے' اس لیے کفار اور مشرکین کی سزا میں تخفیف ہونا یا ان کی سزا کا ساقط ہونا بھی محال ہے۔

نیز کفار سے حساب لینا اور ان کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء

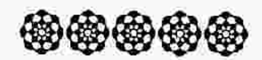
علیہم السلام کی عزت اور وجاہت کو ظاہر فرمائے گا کہ جن کافروں اور مشرکوں نے دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے پیغام کو مسترد کر دیا تھا اور ان کی نبوت اور رسالت کی تکذیب کی تھی' وہ آج کس قدر ذلت اور خواری کے عذاب میں مبتلا ہیں' سو قیامت کے دن اللہ سبحانہ کفار کو عذاب میں مبتلا کر کے انبیاء علیہم السلام کے مقام کو بلند فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ ان کافروں اور مشرکوں سے انتقام لے گا' جو دنیا میں اپنے خود ساختہ خداؤں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کے استحقاق عبادت میں شریک کرتے رہے تھے۔

رب العلمین! ہم کو اس حساب اور عذاب سے محفوظ رکھنا اور ہمیں اپنے محبوب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بلاحساب و کتاب جنت الفردوس عطا فرما دینا' ہم اس انعام کے لائق تو نہیں لیکن آپ بہت کریم ہیں اور یہ آپ کے کرم سے کچھ بعید نہیں ہے۔ آمین یارب العلمین

سورۃ الغاشیہ کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۳۰ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۵ اکتوبر ۲۰۰۵ء بہ روز بدھ سورۃ الغاشیہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' رب العلمین! اپنے کرم سے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اور میری تمام تصانیف کو قیامت تک شائع' مرغوب اور فیض آفریں رکھیں اور میری اور میرے والدین کی' میرے قرابت داروں کی' میرے اساتذہ' احباب اور تلامذہ کی' اس کتاب کے ناشر اور معاونین اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ آمین یارب العلمین

والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین
وعلٰی آلہ واصحابہ وعلٰی ازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلي ونسلم علىٰ رسوله الكريم

سورة الفجر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الفجر ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''الفجر'' کا لفظ مذکور ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَالۡفَجۡرِ ۙ وَلَيَالٍ عَشۡرٍ ۙ (الفجر:۲۔۱) فجر کی قسم ○ اور دس راتوں کی (قسم) ○

اس سورت کا ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۰ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۸۹ ہے۔

حضرت ابن عباس' حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ سورۃ الفجر مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام نسائی' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم فتنہ ڈالنے والے ہو' تم کو ان سورتوں کا پتا نہیں ''سبح اسم ربك الاعلىٰ' والشمس وضحاها' والفجر'' اور ''والليل اذا يغشى''؟۔ (سنن نسائی رقم الحدیث:۹۹۷)

سورۃ الغاشیہ کے ساتھ الفجر کی مناسبت

سورۃ الغاشیہ میں لوگوں کی دو قسمیں بیان فرمائی تھیں: مؤمنین اور کافرین' وہ لوگ جن کے چہرے ذلیل ہوں گے اور وہ لوگ جن کے چہرے خوش وخرم اور بارونق ہوں گے' اور اس سورت میں متعدد گم راہ فرقے بیان فرمائے ہیں' گم راہ اور کفار میں سے عاد اور ثمود اور فرعون کا ذکر فرمایا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے مؤمنین شاکرین کا ذکر فرمایا ہے' گویا کہ دونوں سورتوں میں وعد اور وعید کا ذکر ہے۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ سورۃ الغاشیہ میں اپنی تخلیق اور توحید پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا تھا:

اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ ○ کیا یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اس کو کیسے بنایا گیا ہے ○

(الغاشیہ:۱۷)

اور اس سورت میں اس طرح استدلال فرمایا ہے:

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ (الفجر:۶) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ ○

سورۃ الفجر کے مشمولات

☆ الفجر:۵۔۱ میں اللہ نے فجر کی ذوالحجہ کی دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ کفار کو ضرور بہ ضرور عذاب

ہو گا۔

☆ الفجر۱۴۔۶ میں کفار کی بعض ظالم قوموں کا ذکر فرمایا ہے' جیسے عاد' ثمود اور قوم فرعون اور یہ بتایا ہے کہ ان کی سرکشی کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا گیا۔

☆ الفجر: ۲۰۔۱۵ میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی میں خیر اور شر اور تنگی اور کشادگی میں مبتلا کیا ہے' اور کسی انسان کے پاس زیادہ نعمتوں کا ہونا اس پر دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مقبول اور معزز ہے اور نہ کسی انسان کا فقر و فاقہ میں مبتلا ہونا اس پر دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند اور مبغوض ہے۔

☆ الفجر: ۲۳۔۲۱ میں قیامت کے ہولناک مناظر بیان فرمائے ہیں۔

☆ الفجر: ۲۶۔۲۴ میں بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے دو فرقے ہوں گے: کامیاب اور ناکام' بدبخت اور نیک بخت۔

☆ الفجر: ۳۰۔۲۷ میں بتایا ہے کہ مؤمن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کو جنت میں حاصل کر رہے ہوں گے۔

سورۃ الفجر کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اب اللہ تعالیٰ کی تائید اور اس کی توفیق سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

رب العلمین! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۳۰ شعبان ۱۴۲۶ھ/ ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴





سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — آياتها ۳۰ ركوعها ۱

سورۃ الفجر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں تیس آیات اور ایک رکوع ہے

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۝۴

اور فجر کی قسم ۝ اور دس راتوں کی ۝ اور جفت اور طاق کی ۝ اور رات کی (قسم) جب وہ گزرے ۝

هَلْ فِي ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ۝۵ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ

بے شک اس میں صاحب عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے ۝ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ

بِعَادٍ ۝۶ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝۸

کیسا معاملہ کیا؟ ۝ وہ ارم کے لوگ تھے، ستونوں جیسے لمبے قد والے ۝ ان کی مثل شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا ۝

وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝۱۰

اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں ۝ اور میخوں والا فرعون تھا ۝

الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝۱۱ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝۱۲

ان لوگوں نے شہروں میں بہت سرکشی کی ۝ پھر ان شہروں میں بہت دہشت گردی کی ۝

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝۱۳ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝۱۴

پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا ۝ بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے ۝

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَأَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۵

پس لیکن جب انسان کو اس کا رب عزت اور نعمت دے کر آزمائے تو

فَيَقُولُ رَبِّيٓ أَكْرَمَنِ ۝۱۵ وَأَمَّآ إِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ

وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت دی ۝ اور جب اس کا رب اس کو (مصیبت سے) آزمائے اور اس پر اس کا رزق

رِزْقَهٗ ۵ فَيَقُولُ رَبِّيٓ أَهَانَنِ ۝۱۶ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُونَ

تنگ کر دے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا ۝ یہ بات نہیں ہے، بلکہ تم یتیم کی عزت

الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ

نہیں کرتے ہو ○ اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو ○ اور تم وراثت

التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّآ اِذَا

کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو ○ اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو ○ بے شک جب

دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾

زمین پاش پاش کر کے ریزہ ریزہ کر دی جائے گی ○ اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے ○

وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ

اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا' اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے

الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا

کا وقت ہے ○ وہ کہے گا: کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی ○ سو اس دن اس کے

يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا

عذاب کی طرح کوئی عذاب نہ دے گا ○ اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا ○ اے نفس

النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾

مطمئنہ! ○ تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ○

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾

پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں داخل ہو جا ○

ع ۳۰ ۱ ۱۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور فجر کی قسم ○ اور دس راتوں کی ○ اور جفت اور طاق کی ○ اور رات کی (قسم) جب وہ گزرے ○ بے شک اس میں صاحب عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے ○ (الفجر: ۵۔۱)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فجر' دس راتوں' جفت اور طاق اور گزرنے والی رات کی قسم کھائی ہے' عرب ان چیزوں کی قسم کھاتے ہیں جو ان کے نزدیک عظمت والی ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظمت والی ہیں' اور یہ چیزیں اس لیے عظیم ہیں کہ ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور توحید پر دلائل ہیں اور مخلوق پر واجب ہے کہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اس آیت میں فجر سے کون سی فجر مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں' امام رازی نے ان تمام اقوال کو جمع کر لیا ہے' ہم یہاں پر ان اقوال کا تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں:

الفجر سے مراد معروف صبح ہے اور اس کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا ہے کہ فجر سے مراد معروف صبح ہے' اور وہ صبح صادق کا صبح کاذب سے پھوٹ کر نمودار ہونا ہے' اس وقت رات ختم ہو جاتی ہے اور روشنی پھیل جاتی ہے اور انسان' حیوان' پرندے اور وحشی جانور سب اپنے اپنے رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں' اور اس میں اس کی مثال ہے جب مردے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے' سو اس میں غور و فکر کر کے اس وقت کو یاد کرنا چاہیے' صبح کے وقت کی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں صبح کا ذکر فرمایا ہے:

وَالصُّبْحِ إِذَآ أَسْفَرَ ۝ (المدثر: ۳۴) اور صبح کی قسم! جب روشن ہو جائے ۝

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ (التکویر: ۱۸) اور صبح کی قسم! جب وہ طلوع ہو جائے ۝

اللہ تعالیٰ نے صبح کے خالق ہونے پر اپنی مدح فرمائی ہے:

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ (الانعام: ۹۶) وہ صبح کو نکالنے والا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ الفجر سے مراد نمازِ فجر ہے اور اللہ تعالیٰ نے نمازِ فجر کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ وہ دن کے شروع میں پڑھی جاتی ہے اور اس میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۸) بے شک فجر میں قرآن پڑھنے پر (فرشتے) حاضر ہوتے ہیں ۝

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تمہارے پاس رات اور دن کے فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں اور فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں' پھر جو فرشتے ساری رات تمہارے ساتھ رہے تھے' وہ فجر کے وقت آسمان پر جاتے ہیں' ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ جاننے والا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں: جب ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس آئے تھے تو وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۳۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۸۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۰)

تیسرا قول یہ ہے کہ فجر سے مراد معین فجر ہے' پھر اس کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں' وہ حسب ذیل ہیں:

"والفجر" سے مراد یوم نحر کی صبح اور اس کی فضیلت میں احادیث

اس سے مراد یوم نحر یعنی دس ذوالحج کی فجر ہے' کیونکہ مناسکِ حج ملتِ ابراہیم کے خصائص میں سے ہیں اور عرب حج کو ترک نہیں کرتے تھے' اور وہ عظیم دن ہے جس میں مسلمان اپنی قربانی ادا کرتے ہیں' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ (الصّٰفّٰت: ۱۰۷) اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا ۝

یوم نحر کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہم اس دن سب سے عمدہ لباس پہنیں اور سب سے اچھی خوشبو لگائیں اور سب سے فربہ قربانی کریں جو ہمیں میسر ہو' گائے سات افراد کی طرف سے

اور اونٹ سات افراد کی طرف سے اور بلند آواز سے تکبیر پڑھیں اور ہم طمانیت اور وقار سے رہیں۔

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۹۳' المستدرک ج ۴ ص ۲۳۰' شعب الایمان ج ۲ ص ۱۳' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۰' کنز العمال ج ۵ ص ۲۲۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرمئی رنگ کے سینگھوں والے دو بڑے بڑے خصی مینڈھے تھے' آپ نے ان میں سے ایک کو لٹا کر عرض کیا: '' بسم اللہ واللہ اکبر '' اے اللہ! یہ محمد کی طرف سے ہے' پھر دوسرے کو لٹا کر عرض کیا: '' بسم اللہ واللہ اکبر '' یہ محمد اور اس کی اس امت کی طرف سے ہے' جس نے تیری توحید کی گواہی دی اور میرے تبلیغ کرنے کی گواہی دی۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۳ ص ۳۲۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۶۸' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۲' المطالب العالیہ ج ۲ ص ۲۸۴)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! کھڑی ہو اور اپنی قربانی کے سامنے حاضر رہو کیونکہ اس کے خون کے پہلے قطرہ کے ساتھ تمہارے کیے ہوئے ہر گناہ کی مغفرت کر دی جائے گی' اور یہ آیات پڑھو:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝ (الانعام: ۱۶۳-۱۶۲)

بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ رب العلمین کے لیے ہے ۝ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سب سے پہلا ہوں ۝

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بشارت صرف آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے لیے خاص ہے' اس کے مصداق آپ ہیں یا تمام مسلمان ہیں؟ آپ نے فرمایا: بلکہ یہ بشارت تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ (الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۴۹۲' کتاب الدعا للطبرانی ج ۲ ص ۱۲۴۴' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۲' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۸۳' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷)

ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن چونکہ فضائل اعمال میں سند ضعیف کے ساتھ بھی احادیث معتبر ہوتی ہیں' اس لیے ہم نے ان احادیث کو درج کیا ہے۔

'' الفجر '' سے مراد ذوالحجہ کی صبح اور اس کی فضیلت میں احادیث

معین فجر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس فجر سے مراد ذوالحجہ کی صبح ہے' کیونکہ اس کے ساتھ ہی دس راتوں کا ذکر ہے اور یہ اس عظیم عبادت کے مہینہ کا پہلا دن ہے' ذوالحجہ کے مہینہ کے فضائل میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنوں اور مہینوں کا سردار رمضان کا مہینہ ہے اور سب سے زیادہ عزت والا مہینہ ذوالحجہ ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۱۵' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۴۰' کنز العمال ج ۸ ص ۸۶۳)

'' الفجر '' سے مراد ماہِ محرم کی صبح اور اس کی فضیلت میں احادیث

اس سلسلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ماہِ محرم کی صبح ہے کیونکہ وہ ہر سال کا پہلا دن ہے' ماہِ محرم کی فضیلت میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما '' وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ '' (الفجر: ۲-۱) کی تفسیر میں فرماتے تھے: فجر سے مراد محرم کی صبح ہے جو سال کی پہلی فجر ہے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۶' فضائل الاوقات ص ۳۲۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے مہینہ کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۶۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۳۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۴۲)

''ولیال عشر'' سے مراد ذوالحج کے دس دن اور ان کی فضیلت میں احادیث

دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں' کیونکہ ان دنوں میں مسلمان حج کے افعال میں مشغول ہوتے ہیں اور ان دس دنوں میں نیک اعمال کی فضیلت میں بہ کثرت احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جن دس راتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے' اس سے مراد ذوالحجہ کی دس راتیں ہیں اور جفت سے مراد قربانی کا دن ہے اور طاق سے مراد یوم عرفہ ہے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۱۵' فضائل الاوقات ص ۳۴۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عشر (لیال)'' قربانی کے (مہینہ کے) دس دن ہیں اور ''الوتر'' یوم عرفہ ہے اور ''الشفع'' یوم النحر ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۸' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذوالحجہ کے دس دنوں میں نیک عمل کرنے سے زیادہ اور کسی دن میں نیک عمل کرنا اللہ کو محبوب نہیں ہے' مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں' ماسوا اس کے کہ کوئی شخص جہاد کے لیے جائے اور اس کی جان بھی شہید ہو جائے اور اس راہ میں اس کا مال بھی خرچ ہو جائے اور اس کی جان اور مال میں سے کوئی چیز نہ لوٹے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۹۶۹' مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۴۔ ج ۳ ص ۴۱۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۳۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۳۰۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کو نیک عمل کرنا جتنا پسند ہے' اور جتنا اس کے نزدیک ان دنوں میں نیک عمل افضل ہے اور کسی دن میں نہیں ہے' تم ان دنوں میں بہ کثرت ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھو اور ''اللّٰہ اکبر'' پڑھو' کیونکہ یہ تہلیل' تکبیر اور اللہ کے ذکر کے ایام ہیں اور ان ایام میں نیک عمل کا سات سو گنا اجر دیا جاتا ہے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۶' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذوالحجہ کے دس دنوں سے زیادہ کسی اور دن میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند نہیں ہے' ان میں سے ہر دن میں روزہ رکھنا ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی راتوں میں سے ہر رات میں قیام کرنا لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۲۸' شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۱۲۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ان دس دنوں کے علاوہ کبھی دس دن (نفلی) روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۳۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۵۶' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۸۷۲' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۵۹۹' مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۴۔۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دس دنوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی دن زیادہ عظیم اور زیادہ محبوب نہیں ہے' سو تم ان دس دنوں میں زیادہ سے زیادہ ''لا الٰہ الا اللّٰہ' اللّٰہ اکبر'' اور ''الحمد للّٰہ'' پڑھو۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۱۔۷۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۳۲' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

ان احادیث میں ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کی فضیلت ہے' اس کی تائید اس آیت میں

ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ. اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کریں۔

(الحج:۲۸)

''ایام معلومات'' سے مراد ذبح کے ایام یعنی ایام تشریق ہیں جو یوم النحر اور اس کے بعد دو دن ہیں یعنی ۱۰ '۱۱ '۱۲ ذوالحجہ' عام طور پر ''ایام معلومات'' سے عشرہ ذوالحجہ اور ''ایام معدودات'' سے ایام تشریق مراد لیے جاتے ہیں۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ (البقرہ:۲۰۳) اور ان گنتی کے چند دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں بہ آواز بلند تکبیرات پڑھی جائیں یعنی ''اللّٰہ اکبر' اللّٰہ اکبر' اللّٰہ اکبر' لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد''۔

''ولیال عشر'' سے مراد محرم کے دس دن اور ان کی فضیلت میں احادیث

دس راتوں کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد محرم کے ابتدائی دس دن ہیں' جن میں دس محرم یوم عاشوراء بھی شامل ہے اور ان دنوں کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر پوچھا: یارسول اللہ! مجھے بتایئے کہ اگر میں رمضان کے بعد کسی مہینہ میں روزے رکھوں تو کس مہینہ میں روزے رکھوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم رمضان کے بعد کسی مہینہ میں روزے رکھنا چاہتے ہو تو محرم کے مہینہ میں روزے رکھو کیونکہ وہ اللہ کا مہینہ ہے' اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی تھی اور وہ اس مہینہ میں دوسروں کی توبہ بھی قبول فرمائے گا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۷۴۱' مسند احمد ج ۱ ص ۱۵۵۔۱۵۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان سے یوم عاشوراء (دس محرم) کے روزے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوم عاشوراء کے سوا روزہ رکھنے کے لیے کسی ایسے دن کو تلاش کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس کی اور دنوں پر فضیلت ہو اور یوم عاشوراء کے علاوہ رمضان کا مہینہ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۰۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۰۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عاشوراء کے دن انبیاء سابقین روزہ رکھتے تھے' سو تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۷۴' اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم الھجری منکر الحدیث ہے۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم کیوں اس دن روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: اس دن اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بنی اسرائیل کو غرق ہونے سے نجات دی تھی اور فرعون کو اور اس کی قوم کو غرق کر دیا تھا تو حضرت موسیٰ نے اس دن شکر کا روزہ رکھا' پس ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تمہاری بہ نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار اور زیادہ قریب ہیں' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۰۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۲۴۴۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۴۴۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۷۳۴)

عاشوراء کی فضیلت میں احادیث

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! اللہ عزوجل نے ہمیں عاشوراء کے دن فضیلت دی ہے' آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ عزوجل نے آسمانوں کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور اسی طرح زمینوں کو بھی اور عرش کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور اسی طرح کرسی کو بھی اور پہاڑوں کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور اسی طرح ستاروں کو بھی' اور قلم کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور اسی طرح لوح کو بھی' اور حضرت جبریل علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور فرشتوں کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا' اور حضرت آدم علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا' اور اسی طرح حواء کو بھی اور جنت کو یوم عاشوراء میں پیدا کیا اور یوم عاشوراء میں حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرایا' حضرت ابراہیم خلیل الرحمان یوم عاشوراء میں پیدا ہوئے اور یوم عاشوراء میں ان کو اللہ نے آگ سے نجات دی' اور یوم عاشوراء میں اللہ نے ان سے فدیہ قبول فرمایا' اور یوم عاشوراء میں فرعون کو غرق کر دیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یوم عاشوراء میں آسمان پر اٹھا لیا' حضرت داؤد علیہ السلام کی مغفرت یوم عاشوراء میں ہوئی' اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو یوم عاشوراء میں حکومت دی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یوم عاشوراء میں ہوئی (صحیح روایت یہ ہے کہ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاوّل کو ہوئی ہے) رب عزوجل عرش پر یوم عاشوراء میں مستوی ہوا اور قیامت کا دن بھی یوم عاشوراء میں ہوگا۔ (فضائل الاوقات ص ۴۴۱' مکتبۃ المنارۃ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ)

امام ابن جوزی نے اس حدیث کو کتاب الموضوعات ج ۲ ص ۲۰۲ میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے' اس کی سند میں محمد بن عبداللہ بن فھر از حبیب بن ابی حبیب ہے اور کہا کہ یہ حدیث بلاشک موضوع ہے' حافظ سیوطی نے اس حدیث کو درج کر کے کہا: اس کی سند میں آفت حبیب ہے۔

(اللئالی المصنوعہ ج ۲ ص ۹۲' علامہ علی بن محمد الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ نے بھی اس کو موضوع قرار دیا ہے' تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ج ۲ ص ۱۴۸)

امام ابن عدی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یوم عاشوراء میں اپنے اہل وعیال پر وسعت کی' اللہ تعالیٰ سارا سال اس پر وسعت رکھے گا۔

(الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۸۵۴' امام عقیلی نے کہا: اس کی سند میں سلیمان مجہول ہے اور یہ حدیث غیر محفوظ ہے)

حافظ جلال الدین سیوطی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں:

حافظ ابوالفضل العراقی نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے اور ان میں سے بعض اسانید کو حافظ ابوالفضل بن ناصر نے صحیح قرار دیا ہے' اور اس حدیث کی سند میں جو سلیمان ہے اس کو امام ابن حبان نے ثقات میں قرار دیا ہے' پس یہ حدیث ان کی رائے میں صحیح ہے' اور حضرت ابوسعید خدری کی حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے اور حضرت ابن عمر کی حدیث امام دارقطنی نے الافراد میں روایت کی ہے اور حضرت جابر کی حدیث امام بیہقی نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے' امام بیہقی نے کہا: ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن جب بعض سندوں کو بعض سے ملایا جائے تو ان میں قوت آ جاتی ہے۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۳۶۶' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۰ھ)

(اللئالی المصنوعۃ ج ۲ ص ۹۵۔۹۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یوم عاشوراء کو روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو' اس سے ایک دن پہلے روزہ رکھو اور اس کے ایک دن بعد بھی روزہ رکھو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۳۷۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نو محرم اور دس محرم کو روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔
(شعب الایمان رقم الحدیث:۳۷۸۸)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا' اس نے گویا ایک سال کے روزے رکھے اور جس نے یوم عاشوراء کو صدقہ کیا اس نے گویا ایک سال صدقہ کیا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی تھی' تم اس دن نماز پڑھو اور روزہ رکھو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی' وہب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ عشرہ محرم کے پہلے دن سے میرا قرب حاصل کریں۔ (لطائف علیہ ج اص ۸۱۔۸۰' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

''ولیال عشر'' سے مراد رمضان کا آخری عشرہ اور اس کی فضیلت میں احادیث

اس میں تیسرا قول یہ ہے کہ ان دس راتوں سے مراد رمضان کا آخری عشرہ ہے' اس سلسلہ میں یہ احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے آخری عشرہ (دس دنوں) کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۶۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۱۸۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا' پھر آپ بیس رمضان کی صبح کو باہر آئے' پس ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی' پھر مجھے بھلا دی گئی' تم اس کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو' اور میں نے خواب دیکھا کہ میں پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں' پس جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ واپس جائے' ہم لوٹ گئے اور ہم آسمان پر کوئی بادل نہیں دیکھ رہے تھے' پھر بادل آگئے اور بارش ہونے لگی' حتیٰ کہ مسجد کی چھت ٹپکنے لگی اور وہ چھت کھجور کے شہتیروں کی تھی' اور نماز قائم کی گئی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے تھے' حتیٰ کہ میں نے مٹی کا نشان آپ کی پیشانی میں دیکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۱۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۳۸۲' سنن نسائی رقم الحدیث:۱۳۵۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۳۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف میں بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۲۰' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۳۸۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۶۸۶)

''الشفع'' سے مراد یوم نحر اور ''الوتر'' سے مراد یوم عرفہ اور ان کی فضیلت میں احادیث

''الشفع'' (جفت) اور ''الوتر'' (طاق) کی متعدد تفسیریں ہیں:

ایک تفسیر یہ ہے کہ طاق سے مراد یوم عرفہ ہے اور جفت سے مراد یوم نحر ہے اور ان کی فضیلت میں یہ احادیث ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام ایام میں افضل یوم عرفہ ہے۔
(الاتحاف ج ۴ ص ۲۷۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی دن دوزخ سے اتنے بندوں کو

آزاد نہیں کرتا جتنے یومِ عرفہ کو کرتا ہے' اللہ تعالیٰ قریب ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے' پھر فرماتا ہے: ان لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۴۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۰۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۱۴' المستدرک رقم الحدیث: ۱۴۶۴' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۱۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یومِ عرفہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ حجاج کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے اور فرماتا ہے: میرے بندوں کی طرف دیکھو' ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور یہ گرد و غبار سے اَٹے ہوئے ہیں' یہ دور دراز سے فریاد کرتے ہوئے میرے پاس آئے ہیں' میں تم کو گواہ بناتا ہوں میں نے ان سب کو بخش دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یومِ عرفہ سے زیادہ کسی دن دوزخ سے لوگ آزاد نہیں کیے جاتے۔

(فضائل الاوقات للبیہقی ص ۳۵۵' صحیح ابن خزیمہ ج ۴ ص ۲۶۳' شعب الایمان ج ۳ ص ۳۶' کنز العمال ج ۵ ص ۷۱)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یومِ عرفہ سے زیادہ کسی اور دن شیطان کو اس قدر غم اور غصہ میں نہیں دیکھا گیا ماسوا یومِ بدر کے' اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما رہا ہے۔

(موطأ امام مالک رقم الحدیث: ۹۸۲' مصنف عبد الرزاق ج ۵ ص ۱۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۶' کنز العمال ج ۵ ص ۷۲)

جفت سے مراد یوم نحر ہے یعنی دس ذوالحجہ کا دن' عید الاضحیٰ' اس کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یومِ عرفہ' یوم النحر اور ایامِ تشریق ہم اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ کھانے اور پینے کے ایام ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۷۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۱۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۰۰۴)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں' آپ سے پوچھا گیا: ہمارے لیے ان میں کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے' آپ سے پوچھا گیا: اور اُون کے بدلہ میں؟ آپ نے فرمایا: ہر اُون کے بدلہ میں بھی ایک نیکی ہے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۷' المستدرک ج ۲ ص ۳۸۹' مسند احمد ج ۴ ص ۳۶۸' شعب الایمان رقم الحدیث: ۷۳۲۷)

عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کھائے بغیر عیدگاہ نہیں جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ سے واپس آئے بغیر نہیں کھاتے تھے' پھر آ کر آپ اپنی قربانی کی کلیجی سے کھاتے تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۵۴۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۷۵۶' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قربانی کے دن کسی آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب نہیں ہے کہ وہ (قربانی کے جانور کا) خون بہائے' بے شک قربانی کا وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگھوں' اور اپنے بالوں اور اپنے کھروں کے ساتھ آئے گا اور اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے' سو تم خوشی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۲۶)

جبلہ بن سحیم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا قربانی کرنا واجب ہے؟ حضرت ابن عمر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی' اس نے پھر سوال کیا تو انہوں نے کہا: کیا تم میں عقل ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور مسلمانوں نے قربانی کی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۴)

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے عظیم دن یوم النحر ہے' پھر اس کے بعد دوسرا دن ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پانچ یا چھ اونٹنیاں لائی گئیں' ان میں سے ہر ایک بڑھ کر آپ کے قریب آ رہی تھی کہ آپ اس سے قربانی کی ابتداء کریں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۷۶۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام حیوانات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کو پہچانتے تھے' جیسا کہ درج ذیل حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے:

حضرت یعلیٰ بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ایسی چیزیں دیکھیں جن کو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا تھا' ان میں سے دوسری چیز یہ تھی کہ آپ کے پاس سے ایک اونٹ گزرا' وہ اپنی گردن بڑھا کر بڑبڑانے لگا' آپ نے فرمایا: اس اونٹ کے مالک کو بلاؤ' پس وہ آ گیا تو آپ نے اس سے فرمایا: یہ اونٹ تمہاری شکایت کر رہا ہے کہ یہ اونٹ تمہارے ہاں پیدا ہوا' تم نے اس سے کام لیا' حتیٰ کہ اب وہ بوڑھا ہو گیا تو تم اس کو ذبح کرنا چاہتے ہو' اس شخص نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' میں ایسا نہیں کروں گا۔ پھر آپ آگے روانہ ہو گئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن شییء الا یعلم انی رسول الله الا کفرة او فسقة الجن والانس۔ ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے جنات اور انسانوں میں سے کافروں اور فاسقوں کے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۲۶۱۔ رقم الحدیث: ۶۷۲' مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۳ القدیم' مسند احمد ج ۲۹ ص ۱۰۹۔ رقم الحدیث: ۱۷۵۶۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۲۔ ۲۱۔ ۲۰' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴۳۵' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ)

''الشفع'' (جفت' جوڑا) اور ''الوتر'' (طاق) میں مزید عقلی احتمالات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے جفت اور طاق کے متعلق حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:

(۱) ''الشفع'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حوا ہیں اور ''الوتر'' سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

(۲) ''الشفع'' سے مراد وہ نمازیں ہیں جو جفت ہیں' جیسے فجر' ظہر' عصر اور عشاء اور ''الوتر'' سے مراد وہ نماز ہے جو طاق ہے' جیسے مغرب' حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعض نمازیں جفت ہیں اور بعض طاق ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے ان نمازوں کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ ایمان کے بعد نماز کا مرتبہ ہے اور عبادات میں نماز کا جو مقام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

(۳) ''الشفع'' سے مراد کل مخلوق ہے کیونکہ فرمایا: ''وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا'' (النباء: ۸) ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ وتر ہے اور وتر سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۴۱۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۴۵۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۶۷۴)

(۴) دنیا کی ہر چیز یا زوج ہے یا فرد ہے' گویا کہ میں زوج اور فرد کے رب کی قسم کھاتا ہوں' اس کی نظیر یہ آیت ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ پس مجھے ان چیزوں کی قسم ہے جنہیں تم دیکھتے ہو ○ اور جن کو تم نہیں دیکھتے ○ (الحاقۃ: ۳۹۔ ۳۸)

(۵) ''الشفع'' سے مراد جنت کے درجات ہیں' ان کی تعداد آٹھ ہے اور ''الوتر'' سے مراد دوزخ کے طبقات ہیں اور وہ سات ہیں۔

(۶) ''الشفع'' سے مراد دن اور رات ہیں اور ''الوتر'' سے مراد وہ دن ہے جس کے بعد رات نہیں اور وہ روزِ قیامت ہے۔

(۷) ''الشفع'' سے مراد وہ بارہ چشمے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے بن گئے اور ''الوتر'' سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات ہیں۔

(۸) ''الشفع'' سے مراد قومِ عاد کے عذاب کے ایام ہیں' ان کی تعداد آٹھ تھی اور ''الوتر'' سے مراد ان کی راتیں ہیں' ان کی تعداد سات تھی' قرآن مجید میں ہے:

سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا. (الحاقہ:۷) سات راتیں اور آٹھ دن پے در پے۔

(۹) ''الشفع'' سے مراد بارہ برج ہیں اور ''الوتر'' سے مراد سات سیارے ہیں۔

(۱۰) ''الشفع'' سے مراد تیس دن کا مہینہ ہے اور ''الوتر'' سے مراد ۲۹ دن کا مہینہ ہے۔

(۱۱) ''الشفع'' سے مراد دو ہونٹ ہیں اور ''الوتر'' سے مراد زبان ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ (البلد:۹) ایک زبان اور دو ہونٹ ۝

(۱۲) ''الشفع'' سے مراد نماز کے دو سجدے ہیں اور ''الوتر'' سے مراد نماز کا رکوع ہے۔

واضح رہے کہ ''الشفع'' اور ''الوتر'' سے مراد یا دو معزز چیزیں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے' اور ہم نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے' وہ سب ''الشفع'' اور ''الوتر'' سے مراد ہو سکتی ہیں اور قرآن مجید میں ان میں سے کسی چیز کی تعیین کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا' اگر ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے یا اہل علم کے اجماع سے ثابت ہو جائے تو پھر وہی مراد ہے اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چیز مراد ہو سکتی ہے' لیکن اس کا ثبوت ظنی ہو گا قطعی نہیں ہو گا' اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام چیزیں مراد ہیں کیونکہ ''الشفع'' اور ''الوتر'' میں الف لام استغراق کا ہے' یعنی تمام جفت اور تمام طاق۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۵۰۔۱۴۹ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''والشفع والوتر'' کی تفسیر میں مصنف کا صحیح اور صریح حدیث سے استدلال

امام رازی نے فرمایا ہے کہ اگر ''ولیال عشر'' اور ''والشفع والوتر'' کی تفسیر میں کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے ثابت ہو تو پھر وہی مراد ہے اور ہم کو اس کی تفسیر میں یہ حدیث مل گئی ہے' سو ان کی تفسیر میں اس حدیث پر ہی اعتماد کرنا چاہیے اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(ولیال) عشر'' سے مراد قربانی کے (مہینہ کے) دس دن ہیں اور ''الوتر'' یوم عرفہ ہے اور ''الشفع'' یوم النحر (قربانی کا دن) ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۲ ص ۳۸۹۔ رقم الحدیث: ۱۴۵۱۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۴۱۰۱' المستدرک ج ۴ ص ۲۲۰ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۸۵۱۷' المکتبۃ العصریہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' کنز العمال رقم الحدیث: ۲۹۴۴)

شیخ شعیب الارنؤوط نے اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے: اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے' اور امام حاکم کی سند امام مسلم کی شرط کے موافق ہے' اور امام ذہبی نے بھی امام مسلم کی موافقت کی ہے۔ (حاشیہ مسند احمد ج ۲۲ ص ۳۸۹)

امام رازی پر چونکہ عقلیات کا غلبہ ہے' اس لیے وہ اس حدیث کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے' دوسری بات یہ ہے کہ احادیث

تک رسائی کے جتنے وسائل اب میسر ہیں' وہ امام رازی کے دور میں حاصل نہ تھے' اس لیے امام رازی اس حدیث تک نہ پہنچ سکے۔

الفجر: ۴ میں فرمایا: اور رات کی (قسم) جب وہ گزرے O

رات کی قسم کھانے کی وجوہ

اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم اور بھی کئی آیات میں کھائی ہے:

وَالَّيۡلِ اِذۡ اَدۡبَرَ ۙ (المدثر: ۳۳) اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرے O

وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ۙ (التکویر: ۱۷) اور رات کی قسم جب وہ جانے لگے O

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس رات سے مراد کوئی مخصوص رات نہیں ہے کیونکہ رات اور دن کے متواتر آنے جانے میں اور ان کی مقدار کے مختلف ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر بہت عظیم نعمت ہے' اس لیے رات کی قسم کھانا ممکن ہے اور اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ رات اور دن کا متواتر ایک دوسرے کے بعد آنا اللہ تعالیٰ کی عظیم تدبیر پر مبنی ہے۔

مقاتل بن سلیمان نے کہا: اس سے مراد عید الاضحیٰ کی رات ہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۸۱)۔

اور امام رازی نے مقاتل بن حیان سے نقل کیا کہ اس سے مراد مزدلفہ کی رات ہے' کیونکہ اس رات کے اوّل میں عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانگی ہوتی ہے اور اس کے آخر میں بھی گزرنا ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کمزور لوگوں کو اس رات میں پہلے بھیج دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر کے کم زور افراد کو پہلے بھیج دیتے تھے اور وہ مزدلفہ میں رات کو مشعر حرام کے پاس وقوف کرتے تھے' پھر وہ جب تک چاہتے اللہ کا ذکر کرتے' حضرت عبد اللہ بن عمر کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رخصت دی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۶۷۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۹۵)

الفجر: ۵ میں فرمایا: بے شک اس میں صاحب عقل کے لیے بہت بڑی قسم ہے O

''ذی حجر'' کا معنی

اس آیت میں ''ذی حجر'' کا لفظ ہے' ''حجر'' عقل کو کہتے ہیں کیونکہ عقل انسان کو غلط اور نامناسب کام کرنے سے روکتی ہے' اور ''حجر'' کا معنی ہے: کسی کام سے منع کرنا اور روکنا' الفراء نے کہا ہے: جو شخص اپنے نفس پر قاہر ہو اور اپنے نفس پر ضبط کرنے والا ہو' اس کو عرب ''ذو حجر'' کہتے ہیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص صاحب عقل ہو' وہ جان لے گا' یہ مذکورہ چیزیں بہت عجیب و غریب ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت پر بہت دلائل ہیں اور یہ چیزیں خالق کے وجود پر دلالت کرتی ہیں' اس لیے یہ چیزیں اس لائق ہیں کہ ان کی قسم کھائی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ O وہ ارم کے لوگ تھے ستونوں جیسے لمبے قد والے O ان کی مثل شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا O اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں O اور میخوں والا فرعون تھا O ان لوگوں نے شہروں میں بہت سرکشی کی O پھر ان شہروں میں بہت دہشت گردی کی O پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا O بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے O

(الفجر: ۱۴-۶)

عاد' ثمود اور قوم فرعون کا عذاب

امام رازی فرماتے ہیں: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے "والفجر" وغیرہ کی قسم کھائی ہے' اس کے جواب کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ بے شک آپ کا رب گھات میں ہے اور دوسرا یہ کہ پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا' لیکن پہلا محمل اولیٰ ہے۔

الفجر: ٦ میں فرمایا ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ اس کا معنی ہے: کیا آپ کو نہیں معلوم؟ اس لیے کہ عاد اور ثمود اور فرعون کی خبریں' عرب میں تواتر کے ساتھ منقول تھیں' ان آیتوں میں بہ ظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے' لیکن یہ خطاب ہر شخص کو عام ہے' اور اس سے مقصود کفارِ مکہ کو زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے کہ اگر وہ اسی طرح کفر اور شرک پر اڑے رہے تو یہ خطرہ ہے کہ ان پر بھی وہی عذاب آ جائے جو عاد اور ثمود اور قومِ فرعون پر آ چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں کفار کی تین قوموں کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا لیکن ان کے عذاب کی کیفیت بیان نہیں فرمائی' البتہ سورۃ الحاقہ میں ان قوموں کے عذاب کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

قوم ثمود کے عذاب کی کیفیت کے متعلق فرمایا:

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ○ (الحاقہ: ٥)

رہے ثمود تو ان کو ایک چنگھاڑ سے ہلاک کر دیا گیا ○

اور قوم عاد کے عذاب کی کیفیت کے متعلق فرمایا:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ (الحاقہ: ٦)

اور رہے عاد تو ان کو گرجتی ہوئی تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا ○

اور فرعون کے عذاب کے متعلق فرمایا:

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ (الحاقہ: ٩)

اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور وہ جن کی بستیاں اُلٹ دی گئی تھیں انہوں نے گناہ کیے ○

فرعون اور اس کی قوم کے عذاب کی تفصیل ان آیتوں میں ہے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ○ (یونس: ٩٢-٩٠)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار گزار دیا' پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے ان کا تعاقب کیا' حتیٰ کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو اس نے کہا: میں ایمان لایا کہ اس ذات کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں ○ (جواب آیا:) اب ایمان لایا ہے اور اس سے پہلے تو سرکشی کرنے والوں میں سے تھا ○ پس آج ہم صرف تیرے بدن کو نجات دیں گے تاکہ تو بعد والوں کے لیے نشانِ عبرت ہو جائے' اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ○

قومِ عاد کا تعارف

عاد کا نام ہے: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح' پھر لفظ عاد اس کے قبیلہ کا نام بن گیا' پھر اس قبیلہ کے متقدمین کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: " وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ِۨالْاُوْلٰىۙ " (النجم: ٥٠) بے شک اس نے عاد اولیٰ کو ہلاک کر دیا' اور متاخرین کو عاد الاخیرۃ کہا جاتا ہے' اور رہا ارم تو وہ عاد کے دادا کا نام ہے اور اس آیت میں ارم سے کون مراد ہے؟ اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(١) اس سے مراد قبیلہ عاد کے متقدمین ہیں' جن کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کو ان کے دادا کے نام پر ارم کہتے ہیں۔

(٢) جس شہر میں یہ لوگ رہتے تھے' اس کا نام ارم تھا اور یہ اسکندریہ تھا اور ایک قول ہے کہ یہ شہر دمشق تھا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ قومِ عاد ریگستان کے بلند ٹیلوں میں رہتی تھی اور اسکندریہ اور دمشق میں ریگستان کے بلند ٹیلے نہیں ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ. (الاحقاف: ٢١) اور عاد کے بھائی کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو ریگستان میں ڈرایا۔

(٣) ارم اس قوم کا نام ہے جو میناروں کی شکل میں یا قبروں کی شکل میں پہاڑوں کے اندر اپنے گھر بناتی تھی۔

الفجر: ٧ میں فرمایا: وہ ارم کے لوگ تھے' ستونوں جیسے لمبے قد والے O

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ان میں سے لمبے قد کا آدمی پانچ سو ذراع کا ہوتا تھا (ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہے) اور ان میں سے چھوٹے قد کا آدمی تین سو ذراع کا ہوتا تھا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان کا قد ستر (٧٠) ذراع کا ہوتا تھا' علامہ ابن العربی نے کہا: یہ روایت صحیح نہیں ہے' کیونکہ حدیث صحیح میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کا طول ہوا میں ساٹھ ذراع تھا' پھر اب تک مخلوق کا قد بہ تدریج کم ہوتا رہا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٢٢٧' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٤١)

قتادہ نے کہا: ان میں سے ایک آدمی کا طول بارہ ذراع کا ہوتا تھا۔

یہ لوگ ستون کھڑے کر کے ان کے اوپر مکان بناتے تھے' اس لیے ان کو ستون والے فرمایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے لمبے قد کی وجہ سے ان کو ستون والے فرمایا۔ ضحاک نے کہا کہ ستون والے سے مراد ہے: وہ بہت زیادہ قوت والے تھے' اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةًؕ. (حٰم السجدہ: ١٥) انہوں نے کہا: ہم سے زیادہ طاقت والا کون ہے؟

الفجر: ٨ میں فرمایا: ان کی مثل شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا O

قومِ عاد جتنے لمبے قد' عظیم جسامت اور شدید قوت والی تھی' اس زمانہ میں ایسی قوم کہیں بھی پیدا نہیں کی گئی تھی۔

الفجر: ٩ میں فرمایا: اور ثمود کے لوگ تھے جنہوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں تراشیں O

ثمود کا پہاڑوں کو تراش کر مکان بنانا

ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی' مفسرین نے کہا ہے: انہوں نے سب سے پہلے پہاڑوں اور چٹانوں کو تراش کر مکان بنائے' انہوں نے مدائن میں ہزاروں کی تعداد میں پہاڑوں کو تراش کر مکان بنائے' قرآن مجید میں ہے:

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ○ یہ لوگ بے خوف ہو کر پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے○

(الحجر: ٨٢)

۹ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بستی سے گزرے تو آپ نے اپنے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور سواری کو تیز کر لیا اور فرمایا: اس جگہ روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے گزرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۳۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۵)

یہ وادی پہاڑوں کے درمیان تھی وہ ان پہاڑوں کو تراش کر ان میں حویلیاں اور گھر بناتے تھے' جن میں حوض بھی ہوتے تھے۔

الفجر: ۱۰ میں فرمایا: اور میخوں والا فرعون تھا○

میخوں والے کا معنی

میخوں والے سے مراد فرعون کا لشکر ہے' جو فرعون کے ملک اور اس کی سلطنت کو مضبوط کرتا تھا' یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے' ایک قول یہ ہے کہ وہ لوگوں کو میخوں سے عذاب دیا کرتا تھا' ان کو باندھ کر ان میں میخیں گاڑ دیا کرتا تھا' حتیٰ کہ وہ مر جاتے تھے' اس نے اپنی بیوی آسیہ اور اپنی بیٹی ماشطہ کے ساتھ بھی یہی کیا تھا' ص: ۱۲ میں ہم نے اس کی زیادہ تفصیل لکھی ہے۔

الفجر: ۱۳۔۱۱ میں فرمایا: ان لوگوں نے شہروں میں بہت سرکشی کی○ پھر ان شہروں میں بہت دہشت گردی کی○ پھر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا○

عذاب کے کوڑے کا معنی

ان لوگوں سے مراد عاد' ثمود اور فرعون ہیں' انہوں نے ظلم ڈھانے اور سرکشی کرنے میں حد سے تجاوز کیا' پھر انہوں نے بہت دہشت گردی کی اور حد سے زیادہ لوگوں کو اذیت پہنچائی' تب اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا' عذاب کے کوڑے سے مراد ہے: ان پر بہت شدید عذاب نازل کیا' کیونکہ ان کے نزدیک کوڑے مارنا بہت سخت سزا ہوتی تھی۔

الفجر: ۱۴ میں فرمایا: بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے○

''مرصاد'' کا معنی

''مرصاد'' کا معنی ہے: گھات لگانے کی جگہ یعنی کسی کا انتظار کرنے کا مقام' جو شخص گھات لگا کر کسی پوشیدہ مقام میں بیٹھا ہو' اس کے پاس سے گزرنے والا دشمن اس سے بچ کر گزر نہیں سکتا اور اس کا دشمن اس سے چھپا نہیں رہ سکتا' اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی در پردہ بندوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے' اس سے بچ کر یا اس سے چھپ کر کوئی بندہ کوئی کام نہیں کر سکتا' گھات لگانے کے چار اجزاء ہیں: (۱) گھات لگانے کا مقام دشمن سے مخفی ہو (۲) دشمن کی گزرگاہ ہو (۳) جہاں گھات لگا کر بیٹھنے والے کو دشمن کے احوال کی خبر ہو جائے (۴) دشمن گھات لگانے والے کی گرفت سے بچ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ جو گھات لگاتا ہے اس میں یہ چاروں اُمور متحقق ہیں' بندوں کو نہیں معلوم کہ اللہ کے علم کا کیا ذریعہ ہے اور وہ کس طرح ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور کہاں

سے دیکھ رہا ہے' زندگی کا راستہ سب کو طے کرنا ہے' سب اس راستہ سے گزر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ کو ان کے تمام اقوال اور اعمال اور احوال کا' کامل علم ہے اور اس کی گرفت سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

حسن اور عکرمہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے تا کہ اس کے مطابق اس کو جزا دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جہنم کے اوپر سات پل ہیں' پہلے پل پر انسان سے اس کے ایمان کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر وہاں سے نجات ہوگئی تو پھر وہ دوسرے پل پر آئے گا' وہاں اس سے نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر اس سے نجات ہوگئی تو تیسرے پل پر آئے گا' پھر اس سے زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر وہاں سے گزر گیا تو پھر وہ چوتھے پل پر آئے گا' پھر اس سے ماہِ رمضان کے روزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر روزے پورے تھے تو پھر وہ پانچویں پل پر آئے گا' وہاں اس سے حج اور عمرہ کے متعلق سوال کی جائے گا' اگر اس کا حساب مکمل تھا تو پھر وہ چھٹے پل پر آئے گا' وہاں اس سے رشتہ داروں سے میل جول کے متعلق سوال کیا جائے گا' اگر وہاں سے گزر گیا تو پھر ساتویں پل پر آئے گا' وہاں اس سے لوگوں کے حقوق کے متعلق سوال کیا جائے گا' ایک منادی ندا کرے گا: جس کسی کا اس پر حق ہے وہ آ کر اس سے وصول کر لے اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنیٰ ہے: بے شک آپ کا رب (ان کی) گھات میں ہے O ثوری نے کہا: جہنم پر تین پل ہیں' ایک پل میں رحم ہے' دوسرے میں امانت ہے اور تیسرے میں رب تبارک وتعالیٰ ہے' یعنی اس کی حکمت' اس کا ارادہ اور اس کا امر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ کا رب ان کی گھات میں ہے یعنی ان کی باتیں سن رہا ہے اور ان کے اعمال دیکھ رہا ہے' ان کی سرگوشیوں کو سنتا ہے اور ان کے پوشیدہ اعمال کو دیکھ رہا ہے اور سب کو ان کے اعمال کے موافق جزا دے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۴۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس لیکن جب انسان کو اس کا رب عزت اور نعمت دے کر آزمائے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت دی O اور جب اس کا رب اس کو (مصیبت سے) آزمائے اور اس پر اس کا رزق تنگ کر دے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا O یہ بات نہیں ہے' بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو O اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو O اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو O اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو O (الفجر: ۲۰۔۱۵)

دنیا کی نعمتیں ملنے کو عزت اور کرامت اور ان سے محرومی کو بے عزتی نہیں سمجھنا چاہیے

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: بے شک آپ کا رب ان کی گھات میں ہے یعنی آپ کا رب دیکھ رہا ہے کہ اس کے بندے آخرت کے لیے کیا عمل کر رہے ہیں' سو اس کی نظر صرف آخرت کی طرف ہے' اور انسان کا یہ حال ہے کہ اس کی نظر صرف دنیا کی طرف ہے' اس کے نزدیک اہم چیز صرف دنیا کی لذتیں اور شہوتیں ہیں' اگر دنیا میں اس کی نفسانی خواہشیں پوری ہو جائیں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی اور اگر دنیا میں اس کی نفسانی خواہشیں پوری نہ ہوں تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا' اس کی نظیر وہ آیات ہیں جو کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ O (الروم: ۷)

وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں O

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ایک کنارے پر (کھڑے ہو کر) اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اگر ان کو کوئی فائدہ ہوا تو وہ اس سے مطمئن ہوتے ہیں' اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ گئی تو وہ اسی وقت

الْمُبِيْنُ ○ (الحج:۱۱) پلٹ جاتے ہیں انہوں نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا یہی کھلا ہوا نقصان ہے○

صرف دنیا کو مطمع نظر بنانا اور آخرت کی طرف توجہ نہ کرنا حسب ذیل وجوہ سے باطل ہے:

دنیاوی عیش و عشرت کی مذمت کی وجوہ

(۱) دنیا کی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں اس قدر کم ہیں جیسے قطرہ سمندر کے مقابلہ میں ہو بلکہ یہ نسبت بھی نہیں ہے کیونکہ قطرہ کی سمندر کی طرف نسبت متناہی کی متناہی کی طرف ہے اور دنیا کی آخرت کی طرف نسبت متناہی کی غیر متناہی کی طرف ہے دنیا کی نعمتیں متناہی اور محدود ہیں اور آخرت کی نعمتیں غیر متناہی اور لامحدود ہیں پس اگر کسی شخص کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں اور وہ آخرت کی نعمتیں حاصل نہ کر سکے تو یہ سراسر خسارہ ہے اور جو دنیا کی نعمتیں حاصل نہ کر سکا بلکہ مصائب اور آفات میں مبتلا رہا اور آخرت میں اس کو جنت اور اس کی نعمتیں مل گئیں تو وہ کامیاب اور بامراد ہے اس کا اپنے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کے رب نے اس کو ذلیل کر دیا بلکہ اس کے رب نے اس کو عزت والا بنایا اور کامیاب کر دیا۔

(۲) جب بھی کسی انسان پر کوئی مصیبت آئے یا اس کو کوئی نعمت ملے تو اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ اس کے کسی عمل کا نتیجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے بعض اوقات اس کے نیک بندوں پر دنیا میں مصائب آتے ہیں جیسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر مصائب آئے اور بعض اوقات فساق اور فجار بہت عیش و آرام اور نعمتوں میں ہوتے ہیں جیسے یزید اور اس کے دیگر رفقاء اور عمومی طور پر کفار بہت دولت مند قوی اور مستحکم ہیں اور مسلمان بہت پس ماندہ کمزور اور دبے ہوئے ہیں کیونکہ دنیا میں کفار کی شوکت اور عزت بہ طور استدراج مکر اور ان کو ڈھیل دینے کے لیے ہوتی ہے اور مسلمانوں کی زبوں حالی ان کی آزمائش اور آخرت میں ان کے درجات کی بلندی کے لیے ہوتی ہے۔

(۳) جو شخص مال دار اور خوش حال ہو اس کو اپنی زندگی کے خاتمہ سے غافل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اعتبار انسان کے خاتمہ کا ہوتا ہے اور جو شخص فقیر اور محتاج ہو اس کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مال و زر نہیں دیا تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو اور بے شمار نعمتیں دی ہیں اس کا بدن صحیح و سالم ہے اس کی عقل کام کر رہی ہے وہ صاحب ایمان ہے اور اعمال صالحہ پر قادر ہے سانس لینے کے لیے ہوا پینے کے لیے پانی اور کھانے کے لیے غذا اس کو میسر ہے وہ ناگہانی آفات مثلاً زلزلوں اور سونامی ایسے سمندری طوفانوں سے محفوظ ہے اور مہلک اور موذی امراض مثلاً ایڈز اور کینسر وغیرہ سے بچا ہوا ہے۔

(۴) جب انسان کو اپنی لذتوں کے حصول اور شہوتوں کے اسباب میسر ہوتے ہیں تو وہ اپنے نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے میں منہمک ہو جاتا ہے اور ان لذتوں کو ترک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رجوع کرنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور جب انسان کے پاس عیش و عشرت کے سامان نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والی اور معصیت پر ابھارنے والی چیزیں نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اس کے لیے سہل اور آسان ہو جاتا ہے سو جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو عیش و طرب دے کر واپس لے لے تو اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دینے کے بعد ذلت میں مبتلا کر دیا بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی آخرت اور عاقبت سنوارنے کا ایک اور موقع عنایت فرما دیا ہے۔

(۵) انسان دنیاوی نعمتوں اور راحتوں سے جتنا زیادہ بہرہ اندوز ہوگا' وہ اس قدر زیادہ ان کی محبت میں گرفتار ہوگا اور موت کے وقت جب ان چیزوں سے اس کی جدائی ہوگی تو اس کو اتنا زیادہ قلق ہوگا اور دنیاوی عیش وعشرت سے اس کا جس قدر کم تعلق ہوگا' موت کے وقت ان چیزوں کی جدائی سے اسی قدر کم قلق ہوگا' اس لیے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ دنیا کی نعمتوں کا حصول عزت کا سبب ہے اور ان نعمتوں کا نہ ملنا ذلت کا سبب ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ وجوہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص اس دنیا کے بعد آخرت کا قائل ہوا سے دنیاوی نعمتوں کے ملنے اور نہ ملنے کو عزت اور ذلت کا معیار نہیں بنانا چاہیے لیکن جو شخص دہریہ ہو اور آخرت کا قائل ہی نہ ہو اس کے لیے یہ وجوہ اس پر دلیل نہیں ہیں کہ مال دنیا کا ملنا اور نہ ملنا عزت اور ذلت کا معیار نہیں ہے' تو ہم کہیں گے کہ دہریہ کو بھی کم از کم یہ تو ماننا پڑے گا کہ جس کے پاس جتنا زیادہ مال ہوگا' اس کے لیے چوری' ڈاکے' لوٹ مار اور قتل اور دہشت گردی کے خطرات اس قدر زیادہ ہوں گے اور جس کے پاس مالِ دنیا جس قدر کم ہوگا وہ اس قدر زیادہ امن اور سکون کے ساتھ رہے گا۔

یاد رہے کہ میں نے چوری کا لفظ یونہی عبارت آرائی کے لیے لکھ دیا ہے' ورنہ ہم جس دور میں ہیں (۲۰۰۵ء) اس میں چوریاں نہیں ہوتیں' ڈاکو دن اور رات کے کسی بھی وقت عام راستوں' بازاروں اور چوراہوں پر ٹی۔ ٹی کے زور پر موبائل فون' نقد رقم اور گھڑیاں چھین لیتے ہیں اور عورتوں کے زیورات اتروا لیتے ہیں' اسلحہ کے زور پر گاڑیاں چھین لیتے ہیں اور مزاحمت کرنے پر بے دریغ گولی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں اور آئے دن یہ خبریں تواتر سے اخبارات میں آتی رہتی ہیں' میں نے پندرہ بیس سال سے کسی علاقہ میں کہیں بھی چوری کی خبر نہیں پڑھی' اب صرف بر سرِ عام ڈاکے پڑتے ہیں۔

آیا دنیاوی مال کے حصول پر اترانے والا عام انسان ہے یا مخصوص انسان ہے؟

الفجر: ۱۵ میں ''الانسان'' کا ذکر ہے' اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس انسان سے عام انسان مراد ہے یا کوئی خاص انسان مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس سے عتبہ بن ربیعہ اور ابوحذیفہ بن المغیرہ مراد ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس سے امیہ بن خلف مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے ابی بن خلف مراد ہے۔

مال اور نعمت ملنے پر خوش ہونا' اترانا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرنا' اور رزق کی تنگی اور فقر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہانت سمجھنا ان کافروں کا شیوہ ہے' جو قیامت اور حشر ونشر پر ایمان نہیں رکھتے' رہا مؤمن تو جب اس پر رزق کی کشادگی کی جائے تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھتا ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس پر رزق کی تنگی کر دی جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ قضاء وقدر سے متعلق ہے اور اس مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ اور شکایت نہیں کرتا' البتہ بعض مسلمان بھی اپنی جہالت سے یہ گمان کرتے ہیں کہ جب ان کو کوئی نعمت ملے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی کسی عبادت کی فضیلت کی وجہ سے اس نعمت کے مستحق تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وجہ سے عزت دی ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آئے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کر دیا' سو ایسے مسلمانوں کو اپنے اس گمان پر توبہ کرنا چاہیے اور یہ یقین کرنا چاہیے کہ یہ کافروں کی صفت ہے' مسلمانوں میں یہ صفت نہیں ہونی چاہیے۔

الفجر: ۲۰۔ ۱۷ میں فرمایا: یہ بات نہیں ہے' بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو○ اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو○ اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو○ اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو○

''کلّا'' کا معنی

الفجر: ۱۷ میں ''کلّا'' کا لفظ ان کے گمان کو مسترد کرنے کے لیے ہے' پس کسی شخص کا خوش حال اور مال دار ہونا اس کی

فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ تنگ دست ہونا اس کی ذلت کی وجہ سے‘ سو بندے کو تنگی ہو یا کشادگی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے۔

اس کے بعد فرمایا: بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ہو O

یتیم کی تکریم کی وجوہ

امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ نے یتیم کی تکریم کے حسب ذیل محامل بیان کیے ہیں:

(۱) یتیم کے مال کی حفاظت کرے تا کہ وہ ضائع نہ ہو اور اس کی عمدہ تربیت کرے اور اس کو نیک اخلاق اور آداب سکھائے اور اس کو بُری صحبتوں اور بُری عادتوں سے بچائے تا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں معزز اور مکرم ہو۔

(۲) اس کو احکامِ شرعیہ کی تعلیم دے‘ اس سے نماز پڑھوائے‘ روزے رکھوائے اور دیگر مستحب کاموں کی تلقین کرے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی معزز اور مکرم ہو۔

(۳) اس کے مال کو اپنی ضروریات پر بہ قدر حاجت خرچ کرے اور اس کے مال کو نفع بخش تجارت یا کسی عمدہ صنعت پر لگائے تا کہ اس کا مال ختم ہونے یا ضائع ہونے سے بچے‘ یہ اس کے مال کی تکریم ہے۔

یتیم کی دل داری نہ کرنے کی مذمت

الفجر: ۱۸ میں فرمایا: اور تم ایک دوسرے کو یتیم کے کھلانے پر راغب نہیں کرتے ہو O

یعنی تم لوگوں سے یہ نہیں کہتے تھے کہ یتیم کو کھلاؤ‘ اور اس طرح نیکی کا حکم دینے کو ترک کرتے ہو۔

الفجر: ۱۹ میں فرمایا: اور تم وراثت کا پورا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو O

اس آیت میں ’’تراث‘‘ کا لفظ ہے‘ یہ اصل میں ’’وراث‘‘ تھا‘ واؤ کو تاء سے تبدیل کر دیا‘ جیسے ’’وجاہ‘‘ کو ’’تجاہ‘‘ کر دیا۔

اور اس آیت میں ’’لما‘‘ کا لفظ ہے‘ اس کا معنی ہے: بہت زیادہ جمع کرنا یعنی تم وراثت کا بہت زیادہ مال کھا جاتے ہو‘ اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: وہ یتیم کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے اس کے مال کو جلدی جلدی فضول کاموں میں خرچ کر کے ختم کر دیتے تھے۔

(۲) حسن بصری نے کہا: وہ یتیم کا مال بھی کھا جاتے اور اس کے ساتھی کا مال بھی کھا جاتے تھے۔

(۳) میت کے مال میں سے بعض مال حلال ہوتا تھا‘ بعض مال مشتبہ ہوتا تھا اور بعض مال حرام ہوتا تھا‘ وہ بغیر تمیز کے سارا مال کھا جاتے تھے۔

الفجر: ۲۰ میں فرمایا: اور تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو O

اس آیت میں ’’جـمـا‘‘ کا لفظ ہے‘ اس کا معنی ہے: کثیر‘ یعنی تم مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو اور تم مال کو جمع کرنا چاہتے ہو اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ مال حلال ذرائع سے آ رہا ہے یا حرام ذرائع سے آ رہا ہے‘ تمہاری نظر صرف دنیا پر ہے اور آخرت کی طرف سے تم نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جب زمین پاش پاش کر کے ریزہ ریزہ کر دی جائے گی O اور آپ کا رب جلوہ فرما ہو گا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے O اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا‘ اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے O وہ کہے گا: کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی O سو اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی

عذاب نہ دے گا O اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا O (الفجر: ۲۶۔۲۱)

قیامت کے دن کفار اور فساق فجار کا کف افسوس ملنا

الفجر: ۲۱ میں بھی پہلے ''کلا'' کا لفظ ہے اور یہ لفظ کافروں کے گمان اور ان کے زعم کو مسترد کرنے کے لیے ہے کہ کافر دنیا کی حرص کر رہے ہیں اور یتیم کا مال ہڑپ کر رہے ہیں اور اس کے حقوق کا تحفظ نہیں کر رہے اور اس کی تادیب' تربیت اور تکریم نہیں کر رہے ہیں اور اپنے ان کاموں کو اچھا سمجھ کر ان کاموں پر خوش ہو رہے ہیں' سو ان کا یہ سمجھنا غلط اور باطل ہے' ان کو ان کاموں سے باز آنا چاہیے' وہ ہر طرح کا مال جمع کر رہے ہیں خواہ وہ حلال ہو یا حرام ہو اور ان کا یہ وہم ہے کہ آگے چل کر آخرت میں اس کی کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی اور ان کے بُرے اعمال پر کوئی گرفت نہیں ہوگی' سو ایسا نہیں ہوگا' جن لوگوں کا یہ حال ہے وہ قیامت کے دن نادم ہوں گے اور وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! انہوں نے اپنی ساری عمر نیک کاموں میں صرف کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا ہوتا اور یتیموں' غریبوں اور ناداروں کی ضروریات پر اپنے مال کو خرچ کیا ہوتا اور لوٹ مار' ڈاکا زنی' چھین جھپٹ' بھتہ خوری اور دیگر حرام ذرائع سے مال جمع نہ کیا ہوتا' نقلی دوائیں نہ بنائی ہوتیں' کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ نہ کی ہوتی' ذخیرہ اندوزی نہ کی ہوتی' منشیات کا دھندا نہ کیا ہوتا' سود نہ لیا ہوتا' رشوت نہ لی ہوتی اور دیگر حرام کام نہ کیے ہوتے' لیکن اس دن ان کاموں پر ندامت کسی کام نہ آئے گی اور ایسا انسان صرف کف افسوس ملتا رہ جائے گا۔

''دکا دکا'' کا معنی

اور اس آیت میں ''دکا دکا'' کے الفاظ ہیں' ''دکا'' کا معنی ہے: ریزہ ریزہ کرنا' کسی چیز کو ڈھا کر برابر کرنا' کوٹ کر ہموار کرنا' ''دک'' نرم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں اور چونکہ نرم اور ہموار زمین ریزہ ریزہ ہوتی ہے' اس لیے اس مناسبت سے اس کے مصدر کا معنی ہے: ریزہ ریزہ کرنا اور اس آیت میں ''دکت'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: وہ توڑی گئی' وہ ریزہ ریزہ کی گئی۔

خلیل نے کہا: ''دك'' کا معنی ہے: دیوار یا پہاڑ کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دینا یعنی جب روئے زمین کی ہر چیز ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی خواہ وہ پہاڑ ہوں یا درخت اور جب زمین پر زلزلہ آئے گا تو اس پر کوئی چیز صحیح اور سالم نہیں رہے گی۔

الفجر: ۲۲ میں فرمایا: اور آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے O

قیامت کے دن آپ کے رب کے آنے کی توجیہات

یہ قیامت کے دن کی دوسری صفت ہے' اس آیت میں فرمایا ہے: ''وجاء ربك'' اس کا لفظی معنی ہے: آپ کا رب آئے گا' واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا حرکت کرنا اور آنا جانا محال ہے کیونکہ حرکت کرنا اور آنا جانا جسم کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے منزہ اور مبرا ہے' متقدمین اس آیت کی تقریر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آتا جاتا بھی ہے اور آسمانوں پر اترتا بھی ہے اور وہ بھاگتا بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ میں ہے' لیکن اس کا آنا جانا' اترنا اور بھاگنا مخلوق کی طرح نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے' وہ اپنی شان کے مطابق آتا جاتا ہے اور اترتا چڑھتا ہے' ہم نہیں جانتے کہ اس کے آنے جانے اور اترنے چڑھنے کی کیا کیفیت ہے اور متاخرین نے جب دیکھا کہ بدمذہب لوگ اللہ تعالیٰ کے آنے پر اعتراض کرتے ہیں کہ آنا جانا تو جسم کی صفت ہے اور اگر اللہ آئے گا تو العیاذ باللہ وہ جسم ہوگا اور جسم ممکن اور حادث ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آئے گا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے آنے کی حسب ذیل توجیہات کی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے آنے سے مراد یہ ہے کہ حساب لینے اور جزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم آئے گا۔

(۲) اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا قہر اور اس کا عذاب آئے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں آئیں گی کیونکہ یہ قیامت کا دن ہوگا اور اس دن اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان آیات کا ظہور ہوگا' پس اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے آنے کو اللہ تعالیٰ کا آنا فرمایا' تاکہ ان نشانیوں کی عظمت معلوم ہو۔

(۴) اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کا ظہور تام ہوگا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں جس قدر شکوک اور شبہات تھے' وہ سب زائل ہو جائیں گے اور سب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا ظہور ہو جائے گا' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی واضح تجلی فرمائے گا۔

(۵) اس آیت میں جو فرمایا ہے: آپ کا رب آیا' اس میں آپ کے رب کے قہر اور سلطنت کے آثار کے ظہور کا بیان ہے اور اس کی نشانیوں کے ظہور کی تمثیل ہے' جب بادشاہ خود دربار میں آتا ہے تو اس کے آنے سے اس کے رعب' اس کی ہیبت اور اس کے جلال کے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں وہ آثار ظاہر ہو گئے اور آپ کے رب کے آنے سے آپ کے رب کے جلال کے آثار کا ظہور مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا ہے: اور فرشتے صف بہ صف حاضر ہوں گے' اس کا معنی ہے: ہر آسمان سے فرشتے نازل ہو کر صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے اور وہ جنات اور انسانوں کو گھیر لیں گے۔

الفجر: ۲۳ میں فرمایا: اور اس دن دوزخ کو لایا جائے گا' اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے O

دوزخ کو لانے والے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مقاتل نے کہا: ستر ہزار فرشتے جہنم کو ہانکتے ہوئے لائیں گے اور ان فرشتوں کے ہاتھوں میں اس کی لگام ہوگی اور دوزخ غیظ و غضب سے چنگھاڑ رہی ہوگی اور اس کو لا کر عرش کی بائیں جانب گاڑ دیا جائے گا۔

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن جہنم کو لایا جائے گا' اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی' ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اس کو گھسیٹ رہے ہوں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۲)

امام ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ اور امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا' حتیٰ کہ آپ کے اصحاب پر یہ اثر بہت شاق گزرا' پھر آپ نے فرمایا: ابھی ابھی مجھے حضرت جبریل نے یہ آیات پڑھائی ہیں: ''كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ'' (الفجر: ۲۳-۲۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جہنم کو کس طرح لایا جائے گا؟ فرمایا: اس کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جائے گا' ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے' وہ اس طرح بدک رہی ہوگی کہ اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وہ تمام اہل محشر کو جلا ڈالے' پس وہ کہے گی: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کو مجھ سے کیا خطرہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کے گوشت کو مجھ پر حرام کر دیا ہے؟ اس وقت ہر شخص نفسی نفسی (مجھے اپنی جان کی فکر ہے) کہہ رہا ہوگا سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے' آپ کہہ رہے ہوں گے: اے میرے رب! میری امت! اے میرے رب! میری امت!

(الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۰۲-۲۰۱' الوسیط ج ۴ ص ۴۸۵' بیروت' الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۴۹)

پھر فرمایا: اس دن انسان یاد کرے گا اور اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے O

آخرت میں ندامت اور توبہ کام نہیں دے گی

اس دن کافر اپنے شرک اور کفر پر نادم ہو گا اور توبہ کرے گا اور اس سے کہا جائے گا: اب کہاں یاد کرنے کا وقت ہے! وہ دنیا میں نصیحت قبول نہیں کرتا تھا اور اپنے کفر اور شرک سے رجوع نہیں کرتا تھا' اب دوزخ کو اپنے سامنے دیکھ کر کفر اور شرک سے رجوع کرے گا اور توبہ کرے گا' مگر اب توبہ کہاں قبول ہو گی' آخرت کے عذاب کو دیکھنے اور غیب کا مشاہدہ کرنے کے بعد توبہ قبول ہوتی ہے نہ ایمان قبول ہوتا ہے۔ کافر کے نادم ہونے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ O (الانعام: ۲۷)

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ کے پاس کھڑے کیے جائیں گے' پھر کہیں گے: ہائے ہائے! کاش! ہمیں (دنیا میں) لوٹا دیا جائے' پھر ہم اپنے رب کی آیات کو نہیں جھٹلائیں گے اور ہم مؤمنین میں سے ہو جائیں گے O

الفجر: ۲۴ میں فرمایا: وہ کہے گا: کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی O

یعنی وہ کہے گا: کاش! میں نے دنیا کی زندگی میں کوئی نیک عمل کیا ہوتا یا کاش! میں نے زندگی میں کوئی ایسا عمل کیا ہوتا' جس کی وجہ سے مجھے آج دوزخ سے نجات مل جاتی۔

الفجر: ۲۶۔۲۵ میں فرمایا: سو اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہ دے گا O اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری نے کہا: اللہ کے عذاب کی طرح اس کو کوئی عذاب نہیں دے گا' اور جس طرح اللہ نے اس کو جکڑا ہے اس طرح اس کو کوئی نہیں جکڑے گا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کو اس طرح عذاب نہیں دے گا جس طرح اللہ عزوجل آخرت میں کافر کو عذاب دے گا' یعنی جس طرح کافر کو زنجیروں اور طوق سے جکڑا جائے گا' اس طرح کوئی دنیا میں کسی کو نہیں جکڑے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کافر سے مراد ابلیس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کافر سے مراد امیہ بن خلف ہے۔

اس آیت کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عذاب دینے کا مالک نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نفس مطمئنہ! O تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی O پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا O اور میری جنت میں داخل ہو جا O (الفجر: ۳۰۔۲۷)

نفس مطمئنہ کو ندا کرنے والوں کے مصداق میں مفسرین کے اقوال

ایک سوال یہ ہے کہ قیامت کے دن نفس مطمئنہ کو کون ندا کر کے کہے گا: اے نفس مطمئنہ!؟ مفسرین نے کہا: یہ نداء اور خطاب فرشتے کریں گے اور اولیاء اللہ سے کہیں گے: اے نفس مطمئنہ! اور بعض صوفیاء نے کہا: یہ نداء اور خطاب خود اللہ عزوجل کرے گا کیونکہ دنیا میں اللہ کے نیک بندے یا اللہ یا اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے تو قیامت کے دن اس کی جزاء میں اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو پکارے گا اور فرمائے گا: اے نفس مطمئنہ!

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس نداء اور خطاب کے متعلق حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ کتنا خوب صورت خطاب ہے آپ نے فرمایا: عنقریب یہ خطاب تم سے کیا جائے گا (یعنی موت کے وقت) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا: رومۃ کے کنویں کو کون خریدے گا کہ ہم اس کا میٹھا پانی پئیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کنویں کو خرید لیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس کنویں کو لوگوں کے پینے کے لیے وقف کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! تب اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ''یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ'' الآیۃ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت میں نفس مطمئنہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نفس مراد ہے۔

مجاہد نے کہا: نفس مطمئنہ سے وہ نفس مراد ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے۔

الحسن نے کہا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مؤمن کی روح قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا نفس اس سے مطمئن ہوتا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے اور اللہ اس سے راضی ہوتا ہے تب اللہ اس کی روح کو قبض کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور اس کو اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۳۱-۳۴۲۹ ملخصاً 'مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ '۱۴۱۷ھ)

نفس انسان کی اقسام

انسان کے نفس کی تین قسمیں ہیں: (۱) نفس امارہ وہ نفس جو انسان کو بُرے کام کرنے کا حکم دیتا ہے (۲) نفس لوامہ وہ نفس جو انسان کو بُرے کام کرنے پر ملامت کرتا ہے (۳) نفس مطمئنہ وہ نفس جو ہمیشہ نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور اپنی کارکردگی پر مطمئن رہتا ہے یہ نفس انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے نفس امارہ فساق فجار کا نفس ہے اور نفس لوامہ عام مؤمنین کا نفس ہے جو شیطان کے بہکانے سے اور نفس امارہ کی ترغیبات سے بُرے کام کر لیتے ہیں پھر ان کا نفس ان کو ملامت کرتا ہے وہ ان بُرے کاموں پر توبہ اور استغفار کرتے ہیں اور آئندہ ان بُرے کاموں سے بچنے کا عہد کرتے اور ان بُرے کاموں کی تلافی اور تدارک کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں نفس کی ان تینوں قسموں کا ذکر ہے نفس امارہ کا ذکر اس آیت میں ہے: حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (یوسف: ۵۳)

میں اپنے نفس کو بُرائی سے بَری نہیں کرتا بے شک نفس بُرائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے سوا اس کے کہ میرا رب ہی رحم فرمائے بے شک میرا رب بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

اور نفس لوامہ کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ (القیامہ: ۲)

اور میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو ملامت کرنے والا ہے ۝

اور نفس مطمئنہ کا ذکر اس آیت میں ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝ (الفجر: ۲۷)

اے نفس مطمئنہ! ۝

نفس مطمئنہ کے مصداق میں مفسرین کے اقوال

مفسرین نے نفس مطمئنہ کے مصداق میں حسب ذیل اقوال ذکر کیے ہیں:
(١) مجاہد وغیرہ نے کہا: جس نفس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور وہ اس کے سامنے عاجز ہے (٢) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ نفس جو اللہ کے ثواب پر مطمئن ہو'ان سے ایک روایت ہے: وہ نفس جو مؤمنہ ہو (٣) مجاہد سے دوسری روایت ہے: جو نفس اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی قضاء پر راضی ہو اور اس کو یہ یقین ہو کہ جو مصیبت اس سے ٹل چکی ہے وہ اس پر آ نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت اس پر آ گئی ہے وہ اس سے ٹل نہیں سکتی تھی (٤) مقاتل نے کہا: جو نفس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون ہو (٥) ایک قول ہے: جس کو اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے وعدہ پر یقین ہو (٦) ابن کیسان نے کہا: مطمئنہ سے مراد ہے: جو مخلصہ ہو (٧) ایک قول ہے: جو اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو اور قیامت کی اور ثواب کی تصدیق کرتا ہو (٨) عبد اللہ بن بریدہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے: اس سے مراد حضرت حمزہ کا نفس ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد ہر مؤمن کا نفس ہے جو مخلص ہو اور اطاعت گزار ہو (٩) ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ نفس ہے جس کو موت کے وقت اور قبر سے اٹھتے وقت اور میدانِ حشر میں ثواب کی بشارت دی گئی ہو (١٠) حسن بصری نے کہا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مؤمن کی روح کو قبض کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ نفس اللہ تعالیٰ سے مطمئن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے مطمئن ہوتا ہے (١١) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: جب مؤمن فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتوں کو بھیجتا ہے اور ان کے ساتھ جنت کا ایک تحفہ بھیجتا ہے' وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں: اے نفس مطمئنہ! اپنے جسم سے اس حال میں باہر نکل کہ تو خود بھی راضی ہو اور تیرا رب بھی تجھ سے راضی ہو' تو خوشی اور خوشبو کی طرف نکل اور اپنے رب کی طرف جو تجھ سے راضی ہے ناراض نہیں ہے' پھر وہ نفس اس مُشک سے زیادہ خوشبو کے ساتھ نکلتا ہے جس کو کسی انسان نے روئے زمین پر سونگھا ہو۔ الحدیث (١٢) سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما طائف میں فوت ہو گئے' پھر ایک ایسا پرندہ آیا' جیسا پرندہ اس سے پہلے نہیں دیکھا گیا تھا' وہ ان کی نعش میں داخل ہو گیا' پھر باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا' پھر جب ان کو دفن کیا گیا تو کوئی ان کی قبر پر ان آیات کی تلاوت کر رہا تھا: "یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝" (الفجر: ٢٨-٢٧) اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کون تلاوت کر رہا تھا (١٣) ضحاک نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رومۃ کے کنویں کو مسلمانوں کے لیے وقف کیا (١٤) ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی' جب ان کو کفارِ مکہ نے سولی پر لٹکایا' کفار نے ان کا چہرہ مدینہ کی طرف کیا تھا' حضرت خبیب نے اپنا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر لیا (١٥) سعید بن زائد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ آیت پڑھی: "یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝" (الفجر: ٢٧) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کتنی اچھی آیت ہے' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب فرشتہ تمہارے سامنے یہ آیت پڑھے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ٢٠ ص ٥١' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

نفس مطمئنہ کے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کی تفسیر امام ابو منصور ماتریدی سے

الفجر: ٣٠-٢٨ میں فرمایا: تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ۝ پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا ۝ اور میری جنت میں داخل ہو جا ۝

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ٣٣٣ھ لکھتے ہیں:
نفس مطمئنہ وہ نفس ہے جو پرسکون ہو اور شک میں نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے وعد' وعید' امر' نہی اور اس کی توحید پر مطمئن ہو'

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے دنیا میں یہ کہا جائے گا کہ جہاں تجھے تیرے رب نے حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید پر مطمئن ہو کر وہاں لوٹ جا' پھر اس نفس سے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے جس انعام کا وعدہ کیا ہے' وہ اس کو عطا فرمائے گا تو وہ اس سے راضی ہو جائے گا اور چونکہ اس نے دنیا میں نیکی کے کاموں میں بہت کوشش کی ہوگی' اس لیے وہ اپنے رب کے نزدیک بھی مرضیہ اور پسندیدہ ہوگا' اس سے کہا جائے گا: تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور تو ان میں داخل ہو جا' جو جنت کے مستحق ہیں۔

اور یہ بھی وہ سکتا ہے کہ نفس مطمئنہ سے آخرت میں یہ کہا جائے کہ اے نفس! تو دنیا میں اللہ کے وعد اور اس کی وعید پر مطمئن تھا اور تو نے دنیا میں اس کی اطاعت اور عبادت کی' اب تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: اے نفس! تو دنیا میں مطمئن تھا' اب تو آخرت کی طلب میں جا اور ان چیزوں کی طرف جا' جن کو اللہ نے اپنے اولیاء کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا: اے نفس مطمئنہ! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹ جا' جب تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو جائے گا اور تو بھی اللہ تعالیٰ کی عطاء اور ثواب سے راضی ہو جائے گا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۵۶' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

نفس مطمئنہ کے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کی تفسیر امام رازی سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

''رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً'' (الفجر: ۲۸) کا معنی ہے: تو ثواب سے راضی ہے اور تو نے دنیا میں جو نیک اعمال کیے ہیں' ان کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرضیہ اور پسندیدہ ہے اور ''فَادْخُلِي فِي عِبٰدِي'' (الفجر: ۲۹) کا معنی ہے: تو میرے مقرب بندوں میں شامل ہو جا اور یہ بہت معزز حالت ہے کیونکہ ارواحِ شریفہ قدسیہ شفاف آئینوں کی طرح ہیں اور جب بعض مقربین کی روحیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں تو جس طرح شفاف آئینوں میں ایک دوسرے کے عکوس منعکس ہوتے ہیں تو ہر ایک کی سعادت کے آثار سب میں ظاہر ہوں گے اور ان کی روحانیت کے درجات بہت عظیم ہوں گے اور ''وَادْخُلِي جَنَّتِي'' (الفجر: ۳۰) کا معنی ہے کہ نیک روحوں کو روحانی جنت تو موت کے وقت ہی حاصل ہو جاتی ہے' اب آخرت میں جسمانی جنت بھی ان کو حاصل ہو جائے گی اور جب کہ جسمانی جنت کی سعادت قیامت کے بعد ہی حاصل ہوگی' اس لیے ''وَادْخُلِي جَنَّتِي'' کو واؤ کے ساتھ فرمایا ہے' فاء کے ساتھ نہیں فرمایا کیونکہ نفس مطمئنہ کو جسمانی جنت موت کے فوراً بعد حاصل نہیں ہوگی اور ''فَادْخُلِي فِي عِبٰدِي'' کو فاء کے ساتھ فرمایا ہے کیونکہ نفس مطمئنہ موت کے فوراً بعد دیگر مقربین کی ارواح میں شامل ہو جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۶۳۔۱۶۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نفس مطمئنہ کے اپنے رب کی طرف لوٹنے اور جنت میں داخل ہونے کی تفسیر علامہ آلوسی سے

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ کہ ''ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ'' (الفجر: ۲۸) سے مراد یہ ہے کہ اپنے رب کی کرامت کی طرف رجوع کر اور میرے نیک بندوں میں اور دار ثواب میں داخل ہو جا' اس سے مراد یہ ہے کہ یہ قول موت کے وقت کہا جائے یا محشر میں حساب سے پہلے' اور دخول سے مراد جنت میں دخول ہے' لیکن دائمی قیام کے لیے نہیں بلکہ جنت کی نعمتوں سے ایک قسم کا تمتع حاصل کرنے کے لیے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے' کیونکہ حدیث میں ہے کہ مؤمنین کی روحیں جنت میں پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی اور

بعض آثار میں ہے کہ جب مؤمن مرجاتا ہے تو اس کو نصف جنت عطا کی جاتی ہے یعنی اس جنت کا نصف جس کا اس سے قیامت کے دن دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

امام ابن جریر امام ابن المنذر راور امام ابن ابی حاتم نے ابوصالح سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے یہ موت کا عنوان ہے اور دنیا سے نکل کر اپنے رب کی طرف رجوع کا ذکر ہے اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اس سے کہا جائے گا: میرے نیک بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے نفس مطمئنہ سے یہ کہا جائے گا اور اپنے رب کی طرف رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے جسم کی طرف لوٹ جا تا کہ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دے سکے امام ابن منذر نے اس آیت کی تفسیر میں محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ جب مؤمن مرجاتا ہے تو اس کو جنت میں اس کا مقام دکھایا جاتا ہے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: اے نفس مطمئنہ! اپنے اس جسم کی طرف لوٹ جا جس سے تو راضی ہو کر نکلی تھی کیونکہ تو نے میرے پسندیدہ اور مرضیہ ثواب کو دیکھ لیا تھا حتیٰ کہ تجھ سے منکر اور نکیر سوال کریں۔

امام ابن المنذر راور امام ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ نفس مطمئنہ کو موت کے وقت قبر سے نکلنے کے وقت اور میدان محشر میں جنت کی بشارت دی جائے گی۔

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کافر کے نفس کے متعلق بتایا تھا وہ کہے گا: کاش! میں نے زندگی میں کوئی نیکی آگے کے لیے بھیجی ہوتی ○ سو اس دن اس کے عذاب کی طرح کوئی عذاب نہ دے گا ○ اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا ○ (الفجر: ۲۶۔۲۴)

اور ان آیتوں میں مؤمن کے نفس کے لیے یہ بشارت دی ہے کہ اس سے کہا جائے گا: اے نفس مطمئنہ! تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ جا کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ○ پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جا ○ اور میری جنت میں داخل ہو جا ○ (الفجر: ۳۰۔۲۷)

صوفیاء نے کہا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے نفس کے تین مراتب ہیں: مطمئنہ راضیہ اور مرضیہ۔

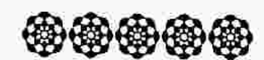
امام طبرانی اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا: (یہ دعا کرو کہ) اے اللہ! میں تجھ سے ایسے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر یقین رکھتا ہو تیری قضاء پر راضی ہو اور تیری عطا پر قانع ہو۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۴۹۰ مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۵۹۸)

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۳۸۔۲۳۶ ملخصاً دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

سورۃ الفجر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۷ رمضان ۱۴۲۶ھ/۱۲ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ الفجر کی تفسیر مکمل ہو گئی رب العلمین! باقی سورتوں کی تفسیر مکمل فرما دیں اور میری میرے والدین اس کتاب کے معاونین اور قارئین کی مغفرت فرما دیں اور مخالفین کے شر سے محفوظ رکھیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰه تعالٰی علٰی حبیبه سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین والاخرین وعلٰی آله واصحابه وازواجه وذریته وامته اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ البلد

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام البلد ہے "البلد" کا معنی ہے: شہر اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے "البلد الحرام" یعنی شہر مکہ کی قسم کھائی ہے اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے "البیت العتیق" یعنی خانہ کعبہ کے ساتھ مشرف کیا ہے اور اس کو مسلمانوں کے لیے قبلہ بنادیا ہے وہ آیت یہ ہے:

لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ (البلد:۱) میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں○

سورۃ البلد کی سورۃ الفجر کے ساتھ مناسبت

سورۃ الفجر میں اللہ تعالیٰ نے مال کی محبت اور وراثت کا سارا مال کھانے کی مذمت فرمائی تھی اور مسکین کو کھانا کھلانے پر راغب نہ کرنے کی مذمت فرمائی تھی (الفجر:۲۰۔۱۷) اور سورۃ البلد میں یہ بتایا ہے کہ مال دار کو اپنا مال کن اُمور میں خرچ کرنا چاہیے پس فرمایا:

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُؕ فَكُّ رَقَبَةٍۙ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَةٍۙ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍۙ اَوۡ مِسۡكِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍؕ (البلد:۱۶۔۱۲) اور آپ کیا سمجھے وہ دشوار گھاٹی کیا ہے○ (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا○ یا بھوک کے دن کھلانا○ ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو○ یا خاک نشین مسکین کو○

سورۃ الفجر کے آخر میں نفس مطمئنہ کی حالت بتائی تھی (الفجر:۳۰۔۲۷) اور سورۃ البلد کے آخر میں اس کی ضد کی حالت بیان فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنا:

وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا هُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِؕ عَلَیۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ○ (البلد:۲۰۔۱۹) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا وہ بائیں طرف والے (منحوس) ہیں○ ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی○

سورت البلد کا ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۳۵ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۹۰ ہے۔

سورۃ البلد کے مشمولات

☆ اس سورت میں بنیادی طور پر انسان کی نیک بختی اور بدبختی کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔

☆ البلد:۴۔۱ میں "البلد الحرام" اور "ام القری" یعنی مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے جس میں داخل ہونے والوں کو امن حاصل ہوتا ہے خواہ وہ محرم ہو یا غیر محرم اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور جلالت کا بیان ہے کہ اس شہر کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ آپ اس شہر میں چلتے ہیں پھر بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں انسان کا حال مشقت اور تھکاوٹ ہے۔

☆ البلد: ۷۔۵ میں بیان فرمایا ہے کہ انسان دھوکے میں مبتلا ہے' وہ فضولیات میں پیسہ خرچ کرتا ہے' پھر فخر سے لوگوں میں بیان کرتا ہے' وہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

☆ البلد: ۱۰۔۸ میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھوں' زبان اور ہونٹوں کی نعمتیں دی ہیں اور اس کے لیے خیر اور شر کے راستے واضح کر دیئے ہیں اور اس کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی عقل سے کسی ایک راستہ کو اختیار کر لے۔

☆ البلد: ۱۸۔۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن انسان کو کیسی مشکلات پیش آئیں گی اور کیسے ہولناک مناظر کا سامنا ہوگا اور ان سے محفوظ اور مامون رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور نیکی کے راستوں میں مال کو خرچ کرے تا کہ وہ ان نیک بخت لوگوں میں سے ہو جائے جو قیامت کے دن دائیں طرف ہوں گے۔

☆ البلد: ۲۰۔۱۹ میں فرمایا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کریں گے اور فسق و فجور کریں گے' وہ بائیں طرف ہوں گے' پس مؤمنین کفار سے ممتاز ہو جائیں گے اور دونوں فریقوں کے ٹھکانے اللہ تعالیٰ نے بنا دیئے' ایک فریق کا ٹھکانا جنت ہے اور دوسرے فریق کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

سورۃ البلد کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ البلد کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ رب العٰلمین! اور اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا اور ضلالت اور ناصواب سے مجتنب رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۷ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴



سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۲۰ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ البلد مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں بیس آیات اور ایک رکوع ہے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا

میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں ○ اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں ○ اور (انسان کے) والد کی قسم اور

وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ

اس کی اولاد کی ○ بے شک ہم نے انسان کو (اس کی) مشقت میں پیدا کیا ○ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی

عَلَيْهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ

وقف لازم

قادر نہ ہو سکے گا؟ ○ وہ کہتا ہے: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے ○ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو

اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ

کسی نے نہیں دیکھا؟ ○ کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ○ اور زبان اور دو ہونٹ ○ اور ہم نے اس کو (خیر اور شر

النَّجْدَيْنِ ۚ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۖ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ؕ﴿۱۲﴾

کے) دونوں راستے دکھا دیئے ○ پس وہ دشوار گھاٹی سے نہیں گزرا ○ اور آپ کیا سمجھے وہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ ○

فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۙ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ﴿۱۵﴾

(قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا ○ یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ○ ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو ○

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا

یا خاک نشیں مسکین کو ○ پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو (توحید پر) ایمان لائے اور انہوں نے ایک

بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ؕ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ

دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کی ○ وہی لوگ دائیں طرف والے (بابرکت) ہیں ○ اور جن لوگوں

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾ ع

۱ ع ۲۰ ۱۵

نے ہماری آیتوں کا کفر کیا، وہی لوگ بائیں طرف والے (منحوس) ہیں ○ ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں ○ اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں ○ اور (انسان کے) والد کی قسم اور اس کی اولاد کی ○ بے شک ہم نے انسان کو (اس کی) مشقت میں پیدا کیا ○ (البلد: ۴۔۱)

''لا اقسم'' میں لفظ ''لا'' کی تفسیر میں دو قول

البلد: ا کے شروع میں ہے: ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○'' اس کا لفظی ترجمہ ہے: میں اس شہر کی قسم نہیں کھاتا' اس میں جو لفظ ''لا'' ہے' اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ لفظ ''لا'' کے ساتھ مشرکین مکہ کے زعم کی نفی فرمائی ہے' ان کا زعم یہ تھا کہ قیامت آئے گی نہ مرنے کے بعد لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے زعم کی نفی فرمائی: نہیں ایسا نہیں ہے کہ قیامت نہیں آئے گی اور نہ ایسا ہے کہ لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا بلکہ میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں کہ ایسا ضرور ہوگا' دوسری صورت یہ ہے کہ جو انسان دنیا کی زندگی پر مغرور تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کے اوپر کوئی قادر نہیں ہوگا' اس کے اس زعم کی نفی فرمائی: نہیں ایسا نہیں ہے کہ انسان پر کوئی قادر نہیں ہوگا' کیوں نہیں! اس شہر کی قسم! اللہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر ضرور قادر ہوگا' اور اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ میں اس شہر کی اس وقت قسم نہیں کھاتا جب آپ اس شہر میں نہ ہوں' بلکہ میں اس شہر کی اس وقت قسم کھاتا ہوں جب آپ اس شہر میں مقیم ہوں۔

(۲) لفظ ''لا'' کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ ''لا'' زائد ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ میں اس شہر کی قسم نہیں کھاتا' کیونکہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی ہے' فرمایا:

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ○ (التین: ۳) اور اس امن والے شہر کی قسم! ○

اور جب اللہ تعالیٰ اس شہر کی قسم کھا چکا ہے تو پھر اس شہر کے قسم کھانے کی نفی کس طرح صحیح ہوگی' اس کی نظیر یہ آیت ہے' اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ. (الاعراف: ۱۲) (اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے:) تجھ کو سجدہ نہ کرنے سے کس نے منع کیا؟

حالانکہ مقصود یہ ہے کہ تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ. (ص: ۷۵) تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا؟

پس معلوم ہوا کہ الاعراف: ۱۲ میں لفظ ''لا'' زائد ہے' اسی طرح ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○'' میں بھی لفظ ''لا'' زائد ہے۔

مکہ مکرمہ کی فضیلت میں آیات اور احادیث

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور مکہ مکرمہ کی فضیلت میں حسب ذیل آیات ہیں:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ (آل عمران: ۹۷۔۹۶)

بے شک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے' وہ تمام جہانوں کے لیے برکت والا اور ہدایت والا ہے ○ اس میں واضح نشانیاں ہیں' مقام ابراہیم ہے' جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہو گیا' اور اللہ کے لیے ان لوگوں کے اوپر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو اس گھر کے راستہ پر جانے کی قدرت رکھتے ہوں' اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ○ (البقرہ:١٢٥)

بے پرواہ ہے○

اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے ثواب کی جگہ بنادیا اور امن کی جگہ بنادیا' اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے یہ عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور رکوع کرنے والوں' سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو○

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ○ (الحج:٢٧)

اور (اے ابراہیم!) آپ لوگوں میں حج کی منادی کردیں' لوگ آپ کے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر دور دراز کے راستوں سے سوار ہو کر بھی○

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ○ (الحج:٢٩)

اور (وہ لوگ) اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں○

اور بیت اللہ کی فضیلت میں حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے' اس کو لوگوں نے حرم نہیں بنایا' جو شخص بھی اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے' اس کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے اور نہ مکہ کے کسی درخت کو کاٹے' اگر کوئی شخص مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال کرنے سے معارضہ کرے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی ہے اور مجھے دن کی ایک ساعت (ایک گھنٹہ) میں قتال کی اجازت دی تھی' پھر اس کی حرمت آج اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٠٤' صحیح مسلم رقم الحدیث:١٣٥٤' سنن ترمذی رقم الحدیث:٨٠٩' سنن نسائی رقم الحدیث:٢٨٧٦)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آج کون سا دن ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: بے شک یہ یوم حرام ہے (عزت اور حرمت والا دن ہے)' پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ بلد حرام ہے (حرمت والا شہر ہے)' پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟ مسلمانوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا: یہ عزت اور حرمت والا مہینہ ہے' پھر آپ نے فرمایا: بے شک اللہ نے تمہاری جانوں کو اور تمہارے مالوں اور تمہاری عزتوں کو ایک دوسرے پر اس طرح حرام کر دیا ہے' جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے اور آج کے مہینہ کی حرمت ہے اور جس طرح تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:١٧٤٢' صحیح مسلم رقم الحدیث:٦٦' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:٤٦٨٦' سنن نسائی رقم الحدیث:٣٩٤٣' مسند احمد ج ٥ ص ٣٩)

البلد:٢ میں فرمایا: اس حال میں کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں○

"وانت حل بهذا البلد" کی تفسیر علامہ قرطبی سے

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

اس پر اجماع ہے کہ اس شہر سے مراد مکہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس حرمت والے شہر کی اس لیے قسم کھائی ہے کہ آپ اس شہر میں ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ مکرم ہیں اور اللہ کو آپ سے بہت محبت ہے' علامہ واسطی نے کہا:

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم اس شہر کی قسم اس لیے کھاتے ہیں کہ آپ کے اس شہر میں رہنے کی وجہ سے جب تک آپ حیات ہوں' یہ شہر مکرم ہے اور جب آپ کی وفات ہو تو یہ شہر برکت والا ہے' یعنی مدینہ منورہ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''وانت حل'' یعنی اس شہر میں آپ جو کام بھی کریں وہ آپ کے لیے حلال ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس دن آپ مکہ میں داخل ہوئے آپ کے لیے حلال کر دیا گیا کہ آپ جس کافر کو چاہیں قتل کر دیں' سو آپ نے ابن خطل' مقیس بن صبابہ وغیرہما کو قتل کر دیا اور آپ کے بعد اور کسی شخص کے لیے مکہ میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ کے لیے دن کی ایک ساعت میں مکہ میں قتال کرنا حلال ہوا تھا اور یہ فتح مکہ کا دن تھا' پھر اس کے بعد قیامت تک کے لیے اس کی حرمت لوٹ آئی' اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ نے جب آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا' اس وقت اس نے مکہ کو حرم بنا دیا تھا پس وہ قیامت تک کے لیے حرام ہے' نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال ہوا تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا اور میرے لیے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال ہوا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۵۳)

''وانت حل'' کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ آپ اس میں مقیم ہیں اور یہ آپ کا محل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ اس میں محسن ہیں یعنی آپ اس شہر میں نیک کام کرنے والے ہیں اور میں اس شہر میں آپ سے راضی ہوں۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس میں حلال ہیں یعنی آپ اس میں گنہ گار نہیں ہیں۔ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حِل ہے اور حلال ہے اور مُحِل ہے' اس کا معنی گرہ کھولنا' حلال ہونا اور نازل ہونا' اترنا اور ٹھہرنا ہے یعنی آپ مکہ میں نازل ہونے والے اور ٹھہرنے والے ہیں' ایک قول یہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور تحسین ہے یعنی آپ اس شہر میں کوئی ایسا کام کرنے والے نہیں ہیں' جس کا ارتکاب آپ پر حرام ہو' کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ بیت اللہ کے کیا حقوق ہیں' نہ کہ ان مشرکین کی طرح جو اس شہر میں کفر اور معصیت کے کام کرتے تھے اور ان آیتوں کا معنی اس طرح ہے کہ میں اس بیت معظم کی قسم کھاتا ہوں جس کی عزت اور حرمت کو آپ جانتے ہیں' سو آپ اس بیت کی تعظیم کرتے ہوئے اس میں مقیم ہیں اور اس شہر میں کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو آپ پر حرام ہو۔ شرحبیل بن سعد نے کہا: آپ اس شہر میں حلال ہیں اور کفار مکہ میں قتل کرنے کو اور شکار کرنے کو اور اس کے درختوں کو کاٹنے کو حرام قرار دیتے ہیں' اس کے باوجود وہ مکہ سے آپ کے نکالنے کو اور آپ کے قتل کو حلال قرار دیتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۵۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''وانت حل بهٰذا البلد'' کی تفسیر امام رازی سے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

''وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۝'' (البلد: ۲) سے مراد حسب ذیل اُمور ہیں:

(۱) آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور ٹھہرے ہوئے ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو اس وجہ سے مکرم قرار دیا ہے کہ آپ اس میں مقیم ہیں۔

(۲) کفار اس شہر کے احترام میں اس شہر میں قتل کرنے کو' یہاں شکار کرنے کو اور یہاں کے درختوں کے کاٹنے کو حرام قرار دیتے ہیں' اس کے باوجود ان کے نزدیک اس شہر میں آپ کو قتل کرنا حلال ہے' وہ آپ کو قتل کرنے کے لیے گھات لگا کر بیٹھے تھے لیکن آپ ان کے درمیان سے سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے نکل گئے اور ان کو پتا نہیں چلا' اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

اپنی مہم میں ثابت قدم رکھنا ہے اور کفار کی عداوت پر تعجب کا اظہار ہے۔

(۳) قتادہ نے کہا: ''وانت حل'' کا معنی یہ ہے کہ آپ گنہ گار نہیں ہیں اور آپ کے لیے حلال ہے کہ آپ مکہ میں جس کافر کو چاہیں قتل کر دیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مکہ کو فتح کر دیا اور اس کو آپ کے لیے حلال کر دیا' پھر آپ نے جس چیز کو چاہا حلال کر دیا اور جس چیز کو چاہا حرام کر دیا اور جو چاہا آپ نے کیا' آپ نے عبد اللہ بن خطل کو قتل کر دیا' جس وقت وہ کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا تھا اور مقیس بن صبابہ کو اور ان کے سوا کو بھی اور ابوسفیان کے گھر کو حرم قرار دیا' اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے کسی کے لیے مکہ میں قتال کو حلال نہیں کیا' صرف میرے لیے ایک ساعت کے لیے اس میں قتال کو حلال کیا تھا' پھر قیامت تک کے لیے اس کو حرم بنا دیا' نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا' نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے گا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ سورت تو مکی ہے اور تم نے جو حدیثیں بیان کی ہیں' یہ مدینہ میں ہجرت کے بعد اخیر کی ہیں تو ان میں تطبیق کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی ایک لفظ حال کے لیے ہوتا ہے اور اس کا معنی مستقبل کے لیے ہوتا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّكَ مَيِّتٌ. (الزمر: ۳۰) بے شک آپ وفات پانے والے ہیں۔

اسی طرح اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ کے لیے مکہ میں سب اُمور حلال ہونے والے ہیں۔

(۴) اس کا معنی یہ ہے کہ آپ مکہ میں حلال کام کرنے والے ہیں' مشرکین کے برخلاف جو مکہ میں اللہ کی توحید کا اور آپ کی رسالت کا کفر کر کے حرام کام کرتے ہیں۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ کی قسم کھا کر اس کی انتہائی فضیلت بیان فرمائی اور اس شہر کے رہنے والے آپ کے نسب کو اور آپ کے خاندان کی عظمت' شرافت اور طہارت کو پہچانتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ اپنی عمر کے اس طویل حصہ میں ہر قسم کے بُرے افعال سے پاک اور صاف رہے ہیں' جیسا کہ ان آیات سے بھی ظاہر ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ. (الجمعہ: ۲) (اللہ) وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ان ہی کی نوع سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ. (التوبہ: ۱۲۸) بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ. (یونس: ۱۶) پس بے شک میں تم میں اس سے پہلے ایک طویل عمر گزار چکا ہوں۔

لہٰذا اس آیت میں جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں' اس سے غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم منصب کو واضح کرنا ہے۔

''وانت حل بهذا البلد'' کی تفسیر مصنف سے

البلد: ۲ میں ''وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' حال ہے اور ''لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ'' (البلد: ۱) ذوالحال ہے اور حال' ذوالحال کی قید ہوتا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شہر مکہ کی قسم کھانا اس حال کے ساتھ مقید ہے' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مقیم ہوں گویا شہر مکہ اسی وقت معظم اور مکرم ہے جب آپ شہر مکہ میں مقیم ہوں' معلوم ہوا کہ کسی بھی چیز کی تعظیم اور تکریم کا مدار اس پر ہے جب وہ چیز آپ کے ساتھ متلبس اور مقارن ہو' سو جب آپ مکہ میں تھے تو مکہ مکرم تھا اور جب آپ مدینہ میں آ گئے تو مدینہ مکرم

ہو گیا' جیسے دس کروڑ کا کوئی قیمتی ہیرا' اگر تجوری میں رکھا ہو تو وہ تجوری دس کروڑ کی ہے' اگر وہ ہیرا کسی انگوٹھی میں جڑا ہو تو وہ انگوٹھی دس کروڑ کی ہے اور اگر وہ ہیرا کسی ہار میں لگا ہو تو وہ ہار دس کروڑ کا ہے' سو اس کائنات میں سب سے افضل مخلوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے' جیسا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے کہا:

قلبت الارض مشارقها و مغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد.

میں نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کو کھنگال ڈالا' پس میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۲۸۱' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۷۶)

سو جب آپ آسمانوں پر تھے تو آسمان سب سے افضل تھے اور جب آپ زمین پر آئے تو زمین سب سے افضل تھی' مکہ میں تھے تو مکہ سب سے افضل تھا' مدینہ میں آئے تو مدینہ سب سے افضل تھا' وادئ بدر میں تھے تو وہ سب سے افضل تھی' جبل اُحد پر آئے تو وہ سب سے افضل تھا' جب غارِ حرا میں تھے تو وہ افضل تھا اور جب غارِ ثور میں گئے تو وہ افضل تھا' شبِ ہجرت جب حضرت ابوبکر کے کاندھوں پر تھے تو حضرت ابوبکر سب سے افضل تھے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر اقدس تھا تو وہ سب سے افضل تھیں' جب عرش پر پہنچے تو وہ سب سے افضل تھا اور اب جب کہ قبر انور کے فرش پر محوِ آرام ہیں تو وہ فرش سب سے افضل ہے' غرض عرش سے لے کر فرش تک ہر چیز کی تعظیم اور تکریم کا مدار آپ کی ذات ہے اور ہر چیز کی فضیلت آپ کے دامن سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ . (النساء: ۶۵) آپ کے رب کی قسم!

اللہ تعالیٰ کعبہ کا بھی رب ہے' بیت المعمور کا بھی رب ہے' عرش عظیم کا بھی رب ہے' لیکن یوں قسم نہیں کھائی کہ ربِ کعبہ کی قسم! یا رب بیت المعمور کی قسم! یا عرشِ عظیم کے رب کی قسم! بلکہ یوں قسم کھائی: آپ کے رب کی قسم!

اس میں یہ اشارہ ہے: ہونے کو تو میں کعبہ کا بھی رب ہوں' بیت المعمور کا بھی رب ہوں' عرشِ عظیم کا بھی رب ہوں' مگر مجھے نہ کعبہ کے رب ہونے پر ناز ہے' نہ بیت المعمور کے رب ہونے پر ناز ہے' نہ مجھے عرش کے رب ہونے پر ناز ہے' اگر مجھے ناز ہے تو اے محمد مصطفیٰ! مجھے تمہارے رب ہونے پر ناز ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یونہی تو نہیں فرمایا: میں خدائے عزوجل کی صرف اس وجہ سے پرستش کرتا ہوں کہ وہ رب محمد ہے۔ (مبدأ و معاد فارسی ص ۶۳۔ اُردو ص ۱۷۹' ادارہ مجددیہ' کراچی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ'' (الفیل: ۱) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ ''اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ'' (الفرقان: ۴۵) کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا؟' اللہ تعالیٰ نے جب اپنا ذکر فرمایا تو آپ کی طرف اپنی نسبت کی اور جب آپ کا ذکر فرمایا تو اپنی طرف آپ کی نسبت کی:

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ . (بنی اسرائیل: ۱) سبحان ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے عبد مقدس کو لے گئی۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ . (الفرقان: ۱) بابرکت ہے وہ ذات جس نے الفرقان کو اپنے عبد مکرم پر نازل فرمایا۔

یعنی اللہ اپنی نسبت آپ کی طرف کرتا ہے اور آپ کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے گویا تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا. (البقرہ:۱۴۸) ہر ایک کے لیے ایک جہت (قبلہ) ہے جس کی طرف وہ منہ کر رہا ہے۔

علامہ آلوسی نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک کا اپنا اپنا قبلہ ہے مقربین کا قبلہ عرش ہے روحانیین کا قبلہ کرسی ہے اور کروبیین کا قبلہ بیت المعمور ہے اور انبیاء سابقین کا قبلہ بیت المقدس اور آپ کا قبلہ کعبہ ہے اور وہ آپ کے جسم کا قبلہ ہے اور رہا آپ کی روح کا قبلہ تو وہ میری ذات ہے اور میرا قبلہ آپ کی ذات ہے جیسا کہ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ میں ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل میرے خوف کی وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ (اتحاف ج۶ص۹۰)

(روح المعانی جز۳۰ص۲۳۰ دارالفکر بیروت)

اور سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا خوف ہے آپ نے فرمایا:

ان اتقاكم واعلمكم بالله انا. بے شک تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا میں ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰ سنن نسائی رقم الحدیث:۳۲۱۶)

اما والله انی لاتقاكم لله واخشاكم له. سنو! بے شک میں ضرور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور خوف کرنے والا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۱۰۸)

اللہ تعالیٰ ان کے پاس ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور سب سے زیادہ آپ اللہ سے ڈرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ اللہ آپ کے پاس ہے اور یہی اس قول کا معنی ہے کہ اللہ کا قبلہ آپ کی ذات ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ کی روح کا قبلہ اللہ کی ذات ہے یہ تو صحیح ہے لیکن یہ کیسے صحیح ہوگا کہ اللہ کا قبلہ آپ کی ذات ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبلہ کا معنی عبادت کی سمت نہیں ہے بلکہ قبلہ کا معنی توجہ اور التفات کی سمت ہے سو آپ کی روح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توجہ آپ کی طرف رہتی ہے آپ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوں تو وہ فرماتا ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ. ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

(البقرہ:۱۴۴)

اور جب آپ نماز کے قیام اور سجدہ میں ہوں تو وہ آپ کی طرف دیکھتا رہتا ہے:

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ قیام کرتے ہیں ۝ اور جب آپ سجدہ کرنے والوں میں مڑتے ہیں ۝

(الشعراء:۲۱۸)

سو جب اللہ تعالیٰ کا مرکز التفات اور محورِ توجہ آپ کی ذات ہے تو وہ آپ کی عظمتوں کو بھی ظاہر فرماتا ہے اور آپ کی نسبتوں کی عظمتوں کو بھی واضح فرماتا ہے آپ مکہ اور مسجد حرام میں ہوں تو اس کی قسم کھاتا ہے اور مسجد اقصیٰ میں ہوں تو اس کا ذکر فرماتا ہے۔

البلد:۳ میں فرمایا: اور (انسان کے) والد کی قسم اور اس کی اولاد کی ۝

والد اور اولاد کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

مجاہد اور قتادہ اور حسن اور ابوصالح نے کہا: والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور اس کی اولاد سے مراد ان کی نسل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ وہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی سب سے عمدہ مخلوق ہیں' اس میں انبیاء علیہم السلام بھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف دیگر دعوت دینے والے بھی ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے نیک لوگوں کی قسم ہے اور جو کفار اور فساق اور فجار ہیں وہ گویا کہ حیوانات ہیں' ایک قول یہ ہے کہ والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اولاد سے مراد ان کی ذریت ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ان کی تمام ذریت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو ان کی ذریت میں سے مسلمان ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عام والد اور اس کی اولاد ہے۔ الماوردی نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والد سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں کیونکہ اس سے پہلی آیتوں میں آپ کا ذکر ہے اور اولاد سے مراد آپ کی امت ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں' تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸' سنن نسائی رقم الحدیث:۴۰) (النکت والعیون للماوردی ج ۶ ص ۲۷۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

البلد:۴ میں فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو (اس کی) مشقت میں پیدا کیا O

''کبد'' کا معنی اور انسان کی دشواری کے محامل

اس آیت میں ''کبد'' کا لفظ ہے' ''کَبَد'' کا معنی ہے: دشواری' سختی' مشقت' ''کَبِد'' یا ''کِبْد'' کا معنی ہے: جگر' کلیجی' جگر کا درد ہونا' ''کابد'' کا معنی ہے: محنت کش' مشقت اٹھانے والا۔ (القاموس المحیط ص ۳۱۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اس آیت میں ''کبد'' یعنی شدت اور مشقت کے حسب ذیل محامل ہو سکتے ہیں:

(۱) ہم نے انسان کو شدت اور مشقت کے کئی مراحل میں پیدا کیا ہے' ایک مرتبہ اس کی ماں کے پیٹ میں' پھر اس کے دودھ پینے کی مدت میں' پھر جب وہ بالغ ہو گیا تو اپنے معاش اور روزگار کے حصول کی مشقت میں مبتلا ہو گیا' پھر اس کے بعد موت کی شدت میں۔

(۲) اس سے مراد دین کی مشقت اٹھانا ہے' وہ نعمت ملنے پر شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت آنے پر صبر کرتا ہے اور عبادات کی ادائیگی میں مشقت اٹھاتا ہے۔

(۳) اس سے مراد آخرت کی مشقت ہے' پہلے سکرات موت کی شدت ہے' پھر قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کے جواب کی مشقت ہے' پھر قبر کے اندھیرے کا سامنا ہے' پھر قبر سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف جانا ہے' پھر اللہ عزوجل کے سامنے حاضر ہونا ہے' اور پھر آخرت کے انجام کا پیش آنا ہے' جو جنت ہوگا یا دوزخ۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ دنیا میں کوئی لذت نہیں ہے' انسان جس کو بہ ظاہر لذت سمجھتا ہے اس میں بھی درد اور تکلیف کی آمیزش ہے' کھانا کھانے سے پہلے انسان بھوک کی تکلیف برداشت کرتا ہے اور کھانے کے بعد غذا کے ناموافق ہونے کی وجہ سے انسان مختلف بیماریوں کا سامنا کرتا ہے' جن میں قبض' اسہال' شوگر' ہائی بلڈ پریشر' کولیسٹرول اور دیگر موذی امراض ہیں' بیوی سے عمل زوجیت میں لذت ہے' مگر اس کے نتیجہ میں اولاد کو پالنے پوسنے اور ان کی تربیت کی مشقت ہے' بعض دفعہ اولاد نالائق اور ناخلف ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان ساری زندگی اذیت میں مبتلا رہتا ہے' مال اور دولت میں لذت ہے مگر اس مال کی وجہ سے انسان لوٹ مار' ڈکیتی' دہشت گردی کے خطرات اور خوف و ہراس میں مبتلا رہتا ہے' خوب صورت مکانوں میں لذت ہے مگر پہلے ان کو بنانے کی مشقت ہے' پھر ان کے قرض کی ادائیگی' ٹیکس کی ادائیگی کی مصیبت ہے اور ان کو قدرتی آفات مثلاً سیلاب اور زلزلوں سے محفوظ رکھنے کی مشقت ہے۔

غرض انسان کو محنت، مشقت، شدت اور مصیبت میں پیدا کیا گیا ہے، اس لیے اس جہان کے بعد کوئی اور جہان ہونا چاہیے تاکہ وہ جہان اس کے لیے لذات، سعادات اور کرامات کے حصول کا جہان ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کوئی قادر نہ ہو سکے گا؟O وہ کہتا ہے: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہےO کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟O کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیںO اور زبان اور دو ہونٹO اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیئےO (البلد: ۱۰۔۵)

کیا ابن آدم یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کے کفر و شرک اور اس کے فسق و فجور پر اس کی گرفت نہیں کر سکیں گے، یا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد ہم اس کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکیں گے یا انسان اپنی امارت اور دولت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس پر عجز اور فقر کو طاری نہیں کر سکیں گے، یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کو جزا یا سزا دینے پر اور اس سے حساب لینے پر قادر نہیں ہیں۔

البلد: ٦ میں فرمایا: وہ کہتا ہے: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہےO

''لبداً'' کا معنی

اس آیت میں ''لبداً'' کا لفظ ہے''لبد'' کا معنی مال کثیر''لابد'' کا بھی یہی معنی ہے، اصل میں ''لبد'' اور ''لبدۃ'' کا معنی ہے: نمدہ اور گوند سے چپکایا ہوا اون، نمدہ ہو یا چپکایا ہوا اون، ان سب میں تہ بہ تہ جمائی جاتی ہے، وسعت استعمال کی وجہ سے مالِ کثیر کو بھی ''لبد'' کہتے ہیں، گویا اس میں بھی مال کی تہ بہ تہ جمائی جاتی ہے''لبد'' اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو گھر میں بیٹھا رہے اور کمائی کے لیے باہر نہ نکلے۔ (القاموس المحیط ص ۳۱٦، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

لیث نے کہا: ''مال لبد'' سے مراد یہ ہے کہ وہ اتنا زیادہ مال ہو کہ اس کی کثرت کی وجہ سے اس کے فنا ہونے کا خوف نہ ہو، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کافر یہ کہتا ہے کہ میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت میں مالِ کثیر خرچ کیا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار اپنی بڑائی اور فخر کو ظاہر کرنے کے لیے مال کثیر خرچ کرتے تھے، اس کے متعلق ان میں سے کسی نے کہا: میں نے اپنا بہت مال خرچ کر دیا ہے۔

البلد: ۷ میں فرمایا: کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟O

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں، قتادہ نے کہا: وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو نہیں دیکھا اور وہ اس سے یہ نہیں پوچھے گا کہ اس نے یہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا؟ الکلبی نے کہا: وہ جھوٹا ہے، اس نے کچھ خرچ نہیں کیا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے کہ وہ کیا خرچ کر رہا ہے اور کیا خرچ نہیں کر رہا، وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۲۴۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

البلد: ۱۰۔۸ میں فرمایا: کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیںO اور زبان اور دو ہونٹO اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیئےO

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں اور خیر اور شر کے دو راستے

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! اگر تیری زبان اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں کے کرنے کے متعلق تجھ سے جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی ہے تو ان کو منطبق کر دے، اور اگر تیری آنکھ حرام کاموں کے کرنے میں تجھ سے جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی

ہے تو ان کو منطبق کر دے اور اگر تیری شرم گاہ تجھ سے حرام کاموں میں جھگڑا کرے تو میں نے دو طباقوں سے تیری مدد کی ہے تو ان کو منطبق کر دے۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۴۳۳۰۷۔ج ۱۵ص ۸۵۶)

امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے البلد: ۸ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیں دو آنکھیں عطا فرمانا اس کی دو ظاہری نعمتیں ہیں جو ہم کو اس کا شکر ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

امام ابن عساکر نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! میں نے تجھے بہت عظیم نعمتیں عطا کی ہیں' جو عدد و شمار سے باہر ہیں اور جن کا تو شکر ادا نہیں کر سکتا' اور میں نے تجھ کو جو نعمتیں دی ہیں' وہ یہ ہیں کہ تیرے لیے دو آنکھیں بنا دی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور میں نے ان آنکھوں کے لیے پردے (پلکیں) بنا دی ہیں' تو اپنی آنکھوں سے حلال چیزوں کو دیکھ اور جب تو ان چیزوں کو دیکھے جن کو میں نے حرام کر دیا ہے تو ان پردوں (پلکوں) کو منطبق کر دے اور میں نے تجھ کو زبان دی ہے اور اس کے لیے غلاف بنا دیا ہے پس تو میرے حکم کے مطابق زبان سے بول' جو باتیں تیرے لیے حلال ہیں اور اگر تیرے سامنے وہ چیزیں پیش ہوں جن کو میں نے تجھ پر حریام کر دیا ہے تو اپنی زبان پر تالا ڈال دے' اور میں نے تیرے لیے شرم گاہ بنائی ہے اور اس کے لیے پردہ بنایا ہے تو اپنی شرم گاہ سے ان چیزوں کو حاصل کر جو میں نے تیرے لیے حلال کر دی ہیں اور جب تیرے سامنے کوئی حرام چیز آئے تو تو اس پر پردہ ڈال دے' اے ابن آدم! میری ناراضگی کو نہ اٹھا اور تو میرے انتقام کی طاقت نہیں رکھتا۔

مجاہد نے کہا: "هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ" کا معنی ہے: ہم نے انسان کو خیر اور شر کے راستوں کی پہچان کرا دی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہدایت اور گم راہی کے راستوں کی۔

امام ابن مردویہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: اے لوگو! یہ دو راستے خیر اور شر کے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے شر کا راستہ خیر کے راستے سے زیادہ محبوب نہیں بنایا۔

(الدر المنثور ج ۸ص ۴۷۸۔۴۷۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان آیات میں اس پر واضح دلیل ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار دیا ہے' اس کو حواس عطا کیے ہیں اور عقل سلیم دی ہے' اس کو نیکی اور بدی کے راستے دکھا دیئے ہیں اور سمجھا دیئے ہیں' اس پر لازم ہے کہ وہ نیکی کے راستے کو اختیار کرے اور بُرائی کے راستے کو ترک کر دے اور اگر اس نے اختیار کے باوجود نیک عمل نہیں کیے اور بُرے عمل کرتا رہا تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے دوزخ بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس وہ دشوار گھاٹی سے نہیں گزرا O اور آپ کیا سمجھے کہ وہ دشوار گھاٹی کیا ہے O (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا O یا بھوک کے دن کھانا کھلانا O ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو O یا خاک نشین مسکین کو O (البلد: ۱۶۔۱۱)

"اقتحم" اور "العقبة" کا معنی اور دشوار گھاٹی کا مصداق

البلد: ۱۱ میں "اقتحم" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چڑھا' گھس پڑا' اس کا مصدر "اقتحام" ہے' اس کا معنی ہے: بغیر دیکھے بھالے اپنے آپ کو کسی چیز میں جھونک دینا۔ (القاموس المحیط ص ۱۱۴۶' مؤسسة الرسالة' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

اور اس آیت میں "العقبة" کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گھاٹی' پہاڑ میں چڑھائی کا جو دشوار گزار راستہ ہوتا ہے' اس کو "عقبہ" کہتے ہیں۔ (القاموس المحیط ص ۱۱۶' مؤسسة الرسالة' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

"عقبہ" سے مراد یہاں آخرت ہے' عطاء نے کہا: "عقبہ" سے مراد یہاں جہنم کی گھاٹی ہے' الکلبی نے کہا: یہ جنت اور

دوزخ کے درمیان ایک گھاٹی ہے' حضرت ابن عمر نے کہا: یہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے' علامہ واحدی نے کہا: اس تفسیر پر یہ اعتراض ہے کہ کوئی انسان جہنم کے پہاڑ پر نہیں چڑھا اور نہ اس سے گزرا' نیز البلد: ۱۳ میں ''عقبة'' کی تفسیر مقروض کی گردن چھڑانے اور اس کو کھانا کھلانے کے ساتھ کی گئی ہے۔

حسن اور مقاتل نے کہا ہے کہ دشوار گزار گھاٹی پر چڑھنے کے ذکر میں یہ مثال دی ہے کہ انسان نے اپنے نفس کی ناجائز خواہشوں کے خلاف مزاحمت کیوں نہیں کی اور غلط نفسانی تقاضوں کو پورا کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا اور نیکی کرنے میں شیطان کے بہکانے سے جہاد کیوں نہیں کیا' الحسن نے کہا: اللہ کی گھاٹی بہت شدید ہے' اور یہ انسان کا اپنی ناجائز خواہشوں سے اور شیاطین انس اور جن سے جہاد کرنا ہے۔

امام رازی نے فرمایا: یہی تفسیر برحق ہے کیونکہ انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ محسوسات کے عالم سے نکل کر انوار الٰہیہ کے عالم میں پہنچ جائے اور اس مادی عالم اور عالم قدس کے درمیان بے شمار دشوار گزار گھاٹیاں اور پرخطر وادیاں ہیں جن کو عبور کرنا بے حد مشکل اور دشوار ہے۔

البلد: ۱۳ میں فرمایا: (قرض یا غلامی سے) گردن چھڑانا O

غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت میں احادیث

''الفك'' کا معنی ہے: طوق اور بیڑیوں کو کاٹ دینا اور یہاں اس سے مراد ہے: کسی انسان کے گلے سے غلامی یا قرض کا طوق اتار دینا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی غلام کو آزاد کیا' اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے عضو کو دوزخ سے آزاد کر دے گا' حتیٰ کہ اس کی شرم گاہ کو اس کی شرم گاہ کے بدلہ میں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۱۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۰۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۴۱)

حضرت ابوامامہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اصحاب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان مرد نے کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا تو وہ اس کا دوزخ سے چھڑانا ہوگا' اس کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہوگا اور جس مسلمان عورت نے کسی مسلمان عورت کو آزاد کیا تو وہ اس کا دوزخ سے چھڑانا ہوگا اور اس کے ہر عضو کا اس کے عضو سے بدلہ ہوگا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۴۷' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۲۷۱' المعجم الکبیر ج ۱ ص ۹۵)

غلام کو آزاد کرنا اور صدقہ کرنا دونوں افضل عمل ہیں' امام ابوحنیفہ کے نزدیک غلام کو آزاد کرنا صدقہ کرنے سے افضل ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک صدقہ کرنا' غلام آزاد کرنے سے افضل ہے' اور اس آیت میں امام ابوحنیفہ کے مؤقف پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام کو آزاد کرنے کا ذکر صدقہ دینے سے پہلے کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے غلام کی گردن چھڑائی' اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کا عضو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۶۶)

البلد: ۱۴ میں فرمایا: یا بھوک کے دن کھانا کھلانا O

بھوکے مسلمانوں کو کھانا کھلانے کی فضیلت میں آیات اور احادیث

اس آیت میں ''مسغبة'' کا لفظ ہے' یہ اسم مصدر ہے' اس کا معنی ہے: بھوک' بھوکا ہونا' ''سغب'' کا معنی ہے: ایسی بھوک یا پیاس جس میں تھکان سی محسوس ہو' جیسے جب جسم میں گلوکوز کم ہونے کے وقت کیفیت ہوتی ہے۔

(القاموس المحیط ص ۹۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

قحط تنگ دستی اور شدید ضرورت کے وقت مال نکالنا انسان کے نفس پر سخت مشکل اور دشوار ہوتا ہے' جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ (البقرہ:۱۷۷)

اور مال سے اپنی محبت کے باوجود رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں' سوالیوں اور گردن چھڑانے کے لیے مال دے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ (الدھر:۸)

اور وہ کھانے کی ضرورت کے باوجود مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ۝

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اسلام کے کون سے حکم پر عمل کرنا سب سے افضل ہے؟ فرمایا: تم جس شخص کو پہچانتے ہو خواہ نہ پہچانتے ہو اس کو کھانا کھلاؤ اور سلام کرو۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۵۱۹۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۰۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۲۵۳)

کھانا کھلانے میں فضیلت ہے' لیکن جب انسان خود بھوکا ہونے کے باوجود دوسروں کو کھلائے تو اس میں زیادہ فضیلت ہے۔

حبان بن ابی جبلہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صدقہ سب سے زیادہ سرعت کے ساتھ آسمان پر چڑھتا ہے' وہ یہ ہے کہ انسان بہت عمدہ کھانا تیار کرے اور پھر اپنے (مسلمان) بھائیوں کو کھلائے۔
(کنز العمال ج ۶ ص ۴۲۴' رقم الحدیث:۱۶۳۶۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی بھوکے پیٹ والے کو سیر ہو کر کھانا کھلانے سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں ہے۔ (الفردوس بماثور الخطاب رقم الحدیث:۶۳۴۷' کنز العمال رقم الحدیث:۱۶۳۷۰' شعب الایمان رقم الحدیث:۳۳۶۷)

محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغفرت کے موجبات سے یہ ہے کہ بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا جائے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۳۳۶۴' کنز الایمان رقم الحدیث:۱۶۳۷۲' المستدرک ج ۲ ص ۵۲۴۔ رقم الحدیث:۳۹۳۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو روٹی کھلائی حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا اور اس کو پانی پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا' اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی سات خندقوں سے دور کر دے گا' ہر خندق کی مسافت پانچ سو سال ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۳۳۶۸' کنز العمال رقم الحدیث:۱۶۳۷۳)

حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس شخص نے کسی بے لباس مسلمان کو لباس پہنایا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس شخص نے کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلایا' اللہ تعالیٰ اس کو رحیق (شراب طہور) سے پلائے گا۔
(شعب الایمان رقم الحدیث:۳۳۷۰)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازوں میں سے اس دروازے میں داخل کرے گا' جس میں سے صرف اس جیسے مسلمان داخل ہوں گے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۰۔ رقم الحدیث:۱۶۲' کنز العمال رقم الحدیث:۱۶۳۷۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے گناہ زیادہ ہوں تو پانی

کے گھاٹ پر لوگوں کو پانی پلاؤ' تمہارے گناہ اس طرح جھڑ جائیں گے جس طرح تیز آندھی سے درخت کے پتے گرتے ہیں۔
(تاریخ بغداد ج ۶ ص ۴۰۳' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۳۷۷)

ابوجنیدہ الفہری اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی پیاسے کو پانی پلا کر اس کو سیر کر دیا' اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دے گا اور اس سے کہا جائے گا: اس دروازے سے داخل ہو اور جس نے کسی بھوکے کو کھانا کھلا کر اس کو سیر کر دیا' اس کے لیے جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا: جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔
(المعجم الکبیر ج ۲۲۔رقم الحدیث: ۹۳۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۶۳۸۲' اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

البلد: ۱۵ میں فرمایا: ایسے یتیم کو جو رشتہ دار بھی ہو O

یتیم کا معنی

انسانوں میں یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بچپن میں باپ فوت ہو گیا ہو اور حیوانات میں یتیم اس کو کہتے ہیں جس کی بچپن میں ماں فوت ہو گئی ہو اور بعض اہل لغت یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ دونوں فوت ہو گئے ہوں۔

جو یتیم رشتہ دار نہ ہو اس پر بھی صدقہ کرنے میں فضیلت ہے لیکن جو یتیم رشتہ دار بھی ہو' اس پر صدقہ کرنے میں زیادہ فضیلت ہے' جس طرح جس یتیم کے کفالت کرنے والے ہوں' اس پر صدقہ کرنے میں بھی فضیلت ہے لیکن جس یتیم کا کوئی کفیل نہ ہو' اس پر صدقہ کرنے میں بہت فضیلت ہے۔

یتیموں کو صدقہ دینے کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو رکھا اور اس کو اپنے کھانے پینے میں شامل کیا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دے گا' سوا اس کے کہ اس کا کوئی ایسا گناہ ہو جس کی مغفرت نہ ہو سکے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۶۶۹)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ ہوں گے' آپ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ فرمایا۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۸' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۰۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۵۰' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہاتھ پھیرا تو اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے' اس کی اتنی نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص کے پاس کوئی یتیم لڑکی یا یتیم لڑکا ہو اور وہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرے تو وہ میرے ساتھ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہو گا اور آپ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا۔
(مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۶ ص ۴۷۴۔رقم الحدیث: ۲۲۱۵۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۱ھ' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۷۸' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۴۵۶' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۸۲۱' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۱۹۰)

رشتہ داروں کو صدقہ دینے کی فضیلت میں احادیث

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کس کو صدقہ دینا سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اس قرابت دار کو جو پہلو تہی کرتا ہو۔

(سنن دارمی رقم الحدیث:۱۶۷۹، مسند احمد رقم الحدیث:۱۴۸۹۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت ام المؤمنین نے اپنی ایک باندی کو آزاد کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم یہ باندی اپنے کسی ماموں کو دے دیتیں تو تم کو زیادہ اجر ملتا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۹۰، مسند احمد رقم الحدیث:۲۶۲۸۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

سلیمان بن عامر الضبی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور قرابت دار پر صدقہ کرنا دو صدقے ہیں، ایک صدقہ ہے اور ایک صلہ رحم ہے۔

(سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۸۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۴۴، مسند احمد رقم الحدیث:۱۵۷۹۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ کیا ان کے لیے یہ صدقہ کافی ہوگا کہ وہ اپنے خاوند اور اپنی گود کے بچوں کو صدقہ دے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تمہیں دو اجر ملیں گے، ایک اجر صدقہ کا ہوگا اور ایک اجر قرابت داری کا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۴۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۰۰، سنن نسائی رقم الحدیث:۲۵۸۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۸۳۴، مسند احمد رقم الحدیث:۲۶۵۰۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

البلد:۱۶ میں فرمایا: یا خاک نشین مسکین کو O

خاک نشین کے مصادیق

خاک نشین سے مراد یہ ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو، حتیٰ کہ فقر کی وجہ سے وہ مٹی سے آلودہ ہے اور سوائے خاک اور مٹی کے اس کا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جو راستہ (فٹ پاتھ) پر پڑا ہو اور اس کا کوئی گھر نہ ہو، مجاہد نے کہا: یہ وہ شخص ہے جو اپنے جسم اور لباس کو مٹی سے نہ بچا سکے، قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ عیال دار ہو، عکرمہ نے کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ مقروض ہو، ابوسنان نے کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ اپاہج ہو، ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد ہے: جس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن جز۲۰ ص۶۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو (توحید پر) ایمان لائے اور انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کی O وہی لوگ دائیں طرف والے (بابرکت) ہیں O اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا، وہی لوگ بائیں طرف والے (منحوس) ہیں O ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی O (البلد:۲۰۔۱۷)

مؤمنین صالحین کے لیے بشارت اور کفار کے لیے عذاب کی وعید

یعنی جو لوگ دشوار گزار گھاٹی پر چڑھیں اور نفس کے ناجائز تقاضوں سے جنگ اور جہاد کریں، ان کا یہ جہاد اس وقت قابلِ تحسین اور لائقِ اجر ہوگا، جب وہ مؤمن ہوں اور اگر وہ ایمان نہیں لائے تو ان کا یہ سارا جہاد رائیگاں جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! زمانۂ جاہلیت میں ابن جدعان رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا تھا، کھانا کھلاتا تھا، قیدیوں کو چھڑاتا تھا اور غلاموں کو آزاد کرتا تھا اور اللہ کی راہ میں لوگوں کو اونٹوں پر سوار کرتا تھا، کیا ان اعمال سے اس کو نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے اللہ! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۱۴)

نیز فرمایا: انہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کی۔

یعنی وہ ایک دوسرے کو ایمان کی راہ میں مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے کی نصیحت کرتے تھے اور ایک دوسرے کو ہر امتحان میں ثابت قدم رہنے کی نصیحت کرتے تھے اور گناہوں سے ہمیشہ اجتناب کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت پر

قائم رہنے کی نصیحت کرتے تھے اور وہ ایک دوسرے کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ وہ مظلوم اور فقیر پر رحم کریں یا جو شخص بُرے کام کر رہا ہو اس کو بُرائی سے روکیں کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں رحم کرنا ہے اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر شخص دوسرے کو نیکی کا راستہ دکھائے اور اس کو بدی کے راستہ پر چلنے سے روکے۔

اور جو مؤمنین اس دشوار گھاٹی پر چڑھے اور جنہوں نے ہر آزمائش میں صبر کیا اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کی' اس گروہ کے سرخیل اکابر صحابہ مثلاً خلفاء راشدین اور ان کے موافقین اور بعد کے اخیار تابعین ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صبر کی وصیت سے مراد اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور رحم کی وصیت سے مراد مخلوق پر شفقت ہے اور اسلام کے تمام احکام کا مدار اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق کی شفقت پر ہے۔

البلد: ۱۸ میں فرمایا: وہی لوگ دائیں طرف والے (بابرکت) ہیںO

''اصحاب المیمنة'' کی تفسیر الواقعہ: ۲۹۔۲۸ میں گزر چکی ہے۔

البلد: ۱۹ میں فرمایا: اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا' وہی لوگ بائیں طرف والے (منحوس) ہیںO

اس آیت کی تفسیر الواقعہ: ۴۲ میں گزر چکی ہے۔

البلد: ۲۰ میں فرمایا: ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگیO

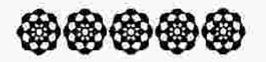
اس آیت میں ''مؤصدة'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''ایصاد'' ہے' اس کا معنی ہے: دروازہ بند کرنا' قفل لگانا' ''مؤصدة'' کا معنی ہے: بند کی ہوئی۔

اس آیت کا معنی ہے: کافروں کو دوزخ میں ڈال کر دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور کسی دروازے کو کھولا نہیں جائے گا' نہ دوزخ سے ان کا کوئی غم باہر نکلے گا اور نہ باہر سے کوئی خوشی دوزخ کے اندر داخل ہوگی' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ان کا مکمل احاطہ کرلے گی۔

سورۃ البلد کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۱ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ البلد کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' اسی طرح قرآن کریم کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دینا' اور اس تفسیر کو قیامت تک باقی اور فیض رساں رکھنا اور محض اپنے فضل سے میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور احباب کی' میرے تلامذہ اور قارئین اور اس کتاب کے ناشرین اور معاونین کی مغفرت فرما دینا۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین افضل الانبیاء والمرسلین
وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة الشّمس

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ اور اس کی فضیلت میں احادیث

اس سورت کا نام الشّمس ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت کا پہلا لفظ ''والشمس'' ہے' وہ آیت یہ ہے:

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ۞ (الشمس:۱) — سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی ۞

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سورۃ ''وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ۞'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۸۳)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں ''وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ۞'' اور اس کے مشابہ سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۰۹' سنن نسائی رقم الحدیث:۹۹۹' مسند احمد رقم الحدیث:۲۲۴۸۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فجر کی نماز پڑھائی اور اس میں ''وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ۞'' اور ''والسماء والطارق'' پڑھی۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث:۱۹۵۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص تم سے یہ حدیث بیان کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ کر لوگوں کو خطبہ دیتے تھے' اس کو جھوٹا کہو' میں اس کا گواہ ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے' پھر بیٹھتے' پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے' راوی نے پوچھا: آپ کا خطبہ کیسا ہوتا تھا؟ حضرت جابر نے کہا: آپ اپنے کلام سے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے' اور کتاب اللہ سے آیات پڑھتے تھے' آپ کا خطبہ بھی درمیانہ ہوتا تھا اور آپ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی' آپ نماز میں ''وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ۞'' اور ''وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ'' پڑھا کرتے تھے' سو فجر کی نماز کے اور ظہر کی نماز کے۔ الحدیث

(المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۵۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم چاشت کی دو رکعتوں میں ان دو سورتوں کو پڑھیں: ''وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ۞'' اور ''والضحیٰ''۔

(الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۸۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورت الشّمس اور سورۃ البلد کی مناسبت

(۱) سورۃ البلد کے آخر میں ''اصحاب میمنة'' اور ''اصحاب مشئمة'' کا ذکر فرمایا تھا اور سورۃ الشّمس میں ان کے مصداق کو ذکر فرمایا' سو بتایا:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۝ (الشمس: ۹) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہوگیا۝

اور یہی لوگ ''اصحاب میمنة'' ہیں۔

وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس: ۱۰) اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرلیا وہ ناکام ہو گیا۝

اور یہی لوگ ''اصحاب مشئمة'' ہیں۔

(۲) سورۃ البلد کے آخر میں بتایا تھا کہ کفار کو آخرت میں دوزخ کی سزا دی جائے گی اور اس سورت کے آخر میں بتایا ہے کہ بعض کفار کو دنیا میں بھی سزا دی گئی۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۶ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۱ ہے۔

سورۃ الشمس کے مشمولات

(۱) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی بلند چیزوں کی قسم کھائی ہے' جیسے سورج اور چاند کی' دن اور رات کی اور آسمان کی اور پست چیزوں کی بھی قسم کھائی ہے' جیسے زمین کی اور نفس انسان کی۔

(۲) اس میں انسان کو اس کی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے نفس کو پاکیزہ کرے اور اس سے ڈرایا ہے کہ وہ اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرے۔

(۳) قومِ ثمود کی مثال دی ہے' ان کے ایک شخص نے اپنے رسول حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی کر کے مقدس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں' جس کی سزا میں ان پر دنیا میں عذاب آ گیا۔

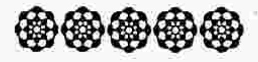
اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت پر قائم رکھنا' فکری' نظری' اعتقادی اور فقہی غلطیوں سے محفوظ اور مامون رکھنا اور وہی لکھوانا جو حق اور صواب ہو اور آپ کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہو اور مجھے گناہوں سے بچانا اور نیکیوں پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱۲ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴



سورۃ الشمس ٩١ مکیۃ ٢٦ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | آیاتہا ١٥ رکوعہا ١

سورۃ الشمس مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پندرہ آیات اور ایک رکوع ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿١﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿٢﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿٣﴾

سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کی O اور چاند کی قسم! جب وہ اس کے پیچھے آئے O اور دن کی قسم! جب وہ سورج کو نمایاں کرے O

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿٤﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿٥﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا

اور رات کی قسم! جب وہ اس کو چھپائے O اور آسمان کی قسم! اور جس نے اس کو بنایا O اور زمین کی قسم! اور جس نے اس کو

طَحٰهَا ﴿٦﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿٧﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿٨﴾

پھیلایا O اور نفس کی قسم! اور جس نے اس کو درست بنایا O پھر اس (نفس) کو اس کے بُرے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا O

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿١٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا O اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا O قوم ثمود

بِطَغْوٰىهَآ ﴿١١﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ

نے اپنی سرکشی کے سبب (اپنے رسول کو) جھٹلایا O جب (اس قوم کا) سب سے بدبخت اٹھا O سو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ

اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ

کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو O انہوں نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کے رب

بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿١٥﴾

ع ١٥ ١٦

نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار کر دیا O اور ان سے انتقام لینے سے اسے کوئی خوف نہیں ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کی O اور چاند کی قسم! جب وہ اس کے پیچھے آئے O اور دن کی قسم! جب وہ سورج کو نمایاں کرے O اور رات کی قسم! جب وہ اس کو چھپائے O اور آسمان کی قسم! اور جس نے اس کو بنایا O اور زمین کی قسم! اور جس نے اس کو پھیلایا O اور نفس کی قسم! اور جس نے اس کو درست بنایا O پھر اس کو اس کے بُرے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا O جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا O اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا O (الشمس: ١٠-١)

قسم اور جوابِ قسم

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے سات چیزوں کی قسم کھائی ہے: (۱) سورج (۲) چاند (۳) دن (۴) رات (۵) آسمان (۶) زمین (۷) نفس انسان' اور ان سات چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا: جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا' سو یہ اس سورت کی قسم اور جوابِ قسم کی تفصیل ہے' اب ہم جن چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے ان میں سے ہر ایک کی وضاحت کریں گے۔

سورج کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں' برکتیں اور نشانیاں

الشمس: ۱ میں فرمایا: سورج کی قسم! اور اس کی روشنی کی O

اس آیت میں ''ضحٰی'' کا لفظ ہے' مفسرین نے کہا ہے: اس سے مراد سورج کی روشنی اور اس کی حرارت ہے' اللہ تعالیٰ نے سورج میں ایسے اثرات رکھے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی لطیف حکمتوں اور اس کی تدبیر کی باریکیوں اور برکتوں اور اس کی قدرت کی نشانیوں پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱) سورج میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ سورج کا نور سائے کو ختم کر دیتا ہے اور چاند کے نور سے چھپ جاتا ہے اور ستارے نظر نہیں آتے اور ہوا میں سورج کے نور کے چمکیلے ذرات غبار کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

(۲) پھر سورج کی حرارت سے کھیتوں میں سبزیاں' اور دانے پکتے ہیں اور باغوں میں پھل تیار ہوتے ہیں اور پھول کھلتے ہیں' اور انسانوں اور حیوانوں کے لیے صالح غذا تیار ہوتی ہے۔

(۳) پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکیمانہ تدبیر سے سورج کو زمین سے مناسب فاصلہ پر رکھا ہے' اگر یہ فاصلہ کم ہوتا تو تمام کھیت اور باغات جل جاتے اور اس کی حرارت کی شدت سے تمام انسان اور حیوان جل کر راکھ ہو جاتے۔

(۴) پھر سورج میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانی یہ ہے کہ سورج کئی ہزار میل کی مسافت قطع کرتا ہے اور پوری زمین کے گرد ایک چکر لگاتا ہے' پھر سورج سے اللہ تعالیٰ اپنے جود وکرم کا اظہار فرماتا ہے کیونکہ اس کی روشنی اور حرارت ہر ذی روح کو پہنچ رہی ہے' خواہ وہ اللہ کو ماننے والا ہو یا اس کا منکر ہو' اس کا شکر گزار ہو یا ناشکرا ہو' اس کا دوست ہو یا اس کا دشمن ہو۔

(۵) سورج کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل ہے کیونکہ سورج کا ایک مخصوص جسم ہے' اور وہ ایک خاص جگہ سے اور خاص وقت میں طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے اور اس کے اس نظام میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی' پس ضروری ہوا کہ سورج کو اس مخصوص جسامت میں رکھنے کے لیے اور اس مخصوص نظام کا پابند کرنے کے لیے کوئی خالق ہو اور وہ خالق واجب اور قدیم ہو' ورنہ پھر اس کا بھی کوئی خالق ہوگا اور یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوگا اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خالق واحد ہو' ورنہ اس کے طلوع اور غروب اور اس کی مخصوص حرکت کے نظام میں یکسانیت نہیں ہوگی اور اس کے نظام کی وحدت' اس پر دلیل ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔

الشمس: ۲ میں فرمایا: اور چاند کی قسم جب وہ اس کے پیچھے آئے O

چاند کن چیزوں میں سورج کے تابع ہے؟

اس آیت میں ''تلاھا'' کا لفظ ہے' ''تلا یتلو ا'' کا معنی ہے: ایک چیز کا دوسری چیز کے تابع ہونا اور چاند' سورج کے حسبِ ذیل اُمور میں تابع ہے:

(۱) مہینہ کے نصف اوّل میں سورج کے غروب ہونے کے بعد چاند طلوع ہوتا ہے اور اپنی روشنی میں چاند کے تابع ہوتا ہے۔
(۲) سورج جب غروب ہو جاتا ہے تو پہلی رات کا چاند سورج کے غروب کے فوراً بعد نظر آتا ہے۔
(۳) چاند کے تابع ہونے کا یہ معنی ہے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔
(۴) چودھویں رات کو جب چاند پورا نظر آتا ہے تو اس وقت وہ روشن ہونے میں سورج کے قائم مقام ہوتا ہے۔
(۵) سورج کے جو منافع ذکر کیے گئے ہیں وہ چاند میں بھی موجود ہیں' غذا سورج سے پکتی ہے اور اس میں ذائقہ چاند کی کرنوں سے آتا ہے۔
(۶) سورج اور چاند کے فوائد تمام مخلوق کو حاصل ہوتے ہیں اور یہ اس کی دلیل ہے کہ ان دونوں کا خالق واحد ہے' کیونکہ اگر ان کے خالق متعدد ہوتے تو ان کے فوائد تمام مخلوق کو حاصل نہ ہوتے بلکہ ہر خالق صرف اپنی مخلوق کو ان کے فوائد پہنچاتا۔

الشمس: ۳ میں فرمایا: اور دن کی قسم! جب وہ سورج کو نمایاں کرے O

دن کن چیزوں کو ظاہر کرتا ہے

اس آیت میں ''جلّٰھا'' کا لفظ ہے' یہ ''تجلیة'' سے بنا ہے' اس کا معنی کشف اور اظہار ہے' زجاج نے کہا: اس کی ضمیر سورج کی طرف راجع ہے اور اس کا معنی ہے: جب دن نے سورج کو ظاہر کر دیا' دن سورج کی روشنی کو کہتے ہیں پس جب دن زیادہ روشن ہوگا تو سورج زیادہ ظاہر ہوگا کیونکہ اثر کی قوت مؤثر کی قوت کو ظاہر کرتی ہے' لہٰذا دن سورج کو ظاہر کرتا ہے' اور جمہور نے کہا: یہ ضمیر دنیا یا زمین کی طرف راجع ہے' اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں ہے اور اس کا معنی ہے: دن نے دنیا کو یا زمین کو ظاہر کر دیا۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۱۷۴)

امام ابو منصور ماتریدی نے کہا: اس آیت کے کئی محمل ہیں: دن نے دنیا کو ظاہر کر دیا' دن نے زمین کو ظاہر کر دیا' دن نے سورج کو ظاہر کر دیا' رات کی ظلمت نے جن چیزوں کو چھپا لیا تھا' دن کے نور نے آنکھوں کے ذریعہ ان چیزوں کو ظاہر کر دیا۔
(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۶۳)

الشمس: ۴ میں فرمایا: اور رات کی قسم! جب وہ اس کو چھپائے O

رات اور دن کی سلطنت کا سورج اور چاند سے زیادہ ہونا

اس کا محمل یہ ہے کہ رات دنیا کو چھپا لیتی ہے' یا روئے زمین کو چھپا لیتی ہے یا سورج کو چھپا لیتی ہے یا اپنی ظلمت سے مخلوق کو آنکھوں سے چھپا لیتی ہے' سورج اور چاند کی بہ نسبت رات اور دن کے توارد میں زیادہ سلطنت اور زیادہ تصرف ہے' کیونکہ رات اور دن کے تعاقب اور آنے جانے سے مدتیں پوری ہوتیں ہیں اور عمریں تمام ہوتی ہیں اور کوئی شخص اپنے آپ کو ان کی زد سے بچا نہیں سکتا' سورج کی حدت اور تیز روشنی کی زد سے انسان خود کو بچا سکتا ہے کہ وہ ایسے حجاب میں چلا جائے جہاں سے سورج نظر نہ آئے' اسی طرح اگر کسی انسان کو چاند کی روشنی اچھی نہ لگے تو وہ کسی اوٹ میں رہ کر چاند سے چھپ سکتا ہے لیکن دن اور رات کی گردش کی زد سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔

دن کا فائدہ یہ ہے کہ دن میں جب خوب روشنی پھیل جاتی ہے تو انسان اور حیوان سب اپنے معاش اور روزی کے حصول کے لیے نکلتے ہیں اور جدوجہد کرتے ہیں اور رات کا فائدہ یہ ہے کہ دن میں کی ہوئی جدوجہد سے اعصاب تھک جاتے ہیں تو رات کی نینداس تھکاوٹ کو اتارتی ہے۔

الشمس: ۵ میں فرمایا: اور آسمان کی قسم! اور جس نے اس کو بنایاO

''وما بناها'' میں ''ما'' سے مراد ''من'' ہونے کی توجیہ

زجاج نے کہا: اس آیت میں لفظ ''ما'' ''الذی'' کے معنی میں ہے' ہر چند کہ ''ما'' کی وضع غیر ذوی العقول کے لیے ہے لیکن کبھی اس کا مجازاً استعمال ذوی العقول کے لیے بھی ہوتا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''ما'' ''من'' کے معنی میں ہے اور دونوں تاویلوں کے اعتبار سے یہ قسم اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے' پہلی تاویل کے اعتبار سے معنی اس طرح ہے: سورج' چاند' دن' رات اور آسمان بنانے والے کی قسم! اور دوسری تاویل کے اعتبار سے معنی اس طرح ہے: اور آسمان کی قسم! اور جس نے اس کو بنایا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۶۴)

اس آیت میں لفظ ''ما'' ''من'' کے معنی میں ہے' اس کی دوسری مثال اس آیت میں ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ . (النساء: ۲۲) اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لفظ ''ما'' کو کیوں استعمال فرمایا اور لفظ ''من'' کو کیوں استعمال نہیں فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ عزوجل لفظ ''مــن'' استعمال فرماتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہوتی یعنی آسمان کی قسم! اور جس ذات نے آسمان کو بنایا اور لفظ ''ما'' سے اللہ تعالیٰ کی صفت کی طرف اشارہ ہے' یعنی آسمان کی قسم! اور اس عظیم چیز کی قسم جو اس آسمان کو بنانے پر قادر ہے۔

الشمس: ۶ میں فرمایا: اور زمین کی قسم! اور جس نے اس کو پھیلایاO

اس آیت میں ''طحٰها'' کا لفظ ہے' یہ ''الطحو'' سے بنا ہے' اور یہ ''الدحو'' کی مثل ہے' اس کا معنی بھی پھیلانا ہے' جیسے اس آیت میں فرمایا:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ؕ (النزعت: ۳۰) اور آسمان کو بنانے کے بعد زمین کو پھیلایاO

یعنی زمین کا مادہ پہلے بنایا' پھر آسمانوں کو بنایا اور ان کو ہموار کیا' اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔

الشمس: ۷ میں فرمایا: اور نفس کی قسم! اور جس نے اس کو درست بنایاO

نفس انسان کی قسم سے مراد انسان کامل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم ہے

اس سے پہلے مفرد چیزوں کی قسم کھائی تھی' جیسے سورج' چاند' آسمان اور زمین اور اب اس چیز کی قسم کھائی جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے اور وہ نفس انسان ہے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نفس سے مراد انسان کا جسم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نفس سے مراد نفسِ ناطقہ یا قوتِ مدبرہ ہو' اگر اس سے مراد انسان کا جسم ہے تو اس کو درست بنانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اعضاء کو معتدل اور متوسط بنایا اور ہر عضو کو اس کی مناسب جگہ میں رکھا' مثلاً دماغ جو پورے جسم کا حاکم ہے' اس کو سر میں رکھا' جو جسم میں سب سے اوپر ہے اور دل جس پر حیات کا مدار ہوتا ہے اس کو جسم کے وسط اور سینہ میں رکھا' اور بول و براز کو مثانہ اور بڑی آنت میں رکھا جو پیٹ کے نچلے حصہ میں ہے اور یہ بہت حکیمانہ تدبیر ہے۔

اس آیت میں نفس کو نکرہ ذکر کیا ہے' اس کے دو محمل ہیں: یا تو اس سے نفس کامل مراد ہے یا عام نفس مراد ہے' اگر نفس کامل مراد ہے تو وہ نفس قدسیہ نبویہ ہے' کیونکہ ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے اور وہ فرد واحد ان کثیر کا رئیس ہوتا ہے اور عناصر مرکبہ کے تحت کئی انواع اور اقسام ہیں اور ان کا رئیس حیوان ہے اور حیوان کے تحت کئی انواع ہیں اور ان کا رئیس انسان ہے اور

انسان کے بہت افراد ہیں اور ان کا رئیس نبی ہے اور نبی کے ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد ہیں اور ان کے رئیس نبی الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے مفردات اور عناصر کی قسم کھانے کے بعد مقصود کائنات اور خلاصہ موجودات' فخر آدم و بنی آدم سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی ہے۔

نفس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اس سے عام نفس مراد ہو اور اس سے مراد نفس انسان ہے' کیونکہ تمام نفوس میں انسان ہی اشرف المخلوقات ہے اور نفس انسان کے عموم کی مراد ہونے پر یہ آیت قرینہ ہے:

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ؕ (التکویر:۱۴) اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ لے کر آیا ہےO

الشمس: ۸ میں فرمایا: پھر اس (نفس) کو اس کے بُرے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیاO

''الہام'' کا معنی اور انسان کے اچھے اور بُرے کاموں کے متعلق اہل سنت کا موقف

اس آیت میں ''الہام'' کا لفظ ہے' اس کا اصل معنی ابلاغ اور پہنچانا ہے' اور عرف میں اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو بندے کے دل میں ڈالنا' یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کے دل میں یہ ڈال دیا کہ فلاں فلاں کام بُرا ہے اور اس کے دل میں یہ بھی ڈال دیا کہ ان بُرے کاموں سے بچنے کا طریقہ کیا ہے اور یہی ''الفجور'' اور ''الطغوی'' کا معنی ہے اور اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ (البلد:۱۰) ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دونوں راستے دکھا دیئےO

پھر فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ (الشمس:۱۰۔۹) جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیاO اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیاO

اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر اور شر کے دونوں راستے دکھا دیئے اور اس کو یہ اختیار دیا کہ وہ خیر اور شر میں جس راستے کو پسند کرے' اس کو اختیار کرے' پھر وہ جس فعل کو اختیار کرے' اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا کر دیتا ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے' اس کے برخلاف معتزلہ کا یہ مسلک ہے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے' اور جبریہ کا یہ مسلک ہے کہ انسان کو کوئی اختیار نہیں ہے وہ مجبور محض ہے' اللہ تعالیٰ جو فعل چاہتا ہے وہ اس میں پیدا کر دیتا ہے' جبریہ کا مسلک اس لیے باطل ہے کہ اگر انسان مجبور محض ہو تو پھر اس کو مکلف کرنا صحیح نہ ہو گا اور انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانا اور میدانِ حشر میں حساب لینا' میزان قائم کرنا اور جنت اور دوزخ اور جزاء اور سزا کا سارا نظام بے معنی اور عبث ہو جائے گا' اور معتزلہ کا مسلک اس لیے باطل ہے کہ انسان کو اپنے افعال کا خالق ماننا' قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت:۹۶) اور اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھیO

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

اچھے اور بُرے کاموں کا علم غور و فکر کرنے سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے سے حاصل ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا فجور اور تقویٰ بیان فرما دیا اور اس کی تعلیم دے دی' بعض لوگوں کا یہ زعم ہے کہ تمام نیکیاں

خلقۃً بدیہی ہیں' وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دے دی ہے کہ اس نے انسان کو اس کے فجور اور اس کے تقویٰ کی تعلیم دے دی ہے اور اس کی عقل میں ایسا نور رکھ دیا ہے جس سے وہ بُری چیز کی بُرائی اور ہر اچھی چیز کی اچھائی کو پہچان لیتا ہے۔

ہمارے (اہل سنت و جماعت) کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ انسان تمام چیزوں کی اچھائی اور بُرائی کو بداہت عقل سے پہچانتا ہے' لیکن عقول ہر چیز کی اچھائی اور بُرائی کو نہیں پہچان سکتیں اور اس کی پہچان انسان کو غور اور فکر کرنے سے ہوتی ہے اور بعض چیزوں کی اچھائی اور بُرائی صرف غور وفکر سے بھی نہیں ہوتی' اس کی معرفت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ کی تبلیغ سے ہوتی ہے' مثلاً صرف عقل کے غور وفکر سے ہمیں کیسے پتا چل سکتا ہے کہ جب سورج طلوع ہو رہا ہو یا سورج سر پر ہو تو اس وقت نماز پڑھنا حرام ہے یا جب انسان پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو اس وقت تیمم سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے یا ہم عقل سے کیسے جان سکتے ہیں کہ فجر کی نماز کی دو رکعات ہیں اور ظہر' عصر اور عشاء کی چار رکعات ہیں اور مغرب کی تین رکعات اور اسی طرح نماز پڑھنے میں حسن اور اس کے خلاف نماز پڑھنا قبیح ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم اپنی طبیعت سے لذیذ اور نفع بخش چیزوں کی طرف راغب ہوتے ہو اور تکلیف دہ اور درد انگیز چیزوں سے متنفر ہوتے ہو' اسی طرح تم حسین اور خوب صورت چیزوں کو پسند کرتے ہو اور قبیح اور بدصورت چیزوں کو ناپسند کرتے ہو' بلکہ عقل سے ہی ان کے درمیان فیصلہ کرتے ہو' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چیزوں کے حسن اور قبح کو جاننے کے لیے عقل میں صلاحیت اور تمیز رکھ دی ہے' لہٰذا "فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝" (الشمس:۸) کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل میں ایسی قوت رکھ دی ہے' جو بُری چیز کو اچھی چیز سے ممتاز کرتی ہے اور خبیث چیزوں کو طیب چیزوں سے اور گناہوں کی بُرائی کو اور عبادات کے حُسن کو بیان کرتی ہے اور اس کی معرفت غور وفکر سے ہوتی ہے یا رسولوں کی تعلیم اور تبلیغ سے اور اسی بناء پر انسان کو مکلف کیا جاتا ہے۔

نیک کاموں کا الہام ان ہی لوگوں کو کیا جاتا ہے جو نیکی کی جدوجہد کرتے ہیں

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے گناہوں سے بچنے اور نیک کاموں کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تقویٰ کا الہام کر دیتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت:۶۹) — جو لوگ ہمارے راستہ پر چلنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں' ہم ان کو اپنے راستوں پر چلا دیتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے نیکی کی کوشش کرنے والوں سے ہدایت پر پہنچانے کا وعدہ فرمایا ہے' نیز ارشاد فرمایا:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ. (البقرہ:۱۸۶) — جب آپ سے میرے بندے میرا پوچھیں تو (آپ کہیں:) میں قریب ہوں' میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں وہ جب دعا کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرنے کی اس شرط کو بیان فرمایا:

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ. (البقرہ:۱۸۶) — پس یہ بھی تو میرے حکم پر عمل کیا کریں۔

نیز فرمایا:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ. (البقرہ:۴۰) — تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو' میں تم سے کیا ہوا عہد پورا

کروں گا۔

اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ . بے شک میں تمہاری معاونت کے لیے ساتھ ہوں بہ شرطیکہ تم نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ (المائدہ:١٢)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جو ذات تقویٰ کا الہام کرتی ہے' وہی اپنے عہد کو پورا کرتی ہے' پس جب بندہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو تو اللہ عزوجل اس کو عبادات کے طریقے اور گناہوں سے بچنے کے راستے القاء اور الہام کر دیتا ہے اور اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

الہام سے مراد اچھے اور بُرے کاموں کا لزوم ہے

اس آیت کا تیسرا محمل یہ ہے کہ انسان کے لیے تقویٰ اور فجور کو لازم کر دیتا ہے' پس اس کو تقویٰ کا ثواب ہوگا اور فجور کے ارتکاب سے عذاب ہوگا اور کسی شخص کی دوسرے شخص کے فجور سے گرفت نہیں کی جائے گی' اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جب مجرد تقویٰ کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد تمام نیکیاں ہوتی ہیں اور جب تقویٰ کے ساتھ بر اور عطاء کے لفظ کا بھی ذکر کیا جائے تو پھر تقویٰ سے مراد ہوتا ہے: تمام حرام کاموں سے بچنا' جیسا کہ ان آیات میں ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ۝ اور جس نے اللہ کی راہ میں دیا ○ اور گناہ کرنے سے ڈرا اور نیک باتوں کی تصدیق کی ○ (اللیل:٦۔٥)

ان آیات کا معنی یہ ہے کہ اس نے ان تمام نیک کاموں کو کیا جن کی دنیا اور آخرت میں تحسین کی جاتی ہے اور ان تمام کاموں سے بچا' جن کی دنیا اور آخرت میں مذمت کی جاتی ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ٤٦٥۔٤٦٤' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ١٤٢٥ھ)

نیکی اور بدی کے الہام کے متعلق احادیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مؤمن متقی کے دل میں اس کا تقویٰ ڈال دیا اور فاجر کے دل میں اس کا فجور ڈال دیا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ٢٠ ص ٦٨' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝'' (الشمس:٨) تو آپ نے یہ دعا کی:

اللھم ات نفسی تقواھا و زکھا انت خیر من زکاھا انت ولیھا و مولاھا. اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اس کو پاک کر دے' تو سب سے عمدہ پاک کرنے والا ہے' تو اس کا ولی اور اس کا مولا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٧٢٢' السنۃ رقم الحدیث:٣١٩)

ابوالاسود الدؤلی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آج کل جو لوگ عمل کر رہے ہیں اور اس میں مشقت اٹھا رہے ہیں' کیا یہ وہ اعمال ہیں جو ان کے لیے مقدر ہو چکے ہیں اور ان کا فیصلہ ہو چکا ہے یا یہ از سر نو یہ کام کر رہے ہیں جس طرح ان کے نبی نے فرمایا ہے اور اس کی نبوت ان کے نزدیک دلیل سے ثابت ہو چکی ہے' میں نے کہا: نہیں! یہ وہ اعمال ہیں جو ان کے لیے مقدر ہو چکے ہیں اور ان کا فیصلہ ہو چکا ہے' حضرت عمران نے کہا: تو پھر کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ ابوالاسود نے کہا: پھر میں بہت زیادہ خوف زدہ ہو گیا' میں نے کہا: ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے اور اس کی مملوک ہے اور اس کے زیر تصرف ہے' وہ اپنے کسی فعل پر جواب دہ نہیں اور لوگوں سے ان کے ہر فعل کے متعلق سوال کیا جائے گا' پھر حضرت عمران نے

مجھ سے فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے' میں نے تم سے یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ میں تمہاری عقل کو آزماؤں۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۸' السنۃ رقم الحدیث: ۱۷۴)

الشمس: ۱۰۔۹ میں فرمایا: جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرلیا وہ کامیاب ہوگیاO اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کرلیا وہ ناکام ہوگیاO

''تزکیۃ'' اور ''تدسیۃ'' کا معنی اور ''تدسیۃ'' کے محامل

زکوٰۃ کا اصل معنی ہے: نمو اور زیادتی' جب کھیت لہلہانے لگتا ہے تو کہتے ہیں: ''زکا الزرع'' اور زکوٰۃ کا معنی ہے: تطہیر اور پاک کرنا' سو جو شخص گناہوں سے مجتنب رہا اور اس نے نیک کام کر کے اپنے صغائر معاف کرالیے اور توبہ کر کے اپنے کبائر معاف کرالیے' اس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا اور اس کا تزکیہ کرلیا۔

دوسری آیت میں ''دسّاھا'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: کسی چیز کو دوسری چیز میں چھپانا' کسی چیز کو زمین میں دفن کردینا' چھپانا' گم نام کردینا اور اس آیت میں اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) جب لوگوں میں تنگی یا ضرورت ہو تو نیک لوگ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں تاکہ فقراء ان کی طرف رجوع کریں اور بخیل خود کو چھپاتے ہیں تاکہ کوئی ضرورت مند ان سے سوال نہ کر سکے' گویا جس نے حق داروں کو ان کا حق نہیں پہنچایا' اس نے اپنے آپ کو گناہوں سے آلودہ کرلیا۔

(۲) جو شخص فاسق اور بدکار تھا' اس نے اپنے آپ کو صالحین میں شامل کرلیا تاکہ لوگ اس کو بھی نیک اور صالح سمجھیں۔

(۳) جس شخص نے اپنے آپ کو بدکاریوں اور فسق و فجور میں چھپالیا اور معصیت میں دفن کرلیا یا جس نے اپنے آپ کو گناہوں میں غرق کرلیا اور سرکشی کے سمندر میں ڈوب گیا۔

(۴) جو شخص دائماً گناہ کرتا رہا اور گناہ گاروں کی مجلس میں شریک رہا اور ان کا ہم پیالہ وہم نوالہ بنا رہا۔

(۵) جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے اعراض کرتا رہا اور گناہ کرتا رہا حتیٰ کہ وہ بھولا بسرا اور گم نام ہوگیا۔

جبر کی تقویت میں امام رازی کے دلائل

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے جبریہ کی تائید میں لکھا ہے:

ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے گم راہ کردیا اور اس کو فسق و فجور میں مبتلا کر کے ہلاک کردیا' اس کا نفس ناکام ہوگیا اور گم نام ہوگیا (امام رازی نے اللہ تعالیٰ کے لیے اضلال' اغواء اور افجار کے الفاظ لکھے ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف ان الفاظ کی نسبت کرنے سے سخت اذیت اور تکلیف پہنچی ہے کیونکہ اغواء کی نسبت تو ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی طرف کی تھی' جب اس نے کہا: ''قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ'' (الاعراف: ۱۶) چونکہ تو نے مجھے گم راہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ امام رازی کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے' وہ معتزلہ کا رد کرتے کرتے کہاں پہنچ گئے)۔

پھر امام رازی لکھتے ہیں: الواحدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ گویا اللہ سبحانہ نے اپنی سب سے افضل مخلوق کی قسم کھا کر یہ فرمایا: جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا' وہ آخرت میں کامیاب ہوگیا اور جس نے اپنے نفس کو رسوا کرلیا اس نے نقصان اٹھایا تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ انسان ہی اپنے نفس کی تطہیر کا خالق ہے اور وہی اپنے نفس کو گناہوں سے ہلاک کرتا ہے اور اس سے پہلے کوئی تقدیر نہیں ہے اور نہ کوئی قضاء ہے' یعنی اس سے پہلے اللہ کو کسی چیز کا علم تھا اور نہ اس نے اس کے موافق کسی حکم کو نافذ کیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۷۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ہم کئی بار لکھ چکے ہیں کہ تقدیر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انسان کو جب اختیار دیا جائے گا تو وہ اپنے اختیار سے نیک کام کرے گا یا گناہ کرے گا' پھر وہ جس کام کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی کام پیدا کر دیتا ہے اور شقی یا سعید ہونے کے متعلق اپنے حکم کو نافذ کر دیتا ہے اور یہی قضا و قدر ہے' اس کا علم سابق قدر اور تقدیر ہے اور اس کے مطابق حکم کو نافذ کرنا قضاء ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ ایک شخص کی مدتِ حیات بیس سال ہے' یہ تقدیر ہے اور بیس سال پورے ہونے پر اللہ تعالیٰ اس کی موت کا حکم نافذ فرما دیتا ہے' یہ اس کی قضاء ہے۔

امام رازی نے یہ کہا ہے کہ انسان کے اختیار کا کوئی خالق ہے یا نہیں' اگر اس کا کوئی خالق نہیں ہے تو پھر یہ دہریوں کا نظریہ ہے اور اگر اس اختیار کا خالق انسان ہے تو یہ اس لیے باطل ہے کہ خالق کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو' ممکن اور حادث کسی چیز کا خالق نہیں ہو سکتا اور اگر انسان کے اختیار کا خالق اللہ ہے تو پھر ہمارا مقصود ثابت ہو گیا کہ انسان کو نیک یا بد اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور یہی جبر ہے۔ صاحب عقل اپنا تجربہ کر کے دیکھ لے' کیونکہ انسان بعض اوقات کسی چیز سے بالکل غافل ہوتا ہے' پھر اچانک اس کے دل میں کسی کام کی صورت آتی ہے' پھر اس کام کی طرف اس کا دل مائل ہوتا ہے' پھر اس کام کے حصول کے لیے اس کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں آتے ہیں اور پھر انسان اس فعل کو حاصل کر لیتا ہے' پس انسان کا کسی بھی فعل کو کرنا خواہ وہ نیک ہو یا بد' اس تحریک اور شوق کے بعد ہوتا ہے' جو اس کے دل میں اچانک پیدا ہوتی ہے اور اس تحریک اور شوق میں اس کا کوئی اختیار اور دخل نہیں ہوتا اور یہی جبر ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۷۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کے دلائل کے جوابات عقلی دلائل سے

جبر کی تائید میں امام رازی کی یہ دلیل بہت قوی ہے' میں آج صبح نمازِ فجر کے بعد اس پر غور کرتا رہا' پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء کیا' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اختیار کی دو قسمیں ہیں: ایک تو مطلق اور کلی اختیار ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمایا بلاشبہ اس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' لیکن اس سے جبر لازم نہیں آتا اور ایک کسی مخصوص اور جزی کام کو کرنے کا اختیار ہے' مثلاً آج ظہر کی نماز پڑھنا یا نہ پڑھنا' اس اختیار کو انسان صادر کرتا ہے اور اس سے انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عقل سے غور و فکر اور سوچ و بچار کرتا ہے اور اس کے بعد نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے میں سے کسی ایک جانب کو اختیار کرتا ہے اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عقل کا ثمرہ ہے' اس لیے اس اختیار کے صدور سے انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا۔

امام رازی نے فرمایا ہے: انسان بالکل غافل ہوتا ہے' پھر اچانک اس کے دل میں کسی اچھے یا بُرے کام کی صورت آتی ہے اور اس صورت کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے حصول کے لیے انسان کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں آتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس صورت کو حاصل کر لیتا ہے اور یہی جبر ہے۔ امام رازی نے جبر کی اس تقریر میں ایک اہم مقدمہ کی طرف توجہ نہیں کی اور وہ یہ ہے کہ جب انسان کو مثلاً کسی گناہ کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے تو فوراً ہی اس گناہ کے حصول کے لیے اس کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں نہیں آتے بلکہ اس سے پہلے ایک مرتبہ عقل کے غور اور فکر کا ہے' انسان اس بُرائی کی دنیاوی خرابی اور اُخروی عذاب پر غور کرتا ہے اور اس کی عقل اس کو گناہ کے ارتکاب سے روکتی ہے' اگر انسان اپنی عقل سلیم کے منع کرنے اور ضمیر کی ملامت سے باز آ جاتا ہے تو یہ اس کا تقویٰ ہے اور اگر وہ اپنی عقل اور ضمیر کی آواز کو نہیں مانتا اور اپنی خواہش کے آگے سر جھکا دیتا ہے تو یہ اس کا ''الفجور'' ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بُرائی سے روکنے کے لیے عقل دی تھی' اس لیے عقل کے روکنے کے باوجود اس کا معصیت اور گناہ کا ارتکاب کر لینا' کسی طرح بھی جبر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس تہمت سے

پاک ہے کہ وہ انسان کو گناہ پر مجبور بھی کرے' پھر اس گناہ پر اس کو سزا بھی دے۔
ہم نے جو یہ کہا ہے کہ کسی گناہ کے ارتکاب سے پہلے اس کی عقل اس کو اس گناہ سے روکتی ہے' اس کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے حسب ذیل دلائل ہیں:

امام رازی کے دلائل کے جوابات' قرآن مجید کی آیات سے

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ ۝ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ (البلد: ۱۱۔۸)

کیا ہم نے انسان کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں ۝ اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے ۝ اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دو راستے دکھا دیئے ۝ پھر وہ (گناہ کو ترک کرنے اور نیکی کرنے کی) دشوار گھاٹی پر نہیں چڑھا ۝

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝ (القیامہ: ۱۵۔۱۴)

بلکہ ہر انسان کو اپنے نفس پر بصیرت ہے ۝ خواہ اپنے کتنے ہی عذر پیش کرے ۝

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جب متقی لوگوں کو شیطان گناہ کی صورت دکھاتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں' پھر یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۝

یعنی وہ گناہ کی صورت کی ترغیب پر فوراً اس کے حصول کے درپے نہیں ہوتے بلکہ اس گناہ کے عواقب اور نتائج پر غور کرتے ہیں' پھر ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ گناہ کا ارادہ نہیں کرتے۔

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ (الاعراف: ۲۰۰)

(اے مخاطب!) جب شیطان تم کو کوئی وسوسہ ڈالے (تمہارے دل میں گناہ کی صورت القاء کر کے اس کی طرف مائل اور راغب کرے) تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو (''اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم'' پڑھو) بے شک وہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے ۝

اس آیت میں بھی یہی تعلیم دی ہے کہ جب تمہارے دل میں گناہ کرنے کا شوق پیدا ہو اور اس کی تحریک ہو تو فوراً اس کے حصول کے درپے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے کام لو' غور وفکر کرو اور شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسہ اور گناہ کی صورت کو دل سے نکالنے کے لیے ''اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم'' پڑھو' اس طرح گناہ کی طرف سے تمہاری توجہ ہٹے گی اور تم گناہ سے باز آ جاؤ گے۔

امام رازی کے دلائل کے جوابات احادیث سے

احادیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں جیسے ہی گناہ کی صورت آتی ہے اور اس کا شوق اور اس کی تحریک ہوتی ہے تو وہ فوراً اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ غور وفکر کر کے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یا اس کو ترک کر دیتا ہے' ہم دیکھتے ہیں کہ کتنی مرتبہ ہمارے دل میں بُرے وسوسے آتے ہیں اور ہم ان پر عمل نہیں کرتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے سینوں میں جو وسوسے آتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمالیا ہے بہ شرطیکہ وہ اس وسوسہ کے موافق عمل نہ کریں یا کلام نہ کریں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۵۲۸ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲۔۱۲۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۰۹ سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۸۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۴۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۴۰ مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۳)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کے دل میں اچانک جن کاموں کی صورتیں آتی ہیں' اگر وہ رذائل اور معاصی کی طرف راغب کریں تو وہ وسوسہ ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی طرف راغب کریں تو وہ الہام ہے۔

واضح رہے کہ ایک وسوسہ غیر اختیاری ہوتا ہے اور دوسرا اختیاری ہوتا ہے' غیر اختیاری وہ ہے جو انسان کے دل میں ابتداءً اور اچانک آئے اور انسان اس کے دفع کرنے پر قادر نہ ہو' اس قسم کا وسوسہ تمام امتوں سے معاف ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ (البقرہ: ۲۸۶) اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔

اور وسوسہ اختیاری وہ ہے کہ انسان کے دل میں کسی ناجائز کام کی صورت آئے اور وہ اس کو اپنے دل میں جما لے اور اس کے موافق عمل کرنے کی کوشش کرے اور اس کام کے تصور سے لذت حاصل کرے' جیسے انسان کے دل میں کسی اجنبی عورت کے ساتھ ناجائز خواہش کی صورت آئے اور وہ اس کو دل میں جما لے اور اس کام کو کرنے کا منصوبہ بنائے' اسی طرح اور گناہوں کی صورتیں ہیں' تو جب تک وہ اس گناہ کو کرنے کا عزم نہ کرے یا اس پر عمل نہ کرے تو یہ وسوسہ خصوصاً اس امت کے لیے معاف ہے' علامہ نواوی نے کہا: جب کوئی انسان اپنے دل میں گناہ کا عزم کرے اور اس کو کرنے کا پکا ارادہ کرے تو وہ اپنے اعتقاد میں اور عزم میں گناہ گار ہوگا' جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے: جب میرا بندہ گناہ کا ھم (غیر پختہ ارادہ) کرے تو اس کے گناہ کو نہ لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا ایک گناہ لکھ لو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۲۸)

(الکاشف عن حقائق السنن ج ۱ ص ۲۰۰۔۱۹۹' ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث اور اس کی شرح سے واضح ہو گیا کہ انسان وسوسہ آتے ہی فوراً گناہ نہیں کرتا بلکہ کبھی اس پر عمل کرتا ہے اور کبھی اس پر عمل نہیں کرتا۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: نیکی عمدہ خُلق ہے اور گناہ وہ کام ہے جو تمہارے دل میں کھٹک رہا ہو اور تم اس کو ناپسند کرو کہ لوگ اس کام پر مطلع ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۵۵۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۸۹)

دل میں کھٹکنے کا معنی یہ ہے کہ انسان اس کام کے متعلق متردد ہو اور اس کام کے درست ہونے کے متعلق اس کو شرح صدر نہ ہو اور اس کے دل میں شک ہو اور اس کو یہ خوف ہو کہ یہ کام گناہ ہوگا۔ اس حدیث سے آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ دل میں کسی بُرے کام کی صورت آتے ہی انسان فوراً اس پر عمل نہیں کرتا' بلکہ اس پر غور وفکر کرتا ہے' اگر اس پر منکشف ہو جائے کہ یہ کام گناہ ہے اور اس پر خوفِ خدا کا غلبہ ہو تو وہ اس کام کو ترک کر دیتا ہے اور اگر وہ شہوت میں ڈوبا ہوا ہو تو وہ اس گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور یہی اس آیت کا معنی ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (الشمس: ۸) پس انسان کے نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا ۝

الحمدللہ! ہماری اس تقریر سے وہ دلیل ساقط ہو گئی' جس سے امام رازی نے یہ ثابت کیا تھا کہ انسان اپنے افعال اختیاریہ

میں مجبور ہے اور اس کا معاذ اللہ یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود انسان کو گناہ پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی اس کو سزا دیتا ہے' سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ اس ظلم سے پاک اور مبرا اور منزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (اپنے رسول کو) جھٹلایا O جب (اس قوم کا) سب سے بدبخت اٹھا O سو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو O انہوں نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں' تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار کر دیا O اور ان سے انتقام لینے سے اسے کوئی خوف نہیں ہے O (الشمس: ۱۵-۱۱)

قوم ثمود کی سرکشی اور اس کا عذاب

اس آیت میں ''طغوی'' کا لفظ ہے' ''طغوی'' کا معنی ہے: معصیت میں حد سے تجاوز کرنا' یعنی انہوں نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے رسول کی سرکشی کی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''طغوی'' سے مراد ہے: ان کا عذاب یعنی ان کو جس عذاب سے ڈرایا گیا تھا' انہوں نے اس عذاب کی تکذیب کی' درج ذیل آیتوں میں عذاب پر طغیان کا اطلاق فرمایا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ○ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ○ (الحاقہ: ۵-۴)

ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی کو جھٹلایا تھا O رہے ثمود تو وہ بہت خوف ناک آواز (طاغیہ) سے ہلاک کر دیئے گئے O

الشمس: ۱۲ میں فرمایا: جب (اس قوم کا) سب سے بدبخت اٹھا O

اس شخص کا نام قدار بن سالف تھا' اس نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں' اس واقعہ کی پوری تفصیل الاعراف: ۷۳ میں گزر چکی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں اونٹنی کا ذکر فرما رہے تھے اور اس کا ذکر فرما رہے تھے' جس نے اس کو ذبح کیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا'' (الشمس: ۱۲) آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کے لیے ایک آدمی اٹھا' اس کا نام عزیز عارم تھا' وہ اپنے قبیلہ کا بڑا تھا جیسے ابو زمعہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۵۵)

الشمس: ۱۴-۱۳ میں فرمایا: سو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو O انہوں نے اپنے رسول کو جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں۔ الایۃ

اللہ کے رسول سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں' ان کے ارشاد کا معنی یہ تھا کہ اللہ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے ڈرو اور اس اونٹنی کو چھوڑ دو' جیسے اس آیت میں فرمایا ہے:

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (الاعراف: ۷۳)

یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے بہ طور نشانی ہے' اس کو چھوڑ دو یہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے' اس کو نقصان پہنچانے کے لیے مت چھوؤ ورنہ تم کو دردناک عذاب پکڑ لے گا O

اس کا قصہ سورۃ الشعراء میں تفصیل سے گزر چکا ہے' قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنی نبوت کا معجزہ پیش کرنے کے لیے چٹان سے اونٹنی نکال کر دکھائیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے چٹان سے اونٹنی نکال دی اور ایک دن قوم کے لیے مقرر کیا کہ وہ اس دن کنویں سے پانی پئیں اور ایک دن اونٹنی کے لیے مقرر کیا' یہ بات ان کو ناگوار گزری' پھر انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں' اس اونٹنی کے ٹخنوں کے اوپر جو پٹھے تھے ان کو تلوار کے وار سے کاٹ ڈالا' اس اونٹنی

کی کونچیوں کو قدار بن سالف نے کاٹا تھا' لیکن اس آیت میں ان کی پوری قوم کی طرف اس فعل کی اضافت کی ہے کیونکہ پوری قوم اس کے فعل پر راضی تھی' انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے اس قول کی تکذیب کی تھی کہ اگر تم نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو تم پر عذاب آئے گا۔ قتادہ نے کہا ہے کہ قدار اس وقت تک اونٹنی کی کونچیں کاٹنے پر راضی نہیں ہوا' جب تک کہ اس قوم کے تمام مرد اور عورت اور چھوٹے اور بڑے اس کے تابع نہیں ہوئے۔

اس کے بعد فرمایا: تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے ان کی بستی کو ہموار کر دیا O

ان کا گناہ یہ تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا کفر کیا' حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ اس آیت میں ''دمدم'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: اس نے تباہ کر دیا اور اس نے ہلاک کر دیا' ''دمدم'' کا حقیقی معنی ہے: عذاب کو دگنا اور چوگنا کرنا اور اس کو بار بار لوٹانا' اور کسی چیز کو دوسری چیز پر منطبق کرنا یعنی عذاب کو ان پر منطبق کر دیا' اور اس کا معنی ہے: کسی بستی کو ہلاک کر کے اس کو جڑ سے اکھاڑ دینا۔

اور فرمایا: اس کو ہموار کر دیا' یعنی ان کو پیوند زمین کر کے زمین کو ان پر ہموار کر دیا' ان پر ایک خوف ناک چنگھاڑ آئی تھی' جس سے ان کے چھوٹے اور بڑے سب ہلاک ہو گئے' اس کا معنی یہ بھی ہے کہ نزول عذاب میں اس پوری امت کو برابر رکھا' چھوٹوں اور بڑوں' مردوں اور عورتوں' امیروں اور غریبوں سب پر عذاب آیا۔

الشمس: ۱۵ میں فرمایا: اور ان سے انتقام لینے سے اسے کوئی خوف نہیں ہے O

اس آیت کے دو اور محمل ہیں:

(۱) اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام کو اپنی قوم کے ہلاک ہونے کا کوئی خوف نہیں تھا اور نہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ اس قوم پر عذاب آنے سے ان کو کوئی نقصان پہنچے گا' کیونکہ وہ اپنی قوم کو پہلے ہی عذاب سے ڈرا چکے تھے اور عذاب کے وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دے دی تھی۔

(۲) جب قوم کا سب سے بدبخت قدار بن سالف اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لیے اٹھا اور اس کو اپنے انجام کا کوئی خوف نہیں تھا۔

یہ دونوں معنی بھی تقدیم' تاخیر سے ہو سکتے ہیں لیکن مربوط معنی پہلا ہے کہ اللہ نے قوم ثمود سے انتقام لیا اور اس کو ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

سورۃ الشمس کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج پندرہ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۵ء' بہ روز جمعرات بہ وقت سحر سورۃ الشمس کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے میرے رب! آپ نے اپنے فضل اور احسان سے یہاں تک تفسیر مکمل کرا دی ہے' اپنے کرم سے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' میرے تمام صغیرہ کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دیں اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھیں' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب' میرے تلامذۂ میرے قارئین اور اس کتاب کے معاونین کی اور میرے مخلص اور محب معاونین کی خصوصاً شیخ نجیب الدین صاحب کی مغفرت فرمائیں اور مجھے اور ان سب کو دنیا اور آخرت میں سرخ رو رکھیں' عزت کے ساتھ زندہ رکھیں اور عزت کی موت عطا فرمائیں اور اس کتاب کو قیامت تک فیض آفریں اور مقبول رکھیں۔

امین یا رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا ومولانا وملجانا وشفیعنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ اللیل

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام اللیل ہے کیونکہ اس سورت کی ابتداء میں ''اللیل'' کا ذکر ہے وہ آیت یہ ہے:

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ۙ (اللیل:۱) — اور رات کی قسم! جب وہ (دن کو) چھپا لے ○

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورت ''وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ۙ'' (اللیل:۱) مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نمازوں میں ''والليل اذا يغشٰى'' سورت پڑھا کرتے تھے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۴۸۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

سورۃ الشمس میں وہ کام بتائے گئے تھے جن سے اخروی فلاح حاصل ہوتی ہے اور وہ کام بتائے تھے جن سے اخروی نقصان ہوتا ہے پس فرمایا:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا ۙ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا ؕ (الشمس:۱۰۔۹) — بے شک جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا ○ اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا ○

اور سورۃ اللیل میں فرمایا:

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡيُسۡرٰى ؕ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰى ۙ وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلۡعُسۡرٰى ؕ (اللیل:۱۰۔۶) — پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ○ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ○ پس عنقریب ہم اس کو آسانی مہیا کریں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا ○ اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○ پس عنقریب ہم اس کو دشواری مہیا کر دیں گے ○

اور چونکہ یہ سورت بخیل کی مذمت میں نازل ہوئی ہے اس لیے اس کی ابتداء میں ''اللیل'' (رات) کا ذکر مناسب تھا جو ظلمت پر دلالت کرتا ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۲ ہے۔

سورۃ اللیل کے مشمولات

☆ اللیل: ۴۔۱ میں رات اور دن کی اور مذکر اور مؤنث کے خالق کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے: لوگوں کے اعمال مختلف ہیں' بعض نیکوکار ہیں اور بعض بدکار ہیں اور بعض مؤمن ہیں اور بعض کافر ہیں۔

☆ اللیل: ۱۰۔۵ میں بتایا ہے کہ لوگوں کے دو گروہ ہیں' اور ہر گروہ کا طریق کار مختلف ہے اور ہر گروہ کی اخروی جزا بھی مختلف ہے' مؤمنین اور نیک عمل کرنے والوں کی جزاء جنت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی' آخرت کی اور جزاء اور سزا کی تصدیق کی اور کافروں کی اور بدکاروں کی سزا دوزخ ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کرتے تھے اور اپنے رب عزوجل سے بے پرواہی کرتے تھے اور انہوں نے وعد اور وعید کی تکذیب کی تھی۔

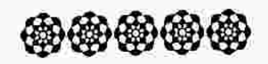
☆ اللیل: ۱۳۔۱۱ میں بتایا ہے کہ آخرت میں مال کام نہیں آئے گا اور اللہ ہی ہدایت کا منشور بنانے والا ہے اور وہی دنیا اور آخرت کا مالک ہے۔

☆ اللیل: ۱۶۔۱۴ میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے اور یہ عذاب ہر اس شخص کو ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تکذیب کرے گا۔

☆ اللیل: ۲۱۔۱۷ میں بتایا: جس شخص نے اپنا مال کسی کا بدلہ اتارنے کے لیے نہیں خرچ کیا بلکہ محض اخلاص سے اللہ کی رضا کے لیے خرچ کیا' وہ عنقریب دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اس آیت کا مصداق صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد صرف اللہ تعالیٰ کی امداد اور اسی کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے اب میں سورۃ اللیل کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اس کام میں حق اور صواب پر قائم رکھنا اور باطل اور ناصواب سے بچائے رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۵ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴



سورۃ اللیل مکیۃ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — آیاتھا ۲۱ رکوعھا ۱

سورۃ اللیل مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جونہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں اکیس آیات اور ایک رکوع ہے

وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝١ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۝٢ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ

اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپالے ○ اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو ○ اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور

الْأُنثَىٰ ۝٣ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ۝٤ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝٥ وَ

مادہ کو پیدا کیا ○ بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے ○ پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا ○

صَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝٦ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝٧ وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝٨

اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا ○ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے ○ اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا ○

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝٩ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۝١٠ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ

اور نیک باتوں کی تکذیب کی ○ پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گے ○ اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا

إِذَا تَرَدَّىٰ ۝١١ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ۝١٢ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۝١٣

مال اس کے کسی کام نہ آئے گا ○ بے شک سیدھا راستہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے ○ بے شک آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں ○

فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ۝١٤ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۝١٥ الَّذِي

پس میں تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں ○ اس میں صرف بڑا بد بخت ہی جھونکا جائے گا ○ جس نے حق کی تکذیب

كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝١٦ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝١٧ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ

کی اور اس سے پیٹھ پھیری ○ اور عنقریب اس دوزخ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے کو دور رکھا جائے گا ○ جو اپنا مال اپنے باطن کو

يَتَزَكَّىٰ ۝١٨ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۝١٩ إِلَّا ابْتِغَاءَ

پاک کرنے کے لیے دیتا ہے ○ اور اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ○ مگر اس کا مال

وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۝٢٠ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۝٢١

دینا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے ○ اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہو گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپالے O اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہو O اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ہے O بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے O (اللیل: ۴۔۱)

رات اور دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید پر دلائل

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن اور اپنی تخلیق کی قسم کھا کر یہ بتایا ہے کہ ہر انسان کی دنیا میں کوشش دوسرے سے مختلف ہوتی ہے' اس وجہ سے ہر انسان کا انجام بھی دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

اللیل: ۱ میں اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم کھائی' جس میں ہر جاندار اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر آرام کرتا ہے اور اپنی تھکاوٹ اتارتا ہے' پھر نیند اس کو ڈھانپ لیتی ہے' جس سے اس کے بدن کو راحت پہنچتی ہے اور اللیل: ۲ میں اللہ تعالیٰ نے دن کی قسم کھائی کیونکہ جب دن نکلتا ہے تو اس کی روشنی سے ہر وہ چیز منکشف ہو جاتی ہے جس کو رات کے اندھیرے نے چھپا لیا تھا' اور اس وقت تمام لوگ اپنے معاش اور روزی کو حاصل کرنے کے لیے حرکت میں آتے ہیں' پرندے اپنے اپنے گھونسلوں سے نکل آتے ہیں اور حشرات الارض اپنے اپنے بلوں سے نکل آتے ہیں' اگر رات ہی مستقل طور پر رہتی تو لوگوں کے لیے معاش کا حصول مشکل ہو جاتا' اور اگر دن ہی مستقل طور پر رہتا تو لوگ راحت اور آرام حاصل نہ کر سکتے' اس لیے اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کا سلسلہ لگاتار جاری رکھا جائے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (الفرقان: ٦٢)	وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے روانہ کر دیا۔
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ O قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O (القصص: ٧٢۔٧١)	آپ کہیے: تم یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر قیامت تک کے لیے رات کو مسلط کر دیتا تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے دن کی روشنی لاتا' کیا تم نہیں سنتے O آپ کہیے: تم یہ (بھی) بتاؤ کہ اگر اللہ تم پر قیامت تک کے لیے دن کو مسلط کر دیتا تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لاتا' جس میں تم راحت حاصل کرتے' کیا تم دیکھتے نہیں ہو O

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور رات کی قسم جب وہ چھپائے' اس کا مفعول نہیں ذکر کیا کہ وہ کس کو چھپائے' بعض نے کہا: اس سے مراد ہے: وہ سورج کو چھپائے اور بعض نے کہا: اس سے مراد ہے: وہ دن کو چھپائے اور بعض نے کہا: وہ اپنی ظلمت سے ہر چیز کو چھپالے۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ فرماتے ہیں:

رات اور دن جس کا مخلوق پر بار بار آنا جانا ہوتا ہے' ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنی توحید پر دو عظیم نشانیاں بنایا ہے' ان کو ہر شخص مانتا ہے' خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر کسی مذہب کا ماننے والا ہو یا دہریہ ہو۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۶۹)

ان کی اللہ کی الوہیت اور توحید پر اس طرح دلالت ہے کہ رات اور دن کے آنے جانے کا سلسلہ ہمیشہ سے اسی طرح جاری ہے' کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رات نہ آئے یا کبھی دن نہ آئے' اور ہمیشہ گرمیوں میں دن بڑے ہوتے ہیں اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سردیوں میں راتیں بڑی ہوتی ہیں اور دن چھوٹے ہوتے ہیں' عموماً گرمیوں میں چودہ گھنٹے کا دن اور دس گھنٹے کی

رات ہوتی ہے اور سردیوں میں چودہ گھنٹوں کی رات اور دس گھنٹوں کا دن ہوتا ہے' پھر ایسا نہیں ہوتا کہ چودہ گھنٹوں کی رات کے بعد فوراً دس گھنٹے کا دن ہو جائے بلکہ دن اور رات کا گھٹنا اور بڑھنا بہ تدریج ایک ایک منٹ سے ہوتا رہتا ہے' جس طرح سردی کے بعد گرمی فوراً نہیں آتی بہ تدریج آتی ہے' اسی طرح دن اور رات کا گھٹنا اور بڑھنا بھی تدریجاً ہوتا ہے اور یہ نظام اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت پر مبنی ہے کیونکہ اگر گرمی کے بعد فوراً سردی آ جاتی تو لوگ برداشت نہ کر سکتے' اس لیے درجہ حرارت درجہ بہ درجہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور رات اور دن اور موسموں کے تغیر کا یہ نظام ہمیشہ سے اسی طرح جاری ہے اور نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا بھی واحد ہے۔

اللیل: ۳ میں فرمایا: اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا ہے ○

نر اور مادہ کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید کی نشانی

اس آیت میں تمام مخلوق کی قسم ہے' کیونکہ کوئی مخلوق نر اور مادہ سے خارج نہیں ہے' اور رہے مخنث تو وہ بھی نر کے ساتھ لاحق ہیں' یہ اور بات ہے کہ ہمارے دور میں یہ لوگ زنانہ وضع کے ساتھ رہتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی یہ نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک مخصوص پانی (منی) سے پیدا کیا ہے اور ہمیشہ سے انسان اسی طرح پیدا ہو رہے ہیں' اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو ضرور ان کے پیدا کرنے کے طریقوں میں اختلاف ہوتا اور جب صدیوں سے انسان اس طریق واحد سے پیدا ہو رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کا پیدا کرنے والا بھی واحد ہے۔

اس کی تحقیق کہ حضرت ابن مسعود" وما خلق الذکر والانثی " کے بجائے" والذکر والانثی " پڑھا کرتے تھے

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

قرأت متواترہ میں یہ آیت اسی طرح ہے:" وما خلق الذکر والانثی " اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے:" والذکر والانثی " اور اس سے پہلے" وما خلق " نہیں پڑھتے تھے' حدیث میں ہے:

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم شام میں گئے تو ہمارے پاس حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے کہا: تم میں سے کوئی ہے جو اس آیت کو حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت کے موافق پڑھتا ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! میں ہوں' انہوں نے کہا: تم نے حضرت ابن مسعود سے آیت کو کس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ میں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود اس طرح پڑھتے تھے:" وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ○ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ○ " حضرت ابوالدرداء نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے' لیکن یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں اس طرح پڑھوں:" وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى " اور میں ان کی اتباع نہیں کروں گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۲۴)

ابوبکر الانباری نے کہا: اس قسم کی ہر حدیث مردود ہے اور اجماع کے خلاف ہے اور امام حمزۃ اور امام عاصم نے حضرت ابن مسعود سے اس آیت کی ایسی قرأت روایت کی ہے جو اجماع کے موافق ہے اور جو سند اجماع کے موافق ہو' اس کو قبول کرنا اس سند سے اولیٰ ہے جو اجماع کے مخالف ہو' اور جس نے اس حدیث کو روایت کیا ہے' ہوسکتا ہے وہ بھول گیا ہو یا غافل ہو' اور اگر حضرت ابوالدرداء کی حدیث صحیح ہو اور اس کی سند مقبول اور معروف ہو' تب بھی حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی

اللہ عنہم اس کی مخالفت کرتے تھے' لہٰذا اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے' جو صحابہ کی کثیر جماعت سے ثابت ہو اور اس کو چھوڑ دینا چاہیے جو کسی ایک صحابی کی روایت ہو کیونکہ ایک شخص کو تو نسیان ہو سکتا ہے لیکن پوری جماعت اور پوری ملت کو نسیان نہیں ہو سکتا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۷۳۔۷۲' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

یہ قرأت صرف علقمہ اور حضرت ابو الدرداء سے منقول ہے' اور ان کے علاوہ لوگوں نے '' وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰىٓ '' کی تلاوت کی ہے' اور اسی پر سب کا اتفاق ہے' حالانکہ حضرت ابو الدرداء تک سند بہت قوی ہے' اور ہو سکتا ہے کہ '' والذکر والانثی '' کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہو' اور یہ نسخ حضرت ابو الدرداء اور علقمہ تک نہ پہنچا ہو' تعجب اس پر ہے کہ حفاظ نے اس حدیث کی حضرت ابو الدرداء سے روایت کی لیکن کسی نے بھی اس کے موافق قرأت نہیں کی اور نہ اہل شام نے' اس سے بھی یہ بات قوی ہو جاتی ہے کہ '' والذکر والانثی '' کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۲۴۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ المازری نے کہا ہے کہ اس معاملہ میں اور ایسے دوسرے اُمور میں یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ پہلے یہ قرأت تھی' پھر منسوخ ہو گئی' اور جنہوں نے اس کی مخالفت کی' ان کو اس کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہو سکا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو الدرداء نے '' والذکر والانثی '' کی قرأت اس وقت کی ہو جب ان کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف نہیں پہنچا تھا' اور اس پر اجماع ہے کہ اس میں سے ہر منسوخ التلاوت آیت کو حذف کر دیا گیا ہے' اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف ظاہر ہو گیا تو پھر کسی کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ کسی نے اس کی مخالفت کی ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۴۲۶' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ کا موجودہ قرآن مجید کے خلاف پڑھنا اور ان کی توجیہات

میں کہتا ہوں کہ علامہ المازری کے اس مؤخر الذکر جواب سے اور بھی کئی اشکال دور ہو جاتے ہیں' مثلاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے' اسی طرح حافظ سیوطی نے متعدد روایات کے حوالوں سے یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید میں دو اور سورتیں بھی تھیں' سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد اور ان کو وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت ملانے کے بعد پڑھا جاتا تھا۔

امام محمد بن نصر اور امام طحاوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قنوت میں یہ دو سورتیں پڑھتے تھے: ''اللھم ایاك نعبد'' اور ''اللھم انا نستعینك''۔

قنوت کے جس حصہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے' اس کو سورۃ الحمد اور جس حصہ میں کفار کے لیے بددعا ہے اس کو سورۃ الخلع کہا جاتا تھا۔

امام ابن ابی شیبہ نے عبد الملک بن سوید الکاہلی سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قنوتِ فجر میں ان دو سورتوں کی تلاوت کرتے تھے: ''اللھم انا نستعینك ونستغفرك ونثنی علیك ولانکفرك ونخلع ونترك من یفجرك اللھم ایاك نعبد ولك نصلی ونسجد والیك نسعٰی ونحفد ونرجو رحمتك ونخشی عذابك ان عذابك بالکفار ملحق''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۷۔ رقم الحدیث: ۷۰۲۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اسی طرح متعدد روایات میں حضرت ابن عباس' حضرت ابی بن کعب' حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا وتر میں ان سورتوں کی تلاوت کرنا منقول ہے۔(الدرالمنثور ج ۸ص ۶۳۷۔۶۳۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت'۱۴۲۱ھ)

حالانکہ ہمارے پاس جو قرأت متواترہ سے ثابت قرآن مجید کا نسخہ ہے'اس میں کل ۱۱۴ سورتیں ہیں اور ان میں سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد نہیں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان سورتوں کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے اور جو صحابہ ان کی تلاوت کرتے تھے'ان کو اس کے نسخ کا علم نہیں تھا یا ان کا پڑھنا حضرت عثمان کے مصحف کے معلوم ہونے سے پہلے تھا یا وہ ان سورتوں کو قرآن مجید کی سورت کے لحاظ سے نہیں پڑھتے تھے بلکہ دعا کے اعتبار سے پڑھتے تھے اور رہا حضرت ابن مسعود کا معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار کرنا تو اوّل تو وہ صحت کے ساتھ ثابت نہیں اور ثانی یہ کہ وہ بھی حضرت عثمان کے مصحف کے معلوم ہونے سے پہلے تھا اور جب وہ مصحف معلوم اور مشہور ہو گیا تو پھر کسی کا اس سے اختلاف نہ رہا۔

یہ تحقیق مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات میں سے ہے'معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار کی حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت کی پوری تفصیل اور تحقیق ان شاء اللہ سورۃ الفلق کی تفسیر میں آئے گی۔

اللیل: ۴ میں فرمایا: بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہے O

تمام لوگوں کے اعمال کا برابر نہ ہونا

اس آیت میں جواب قسم مذکور ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رات' دن اور نر اور مادہ کی قسم کھا کر فرمایا: اس کے بندوں کے اعمال مختلف ہیں۔اس آیت میں ''شتّٰی'' کا لفظ ہے'یہ ''شتیت'' کی جمع ہے'جیسے مریض کی جمع ''مرضٰی'' ہے'''شتات'' کا معنی تباعد اور افتراق ہے'یعنی تمہارے اعمال ایک دوسرے سے بعید اور مختلف ہیں' بعض لوگوں کے اعمال گم راہی ہیں اور بعض لوگوں کے اعمال ہدایت ہیں' بعض لوگوں کے اعمال ان کو جنت تک پہنچاتے ہیں اور بعض لوگوں کے اعمال ان کو دوزخ میں جھونک دیتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ سب لوگوں کے اعمال ایک جیسے نہیں ہیں' جیسا کہ ان آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے:

لَا يَسْتَوِيٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ (الحشر: ۲۰) 	دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ○ (السجدہ: ۱۸) 	آیا جو شخص مومن ہے وہ فاسق کی مثل ہو سکتا ہے' یہ دونوں برابر نہیں ہیں O

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (الجاثیہ: ۲۱) 	کیا جو لوگ بدکاری کرتے ہیں ان کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو مؤمنوں اور نیکوکاروں کی مثل کر دیں گے کہ ان کا مرنا اور جینا برابر ہو جائے' یہ لوگ کیسا بُرا فیصلہ کر رہے ہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جس نے (اللہ کی راہ میں دیا) اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا O اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا O پس ہم عنقریب اس کو آسانی مہیا کریں گے O اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا O اور نیک باتوں کی تکذیب کی O پس عنقریب ہم اس کو دشواری مہیا کریں گے O اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا O (اللیل: ۱۱۔۵)

اللیل: ۱۰۔۵ کا خلاصہ

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اللہ کے احکام پر عمل کیا اور اس کی نافرمانی اور ناشکری کرنے سے ڈر کر اس سے بچتا

رہا' یا جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لایا اور شرک اور ناشکری کرنے سے بچتا رہا○ اور اس نے اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید یعنی ثواب اور عذاب کی خبر کی تصدیق کی○ تو ہم اس کے لیے احکامِ شرعیہ پر عمل کرنا آسان کر دیں گے اور اسلام کی حقانیت کے لیے اس کا سینہ کھول دیں گے○ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لایا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ثواب کی خبر سے بے پرواہ رہا○ اور اللہ تعالیٰ کے وعد اور وعید کی تکذیب کی○ تو ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مخالفت کو اس شخص کے لیے آسان کر دیں گے○ حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں تھے' آپ ایک تنکے سے زمین کریدنے لگے' پھر فرمایا: تم میں سے ہر شخص کا جنت میں یا دوزخ میں ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے' صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کرلیں اور عمل کو چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: عمل کرتے رہو' ہر شخص کے لیے اسی عمل کو آسان کر دیا گیا ہے' جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے' سو جو شخص اہل سعادت سے ہے' اس کے لیے اہل سعادت کے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے اور جو شخص اہل شقاوت سے ہے' اس کے لیے اہل شقاوت کے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے' پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت کی: ''فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ؕ'' (اللیل: ۷۔۵)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۶' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۶۷۸)

اللہ کی راہ میں دینے کے محامل

اللیل: ۵ میں فرمایا ہے: پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا○

اللہ کی راہ میں دینے سے مراد یہ ہے کہ اس نے نیکی کے تمام راستوں میں اپنا مال خرچ کیا' مقروض لوگوں کا قرض ادا کیا' غلاموں کو آزاد کیا' جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت گراں قیمت پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے خرید کر آزاد کیا' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس نے مال کے حقوق بھی ادا کیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کر کے اپنی جان کے حقوق بھی ادا کیے اور فرمایا: وہ اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا' یعنی ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا۔

اللیل: ۶ میں فرمایا: اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا○

''حسنٰی'' کے متعدد مصداق

اس آیت میں ''حسنٰی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: حسن اور خوبی' اچھائی' عمدگی' نیکی اور سچائی۔

اس آیت میں نیک باتوں کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ''حسنٰی'' سے مراد ''لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' کی تصدیق ہے یعنی جس شخص نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور توحید اور رسالت کی تصدیق کی کیونکہ کفر کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور گناہوں سے بچنے کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۲) ''حسنٰی'' سے مراد بدنی عبادات اور مالی عبادات کے فرائض ہیں یعنی جس شخص نے بدنی اور مالی عبادات کے فرائض کو ادا کیا اور احکامِ شرعیہ کی تصدیق کی۔

(۳) ''حسنٰی'' سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اس مال کا عوض اور بدل عطا فرماتا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ (سبا: ۳۹) اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو تو اللہ اس کا پورا بدل عطا فرمائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں' ان میں سے ایک دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس مال کا بدل عطا فرما اور دوسرا دعا کرتا ہے: اے اللہ! بخیل کے مال کو ضائع کردے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۴۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۰' السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۹۱۷۸)

اس کی تائید اس آیت میں ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ (البقرہ: ۲۶۱) جو لوگ اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات خوشے اُگائے اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے والے کو اس کے خرچ کیے ہوئے مال سے زیادہ بدل عطا فرمایا تو پھر وہ ''حسنیٰ'' ہے۔

(۴) ''حسنیٰ'' سے مراد ثواب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جنت ہے' ایک قول یہ ہے کہ ''حسنیٰ'' ایسا لفظ ہے جو ہر اچھی خصلت کی گنجائش رکھتا ہے۔

الّیل: ۷ میں فرمایا: پس عنقریب ہم اس کو آسانی مہیا کریں گے O

''یسریٰ'' کے مصداق میں متعدد اقوال

اس آیت میں ''یسریٰ'' کا لفظ ہے' اور اس کا معنی ہے: آسانی اور سہولت اور یہاں ''یسریٰ'' کے مصداق میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) ہم اس کو نیک اعمال کا طریقہ اور اچھے اور عمدہ اوصاف سے متصف ہونا سہولت سے عطا فرمائیں گے۔

(۲) بعض عبادات کو انجام دینے میں بہت مشکل اور دشواری ہوتی ہے' لیکن جب انسان کو یہ یقین ہو کہ یہ عبادات اس کو جنت کی طرف لے جائیں گی تو اس کے لیے ان مشکل اور کٹھن عبادات کو انجام دینا آسان ہو جاتا ہے۔

(۳) جب انسان کو مال کی ضرورت ہو اور اس کو مالِ حرام آسانی سے مثلاً رشوت سے مل رہا ہو تو اس کے لیے اس مالِ حرام سے دامن کش ہونا بہت مشکل ہوتا ہے' اسی طرح جب اس پر شہوت کا غلبہ ہو اور کوئی عورت اس کو حرام کام پر ترغیب دے رہی ہو تو اس وقت اس حرام کام سے اجتناب کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے' اور جب وہ دشمن سے انتقام لینے کے لیے سخت بے چین ہو اور اس کو موت کے گھاٹ اتارنے کا موقع آسانی سے میسر ہو' اس وقت اپنے غیظ و غضب پر قابو رکھنا بہت کٹھن ہوتا ہے' لیکن جس مسلمان کے دل میں خوفِ خدا اور تقویٰ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ان تمام مشکل کاموں کو آسان فرما دیتا ہے۔

الّیل: ۱۰۔۸ میں فرمایا: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہا O اور نیک باتوں کی تکذیب کی O پس عنقریب ہم اس کو دشواری مہیا کریں گے O

امام رازی کے جبر پر دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے اس آیت سے جبر کی صحت پر استدلال کیا ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم عنقریب اس کو آسانی مہیا کریں گے۔ (اللیل:۷) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو نیک اعمال کی توفیق کے ساتھ خاص کر لیا ہے اور اس کے لیے اطاعت اور عبادت کو معصیت اور گناہ کے مقابلہ میں راجح کر دیا ہے اور فرمایا: پس عنقریب ہم اس کو دشواری مہیا کریں گے۔ (اللیل:۱۰) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو معصیت کی رسوائی کے ساتھ خاص کر لیا ہے اور اس کے نزدیک معصیت اور گناہ کو اطاعت اور عبادت کے مقابلہ میں راجح کر دیا ہے اور جب تک رجحان بہ منزلہ وجوب نہ ہو تو کوئی فعل صادر نہیں ہوتا‘ اس کا معنی یہ ہے کہ مؤمن کے لیے نیک کام کرنا واجب ہے اور کافر کے لیے گناہ کرنا واجب ہے اور یہی جبر ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: قفال نے اس دلیل کے حسب ذیل جوابات دیے ہیں:

(۱) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے لیے نیک کاموں کی آسانی مہیا کرنے اور کافر کے لیے نیک کاموں کی دشواری مہیا کرنے کا جو ذکر فرمایا ہے‘ اس سے مجازاً مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن پر اپنا لطف و کرم فرماتا ہے اور وہ لطف اس کو نیک کاموں کی طرف مائل کرتا ہے اور کافر پر اس کے کفر اور تکبر کی وجہ سے وہ لطف و کرم نہیں فرماتا۔

(۲) مؤمن کے لیے نیک کاموں کی آسانی کرنے اور کافر کے لیے نیک کاموں کو دشوار کرنے کا جو اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد ہے وہ اسناد مجازِ عقلی ہے‘ جیسے درج ذیل آیت میں بتوں کی طرف گمراہ کرنے کا اسناد مجاز عقلی ہے‘ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے۔ (ابراہیم:۳۶)

(۳) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ واقع میں مؤمنوں کے لیے نیک کام کرنا آسان ہوتا ہے اور کافروں کے لیے مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے لیے نیک کام آسان کرتا ہے اور کافروں کے لیے مشکل بنا دیتا ہے۔

امام رازی ان تینوں جوابوں کا یہ کہہ کر ردّ فرماتے ہیں کہ ان آیتوں کو مجاز پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف ہے‘ خصوصاً اس لیے کہ ہم نے دلیل عقلی قطعی سے یہ ثابت کر دیا کہ جب تک کسی فعل کا صدور واجب نہ ہو وہ صادر نہیں ہو سکتا‘ پس مؤمن کا نیکی کو صادر کرنا اس وقت ہوگا‘ جب یہ صدور واجب ہو اور جب مؤمن سے نیکیوں کا صدور واجب ہو اور کافر سے ممتنع ہو تو یہی جبر ہے اور ہم نے اس صدور کو واجب اس لیے کہا ہے کہ مثلاً اگر مؤمن سے نیکیوں کا صدور ممکن ہو تو ممکن میں تو وجود اور عدم برابر ہوتے ہیں تو پھر اس کے وجود کے لیے کسی مرجح کی ضرورت ہوگی‘ پھر ہم اس مرجح میں کلام کریں گے کہ وہ واجب ہے یا ممکن ہے‘ پھر یا تو یہ سلسلہ چلتا رہے گا تو پھر تسلسل لازم آئے گا اور وہ محال ہے یا پھر ماننا پڑے گا کہ وہ مرجح واجب ہے اور واجب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی مؤمنوں کے لیے نیک اعمال کے صدور کی آسانی کو واجب کرتا ہے اور کافر کے لیے نیک اعمال کی دشواری کو واجب کرتا ہے اور یہی جبر ہے۔

پھر ہمارے اصحاب نے اس آیت کے ظاہر کو اس لیے مؤکد قرار دیا ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کا ٹھکانا معلوم ہے کہ اس کا ٹھکانا جنت میں ہے یا دوزخ میں ہم نے کہا: کیا ہم اس پر اعتماد نہ کرلیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! تم عمل کرتے رہو ہر شخص کو اسی عمل کی توفیق دی جائے گی جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۴، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۶)

امام رازی فرماتے ہیں: قفال نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○ (الذاریات: ۵۶)

امام رازی قفال کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے جواب میں فرمایا: تم عمل کرتے رہو یعنی ہر ایک کو اسی کام کی توفیق دی جائے گی جو اللہ کے علم میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۱۸۴، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مصنف کی طرف سے امام رازی کے دلائل کے جوابات

قفال نے اللیل: ۷ میں آسانی مہیا کرنے کو اور اللیل: ۱۰ میں دشواری مہیا کرنے کو مجاز پر محمول کیا اور کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم مؤمن پر اپنا لطف و کرم کریں گے تو اس کے لیے نیک کام آسان کر دیں گے اور کافر پر اپنا لطف نہیں کریں گے تو اس کے لیے نیک کام مشکل ہوں گے، امام رازی نے اس جواب کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ان آیات کو مجاز پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام رازی کا یہ رد کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ظاہر آیت پر کوئی اشکال ہو تو اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے اور یہاں ظاہر معنی پر یہ اشکال ہے کہ اگر مؤمن کے نیک کام بھی اللہ نے پیدا کیے اور کافر کے بُرے کام بھی اللہ نے پیدا کیے تو پھر مؤمن کی نیک کاموں پر تحسین کیوں کی جاتی ہے اور کافر کی بُرے کاموں پر مذمت کیوں کی جاتی ہے؟ پھر حساب، میزان، جنت، دوزخ سب باطل ہو جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ کے لیے بھیجنا بھی عبث قرار پائے گا، اس وجہ سے ان آیات کو مجاز پر محمول کیا جائے گا۔

امام رازی نے فرمایا ہے کہ دلیل عقلی قطعی سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے، ہم کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کے افعال کا خالق ہے لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کے ان ہی افعال کو پیدا فرماتا ہے جن کا وہ ارادہ کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی تحسین اور مذمت کی جاتی ہے اور ان کو جزا اور سزا دی جاتی ہے۔

امام رازی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے جبر ثابت نہیں، اس سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف کچھ نہیں ہوتا، ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کو اختیار دے گا تو وہ اپنے اختیار سے نیک کام کریں گے یا گناہ کریں گے اور جو کام وہ اپنے اختیار سے کریں گے اسی کو اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسان کر دے گا، سو اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے جنتی یا دوزخی ہونے کا علم ہے، لیکن تم اس کے علم کی وجہ سے عمل کو ترک نہ کرو کیونکہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم اپنے اختیار سے کیا کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان ہی کاموں کو آسان فرما چکا ہے۔ وللہ الحمد علیٰ ذالک

الليل: ۱۱ میں فرمایا: اور جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گاO

''تردّی'' کا معنی اور اس کا مصداق

اس آیت میں ''تـردّی'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: پہاڑ سے نیچے گرا' یا گڑھے میں گرا اور خود کو ہلاکت کے لیے پیش کیا۔

ہم نے ذکر کیا ہے کہ ''تردّی'' کا معنی ہے: پہاڑ سے گرنا' اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ. (المائدہ: ۳) اور جو جانور اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگھ مارنے سے مرا ہو۔

اور الليل: ۱۱ میں مراد یہ ہے کہ اس کو تدفین کے وقت قبر میں گرا دیا گیا ہو یا اس کو جہنم کے گڑھے میں جھونک دیا گیا ہو' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ہم نے کافر کے لیے ''العسریٰ'' کو مہیا کر دیا اور وہ دوزخ ہے تو پھر وہ مال اس کے کسی کام نہ آئے گا' جس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ بخل کرتا تھا اور اس مال کو اپنے وارث کے لیے چھوڑتا تھا اور اپنی آخرت کے لیے اس کو نہیں رکھتا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ. (الانعام: ۹۴) اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آئے ہو' جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ انسان اجر آخرت کے لیے جو نیک اعمال آگے بھیجتا ہے وہی اس کو نفع دیتے ہیں مثلاً وہ ایمان لا کر اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اللہ نے اس کے مال میں مسکینوں اور سائلوں کے جو حقوق رکھے ہیں ان کے وہ حقوق ادا کرے' نہ کہ وہ اپنے مال کو بچا بچا کر رکھے اور اپنے ورثاء کے لیے چھوڑ جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں سورۃ الليل کا نزول

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے' انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا' پھر ان کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں:

اور رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپا لےO اور دن کی (قسم) جب وہ روشن ہوO اور اس ذات کی (قسم) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیاO بے شک تمہاری کوشش ضرور مختلف ہےO (الليل: ۴۔۱) یعنی امیہ بن خلف اور حضرت ابوبکر کی کوشش ضرور مختلف ہے' امیہ اور ابی ایمان لانے والوں کو عذاب دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور حضرت ابوبکر ایمان والوں کو عذاب سے نجات دلانے کی کوشش کر رہے ہیں' پھر فرمایا: پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہاO اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہاO پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گےO یعنی حضرت ابوبکر کو جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف سے مہنگی قیمت پر خرید کر آزاد کیا' ان کو ہم جنت عطا فرمائیں گے' پھر فرمایا: اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہ رہاO اور نیک باتوں کی تکذیب کیO پس عنقریب ہم اس کو دشواری (دوزخ) مہیا کریں گےO یعنی امیہ بن خلف اور ابی بن خلف کو دوزخ میں جھونک دیں گے' یہ تفسیر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

سے منقول ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۷۱ موسسۃ الرسالۃ ناشرون ۱۴۲۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک سیدھا راستہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے O بے شک آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں O پس میں تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں O اس میں صرف بڑا بدبخت ہی جھونکا جائے گا O جس نے حق کی تکذیب کی اور اس سے پیٹھ پھیری O اور عنقریب اس دوزخ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے کو دور رکھا جائے گا O جو اپنا مال اپنے باطن کو پاک کرنے کے لیے دیتا ہے O اور اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے O مگر اس کا مال دینا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے O اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا O (اللیل: ۲۱۔۱۲)

اللیل: ۱۲ میں فرمایا: بے شک سیدھا راستہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے O

اس آیت کی توجیہات کہ اللہ پر ہدایت دینا واجب ہے

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: "اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۞" (اللیل: ۱۲) اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے: ہم پر ہدایت دینا واجب ہے کیونکہ "علیٰ" وجوب کے لیے آتا ہے اور اس سے معتزلہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ بندوں کے فائدہ کے لیے کام کرے اور اس پر واجب ہے کہ جو کام بندوں کے لیے نقصان دہ ہو اس کو نہ کرے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں ہے بندوں کو ہدایت دینا اور ان کے فائدہ کے کام کرنا اس پر واجب نہیں یہ محض اس کا لطف و کرم ہے اسی طرح نیک مومنین کو جنت عطا فرمانا اس کا فضل ہے اور بدکار کافروں کو دوزخ میں جھونکنا اس کا عدل ہے۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ لفظ "علیٰ" وجوب کے لیے آتا ہے تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے قرآن مجید میں بہت مقامات پر "علیٰ" وجوب کے لیے نہیں ہے مثلاً ان آیات میں:

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ. (المائدہ: ۳) اور جو جانور بتوں کے لیے ذبح کیے گئے ہوں۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ. (النحل: ۹) اور سیدھی راہ پر چلانا اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔

وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ط. (الانعام: ۳۰) اور کاش آپ دیکھتے جب وہ اپنے رب کے لیے کھڑے ہوں گے۔

لہٰذا اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا: بے شک ہماری عبادت کے لیے ضرور بندوں کو ہدایت دینا ہے یا بے شک سیدھا راستہ دکھانا ضرور ہمارے ذمہ کرم پر ہے یا جو شخص ہم سے ہدایت طلب کرے اس کو ہدایت دینا ہمارا لطف و کرم ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط. (العنکبوت: ۶۹) اور جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنے راستہ کی ہدایت دیتے ہیں۔

اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے جس شخص سے ہدایت پر چلنے کے انعام کا وعدہ کیا ہے اس وعدہ کو پورا کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

اللیل: ۱۳ میں فرمایا: بے شک آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں O

اللہ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دینے کی مذمت

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر بتوں کی عبادت کو ترجیح دیتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے کہ تم کو معلوم ہے کہ دنیا اور آخرت ہماری ملک میں ہے اور بتوں کی ملک میں نہیں ہے پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو جو دنیا اور

آخرت کے مالک نہیں ہیں' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔

اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ تم ایمان لا کر اللہ کی راہ میں کیوں خرچ نہیں کرتے اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کیوں بخل کرتے ہو اور بے پرواہی برت رہے ہو' حالانکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہی تم کو دنیا اور آخرت میں اس کا نفع ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا اور آخرت کا مالک ہے۔

الّیل:۱۴ میں فرمایا: پس میں تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا چکا ہوں O

اس آیت میں ''تَلَظّٰی'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''تَلَظِّی'' ہے' اس کا معنی ہے: آگ کا لپٹیں مارنا' شعلے بلند کرنا اور بھڑکنا۔

اس آیت میں کفار کو بھی ڈرایا گیا ہے اور مؤمنین فساق کو بھی۔

الّیل:۱۶۔۱۵ میں فرمایا: اس میں صرف بڑا بدبخت ہی جھونکا جائے گا O جس نے حق کی تکذیب کی اور اس سے پیٹھ پھیری O

الّیل:۱۶ سے معتزلہ اور مرجئہ کا اپنے اپنے مذہب پر استدلال اور ان کے جوابات

یہ آیت اہل سنت و جماعت کے مؤقف کے موافق ہے کہ دوزخ میں دائمی عذاب کے لیے کفار ہی کو جھونکا جائے گا اور فساق مؤمنین اور مرتکب کبائر دائمی عذاب کے لیے دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے اور چونکہ یہ آیت معتزلہ کے مسلک کے خلاف تھی' اس لیے انہوں نے اس آیت کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں تکذیب کی حقیقت مراد نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے' ان کا ارتکاب کرتے ہیں' وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عملاً تکذیب کرتے ہیں' لہٰذا جو مؤمنین مرتکبین کبائر ہیں' وہ بھی اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے ہیں اور اس سے روگردانی کرنے والے ہیں' کیونکہ ابتداء میں تو وہ توحید پر ایمان لائے اور بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنی خواہشوں پر عمل کرنے لگے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنے سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا مکذب نہیں ہوتا کیونکہ بہت آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فاسق مومن کو مکذب نہیں قرار دیا بلکہ اس پر مؤمن کا اطلاق کیا ہے' مثلاً فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ (البقرہ:۱۷۸) — اے ایمان والو! تم پر مقتولین میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔

قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور قاتل مرتکب کبیرہ ہوتا ہے اور اس آیت میں اس پر مؤمن کا اطلاق فرمایا ہے' لہٰذا واضح ہو گیا کہ مرتکب کبیرہ اللہ تعالیٰ کا مکذب نہیں ہوتا۔

اس آیت سے مرجئہ نے بھی استدلال کیا ہے' مرجئہ کا مؤقف یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد کسی معصیت اور گناہ سے مؤمن کی گرفت اور پکڑ نہیں ہوگی' ان کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ دوزخ میں وہی داخل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرے اور اس کے حکم سے پیٹھ پھیرے اور مؤمن خواہ گناہ کبیرہ کرے یا صغیرہ' وہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والا ہے نہ اس کے حکم سے پیٹھ پھیرنے والا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دوزخ کے متعدد طبقات ہیں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (النساء:۱۴۵) — بے شک منافقین دوزخ کی آگ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

اس لیے یہ ہوسکتا ہے کہ جن کفار اور منافقین نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی اور اس کے احکام سے روگردانی کی وہ دوزخ کی زیادہ بھڑکتی ہوئی آگ کے طبقہ میں ہوں' اور جن مؤمنین نے صرف گناہ کبیرہ کیا' ان کو تطہیر کے لیے اس سے کم درجہ کے آگ کے طبقہ میں ڈالا جائے' اور مؤمن مرتکب کبیرہ کے عذاب کی دلیل یہ آیات ہیں:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ (الماعون: ۷-۴)

ان نمازیوں کے لیے ویل نامی دوزخ کی وادی کا عذاب ہے ۝ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں ۝ جو دکھاوے کے لیے عبادت کرتے ہیں ۝ اور معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں ۝

اس لیے یہ ہوسکتا ہے کہ دوزخ کے اس خاص طبقہ میں صرف مکذب داخل ہوں اور مؤمن مرتکب کبیرہ کے لیے دوزخ کا کوئی اور طبقہ ہو۔

فساق مؤمنین کے متعلق اہل سنت و جماعت کا مؤقف

جن مؤمنین مرتکبین کبائر کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے' مثلاً سود خوروں' زانیوں' یتیم کا مال کھانے والوں' شرابیوں' جھوٹوں اور بے نمازیوں کو' ہم ان کو دی ہوئی وعیدوں کا انکار نہیں کرتے' اگر انہوں نے مرنے سے پہلے توبہ صحیحہ نہیں کی اور گناہوں کی تلافی نہیں کی تو وہ ضرور عذاب کی ان وعیدوں کے مستحق ہیں الا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت فرمادیں اور یا اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل محض سے معاف فرمادے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو آخرت میں عذاب دیا جائے مگر یہ عذاب کفار اور مکذبین کے عذاب سے کم ہوگا' کیفیت میں بھی کم ہوگا اور مقدار میں بھی کم ہوگا' کفار کا عذاب ان کی توہین کے لیے ہوگا اور مؤمنین مرتکبین کبائر کا عذاب تطہیر کے لیے ہوگا۔

اللیل: ۱۸-۱۷ میں فرمایا: اور عنقریب اس دوزخ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے کو دور رکھا جائے گا ۝ جو اپنا مال اپنے باطن کو پاک کرنے کے لیے دیتا ہے ۝

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ جو شخص سب سے زیادہ اللہ سے ڈرے' وہ اپنے تقویٰ' اپنے نیک اعمال اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے دور رکھا جائے گا۔

کسی کے احسان کا بدلہ دینے کے لیے صدقہ کا جواز اور محض اخلاص سے صدقہ دینے کا افضل ہونا

اللیل: ۲۱ تا ۱۹ میں فرمایا: اور اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ۝ مگر اس کا مال دینا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے ۝ اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا ۝

یعنی وہ شخص صرف اللہ کی رضا کے لیے زکوٰۃ اور صدقات دیتا ہے' کسی کا بدلہ اتارنے کے لیے زکوٰۃ اور صدقات نہیں دیتا ہے' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کی نیکی کا بدلہ دینے کے لیے اس کا زکوٰۃ اور صدقات دینا جائز نہیں ہے' بلکہ یہ بھی جائز ہے' قرآن مجید میں ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ (الرحمٰن: ۶۰)

نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے ۝

لیکن اس سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی کے ساتھ نیکی کی جائے اور اس کو صدقہ دیا جائے' اس کے بعد فرمایا: اور عنقریب اس کا رب ضرور راضی ہوگا اور اس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اس شخص کو اس کا رب اتنی جزا دے گا کہ وہ اپنے رب سے راضی ہوجائے گا۔

حضرت ابوبکر کے حضرت بلال اور دیگر چھ غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کے متعلق روایات

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' انہوں نے محض اللہ کی رضا کے لیے چھ یا سات غلاموں کو آزاد کیا تھا' ان غلاموں کا حضرت ابوبکر پر کوئی احسان نہیں تھا کہ یہ کہا جائے کہ ان کا بدلہ اتارنے کے لیے ان کو حضرت ابوبکر نے خرید کر آزاد کیا تھا' ان کے آزاد کیے ہوئے غلاموں میں حضرت بلال اور حضرت عامر بن فہیرہ تھے۔

(جامع البیان رقم الحدیث:٢٩٠٣٤۔ جز ٣٠ص ٢٨٠' دارالفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

امام عبدالرحمان بن محمد بن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا' جنہیں اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب دیا جارہا تھا' وہ یہ ہیں: (١) حضرت بلال (٢) حضرت عامر بن فہیرہ (٣) حضرت نہدیہ (٤) اور ان کی بیٹی (٥) زنیرہ (٦) ام عیسیٰ (٧) بنومؤمل کی باندی اور ان کے غلام خرید کر آزاد کرنے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ١٠ص ٣٤٤١۔ رقم الحدیث: ١٩٣٦٧' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ١٤١٧ھ)

امام ابن ہشام متوفی ٢١٨ھ اور امام الحسین بن مسعود التوفی ٥١٦ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت بلال کا نام بلال بن رباح ہے' ان کی والدہ کا نام حمامۃ تھا' حضرت بلال صادق الاسلام اور طاہر القلب تھے' یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے' جب خوب دھوپ گرم ہو جاتی تو امیہ ان کو باہر نکالتا اور ان کو مکہ کی پتھریلی زمین پر لٹا کر گھسیٹتا' پھر بہت وزنی پتھر کو ان کے سینہ پر رکھنے کا حکم دیتا' پھر کہتا: تم جب تک مر نہ گئے نہیں میں تم کو یونہی عذاب دیتا رہوں گا' ورنہ تم محمد کے رسول ہونے کا انکار کرو' اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی آزمائش کی حالت میں پکارتے: ''احد احد'' (اللہ واحد ہے' اللہ واحد ہے)۔ امام محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن اسی طرح حضرت بلال کو عذاب دیا جارہا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا' آپ نے امیہ سے کہا: تمہیں اس مسکین کو عذاب دینے سے خدا کا خوف نہیں آتا؟ امیہ نے کہا: تم نے ہی اس کا دین فاسد کیا ہے' اب تم جس طرح چاہو اس کو چھڑا لو' حضرت ابوبکر نے فرمایا: میرے پاس ایک حبشی غلام ہے جو اس سے زیادہ مضبوط اور قوی ہے اور وہ تمہارے دین پر ہے (یعنی مشرک ہے)' میں تم کو حضرت بلال کے بدلہ میں اس کو دے دیتا ہوں' امیہ نے کہا: مجھے منظور ہے' پھر حضرت ابوبکر نے اپنا غلام امیہ کو دے کر اس سے حضرت بلال کو لے لیا اور ان کو آزاد کر دیا' پھر ان کے ساتھ اور چھ غلاموں کو خرید کر آزاد کیا' جن کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں عذاب دیا جاتا تھا' ان کے نام یہ ہیں: (١) عامر بن فہیرہ' یہ غزوۂ بدر اور احد میں حاضر ہوئے اور بیر معونہ کے دن شہید ہوئے (٢) ام عمیس (٣) زنیرہ' ان کی بینائی چلی گئی تھی' حضرت ابوبکر نے ان کو آزاد کر دیا' قریش نے کہا: ان کی بینائی لات اور عزیٰ نے سلب کی ہے' حضرت زنیرہ نے کہا: یہ جھوٹ بولتے ہیں' لات اور عزیٰ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی (٥۔٤) اور حضرت ابوبکر نے نہدیہ اور اس کی بیٹی کو آزاد کر دیا' یہ دونوں بنوعبد الدار کی ایک عورت کی باندیاں تھیں' حضرت ابوبکر ان کے پاس سے گزرے' ان کو ان کی مالکہ نے لکڑیاں چننے کے لیے بھیجا تھا' اور وہ کہہ رہی تھی: اللہ کی قسم! میں تم دونوں کو کبھی آزاد نہیں کروں گی' حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے ام فلاں! ایسا نہ کہو' وہ کہنے لگی: ہرگز نہیں! تم نے ہی ان کو خراب کیا ہے' تم ان دونوں کو آزاد کر دو' حضرت ابوبکر نے پوچھا: کتنے میں؟ اس نے کہا: اتنے اور اتنے میں' حضرت ابوبکر نے فرمایا: میں نے ان کو خرید لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں (٦) اور حضرت ابوبکر بنو المؤمل کی باندی کے پاس سے

گزرے اس کو عذاب دیا جارہا تھا' آپ نے اس کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

سعید بن المسیب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت بلال کو خریدنے کے وقت حضرت ابوبکر نے امیہ سے کہا: تم اس کو فروخت کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں! میں اس کو نسطاس کے عوض فروخت کرتا ہوں' اور نسطاس حضرت ابوبکر کا غلام تھا' اور اس کی ملکیت میں دس ہزار دینار اور غلام اور باندیاں اور مویشی تھے' حضرت ابوبکر نے اس سے کہا: تم مسلمان ہو جاؤ تو یہ سب مال تمہارا ہو جائے گا' اس نے انکار کر دیا' جس وجہ سے حضرت ابوبکر اس سے ناراض ہو گئے اور جب امیہ نے کہا: میں بلال کو نسطاس کے عوض بیچتا ہوں تو حضرت ابوبکر نے اس کو غنیمت جانا اور نسطاس کے عوض حضرت بلال کو خرید لیا۔ اس وقت مشرکین نے کہا: ابوبکر نے جو بلال کو اتنی مہنگی قیمت پر خریدا ہے تو ضرور بلال نے ابوبکر پر کوئی احسان کیا ہوگا جس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابوبکر نے بلال کو اتنی مہنگی قیمت پر خریدا ہے' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ (اللیل: ۲۱۔۱۹)

اس پر کسی کا کوئی (دنیاوی) احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے ○ انہوں نے کسی کا بدلہ اتارنے کے لیے یہ نیکی نہیں کی ○ لیکن اس کا مال دینا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے لیے کی ہے ○

اور عنقریب ان کا رب ان کو آخرت میں جنت میں اتنی عزت اور کرامت عطا فرمائے گا کہ وہ اپنے رب سے راضی ہو جائیں گے۔

(السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۳۵۵۔۳۵۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۶۴' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر ہیں' اس پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور شیعہ اس روایت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' اس پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ (المائدہ: ۵۵)

اور وہ حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں ○

اور اس سورت میں فرمایا ہے:

الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۚ﴿۱۸﴾ (اللیل: ۱۸۔۱۷)

سب سے زیادہ متقی ہے ○ جو اپنا مال زکوٰۃ (پاکیزگی) کے لیے خرچ کرتا ہے ○

اور اس آیت میں زکوٰۃ دینے سے حضرت علی کے حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے کی طرف اشارہ ہے اور جب بعض شیعہ علماء نے میرے سامنے یہ دلیل پیش کی تو میں نے کہا: میں اس پر عقلی دلیل قائم کرتا ہوں کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابوبکر ہیں اور اس کی تقریر یہ ہے کہ اس "اتقٰی" سے مراد وہ ہے جو افضل الخلق ہو' اور جب اس طرح ہو تو پھر واجب ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر ہیں' ہم نے جو یہ کہا ہے کہ "الاتقٰی" سے مراد افضل الخلق ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات: ۱۳)

بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

پس اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ جو سب سے زیادہ متقی ہو وہی سب سے زیادہ افضل ہے' پس اب ہم کہتے ہیں کہ اس پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الخلق حضرت ابوبکر ہیں یا حضرت علی ہیں' اور اس آیت کو حضرت علی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''الاتــقٰـی'' وہ ہے جس پر کسی کا دنیاوی احسان نہ ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت دنیاوی احسان ہیں' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ان کے والد سے لے کر ان کی پرورش کی' ان کو کھلایا اور پلایا اور پہنایا' سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر دنیاوی احسان کرنے والے تھے' جس کی جزا ان پر واجب تھی' اور رہے حضرت ابوبکر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر کوئی دنیاوی احسان نہیں تھا' بلکہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کرتے تھے' ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر پر ہدایت دینے اور دین کی تعلیم دینے کے دینی احسانات تھے لیکن ان احسانات کا کوئی امتی بدلہ نہیں دے سکتا' نہ ان کا بدلہ دیا جاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ. آپ کہیے: میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا۔ (الفرقان: ۵۷)

پس واضح ہوگیا کہ اس آیت میں احسان سے مراد دنیاوی احسان ہے اور صرف حضرت ابوبکر ہی ایسے شخص ہیں جن پر کسی کا کوئی دنیاوی احسان نہیں ہے' اس کے برخلاف حضرت علی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت دنیاوی احسان ہیں اور جب اس آیت میں ''الاتقٰی'' سے مراد حضرت علی نہیں ہیں تو پھر متعین ہوگیا کہ اس آیت میں ''الاتقٰی'' سے مراد حضرت ابوبکر ہیں اور وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الخلق ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۸۸' دار احیاء التراث العربی' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور افضلیت میں احادیث اور آثار

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوش خبری سنو! تم دوزخ سے اللہ کے عتیق (آزاد کردہ ہو)' میں کہتی ہوں: اس دن سے حضرت ابوبکر کا نام عتیق پڑ گیا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۹' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۴۰۳)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ابھی ابھی حضرت جبریل آئے' انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت داخل ہوگی' پھر حضرت ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! میری خواہش ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں' حتیٰ کہ میں بھی اس دروازہ کو دیکھوں' تب آپ نے فرمایا: سنو اے ابوبکر! تم میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۵۲' جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۴۰۴)

(۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا: اللہ عزّ وجل نے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ وہ دنیا میں رہے یا اس کے پاس رہے تو اس بندہ نے اللہ کے پاس رہنے کو اختیار کر لیا' پس حضرت ابوبکر رونے لگے تو ہم کو ان کے رونے پر تعجب ہوا کہ ایک بندہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے کے متعلق یہ کیوں رو رہے ہیں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ بندے تھے جن کو اختیار دیا گیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ عالم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اپنے مال اور اپنی رفاقت سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں اور اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن ان کے ساتھ

اسلام کی اخوت اور محبت ہے' مسجد کے ہر دروازے کو بند کر دیا جائے' سوائے ابوبکر کے دروازہ کے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۸۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۶۰' مسند احمد ج ۳ ص ۱۸)

(۴) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا' میں نے دل میں سوچا کہ اگر میں حضرت ابوبکر سے بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ سکتا ہوں' میں اپنا آدھا مال لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا بچایا ہے؟ میں نے کہا: اتنا ہی' اور حضرت ابوبکر اپنا کل مال لے کر آ گئے' آپ نے پوچھا: اے ابوبکر! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے' تب میں نے دل میں کہا: میں حضرت ابوبکر سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۶۷۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۷۵' سنن دارمی رقم الحدیث:۱۶۶۷)

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا: حضرت ابوبکر ہمارے سردار ہیں' ہم میں سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۵۶' جامع الاصول رقم الحدیث:۶۴۱۳)

(۶) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر اپنے کپڑے کو ایک طرف سے پکڑے ہوئے آئے' حتیٰ کہ انہوں نے اپنے گھٹنے سے اپنا کپڑا اٹھایا' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا صاحب کسی سے جھگڑ کر آ رہا ہے' پھر حضرت ابوبکر نے سلام کر کے کہا: میرے اور عمر بن الخطاب کے درمیان کچھ رنجش ہو گئی' پس میں نے جلدی کی' میں نادم ہوا اور میں نے ان سے سوال کیا کہ وہ مجھے معاف کر دیں' انہوں نے مجھے اس کا انکار کیا تو میں آپ کے پاس آ گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: اے ابوبکر! تمہیں اللہ معاف فرمائے' پھر حضرت عمر نادم ہوئے اور حضرت ابوبکر کے گھر گئے' پھر پوچھا: کیا یہاں ابوبکر ہیں؟ گھر والوں نے کہا: نہیں' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا' حتیٰ کہ حضرت ابوبکر ڈر گئے اور وہ اپنے گھٹنوں پر بیٹھ کر کہنے لگے: یا رسول اللہ! میں ہی ظلم کرنے والا تھا' انہوں نے یہ جملہ دو بار کہا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا' تم لوگوں نے مجھے جھوٹا کہا اور ابوبکر نے کہا: آپ نے سچ کہا اور اپنے مال اور اپنی جان سے میری مدد کی' پھر دو بار فرمایا: کیا تم میرے لیے میرے صاحب کو چھوڑنے والے ہو؟ اس کے بعد حضرت ابوبکر کو ایذاء نہیں دی گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۶۱۔۴۶۴۰' جامع الاصول رقم الحدیث:۶۴۱۴)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جن لوگوں میں ابوبکر ہوں' ان میں ان کے سوا اور کسی کو امامت نہیں کرنی چاہیے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۷۳' جامع الاصول رقم الحدیث:۶۴۱۵)

(۸) حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدید ہو گیا اور میں بھی لوگوں کی جماعت میں آپ کے پاس تھا' آپ کو حضرت بلال نے نماز کے لیے بلایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' سو ہم گئے' اس وقت حضرت عمر لوگوں میں تھے اور حضرت ابوبکر حاضر نہ تھے' میں نے کہا: اے عمر! آپ کھڑے ہوں اور لوگوں کو نماز پڑھائیں' حضرت عمر نے آگے بڑھ کر اللہ اکبر کہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز بلند تھی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آواز سنی تو فرمایا: ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ انکار کرے گا اور مسلمان انکار کریں

گئے‘ یہ آپ نے دوبار فرمایا‘ وہ اس وقت آئے جب حضرت عمر نماز پڑھا چکے تھے‘ پھر حضرت ابوبکر نے لوگوں کو نماز پڑھائی‘ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حجرہ سے سر باہر نکال کر غصہ سے فرمایا: نہیں‘ نہیں! لوگوں کو ابوقحافہ کا بیٹا نماز پڑھائے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۰‘ جامع الاصول رقم الحدیث: ۶۴۱۶)

(۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو جائے اور ایک امیر تم میں سے ہو جائے‘ پھر ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا‘ پس تم میں سے کون خوشی سے چاہتا ہے کہ وہ ابوبکر پر مقدم ہو‘ مسلمانوں نے کہا: ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم ابوبکر پر مقدم ہوں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۱‘ سنن نسائی ج ۲ ص ۷۴‘ بیروت‘ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۴)

(۱۰) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور آپ کا مرض شدید ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں‘ حضرت عائشہ نے کہا: یارسول اللہ! ابوبکر نرم دل آدمی ہیں‘ جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے‘ آپ نے فرمایا: تم ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں‘ حضرت عائشہ نے دوبارہ یہی کہا‘ آپ نے پھر فرمایا: تم ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں‘ تم یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو‘ پھر حضرت ابوبکر کے پاس بلانے والا گیا اور حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۸۵‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۲۰‘ مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۲)

(۱۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے ایام میں پیر کے دن حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور مسلمان صف باندھے ان کے پیچھے کھڑے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا‘ آپ نے کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھا‘ گویا آپ کا چہرہ قرآن کے ورق کی طرح تھا‘ پھر آپ ہنستے ہوئے مسکرائے‘ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی خوشی میں لگتا تھا کہ ہم نماز توڑ دیں گے‘ پھر حضرت ابوبکر اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے آئے تا کہ آپ صف سے مل جائیں‘ ان کا گمان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے باہر آ رہے ہیں‘ پھر ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ تم نماز مکمل کرو اور آپ نے حجرہ کا پردہ گرادیا اور اسی دن آپ کی وفات ہوگئی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۸‘ صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۱۹‘ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۶۲۴‘ شمائل ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۵‘ مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۰)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: تم حوض پر میرے صاحب ہو گے اور تم غار میں میرے صاحب تھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۶۷)

(۱۳) عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ بُرا سلوک کب کیا تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ عقبہ بن ابی معیط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا‘ اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے‘ اس نے اپنی چادر آپ کے گلے میں ڈال کے آپ کا گلا گھونٹنا شروع کیا اور بہت زور سے گلا گھونٹنے لگا‘ پھر حضرت ابوبکر آ گئے اور انہوں نے اس کو دھکا دے کر دفع کیا اور کہا: تم اس شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے‘ حالانکہ یہ اپنے رب کے پاس سے معجزات لے کر آیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۸‘ مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۴)

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے‘ اس وقت آپ کے اصحاب میں کسی کے بھی

کھچڑی بال (سیاہ اور سفید ملے جلے بال) نہیں تھے' سوا حضرت ابوبکر کے' انہوں نے ان بالوں کو مہندی اور سیاہ رنگ سے رنگ کر چھپالیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۹۱۹)

(۱۵) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو وہ رونے لگے اور کہا: میں یہ چاہتا تھا کہ میرے تمام اعمال مل کر حضرت ابوبکر کے ایک دن کے عمل کی طرح ہو جاتے اور ان کی ایک رات کے عمل کی مثل ہو جاتے' رہی رات تو یہ وہ رات تھی جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں گئے' جب وہ دونوں غار تک پہنچ گئے تو حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! آپ اس میں نہ داخل ہوں' حتیٰ کہ آپ سے پہلے میں داخل ہوں' پھر حضرت ابوبکر نے غار میں داخل ہو کر دیکھا تو اس میں ایک جانب سوراخ تھے' انہوں نے اپنی چادر پھاڑ کر ان سوراخوں کو بند کر دیا' دو سوراخ باقی رہ گئے' ان میں حضرت ابوبکر نے اپنے دونوں پیر داخل کر دیئے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اب آپ آ جائیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل ہوئے اور حضرت ابوبکر کی گود میں سر رکھ کر سو گئے' حضرت ابوبکر کے پیر میں ڈنک لگا' لیکن انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیدار ہونے کے خدشہ سے بالکل حرکت نہیں کی' پھر درد کی شدت سے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر گرے' آپ نے پوچھا: اے ابوبکر کیا ہوا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' مجھے ڈنک لگا ہے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ اپنا لعاب دہن ڈالا تو حضرت ابوبکر کا درد جاتا رہا' بعد میں وہ درد پھر لوٹ آیا اور وہی ان کی موت کا سبب بن گیا اور رہا ان کا دن تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور عرب کے لوگ مرتد ہو گئے اور کہا: ہم زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے تو حضرت ابوبکر نے کہا: اگر یہ زکوٰۃ میں ایک بکری کا بچہ (یا رسی) دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا' پس میں نے کہا: اے رسول اللہ کے خلیفہ! لوگوں کے ساتھ الفت سے پیش آئیں اور ان کے ساتھ نرمی کریں' حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا: کیا تم زمانۂ جاہلیت میں قوی اور سخت تھے اور اسلام میں کمزور اور نرم ہو گئے ہو؟ بے شک اب وحی منقطع ہو چکی ہے اور دین مکمل ہو گیا ہے' کیا میری زندگی میں دین کی مخالفت کی جائے گی!

(جامع الاصول رقم الحدیث:۶۴۲۶' الریاض النضرۃ ص ۱۰۵۔۱۰۴)

(۱۶) حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں ہجرت کا واقعہ سنایا اور کہا: ہم مکہ سے روانہ ہوئے اور ایک رات اور ایک دن سفر کرتے رہے' حتیٰ کہ ہم کو دوپہر کا وقت ہو گیا' پھر میں نے نظر اٹھا کر دیکھا کہ کہیں مجھے سائے کی جگہ نظر آئے' پھر مجھے ایک چٹان نظر آئی' میں نے دیکھا تو اس کا سایہ تھا' میں نے اس جگہ کو صاف کیا اور اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر بچھایا' پھر میں نے آپ سے کہا: اے اللہ کے نبی! آپ یہاں لیٹ جائیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے' پھر میں اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کوئی ہمیں تلاش تو نہیں کر رہا' پھر میں نے ایک بکریاں چرانے والے کو دیکھا' وہ اپنی بکریوں کو چرا کر اس چٹان کی طرف لا رہا تھا' وہ بھی اسی چٹان کے سائے کی جستجو میں تھا' جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا' میں نے اس سے پوچھا: تم کس کے غلام ہو؟ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا' جس کو میں پہچانتا تھا' میں نے اس سے پوچھا: تمہاری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا: ہاں' میں نے اس سے پوچھا: آیا تم ہمارے لیے دودھ دوہو گے؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے اس کو ایک بکری باندھنے کے لیے کہا' پھر میں نے اس سے کہا: اپنے ہاتھ صاف کر لو' پھر اس نے میرے لیے دودھ دوہا' میں نے اسی دودھ کو چمڑے کے ایک مشکیزے میں ڈالا' پھر دودھ میں کچھ پانی ڈال کر اس کو ٹھنڈا کیا' پھر میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا' اس وقت آپ

بیدار ہو چکے تھے' میں نے کہا: یارسول اللہ! دودھ پییں' آپ نے اتنا دودھ پیا حتیٰ کہ میں راضی ہو گیا' پھر میں نے کہا: یارسول اللہ! اب کوچ کریں' آپ نے فرمایا: ہاں' ہم روانہ ہوئے اور لوگ ہمارا پیچھا کر رہے تھے' ان میں سے کوئی ہم تک نہیں پہنچ سکا' سوائے سراقہ بن مالک کے' وہ ایک گھوڑے پر سوار تھا' میں نے کہا: یارسول اللہ! یہ تو ہم تک آ پہنچا ہے' آپ نے فرمایا: تم خوف نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۰۹)

(۱۷) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میں غار میں تھا' میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کے نیچے دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا' آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے متعلق کیا گمان ہے جن میں کا تیسرا اللہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ص ۷' مسند البزار رقم الحدیث: ۳۶)

(۱۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے افضل قرار دیتے تھے' پس ہم سب سے افضل حضرت ابوبکر کو قرار دیتے' پھر حضرت عمر بن الخطاب کو' پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۵)

(۱۹) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی' آپ نے اس سے فرمایا: تم پھر آنا' اس نے کہا: یہ فرمائیں' اگر میں پھر آپ کو نہ پاؤں؟ گویا کہ وہ یہ کہہ رہی تھی کہ آپ کی وفات ہو چکی ہو' آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر تم مجھے نہ پاؤ تو پھر ابوبکر کے پاس آنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۵۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۶' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۷۶)

(۲۰) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذات السلاسل کے لشکر میں امیر بنا کر بھیجا' میں آپ کے پاس آیا اور میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ' پھر میں نے پوچھا: اور مردوں میں؟ آپ نے فرمایا: ان کے والد' میں نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: عمر بن الخطاب' پھر انہوں نے کئی آدمیوں کو گنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۸۸۵)

(۲۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک چرواہا اپنی بکریوں میں تھا' ان پر ایک بھیڑیے نے حملہ کیا اور ایک بکری کو پکڑ لیا' چرواہے نے اس سے وہ بکری چھینی تو بھیڑیا اس چرواہے کی طرف مڑ کر کہنے لگا' درندوں کے دن میں ان بکریوں کا کون محافظ ہوگا؟ جس دن میرے سوا بکریوں کا کوئی محافظ نہیں ہوگا' اور ایک آدمی ایک بیل کو لے جا رہا تھا اور اس نے اس پر سامان لادا ہوا تھا' بیل اس کی طرف مڑ کر کہنے لگا: میں اس لیے نہیں پیدا کیا گیا ہوں' بلکہ میں ہل چلانے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں' لوگوں نے کہا: سبحان اللہ!' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر میں ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۸)

(۲۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب میں سویا ہوا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنویں کے اوپر ڈول ہے' میں نے اس ڈول کے ساتھ اس کنویں سے جتنا اللہ نے چاہا پانی نکالا' پھر اس ڈول کو ابوقحافہ کے بیٹے نے لے لیا' اور اس سے ایک یا دو ڈول پانی نکالا اور ان کے پانی

نکالنے میں کچھ ضعف تھا اور اللہ ان کے ضعف کی مغفرت فرمائے' پھر ڈول وہیں آ گیا' پھر اس ڈول کو عمر بن الخطاب نے پکڑا اور میں نے اس کنویں سے پانی نکالنے میں عمر کی طرح غیر معمولی قوی شخص کوئی اور نہیں دیکھا' حتیٰ کہ پھر اور لوگ پانی نکالنے لگے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۹۲' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۹)

(۲۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا تہبند (تکبر سے) ٹخنوں کے نیچے لٹکایا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا' حضرت ابوبکر نے کہا: میرے تہبند کی ایک جانب لٹک جاتی ہے' الایہ کہ میں اس کی حفاظت کروں' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو تکبر کی وجہ سے نہیں لٹکاتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۷۸۴)

(۲۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے ایک قسم کی دو چیزیں (جوڑا) اللہ کی راہ میں خرچ کیں' اس کو جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا' (کہا جائے گا:) اے عبداللہ! یہ نیکی ہے' سو جو نمازیوں سے ہوگا' اس کو باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا' اور جو مجاہدوں سے ہوگا اس کو باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو اہل صدقہ سے ہوگا اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا' اور جو روزہ داروں سے ہوگا اس کو باب الصیام اور باب الریان سے بلایا جائے گا' پھر حضرت ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جس کو تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور مجھے امید ہے وہ شخص تم ہو گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۶۶' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۷۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۲۴۳۹' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۸)

(۲۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی' اس وقت حضرت ابوبکر مدینہ کی بالائی بستیوں میں تھے' حضرت عمر نے کھڑے ہو کر کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے' حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! میرے دل میں یہی بات آئی تھی' اور اللہ آپ کو ضرور اٹھائے گا اور آپ (چوروں اور ڈاکوؤں کے) ضرور ہاتھ پیر کاٹ دیں گے' پھر حضرت ابوبکر آ گئے' انہوں نے آپ کے چہرے سے چادر ہٹائی اور آپ کو بوسا دیا' اور کہا: آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں' آپ پاکیزگی کے ساتھ زندہ رہے اور پاکیزگی کے ساتھ فوت ہوئے' اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں ہرگز نہیں چکھائے گا' پھر باہر آئے اور کہا: اے قسم کھانے والے! ٹھہر جاؤ' جب حضرت ابوبکر نے یہ کہا تو حضرت عمر بیٹھ گئے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۶۶۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۴۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۲۳)

(۲۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: پھر حضرت ابوبکر نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد کہا: سنو! جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور یہ آیت پڑھی:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝ (الزمر:۳۰) آپ بھی جان بہ حق ہونے والے اور یہ مشرکین بھی مرنے والے ہیں ۝

اور یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ (آل عمران:۱۴۴)

اور محمد (خدا) نہیں ہیں صرف رسول ہیں' ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں' کیا پس اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم (دین اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے' اور جو اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑ سکے گا'

اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو نیک جزا دے گا○

پس لوگ رونے لگے' اور انصار بنو ساعدہ کے چبوترے میں حضرت سعد بن عبادہ کی طرف جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ہوگا' پھر حضرت ابوبکر' حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم ان کے پاس گئے اور پھر حضرت عمر بات کرنے لگے' حضرت ابوبکر نے ان کو خاموش کر دیا' حضرت عمر نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے کلام سے اپنے نزدیک نہایت عمدہ بات کہہ رہا ہوں' مجھے خوف ہے کہ حضرت ابوبکر اس بات تک نہیں پہنچیں گے' پھر حضرت ابوبکر نے نہایت بلیغ کلام کیا اور اپنے اثناء کلام میں کہا: ہم امراء ہیں اور تم وزراء ہو' حباب بن المنذر نے کہا: نہیں' اللہ کی قسم! ہم ایسا نہیں کریں گے' ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ہوگا' حضرت ابوبکر نے کہا: نہیں لیکن ہم امراء ہوں گے اور تم وزراء ہوگے' تم عمر سے بیعت کر لو یا ابوعبیدہ سے بیعت کر لو' حضرت عمر نے کہا: نہیں! بلکہ ہم آپ سے بیعت کریں گے' آپ ہمارے سید ہیں اور ہم سب سے افضل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں' پھر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر ان کی بیعت کر لی اور پھر لوگوں نے بیعت کرنی شروع کر دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۶۸' مسند احمد ج ۱ ص ۹۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۱۳)

(۲۷) محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون سب سے افضل تھا؟ انہوں نے کہا: حضرت ابوبکر' میں نے پوچھا: پھر کون تھا؟ انہوں نے کہا: حضرت عمر' مجھے یہ ڈر لگا کہ وہ کہیں گے: حضرت عثمان' میں نے پوچھا: پھر آپ سب سے افضل ہیں؟ انہوں نے کہا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۱)

(۲۸) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر میں وضو کیا' پھر میں باہر نکلا اور میں نے سوچا' آج میں سارا دن لازماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہوں گا' پھر حضرت ابوموسیٰ مسجد میں آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا' لوگوں نے کہا: آپ مسجد سے نکل کر وہاں گئے اور ایک جگہ اشارہ کیا' پھر میں پوچھتے پوچھتے بیر اریس تک پہنچا اور میں وہاں دروازے پر بیٹھ گیا' وہ دروازہ درخت کی شاخوں کا بنا ہوا تھا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت سے فارغ ہو گئے اور آپ نے وضو کیا' میں آپ کے پاس گیا' اس وقت آپ بیر اریس (ایک کنویں) کی منڈیر کے وسط میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ نے کنویں میں ٹانگیں لٹکائی ہوئی تھیں اور پنڈلیاں کھولی ہوئی تھیں' میں نے آپ کو سلام کیا' پھر دروازہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور سوچا' آج میں آپ کا دربان بنوں گا' پھر حضرت ابوبکر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا' میں نے کہا: کون ہے؟ کہا: ابوبکر' میں نے کہا: ٹھہریں' پھر میں نے آپ کے پاس جا کر کہا: یا رسول اللہ! حضرت ابوبکر اجازت طلب کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا: ان کو اجازت دو اور ان کو جنت کی بشارت دو' پھر میں نے آ کر حضرت ابوبکر سے کہا: آپ آ جائیں اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے' پھر حضرت ابوبکر آئے اور کنویں کی منڈیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اسی طرح ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے اور اپنی پنڈلیاں کھول لیں' اس کے بعد اسی طرح حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے آنے اور انہیں جنت کی بشارت دینے کا ذکر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۰۳' مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۳)

(۲۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان اُحد

پہاڑ پر چڑھے تو اُحد لرزنے لگا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اُحد ٹھہر جا' تجھ پر ایک نبی ہے' ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۵' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۱)

(۳۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں لوگوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا' پس لوگ حضرت عمر بن الخطاب کے لیے دعا کر رہے تھے اور حضرت عمر کا جنازہ ان کے تخت پر رکھا ہوا تھا' اس وقت ایک شخص نے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھی ہوئی تھی اور وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ آپ پر رحم کرے' میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مقام آپ کے دو صاحبوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر) کے ساتھ کر دے گا' کیونکہ میں نے کتنی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میں اور ابوبکر اور عمر تھے' اور میں نے اور ابوبکر اور عمر نے کیا' اور میں اور ابوبکر اور عمر گئے' پس بے شک میں یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ آپ کو آپ کے دونوں صاحبوں کے ساتھ رکھے گا' میں نے مڑ کر دیکھا تو یہ کہنے والے حضرت علی بن ابی طالب تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۹۸' مسند احمد ج ۱ ص ۱۱۴)

(۳۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں فرمایا: تم میرے لیے اپنے باپ ابوبکر کو اور اپنے بھائی (عبد الرحمان) کو بلاؤ' حتیٰ کہ میں ان کو ایک مکتوب لکھ دوں' کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے گا اور کوئی کہنے والا کہے گا کہ میں ہی سب سے زیادہ (خلافت کا) مستحق ہوں اور کوئی نہیں ہے' اور اللہ اور مؤمنین ابوبکر کے غیر کا انکار کر دیں گے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۸۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۶۰' مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۲)

(۳۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج صبح تم میں سے کون شخص روزے سے اٹھا تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج تم میں سے کون شخص جنازہ کے ساتھ گیا تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں' آپ نے فرمایا: آج تم میں سے کس شخص نے مسکین کو کھانا کھلایا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے' آپ نے فرمایا: آج تم میں سے کس شخص نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: میں نے' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں بھی یہ اوصاف ہوں گے' وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۲۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۱۰۷)

(۳۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت ابوبکر کے برابر کسی کو قرار نہیں دیتے تھے' پھر حضرت عمر کو' پھر حضرت عثمان کو' پھر اس کے بعد ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے اور کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۶۹۷' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۲۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۷۰۷)

امام ابوداؤد کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سے افضل حضرت ابوبکر ہیں' پھر حضرت عمر ہیں اور پھر حضرت عثمان ہیں۔

(۳۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی ہمارے ساتھ کوئی نیکی کی' ہم نے اس کا بدلہ اتار دیا ہے سوائے ابوبکر کے' انہوں نے ہمارے ساتھ ایسی نیکی کی ہے جس کا بدلہ انہیں اللہ قیامت کے دن دے گا' اور مجھے کسی کے مال سے وہ فائدہ نہیں پہنچا جو ابوبکر کے مال سے پہنچا ہے اور اگر میں دنیا میں

کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا' سنو! تمہارے پیغمبر اللہ کے خلیل ہیں۔
(سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٦٥٥ 'مسند احمد ج ٢ ص ٢٥٣)

(٣٥) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا' پھر ابوبکر' پھر عمر۔ الحدیث (سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٦٩٢)

(٣٦) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا: تم غار میں بھی میرے صاحب تھے اور حوض پر بھی میرے صاحب ہو گے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ٣٦٧٠)

(٣٧) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے ایک بڑا پیالہ دیا گیا ہے' جو دودھ سے بھرا ہوا تھا' میں نے اس پیالے سے پیا' حتیٰ کہ میں سیر ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ وہ دودھ میری کھال اور گوشت کے درمیان رگوں میں جاری ہو گیا' میں نے اس پیالے میں دودھ بچا دیا اور وہ دودھ ابوبکر کو دیا' صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ علم ہے' جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا حتیٰ کہ جب آپ اس سے سیر ہو گئے تو آپ نے اپنا بچا ہوا علم ابوبکر کو دیا' آپ نے فرمایا: تم نے اس کی صحیح تعبیر کی ہے۔
(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٨٥٤ 'المستدرک ج ٣ ص ٨٥ 'مجمع الزوائد ج ٩ ص ٦٩)

(٣٨) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا شخص داخل ہو گا' جس سے ہر گھر والے اور ہر بالا خانے والے کہیں گے: مرحبا' مرحبا' ہمارے پاس آئیں' ہمارے پاس آئیں' حضرت ابوبکر نے کہا: یارسول اللہ! یہ شخص کتنا کامیاب اور سرخ رو ہو گا' آپ نے فرمایا: کیوں نہیں اور وہ تم ہو گے اے ابوبکر۔
(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٨٦٧ 'المعجم الکبیر رقم الحدیث: ١١١٦٦ 'المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٣٨٥)

(٣٩) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا میرے ماں باپ دینِ اسلام کے مطابق عبادت کرتے تھے' اور ہر روز صبح یا شام کو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتے تھے' جب مسلمان فتنہ میں مبتلا ہوئے تو ہجرت کر کے حبشہ کی طرف جانے لگے' حتیٰ کہ جب وہ برک الغماد پر پہنچے تو ان کو ابن الدغنہ ملا اور وہ ایک بستی کا سردار تھا' اس نے کہا: اے ابوبکر! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا: مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے' اب میں چاہتا ہوں کہ زمین میں سفر کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں' ابن الدغنہ نے کہا: آپ ایسا شخص خود جائے گا نہ اس کو جانے دیا جائے گا' جس کے پاس مال نہ ہو' آپ اس کے لیے مال کماتے ہیں' رشتہ داروں سے مل کر رہتے ہیں' ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور حق کے راستے میں جو مشکلات آتی ہیں' ان میں مدد کرتے ہیں' میں آپ کا ضامن ہوں' آپ لوٹ آئیں اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٢٢٩٧ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ٣٢٨٣ 'صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦٢٧٧ 'مسند احمد ج ٦ ص ٩٨)

(٤٠) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے مشورہ کیا' انہوں نے آپ کو مشورہ دیا' پس حضرت ابوبکر کا مشورہ صحیح تھا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ ابوبکر کو خطاء پر قرار دیا جائے۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ٣٩٦١ 'حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ١٤٣٢٨)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور افضلیت میں کتب شیعہ کی تصریحات

محمد بن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا' وہ کوفہ میں منبر پر فرما رہے تھے: اگر تم میرے پاس کسی ایسے شخص کو لائے جو مجھ کو ابوبکر اور عمر سے افضل کہتا ہو تو میں اس کو اتنے کوڑے ماروں گا' جو بہتان لگانے والے پر مارے جاتے ہیں۔ (رجال الکشی ص ٣٣٨' موسسۃ الاعلمی للمطبوعات' کربلا)

ایام فتنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ اولیٰ نہیں تھے۔

(نہج البلاغۃ ص ٥٦٦' خطبہ نمبر ١٦٤' انتشارات زرین' ایران)

شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی من اکابر الامامیہ فی القرن السادس "وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ" (الزمر: ٣٣) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ "والذی جاء بالصدق" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' "وصدق بہ" سے مراد ابوبکر ہیں۔ (مجمع البیان جز ٨ ص ٧٧٧' دار المعرفۃ' بیروت' ١٤٠٦ھ)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچا دین لے کر آئے اور حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کی تصدیق کی۔

سورۃ اللیل کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ٢١ رمضان ١٤٢٦ھ/ ٢٦ اکتوبر ٢٠٠٥ء' بہ روز بدھ بعد نماز فجر سورۃ اللیل کی تفسیر مکمل ہوگئی' رب العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر لکھوا دی ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' اس تفسیر اور میری جملہ تصانیف کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھیں اور میری' میرے والدین کی' میرے قارئین کی اور سب مومنین کی مغفرت فرما دیں۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد وعلٰی آلہ واصحابہ

وازواجہ وذریتہ وامتہ اجمعین.



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الكريم

سورۃ الضحیٰ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ اور سورۃ اللیل سے مناسبت

اس سورت کا نام الضحیٰ ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں مذکور ہے: ''والضحٰی'' چاشت کے وقت کی قسم!
چاشت کا وقت دن کی ابتداء کو کہتے ہیں' جب سورج بلند ہو چکا ہوتا ہے' جیسے ہمارے برصغیر میں نو بجے سے گیارہ بجے تک کا وقت ہوتا ہے' یہ سورت ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کے بلند مقام کو ظاہر کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ سورۃ اللیل کے بعد سورۃ الضحیٰ شروع ہوئی ہے' جیسے رات کے اندھیرے کے بعد دن کا اجالا شروع ہوتا ہے یا جیسے کفر اور شرک کی تاریکیوں کے بعد آفتاب نبوت کی سحر طلوع ہوئی' جس سے کفر وشرک کی ظلمت کے آثار مٹ گئے' سورۃ اللیل حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت پر ختم ہوئی ہے اور سورۃ الضحیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت سے شروع ہوئی ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ صدیقیت کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور جس طرح سورۃ اللیل اور سورۃ الضحیٰ کے درمیان کوئی سورت حائل نہیں ہے' اسی طرح حضرت ابوبکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی تیسرا حائل نہیں ہے' ایمان لانے میں' اسلام کی تبلیغ اور نصرت کرنے میں' جہاد میں' ہجرت میں' امامت اور خلافت میں' قبر میں' حشر میں اور دخولِ جنت میں ہر جگہ اور ہر مرحلہ میں حضرت ابوبکر صدیق' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کے بعد ہیں۔

سورۃ اللیل اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر ختم ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ متقی کو آخرت میں راضی فرمائے گا اور سورۃ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا کیا اور فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ (الضحیٰ: ۵) اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۝

سورۃ اللیل میں اللہ تعالیٰ نے ''الاتقٰی'' کا ذکر فرمایا تھا اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور سورۃ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے ''سید الاتقٰی'' کا ذکر فرمایا ہے اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سورۃ الضحیٰ کے مشمولات

☆ سورۃ الضحیٰ کا موضوع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کے احوالِ مبارکہ ہیں۔
☆ الضحیٰ: ۴۔۱ میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ناراض ہوا نہ اس نے آپ کو چھوڑا' اور آپ پر اللہ تعالیٰ مسلسل اپنی نعمتوں کی بارش فرماتا ہے' حتیٰ کہ آپ پر ہر ہر بعد والی گھڑی میں پہلے سے زیادہ انعام فرماتا ہے۔

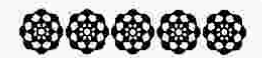
☆ الضحیٰ: ۵ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی ہے کہ آخرت میں آپ کو شفاعت کی اتنی بڑی دولت عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

☆ الضحیٰ: ۸۔۶ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صغرسن سے نوازتا رہا ہے' جب آپ کے والدین فوت ہو گئے اور آپ یتیم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی پناہ میں رکھا' اور جب آپ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستغرق تھے تو اس نے آپ کو مخلوق کی طرف متوجہ کیا' اور جب آپ کے پاس دنیاوی مال زیادہ نہ تھا تو اس نے آپ کو مالِ دنیا سے مستغنی رکھا۔

☆ الضحیٰ: ۱۱۔۹ میں یہ بتایا کہ یتیم پر شفقت کرنی چاہیے اور مسکین کی مدد کرنی چاہیے' اور یتیم کو ڈانٹنا اور دھمکانا نہیں چاہیے اور کسی سوال کرنے والے کو دھتکارنا نہیں چاہیے' اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کی جہت سے جو عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں' آپ کو خاتم النبیین اور سید المرسلین بنایا ہے اور آپ کو سراپا رحمت بنا کر قیامت تک کی تمام مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے' سو آپ اپنے رب کی ان عظیم نعمتوں کو لوگوں کے سامنے بیان فرمائیے۔

سورۃ الضحیٰ کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اس کی اعانت پر توکل کرتے ہوئے' اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے پروردگار! مجھے اس سورت کے ترجمہ اور تفسیر میں حق اور صدق پر قائم رکھنا اور اس سورت کے حقائق اور معارف پر مجھے مطلع فرمانا اور اس کے اسرار کو مجھ پر کھول دینا۔ وما ذلك على الله بعزيز

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۲ رمضان ۱۴۲۶ھ/ ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴





سورۃ الضحیٰ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | آیاتہا ۱۱ رکوعہا ۱

سورۃ الضحیٰ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں گیارہ آیات اور ایک رکوع ہے

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ وَ

چاشت کے وقت کی قسم O اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے O آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بے زار ہوا O

لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ

اور بے شک بعد والی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے O اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ

فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾

راضی ہو جائیں گے O کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا! پھر آپ کو ٹھکانا دیا O اور آپ کو حُبّ کبریاء میں سرشار پایا تو آپ کو تبلیغ دین کی طرف

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿۹﴾ وَاَمَّا

متوجہ کیا O اور آپ کو ضرورت مند پایا تو غنی کر دیا O سو آپ یتیم پر شدت نہ کریں O اور

السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

ع ۱ ۱۱ ۱۸

مانگنے والے کو نہ جھڑکیں O اور اپنے رب کی نعمت کا (خوب) ذکر کریں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: چاشت کے وقت کی قسم O اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے O آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بے زار ہوا O اور بے شک بعد والی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے O اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے O (الضحیٰ: ۵۔۱)

''ضحیٰ'' اور ''سجیٰ'' کا معنی

الضحیٰ: ۱ میں ''ضحیٰ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: چاشت کا وقت' جب دن نکل آئے' جس وقت دھوپ چڑھ جائے' ''ضحیٰ'' کا معنی ہے: دن چڑھنا اور دھوپ پھیلنا۔ (القاموس المحیط ص ۱۳۰۴' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ) قرآن مجید میں ہے:

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ O (الاعراف: ۹۸)

کیا بستیوں والوں کو یہ خطرہ نہیں ہے کہ دن چڑھے ان پر ہمارا عذاب آ جائے اور وہ اس وقت کھیل رہے ہوں O

الضحیٰ: ۲ میں ''سجیٰ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: وہ چھا گیا' اس نے آرام کر لیا' اس نے قرار حاصل کر لیا۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

سورۃ اللیل کو سورۃ الضحیٰ پر مقدم کرنے کی وجوہ

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی قسم کھائی ہے اور سورۃ اللیل میں اللہ عزوجل نے رات اور دن کی قسم کھائی تھی؛

وہاں رات کا ذکر مقدم فرمایا اور اس سورت میں دن کا ذکر مقدم فرمایا' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) انسان کو اپنی زندگی میں رات اور دن دونوں کی ضرورت ہے' دن میں وہ کسب معاش کرتا ہے اور رات کو تھکاوٹ اتار کر آرام کرتا ہے' لیکن رات کی فضیلت یہ ہے کہ وہ دن پر مقدم ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ. (الانعام:۱) اللہ نے اندھیروں اور روشنی کو پیدا فرمایا۔

اس لیے سورۃ اللیل کو پہلے ذکر فرمایا اور دن کی فضیلت یہ ہے کہ وہ نور' ضیاء اور روشنی ہے۔

(۲) سورۃ اللیل میں حضرت ابوبکر کا ذکر ہے اور سورۃ الضحیٰ میں ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ہیں اور حضرت ابوبکر کے ایمان سے پہلے ان کے کفر کا زمانہ ہے اور وہ رات کی تاریکی کے مشابہ ہے اور سورۃ الضحیٰ میں آپ کا ذکر ہے اور آپ ابتداء سے مؤمن اور سیرتِ کاملہ کے حامل ہیں اور وہ نور اور ضیا ہے' اس لیے اس سورت کو والضحیٰ سے شروع فرمایا۔

(۳) سورۃ اللیل حضرت ابوبکر صدیق کی سورت ہے اور سورۃ الضحیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سورت ہے اور سورۃ اللیل کے متصل بعد سورۃ الضحیٰ کو ذکر کر کے یہ اشارہ فرمایا کہ صدیقیت کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور حضرت ابوبکر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی تیسرا فرد حائل نہیں ہے۔

دن اور رات کی قسم کھانے کی توجیہات

اس سورت میں دن اور رات کی قسم کھانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اس میں یہ تنبیہ ہے کہ رات اور دن اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتیں ہیں' ایک پل میں دن طلوع ہو جاتا ہے اور ایک آن میں رات آ جاتی ہے' کسی شخص کو دن آنے سے کوئی تکلیف ہوتی ہے نہ رات آنے سے کوئی ملال ہوتا ہے۔

(۲) کبھی راتیں بڑی ہوتی ہیں اور کبھی دن بڑے ہوتے ہیں' نہ رات ہمیشہ بڑی رہتی ہے نہ دن ہمیشہ بڑا رہتا ہے' اس جہان میں کسی کو دائمی بڑائی حاصل نہیں ہے' دائمی اور مطلقاً بڑائی اور کبریائی صرف اللہ عزوجل کے لیے ہے۔

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ لکھتے ہیں:

الضحیٰ:۳ میں فرمایا ہے: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بے زار ہوا' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام چالیس روز تک آپ پر نازل نہیں ہوئے اور ایک قول ہے کہ تین روز تک آپ پر نازل نہیں ہوئے تو مشرکین مکہ نے کہا: اگر یہ اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے تو ان پر مسلسل وحی نازل ہوتی رہتی' جیسے ان سے پہلے نبیوں پر مسلسل وحی نازل ہوتی رہی تھی' اب اللہ تعالیٰ نے ان کو چھوڑ دیا اور ان سے بے زار ہو گیا ہے' اس لیے ان پر وحی نازل نہیں ہو رہی' تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بے زار ہوا۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۴۹۴ ملخصاً دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ' جامع البیان رقم الحدیث:۲۹۰۴۵' دار الفکر)

مشرکین کا یہ دعویٰ تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے رب نے چھوڑ دیا اور وہ آپ سے بے زار ہو گیا' اب ان پر لازم تھا کہ وہ اپنے اس دعویٰ پر گواہ پیش کرتے' اور جب وہ اپنے اس دعویٰ پر گواہ نہیں پیش کر سکے تو قاعدہ کے مطابق آپ پر لازم تھا کہ آپ ان کے اس دعویٰ کے انکار پر قسم اٹھاتے' پس قسم آپ پر آتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی جگہ دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے' نہ وہ آپ سے بے زار ہوا ہے' اور یہ واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کا معاملہ واحد ہے' آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے' آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے' آپ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے' اسی طرح جو

قسم آپ پر لازم آتی ہے وہ اللہ پر قسم ہے اسی لیے فرمایا: دن کی قسم اور رات کی قسم! آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے نہ وہ آپ سے بے زار ہوا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو چند دن وحی نہیں نازل کی گئی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتداء میں نزولِ وحی سے آپ گھبرا جاتے تھے اور خوف زدہ ہو جاتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے چند دن کے لیے آپ سے سلسلہ نزولِ وحی کو موقوف کر دیا' تا کہ آپ وحی کا انتظار کریں اور آپ کے دل میں اس کا اشتیاق پیدا ہو حتیٰ کہ جب حضرت جبریل آپ پر سورۃ الضحیٰ لے کر نازل ہوئے تو آپ نے فرمایا: تم اب تک نہیں آئے حتیٰ کہ میں تمہارا مشتاق ہو گیا تھا' حضرت جبریل نے کہا: میں آپ سے زیادہ آپ کا مشتاق تھا کیونکہ آپ اللہ عزوجل کے نزدیک بہت مکرم ہیں لیکن میں وحی لانے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم پر چلتا ہوں۔ (تفسیر مقاتل ج ۳ ص ۴۹۴)

''والضحٰی واللیل'' (دن اور رات) کی قسم کے محامل

اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی جو قسم کھائی ہے اس میں دن اور رات سے کیا مراد ہے؟ اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

علامہ عبدالکریم بن ھوازن قشیری نیشاپوری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

(۱) اس سے مراد ہے: چاشت کے وقت کی نماز کی قسم یا دن کی اس ساعت کی قسم جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے مشرف کیا تھا۔

(۲) رات سے مراد ہے: اس رات کی قسم جب اللہ تعالیٰ نے شب معراج آپ کو اپنے دیدار کی دولت سے مالا مال فرمایا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے دل پر ایک اَبر چھا جاتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم۔ الذکر: ۴۱' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۵' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۰۔۲۱۱) سو رات کے پھیل جانے کی قسم سے مراد ہے: کثرتِ مشاغل کی بناء پر اللہ کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے آپ کے دل پر ابر کا چھا جانا اور دن کی قسم سے مراد ہے: کثرتِ استغفار کی وجہ سے آپ کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا منعکس ہونا' خلاصہ یہ ہے کہ اس رات کی قسم جب آپ کے دل پر ابر چھا گیا اور اس دن کی قسم جب اللہ کے جلووں سے آپ کا دل روشن ہو گیا۔

(۴) رات کی قسم سے مراد ہے: اس رات کی قسم! جب تہائی رات کے بعد اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نازل ہو کر فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں' کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کر دوں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۴۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۷۵۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۳۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۴۳۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۳۶۶)

(۵) دن کی قسم سے مراد وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو راضی کرنے کے لیے بیت اللہ کو آپ کی نمازوں کا قبلہ بنا دیا۔

(لطائف الاشارات ج ۳ ص ۴۲۹' مزیداً' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

(۶) بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ ''والضحٰی'' سے مراد ہے: آپ کے روشن چہرے کی قسم (اور ''واللیل'' سے مراد ہے: آپ کی سیاہ زلفوں کی قسم)۔

(۷) ''والضحٰی'' سے مراد ہے: آپ کے اہل بیت کے مردوں کی قسم اور ''واللیل'' سے مراد ہے: آپ کے اہل بیت کی خواتین کی قسم۔

(٨) ''والضحٰی'' سے مراد ہے: نزولِ وحی کے ایام کی قسم اور ''واللیل'' سے مراد ہے: اس زمانہ کی قسم! جب آپ سے نزولِ وحی کو روک لیا گیا۔

(٩) ''والضحٰی'' سے مراد ہے: آپ کے اس نورِ علم کی قسم جس سے مخفی غیب منکشف ہو جاتا ہے اور ''واللیل'' سے مراد ہے: آپ کے وہ غیوب جو مستتر ہیں۔

(١٠) ''والضحٰی'' سے مراد ہے: ابتداء میں اسلام کے ظہور کی قسم اور ''واللیل'' سے مراد ہے: قربِ قیامت میں اسلام کے خفا کی قسم، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام ابتداء میں اجنبی تھا اور عنقریب اجنبی ہو جائے گا۔

(مسند احمد ج ٤ص ٧٣)

(١١) ''والضحٰی'' سے مراد ہے: کمال عقل کی قسم اور ''واللیل'' سے مراد ہے: حالتِ وفات کی قسم۔

(١٢) ''والضحٰی'' سے مراد ہے: آپ کی ظاہر حیات کی قسم جس میں مخلوق نے آپ کا کوئی عیب نہیں دیکھا اور ''واللیل'' سے مراد ہے: آپ کی حیات کے باطن کی قسم جس میں عالم الغیب نے آپ کا کوئی عیب نہیں دیکھا۔

(تفسیر کبیر ج ١١ص ١٩٢، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٥ھ)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی متوفی ١٢٣٩ھ لکھتے ہیں:

(١٣) ''والضحٰی'' سے مراد ہے: آپ کے یومِ ولادت کی قسم اور ''واللیل'' سے مراد ہے: آپ کی شبِ معراج کی قسم یا آپ کی وفات کی شب کی قسم۔

(١٤) ''والضحٰی'' سے مراد ہے: آپ کی امت کی خوبیوں کو ظاہر کرنے کی قسم اور ''واللیل'' سے مراد ہے: آپ کے امت کے عیوب کو چھپانے کی قسم۔

(١٥) آپ کی صفاتِ ظاہرہ کی قسم جو سب مخلوق کو معلوم ہیں اور آپ کی صفاتِ باطنہ کی قسم جن کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں۔

(١٦) زندگی کی قسم اور قبر میں آنے والی شب کی قسم۔ (تفسیر عزیزی پارہ عمّ ص ٢١٧، حاجی عبد المجید و برادران، تاجران کتب، کابل، افغانستان)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

(١٧) علامہ طیبی قدس سرہ نے کہا ہے: دن اور رات کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ ان میں دو نمازیں ہیں، جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، دن کی نماز کے متعلق آپ نے فرمایا: مجھ کو چاشت کی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور تم کو اس کا حکم نہیں دیا گیا اور رات کی نماز کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ‌ اور آپ رات کو تہجد کی نماز پڑھیے، وہ خصوصیت سے آپ کے لیے زائد ہے۔ (بنی اسرائیل: ٧٩)

خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی نمازِ چاشت کی قسم اور آپ کی نمازِ تہجد کی قسم۔

(١٨) رات کا وقت غم اور وحشت کا وقت ہے اور دن کا وقت سرور اور خوشی کا وقت ہے، گویا آپ کی خوشی کی قسم اور آپ کے غم کی قسم۔

(١٩) دن کا وقت لوگوں کے ہجوم کا وقت ہے اور رات کا وقت محبوب سے ملاقات کا وقت ہے، گویا دن میں آپ کے لوگوں کے ساتھ مشغول ہونے کی قسم اور رات میں اپنے رب کے ساتھ تنہائی اور راز و نیاز کی قسم۔

(۲۰) علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے کہا ہے کہ دن کی ایک ساعت رات کی تمام ساعات پر غالب ہے' جس طرح تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور معجزات تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات اور معجزات پر غالب ہیں' گویا کہ دن کی اس ساعت کی قسم جو رات کی تمام ساعات پر اس طرح غالب ہے' جس طرح تنہا آپ کے کمالات تمام انبیاء علیہم السلام کے کمالات پر غالب ہیں۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۷۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

الضحیٰ: ۳ میں فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بے زار ہوا O

الضحیٰ: ۳ کے شانِ نزول میں متعدد اقوال

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

بعض مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں یہ کہا ہے کہ لوگ آپ سے کسی چیز کے متعلق پوچھتے تو آپ فرماتے: میں کل بتادوں گا' مثلاً آپ سے قیامت' اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق پوچھا تو آپ نے اس اعتماد پر فرمایا کہ آج مجھ پر وحی نازل ہو جائے گی تو میں کل بتادوں گا اور آپ نے ان شاء اللہ نہیں فرمایا تھا تو کئی دن تک وحی نازل نہیں ہوئی' اس پر مشرکین نے خوش ہو کر کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور ان سے بے زار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں چھوڑا' اور نہ آپ سے بے زار ہوا' اور بعض نے یہ کہا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ کو پہلی وحی کے بعد بہت گھبرائے ہوئے دیکھا تو کہا: آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا اور آپ سے بے زار ہو گیا' لیکن یہ قول بداہۃً باطل ہے' صحیح بخاری میں ہے کہ جب آپ گھبرائے ہوئے غارِ حرا سے آئے تو حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ہرگز نہیں' اللہ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں سے ملاپ رکھتے ہیں' لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' ناداروں کے لیے کماتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے راستہ میں پیش آنے والی مشکلات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۲) حضرت خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا مقام تو بہت بلند ہے' کوئی مسلمان کسی نبی کے متعلق ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

امام ابو منصور ماتریدی نے اپنے طور پر اس کا یہ محمل بیان کیا ہے کہ آپ کے پاس شروع میں کوئی مادی طاقت نہ تھی اور نہ مال و دولت تھی' اس کے برخلاف آپ کے مخالفین قریشِ مکہ بہت رئیس تھے' مادی طاقت اور عددی برتری رکھتے تھے' اس لیے آپ کے متعلق انہوں نے کہا کہ آپ کو رب نے چھوڑ دیا اور آپ سے بے زار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا کہ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بے زار ہوا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۷۵-۴۷۶' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ جب چند دن کے لیے آپ پر وحی کا آنا رک گیا تو ابولہب کی بیوی نے یہ کہا تھا: اے محمد! میرا گمان ہے کہ تمہارے شیطان نے تم کو چھوڑ دیا تو اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی' دوسرا قول یہ ذکر کیا ہے کہ جب وحی آنے میں دیر ہو گئی تو آپ نے حضرت خدیجہ سے کہا: میرے رب نے مجھ کو چھوڑ دیا اور مجھ سے بے زار ہو گیا تو حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دی کہ ایسا نہیں ہوگا' اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابتداء میں جو عزت دی ہے' اللہ اس کو پورا کرے گا' لیکن ہمارے نزدیک یہ قول بھی بداہۃً باطل ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا گمان نہیں فرما سکتے' تیسرا قول یہ ذکر کیا ہے کہ آپ کے گھر میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا کتے کا بچہ تھا' اس وجہ سے آپ پر وحی کا آنا رک گیا تھا' یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی اور یہ سورت

مکی ہے چوتھا قول یہ ذکر کیا ہے کہ بعض مسلمان ناخن نہیں کاٹتے تھے اس لیے آپ پر وحی کا آنا رُک گیا تھا اس قول کا باطل ہونا بالکل واضح ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کائنات میں سب سے زیادہ مکرم اور معظم ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کہنا کس طرح مناسب ہوگا کہ میں نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ میں آپ سے بے زار ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اس طرح نہیں فرمایا' بلکہ جب مشرکین نے یہ کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور ان سے بے زار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی قسم کھا کر فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ آپ سے بے زار ہوا۔

نیز امام رازی فرماتے ہیں: یہ واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اس کی طرف سے نازل ہوا ہے' کیونکہ اگر یہ آپ کی اپنی تصنیف ہوتا اور آپ کا کلام ہوتا تو آپ کے سلسلہ کلام میں وقفہ نہ آتا اور مشرکین کو اس اعتراض کا موقع نہ ملتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے بے زار ہو گیا۔

(تفسیر کبیر ج۱۱ ص ۱۹۳۔۱۹۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور وجاہت

عیسائیوں کی مزعوم آسمانی کتاب انجیل میں لکھا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا تو انہوں نے کہا: اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا: ''ایلی' ایلی لما شبقتنی؟'' یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ ○ (متی کی انجیل ص ۳۳' باب: ۲۸' آیت: ۴۶' بائبل سوسائٹی' لاہور' ۱۹۹۲ء)

ہمارے نزدیک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دی گئی اور نہ انہوں نے مذکور الصدر جملہ کہا' لیکن عیسائیوں کی اپنی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ اور ہماری کتاب قرآن مجید میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَالضُّحٰى ۙ○ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۗ○ (الضحیٰ: ۳۔۱)

چاشت کے وقت کی قسم ○ اور رات کی قسم جب وہ چھا جائے ○ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ بے زار ہوا ○

دن اور رات کی قسم کھانے میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اگر مسلسل دن کی روشنی رہے تو انسان تھک جائیں' اس لیے انسان کو سکون اور آرام پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رات بنائی' اسی طرح اگر آپ پر مسلسل وحی نازل ہوتی رہتی تو آپ تھک جاتے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکون اور آرام پہنچانے کے لیے چند دن وحی نازل نہیں کی اور اس سے جاہل اور معاند مشرکین نے یہ سمجھا کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرنے کے لیے اور آپ کی عزت اور وجاہت ظاہر کرنے کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں کہ دن اور رات کی قسم! آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا۔

الضحیٰ: ۴ میں فرمایا: اور بے شک بعد والی ساعت آپ کے لیے پہلی ساعت سے بہتر ہے ○

دن بہ دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور کرامت کا زیادہ ہونا

یعنی اللہ تعالیٰ دن بہ دن آپ کی عزت اور وجاہت میں اضافہ فرماتا رہے گا اور فراعنہ وقت اور منکروں اور معاندوں پر آپ کو غلبہ عطا فرماتا رہے گا اور آپ کو بہ کثرت فتوحات عطا فرماتا رہے گا اور آپ کے متبعین اور پیروکار بڑھاتا رہے گا اور آپ کے علوم اور معارف اور درجات میں ترقی عطا فرماتا رہے گا اور آپ کا ہر بعد والا زمانہ پہلے زمانہ سے بڑھ چڑھ کر اور

افضل اور اعلیٰ ہوگا اور یا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی مہمات کے مقابلہ میں اخروی درجات کی ترقی میں کوشش کرنا آپ کے زیادہ لائق ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے عزت اور وجاہت حاصل ہوئی اور آپ کو اس سے خوشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتایا کہ یہ مرتبہ اگرچہ عظیم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کے لیے آخرت میں اس سے بھی بڑا مرتبہ ہے' نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہر روز بلکہ ہر ساعت اللہ تعالیٰ آپ کو گزری ہوئی ساعت سے بڑھ کر عزت اور بلندی عطا فرمائے گا' آپ یہ نہ گمان کریں کہ میں آپ سے ناراض ہوں بلکہ میں ہر روز آپ کو پہلے سے زیادہ سعادت اور کرامت عطا فرماؤں گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آخرت دنیا سے کس وجہ سے افضل ہوگی اور کس اعتبار سے فزوں تر ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حسبِ ذیل وجوہ سے آپ کے لیے آخرت' دنیا سے افضل اور اعلیٰ ہوگی۔

آپ کی آخرت کا آپ کی دنیا سے افضل ہونا

(۱) آپ کی امت آپ کے لیے بہ منزلہ اولاد ہے اور آخرت میں آپ کی امت جنت میں ہوگی اور اولاد پر نعمت دیکھ کر اس کے باپ کو خوشی ہوتی ہے۔

(۲) آپ نے اللہ تعالیٰ سے جنت کو خرید لیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ:۱۱۱)

بے شک اللہ نے مؤمنین سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔

سو آخرت اور جنت آپ کی مملوک ہے اور دنیا آپ کی مملوک نہیں ہے' سو مملوک میں رہنا غیر مملوک میں رہنے سے افضل ہے۔

(۳) دنیا میں کفار آپ کو تنگ کرتے ہیں اور ستاتے ہیں اور آخرت میں آپ کی امت تمام امتوں پر گواہ ہوگی اور آپ تمام نبیوں اور رسولوں پر گواہ ہوں گے اور اللہ کی ذات آپ پر گواہ ہوگی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ (الفتح:۲۸)

اور اللہ کی گواہی کافی ہے ○

یہ بہت بڑی عظمت اور فضیلت ہے' جو آپ کو آخرت میں حاصل ہوگی۔

(۴) دنیا کی حسنات اور لذات' آفات اور پریشانیوں سے گھری ہوئی ہیں اور قلیل اور فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں' پریشانیوں اور افکار سے خالی ہیں اور بہت زیادہ ہیں اور دائمی اور غیر منقطع ہیں۔

الضحیٰ: ۵ میں فرمایا: اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ○

قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزا آیت

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۰۲ھ لکھتے ہیں:

دنیا میں اللہ تعالیٰ آپ کے ذکر اور شرف کو بلند کرے گا اور آپ کو دشمنوں پر غلبہ اور فتح اور نصرت عطا فرمائے گا اور آپ کا دین اطراف عالم میں پھیل جائے گا اور آخرت میں آپ کو تمام نبیوں پر فضیلت اور برتری عطا فرمائے گا' آپ سے پہلے کوئی شفاعت کے لیے لب کشائی نہیں کرے گا' حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور مقامِ محمود پر آپ ہی فائز ہوں گے' آپ سے پہلے کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا' نہ آپ کی امت سے پہلے کوئی امت جنت میں داخل ہو سکے گی' حوضِ کوثر آپ کے

حوالے ہوگا اور اس دن آپ کی عزت اور عظمت دیکھنے والی ہوگی۔

بعض مفسرین نے کہا: یہ سب سے امید افزا آیت ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ کو راضی کر دے گا' اور آپ اس سے راضی نہیں ہوں گے کہ آپ کی امت دوزخ میں جائے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے امید افزا یہ آیت ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النساء: ۱۱۰)

جس نے کوئی گناہ کیا یا اپنی جان پر ظلم کیا' پھر اللہ سے مغفرت طلب کی تو وہ اللہ کو بے حد بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا پائے گا ○

اور ہمارے نزدیک قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزا آیات وہ ہیں' جن میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اور فرشتوں کو مؤمنین کے لیے استغفار کا حکم دیا اور انہوں نے مؤمنین کے لیے استغفار کیا' جیسے درج ذیل آیات ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (ابراہیم: ۳۶)

سو جس نے میری پیروی کی وہ میرے طریقہ محمودہ پر ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بے حد مغفرت کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم: ۴۱)

اے ہمارے رب! میری مغفرت فرما اور میری والدین کی اور تمام مؤمنین کی جس دن حساب قائم ہو ○

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ (محمد: ۱۹)

(اے نبی مکرم!) آپ اپنے تمام بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت طلب کیجئے اور تمام مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی مغفرت طلب کیجئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے جو استغفار کیا' اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی' جس میں حضرت ابراہیم کا یہ قول ہے: اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گم راہ کر دیا ہے' سو جس نے میری پیروی کی وہ میرے طریقہ محمودہ پر ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تو بے حد مغفرت کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ (ابراہیم: ۳۶) اور اس آیت کی تلاوت کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو بہت غالب بے حد حکمت والا ہے۔ (المائدہ: ۱۱۸) پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور دعا کی: اے اللہ! میری امت' میری امت اور روتے رہے' تب اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور تمہارا رب خوب جانتا ہے' پس ان سے پوچھو: انہیں کیا چیز رُلاتی ہے؟ سو آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور آپ سے پوچھا' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے قول کی خبر دی' تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ' پس ان سے کہو: بے شک ہم عنقریب آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۶۹)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا: ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کردیں گے تو اس کے بعد یہ کیوں فرمایا: اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کے زیادہ امتی جنت میں چلے جاتے اور کچھ دوزخ میں جاتے تو آپ راضی ہو جاتے لیکن بعض امتیوں کے دوزخ میں جانے سے آپ رنجیدہ ہوتے' اس لیے فرمایا: ہم آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے' بلکہ ہم آپ کی تمام امت کو دوزخ سے نجات عطا فرمائیں گے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۲ ص ۱۰۷۹' مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

اس حدیث کا بیان کہ اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا: آپ کی بعد والی ساعت آپ کی پہلی ساعت سے افضل ہے لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ تفاوت کہاں تک ہے اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس کی انتہاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اور آپ کی رضا پر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وہ چیز عطا کرے گا' جس کا آپ ارادہ کریں گے اور دنیا اپنی وسعت کے باوجود آپ کے ہر ارادہ کو پورا کرنے کی گنجائش نہیں رکھتی' اس لیے آخرت دنیا سے افضل ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ اس آیت سے مراد آپ کو آپ کی امت کی شفاعت کا منصب عطا فرمانا ہے' روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۹۴)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۵۳)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم متوفی ۴۲۷ ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۲۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۶ ھ لکھتے ہیں:

بعض اہل بیت نے یہ کہا ہے کہ کتاب اللہ میں یہ سب سے زیادہ امید افزاء آیت ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو آپ راضی نہیں ہوں گے' کیونکہ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ (المحرر الوجیز ج ۱۶ ص ۳۲۱' مکتبہ تجاریہ' مکہ مکرمہ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل عراق سے فرمایا: تم یہ کہتے ہو کہ اللہ کی کتاب میں سب سے زیادہ امید افزاء آیت یہ ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا' بے شک وہی بے حد مغفرت کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○

اہل عراق نے کہا: ہاں! ہم یہی کہتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ

میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے: ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی'' اور حدیث میں ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوگا۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ٢٠ ص ٨٥)

علامہ عبدالرحمان بن محمد الثعالبی مالکی متوفی ٨٧٥ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا' پھر اس کی تائید میں وہ حدیث ذکر کی ہے' جس میں اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: اے محمد! ہم عنقریب آپ کو راضی کریں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٠٢) علامہ قرطبی نے بھی اس روایت کی تائید میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (تفسیر الثعالبی ج ٥ ص ٦٠١' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٨ھ)

خاتم الحفاظ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الضحیٰ: ٥ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں داخل ہو۔

(الجامع لشعب الایمان ج ٣ ص ٣٤٤۔ رقم الحدیث: ١٤٧٣' مکتبۃ الرشید' ریاض' ١٤٢٣ھ)

خطیب بغدادی نے ''تلخیص المتشابہ'' میں ایک اور سند کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے' اگر ان کی امت کا ایک شخص بھی دوزخ میں داخل ہوا۔

امام مسلم نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ میں حضرت ابراہیم کا یہ قول پڑھا: ''فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ'' (ابراہیم:٣٦) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول پڑھا: ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ'' (المائدہ:١١٨) پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے یہ دعا کی: اے اللہ! میری امت' اے اللہ! میری امت' تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: بے شک ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:٢٠٢)

امام ابن المنذر' امام ابن مردویہ اور امام ابونعیم نے حلیہ میں حرب بن شریح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین سے کہا: یہ بتایئے کہ جو شفاعت اہل عراق بیان کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! خدا کی قسم! مجھے محمد بن حنفیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کی شفاعت کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میرا رب ندا فرمائے گا: اے محمد! آیا آپ راضی ہو گئے؟ میں کہوں گا: ہاں! اے میرے رب میں راضی ہو گیا۔ (مجمع الزوائد ج ١٠ ص ٣٧٧' الترغیب والترہیب ج ٤ ص ٤٤٦' کنز العمال رقم الحدیث: ٣٩٧٥٨) پھر حضرت علی نے متوجہ ہو کر فرمایا: اے اہل عراق! تم یہ کہتے ہو کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے: ''قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ'' (الزمر:٥٣) اور ہم تمام اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ امید افزاء آیت یہ ہے: ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ؕ'' (الضحیٰ:٥) اور یہی آیت شفاعت ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ٣ ص ٢٠٩۔ رقم الحدیث: ٣٧٢٥' طبع جدید' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ١٤١٨ھ)

امام ابن ابی حاتم نے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ'' (الضحیٰ:٥) شفاعت کی آیت ہے۔ (الدرالمنثور ج ٨ ص ٤٩٨' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤٢١ھ)

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

امام باقر رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں آ کر فرمایا: اے اہل عراق! تم یہ کہتے ہو کہ کتاب اللہ میں سب سے امید افزا یہ آیت ہے:

''لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ'' (الزمر: ۵۳) اور ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ امید افزا یہ آیت ہے: ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى'' (الضحیٰ: ۵) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو آپ راضی نہیں ہوں گے۔

اور حدیث میں ہے کہ میں اپنی امت کی شفاعت کرتا رہوں گا' حتیٰ کہ میرے لیے ندا کی جائے گی: اے محمد! کیا آپ راضی ہو گئے؟ پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میں راضی ہو گیا۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۳۴۶۶' المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۰۸۳)

(روح البیان ج ۱۰ ص ۵۴۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے: آپ کی رضا یہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں داخل ہو جائے (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۱۳۷۴) اور امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت میں سے کوئی شخص دوزخ میں داخل نہ ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۵۳) اور خطیب نے تلخیص میں ایک اور سند سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے' اگر آپ کی امت سے ایک شخص بھی دوزخ میں ہوا اور اس تفسیر پر یہ صحیح حدیث دلالت کرتی ہے' حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کی دعا کی' یہ آیت پڑھی: ''فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ'' (ابراہیم: ۳۶) اور حضرت عیسیٰ کی دعا کی' یہ آیت پڑھی: ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ'' (المائدہ: ۱۱۸) پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی اور فرمایا: اے اللہ! میری امت' اے اللہ! میری امت' تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی کر دیں گے اور رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲)

(فتح القدیر ج ۵ ص ۶۱۴' دار الوفاء' ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ حافظ سیوطی کی مکمل عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ آپ کی پوری امت کو جنت میں داخل کر دیا جائے۔ (الجامع لشعب الایمان ج ۳ ص ۴۴۔ رقم الحدیث: ۱۳۷۴' مکتبۃ الرشید' ریاض' ۱۴۲۳ھ) اور خطیب بغدادی نے ''تلخیص المتشابہ'' میں ایک اور سند سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد صلی علیہ وسلم کا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا تو آپ راضی نہیں ہوں گے' اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر عظیم شفقت کا تقاضا ہے' آپ اپنی امت کی آسانی اور مغفرت پر حریص ہیں' پھر علامہ آلوسی نے اس کی تائید میں امام مسلم کی وہ روایت ذکر کی ہے' جس کے آخر میں اللہ عز و جل کا یہ ارشاد ہے کہ اے محمد! ہم عنقریب آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲) اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو لطف و کرم ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۸۹۔ ۲۸۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ کی رضا اس میں ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں داخل ہو اور خطیب نے تلخیص میں اس آیت کی تفسیر میں کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں ہوں گے اگر آپ کی امت کا ایک شخص بھی دوزخ میں گیا' پھر اس کی دلیل میں صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۲ کی حدیث نقل کی اور اس کی تائید میں ''حلیۃ الاولیاء'' کے حوالے سے وہ حدیث ذکر کی' جس کو حافظ سیوطی نے الدر المنثور ج ۸ ص ۴۹۸ میں ذکر کیا ہے۔

(فتح البیان ج ۷ ص ۴۸۵' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

حدیث مذکور کا قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث صحیحہ سے تعارض

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کی تمام امت جنت میں داخل ہو جائے اور خطیب بغدادی نے حضرت ابن عباس کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی بھی دوزخ میں داخل ہوا تو آپ راضی نہیں ہوں گے' اور ان حدیثوں کو مفسرین میں سے علامہ ثعلبی' علامہ ابن عطیہ اندلسی' امام رازی' علامہ قرطبی' علامہ الثعالبی' حافظ سیوطی' علامہ اسماعیل حقی' علامہ آلوسی' نواب صدیق حسن بھوپالی وغیرہم نے ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو دیگر احادیث سے تقویت پہنچائی ہے' لیکن اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض گنہ گار مسلمان دوزخ میں داخل ہوں گے اور گناہوں سے پاک کرنے کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ اور شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۳۷۴ کی یہ حدیث اور مفسرین کی نقول ان سب کے خلاف ہیں۔

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں تصریح ہے کہ بعض گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ○ (الماعون: ۷۔۴)

ان نمازیوں کے لیے ویل (دوزخ کی وادی) ہے○ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرنے والے ہیں○ جو لوگ ریا کاری کرتے ہیں○ اور عاریۃً چیز دینے سے منع کرتے ہیں○

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ (التوبہ: ۳۴)

اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' آپ ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے○

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ○ (النساء: ۱۰)

بے شک جو لوگ ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں' وہ صرف اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں' اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے○

اور حسب ذیل احادیث صحیحہ میں یہ تصریح ہے کہ بعض گنہ گار مسلمانوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اور تطہیر کے بعد نکال لیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھا اور اس کے دل میں جَو کے برابر بھی نیکی ہوئی تو اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھا اور اس کے دل میں گندم کے برابر بھی نیکی ہوئی تو اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا' اور جس شخص نے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' پڑھا اور اس کے دل میں جوار کے برابر بھی نیکی ہوئی تو اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شفاعت کے سبب دوزخ سے لوگوں کو اس

حال میں نکالا جائے گا کہ وہ جلی ہوئی لکڑی کی طرح ہو چکے ہوں گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٦٥٥٨، صحیح مسلم رقم الحدیث:١٩١)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے دوزخ والوں میں سے وہ لوگ جو دوزخ کے اہل ہیں، وہ دوزخ میں نہ مریں گے نہ جئیں گے، لیکن کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا، اللہ تعالیٰ ان پر موت طاری کر دے گا حتیٰ کہ جب وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے تو شفاعت کی اجازت دی جائے گی، پھر ان کو گروہ در گروہ لایا جائے گا اور ان کو جنت کے دریاؤں میں ڈال دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے اہل جنت! ان پر پانی بہاؤ، پھر وہ اس طرح نشو ونما پائیں گے، جس طرح دانہ سیلاب کی مٹی میں اُگ کر سرسبز ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:١٨٥، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:٤٣٠٩)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا، یہ گناہ گار مسلمان ہوں گے، ان پر اللہ تعالیٰ موت طاری کرے گا، اس موت کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینے کے بعد ان پر حقیقۃً موت طاری کر دے گا اور ان کے عذاب کی مدت، ان کے گناہوں کے اعتبار سے ہوگی، پھر ان پر موت طاری کر دے گا اور جب تک اللہ چاہے گا، ان کو دوزخ میں محبوس رکھے گا اور موت کی وجہ سے ان کو اس مدت کا احساس نہیں ہوگا، پھر ان کو اس حال میں دوزخ سے نکالا جائے گا کہ وہ دوزخ میں جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان کو جنت کے دریاؤں میں ڈال دیا جائے گا اور ان پر آبِ حیات بہایا جائے گا، پھر وہ زندہ ہو جائیں گے اور اس قدر سرعت کے ساتھ نشو ونما پائیں گے جس طرح سیلاب کی مٹی میں پڑا ہوا دانہ سرعت کے ساتھ اُگ کر سرسبز ہوتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس موت سے مراد حقیقی موت نہیں ہے، لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا احساس اور شعور سلب کر لیا جائے گا، اس وجہ سے ان کو دوزخ کے عذاب کا بالکل احساس نہیں ہوگا (جیسے کسی انسان کو بے ہوش کر کے اس کی سرجری کی جاتی ہے تو اس کو چیر پھاڑ کا بالکل احساس نہیں ہوتا) علامہ نووی فرماتے ہیں: لیکن میرے نزدیک راجح پہلا قول ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النواوی ج ١ ص ١٠٢٧-١٠٢٦، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ١٤١٧ھ)

حدیث مذکور پر تعارض کے اشکال کا جواب

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مکافاتِ عمل کے قانون کو پورا کرنے کے لیے اور اپنی وعید کے تقاضے کو مکمل کرنے کے لیے، بعض گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ میں ضرور ڈالے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مؤمنین پر جو رحمت اور شفقت ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوزخ میں ڈالنے کے بعد ان کو حقیقۃً عذاب نہیں ہوگا، بلکہ ان کو صرف صورۃً عذاب ہوگا اور وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے لیکن ان کو کوئی درد محسوس نہیں ہوگا کیونکہ اللہ اپنے فضل وکرم سے ان پر صورۃً موت طاری کر دے گا، جس سے ان کے حواس اور مشاعر معطل ہو جائیں گے اور ان کو درد اور عذاب کا بالکل احساس نہیں ہوگا، جیسے سرجری سے پہلے انسان کے حواس کو معطل کر دیا جاتا ہے۔

اور اس تقریر پر شعب الایمان رقم الحدیث:١٣٧٤ کی حدیث سے اشکال دور ہو جاتا ہے، آپ نے فرمایا: اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا، اس سے مراد یہ ہے کہ اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ کو راضی کرے گا اور آپ کے کسی ایک امتی کو بھی دوزخ میں حقیقۃً عذاب نہیں دے گا اور جن مؤمنین نے گناہ کیے اور بغیر توبہ کے مر گئے، اور قیامت کے دن آپ کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے فضل محض

سے محروم رہے' ان بعض گناہ گار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے مکافاتِ عمل کے قانون اور اپنی وعید کے تقاضے کو پورا کرنے کے لیے کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے اپنی رحمت سے ان کے حواس اور مشاعر کو سلب کر لے گا' حتیٰ کہ ان کو دوزخ کے عذاب کا بالکل احساس نہیں ہوگا اور یہی اس حدیث کا محمل ہے کہ اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا یعنی اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا اور اللہ تعالیٰ آپ کو آخرت میں راضی کرے گا اور آپ کے کسی امتی کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا' پھر جو مسلمان دوزخ میں صورۃً جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنے فضل محض سے' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان کو دوزخ سے نکال لے گا' پھر ان کو جنت کے دریاؤں میں ڈالا جائے گا اور اہل جنت ان پر آب حیات بہائیں گے اور وہ پھر زندہ ہو کر تر و تازہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

میں نے جو اس حدیث کی تقریر کی ہے' اس سے تمام آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا' مجھ سے پہلے کسی مفسر یا محدث نے اس اشکال کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی' یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور انعام ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت ہے۔ والحمد للّٰہ رب العٰلمین.

دنیا اور آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ سے یہ کریمانہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کے نفس کو کمال عطا فرمائے گا اور آپ کو اوّلین اور آخرین کے علوم عطا فرمائے گا' آپ کی نبوت کو غلبہ عطا فرمائے گا اور آپ کے زمانہ میں آپ کو فتوحات عطا فرما کر اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے زمانہ میں فتوحات عطا فرما کر آپ کے دین کو سربلند فرمائے گا اور زمین کے تمام مشارق اور مغارب میں آپ کا پیغام پہنچ جائے گا۔ علامہ ابوحیان نے کہا: اولیٰ یہ ہے کہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی عطا اور نوال دنیا اور آخرت دونوں کو شامل ہے' ہاں! آخرت میں آپ کو جو عطا حاصل ہوگی' وہ دنیا کی عطا سے بہت زیادہ ہے' حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں آپ کو موتیوں کے ایک ہزار محل عطا فرمائے گا' جن کی مٹی مشک ہوگی اور ہر محل میں بہ کثرت حوریں اور خدام ہوں گے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۲۶ طبع قدیم المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۴۳' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۲۰ھ) (روح المعانی جز ۲۷ ص ۲۸۸۔ ۲۸۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

آخرت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت و کرامت عطا کرنے کے متعلق احادیث

آخرت میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور شان کو ظاہر فرمائے گا' اللہ تعالیٰ جلال میں ہوگا اور فرمائے گا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ آج کس کی بادشاہی ہے؟ (خود ہی فرمائے گا:) اللہ کی بادشاہی ہے جو واحد قہار ہے ۝ (المؤمن: ۱۶)

اور جب اللہ تعالیٰ جلال میں ہوگا تو کسی کو لب کشائی کی جرأت نہیں ہوگی' لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک حصولِ شفاعت کے لیے جائیں گے' لیکن سب نفسی نفسی کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرنے سے گریز کریں گے اور اس سے کلام کرنے سے ڈریں گے' اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے تو آپ ان کی شفاعت کی حامی بھریں گے' حدیث میں ہے:

عن ابن عمر رضی الله عنهما یقول ان الناس یصیرون یوم القیامة جثاً کل امة تتبع نبیها یقولون یا فلان اشفع حتی تنتهی الشفاعة الی النبی صلی الله علیه وسلم فذالك یوم یبعثه الله المقام المحمود. (صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۷۱۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگ دوزانو بیٹھے ہوں گے' ہر امت اپنے اپنے نبی کے پاس جائے گی' وہ کہیں گے: اے فلاں! شفاعت کیجئے' حتیٰ کہ یہ (طلب) شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ختم ہوگی' پس یہی وہ دن ہے جب اللہ آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ موج درموج پھر رہے ہوں گے' پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر کہیں گے: اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے' وہ کہیں گے: میرا یہ منصب نہیں' تم حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ' وہ خلیل الرحمان ہیں' پھر لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے' وہ کہیں گے: میرا یہ منصب نہیں' لیکن تم حضرت موسیٰ کے پاس جاؤ' وہ کلیم اللہ ہیں' پھر لوگ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے' وہ کہیں گے: میرا یہ منصب نہیں' تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ' وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں' پھر لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے' وہ کہیں گے: میرا یہ منصب نہیں لیکن تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ' پھر لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں کہوں گا: میں ہی شفاعت کے لیے ہوں' میں اپنے رب سے اجازت طلب کرتا ہوں' پھر مجھے شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور مجھے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے کلمات الہام کیے جائیں گے' جن سے میں اللہ کی حمد کروں گا' وہ حمد کے کلمات اس وقت مجھے مستحضر نہیں ہیں' پھر میں ان کلمات سے اللہ کی حمد کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر جاؤں تو کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے' آپ کہیے آپ کی بات سنی جائے گی' آپ سوال کیجئے آپ کو عطا کیا جائے گا اور آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی' پس میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت! میری امت!' پھر کہا جائے گا: آپ جائیے' جس کے دل میں ایک جَو کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لیجئے۔ (الحدیث) یہ مکالمہ اور دوزخ سے امت کو نکالنا چار بار ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۱۰' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۹۳' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۱۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۲۴۳)

غور کیجئے جب کسی نبی کو اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی ہمت نہیں ہوگی' اس وقت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوں گے اور جب کوئی اللہ عزوجل سے شفاعت نہ کر سکے گا' اس وقت آپ شفاعت کریں گے' بلکہ اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا: آپ مانگیے آپ کو ملے گا' آپ شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول ہوگی اور یہی وہ عطا ہے جس کا آپ سے دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؀" (الضحیٰ:۵) آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عزت اور فضیلت عطا کی جائے گی' اس کا بیان ان احادیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو سب سے پہلے میں قبر سے نکلوں گا' اور قیامت کے دن جب لوگوں کا وفد آئے گا تو میں ان سے کلام کروں گا' اور جب لوگ مایوس ہوں گے تو میں ان کو بشارت دوں گا' اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا' اپنے رب کے نزدیک اولادِ آدم میں سب سے زیادہ مکرم میں ہوں گا اور میں یہ بات فخریہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۰' مسند احمد ج۵ ص۵۹' سنن دارمی رقم الحدیث:۴۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جنت کے حلوں میں سے حلہ

پہنایا جائے گا' پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا' اور اس مقام پر میرے علاوہ مخلوق میں سے اور کوئی کھڑا نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے اللہ سے وسیلہ کا سوال کرو' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وسیلہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جنت کا سب سے بلند درجہ ہے' جو صرف کسی ایک شخص کو ملے گا اور مجھے امید ہے وہ شخص میں ہوں گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۲' مسند احمد ج۲ص ۲۶۵)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)' اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)' اور اس دن حضرت آدم ہوں یا ان کے سوا جو نبی بھی ہو' وہ میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوگا اور سب سے پہلے مجھ سے ہی زمین شق ہوگی اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۵' مسند احمد ج۳ص ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپس میں کہہ رہے تھے: کس قدر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم کو بنایا' دوسرے نے کہا: اس سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو کلیم بنایا اور کسی نے کہا: حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں' اور کسی نے کہا: حضرت آدم صفی اللہ ہیں' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا: میں تمہاری باتیں اور تمہارے تعجب کو سن رہا تھا' بے شک حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں' اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں' اور حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں' اور حضرت آدم صفی اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں' سنو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں ہی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں ہی وہ ہوں' جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)' اور میں ہی سب سے پہلے جنت کو کھلواؤں گا اور اللہ میرے لیے جنت کا دروازہ کھول دے گا اور مجھ کو اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں تمام اوّلین اور آخرین سے زیادہ معزز اور مکرم ہوں اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۱۶' سنن دارمی رقم الحدیث:۴۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں خاتم النبیین ہوں اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں) اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور میں یہ بات فخر یہ نہیں کہتا (بلکہ اظہارِ حقیقت کر رہا ہوں)۔ (سنن دارمی رقم الحدیث:۵۰' دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

یعنی یہ میرے فخر کی چیز نہیں ہے کہ میں رسولوں کا قائد ہوں' فخر تو ان رسولوں کو کرنا چاہیے جنہیں مجھ جیسا قائد مل گیا۔

کعب بیان کرتے ہیں کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اپنے پَروں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا احاطہ کر لیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ (درود) پڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب شام ہو جاتی ہے تو وہ آسمانوں پر چڑھ

جاتے ہیں اور اتنے ہی اور فرشتے نازل ہو جاتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح آپ پر صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں' یہ معمول اسی طرح ہوتا رہے گا حتیٰ کہ زمین آپ سے شق ہوگی اور آپ ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں قبر سے باہر آئیں گے۔
(سنن دارمی رقم الحدیث: ۹۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا' پھر آپ کو ٹھکانا دیاO اور آپ کو جب کبریاء میں سرشار پایا تو آپ کو تبلیغ دین کی طرف متوجہ کیاO اور آپ کو ضرورت مند پایا تو غنی کر دیاO سو آپ یتیم پر شدت نہ کریںO اور مانگنے والے کو نہ جھڑکیںO اور اپنے رب کی نعمت کا (خوب) ذکر کریںO (الضحیٰ: ۱۱۔۶)

یتیم کا معنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم ہونے کی کیفیت

الضحیٰ: ۶ میں "یتیم" کا لفظ ہے' یتیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا والد فوت ہو جائے' اور اس آیت میں "اوی" کا لفظ ہے' اس کا مصدر "ایواء" ہے' اس کا معنی ہے: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا' اس آیت کا یہ معنی ہے: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ کم سن بچے تھے' آپ کے والد نہیں تھے تو اللہ عزوجل نے آپ کو ان کے ساتھ ملا دیا جنہوں نے آپ کی پرورش اور نگہداشت کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں تھے تو آپ کے والد ماجد سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے' ولادت کے بعد آپ اپنی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اور اپنے دادا سیدنا عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی کفالت میں رہے' پھر جب آپ کی عمر شریف چھ سال تھی تو آپ کی والدہ ماجدہ رحلت فرما گئیں اور جب آپ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کے دادا رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے' اور حضرت عبد المطلب نے آپ کے چچا جناب ابو طالب کو وصیت کی کہ وہ آپ کی کفالت کریں اور انہوں نے نہایت شفقت سے آپ کی کفالت کی' ان کا نام عبد مناف تھا' پھر ابو طالب آپ کی کفالت کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا' اس کے بعد بھی عرصۂ دراز تک آپ کی نصرت اور حمایت کرتے رہے' حتیٰ کہ ہجرت سے کچھ پہلے ابو طالب کی وفات ہوگئی۔ (الکشاف ج ۴ ص ۷۶۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ ایک دن ابو طالب نے اپنے بھائی عباس سے کہا: کیا میں تم کو یہ خبر نہ دوں کہ میں نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کیا عجیب وغریب چیزیں دیکھی ہیں؟ ابو طالب نے کہا: میں دن رات کے کسی وقت میں بھی ان کو اپنے پاس سے جدا نہیں کرتا تھا' حتیٰ کہ رات کو بھی اپنے پاس سلاتا تھا' ان کا جسم بہت نرم ملائم اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا' بہت دفعہ میں ان کو اپنے بستر سے گم پاتا' میں ان کو ڈھونڈنے کے لیے باہر نکلتا تو وہ مجھے آواز دیتے: اے چچا! میں یہاں ہوں! پھر میں لوٹ آتا' بہت مرتبہ آدھی رات کو میں ان سے ایسا کلام سنتا' جس سے مجھے بہت تعجب ہوتا' ہم کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے اور نہ کھانے کے بعد الحمد للہ پڑھتے اور وہ کھانے سے پہلے کہتے تھے: "بسم اللّٰہ الاحد" اور کھانے کے بعد کہتے تھے: "الحمد للّٰہ" مجھے اس پر بہت تعجب ہوتا تھا' میں نے ان کو کبھی جھوٹ بولتے دیکھا' نہ جاہلیت کی طرح ہنستے دیکھا اور نہ بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۹۶' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ' روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۹۰' دار الفکر' بیروت)

آپ کو یتیم رکھا اور آپ کے والدین کو اٹھا لیا تاکہ آپ پر کسی کی تعظیم کرنے کا حق نہ ہو' دودھ پلانے والی حلیمہ کا بھی آپ پر کوئی احسان نہ تھا' کیونکہ آپ کی برکت سے اس پر خوش حالی آ گئی' ایک قول یہ ہے کہ آپ کو یتیم اس طرح فرمایا ہے' جس طرح دریتیم اس موتی کو کہا جاتا ہے جو اپنی سیپی میں تنہا اور منفرد ہوتا ہے' آپ بھی اپنی پاکیزہ صفات اور حیرت انگیز کمالات

میں منفرد تھے اور اس آیت کا معنی ہے: کیا اللہ نے آپ کو قریش میں منفرد صفات کا حامل نہیں پایا' پھر آپ کو ان کے ساتھ ملا دیا' یا ہم نے آپ کو در یتیم کی طرح بے نظیر صفات کا حامل پایا تو آپ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور آپ کو برگزیدہ بنا لیا۔

الضحیٰ: ٧ میں فرمایا: اور آپ کو حُبِّ کبریاء میں سرشار پایا تو آپ کو تبلیغ دین کی طرف متوجہ کیا○

لفظ''ضال'' کے معنی کی تحقیق اور ائمہ لغت کی تصریحات

اس آیت میں''ضال'' کا لفظ ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ ھ اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

''ضلال'' کا معنی ہے: سیدھے راستے سے منحرف ہونا' اس کی ضد ہدایت ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ (یونس:١٠٨)

سو جو سیدھے راستے پر چلتا ہے تو اس کا سیدھے راستہ پر چلنا اپنے نفع کے لیے ہے اور جو سیدھے راستہ سے انحراف کرتا ہے تو اس کے انحراف کا ضرر اسی پر ہے۔

''ضلال'' سیدھے راستہ سے انحراف کو کہتے ہیں خواہ یہ انحراف عمداً ہو یا سہواً ہو' کم ہو یا زیادہ ہو' کیونکہ وہ سیدھا راستہ جو اللہ اور اس کے رسول کا پسندیدہ ہے' اس پر چلنا سخت مشکل ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ (البلد:١١)

(انسان نیکی کرنے اور بُرائی ترک کرنے کی) دشوار گزار گھاٹی پر نہیں چڑھا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

استقیموا ولن تحصوا.

یعنی تم مکمل طور پر صراط مستقیم پر نہیں چل سکو گے بہر حال کوشش کرتے رہو۔

(مسند احمد ج ٥ ص ٢٧٧' المعجم الکبیر ج ٧ ص ٢٦۔ رقم الحدیث: ١٢٧٠' سنن کبریٰ للبیہقی ج ١ ص ٨٢' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ٩٩٤' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ٢٩٢)

حکماء نے کہا ہے کہ کوئی انسان مکمل ہدایت پر نہیں ہوتا' کسی وجہ سے ہدایت پر ہوتا ہے اور کسی وجہ سے ضلالت پر ہوتا ہے' اور جب''ضلال'' کا معنی ہے: سیدھے راستہ کو ترک کرنا' خواہ یہ ترک کرنا عمداً ہو یا سہواً' کم ہو یا زیادہ' تو کسی شخص سے کوئی بھی کسی قسم کی خطا ہو جائے تو اس کے لیے''ضلال'' کا لفظ استعمال کرنا صحیح ہے' اس لیے لفظ''ضلال'' کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی ہوتی ہے اور شیطان کی طرف بھی ہوتی ہے' اگرچہ دونوں کے ضلال میں بہت زیادہ فرق ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:''وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ''(الضحیٰ:٧) یعنی جب آپ کو نبوت پر فائز کیا گیا تو آپ مکمل شریعت سے آگاہ نہ تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق ان کے بیٹوں کا یہ قول نقل فرمایا:''اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ''(یوسف:٩٥) آپ اپنی اسی پرانی والہانہ محبت اور وارفتگی میں ہیں' اور ان کے بیٹوں نے کہا:''اِنَّ اَبَانَا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ''(یوسف:٨) (یوسف اور بنیامین کو محبت میں ترجیح دے کر) ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے اور مصر کی عورتوں نے زلیخا کے متعلق کہا:

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۚ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (یوسف:٣٠)

اس کے دل میں یوسف کی محبت بیٹھ گئی ہے' ہم اس کو صریح گم راہی میں دیکھتی ہیں○

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۚ (البقرہ:٢٨٢)

تا کہ ان میں سے ایک بھول جائے تو ان میں سے دوسری اسے یاد دلا دے۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ (الشعراء: ۲۰) موسیٰ نے کہا: جس وقت میں نے یہ کام کیا (قبطی کو تادیباً گھونسا مارا) اس وقت میں سہو کرنے والوں میں سے تھا۔
لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى (طٰہٰ: ۵۲) میرا رب نہ غفلت کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔
اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ (الفیل: ۲) کیا اللہ نے ان کی سازش کو معطل اور باطل نہیں کر دیا۔
(المفردات ج ۴ ص ۳۸۹۔۳۸۸ ملخصاً وموضحاً' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ ''ضال'' کا معنی ہے: (۱) گم راہ (۲) ناواقف (۳) بھولنے والا (۴) محبت میں وارفتہ (۵) غافل (۶) سہو کرنے والا (۷) اور معطل اور باطل۔

علامہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ نے ''ضال'' کے حسب ذیل معانی لکھے ہیں:
(۱) گم راہ (۲) ضائع ہونے والا (۳) ہلاک ہونے والا (۴) راستہ گم کرنے والا (۵) راستہ نہ جاننے والا۔
(مختار الصحاح ص ۲۳۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:
''ضال'' ہدایت یافتہ کی ضد ہے یعنی (۱) گم راہ (۲) کسی چیز کو گم کرنے والا (۳) کسی چیز کو نہ پہچاننے والا (۴) کسی چیز کو گرانے والا (۵) ضائع ہونے والا (۶) گم شدہ چیز (۷) زائل ہونے والا (۸) بھولنے والا (۹) ہلاک ہونے والا (۱۰) باطل (۱۱) کسی چیز میں گم یا غائب ہونے والا۔ (لسان العرب ج ۹ ص ۵۸۔۵۶ ملخصاً' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۲۰۰۳ء)

علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:
''ضال'' کا معنی ہے: ہدایت یافتہ کی ضد یعنی گم راہ' گم ہونے والا' غائب ہونے والا' ضائع ہونے والا' چھپ جانے والا' باطل۔ (قاموس ص ۱۰۲۴' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

سید محمد مرتضیٰ زبیدی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ نے ''قاموس'' کی شرح میں مزید یہ معنی لکھتے ہیں:
محبت میں وارفتہ' سہو کرنے والا' بھولنے والا۔ (تاج العروس ج ۷ ص ۴۱۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

ان معانی میں سے بعض معانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت اور آپ کی شان کے لائق نہیں ہیں جیسے گم راہ ضائع ہونے والا' ہلاک ہونے والا' معطل اور باطل' اور دوسرے معانی مثلاً محبت میں وارفتہ' ناواقف' غافل' سہو کرنے والا' بھولنے والا' راستہ گم کرنے والا' راستہ نہ جاننے والا' کسی چیز میں گم ہونے والا اور غائب ہونے والا' ان معانی کو مفسرین نے متعدد تاویلات کے ساتھ اختیار کیا ہے اور ان معانی کے علاوہ کچھ اور معانی کو بھی محاوراتِ عرب سے مستنبط کر کے اختیار کیا ہے' ہم اس بحث میں امام ابومنصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ' علامہ الماوردی متوفی ۴۵۰ھ' امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اور علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ کے اختیار کردہ معانی ذکر کر رہے ہیں۔

امام ابومنصور ماتریدی کی لفظ ''ضال'' میں توجیہات

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ نے اس آیت کے حسب ذیل محامل ذکر کیے ہیں:
(۱) اگر (بہ فرضِ محال) اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی ہدایت نہ دیتا اور آپ کو اس کی توفیق نہ دیتا تو وہ ضرور آپ کو غیر ہدایت یافتہ پاتا' کیونکہ آپ گمراہ قوم میں پیدا ہوئے تھے' اس قوم کو کسی نے ہدایت نہیں دی تھی اور کسی نے اس کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت نہیں دی تھی' لیکن اللہ نے آپ کو ہدایت دی اور توحید کی رہ نمائی کی' سو اس نے آپ کو گم راہ اور غیر ہدایت یافتہ

نہیں بنایا' اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ (آل عمران: ١٠٣) اور تم لوگ آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے' سو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ٧٤) اگر بالفرض ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو ممکن تھا کہ آپ ان مشرکین کی طرف قدرے مائل ہو جاتے ۝

کیونکہ انسان اور بشر کی طبیعت میں جلد اور آسانی سے ملنے والی دنیا کی لذتوں اور راحتوں کی طرف میلان ہے' اس لیے ہوسکتا تھا کہ آپ دنیا کی طرف مائل ہو جاتے لیکن اللہ عزوجل نے اپنے فضل اور لطف سے آپ کو معصوم بنایا اور آخرت کی نعمتوں پر آپ کو ثابت قدم رکھا اور دنیا کی عارضی لذتوں سے متنفر بنایا۔ اس بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر بالفرض اللہ آپ کو ہدایت نہ دیتا تو وہ ضرور آپ کو غیر ہدایت یافتہ پاتا لیکن اس نے آپ کو ہدایت دی اور آپ کو گم راہ نہیں پایا۔

(٢) ''ضال'' کا معنی ہے: ناواقف۔ اللہ نے آپ کو ہدایت سے ناواقف پایا اور یہ ناواقفیت آپ کے کسب اور اختیار سے نہیں تھی' لیکن انسان اپنی اصل خلقت میں ناواقف ہے اور اس آیت میں ''ضلال'' کا معنی ناواقفیت ہے کیونکہ مخلوق اپنے ابتدائی احوال میں ناواقف ہوتی ہے' وہ اپنے کسب اور اختیار سے ناواقف نہیں ہوتی کہ اس کی مذمت کی جائے اور نہ وہ اپنے اختیار سے عالم ہوتی ہے کہ اس کی تحسین کی جائے لیکن وہ اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے ناواقف ہوتی ہے کیونکہ اس وقت اس کے پاس حصول علم کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا اور اس ناواقفیت میں اس کے کسب اور اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے' لیکن جب اس کو حصولِ علم کے آلات میسر ہو جائیں' پھر بھی وہ اپنے اختیار سے علم حاصل نہ کرے تو پھر اس کی مذمت کی جاتی ہے اور علم حاصل کرے تو پھر اس کی تحسین کی جاتی ہے۔

اس تقریر کی بناء پر اس آیت کا معنی یہ ہے: اللہ نے آپ کو اصل خلقت کے اعتبار سے حالتِ صغر میں ناواقف پایا' سو آپ کو آپ کے علم کی طرف ہدایت دی اور اس کی نظیر یہ آیتیں ہیں:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ ۔ (الشوریٰ: ٥٢) (ہمارے وحی کرنے سے پہلے) آپ از خود اپنی عقل سے نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کی تفصیل کیا ہے' لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا جس سے ہم ہدایت دیتے ہیں جس کو چاہیں۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (العنکبوت: ٤٨) نزولِ قرآن سے پہلے آپ نہ کسی کتاب کو پڑھتے تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ یہ باطل پرست لوگ شکوک اور شبہات میں پڑ جاتے ۝

یعنی ہمارے وحی کرنے اور ہمارے علم عطا کرنے سے پہلے از خود اپنی عقل سے دین کا اور شریعت کے احکام کا علم نہ تھا اور جب ہم نے آپ کی طرف وحی کی اور آپ کو علم عطا فرمایا تو آپ کو ایمان کی اور کتاب کی تفصیلات کا علم ہوا۔

(٣) ''ضال'' کا معنی ہے: غافل۔ اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ نے آپ کو انبیاء متقدمین اور صالحین کی خبروں سے غافل پایا تو اللہ نے آپ کو ان کی خبروں سے مطلع فرمایا' جیسا کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ (یوسف:۳) ہم آپ کے سامنے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں جس کی ہم نے آپ کی طرف اس قرآن سے وحی کی ہے اور بے شک آپ اس وحی سے پہلے اس قصہ سے غافل تھے ○

(۴) آپ کو قرآن مجید اور اس کے مضامین سے ناواقف پایا تو آپ کو ان کا علم عطا فرمایا۔

بعض علماء نے کہا: آپ کو گم راہ قوم میں پایا تو آپ کو ہدایت دی یعنی ان گم راہ لوگوں میں سے آپ کو باہر نکالا' اگر آپ کو ان لوگوں سے باہر نہ نکالتا تو وہ آپ کو اپنی گم راہی کی طرف دعوت دیتے اور آپ کو اس پر مجبور کرتے اور اس گم راہی کے سوا آپ سے راضی نہ ہوتے۔

(۵) آپ کو فرائضِ نبوت سے ناواقف پایا تو آپ کو ان کی ہدایت دی۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۷۸۔۴۷۷' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

علامہ الماوردی کی لفظ ''ضال'' میں توجیہات

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں: اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) ''ضلال'' کا معنی ہے: معرفت کا نہ ہونا' ابن عیسیٰ نے کہا کہ آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ کو حق کی معرفت نہ تھی تو آپ کو حق کی ہدایت دی۔

(۲) امام طبری نے کہا کہ ''ضال'' کا معنی ہے: ناواقف' یعنی آپ کو نبوت سے ناواقف پایا تو آپ کو نبوت کی طرف ہدایت دی۔

(۳) سُدّی نے کہا کہ ''ضلال'' کی نسبت قوم کی طرف ہے' یعنی آپ کو گمراہ قوم میں پایا تو اُن کو ہدایت دینے کی آپ کو رہنمائی فرمائی۔

(۴) آپ کو ہجرت سے ناواقف پایا تو آپ کو ہجرت کی طرف ہدایت دی۔

(۵) ''ضال'' کا معنی ہے: طالب' یعنی آپ کو قبلہ کا طالب پایا تو آپ کو قبلہ کی طرف ہدایت دی۔

(۶) ''ضال'' کا معنی ہے: متحیر' یعنی آپ کو کتاب کے بیان کرنے میں متحیر پایا تو آپ کو اس کے بیان کی ہدایت دی۔

(۷) ''ضال'' کا معنی ہے: بھولنے والا' یعنی آپ کو بھولنے والا پایا تو آپ کو یاد رکھنے کی ہدایت دی۔

(۸) ''ضال'' کا معنی ہے: محبت رکھنے والا' یعنی آپ کو ہدایت سے محبت رکھنے والا پایا تو آپ کو ہدایت دی۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۲۹۴)

امام رازی کی لفظ ''ضال'' میں توجیہات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جمہور کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لحظہ کے لیے بھی کفر نہیں کیا' قرآن مجید میں ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ (النجم:۲) تمہارے پیغمبر نے نہ راہِ حق کو گم کیا نہ وہ ٹیڑھے راستہ پر چلے ○

اور انہوں نے اس آیت کے متعدد محامل بیان کیے ہیں:

(۱) ''ضال'' کا معنی غافل ہے۔ حضرت ابن عباس' حسن بصری' ضحاک اور شہر بن حوشب نے کہا: آپ کو احکام شریعت

(کی تفصیل) سے غافل پایا تو آپ کو ان کی ہدایت دی اور اس کی تائید ان آیات میں ہے: ''مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ '' (الشوریٰ:۵۲) ''وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ '' (یوسف:۳)۔

(۲) ''ضـــال'' کا معنی ہے: گم شدہ۔ آپ کی دائی حلیمہ آپ کو آپ کے دادا کی طرف واپس لے جانے لگیں تو انہوں نے آپ کو گم پایا حتیٰ کہ وہ ھبل نامی بت کے پاس گئیں اور اس سے شکایت کی تو وہ سب بت گر پڑے اور یہ آواز سنائی دی: اس بچے کے ہاتھوں ہماری ہلاکت ہوگی۔

(۳) آپ اپنے دادا عبد المطلب سے گم ہو گئے تھے تو ابو جہل آپ کو ان کے پاس لایا' جس طرح حضرت موسیٰ نے فرعون کے گھر پرورش پائی۔

(۴) آپ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ جا رہے تھے' ایک کافر نے آپ کے اونٹ کی مہار پکڑی اور آپ سے راستہ گم ہو گیا' اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آدمی کی شکل میں بھیجا اور آپ کو قافلہ کے ساتھ ملا دیا۔

(۵) جب دودھ پانی میں مخلوط ہو جائے تو اہل عرب کہتے ہیں: ''ضلّ الماء فی اللبن '' (پانی دودھ میں گم ہو گیا) اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفر کے معاشرہ میں مخلوط پایا تو آپ کو قوت دے دی اور آپ کے دین کو غالب کر دیا۔

(۶) ''ضال'' کا معنی ہے: منفرد اور یکتا۔ جنگل میں جو درخت تنہا اور منفرد ہو' اہل عرب اس کو 'شجرۃ ضالۃ '' کہتے ہیں' اس اعتبار سے اس آیت میں آپ کو 'ضــال '' فرمایا ہے یعنی دنیا کے یہ تمام شہر ایسے جنگل کی طرح ہیں جس میں سوائے آپ کے کوئی ایسا درخت نہ تھا جس میں توحید کے پھول کھل رہے ہوں اور معرفتِ الٰہی کے پھل بہار دے رہے ہوں' سو اس جہل اور کفر کے جنگل میں آپ ہی منفرد درخت تھے تو میں نے آپ سے مخلوق کو ہدایت دی' اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

الحکمۃ ضالۃ الحکیم۔ — حکمت حکیم کا منفرد ثمر بار درخت ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۷)

(۷) ''ضال'' کا معنی ہے: معرفت سے عاری۔ جب آپ ایامِ طفولیت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو 'ضال'' پایا یعنی علوم اور معارف سے خالی پایا' نہ کہ گمراہانہ عقائد کا حامل' تو آپ میں عقل' معرفت اور ہدایت پیدا فرمائی' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (النحل:۷۸)

اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے' اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو ○

(۸) اس آیت میں 'ضــال '' کا اسناد آپ کی قوم کی طرف ہے۔ بعض اوقات قوم کے سردار سے خطاب ہوتا ہے اور اس سے مراد اس کی قوم ہوتی ہے' پس اس آیت کا معنی ہے: آپ کی قوم کو گمراہ پایا تو اس کو ہدایت دی۔

(۹) ''ضــال '' سے مراد ہے: تنہا اور الگ تھلگ۔ آپ کو اپنی قوم سے الگ تھلگ اور غیر مخلوط پایا تو آپ کو ان کے ساتھ میل جول کی طرف متوجہ کیا تاکہ آپ ان کو ہدایت پر لائیں۔

(۱۰) ''ضــال '' کا معنی متحیر ہے' آپ مکہ سے ہجرت کرنے کے معاملہ میں متحیر تھے اور اپنے رب کے اذن کے منتظر تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کرنے کی اجازت دی اور مدینہ کی طرف ہجرت کی ہدایت دی۔

(۱۱) آپ نماز کے قبلہ کے معاملہ میں متحیر اور مضطرب تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ بیت اللہ کو آپ کا قبلہ بنایا جائے گا یا نہیں' تو

اللہ نے فرمایا:

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۔ (البقرہ:۱۴۴) پس ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کی طرف منہ کرنے پر آپ راضی ہیں۔

(۱۲) ''ضــال'' کا معنی محبت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو محبت کرنے والا پایا تو اس نے آپ کو احکامِ شرعیہ کی ہدایت دی تا کہ آپ ان احکام پر عمل کر کے اپنے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔

(۱۳) ''ضــال'' کا معنی ناواقف ہے۔ آپ دنیاوی اُمور سے ناواقف تھے اور صرف دین سے واقف تھے تو اللہ نے دین کے ساتھ ساتھ آپ کو دنیاوی اُمور سے بھی واقف کیا اور آپ نے تجارت میں نفع حاصل کیا۔

(۱۴) ''ضــال'' سے مراد ہے: مظلوم۔ آپ اپنی قوم کا ظلم برداشت کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوی کر دیا اور آپ کو ہدایت دی حتیٰ کہ آپ ان پر حاکم ہو گئے۔

(۱۵) آپ آسمانوں کے راستوں سے ناواقف تھے شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان راستوں کی ہدایت دی۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۹۸۔۱۹۷ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی کی لفظ ''ضال'' کے بارے میں توجیہات

(۱) ''ضــال'' کا معنی ناواقف ہے شب معراج جب جبریل آپ کا ساتھ چھوڑ گئے اور آپ آگے کے راستے سے ناواقف تھے تو اللہ عز و جل نے آپ کو عرش کی طرف ہدایت دی۔

(۲) ''ضــال'' کا معنی ناواقف ہے یعنی آپ کو اپنے نفس کی معرفت نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نفس اور احوال کی معرفت دی۔

(۳) ''ضــال'' کا معنی ہے: تنہا۔ آپ تنہا دین اسلام پر تھے آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا تو اللہ عز و جل نے آپ کے سبب سے مخلوق کو اپنی طرف ہدایت دی۔

(۴) آپ کی قوم آپ کے مرتبہ سے ناواقف تھی تو اللہ عز و جل نے آپ کی قوم کو آپ کے مرتبہ کی طرف ہدایت دی۔

(۵) ''ضــال'' کا معنی ہے: متحیّر ۔ آپ اللہ کی ذات کی معرفت میں متحیّر اور سرگرداں تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی معرفت کی طرف ہدایت دی۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۸۷۔۸۵ دارالفکر بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور صدر الافاضل کی توجیہات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا:

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ نے اس کی تفسیر یوں فرمائی:

غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے اور علوم ما کان و ما یکون عطا کیے اپنی ذات و صفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عنایت کیا۔

مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے یہ بھی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور اپنے مراتب کی بھی خبر نہیں رکھتے تھے تو آپ کو آپ کی ذات و صفات اور مراتب و درجات کی معرفت عطا فرمائی۔

(خزائن العرفان حاشیہ کنز الایمان ص ۹۵۴۔۹۵۳ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

مصنف کی توجیہ

ہم نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

اور آپ کو حُبِّ کبریاء میں سرشار پایا تو آپ کو تبلیغ دین کی طرف متوجہ کیا۔

محبت کا کمال یہ ہے کہ محب محبوب کے جلووں میں اس طرح کھو جائے کہ وہ محبوب کی ذات کے سوا ہر چیز کو فراموش کر دے، حتیٰ کہ اسے اپنی ذات کا بھی احساس نہ رہے اور سارے عالم کو بلکہ خود اپنی ذات کو بھی بھول جائے اور محبت میں سرشاری اور وارفتگی کے عالم میں سوا ذاتِ محبوب کے اور کوئی چیز پیش نظر نہ ہو اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے کامل محبت تھی اور حسن الوہیت کے جمال میں آپ ایسے محو تھے کہ آپ کو اپنی ذات کا بھی احساس نہ تھا' بھلا کائنات کی طرف کیا توجہ ہوتی' پس اللہ تعالیٰ نے ہم بے کسوں پر کرم فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی ذات اور ہماری طرف متوجہ کیا' تاکہ آپ مخلوق کو تبلیغِ دین کریں اور انہیں گم راہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنیوں میں لائیں' بے کسوں کا کس اور بے سہاروں کا سہارا بنیں' گم کردہ راہ لوگوں کو ہدایت کا مینار بنائیں اور تحت الثریٰ میں گرنے والوں کو اوجِ ثریا تک پہنچا دیں۔

الضحیٰ: ٨ میں فرمایا: اور آپ کو ضرورت مند پایا تو غنی کر دیا O

''عائل'' کا معنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غنی کرنے کے محامل

اس آیت میں ''عائل'' کا لفظ ہے' ''عائل'' کا معنی ہے: مفتقر اور فقیر' یعنی آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ کے پاس ضرورت کی چیزیں نہ تھیں تو آپ کو تجارت کے نفع کے ذریعہ غنی کر دیا' یہ اس وقت ہوا جب آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے سفر پر شام کی طرف روانہ ہوئے' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ کی مال دار خاتون تھیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد نکاح کر لیا اور انہوں نے اپنا تمام مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا' پھر اسلام کی فتوحات کے ذریعہ آپ کو بہ کثرت مالِ غنیمت اور مالِ فے حاصل ہوا اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالِ دنیا سے غنی کر دیا۔

اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑے مال پر آپ کو قناعت کرنے والا بنا دیا اور آپ کے دل کو غنی کر دیا اور ہو سکتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی وجہ سے آپ کو اپنے ماسوا سے غنی کر دیا' آپ صرف اللہ عزوجل کی طرف مفتقر تھے تو اللہ تعالیٰ نے سارے عالم سے آپ کو غنی کر دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کی تعلیم دی ہے:

اللھم اغننی من الفقر. اے اللہ! مجھے فقر سے غنی کر دے۔

(المعجم الکبیر ج ٢٠ ص ٣٣٢' الترغیب والترہیب ج ٢ ص ٦١٥)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ٣٣٣ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کے لحاظ سے فقیر پایا تو آپ کو آخرت کی نعمتیں دکھا کر دنیا سے غنی کر دیا اور جب آپ نے وہ نعمتیں دیکھیں جن کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے اور آخرت کی عزتیں اور وجاہتیں دیکھیں تو پھر آپ کی نظر میں دنیا حقیر ہو گئی' حتیٰ کہ آپ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پَر کے برابر بھی نہ تھی' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر سو گئے' جب آپ اٹھے تو آپ کے پہلوؤں میں چٹائی کے نشانات ثبت ہو گئے تھے' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے بستر بنا دیں' آپ نے

فرمایا: میرا دنیا سے کیا تعلق ہے! میں اس دنیا میں صرف ایک سوار کی طرح ہوں جو کسی درخت کے سائے میں آتا ہے' پھر اس کو چھوڑ کر روانہ ہو جاتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۷۷' مسند احمد ج ا ص ۳۹۱)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص لطف سے آپ کو غنی کر دیا ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا' آپ سے کہا گیا: یارسول اللہ! آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کی مثل نہیں ہوں' بے شک میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۹۶۵)

پس اس طرح ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف سے آپ کو غنی کر دیا ہو اور ہمیں آپ نے اس سے مطلع نہ فرمایا ہو۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۵ ص ۴۷۸' موسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

الضحیٰ: ۹ میں فرمایا: سو آپ یتیم پر شدت نہ کریں O

آپ کو یتیم بنانے کی حکمتیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ یتیم کا حق نہ روکیں اور اس کا حق اور اس کا مال اس کو ادا کر دیں' کیونکہ آپ یتیم رہ چکے ہیں اور یتیم کے حال سے اچھی طرح واقف ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے یتیمی کو اختیار فرمایا' اس کی مفسرین نے حسب ذیل حکمتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) آپ کو یتیموں کا حال معلوم ہوتا کہ آپ یتیموں کے حقوق ادا کریں اور ان کی آسودگی اور ان کے لیے خیر کے حصول کی کوشش کریں' حضرت یوسف علیہ السلام ایامِ قحط میں اس لیے سیر ہو کر کھانا نہیں کھاتے تھے تاکہ وہ بھوکے لوگوں کی بھوک کو بھول نہ جائیں۔

(۲) آپ کو یتیم رکھا تاکہ یتیم اس وصف میں آپ کا شریک ہو جائے اور یتیم کی اس لیے تکریم کی جائے کہ آپ بھی یتیم تھے۔

(۳) جس شخص کے ماں اور باپ دونوں زندہ ہوتے ہیں' اس کا اعتماد اپنے ماں اور باپ پر ہوتا ہے' آپ کے ماں اور باپ دونوں کو اٹھا لیا تاکہ بچپن سے آپ کا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر رہے۔

(۴) عموماً یتیم کی تربیت اور تادیب نہیں ہو پاتی' اس لیے لوگ یتیم کے عیب بہت تلاش کرتے ہیں' سو لوگوں نے آپ کے احوال کو بھی بہت گہری نظر سے دیکھا' لیکن سوائے پاکیزگی اور پاک دامنی کے ان کو کوئی چیز نظر نہیں آئی حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانِ نبوت کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو آپ کی ذات میں طعن کرنے کی کوئی وجہ نہیں ملی۔

(۵) جس کا باپ ہوتا ہے وہ اس کو تعلیم دیتا ہے اور اس کی تادیب کرتا ہے' آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے سر سے باپ کا سایا اٹھا لیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی تعلیم اور تادیب کا کفیل اور متولی صرف اللہ تعالیٰ تھا' سند ضعیف سے روایت ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔ مجھے میرے رب نے ادب سکھایا' سو بہت اچھا ادب سکھایا۔

(کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۸۹۵)

(۶) اگر آپ کے ماں باپ زندہ رہتے تو آپ کو ان کی ہر وقت تعظیم کرنی پڑتی' اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ آپ صرف اللہ عزوجل کی تعظیم کریں اور مخلوق میں سے کسی کی تعظیم نہ کریں۔

یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی احادیث

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک گھر ہے' جس کا نام دارالفرح ہے' اس میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جنہوں نے مؤمنین یتیموں کو خوش کیا ہوگا۔

(اللئالی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۷' التنزیہ ج ۲ ص ۱۳۶-۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یتیم روتا ہے تو اس کے آنسو رحمٰن کی ہتھیلیوں میں گرتے ہیں اور وہ فرماتا ہے: اس یتیم کو کس نے رُلایا ہے' جس کے ماں باپ قبر میں غائب ہو چکے ہیں اور جو اس یتیم کو چپ کرائے اس کے لیے جنت ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲' التنزیہ ج ۲ ص ۱۳۶' الفوائد رقم الحدیث: ۲' التذکرہ رقم الحدیث: ۱۲۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یتیم روتا ہے تو اس کے رونے کی وجہ سے عرش ہل جاتا ہے اور رحمٰن فرشتوں سے فرماتا ہے: میرے اس بندہ کو کس نے رُلایا' حالانکہ میں اس کے باپ کی روح قبض کر چکا ہوں اور اس کو مٹی میں چھپا چکا ہوں' فرشتے کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں کوئی علم نہیں ہے' پس رحمان فرمائے گا: اے میرے فرشتو! گواہ ہو جاؤ' جس نے اس کو راضی کیا میں اس کو قیامت کے دن راضی کروں گا۔

(اللئالی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۷' التنزیہ ج ۲ ص ۱۳۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ گھر وہ ہے جس میں یتیم کی تکریم کی جائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۴۳۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت)

ابو مالک بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو اپنے کھانے اور پانی کے ساتھ ملایا حتیٰ کہ اس کو سیر کر دیا' اس کے لیے یقیناً جنت واجب ہو جائے گی۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۳۴۴ - ج ۵ ص ۲۹' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۹۲۶)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے' آپ نے درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی کو ملا کر فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۰۰۵' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۵۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۱۸' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۳)

ان احادیث کو علامہ آلوسی نے بھی بغیر تخریج کے ذکر کیا ہے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۹۴-۲۹۳)

الضحیٰ: ۱۰ میں فرمایا: اور مانگنے والے کو نہ جھڑکیں O

ربط آیات

اس سے پہلے فرمایا تھا: آپ یتیم تھے تو آپ کو ٹھکانا دیا' آپ طالب ہدایت تھے تو آپ کو ہدایت دی اور آپ ضرورت مند تھے تو اللہ نے آپ کو غنی کیا تو آپ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو نہ بھولیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور یتیم پر شفقت کریں اور سائل پر رحم کریں کیونکہ آپ یتیمی اور تنگ دستی کو گزار چکے ہیں۔

صحیح سائل کا معیار اور غیر مستحق سائل کے لیے عذاب کی وعید کے متعلق احادیث

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں لوگوں کی طرف سے حقوق ادا کر رہا تھا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اس سلسلہ میں سوال کیا' آپ نے فرمایا: تم ہمارے پاس ٹھہرو حتیٰ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آ جائے' پھر ہم اس میں سے تمہیں دینے کا حکم دیں گے' پھر آپ نے فرمایا: تین صورتوں کے سوا اور کسی صورت میں سوال کرنا

جائز نہیں ہے: (۱) ایک وہ شخص ہے جس نے کسی کی طرف کسی حق کو ادا کرنے کا ذمہ لیا ہو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے حتیٰ کہ اس کو مطلوبہ مال مل جائے پھر وہ سوال سے رُک جائے (۲) دوسرا وہ شخص جس کے مال پر کوئی آفت آ گئی ہو اور اس کا سب مال ضائع ہو گیا ہو اس کے لیے سوال کرنا حلال ہے حتیٰ کہ اس کو گزر اوقات کے لیے مل جائے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص فاقوں میں مبتلا ہو حتیٰ کہ اس کی قوم کے تین آدمی گواہی دیں کہ فلاں شخص فاقوں میں مبتلا ہے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے (تین آدمیوں کی گواہی استحباب کی شرط ہے اگر وہ واقعی فاقے کر رہا ہے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے)' اے قبیصہ! ان تین صورتوں کے سوا جو شخص سوال کرتا ہے' وہ حرام کھاتا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۴۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۰' سنن دارمی رقم الحدیث: ۱۶۷۸' مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کیا' وہ آگ کے انگاروں کا سوال کر رہا ہے' کم سوال کرے یا زیادہ۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۳۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص لوگوں سے ہمیشہ سوال کرتا رہتا ہے' وہ قیامت کے دن ایسے چہرے کے ساتھ آئے گا' جس پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہو گی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۴۷۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۸۵' مسند احمد ج ۲ ص ۱۵)

سہل ابن الحنظلیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سوال کیا اور اس کے پاس اتنی چیزیں تھیں جو اس کو سوال سے غنی کر سکتی تھیں' وہ صرف آگ کو زیادہ کر رہا ہے' نفیلی نے پوچھا: اس چیز کی کتنی مقدار ہے جو اس کو سوال سے غنی کر دے اور اس مقدار کے ہوتے ہوئے اس کو سوال نہیں کرنا چاہیے؟ فرمایا: اس کے پاس صبح اور شام کا کھانا ہو یا ایک دن اور ایک رات کا کھانا ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۲۹' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۰)

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غنی (مالک نصاب زکوٰۃ) کے لیے سوال کرنا جائز نہیں اور نہ تندرست آدمی کے لیے' سوال کرنا صرف اس کے لیے جائز ہے جس کو فقر ہلاک کر رہا ہو یا جو قرض کے بوجھ سے گھبرا رہا ہو اور جس نے اپنے مال میں اضافے کے لیے سوال کیا' قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی اور وہ دوزخ کے گرم پتھر کھا رہا ہو گا' پس جو چاہے (اس عذاب کو) کم کرے اور جو چاہے زیادہ کرے۔ (اگر کسی شخص کو علم ہو کہ اس سائل کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس کو نرمی سے مسترد کر دے اور اگر وہ اس کو دے گا تو وہ گنہ گار ہو گا) (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۵۳)

سائل کو دینے کی ترغیب کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو (لوگوں پر) خرچ کر' میں (تجھ پر) خرچ کروں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۹۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے زائد چیز کو خرچ کر دے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر تو اس کو روک کر رکھے تو یہ تیرے لیے بُرا ہے اور اگر تیرے پاس بہ قدر ضرورت مال ہو تو تجھ کو ملامت نہیں کی جائے گی' اور دینے کی ابتداء اپنے اہل وعیال سے کر۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۳۶)

حضرت ام بجیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مسکین میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ مجھے حیاء آتی ہے اور میرے پاس اسے دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہوتی' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے اسے دے دو' خواہ وہ بکری کا جلا ہوا پایا ہو۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۶۶۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۵۷۴' مسند احمد ج ۶ ص ۳۸۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد شدہ غلام بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ گوشت ہدیہ کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا' انہوں نے خادمہ سے کہا: اس کو گھر میں رکھ دو شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تناول فرمائیں' خادمہ نے اس کو گھر کے طاق میں رکھ دیا' اس اثناء میں ایک سائل نے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا: صدقہ دو' اللہ تمہارے مال میں برکت دے' گھر والوں نے کہا: اللہ تمہیں برکت دے' وہ سائل چلا گیا' بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: اے ام سلمہ! تمہارے پاس کچھ کھانے کی چیز ہے؟ اور انہوں نے خادمہ سے کہا: جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ گوشت لا کر دو' وہ گئی تو اس طاق میں گوشت نہیں تھا' ایک پتھر کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہی گوشت ہے جو اب پتھر کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے' کیونکہ تم نے سائل کو یہ گوشت نہیں دیا تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۰۰' اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ حضرت عثمان کا غلام مجہول ہے)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مساکین جھوٹ نہ بولیں تو ان کو رد کرنے والا فلاح نہ پائے۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۹۶۷' اس حدیث کا ایک راوی جعفر بن الزبیر ضعیف ہے' مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۲)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سائل کے لیے حق ہے' خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

شعیب الارنؤوط نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند مجہول ہے کیونکہ اس کی سند میں یعلی بن ابی یحییٰ مجہول ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۱ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳ ص ۲۵۴۔ رقم الحدیث: ۱۷۳۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۶۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۱۳' مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: ۶۷۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۶۵' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۲۸۹۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۳' الموطأ ج ۲۔ رقم الحدیث: ۱۹۲۷' دار المعرفۃ' بیروت)

موطأ امام مالک میں یہ حدیث ان الفاظ سے ہے: سائل کو عطا کرو خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہو۔

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں سائل کو عطا کرنے کی ترغیب ہے' اس پر یہ اعتراض ہے کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ جس شخص کے پاس صبح اور شام کا کھانا ہو' اس کا سوال کرنا مکروہ ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غنی کا اور تندرست شخص کا جو کمانے پر قادر ہو' سوال کرنا جائز نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سائل سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا سائل ہے کہ بغیر سواری کے اس کے لیے کہیں جانا مشکل ہو اور اس کے پاس ایک دن سے زیادہ کھانے پینے کی چیز نہ ہو اور وہ کمزور اور بیمار ہو' اس وجہ سے محنت مزدوری نہ کر سکتا ہو' اس لیے اس کا سوال کرنا صحیح ہے' علاوہ ازیں اس حدیث کی سند قطعی الثبوت نہیں ہے۔

(الاستذکار ج ۲۷ ص ۴۰۳' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۴ھ)

نیز حافظ ابن عبدالبر اپنی دوسری شرح میں لکھتے ہیں:

جب کسی شخص کے پاس اس کا گھوڑا اس کی ضرورت کے لیے ہو تو وہ اس گھوڑے کی وجہ سے غنی نہیں ہوتا' کیونکہ وہ اپنی

ضروریات کے لیے پیدل نہیں جا سکتا' اور اس گھوڑے کا مالک ہونے کی وجہ سے وہ فقر کی حد سے نہیں نکلتا اور ان اغنیاء کے حکم میں داخل نہیں ہوتا' جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ہے: سائل کو عطا کرو' یہ نہیں فرمایا: اس کو زکوٰۃ دو یا نفلی صدقہ دو' پس اس کو ہر قسم کے صدقہ سے دینا جائز ہے' نیز اس حدیث میں یہ ترغیب دی ہے کہ سائل جو بھی ہو اس کو عطا کرنا چاہیے' کیونکہ مسلمان کے حال سے اغلب یہ ہے کہ وہ واقعی ضرورت مند ہے' جب ہی سوال کر رہا ہے' ہاں! اگر دینے والے کو کسی دلیل سے معلوم ہو کہ یہ ضرورت مند یا مقروض نہیں ہے یا یہ صحت مند ہے اور کمانے پر قادر ہے تو پھر اس کو نہیں دینا چاہیے۔ (التمہید ج ۲ ص ۶۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سائل کو رد نہیں فرماتے تھے' حتیٰ کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی جب مرنے لگا تو اس کے بیٹے نے آپ سے آپ کی قمیص مانگی تاکہ وہ اس قمیص کو اپنے باپ کا کفن بنا دے تو آپ نے اس کو اپنی قمیص عطا کر دی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۶۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۷۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۰۹۸)

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاشیہ والی ایک چادر بُن کر آپ کے پاس لائی' اس عورت نے کہا: میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ میں آپ کو پہناؤں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے وہ چادر لے لی اور آپ کو اس وقت اس چادر کی ضرورت بھی تھی' آپ وہ چادر پہن کر ہمارے پاس آئے' ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! یہ بہت خوبصورت چادر ہے' آپ مجھے یہ چادر دے دیجئے' حاضرین نے کہا: تم نے یہ اچھا نہیں کیا' اس چادر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لیا تھا اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی' پھر بھی تم نے اس کو مانگ لیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے' اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے پہننے کے لیے اس چادر کا سوال نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اس چادر کا صرف اس لیے سوال کیا تھا کہ یہ میرا کفن ہو جائے' حضرت سہل نے کہا: پھر وہ چادر اس شخص کا کفن ہو گئی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۷۷)

امام عبد الرحمان بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں:

منہال بن عمر روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنے بیٹے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا' اس عورت نے کہا: آپ سے کہنا کہ مجھے کوئی کپڑا پہنا دیجئے' آپ نے فرمایا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے' اس عورت نے کہا: آپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو: آپ نے جو قمیص پہنی ہوئی ہے وہی دے دیجئے' اس کا بیٹا آپ کے پاس آیا تو آپ نے اپنی قمیص اتار کر اس کو دے دی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۷ ص ۲۳۲۷۔ رقم الحدیث: ۱۳۲۵۶' الدر المنثور ج ۵ ص ۲۴۱)

اگر سائل کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو نرمی سے جواب دینا چاہیے

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آپ سائل کو سختی کے ساتھ جواب نہ دیں' اگر آپ کے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کو نرمی اور رحمت کے ساتھ لوٹا دیں' ایک تفسیر یہ بھی ہے' جو آپ سے دین کا کوئی مسئلہ معلوم کر رہا ہو اس کو نہایت نرمی اور آسانی سے مسئلہ بتائیں اور اگر دنیا کی کسی چیز کا سوال کرے تو اگر آپ کے پاس وہ چیز ہو تو دے دیں ورنہ اس کو نرمی کے ساتھ لوٹا دیں' اسی مضمون کی یہ آیت ہے:

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۲۸)

اور اگر آپ کو اپنے رب کی رحمت کی توقع اور جستجو میں ان سے اعراض کرنا پڑے تو ان کو کوئی نرم بات کہہ کر ٹال دیں ○

امام عبد الرحمان بن محمد رازی ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا: یعنی اگر آپ کو اللہ کے رزق کا انتظار ہو۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۹۳۵۱)
حسن بصری نے کہا: آپ اس صورت میں نرمی اور شفقت سے کہیں: عنقریب ان شاء اللہ ہم کو کوئی چیز ملے گی تو ہم تم کو عطا کریں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۹۳۵۲)
سدی نے ''قول میسور'' کی تفسیر میں کہا: آپ ان سے کہیں کہ اس وقت ہمارے پاس وہ چیز نہیں ہے' جب وہ چیز ہمارے پاس آئے گی تو ہم عطا کریں گے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۹۳۵۳)
ابن زید نے ''قول میسور'' کی تفسیر میں کہا: آپ خوب صورت بات کہیں' اللہ تعالیٰ ہم کو بھی عطا فرمائے اور تم کو بھی اور اللہ تعالیٰ تم کو اس میں برکت دے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۹۳۵۴)

مخلوق سے گڑگڑا کر سوال نہ کیا جائے' صرف اللہ سے گڑگڑا کر سوال کیا جائے

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:
اس آیت میں جھڑکنے سے ممانعت اس صورت میں ہے' جب سائل گڑگڑا کر سوال نہ کرے لیکن اگر وہ گڑگڑا کر سوال کرے اور نرمی سے منع کرنے کے باوجود واپس نہ جائے تو پھر اس سائل کو ڈانٹنے اور جھڑکنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۹۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)
علامہ آلوسی نے یہ صحیح نہیں لکھا' اللہ تعالیٰ نے مطلقاً سائل کو جھڑکنے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ گڑگڑا کر سوال کرے یا نہ کرے اور منع کرنے سے واپس جائے یا نہ جائے اور ہم کو یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ہم نے گنجائش کے باوجود اس سائل کو نہ دیا اور اس کو اپنے دروازہ سے لوٹا دیا تو وہ تو کسی اور دروازہ پر چلا جائے گا لیکن جب ہم اللہ سے سوال کریں گے اور اس کی سزا میں اس نے ہمیں لوٹا دیا تو ہمارے لیے تو اس کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں ہے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب کوئی سوال کرے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ مستحق ہے یا نہیں' مستحق کو دینا چاہیے اور غیر مستحق کو نہیں دینا چاہیے' میں کہتا ہوں کہ جس کو ہم نے غیر مستحق سمجھ کر مسترد کر دیا وہ کسی اور دروازے پر جا کر گدا کر لے گا لیکن جب ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے' اگر اس نے بھی ہمیں اس بناء پر غیر مستحق قرار دے کر رد کر دیا تو ہم اس کے بعد کس دروازہ پر جا کر سوال کریں گے۔
اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تحسین فرمائی جو لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے:
لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ (البقرہ:۲۷۳) وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔
اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر سوال کرنے کا حکم دیا ہے:
اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ (الاعراف:۵۵) اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرو۔
ہمارا حال یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں تو ہاتھ اٹھا کر بے توجہی سے سرسری طور پر چند کلمات پڑھ کر اٹھ جاتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً رمضان کے مہینہ میں لوگ مسجد میں آ کر نمازیوں کے سامنے اپنے مصائب بیان کر کے گڑگڑا کر سوال کرتے ہیں اور کوشش کر کے آنسو نکالتے ہیں اور روتے ہیں' پس جس کے سامنے گڑگڑانا چاہیے' اس کے سامنے نہیں گڑگڑاتے اور مخلوق کے سامنے روتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں۔
الضحیٰ: ۱۱ میں فرمایا: اور اپنے رب کی نعمت کا (خوب) ذکر کریں O

اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرنا چاہیے اور یہی اس کا شکر ہے

مجاہد بن القرشی المخزومی المتوفی ۱۰۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انسان جو نیک عمل کرتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے معتمد مسلمان بھائیوں کو وہ عمل بتائے تا کہ وہ بھی اس کی اقتداء کریں اور اس کی مثل عمل کریں۔ (تفسیر مجاہد رقم الحدیث:٢٠٣١' دار الکتب العلمیہ 'بیروت'١٤٢٦ھ)

مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ١٥٠ھ لکھتے ہیں:

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے' ان کا شکر ادا کیجئے۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ٣ص ٤٩٥' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ١٤٢٤ھ)

امام عبد الرحمان بن محمد بن ادریس رازی ابن ابی حاتم متوفی ٣٢٧ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا: اس نعمت سے مراد قرآن ہے' یعنی قرآن مجید کی تبلیغ کیجئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٩٣٨٤)

مقسم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا: جب مؤمن شخص کوئی نیک عمل کرے تو وہ اپنے گھر والوں کو اس کی خبر دے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٩٣٨٥)

نیز حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تمہیں کوئی خیر حاصل ہو تو تم اپنے مسلمان بھائیوں سے اس کا ذکر کرو۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:١٩٣٨٦)

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: جس نے کم نعمت کا شکر ادا نہیں کیا تو اس نے زیادہ نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کیا' اور جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا' اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا اور اللہ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور اس کا بیان نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے' اور جماعت رحمت ہے اور اس سے علیحدہ ہونا عذاب ہے۔ (مسند احمد ج ٤ص ٣٧٥طبع قدیم' شعب الایمان رقم الحدیث:٤٤١٩)

زاذان کندی بیان کرتے ہیں: ہماری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' ہم نے کہا: اپنے اصحاب کا حال بتائیے؟ آپ نے پوچھا: میرے کون سے اصحاب کا؟ اس نے کہا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا' آپ نے فرمایا: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب میرے اصحاب ہیں' تم کن کے متعلق دریافت کرتے ہو؟ اس نے کہا: جن کا آپ محبت سے ذکر کرتے ہیں اور ان پر رحمت بھیجتے ہیں' آپ نے پوچھا: ان میں سے کس کا؟ لوگوں نے کہا: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا' آپ نے فرمایا: انہوں نے قرآن اور سنت کا علم حاصل کیا اور وہ ان کے لیے کافی ہے' پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا' آپ نے فرمایا: وہ بہت سوال کرتے تھے' ان کو دیا بھی جاتا اور منع بھی کیا جاتا ہے' وہ دین کا علم حاصل کرنے پر بہت حریص تھے' ان کو ایک برتن میں علم دیا گیا سو وہ بھر گیا' لوگوں نے کہا: پھر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بتائیں' آپ نے فرمایا: ان کو منافقین کے ناموں کا علم دیا گیا' وہ مشکل مسائل کے عالم ہیں' لوگوں نے کہا: حضرت سلمان کے متعلق بتائیں' آپ نے فرمایا: وہ حکیم لقمان کی مثل ہیں' وہ ہم اہل بیت میں سے ہیں' انہوں نے علم اوّل اور علم آخر کو حاصل کیا' لوگوں نے کہا: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق بتائیں' آپ نے فرمایا: وہ ایسے شخص ہیں کہ ان کے گوشت' ان کے خون اور ان کے بالوں میں ایمان رچا بسا ہوا ہے' آگ ان کے جسم کو نہیں کھا سکتی' لوگوں نے کہا: آپ اپنے متعلق بتائیے' آپ نے فرمایا: ٹھہرو! اللہ تعالیٰ نے خود ستائی سے منع فرمایا ہے' ایک شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ'' (الضحیٰ:١١) آپ نے فرمایا: میں اپنے رب کی نعمت کو بیان کرتا ہوں' میں جب سوال کرتا ہوں تو مجھے عطا کیا جاتا ہے اور جب میں چپ رہتا ہوں تو مجھے ابتداءً نعمت دی جاتی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ٦ص ٢١٤۔ رقم الحدیث:٦٠٤١' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کچھ عطا کیا گیا'

پس وہ اس کی خبر دے اور اگر کوئی نہ ملے تو وہ اللہ کی حمد وثناء کرے' اگر اس نے اللہ کی حمد وثناء کی تو اس کا شکر ادا کیا اور جس نے اس کی عطا کو چھپایا تو اس نے کفرانِ نعمت کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۸۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس شخص نے کوئی نیکی کی ہے' اس کا صلہ دینا چاہیے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو اس کی نیکی کا ذکر کرنا چاہیے' پس جس نے اس نیکی کا ذکر کیا' اس نے اس کا شکر ادا کر دیا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۹۰ طبع قدیم)

حسن بصری نے کہا: اس کی نعمت کا زیادہ ذکر کرو کیونکہ نعمت کا ذکر شکر ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۴۴۲۱)

ابوحازم نے کہا: اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپاؤ جس طرح تم اپنے گناہوں کو چھپاتے ہو۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۶۸۹۹)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس پر نظر آئے اور اس کی خستہ حالی کو ناپسند فرماتا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۷ طبع قدیم)

ابونضرۃ نے کہا: مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس کا بیان کیا جائے۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۲۹۴' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اگر ریاکاری اور اپنی بڑائی کا خطرہ نہ ہو تو اپنے نیک اعمال کا اسی نیت سے اظہار کرنا افضل ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی اقتداء کریں اور اگر یہ خطرہ ہو تو ان کو چھپانا افضل ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نعمت کے بیان کا حکم دیا گیا ہے؟

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اس نعمت سے مراد قرآن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سب سے عظیم نعمت عطا کی ہے' وہ قرآن مجید ہے اور اس نعمت کو بیان کرنے کا معنی یہ ہے کہ آپ خود بھی قرآن کریم پڑھیں اور لوگوں کو بھی پڑھائیں اور لوگوں سے اس کے حقائق اور معارف بیان کریں۔

(۲) مجاہد سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس نعمت سے مراد نبوت ہے یعنی آپ پر جو آیات نازل ہوئی ہیں' ان کا بیان کریں۔

(۳) آپ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یتیم اور سائل کے حقوق ادا کیے' سو آپ یہ لوگوں کے سامنے بیان کیجئے تاکہ لوگ آپ کی اقتداء کریں۔

(۴) تمام اطاعات اور عبادات سے مقصود یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی یاد میں مستغرق ہو جائے' اس سورت میں جن عبادات کا حکم دیا ہے' اس کے بعد یہ حکم دیا کہ دل اور زبان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہو اور انسان بار بار اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرتا رہے اور ان کو دہراتا رہے تاکہ وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول نہ سکے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۱' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے والی چند نعمتوں کے متعلق احادیث

حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" (الضحیٰ:۱۱) کے تحت یہ احادیث ذکر کی ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے بہت حسین وجمیل مکان بنایا اور اس کے کسی کونے

میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی' پس جو شخص اس کو دیکھتا ہوا گزرتا ہے' وہ تعجب سے یہ کہتا ہے کہ اس مکان میں اس ایک اینٹ کو کیوں نہیں رکھا گیا؟ آپ نے فرمایا: میں وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔
(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۸۶' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۵' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۶۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۹۹' شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۲۰۱)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
رُعب سے میری مدد کی گئی ہے اور مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں اور جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے روئے زمین کی چابیاں دی گئیں اور میرے سامنے رکھ دی گئیں۔ مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث: ۲۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۲۳' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۳۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۷۰' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۳۴۴' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳' مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۲' دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۷۲' شرح السنۃ ج ۱ ص ۲۶۶)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا' اور میں وہ ہوں جس سے سب سے پہلے زمین کھلے گی' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۵۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۷۳' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۲۱۳' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۷۵)

(۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں وہ ہوں جس سے قیامت کے دن سب سے پہلے زمین کھلے گی اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا اور مجھ ہی کو حمد کا جھنڈا دیا جائے گا اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا اور میں ہی قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں اور میں یہ فخریہ نہیں کہتا۔
(سنن ترمذی ۳۱۴۸' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۰۸' مسند احمد ج ۱ ص ۲۸۱' المستدرک ج ۳ ص ۴۶۵)

(۵) ابوالجوزاء حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبوب مخلوق کوئی نہیں پیدا کی اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سوا کسی کی زندگی کی قسم کھائی ہو' پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ'' (الحجر: ۷۲) آپ کی زندگی کی قسم! بے شک یہ لوگ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۱۳' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے دکھایا گیا کہ میں جنت میں سیر کر رہا ہوں' اس وقت میں نے ایک دریا دیکھا' جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے۔ میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے' پھر فرشتہ نے اپنا ہاتھ لگایا تو اس کی مٹی میں مشک کی خوشبو تھی۔
(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۵۸۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۰' مسند احمد ج ۳ ص ۲۳۱)

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا صنعاء اور ایلہ میں فاصلہ ہے اور اس میں ستاروں کے عدد کے برابر کوزے ہیں۔
(التاریخ الکبیر للامام البخاری ج ۳ ص ۳۲۳' مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۲' المعجم الکبیر ج ۸ ص ۱۴۰' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۴۵)

(۸) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء اُحد کی نماز جنازہ ادا کی' پھر منبر پر چڑھ کر یہ خطبہ دیا کہ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں اور میں تمہارے حق میں گواہی دینے والا ہوں اور میں اپنے حوض کو اب بھی دیکھ رہا ہوں جب کہ میں اس مقام میں ہوں اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے' لیکن مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ مجھے تمام روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں اور مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم اُس میں رغبت کرو گے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث:۱۳۴۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۳۲۲۳' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۹' المعجم الکبیر ج ۳ ص ۶۴)

(۹) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کا حوض کتنا وسیع ہے؟ آپ نے فرمایا: عدن اور عمان سے زیادہ وسیع ہے۔ اس میں سونے اور چاندی کے دو پرنالے ہیں' اُس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید' شہد سے زیادہ میٹھا اور مُشک سے زیادہ خوشبودار ہے' جس نے اس کو پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہو گا اور اس کا منہ کبھی سیاہ نہیں ہوگا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۰' المعجم الکبیر رقم الحدیث:۷۶۷۲' البعث والنشور للبیہقی رقم الحدیث:۱۳۴)

(۱۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الکوثر جنت میں ایک دریا ہے' جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں' اس کے پانی کا بہاؤ موتی اور یاقوت پر ہے اور اس کی مٹی مُشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور برف سے زیادہ سفید ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۶۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۴۳۳۴' مسند احمد ج ۲ ص ۶۷' المستدرک ج ۳ ص ۱۷۱' شرح السنہ ج ۸ ص ۳۲۷)

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ: الکوثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ عزوجل نے آپ کو عطا فرمائی ہے اور سعید بن جُبیر نے کہا کہ یہ جنت میں ایک دریا ہے' جس میں خیر کثیر ہے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث:۶۵۷۸' المستدرک ج ۲ ص ۵۳۷)

(۱۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میرے متبعین تمام انبیاء کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے اور میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۳۳۱' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۴' شرح السنہ ج ۱۵ ص ۱۶۶' مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۰۹' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۵۰۳)

(۱۳) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر (یا یہ فرمایا کہ) میری امت کو تمام امتوں پر چار خصوصیات کے ذریعہ فضیلت عطا فرمائی ہے: مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے' پوری زمین کو میرے لیے اور میری امت کے لیے سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے' سو میرا امتی جہاں نماز کا موقع پالے' وہی جگہ اس کے لیے سجدہ گاہ اور پاکیزگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے' رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے جو کہ میرے آگے ایک ماہ کی مسافت تک قائم ہوتا ہے اور میرے دشمنوں کے دلوں میں میری دھاک بٹھاتا ہے اور میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال کیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۲۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۵۳' جمع الجوامع للسیوطی رقم الحدیث:۴۸۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۲' مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث:۴۰۰۱)

(۱۴) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے چار چیزوں کے ذریعہ لوگوں پر فضیلت عطا کی گئی ہے: بہادری' سخاوت' کثرتِ جماع اور شدتِ ضبط۔

(مجمع الزوائد ج ۸ص ۲۶۹' تاریخ بغداد ج ۸ص ۷۰' تہذیب تاریخ دمشق ج ۴ص ۳۴۷)

(۱۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو اتنے معجزات عطا کیے گئے ہیں' جن کی مثل پر کوئی بشر ایمان لاسکتا ہے اور مجھے جو چیز عطا کی گئی ہے وہ اللہ کی وحی ہے' جو اُس نے میری طرف فرمائی' سو مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث:۴۹۸۱' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۲' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۱۱۱۲۹)

یہ تمام احادیث حافظ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے اللہ کی نعمتوں کی تفسیر میں بیان کی ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ص ۳۱۶۔۳۱۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ والضحیٰ ختم کر لیتے تو اس کے بعد اللہ اکبر پڑھتے' پھر آخر قرآن تک ہر سورت کے درمیان اللہ اکبر پڑھتے اور سورت کے آخر کو تکبیر کے ساتھ نہیں ملاتے تھے بلکہ ان کے درمیان فصل کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کئی دنوں تک وحی نہیں آئی اور مشرکین طعنہ دینے لگے تھے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا: ''مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰی'' (الضحیٰ:۳) اور پھر لگاتار وحی نازل ہونے لگی تو آپ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے اس طرح اللہ اکبر پڑھتے' ''والضحٰی'' کو ختم کرنے کے بعد آخر قرآن تک ہر سورت کے آخر میں اللہ اکبر پڑھنا مستحب ہے' اگر کوئی نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ص ۹۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الضحیٰ کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ۴ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۷ نومبر ۲۰۰۵ء بعد از نمازِ ظہر سورۃ الضحیٰ کی تفسیر مکمل ہوگئی' میں نے تھکاوٹ' کمزوری اور بیماری کے باوجود ''الضحٰی'' کی تفسیر کے لیے بہت مطالعہ کیا' بہ کثرت احادیث کو تلاش کیا اور بسیار غور و فکر کے بعد بہت سے نکات کا استخراج کیا' اللہ تعالیٰ اس عاجز کی سعی کو قبول فرمائے' ۲۷ اکتوبر کو اس سورت کی تفسیر کی ابتداء کی تھی' اس طرح گیارہ دنوں میں اس کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

یارب العلمین! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری مغفرت فرما دیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین
وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الانشراح

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کے تین نام منقول ہیں: سورۃ الانشراح' سورۃ الشرح اور سورۃ الم نشرح اور یہ تینوں نام اس سورت کی ابتدائی آیت سے ماخوذ ہیں اور وہ یہ ہے:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۙ (الانشراح:۱) (اے رسول مکرم!) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا○

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور ہدایت کے انوار' علوم اور معارف اور اسرار اور حکمتوں کے حصول کے لیے آپ کا سینہ بے کینہ' کشادہ اور وسیع کر دیا' قرآن مجید میں ہے:

فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ (الانعام:۱۲۵) پس جس کو اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے' اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۲ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۴ ہے۔

سورۃ الضحیٰ میں بھی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اس سورت میں بھی آپ پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

سورۃ الضحیٰ کی طرح سورۃ الانشراح کا موضوع بھی آپ کی شخصیت مبارکہ اور آپ کی سیرتِ طیبہ ہے' اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں' ان کا بیان ہے' اور یہ سورت چار اُمور پر مشتمل ہے:

(۱) الانشراح:۴۔۱ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایمان اور حکمت کے انوار کے ساتھ آپ کا سینہ کھول دیا' آپ سے پُرمشقت کاموں کا بوجھ اتار دیا اور آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

(۲) الانشراح:۶۔۵ میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ تبلیغ کی راہ میں آپ کو مشکلات اور مصائب کا سامنا ہو گا' لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کو بہت آسانیاں عطا فرمائے گا۔

(۳) الانشراح:۷ میں آپ کو حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے بعد آپ عبادت پر کمربستہ ہو جائیں۔

(۴) الانشراح:۸ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور مہمات میں اس پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے۔

سورۃ الانشراح کے اس تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' رب العلمین! اس مہم میں میری مدد فرمانا اور مجھے کامیاب کرنا۔ علیك توكلت واليك انيب (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ ۵ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۸ نومبر ۲۰۰۵ء موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۲۱۵۶۳۰۹/۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الانشراح مکی ہے ۔ ٩٤ ۔ آیات ٨ ۔ رکوع ١



سورۃ الانشراح مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہے

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ﴿٢﴾ الَّذِي

(اے رسول مکرم!) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیاO اور آپ سے (پرمشقت چیزوں کا) بوجھ اتار دیاO جس

أَنقَضَ ظَهْرَكَ ﴿٣﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

نے آپ کی پشت کو گراں بار کر دیا تھاO اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیاO پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ

يُسْرًا ﴿٥﴾ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ﴿٧﴾ وَ

آسانی ہےO بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہےO پس جب آپ (تبلیغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمر بستہ ہوںO اور

إِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَب ﴿٨﴾

اپنے رب ہی کی طرف راغب ہوںO

ع ١ ٨ ١٩

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول مکرم!) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیاO اور آپ سے (پرمشقت چیزوں کا) بوجھ اتار دیاO جس نے آپ کی پشت کو گراں بار کر دیا تھاO اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیاO

(الانشراح: ۴۔۱)

شرح صدر کا معنی

اس سے پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو غائب کے صیغہ کے ساتھ تعبیر فرمایا تھا' کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا' پھر آپ کو ٹھکانا دیا' اور اس سورت میں متکلم کے صیغہ کے ساتھ آپ سے خطاب فرمایا ہے: کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیاO

اس آیت میں ''نشرح'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''شرح'' ہے' ''شرح'' کا معنی ہے: نرم کرنا' وسیع کرنا اور کھولنا' یعنی کیا ہم نے آپ کا سینہ وسیع نہیں کر دیا' یا کیا ہم نے اسلام کے لیے آپ کا سینہ نرم نہیں کر دیا۔

کفار کے طعن و تشنیع اور ان کی دل آزار باتوں سے آپ کو رنج ہوتا تھا اور آپ کا سینہ تنگ ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کھول دیا اور وسیع کر دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۔ (الانعام: ۱۲۵)

پس اللہ جس کو ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے' اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سینہ میں نور داخل ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اس سینہ کو فراخ کر دیتا ہے' آپ سے

پوچھا گیا: یارسول اللہ! سینہ کے فراخ ہونے کی کوئی علامت بھی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پھر انسان دھوکے کے گھر سے نکل کر دائمی راحت کے گھر میں آجاتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرتا ہے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۳۱۱ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۷۸۶۳' کنز العمال ج ۱ ص ۷۶' حافظ ذہبی نے کہا: اس کی سند کا ایک راوی عدی بن الفضل ساقط ہے)

شرح صدر کے متعلق احادیث اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کیا جانا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرح صدر کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

عتبہ بن عبد السلمی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! آپ کی نبوت کی پہلی نشانی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا: میں بنو سعد بن بکر کے ہاں اپنی دایہ کے پاس تھا' میں اور ان کا بیٹا بکریاں چرانے گئے' ہم نے اپنے ساتھ ناشتہ نہیں لیا تھا' میں نے کہا: اے بھائی! جاؤ ہماری ماں کے پاس سے ناشتہ لے آؤ' میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا' پھر گدھ کی طرح دو سفید پرندے آئے' ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہ وہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں' پھر وہ دونوں میری طرف جھپٹے' ان دونوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر پیٹھ کے بل گرا دیا' پھر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور میرا دل نکالا اور اس سے دو سیاہ لوتھڑے نکالے' پھر ایک نے دوسرے سے کہا: برف کا پانی لاؤ' پھر انہوں نے اس پانی سے میرے پیٹ کو دھویا' پھر کہا: ٹھنڈا پانی لاؤ' پھر کہا: چھری لاؤ' پھر ٹھنڈا پانی میرے دل پر چھڑکا' پھر کہا: اس دل کو سیو اور اس پر نبوت کی مہر لگا دو' پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کو ایک پلڑے میں رکھو اور ان کی امت کو دوسرے پلڑے میں رکھو' پھر میں اپنے اوپر ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے بعض مجھ پر گر پڑیں گے' پھر ان میں سے کسی نے کہا: اگر ان کا امت کے ساتھ وزن کیا گیا تو ان کا پلڑا بھاری ہوگا' پھر میں اپنی رضاعی ماں کے پاس گیا اور ان کو اس واقعہ کی خبر دی' ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مجھ پر کوئی افتاد آ جائے گی' انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں' وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور مجھے اپنے پیچھے پالان پر بٹھایا' حتیٰ کہ ہم میری والدہ (رضی اللہ عنہا) تک پہنچ گئے' میری رضاعی ماں نے کہا: کیا میں نے اپنی امانت ادا کر دی اور اپنے ذمہ کو پورا کر دیا؟ اور وہ واقعہ بیان کیا جو مجھے پیش آیا تھا' میری والدہ اس سے خوف زدہ نہیں ہوئیں اور فرمایا: میں نے دیکھا تھا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۵۔۱۸۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۹ ص ۱۹۶۔۱۹۵۔ رقم الحدیث: ۱۷۶۴۸' المعجم الکبیر ج ۱۷۔ رقم الحدیث: ۳۲۳' سنن داری رقم الحدیث: ۱۳' الآحاد والمثانی رقم الحدیث: ۱۳۶۹' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۱۱۸۱' المستدرک ج ۲ ص ۶۱۷۔۶۱۶' تاریخ دمشق ج ۱ ص ۳۷۶' الوفاء لابن الجوزی ص ۱۰۸' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۷' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۸۴۱' حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند حسن ہے' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۳۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن میں شق صدر کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کے اس واقعہ کو اپنی نبوت کی نشانی قرار دیا اور اس واقعہ سے اپنی نبوت کو پہچانا اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ آپ کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی اور اس میں نبوت کا ثبوت ہے اور نبوت کے احکام اس وقت جاری ہوئے جب آپ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو گئے اور آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا' اس کی زیادہ وضاحت اس حدیث میں ہے:

امام ابو نعیم الاصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور وہ سوال پر بہت حریص تھے' وہ آپ سے ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے' جن کے متعلق دوسرے سوال نہیں کرتے تھے' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کی نبوت کی ابتداء کیسے ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جب تم نے یہ سوال کیا ہے تو سنو!

میں دس سال کی عمر میں صحرا میں جا رہا تھا' میں نے اپنے اوپر دو آدمیوں کی بات سنی' ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا: کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا: ہاں! ان دونوں نے مجھے پکڑ کر گرا دیا' پھر میرا پیٹ شق کیا' حضرت جبریل سونے کے طشت میں پانی لا رہے تھے اور حضرت میکائیل میرے پیٹ کو دھو رہے تھے' پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ان کا سینہ چیرو اور جب میرا سینہ چیرا گیا تو مجھے کوئی درد نہیں ہوا (ایک روایت میں ہے: ''بلا دم ولا وجع '' نہ میرا خون نکلا اور نہ مجھے درد ہوا۔ مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۸۴۳) پھر کہا: ان کا دل چیرو' پھر میرا دل چیرا گیا' پھر کہا: اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو' پھر جمے ہوئے خون کے مشابہ کوئی چیز نکال کر پھینک دی گئی' پھر کہا: ان کے دل میں شفقت اور رحمت داخل کر دو' پھر چاندی کی شکل کوئی چیز داخل کی' ان کے پاس کوئی سفوف تھا' اس کو چھڑکا' پھر میرے انگوٹھے کو نرمی سے دبا کر کہا: اب آپ جائیں' پھر میرے دل میں چھوٹوں کے لیے بہت رحمت اور بڑوں کے لیے دل میں بہت نرمی تھی۔ (دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۶۶' مجمع الزوائد رقم الحدیث: ۱۳۵۴۳'

حافظ الہیثمی نے کہا ہے: اس حدیث کو عبداللہ بن احمد نے ''زوائد المسند'' میں روایت کیا ہے' اس کے راوی ثقہ ہیں' امام ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۳) الوفا باحوال المصطفیٰ لابن الجوزی رقم الحدیث: ۱۲۹' ص ۱۱۲۔۱۱۱' دار الکتب العربیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ' الدر المنثور ج ۸ ص ۵۰۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ' روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۰۰۔۲۹۹' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

تنبیہ: امام ابونعیم اور امام ابن الجوزی نے شق صدر کے وقت آپ کی عمر دس سال لکھی ہے اور حافظ الہیثمی اور حافظ سیوطی نے اس وقت آپ کی عمر بیس سال لکھی ہے اور علامہ آلوسی نے دونوں روایتیں لکھی ہیں اور اس سے شق صدر کے تعدد پر استدلال کیا ہے۔

ان دونوں صحیح حدیثوں میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم عناصر میں بچپن میں نبوت دی گئی اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے نبی ہونے کا کیسے یقین ہوا تو آپ نے شق صدر کے اس مذکور الصدر واقعہ سے اپنی نبوت پر استدلال فرمایا' سو آپ کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی' البتہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا۔

امام ابونعیم کی روایت کردہ حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جب بچپن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کیا گیا تو آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور جو شخص نبی نہ ہو اور وہ حضرت جبریل کو دیکھے' وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا' وہ آپ کے پیچھے سو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور فرمایا: اے میرے پیارے! تم کب آئے؟ انہوں نے کہا: ایک ساعت ہوئی' آپ نے پوچھا: کیا تم نے میرے پاس کسی شخص کو دیکھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے ایک مرد کو دیکھا' آپ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔

ولم يره خلق الاعمى الا ان يكون نبيا ولكن ان يجعل ذلك فى اخر عمرك. اور جبریل کو مخلوق میں سے جو بھی دیکھے گا وہ نابینا ہو جائے گا' سوا اس کے کہ وہ نبی ہو' لیکن تم کو آخر عمر میں نابینا کیا جائے گا۔

پھر آپ نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا کی: اے اللہ! اس کو تاویل کا علم عطا کر اور اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو اہل ایمان سے رکھ۔ (المستدرک ج ۳ ص ۵۳۶ طبع قدیم' المستدرک ج ۶۔ رقم الحدیث: ۶۲۸۷' المکتبۃ العصریہ' ۱۴۲۰ھ)

حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔

علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی نہ ہو اور وہ اس وقت حضرت جبریل کو دیکھنے میں منفرد ہو' وہ آخر عمر میں نابینا ہو جاتا ہے۔ (الفتاوی الحدیثیہ ص ۹۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں نبی نہ ہوتے تو حضرت جبریل کو دیکھنے کی وجہ سے اپنے ارشاد کے مطابق آخر عمر میں نابینا ہو جاتے اور جب کہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا جس وقت بچپن میں آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اس وقت آپ نبی تھے' نیز آپ کا سینہ چیرا گیا' تو نہ آپ کو درد ہوا نہ آپ کا خون نکلا' اور آپ کے دل کو چیرا گیا اور آپ یہ تمام اُمور ملاحظہ فرما رہے تھے جب کہ عام بشر اور انسان کے لیے یہ اُمور متصور نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر سے اپنی نبوت پر استدلال فرمانا اور بچپن میں حضرت جبریل کو دیکھنے کے باوجود آپ کا نابینا نہ ہونا' اس امر پر واضح دلیل ہیں کہ اس وقت آپ نبی تھے۔

بعض انبیاء علیہم السلام کو بچپن میں نبوت کا عطا فرمایا جانا

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ نبوت چالیس سال کی عمر میں عطا کی جاتی ہے' اس لیے کہا جاتا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چالیس سال سے پہلے نبی نہ تھے' لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے' بعض انبیاء علیہم السلام کو بچپن میں نبوت دی گئی ہے' جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ۙ﴿۱۲﴾ اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور ہم نے ان کو بچپن میں نبوت عطا فرمادی ۝ (مریم: ۱۲)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی المتوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ نبوت کسی استحقاق کی بناء پر ملتی ہے' اس آیت میں ان کا ردّ ہے کیونکہ حضرت یحییٰ کو بچپن میں بغیر کسی استحقاق کے نبوت عطا کی گئی' اس سے معلوم ہوا کہ ان کو نبوت عطا فرمانا محض اللہ تعالیٰ کا انعام اور افضال تھا' ان کا استحقاق نہ تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۳ ص ۲۶۰' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: اس آیت میں حکم سے مراد نبوت ہے اور جب ان کو نبوت دی گئی تو ان کی عمر تین سال تھی۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۲۲۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اس آیت میں حکم کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: (۱) حکمت یعنی تورات کی فہم اور دین کی فقہ (۲) عقل (۳) اس سے مراد نبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ان کی عقل کو پختہ کر دیا اور ان کی طرف وحی کی اور حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو بچپن میں اعلانِ نبوت کا حکم دیا تھا اور حضرت موسیٰ اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں اعلانِ نبوت کا حکم دیا تھا' اور اس آیت میں حکم کو نبوت پر محمول کرنے کی دو دلیلیں ہیں:

(۱) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کی صفاتِ شریفہ بیان فرمائی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ انسان کی سب سے اشرف صفت نبوت ہے اور مقامِ مدح میں نبوت کی صفت کو ذکر کرنا دوسری صفات کی بہ نسبت زیادہ لائق ہے' لہٰذا اس آیت میں حکم کو نبوت پر محمول کرنا واجب ہے۔

(۲) حکم سے مراد وہ حکم ہے جس کو غیر پر نافذ کیا جا سکے اور ایسا حکم صرف نبی دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بچپن میں نبوت کا ملنا کیسے معقول ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معترض معجزہ کا قائل ہے یا نہیں۔

اگر وہ معجزہ کا قائل نہیں ہے تو اثبات نبوت کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اگر وہ معجزہ کا قائل ہے تو بچہ میں عقل اور نبوت کا ہونا شق القمر اور سمندر کو چیرنے سے زیادہ مستبعد نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۵۱۷۔۵۱۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ حکم سے مراد نبوت ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سات یا دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی اور اکثر انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال سے پہلے نبی نہیں بنایا گیا۔ (روح المعانی جز ۱۶ ص ۱۰۵ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نیز یہی سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

جب بعض انبیاء علیہم السلام کو بچپن میں دو یا تین سال کی عمر میں نبوت دی گئی ہے تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق ہیں کہ آپ کو بھی بچپن میں اس نوع کی نبوت دی جائے اور جس کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا علم ہے اور اس کی تصدیق ہے کہ آپ اللہ کے وہ حبیب ہیں جو اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے تو وہ اس کو مستبعد نہیں قرار دے گا۔ (روح المعانی جز ۲۵ ص ۹۲ دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی نبی تھے اور آپ نے چالیس سال تک تبلیغ نہیں کی تو آپ کا گناہ گار ہونا لازم آئے گا اس لیے آپ پیدائش کے بعد چالیس سال تک نبی نہ تھے بلکہ ولی تھے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے چالیس سال تک تبلیغ اس لیے نہیں کی کہ اس وقت تک آپ کو تبلیغ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا' آپ کو تبلیغ کرنے کا سب سے پہلا حکم ان آیات میں دیا گیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُۙ قُمْ فَاَنْذِرْ۪ۙ (المدثر: ۲۔۱)	اے کپڑا لپیٹنے والے ○ اٹھیں اور لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں ○

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام احمد' امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت ابوسلمہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ''یــایھــا المدثر'' ہے (الیٰ قولہ) اور اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت ''اقراء باسم ربک الذی خلق'' سے پہلے نازل ہوئی ہے اور حضرت عائشہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''اقراء باسم ربک الذی خلق'' پہلے نازل ہوئی ہے اور اکثر امت کا یہی مختار ہے۔ (روح المعانی جز ۲۹ ص ۱۹۹)

ہر چند کہ امام احمد اور امام ابونعیم کی روایت کردہ احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کی گئی تھی لیکن ملا علی قاری کی ایک عبارت اس کے خلاف ہے۔

ملا علی قاری کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلانِ نبوت سے پہلے ولی قرار دینا

قال السید نقلا عن الازھار اختلف العلماء فی أن نبینا صلی اللہ علیہ وسلم قبل النبوۃ ھل کان متعبدا بشرع قیل کان علی شریعۃ ابراھیم	سید نے الازھار سے نقل کر کے یہ کہا ہے: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (اعلان) نبوت سے پہلے آیا کسی شریعت کے موافق عبادت کرتے تھے؟ کہا گیا ہے کہ

وقيل موسى و قيل عيسى و الصحيح انه لم يكن متعبدا بشرع لنسخ الكل بشريعة عيسى و شرعه كان قد حرف و بدل قال تعالٰى ما كنت تدرى ما الكتاب و لا الايمان اى شرائعه و احكامه و فيه أن عيسى كان مبعوثا لبنى اسرائيل فلا يكون ناسخا لاولاد ابراهيم من اسمعيل قال العلماء و كان مؤمنا باللّٰه و لم يعبد صنما قط اجماعا و كانت عبادته غير معلومة لنا قال ابن برهان ولعل اللّٰه عزوجل جعل خفاء ذلك و كتمانه من جملة معجزاته قلت فيه بحث ثم قال و قد يكون قبل بعثة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يظهر شئى يشبه المعجزات يعنى التى تسمى ارهاصا و يحتمل أن يكون نبيا قبل أربعين غير مرسل و أما بعد النبوة فلم يكن على شرع سوى شريعته اجماعا والاظهر أنه كان قبل الاربعين وليا ثم بعدها صار نبيا ثم صار رسولا.

(مرقاۃ المفاتیح ج ۳ص ۳۰۸ ملتان' مرقاۃ المفاتیح ج ۳ص ۵۶۸ پشاور)

آپ شریعتِ ابراہیم پر تھے' ایک قول یہ ہے کہ شریعتِ موسیٰ پر تھے' ایک قول یہ ہے کہ شریعتِ عیسیٰ پر تھے اور صحیح یہ ہے کہ آپ کسی شریعت کے موافق عبادت نہیں کرتے تھے کیونکہ تمام شرائع حضرت عیسیٰ کی شریعت سے منسوخ ہو چکی تھیں اور حضرت عیسیٰ کی شریعت محرّف اور مبدّل ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ما کنت تدری ما الکتاب و لا الایمان'' آپ ازخود نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے' یعنی آپ سابقہ شرائع اور احکام کو نہیں جانتے تھے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث تھے' اس لیے وہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شریعت کے لیے ناسخ نہیں تھے' علماء نے کہا ہے کہ ہمارے نبی اعلانِ نبوت سے پہلے اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور اس پر اجماع ہے کہ آپ نے کسی بت کی عبادت نہیں کی اور ہمیں معلوم نہیں کہ آپ اس وقت کس طرح عبادت کرتے تھے۔ ابن برھان نے کہا: شاید اللہ عزوجل نے اس کو مخفی رکھا ہے اور اس کو چھپانا آپ کے معجزات میں سے ہے' میں کہتا ہوں: اس میں بحث ہے' پھر سید نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (اعلانِ نبوت) سے پہلے کچھ ایسی چیزیں ظاہر ہوتی تھیں جو معجزات کے مشابہ ہوتی تھیں' جن کو ارھاص کہا جاتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ چالیس سال سے پہلے نبی ہوں (رسول نہ ہوں) اور اس پر اجماع ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ اپنی شریعت کے علاوہ اور کسی شریعت پر نہ تھے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ چالیس سال سے پہلے ولی تھے' پھر اس کے بعد نبی ہوئے' پھر اس کے بعد رسول ہوئے۔

ملاعلی قاری کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ

ملاعلی قاری کی مذکور الصدر عبارت میں حسب ذیل اُمور قابل توجہ ہیں:

(۱) ملاعلی قاری نے یہ نہیں لکھا کہ آپ لازماً اعلانِ نبوت سے چالیس سال پہلے ولی تھے بلکہ یہ لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ چالیس سال سے پہلے ولی تھے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ اعلانِ نبوت سے پہلے بھی نبی تھے' البتہ یہ زیادہ ظاہر نہیں ہے۔

(۲) ملاعلی قاری نے لکھا ہے کہ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ چالیس سال پہلے نبی ہوں' رسول نہ ہوں' اور ملاعلی قاری نے کسی دلیل سے اس احتمال کو رد نہیں کیا' اس کا مطلب یہ ہے کہ ملاعلی قاری کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اعلانِ نبوت سے

چالیس سال پہلے آپ نبی ہوں۔

(۳) ملا علی قاری نے اس عبارت کے آخر میں لکھا ہے کہ اعلانِ نبوت کے بعد آپ پہلے نبی ہوئے' پھر اس کے بعد رسول ہوئے' ملا علی قاری نے بغیر کسی دلیل کے یہ لکھا ہے کہ پہلے آپ کو نبوت ملی' پھر رسالت ملی' اس لیے ان کا یہ قول مردود ہے' علماء امت میں سے کوئی بھی آپ کے حق میں نزولِ قرآن کے بعد نبوت اور رسالت کے فصل کا قائل نہیں ہے' جب آپ پر قرآن مجید کی پہلی آیت نازل ہوئی تو آپ صاحبِ کتاب ہو گئے اور رسول وہی ہوتا ہے جو صاحبِ کتاب ہو' اور ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے' نیز نبی تو آپ پہلے سے تھے' نزولِ قرآن کے بعد رسول بھی ہو گئے اور جب المدثر: ۲ نازل ہوئی تو آپ کو تبلیغ کا اور اعلانِ نبوت اور رسالت کا حکم دیا گیا۔

(۴) ہم متعدد احادیث صحیحہ سے یہ واضح کر چکے ہیں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی اور ملا علی قاری کے قول میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ ان احادیث صحیحہ کے مزاحم ہو سکے۔

عالم ارواح میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کیا جانا

عالم ارواح میں آپ کے لیے نبوت کا ثبوت متعدد احادیث سے ہے' ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا: جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۷۵۸)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس حال میں میرے لیے نبوت واجب ہو گئی' جب حضرت آدم علیہ السلام کا جسم زمین پر بغیر روح کے رکھا ہوا تھا' اس کا معنی یہ ہے کہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی روح کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔

اس حدیث کو امام ابن سعد نے ابن ابی الجدعا سے روایت کیا ہے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ) امام ابو نعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں میسرۃ الفخر سے روایت کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۲۲' دار الکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ) اور امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد. میں اس حال میں نبی تھا' جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۰۔ رقم الحدیث: ۸۳۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اسی طرح جامع الاصول (ج ۸ ص ۴۱۲۔ رقم الحدیث: ۶۳۵۰) میں ہے۔ ابن ربیع نے کہا: اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۵۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۴ ص ۲۰۲۔ رقم الحدیث: ۲۰۵۹۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت) اور امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ (التاریخ الکبیر ج ۷ ص ۲۵۱۔ رقم الحدیث: ۱۰۹۴۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ) اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۴۲۰۹' المکتبۃ العصریہ' ۱۴۲۰ھ' حافظ ذہبی نے بھی کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے) اور امام ابو نعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث. (دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۳' دار النفائس) میں تخلیق میں تمام نبیوں سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب کے آخر ہوں۔

ملا علی قاری نے یہاں تک اس حدیث کے حوالہ جات ذکر کیے ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۱۰ ص ۲۸' مکتبہ حقانیہ پشاور' مرقاۃ المفاتیح ج ۱۱ ص ۵۸' ملتان)

حدیث مذکور کی تخریج مصنف کی طرف سے

ہم نے ملا علی قاری کی عبارت کے ضمن میں اس حدیث کی تخریج کی ہے' اب ہم از خود اس حدیث کی تخریج پیش کر رہے ہیں:

مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۸۔۱۲۷' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۹۳' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰' السنۃ لابن ابی عاصم رقم الحدیث: ۴۱۰' الشریعۃ للآجری ص ۴۲۱۔۴۱۶' مشکل الآثار للطحاوی رقم الحدیث: ۵۹۷۷' الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۴۸۶' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۸۵۔۸۴' اسد الغابۃ لابن الاثیر ج ۵ ص ۲۸۵' تہذیب الکمال للمزی ج ۱۴ ص ۳۶۰' الاحاد والمثانی رقم الحدیث: ۲۹۱۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۲۹۲' مسند البزار رقم الحدیث: ۲۳۶۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۶۴۶۔۱۲۵۷۱' حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی کی سند سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے: ان دونوں حدیثوں کی سند صحیح ہے' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۴' الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۶۴۲۴' علامہ سیوطی نے حدیث صحیح کی رمز کی ہے' المداوی رقم الحدیث: ۲۵۸۳' المعجم الصغیر ج ۱۔ رقم الحدیث: ۳۵۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے اس حدیث کو حسب ذیل متعدد طرق سے روایت کیا ہے:

حضرت عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کب نبی تھے؟ لوگوں نے کہا: چپ کر' چپ کر' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو میں نبی تھا اور اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ ابو الجدعا بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کب نبی تھے؟ آپ نے فرمایا: جس وقت حضرت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔

مطرف بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: آپ کب نبی تھے؟ آپ نے فرمایا: جب آدم روح اور مٹی کے درمیان تھے۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کو کب نبی بنایا گیا؟ آپ نے فرمایا: جب مجھ سے میثاق لیا گیا' اس وقت حضرت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۸' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اس اعتراض کا جواب کہ عالم ارواح میں آپ کو نبی بنانے سے مراد یہ ہے کہ آپ اس وقت اللہ کے علم میں نبی تھے

بعض علماء نے کہا کہ چالیس سال سے پہلے کسی کو نبی نہیں بنایا جاتا' اس لیے ان احادیث کی تاویل یہ ہے کہ آپ اللہ کے علم میں اس وقت نبی تھے' جب ہنوز حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے' یا آپ کو اس وقت نبی بنانا مقدر کر دیا گیا تھا' جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم یا تقدیر اس وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے' جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے' بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ازل میں تھا' اور تقدیر بھی ازل میں تھی' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ کیا تخصیص ہے' تمام انبیاء علیہم السلام کا نبی ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں اور اس کی تقدیر میں ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو حقیقت پر محمول کرنے سے کون سا محال لازم آتا ہے' جو اس کو مجاز پر محمول کیا جائے اور چالیس سال کی عمر

میں نبی بنانا قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت عطا کی گئی تھی' جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں تو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا ہوتے ہی نبی بنا دیا جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے' جب کہ اس کے وقوع پر احادیث شاہد عادل ہیں۔ ہاں! اعلانِ نبوت اور تبلیغ کا حکم چالیس سال کی عمر میں دیا جاتا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ اعم اور اغلب یہ ہے کہ اعلانِ نبوت کا حکم چالیس سال کی عمر میں دیا جاتا ہے' جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے واقع ہوا۔ (روح المعانی ج ۲۶ ص ۳۰' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

مصنف کے جواب کی تائید دیگر اکابر علماء سے

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

شیخ تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب (التعظیم والمنۃ) میں "لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ" (آل عمران: ۸۱) کی تقریر میں لکھا ہے:

اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی بلندی اور آپ کے رتبۂ عالیہ کی جو عظمت ہے وہ مخفی نہیں ہے' اور اس کے ساتھ آیت میں یہ بات بھی موجود ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اُن کے زمانے میں ہوتی تو آپ ان سب کی طرف رسول ہوتے' سو آپ کی نبوت اور رسالت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر قیامت تک جمیع مخلوق کو عام ہے اور سب انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتیں آپ کی امت ہیں' لہٰذا آپ کا فرمان "بعثت الی الناس کافۃ" (مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے) آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے لوگوں کو بھی شامل ہے' اور اس سے آپ کے اس فرمان کی بھی وضاحت ہوگئی "کنت نبیا وادم بین الروح والجسد" (میں نبی تھا اور ابھی آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے) اور جس شخص نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا کہ آپ علمِ الٰہی میں نبی تھے یعنی آپ مستقبل میں نبی ہوں گے' اُس کی اس معنی تک رسائی نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو جمیع اشیاء کو محیط ہے' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس وقت نبوت سے موصوف کرنا اس مفہوم کو چاہتا ہے کہ آپ کی نبوت اُس وقت میں ثابت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کے نامِ اقدس کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لہٰذا ضروری ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی ہو کہ اُس وقت آپ کی نبوت محقق تھی اور اگر اس سے مراد فقط علم ہو کہ آپ مستقبل میں نبی ہوں گے تو آپ کے اس فرمان کی کوئی خصوصیت نہیں رہے گی کہ "میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے" اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کو اُس وقت اور اُس سے پہلے جانتا ہے' لہٰذا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کو ثابت اور متحقق مانا جائے' اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس خصوصیت سے آگاہ فرمایا تاکہ امت کو آپ کے اُس مرتبہ کی معرفت حاصل ہو جو آپ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے' پھر انہیں اس معرفت کے ذریعے خیر حاصل ہو۔

پس اگر تم کہو کہ ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ہم اس اضافی رتبہ کو سمجھیں تو (آیئے ہم بتلاتے ہیں) بے شک نبوت ایک صفت ہے جس کے لیے موصوف کا ہونا ضروری ہے اور موصوف چالیس برس کے بعد ہوگا تو کس طرح آپ کے وجود سے اور آپ کو بھیجنے سے قبل آپ کو نبوت سے متصف کیا جا سکتا ہے؟ پس اگر یہ اتصاف آپ کے لیے صحیح ہے تو آپ کے غیر کے لیے بھی اسی طرح صحیح ہوگا۔ ہم کہتے ہیں: بے شک احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا فرمایا ہے' لہٰذا "کنت نبیا" (میں نبی تھا) کے الفاظ سے آپ نے اپنی روح کی طرف اشارہ فرمایا' یا اپنی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا اور

حقائق کو سمجھنے سے ہماری عقلیں قاصر ہیں۔ حقائق کو صرف ان کا خالق جانتا ہے یا وہ نفوسِ مبارکہ جانتے ہیں' نورِ الٰہی جن کی مدد کرتا ہے' پھر اُن حقائق میں سے کسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جس وقت چاہا کوئی (وصف) عطا فرما دیا' پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حقیقت جو تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھی' اللہ تعالیٰ نے اس کو وصفِ نبوت عطا فرمایا اور اُسی وقت اُس کو فیض عطا فرمایا تو آپ نبی ہو گئے' اور باری تعالیٰ نے آپ کے اسم کو عرش پر لکھ دیا اور ملائکہ اور دیگر مخلوق کو اس پر آگاہ کر دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو آپ کا مرتبہ ہے' وہ اسے پہچان لیں' سو آپ کی حقیقت اُسی وقت موجود تھی' اگرچہ آپ کے جسدِ اطہر کا ظہور بعد میں ہوا' فی الجملہ آپ کی حقیقت اُسی وقت سے بارگاہِ الٰہیہ سے اوصافِ شریفہ سے متصف ہے' صرف آپ کی بعثت اور تبلیغ کو مؤخر رکھا گیا' حتیٰ کہ آپ کا جسم اطہر اُس کمال کو پہنچا جس سے (ظاہری) تبلیغ کا حصول ممکن ہوا اسی طرح بارگاہِ الٰہی سے پہنچنے والی ہر وہ چیز مؤخر رکھی گئی' جس کا تعلق جسم شریف کے کمال کے ساتھ ہو سکتا تھا' لیکن آپ کی حقیقت متحقق ہے' اس میں کوئی تأخر نہیں اور اسی طرح آپ کو نبوت کے حاصل ہونے اور کتاب و حکمت کے عطا ہونے میں بھی کوئی تأخر نہیں ہے' تأخر صرف بعثت فرمانے اور دنیا میں جلوہ گر ہونے میں ہے۔ (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۱۔۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۰۵ھ)

شیخ تقی الدین سبکی متوفی ۷۵۶ھ کی یہ عبارت درج ذیل کتب میں بھی مذکور ہے:

المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۳۲۔۳۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ' سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۸۱' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۴ھ' نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۴۲۔۲۴۱' دارالفکر' بیروت' طبع قدیم' زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۴۷۔۴۲' دارالفکر' بیروت' ۱۳۹۳ھ' انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۲۰۵۔۲۰۳۔

عالم ارواح میں آپ کو نبوت عطا کرنے کے متعلق اکابر علماء کی تصریحات

علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو بھی اس وقت نبوت دی گئی' جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی اور کو اس وقت نبوت عطا کی گئی' دیگر انبیاء علیہم السلام اپنے ایامِ رسالت محسوسہ میں نبی بنائے گئے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ آپ نے یہ کیوں فرمایا: میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم پانی اور مٹی میں تھے' آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا: میں اس وقت انسان تھا یا موجود تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے خصوصیت سے نبوت کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے پہلے نبوت دی گئی' کیونکہ نبوت اسی وقت متحقق ہوتی ہے' جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر کی ہوئی شریعت کی معرفت ہو جائے۔ (الیواقیت والجواہر ص ۳۳۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۸ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

علامہ شمس الدین ابن الجوزی اپنے رسالہ میلاد میں ناقل ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جناب مولیٰ المسلمین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے فرمایا:

اے ابوالحسن! بے شک (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب العلمین کے رسول ہیں اور پیغمبروں کے خاتم اور روشن رُو اور روشن دست دریا والوں کے پیشوا' تمام انبیاء و مرسلین کے سردار نبی ہوئے' جب کہ آدم آب و گل میں تھے۔

(تجلی الیقین ص ۸' حامد اینڈ کمپنی' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

اشرف العلماء علامہ محمد اشرف سیالوی لکھتے ہیں:

محبوب کریم علیہ السلام خارج میں بالفعل نبی تھے اور انبیاء علیہم السلام اس دیس میں آپ سے استفادہ فرماتے تھے' انبیاء علیہم السلام کی نبوت خارج میں موجود و متحقق نہیں تھی' صرف علم الٰہی میں نبی تھے' جب کہ آپ بالفعل اور خارج میں نبی تھے اور انبیاء ورسل اور ملائکہ کے مربی اور فیض رساں تھے' جیسے کہ ''کنت اول النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث'' اور ''قالوا متی وجبت لك النبوة قال و آدم بین الروح والجسد'' سے ظاہر ہے۔

(ہدایۃ المتذبذب الحیران ص ۳۰۲۔۳۰۱' جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام' سرگودھا)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کرنے کی ایک اور دلیل

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ ارواح میں نبی تھے اور انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ بھی فرمارہے تھے' صاحب الازھار اور ملا علی قاری وغیرہم کے نزدیک آپ اس عالمِ عناصر اور جہانِ بشریت میں نبی نہیں تھے' سوال یہ ہے کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے نبوت کیوں سلب فرمائی' جب کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اگر اس کی نعمت پر شکر ادا کیا جائے تو وہ اس نعمت میں اضافہ فرماتا ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ . (ابراہیم: ۷) اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم کو ضرور زیادہ دوں گا۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ ارواح میں نعمت نبوت کا شکر ادا کر رہے تھے' کیونکہ آپ ارواحِ انبیاء کو تبلیغ فرما رہے تھے اور نعمت کا شکر یہی ہے کہ جس مقصد کے لیے نعمت دی ہے' اس کو پورا کیا جائے' سو جب آپ عالمِ ارواح میں نعمتِ نبوت کے شکر گزار تھے تو اس عالم بشریت میں آپ نبوت کے اور زیادہ مستحق تھے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں نبوت عطا کیے جانے کے دلائل ظنی ہیں' قطعی نہیں ہیں' اس طرح اس کے انکار کے دلائل بھی ظنی ہیں اور کسی جانب قطعیت نہیں ہے' جن علماء نے اپنی تحقیق کی بناء پر بچپن میں آپ کو نبوت عطا کیے جانے کا انکار کیا ہے' ان پر کسی قسم کی بدعقیدگی کا حکم لاگو نہیں ہوگا' تاہم ہمارے نزدیک ''مسند احمد'' اور ''دلائل النبوۃ'' کی احادیث کی بناء پر آپ کو بچپن میں نبوت عطا کر دی گئی تھی اور آپ کا بچپن میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھنا بھی آپ کے نبی ہونے کو مستلزم ہے اور قرآن مجید میں ہے:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ (الضحیٰ: ۴) آپ کی ہر بعد والی ساعت' پہلی ساعت سے افضل ہے ۝

اس آیت کا عموم بھی عالمِ ارواح کے بعد عالمِ بشریت میں آپ کی افضل نبوت کا متقاضی ہے اور جب حضرت یحییٰ کو دو یا تین سال کی عمر میں نبوت عطا کی گئی تو آپ جو رحمۃ للعلمین اور خاتم النبیین ہیں' قائد المرسلین اور محبوبِ رب العلمین ہیں' وہ کیوں کر اس نعمت سے محروم ہوں گے!

معراج کے موقع پر شق صدر

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں مکہ میں تھا تو میرے گھر کی چھت میں شگاف کیا گیا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے' پھر میرے سینہ کو کھولا گیا' پھر اس کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا' پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا' جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا' پھر اس میں جو کچھ تھا' اس کو میرے سینہ میں ڈال دیا گیا' پھر میرے سینہ کو بند کر دیا گیا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۳' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۳۱۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حدیث بیان کی کہ جس وقت میں حطیم میں یا حجر میں لیٹا ہوا تھا' میرے پاس ایک آنے والا آیا' پھر اس نے میرے حلقوم سے میری ناف تک سینہ کو چاک کر دیا' پھر میرے دل کو نکالا گیا' پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا' جو ایمان سے بھرا ہوا تھا' پھر میرے دل کو دھویا گیا' پھر میرے سینہ کو بھر دیا گیا' پھر براق کو لایا گیا۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۸۸۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۴۶' سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۴۸)

آپ کا شقِ صدر کتنی بار ہوا؟

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اور حافظ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ بعض علماء نے معراج کی شب شق صدر کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ شق صدر صرف آپ کے بچپن میں (چار یا پانچ سال کی عمر میں) ہوا ہے' جب آپ بنو سعد میں تھے اور یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ آپ کا شق صدر بعثت (اعلانِ نبوت) کے وقت بھی ہوا ہے اور معراج کی شب بھی ہوا ہے' اور اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ یہ خلافِ عادت اُمور سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے' اور اس میں معجزہ کا اظہار ہے' اور شق صدر کی حکمتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) بچپن میں آپ کا شق صدر ہوا تا کہ آپ کی نشو و نما کامل ترین احوال میں ہو اور آپ شیطان سے معصوم رہیں' یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے سینہ سے جما ہوا خون نکال کر پھینک دیا اور کہا: یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا۔

(۲) بعثت کے وقت آپ کا شق صدر ہوا تا کہ آپ کے قلب میں وہ چیز ڈالی جائے' جس سے آپ کا قلب قوی ہو جائے اور وحی کو قبول کر سکے۔

(۳) معراج کے موقع پر آپ کا شق صدر کیا گیا تا کہ آپ کے قلب میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کی صلاحیت حاصل ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۷ اص ۳۱-۳۰' فتح الباری ج ۷ ص ۶۰۵-۶۰۴)

مصنف کے نزدیک تین مرتبہ شق صدر کی حکمت یہ ہے: پہلی بار شق صدر کیا گیا تا کہ آپ کے دل میں نبوت کے علم الیقین کی استعداد رکھی جائے اور دوسری بار شق صدر کیا گیا تا کہ آپ کے دل میں نبوت کے عین الیقین کی استعداد رکھی جائے اور تیسری بار شق صدر کیا گیا تا کہ آپ کے دل میں نبوت پر حق الیقین کی استعداد رکھی جائے۔

آپ کے قلب کو سونے کے طشت میں رکھنے' اس کو زمزم سے دھونے اور اس میں ایمان ـــــ اور حکمت رکھنے کی تشریح

حافظ بدر الدین عینی اور حافظ شہاب الدین عسقلانی لکھتے ہیں:

آپ کے قلب کو سونے کے طشت میں رکھا گیا حالانکہ مردوں کے لیے سونے کا استعمال ممنوع ہے' اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) آپ کا قلب قلوب میں سے افضل ہے' اس لیے اس کو رکھنے کے لیے سب سے افضل دھات کا برتن منتخب کیا گیا (۲) سونے کو آگ نہیں کھاتی جس طرح آپ کے جسم کو آگ نہیں جلا سکتی (۳) سونے کو مٹی نہیں کھا سکتی' جس طرح آپ کے جسم کو مٹی نہیں کھا سکتی (۴) سونے کو زنگ نہیں لگتا (۵) سونے میں تمام جواہر کی بہ نسبت زیادہ ثقل ہے جیسے وحی میں ثقل ہوتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سونے کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تحریم سے پہلے کا واقعہ ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تحریم دنیا کے احوال کے ساتھ مخصوص ہے اور معراج کے غالب احوال کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے کیونکہ اس کے اکثر احوال کا تعلق غیب سے ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس طشت میں ایمان اور حکمت تھے اس پر اعتراض ہے کہ ایمان اور حکمت از قبیل معانی ہیں وہ طشت میں کیسے ہو سکتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان اور حکمت کے معانی کو جسم کی شکل دے دی گئی تھی جس طرح اعمال کا وزن کیا جائے گا۔

نیز اس حدیث میں آپ کے قلب کو پانی سے دھونے کا ذکر ہے اس پانی سے مراد زمزم کا پانی ہے اور اس سے مقصود زمزم کو آپ کے قلب کی برکت پہنچانا ہے۔ ایمان سے مراد ایمان کی قوت ہے اور حکمت سے مراد معانی قرآن کی فہم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۷ اص ۳۱ فتح الباری ج ۷ ص ۶۰۵)

شق صدر پر اعتراضات اور ان کے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

معتزلہ نے شق صدر کی احادیث پر اعتراضات کیے ہیں وہ اعتراضات اور ان کے جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) شق صدر کی روایات کا تعلق آپ کے بچپن سے ہے اور وہ معجزات ہیں اس وقت تک آپ نے اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا تو اعلانِ نبوت سے پہلے معجزات کیسے صادر ہوئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے نبی سے جو خلافِ عادت اُمور ظاہر ہوں ان کو ارہاص کہتے ہیں اور یہ بہ کثرت انبیاء سے ثابت ہیں۔

(۲) قلب کو دھونے سے لازم آتا ہے کہ اس میں گناہ ہوں یا میل ہو نیز دھویا جسم کو جاتا ہے اور گناہ اور میل از قبیل معانی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دھونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے گناہ ہوں بلکہ زمزم کے پانی کو برکت پہنچانے کے لیے آپ کے قلب اطہر کو دھویا گیا۔

(۳) آپ کے قلب سے جو جما ہوا خون نکالا گیا اس کے متعلق حدیث میں ہے: یہ آپ کے قلب میں شیطان کا حصہ ہے یہ آپ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جمے ہوئے خون سے مراد وہ چیز ہے جو ہر انسان کے قلب میں ہوتی ہے اسی کی وجہ سے انسان گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور عبادات کو ترک کرتا ہے اور جب آپ کے قلب سے اس چیز کو زائل کر دیا تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ ہمیشہ اطاعت اور عبادت کرتے رہیں گے اور گناہوں سے مجتنب رہیں گے اور اس سے آپ کے قلب میں فرشتوں کے لیے یہ علامت ہو جائے گی کہ آپ گناہوں سے معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ اپنی مخلوق پر جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ حکم دیتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۶-۲۰۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم فضیلت ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شرح صدر کے لیے دعا کی تھی:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ (طٰہٰ: ۲۵) اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے ۝

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغیر طلب اور بغیر دعا کے فرمایا:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝ (الانشراح:۱) کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا۝
اس سے معلوم ہوا کہ جو نعمتیں دوسرے نبیوں کو مانگنے سے ملتی تھیں' آپ کو وہ نعمتیں بن مانگے عطا کی جاتی تھیں۔
الانشراح:۳۔۲ میں فرمایا: اور آپ سے (پُر مشقت چیزوں کا) بوجھ اتار دیا۝ جس نے آپ کی پشت کو گراں بار کر دیا تھا۝

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ''وزر'' کے محامل

اس آیت میں ''وزر'' کا لفظ ہے' بعض مفسرین نے اس کا معنی گناہ کیا ہے' لیکن چونکہ ''وزر'' کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے' اس لیے اس کا معنی گناہ کرنا صحیح نہیں ہے' سو یہاں اس کا معنی ہے: پُر مشقت کاموں کا بوجھ۔
علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی لکھتے ہیں:
عبدالعزیز بن یحییٰ اور ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے: ہم نے آپ سے نبوت کے بوجھ اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں تخفیف کر دی تاکہ فرائض نبوت کو ادا کرنا آپ پر دشوار نہ ہو۔
ایک قول یہ ہے کہ ابتداء میں آپ پر وحی کا نزول بہت شدید ثقیل ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ خود کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دینے کا ارادہ کرتے' پھر حضرت جبریل آپ کو بچا لیتے تھے' پھر آپ سے اس بوجھ کو زائل کر دیا' جس سے آپ کی عقل کے متغیر ہونے کا خطرہ تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۹۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو پہاڑ سے گرا دینے کے ارادہ کی روایت صحیح نہیں

مصنف کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ثقل سے گھبرا کر کبھی خود کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ نہیں کیا' اس کے برخلاف حدیث میں یہ ذکر ہے:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ سخت سردی کے ایام میں آپ پر وحی نازل ہوتی تو وحی منقطع ہونے کے بعد آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۳۳۳' مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۸)
اور پہاڑ سے خود کو گرا دینے کے قصد کی حسب ذیل روایت صحیح نہیں ہے' اس حدیث میں ہے:
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ طویل حدیث کے آخر میں ہے:
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں' ورقہ بن نوفل نے آپ کو تسلی دی اور کہا: آپ کے پاس وہی ناموس آیا ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا تھا۔۔۔۔ پھر کچھ دنوں بعد ورقہ فوت ہو گئے اور وحی کا آنا رک گیا' حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت غم گین ہوئے' (امام زہری فرماتے ہیں:) ہمیں جو حدیث پہنچی ہے' اس میں یہ مذکور ہے کہ آپ پر غم کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ آپ نے کئی بار خود کو پہاڑ کی چوٹیوں سے گرانے کا ارادہ کیا' اور ہر بار جب بھی آپ خود کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تو آپ کے سامنے حضرت جبریل علیہ السلام آ جاتے اور کہتے: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! بے شک آپ رسول برحق ہیں' پھر آپ کا اضطراب ختم ہو جاتا اور آپ کا دل ٹھنڈا ہو جاتا اور آپ واپس چلے جاتے' پھر جب کافی دنوں تک وحی نہ آتی تو پھر آپ اسی طرح پہاڑ پر جاتے اور پہاڑ کی بلندی سے خود کو گرانے کا ارادہ کرتے اور جبریل آپ کے سامنے نمودار ہو کر اسی طرح کہتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۹۸۲)
حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث کے آخر میں یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے' امام ابو نعیم نے اپنی مستخرج میں شیخ بخاری یحییٰ بن بکیر سے

اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے' اسماعیلی نے بھی کہا ہے کہ یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے' امام مسلم' امام احمد' امام اسماعیلی اور امام ابونعیم نے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے اور یہ حدیث بلاغات زہری سے ہے اور متصل نہیں ہے (لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے اور چونکہ امام بخاری کے شیخ یحییٰ بن بکیر اور دیگر ائمہ حدیث نے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے' اس لیے یہ حدیث شاذ ہے اور کیونکہ اس حدیث کا متن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موجب طعن ہے' اس لیے یہ حدیث نہ روایۃً صحیح ہے نہ درایۃً۔ سعیدی غفرلہٗ) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: اس روایت کا متصل نہ ہونا ہی معتمد ہے۔ (فتح الباری ج ۱۴ص ۳۸۳' دارالفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ''وزر'' کے بعض دیگر محامل

ہم نے آپ کے اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کو نامناسب کاموں سے محفوظ رکھا' حتیٰ کہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ بالکل معصوم تھے۔

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

عام اہل تاویل نے کہا ہے کہ ''وزر'' کا معنی گناہ ہے' وہ کہتے ہیں: پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ''وزر'' اور ''ذنب'' کو ثابت کیا' پھر ''ذنب'' کو آپ سے ساقط اور زائل کر دیا' اس قول سے ہم کو وحشت ہوتی ہے' ہم کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: آپ کے اوپر جو نبوت کا ثقل تھا' ہم نے اس میں تخفیف کر دی' اگر ہم یہ تخفیف نہ کرتے تو نبوت کا بوجھ آپ کی کمر توڑ کر رکھ دیتا۔

اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے آپ کو گناہوں سے محفوظ اور معصوم بنایا اور اگر آپ کی حفاظت اور عصمت نہ ہوتی تو آپ کے ''اوزار'' اور ''ذنوب'' ہوتے' جیسے ''وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝'' (الضحیٰ: ۷) میں فرمایا تھا: اگر اللہ آپ کو ہدایت پر ثابت قدم اور برقرار نہ رکھتا تو وہ ضرور آپ کو غیر ہدایت یافتہ پاتا کیونکہ آپ گم راہ قوم کے درمیان تھے' لیکن آپ کو ہدایت پر ثابت قدم اور برقرار رکھا تو آپ کو غیر ہدایت یافتہ نہیں پایا' اسی طرح اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنایا اور آپ میں گناہوں کے بوجھ کو داخل ہونے نہیں دیا اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ پہلے آپ نے گناہوں کا بوجھ اٹھایا اور پھر آپ سے اس بوجھ کو اتار دیا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ص ۴۸۲' موسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی نے اس آیت کے نو محمل ذکر کیے ہیں' جن میں سے بعض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب اور آپ کی شان کے لائق نہیں ہیں' ہم قوسین میں ان نامناسب اور باطل محامل کی نشان دہی کر دیں گے۔

(۱) قتادہ نے کہا: اس سے مراد زمانۂ جاہلیت میں آپ کے گناہ ہیں' جن کا آپ پر بوجھ تھا' اللہ تعالیٰ نے اس بوجھ کو اتار دیا یعنی آپ کو معاف کر دیا۔ (یہ قول باطل ہے کیونکہ آپ اعلانِ نبوت سے پہلے اور اس کے بعد ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں' خواہ ان گناہوں کا صدور آپ سے سہواً ہو یا عمداً' صورۃً ہو یا حقیقۃً۔ غلام رسول سعیدی غفرلہٗ)

(۲) ''وزر'' سے مراد یہ ہے کہ آپ کی قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے خلاف جو کام کرتی تھی' آپ ان کاموں کو مکروہ جانتے تھے اور ان کی وجہ سے آپ کی طبیعت پر بوجھ تھا اور آپ خود ان میں تغیر کرنے پر قادر نہ تھے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط (آل عمران: ۹۵) تم لوگ ملت ابراہیم کی پیروی کرو' جو باطل ادیان سے الگ ہیں۔

اور یوں اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت کے اس بوجھ کو اتار دیا۔

(۳) نبوت کے فرائضِ منصبی کا جو آپ پر ثقل تھا' اس بوجھ کو اتار کر آپ کے فرائض منصبی میں تخفیف کر دی۔

(۴) امت کے گناہ بھی آپ کی طبیعت پر بوجھ تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ سے شفاعت کا وعدہ فرما کر اور ''وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝'' (الضحیٰ:۵) نازل فرما کر اس بوجھ کو اتار دیا۔

(۵) اگر آپ کے گناہ ہوتے تو ان کے بوجھ سے آپ کی کمر ٹوٹ جاتی' اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم بنا کر اس بوجھ سے معصوم اور مامون کر دیا۔

(۶) ''وزر'' سے مراد وہ ہیبت اور خوف ہے' جو حضرت جبریل سے پہلی ملاقات کے وقت آپ پر طاری ہوا تھا اور آپ پر یہ حالت طاری ہوئی کہ آپ شدتِ اشتیاق سے خود کو پہاڑ سے گرا دینا چاہتے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو قوی کر دیا۔ (ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ واقعہ صحت سے ثابت نہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۷) کفارِ قریش کے ظلم و ستم سے آپ کے دل پر بوجھ طاری تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو قوی کر کے وہ بوجھ اتار دیا' حتیٰ کہ ایک موقع پر کفار نے آپ کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا تب بھی آپ یہی فرما رہے تھے:

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون. اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ مجھ کو نہیں جانتے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''اللھم اھد لقومی فانھم لا یعلمون'' یہ دعا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی' کسی اور نبی نے کی ہے

علامہ ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ نے لکھا ہے کہ غزوۂ اُحد میں جب کفار نے آپ کا دانت شہید کر دیا اور آپ کا چہرہ زخمی کر دیا تو آپ کے اصحاب کو اس سے بہت رنج ہوا اور انہوں نے آپ سے کہا: آپ ان کے خلاف دعا کریں' تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا' بلکہ مجھے دعا کرنے والا اور رحمت بنا کر بھیجا ہے' اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے' یا فرمایا: ''اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون'' اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ مجھے نہیں جانتے۔

(اشرف الوسائل الی فہم الشمائل ص ۵۰۲' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے بھی اپنے استاد علامہ ابن حجر کی اتباع میں اسی طرح لکھا ہے۔

(جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۲ ص ۱۹۴' مطبع نور محمد' کراچی)

میں کہتا ہوں کہ ''اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا نہیں ہے' کسی اور نبی کی دعا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا تھا' آپ انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے' جن کو ان کی قوم نے زخمی کر دیا تھا' وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے: ''اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون'' اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ یہ مجھے نہیں جانتے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۷۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۹۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۲۵' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۴۷۱' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۰)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب غزوۂ اُحد میں کفار نے آپ کا چہرہ زخمی کر دیا تھا' تو آپ نے یہ فرمایا تھا:

کیف یفلح قوم شجوا نبیهم وکسروا رباعیته. وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کر دیا اور ان کا دانت شہید کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۷۹۱)

ہو سکتا ہے کہ جب غزوۂ اُحد میں کفار نے آپ کا چہرہ زخمی کر دیا اور صحابہ غمگین ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نبی کا واقعہ یاد آ گیا اور آپ نے صحابہ کی دلجوئی کے لیے اس نبی علیہ السلام کا قول ذکر فرمایا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم مالکی قرطبی متوفی ۶۵۶ھ مسلم: ۱۷۹۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود نے جو فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے' جن کی قوم نے ان کا چہرہ خون آلود کر دیا تھا' "اللهم اغفر لقومی فانهم لا یعلمون" اس نبی سے آپ کی مراد خود اپنی ذاتِ مبارکہ تھی' گویا غزوۂ اُحد سے پہلے آپ کی طرف یہ وحی کی گئی تھی اور آپ کے لیے اس نبی کا تعین نہیں کیا گیا تھا اور جب غزوۂ اُحد پیش آیا تو متعین ہو گیا کہ اس نبی سے مراد آپ خود تھے۔ (المفہم ج ۳ ص ۶۵۱' دار ابن کثیر' دمشق' ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ قرطبی کے اس قول کا فساد درج ذیل حدیث سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۵-۲۰۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب جعرانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں تو آپ پر بہت رش ہو گیا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا' ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کا چہرہ زخمی کر دیا' پس وہ نبی اپنی پیشانی سے اپنا خون صاف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما' پس بے شک یہ نہیں جانتے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا تھا' آپ اس نبی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنی پیشانی صاف کر رہے تھے۔

(شعیب الارنؤط نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ "اللهم اغفر لقومی فانهم لا یعلمون" یہ دعا کسی اور نبی علیہ السلام کی ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو نقل فرمایا ہے' خود یہ دعا نہیں کی اور اس دعا کی نسبت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے میں امام رازی' علامہ ابن حجر مکی' ملا علی قاری اور علامہ قرطبی نے خطا کی ہے۔ ہم نے اس کی زیادہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں علماء' مقررین اور مصنفین اس دعا کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس قول کی نسبت کریں' جو آپ نے نہ فرمایا ہو' حدیث میں ہے:

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے میری طرف اس بات کی نسبت کی جو میں نے نہیں کی' وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ میں بنا لے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۱۰۹' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۲)

(۸) اگر یہ سورت ابو طالب کی موت کے بعد نازل ہوئی ہے تو ان کی موت سے جو آپ کو شدید قلق ہوا تھا' اس بوجھ سے مراد وہ قلق ہے اور جب شب معراج سب نبیوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ کی تحسین کی اور آپ کا ذکر بلند فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس بوجھ کو اتار دیا۔

(۹) ''وزر'' سے مراد وہ ثقل اور حیرت ہے' جو اعلانِ نبوت سے پہلے آپ پر طاری تھی' کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کامل عقل سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عدم سے وجود میں لایا اور آپ کو حیات' عقل اور دیگر بہت نعمتیں عطا کیں تو آپ پر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا بہت ثقل اور بوجھ ہوا اور قریب تھا کہ شدتِ حیا سے آپ کی کمر ٹوٹ جاتی' کیونکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور آپ حیران تھے کہ کس طرح اپنے رب کی اطاعت کریں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا اور آپ کو شریعت عطا کی اور اعلانِ نبوت کا حکم دیا اور آپ کو مکلّف کیا' تب آپ کو معلوم ہوا کہ اپنے رب کی کیسے اطاعت کریں' پھر آپ کا بوجھ کم ہو گیا اور آپ پر معاملات آسان ہو گئے' کیونکہ لئیم النفس کو زیادہ نعمتیں ملیں اور وہ منعم کی خدمت نہ کرے تو اس کو حیاء نہیں آتی اور جو کریم النفس ہو اور اس پر زیادہ انعام کیا جائے اور وہ ان نعمتوں کے مقابلہ میں منعم کی خدمت نہ کر سکے تو اس کو بہت حیاء آتی ہے اور اس کی طبیعت پر بہت بوجھ پڑتا ہے اور جب منعم اس کو اپنی خدمت کا مکلّف کر دے تو اس کا بوجھ اتر جاتا ہے اور اس پر معاملہ سہل ہو جاتا ہے اور وہ خوش ہو جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۲۰۸۔۲۰۷' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الانشراح: ۴ میں فرمایا: اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ○

نبی صلی علیہ وسلم کا ذکر بلند کرنے کے متعلق امام ماتریدی' امام رازی اور علامہ قرطبی کی تقاریر

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کی تین تقریریں ہیں:

(۱) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر لازم کر دیا ہے کہ وہ آپ کے اوپر ایمان لائے' حتیٰ کہ کسی شخص کا اللہ پر اور اس کی توحید پر ایمان لانا' اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک کہ وہ آپ کے اوپر ایمان نہ لائے اور نہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت مقبول ہوگی' جب تک کہ وہ آپ کی اطاعت نہ کرے' قرآن مجید میں ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ . (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی پس بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (النساء: ۶۵)

پس آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے' جب تک کہ یہ باہمی جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ مان لیں' پھر آپ نے جو فیصلہ کیا ہے' اس کے خلاف اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں اور اس کو مکمل تسلیم کر لیں ○

(۲) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنی یہ ہے کہ جب بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے' اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اذان میں' اقامت میں' نماز میں' تشہد میں' غرض ہر مقام پر اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر رکھا ہے۔

(۳) آپ کے ذکر کو بلند کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کی اضافت آپ کے نام کی طرف کی ہے' جیسے رسول اللہ' نبی اللہ اور بغیر رسالت اور نبوت کے آپ کا ذکر نہیں کیا' پس فرمایا: ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ'' (الفتح: ۲۹) اور فرمایا: ''يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ'' (المائدہ: ۶۷) اور فرمایا: ''يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ'' (التحریم: ۱) اور اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کے وصف کے ساتھ صرف آپ کا ذکر کیا ہے اور انبیاء سابقین

کا ذکر صرف ان کے اسماء کے ساتھ کیا ہے جیسے فرمایا: "وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ" (الانعام: ۸۳) "وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ" (الانعام: ۸۶) اور آپ کے ذکر کو عظمت اور شرف کے ساتھ کرنا لازم کر دیا' حتیٰ کہ جس نے آپ کے نام کا تخفیف کے ساتھ ذکر کیا' اس کا ایمان جاتا رہا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۸۲' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

سب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے اور آپ کے نام کی شہرت تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے' اور آپ کا نام عرش پر لکھا ہوا ہے اور کلمۂ شہادت اور تشہد میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے' اور سابقہ آسمانی کتابوں میں آپ کا ذکر ہے اور تمام آفاق میں آپ کا ذکر پھیلا ہوا ہے' خطبوں میں اور اذان میں آپ کا ذکر کیا جاتا ہے' دینی کتب کے شروع اور آخر میں آپ کا ذکر ہوتا ہے' قرآن مجید میں بہت جگہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر ہے' مثلاً: "وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ" (التوبہ: ۶۲) "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" (النساء: ۱۳) "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ" (النور: ۵۴) اور اللہ تعالیٰ آپ کو رسول اور نبی کے عنوان سے ندا فرماتا ہے اور دیگر انبیاء کو ان کے ناموں سے ندا فرماتا ہے' مثلاً یا موسیٰ' یا عیسیٰ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت رکھ دی ہے' آپ کے متبعین آپ کی نعت پڑھتے ہیں اور آپ کے فضائل بیان کرتے ہیں' آپ پر درود پڑھتے ہیں اور آپ کی سنتوں کی حفاظت کرتے ہیں' بلکہ ہر فرض نماز کے ساتھ آپ کی سنت میں زائد نماز پڑھتے ہیں' وہ فرض میں اللہ کے حکم پر عمل کرتے اور سنت میں آپ کے حکم پر عمل کرتے ہیں اور آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے" مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (النساء: ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کر لی' اور آپ کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا ہے" اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ" (الفتح: ۱۰) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں' وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں' بادشاہ آپ کی اطاعت کرنے میں عار نہیں سمجھتے' قراء آپ کے الفاظ کی ادائیگی کے طریقہ کی حفاظت کرتے ہیں' اور مفسرین آپ کی کتاب کی آیات کی تفسیر کرتے ہیں' واعظین آپ کی احادیث کی تبلیغ کرتے ہیں' علماء اور سلاطین آپ کے روضہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں اور آپ کے روضہ کی خاک سے اپنے چہروں کو سجاتے ہیں اور آپ کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں' سو آپ کا شرف روزِ قیامت تک باقی رہے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۰۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اذان' اقامت' تشہد اور جمعہ' عید الفطر' عید الاضحیٰ میں منبروں پر اور ایامِ تشریق' یومِ عرفہ اور رمی جمار کے وقت اور صفا اور مروہ پر' اور خطبۂ نکاح میں اور زمین کے مشارق اور مغارب میں جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے' اور اگر کوئی شخص اللہ عزوجل کی عبادت کرے اور جنت اور دوزخ اور تمام مغیبات کی تصدیق کرے اور یہ شہادت نہ دے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اس کی عبادت سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور وہ کافر رہے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا اور آپ سے پہلے نازل کی ہوئی کتابوں میں آپ کا ذکر کیا اور پہلے رسولوں کو آپ کی بشارت دینے کا حکم دیا اور ہر دین پر آپ کے دین کو غالب کر دیا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آسمان کے فرشتوں میں آپ کے ذکر کو بلند کیا اور زمین پر مؤمنین میں آپ کے ذکر کو بلند کیا اور ہم آخرت میں آپ کے

ذکر کو بلند کریں گے اور آپ کو مقام محمود اور بلند درجات عطا کریں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۹۴ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ درج ذیل احادیث اور آثار کو روایت کیا ہے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا جب بھی ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا: ''اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله''۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۶۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل آئے اور کہا: میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے: میں نے آپ کے ذکر کو کیسے بلند کیا؟ میں نے کہا: اللہ ہی کو علم ہے فرمایا: جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۰۶۸)

امام عبدالرحمان بن محمد ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے:

حضرت عدی بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے ایک چیز کا سوال کیا' کاش! میں نے وہ سوال نہ کیا ہوتا' میں نے کہا: اے میرے رب! آپ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا' حضرت موسیٰ کو کلیم بنایا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کیا میں نے آپ کو یتیم نہیں پایا تو آپ کو ٹھکانا دیا' اور آپ کو حبِ کبریاء میں سرشار پایا تو مخلوق کی طرف ہدایت دی اور آپ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا اور آپ کا سینہ کھول دیا اور آپ کا بوجھ اتار دیا اور آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا' پس جب بھی میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا اور آپ کو خلیل بنایا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۴۶ ـ رقم الحدیث: ۱۹۳۹۴' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

ابن عطاء نے کہا: اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ میں نے اپنے اوپر ایمان کی تکمیل آپ کے ذکر کے ساتھ کر دی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ میں نے آسمان کے فرشتوں میں آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے' اور قیامت کے دن تمام مخلوق آپ کی پناہ میں آئے گی' کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی کس قدر وجاہت اور قدر و منزلت ہے۔

(الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۳۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا: پھر آپ ارواحِ انبیاء علیہم السلام کے پاس گئے' ان سب نے اپنے رب کی حمد و ثناء کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے ابراہیم کو خلیل بنایا' اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا اور میری امت کو اللہ کے لیے قیام کرنے والا بنایا' جو میری اتباع کرتی ہے اور مجھے نمرود کی آگ سے نجات دی اور اس آگ کو مجھ پر ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا۔ حضرت موسیٰ نے اپنے رب کی حمد و ثناء کرتے ہوئے کہا: تمام تعریفیں اللہ سبحانہ کے لیے ہیں' جس نے مجھے کلیم بنایا اور مجھے اپنی رسالت اور کلام کے لیے چن لیا' اور مجھے سرگوشی کرنے کے لیے قریب کیا اور مجھ پر تورات نازل کی' اور میرے ہاتھوں سے آل فرعون کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو میرے ہاتھوں نجات دی۔

پھر حضرت داؤد نے اپنے رب کی حمد و ثناء کی: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے مجھے ملک عطا کیا اور مجھ پر زبور نازل کی اور میرے لیے لوہا نرم کر دیا' اور پرندوں اور پہاڑوں کو میرے لیے مسخر کر دیا' اور مجھے حکمت اور فصل خطاب عطا

کیا۔

پھر حضرت سلیمان نے اپنے رب کی حمد وثناء کی اور کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے میرے لیے ہواؤں کو' جنات کو اور انسانوں کو مسخر کر دیا اور سرکش جنات کو میرا تابع کر دیا' جو میرے لیے قلعے اور مجسمے بناتے ہیں اور مجھے پرندوں کی بولی سکھائی اور میرے لیے تانبے کا چشمہ بہایا اور مجھے ایسا عظیم ملک عطا فرمایا جو میرے بعد اور کسی کے لائق نہیں ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ نے اپنے رب کی حمد وثناء کی اور کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے مجھے تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور مجھے ایسا بنایا کہ میں مادر زاد اندھوں کو ٹھیک کرتا ہوں' اور کوڑھیوں کو تندرست کرتا ہوں اور اللہ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور مجھے آسمان کے اوپر اٹھا لیا اور مجھے کفار سے پاک رکھا اور مجھے اور میری ماں کو شیطان رجیم سے پاک رکھا۔

پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی حمد وثناء کی اور فرمایا: آپ سب نے اپنے رب کی حمد وثناء کی' اب میں اپنے رب کی حمد وثناء کرتا ہوں' سو آپ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں' جس نے مجھے رحمۃ للعلمین بنا کر مبعوث فرمایا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا' اور مجھ پر فرقان کو نازل کیا' جس میں (ہدایت سے متعلق) ہر چیز کا مفصل بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں سے افضل بنایا اور میری امت کو امت وسط (کامل) بنایا اور میری امت کو اوّل اور آخر بنایا' اور میرا سینہ کھول دیا اور مجھ سے بوجھ اتار دیا اور میری خاطر میرا ذکر بلند کیا اور مجھ کو افتتاح کرنے والا اور نبوت کا اختتام کرنے والا بنایا۔

پھر حضرت ابراہیم نے فرمایا: انہی وجوہ سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تم سب پر فضیلت دی ہے۔

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۱۔۴۰۰' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا' وہاں حضرت موسیٰ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کا بیان کیا' پھر فرمایا کہ پس جب نماز کا وقت آیا تو میں نے ان سب کی امامت کی۔ (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۸۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کرنے کے متعلق مصنف کی تقریر

(۱) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سب سے پہلے عالم ارواح میں بلند کیا گیا' قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (آل عمران: ۸۲۔۸۱)

اور (اے رسول مکرم!) یاد کیجئے جب اللہ نے نبیوں سے ان کا عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں' پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائیں جو اس کی تصدیق کرنے والے ہوں' جو تمہارے ساتھ ہے تو تم ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا' فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا بھاری عہد قبول کر لیا؟ سب نے کہا: ہم نے اقرار کیا' فرمایا: پس تم گواہ رہنا اور میں خود تمہارے ساتھ گواہ ہوں ۝ سو جو اس عہد کے بعد پھر گیا وہی لوگ نافرمان ہوں گے ۝

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے جس نبی کو بھی بھیجا خواہ حضرت آدم ہوں یا ان کے بعد کا نبی ہو' اس سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا کہ اگر اس نبی کی زندگی میں آپ مبعوث ہو جائیں تو

وہ ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لائے اور ضرور بہ ضرور آپ کی مدد کرے اور اپنی امت کو بھی یہ حکم دے گا کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔ (جامع البیان جز ۳ ص ۴۵۰۔ رقم الحدیث: ۵۷۹۰ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

سدی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور ان کے بعد جو نبی بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو وہ ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لائے گا اور ضرور بہ ضرور آپ کی مدد کرے گا اور اگر اس نبی کی زندگی میں آپ مبعوث نہیں ہوئے تو وہ اپنی امت سے یہ عہد لے گا کہ اگر ان کی زندگی میں آپ مبعوث ہو جائیں تو وہ ضرور بہ ضرور آپ پر ایمان لائیں اور ضرور بہ ضرور آپ کی مدد کریں۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۵۷۹۲)

اس عہد کو پورا کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا کی: "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ" (البقرہ: ۱۲۹) اے ہمارے رب! اہل مکہ میں ان ہی میں سے عظیم رسول مبعوث فرما اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ (الصف: ۶) میں اس عظیم رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا۔

(۲) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ عزوجل خود اور اس کے سب فرشتے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○ (الاحزاب: ۵۶) بے شک اللہ اور اس کے سب فرشتے اس نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر صلوٰۃ بھیجو اور خوب صلوٰۃ بھیجو○

اس آیت میں بتایا ہے: اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے امام بخاری نے صلوٰۃ کا معنی بیان کیا: ابو العالیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کا معنی ہے: وہ فرشتوں کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء اور مدح فرماتا ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ آپ کے لیے دعا ہے اور مؤمنین کی صلوٰۃ کے متعلق یہ حدیث روایت کی:

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یا رسول اللہ! یہ سلام تو معلوم ہے ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں؟ تو آپ نے فرمایا: تم پڑھو: "اللهم صل علىٰ محمد عبدك ورسولك كما صليت علىٰ آل ابراهيم وبارك على محمد وعلىٰ آل محمد كما باركت على ابراهيم"۔

(صحیح البخاری ص ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۴۔ رقم الحدیث: ۴۷۹۸ شرکۃ دارالارقم بیروت)

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء مخلوق کے ذمہ نہیں لگائی کیونکہ مخلوق محدود ہے تو آپ کی مدح و ثناء بھی محدود ہو جاتی نیز مخلوق کی ابتداء اور انتہا ہے تو آپ کی مدح و ثناء بھی ابتداء اور انتہا میں مقید ہو جاتی اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدح و ثناء خود کی ہے کہ نہ اس کی کوئی حد ہے نہ آپ کی مدح و ثناء کی کوئی حد ہوگی نہ اس کی کوئی ابتداء ہے اور انتہا ہے نہ آپ کی مدح و ثناء کی کوئی ابتداء اور انتہا ہوگی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا تو آپ کی مدح و ثناء بھی ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہوتی رہے گی مؤمنوں کو حکم دیا تم بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھو اس کے ساتھ یہ بتایا کہ فرشتے بھی آپ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں یعنی اگر تم ان پر صلوٰۃ و سلام نہ پڑھو تو ان کو کیا کمی ہوگی جن پر فرشتے ہر وقت صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں بعض لوگ اذان کے بعد اور جمعہ کے بعد

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ اور سلام پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور اس کو بدعت کہتے ہیں' میں کہتا ہوں کہ ان کے منع کرنے سے کیا ہوتا ہے' آپ کی شان یہ ہے کہ آپ کی قبر انور پر صبح اور شام فرشتے صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں' حدیث میں ہے:

کعب نے بیان کیا کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اپنے پروں سے آپ کی قبر انور کا احاطہ کر لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں اور شام کو وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور دوسرے ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور آپ پر صلوٰۃ پڑھتے رہتے ہیں' یہ اسی طرح ہوتا رہے گا حتیٰ کہ (قیامت کے دن) آپ کی قبر انور سے زمین پھٹ جائے گی اور آپ قبر مبارک سے نکلیں گے اور ستر ہزار فرشتے آپ کا احاطہ کیے ہوئے ہوں گے۔

(سنن دارمی رقم الحدیث: ۹۵' مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۵۹۵۵)

نیز میں کہتا ہوں کہ ان منکرین کے آپ پر سلام نہ پڑھنے سے آپ کو کیا کمی ہوگی' آپ کی شان یہ ہے کہ آپ پر تو شجر و حجر بھی سلام پڑھتے ہیں' حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ کے ایک پتھر کو ضرور پہچانتا ہوں' جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر سلام عرض کرتا تھا' میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۴' مسند احمد ج ۵ ص ۸۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا' ہم مکہ کی کسی جانب گئے تو جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا' وہ کہتا: السلام علیك یا رسول اللّٰہ۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۲۶)

سو یہ آپ کے ذکر کی بلندی ہے کہ شجر و حجر آپ پر سلام عرض کرتے ہیں' فرشتے آپ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں اور خود رب کائنات آپ کی مدح و ثناء کرتا ہے۔

(۳) زیر تفسیر آیت میں فرمایا ہے:

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ؕ (الانشراح: ۴) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ○

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کی بلندی اپنے ذمہ رکھی' مخلوق کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ وہ آپ کا ذکر بلند کرے کیونکہ اگر مخلوق آپ کا ذکر بلند کرتی تو مخلوق کی ایک حد ہے' وہ اپنی حد تک آپ کا ذکر بلند کرتی' اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو خود بلند کیا اور نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حد ہے اور نہ آپ کے ذکر کی بلندی کی کوئی حد ہوگی' اللہ عزوجل لامحدود ہے تو آپ کے ذکر کی بلندی بھی لامحدود ہوگی' نیز مخلوق کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی ہے' اللہ تعالیٰ ازلی ابدی ہے' سو آپ کے ذکر کی بلندی بھی ازلی ابدی ہوگی' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی بلندی کا اندازہ اس حدیث سے کریں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے (اجتہادی) خطاء ہوگئی تو انہوں نے کہا: اے رب! میں تجھ سے بہ حق (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے' اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے جانا' حالانکہ ابھی میں نے ان کو پیدا نہیں کیا' حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: کیونکہ اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر "لا الٰـہ الا اللّٰـہ محمد رسول اللّٰہ" لکھا ہوا تھا۔ الحدیث

(دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۹' المعجم الصغیر ج ۲ ص ۸۳۔۸۲' الوفاء ص ۳۳' مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ' دار الجلیل' ریاض)

اس کائنات میں سب سے بلند عرش عظیم ہے اور عرش عظیم پر آپ کا نام لکھا ہوا ہے اور یہ آپ کے ذکر کی بلندی کی واضح مثال ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (البقرہ: ۲۵۳)

یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو دوسرے بعض پر فضیلت دی ہے' ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور ان میں سے بعض کو درجات میں بلندی عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بتایا کہ کتنے درجات بلندی عطا فرمائی' کیونکہ عالم عدد میں کوئی ایسا عدد نہیں ہے' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات کی تعیین کر سکے' سو آپ کے درجات غیر متناہی ہیں' امام بوصیری فرماتے ہیں:

فان فضل رسول اللّٰه ليس له حد فيعرب عنه ناطق بفم

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کمال کی کوئی حد ہے ہی نہیں' جس کو کوئی بتانے والا بتا سکے''

اس آیت میں آپ کا نام نہیں لیا بلکہ فرمایا: ان میں سے بعض کو (غیر متناہی) درجات عطا فرمائے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ غیر متناہی درجات کی بلندی کے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے منفرد اور مخصوص ہیں کہ آپ کے سوا ذہن اور کسی کی طرف متوجہ ہو ہی نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم مؤذن سے اذان سنو تو وہی کلمات کہو جو اس نے کہے ہیں' پھر مجھ پر صلوٰۃ (درود) پڑھو' بے شک جو مجھ پر ایک صلوٰۃ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوٰت نازل فرماتا ہے' پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو کیونکہ وسیلہ جنت میں ایک ایسا درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک بندے کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۸۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۸۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۶۷۸)

وسیلہ جنت کا عظیم ترین درجہ ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ منفرد اور مخصوص ہیں' اسی طرح غیر متناہی درجات کی بلندی کے ساتھ بھی آپ منفرد اور مخصوص ہیں۔

(۵) دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ سورج غروب ہو رہا ہے اور جہاں سورج غروب ہو رہا ہے' وہاں مغرب کی اذان ہو رہی ہے' اور جہاں اذان ہو رہی ہے' وہاں ''اشهد ان لا اله الا اللّٰه'' کے ساتھ بلند آواز سے ''اشهد ان محمدا رسول اللّٰه'' پڑھا جا رہا ہے' سو دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ آپ کا نام بلند کیا جا رہا ہے اور یہ بھی آپ کے ذکر کی بلندی ہے۔

(۶) پہلے مسلمان سال میں ایک مرتبہ یوم میلاد کو آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے تھے' مخالفین نے اس کو بدعت کہا اور اس کی مخالفت کی تو اس کے ردعمل میں مسلمان سال میں متعدد بار محافل میلاد منعقد کرتے اور آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے' مخالفین نے پھر اس کو منع کیا تو مسلمان ہر جمعہ کی نماز کے بعد آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے لگے' اور جب اس سے بھی منع کیا گیا تو مسلمان ہر نماز کے بعد پڑھنے لگے: ''الصلوة والسلام عليك يا رسول اللّٰه'' اور جب اس کی بھی مخالفت ہوئی تو مسلمان جمعہ اور مغرب کی اذان کے علاوہ ہر اذان کے بعد وقفہ کر کے پڑھنے لگے: ''الصلوة والسلام عليك يا رسول اللّٰه'' پھر جب اس کے خلاف آوازیں اٹھیں تو مسلمان اذان سے پہلے بھی وقفہ کر کے آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے لگے' اور یوں یوماً فیوماً اللہ تعالیٰ آپ کے ذکر کو بڑھا رہا ہے اور بلند فرما رہا ہے' اسی لیے فرمایا: ''وَرَفَعْنَا لَكَ

ذِكْرَكَ ○ ‘‘(الم نشرح:۴)اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کر دیا○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے○ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے○ پس جب آپ (تبلیغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمر بستہ ہوں○ اور اپنے رب ہی کی طرف راغب ہوں○ (الانشراح:۸۔۵)

ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں

الانشراح: ۵ اور الانشراح:۶ میں لفظ ’’العسر‘‘ مکرر ہے اور یہ معرفہ ہے اور لفظ ’’یسر‘‘ بھی مکرر ہے اور یہ نکرہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی اوّل کا عین ہوتا ہے او جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی اوّل کا غیر ہوتا ہے یعنی ’’العسر‘‘ ایک ہے اور ’’یسر‘‘ دو ہیں‘ اور ’’العسر‘‘ کا معنی ہے: مشکل اور ’’یسر‘‘ کا معنی ہے: آسانی‘ سو ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں ہیں‘ پس جب کسی انسان کو اپنی مہم میں مشکلات درپیش ہوں تو اسے گھبرانا نہیں چاہیے اور ان آیتوں میں غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل کے ساتھ دو آسانیاں رکھی ہیں‘ حدیث میں ہے:

حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایک مشکل کبھی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکے گی۔ حافظ ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان کیا کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے خوش خوش باہر آئے‘ آپ نے فرمایا: ایک مشکل دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آ سکتی‘ پھر آپ نے ان دو آیتوں کی تلاوت فرمائی۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۲۸ طبع قدیم‘ المستدرک رقم الحدیث:۳۹۵۰‘ المکتبۃ العصریہ‘ کنز العمال ج ۲ ص ۱۴)

اس آیت میں دو آسانیوں سے مراد اسلام اور دین ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک آسانی سے مراد دنیا کی فتوحات ہوں اور دوسری آسانی سے مراد جنت کی نعمتیں ہوں۔

کفارِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر کی وجہ سے آپ کو عار دلاتے تھے کہ آپ کا دین قبول کرنے سے ہمیں یہ چیز مانع ہے کہ آپ تنگ دست اور نادار ہیں‘ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ تنگ دستی کی یہ مشکل عنقریب زائل ہو جائے گی اور آپ کو فتوحات اور غنیمتوں کی آسانیاں حاصل ہوں گی۔

الانشراح: ۷ میں فرمایا: پس جب آپ (تبلیغ سے) فارغ ہوں تو عبادت پر کمر بستہ ہوں○

تبلیغ کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش کرنا

قتادہ‘ ضحاک اور مقاتل نے کہا: جب آپ فرض نماز سے فارغ ہوں تو پھر کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رغبت کے ساتھ دعا کریں‘ آپ اللہ تعالیٰ سے رغبت کے ساتھ سوال کریں تو وہ آپ کو عطا فرمائے گا۔

شعبی نے کہا: جب آپ نماز میں تشہد پڑھنے سے فارغ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی دنیا اور آخرت کی بہتری کے لیے دعا کریں۔

علی بن طلحہ نے کہا: اپنی فراغت کے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی نفلی عبادات کے ساتھ خاص کر لیں۔

ایک قول یہ ہے کہ جب آپ ایک عبادت سے فارغ ہوں تو اس کے متصل دوسری عبادت شروع کر دیں‘ حتیٰ کہ آپ کا کوئی وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت سے خالی نہ گزرے۔

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور کارِ تبلیغ سے فارغ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت پر کمر بستہ ہوں۔

اسی طرح ہمارے خطباء اور واعظین جو ہر روز رات گئے تک جلسوں میں عوام سے خطاب کرتے ہیں' ان پر بھی لازم ہے کہ وہ تبلیغی خطابات سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوشش کریں' لیکن ہمارے زمانہ میں کم علماء ایسے ہیں' عام طور پر مقررین اور واعظین تبلیغی اجتماعات اور خطابات سے فارغ ہو کر آدھی رات کے بعد گھر لوٹتے ہیں' پھر سو جاتے ہیں اور فجر کی نماز نکل جاتی ہے اور باقی فرض نمازوں میں بھی تساہل کرتے ہیں' میں نے ایسے علماء کو دیکھا ہے جو دینی مدارس کی پُرشکوہ عمارات بناتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے' اللہ تعالیٰ ہمارے واعظین' مقررین اور مہتممین کو عبادت کی طرف راغب کرے اور ہماری اور ان کی مغفرت فرمائے' آمین۔ قرآن مجید میں ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اللہ کے نزدیک یہ بہت موجب غضب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے ۝ (القف:۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میں نے ایسے مردوں کو دیکھا' جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے' میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں' جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے' حالانکہ وہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے' کیا وہ عقل نہیں رکھتے تھے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۱ ص ۱۵۸۔ رقم الحدیث: ۱۳۵۱۵' مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۲۲۲' شعیب الارنؤوط نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۳۵۱۵)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا' پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا' اس کی انتڑیاں آگ میں نکل آئیں گی اور وہ اس طرح چکر لگا رہا ہوگا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے' پھر دوزخی اس کے گرد جمع ہو کر کہیں گے: اے فلاں شخص! تم کو کیا ہوا؟ کیا تم ہم کو نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور بُرائی سے نہیں روکتے تھے؟ وہ کہے گا: میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا' اور میں تم کو بُرے کاموں سے روکتا تھا اور خود بُرے کام کرتا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲٦۷' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸٦۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۸۲)

اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر دے اور ہمیں ایسے انجام سے محفوظ رکھے اور ہمیں حُسنِ خاتمہ عطا فرمائے۔ (آمین)

صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سوال کرنے میں رغبت کی جائے

یعنی صرف اللہ سے اس کے فضل کا سوال کریں اور اسی پر اعتماد رکھیں اور اسی پر توکل کریں' ظاہر ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ سے ہی سوال کرتے تھے اور صرف اللہ پر ہی توکل کرتے تھے' تو آپ کو جو یہ حکم دیا گیا ہے وہ تقریر اور تاکید کے لیے ہے یعنی جس طرف آپ صرف اللہ کی طرف رغبت رکھتے ہیں' اسی طریقہ پر قائم رہیں اور اسی طریقہ کو ہمیشہ برقرار رکھے رہیں اور یا پھر اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو حکم دیا ہے اور اس سے مراد آپ کی امت ہے۔

اور اس آیت میں آپ کی امت کو یہ تعلیم دی گئی ہے اور یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور حاجات میں صرف اللہ عزوجل سے سوال کیا کریں اور صرف اسی سے گڑگڑا کر سوال کیا کریں' ہمارے زمانہ میں لوگ اللہ تعالیٰ سے اس قدر گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے تھے' جس قدر مخلوق سے گڑگڑا کر اور رونکھی آواز بنا کر سوال کرتے ہیں' یا پیروں اور فقیروں کے پاس جا کر سوال کرتے ہیں یا مزارات پر جا کر سجدے کرتے ہیں اور منتیں اور مرادیں مانتے ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت نہیں کرتے' حالانکہ چاہیے یہ کہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کریں' اسی سے اپنی حاجات طلب کریں' اس کے سامنے رو رو کر اور

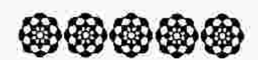
گڑگڑا کر دعا کریں اور اپنی دعاؤں میں مقربین بارگاہ ناز کا وسیلہ پیش کریں' کیونکہ اللہ کے نیک بندوں کے وسیلہ سے جو دعا کی جائے' اس کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

سورۃ الانشراح کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۶ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء' بہ روز ہفتہ بعد از نماز ظہر سورۃ الانشراح کی تفسیر مکمل ہو گئی' ۸ نومبر کو اس تفسیر کو شروع کیا تھا' اس طرح گیارہ دنوں میں اس سورت کی تفسیر مکمل ہو گئی۔

اے میرے رب! جس طرح آپ نے کرم فرمایا اور سورۃ الانشراح تک تفسیر لکھوا دی ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی لکھوا دیں اور اس تفسیر کو اور میری باقی کتابوں کو تا روزِ قیامت باقی اور فیض آفریں رکھیں' اور میری' میرے والدین کی' اس کتاب کے ناشر' معاونین اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ (آمین)

وصلى الله تعالٰی علٰی حبیبه سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین
وعلٰی آله واصحابه وازواجه وذریته وامته اجمعین.





بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ التین

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام التین ہے کیونکہ اس سورت کے مطلع میں ''التین'' کا ذکر ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ (التین:۱) انجیر اور زیتون کی قسم ○

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ التین مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۰۷)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے' آپ نے عشاء کی ایک رکعت میں سورۃ ''والتین والزیتون'' پڑھی' میں نے آپ سے زیادہ خوش آواز کے ساتھ پڑھنے والا کسی کو نہیں سنا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۷۵۴۶' صحیح مسلم رقم الحدیث:۴٦۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۲۲۱' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۰۹' سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۰۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۸۳۵)

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۵ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۸ ہے۔

سورۃ التین کے مشمولات

☆ التین: ۴۔۱ میں نوع انسان کا اشرف المخلوقات ہونا بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت اور قامت میں پیدا فرمایا ہے۔

☆ التین: ٦۔۵ میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین تقویم میں پیدا کیا ہے لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لایا اور اس کے رسول کی تصدیق نہیں کی تو وہ اس کو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ڈال دے گا' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ انہیں غیر متناہی اجر عطا فرمائے گا۔

☆ التین: ۸۔۷ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے عدل سے کفار کو عذاب دے گا اور اپنے فضل سے مؤمنین کو ثواب عطا فرمائے گا۔

سورت التین کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد اور توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب! اس ترجمہ اور تفسیر میں مجھے ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا اور گم راہی اور ناصواب سے بچانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱٦ شوال ۱۴۲٦ھ/ ۱۹ نومبر ۲۰۰۵ء موبائل نمبر: ۲۱۵٦۳۰۹-۰۳۰۰/ ۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱

سورۃ التین ۹۵ مکیۃ ۲۸ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — آیاتہا ۸ رکوعہا ۱

سورۃ التین مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳

انجیر اور زیتون کی قسم ○ اور طور سینین کی ○ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی ○

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ

بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ○ پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ

سٰفِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ

میں لوٹا دیا ○ سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے سو ان کے

اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝۷ اَلَيْسَ

لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے ○ سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرے ○ کیا اللہ

اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸

تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے ○



اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انجیر اور زیتون کی قسم ○ اور طور سینین کی ○ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی ○ بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ○ (التین: ۴۔۱)

''التین'' کا معنی اور اس کے طبی فوائد

التین: ا میں ''تین'' اور ''زیتون'' کے الفاظ ہیں۔ ''تین'' کا معنی ہے انجیر' انجیر اور زیتون دو مشہور پھل ہیں' انجیر عمدہ اور لذیذ پھل ہے' اس میں فضلہ اور فالتو مادہ نہیں ہوتا' اس میں لطیف غذائیت ہوتی ہے' یہ زود ہضم ہے' نفع آور دوا ہے' طبیعت کو نرم کرتا ہے' بلغم کو تحلیل کرتا ہے' گردوں کو صاف کرتا ہے' مثانہ کی پتھری کو توڑتا ہے' جگر اور تلی کے سدّوں کو کھولتا ہے اور بدن کو فربہ کرتا ہے اور حدیث میں ہے: یہ بواسیر کو قطع کرتا ہے اور گٹھیا کے درد میں فائدہ پہنچاتا ہے۔

(بیضاوی مع الخفاجی ج ۹ ص ۵۲۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

انجیر یونان' ترکی' اسپین اور جنوبی فرانس میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں سے درآمد کیا جاتا ہے۔ انجیر قبض کشاء ہے' انجیر کا دودھ بواسیری مسوں کا علاج ہے' اس کا دودھ مسوں پر لگانے سے معمولی ورم آتا ہے لیکن خود بہ خود دور ہو جاتا ہے اور مسا جھڑ جاتا ہے' بلغم کو پکا کر خارج کرتا ہے' اس کو کھانے سے پیشاب کھل کر آتا ہے' پسینہ آور ہے' اس سے تلی کا ورم اور جگر کی سختی دور ہو جاتی ہے' چونکہ یہ پیشاب آور ہے اس لیے گردہ اور مثانہ کی پتھری بھی نکالتا ہے۔

سوگرام انجیر میں ۲۱۴ حرارے' ۴ گرام پروٹین' ۶۹ گرام نشاستہ' ا گرام چکنائی اور ۱۹ گرام ریشہ (پھوک) پایا جاتا ہے۔
(مفید دوائیں' مفید غذائیں ص ۴۹۔ ۴۸' بیت الحکمۃ' کراچی)

انجیر کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

امام ابواسحاق احمد بن ابراہیم ثعلبی متوفی ۴۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انجیر کا ایک طباق ہدیہ کیا گیا' آپ نے اس میں سے انجیر کھائیں اور اپنے اصحاب سے فرمایا: کھاؤ' پھر آپ نے فرمایا: اگر میں یہ کہوں کہ یہ پھل جنت سے نازل ہوا ہے تو کہہ سکتا ہوں' کیونکہ جنت کے پھل بغیر گٹھلی کے ہوتے ہیں' اس کو کھاؤ کیونکہ یہ بواسیر کو قطع کرتا ہے اور گٹھیا کے درد میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ (الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۳۸' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

اس حدیث کو امام ابونعیم نے ''الطب'' میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے۔
(حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۷۷۸)

''زیتون'' کا معنی اور اس کے طبی فوائد

زیتون مشہور پھل ہے' یہ زیادہ تر بحیرہ روم کے ساحلی ملکوں میں پیدا ہوتا ہے' مثلاً یونان' فلسطین اور اسپین وغیرہ' اس کا پھل قدرے کسیلا ہوتا ہے' اس سے تیل نکالا جاتا ہے جس کو روغن زیتون کہتے ہیں' روغن زیتون جوڑوں کے درد میں مفید ہے' اس میں کولیسٹرول نہیں ہوتا' اس سے پیٹ کے کیڑے اور پتے کی پتھری خارج ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید میں زیتون کے درخت کا ذکر فرمایا ہے:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ○ (المؤمنون: ۲۰)

اور وہ درخت جو طور سینا پہاڑ سے نکلتا ہے' جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے ○

زیتون کا تیل سالن کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے' سالن پر ''صبغ'' کا اطلاق فرمایا ہے' ''صبغ'' کا معنی رنگ ہے اور روٹی سالن کے ڈبونے سے رنگین ہو جاتی ہے' طور سیناء اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں عمدہ قسم کا زیتون پیدا ہوتا ہے۔

زیتون کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: زیتون کی مسواک کیا خوب ہے' وہ مبارک درخت کی ہے' وہ بدبو کو زائل کرتی ہے اور منہ کو خوش بودار کرتی ہے' یہ میری مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مسواک ہے۔
(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۶۸۲' حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ حاشیۃ الکشاف ج ۴ ص ۷۷۳)

''والتین والزیتون'' کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''التین'' سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی مسجد ہے' جو جودی پر بنی ہوئی تھی' اور زیتون سے مراد مسجد بیت المقدس ہے۔ ضحاک نے کہا: ''التین'' مسجد حرام ہے اور ''الزیتون'' مسجد اقصیٰ ہے۔ ابن زید نے کہا: ''التین'' مسجد دمشق ہے اور ''الزیتون'' مسجد بیت المقدس ہے' قتادہ نے کہا: ''التین'' دمشق کا پہاڑ ہے اور ''الزیتون'' بیت المقدس کا پہاڑ ہے اور محمد بن کعب نے کہا: ''التین'' اصحاب الکہف کی مسجد ہے اور ''الزیتون'' مسجد ایلیاء ہے' کعب

الاحبار اور عکرمہ نے کہا: ''التین'' دمشق ہے اور ''الزیتون'' بیت المقدس ہے' الفراء نے کہا: ''التین'' حلوان سے ھمذان تک کے پہاڑ ہیں اور ''الزیتون'' شام کے پہاڑ ہیں' ان کو طور زینا اور طور تینا کہا جاتا ہے' عکرمہ سے ایک روایت ہے کہ ''التین'' اور ''الزیتون'' شام کے دو پہاڑ ہیں۔

زیادہ صحیح یہ ہے کہ ''التین'' اور ''الزیتون'' سے مراد انجیر اور زیتون کے درخت ہیں اور ان سے مسجد یا شہر مراد لینا مجاز ہے اور بغیر ضرورت کے قرآن مجید کے الفاظ کو مجاز پر محمول کرنا جائز نہیں ہے' انجیر کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ اس درخت کے پتوں سے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بدن کو ڈھانپا تھا' قرآن مجید میں ہے:

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ. (الاعراف:۲۲) وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے درخت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے۔

اور وہ انجیر کے درخت کے پتے تھے' دوسری وجہ یہ ہے کہ انجیر کا درخت بہت خوب صورت ہے اور اس کا پھل لذیذ اور خوش ذائقہ ہے۔

زیتون کے درخت کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس درخت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ . (النور:۳۵) وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم کو زیتون کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے:

اکثر شام کے لوگ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کھاتے ہیں' اور اسی سے سالن پکاتے ہیں اور پیٹ کے امراض میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیتون کھاؤ اور اس کا تیل استعمال کرو کیونکہ وہ مبارک درخت سے ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۸۵۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۳۳۲۰)

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۰۰۔۹۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

التین: ۲ میں فرمایا: اور طور سینین کی O

''طور سینین'' کا مصداق

مجاہد نے کہا: ''طور'' سے مراد پہاڑ ہے اور ''سینین'' سریانی زبان کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: مبارک' قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: خوب صورت اور مبارک' نیز عکرمہ نے کہا: ''طور'' وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ سبحانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی تھی۔ مقاتل اور کلبی نے کہا: ''سینین'' ہر اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس میں پھل دار درخت ہوں' یہ اہل نبط کی لغت ہے' اللہ تعالیٰ نے طور کی قسم اس لیے کھائی ہے کہ یہ پہاڑ شام میں اور ارضِ مقدسہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ برکت دی ہے' قرآن مجید میں ہے:

الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ . (بنی اسرائیل:۱) وہ مسجد اقصیٰ جس کے اردگرد ہم نے برکت دی ہے۔

التین: ۳ میں فرمایا: اور اس امن والے شہر (مکہ) کی O

شہر مکہ کی قسم کھانے کی توجیہ

اس آیت میں مکہ کو ''امین'' فرمایا ہے' کیونکہ جو جانور یا انسان مکہ میں داخل ہو وہ امن والا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دمشق کے پہاڑ کی قسم کھائی کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پناہ کی جگہ ہے اور بیت المقدس کی قسم کھائی کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے قیام کی جگہ ہے' کیونکہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نشانی ہے اور شہر مکہ کی قسم کھائی کیونکہ وہ حضرت سیدنا محمد علیہ الصلوٰۃ السلام کا مولد اور مہبط وحی ہے۔

التین :۴ میں فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا O

''انسان'' کے مصداق میں اقوال اور اس کے بہترین ساخت میں ہونے کی توجیہ

اس آیت میں ''انسان'' کا لفظ ہے اور اس کے مصداق میں متعدد اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ''انســـان'' سے مراد کافر ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد الولید بن المغیرہ ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کلدۃ بن اسید ہے' ان اقوال کی بناء پر یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کرتے تھے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس ''انسان'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔

بہترین ساخت سے مراد یہ ہے کہ اس کو معتدل اور سیدھی قامت میں پیدا کیا ہے' کیونکہ دوسرے حیوان جھکے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ بھی جھکا ہوا ہوتا ہے' اس کے برعکس انسان کی قامت سیدھی ہوتی ہے' وہ اپنے ہاتھوں سے کھانے کی چیز پکڑ کر منہ میں لے جاتا ہے' منہ کو کھانے کی چیز کی طرف نہیں جھکاتا۔

قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق انسان سے زیادہ حسین نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان میں علم' قدرت' ارادہ کرنے' باتیں کرنے' سننے' دیکھنے' تدبیر کرنے اور حکمت کی صلاحیت رکھی اور یہ تمام رب تبارک وتعالیٰ کی صفات ہیں' گویا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے' حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ خلق آدم علی صورتہ. بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۲۲۷' صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۴۱)

علماء نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں صورت بہ معنی صفت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ صورت کے معروف معنی سے پاک ہے اور کوئی چیز اللہ کی مثل نہیں ہے' انسان عالم صغیر ہے اور عالم کبیر کی ہر نشانی اس عالم صغیر میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے طبقہ میں لوٹا دیا O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' سو ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے O سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرے O کیا اللہ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے O (التین:۸۔۵)

مؤمنین کاملین کا ارذل عمر سے محفوظ رہنا

سب سے نچلے طبقہ میں لوٹانے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) سب سے نچلے طبقہ سے مراد دوزخ ہے' یعنی کافر کو ہم نے دوزخ میں لوٹا دیا اور مؤمن کو جنت کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ دوسری آیت کے استثناء سے ظاہر ہے۔

(۲) کافر کو ہم نے اس کے اختیار کیے ہوئے سب سے نچلے افعال اور اعمال کی طرف لوٹا دیا' جو شرک اور کفر ہیں اور مؤمن کو

ہم نے اس کے اختیار سے کیے ہوئے سب سے بلند اور بالا اعمال کی طرف لوٹا دیا' جو توحید و رسالت پر ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔

(۳) انسان کو ہم نے ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا' جب اس کی قویٰ کم زور اور حواس معطل ہو جاتے ہیں۔

التین :۶ میں فرمایا: سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' سو ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے O

یعنی ہر انسان کو ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے' ماسوا مؤمنین صالحین کے۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ جب بندہ اپنی جوانی میں زیادہ نمازیں پڑھتا ہے اور زیادہ روزے رکھتا ہے اور زیادہ صدقات کرتا ہے' پھر جب وہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور جوانی کی طرح نیک اعمال نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جوانی کے نیک اعمال کا اجر عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ سفر کرتا ہے یا بیمار پڑ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی اقامت اور صحت کے ایام کے کیے ہوئے نیک اعمال کا اجر لکھ دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۹۹۶)

عکرمہ نے بیان کیا: جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہتا ہے' وہ ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹے گا (تاہم یہ کلیہ نہیں ہے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس کو مبارک ہو جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے نیک اعمال زیادہ ہوں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۳۲۹' حلیۃ الاولیاء ج۶ ص ۱۱۱' مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۸)

التین :۷ میں فرمایا: سو کون ہے جو اس کے بعد قیامت کے متعلق آپ کی تکذیب کرے O

یعنی ان دلائل کے ظاہر ہونے کے بعد اے رسولِ مکرم! آپ کی کون تکذیب کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کی ایک بوند سے تدریجاً مکمل انسان بنا دیا' پھر اس کو جوان مرد بنایا' پھر ادھیڑ عمر تک پہنچایا' پھر تدریجاً اس کو کم زور کرتا رہا' حتیٰ کہ اسے ناکارہ عمر تک پہنچا دیا اور اس جسمانی تغیر میں اس پر واضح دلیل ہے کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد پھر زندہ کرنے اور میدانِ حشر میں جمع کرنے پر قادر ہے۔

التین :۸ میں فرمایا: کیا اللہ تمام حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے O

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب یہ آیت پڑھتے: "اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ" (التین:۸) تو کہتے: "بلی وانا علی ذالک من الشاھدین" کیوں نہیں! میں بھی اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے سورۃ التین پڑھی اور یہ آیت پڑھی: "اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ" اس کو چاہیے کہ یہ پڑھے: "بلی وانا علی ذالک من الشاھدین"۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۴۷)

سورۃ التین کی تفسیر کی تکمیل

آج ۱۸ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۲۱ نومبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ التین کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے میرے رب! اس کو قبول فرما اور اس تفسیر کو مکمل کرا دے اور میری اور میرے والدین اور قارئین کی مغفرت فرما دے۔

والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین۔



نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة العلق

سورت کا نام اور وجہِ تسمیہ

اس سورت کا نام العلق ہے کیونکہ اس سورت کی دوسری آیت میں "العلق" کا لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ (العلق:۱۔۲) (اے رسولِ مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے○ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت جو مکہ میں نازل ہوئی وہ "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ" ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۵۱۳)

امام ابن شیبہ امام طبرانی امام حاکم اور امام ابونعیم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ" پہلی سورت ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۸۷۳۴ مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۲۲۴ الدر المنثور ج ۸ ص ۵۱۳)

ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۶ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ا ہے۔

اس سے پہلی سورت میں انسان کی تخلیق کی صورت بیان کی گئی تھی کہ اس کو سب سے عمدہ ساخت میں پیدا فرمایا اور اس سورت میں انسان کی تخلیق کا مادہ بتایا ہے کہ اس کو جمے ہوئے خون سے پیدا فرمایا ہے۔

العلق کے مشمولات

☆ العلق: ۵۔ ا میں انسان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس کو ضعف سے قوت کی طرف منتقل فرمایا اور اس میں قرأت اور کتابت کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

☆ العلق: ۸۔ ۶ میں یہ بتایا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا اور اپنے مال و دولت کی بناء پر تکبر کرتا ہے۔

☆ العلق: ۱۹۔ ۹ میں ابوجہل کی مذمت کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے منع کرتا تھا اور اپنے زعم میں اپنے بتوں کی مدد کرتا تھا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تنبیہ کی ہے کہ وہ ابوجہل کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کریں۔

سورۃ العلق کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ یا رب العٰلمین! مجھے اس ترجمہ میں ہدایت پر برقرار رکھنا اور اس سورت کے اسرار اور معارف کو مجھ پر کھول دینا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱۸ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۲۱ نومبر ۲۰۰۵ء موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰/ ۲۰۲۱۷۴۴۔۰۳۲۱



سورة العلق مكية ٩٦ — بسم الله الرحمن الرحيم — آياتها ١٩ ركوعها ١

سورۃ العلق مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں انیس آیات اور ایک رکوع ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍۚ ②

(اے رسولِ مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے○ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے○

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُۙ ③ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا

پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے○ جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا○ انسان کو وہ سکھایا جس کو

لَمْ یَعْلَمْؕ ⑤ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤىۙ ⑥ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰىؕ ⑦ اِنَّ

وہ نہیں جانتا تھا○ بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے○ اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے○ بے شک

اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰىؕ ⑧ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰىۙ ⑨ عَبْدًا اِذَا صَلّٰىؕ ⑩

آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے○ کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے○ ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے○

اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤىۙ ⑪ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰىؕ ⑫ اَرَءَیْتَ اِنْ

آپ بتائیں اگر وہ منع کرنے والا ہدایت پر ہوتا○ یا وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا○ آپ بتائیں اگر وہ حق کی تکذیب کرے

كَذَّبَ وَ تَوَلّٰىؕ ⑬ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰىؕ ⑭ كَلَّا لَىٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ ۙ۬

اور پیٹھ پھیرے○ کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ بے شک اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے○ بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو

لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِۙ ⑮ نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍۚ ⑯ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗۙ ⑰

پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے○ وہ پیشانی جو جھوٹی گناہ گار ہے○ اسے چاہیے کہ اپنے ہم مجلس مددگاروں کو بلائے○

سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَۙ ⑱ كَلَّاؕ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ۩ ⑲ ع السجدة

ہم بھی عنقریب دوزخ کے مقرر کردہ فرشتوں کو بلائیں گے○ ہرگز نہیں! آپ اس کی کوئی بات نہ مانیں آپ سجدہ کریں اور زیادہ قریب ہوں○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسولِ مکرم!) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا○ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے○ پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے زیادہ کریم ہے○ (العلق: ۳-۱)

ع ١٩ / ٢١ السجدة

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی ابتداء

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے' اس کی تعبیر روشن صبح کی طرح ظاہر ہو جاتی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنہائی کی محبت پیدا کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں جا کر تنہائی میں عبادت کرنے لگے' کئی کئی راتیں غار میں رہتے اور خورد و نوش کا سامان ساتھ لے جاتے (جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جاتیں) تو حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے آ کر اور چیزیں لے جاتے۔ اسی دوران غارِ حرا میں آپ پر اچانک وحی نازل ہوئی۔ فرشتے نے آ کر آپ سے کہا: پڑھیے' آپ نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ پھر فرشتہ نے زور سے گلے لگا کر مجھے دبایا حتیٰ کہ اس نے دبانے پر پوری قوت صرف کر دی' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے' میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتہ دوبارہ مجھے پکڑ کر بغل گیر ہوا' حتیٰ کہ مجھے پوری قوت سے دبایا' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے' میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتہ تیسری بار مجھے پکڑ کر بغل گیر ہوا حتیٰ کہ مجھے پوری قوت سے دبایا' پھر مجھے چھوڑ کر کہا: " اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ " (اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے ۝ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے ۝ پڑھیے اور آپ کا رب ہی زیادہ کریم ہے ۝ جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا ۝ انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا ۝) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کو لے کر حضرت خدیجہ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ آپ پر کپکپی طاری تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کپڑا اڑھاؤ' مجھے کپڑا اڑھاؤ' گھر والوں نے آپ کو کپڑے اڑھائے' حتیٰ کہ آپ کا خوف دُور ہو گیا' پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو تمام واقعہ سنایا اور فرمایا: اب میرے ساتھ کیا ہوگا؟ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے عرض کی: ہرگز نہیں! آپ کو یہ نوید مبارک ہو' اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا' خدا گواہ ہے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' سچ بولتے ہیں' کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' نادار لوگوں کو مال دیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں' اور راہِ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں' پھر حضرت خدیجہ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں' جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی مذہب پر تھے' اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے' بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور بینائی جاتی رہی تھی' حضرت خدیجہ نے ان سے کہا: اے چچا! اپنے بھتیجے کی بات سُنیے' ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وحی ملنے کا تمام واقعہ سنایا' ورقہ نے کہا: یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس وحی لے کر آیا تھا' کاش میں جوان ہوتا' کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھ کو واقعی نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں! جس شخص پر بھی آپ کی طرح وحی نازل ہوئی' لوگ اس کے دشمن ہو جاتے تھے' اگر وقت نے مجھ کو مہلت دی تو میں اس وقت آپ کی انتہائی قوی مدد کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء ــــــ اس کے بعد حدیث مثل سابق ہے اور اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز شرمندہ نہیں کرے گا اور حضرت خدیجہ نے ورقہ سے کہا: اے میرے چچا زاد! اپنے بھتیجے کی بات سُن لیجئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۰' مسند احمد ج ۶ ص ۲۳۳۔۲۳۲)

وحی کا لغوی معنی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وحی کا معنی ہے: اشارہ' کتابت' مکتوب' رسالۃ' الہام' کلام خفی' ہر وہ چیز جس کو تم اپنے غیر کی طرف القاء کرو۔

وحی میں اصل یہ ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے آہستہ کلام کریں' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ (''شیاطین الانس والجن '') ایک دوسرے کو خفیہ طریقے سے ملمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) فریب دینے کے لیے پہنچاتے ہیں۔ (الانعام: ١١٢)

یہ اس لفظ کا اصل معنی ہے' پھر یہ الہام کے معنی میں مقتصر ہو گیا' ابواسحٰق نے کہا: وحی کا لغت میں اصل معنی ہے: خفیہ طریقہ سے خبر دینا' اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں' اسی طرح اشارہ اور کتابت کو بھی وحی کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ اور کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے' مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے وہ وحی کرے جو کچھ اللہ چاہے۔ (الشوریٰ: ٥١)

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بشر کو الہام یا خواب کی صورت میں خفیہ طریقہ سے خبر دیتا ہے' یا بشر پر کتاب نازل کرتا ہے' جیسے حضرت موسیٰ پر کتاب نازل کی یا قرآن نازل فرماتا ہے' جس کی تلاوت کی جاتی ہے' جیسا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا۔ ان میں سے ہر صورت اعلام (خبر دینے) کی ہے' اگرچہ ان کے اسباب اور کلام کی نوعیت مختلف ہے۔

(تاج العروس ج ١٠ ص ٣٨٥' المطبعۃ الخیریہ' مصر' ١٣٠٦ھ)

وحی کا شرعی معنی

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وشرعا الاعلام بالشرع وقد يطلق الوحي ويراد به الموحٰى وهو كلام الله المنزل على النبي صلى الله عليه وسلم. شریعت کی خبر دینا وحی ہے اور کبھی وحی سے اس کلام کو مراد لیا جاتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔

(فتح الباری ج ١ ص ٩' لاہور)

نزول وحی کی صورتیں اور اقسام

علامہ بدرالدین عینی نے وحی کی حسب ذیل اقسام اور صورتیں بیان کی ہیں:

(١) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام قدیم کو سننا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے' اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام قدیم سننا' جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں ہے۔

(٢) فرشتے کے واسطہ سے وحی کا نازل ہونا۔

(٣) دل میں کسی معنی کا القاء کیا جانا۔

(٤) ''صلصلة الجرس'' (گھنٹی کی آواز) کی صورت میں وحی کا نازل ہونا۔

(۵) حضرت جبرائیل کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں آ کر بات کریں' جیسے ایک اعرابی کی شکل میں آئے۔
(۶) حضرت جبرائیل اپنی اصلی شکل میں آئیں جیسے حضرت جبرائیل چھ سو پروں کے ساتھ آئے' جن سے یاقوت اور موتی جھڑ رہے تھے۔
(۷) حضرت جبرائیل کسی معروف آدمی کی شکل میں آئیں' جیسے حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آئے۔
(۸) اللہ تعالیٰ براہِ راست بیداری میں آپ سے ہم کلام ہو' جیسے شب معراج میں پردے کی اوٹ سے کلام فرمایا۔
(۹) اللہ تعالیٰ آپ سے نیند میں ہم کلام ہو' جیسے جامع ترمذی میں حدیث مرفوع ہے' آپ نے فرمایا: میں نے اللہ عزوجل کو بہت حسین صورت میں دیکھا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ملأ اعلیٰ! کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟
(۱۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کوئی واقعہ دکھایا جائے' جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔
(۱۱) وحی اسرافیل جیسا کہ مسند احمد میں ہے: تین سال حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ کے ساتھ مؤکل رہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰' طبع مصر)

خواب کی تعریف اور اقسام

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

انسان نیند میں جو کچھ دیکھتا ہے' اس کو خواب کہتے ہیں' اور قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا: خواب ان ادراکات کو کہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب میں پیدا کرتا ہے' جس طرح بیداری میں اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں ادراکات پیدا کرتا ہے' خواب میں جو ادراکات ہوتے ہیں وہ دوسرے اُمور کے لیے علامات بن جاتے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ بعد میں پیدا فرمائے گا' اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو بارش کے لیے علامت بنایا ہے' لیکن کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

خواب کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم رؤیا صادقہ' یہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے خواب ہیں' جو کچھ وہ خواب میں دیکھتے ہیں' اس کے موافق بیداری میں واقع ہو جاتا ہے' اور دوسری قسم ہے: اضغاث' اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) خواب میں دیکھنے والے کے ساتھ شیطان مذاق کرتا ہے تاکہ خواب دیکھنے والا خوف زدہ اور غمگین ہو' مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ اس کا سر کاٹ دیا گیا ہے اور وہ اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے (۲) وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ فرشتے اس کو کسی حرام کام کو کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں (۳) انسان دن میں جو باتیں کرتا ہے اور اس کے دل میں جو تمنائیں واقع ہوتی ہیں' وہ انھی چیزوں کو خواب میں دیکھتا ہے' یا جن چیزوں کو وہ بیداری میں زیادہ دیکھتا ہے' انھی کو خواب میں دیکھتا ہے یا جو چیزیں اس کے مزاج پر غالب ہوتی ہیں' وہی اس کو خواب میں نظر آتی ہیں۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۵۴۔۳۵۳' طبع لاہور)

ابتداء نبوت میں غارِ حرا جانے کی حکمتیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ابتداء سچے خوابوں سے کی گئی' تاکہ فرشتے کا آپ کے پاس آنا جانا کوئی اچانک حادثہ نہ ہو' اس لیے پہلے آپ میں خصال نبوت پیدا کیے گئے' آپ کو سچے خواب دکھائے گئے' حجر اور شجر آپ کو دیکھ کر سلام عرض کرتے اور آپ کو نبی کہہ کر مخاطب کرتے' پھر اللہ تعالیٰ نے بیداری میں آپ کے پاس فرشتہ بھیجا۔

آپ کے دل میں تنہائی کی محبت پیدا کی گئی' تاکہ آپ کا دل دنیا اور اس کے تفکرات سے فارغ ہو' کیونکہ جب تک انسان

کٹھن ریاضت نہ کرے وہ اپنی طبیعت سے منتقل نہیں ہوتا' اس لیے آپ کے دل میں خلوت گزینی پیدا کی گئی' تاکہ آپ لوگوں کے ساتھ میل جول سے منقطع ہوں اور آپ کے لیے وحی کا حصول سہل اور آسان ہو فرشتے کا آپ سے بار بار یہ کہنا: پڑھیے اور اپنے سینہ سے لگا کر بھینچنا بھی اسی لیے تھا' تاکہ آپ کو فرشتے کے ساتھ مناسبت پیدا ہو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا کی تنہائیوں میں بیٹھنا اسی طرح تھا' جس طرح ابتداء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کی عبادت کرنے کے طریقہ پر غور وفکر کر رہے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں کئی کئی دنوں تک ٹھہرنے کے لیے اپنے ساتھ کئی کئی دنوں کا کھانا لے جاتے تھے' اس سے معلوم ہوا کہ مستقبل کے لیے کھانے پینے کی چیزوں کا بندوبست کرنا اور اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرشتہ کو پہچاننے کی تحقیق

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

امام ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ فرشتہ آپ کے پاس حراء میں سترہ رمضان کو پیر کے دن آیا تھا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال تھی۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب ابتداء میں فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آیا تو آپ کو یہ کیسے یقین ہو گیا کہ یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں ہے' علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس طرح نبی اپنے صدق کے ثبوت میں امت کے سامنے معجزہ پیش کرتا ہے' اسی طرح جب فرشتہ نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے تو وہ بھی اپنے صدق کے ثبوت میں معجزہ پیش کرتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۶۲' طبع مصر)

تحقیق یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک صفت دی ہے' جس کی وجہ سے ہم انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز کر لیتے ہیں' اسی طرح اللہ نے نبی کو ایک اور صفت دی ہے' جس سے وہ فرشتوں اور شیطان کے درمیان امتیاز کر لیتا ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

ان لہ صفة بها يبصر الملائكة ويشاهدهم كما ان للبصير صفة بها يفارق الاعمٰى حتى يدرك بها المبصرات.

(احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۹۰' بیروت)

نبی کو ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے' جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے' جس طرح بینا آدمی کو ایک ایسی صفت حاصل ہے جس سے وہ اندھوں میں ممتاز ہے اور مبصرات کا ادراک کرتا ہے۔

اس بحث کو زیادہ تفصیل سے جاننے کے لیے شرح صحیح مسلم جلد خامس ص ۱۰۸-۸۸ کا مطالعہ کریں۔

''ما انا بقارئ'' کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

جبرائیل نے آپ سے کہا: ''اقرا'' پڑھیے' آپ نے فرمایا: ''ما انا بقارئ'' میں اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا' اور جب تین بار آپ نے یہی فرمایا تو جبرائیل نے کہا: ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ'' یعنی آپ اپنی قوت اور اپنی معرفت سے نہ پڑھیں بلکہ آپ اپنے رب کی طاقت اور اس کی اعانت سے پڑھیں' اس نے جس طرح آپ کو پیدا کیا ہے وہ آپ کو پڑھنا سکھائے گا' یہ علامہ سہیلی کی تقریر ہے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا کہ ''ما انا بقارئ'' کی ترکیب اختصاص کا تقاضا کرتی ہے' کیونکہ جب مسند الیہ سے پہلے

حرف نفی ہو' مسند الیہ' مسند پر مقدم ہو اور مسند فعل یا شبہ فعل ہو تو اس ترکیب میں مسند' مسند الیہ کے ساتھ مختص ہوتا ہے' جیسے ''ما انا قلت ھذا '' یعنی یہ بات صرف میں نے نہیں کہی' اس کا مطلب ہے: میرے علاوہ دوسروں نے یہ بات کہی ہے' یعنی صرف میں قرأت نہیں کر سکتا' میرے علاوہ دوسرے قرأت کر سکتے ہیں' علامہ طیبی نے اس تقریر کو مسترد کر دیا ہے اور کہا: یہ ترکیب تقویت اور تاکید کا تقاضا کرتی ہے' اور اس کا معنی ہے: میں یقیناً قرأت کرنے والا (پڑھنے والا) نہیں ہوں' اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے تین بار ''ما انا بقارئ'' کیوں فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار کا معنی یہ ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا' دوسری بار کا معنی یہ ہے: میں پڑھتا نہیں ہوں' اور تیسری بار کا معنی ہے: میں کیا پڑھوں؟ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابوالاسود نے مغازی میں عروہ سے روایت کیا ہے: ''کیف اقرء '' میں کیسے پڑھوں' اور سیرت ابن اسحاق میں عبید بن عمیر سے روایت ہے: ''ماذا اقرء '' میں کیا پڑھوں؟' اور دلائل بیہقی میں زہری سے مرسلاً روایت ہے: ''کیف اقرء '' میں کیسے پڑھوں؟' اور ان تمام روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ ''ما'' استفہامیہ ہے۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۴۔۲۳' دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس لیے مجھ سے پڑھا نہیں جا سکتا' ہو سکتا ہے کہ اچانک فرشتے کو دیکھنے سے آپ کو سخت دہشت اور خوف لاحق ہوا ہو اور اس خوف اور دہشت کی وجہ سے آپ نے فرمایا ہو: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں' اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ آپ نے اُمّی ہونے کی وجہ سے یہ فرمایا' کیونکہ جو شخص پڑھا ہوا نہ ہو' وہ دوسرے کے پڑھانے سے پڑھ سکتا ہے اور کسی کی تعلیم سے پڑھنا اُمیت کے منافی نہیں ہے' خصوصاً جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غایت درجہ کے فصیح و بلیغ تھے' ہاں! کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر پڑھنا اُمیت کے منافی ہے' قاموس میں لکھا ہے کہ اُمّی اس شخص کو کہتے ہیں: جو لکھنا نہ جانتا ہو اور لکھی ہوئی چیز کو نہ پڑھ سکتا ہو' اور بعض روایات میں ہے کہ جبرائیل جواہر سے آراستہ ایک ریشم کا صحیفہ لائے تھے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں وہ صحیفہ رکھ کر کہا: پڑھیے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اس نامہ اور نوشتہ میں لکھی ہوئی چیز کو کیسے پڑھوں؟ یہ معنی زیادہ مناسب اور زیادہ ظاہر ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۰۷۔۵۰۶' مطبع تیج کمار' لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے قلم سے (لکھنا) سکھایا O انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا O بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے O اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے O بے شک آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے O کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے O ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے O آپ بتائیں اگر وہ منع کرنے والا ہدایت پر ہوتا O یا وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا O آپ بتائیں اگر وہ حق کی تکذیب کرے اور پیٹھ پھیرے O (العلق: ۱۳۔۴)

لکھنے کی فضیلت اور لکھنے کے متعلق احادیث

قلم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے' اگر قلم نہ ہوتا تو احکام شرعیہ کو لکھ کر محفوظ نہ کیا جاتا' اور نہ معاش کے معاملات کو لکھ کر منضبط کیا جاتا' اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا کہ ان کو قلم سے لکھنا سکھایا اور ان کو جہالت کے اندھیروں سے علم کی روشنی کی طرف لایا' اگر قلم نہ ہوتا تو علوم کو مدون نہ کیا جاتا اور حکمتوں کو مقید نہ کیا جاتا' اور نہ اوّلین اور آخرین کی خبروں کو جمع کیا جاتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آسمانی کتابوں کو محفوظ کیا جاتا' اور نہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آثار صحابہ اور اقوال مجتہدین کو مدون اور منضبط کیا جاتا' غرض یہ کہ اگر قلم نہ ہوتا تو دین اور دنیا کے حصول علم کا دروازہ بند رہتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز بھی سنتا تھا' اس کو یاد رکھنے کے لیے لکھ لیا کرتا تھا' قریش نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر بات سن کر لکھ لیتے ہو'

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں' کبھی غصہ میں بات کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں بات کرتے ہیں' پھر میں لکھنے سے رک گیا اور میں نے اس واقعہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا' آپ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تم لکھتے رہو' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۶۴۶)

حضرت الشفاء بنت عبد اللہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' اس وقت ان کے پاس حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں' آپ نے فرمایا: تم ان کو پھوڑے کا دم کیوں نہیں سکھاتیں' جس طرح تم نے ان کو لکھنا سکھایا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۸۸۷' مسند احمد رقم الحدیث: ۲۷۱۶۳' دار الفکر)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے تو آپ نے فرمایا: میری حدیث بیان کرو اور جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا' وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ سے بہت احادیث سنتے ہیں' پھر ان کو لکھ لیتے ہیں' آپ نے فرمایا: لکھتے رہو' کوئی حرج نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۴۱۰' مسند الشامیین رقم الحدیث: ۲۲۷' مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے اور میں ان میں سب سے کم عمر تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا' وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے' میں نے صحابہ سے کہا: آپ لوگ کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرتے ہیں' حالانکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن چکے ہیں اور آپ لوگ احادیث بیان کرنے میں منہمک رہتے ہیں تو صحابہ ہنسنے لگے اور کہنے لگے: اے ہمارے بھتیجے! ہم نے جو کچھ آپ سے سنا ہے' وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی سند میں ایک راوی متروک ہے)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کو قید کرو' میں نے پوچھا: علم کی قید کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: لکھنا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۵۲' حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن المؤمل ہے' ابن معین اور ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا' اور امام احمد نے کہا: اس کی احادیث منکر ہیں۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۲)

ثمامہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: علم کو لکھ کر قید کرلو۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا: لکھ' اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر کو لکھ' جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ اَبد تک ہونے والا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۵۵' مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب نطفہ پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے' پھر اس کی تصویر بناتا ہے اور اس میں اس کی سماعت' اس کی بصارت' اس کی کھال' اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں پیدا فرماتا ہے' پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! یہ مذکر ہے یا مؤنث؟ پھر تمہارا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے' پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! اس کی زندگی کتنی ہے؟ پس تمہارا رب جو چاہتا ہے فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے' پھر فرشتہ پوچھتا ہے: اے میرے رب! اس کا رزق کتنا ہے؟ پھر تمہارا رب جو چاہتا ہے وہ فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ اس کو لکھ دیتا ہے' پھر فرشتہ اس صحیفہ کو لے کر نکل

جاتا ہے' پس اللہ کے حکم پر کوئی زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۵)

دیگر احادیث میں اس طرح ہے: چالیس دن نطفہ رہتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد نطفہ جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد گوشت بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے' پھر اس میں چار چیزوں کے لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے' پھر فرشتہ اس کا رزق' اس کی مدتِ حیات' اس کا عمل اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۴۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۷۰۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۱۳۷' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۷۶' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۲۴۶)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اصل میں اقلام تین ہیں: (۱) قلم اوّل وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس کو لکھنے کا حکم دیا (۲) قلم ثانی فرشتوں کے اقلام ہیں' وہ قلم اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں رکھ دیئے ہیں' وہ ان قلموں سے تقدیر' مستقبل میں ہونے والے اُمور اور بندوں کے اعمال لکھتے ہیں (۳) قلم ثالث لوگوں کے قلم ہیں' جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں میں رکھ دیئے ہیں' جن سے وہ اپنی باتیں لکھتے ہیں اور اپنے مقاصد کو تحریر میں لاتے ہیں اور کتابیں اور رسائل لکھتے ہیں۔

العلق: ۵ میں فرمایا: انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا ○

العلق: ۵ میں ''الانسان'' کے متعلق متعدد اقوال

اس آیت میں انسان کے مصداق میں کئی اقوال ہیں:

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی متوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ○ (النساء: ۱۱۳)

اور اللہ نے آپ کو وہ تمام چیزیں سکھا دیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے' اور اللہ کا آپ پر عظیم فضل ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا:

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ (ھود: ۴۹)

یہ خبریں غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں' ان چیزوں کو اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد ہر انسان ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ۙ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ (النحل: ۷۸)

اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا' اس وقت تم کو کچھ علم نہ تھا اور اسی نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو ○

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۴۹۱' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ ھ)

علامہ الحسین بن مسعود الفراء البغوی متوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا. (البقرہ:۳۱) آدم کو تمام اسماء کا علم دے دیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''انسان'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ. (النساء:۱۱۳) اور اللہ نے آپ کو وہ تمام چیزیں سکھا دیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۸۱' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام عبد الرحمان بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے:

''انسان'' سے مراد اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (زاد المسیر ج ۹ ص ۱۷۶' المکتب الاسلامی' بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے: اس آیت میں ''انسان'' کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) ''انسان'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں (۲) اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۳) اس سے مراد عام انسان ہے اور ہر قول پر وہی دلائل دیئے ہیں جو دوسرے مفسرین نے ذکر کیے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۰۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی ''انسان'' کے مصداق میں یہی تین قول نقل کیے ہیں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۶۲۸' فتح البیان ج ۷ ص ۵۰۴)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم کے ساتھ اور بغیر قلم کے ایسے اُمور کلیہ اور جزئیہ اور ظاہر اور خفی سکھا دیئے' جن کا دل میں خطرہ بھی نہیں گزرتا' یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال کرم ہے اور اس میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے علوم سکھا رہا ہے' جن کا عقلیں احاطہ نہیں کر سکتیں۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۲۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۲۴ھ)

العلق: ۷۔۶ میں فرمایا: بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے ○ اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے ○

''طغیان'' کا معنی

مفسرین نے کہا: العلق: ۶ سے لے کر آخر سورت تک تمام آیات ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہیں' اس آیت میں ''لیطغی'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''طغیان'' ہے' اس کا معنی ہے: اللہ کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مشرکین نے ان کو سنا تو ابوجہل نے آپ کے پاس آ کر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کا یہ زعم ہے کہ جو مستغنی ہوتا ہے' وہ سرکشی کرتا ہے تو آپ ہمارے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیں' شاید ہم اس سے کچھ سونا لے لیں' پھر ہم اپنا دین چھوڑ کر آپ کے دین کی پیروی کریں گے' تب آپ کے پاس حضرت جبریل آئے اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ ان کو اختیار دیں' اگر یہ چاہیں تو ہم پہاڑ کو سونا بنا دیں' اس کے باوجود اگر انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تو ہم ان پر وہ عذاب نازل کریں گے' جو اصحاب مائدہ پر نازل کیا تھا' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ وہ اس کو قبول نہیں کریں گے' اس لیے آپ نے ان کو ان کے اسی حال پر باقی رکھا۔

العلق: ۷ میں فرمایا: اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے ○ یعنی اپنے قبیلہ اور دیگر مددگاروں کے ہونے کی بناء پر اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیتا ہے اور اس کو جب مل جاتا ہے تو وہ اپنے کھانے' پینے' لباس اور سواریوں میں بہت اضافہ کرتا ہے۔

العلق: ۸ میں فرمایا: بے شک آپ کے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے O

یعنی جب ابوجہل آخرت میں پہنچے گا تو اسے اپنے تکبر اور سرکشی کی سزا مل جائے گی۔

ابوجہل کی مذمت اور ادب کی وجہ سے مکروہ وقت میں نماز سے منع نہ کرنا

العلق: ۱۰۔۹ میں فرمایا: کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے O ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے O

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا: کیا میں تمہارے سامنے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منہ خاک آلود کروں؟ لوگوں نے کہا: ہاں' اس نے کہا: میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں ان کی گردن کو اپنے پیروں سے روندوں گا' اسے بتایا گیا کہ دیکھو وہ سامنے نماز پڑھ رہے ہیں' وہ آپ کی گردن کو روندنے کے لیے آگے بڑھا' پھر فوراً الٹے پاؤں لوٹ آیا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہا تھا' لوگوں نے اس سے پوچھا: اے ابوالحکم! کیا ہوا' کیوں واپس آ گئے؟ اس نے کہا: میرے اور ان کے درمیان آگ کی خندق ہے اور اس میں ہولناک چیزیں ہیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ ذرا بھی میرے قریب آتا تو فرشتے اس پر جھپٹ پڑتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں: کیا آپ نے اس کو دیکھا جو منع کرتا ہے O ہمارے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے O

(الوسیط ج ۴ ص ۵۲۹' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں: اس آیت میں ہر اس شخص کے لیے وعید ہے جو کسی کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے' روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو عیدگاہ میں نمازِ عید سے پہلے نفل نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا' حضرت علی سے کہا گیا کہ آپ نے ان کو منع کیوں نہیں کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ڈرتا تھا کہ میں اس آیت کی وعید میں داخل ہو جاؤں گا' کیا آپ نے اس کو دیکھا جو ہمارے بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھے' امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے بہت خوب صورت ادب کو مستنبط کیا' امام ابویوسف نے ان سے پوچھا: جب نمازی رکوع سے سر اٹھائے تو یہ کہہ سکتا ہے: ''اللھم اغفرلی؟'' ابوحنیفہ نے کہا: وہ ''ربنا لک الحمد'' کہے اور سجدہ میں چلا جائے اور ''اللھم اغفرلی'' کہنے سے منع نہیں کیا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۲۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص طلوعِ آفتاب یا استواء آفتاب کے وقت نماز پڑھ رہا ہو' جب سجدہ کرنا جائز نہیں ہے تو اس کو نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے بلکہ بعد میں مسئلہ بتا دیا جائے کہ اس وقت نماز پڑھنا جائز نہیں ہے' اسی طرح گاؤں کی مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا' لیکن ان کو صراحۃً جمعہ پڑھنے سے منع نہ کیا جائے بلکہ ان سے کہا جائے کہ آپ پر ظہر کی نماز فرض ہے اور اس کی جماعت واجب ہے اور ظہر با جماعت کو ترک کرنے سے آپ لوگ گنہ گار ہوں گے' اس لیے ظہر کی نماز با جماعت پڑھیں' مجھ سے ایک دفعہ ایک عالم نے پوچھا کہ جب طلوعِ آفتاب کے وقت سجدہ کرنا حرام ہے تو اس حرام کام سے منع کیوں نہیں کیا جائے گا؟ میں نے کہا: یہ قبیح لذاتہ اور حسن لغیرہ ہے' اس وقت نماز پڑھنا قبیح لذاتہ ہے' اس لیے حرام ہے اور نماز فی نفسہ حسن لغیرہ ہے' اس لیے اس سے منع نہیں کیا جائے گا۔

العلق: ۱۲۔۱۱ میں فرمایا: آپ بتائیں اگر وہ منع کرنے والا ہدایت پر ہوتا O یا وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا O

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کافر سے خطاب فرمایا ہے کہ اے کافر! یہ بتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو نماز پڑھ رہے

ہیں ان کا نماز پڑھنا عین ہدایت ہے اور وہ جو دین کی تبلیغ کر رہے ہیں اور لوگوں کو عذاب سے ڈرا رہے ہیں اور خوفِ خدا کا حکم دے رہے ہیں اور تو ان کو ان نیک کاموں سے ڈرا رہا ہے۔

العلق: ۱۳ میں فرمایا: آپ بتائیں اگر وہ حق کی تکذیب کرے اور پیٹھ پھیرے O

یعنی ابوجہل اللہ عزوجل کی کتاب کی تکذیب کرتا ہے اور ایمان لانے سے اعراض کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا اس نے یہ نہیں جانا کہ بے شک اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے O بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے O وہ پیشانی جو جھوٹی گناہ گار ہے O اسے چاہیے کہ اپنے ہم مجلس مددگاروں کو بلائے O ہم بھی عنقریب دوزخ کے مقرر کردہ فرشتوں کو بلائیں گے O ہرگز نہیں' آپ اس کی کوئی بات نہ مانیں' آپ سجدہ کریں اور زیادہ قریب ہوں O (العلق: ۱۹۔۱۴)

ابوجہل کے لیے عذاب کی وعید

یعنی کیا ابوجہل نے یہ نہیں جانا کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے' اور اس کو اس کی شرارتوں اور خباثتوں کا علم ہے۔

العلق: ۱۶۔۱۵ میں فرمایا: بے شک اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے O وہ پیشانی جو جھوٹی گناہ گار ہے O

یعنی اگر ابوجہل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے سے باز نہ آیا تو ہم قیامت کے دن اس کو ضرور پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچیں گے' پھر اس کو اس کے قدموں کے ساتھ باندھ کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

یہ آیت ہر چند کہ ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن یہ تمام لوگوں کے لیے نصیحت ہے اور اس آیت سے ان تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا ہے' جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہیں مانتے اور اس کے سامنے سرکشی کرتے ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔

اس آیت میں ''لنسفعا'' کا لفظ ہے' ''سفع'' کا معنی ہے: کسی چیز کو پکڑ کر سختی سے کھینچنا اور ''ناصية'' کا معنی ہے: پیشانی کے اوپر سر کے بال۔

العلق: ۱۸۔۱۷ میں فرمایا: اسے چاہیے کہ اپنے ہم مجلس مددگاروں کو بلائے O ہم بھی عنقریب دوزخ کے مقرر کردہ فرشتوں کو بلائیں گے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا' اس وقت آپ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے' ابوجہل کہنے لگا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا میں نے آپ کو نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا تو ابوجہل کہنے لگا: اے محمد! آپ مجھے کس چیز سے ڈرا رہے ہیں؟ اللہ کی قسم! اس وادی کے اکثر لوگ میری مجلس میں بیٹھنے والے ہیں' تب اللہ سبحانہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ تم اپنی مجلس کے مددگاروں کو بلاؤ' ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلائیں گے

سجدہ سے اللہ سبحانہ کے قرب کا حصول

العلق: ۱۹ میں فرمایا: ہرگز نہیں' آپ اس کی کوئی بات نہ مانیں' آپ سجدہ کریں اور زیادہ قریب ہوں O

یعنی ابوجہل جو آپ کو نماز پڑھنے سے منع کر رہا ہے' آپ ہرگز اس کی کوئی بات نہ مانیں' آپ اللہ کے لیے نماز پڑھتے رہیں اور اس کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کا قرب حاصل کریں' ایک قول یہ ہے کہ جب آپ سجدہ کریں تو اللہ سے دعا کر

کے اس کا قرب حاصل کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کا اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قرب اور سب سے زیادہ محبت اس وقت ہوتی ہے' جب اس کی پیشانی زمین پر اللہ کے لیے سجدہ ریز ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۸۲)

عبارت کا خلاصہ ہے: اللہ سبحانہ کے سامنے ذلت اختیار کرنا اور غایت تذلل سجدہ میں ہے کیونکہ انسان سجدہ میں اپنے مشرف ترین عضو کو اللہ کے سامنے خاک پر رکھ دیتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکوع میں رب کی تعظیم کرو اور رہا سجود تو اس میں دعا کی خوب کوشش کرو کیونکہ اس میں تمہاری دعا کا قبول ہونا متوقع ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۷۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۷۶)

زید بن اسلم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اے محمد! آپ نماز سے اللہ کا قرب حاصل کرتے رہیں اور اے ابوجہل! تو دوزخ کے قریب ہوتا رہ۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اس سجدہ سے نماز کا سجدہ مراد ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے' صحیح یہ ہے کہ اس سے سجدۂ تلاوت مراد ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ''اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ'' (الانشقاق:۱) میں سجدہ کیا اور ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ'' (العلق:۱) میں سجدہ کیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۵۷۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۵۷۳)

اور یہ حدیث نص صریح ہے کہ اس آیت میں سجدہ سے مراد سجدۂ تلاوت ہے۔

ہم دنیا کے مقتدر لوگ مثلاً صدر اور گورنر وغیرہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ کا قرب حاصل کرنے کی ہمیں کتنی کوشش کرنی چاہیے اور اس کا قرب حاصل کرنا کتنا آسان ہے' سجدہ کرو اور اس کے قریب ہو جاؤ۔

سورۃ العلق کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۲۲ شوال ۱۴۲۶ھ/ ۲۵ نومبر ۲۰۰۵ء' بہ روز جمعہ بہ وقت فجر سورۃ العلق کی تفسیر مکمل ہو گئی' رب العلمین! اس تفسیر کو قبول فرمالیں اور قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری' میرے والدین اور میرے اساتذہ اور تبیان القرآن کے قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ (آمین یا رب العلمین)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبه سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلٰی آله واصحابه وازواجه وذریته وامته اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ القدر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام القدر ہے کیونکہ اس سورت میں ''لیلۃ القدر'' کا تین بار ذکر ہے اور اس سورت کی پہلی آیت میں ''القدر'' کا لفظ ہے وہ آیت یہ ہے:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۚ ۖ (القدر:۱) بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے ○

''القدر'' کے کئی معانی ہیں' مگر یہاں عظمت اور شرف مراد ہے' یعنی یہ بہت عظمت اور شرف والی رات ہے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ القدر مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے القدر: ۱ کی تفسیر میں فرمایا: پورا قرآن مجید رب العزۃ کے پاس سے لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور اس کو آسمانِ دنیا میں بیت العزۃ میں رکھ دیا گیا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام اس کو لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حرا میں نازل ہوئے اور بندوں کے سوالات کے جوابات میں اور ان کے اعمال سے متعلق آیات لے کر نازل ہوئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۴۲۵' المستدرک ج ۲ ص ۵۳۰۔ رقم الحدیث: ۳۹۵۸' الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۱۹)

اس سے پہلے سورۃ العلق میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھا: آپ اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے۔

اور اس سورت میں بتایا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء لیلۃ القدر میں ہوئی' جو بہت بڑے مرتبہ اور بہت عظمت والی رات ہے' کیونکہ اس رات میں آسمان سے فرشتے اور حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوتے ہیں اور طلوع فجر تک اس رات میں عبادت کرنے والوں پر سلام بھیجتے رہتے ہیں اور اس میں بہت انوار اور برکات کا نزول ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ . رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔

(البقرۃ:۱۸۵)

اور اس سورت میں بتایا ہے کہ لیلۃ القدر میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر رمضان کے مہینہ میں ہے' رہا یہ کہ رمضان کی کون سی شب لیلۃ القدر ہے تو احادیثِ صحیحہ سے واضح ہوا کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر ہے اور جمہور علماء کا مختار یہ ہے کہ یہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔

سورۃ القدر کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور امداد پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ

اوراس کی تفسیر شروع کررہا ہوں' رب العالمین! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا۔(آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۲شوال ۱۴۲۶ھ/ ۲۵نومبر ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر:۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴



سورۃ القدر ۹۷ — مکیۃ ۲۵ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — آیاتہا ۵ رکوعہا ۱

سورۃ القدر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پانچ آیات اور ایک رکوع ہے

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ‌ۚ ۖ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ؕ ﴿۲﴾ لَيۡلَةُ

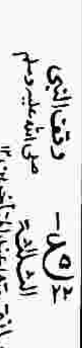
بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے○ اور آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے؟○ شب قدر

الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ؕ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓٮِٕكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا

ہزار مہینوں سے بہتر ہے○ اس رات میں فرشتے اور جبریل اپنے رب کے

بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ۚ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۛ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ﴿۵﴾ ع

حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں○ یہ رات طلوع فجر ہونے تک سلامتی ہے○



اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے○ اور آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے؟○ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے○ (القدر: ۳۔۱)

''لیلۃ القدر'' میں قرآن مجید کا آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہونا

القدر: ۱ میں ''انزلناہ'' کی ضمیر منصوب قرآن مجید کی طرف راجع ہے' ہر چند کہ اس سورت میں اس سے پہلے قرآن مجید کا ذکر نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید کا معنی ہر پڑھنے والے کو معلوم ہے اور اس کا ذکر اس کے ذہن میں مرتکز ہے' درج ذیل آیات میں قرآن مجید کے نزول کا ذکر ہے:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ. رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن کو نازل کیا گیا۔

(البقرہ: ۱۸۵)

حٰمٓ ۚ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ. حامیم○ کتاب مبین کی قسم○ ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔ (الدخان: ۳۔۱)

اس آیت میں ''لیلۃ مبارکۃ'' سے مراد ''لیلۃ القدر'' ہے۔ شعبی نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو نازل کرنے کی ابتداء ''لیلۃ القدر'' میں کی ہے' ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے پورے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف بیت العزۃ میں نازل کیا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے اور یہ مدت تئیس (۲۳) سال ہے۔

الماوردی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن مجید رمضان کے مہینہ میں لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکہ میں اللہ کی طرف سے آسمانِ دنیا میں مکمل نازل ہوا' پھر مکرم فرشتوں نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے بیس راتوں میں حضرت جبریل علیہ السلام پر نازل کیا' پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے تھوڑا تھوڑا کر کے بیس سال میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور حضرت جبریل مختلف مہینوں اور مختلف ایام میں حسب ضرورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے تھے۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۳۱۱ دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن العربی نے کہا: یہ قول باطل ہے حضرت جبریل علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی فرشتے کا واسطہ نہیں ہے اور نہ حضرت جبریل اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ ہے۔

(احکام القرآن ج ۴ ص ۳۲۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

صحیح بات یہ ہے کہ قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف مکمل نازل ہوا پھر امر اور نہی اور حلال اور حرام اور مواعظ اور قصص اور لوگوں کے سوالات کے جوابات میں حسب ضرورت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئس (۲۳) سال تک تھوڑا تھوڑا کر کے حضرت جبریل کے واسطے سے نازل ہوتا رہا۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ پورا قرآن ساتویں آسمان سے آسمانِ دنیا کی طرف رمضان میں نازل ہوا پھر اللہ تعالیٰ جس چیز کو نازل فرمانا چاہتا نازل فرما دیتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۴۴ رقم الحدیث: ۳۰۱۷۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ آسمانی کتابیں چوبیس رمضان کو نازل ہوئی ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۰۱۸۰)

ابو العالیہ ابو الجلد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے یکم رمضان کی شب میں نازل ہوئے اور زبور چھ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۰۱۸۲)

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ تورات اس دن نازل ہوئی جب رمضان میں چھ دن رہتے تھے اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۰۱۷۹)

بعض مقامات اور بعض اوقات میں عبادت کے اجر میں اضافہ

اس رات میں جو فضیلت رکھی گئی ہے ہم کو معلوم نہیں کہ وہ اس رات میں عبادت کی وجہ سے فضیلت ہے یا اس رات میں فرشتوں کے نزول کی وجہ سے فضیلت ہے یا اس رات میں طلوعِ فجر تک سلامتی کے نزول کی وجہ سے فضیلت ہے یا اس رات میں قرآن مجید کے نزول کی ابتداء کی وجہ سے فضیلت ہے یا فی نفسہ اس رات میں فضیلت رکھی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات پر عبادت کرنے کی فضیلت رکھی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری جگہ ایک لاکھ نمازیں پڑھنے کے برابر ہے اور میری مسجد مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنا دوسری جگہ سوا مسجد حرام کے ایک ہزار نمازیں پڑھنے کے برابر ہے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۰۶) ان مقامات اور جگہوں کو عبادات کے لیے خاص کر لیا گیا اور ان مقامات پر عبادات کرنے کے ثواب کو بڑھا دیا گیا اسی طرح بعض اوقات کو بھی عبادات کے لیے خاص کر لیا گیا اور ان اوقات میں عبادات کے اجر و ثواب کو بڑھا دیا گیا جیسے رمضان کے مہینہ میں نوافل کا ثواب فرائض کے برابر ہے اور فرائض کے ثواب کو ستر درجہ بڑھا دیا گیا اسی طرح لیلۃ القدر کی عبادت کو ہزار ماہ کی عبادت سے زیادہ کر دیا گیا۔

لیلۃ القدر میں ''قدر'' کے معانی

اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ ''قدر'' کا معنی تقدیر ہے: ''خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا'' (الفرقان: ۲) اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا مناسب اندازہ کیا اس رات میں اللہ تعالیٰ آئندہ سال کے لیے جو امور چاہتا ہے وہ مقدر فرما

دیتا کہ اس سال میں کتنے لوگوں پر موت آئے گی' کتنے لوگ پیدا ہوں گے اور لوگوں کو کتنا رزق دیا جائے گا' پھر یہ اُمور اس جہان کی تدبیر کرنے والے فرشتوں کو سونپ دیئے جاتے ہیں اور وہ چار فرشتے ہیں: اسرافیل' میکائیل' عزرائیل اور جبریل علیہم السلام' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوحِ محفوظ سے لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سال کتنا رزق دیا جائے گا اور کتنی بارشیں ہوں گی' کتنے لوگ زندہ رہیں گے اور کتنے مرجائیں گے' عکرمہ نے کہا: لیلۃ القدر میں بیت اللہ کا حج کرنے والوں کے نام اور ان کے آباء کے نام لکھ دیئے جاتے ہیں' ان میں سے کسی نام کی کمی کی جاتی ہے اور نہ کسی نام کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں مستقبل میں ہونے والے اُمور کے متعلق فیصلے فرماتا ہے اور ان فیصلوں کو ان فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے جو ان کو نافذ کرتے ہیں۔

اس رات کو لیلۃ القدر فرمانے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ''قـــــدر'' کا معنی عظمت اور شرف ہے' ''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ'' (الانعام: ٩١) انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسی قدر کرنی چاہیے تھی' جیسے کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کی بہت قدر و منزلت ہے' زہری نے کہا: اس رات میں عبادت کرنے کی بہت قدر و منزلت ہے اور اس کا بہت زیادہ اجر و ثواب ہے' ابوبکر وراق نے کہا: جس شخص کی کوئی قدر و منزلت نہ ہو' جب وہ اس رات کو عبادت کرتا ہے تو وہ بہت قدر اور عظمت والا ہو جاتا ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ اس رات میں بہت قدر و منزلت والی کتاب' بہت عظیم الشان رسول پر' بہت عظمت والی امت کے لیے نازل کی گئی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے فرمایا ہے کہ اس رات میں بہت قدر و منزلت والے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ بہت خیر اور برکت اور مغفرت نازل فرماتا ہے' سہل نے کہا: اس رات کو لیلۃ القدر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے لیے رحمت کو مقدر کر دیا ہے۔

خلیل نے کہا: ''قدر'' کا معنی تنگی بھی ہے' جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ . (الطلاق: ٧) جس شخص پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا۔

اس رات میں اتنی کثرت سے فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ زمین ان سے تنگ ہو جاتی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ٢٠ ص ١١٦' دار الفکر' بیروت' ١٤١٥ھ)

القدر: ٣-٢ میں فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا ہے؟O شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے O

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ القدر کی تعیین کا علم تھا یا نہیں؟

امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام ابن عیینہ نے کہا: قرآن مجید کی جس آیت میں کسی چیز کے متعلق فرمایا: ''وما ادرٰك'' اس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دے دیا ہے اور جس کے متعلق فرمایا ہے: ''وما یدریك'' اس کا علم آپ کو نہیں دیا۔

(صحیح البخاری ص ٤١٨' شرکۃ دار الارقم' بیروت' لبنان)

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے لیلۃ القدر کے متعلق سوال کیا' جو میرے دوست تھے' انہوں نے کہا: ہم نے رمضان کے متوسط عشرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا' آپ بیس رمضان کی صبح کو باہر آئے اور آپ نے ہمیں خطبہ دیا' اور آپ نے فرمایا: مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی' پھر بھلا دی گئی' اب تم اس کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو' میں نے خواب میں دیکھا کہ میں پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں' پس جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا تھا وہ لوٹ جائے' ہم لوٹ گئے اور ہم آسمان میں کوئی بادل نہیں دیکھتے تھے' پھر

اچانک بادل آیا اور بارش ہوئی اور مسجد کی چھت ٹپکنے لگی اور اس کی چھت میں کھجور کی شاخیں تھیں اور نماز کی اقامت کہی گئی پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے تھے حتیٰ کہ میں نے آپ کی پیشانی پر مٹی کا نشان دیکھا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۱۶ سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۳۸۲ سنن نسائی رقم الحدیث:۱۳۵۶ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۳۳۲۲ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۷۷۵)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے باہر آئے اس وقت دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے آپ نے فرمایا: میں تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے آیا تھا' پس فلاں اور فلاں آپس میں لڑ پڑے تو لیلۃ القدر کی تعیین اٹھالی گئی اور ہوسکتا ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہو پس تم اس کو انتیسویں شب' ستائیسویں شب اور پچیسویں شب میں تلاش کرو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۰۲۳)

شارحین نے کہا ہے کہ صرف اس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ القدر کی تعیین کا علم اٹھالیا گیا تھا اور دوسرے سال آپ کو پھر اس کا علم عطا کر دیا گیا۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۸۷۷' عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۷' فیض الباری ج ۳ ص ۱۸۳)

میں کہتا ہوں کہ اس سال شب قدر کی تعیین کے علم کو اٹھانے کی حکمت یہ تھی کہ آپ کے لیے لیلۃ القدر کی تعیین کو مخفی رکھنے کا عذر ہو جائے کیونکہ اگر آپ کو علم ہوتا اور آپ نہ بتاتے تو یہ آپ کی رحمت کے خلاف تھا اور اگر بتا دیتے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ لیلۃ القدر کی تعیین کو مخفی رکھا جائے تاکہ اللہ کے بندے لیلۃ القدر کی تلاش میں رمضان کے آخری عشرہ کی ہر طاق رات جاگ کر عبادت میں گزاریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا عبادت میں جاگنا پسند ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی چیزوں کو مخفی رکھا ہے' مثلاً اللہ کے ولی کو مخفی رکھا ہے تاکہ لوگ ہر شخص کے متعلق یہ گمان کر کے کہ ممکن ہے یہی اللہ کا ولی ہو اس کی تعظیم اور تکریم کریں' جمعہ کی جس ساعت میں دعا قبول ہوتی ہے اس کو مخفی رکھا تاکہ مسلمان جمعہ کی ہر ساعت میں دعا کرتے رہیں کہ ممکن ہے یہی قبولیت کی ساعت ہو' موت کے وقت کو مخفی رکھا تاکہ انسان ہر وقت نیک کاموں میں مشغول رہے اور بُرے کاموں سے مجتنب رہے تاکہ اس کو موت آئے تو نیک کام کرتے ہوئے آئے' نہ کہ خدا نخواستہ بُرے کام کرتے ہوئے اس کو موت آئے' اسی طرح قیامت کے وقت کو بھی مخفی رکھا' تاکہ ہر لمحہ لوگ ڈرتے رہیں کہ کہیں اسی وقت قیامت نہ آجائے اور لیلۃ القدر کو بھی مخفی رکھا تاکہ کوئی عادی مجرم اس رات کو بھی گناہوں میں گزار دے تو اس کے نامہ اعمال میں یہ نہ لکھا جائے کہ اس نے اس عظیم رات کی دانستہ بے توقیری کی ہے۔

لیلۃ القدر کے فضائل

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے معتمد اہل علم سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ امتوں کی عمریں دکھائی گئیں تو آپ نے اپنی امت کی عمروں کو کم سمجھا اور یہ کہ وہ اتنے عمل نہیں کر سکیں گے جتنے لمبی عمر والے لوگ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا کی' جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (موطأ امام مالک رقم الحدیث:۲۱۷ باب لیلۃ القدر)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا' جو اللہ کی راہ میں ایک ہزار سال تک ہتھیار پہنے رہا' مسلمانوں کو اس پر بہت تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۚ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ؕ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ؕ'' (القدر:۳۔۱)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۹۴۲۴' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۹۳)

علی بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا کہ بنی اسرائیل کے چار شخصوں نے اسی (۸۰) سال تک اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کی کہ پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی' اور ان کے نام بتائے: حضرت ایوب' حضرت زکریا' حضرت حزقیل بن العجوز اور حضرت یوشع بن نون علیہم السلام' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو تعجب ہوا' تب آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کی امت کو اس پر تعجب ہے کہ ان لوگوں نے اسی سال عبادت کی اور پلک جھپکنے کی مقدار بھی نافرمانی نہیں کی' اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر چیز نازل کی ہے' پھر آپ کے سامنے سورۃ القدر: ۳۔ ۱ آیات تلاوت کیں اور کہا: یہ اس سے افضل ہے جس پر آپ کو اور آپ کی امت کو تعجب ہوا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب خوش ہوگئے۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۴۲۶' تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۹۳)

امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کو لیلۃ القدر عطا کی ہے اور اس سے پہلی امتوں کو عطا نہیں کی۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۵۲۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے روزے رکھے' اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے لیلۃ القدر میں قیام کیا تو اللہ سبحانہ اس کے گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۱۴' سنن نسائی رقم الحدیث: ۲۲۰۶' مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۳)

رمضان کی ستائیسویں شب کے لیلۃ القدر ہونے پر دلائل

زر بن جیش بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب سے کہا: اے ابو المنذر! ہمیں لیلۃ القدر کے متعلق بتایئے کیونکہ حضرت ابن مسعود یہ کہتے ہیں کہ جو شخص پورا سال قیام کرے گا' وہ لیلۃ القدر کو پالے گا' حضرت ابی بن کعب نے کہا: اللہ ابو عبد الرحمان پر رحم فرمائے' ان کو خوب معلوم ہے کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے' لیکن انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ تم کو اس کی تعیین بتلائیں اور تم اس پر تکیہ کر لو اور اس ذات کی قسم جس نے قرآن کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے' لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے' ہم نے پوچھا: اے ابو المنذر! آپ کو اس کا کیسے علم ہوا؟ انہوں نے کہا: اس علامت سے جس کی ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے' ہم نے اس کو یاد رکھا اور اس کا شمار کیا' ہم نے پوچھا: وہ کیا علامت ہے؟ انہوں نے کہا: اس کی صبح کو سورج بغیر شعاؤں کے طلوع ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰' صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۱۹۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۶۸۹' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۱۳۷۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۷۹۳' سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۱۲)

حضرت ابی بن کعب' امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء کا یہ نظریہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے اور امام ابو حنیفہ اور بعض شافعیہ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان شاء اللہ کہے بغیر قسم اُٹھا کر کہتے تھے کہ یہ رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عدد طاق ہے اور طاق اعداد میں سات کا عدد زیادہ پسندیدہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں اور سات آسمان بنائے' سات اعضاء پر سجدہ مشروع کیا' طواف کے سات پھیرے مقرر کیے اور ہفتہ کے سات دن بنائے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ سات کا عدد زیادہ پسندیدہ ہے تو پھر یہ رات رمضان کے آخری عشرے کی ساتویں رات ہونی چاہیے۔ حافظ ابن حجر اور امام رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ استدلال بھی نقل کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے حرف نو ہیں اور یہ لفظ قرآن مجید میں تین بار ذکر کیا گیا ہے' جن کا حاصل

ضرب ستائیس ہے' اس لیے یہ رات ستائیسویں ہونی چاہیے۔ امام رازی نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی اس سورۃ مبارکہ میں ''هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ'' (القدر: ۵) میں ''ھی'' ضمیر لیلۃ القدر کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ اس سورت کا ستائیسواں کلمہ ہے' اس اشارے سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔

لیلۃ القدر میں عبادت کا طریقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ'' جس شخص نے شب قدر میں ایمان کے ساتھ اجر وثواب کی نیت سے قیام کیا' اس کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔ اس حدیث کی روشنی میں لیلۃ القدر کی اصل عبادت قیام نماز ہے' اس لیے اس رات زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھنے اور توبہ و استغفار میں کوشش کرنی چاہیے' بندہ خضوع وخشوع اور سوز گداز سے نماز پڑھے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلے میں اپنی کوتاہیوں' تقصیروں اور گناہوں کو یاد کر کے روئے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور بار بار استغفار کرے۔

بعض صالحین نے اس رات کی عبادت کے مخصوص طریقے بتائے ہیں۔ علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بعض صالحین لیلۃ القدر میں لیلۃ القدر کے قیام کی نیت سے دس دوگانے پڑھتے تھے۔ بعض اکابر سے یہ بھی منقول ہے: جس شخص نے ہر رات لیلۃ القدر کی نیت سے دس آیات تلاوت کیں' وہ لیلۃ القدر کی برکات سے محروم نہیں ہوگا۔ امام ابواللیث نے بیان کیا کہ لیلۃ القدر کی کم از کم نماز دو رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ ہزار رکعات ہیں اور متوسط سو رکعات ہیں اور ہر رکعت میں متوسط قرأت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ ''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ'' کی سورت پڑھے' اس کے بعد تین بار ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' کی سورت پڑھے' پھر دو رکعات کے بعد سلام پھیر دے اور درود شریف پڑھ کر دوسرے دوگانے کے لیے اُٹھے' اس طرح جتنے نفل چاہے پڑھے' علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ نوافل کی جماعت بلا کراہیت جائز ہے بشرطیکہ فرائض کی طرح اذان اور اقامت نہ کریں۔ ''شرح نقایہ'' وغیرہ میں ''محیط'' کے حوالے سے یہ عبارت ہے: ''لیلۃ القدر صلٰوۃ الرغائب'' اور شعبان کی پندرھویں شب میں نوافل میں امام کی اقتداء کرنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے کیونکہ جو چیز مؤمنوں کے نزدیک حسن ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حسن ہوتی ہے' اس لیے اس پر اعتراض کرنے والے ان لوگوں کے قول کی طرف بالکل توجہ نہ کرو' جن کو عبادت کا ذوق ہے نہ دعاؤں کا شوق ہے۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۵۸۱۔۵۸۰' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عامر بیان کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر کا دن اس کی شب کی مثل ہے اور اس کی شب اس کے دن کی مثل ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۳۔ رقم الحدیث: ۸۶۹۳' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۶ھ)

ہمارے ملک میں جس تاریخ کو شب قدر ہوتی ہے' سعودی عرب میں اس سے ایک دن یا دو دن پہلے شب قدر ہوتی ہے' میرا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ملک کے رہنے والوں کو ان کے حساب سے شب قدر کی عبادت کا اجر عطا فرمائے گا۔

ابن المسیب نے کہا: جس شخص نے لیلۃ القدر میں مغرب اور عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی' اس نے لیلۃ القدر سے اپنا حصہ پالیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۸۶۹۴' دار الکتب العلمیہ' بیروت)

ثواب میں اضافہ

شب قدر میں عبادت کا ثواب ہزار ماہ کی عبادتوں سے زیادہ دیا جاتا ہے' اس سلسلہ میں یہ سوال کیا جاتا ہے: کیا اس ایک رات میں عبادت کرنے کے بعد انسان ایک ہزار ماہ کی عبادتوں سے آزاد ہو جاتا ہے؟ اسی طرح ایک نماز کا ثواب دس نمازوں

کے برابر ہے اور کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے تو کیا کعبہ میں ایک نماز پڑھنے سے ایک کم ایک لاکھ نمازیں انسان سے ساقط ہو جاتی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شب قدر کی عبادت نفلی ہے اور ہزار ماہ میں جو فرائض اور واجبات ہیں' یہ نفلی عبادات ان کے قائم مقام نہیں ہو سکتی' رہا یہ کہ ایک فرض کا ثواب اس فرض کی دس مثلوں کے برابر ہوتا ہے یا کعبہ کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے مساوی ہوتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس فرض کے ادا کرنے کا مکلّف ہے جو دس مثلوں کے یا ایک لاکھ مثلوں کے مساوی ہے' ان مثلوں میں سے کوئی ایک مثل اس فرض کے مساوی نہیں' جو دس یا ایک لاکھ مثلوں کے برابر ہے' لہٰذا ان مثلوں سے فرض کی تکلیف ساقط نہیں ہو سکتی' اس لیے ایک نماز پڑھ کر انسان دس نمازوں سے بَری ہو سکتا ہے' نہ شب قدر کی عبادت سے ہزار ماہ کی عبادتوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

گناہ میں اضافہ

ایک بحث یہ بھی غور طلب ہے کہ جس طرح شب قدر میں عبادت کرنے سے ثواب بڑھ جاتا ہے' کیا اس طرح شب قدر میں گناہ کرنے سے سزا بھی زیادہ ہوتی ہے' اس کی تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو قطعی طور پر شب قدر کا علم ہو جائے اور پھر وہ اس رات میں قصداً گناہ کرے تو یقیناً اس کا یہ گناہ اور راتوں کے گناہوں سے بڑا گناہ ہے اور وہ زیادہ سزا کا مستحق ہے' اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن مجید میں ہے کہ: "مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا" (الانعام: ۱۶۰) جو شخص جتنی بُرائی کرے گا اسے اتنی بُرائی ہی کی سزا ملے گی' پھر اس رات میں قصداً گناہ کرنے والا کیوں زیادہ سزا کا مستحق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شب قدر میں گناہ کرنے والے کی دو زیادتیاں ہیں' ایک گناہ کی اور ایک شب قدر کے تقدس کو پامال کرنے کی' جس طرح گھر میں گناہ کی بہ نسبت حرم کعبہ میں وہ گناہ کرنا زیادہ بڑا ہے' اس لیے جو شخص شب قدر میں گناہ کرے گا' اس کو اسی گناہ کی سزا ملے گی' لیکن ظاہر ہے کہ اس رات کا جرم اور راتوں کے جرم کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

شب قدر کو مخفی رکھنے کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو اپنی حکمتوں سے مخفی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کس عبادت سے راضی ہوتا ہے' اس کو مخفی رکھا تاکہ بندہ تمام عبادات میں کوشش کرے' کس گناہ سے ناراض ہوتا ہے' اس کو مخفی رکھا تاکہ بندہ ہر گناہ سے باز رہے۔ ولی کی کوئی علامت مقرر نہیں کی اور اسے لوگوں کے درمیان مخفی رکھا تاکہ لوگ ولی کے شائبہ میں ہر انسان کی تعظیم کریں۔ قبولیت توبہ کو مخفی رکھا تاکہ بندے مسلسل توبہ کرتے رہیں۔ موت اور قیامت کے وقت کو مخفی رکھا تاکہ بندے ہر ساعت میں گناہوں سے باز رہیں اور نیکی کی جدوجہد میں مصروف رہیں۔ اسی طرح لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ رمضان کی ہر رات کو لیلۃ القدر سمجھ کر اس کی تعظیم کریں اور اس کی ہر رات میں جاگ جاگ کر عبادت کریں۔

امام رازی تحریر فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ اس رات کو معین کر کے بتا دیتا تو نیک لوگ تو اس رات میں جاگ کر عبادت کر کے ہزار ماہ کی عبادتوں کا اجر حاصل کر لیتے اور عادی گنہگار اگر شامتِ نفس اور اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس رات بھی کوئی گناہ کر لیتا تو وہ ہزار ماہ کے گناہوں کی سزا کا مستحق ہوتا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس رات کو مخفی رکھا تاکہ اگر کوئی عادی گنہگار اس رات بھی کوئی گناہ کر بیٹھے تو لیلۃ القدر سے لاعلمی کی بناء پر اس کے ذمہ لیلۃ القدر کی احترام شکنی اور ہزار ماہ کے گناہ نہ لازم آئیں' کیونکہ علم کے باوجود گناہ کرنا لاعلمی سے گناہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ شدید ہے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے' وہاں ایک شخص کو سوئے ہوئے دیکھا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اسے وضو کے لیے اٹھا دو' انہوں نے اٹھا دیا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ تو نیکی کرنے میں خود پہل کرتے ہیں' آپ

نے اس کو خود کیوں نہیں جگا دیا؟ آپ نے فرمایا: اگر میرے اٹھانے پر یہ انکار کر دیتا تو یہ کفر ہوتا اور تمہارے اٹھانے پر انکار کرنا کفر نہیں ہے' تو میں نے تم کو اٹھانے کا اس لیے حکم دیا کہ اگر یہ انکار کر دے تو اس کا قصور کم ہو' غور کرو! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گنہگاروں پر رحمت کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کیا عالم ہوگا' اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ آسان ہے کہ نیکوکار لیلۃ القدر کی جستجو میں رمضان کی متعدد راتیں جاگ کر کھنگال ڈالیں' یہ بھی گوارا ہے کہ اس تلاش میں ان سے لیلۃ القدر چوک جائے لیکن یہ گوارا نہیں ہے کہ لیلۃ القدر بتلا دینے سے کوئی گنہگار بندہ اپنے گناہ کی ہزار گنا زیادہ سزا پائے' اللہ! اللہ! وہ اپنے بندوں کا کتنا خیال رکھتا ہے' پھر گنہگار بندوں کا!

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب لیلۃ القدر کا علم نہیں ہوگا اور بندے رمضان کی ہر رات کو لیلۃ القدر کے گمان میں جاگ کر گزاریں گے اور رمضان کی ہر رات میں عبادت کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اسی ابن آدم کے متعلق تم نے کہا تھا کہ یہ زمین کو خونریزی اور گناہوں سے بھر دے گا' ابھی تو اس کو لیلۃ القدر کا قطعی علم نہیں ہے' پھر بھی عبادت میں اس قدر کوشش کر رہا ہے' اگر اسے لیلۃ القدر کا علم قطعی ہوتا کہ کون سی رات ہے' پھر اس کی عبادتوں کا کیا عالم ہوتا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس رات میں فرشتے اور جبریل اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں O یہ رات طلوعِ فجر ہونے تک سلامتی ہے O (القدر: ۵۔۴)

فرشتوں کے نزول کی تفصیل

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

کعب بیان کرتے ہیں کہ سدرۃ المنتہٰی ساتویں آسمان کے اس کنارے پر ہے' جو جنت کے قریب ہے' پس اس کے نیچے دنیا ہے اور اس کے اوپر جنت ہے اور جنت کرسی کے نیچے ہے' اس میں فرشتے ہیں جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور سدرہ کی ہر شاخ پر فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں اور جبریل علیہ السلام کا مقام اس کے وسط میں ہے' اللہ تعالیٰ ہر لیلۃ القدر میں حضرت جبریل کو ندا کرتا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہٰی کے فرشتوں کے ساتھ زمین پر نازل ہوں' اور ان میں سے ہر فرشتے کو مؤمنین کے لیے شفقت اور رحمت دی جاتی ہے' پھر وہ غروبِ آفتاب کے وقت حضرت جبریل کے ساتھ زمین پر نازل ہوتے ہیں' پھر زمین کے ہر حصہ پر فرشتے سجدہ اور قیام میں مؤمنین اور مؤمنات کے لیے دعا کرتے ہیں' سوا ان مقامات کے جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا معبد ہو یا آتش کدہ ہو یا بت خانہ ہو یا کچرا کنڈی ہو یا جس گھر میں کوئی نشہ کرنے والا ہو یا جس گھر میں گھنٹی ہو یا بیت الخلاء ہو' ان جگہوں کے علاوہ ہر جگہ فرشتے تمام رات مؤمنوں کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور حضرت جبریل ہر مؤمن سے مصافحہ کرتے ہیں اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس وقت ہر مؤمن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کا دل بہت نرم ہو جاتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس وقت حضرت جبریل اس سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۵۳۔ رقم الحدیث: ۱۹۴۲۸' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

لیلۃ القدر میں فرشتوں کا زمین پر نازل ہونا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس رات میں فرشتے نازل ہوتے ہیں' اس آیت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ تمام فرشتے نازل ہوتے ہیں' بعض مفسرین نے کہا: وہ آسمانِ دنیا پر نازل ہوتے ہیں' لیکن اکثر مفسرین کا مختار یہ ہے کہ وہ زمین پر نازل ہوتے ہیں' کیونکہ بہت احادیث میں یہ وارد ہے کہ تمام ایام میں فرشتے مجالس ذکر میں حاضر ہوتے ہیں' پس جب عام ایام میں فرشتے

زمین پر نازل ہوتے ہیں تو اس عظیم الشان رات میں تو فرشتے بہ طریق اولیٰ زمین پر نازل ہوں گے' پھر اس میں اختلاف ہے کہ فرشتے کس لیے زمین پر نازل ہوتے ہیں' اور اس میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) بعض نے کہا: فرشتے اس لیے نازل ہوتے ہیں کہ بشر کی عبادت اور اطاعت میں اس کی کوشش کو دیکھیں۔

(۲) فرشتوں نے کہا تھا:

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ. (مریم:٦٤) ہم صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس رات اللہ تعالیٰ ان کو زمین پر نازل ہونے کا حکم دیتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آخرت میں اہل جنت کے پاس فرشتے نازل ہوں گے:

يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ. (الرعد:٢٤-٢٣) فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آئیں گے ○ اور کہیں گے: تم پر سلام ہو۔

اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر میں فرشتوں کو نازل ہونے کا حکم دے کر یہ ظاہر فرمایا کہ آخرت کی عزت افزائی تو الگ رہی' اگر تم دنیا میں بھی میری عبادت میں مشغول رہو گے تو یہاں بھی اس رات میں فرشتے تمہاری زیارت کے لیے آئیں گے۔ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فرشتے اس رات کو اس لیے نازل ہوتے ہیں کہ ہم پر سلام پڑھیں اور ہماری شفاعت کریں' سو جس کو ان کا سلام پہنچے گا اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۳۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

روح کے مصداق میں اقوالِ مفسرین

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں' روح کے متعلق حسب ذیل اقوال امام رازی نے ذکر کیے ہیں:

(۱) روح بہت بڑا فرشتہ ہے' وہ اتنا بڑا ہے کہ تمام آسمان اور زمینیں اس کے سامنے ایک لقمہ کی طرح ہیں۔

(۲) روح سے مراد مخصوص فرشتوں کی ایک جماعت ہے' جس کو عام فرشتے صرف لیلۃ القدر کو ہی دیکھ سکتے ہیں۔

(۳) وہ اللہ کی ایک خاص مخلوق ہے جو نہ فرشتوں کی جنس سے ہے' نہ انسانوں کی جنس سے ہے' ہوسکتا ہے وہ اہل جنت کے خادم ہوں۔

(۴) اس سے مراد خاص رحمت ہے' کیونکہ رحمت کو بھی روح فرمایا ہے' قرآن مجید میں ہے:

لَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ. (یوسف:٨٧) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

(۵) اس سے مراد بہت بزرگ اور مکرم فرشتہ ہے۔

(۶) ابونجیح نے کہا: اس سے مراد کراماً کاتبین ہیں' جو مؤمن کے نیک کام لکھتے ہیں اور بُرے کاموں کے ترک کرنے کو لکھتے ہیں۔

(۷) زیادہ صحیح یہ ہے کہ روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں' ان کی خصوصیت کی وجہ سے ان کو عام فرشتوں سے الگ ذکر کیا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۳۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

القطب الربانی الشیخ عبد القادر الجیلانی ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں حضرت جبرائیل کو حکم دیتا ہے کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ سے ستر ہزار فرشتے لے کر زمین پر جائیں' ان کے ساتھ نور کے

جھنڈے ہوتے ہیں' جب وہ زمین پر اترتے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام اور باقی فرشتے چار جگہوں پر اپنے جھنڈے گاڑ دیتے ہیں' کعبہ پر' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر' بیت المقدس کی مسجد پر اور طور سیناء کی مسجد پر' پھر جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ زمین پر پھیل جاؤ' پھر فرشتے تمام زمین پر پھیل جاتے ہیں اور جس مکان یا خیمے یا پتھر پر یا کسی کشتی میں غرض جہاں بھی کوئی مسلمان مرد یا عورت ہو' وہاں فرشتے پہنچ جاتے ہیں۔ ہاں! جس گھر میں کتا یا خنزیر یا شراب ہو یا تصویروں کے مجسمے ہوں یا کوئی شخص زنا کاری سے جنبی ہو' وہاں نہیں جاتے۔ وہاں پہنچ کر فرشتے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں' کلمہ پڑھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے استغفار کرتے ہیں اور جب فجر ہوتی ہے تو آسمانوں پر چلے جاتے ہیں اور جب پہلے آسمان کے فرشتوں سے ان کی ملاقات ہوتی ہے' تو وہ پوچھتے ہیں: تم کہاں سے آئے ہو؟ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں تھے کیونکہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی لیلۃ القدر تھی۔ آسمانِ دنیا کے فرشتے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجات کے سلسلے میں کیا کیا؟ فرشتے کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نیک لوگوں کو بخش دیا اور بدکاروں کی شفاعت قبول کر لی' پھر آسمانِ دنیا کے فرشتے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو امت محمدیہ کی مغفرت فرمائی ہے' اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ فرشتے دوسرے آسمان پر جاتے ہیں اور وہاں اسی طرح گفتگو ہوتی ہے' علیٰ ہذا القیاس' سدرۃ المنتہیٰ' جنت الماویٰ' جنت نعیم' جنت عدن اور جنت الفردوس سے ہوتے ہوئے وہ فرشتے عرشِ الٰہی پر پہنچیں گے' وہاں عرشِ الٰہی آپ کی امت کی مغفرت پر شکریہ ادا کرے گا اور کہے گا: اے اللہ! مجھے خبر پہنچی ہے کہ گزشتہ رات تُو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے صالحین کو بخش دیا اور گنہگاروں کے حق میں نیکوکاروں کی شفاعت قبول کر لی' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے عرش! تم نے سچ کہا' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے میرے پاس بڑی عزت اور کرامت ہے اور ایسی نعمتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا' نہ کسی کے دل میں ان نعمتوں کا کبھی خیال آیا۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۵۰-۳۴۹' دار الفکر' بیروت)

فرشتوں کو زمین پر نازل کرنے کی حکمتیں

فرشتوں کے زمین پر نزول کے بارے میں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ زمین پر انسانوں کی عبادات کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سورت میں فرماتا ہے: ''تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ'' فرشتے اور جبریل امین اللہ تعالیٰ کی اجازت سے زمین پر نازل ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بشمول جبرائیل تمام فرشتے اللہ تعالیٰ سے زمین پر آنے کی پہلے اجازت طلب کرتے ہیں' پھر اس کے بعد زمین پر اترتے ہیں اور یہ چیز انتہائی محبت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ پہلے وہ ہماری طرف راغب اور مائل تھے اور ہم سے ملاقات کی تمنا کرتے تھے' لیکن اجازت کے منتظر تھے اور جب اللہ تعالیٰ سے اجازت مل گئی تو قطار در قطار صف باندھے زمین پر اُتر آئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے اس قدر گناہوں کے باوجود فرشتے ہم سے ملاقات کی تمنا کیوں کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کو ہمارے گناہوں کا پتا نہیں چلتا کیونکہ جب وہ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں تو مسلمانوں کی عبادات کو تفصیل کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جب گناہوں پر پہنچتے ہیں تو لوحِ محفوظ پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور اس وقت فرشتوں کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکلتے ہیں: سبحان ہے وہ ذات جس نے نیکیوں کو ظاہر کیا اور گناہوں کو چھپا لیا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۳۵-۲۳۴' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے خود عبادات سے مالا مال ہیں' تسبیح' تقدیس اور تہلیل کے تونگر ہیں' قیام' رکوع اور سجود کون سی عبادت ہے جو ان کی جھولی میں نہیں ہے' پھر انسانوں کی وہ کون سی عبادت ہے جسے دیکھنے کے شوق میں وہ انسانوں سے ملاقات

کی تمنا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے زمین پر اترنے کی اجازت طلب کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شخص خود بھوکا رہ کر اپنا کھانا کسی اور ضرورت مند کو کھلا دے' یہ وہ نادر عبادت ہے جو فرشتوں میں نہیں ہوتی' گناہوں پر توبہ اور ندامت کے آنسو بہانا اور گڑگڑانا' اللہ تعالیٰ سے معافی چاہنا' اپنی طبعی نیند چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے رات کے پچھلے پہر اُٹھنا اور خوفِ خدا سے ہچکیاں لے لے کر رونا' یہ وہ عبادت ہے جس کا فرشتوں کے ہاں کوئی تصور نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: گناہ گاروں کی سسکیوں اور ہچکیوں کی آواز اللہ تعالیٰ کو تسبیح اور تہلیل کی آوازوں سے زیادہ پسند ہے' اس لیے فرشتے یادِ خدا میں آنسو بہانے والی آنکھوں کے دیکھنے اور خوفِ خدا سے نکلنے والی آہوں کے سننے کے لیے زمین پر اترتے ہیں۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ آخرت میں فرشتے مسلمانوں کی زیارت کریں گے اور آ کر سلام عرض کریں گے' **"الملائكة يدخلون عليهم من كل باب سلام عليكم"** "فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور آ کر سلام کریں گے' اور لیلۃ القدر میں یہ ظاہر فرمایا کہ اگر تم میری عبادت میں مشغول ہو جاؤ تو آخرت تو الگ رہی دنیا میں بھی فرشتے تمہاری زیارت کو آئیں گے اور آ کر دنیا میں بھی تم کو سلام کریں گے۔ امام رازی نے دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ انسان کی عادت ہے کہ وہ علماء اور صالحین کے سامنے زیادہ اچھی اور زیادہ خضوع و خشوع سے عبادت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس رات فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ اے انسانو! تم عبادت گذاروں کی مجلس میں زیادہ عبادت کرتے ہو' آؤ! اب ملائکہ کی مجلس میں خضوع اور خشوع سے عبادت کرو۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۲۳۵' دار احیاء التراث العربی' بیروت)

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انسان کی پیدائش کے وقت فرشتوں نے اعتراض کی صورت میں کہا تھا کہ اُسے پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے جو زمین میں فسق و فجور اور خون ریزی کرے گا؟ اس رات اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے ان کی اُمیدوں سے بڑھ کر اجر و ثواب کا وعدہ کیا' اس رات کے عبادت گزاروں کو زبانِ رسالت سے مغفرت کی نوید سنائی' فرشتوں کی آمد اور ان کی زیارت اور سلام کرنے کی بشارت دی' تاکہ اس کے بندے یہ رات جاگ کر گزاریں' تھکاوٹ اور نیند کے باوجود اپنے آپ کو بستروں اور آرام سے دُور رکھیں' تاکہ جب فرشتے آسمان سے اتریں تو ان سے کہا جا سکے: یہی وہ ابن آدم ہے' جس کی خونریزیوں کی تم نے خبر دی تھی' یہی وہ شرر خاکی ہے' جس کے فسق و فجور کا تم نے ذکر کیا تھا' اس کی طبیعت اور خلقت میں ہم نے رات کی نیند رکھی ہے' لیکن یہ اپنے طبعی اور خلقی تقاضوں کو چھوڑ کر ہماری رضا جوئی کے لیے یہ رات سجدوں اور قیام میں گزار رہا ہے' تم نے فسق و فجور اور خون ریزی دیکھی تھی' ہماری خاطر راتوں کو جاگ کر سجدہ کرنے والی جبینیں نہیں دیکھی تھیں' ہماری یاد کے سبب آنکھوں میں مچلنے والے آنسو نہیں دیکھے تھے' دیکھو! اللہ تعالیٰ بڑے مان سے تمہاری عبادت دکھانے کے لیے آسمان سے فرشتے اتارتا ہے' کہیں تم یہ رات گناہوں میں گزار کر اس کا مان نہ توڑ دینا۔

فرشتوں کا سلام

مفسرین لکھتے ہیں کہ شب قدر میں عبادت کرنے والے انسان کو جس وقت روح الامین آ کر سلام کرتا ہے اور اس سے مصافحہ کرتا ہے تو اس پر خوفِ خدا کی ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے' یادِ خدا سے آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور خشیتِ الٰہی سے بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے' امام رازی فرماتے ہیں: فرشتوں کا سلام کرنا' سلامتی کا ضامن ہے۔ سات فرشتوں نے آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا تھا تو ان پر نمرود کی جلائی ہوئی آگ سلامتی کا باغ بن گئی تھی۔ شب قدر کے عابدوں پر جب اس رات لاتعداد فرشتے آ کر سلام کرتے ہیں تو کیونکر نہ یہ امید کی جائے کہ جہنم کی آگ ان پر سلامتی کا باغ بن جائے گی۔

سورۃ القدر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ٢٦ شوال ١٤٢٦ھ/ ٢٩ نومبر ٢٠٠٥ء بہ روز منگل بہ وقت سحر سورۃ القدر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اے میرے رب! اپنے لطف و کرم سے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں' میری تمام تصانیف کو تا روز قیامت شائع' مقبول و مرغوب اور فیض آفریں رکھیں اور میری مغفرت فرما دیں۔ آمین یا رب العلمین

وصلى الله تعالىٰ علىٰ حبيبه سيدنا محمد خاتم النبيين وشفيع المذنبين
وعلىٰ آله واصحابه وازواجه وذريته وامته اجمعين



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ البیّنۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام البیّنۃ ہے۔ ''البیّنة'' کا معنی ہے: ''الحجة الواضحة'' یعنی بہت صاف اور واضح دلیل اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''البیّنة'' کا لفظ ہے' اور وہ آیت یہ ہے:

لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَالۡمُشۡرِكِيۡنَ مُنۡفَكِّيۡنَ حَتّٰى تَاۡتِيَهُمُ الۡبَيِّنَةُ ۙ (البینۃ:١)

اہل کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائے○

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے یہ سورت پڑھوں: '' لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا '' (البینۃ:١) حضرت ابی نے پوچھا: اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں' تو حضرت ابی رونے لگے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:٤٩٥٩' صحیح مسلم رقم الحدیث:٧٩٩)

دوسری روایت میں ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے وہ سورت پڑھی۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:٤٩٦٠' صحیح مسلم رقم الحدیث:٧٩٩)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''یا خیر البریة!'' آپ نے فرمایا: اس کے مصداق حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٣٣٥٢' مسند احمد ج ٣ ص ١٧٨)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں' پھر آپ نے پڑھا: '' لَمۡ يَكُنِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا '' (البینۃ:١) اور اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دین معتبر ہے' جو حنیفہ اور مسلمہ ہو' نہ کہ یہودیہ اور نصرانیہ اور مجوسیہ' جس نے نیکی کی وہ ہرگز اس کا کفر نہیں کرے گا اور آپ نے فرمایا: اگر ابن آدم کے پاس مال کی ایک وادی ہو تو وہ ضرور دوسری وادی کو تلاش کرے گا' اور اگر اس کو دوسری وادی مل جائے تو وہ ضرور تیسری وادی تلاش کرے گا اور ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو توبہ کرے تو اللہ ضرور اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:٣٨٩٨' مسند احمد ج ٥ ص ١٣١)

البیّنہ :٤۔ امیں یہود' نصاریٰ اور مجوس کے مذاہب کا بطلان بیان فرمایا ہے۔

البیّنہ :٥ میں یہ بتایا ہے کہ تمام اعمال میں اخلاص ضروری ہے۔

البینہ: ٨۔٦ میں کفار کو مخلوق کا بدترین گروہ فرمایا اور مؤمنین کو مخلوق کا بہترین گروہ فرمایا۔

اس مختصر تعارف کے بعد میں اب سورۃ البیّنہ کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' رب العلمین! اس میں میری مدد فرمانا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

٢٧ شوال ١٤٢٦ھ/ ٣٠ نومبر ٢٠٠٥ء



۹۸ سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اٰيَاتُهَا ۸ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ البینہ مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ

اہلِ کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢

حتیٰ کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائے ○ وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں ○

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ

ان میں معتدل احکام ہیں ○ اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا جب ان کے پاس

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

واضح دلیل آ چکی تھی ○ اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے

لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ

اللہ کی عبادت کریں، ملتِ حنیفہ پر قائم رہتے ہوئے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی

دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

دینِ مستقیم ہے ○ بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں اور مشرکین ہیں

فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٦ اِنَّ الَّذِيْنَ

وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والے ہیں، وہی تمام مخلوق میں بدترین ہیں ○ بے شک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝٧

ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں ○

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ان کی جزاء ان کے رب کے پاس ہے جو دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ

سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ﴿٨﴾ ع

یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہاO

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اہل کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائےOوہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیںOان میں معتدل احکام ہیںOاہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا جب ان کے پاس واضح دلیل آ چکی تھیO(البینہ: ۴۔۱)

امام ابو منصور ماتریدی کی تقریر

ان آیات کی مفسرین نے کئی تقریریں کی ہیں۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمر قندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

البینہ: ۱ میں اہل کتاب سے پہلے "مــن" تبعیضیہ کا ذکر ہے اور مشرکین سے پہلے نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب کے متعدد فرقے تھے ان میں سے بعض کافر تھے اور بعض کافر نہیں تھے اور مشرکین تمام کے تمام کافر تھے۔

اہل کتاب میں سے بعض وہ تھے جو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان رکھتے تھے اور جب آپ مبعوث ہو گئے تو پھر بھی وہ آپ پر ایمان لے آئے اور بعض وہ تھے جو آپ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان نہیں لائے اور بعض وہ تھے جو پہلے بھی کافر تھے اور بعد میں بھی کافر رہے اور جب ان کے متعدد فرقے تھے تو اہل کتاب سے پہلے "مــن" تبعیضیہ کا ذکر کیا یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رہے مشرکین تو ان کی ایک ہی قسم تھی اور وہ سب کافر تھے۔

اس آیت میں "بیـنۃ" کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ البینہ: ۲ میں فرمایا: وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "بیـنۃ" اس لیے فرمایا ہے کہ حق اور باطل کو آپ نے ہی بیان فرمایا ہے اور دنیا اور آخرت کی ہر اہم چیز آپ نے بیان فرمائی اور اپنی نبوت اور اسلام کی صداقت پر آپ نے ہی معجزات پیش کیے سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے اس کو بھی آپ نے پڑھ کر سنایا سو اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی نبوت پر حجت قاطعہ اور واضح دلیل آپ کی ذاتِ گرامی ہے اس لیے ان دونوں آیتوں کا معنی یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جن بعض لوگوں نے کفر کیا وہ اور مشرکین اپنے دین کو چھوڑنے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ جائیں اور آپ ان پر قرآن مجید کی تلاوت کریں جس میں معتدل احکام ہیں اور اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا جب آپ مبعوث ہو گئے ان میں سے بعض آپ پر ایمان لے آئے اور ان میں سے بعض نے عناداً آپ کا انکار کیا اور کافر ہو گئے۔

البینہ: ۱ کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض کفار اور مشرکین دنیا سے اس وقت تک نکلنے والے نہیں ہیں جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آ جائے اور واضح دلیل سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت ان کو عذاب کے فرشتے دکھائے

جائیں گے اور وہ عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے اور اس وقت دنیا سے نکل جائیں گے۔

البینۃ :۲ میں پہلی تقریر کے مطابق حجت واضحہ کا بیان ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں' اور دوسری تقریر کے مطابق جب حجت واضحہ سے مراد عذاب کے فرشتے ہوں تو پھر یہاں سے نیا کلام شروع ہو رہا ہے یعنی وہ اللہ کے رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں' پاک صحیفوں سے مراد قرآن مجید ہے' قرآن مجید ہر چند کہ ایک صحیفہ ہے لیکن اس کو تعظیماً جمع کے صیغہ سے ذکر فرمایا' دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید تمام صحائف سابقہ کے اصول اور عقائد پر مشتمل ہے' اس لیے اس کو صحف مطہرہ فرمایا اور تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ذکر کتب سابقہ میں بھی تھا' جیسا کہ فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ○ (الشعراء:۱۹۶) کتب سابقہ میں بھی اس قرآن کا ذکر ہے ○

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ○ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی ○ (الاعلیٰ:۱۹۔۱۸) یہ نصیحت پہلے صحیفوں میں بھی ہے ○ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں ○

ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید سابقہ صحائف میں ہے اور سابقہ صحائف قرآن مجید میں ہیں' پس جب آپ نے قرآن مجید کی تلاوت کی تو گویا سابقہ صحائف کی تلاوت کی۔

البینۃ :۳ میں فرمایا: ان میں معتدل احکام ہیں۔

اس آیت میں ''قیمۃ'' کا لفظ ہے' ''قیمۃ'' کا معنی ہے: صادقہ' صواب پر مبنی' درست' معاش اور معاد کو درست کرنے والی' مراد یہ ہے کہ سابقہ آسمانی کتابیں درست اور مستقیم تھیں' انسان کی زندگی کی اصلاح کرنے والی تھیں' اور قرآن مجید ان سابقہ کتابوں کے عقائد اور نصائح پر مشتمل ہے' یعنی اس کتاب میں بہت احکامِ شرعیہ ہیں جو معتدل ہیں اور حکمت کے موافق ہیں۔

البینۃ :۴ میں فرمایا: اہل کتاب میں اسی وقت تفرقہ ہوا' جب ان کے پاس واضح دلیل آ چکی تھی ○

اس آیت کے دو محمل ہیں:

(۱) بعض اہل کتاب نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اس وقت اختلاف کیا' جب ان کے نزدیک دلیل سے آپ کی نبوت ثابت ہوگئی' حالانکہ اس سے پہلے وہ اس پر متفق تھے کہ آخری نبی کا ظہور ہونے والا ہے اور ان کے وسیلہ سے اپنے دشمنوں کے خلاف فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے' ان کا خیال تھا کہ وہ نبی بنو اسرائیل سے مبعوث ہوں گے' لیکن جب وہ نبی بنو اسماعیل سے مبعوث ہوئے تو ضد' عناد اور تعصب کی وجہ سے انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کر دیا۔

(۲) جس چیز میں انہوں نے اختلاف کیا' وہ یہ ہے کہ ہر شخص کی خلقت میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کی نشانیاں ہیں' اگر وہ ان نشانیوں میں غور و فکر کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے' اس جگہ ''البینۃ'' سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا قرآن مجید یا انسان کی نفس خلقت ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۵۰۰۔۴۹۹' موسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

البینۃ :۱ اور البینۃ :۴ میں تعارض کے امام رازی کی طرف سے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ نے ان آیات کی تقریر اس طرح کی ہے:

البینۃ :۱ کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے' وہ اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہیں ہیں جب تک کہ ان کے پاس حجت واضحہ نہ آ جائے اور حجت واضحہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' یعنی جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مبعوث ہو جائیں گے تو وہ اپنے کفر کو چھوڑ دیں گے۔

البینۃ :۴ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو ان کا کفر زیادہ ہو گیا اور ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے اور یہ ان آیتوں پر قوی اشکال ہے' اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) صاحبِ کشاف نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ کفار کے دو فریق تھے: اہل کتاب اور بت پرست' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے اہلِ کتاب یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے دین کو ترک نہیں کریں گے حتیٰ کہ وہ نبی مبعوث ہو جائیں' جن کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے اور یہ وعدہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے اور جو نبی مبعوث ہونے والے تھے وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ حکایت کی کہ جب وہ رسول آ گئے تو انہوں نے حق کو قبول نہیں کیا اور وہ اپنے کفر پر برقرار رہے' اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک تنگ دست شخص بدکار ہو' اس سے کوئی دوسرا شخص کہے: تم بدکاری چھوڑ دو' تو وہ کہے: اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو میں بدکاری چھوڑ دوں گا' پھر جب اللہ تعالیٰ نے اسے مال دے دیا تو اس نے پھر بھی بدکاری نہیں چھوڑی' خلاصہ یہ ہے کہ البینۃ :۱ میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہیں ہیں جب تک کہ وہ آخری نبی مبعوث نہ ہو جائیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے قول کی حکایت کی ہے اور البینۃ :۴ کا خلاصہ یہ ہے کہ واقع میں اہل کتاب نے اس رسول کے آنے کے بعد بھی اپنے کفر کو نہیں چھوڑا' سو البینۃ :۱ میں اہل کتاب کے قول کی حکایت ہے اور البینۃ :۴ میں واقع کی حکایت ہے' سو ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

امام رازی کے جوابات پر مصنف کا تبصرہ اور تجزیہ

میں کہتا ہوں کہ امام رازی نے اس جواب کو سب سے عمدہ جواب قرار دیا ہے' لیکن میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ البینۃ :۱ میں مشرکین کا بھی ذکر ہے اور مشرکین سے اس نبی کی بعثت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا اور نہ وہ یہ کہتے تھے کہ جب وہ نبی آ جائیں گے تو ہم اپنے کفر کو ترک کر دیں گے' سو امام رازی کے اس جواب پر یہ اشکال ہے کہ البینۃ :۱ میں مشرکین کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس امام ماتریدی نے ان آیتوں میں یہ فرق نہیں کیا کہ البینۃ :۱ میں ان کے قول کی حکایت ہے اور البینۃ :۴ میں واقع کی حکایت ہے' بلکہ دونوں میں واقع کا ذکر ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین دونوں اپنے کفر کو اس وقت تک چھوڑنے والے نہ تھے' جب تک کہ حجت واضحہ نہ آ جائے' لہٰذا البینۃ :۴ میں فرمایا کہ جب وہ حجت واضحہ آ گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو اہل کتاب میں تفرقہ ہو گیا کیونکہ بعض اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئے تھے اور بعض آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔

(۲) امام رازی نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ البینۃ :۱ کا معنی یہ ہے کہ یہ کفار اپنے کفر کو ترک نہیں کریں گے خواہ ان کے پاس حجت واضحہ آ جائے' لیکن امام رازی نے اس جواب کو خود یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ اس آیت میں لفظ ''حتیٰ'' ہے اور لفظ ''حتیٰ'' سے یہ معنی نہیں بنتا۔

(۳) امام رازی نے تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ ''منفکین'' کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنے کفر کو ترک کر دیں گے بلکہ اس سے مراد ہے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور مناقب کو ترک کرنا' اور البینۃ :۱ کا معنی یہ ہے کہ یہ کفار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فضائل اور مناقب کے ساتھ ذکر اس وقت تک ترک نہیں کریں گے' جب تک حجت واضحہ نہ آ جائے یعنی پہلے اہل کتاب اور مشرکین آپ کا ذکر فضائل اور مناقب کے ساتھ کرتے تھے' لیکن جب آپ مبعوث ہو گئے تو

انہوں نے عناد کی وجہ سے آپ کے فضائل کا ذکر کرنا ترک کر دیا۔

میرے نزدیک امام رازی کا یہ جواب درست ہے۔

(۴) امام رازی کا چوتھا جواب یہ ہے کہ البیّنہ :ا میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کا مجموعہ اپنے کفر کو ترک نہیں کرے گا' حتیٰ کہ حجت واضحہ آ جائے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں اور البیّنہ :۴ میں یہ بتایا ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے کے بعد یہ مجموعہ اپنے کفر پر قائم نہیں رہا بلکہ ان میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض اپنے کفر پر قائم رہے اور ان کا تفرقہ ظاہر ہو گیا۔

امام رازی کا یہ جواب بھی درست ہے۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان کفار کو اپنے کفر میں تردد نہیں تھا بلکہ اپنے کفر پر جزم اور یقین تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو ان کا کفر پر جزم اور یقین زائل ہو گیا اور وہ اپنے کفر میں متردد اور حیران رہ گئے۔

امام رازی کا یہ جواب بھی صحیح ہے۔

البیّنہ :ا میں ''من'' تبعیضیہ پر ایک اشکال کا جواب

امام رازی فرماتے ہیں: کفار کی دو قسمیں ہے: ایک اہل کتاب ہیں جیسے یہود اور نصاریٰ' یہ کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے دین میں کفر کو اختیار کر لیا' یہود نے کہا: ''عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ '' (التوبہ:۳۰) اور عیسائیوں نے کہا: ''الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ '' (التوبہ:۳۰) مسیح اللہ کے بیٹے ہیں' نیز انہوں نے اپنی کتاب میں اور اپنے دین میں تحریف بھی کی ہے' اور مشرکین اپنے آپ کو کسی کتاب کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے' وہ بت پرستی کرنے کی وجہ سے کافر تھے' اس طرح یہ کافروں کی دو جنسیں ہیں' اب البیّنہ :ا پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت میں فرمایا ہے: بعض اہل کتاب اور مشرکین (اپنے دین کو) چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ اہل کتاب میں سے تو بعض کافر تھے اور بعض کافر نہیں تھے' اس لیے اہل کتاب پر تو ''مـن'' تبعیضیہ کا داخل ہونا صحیح ہے اور مشرکین تو تمام کافر ہیں' اس لیے مشرکین پر ''مـن'' تبعیضیہ کا داخل ہونا صحیح نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ''مـن'' تبعیضیہ اہل کتاب اور مشرکین کے مجموعہ پر داخل ہے اور اس مجموعہ کا بعض کافر ہے نہ کہ کل۔

مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں یا نہیں

اس میں اختلاف ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں یا نہیں' بعض علماء نے کہا کہ مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں' کیونکہ حدیث میں ہے: جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک مجلس میں کہا: مجھے نہیں معلوم کہ میں مجوس کے ساتھ کیا معاملہ کروں' وہ اہل کتاب نہیں ہیں' تو حضرت عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۲۴ طبع کراچی' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۰۰۲۵' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۸۹' کنز العمال رقم الحدیث: ۱۱۴۹۰)

اور بعض علماء نے کہا کہ مجوس اہل کتاب میں داخل نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کا ذکر فرمایا ہے' جو بلادِ عرب میں تھے اور وہ یہود اور نصاریٰ ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۖ (الانعام:۱۵۶) کہیں تم لوگ یہ (نہ) کہو کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے دو فرقوں پر نازل ہوئی تھی۔

ان دو فرقوں سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۳۹۔ ۲۳۷ ملخصاً ' دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں' ملت حنیفہ پر قائم رہتے ہوئے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی دین مستقیم ہے ○ بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں' اور مشرکین ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والے ہیں' وہی تمام مخلوق میں بدترین ہیں ○ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں ○ ان کی جزاء ان کے رب کے پاس ہے' جو دائمی جنتیں ہیں' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے' یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا ○ (البینۃ: ۸۔ ۵)

اخلاص کی اہمیت

البینۃ: ۵ میں فرمایا: اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں' ملت حنیفہ پر قائم رہتے ہوئے اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی دین مستقیم ہے ○

یعنی ان کفار کو تورات اور انجیل میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کو واحد مانیں اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں' جیسا کہ ان آیات میں فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذاریات: ۵۶)

اور میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں ○

لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ (الزمر: ۳)

اللہ ہی کے لیے دین خالص ہے۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۙ (الزمر: ۱۱)

آپ کہیے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاص کے ساتھ اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی عبات کروں ○

''حنفاء'' کا معنی

اس آیت میں ''حنفاء'' فرمایا ہے' ''حنفاء'' کا معنی ہے: مائل ہوتے ہوئے' یعنی تمام ادیان اور مذاہب سے انحراف کرتے ہوئے دینِ اسلام کی طرف مائل ہوتے ہوئے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر' سعید بن جبیر نے کہا: حنیف کا معنی ہے جو شخص ختنہ کرے اور حج کرے' اہل لغت نے کہا: جو شخص اسلام کی طرف مائل ہو۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ نے ''حنفاء'' کی تفسیر میں کہا:

مجاہد نے کہا: ''حنفاء'' کا معنی ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اتباع کرتے ہوئے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (النحل: ۱۲۳)

پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کریں' اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○

گویا اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تم لوگوں کے مزاج میں تقلید کرنے کا عنصر ہے' سو اگر تم نے تقلید کرنی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کرو' جن کے متعلق تمام اہل مذاہب کا اجماع ہے کہ وہ اور ان کے اصحاب نیک اور پاکیزہ تھے' قرآن مجید میں ہے:

قَدۡ کَانَتۡ لَکُمۡ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗ ۚ (الممتحنہ: ۴) تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ تھا۔

سو اگر تمہیں کسی کی پیروی کرنے کا شوق ہے تو حضرت ابراہیم کی پیروی کرو' جنہوں نے تمام بتوں سے بیزاری کا اظہار کیا ہے' بتوں سے بیزاری کی پاداش میں انہیں آگ میں ڈالا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوئے اور جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ تسبیح سنی ''سبوح قدوس'' تو وہ ان کو بہت اچھی لگی اور اس کو دوبارہ سننے کے لیے انہوں نے اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں دے دیا' خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی رضا میں اپنی جان' اپنی اولاد اور اپنے مال کو خرچ کر دیا' سو تم اگر عبادت کرنا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح عبادت کرو' اور اگر تم پوری طرح حضرت ابراہیم کی پیروی نہیں کر سکتے تو ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیروی کرو' جنہوں نے کم سنی میں اللہ کی رضا اور اپنے والد کے حکم کی اطاعت میں سر تسلیم خم کر دیا اور اپنی گردن چھری کے نیچے رکھ دی اور تم اس مرد کامل کی اتباع بھی نہ کر سکو تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کی اتباع کرو' انہوں نے کس طرح اپنے غم اور غصہ کے گھونٹ پیے' اپنے بچہ کی ولادت کی مشقت اور تکلیف برداشت کی' پھر جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ ان کو مکہ کی بے آب و گیاہ زمین میں اکیلا چھوڑ کر جانے لگے اور اشارہ سے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں تو وہ اس پر راضی ہو گئیں اور اس مصیبت پر صبر کر لیا' غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام' ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اہلیہ حضرت ہاجر' سب کے سب تسلیم و رضا کے پیکر تھے اور ان سب کی زندگیوں میں ہمارے عمل کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

اخلاص اور عبادت کا معنی

اس آیت میں ''مخلصین'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''اخلاص'' ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ انسان جو نیک کام کرے' اس کا باعث اس فعل کی نیکی ہو' اور جو فرض یا واجب ادا کرے' اس کا باعث اس فعل کی فرضیت یا وجوب ہو' وہ محض اپنے رب کی رضا کے لیے اس فعل کو کرے' نہ وہ فعل کسی کو دکھانا مقصود ہو نہ کسی کو سنانا مقصود ہو' اصل مقصود بالذات اللہ عزوجل کی رضا ہو' جنت کا حصول بھی بالتبع مطلوب ہو اور دوزخ سے نجات بھی بالتبع مطلوب ہو۔ تورات میں لکھا ہوا ہے: جس فعل سے میری رضا کا ارادہ کیا گیا وہ فعل کم بھی ہو تو اللہ کے نزدیک بہت ہے اور جس فعل سے میری رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا وہ فعل اگر بہت بھی ہو تو میرے نزدیک کم ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے والد کی خوشی کے لیے کوئی عبادت کرے یا اپنی اولاد کی خوشی کے لیے کوئی عبادت کرے تو اس میں اخلاص نہیں ہے' اسی طرح اگر اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے کوئی عبادت کرے تو اس میں اخلاص کہاں سے ہوگا۔

بعض مفسرین نے ''مخلصین'' کی تفسیر میں کہا: وہ عبادت کا اقرار کرتے ہوئے نیک کام کریں اور بعض مفسرین نے کہا: وہ اپنے دلوں سے عبادت میں اللہ کی رضا کا ارادہ کریں' زجاج نے کہا: وہ صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں' کسی اور کو اس میں شریک نہ کریں' اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡۤا اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚ (التوبہ: ۳۱) اور ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک معبود کی عبادت کریں۔

عبادت کا معنی تذلل ہے اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے: اللہ کے لیے انتہائی تعظیم اور اپنی انتہائی عاجزی اور تذلل سے کی ہوئی اطاعت' جس سے اللہ کے کسی حکم پر عمل ہو' بچہ کی نماز کو عبادت نہیں کہتے کیونکہ وہ اللہ کی عظمت کو نہیں جانتا' اس لیے

اس کے فعل میں انتہائی تعظیم ہوگی' اسی طرح یہودی کی نماز بھی عبادت نہیں ہوگی کیونکہ اس میں انتہائی تعظیم تو ہے لیکن اس کی نماز اللہ کا حکم نہیں ہے' کیونکہ اسلام کے علاوہ باقی تمام شرائع منسوخ ہو چکی ہیں' اسی طرح جو لوگ جلدی جلدی نماز پڑھتے ہیں اور پوری طرح رکوع اور سجود نہیں کرتے' ان کی نماز بھی عبادت نہیں ہے کیونکہ ان کی نماز میں نہ انتہائی تعظیم ہے اور نہ اس طرح نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

وضو میں نیت کی فرضیت کی دلیل اور اس کا جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

اخلاص کا معنی ہے: نیت خالصہ اور ہر عبادت میں نیت خالصہ ضروری ہے یعنی وہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی جائے اور چونکہ تمام لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ عبادت کریں' اس لیے ہر عبادت میں نیت کرنا ضروری ہوا' اس لیے امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ وضو کرنا بھی عبادت ہے' اس لیے وضو میں نیت کرنا فرض ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عبادات میں نیت واجب ہے کیونکہ اخلاص قلب کا عمل ہے' اس سے صرف اللہ کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے اور کسی چیز کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۲۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی حنفی متوفی ۳۷۰ ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں عبادت میں اخلاص کا حکم دیا گیا ہے' یعنی عبادت میں اللہ کے غیر کو شریک نہ کیا جائے کیونکہ اخلاص شرک کی ضد ہے اور اس کا نیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے نہ نیت کے ہونے میں اور نہ نیت کے نہ ہونے میں' اس لیے نیت کو واجب کرنے میں اخلاص سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے' کیونکہ جو شخص ایمان لے آیا' اس نے اپنی عبادت میں اخلاص کر لیا اور شرک کی نفی کر دی۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۷۴' سہیل اکیڈمی' لاہور)

علامہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

نیت طہارت کی شرائط میں سے ہے' بغیر نیت کے وضو صحیح ہے نہ تیمم اور نہ غسل' امام مالک اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے' اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ پانی سے طہارت کے حصول میں نیت شرط نہیں ہے' نیت صرف تیمم میں شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ . جب تم نماز میں قیام کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔

(المائدہ: ۶)

اس آیت میں وضو کی شرائط کا ذکر کیا ہے اور نیت کا ذکر نہیں کیا' اگر نیت وضو کی شرط ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ذکر فرماتا' کیونکہ امر کا تقاضا یہ ہے کہ جس چیز کا امر کیا گیا ہے' اس پر عمل کرنے سے مامور بہ حاصل ہو جاتا ہے' لہٰذا چہرہ اور ہاتھوں اور پیروں کو دھونے اور سر کا مسح کرنے سے وضو حاصل ہو جاتا ہے' نیز یہ پانی سے طہارت کو حاصل کرنا ہے اور اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہے' جس طرح نجاست کو پانی سے زائل کرنے کے لیے نیت کی ضرورت نہیں ہے' (علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:) ہماری دلیل یہ ہے: حدیث میں ہے: اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے۔ (صحیح البخاری: ۱) لہٰذا بغیر نیت کے وضو صحیح نہیں ہوگا۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱ ص ۱۲۰-۱۱۹' ملخصاً' دار الفکر' بیروت)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ اعمال کی صحت کا مدار نیت پر ہے' بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اعمال کی فضیلت کا مدار نیت پر ہے کیونکہ بہت سارے اعمال بغیر نیت کے بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہوتے ہیں' مثلاً کسی چیز کو خریدنا' بیچنا' واپس کرنا' کسی چیز کو کرائے پر دینا' کسی کو ملازم رکھنا' نکاح کرنا' طلاق دینا' منگنی کرنا' ایلاء کرنا' ظہار کرنا' بیوی بچوں کو خرچ دینا اور اس طرح کے بہت اعمال بغیر نیت کے بھی صحیح ہیں' لہٰذا وضو کرنا بھی بغیر نیت کے صحیح ہے' البتہ فضیلت اسی میں ہے کہ وضو کرنے سے پہلے اس میں طہارت کی نیت کی جائے۔

البیّنہ : ۵ کے لطائف اور نکات

اس آیت میں حسب ذیل لطائف اور نکات ہیں:

(۱) اس آیت سے پہلی چار آیتوں میں کفر کو ترک کرنے اور عقائد صحیحہ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کا حکم ہے اور اس آیت میں اخلاص سے عبادت کرنے' نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے' پھر اس مجموعہ کے متعلق فرمایا کہ یہی دین قیمہ ہے یعنی دین مستقیم ہے' اور اس میں یہود اور نصاریٰ اور مرجئہ کا رد ہے' کیونکہ یہود اور نصاریٰ عمل تو بہت کرتے تھے لیکن اللہ عز و جل کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ان کا ایمان نہیں تھا' اور مرجئہ کا عقائد صحیحہ پر ایمان تو تھا مگر وہ اعمالِ صالحہ کو ضروری نہیں مانتے تھے' پس ان میں سے کوئی بھی دین قیمہ اور دین مستقیم کا حامل نہیں ہے' دین قیمہ کے حامل صرف اہل سنت و جماعت ہیں۔

(۲) اس آیت میں مسلمانوں کی فرشتوں پر فضیلت ظاہر کی گئی ہے کیونکہ فرشتے تسبیحات پڑھتے ہیں' رکوع اور سجود کرتے ہیں لیکن وہ محنت اور مشقت سے مال کما کر اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور مسلمان نماز پڑھتے ہیں' یہ وصف فرشتوں میں بھی ہے اور مسلمان زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں اور یہ وصف فرشتوں میں نہیں ہے' اس لیے فرشتوں سے آخرت میں کہا جائے گا کہ تم مسلمانوں کی عظمتوں کو سلام کرو کیونکہ انہوں نے محنت اور مشقت سے مال کما کر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر صبر کیا اور انہوں نے روزے رکھے اور بھوک اور پیاس کو برداشت کر کے صبر کیا' قرآن مجید میں ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ . (الرعد: ۲۴۔۲۳)

اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے داخل ہوں گے ۝ اور کہیں گے: تم پر سلام ہو کیونکہ تم نے صبر کیا۔

(۳) نفس کامل تب ہوتا ہے' جب اس کو علم بھی ہو اور قدرت بھی' اگر اس کو علم ہو اور قدرت نہ ہو تو وہ اپاہج کی طرح عاجز اور ناقص ہے' اگر اس کو قدرت اور علم نہ ہو تو وہ مجنون کی طرح ناقص ہے اور نماز دین کے لیے علم کے منزلہ میں ہیں اور زکوٰۃ دین کے لیے قدرت کے مرتبہ میں' پس جس طرح نفس علم اور قدرت سے کامل ہوتا ہے' اسی طرح دین نماز اور زکوٰۃ سے کامل ہوتا ہے اور یہی دین قیمہ ہے۔

(۴) پہلے ''مخلصین'' فرمایا' اس میں دین کے عقائد کی طرف اشارہ ہے' پھر نماز اور زکوٰۃ کا فرمایا اور ان عبادات کی مشقت سے مسلمان علم اور عمل کے لحاظ سے کامل ہو گئے' اور وہ دین قیمہ کے حامل ہو گئے۔

(۵) اس آیت میں عقائد اور اعمال کا ذکر ہے اور ایمان کامل تصدیق اور اعمالِ صالحہ کا مجموعہ ہے' سو اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے۔

البیّنہ : ۶ میں فرمایا: بے شک اہل کتاب میں سے جو کفار ہیں اور مشرکین ہیں' وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہنے والے ہیں' وہی تمام مخلوق سے بدترین ہیں ۝

کفار اہل کتاب کے عذاب کو مشرکین کے عذاب پر مقدم کرنے کی توجیہ

البینہ :۶ میں کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا ہے اور البینہ :۸۔۷ میں مؤمنین کے اجر وثواب کا ذکر فرمایا ہے' پہلے کفار کے عذاب اور پھر مؤمنین کے اجر وثواب کا ذکر فرمایا تا کہ مؤمنین اللہ کے عذاب کے ڈر سے گناہوں کو ترک کرتے رہیں' کفار کی وعید میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک یہ کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور دوسری چیز یہ ہے کہ وہ تمام مخلوق میں بدترین ہیں۔

اگر کوئی شخص ساری عمر نماز نہ پڑھے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی' لیکن اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بال کی بھی توہین کرے تو اس کی تکفیر کر دی جائے گی' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادات اتنی عزیز نہیں ہیں جتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور حرمت عزیز ہے اور اہل کتاب میں سے کفار اللہ تعالیٰ کو تو مانتے تھے اور اس کی عبادت بھی کرتے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے توقیری کرتے تھے اور مشرکین اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے تھے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر اللہ تعالیٰ کی بے توقیری کرتے تھے اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کفار کا عذاب بیان فرمایا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے توقیری کرتے تھے' پھر ان کا عذاب بیان فرمایا جو شرک کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بے توقیری کرتے تھے اور اس سے یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ موجب غضب یہ چیز ہے کہ اس کے رسول کی بے توقیری کی جائے' اس لیے اہل کتاب میں سے کفار کے عذاب کو پہلے بیان فرمایا اور مشرکین کے عذاب کو بعد میں بیان فرمایا۔

مؤمنین صالحین کی فرشتوں پر فضیلت کے دلائل

البینہ :۷ میں فرمایا: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں O

اس آیت سے علماء اہل سنت نے یہ استدلال کیا ہے کہ مؤمنین صالحین ملائکہ سے افضل ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' وہ تمام مخلوق میں بہتر ہیں اور تمام مخلوق میں ملائکہ بھی داخل ہیں' لہٰذا مؤمنین صالحین ملائکہ سے افضل ہیں' تاہم اس میں تفصیل یہ ہے کہ رسل بشر' رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ عام مؤمنین صالحین سے افضل ہیں اور عام مؤمنین صالحین عام ملائکہ سے افضل ہیں اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ رسل ملائکہ' رسل بشر سے افضل ہیں اور عام ملائکہ عام مؤمنین صالحین سے افضل ہیں۔

اہل سنت و جماعت کے مؤقف پر اس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے:

امام عبد الرحمان بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتوں کا اللہ کے نزدیک جو مرتبہ ہے' کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے' قیامت کے دن بندہ مؤمن کا جو اللہ کے نزدیک مرتبہ ہوگا' وہ فرشتوں کے مرتبہ سے ضرور بہت زیادہ عظیم ہوگا اور تم چاہو تو اس آیت کو پڑھو:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ (البینہ :۷) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' وہ تمام مخلوق میں بہتر ہیں O

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۴۳۲' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۸' الدر المنثور ج ۸ ص ۵۳۸' روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۷۰)

اس کے علاوہ درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام

مخلوق میں سب سے زیادہ کون مکرم ہے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم یہ آیت نہیں پڑھتیں؟ ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ۝'' (البینہ: ۷)۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۳۸، روح المعانی جز ۳۰ ص ۳۷۰)

مؤمنین صالحین کی فرشتوں پر فضیلت کے مسئلہ میں امام رازی کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے اس پر حسب ذیل اعتراضات کیے ہیں:

(۱) یزید نحوی۔ سے مروی ہے کہ ''بریۃ'' ''برا'' سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: مٹی اور اس سے مراد بنوآدم ہیں، لہٰذا ''بریۃ'' میں فرشتے داخل ہی نہیں ہیں حتیٰ کہ مؤمنین صالحین کا فرشتوں سے افضل ہونا لازم آئے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

میں کہتا ہوں کہ صحیح یہ ہے کہ ''بریۃ'' ''برا'' سے ماخوذ نہیں ہے، بلکہ ''بَرَءَ'' سے ماخوذ ہے، امام ابن جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن قتیبہ نے کہا کہ ''البریۃ'' کا معنی ہے: ''الخلق''۔ اکثر عرب اور قراء اس کو ترک ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ یہ ''البری'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی مٹی ہے یعنی جن کو مٹی سے پیدا کیا گیا، انہوں نے کہا: اسی وجہ سے اس پر ہمزہ نہیں ہے، الزجاج نے کہا: اگر یہ ''البری'' سے ماخوذ ہوتا، جس کا معنی مٹی ہے تو اس پر ہمزہ نہ آتا، یہ لفظ صرف ''برء اللّٰہ الخلق'' (اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا) سے ماخوذ ہے۔ الخطابی نے کہا کہ ''البریۃ'' کی اصل میں ہمزہ ہے، لیکن اس میں ہمزہ کو ترک کرنے پر اصطلاح ہو گئی۔ (زاد المسیر ج ۹ ص ۱۹۹، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ ھ)

خود امام رازی البیّنہ: ۶ میں ''شر البریۃ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پانچواں سوال یہ ہے کہ لفظ ''البریۃ'' کی قرأت کس طرح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام نافع نے ''البرئیۃ'' کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی نے بغیر ہمزہ کے ''البریۃ'' پڑھا ہے، جیسے ''النبی، الذریۃ'' اور ''الخابیۃ'' پڑھا جاتا ہے، جب اس کو اصل کی طرف لوٹایا جائے تو پھر اس پر ہمزہ آتا ہے، جیسا کہ لفظ ''النبی'' میں بھی ہمزہ اسی طرح ہے اور اس میں ہمزہ کو ترک کرنا عمدہ ہے اور اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ ''البریۃ''، ''البری'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی مٹی ہے، ان کا قول فاسد ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

لیجیے! امام رازی نے خود تصریح کر دی ہے کہ ''البریۃ''، ''البری'' سے ماخوذ نہیں ہے اور یہ قول فاسد ہے، پھر حیرت ہے کہ فرشتوں کی بشر پر فضیلت ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ایک صفحہ بعد یہ لکھ دیا کہ ''خیر البریۃ'' میں ''البریۃ''، ''البری'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے: بنوآدم نہ کہ ''بَرَءَ اللّٰہ الخلق'' سے ماخوذ ہے، یعنی مؤمنین صالحین تمام بنوآدم میں افضل ہیں نہ کہ مؤمنین صالحین تمام مخلوق میں افضل ہیں، حتیٰ کہ وہ فرشتوں سے افضل ہوں اور امام رازی جس کی یہاں پیروی کر رہے ہیں، وہ معتزلہ کا مذہب ہے اور ہم جس کی پیروی کر رہے ہیں، وہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

(۲) امام رازی کا اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' بشر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس میں فرشتے بھی داخل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۹۔ ۲۴۸)

میں کہتا ہوں کہ یہ قول قرآن مجید کے اسلوب اور حرف دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' آیا ہے، اس سے مراد بشر ہی ہوتے ہیں، فرشتے مراد نہیں ہوتے۔ حیرت ہوتی ہے کہ امام رازی نے معتزلہ کی تائید میں کیسی عجیب و غریب بات کہی ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (البقرہ:۲۵)

اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی بشارت دیجئے جن کے نیچے دریا بہ رہے ہیں جب بھی ان کو جنت کے پھلوں سے رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: یہ تو وہ ہے جو ہم کو اس سے پہلے دیا گیا تھا حالانکہ ان کو اس سے پہلے اس سے مشابہ پھل دیا گیا تھا' اور ان مؤمنین صالحین کے لیے جنتوں میں پاکیزہ بیویاں بھی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں○

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مؤمنین صالحین کے لیے جنتوں میں پاکیزہ بیویاں بھی ہوں گی تو اگر مؤمنین صالحین میں فرشتے بھی داخل ہیں تو کیا فرشتوں کے لیے بھی پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔

مؤمنین صالحین پر فرشتوں کی فضیلت کے متعلق امام رازی کے تفصیلی دلائل

امام رازی نے اس استدلال پر تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ فرشتے ''البریۃ'' سے خارج ہیں اور اس پر بہت دلائل ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فضیلت وہبی ہوتی ہے یا کسبی' اگر وہبی فضیلت کی طرف دیکھو تو فرشتوں کی اصل نور ہے اور تمہاری اصل سڑی ہوئی کیچڑ ہے اور ان کا مسکن وہ دار ہے جس میں تمہارے باپ کو لغزش کی وجہ سے رہنے نہیں دیا گیا اور تمہارا مسکن زمین ہے جو شیاطین کی آماجگاہ ہے' نیز ہماری مصلحتوں کا فرشتے انتظام کرتے ہیں اور ہمارا رزق ان میں سے بعض (حضرت میکائیل) کے ہاتھ میں ہے اور ہمای روح بعض دوسرے فرشتوں کے ہاتھ میں ہے' پھر وہ علماء ہیں اور ہم متعلم ہیں' پھر ان کی عظیم ہمت کو دیکھو' وہ حقیر گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتے' اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب سے سوائے الوہیت کے دعویٰ کے اور کسی چیز کی حکایت نہیں کی' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے فضائل بیان کرنے کے بعد فرمایا:

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ (الانبیاء:۲۹)

اور ان میں سے جس فرشتے نے یہ کہا کہ اللہ کے سوا میں مستحق عبادت ہوں تو ہم اس کو جہنم میں جھونک دیں گے' ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں○

یعنی اگر فرشتے کسی گناہ کا اقدام کرتے تو ان کی ہمت اس قدر بلند تھی کہ سوائے دعوائے ربوبیت کے اور کوئی گناہ ان کے لائق نہ تھا اور تم ہمیشہ پیٹ اور شرم گاہ کی غلامی میں رہتے ہو اور جہاں تک عبادت کا معاملہ ہے تو وہ نبی سے زیادہ عبادت کرتے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی عبادت کی اس طرح مدح فرمائی ہے کہ وہ دو تہائی رات میں عبادت کرتے تھے اور فرشتوں کی عبادت کے متعلق اس طرح فرمایا ہے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○ (الانبیاء:۲۰)

وہ دن رات تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں○

اور ایک مقام پر اس طرح فرمایا:

فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ:۳۸)

پس جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ کبھی نہیں اکتاتے○

(امام رازی فرماتے ہیں:) عنوان پر مفصل گفتگو سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۴۹' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نبیوں اور مؤمنین صالحین پر فرشتوں کی فضیلت کے مسئلہ میں امام رازی کے تفصیلی دلائل کے جوابات

امام رازی نے فرمایا کہ فرشتوں کی وہبی فضیلت یہ ہے کہ ان کی اصل نور ہے اور انسانوں کی اصل سڑی ہوئی کیچڑ ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ہر مرکب کی چار علتیں ہوتی ہیں: (١) علت مادی (٢) علتِ صوری (٣) علت فاعلی (٤) علت غائی' علت مادی کے اعتبار سے فرشتے افضل ہیں کیونکہ ان کا مادہ تخلیق نور ہے اور بشر کا مادہ تخلیق مٹی' لیکن باقی تین علتوں کے اعتبار سے مؤمنین صالحین فرشتوں سے افضل ہیں' علت صوری کے لحاظ سے اس لیے افضل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا' حدیث میں ہے:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ. الحدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٢٢٧' الاستیذان رقم الحدیث: ١' صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٨٤١' مسند احمد ج ٢ ص ٣١٥)

علت فاعلی کے اعتبار سے اس لیے افضل ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا' قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ (ص: ٧٥)

اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا' جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

اور علت غائی کے اعتبار سے اس لیے حضرت آدم افضل ہیں کہ ان کا مقصد تخلیق اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہونا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے بشر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ . (بنی اسرائیل: ٧٠)

بے شک ہم نے اولادِ آدم کو ضرور مکرم بنایا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۝ (التین: ٤)

بے شک ہم نے انسان کو حسین ترین ساخت میں بنایا ہے۝

مؤمنین صالحین کے فرشتوں سے افضل ہونے پر خصوصی دلیل یہ ہے کہ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا' نیز اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں کو بشر اور انسان کی خدمت پر مامور کیا ہے' حضرت جبریل انبیاء کرام پر وحی لاتے ہیں' حضرت میکائیل انسانوں کے لیے رزق فراہم کرتے ہیں' حضرت عزرائیل ان کی روح قبض کرتے ہیں' ملائکہ سیاحین ان کے ذکر کو اللہ تعالیٰ کے پاس پیش کرتے ہیں' کچھ فرشتے ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھے ہوئے صلوٰۃ وسلام کو روضہ انور میں پہنچاتے ہیں' کچھ فرشتے ان کے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں' کراماً کاتبین ان کے اعمال لکھتے ہیں' کچھ فرشتے رحم میں ان کی تصویر بناتے ہیں اور تقدیر کے اُمور لکھتے ہیں اور لیلۃ القدر کے عابدوں پر وہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ آ کر شب قدر کے عابدوں کی عظمتوں پر طلوعِ فجر تک سلام پڑھتے رہتے ہیں' ان کے علاوہ وہ مؤمنین صالحین کے لیے اور بھی بہت خدمات انجام دیتے ہیں اور ان شواہد سے آفتاب نیم روز سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے کہ مؤمنین صالحین فرشتوں سے بدرجہا افضل ہیں۔

امام رازی نے فرمایا: ان کا مسکن وہ دار ہے جس میں تمہارے باپ کو لغزش کی وجہ سے رہنے نہیں دیا گیا اور تمہارا مسکن زمین ہے' جو شیاطین کی آماجگاہ ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ فرشتے صرف جنت میں نہیں ہیں' وہ دوزخ میں بھی بہ طور محافظ ہیں' وہ آسمانوں میں بھی ہیں اور زمین

پر بھی ہیں اور ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام کا جنت میں پہلے عارضی قیام تھا' ان کا مقصد تخلیق زمین پر اللہ تعالیٰ کی نیابت اور خلافت کرنا تھا' وہ اس لیے زمین پر آئے اور اپنا مشن پورا کرنے کے بعد وہ دائمی قیام کے لیے اپنی بے شمار ذریات کے ساتھ جنت میں جائیں گے' اس لیے مؤمنین صالحین کا دائمی گھر جنت ہی ہے اور دنیا تو ان کے امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے' یہاں پر وہ شیاطین سے جہاد کرتے ہیں اور ان کو رسوا کرتے ہیں اور یہ ان کی فضیلت کی وجہ ہے نہ کہ مذمت کی۔

امام رازی نے فرمایا: ہماری مصلحتوں کا انتظام فرشتے کرتے ہیں اور ہمارا رزق ان میں سے بعض کے ہاتھ میں ہے اور ہماری روح بعض دوسرے فرشتوں کے ہاتھ میں ہے۔

الجواب: ہمارا رزق اور ہماری روح فرشتوں کے ہاتھ میں ہے' ان کے اختیار میں نہیں ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہماری خدمت پر مامور ہیں' یہ ان کی فضیلت نہیں ہے' بلکہ ہماری فضیلت ہے۔

امام رازی نے فرمایا: پھر وہ علماء ہیں اور ہم متعلم ہیں۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ فرشتوں کا معلم اور ہمارا متعلم ہونا بالکل ثابت نہیں ہے' بلکہ اس کے برعکس ثابت ہے کیونکہ ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام نے تمام فرشتوں کو تمام چیزوں کے نام سکھائے' قرآن مجید میں ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○ (البقرہ: ۳۳۔۳۱)	اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے' پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کیا' پس فرمایا: مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو ○ فرشتوں نے کہا: تو پاک ہے' ہمیں صرف اسی کا علم ہے جس کا تو نے ہمیں علم دیا ہے اور کوئی علم نہیں' بے شک تو بہت جاننے والا بے حد حکمت والا ہے ○ اللہ نے فرمایا: اے آدم! ان فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتاؤ' پس جب آدم نے ان چیزوں کے نام سکھا دیئے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کے غیب کو میں ہی جانتا ہوں اور میں ہی جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جس کو تم چھپاتے تھے ○

جب ہمارے باپ سیدنا آدم علیہ السلام کی تمام فرشتوں پر فضیلت علمی ثابت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں' پس تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا' قرآن مجید میں ہے:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○	سو تمام کے تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر (آدم کو) سجدہ کیا ○

(الحجر: ۳۰' ص: ۷۳)

اور ظاہر ہے کہ جس کو سجدہ کیا جائے' وہ سجدہ کرنے والوں سے افضل ہوتا ہے۔

امام رازی نے فرمایا: پھر ان کی عظیم ہمت یہ ہے کہ وہ حقیر گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتے' اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب سے سوائے الوہیت کے دعویٰ کے اور کسی چیز کی حکایت نہیں کی' اگر فرشتے کسی گناہ کا اقدام کرتے تو ان کی ہمت اس قدر بلند تھی کہ سوائے دعویٰ ربوبیت کے اور کوئی گناہ ان کے لائق نہ تھا اور تم ہمیشہ پیٹ اور شرم گاہ کی غلامی میں رہتے ہو۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ پھر تو فرعون اور نمرود کو بھی بلند ہمت ماننا پڑے گا کیونکہ انہوں نے بالفعل ربوبیت کا دعویٰ کیا تھا' رہا یہ

کہ فرشتے پیٹ اور شرم گاہ کے حقیر گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتے' سو اس میں ان کی کوئی فضیلت نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بھوک' شہوت اور غضب کا مادہ رکھا ہی نہیں ہے' فضیلت تو مؤمنین صالحین کی ہے' جن میں بھوک' شہوت اور غضب کو رکھا گیا ہے' اس کے باوجود وہ حرام کھاتے ہیں نہ حرام طریقوں سے شہوت کو پورا کرتے ہیں اور نہ غضب میں آ کر قتل و غارت گری کرتے ہیں اور امام رازی نے فرمایا ہے: تم ہمیشہ پیٹ اور شرم گاہ کی غلامی میں رہتے ہو' اس کا جواب یہ ہے کہ مؤمنین صالحین کبھی بھی پیٹ اور شرم گاہ کی غلامی میں گناہ نہیں کرتے اور ہم فرشتوں پر ان ہی صالحین کی فضیلت کے قائل ہیں۔ جیسا کہ زیر تفسیر آیت میں ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ۝ (البینہ: ۷) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ تمام مخلوق میں بہترین ہیں ۝

اور جو لوگ پیٹ اور شرم گاہ کی غلامی میں ہمیشہ گناہ کرتے ہیں' وہ کفار اور فساق فجار ہیں' ہم ان کو فرشتوں سے افضل نہیں مانتے بلکہ فرشتے ان سے افضل ہیں' صرف انبیاء علیہم السلام اور مؤمنین صالحین فرشتوں سے افضل ہیں۔

امام رازی نے فرمایا: جہاں تک عبادت کا معاملہ ہے تو فرشتے نبی سے زیادہ عبادت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی عبادت کی اس طرح مدح فرمائی ہے کہ وہ دو تہائی رات میں عبادت کرتے تھے اور فرشتوں کی عبادت کے متعلق اس طرح فرمایا ہے:

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ۝ وہ رات دن تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں ۝

(الانبیاء: ۲۰)

الجواب: میں کہتا ہوں کہ فرشتوں کے دن رات عبادت کرنے اور نہ تھکنے اور نہ اکتانے میں ان کا کوئی کمال نہیں اور نہ ان کی کوئی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں نیند رکھی ہے نہ بھوک اور پیاس رکھی ہے' نہ شہوت اور غضب رکھا ہے' کمال تو انبیاء علیہم السلام کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں نیند رکھی ہے' اس کے باوجود وہ نیند کو ترک کر کے دو تہائی رات تک عبادت کرتے تھے علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کی فضیلت ہے کہ وہ اپنے اختیار سے نیند کو ترک کر کے دو تہائی رات تک عبادت کرتے تھے' اور فرشتوں کی عبادت اختیاری نہیں ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جس کام پر لگا دیا وہ اس کام کو کسی اختیار کے بغیر کر رہے ہیں' جس طرح سورج کا روشنی پہنچانے میں کوئی اختیار اور کمال نہیں ہے' اسی طرح جن فرشتوں کو دن رات عبادت کرنے کا حکم دیا' ان کا بھی دن رات عبادت کرنے میں کوئی اختیار اور کمال نہیں ہے۔

اس کے بعد امام رازی نے فرمایا: اس عنوان پر مفصل گفتگو سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سورۃ البقرہ میں امام رازی نے فرشتوں کی انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کے جو دلائل دیئے ہیں' ہم نے ان کا جواب سورۃ التکویر: ۲۱۔ ۱۹ میں لکھ دیا ہے' وہ جوابات بھی اسی جلد میں ہیں' قارئین کرام ان کو نکال کر پڑھ لیں۔

مفتی محمد شفیع کا پوری تفسیر کبیر کو امام رازی کی تفسیر نہ قرار دینا

امام رازی نے چونکہ اس سورت میں سورۃ البقرہ کا حوالہ دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ اس آخری پارہ کی تفسیر بھی امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے' بعض علماء نے بغیر تحقیق کے لکھ دیا ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر کو مکمل نہیں کیا۔ یہ صحیح نہیں ہے' پوری تفسیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

امام رازی نے سورۂ فتح تک تفسیر خود لکھی ہے' اس کے بعد وہ اسے پورا نہ کر سکے چنانچہ سورۂ فتح سے آخر تک کا حصہ قاضی شہاب الدین الدمشقی متوفی ۶۳۹ یا شیخ نجم الدین قمولی متوفی ۷۷۷ھ (صحیح ۷۲۷ھ ہے) نے مکمل فرمایا۔

(معارف القرآن ج ۱ مقدمہ ص ۵۷ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴۱۴ھ)

ابوالکلام آزاد کی تفسیر کبیر پر مبہم تنقید

ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن ج ۱ ص ۱۶۔۸ میں امام رازی پر رد کیا ہے' میں نے ان صفحات کو پڑھا' ان میں کوئی بات جواب کے قابل نہیں ہے' ابوالکلام آزاد نے قدیم تفاسیر پر مبہم تبصرہ اور تنقید کی ہے۔ کسی تفسیر کے متعلق معین بات نہیں لکھی کہ اس تفسیر میں یہ لکھا ہوا ہے اور یہ اس وجہ سے غلط ہے۔

مثلاً وہ لکھتے ہیں:

اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر قرون اخیرہ تک جس قدر مفسر پیدا ہوئے' ان کا طریق تفسیر ایک رو بہ تنزل معیارِ فکر کی مسلسل زنجیر ہے' جس کی ہر پچھلی کڑی پہلی سے پست تر اور ہر سابق لاحق سے بلند تر واقع ہوئی ہے۔ (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۹)

آزاد صاحب نے کوئی مثال نہیں دی' کوئی دلیل نہیں قائم کی' کوئی حوالہ نہیں دیا کہ فلاں کتاب کی فلاں تفسیر رو بہ تنزل معیار کی حامل ہے اور اگر یہ کلیہ ہے تو ان کی تفسیر ترجمان القرآن جو ۱۹۳۰ء میں لکھی گئی ہے' وہ تو بہت زیادہ بعد کی تفسیر ہے' اس لیے وہ ان کے اپنے کلیہ کے مطابق بہت زیادہ رو بہ تنزل ہے۔

امام رازی پر مبہم تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب امام رازی نے تفسیر کبیر لکھی اور پوری کوشش کی کہ قرآن کا سراپا اس مصنوعی لباس وضعیت سے آراستہ ہو جائے۔ اگر امام رازی کی نظر اس حقیقت پر ہوتی تو ان کی پوری تفسیر نہیں تو دو تہائی حصہ یقیناً بے کار ہو جاتا۔ (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۱۱)

آزاد صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ امام رازی کی فلاں تفسیر وضعی ہے' جب دو تہائی تفسیر وضعی ہے تو کم از کم آٹھ دس حوالے تو اس کے ثبوت میں دینے چاہیے تھے' شکر ہے کہ انہوں نے امام رازی کی ایک تہائی تفسیر کو غیر وضعی مان لیا ہے' اگر وہ اس کا بھی انکار کر دیتے تو ہم کیا کر سکتے تھے' خود آزاد صاحب نے جو تفسیر لکھی ہے' وہ بھی انہوں نے اپنے مخصوص نظریات کے مطابق لکھی ہے' چونکہ آزاد صاحب وہابی فکر کے ترجمان تھے' اس لیے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اور بندگی پر بہت زور دیا ہے اور آپ کی عظمت اور تکریم کا کوئی ذکر نہیں کیا' آزاد صاحب لکھتے ہیں:

سب سے زیادہ اہم مسئلہ مقام نبوت کی حد بندی کا تھا' یعنی معلم کی شخصیت کو اس کی اصلی جگہ میں محدود کر دینا تا کہ شخصیت پرستی کا ہمیشہ کے لیے سدباب ہو جائے' اس بارے میں قرآن نے جس طرح صاف اور قطعی لفظوں میں جابجا پیغمبر اسلام کی بشریت اور بندگی پر زور دیا ہے' محتاجِ بیان نہیں (الیٰ قولہ)۔ پیغمبر اسلام کی بندگی اور درجہ رسالت کا اعتقاد اسلام کی اصل واساس بن جائے اور اس کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہے کہ عبدیت کی جگہ معبودیت اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا ہو (الیٰ قولہ)۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد مسلمانوں میں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے لیکن ان کی شخصیت کے بارے میں کبھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوا' ابھی ان کی وفات پر چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت ابوبکر نے برسر منبر اعلان کر دیا تھا: جو کوئی تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پرستش کرتا تھا' اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد نے وفات پائی' اور جو کوئی تم میں سے اللہ کی پرستش کرتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی ذات ہمیشہ زندہ ہے' اس کے لیے موت نہیں۔

(ترجمان القرآن ج ۱ ص ۱۶۷۔۱۶۶)

آزاد صاحب نے جو کچھ لکھا ہے' یہ وہابی نظریہ کے مطابق لکھا ہے اور قرآن مجید کو اپنے نظریہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے' لہٰذا یہ تفسیر وضعی بھی ہے اور تفسیر بالرائے بھی ہے کیونکہ انہوں نے تفسیر بالرائے کے متعلق لکھا ہے:

جب باب عقائد میں ردوکد شروع ہوئی تو مختلف مذاہب کلامیہ پیدا ہو گئے' ہر مذہب کے مناظر نے چاہا' اپنے مذہب پر نصوصِ قرآنیہ کو ڈھالے' وہ اس کی جستجو میں نہ تھے کہ قرآن کیا کہتا ہے؟ بلکہ ساری کاوش اس کی تھی کہ کس طرح اسے اپنے مذہب کا مؤید دکھا دیں' اس طرح کی تفسیر تفسیر بالرائے تھی۔ (ترجمان القرآن ج ١ص ١٥)

وہابی فکر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی فضیلت کی جو آیات ہیں' ان میں آپ کی فضیلت کے پہلو کا ذکر نہیں کرتے اور آپ کی فضیلت کو حذف کر دیتے ہیں' ابوالکلام آزاد نے اسی فکر کے مطابق قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ کیا ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ○ '' (الانبیاء:١٠٧) کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں نہیں بھیجا ہے' مگر اس لیے کہ تمام جہان کے لیے ہماری رحمت کا ظہور ہے۔

(ترجمان القرآن ج ١ص ٨٩)

تمام علماء مفسرین بلکہ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو'' رحمة للعٰلمین '' فرمایا ہے' لیکن آزاد صاحب نے اپنے نظریہ میں ڈھال کر اس آیت کا ترجمہ کیا ہے اور'' رحمة للعٰلمین '' کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت نہیں بنایا اور اجماع مسلمین کی مخالفت کی' اور آزاد صاحب کی تعریف کے مطابق یہی تفسیر بالرائے ہے اور یہی تفسیر وضعی ہے کہ قرآن مجید کی آیات کو اپنی بدعقیدگی میں ڈھال دیا جائے۔

امام رازی کی تفسیر کبیر کے محاسن

ابوالکلام آزاد نے امام فخر الدین رازی کی دو تہائی تفسیر کو بے کار قرار دیا ہے' میں سمجھتا ہوں کہ ابوالکلام آزاد میں یہ اہلیت ہی نہیں تھی کہ وہ امام رازی کی تفسیر کے نکات اور دقائق کو سمجھ سکتے' حقیقت یہ ہے کہ امام رازی کی تفسیر کبیر اس قدر عمدہ ہے کہ متقدمین میں اس کی کوئی مثال ہے نہ متاخرین میں اس کی کوئی نظیر ہے' امام رازی سے پہلے کی جو تفاسیر ہیں' ان میں صرف صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کے اقوال نقل کیے گئے ہیں اور کہیں کہیں احادیث کا بھی ذکر کیا گیا ہے' اور الماوردی اور ابوبکر بن العربی نے مذاہب کا ذکر کیا ہے اور ابوبکر جصاص نے اپنے مذہب پر دلائل دیئے ہیں' زمخشری نے لغت اور فصاحت و بلاغت کا ذکر کیا ہے' لیکن امام رازی نے ان تمام اُمور کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے اسرار اور نکات بیان کیے ہیں' قرآن مجید کی متعدد آیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال کیا ہے' سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر متعدد آیات سے استنباط کیا ہے' قیامت' مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے' حشر اور نشر کو بہت دلائل سے ثابت کیا ہے' اور قرآن مجید کی کئی آیات سے شفاعت کو ثابت کیا ہے اور منکرین شفاعت کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الرسل ہونے پر بہت دلائل پیش کیے ہیں اور قرآن مجید کی متعدد آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا استنباط کیا ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو متعدد آیات سے واضح کیا ہے اور روافض کے شبہات کے مسکت جوابات دیئے ہیں' قیاس اور اجماع کی حجیت کو ثابت کیا ہے' ان کے زمانہ میں معتزلہ کا زور تھا جو کہتے تھے کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے' وہ جن آیات سے استدلال کرتے تھے' ان آیات کا صحیح محمل بیان فرمایا ہے' اور جگہ جگہ ان کا رد فرمایا ہے' جو مسلمان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کے مر جائے' اس کی مغفرت کو بہت آیات سے ثابت کیا' ہے' قرآن مجید کے قدیم ہونے کو بہت دلائل سے ثابت کیا ہے' انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے کو متعدد آیات سے ثابت کیا ہے اور منکرین عصمت

انبیاء کے شبہات کے وزنی اور تسلی بخش جوابات دیئے ہیں اور تفسیر کبیر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ امام رازی اس میں قرآن مجید کی آیات کا باہمی ربط بیان کرتے ہیں' یوں لگتا ہے کہ پورا قرآن ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہے اور وہ قرآن مجید کی آیات کے بہت لطیف اسرار اور نکات بیان کرتے ہیں' جن سے متقدمین اور متاخرین کی تفاسیر خالی ہیں' امام رازی کی تفسیر زیادہ تر ان ہی عنوانوں پر مشتمل ہے' بتایئے ان میں سے کون سا عنوان ایسا ہے جسے بے کار کہا جا سکتا ہے؟ ابوالکلام آزاد کا امام رازی کی دو تہائی تفسیر کو بے کار کہنا انتہائی ظلم ہے' چاند پر تھوکنے سے چاند کے حسن میں کوئی فرق نہیں پڑتا' صرف تھوکنے والے کی پستی کا اظہار ہوتا ہے۔

بعد کے بعض مفسرین نے امام رازی کے بعض نکات کو اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے' ان میں قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ' علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۴۱ھ' علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ' علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ اور علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ شامل ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا تھا: تمام فقہاء عیال ابوحنیفہ ہیں' یعنی بعد کے تمام فقہاء نے امام ابوحنیفہ کی فقہ سے استفادہ کیا ہے اور میں کہتا ہوں کہ امام رازی کے بعد کے تمام مفسرین عیال امام رازی ہیں' سب بعد والوں نے ان کی تفسیر کے نکات اور دلائل سے استفادہ کیا ہے۔

خود راقم الحروف نے امام رازی کی تفسیر سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے' میں نے تقریباً پوری تفسیر کبیر کا مطالعہ کیا ہے اور تفسیر کبیر کو سامنے رکھ کر تبیان القرآن کو لکھا ہے' میں سمجھتا ہوں کہ بحمدہٖ تعالیٰ جتنا میں نے تفسیر کبیر کو پڑھا ہے' اتنا اس کو کسی نے نہیں پڑھا ہوگا' یہی وجہ ہے کہ بہت علماء نے یہ لکھ دیا کہ امام رازی نے پوری تفسیر کبیر نہیں لکھی' ان میں علامہ ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ' علامہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تاج الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ' حافظ عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ' حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ ایسے محقق علماء شامل ہیں' جب کہ میں نے باقاعدہ تفسیر کبیر کے حوالہ جات سے واضح کیا ہے کہ پوری تفسیر حضرت امام رازی قدس سرہٗ کی ہی لکھی ہوئی ہے۔ (دیکھئے: تبیان القرآن ج ۱۰ ص ۳۴-۳۲)

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کا یہ مقام نہیں ہے کہ اس کی کہی ہوئی یا لکھی ہوئی ہر بات صحیح یا حجت ہو' اس لیے بعض مقامات پر میں نے امام رازی کی تفسیر سے نہایت ادب اور شائستگی سے اختلاف بھی کیا ہے' اس کے باوجود میرے نزدیک تفسیر میں امام رازی کا جو مقام ہے' وہ کسی اور مفسر کا نہیں ہے۔

البینہ: ۸ میں فرمایا: ان کی جزا ان کے رب کے پاس ہے' جو دائمی جنتیں ہیں' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں' اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے' یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا ○

مؤمنین صالحین کو جزا میں دائمی جنت عطا کرنے کی توجیہ

مؤمنین صالحین کی یہ نیت ہوتی ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں گے' اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اعمال صالحہ کرتے رہیں گے اور اگر وہ دوام اور خلود کی زندگی پاتے تو وہ دائماً ایمان پر قائم رہتے اور اعمال صالحہ کرتے رہتے' ان کی اس نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں دوام اور خلود عطا فرمائے گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مؤمنین صالحین کی جزا دائمی جنتیں ہیں' اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ ان کو جنت ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ملے گی' جب کہ قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ مؤمنین جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے:

الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ جس نے اپنے فضل سے ہم کو ہمیشگی کے مقام میں داخل کر دیا۔ (فاطر: ۳۵)

پس ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے' البیّنہ :۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمنین صالحین کو جنت ان کے اعمال کی وجہ سے ملے گی اور فاطر:۳۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنت اللہ سبحانہ کے فضل کی وجہ سے ملے گی' اس کا جواب یہ ہے کہ جنت ملنے کے دو سبب ہیں: حقیقی اور ظاہری' حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ظاہری سبب مؤمنین صالحین کے نیک اعمال ہیں' فاطر:۳۵ میں حقیقی سبب کا ذکر ہے اور البیّنہ :۸ میں ظاہری سبب کا ذکر ہے' اس لیے ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

مؤمنین صالحین اور مؤمنین تائبین کو ایک سے زائد جنتیں عطا فرمانے کی تحقیق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مؤمنین صالحین کی جزاء دائمی جنات ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین صالحین کو ایک سے زائد جنتیں ملیں گی' قرآن مجید میں ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۞ (الرحمٰن:۴۶)

جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا' اس کے لیے دو جنتیں ہیں ○

نیز فرمایا:

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۞ (الرحمٰن:۶۲)

اور ان دو جنتوں کے علاوہ اور دو جنتیں ہیں ○

اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین صالحین کے لیے چار جنتیں ہیں' امام رازی نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی چار پلکیں ہیں اور جب وہ خوفِ خدا سے روتا ہے تو ان چار پلکوں سے آنسو گرتے ہیں تو اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ اس کو چار جنتیں عطا فرماتا ہے' الرحمٰن:۴۶ میں خوفِ خدا کا ذکر مقدم ہے اور البیّنہ :۸ میں خوفِ خدا کا ذکر مؤخر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یہ (جزاء) ان کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے رہے' اس کا معنی یہ ہے کہ یہ چار جنتیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا ان مؤمنین صالحین کے لیے ہے جو اپنی زندگی کی ابتداء اور انتہاء میں یعنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی صورت یہ ہے کہ جب انسان کو اس کا نفس یا شیطان کسی گناہ پر اُبھارے تو اسے خدا یاد آ جائے اور وہ خوفِ خدا سے اس گناہ سے باز آ جائے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۞ (الاعراف:۲۰۱)

بے شک جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جب شیطان ان کے دلوں میں بُرے کام کا خیال ڈالتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں' سو اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ○

اگر یہ سوال کیا جائے کہ پھر تو چار جنتیں ان مؤمنین صالحین کو ملیں گی' جو گناہ کرنے سے پہلے اللہ سے ڈریں اور گناہ نہ کریں اور جو لوگ شامتِ نفس یا اغواء شیطان سے گناہ کر گزریں' ان کا کیا انجام ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ جو مؤمنین گناہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے ڈر کر توبہ کر لیں اور اپنے گناہ پر اصرار نہ کریں' ان کا بھی اللہ سبحانہ سے ڈرنے والوں میں شمار ہوگا' قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ

اور جو لوگ کوئی بے حیائی کا کام کر گزریں یا کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کریں تو فوراً اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہ پر مغفرت طلب کریں' اور اللہ کے سوا گناہوں کو کون بخشے گا' اور جس گناہ کو وہ کر چکے ہیں' اس پر دانستہ اصرار نہ کریں ○ تو ان کی جزاء ان کے

جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ۝ؕ (آل عمران: ۱۳۶۔۱۳۵)

رب کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکی کرنے والوں کا کیا خوب اجر ہے ۝

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو مؤمنین گناہ کرنے کے بعد اللہ سے ڈر کر فوراً توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔

عام مسلمانوں کی خدا خوفی کی دلیل

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے یہ کہا ہے کہ جو شخص پوری زندگی اللہ سے ڈرتا رہے اس کو چار جنتیں ملیں گی تو عام مسلمان کیسے پوری زندگی اللہ سے ڈرنے کے مصداق ہوں گے میں کہتا ہوں کہ جو مسلمان پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں وہ اللہ سبحانہ سے ہمیشہ ڈرتے رہنے کے مصداق ہیں اوّل اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی یا اس کے عذاب سے ڈر کر پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں ثانی اس لیے کہ وہ وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں بے وضو نماز نہیں پڑھتے سخت سردی میں بھی وہ وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے بے وضو نماز نہیں پڑھتے سو جو مؤمنین پانچ وقت وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں وہ اپنی ساری زندگی میں اللہ سے ڈرنے والوں کے مصداق ہیں اور اللہ کے فضل سے امید واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور ان سے جو گناہ ہو گئے ان کو بخش دے گا اور اپنے فضل سے انہیں کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کی فضیلت

تاہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا کریں اگر از خود رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کریں اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر انعامات اور احسانات کو یاد کریں پھر اپنے گناہوں کے متعلق سوچیں اور اپنے دل میں نادم ہوں پھر ندامت کے غلبہ سے آنکھوں میں آنسو لائیں حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ کے خوف سے رویا ہو حتیٰ کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے اور اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۳۳ سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۷ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۴۴ مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی: ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ جس نے اللہ کے راستہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاری ہو۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۶۳۹)

اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا جنت عطا کرنے سے بڑا انعام ہے

نیز مؤمنین صالحین کے متعلق فرمایا: اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

مؤمنین صالحین کو پہلے یہ انعام عطا فرمایا کہ ان کو دائمی جنتیں عطا کیں اس کے بعد اس سے بڑا انعام یہ فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا مؤمنین پر سب سے بڑا انعام ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تیری اطاعت کے لیے تیار ہیں ہر قسم کی خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں کیا ہوا کہ ہم تجھ سے راضی نہ ہوں اے ہمارے

رب! تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے' جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں عطا کیا' اللہ عزوجل فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز نہ عطا کروں؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! اس سے افضل چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ سبحانہ فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا حلال کرتا ہوں' میں اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۴۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۵۵' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۷۴۹)

اللہ تعالیٰ کی رضا اور بندوں کی رضا کے محامل

اللہ تعالیٰ کے بندوں سے راضی ہونے اور بندوں کے اللہ سے راضی ہونے کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندوں نے دنیا میں جو نیک کام کیے اور اللہ سبحانہ کے احکام کی اطاعت کی' اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے راضی ہو گا۔

اور بندوں کے راضی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو نیک اعمال کی توفیق دی اور آخرت میں جو ان پر انعام اور اکرام کیا' بندے اس سے خوش ہو گئے۔

(۲) اللہ کے راضی ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندوں نے اپنی نجات کے لیے جو نیک کام کیے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرما لیا اور اس پر ان کو ثواب عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ان پر انعام ہے کہ اس نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ان سے راضی ہو گیا۔

اگر اللہ ان کو معاف فرما دیتا اور ان سے درگزر فرماتا تو یہ بھی اس کا کرم تھا اور اس کا کرم بالائے کرم یہ ہے کہ وہ ان سے راضی ہو گیا۔ بندے اس سے راضی ہو گئے یعنی اس کے فضل اور اس کے لطف سے خوش ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پُر مشقت کاموں کا مکلف کیا اور ان پر آفات اور مصائب ڈالے اس کے مقابلہ میں جب آخرت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا انعام اور اکرام دیکھا تو دنیا کی تمام سختیاں ان پر آسان ہو گئیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی اور نیک کاموں پر ان کی تحسین کی۔

بندے اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو جو ان کے اعمال کی جزاء عطا فرمائی' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ رضا کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی قضاء پر دل کا خوش ہونا اور قلمِ تقدیر پر دل کا مطمئن ہونا۔

بندہ جسم اور روح کا مجموعہ ہے' جسم کی جنت' جنت الفردوس اور جنت عدن ہے اور روح کی جنت اس کے رب کی رضا ہے' بندہ پر ابتدائی انعام جنت ہے اور انتہائی انعام اس کے رب کی رضا ہے' پہلے اللہ کے راضی ہونے کا ذکر فرمایا' پھر بندے کے راضی ہونے کا ذکر فرمایا کیونکہ خالق کا ذکر بندوں کے ذکر پر مقدم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خوف کی دو تفسیریں

اس کے بعد فرمایا: یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا۔

بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ جب ان کے دل میں کسی گناہ کا خیال آئے تو وہ اللہ کے خوف سے اس گناہ سے باز رہتے ہیں اور بعض عارفین نے کہا: جب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں' پھر بھی اللہ سبحانہ کے خوف سے لرزہ براندام ہوتے ہیں' پتا نہیں ہماری یہ اطاعت اور عبادت قبول ہو گی یا نہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ . (المؤمنون: ۶۰)

وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں (کیا پتا یہ عمل قبول ہو یا نہ ہو)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس

آیت کے متعلق سوال کیا: یارسول اللہ! آیا یہ ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اے صدیق کی بیٹی! یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں' نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ کرتے ہیں اور وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے نیک اعمال قبول نہ کیے جائیں' یہ وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۵' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۹۸' مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۹)

اس آیت کے ساتھ جب درج ذیل آیت ملائی جائے تو اس میں علم اور علماء کی فضیلت پر دلیل ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ. اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (فاطر: ۲۸)

اور جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں' ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ؕ'' (البینہ: ۸)۔

اس سے واضح ہوا کہ صحابہ اور اخیار تابعین کے بعد علماء عاملین کے متعلق یہ کہنا جائز ہے: رضی اللہ عنہم' مثلاً امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ' امام بخاری رضی اللہ عنہ' امام رازی رضی اللہ عنہ' غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اور ہم ایسے لوگوں کے متعلق کہنا چاہیے عفی عنہ یا غفرلہٗ مثلاً غلام رسول سعیدی غفرلہٗ۔

کوئی مسلمان اپنے نجات یافتہ اور جنتی ہونے کا دعویٰ نہ کرے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کوئی مسلمان کبھی بھی اس مرتبہ پر نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ سبحانہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بے خوف ہو جائے اور اس کو یہ علم ہو کہ وہ اہل جنت سے ہے' ماسوا انبیاء علیہم السلام کے کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہ اہل جنت سے ہیں' اس کے باوجود وہ تمام مسلمانوں سے زیادہ اللہ سے ڈرتے ہیں' حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اتقاکم و اعلمکم باللّٰہ انا. بے شک مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا علم ہے اور میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۲۱۶)

واللّٰـہ انی لارجو ان اکون اخشاکم للّٰہ واعلمکم بما اتقی. (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۱۱۰) اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کا علم رکھنے والا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۵۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس مسئلہ میں یہ حدیث بہت واضح ہے:

خارجہ بن زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ ام العلاء انصاریہ کہتی ہیں کہ جب مہاجرین کو تقسیم کیا گیا تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون آئے' ہم نے ان کو اپنے گھر میں ٹھہرایا' وہ بیمار ہو گئے اور اس بیماری میں فوت ہو گئے' ان کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے حضرت عثمان بن مظعون کے متعلق کہا: میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ نے تمہارا اکرام کیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کا اکرام کیا ہے؟ میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ پر میرا باپ فدا ہو' پھر اللہ کس کا اکرام کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ان کے اوپر تو موت آ چکی ہے اور مجھے ان کے لیے خیر کی امید ہے اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا' حضرت ام العلاء کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے پھر کبھی کسی کی ایسی تعریف نہیں کی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۲۴۳' مسند احمد

ج٦ص٤٣٦) سو کسی مسلمان کا خود کو جنتی کہنا جائز نہیں ہے۔

آپ کو از خود اپنا حال معلوم نہیں تھا' تاہم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ کو مقام محمود پر فائز کیا جائے گا اور شفاعت کبریٰ عطا کی جائے گی۔

سورۃ البیّنہ کی تفسیر کا اختتام

الحمد للہ رب العلمین! آج ٣ ذوالقعدۃ ١٤٢٦ھ/ ٦ دسمبر ٢٠٠٥ء کو سورۃ البیّنہ کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے رب کریم! میری اس تفسیر کو مکمل فرما دے اور میری جملہ تصانیف کو قیامت تک فیض آفریں رکھ اور میری' میرے والدین' میرے اساتذہ' میرے احباب اور میرے قارئین کی مغفرت فرما دے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین اکرم الاولین
والاٰخرین شفیع المذنبین وعلیٰ آلہ واصحابہ
وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة الزلزال

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام الزلزال ہے' کیونکہ اس کی پہلی آیت میں "الزلزال" کا ذکر ہے' وہ آیت یہ ہے:

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۝ (الزلزال:۱) جب پوری زمین زلزلہ کی شدت سے ہلادی جائے گی ۝

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ "اذا زلزلت" مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔(درمنثورج ۸ص ۵۳۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یا رسول اللہ! مجھے قرآن پڑھایئے' آپ نے فرمایا: "ذوات الراء" (مثلاً "الٓمٓر") سے تین سورتیں پڑھو'اس شخص نے کہا: میری عمر زیادہ ہوگئی' میرا دل سخت ہوگیا اور میری زبان موٹی ہوگئی' آپ نے فرمایا: پھر "ذوات حٰم" سے تین سورتیں پڑھو'اس نے پھر پہلی بات دہرائی' آپ نے فرمایا: "مسبحات" (جن کے شروع میں "سبح" یا "یسبح" ہے) میں سے تین سورتیں پڑھو'اس نے پھر پہلی بات دہرائی اور کہا: یارسول اللہ! مجھے کوئی سورتِ جامعہ پڑھایئے' تب آپ نے اس کو "اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا" پڑھائی' حتیٰ کہ اس کو پڑھا کر فارغ ہوگئے' اس شخص نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' میں اس پر کوئی زیادتی نہیں کروں گا' تب آپ نے فرمایا: یہ شخص کامیاب ہوگیا' یہ شخص کامیاب ہوگیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۳۹۹' سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث:۸۰۲۷' مسند احمد ج ۲ص ۱۶۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے "اذا زلزلت" پڑھی' وہ نصف قرآن کے برابر ہے اور جس نے "قل ھو اللّٰہ احد" پڑھی' وہ تہائی قرآن کے برابر ہے اور جس نے "قل یایھا الکافرون" پڑھی' وہ ربع قرآن کے برابر ہے۔(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۸۹۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اذا زلزلت" نصف قرآن کے برابر ہے اور "قل ھو اللہ احد" تہائی قرآن کے برابر ہے اور "قل یایھا الکافرون" ربع قرآن کے برابر ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۸۹۴)

بنو جہینہ کے ایک شخص نے کہا: اس نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کی دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت الارض" پڑھی' میں نہیں جانتا کہ آپ بھول گئے تھے یا آپ نے عمداً اس طرح پڑھا۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۸۱۶)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے اور اس میں

''اذا زلزلت الارض'' پڑھتے تھے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۰)

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۹ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۹۳ ہے۔

الزلزال: ۵۔امیں یہ بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن زمین میں شدید زلزلہ آئے گا' اس دن قبر سے مردے نکل پڑیں گے اور زمین کی پشت پر جس نے جو بھی کام کیا ہے وہ اس کی خبر دے گا۔

الزلزال: ۶ میں یہ بیان فرمایا کہ تمام مخلوق حساب کے لیے میدانِ محشر میں جمع ہوگی' پھر لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا' نیکوکار جنت میں جائیں گے اور بدکار دوزخ میں۔

سورۃ الزلزال کی مناسبت سے اب ہم زلزلہ سے متعلق ایک اہم مقالہ نقل کر رہے ہیں:

زلزلہ کی تعریف' اس کے اسباب اور اثرات اور اس کی تاریخ

زلزلے کو قدرتی آفات میں سب سے ہولناک اور تباہ کن تصور کیا جاتا ہے' زمین کے اندر تہوں میں چٹانوں کے درمیان عرصہ سے جاری حرکت کے باعث پیدا ہونے والی توانائی کے اخراج سے سطح زمین پر ہونے والی ہلچل کا نام زلزلہ ہے' جس کے اچانک نمودار ہونے سے پلک جھپکتے میں ہزاروں انسان لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ ہماری زمین کی پرسکون سطح کے نیچے ہر دم تبدیلی اور اتھل پتھل کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے اور جہاں تحت قشر ارض کی چٹانیں اور لمبی سپاٹ تہیں آپس میں بے پناہ زمینی دباؤ کے تحت جڑی ہوئی ہوتی ہیں' اگر ان کے ان جوڑوں کے نیچے توانائی مجتمع ہونے لگے تو لاکھوں سال بعد توانائی کا دباؤ چٹانوں کے دباؤ سے بڑھ جاتا ہے' جس کے نتیجے میں یہ تہیں اور چٹانیں تھرکنے اور سرکنے لگتی ہیں تاکہ توانائی خارج کر سکیں' ان کی ان حرکت سے سطح زمین متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور حرکت کا یہ سلسلہ سطح زمین پہ موجود پہاڑوں' چٹانوں' سمندروں اور رہائشی علاقوں میں عمارات میں منتقل ہو جاتا ہے۔

جتنی شدت سے زیر زمین حرکت ہوگی' اتنی ہی شدت سے سطح زمین پر بھی ہلچل نمودار ہوگی۔ فی زمانہ زلزلے ہمارے لیے ایسی ناقابل پیش گوئی قدرتی آفت کا درجہ رکھتے ہیں' جس سے انسانی جانوں اور املاک کا ناقابل تلافی نقصان وقوع پذیر ہوتا ہے۔ سائنسدان اس بات پہ تحقیق کر رہے ہیں کہ زمین کے کون سے حصے ایسی پلیٹوں پر مشتمل ہیں جن کی تہہ میں یہ چھپا ہوا خطرہ موجود ہے۔

زلزلہ کی تاریخ

سائنس کی دنیا میں زلزلوں کا مطالعہ اور ان پر تحقیق زیادہ پرانی نہیں ہے' اٹھارویں صدی تک زلزلے کے چند ہی واقعات نوٹ کیے گئے ہیں' جب کہ اس وقت تک زلزلوں پر تحقیق جب کہ ان کے آنے پر ان کی وجوہات کو بھی جاننے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی' البتہ غیر حقیقی روایتی تشریحات پر لوگ یقین رکھتے تھے' مثلاً زمین کو ایک بیل نے اپنے سینگوں پر اٹھا رکھا ہے اور جب اس کا ایک سینگ تھک جاتا ہے تو وہ سینگ بدلتا ہے اور دوسرے سینگ پر زمین کے بوجھ کو لیتا ہے' جس کی وجہ سے زمین ہلتی ہے اور زلزلہ آ جاتا ہے۔

زلزلے کا سب سے پرانا معلوم واقعہ چین کا ہے' جہاں ۱۱۷۷ ق م کے زلزلے کا تاریخ سے پتہ چلتا ہے' یورپ کے ۵۸۰ بعد مسیح کے زلزلے کا قصہ سینہ بہ سینہ سولہویں صدی کے وسط اور ۱۴۷۱ء کا پیرو کا زلزلہ بمعہ اپنی ہلاکتوں اور املاک کے نقصان کے تخمینوں کے ساتھ کتابوں میں موجود ہے' مگر تحقیقی اعتبار سے یہ بھی ناکافی ہے' البتہ سترھویں صدی سے زلزلوں کے واقعات کے چند ریکارڈ تحقیقی نقطہ نظر سے اہمیت کے حامل ہیں۔ اٹھارویں صدی سے تو باقاعدہ ان پر مطالعہ اور تحقیق شروع ہوگئی' جس کا

نقطۂ آغاز ۱۸۱۲ء۔۱۸۱۱ء کا امریکہ کے علاقے نیومیڈرڈ' مسوری میں زلزلہ تھا' جس کی باقاعدہ ریکٹر اسکیل پر پیمائش کی گئی اور اسے ۸ درجے کا زلزلہ مانا گیا' یہ زلزلہ ۱۶ دسمبر ۱۸۱۱ء کو صبح کے وقت ان علاقوں میں اپنی تباہی پھیلا گیا۔ ۲۳ مارچ ۱۸۱۲ء کو ان ہی علاقوں میں اتنی ہی شدت کا ایک اور زلزلہ آیا اور تباہ حال لوگوں پر قیامت ڈھا گیا اور ۷ فروری ۱۸۱۲ء کو اس زلزلے کے بعد زلزلے کے جھٹکوں نے ان علاقوں کو مکمل قبرستان میں تبدیل کر دیا۔ حالیہ تاریخ کا شمالی امریکہ کے علاقے سان فرانسسکو ۱۹۰۶ء زلزلہ ریکارڈ موجود ہے' جس میں ۷۰۰ افراد لقمۂ اجل بنے' جب کہ ۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء کے الاسکا کے زلزلے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پانچ لاکھ مربع میل کے دائرے میں محسوس کیا گیا اور سان فراسسکو کے زلزلے سے اس کی شدت دگنی تھی' معلوم انسانی تاریخ کا یہ شدید ترین زلزلہ تھا' مگر الاسکا میں چونکہ انسانی آبادی خال خال ہے' لہٰذا املاک اور جانوں کا اتلاف بہت کم ہوا' زلزلے کے مرکزی حصے میں زمین کی حرکت اتنی شدید تھی کہ کسی درخت پر کوئی پتہ اور کوئی شاخ نہیں بچی۔

زلزلہ کہاں آسکتا ہے؟

ہماری زمین مختلف تہوں پر مشتمل ہے' جن میں ہر تہہ کے الگ طبعی اور کیمیائی خواص ہیں' بیرونی تہہ یا سطح ارض کی موٹائی ۷۰ کلومیٹر ہے' جو تقریباً تہہ در تہہ آپس میں لپٹی ہوئی ایک درجن ناہموار سطحی تہوں پر مشتمل ہے' جن میں سے ہر تہہ کی بالائی سطح سخت اور ناہموار ہے' جبکہ اس سے اوپر کی تہہ کی زیریں سطح نرم اور پگھلی ہوئی چٹانوں پر مشتمل ہے' زیادہ تر زلزلے ان تہوں کے ان حصوں میں آتے ہیں' جہاں پر آپس میں جڑتی ہیں' ان پلیٹوں کی ان حد بندیوں کو جہاں یہ آپس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں' باؤنڈریز کہا جاتا ہے۔ ان کی تین اقسام ہیں:

(۱) اسپریڈنگ زون (Spreadin Zone): وہ جگہ ہوتی ہے' جہاں تہوں کے نیچے پگھلی ہوئی چٹانیں موجود ہوتی ہیں اور وہ باؤنڈریز پھاڑ کر اپنی جگہ بناتی ہیں اور ان باؤنڈریز کے درمیان نئے مادے کو بھر دیتی ہیں' زیادہ تر اسپریڈنگ زون زیرِ آب پائے جاتے ہیں اور اکثر سمندروں کی تہوں کے نیچے اس طرح کے زون واقع ہیں' اسپریڈنگ زون کے زلزلے زمین کی تہہ کے ۳۰ کلومیٹر نیچے تک کے علاقے میں وقوع پذیر ہوتے ہیں' انسانوں سے سب سے زیادہ قریب اسپریڈنگ زون کیلی فورنیا اور میکسیکو کے ساحلی علاقے ہیں۔

(۲) ٹرانسفارم فالٹ (Transform Fault): وہ جگہیں ہوتی ہیں' جہاں دو تہوں کے کنارے اوپر تلے واقع ہوتے ہیں' ان میں شمالی امریکا' یوریشین اور مڈ اٹلانٹک پلیٹس شامل ہیں' یہاں زلزلہ نسبتاً ہلکا ہوتا ہے۔

(۳) سب ڈکشن زون (Subduction Zone): کافی خطرناک علاقہ ہوتا ہے' یہاں زیرِ زمین تہوں میں اوپر کی تہہ بہت وزنی اور دباؤ والی ہوتی ہے' جو اپنی نچلی تہہ کو ایسی گہرائی میں مسلسل دھکیلتی ہے' جہاں اس کی چٹانیں پگھلنے لگتی ہیں اور سطح زمین پر بہت شدت کی حرکت ظہور میں آتی ہے' ایسی جگہوں میں امریکہ' مغربی کینیڈا' الاسکا اور تقریباً تمام پہاڑی علاقے شامل ہیں' خاص کر وہ پہاڑی سلسلے جن میں آتش فشاں موجود ہوں۔

زلزلے ان فالٹس اور زونز کے علاوہ بھی آسکتے ہیں' مگر ان کی شرح ۱۰ فیصد ہے اور یہ زمین کی ان ہی تہوں کے درمیان تبدیلی کی وجہ سے آتے ہیں' جن کے درمیان چٹانیں بڑی مقدار میں پگھل جاتی ہیں یا ان میں سے کسی تہہ کی زیریں سطح اتنی اوپر والی تہہ کا دباؤ برداشت نہیں کر پاتی اور اپنی جگہ چھوڑنے لگتی ہے۔ نیومیڈرڈ امریکہ میں ۱۸۱۲ء۔۱۸۱۱ کے زلزلے ایسی ہی تبدیلی کا شاخسانہ تھے' جہاں چارلسٹن کی پلیٹ نے نارتھ امریکہ کی پلیٹ کو ہلا دیا تھا۔

زلزلے کس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں؟

زلزلہ ایک تھرتھراہٹ کا نام ہے' جو سطح زمین میں ہوتی ہے' زمین کی بیرونی سطح پر یہ تھرتھراہٹ اس کے نیچے ہونے والی تبدیلی کا مظہر ہوتی ہے' یہ تبدیلی جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ تہوں کے درمیان چٹانوں کی تبدیلی سے آتی ہے یا قریب ترین آتش فشاں کی جولانیوں کے نتیجے میں ہونے والی زیرزمین ارتعاشی لہروں کی وجہ سے آتی ہے یا پھر حضرت انسان کی زیرزمین دھماکہ کرنے کی کارستانیوں کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے' تینوں وجوہات سے Earths Crust یا قشر ارض مرتعش ہوکر اپنی جگہ چھوڑ کر نئی جگہ پر سیٹ ہوتا ہے یا پھر اس میں شدید ارتعاش سے گہری دراڑیں پڑ جاتی ہیں' بعض اوقات ان دراڑوں میں سطح پر موجود چیزیں ان میں گر جاتی ہیں اور دوسرے ارتعاش سے جب یہ دراڑیں باہم ملتی ہیں تو ان کے درمیان آنے جانے والی سطح زمین کی تمام چیزیں زمین میں میلوں نیچے دفن ہو جاتی ہیں' قشر ارض کی اس تھرتھراہٹ کو Seismic Waves یا بھونچالی لہریں کہا جاتا ہے' سطح کو دیر تک مرتعش رکھتی ہیں' حتیٰ کہ سطحی تہہ کسی مناسب جگہ پر مکمل طور پر سیٹ ہوکر پرسکون نہ ہو جائے' اس کی مثال کسی ٹیوننگ فورک یا بڑی گھنٹی کی طرح ہوتی ہے' جو ایک چوٹ پر دیر تک تھرتھراتے رہتے ہیں۔ فالٹ سطح زمین کے نیچے دو تہوں کے متوازی یا مخالف سروں کے باہم ملنے والی جگہوں کو کہا جاتا ہے' ان کی تین اقسام ہیں:

(۱) نارمل فالٹ (Normal Faults): میں عموماً دو متوازی یا مخالف زیرزمین تہہ کے سرے ایک دوسرے کا دباؤ برداشت نہ کرتے ہوئے ایسی جگہوں سے باہم ملنے لگتے ہیں' جہاں دباؤ نسبتاً کم ہوتا ہے' ان کی اس حرکت کا سطح زمین پہ اثر پڑتا ہے اور زلزلہ وقوع پذیر ہوتا ہے۔

(۲) تھرسٹ فالٹس (Thrust Faults): زمین کے نیچے موجود ان تہوں کے باہم ملنے کی جگہیں ہوتی ہیں' جہاں فالٹس سے کچھ دور اس تہہ کے نیچے تبدیلی وقوع پذیر ہوتی ہے اور جس تہہ کے نیچے تبدیلی نہ ہو' وہ اپنے دباؤ سے اس تہہ کو ایک جھٹکے سے دوسری طرف یا مخالف سمت دباتی ہے اور فالٹ کے نیچے تبدیلی نہ آنے کے باوجود وہ جگہ زلزلے کا شکار ہو جاتی ہے' اس میں مرکز کوئی اور جگہ ہوتی ہے' مگر زلزلہ کہیں اور آتا ہے یعنی جہاں فالٹ موجود ہوتا ہے زلزلہ وہاں آتا ہے' بعض اوقات تبدیلی کا مرکز زلزلہ آنے کی جگہ سے میلوں دور واقع ہوتا ہے' مگر اس جگہ سطح ارضی پر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی اور جہاں کچھ نہیں ہوتا' وہاں ایک تہہ کے دباؤ کے زوردار جھٹکے سے سطح ارض پہ تباہی پھیل جاتی ہے۔

(۳) اسٹرائیک سلپ فالٹ (Strike-Slip Faults): وہ جگہ ہوتی ہے جہاں زمین کی ایک تہہ دوسری تہہ پر افقی حیثیت میں چڑھ بیٹھتی ہے' اس میں عین فالٹ کی لائن پر دور تک زمین کی ایک تہہ اپنی زیریں سطح کے پگھلنے یا کسی اور وجہ سے بیٹھ جاتی ہے اور اس کے متوازی دوسری تہہ کا کنارہ اس کے رقبے پر چڑھ جاتا ہے' جس سے بیرونی سطح ارض پہ زبردست بھونچال آتا ہے اور بیرونی سطح کا بڑا حصہ تھرکنے اور دراڑیں پڑنے سے خود پر موجود ہر چیز کو تباہ کرتا ہے۔ زیرزمین سطحوں کی یہ تبدیلی اگر ۷۰ کلومیٹر کی گہرائی تک وقوع پذیر ہو تو اسے Shallow زلزلہ یا سطحی زلزلہ کہیں گے جبکہ ۷۱ سے ۳۰۰ کلومیٹر یعنی ۴۳ سے ۱۸۶ میل گہری تہوں میں ہلچل کو Intermediate یا درمیانی گہرائی کا زلزلہ کہا جاتا ہے' جبکہ ۷۰۰ کلومیٹر یعنی ۴۳۵ میل کی گہرائی تک ہونے والی تبدیلیوں کا اثر سطح ارضی پر پڑتا ہے اور اسے Deep زلزلہ کہا جاتا ہے' جبکہ ان تمام تبدیلیوں کا ذکر عمومی طور پر ۶۳۷۰ کلومیٹر نیچے یعنی ۳۹۶۰ میل نیچے مرکز ارض میں ہوتا ہے۔

زلزلہ پیمائی

زلزلہ پیمائی کا آغاز ڈاکٹر چارلس ایف ریکٹر کے ایجاد کردہ آلے سے ہوا' جو انہوں نے کیلیفورنیا انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں طویل تحقیق کے بعد ایجاد کیا' ان کا یہ آلہ فی زمانہ زلزلہ پیمائی کے لیے انتہائی معتبر ہے' یہ آلہ ریاضی کی شاخ ''لاگر تھم'' کے اصولوں پہ کام کرتا ہے' جس میں زمین کے ۱۰ دفعہ کے ارتعاش کو ۶ گنا جاتا ہے' ساڑھے تین منٹ اور ۷ سے اوپر ریڈنگ والے زلزلوں کو تباہ کن زلزلہ قرار دیا جاتا ہے جب کہ ریکٹر اسکیل پر ۲ ریڈنگ کا وہ کم از کم زلزلہ ہے' جسے انسان محسوس کر سکتے ہیں۔ زلزلے کی ابتدائی علامات گڑگڑاہٹ ہوتی ہے' جو تھوڑی ہی دیر میں سطح زمین کی تھرتھراہٹ میں تبدیل ہو جاتی ہے' جس کے ساتھ ہی جھٹکے لگنے شروع ہو جاتے ہیں اور زمین پہ موجود ٹیلے' پہاڑیاں' چٹانیں اور عمارات ان جھٹکوں سے تباہ ہونا شروع ہو جاتی ہے' یہ جھٹکے بہت جلد زمین کے تیزی سے ہلنے میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور سطح زمین پہ موجود چیزوں کی تباہی میں سرعت آ جاتی ہے۔

پاکستان میں اکتوبر کی ۸ تاریخ کو سات اعشاریہ آٹھ اور اس کے بعد چھ اعشاریہ چار کی شدت سے آنے والے دو زلزلوں میں جتنی توانائی خارج ہوئی ہے' وہ ایک میگاٹن کے ساٹھ ہزار ایٹم بموں کے دھاکوں کے برابر تھی' کراچی یونیورسٹی کے جیالوجسٹ ڈاکٹر نیر ضیغم کے مطابق پاکستان کے زیر اہتمام کشمیر اور شمالی علاقوں میں اتنے شدید زلزلے کی وجہ زمین کی سطح سے صرف دس سے بیس کلومیٹر کی گہرائی پر توانائی کی بڑی مقدار کا اخراج تھا۔ انہوں نے کہا کہ اتنے شدید زلزلے نے ایک ڈگری اسکوائر کے علاقے میں دوسری فالٹ لائنز کو بھی متحرک کر دیا ہے اور ماضی میں غیر متحرک یا سوئی ہوئی سالٹ لائنز بھی زلزلوں کے باعث بن رہی ہیں' ڈاکٹر نیر نے کہا کہ پندرہ تاریخ تک اس علاقے میں ۷۵ زلزلے ریکارڈ کیے گئے' جن کو سائنسی اصطلاح ''آفٹر شاک'' یا جھٹکے کہنا ٹھیک نہیں' بلکہ یہ علیحدہ زلزلے تھے' انہوں نے کہا کہ اب تک ماہرین کا خیال بھی تھا کہ یہ بڑے زلزلے کے بعد آنے والے جھٹکے ہیں لیکن ان زلزلوں کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ یہ الگ الگ زلزلے تھے اور کسی ایک جگہ نہیں آ رہے' انہوں نے کہا کہ ہمالیہ پہاڑیوں کے ''تھرسٹ سسٹم'' میں ارتعاش پیدا ہو گیا ہے۔

پاکستان میں آنے والے زلزلوں کا محور زیادہ تر ملک کا شمالی اور مغربی حصہ ہوتا ہے جو کہ انڈین پلیٹ کے علاوہ ایران اور افغان مائکرو پلیٹ کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ چمن فالٹ پاکستان کی مغربی سرحدوں میں افغانستان کے ساتھ منسلک ہے۔ اس کا آغاز قلات سے ہوتا ہے جو شمالی مکران رینج میں واقع ہے۔ وہاں سے کوئٹہ کی طرف جاتا ہے' پھر کابل جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ مکران کے ساحل کے ساتھ ساتھ ایک اور فالٹ بھی موجود ہے اور یہ اپنی فطرت میں مغربی سرحدوں میں واقع فالٹ جیسا ہے۔ اس کا سلسلہ مہاراشٹر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلا گیا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں آنے والا بدترین زلزلہ اسی فالٹ میں واقع تھا۔ یہ زون دراصل عربین اور ایرانی مائیکرو پلیٹس کے درمیان حد بندی کا کام کرتا ہے' تھرسٹ زون (Thrust Zone) کیرتھر کوہ سلیمان اور سالٹ رینجز کے ساتھ ساتھ ہے۔ کراچی کے اردگرد چار عدد فالٹس موجود ہیں' جبکہ کراچی کے علاوہ انڈس ڈیلٹا اور مکران کا ساحل بھی ان فالٹس کی زد میں ہیں۔ ان میں سب سے پہلا فالٹ اللہ بند فالٹ ہے' جو کہ شاہ بندر' جاہ' پاکستان اسٹیل مل کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا شہر کے مشرقی حصوں سے گزر کر کیپ مانز' ہاکس بے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس فالٹ زون کے باعث گزشتہ صدیوں میں بہت زیادہ نقصان ہوا ہے۔ اسی فالٹ زون کے باعث نقصان پہنچا تھا' دوسرا فالٹ بھنبھور تباہ ہو گیا تھا جبکہ ۱۸۹۶ء میں شاہ بندر کو بھی شدید نقصان پہنچا تھا۔ دوسرا فالٹ زون رن آف کچھ سے شروع ہوتا ہے۔ تیسرا فالٹ زون پب فالٹ (Pubb Fault) کہلاتا ہے جو کہ بحیرہ عرب میں مکران کے ساحل پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ آخری

فالٹ زون ڈسٹرکٹ داؤد میں سرجانی کے مقام پر واقع ہے اور کراچی کی حدود میں ختم ہوتا ہے۔ پاکستان کے ساحلی علاقوں کو بلند و بالا سمندری لہروں سے بھی خاصا نقصان پہنچا ہے۔ ۱۹۴۵ء میں آنے والے بدترین زلزلے کے باعث مکران کے ساحل پر ۱۲ کلومیٹر بلند سمندری لہروں نے زبردست تباہی مچائی تھی۔

محکمہ موسمیات، حکومتِ پاکستان کے جاری کردہ ایک نقشے کے مطابق ملک کو چار زون میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مکران کے ساحل کے ساتھ ساتھ کوئٹہ کے اطراف کا علاقہ اور افغان سرحد کے ساتھ صوبہ سرحد کا کچھ علاقہ زون نمبر ۴ میں شمار کیا جاتا ہے۔ صوبہ سرحد کا بقیہ علاقہ زون نمبر ۳ میں شامل ہے۔ پاکستان کا بقیہ حصہ کراچی کی حدود تک زون نمبر ۳ میں ہی شامل ہے۔ ملک کا بقیہ حصہ زون نمبر ۲ میں شامل ہے۔ اس زون میں پشاور، راولپنڈی اور اسلام آباد شامل ہیں۔ اس کے باوجود یہ تینوں شہر شمالی علاقوں یا افغانستان میں آنے والے زلزلوں سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔

بلوچستان کا بالائی مغربی حصہ اور بھارت کی سرحدوں کے ساتھ کا علاقہ زلزلے کے فالٹ زون نمبر ا میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس زون میں لاہور بھی شامل ہے۔ ۱۹۰۵ء میں کانگڑہ (بھارت) میں آنے والا زلزلہ لاہور پر بھی اثر انداز ہوا تھا۔

برصغیر پاک و ہند میں زلزلے، تاریخ کے آئینے میں

(۱) ۸۹۳ء۔۸۹۴ء، دیبل (زیریں سندھ) پاکستان۔ ریکٹر اسکیل پر شدت ۷.۵ درجے، ۱۵ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور متعدد بستیاں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

(۲) ۲ مئی ۱۶۶۸ء، شاہ بندر (زیریں سندھ) پاکستان۔ ۷.۶ درجے کی شدت۔

(۳) ۱۶ جون ۱۸۱۹ء، اللہ بند (پاک بھارت سرحد پر واقع)، ۷.۵ درجے کی شدت۔

۱۲۰۰ افراد ہلاک ہوئے اور رن کچھ کے علاقے میں درجنوں بستیاں ختم ہوگئیں۔ اس ہولناک زلزلے کے باعث ساحلی علاقے میں تقریباً ۹۰ کلومیٹر کا علاقہ شدید ترین انداز میں متاثر ہوا اور زمین کی سطح ۴ میٹر بلند ہوگئی۔ اس زلزلے کے اثرات پورے برصغیر پاک و ہند میں محسوس کیے گئے، حتیٰ کہ کلکتہ میں بھی اس کے جھٹکے واضح طور پر محسوس ہوئے تھے۔

(۴) ۲۶ ستمبر ۱۸۲۷ء، لاہور، پاکستان۔ اس زلزلے کے باعث لاہور اور قرب و جوار کے تقریباً ایک ہزار افراد ہلاک ہوئے۔

(۵) ۲۴ جنوری ۱۸۵۲ء، کاہان (بلوچستان)۔ تقریباً ۳۵۰ تا ۱۲۵۰ افراد ہلاک ہوئے۔ انسانی جانوں کے علاوہ ہزاروں مویشی بھی ہلاک ہوئے۔

(۶) ۱۸۶۵ء، کاہان (بلوچستان)۔ کچھ عمارتیں تباہ ہوگئی تھیں۔

(۷) ۱۸۸۳ء، جھالاوان (بلوچستان)۔ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔

(۸) ۱۸۸۹ء، جھالاوان (بلوچستان)۔ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔

(۹) ۲۰ دسمبر ۱۸۹۲ء، چمن (پاک افغان سرحد)۔ ریکٹر اسکیل پر شدت: ۶.۸ درجے، اس زلزلے کے اثرات پورے بلوچستان میں محسوس کیے گئے، اس کا مرکز کھوجک کے علاقے میں تھا۔

(۱۰) ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء، اورالائی اور سبی (بلوچستان) کا درمیانی علاقہ۔ شدت ۷.۰ درجے، ۱۰۰ سے زائد افراد ہلاک ہوئے اور متعدد گاؤں نیست و نابود ہوگئے۔

(۱۱) یکم فروری ۱۹۲۹ء، بونیر اور ہزارہ (صوبہ سرحد) میں یہ زلزلہ آیا تھا۔ زلزلے کے نقصانات کی تفصیل دستیاب نہیں ہے، زلزلہ مقامی وقت کے مطابق رات گیارہ بجے ایبٹ آباد کے شمال میں آیا تھا۔

(۱۲) ۲۵ اگست ۱۹۳۱ء شاریگھ (بلوچستان) زلزلے سے متعدد کچے مکانات مسمار ہوگئے۔

(۱۳) ۲۷ اگست ۱۹۳۱ء مچھ (بلوچستان) کوئٹہ میں اس زلزلے کے باعث متعدد افراد ہلاک ہوئے تھے۔

(۱۴) ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء کوئٹہ (پاکستان) ریکٹر اسکیل پر شدت ۸.۱ درجے اس خوفناک زلزلے کے باعث کوئٹہ شہر میں ۳۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے تھے اور کوئٹہ مکمل طور پر تباہ ہوگیا تھا۔

(۱۵) ۲۱ نومبر ۱۹۳۹ء بدخشان (افغانستان) شمال مشرقی افغانستان شمالی پاکستان شمالی بھارت کے علاقوں میں اس کے اثرات محسوس کیے گئے تھے۔

(۱۶) ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء مکران کا ساحلی علاقہ (بلوچستان) ۷.۹ درجے کی شدت جنوبی پاکستان اور ایران میں ۲۰۰۰ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ ساحل سمندر پر ۱۲ میٹر اونچی لہریں بلند ہوئی تھیں۔ وسیع پیمانے پر املاک کا نقصان بھی ہوا تھا۔

(۱۷) ۲۸ دسمبر ۱۹۷۴ء شمال مشرقی مالاکنڈ (صوبہ سرحد)۔ ۵۰۰۰ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ مزید تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔

(۱۸) ۱۲ ستمبر ۱۹۸۱ء گلگت (شمالی پاکستان) اس زلزلے کے باعث ۲۲۰ افراد ہلاک ہوئے اور ۲۵۰۰ افراد زخمی ہوئے تھے۔ زلزلے کے اثرات راولپنڈی پشاور اور سری نگر میں بھی محسوس کیے گئے تھے۔

(۱۹) ۳۰ دسمبر ۱۹۸۳ء کوہ ہندوکش (افغانستان) اس زلزلے کے باعث کابل اور سمنگان میں ۱۲ افراد ہلاک ہوئے جبکہ پشاور میں ۱۴ افراد ہلاک ہوئے۔ زلزلے کے اثرات تاجکستان ازبکستان کرغزستان شمالی پاکستان اور شمالی بھارت میں بھی محسوس کیے گئے تھے۔

(۲۰) ۲۹ جولائی ۱۹۸۵ء کوہ ہندوکش (افغانستان)۔ شدت ۷.۴ درجے چترال اور سوات کے علاقوں میں ۵ افراد ہلاک ہوئے جبکہ تاجکستان کا علاقہ بھی متاثر ہوا تھا۔

(۲۱) ۳۱ جنوری ۱۹۹۱ء کوہ ہندوکش (افغانستان) شدت ۶.۷ درجے اس زلزلے میں افغانستان کے علاقے کنڑ ننگرہار اور صوبہ بدخشاں میں ۲۰۰ تا ۴۰۰ افراد ہلاک ہوئے تھے جبکہ مالاکنڈ چترال اور پشاور کے علاقوں میں ۳۰۰ افراد ہلاک ہوئے۔ زلزلے کے اثرات نئی دہلی اور تاشقند میں بھی محسوس کیے گئے۔

(۲۲) ۲۷ فروری ۱۹۹۷ء ہرنائی (بلوچستان) یہ انتہائی طاقتور زلزلہ کہا گیا ہے اس کی شدت ۷.۳ درجے تھی۔ کوئٹہ سبی اور ہرنائی میں کم از کم ۵۰ افراد ہلاک ہوئے۔ اس کے اثرات پورے بلوچستان میں محسوس کیے گئے۔ برفانی تودوں اور لینڈ سلائیڈ کے باعث متعدد سڑکیں اور ریلوے لائن مسمار ہوگئیں۔

(۲۳) ۲۶ جنوری ۲۰۰۱ء بھاشاؤ گجرات (بھارت) شدت ۷.۶ درجے اس زلزلے میں کم از کم ساڑھے گیارہ ہزار افراد ہلاک ہوئے تھے جبکہ جنوبی پاکستان میں ۲۰ افراد ہلاک ہوئے۔ احمد آباد اور سورت میں کثیر المنزلہ عمارتیں زمیں بوس ہوگئیں۔ گجرات مدھیہ پردیش مہاراشٹر اور راجھستان میں وسیع پیمانے پر تباہی ہوئی۔ اس کے اثرات بنگلہ دیش تک محسوس کیے گئے۔

(۲۴) ۳ نومبر ۲۰۰۲ء اس زلزلے میں ۱۷ افراد ہلاک اور ۱۶۵ افراد زخمی ہوئے۔ اس کی شدت ریکٹر اسکیل پر ۵.۵ تھی۔ اس کے اثرات اسلام آباد پشاور اور سری نگر میں بھی محسوس کیے گئے۔

(۲۵) ۲۰ نومبر ۲۰۰۲ء گلگت (استور ریجن) ریکٹر اسکیل پر شدت ۶.۳ درجے اس زلزلے کے باعث وادی استور میں ۲۳ افراد ہلاک ہوئے۔ علاقے میں وسیع پیمانے پر تباہی ہوئی تھی علاقے کے ۱۵ ہزار افراد بے گھر ہوگئے اس زلزلے کے اثرات

اسلام آباد اور سری نگر میں بھی محسوس کیے گئے تھے۔

زلزلے سے متعلق ۱۲۰ اہم سوالات اور ان کے جوابات

(۱) سوال: زلزلے کی تعریف کیا ہے؟

جواب: زمین کی تہہ میں توانائی کے اخراج کے باعث زمینی سطح پر جو انتہائی خوفناک ارضی تبدیلی پیدا ہوتی ہے' اس کے باعث پیدا ہونے والی کیفیت کو زلزلہ کہا جاتا ہے۔

(۲) سوال: زلزلے کیوں آتے ہیں؟ اس کی وجوہات کون سی ہیں؟

جواب: زمین کی تہہ (FORCES TECTONIC) پر دباؤ کے باعث معمولی سی مڑ جاتی ہے' لیکن چونکہ زمینی تہہ سخت ہوتی ہے' لہٰذا جب دباؤ بڑھتا ہے تو زمینی تہہ پھٹ جاتی ہے اور وہ ایک نئی پوزیشن اختیار کر لیتی ہے' زمین میں پیدا ہونے والا ارتعاش (SIESMIC WAVES) کہلاتا ہے اور یہ لہریں ارتعاش زمین کی سطح کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں' ان لہروں کے باعث جو کیفیت پیدا ہوتی ہے' اس کو زلزلہ کہا جاتا ہے۔

(۳) سوال: زلزلے کہاں پر آتے ہیں؟

جواب: زمین کی تہہ میں ٹوٹے ہوئے (Frature) مقامات ہوتے ہیں' یہاں پر دو کرسٹل بلاکس ایک دوسرے کے مخالف سفر کرتے ہیں' ایک بلاک اوپر کی جانب سفر کرتا ہے جب کہ دوسرا بلاک نیچے کی جانب سفر کرتا ہے' ماہرین ارضیات اور زلزلے کا مشاہدہ کرنے والے سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ زلزلے زیادہ تر انہی فالٹس (Faults) پر آتے ہیں جو کہ زمین کی تہہ میں کمزور مقامات شمار کیے جاتے ہیں۔

(۴) سوال: ہر برس کتنے زلزلے آتے ہیں:

جواب: عالمی سطح پر ہر برس دس لاکھ زلزلے آتے ہیں' ان میں وہ زلزلے بھی شامل ہیں جو بہت ہی معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں' مندرجہ ذیل جدول میں مختلف درجوں میں آنے والے زلزلوں کی اوسط فریکوئنسی دی گئی ہے۔

(۵) سوال: ہر ماہ' دن اور منٹ میں کتنے زلزلے آتے ہیں:

جواب: فی ماہ تقریباً ۸۰ ہزار زلزلے فی دن تقریباً ۲۶۰۰ زلزلے فی منٹ دو ہزار زلزلے

۱	بہت شدید	۸.۰+	۱
۲	بہت اہم	۷.۰-۷.۹	۱۸
۳	بہت زیادہ (تباہ کن)	۶.۰-۶.۹	۱۲۰
۴	درمیانہ (تباہیاں پھیلنے کا باعث)	۵.۰-۵.۹	۱,۰۰۰
۵	معمولی نوعیت (معمولی نقصانات)	۴.۰-۴	۶,۰۰
۶	عام طور پر محسوس ہونے والے زلزلے	۳.۰-۳.۹	۴۹,۰۰۰
۷	قابل برداشت	۲.۰-۲.۹	۳,۰۰,۰۰۰
۸	نا قابل محسوس	۲.۰ درجے سے بھی کم	۶۰۰,۰۰۰

ہر تیس سیکنڈ پر ایک زلزلہ محسوس ہوتا ہے' زلزلہ ایک عام قدرتی آفت ہے۔

(۶) سوال: عالمی سطح پر یہ زلزلے کس قدر گہرے ہوتے ہیں؟
جواب: زلزلے عام طور پر زمین کی بالائی سطح سے لے کر زمین کی تہہ میں ۸۰۰ کلومیٹر گہرائی تک ہوتے ہیں۔
(۷) سوال: دنیا بھر میں سب سے زیادہ زلزلے کہاں آتے ہیں؟
جواب: کیلی فورنیا' الاسکا' جاپان' جنوبی امریکہ' فلپائن۔
(۸) سوال: کیا امریکہ میں آنے والے زلزلے کم ہلاکتوں کا باعث بنتے ہیں؟
جواب: ایسا نہیں ہے' مندرجہ ذیل شیڈول میں عالمی سطح پر گزشتہ دو عشروں میں آنے والے زلزلوں کی تفصیل ہے:

سال	تاریخ	علاقہ	اموات	ریکٹر اسکیل پر شدت
۱۹۷۱ء		جنوبی کیلی فورنیا	۶۵	۶.۵
۱۹۷۲ء	۲۳ ستمبر	نکاراگوا	۵,۰۰۰	۶.۲
۱۹۷۶ء	۴ فروری	گوئٹے مالا	۲۲,۰۰۰	۷.۹
۱۹۷۷ء	۲۷ جولائی	چین	۲۵۰,۹۹۹۷	۷.۶
۱۹۸۰ء	۴ مارچ	رومانیہ	۲,۰۰۰	۷.۲
۱۹۸۰ء	۱۰ اکتوبر	الجزائر	۳۵,۰۰۰	۷.۷
۱۹۸۱ء	۲۳ نومبر	جنوبی اٹلی	۳,۰۰۰	۷.۲
۱۹۸۲ء	۱۱ جون	جنوبی ایران	۳,۰۰۰	۶.۹
۱۹۸۳ء	۱۳ دسمبر	یمن	۲۸,۰۰۰	۶.۰
۱۹۸۵ء	۳۰ اکتوبر	ترکی	۱۳,۴۲	۶.۰
۱۹۸۹ء	۱۹ دسمبر	میکسیکو	۱۰,۰۰۰	۷.۰
۱۹۸۹ء	۷ دسمبر	آرمینیا	۲۵,۰۰۰	۶.۹
۱۹۸۹ء	۱۷ اکتوبر	شمالی کیلی فورنیا	۶۷	۷.۱
۱۹۹۰ء	۲۰ جون	ایران	۴۰,۰۰	۷.۷

(۹) سوال: کسی ایک زلزلے میں سب سے زیادہ اموات کہاں ہوئیں؟
جواب: ۱۹۵۶ء میں چین میں آنے والا بدترین زلزلہ آٹھ لاکھ تیس ہزار (۸۳۰,۰۰۰) افراد کی ہلاکت کا باعث بنا تھا۔
(۱۰) سوال: زلزلے کی پیمائش کس طرح کی جاتی ہے؟
جواب: SIESMOMETER نامی آلہ زمین کی تمام تر حرکت کی پیمائش کرتا ہے' ایک عدد سیسموگراف (SIESMO GRAPH) اس آلے کے ساتھ ریکارڈنگ کے آلات کو منسلک کر دیا جاتا ہے' جو زمین کی حرکت کا مستقل ریکارڈ حاصل جمع کرتا رہتا ہے' اس ریکارڈ کی بنیاد پر ہی سائنس دان یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ زلزلے کی شدت ریکٹر اسکیل پر کتنی تھی اور زلزلے کے باعث کس قدر توانائی خارج ہوئی' مختلف سیسموگراف کو زلزلے کے مقام سے قریب اور دور دراز جگہوں پر نصب کیا جاتا ہے تاکہ زلزلے کی شدت کا اندازہ کیا جا سکے' مختلف سیسمک اسٹیشنوں اور سیسموگرافکس کو ایک ہی

درجے کی شدت ظاہر کرتی ہوتی ہے' زلزلے کی پیمائش کے لیے سب سے زیادہ مقبول اور مشہور آلہ ریکٹر اسکیل ہے' مگر سائنس دان دیگر آلے بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۱) سوال: ریکٹر اسکیل کس شکل کا ہوتا ہے؟

جواب: ریکٹر اسکیل دراصل کوئی ذکر یا انسٹرومنٹ نہیں ہے بلکہ یہ زلزلے سے پیدا ہونے والی لہریں (SIESMIC WAVES) کی وسعت یا ان کی کشادگی کو ناپنے کا ایک پیمانہ ہے اور اس کا تعلق اس توانائی سے ہے جو زلزلے کے باعث خارج ہوتی ہے' اس کا اندازہ کسی بھی زلزلے کے بارے میں سیسموگراف کے ریکارڈ سے کیا جاتا ہے۔

(۱۲) سوال: زلزلے کی پیمائش کے لیے پہلا آلہ کب ایجاد ہوا؟

جواب: ۱۳۲ء میں چینی فلسفی ژانگ ہینگ (ZHANG HENG) نے زلزلے کی نشاندہی کرنے والا آلہ ایجاد کیا تھا۔

(۱۳) سوال: زلزلے کے بارے میں اندازے اور پیش گوئی میں کیا فرق ہے؟

جواب: زلزلے کے بارے میں اندازہ کرتے وقت ایک مخصوص تاریخ' جگہ اور اس کی شدت کا ذکر ہوتا ہے' جب کہ زلزلے کے بارے میں پیش گوئی میں متعدد امکانات اور علاقے کے بارے میں دیگر معلومات ظاہر کی جاتی ہیں' زلزلے کے بارے میں سو فیصد صحیح پیش گوئی کرنا یا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہے۔

(۱۴) سوال: کیا زلزلے آنے سے پہلے جانوروں کا رویہ تبدیل ہو جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! یہ بات بالکل درست ہے' زلزلہ آنے سے پہلے کتے' بلی' سانپ اور گھوڑوں کا رویہ غیر معمولی طور پر تبدیل ہو جاتا ہے' پرندے عام طور پر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں' بلیوں کا انتہائی تکلیف دہ انداز میں مسلسل رونا ایک عام مشاہدہ ہے۔

(۱۵) سوال: کیا زلزلے آنے پر زمین پھٹ جاتی ہے اور انسانوں کو اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے؟

جواب: یہ زلزلے کے بارے میں صرف کہانی ہے اور حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے' زلزلے کے باعث زمین میں شگاف پڑتا دیکھا گیا ہے' یہ شگاف زیادہ تر نوکیلے اور سطحی نوعیت کے ہوتے ہیں' بدترین زلزلے کے باعث عمارتوں میں شگاف ضرور پڑ جاتے ہیں' زمین کے پھٹنے اور اس میں انسانوں کے سما جانے کی بات کبھی بھی مشاہدے میں نہیں آئی ہے۔

(۱۶) سوال: کیا زلزلے آتش فشاں پیدا کرتے ہیں؟

جواب: جی نہیں' آتش فشاں پیدا ہونے کی مختلف وجوہات ہیں' کسی بھی علاقے میں آتش فشاں پیدا ہونے سے پہلے درمیان میں یا بعد میں زلزلہ آ سکتا ہے۔

(۱۷) سوال: کیا زلزلے موسم سے جڑے ہوتے ہیں؟

جواب: چوتھی صدی قبل مسیح میں مشہور فلسفی ارسطو نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ زلزلے زمین کی تہہ میں موجود غاروں میں مقید ہواؤں کے اخراج اور زبردست دباؤ سے آتے ہیں' زلزلہ آنے سے قبل اس علاقے کا موسم گرم ہو جاتا ہے اور اس نظریے کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے کہ زمین کی انتہائی نچلی سطح میں خاصی بڑی مقدار میں ہوا کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے' جو زمین رگڑنے کے باعث خارج ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

(۱۸) سوال: زلزلے کے بارے میں کام کرنے والے سائنس دانوں کو کیا کہا جاتا ہے؟

جواب: سیسمولوجسٹ (SIESMOLOGIST) یہ یونانی زبان کا لفظ ہے اور ایسے شخص کے لیے مخصوص ہے' جو زلزلوں کے بارے میں علم رکھتا ہو اور زمین کی حرکت کے بارے میں مسلسل تحقیق و جستجو میں لگا رہتا ہو۔

(۱۹) سوال: زلزلے کے باعث کس قدر توانائی خارج ہوتی ہے؟

جواب: زلزلے کے باعث بہت بڑی مقدار میں توانائی خارج ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ زلزلے بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں' مندرجہ ذیل شیڈول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریکٹر اسکیل پر کس شدت سے آنے والے زلزلے کے لیے عام حالات میں کتنی مقدار میں ٹی این ٹی (TNT) کی ضرورت ہوتی ہے:

ریکٹر اسکیل پر شدت	ٹی این ٹی کی مطلوبہ مقدار
۴.۰	۶ ٹن
۵.۰	۱۹۹ ٹن
۶.۰	۶,۲۷۰ ٹن
۷.۰	۱۹۹,۰۰۰ ٹن
۸.۰	۶۲۷۰۰۰ ٹن
۹.۰	۹۹,۰۰۰,۰۰۰ ٹن

(۲۰) سوال: کیا زلزلوں کو روکا جا سکتا ہے؟

جواب: ابھی تک کوئی ایسا طریقہ یا کوشش کامیاب نہیں ہو سکی ہے' لیکن یہ ممکن ہے کہ زلزلے کی شدت اور اس کی تباہ کاریوں کو کم سے کم کیا جا سکے' فالٹ زون میں واقع عمارتوں کو تعمیر کرتے وقت ایسی ڈیزائن بنائی جائے' جس سے زلزلے کے خلاف قوتِ مدافعت بڑھ جائے' عمارتوں کے اندرونی حصے اس قدر پائیدار بنائے جائیں کہ وہ گرنے والے عمارتی سامان سے محفوظ رہیں' عوام کو بھی زلزلے کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی جائیں۔

زلزلہ سے متعلق اہم نکات

سائنس کی دنیا میں زلزلوں کا مطالعہ اور ان پر تحقیق زیادہ پرانی نہیں ہے۔ اٹھارویں صدی تک زلزلے کے محض چند واقعات نوٹ کیے گئے' جب کہ اس دوران زلزلوں پر تحقیق کو بھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی۔ زلزلے کا سب سے پرانا معلوم واقعہ ۱۱۷۷ ق م کا ہے' جس میں چین میں آنے والے زلزلے کا ذکر ہے۔ حالیہ تاریخ کا سان فرانسسکو کا ۱۹۰۶ء کا زلزلہ ریکارڈ پر موجود ہے' جس میں ۷۰۰ افراد لقمۂ اجل بنے' جب کہ ۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء کے الاسکا کے زلزلے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پانچ لاکھ مربع میل کے دائرے میں محسوس کیا گیا۔

زلزلہ زمین کی بالائی سطح پر تہہ در تہہ آپس میں لپٹی ایک درجن سے زائد ۷۰ کلومیٹر موٹی موٹی سخت اور ناہموار پلیٹوں اور زیریں سطح پر نرم اور پگھلی ہوئی چٹانوں جنہیں ''باؤنڈریز'' کہا جاتا ہے' کے درمیان زیریں سطح کے نرم ہو جانے پر اوپری تہوں کے باعث آتا ہے' یہ پلیٹیں جہاں آپس میں جڑی ہوتی ہیں' وہ دباؤ برداشت نہیں کر پاتیں اور اپنی جگہ چھوڑ دیتی ہیں۔ امریکہ' مغربی کینیڈا' الاسکا اور تقریباً تمام پہاڑی علاقوں میں موجود آتش فشاں بھی زلزلوں کا خاص مرکز ہیں۔

زلزلے کے جھٹکوں سے زمین ہلنے لگتی ہے' زمین پر موجود پہاڑی ٹیلے اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں' چٹانیں ٹوٹنے لگتی ہیں اور عمارتوں کے پلر بیموں کا ساتھ چھوڑ کر چھتوں کو ڈھانے لگ جاتے ہیں' اگر زلزلہ شدید ہو تو تباہی ورنہ زمین ہل کر رہ جاتی ہے'

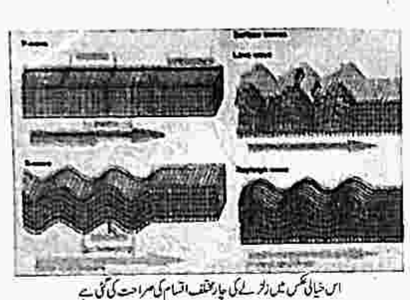
ریکٹر اسکیل پر ۷ کی شدت سے اوپر کو خطرناک اور تباہ کن کہا جاتا ہے۔

ریکٹر اسکیل کیا ہے؟

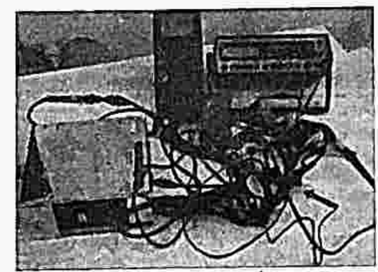
زلزلے کی شدت کو ناپنے کا آغاز ڈاکٹر چارلس ایف ریکٹر کے ایجاد کردہ آلے سے ہوا' جو انہوں نے کیلیفورنیا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں طویل تحقیق کے بعد ایجاد کیا۔ ان کا یہ آلہ فی زمانہ زلزلہ پیمائی کے لیے انتہائی معتبر ہے۔ یہ آلہ ریاضی کی شاخ ''لاگرتھم'' کے اصولوں پر کام کرتا ہے' جس میں زمین کے ۱۰ دفعہ کے ارتعاش کو ۶ گنا جاتا ہے۔ ساڑھے تین منٹ دورانیے اور ۷ سے اوپر ریڈنگ والے زلزلوں کو تباہ کن زلزلہ قرار دیا جاتا ہے۔ زلزلے کی ابتدائی علامات گڑگڑاہٹ ہوتی ہے' جو تھوڑی ہی دیر میں تھرتھراہٹ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔



زلزلے کا باعث بننے والی زیرِ زمین پلیٹس...... یہ پلیٹس دنیا بھر میں پائی جاتی ہیں



اس خیالی عکس میں زلزلے کی چار مختلف اقسام کی صراحت کی گئی ہے



زلزلے کی شدت کی پیمائش کے لیے استعمال ہونے والا جدید ترین ریکٹر اسکیل

زلزلہ کی تحقیق پر یہ معلومات افزاء مقالہ منظور الحسن ہاشمی اور مسعود صاحب کا لکھا ہوا ہے' جو ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو قومی اخبار میں شائع ہوا' اس کی افادیت کے پیش نظر میں نے اس کو قومی اخبار کے شکریہ کے ساتھ سورۃ الزلزال کے تعارف میں شامل کر لیا ہے۔

سورۃ الزلزال کے اس تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے' اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب اس ترجمہ اور تفسیر میں میری مدد فرمائیں۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۵ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ/ ۸ دسمبر ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۹۲۱۵۶۳۰۹/۰۳۲۱_۲۰۲۱۷۴۴

(۹۹) سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ (۹۳) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیَاتُھَا ۸ رُکُوْعُھَا ۱

سورۃ الزلزال مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲

جب پوری زمین زلزلہ کی شدت سے ہلا دی جائے گی ○ اور زمین اپنا تمام بوجھ باہر نکال دے گی ○

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ

اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟ ○ اس دن زمین اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی ○ کیونکہ

رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا

آپ کے رب نے اسے حکم دیا ہے ○ اس دن لوگ مختلف احوال میں لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال

اَعْمَالَهُمْ ۝۶ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ

دکھا دیئے جائیں ○ سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ○ اور جو



يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸

ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب پوری زمین زلزلہ کی شدت سے ہلا دی جائے گی ○ اور زمین اپنا تمام بوجھ باہر نکال دے گی ○ اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟ ○ اس دن وہ زمین اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی ○ (الزلزال: ۴۔۱)

زلزلہ کا لغوی اور عرفی معنی

زلزلہ کا معنی ہے: بھونچال، ہلا ڈالنا، ''زلزال'' کا معنی ہے: بہت زور سے جھڑ جھڑانا، لرزا دینا، ہلا ڈالنا، امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے لکھا ہے: اس میں تکرارِ حروف تکرارِ معنی کے لیے ہے یعنی بار بار جھڑ جھڑانا اور ہلا ڈالنا۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۸۳، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

زلزلہ کا عرفی اور اصطلاحی معنی ہم نے اس سورت کے مقدمہ میں بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے۔

زمین پر قیامت کے زلزلہ کی کیفیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس وقت حضرت اسرافیل پہلی بار صور میں پھونکیں گے، اس وقت زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا، جس سے ہر چیز تہس نہس اور الٹ پلٹ ہو جائے گی۔

امام ابو منصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ نے کہا ہے: اس آیت میں ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ لوگوں نے کہا: جس قیامت سے ہمیں ڈرایا جا رہا ہے وہ کب آئے گی؟ اس کے جواب میں فرمایا: جب زمین پوری شدت سے ہلا دی

جائے گی' اور اونچے اونچے پہاڑ زمین بوس ہو جائیں گے اور زمین کہیں بھی اونچی نیچی نہیں رہے گی' قرآن مجید میں ہے:

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۙ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۗ پس وہ زمین کو بالکل ہموار صاف میدان کر دے گا O جس میں (اے مخاطب!) نہ تو کوئی کجی دیکھے گا نہ اونچ نیچ O (طٰہٰ: ۱۰۷۔۱۰۶)

زمین کا اپنا بوجھ باہر نکالنا

الزلزال: ۲ میں فرمایا: اور زمین اپنا تمام بوجھ باہر نکال دے گی O

اس کی تفسیر میں یہ آیتیں ہیں:

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۙ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۙ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی O اور اس کے اندر جو کچھ ہے' اس کو باہر نکال دے گی اور خالی رہ جائے گی O (الانشقاق: ۴۔۳)

زمین میں جو سر بلند پہاڑ ہیں' ان سب کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو صاف اور ہموار کر دیا جائے گا اور اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی' زمین میں جو مردے دفن ہیں' وہ سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے اور زمین میں جو خزانے ہیں' ان کو باہر نکال کر خالی ہو جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے چاندی کے ستونوں کی مثل زمین اپنے جگر کے ٹکڑے اُگل دے گی' قاتل ان کو دیکھ کر کہے گا: ان ہی کی وجہ سے میں نے قتل کیا تھا' رشتے توڑنے والا کہے گا: ان ہی کی وجہ سے میں نے رشتے توڑے تھے' چور ان کو دیکھ کر کہے گا: ان ہی کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا تھا' پھر سب اس مال کو چھوڑ دیں گے اور کوئی اس میں سے کچھ نہیں لے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۱۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۸)

الزلزال: ۳ میں فرمایا: اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟ O

ایک قول یہ ہے کہ جب پہلے صور میں پھونکا جائے اور تمام زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا تو ہر انسان خواہ وہ مومن ہو یا کافر' وہ زمین کو لرزتے ہوئے دیکھ کر یہ کہے گا: اس زمین کو کیا ہوا' یہ کیوں لرز رہی ہے؟ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہے کیونکہ مؤمن کو تو پہلے سے معلوم تھا کہ قیامت کے وقت زلزلہ آئے گا۔

الزلزال: ۴ میں فرمایا: اس دن زمین اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی O

زمین کے خبر دینے کی کیفیت

یعنی زمین کے اوپر جو نیک یا بد اعمال کیے گئے ہیں' وہ ان سب کا بیان کر دے گی' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ زمین کیا خبر دے گی؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے' آپ نے فرمایا: اس کی خبر یہ ہے کہ وہ ہر بندے اور بندی کے متعلق یہ بتائے گی کہ اس نے فلاں دن زمین کی پشت پر یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ کام کیا تھا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۲۹)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ نے کہا: زمین کے خبر دینے میں تین قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ زمین کو حیوان ناطق بنا دے گا' پھر وہ کلام کرے گی (۲) اللہ تعالیٰ اس میں کلام پیدا کر دے گا (۳) اس سے جو چیز صادر ہوگی وہ کلام کے قائم مقام ہوگی۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۳۲۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیونکہ آپ کے رب نے اسے حکم دیا ہے O اس دن لوگ مختلف احوال میں لوٹیں گے تا کہ انہیں ان

کے اعمال دکھا دیئے جائیں O سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا O اور جو ذرہ برابر بُرائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا O (الزلزال: ۸۔۵)

یعنی زمین جو خبریں دے گی' وہ اللہ کے حکم سے دے گی' ایک قول یہ ہے کہ زمین میں جو زلزلہ آئے گا اور زمین اپنا بوجھ نکالے گی اور زمین جو خبر دے گی کہ اس کی پشت پر فلاں فلاں نیکی کی گئی ہے اور فلاں فلاں بُرائی کی گئی' یہ تمام اُمور اللہ تعالیٰ کے حکم سے واقع ہوں گے۔

الزلزال: ۶ میں فرمایا: اس دن لوگ مختلف احوال میں لوٹیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں O

یعنی حساب کے بعد دائیں ہاتھ والے جنت کی طرف روانہ ہوں گے اور بائیں ہاتھ والے دوزخ کی طرف روانہ ہوں گے' ایک قول یہ ہے کہ وہ حساب سے فارغ ہونے کے بعد واپس لوٹیں گے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر شخص اپنے آپ کو ملامت کر رہا ہوگا' جو نیکوکار ہوگا' وہ یہ کہے گا: میں نے زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کیں اور جو اس کے علاوہ ہوگا' وہ کہے گا: میں نے گناہوں کو ترک کیوں نہیں کیا۔ (فردوس الاخبار رقم الحدیث: ۶۵۰۱)

ایک قول یہ ہے کہ جس وقت لوگ قبروں سے نکلیں گے تو ان کو حساب کی جگہ پر لایا جائے گا تاکہ وہ اپنے صحائف اعمال میں اپنے اعمال لکھے ہوئے دیکھ لیں اور اپنے اعمال کی جزا دیکھ لیں اور وہ حساب کی جگہ سے مختلف ٹولیوں میں روانہ ہوں گے۔

الزلزال: ۸۔۷ میں فرمایا: سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا' وہ اس کا صلہ دیکھے گا O اور جو ذرہ برابر بُرائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا O

مؤمن اور کافر کے اعمال کے بدلہ کا ضابطہ

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کفار میں سے جو شخص بھی ذرہ کے برابر کوئی نیک کام کرے گا' اس کو اس کی نیکی کا اجر دنیا میں ہی دے دیا جائے گا اور اس کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا اور اگر کوئی کافر کوئی بُرا کام کرے گا تو آخرت میں اس کو شرک کی سزا کے علاوہ اس بُرائی کی سزا بھی دی جائے گی اور مؤمنین میں سے جو شخص بھی ایک ذرہ کے برابر کوئی بُرائی کرے گا' اس کو دنیا میں ہی اس بُرائی کی سزا دے دی جائے گی اور مرنے کے بعد اس کو آخرت میں اس بُرائی کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی اور اس کی بُرائی سے درگزر کر لیا جائے گا اور اگر مؤمن نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی تو اس کو قبول کر لیا جائے گا اور اس کا آخرت میں اجر زیادہ کر دیا جائے گا۔

بعض احادیث میں ہے کہ ذرہ کا کوئی وزن نہیں ہے' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم کے کسی عمل سے غافل نہیں ہے' خواہ وہ عمل صغیرہ ہو یا کبیرہ' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ (النساء: ۴۰) بے شک اللہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ آدمی زمین پر ہاتھ رکھ کر اٹھائے تو اس کے ہاتھ پر جو خاک لگی ہو وہ ذرہ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

محمد بن کعب القرظی نے کہا ہے کہ کافر جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا' اس کا ثواب اس کو دنیا میں اس کے نفس' اس کے مال' اس کے اہل اور اس کی اولاد میں دے دیا جائے گا' حتیٰ کہ جب وہ دنیا سے جائے گا تو اللہ سبحانہ کے پاس اس کی کوئی نیکی نہیں ہو

گی اور مومن نے دنیا میں ذرہ برابر جو بُرائی کی ہوگی' اس کی سزا اس کو دنیا میں ملے گی۔ اس کے نفس' اس کے مال' اس کے اہل اور اس کی اولاد میں اس کو سزا دے دی جائے گی حتیٰ کہ جب وہ دنیا سے جائے گا تو اللہ سبحانہ کے پاس اس کی کوئی بُرائی نہیں ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی' جب حضرت ابوبکر کھانا کھا رہے تھے' وہ کھانے سے رک گئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! کیا ہم کو ہمارے اچھے اور بُرے عملوں کا بدلہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا: تم جو ناگوار چیزیں دیکھتے ہو' وہ تمہاری ذرہ برابر بُرائی کا بدلہ ہے اور تمہاری ذرّہ برابر نیکی کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا جاتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن تم کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۲۲۲' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۴۲)

قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (الشوریٰ: ۳۰)

تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے' وہ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے ہے اور بہت سے گناہ تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

موطأ امام مالک میں ہے: ایک مسکین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کھانا طلب کیا' ان کے سامنے انگور رکھے ہوئے تھے' حضرت عائشہ نے ایک انسان سے کہا: اس کو انگور کا ایک دانہ دے دو' اس انسان نے تعجب سے حضرت عائشہ کی طرف دیکھا' حضرت عائشہ نے اس سے کہا: تم انگور کے ایک دانہ پر تعجب کر رہے ہو' یہ ایک ذرہ برابر نیکی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دو کھجوریں صدقہ کیں تو سائل نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو حضرت سعد نے سائل سے کہا: اللہ تعالیٰ ہم سے ذرہ برابر نیکی قبول فرما لیتا ہے اور دو کھجوروں میں تو بہت ذرات ہیں۔

المطلب بن حطب بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا' اس نے کہا: یارسول اللہ! کیا ایک ذرّہ کے برابر بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۳۶۔۱۳۵' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں معتزلہ کے خلاف اہل سنت و جماعت کے مسلک پر دلیل ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں: جو مؤمن گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور وہ بغیر توبہ کے مر جائے' وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا' ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں فرمایا ہے: جس مؤمن نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہو' وہ اس کی جزا پائے گا' تو اس مؤمن کو اس کے ایمان کی جزا ضرور ملے گی' اس لیے اگر اس کو اپنے گناہوں کی سزا دینے کے لیے دوزخ میں ڈالا گیا تو پھر اس کو اس کے ایمان کی جزا دینے کے لیے ضرور دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا' لہٰذا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا' کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اس کو جنت سے نکال کر دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا' لہٰذا مؤمن مرتکب کبیرہ کی اگر شفاعت یا مغفرت نہیں ہوئی تو وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں ضرور جائے گا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ جس کے فرائض پورے نہیں ہوئے' اس کے نوافل قبول نہیں ہوں گے' ہم کہتے ہیں کہ اس کے نوافل بہر حال خیر اور نیکی ہیں اور نیکی ذرہ برابر بھی ہو تو بندہ مؤمن اس کی جزا پائے گا' فرائض کے ترک پر وہ عذاب کا مستحق ہو گا اور نوافل کا اس کو ثواب عطا کیا جائے گا۔

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۷ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۰ دسمبر ۲۰۰۵ء بہ روز ہفتہ سورۃ الزلزال کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اے رب کریم! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری اور میرے اساتذہ' میرے والدین اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین سید المرسلین شفیع المذنبین

وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورۃ العٰدیٰت

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

''العادیات'' کا معنی ہے: وہ گھوڑے جن کو مجاہدین دشمن کا پیچھا کرنے کے لیے دوڑاتے ہیں' اس سورت کا نام العادیات ہے' کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''العادیات'' کا لفظ ہے' اور وہ آیت یہ ہے:

وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ (العدیت:۱) ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیزی سے دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے ○

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ العٰدیٰت مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابوعبید نے حسن بصری سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذا زلزلت'' نصف قرآن کے برابر ہے اور ''والعٰدیت'' نصف قرآن کے برابر ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۴۷)

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۴ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۰ ہے۔

العٰدیت: ۷۔۱' اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم کھا کر یہ بتایا ہے کہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔

العٰدیت: ۸' انسان کی طبیعت میں مال و دولت کو حاصل کرنے کی شدید حرص ہے۔

العٰدیت: ۱۱۔۹' انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ نیک اعمال کرے تاکہ قیامت کے دن سرخرو ہو سکے اور اسے بُرے اعمال کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

العٰدیت کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر اعتماد کرتے ہوئے' اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے رب کریم! مجھے اس ترجمہ اور تفسیر میں صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۷ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۱۰ دسمبر ۲۰۰۵ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹

۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴





سورۃ العٰدیٰت مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں گیارہ آیات اور ایک رکوع ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿١﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿٢﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿٣﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿٤﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿٥﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿٦﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿٧﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿٨﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿٩﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿١٠﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿١١﴾

ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیز دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے O پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں O پھر صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیں O پھر اس وقت وہ گردوغبار اڑاتے ہیں O پھر دشمن کی فوج میں گھس جاتے ہیں O بے شک انسان اپنے رب کا ضرور ناشکرا ہے O اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے O اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے O کیا وہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں وہ اٹھا لیے جائیں گے O اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا O بے شک ان کا رب اس دن ان کی ضرور خبر رکھنے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیز دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے O پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں O پھر صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیں O پھر اس وقت وہ گردوغبار اڑاتے ہیں O پھر دشمن کی فوج میں گھس جاتے ہیں O

(العٰدیٰت: ۵۔۱)

''العادیات ضبحا'' کا معنی

''عادیات'' کا لفظی معنی ہے: دوڑنے والیاں' اس سے مراد تیز رفتار گھوڑے یا اونٹنیاں ہیں' ''عادیات'' ''عادیۃ'' کی جمع ہے' اور ''عدوٌ'' سے مشتق ہے' جس کا معنی دوڑنا ہے' یہ اصل میں ''عادِوَات'' تھا' واؤ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے یا سے بدل دیا تو ''عادیات'' ہو گیا' جیسے ''غزو'' سے ''غازیات'' ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' عطاء' مجاہد' عکرمہ' حسن بصری' قتادہ اور مقاتل وغیرہم کا قول ہے کہ یہ مجاہدین کے گھوڑوں کی صفت ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہیں' محمد بن کعب اور

سدی کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حجر اسود کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے ''العٰدیٰت ضبحا'' کے متعلق سوال کیا' میں نے کہا: اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو اللہ کی راہ میں بہت تیز دوڑتے ہیں اور سر شام اس وقت واپس آتے ہیں جب لوگ کھانے کے لیے آگ جلاتے ہیں' وہ شخص میرے پاس سے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا' اس نے حضرت علی سے بھی یہی سوال کیا اور آپ کو حضرت ابن عباس کا جواب بھی بتایا' آپ نے بتایا: جاؤ حضرت ابن عباس کو میرے پاس لے آؤ' پھر حضرت علی نے حضرت ابن عباس سے فرمایا: تم لوگوں کو ایسی بات کیوں بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے؟ اللہ کی قسم! اسلام کا سب سے پہلا غزوہ' غزوۂ بدر تھا' اس وقت ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے' ایک حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور دوسرا حضرت مقداد بن الاسود کے پاس تھا' اس صورت میں ''العٰدیٰت ضبحا'' کو گھوڑوں پر محمول کرنا کس طرح صحیح ہوگا' لہٰذا اس سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جو عرفات سے مزدلفہ تک دوڑتی ہیں' پھر جب لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے ہیں تو وہ آگ جلاتے ہیں اور ''فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝'' (العٰدیٰت: ۳) سے مراد وہ اونٹنیاں ہیں جو صبح کو مزدلفہ سے منٰی کی طرف دوڑتی ہیں اور ''فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝'' (العٰدیٰت: ۴) سے مراد وہ غبار ہے جو ان اونٹنیوں کے قدموں تلے روندنے سے اٹھتا ہے۔

امام ابن جریر نے کہا: پھر حضرت ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر کے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کر لیا' اور امام ابن ابی حاتم نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی نے یہ فرمایا کہ غزوۂ بدر میں دو سے زیادہ گھوڑے نہ تھے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد گھوڑوں پر سواروں کا ایک خاص دستہ ہے' جو کسی جنگی مہم پر روانہ کیا گیا تھا' شعبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس میں غبار اڑنے کا ذکر ہے اور غبار گھوڑوں کے دوڑنے سے ہی اڑتا ہے' نیز امام عبد الرزاق نے کہا ہے کہ اس میں ان کے ہانپنے کا ذکر ہے اور چوپایوں میں سے سوائے کتے اور گھوڑے کے اور کوئی جانور نہیں ہانپتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس کے قول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ ''ضبحا'' کا معنی ہے: ہانپنا اور چوپایوں میں سے کتوں اور گھوڑوں کے سوا اور کوئی جانور نہیں ہانپتا۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۴۸۔۳۴۵ ملخصاً' تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۴۵۷ ملخصاً' تفسیر امام عبد الرزاق ج ۲ ص ۳۱۸۔۳۱۷ ملخصاً' فتح الباری ج ۹ ص ۷۵۱۔۷۵۰)

''الموریات قدحا'' کا معنی

''الموریات'' جمع مؤنث اسم فاعل ہے' اس کا مصدر ''ایراء'' ہے' اس کا معنی ہے: آگ روشن کرنے والے' عکرمہ نے کہا: اس سے مراد مجاہدین کے وہ گھوڑے ہیں جو پتھریلی زمین پر چلتے ہیں تو ان کے سموں کی رگڑ سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں' قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جن کے سواروں کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکتی ہے' سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' اس سے مراد سواروں کا وہ دستہ ہے جو دن بھر جہاد کرنے کے بعد شام کو واپس آ کر کھانا پکانے کے لیے آگ جلاتا ہے۔

''قدحا'' کا معنی ہے: چقماق کو مار کر آگ نکالنا' پتھر پر پتھر یا لوہے کو مار کر آگ نکالنا' ''قدح بالزند'' کا معنی ہے: چقماق کو رگڑ کر آگ نکالی' اور اس سے مراد ہے: گھوڑوں کا نعل دار سموں کو پتھریلی زمین پر مارنا' ''قدح فیه'' کا معنی ہے: کسی چیز میں نکتہ چینی کرنا۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۴۹۔۳۴۸' معالم التنزیل ج ۵ ص ۲۹۵)

''المغیرات صبحا'' کا معنی

''المغیرات'' ''جمع' مؤنث' اسم فاعل ہے' اس کا مصدر ''اغارۃ'' ہے' اس کا معنی ہے: مال غنیمت لوٹنے والے' چھاپہ مارنے والے' اکثر مفسرین نے کہا: اس سے مراد ہے: گھوڑوں پر سواروں کے دستے جو صبح کے وقت دشمنوں پر حملہ کرتے ہیں۔

اور علامہ القرظی نے کہا: اس سے مراد اونٹوں کی وہ جماعتیں ہیں جو اپنے سواروں کو لے کر قربانی کے دن صبح کے وقت منٰی کی طرف تیز تیز جاتی ہیں اور سنت یہی ہے کہ صبح سے پہلے روانہ نہ ہوا جائے' اور ''اغارۃ'' کا معنی ہے: بہت تیزی سے روانہ ہونا۔ (معالم التنزیل ج ۵ص ۲۹۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

''فاثرن به نقعا'' اور ''فوسطن به جمعا'' کا معنی

''اثرن'' ''جمع' مؤنث' غائب کا صیغہ ہے' اس کا مصدر ''اثارۃ'' ہے' اس کا معنی ہے: برانگیختہ کرنا اور گرد وغبار اڑانا ''نقعا'' کا معنی ہے: تنگ' کنویں میں جمع شدہ پانی اور گرد وغبار۔

عکرمہ سے اس کا معنی پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: گھوڑوں کے دوڑنے سے گرد وغبار اڑا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۲۶۸' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

''فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا'' کا معنی ہے: جماعت میں گھس گئے' بیچ میں آ گئے۔

یعنی مجاہدین اپنے گھوڑوں کے ساتھ دشمن کی فوجوں میں گھس گئے۔

القرظی نے کہا: اس سے مراد اونٹ ہیں جو منٰی کی طرف روانہ ہو گئے۔ (جامع البیان جز ۳۰ص ۳۵۲' معالم التنزیل ج ۵ص ۲۹۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک انسان اپنے رب کا ضرور ناشکرا ہے O اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے O اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے O کیا وہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں وہ اٹھا لیے جائیں گے O اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا O بے شک ان کا رب اس دن ان کی ضرور خبر رکھنے والا ہے O

''الکنود'' کا معنی اور انسان کا اپنے ''الکنود'' ہونے پر گواہ ہونا

سابقہ پانچ آیتوں میں جو قسم کھائی تھی' العٰدیٰت: ۶ میں اس کا جواب ہے' اس آیت میں ''لکنود'' کا لفظ ہے' اس آیت کا معنی ہے: بے شک انسان اپنے رب کا ضرور ناشکرا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: انسان طبعی طور پر ناشکرا ہے اور ''لکنود'' کا معنی ہے: ''لکفور'' یعنی وہ اللہ کی نعمتوں کا شکرادا نہیں کرتا' حسن بصری نے کہا: انسان مصائب کا ذکر کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

حکیم ترمذی نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الکنود'' وہ شخص ہے جو خود کھاتا ہے اور اپنے رفقاء کو نہیں کھلاتا۔ (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۷۷۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! کیا میں تم میں سب سے بُرے شخص کے بارے میں نہ بتاؤں' صحابہ نے کہا: کیوں نہیں' یارسول اللہ! فرمایا: جو عطیہ کو صرف اپنے پاس رکھے اور اپنے خادم کو مارے۔ (نوادر الاصول ص ۲۶۷)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کندہ اور حضر موت کی لغت میں ''الکنود'' کا معنی ہے: نافرمان' اور ربیعہ اور مضر کی لغت میں اس کا معنی ہے: ''الکفور'' یعنی بہت ناشکرا' اور کنانہ کی لغت میں اس کا معنی ہے: بہت بخیل' نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں اس سے مراد کافر ہے۔

ابوبکر الواسطی نے کہا: ''الکنود'' وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرے اور ابوبکر الوراق نے کہا: ''الکنود'' وہ شخص ہے جو سمجھتا ہے کہ اس کو نعمت اس کی اور اس کے دوستوں کی وجہ سے ملی ہے' امام ترمذی نے کہا: ''کنود'' وہ شخص ہے جو نعمت کو دیکھے اور نعمت دینے والے کو نہ دیکھے'' ''ھلوع'' اور ''کنود'' وہ شخص ہے: جس پر مصیبت آئے تو گھبرا جائے اور راحت آئے تو ناشکری کرے' ایک قول یہ ہے کہ وہ کینہ رکھنے والا اور حسد کرنے والا ہے' ایک قول ہے کہ وہ تقدیر سے جاہل ہے اور حکمت میں ہے: جو تقدیر سے جاہل ہے' اس نے اپنی عزت کا پردہ چاک کر دیا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ''الکنود'' ناشکرا اور منکر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر صفاتِ مذمومہ غیر محمودہ کے ساتھ کی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۴۳۔ ۱۴۲' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

العٰدیٰت: ۷ میں فرمایا: اور بے شک وہ اس پر ضرور گواہ ہے O

حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ نے فرمایا: انسان اپنے نفس اور اپنے اعمال پر خود گواہ ہے۔

اس کا ایک محمل یہ ہے کہ انسان اپنے ناشکرے ہونے پر خود گواہ ہے' کیونکہ یہ چیز بالکل ظاہر ہے اور انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا یا اس لیے کہ آخرت میں وہ خود اپنے گناہوں کا اعتراف کر لے گا۔

اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ناشکرے ہونے پر گواہ ہے اور یہ معنی راجح ہے کیونکہ اس کی ضمیر ''لربہ'' کی طرف راجع ہے اور اس کا ذکر انسان کی بہ نسبت قریب ہے' اس آیت میں انسان کو اس کے معاصی پر زجر و توبیخ کی گئی ہے' کیونکہ آخرت میں اس کے اعمال کا شمار کیا جائے گا۔

العٰدیٰت: ۸ میں فرمایا: اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے O

مال کی محبت کے متعلق احادیث

اس آیت میں ''الخیر'' کا لفظ ہے' یعنی وہ خیر کی محبت میں بہت سخت ہے اور قرآن مجید میں ''خیر'' کے لفظ سے مال کا بھی ارادہ کیا گیا ہے' جیسا کہ حسب ذیل آیات میں ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ. (البقرہ: ۱۸۰) — جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آئے' سو اگر اس نے مال چھوڑا ہو تو اس پر وصیت کو فرض کر دیا گیا ہے۔

وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ (المعارج: ۲۱) — اور جب اس کو مال ملتا ہے تو وہ بخل کرنے والا ہے O

اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنے عرف میں مال کو خیر قرار دیتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عرف کے موافق فرمایا کہ انسان خیر کی یعنی مال کی محبت میں شدید ہے اور شدید سے مراد بخیل ہے۔

انسان کو مال سے جس قدر محبت ہے' اس کا ذکر ان حدیثوں میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۹' مسند احمد ج ۶ ص ۵۵۔ ج ۳ ص ۲۴۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین کا مال آیا' آپ نے فرمایا: اس کو مسجد میں پھیلا دو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو اموال آتے تھے' ان میں یہ مال سب سے زیادہ تھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز

پڑھانے گئے اور اس مال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، نماز پڑھانے کے بعد آپ اس مال کے پاس بیٹھ گئے، پھر آپ جس شخص کو بھی دیکھتے، اس کو اس مال سے عطا کرتے، اس وقت آپ کے پاس حضرت عباس رضی اللہ عنہ آئے، پھر انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے مال عطا کیجئے، کیونکہ میں نے اپنا فدیہ بھی دیا تھا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا، آپ نے ان سے فرمایا: آپ اس میں سے مال لے لیں، انہوں نے اپنے کپڑے میں مال ڈالنا شروع کیا اور اس مال کی چوٹی بنا دی اور اس کو اٹھا نہ سکے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کسی کو حکم دیں کہ وہ اس مال کو اٹھا کر میرے اوپر رکھ دے، آپ نے فرمایا: نہیں! آپ خود اٹھائیں، انہوں نے کہا: اچھا تو پھر آپ اٹھا کر رکھ دیں، آپ نے فرمایا: نہیں، انہوں نے اس گٹھڑی سے مال کم کیا لیکن پھر اس کی چوٹی بن گئی، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کسی کو کہیے کہ اس کو اٹھا کر مجھ پر رکھ دے، آپ نے فرمایا: نہیں، انہوں نے کہا: پھر آپ خود اٹھا کر رکھ دیں، آپ نے فرمایا: نہیں، آپ خود اٹھائیں، انہوں نے اس میں سے مال کم کیا، پھر اس کو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لیا، پھر چلے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان کا تعاقب کرتی رہی، حتیٰ کہ وہ نظر سے اوجھل ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حرص پر تعجب ہو رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اس وقت اٹھے، جب وہاں پر ایک درہم بھی باقی نہیں رہا تھا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤٢١)

مال کی محبت کے اثرات

مفسرین نے اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی ہیں:

(١) انسان مال کی محبت کی وجہ سے بخیل اور ممسک ہو گیا ہے۔

(٢) انسان مال کی محبت میں اور دنیا کو طلب کرنے اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے میں بہت شدید اور قوی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں بہت خفیف اور ضعیف ہے۔

(٣) اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے اس کا دل بہت تنگ ہوتا ہے اور منقبض ہوتا ہے۔

بخیل کی مذمت میں احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے، جنہوں نے لوہے کے دو کوٹ پہنے ہوئے ہوں، جو ان کے پستانوں سے ان کے گلوں تک ہوں، رہا خرچ کرنے والا تو وہ جوں جوں خرچ کرتا ہے، اس کے لوہے کے کڑے ڈھیلے ہوتے جاتے ہیں اور اس کے جسم سے ان کڑوں کے نشان مٹتے جاتے ہیں اور بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرے تو لوہے کا ہر کڑا اس کے جسم کے ساتھ اور چمٹتا جاتا ہے، وہ اس کوٹ کو کشادہ کرنا چاہتا ہے مگر وہ کشادہ نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٤٣، سنن نسائی رقم الحدیث: ٢٥٤٧، مسند احمد ج ٢ ص ٣٨٩)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو (خرچ کیے ہوئے) مال کا بدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! بخیل کے مال کو ضائع کر دے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ١٤٤٢، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ٩١٧٨)

العٰدیٰت: ٩ میں فرمایا: کیا وہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں وہ اٹھا لیے جائیں گے O

''بعثر'' کا معنی

اس آیت میں ''بعثر'' کا لفظ ہے، اس کا مصدر ''بعثرۃ'' ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کو الٹ پلٹ کرنا، ''بعثر'' کا معنی

ہے: وہ اٹھایا گیا' وہ کریدا گیا' وہ الٹ پلٹ کیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ○ (الانفطار:٤) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی ○

اس آیت میں "ما فی القبور" فرمایا ہے اور لفظ "ما" غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور قبروں میں جو مردے دفن ہیں' وہ ذوی العقول تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا' اس وقت وہ زندہ اور عقل والے نہ ہوں گے' قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد وہ زندہ کیے جائیں گے اور ان کی عقل لوٹائی جائے گی۔

العٰدیٰت: ١٠ میں فرمایا: اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا ○

صحیفوں کے مندرجات کو ظاہر کرنے کے محامل

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

(١) ان کے صحیفوں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے' اس کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

(٢) جن احکام پر انہوں نے عمل کیا اور جن احکام پر انہوں نے عمل نہیں کیا' ان سب کو بتا دیا جائے گا کہ انہوں نے کتنے فرائض اور واجبات پر عمل کیا اور کتنے فرائض اور واجبات کو ترک کیا۔ اسی طرح کتنے حرام اور مکروہ تحریمی کاموں کو کیا اور کتنوں کو ترک کیا۔

(٣) دنیا میں اکثر اوقات انسان کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہوتا ہے' لیکن قیامت کے دن اس کے سینے کی تمام چھپی ہوئی باتیں اور اس کے پردے چاک کر دیئے جائیں گے۔

اے رب کریم! قیامت کے دن ہم مسلمانوں کو رسوا نہ کرنا اور جس طرح دنیا میں ہماری برائیوں کو چھپا کر ہماری عزت اور آبرو کو قائم رکھا ہے' اسی طرح قیامت میں بھی ہماری عزت اور آبرو کو قائم رکھنا۔ (آمین)

ظاہری اعضاء کے مقابلہ میں دل کے افعال کا معیار ہونا

العٰدیٰت: ١٠ پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس میں فرمایا ہے: اور سینوں کی باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا' اس میں دل کے افعال کا ذکر کیا گیا ہے اور ظاہری اعضاء کے افعال کا ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہری اعضاء دل کے افعال کے تابع ہیں کیونکہ اس کے دل میں پہلے کسی کام کا شوق ہوتا ہے' پھر اس کام کی تحریک پیدا ہوتی ہے' پھر وہ اس کا ارادہ کرتا ہے' پھر اس کے بعد ظاہری اعضاء حرکت میں آتے ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے مذمت اور مدح میں دل کے افعال کو اصل قرار دیا ہے۔ مذمت کے اعتبار سے یہ آیت ہے:

اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ. (البقرہ:٢٨٣) اس کا دل گناہ گار ہے۔

اور مدح کے اعتبار سے یہ آیت ہے:

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ. (الانفال:٢) ان کے دل اللہ سے خوف زدہ ہیں۔

نیز اس آیت میں سینوں کا ذکر فرمایا ہے اور مراد اس سے دل ہیں' اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دل سینوں میں ہیں۔

العٰدیٰت: ١١ میں فرمایا: بے شک ان کا رب اس دن ان کی ضرور خبر رکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کے علم پر ایک اشکال کا جواب

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی خبریں دی جائیں گی تو اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی خبر ہوگی اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی خبر رکھنے والا ہے' اس کا یہ معنی

نہیں ہے کہ اس کو از خود خبر نہیں ہے‘ اللہ تعالیٰ کا علم تو ازلی اور ابدی ہے اور انسان کے صحائف اعمال میں جو کچھ فرشتے لکھتے ہیں‘ وہ انسان پر حجت قائم کرنے کے لیے ہے۔

اس آیت پر دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کو خبر ہوگی حالانکہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اس کو ہر وقت ہر چیز کا علم ہوتا ہے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دن کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم جاری نہیں ہوگا اور اس دن کسی کے علم کا اظہار نہیں ہوگا‘ گویا اس دن وہی عالم ہوگا اور اس کے سوا اور کوئی عالم نہیں ہوگا۔

سورۃ العٰدیٰت کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۹ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/۱۲ دسمبر ۲۰۰۵ء‘ بہ روز پیر سورۃ العٰدیٰت کی تفسیر کی تکمیل ہوگئی‘ اے رب کریم! جس طرح آپ نے اس سورت کی تفسیر کی تکمیل کرادی ہے‘ قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور میری تمام تصانیف کو قبول فرمائیں اور قیامت تک ان کو فیض آفریں رکھیں اور میری‘ میرے والدین کی‘ میرے اساتذہ‘ میرے احباب‘ میرے تلامذہ اور میرے قارئین کی مغفرت فرمادیں۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبه محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین
وعلٰی آله واصحابه وازواجه وذریته وامته اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ القارعۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام القارعۃ ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

اَلۡقَارِعَۃُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡقَارِعَۃُ ۚ﴿۲﴾ (القارعۃ: ۲-۱) ناگہانی مصیبت ○ ناگہانی مصیبت کیا چیز ہے؟ ○

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ القارعۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن جریر امام ابن المنذر امام ابن ابی حاتم اور امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے اسماء میں سے ایک اسم "القارعۃ" ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۵۵۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس سے پہلی سورت العٰدیٰت: ۹ میں فرمایا تھا: کیا وہ نہیں جانتا کہ جو قبروں میں ہیں وہ اٹھا لیے جائیں گے اور یہ امر قیامت کے عوارض میں سے ہے اس لیے اس سورت کے بعد القارعۃ نازل ہوئی جس میں قیامت کے ہولناک اُمور بیان کیے گئے ہیں۔

القارعۃ کا ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۳۰ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۱ ہے۔

اس سورت کی ابتدائی آیات میں قیامت میں پیش آنے والے ہولناک اُمور بیان فرمائے اور آخری آیات میں میزان حساب و کتاب اور جزاء اور سزاء کا بیان فرمایا ہے۔

سورۃ القارعۃ کے اس مختصر تعارف کے بعد اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں اے میرے رب کریم! مجھے اس سورت کے ترجمہ و تفسیر میں ہدایت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۰ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ / ۱۳ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴



سورۃ القارعۃ مکیۃ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — آیاتہا ۱۱، رکوعہا ۱

سورۃ القارعۃ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں گیارہ آیات اور ایک رکوع ہے

اَلْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ يَوْمَ

ناگہانی مصیبت O ناگہانی مصیبت کیا چیز ہے؟O آپ کیا سمجھے کہ ناگہانی مصیبت کیا ہے؟O (یہ وہ دن ہے)

يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ

جس دن تمام لوگ منتشر پروانوں کی طرح ہو جائیں گے O اور پہاڑ دھنی ہوئی

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۶﴾ فَهُوَ

رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے O پس جس (کی نیکی) کے پلڑے بھاری ہوں گے O تو وہ

فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ

پسندیدہ زندگی میں ہو گا O اور جس (کی نیکی) کے پلڑے ہلکے ہوں گے O تو اس کا

هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾



ٹھکانہ ہاویہ ہوگا O اور آپ کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا ہے O وہ سخت دہکتی ہوئی آگ (کا بہت نیچا گڑھا) ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ناگہانی مصیبت O ناگہانی مصیبت کیا چیز ہے؟O آپ کیا سمجھے کہ ناگہانی مصیبت کیا ہے؟O (یہ وہ دن ہے) جس دن تمام لوگ منتشر پروانوں کی طرح ہو جائیں گے O اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے O

(القارعۃ: ۵۔۱)

''القارعة'' کا معنی ہے: کھٹکھٹانا ''قرع الباب'' کا معنی ہے: دروازہ کھٹکھٹایا' اس کا عرفی معنی ہے: اچانک آنے والی مصیبت' اور بہت بڑا حادثہ' قیامت بھی ناگہانی مصیبت اور بہت بڑا حادثہ ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ . کفار کے کرتوتوں کے سبب ہمیشہ ان پر کوئی ناگہانی مصیبت آتی رہے گی۔ (الرعد: ۳۱)

''القارعة'' قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قیامت کے دن صور میں پھونکا جائے گا تو ایک زبردست چنگھاڑ کی آواز آئے گی' جس سے تمام لوگ دہل کر مر جائیں گے' دوسری وجہ یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو سورج' چاند' ستارے اور پہاڑ وغیرہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور اس سے بہت گرج دار آواز پیدا ہو گی' اس وجہ سے قیامت کو ''قارعة'' فرمایا' تیسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور سورج اور چاند کو لپیٹ دیا جائے گا اور ستارے جھڑ جائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ برنگی اُون کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر اُڑ رہے ہوں گے تو لوگ

مارے خوف اور دہشت کے دہل رہے ہوں گے' چوتھی وجہ یہ ہے کہ قیامت اپنے ہولناک اُمور سے اللہ کے دشمنوں اور کفار کے دلوں کو ضرب شدید سے کھٹکھٹارہی ہوگی۔

نیز فرمایا ہے: آپ کیا سمجھے کہ ناگہانی مصیبت کیا ہے' اس کا معنی ہے: اس کی حقیقت کا آپ کو از خود علم نہیں ہے کیونکہ اس کی شدت اور ہولناکی کی طرف کسی کی رسائی نہیں ہے' کسی کی عقل وہاں تک پہنچ سکتی ہے نہ وہم پہنچ سکتا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن جو دہشت ناک اُمور واقع ہوں گے' ان کا علم سوا اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کے اور کسی ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔

القارعۃ: ۴ میں فرمایا: (یہ وہ دن ہے) جس دن تمام لوگ منتشر پروانوں کی طرح ہو جائیں گے ○

قیامت کے دن لوگوں کے احوال

پروانے از قبیل حشرات الارض ہیں' یہ شمع' لیمپ یا بلب وغیرہ کسی روشن چیز پر گرتے ہیں اور مرتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ جس طرح پروانے متفرق اور منتشر ہوتے ہیں' اسی طرح اس دن لوگ بھی حیران اور پریشان ادھر اُدھر بھاگ رہے ہوں گے اور تشبیہ اس چیز میں ہے کہ اس دن لوگ روشنی پر گرنے والے پروانوں کی طرح حیران اور مضطرب ہوں گے' قتادہ نے کہا: پروانوں کے ساتھ تشبیہ کثرت اور انتشار میں ہے اور ضعف اور ذلت میں ہے اور کسی مربوط نظام کے بغیر ادھر اُدھر بھاگنے میں ہے۔

قیامت کے دن پہاڑوں کے احوال

القارعۃ: ۵ میں فرمایا: اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ پہاڑ مختلف رنگوں کے ہیں:

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ○ (فاطر: ۲۷)

اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں' سفید اور سرخ' ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ ○

قیامت کے کھٹکھٹانے سے جو مہیب آواز پیدا ہوگی' اس کے اثر سے سر بہ فلک پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح ہو جائیں گے تو سوچنا چاہیے کہ اس دل دہلانے والی آواز کو سن کر انسان کا کیا حال ہوگا۔

قیامت کے دن پہاڑوں میں جو تغیرات ہوں گے' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے حسب ذیل احوال بیان فرمائے ہیں:

(۱) ایک حال یہ ہے کہ پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے:

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ○ (الحاقۃ: ۱۴)

اور زمینوں کو اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا اور ایک ضرب میں ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے ○

(۲) پہاڑ قیامت کے دن بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ (النمل: ۸۸)

(اے مخاطب!) تم پہاڑوں کو دیکھ کر اپنی جگہ جما ہوا خیال کرتے ہو' حالانکہ (قیامت کے دن) وہ بادلوں کی طرح اُڑ رہے ہوں گے۔

(۳) قیامت کے دن پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا

قیامت کے دن زمینیں اور پہاڑ تھرتھرائیں گے اور پہاڑ

مَّهِيلًا ۝ (المزمل:۱۴) ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے ۝

(۴) قیامت کے دن پہاڑ دھنکی ہوئی رنگ برنگی اُون کی طرح ہو جائیں گے' جیسا کہ القارعۃ:۵ میں ہے۔

(۵) قیامت کے دن پہاڑ فریب نظر ہو جائیں گے۔

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ؕ (النبأ:۲۰) اور پہاڑ چلائے جائیں گے' پھر وہ سراب (فریب نظر) ہو جائیں گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: پس جس (کی نیکی) کے پلڑے بھاری ہوں گے ۝ تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا ۝ اور جس (کی نیکی) کے پلڑے ہلکے ہوں گے ۝ تو اس کا ٹھکانا ھاویہ ہوگا ۝ اور آپ کیا سمجھے کہ ھاویہ کیا ہے؟ ۝ وہ سخت دہکتی ہوئی آگ (کا بہت نیچا گڑھا) ہے ۝ (القارعۃ:۱۱۔۶)

مؤمنین اور کفار کے اعمال کے وزن کی کیفیت میں امام ماتریدی کی تقریر

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ' وزن اعمال کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جن کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا' وہ تمام مؤمنین ہیں اور جن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا' وہ تمام کفار ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کے حق کی تعظیم کرتا ہے' اور وہ اس کی حدود کو قائم کرتا ہے' اس لیے اس کے اعمال کے لیے میزان ہوگی اور اس کے اعمال کی قدر و قیمت ہوگی' اور کافر نیک اعمال نہیں کرتا' اس لیے اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دل کے ان نیک اعمال کا وزن کیا جائے گا' جن پر فرشتے بھی مطلع نہیں ہوتے' جو بنو آدم کے اعمال لکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ نیک اعمال صرف مؤمنین کے ہوتے ہیں نہ کہ کفار کے' ہم اس سے پہلے میزان کے مسئلہ پر لکھ چکے ہیں' اس لیے یہاں ہم نے اختصار سے کام لیا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۵ ص ۵۱۲' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

امام ابو منصور ماتریدی نے وزن اعمال کے متعلق زیادہ تفصیل سے الاعراف:۸ کی تفسیر میں لکھا ہے' وہاں ان کی عبارت یہ ہے:

حسن بصری نے کہا: میزان کے دو پلڑے ہیں' جن میں نیکیوں اور بُرائیوں کا وزن کیا جائے گا اور جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ دوزخ میں داخل ہوگا' اور دوسرے اہل تاویل نے کہا: ''موازین'' سے مراد خود نیکیاں اور بُرائیاں ہیں' سو جس کی نیکیاں بُرائیوں پر راجح ہوں گی وہ جنت میں چلا جائے گا اور جس کی بُرائیاں نیکیوں پر راجح ہوں گی وہ دوزخ میں جائے گا (یعنی وزن نہیں ہوگا)۔

امام ابو منصور ماتریدی میزان پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آیت میں مؤمنین اور کفار دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور مؤمن کے ساتھ ایمان ہوگا تو اس کی کوئی بُرائی نیکی پر راجح نہیں ہوگی اور کافر کے ساتھ جب شرک ہوگا تو اس کی کوئی نیکی بُرائی پر راجح نہیں ہوگی' پھر اعمال کے وزن کا کیا فائدہ ہوگا' تاہم یوں کہا جا سکتا ہے کہ مومن کے اعمال کا جب وزن کیا جائے گا تو ایمان کے بغیر صرف اس کی نیکیوں اور بُرائیوں کا مقابلہ کیا جائے گا' اسی طرح جب کافر کے اعمال کا وزن کیا جائے گا تو اس کے کفر کے بغیر اس کی نیکیوں اور بُرائیوں کا مقابلہ کیا جائے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں پر کوئی اجر نہیں دیا جائے گا کیونکہ دنیا میں جو اس کو نعمتیں دی گئی تھیں' وہی اس کی نیکیوں کا اجر تھا اور رہا مؤمن تو اس کی بُرائیوں سے درگزر کر لیا جائے گا اور اس کی نیکیوں پر اجر دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے متعلق فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بہت نیک اعمال تو ہم قبول فرماتے

نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ○ (الاحقاف:۱۶)

ہیں اور ان کے گناہوں سے ہم درگزر فرماتے ہیں' وہ جنتی لوگ ہیں' اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا جاتا تھا ○

(تاویلات اہل السنۃ ج ۳ ص ۲۰۹' مؤسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ھ)

مؤمنین اور کفار کے اعمال کے وزن کی کیفیت میں امام رازی کی تقریر

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ القارعۃ: ۶ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فراء نے کہا: اس آیت میں ''موازین'' کا لفظ ہے اور یہ ''موزون'' کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ عمل ہے جس کی اللہ سبحانہ کے نزدیک کوئی اہمیت ہو' دوسرا قول یہ ہے کہ ''موازین'' ''میزان'' کی جمع ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میزان کی ایک ڈنڈی ہے اور اس میں دو پلڑے ہیں' اس میں صرف اعمال کا وزن کیا جائے گا' مؤمن مطیع کی نیکیوں کو حسین صورت میں لایا جائے گا اور جب اس کی نیکیوں کا پلڑا برائیوں کے پلڑے پر راجح ہوگا تو اس کے لیے جنت ہے' اور کافر کی برائیوں کو بہت قبیح صورت میں لایا جائے گا' پھر اس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہ جائے گا' پھر وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

حسن بصری نے کہا: میزان کے دو پلڑے ہیں' ان کی صفت نہیں کی جا سکتی' متکلمین نے کہا: صرف نیکیوں اور برائیوں کا وزن نہیں کیا جا سکتا' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جن صحیفوں میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں' ان کا وزن کیا جائے گا یا نور کو نیکیوں کی علامت اور ظلمت کو برائیوں کی علامت قرار دیا جائے گا یا نیکیوں کے صحیفوں کو حسین صورتوں سے بدل دیا جائے گا اور برائیوں کے صحیفوں کو قبیح صورتوں سے بدل دیا جائے گا' پھر جب ان کا وزن کیا جائے گا تو ان کا ہلکا اور بھاری ہونا ظاہر ہو جائے گا اور اس وزن کا فائدہ یہ ہے کہ نیکیوں والا مومن سر محشر مسرور اور سرخ رو ہوگا اور برائیوں والا کافر سر محشر پژمردہ اور رسوا ہوگا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۶۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

مؤمنین اور کفار کے اعمال کے وزن کی کیفیت کے متعلق مصنف کی تقریر

میزان پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ وزن تو کسی ٹھوس چیز کا کیا جاتا ہے' انسان کی نیت تو کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے' پھر انسان کی ریاکاری یا اس کے اخلاص کا وزن کیسے کیا جائے گا؟ اسی طرح نیک کاموں سے محبت یا بغض کا وزن کیسے کیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ سائنسی آلات کے ذریعہ بہت سی کیفیات کا وزن کیا جاتا ہے' حالانکہ کیفیات بھی ٹھوس چیز نہیں ہیں' انسان کے جسم میں بخار بھی ایک کیفیت ہے اور تھرمامیٹر کے ذریعہ اس کے جسم کی حرارت کا وزن کیا جاتا ہے اور دیگر آلات کے ذریعہ کمرہ اور فضاء کے درجہ حرارت کی پیمائش کی جاتی ہے' انسان کے خون میں کولیسٹرول اور شوگر کی آلات کے ذریعہ پیمائش کی جاتی ہے' انسان کی تمام بیماریاں اس کے خون میں ہوتی ہیں اور اس کے خون کا تجزیہ کر کے ان بیماریوں کو معلوم کیا جاتا ہے اور وہ بھی کیفیات ہیں' کوئی ٹھوس چیز نہیں ہیں اور جب مخلوق کیفیات کا وزن کر لیتی ہے تو اس کے خالق کے بارے میں یہ گمان کیسے صحیح ہوگا کہ وہ اخلاص اور ریاکاری ایسی کیفیات کا وزن نہیں کر سکتا۔

القارعۃ: ۷۔۶ میں فرمایا: پس جس (کی نیکی) کے پلڑے بھاری ہوں گے ○ تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا ○

یعنی وہ ایسی زندگی ہوگی جس سے زندگی گزارنے والا راضی ہوگا۔

القارعۃ: ۹۔۸ میں فرمایا: اور جس کی (نیکی کے) پلڑے ہلکے ہوں گے ○ تو اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہوگا ○

ھاویہ کے معانی

یعنی جس کی نیکیاں کم ہوں گی اور اس کی برائیاں زیادہ ہوں گی' اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہوگا' ھاویہ کے معانی حسب ذیل ہیں:

(۱) ھاویہ دوزخ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' یہ دوزخ کا گہرا گڑھا ہے' جس میں اہل دوزخ کو ڈال دیا جائے گا' اس آیت میں ''ام'' کا لفظ ہے' جس سے مراد ٹھکانا ہے کیونکہ ماں کی گود اس کے بچوں کا ٹھکانا ہوتی ہے۔

(۲) ھاویہ سے مراد دوزخ کی جڑ ہے کیونکہ اہل دوزخ کو منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

القارعۃ :۱۱۔۱۰ میں فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ ھاویہ کیا ہے؟O وہ سخت دہکتی ہوئی آگ (کا بہت نیچا گڑھا) ہےO

اس کا معنی یہ ہے کہ ھاویہ اتنی سخت گرم ہے کہ اس کے مقابلہ میں باقی دوزخ گرم نہیں ہے' میں ھاویہ سے اور دوزخ کے تمام عذاب کی اقسام سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

سورۃ القارعۃ کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۱۱ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۴ دسمبر ۲۰۰۵ء' بہ روز بدھ سورۃ القارعۃ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

اے میرے ربِ کریم! جس طرح آپ نے اس سورت کو مکمل کرادیا ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کو بھی مکمل کرادیں' میری تمام تصانیف کو قیامت تک فیض آفریں رکھیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور میرے احباب کی' اور میرے تلامذہ اور قارئین کی مغفرت فرمادیں۔

والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین
و علٰی آلہ واصحابہ وازواجہ و ذریاتہ وامتہ اجمعین۔



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علیٰ رسوله الکریم

سورة التکاثر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام التکاثر ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''التکاثر'' کا لفظ ہے وہ آیت یہ ہے:

اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُۙ (التکاثر:۱) تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا○

''تکاثر'' کا معنی ہے: اپنے مال اولاد ارکان اور خدام کی کثرت پر فخر کرنا۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورہ ''اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُۙ'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۵۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ ہر روز ایک ہزار آیات کی تلاوت کرے؟ صحابہ نے کہا: ہر روز ایک ہزار آیات کون پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص (ہر روز) ''اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُۙ'' پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا؟ (المستدرک ج ۱ ص ۵۶۷۔۵۶۶ الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۲۲۸۷ حاکم نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے)

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے سامنے سورۃ ''اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُۙ'' پڑھ رہا ہوں جو اس کو سن کر رویا اس کے لیے جنت ہے آپ نے وہ سورت پڑھی اس کو سن کر بعض لوگ روئے اور بعض نہیں روئے جو لوگ نہیں رو رہے تھے انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے بہت کوشش کی لیکن ہم رونے پر قادر نہ ہو سکے آپ نے فرمایا: میں تمہارے سامنے دوبارہ پڑھتا ہوں پس جو رویا اس کے لیے جنت ہے جو رونے پر قادر نہ ہوا وہ کوشش کر کے روئے۔ (الجامع لشعب الایمان رقم الحدیث: ۱۸۹۴ کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۱۶۳۔۱۶۲ الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۵۶ اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنائی تھی اور وہ نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے اور آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہتے تھے صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۹۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۸۳ مسند احمد ج ۶ ص ۱۹۸)

اس سے پہلے سورۃ القارعۃ میں نیکوکاروں اور بدکاروں کی جزاء اور سزاء بیان فرمائی تھی اور اس سورت میں بتایا ہے کہ انسان کس وجہ سے دوزخ کا مستحق ہوتا ہے اور وہ ہے دین کو چھوڑ کر دنیا میں مشغول ہونا اور اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ انسان جو بھی عمل کرتا ہے آخرت میں اس کے متعلق سوال کیا جائے گا اور اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ انسان مال اور دولت اولاد اور خدام کی کثرت پر فخر کرتا ہے اور ان کے حصول میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ قبر کے کنارے پہنچ جاتا ہے۔

امام عبدالرحمان بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

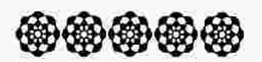
ابن بریدہ "اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ" کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ سورۃ انصار کے دو قبیلوں کے متعلق نازل ہوئی ہے: بنوحارثہ اور بنوحارث' وہ ایک دوسرے پر اپنی کثرت سے فخر کرتے تھے' ایک قبیلہ نے دوسرے قبیلہ سے کہا: تم میں فلاں بن فلاں کی مثل ہے' دوسرے نے بھی اسی طرح کہا' انہوں نے زندوں کے اوپر فخر کیا' پھر انہوں نے کہا: قبرستان میں چلو' پھر ایک جماعت نے دوسری جماعت سے کہا' انہوں نے قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا: تم میں اس کی مثل ہے' دوسری جماعت نے بھی اسی طرح کہا' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں: تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا○ حتیٰ کہ تم (مرکر) قبروں میں پہنچ گئے (التکاثر: ۲۔۱)۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۴۵۳)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ہم بنوفلاں سے اکثر ہیں اور بنوفلاں' بنوفلاں سے اکثر ہیں' حتیٰ کہ وہ گم راہی میں مر گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۴۵۶)

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۶ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۲ ہے۔

سورۃ التکاثر کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے ربِ کریم! مجھے صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۲ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۱۵ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰۔۲۱۵۶۳۰۹
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التکاثر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں آٹھ آیات اور ایک رکوع ہے

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ

تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا O حتیٰ کہ تم (مر کر) قبروں میں پہنچ گئے O یقیناً تم عنقریب

تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ

جان لو گے O پھر یقیناً تم عنقریب جان لو گے O ہرگز نہیں! کاش! تم علم یقین کے ساتھ

عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ

اپنا انجام جان لیتے O بے شک تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے O پھر تم ضرور عین الیقین کے ساتھ

الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸

دوزخ کو دیکھو گے O پھر تم سے ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم کو زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا O حتیٰ کہ تم (مر کر) قبروں میں پہنچ گئے O یقیناً تم عنقریب جان لو گے O پھر یقیناً تم عنقریب جان لو گے O (التکاثر: ۴۔۱)

مال میں کثرت کی طلب اس وقت ممنوع ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غفلت کی موجب ہو

مال اور اولاد کی کثرت پر فخر نے تم کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے غافل کر دیا حتیٰ کہ تم مر کر قبروں میں دفن ہو گئے' ''الھا'' کا مصدر ''الھاء'' ہے' اس کا معنی ہے: زیادہ ضروری چیز سے غافل ہونا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم مال اور اولاد کی کثرت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل ہو گئے' قتادہ نے کہا: تم قبیلوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ سے غافل ہو گئے' ضحاک نے کہا: تم کو معاش اور تجارت نے غافل کر دیا' ''الھـــا'' کا معنی ہے: مشغول کر دیا' مقاتل نے کہا: یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ کہتے تھے: ہم بنو فلاں سے اکثر ہیں' (یہ قول مخدوش ہے کیونکہ یہود مدینہ میں تھے اور یہ سورت مکی ہے) ابن زید نے کہا: یہ آیت انصار کے ایک گروہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' (یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور انصار مدینہ میں تھے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت قریش کے دو قبیلوں کے متعلق نازل ہوئی ہے: بنو عبد مناف اور بنو سہم' وہ ایک دوسرے سے عداوت رکھتے تھے' وہ اپنی سیادت اور اپنے شرف سے ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے: ہماری اکثریت ہے اور ہمارے سردار زیادہ ہیں' قتادہ نے کہا: وہ کہتے تھے: ہم بنو فلاں سے اکثر ہیں اور ہر دن ان میں سے ایک نہ ایک مر کر کم ہو رہا تھا' حتیٰ کہ وہ سب فوت ہو گئے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۵۱' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ آیت کسی خاص گروہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے' جو مال و دولت کو زیادہ

سے زیادہ جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اس فکر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے غافل ہو جاتے ہیں۔

مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپ '' اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ '' کی تلاوت فرما رہے تھے' آپ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے: میرا مال میرا مال' اے ابن آدم! تیرا مال تو صرف وہی ہے جس کو تو نے کھالیا اور جس کو فنا کر دیا' یا تو نے جس کو پہن لیا پھر اس کو بوسیدہ کر دیا' یا تو نے اس کا صدقہ کر کے اس کو ختم کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۹۵۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۴۲' ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے: اس کے سوا جو بھی مال ہے تم اس کو لوگوں کے لیے چھوڑ کر (دنیا سے) جانے والے ہو)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ اس کے پاس دو وادیاں ہوں اور اس کا منہ مٹی کے سوا ہرگز نہیں بھرے گا اور جو توبہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۴۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۴۸' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۳۳۷' سنن ترمذی میں یہ الفاظ ہیں: اگر ابن آدم کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا)

اطاعت' عبادت اور حسن اخلاق میں کثرت کو طلب کرنا محمود اور مستحسن ہے

اس آیت میں کثرت طلب کرنے کی مذمت فرمائی ہے' لیکن مطلقاً کثرت کو طلب کرنا مذموم نہیں ہے' بلکہ اطاعات' عبادات اور محاسن اخلاق میں کثرت کو طلب کرنا مطلوب ہے' اور مال میں کثرت اگر فسق و فجور کے لیے ہو تو مذموم ہے اور اگر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے لیے مطلوب ہو تو یہ مستحسن ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا مستحسن ہے' ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس حق کے راستے میں خرچ کرے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگوں کو تعلیم دے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۶' مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۵)

اسی طرح اولاد میں کثرت اگر صرف اپنی نسل بڑھانے کے لیے ہو تو یہ مستحسن نہیں ہے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اضافہ کے لیے مطلوب ہو تو یہ مستحسن ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے ایک ایسی عورت ملی ہے' جس کا خاندان بھی اچھا ہے اور وہ بہت خوب صورت بھی ہے اور اس کی اولاد نہیں ہوتی' کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! وہ پھر دوسری بار آیا' آپ نے پھر منع فرمایا' وہ پھر تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا: اس عورت سے شادی کرو' جو محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۰' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۷)

اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً تکاثر مذموم نہیں ہے بلکہ جو تکاثر مذموم ہے' وہ یہ ہے کہ فسق و فجور کے لیے مال و دولت میں کثرت کو طلب کیا جائے اور علم میں زیادتی اور اطاعت اور عبادت میں کثرت اور اخلاقِ حمیدہ میں اضافہ محمود اور مستحسن ہے' لہٰذا '' التکاثر '' میں الف لام استغراق کے لیے نہیں ہے' بلکہ دنیا اور اس کی لذتوں میں ایسی زیادتی کو طلب کرنا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے مانع ہو اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے' ایسا تکاثر ممنوع اور مذموم ہے اور '' التکاثر '' میں الف لام عہد کا ہے اور معہود اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کرنے والا تکاثر ہے۔ امام رازی نے فرمایا ہے: سعادات میں '' تفاخر '' غیر مذموم

ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: آپ اپنے رب کی نعمت بیان کیجئے (الضحیٰ: ۱۱) (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۷۰) لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی اپنے فضائل بیان فرمائے' اس کے ساتھ فرمایا: مجھے اس پر فخر نہیں۔

التکاثر: ۲ میں فرمایا: حتیٰ کہ تم نے قبروں کی زیارت کر لی' اس سے مراد ہے: حتیٰ کہ تم قبروں میں پہنچ گئے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قبر کی زیارت کرنے والا تو کچھ دیر قبر کی زیارت کر کے واپس چلا جاتا ہے' اور جو قبر میں دفن ہوتا ہے' وہ تو حشر تک قبر میں ہی رہتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں دفن ہونے والا بھی بالآخر قبر سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف روانہ ہو جائے گا۔

زیارتِ قبور کا بیان

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

زیارتِ قبور میں علماء کا اختلاف ہے' علامہ حازمی نے کہا ہے کہ تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مَردوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت ہے' علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے کا حکم عام ہے' جیسے پہلے قبروں کی زیارت سے ممانعت عام تھی' پھر جب یہ عام ممانعت منسوخ ہو گئی تو مردوں اور عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنا جائز ہو گیا' زیارتِ قبور کی اباحت اور جواز پر بہ کثرت احادیث مروی ہیں:

(۱) امام مسلم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔

(۲) امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے' اس کے یہ الفاظ ہیں: میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا' اب سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی ماں (رضی اللہ عنہا) کی قبر کی اجازت دے دی گئی ہے' سو اب قبروں کی زیارت کیا کرو' کیوں کہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

(۳) امام ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا' اب قبروں کی زیارت کیا کرو' کیونکہ یہ دنیا میں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

(۴) امام ابن ابی شیبہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا تھا' پھر فرمایا: قبروں کی زیارت کیا کرو اور کوئی بُری بات نہ کہنا۔

(۵) امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی' پھر آپ روئے اور جو اصحاب آپ کے گرد تھے' وہ بھی روئے' پھر آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت طلب کی تھی' مجھے یہ اجازت نہیں دی (تاکہ استغفار کرنے سے کسی کو والدہ ماجدہ کے متعلق ارتکابِ معصیت کا وہم نہ ہو کیونکہ جب غیر معصوم کے لیے استغفار کیا جائے تو اس سے اس کے ارتکابِ معصیت کا شبہ ہوتا ہے) پھر میں نے ان کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی' سو تم قبروں کی زیارت کیا کرو' کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہیں۔

(۶) امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کی اجازت دی ہے۔

(۷) امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت حیان انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم

خیبر کو خطبہ دیا اور ان تین چیزوں کو حلال کر دیا' جن سے پہلے آپ نے منع فرمایا تھا' ان کے لیے زیارت قبور' قربانی کے گوشت اور برتنوں کی اجازت دے دی۔

(۸) امام حاکم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: قبر کی زیارت کرو' اس سے تم کو آخرت یاد آئے گی۔

(۹) امام احمد نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا' اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ تم کو آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

(۱۰) امام احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کے پاس سے گزرے تو ان کی طرف منہ کر کے فرمایا: السلام علیکم۔

(۱۱) امام احمد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ قبرستان گئے اور اہل قبور کو سلام کیا اور کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں سلام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱۲) امام ابن عبد البر سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے اس مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کو پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۱۳) امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ لعنت فرماتا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے' پھر کہا: بعض اہل علم کا یہ نظریہ ہے کہ یہ حدیث زیارت قبور کی رخصت دینے سے پہلے کی ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور کی رخصت دی تو اس میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہو گئے۔

(حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ' عمدۃ القاری ج ۸ ص ۷۰۔ ۶۹' ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کا حکم

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنا مکروہ ہے' کیونکہ ان میں صبر کم ہوتا ہے اور وہ بے صبری کا اظہار زیادہ کرتی ہیں اور امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں اور قبروں پر مسجد بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے' ایک قوم نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ زیارت قبور کی رخصت مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کو شامل نہیں ہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا: ممکن ہے' یہ حدیث بھی زیارت قبور کی رخصت سے پہلے کی ہو' جو عورتیں بناؤ سنگھار کرتی ہیں' میرے نزدیک ان کا نہ جانا مستحب ہے اور جوان عورتوں کا قبروں پر جانا فتنہ سے خالی نہیں ہے اور عورتوں کے لیے اپنے گھر کی چار دیواری میں لازم رہنے سے اور کوئی چیز بہتر نہیں ہے' بہت سے علماء نے نماز پڑھنے کے لیے عورتوں کے جانے کو بھی مکروہ کہا ہے تو قبرستان میں جانا تو بہ طریق اولیٰ مکروہ ہوگا' عورتوں پر جمعہ کا پڑھنا جو فرض نہیں ہے تو میرے خیال میں اس کی یہی وجہ ہے کہ ان کو گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت ہے' جو لوگ عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کے جواز کے قائل ہیں' ان کی دلیل یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی ملیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک دن قبرستان سے آرہی تھیں' میں نے پوچھا: اے ام المؤمنین! آپ کہاں سے آرہی ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اپنے بھائی عبد الرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر کی

زیارت کر کے آرہی ہوں‘ میں نے عرض کیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کی زیارت سے منع نہیں فرمایا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! پہلے حضور نے منع فرمایا تھا‘ بعد میں آپ نے زیارتِ قبور کا حکم فرمایا۔

بعض علماء نے بوڑھی اور جوان عورتوں میں فرق کیا ہے‘ اور صرف زیارت اور مردوں سے اختلاط میں فرق کیا ہے‘ علامہ قرطبی مالکی نے کہا: جوان عورتوں کا زیارتِ قبور کے لیے جانا حرام ہے‘ اور رہیں بوڑھی عورتیں تو ان کا زیارتِ قبور کے لیے جانا جائز ہے‘ بہ شرطیکہ وہ مردوں سے اختلاط نہ کریں‘ اور ان شاء اللہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہوگا‘ نیز علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جامع ترمذی کی روایت میں ''زوّارات'' (بہت زیادہ زیارت کرنے والیوں) پر لعنت ہے اور ''زوارات'' مبالغہ کا صیغہ ہے‘ اس کا معنی ہے: جو بہ کثرت زیارتِ قبور کے لیے جاتی ہوں‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھی زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت نہیں ہے اور نہ ان کو ممانعت ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عورتوں کو بہ کثرت زیارت کرنے سے اس لیے منع کیا ہے کہ ان کے قبرستان میں زیادہ جانے سے خاوند کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور اس کی پوشیدہ زینتوں کا اظہار ہوتا ہے اور عورتوں کا باہر نکلنا مشہور ہو جاتا ہے اور اس میں ان لوگوں کے ساتھ تشبہ ہوتا ہے جو قبروں کی تعظیم کی وجہ سے قبروں کے ساتھ لازم رہتے ہیں‘ اور عورتوں کے قبروں پر جانے سے ان کے رونے‘ چلانے اور واویلا کرنے کا بھی خدشہ ہے‘ اس کے علاوہ اور بھی خرابیاں ہیں (مثلاً عورتوں کے زیادہ آنے جانے سے لوگ بھی فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور عورتوں کی عزت اور ناموس کو بھی خطرہ ہوتا ہے) اس اعتبار سے ''زائرات'' اور ''زوّارات'' (کبھی کبھی زیارت کرنے والیوں اور بہت زیادہ زیارت کرنے والیوں) میں فرق کیا جاسکتا ہے۔

''توضیح'' میں مذکور ہے کہ حضرت بریدہ کی حدیث میں زیارتِ قبور کی ممانعت کے منسوخ ہونے کی تصریح ہے‘ اور ظاہر یہ ہے کہ شعبی اور نخعی کو اجازت کی احادیث نہیں پہنچیں‘ اور شارع علیہ السلام سال کی ابتداء میں شہداء کی قبروں پر جاتے تھے اور فرماتے تھے:

السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار. تمہارے صبر کی وجہ سے تم پر سلام ہو اور دارِ آخرت کیا ہی اچھا ہے۔

اور حضرت ابوبکر‘ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کرتے تھے اور حضرت شارع علیہ السلام نے ایک ہزار اصحاب کے ساتھ فتح مکہ کے دن اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی‘ ابن ابی الدنیا نے اس روایت کو بیان کیا ہے‘ اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت علی‘ حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے زیارتِ قبور کی اجازت روایت کی ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں‘ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد کی قبر کی زیارت کرتے تھے‘ وہاں ٹھہرتے اور ان کے لیے دعا کرتے‘ اور امام عبد الرزاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت کرتی تھیں اور ان کی قبر مکہ میں تھی‘ ابن ابی حبیب نے کہا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے‘ وہاں بیٹھنے اور قبروں کے پاس سے گزرتے وقت سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ افعال کیے ہیں‘ امام مالک سے زیارتِ قبور کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس سے منع کیا تھا‘ پھر اس کی اجازت دے دی‘ سو اگر انسان ایسا کرے اور صرف نیک کلمات کہے تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے‘ نیز ''توضیح'' میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت کے استحباب پر تمام امت کا اجماع ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی سفر سے آتے تو نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی قبر مکرم پر آتے اور عرض کرتے: ''السلام علیك یا رسول الله ' السلام علیك یا ابا بکر ' السلام علیك یا ابتاہ''۔

صرف ابتداء اسلام میں زیارتِ قبور سے منع کیا گیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت بتوں کی عبادت اور قبروں پر سجدہ کرنے کا رواج قریب تھا اور لوگ نئے نئے اس عہد سے نکلے تھے اور جب لوگوں کے دلوں میں اسلام مستحکم اور قوی ہو گیا اور قبروں کی عبادت کرنے اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا خطرہ نہیں رہا تو آپ نے قبروں کی زیارت کی ممانعت کو منسوخ کر دیا' کیونکہ اس سے آخرت کی یاد آتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہے اور طاؤس سے منقول ہے کہ دفن کے بعد لوگ سات دن تک قبر سے جدا نہ ہونے کو مستحب قرار دیتے تھے کیونکہ مُردوں سے قبروں میں سات دن حساب اور آزمائش ہوتی ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا مکروہ ہے' بلکہ اس زمانہ میں حرام ہے' خصوصاً شہر کی عورتوں کا جانا حرام ہے' کیونکہ وہ بطور فتنہ اور فساد نکلتی ہیں (یعنی بہت زیادہ خوشبو لگا کر اور میک اپ کر کے نکلتی ہیں اور راستہ میں آنے جانے والے مردان کو دیکھتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں)' زیارتِ قبور کی اجازت تو صرف اس لیے دی گئی ہے کہ لوگ آخرت کو یاد کریں' ماضی کی بداعمالیوں پر غور کر کے ان سے بچیں اور توبہ کریں اور دنیا سے دل نہ لگائیں۔

(عمدۃ القاری ج ٨ ص ٨٠۔ ٦٩' ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ١٣٤٨ ھ)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ٩٧٠ ھ لکھتے ہیں:

وقیل تحرم علی النساء والاصح ان الرخصة ثابتة لهما.

ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کا زیارتِ قبور کے لیے جانا حرام ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رخصت ثابت ہے۔

(البحر الرائق ج ٢ ص ١٩٥' مطبعہ علمیہ' مصر' ١٣١١ ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ١٢٥٢ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ عورتوں کا قبروں کی زیارت کرنا حرام ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ عورتوں کے لیے بھی قبروں کی زیارت جائز ہے۔ (البحر الرائق) اور ''شرح المنیۃ'' میں لکھا ہے کہ یہ مکروہ ہے' علامہ خیر الدین رملی نے کہا ہے کہ اگر عورتیں غم کی تجدید' مُردے کی خوبیاں بیان کرنے اور رونے اور واویلا کرنے کے لیے جائیں تو یہ جائز نہیں ہے اور حدیث میں زوّاراتِ قبور پر جو لعنت کی گئی ہے' وہ اسی پر محمول ہے اور اگر رونے اور واویلا کرنے کے بجائے اعتبار آخرت اور میت پر دعا کرنے کے لیے جائیں یا صالحین کی قبروں کی زیارت سے برکت حاصل کرنے کے لیے جائیں تو جائز ہے' بوڑھی عورتوں کے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جوان عورتوں کے لیے جانا مکروہ ہے' جس طرح جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے عورتوں کے مسجدوں میں جانے کا معاملہ ہے اور یہ بہت اچھی توفیق ہے۔ (رد المحتار ج ١ ص ٦٠٣' مطبعہ عثمانیہ' استنبول' ١٣٢٧ ھ)

زیارتِ قبور کے مسئلہ کی زیادہ تحقیق اور مذاہب ائمہ ہم نے شرح صحیح مسلم ج ٧ ص ٧٤٢۔ ٣٤ میں بیان کیے ہیں۔

التکاثر: ٤۔ ٣ میں فرمایا: یقیناً تم عنقریب جان لو گے ○ پھر یقیناً تم عنقریب جان لو گے ○

التکاثر: ٣ اور التکاثر: ٤ کے محامل

فراء نے کہا: ان آیتوں کا معنی ہے: جن چیزوں پر تم تفاخر اور تکاثر کر رہے ہو وہ کوئی قابل فخر چیزیں نہیں ہیں اور عنقریب تم ان پر فخر کرنے کا انجام جان لو گے' آیت: ٤ میں پھر اس کو تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: آیت:۳ کا معنی یہ ہے کہ عنقریب تم جان لو گے اس تفاخر کا جو عذاب قبر میں نازل ہوگا اور آیت:۴ کا معنی یہ ہے کہ عنقریب تم جان لو گے اس تفاخر کا جو عذاب آخرت میں نازل ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ التکاثر:۳ کا معنی ہے: عنقریب جب تم موت کے وقت عذاب کا مشاہدہ کرو گے تو جان لو گے کہ میری دعوت برحق تھی' اور آیت:۴ کا معنی ہے: عنقریب جب تم کو موت کے بعد زندہ کیا جائے گا تو تم جان لو گے کہ میرا پیغام برحق تھا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ جب فرشتے تمہاری روح قبض کریں گے تو تم میرے پیغام کا صدق جان لو گے اور دوسری آیت کا معنی ہے: جب تم کو قبر میں دفنایا جائے گا اور منکر نکیر تم سے سوال کریں گے تو تم کو میرے قول کی صداقت پر یقین آ جائے گا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ قیامت کے دن تم کو اپنے دوبارہ زندہ کیے جانے پر یقین آ جائے گا' اور دوسری آیت کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن تم کو اس پر یقین آ جائے گا کہ تم کو عذاب دیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں کفار سے خطاب فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! کاش تم علم یقین کے ساتھ اپنا انجام جان لیتے O بے شک تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے O پھر تم ضرور عین الیقین کے ساتھ دوزخ کو دیکھو گے O پھر تم سے ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا O (التکاثر:۸۔۵)

''علم الیقین 'عین الیقین'' اور ''حق الیقین'' کی تعریفیں

اس آیت کا معنی ہے: تم مال کی کثرت پر فخر نہ کرو کیونکہ تم کو اس فخر کرنے پر آخرت میں عذاب دیا جائے گا' اور یہ جو فرمایا ہے: کاش! تم علم الیقین کے ساتھ اپنا انجام جان لیتے' اس کا جواب محذوف ہے یعنی اگر آج تم آخرت میں اپنے عذاب کو جان لیتے تو مال و دولت پر فخر کرنا چھوڑ دیتے۔

کسی خبر کو سن کر یا دلائل میں غور و فکر کرنے سے یقین حاصل ہو' اس کو علم الیقین کہتے ہیں اور کسی چیز کو دیکھ کر جو یقین حاصل ہو اس کو عین الیقین کہتے ہیں اور تجربہ سے جو یقین حاصل ہو' اس کو حق الیقین کہتے ہیں۔

ہم کو جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر یقین ہے' وہ علم الیقین ہے' اور صحابہ کرام کو جو آپ کی نبوت پر یقین تھا' وہ عین الیقین تھا اور آپ کو جو اپنی نبوت پر یقین تھا' وہ حق الیقین تھا۔

دوزخ کو دیکھنا کفار کے ساتھ خاص ہے یا مؤمنین بھی دوزخ کو دیکھیں گے؟

التکاثر:۶۔۷ میں فرمایا: بے شک تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے O پھر تم ضرور عین الیقین کے ساتھ دوزخ کو دیکھو گے O

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیتیں کفار کے ساتھ خاص ہیں' وہ آخرت میں ضرور دوزخ کو دیکھیں گے' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیتیں کفار اور مؤمنین دونوں کے لیے عام ہیں' کیونکہ مؤمنین بھی قیامت کے دن دوزخ کو دیکھیں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ (مریم:۷۱) تم میں سے ہر شخص کا دوزخ سے گزر ہوگا۔

مؤمن کا دوزخ سے گزر ہوگا' سو وہ اس کی گزرگاہ ہے اور کافر کا ٹھکانا ہے' وہ وہیں رہے گا' حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے' اس میں یہ ہے کہ دوزخ کے اوپر ایک پل بچھا دیا جائے گا' تم میں سے بعض اس کے اوپر سے پلک جھپکنے میں گزر جائیں گے' بعض بجلی کی طرح اور بعض آندھی کی طرح' بعض تیز رفتار گھوڑوں کی طرح اور بعض اونٹوں کی طرح گزر جائیں گے' ان میں سے بعض تو صحیح سلامت نجات پانے والے ہوں گے اور بعض جہنم کی آگ سے جھلس کر بچ نکلنے والے ہوں گے' یہاں تک کہ آخری شخص اس پر سے گھسٹتے ہوئے گزرے گا' تم آج مجھ سے حق کے معاملہ میں اس قدر سخت نہیں جتنے اس دن اللہ کے سامنے ہو گے' جب مؤمنین دیکھیں گے کہ اپنے بھائیوں میں

سے صرف ان کو نجات ملی ہے تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارے بھائی بھی ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ دوسرے نیک اعمال کرتے تھے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں ایک دینار کا مثقال بھر بھی ایمان ہو' اس کو دوزخ سے نکال لو اور اللہ ان کی صورتوں کو دوزخ پر حرام کر دے گا' پس وہ ان لوگوں کے پاس جائیں گے' ان میں سے بعض تو اپنے قدموں تک دوزخ میں غائب ہو چکے ہوں گے اور بعض آدھی پنڈلیوں تک دوزخ میں غائب ہو چکے ہوں گے' سو جن کو وہ پہچان لیں گے' ان کو دوزخ سے نکال لیں گے۔ الحدیث

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۴۳۹' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۴' مسند احمد ج ۳ ص ۵۶)

التکاثر: ۸ میں فرمایا: پھر تم سے ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا○

نعمتوں کے متعلق سوال صرف کفار سے ہوگا یا مؤمنین سے بھی ہوگا

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں بھی کفار سے خطاب ہے یعنی جو کفر مال و دولت پر فخر کرتے تھے' ان کے دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ان سے کہا جائے گا کہ چونکہ تم نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کیا' اس لیے تم کو یہ عذاب ہو رہا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے حساب کے وقت نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے کہ کیا تم نے ان نعمتوں کا شکر ادا کیا؟

بعض مفسرین نے کہا کہ یہ آیت مؤمنین اور کفار دونوں کے لیے عام ہے' اگر کافروں سے سوال ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ نعمتیں عطا فرمائیں لیکن تم اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لائے اور تم نے اس کے رسول کا انکار کیا اور اس کے پیغام کو قبول نہیں کیا اور اگر یہ سوال مؤمنین سے ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ اے مؤمنو! تم نے جو نیک اعمال کیے تھے' وہ تو ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے بھی کافی نہ تھے' جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا کی تھیں' تاکہ مؤمنین یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کی خطاؤں سے درگزر فرمایا ہے اور ان کو ثواب میں جنت عطا فرمائی ہے' یہ محض اللہ کا ان پر فضل ہے' ورنہ ان کے نیک اعمال تو ان نعمتوں کے شکر کے لیے بھی کافی نہ تھے' جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھیں۔

درج ذیل حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نعمتوں کے متعلق سوال مؤمنین سے بھی کیا جائے گا۔

مؤمنین سے نعمتوں کے سوال پر دلائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی دن یا کسی رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر آئے تو آپ کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ملے' آپ نے ان سے پوچھا کہ تم اس وقت باہر کیوں نکلے ہو؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! بھوک کی وجہ سے' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' میں بھی اسی سبب سے باہر آیا ہوں' جس سبب سے تم آئے ہو' پھر فرمایا: تم میرے ساتھ چلو' پھر آپ ایک انصاری کے گھر گئے' اس وقت وہ انصاری گھر میں نہیں تھا' جب اس کی اہلیہ نے آپ کو دیکھا تو کہا: مرحبا! آپ اپنے لوگوں میں آئے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: وہ شخص کہاں ہے؟ اس نے کہا: وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گیا ہے' اتنے میں وہ انصاری آ گیا' اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی طرف دیکھا' پھر کہا: الحمد للہ! آج سے پہلے میرے گھر اتنے مکرم اور معظم مہمان نہیں آئے' پھر وہ اٹھ کر گیا اور ادھ پکی اور تازہ پکی ہوئی کھجوروں کے خوشے اور چھوارے لے کر آیا اور کہا: آپ حضرات ان کو تناول فرمائیں' پھر اس نے چھری پکڑی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: دودھ دینے والی بکری کو ذبح نہ کرنا' اس نے بکری ذبح کی اور انہوں نے اس بکری کا گوشت کھایا اور ان خوشوں سے کھجوریں کھائیں اور پانی پیا اور خوب سیر ہو گئے' آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! قیامت کے دن تم سے آج کی ان نعمتوں کے متعلق سوال

کیا جائے گا' تم اپنے گھروں سے بھوک کے نکلے' پھر گھروں میں لوٹنے سے پہلے تم کو یہ نعمتیں مل گئیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۰۳۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۳۶۹)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روٹی کا وہ ٹکڑا جو تمہاری بھوک دور کرے اور اتنا کپڑا جس سے تمہاری شرم گاہ چھپ سکے اور وہ غار جو تمہیں گرمی اور سردی سے بچائے' ان تین نعمتوں کے علاوہ باقی نعمتوں کا تم سے سوال کیا جائے گا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۸)

جن نعمتوں کا سوال کیا جائے گا' ان کے متعلق آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین

جن نعمتوں پر سوال کیا جائے گا' وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ امن اور صحت ہے۔

(۲) سعید بن جبیر نے کہا: وہ صحت اور فراغت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت لوگ فریب خوردہ ہیں' صحت اور فراغت۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۶۴۱۲' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۳۰۴)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ سماعت اور بصارت ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۝ (بنی اسرائیل:۳۶) بے شک کان اور آنکھ اور دل' ان میں سے ہر ایک کے متعلق سوال کیا جائے گا۝

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بندے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھے کان اور آنکھ اور مال' اولاد نہیں دیئے تھے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۹۶۸' سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۴۳۰)

(۴) حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ کھانے اور پینے کی جگہ ہے۔

(۵) حسن بصری نے کہا: وہ صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا ہے۔

(۶) مکحول نے کہا: وہ سیر ہو کر کھانا اور پینا ہے' اور سایا دار مکان اور میٹھی نیند ہے۔

(۷) مجاہد نے کہا: دنیا کی ہر لذت کے متعلق قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔

ان نعمتوں پر سوال کے متعلق احادیث سے استدلال

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ" (التکاثر:۸) تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! کس نعمت کے متعلق ہم سے سوال کیا جائے گا' یہ تو صرف کھجور اور پانی ہے اور دشمن موجود ہے اور تلواریں ہمارے کندھوں پر ہیں؟ آپ نے فرمایا: بے شک یہ سوال کیا جائے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۵۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو بلائے گا اور اس کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس سے اس کی عزت اور وجاہت کے متعلق اس طرح سوال کرے گا' جس طرح اس سے اس کے مال کے متعلق سوال کرے گا۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث:۴۵۱' المعجم الصغیر رقم الحدیث:۱۸' اس کی سند ضعیف ہے)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا صرف ان چیزوں میں حق ہے' اس کی رہائش کا گھر ہو' وہ کپڑا جس سے اس کی شرم گاہ چھپ جائے اور روٹی کا ٹکڑا اور پانی۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث:۲۳۴۱)

یہ تمام وہ نعمتیں ہیں جن کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ بندہ نے ان کا شکر ادا کیا ہے یا نہیں' اور شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت جس لیے دی ہے' اس نعمت کو اس مقصد میں خرچ کیا جائے اور اس نعمت پر دل سے' زبان سے اور دیگر اعضاء سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس کی تعظیم کی جائے۔

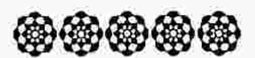
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے بندہ سے قیامت کے دن جس نعمت کا سوال کیا جائے گا وہ یہ ہے کہ کیا ہم نے تمہارا تندرست جسم نہیں بنایا تھا اور تم کو ٹھنڈے پانی سے سیر نہیں کیا تھا؟ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۵۸' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۳۶۴' المستدرک ج ۴ ص ۱۳۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ابن آدم دو قدم بھی نہیں چل سکے گا حتیٰ کہ اُس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا: (۱) اُس نے اپنی عمر کن کاموں میں خرچ کی؟ (۲) اُس نے اپنی جوانی کو کن کاموں میں گنوایا؟ (۳) اُس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا؟ (۴) اُس نے اپنا مال کن کاموں میں خرچ کیا؟ (۵) اُس نے اپنے علم کے موافق کتنا عمل کیا؟ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۱۶' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۵۲۷۱' معجم کبیر رقم الحدیث: ۹۷۷۲' معجم صغیر رقم الحدیث: ۷۶۰' الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۶۳' تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۴۰)

سورۃ التکاثر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۴ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۷ دسمبر ۲۰۰۵ء کو سورۃ التکاثر کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب کریم! قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری تصانیف کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب کی' میرے تلامذہ کی اور قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبه سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین
وعلٰی آله واصحابه وازواجه وذریاته وامته اجمعین.



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورة العصر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام العصر ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں یہ لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَالْعَصْرِ ۝ (العصر:١)　　　　زمانہ کی قسم ۝

امام طبرانی نے ''اوسط'' میں اور امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں ابوملیکہ دارمی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو شخص ایسے تھے کہ جب وہ ملتے تو علیحدہ نہ ہوتے' حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے سورۃ العصر پڑھتے' اس کے بعد وہ ایک دوسرے کو سلام کرتے۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ العصر مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

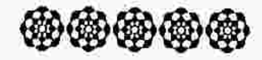
اس سے پہلی سورت التکاثر میں یہ بیان فرمایا تھا کہ دنیاوی اُمور میں زیادہ مشغول ہونا مذموم ہے اور اس سورت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مؤمنین کو اعمالِ صالحہ اور ایک دوسرے کی خیر خواہی میں مشغول رہنا چاہیے۔

☆ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے العصر کی قسم کھائی ہے' اس سے مراد دہر ہے یا زمانہ ہے جو بہت عجائب پر مشتمل ہے۔

☆ اس سورت میں بہت اختصار کے ساتھ اسلام کے بنیادی اصول بتا دیئے ہیں اور وہ ایمان' اعمالِ صالحہ اور ایک دوسرے کی خیر خواہی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا ہے۔

سورۃ العصر کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور ثواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
١٤ ذوالقعدۃ ١٤٢٦ھ/ ١٧ دسمبر ٢٠٠٥ء
موبائل نمبر: ٠٣٠٠-٢١٥٦٣٠٩
٠٣٢١-٢٠٢١٧٤٤



سورۃ العصر مکیۃ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — آیاتہا ۳ رکوعہا ۱

سورۃ العصر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں تین آیات اور ایک رکوع ہے

وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿٢﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

زمانہ کی قسم O بے شک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾

اور انہوں نے ایک دوسرے کو دین حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زمانہ کی قسم O بے شک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو دین حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی O (العصر: ۳۔۱)

زمانہ کی قسم کھانے کی وجوہ

(۱) زمانہ بہت عجیب و غریب چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے' اس میں خوشی اور غم کا' اور صحت اور بیماری کا' خوش حالی اور تنگ دستی کا ظہور ہوتا ہے' عقل حیران ہے کہ زمانہ کو موجود کہے یا معدوم کہے' معدوم اس لیے نہیں کہہ سکتی کہ زمانہ سال' مہینہ' ہفتہ' دن اور گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے اور زمانہ کم اور زیادہ ہوتا ہے اور جو چیز اس طرح ہو وہ معدوم نہیں ہو سکتی اور موجود اس لیے نہیں کہہ سکتی کہ زمانہ یا ماضی ہے یا مستقبل' ماضی گزر چکا ہے وہ موجود نہیں ہے اور مستقبل ابھی آیا نہیں وہ بھی موجود نہیں ہے اور رہا حاضر تو وہ ناقابلِ تقسیم ہے۔

(۲) انسان ساری زندگی گناہ کرتا رہے اور عمر کے آخری لحہ میں توبہ کر لے تو اس کو جنت مل جائے گی' جس میں وہ ابدالآباد تک رہے گا' تو انسان کی پوری زندگی کا وہی قیمتی لحہ ہے اور اس سے پہلے کی زندگی کو انسان محض ضائع کرتا رہا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا O (الفرقان: ۶۲)

اور اسی نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہو O

(۳) لوگوں کی عادت ہے کہ ان پر جو مصائب آتے ہیں یا ان کو جو نقصان ہوتے ہیں وہ ان کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرمایا کہ زمانہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے' اس میں کوئی عیب نہیں ہے' عیب تو انسان میں ہے' وہ اپنے کرتوتوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے نقصان اٹھاتا ہے اور اس نقصان کی نسبت زمانہ کی طرف کر دیتا ہے۔

(۴) زمانہ کے گزرنے سے انسان کی عمر کم ہوتی رہتی ہے' اگر وہ اس زمانہ میں نیک کام نہیں کرے گا تو اس کو سراسر نقصان ہو گا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر فرمایا: بے شک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے O سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے۔

''العصر'' کی تفسیر میں اقوال

''العصر'' کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

روایت ہے کہ ''العصر'' سے مراد دہر اور زمانہ ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے: رب عصر کی قسم ہے' ابن کیسان نے کہا: اس سے مراد دن اور رات ہے' حسن بصری نے کہا: اس سے مراد زوال شمس سے لے کر غروب شمس تک کا وقت ہے' قتادہ نے کہا: اس سے مراد دن کی ساعات میں سے آخری ساعت ہے' مقاتل نے کہا: اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ وہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

مقاتل نے جو کہا ہے کہ ''والعصر'' سے مراد عصر کی نماز ہے' اس کی مفسرین نے حسب ذیل وجوہ ذکر کی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز کی قسم کھا کر اس پر تنبیہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عصر کی نماز میں بہت فضیلت ہے' اسی لیے قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی'' (البقرہ:۲۳۸) تمام نمازوں کی حفاظت کرو' خصوصاً درمیانی نماز کی۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عصر کی نماز کی بہت فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہو گئی گویا اس کے اہل اور اس کا مال ہلاک ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۲' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۲۶' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۱۴' سنن نسائی رقم الحدیث:۵۱۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۶۸۵)

حضرت بریدہ نے ایک ابر آلود دن میں فرمایا: عصر کی نماز جلدی پڑھ لو' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے عصر کی نماز کو ترک کر دیا اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۳' مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۰۔۳۴۹)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' آپ نے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا: تم عنقریب اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے' جس طرح چاند کو دیکھ رہے ہو' تم کو اسے دیکھنے سے کوئی تکلیف نہیں ہو گی' اگر تم سے ہو سکے تو طلوعِ شمس اور غروبِ شمس سے پہلے کی نمازوں میں کوتاہی نہ کرو' یہ نمازیں تم سے قضا نہ ہو جائیں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۳۳' سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۴۷۲۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں اور وہ فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں' پھر جو فرشتے تمہارے پاس رات میں تھے وہ اوپر جاتے ہیں' ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے' وہ فرماتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں: جب ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس آئے تھے' اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۵۵۵' صحیح مسلم رقم الحدیث:۶۳۲' سنن نسائی رقم الحدیث:۴۸۷۔۴۸۶)

(۳) عصر کے وقت نماز پڑھنا نفس پر بہت بھاری ہوتا ہے کیونکہ اس وقت کاروباری لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں اور جو عبادت بھاری ہو' اس کو ادا کرنے کا بہت ثواب ہوتا ہے۔

(۴) عصر کی نماز کے بعد دن کی عبادت ختم ہو جاتی ہے' سو اس وقت نماز پڑھنا مرتے وقت توبہ کرنے کے مشابہ ہے۔

(۵) عصر کا وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مقدس ہے' اس وقت جھوٹ بول کر سودا بیچنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناراضگی کا

موجب ہے حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ کا فالتو پانی ہو اور وہ اپنے پڑوسی کو دینے سے منع کرے' دوسرا وہ شخص جو کسی حاکم سے دنیاوی غرض کی خاطر بیعت کرے' اگر وہ اس کو دنیا میں سے کچھ دے تو وہ اس سے راضی ہو اور اگر وہ اس کو نہ دے تو اس سے ناراض ہو اور تیسرا وہ شخص ہے جو عصر کے بعد سودا فروخت کرے اور کہے: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' مجھے یہ چیز اتنے اتنے کی ملی ہے اور اس کی خریدار تصدیق کر دے اور اس نے جھوٹی قسم کھائی ہو' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓىٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض بیچ دیتے ہیں' ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے' اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو صاف کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

''والعصر'' سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہونا

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی قسم کھائی ہے اور اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں اور یہود اور نصاریٰ کی مثال اس طرح ہے' جیسے ایک شخص نے کچھ لوگوں کو اجرت پر کام کے لیے رکھا اور ان سے کہا: رات تک کام کرنا' انہوں نے آدھے دن تک کام کیا' پھر کہا: ہمیں تمہاری اجرت کی ضرورت نہیں اور کام چھوڑ کر چلے گئے' پھر اس نے دوسرے آدمیوں کو لگایا اور ان سے کہا: تم بقیہ دن تک کام کرنا اور تم کو وہ اجر ملے گا' انہوں نے عصر کی نماز کے وقت تک کام کیا اور کہا: بس ہم اتنا ہی کام کر سکتے ہیں' پھر اس نے اور لوگوں کو بلایا اور انہوں نے بقیہ دن غروب آفتاب تک کام کیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور انہوں نے دونوں فریقوں کا اجر حاصل کر لیا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۸' مسند احمد ج ۲ ص ۶' مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۲۰۵۶۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر وہ زمانہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے ساتھ مختص ہے لہٰذا ''والعصر'' کا معنی ہے: اس زمانہ کی قسم جس میں آپ ہیں' یہ آپ کے زمانہ کی قسم ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے شہر کی قسم کھائی: ''اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ'' (البلد: ۲) اس شہر کی قسم جس میں آپ مقیم ہیں اور آپ کی زندگی کی قسم کھائی: ''لَعَمْرُكَ'' (الحجر: ۷۲) پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کے زمانہ کی قسم! آپ کے شہر کی قسم! آپ کی زندگی کی قسم! سوچیے! اللہ تعالیٰ آپ کی نسبتوں کی قسم کھا رہا ہے اور آپ کی نسبتیں اللہ کے نزدیک اتنی مکرم ہیں تو خود آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر مکرم ہوگی! (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۷۹' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

العصر: ۲ میں فرمایا: بے شک ہر انسان ضرور نقصان میں ہے ○

تمام انسانوں کا خسارے میں مبتلا ہونا

اس آیت میں ''الانسان'' پر الف لام کے دو محمل ہیں: ایک یہ کہ یہ الف لام استغراق کے لیے ہے جیسا کہ حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: بے شک ابن آدم ہلاکت اور نقصان میں ہے۔ (جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۷۱) دوسرا محمل یہ ہے کہ یہ الف لام عہد کا ہے اور معہود کفار ہیں۔

امام ابواسحٰق احمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس سورت کو پڑھا اور آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں' اس آیت کی کیا تفسیر ہے؟ آپ نے فرمایا: ''والعصر'' سے مراد ہے دن کا آخری حصہ ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ'' سے مراد ہے: ابوجہل بن ہشام ''الا الذین امنوا'' سے مراد ہے: ابوبکر صدیق اور ''عملوا الصلحت'' سے مراد ہے: عمر بن الخطاب ''وتواصوا بالحق'' سے مراد ہے: عثمان بن عفان ''وتواصوا بالصبر'' سے مراد ہے: علی بن ابی طالب۔

امام ثعلبی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بعینہٖ یہی تفسیر نقل کی ہے۔

(الکشف والبیان ج ۱۰ ص ۲۸۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۲ھ)

امام الحسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ ھ نے لکھا ہے: اس آیت میں ''الانسان'' سے مراد کافر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد مؤمنین کا استثناء فرمایا ہے' فرمایا ہے: بے شک انسان خسارہ میں ہے' اور خسارہ کا معنی ہے: انسان کا اصل مال ضائع ہو جائے یعنی انسان خود بھی ہلاک ہو جائے اور اس کی تمام عمر گناہوں میں ضائع ہو جائے۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

''خسر'' کا معنی ہے: اصلی مال کا ضائع ہو جانا یا کم ہو جانا' پس انسان نے جب اپنے نفس کو ان کاموں میں استعمال نہیں کیا' جن سے دائمی نفع ہوتا ہے تو وہ خسارہ میں ہے کیونکہ اس نے اپنے نفس کو ہلاک کرنے کا عمل کیا۔

(زاد المسیر ج ۹ ص ۲۲۵' المکتب الاسلامی' بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ فرماتے ہیں:

انسان خسارہ سے الگ نہیں ہو سکتا' کیونکہ خسارہ کا معنی ہے: اصل مال کا ضائع ہو جانا اور انسان کا اصل مال اس کی عمر ہے اور وہ بہت کم اپنی عمر کے ضائع ہونے سے بچ سکتا ہے کیونکہ انسان کے اوپر جو ساعت بھی گزر رہی ہے' اس میں اگر وہ گناہوں میں مصروف ہے تو اس کے نقصان میں کوئی شک نہیں ہے اور اگر اس کی وہ ساعت مباح کاموں میں گزر رہی ہے' پھر بھی اس کا نقصان اس لحاظ سے ہے کہ اس کو ان کاموں پر ثواب نہیں ملا' اور اگر اس کی وہ ساعت اطاعت اور عبادت میں گزر رہی تو وہ جس کیفیت سے عبادت کر رہا ہے' اس سے عمدہ اور اعلیٰ کیفیت سے بھی عبادت کرنا ممکن ہے کیونکہ خشوع اور خضوع کے درجات غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جلال اور قہر کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی جس قدر زیادہ معرفت ہوگی' اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوگا اور جتنا زیادہ خوف ہوگا' وہ اتنی زیادہ تعظیم سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا اور اعلیٰ عبادت کو ترک کرنا اور ادنیٰ عبادت کو اختیار کرنا یہ بھی ایک قسم کا نقصان ہے' پس واضح ہو گیا کہ ہر انسان کسی نہ کسی قسم کے خسارے اور نقصان میں مبتلا ہے۔

اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر انسان اصل میں خسارے اور نقصان میں مبتلا ہے' کیونکہ انسان کی سعادت اس میں ہے کہ وہ آخرت سے محبت رکھے اور دنیا سے اعراض کرے اور وہ اسباب جو آخرت کے داعی اور محرک ہیں' وہ مستور اور غیر ظاہر

ہیں اور وہ اسباب جو دنیا کی محبت کے داعی ہیں وہ ظاہر ہیں وہ انسان کے حواسِ خمسہ اور شہوت اور غضب ہیں اس وجہ سے زیادہ لوگ دنیا کی محبت اور اس کو طلب کرنے میں مستغرق ہیں اس لیے سب لوگ خسارے اور نقصان میں ہیں سوائے مؤمنین صالحین کے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۲۸۰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

العصر: ۳ میں فرمایا: سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو دین حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی O

حق اور صبر کی نصیحت کے محامل

اس آیت کا معنی ہے: سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کی اور اس کی اطاعت اور عبادت کا اقرار کیا اور نیک اعمال کیے یعنی فرائض اور واجبات کو ادا کیا اور سنن اور مستحبات پر کار بند رہے اور معاصی کا ارتکاب نہیں کیا اور گناہ کبیرہ اور صغیرہ سے مجتنب رہے اور دوسروں کو بھی کتاب اللہ کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیتے رہے اور صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے۔

''وتواصوا بالحق'' کی تفسیر میں تین قول ہیں: یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ دوسروں کو بھی توحید پر ایمان لانے کی تلقین کرتے رہے قتادہ نے کہا: وہ قرآن کے احکام پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے رہے سدی نے کہا: وہ اللہ کی اطاعت اور عبادت کی تلقین کرتے رہے۔

''وتواصوا بالصبر'' کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں: قتادہ نے کہا: وہ اللہ کی فرماں برداری کی نصیحت کرتے رہے ہشام بن حسان نے کہا: وہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے فرائض پر عمل کرنے کی تائید کرتے رہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ حرام کام کرنے کی خواہش پر صبر کرنے اور شہوت اور غضب کے تقاضوں پر صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی مشقت پر صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ (النکت والعیون ج ۶ ص ۳۳۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

افعال میں حسن اور قبح عقلی ہے یا شرعی؟

اللہ تعالیٰ نے اس استثناء میں تین چیزیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے میں جو انسان کی عمر اور جوانی خرچ ہوتی ہے انسان اس پر ملال نہ کرے کیونکہ اللہ کی عبادت میں عمر کا تھوڑا سا حصہ اس کو دائمی اور ابدی جنت تک پہنچا دیتا ہے اور دوزخ کے دائمی عذاب سے بچا لیتا ہے۔

(۲) ہر وہ شخص جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دے وہ اس کا خیر خواہ ہے اور وہ شخص جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی معصیت کی دعوت دے وہ اس کا بدخواہ ہے۔

(۳) ماتریدیہ کہتے ہیں: اعمال میں فی نفسہٖ حسن یا قبح ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حسین کاموں کا حکم دیا ہے اور قبیح کاموں سے منع فرمایا ہے مثلاً نماز پڑھنا فی نفسہٖ حسین کام ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور زنا کرنا فی نفسہٖ قبیح کام ہے کیونکہ اس سے نسب محفوظ نہیں رہتا' اس لیے اس سے منع فرمایا ہے سو اللہ تعالیٰ نے نیک کاموں کا حکم دیا ہے اور بُرے کاموں سے روکا ہے اور اشاعرہ کہتے ہیں کہ فی نفسہٖ کسی کام میں حسن یا قبح نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جس کام کا حکم دیا ہے وہ حسین ہے اور جس سے منع کیا ہے وہ قبیح ہے اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اس لیے وہ حسین ہے اور زنا کرنے سے منع کیا ہے اس لیے وہ قبیح ہے اگر اللہ تعالیٰ نماز سے منع کرتا تو نماز پڑھنا قبیح ہوتا اور اگر زنا کرنے کا حکم دیتا تو زنا کرنا

حسین کام ہوتا۔

انسان کا خود نیک ہونا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو بھی نیک بنائے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو خود نیک کام کرنے کے علاوہ یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی نیک بنائے' انہیں دین حق پر عمل کرنے کی وصیت کرے اور مشکلات اور مصائب میں صبر کرنے کی وصیت کرے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا. اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ (التحریم:۶)

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا نگہبان ہے' پس ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے متعلق سوال کیا جائے گا' ملک کا سربراہ اپنی رعایا کا نگہبان ہے' اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا' گھر کا سربراہ اپنے گھر والوں کا محافظ ہے' اس سے ان کے متعلق سوال کیا جائے گا' عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا' نوکر اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے' اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا' تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث:۲۵۵۴' صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۸۲۹' سنن ترمذی رقم الحدیث:۱۷۰۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تمام لوگ خسارے میں ہیں' سوا ان کے جو چار چیزوں سے متصف ہوں: ایمان' اعمالِ صالحہ' لوگوں کو اطاعت اور عبادت کی وصیت کرنا اور لوگوں کو صبر کی تلقین کرنا' اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کرے بلکہ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دے اور ان کو بُرائی سے روکے' جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ. تم بہترین امت ہو' ان سب امتوں سے جن کو لوگوں کے لیے ظاہر کیا گیا ہے' تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران:۱۱۰)

سورۃ العصر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۶ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۱۹ دسمبر ۲۰۰۵ء بہ روز پیر سورۃ العصر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اے میرے ربِ کریم! جس طرح آپ نے یہاں تک پہنچا دیا ہے' قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں۔ (آمین)

آج کل کراچی میں سردی کافی پڑ رہی ہے اور مجھے ٹھنڈ زیادہ لگتی ہے' سردی کے موسم میں معمول کے مطابق کام نہیں ہو پاتا' بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں تک کام ہوگیا ہے' ان شاء اللہ آئندہ بھی ہو جائے گا۔

اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری تمام تصانیف کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھے اور میری اور میرے والدین کی اور میرے اساتذہ کی اور میرے احباب اور تلامذہ کی اور جملہ قارئین کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الھُمَزۃ

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام الھمزۃ ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''اَلْھُمَزۃ'' کا لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ (الھمزۃ:۱) ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہلاکت ہے ○

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدرالمنثور ج ۸ ص ۵٦۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۳۲ اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۴ ہے۔

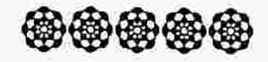
اس سے پہلے سورۃ العصر میں یہ بتایا تھا کہ مؤمنین صالحین کے سوا ہر انسان خسارہ اور نقصان میں ہے اور اس سورت میں ایک مثال اس شخص کی بتائی ہے جو آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہے اور وہ شخص طعنہ زن اور عیب جو ہے۔

اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ جو شخص لوگوں کو طعنے دیتا ہے اور ان کے عیوب تلاش کرتا ہے وہ آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

پھر ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اس خیال سے مال جمع کرتے رہتے ہیں جیسے انہوں نے دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان لوگوں کو سخت عذاب دیا جائے گا۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم کرنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱٦ ذوالقعدۃ ۱۴۲٦ھ/ ۱۹ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵٦۳۰۹
۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴



سورۃ الھمزۃ | بسم اللہ الرحمن الرحیم | آیاتھا ۹ رکوعھا ۱

سورۃ الھمزۃ مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے۔ اس میں نو آیتیں اور ایک رکوع ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴿۱﴾ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ ﴿۲﴾

ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہلاکت ہے O جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا O

يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾

وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ (زندہ) رکھے گا O ہرگز نہیں! وہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) میں جھونک دیا جائے گا O

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ﴿۶﴾ الَّتِي

اور آپ کیا سمجھے کہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) کیا ہے؟ O وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی (آگ) ہے O جو دلوں پر

تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ﴿۷﴾ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾ فِي

چڑھ جائے گی O وہ (آگ) ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہو گی O لمبے

عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

لمبے ستونوں میں O



اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہلاکت ہے O جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا O وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ (زندہ) رکھے گا O (الھمزۃ: ۳۔۱)

سورۃ الھمزۃ کا شانِ نزول

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سورت میں طعنہ زن اور عیب جو کے لیے جو وعید ذکر کی گئی ہے وہ ہر طعنہ زن اور عیب جو کے لیے ہے یا مخصوص طعنہ دینے والوں کے لیے ہے محققین نے کہا: یہ وعید ہر طعنہ زن عیب جو کے لیے ہے کیونکہ کسی آیت کے سبب کی خصوصیت عام حکم سے مانع نہیں ہوتی۔

دوسرے علماء نے کہا ہے: یہ وعید مخصوص لوگوں کے لیے ہے۔

عطاء اور کلبی نے کہا: یہ وعید اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص طعنے دیتا تھا اور آپ کی عیب جوئی کرتا تھا اور دیگر لوگوں کی بالعموم عیب جوئی کرتا تھا اور انہیں طعنے دیتا تھا اور امام محمد بن اسحاق نے کہا: ہم ہمیشہ سے یہ سنتے رہے ہیں کہ سورۃ الھمزۃ امیہ بن خلف جمحی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ سورت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو پس پشت آپ کے عیب نکالتا تھا اور آپ کے منہ

پر آپ کو طعنے دیتا تھا۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۳ ص ۵۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)
مجاہد نے کہا: یہ آیت ہر اس شخص کے متعلق عام ہے جس میں یہ وصف پایا جائے۔
(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۰ھ)

''الھمزۃ'' اور ''اللمزۃ'' کے معانی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان دونوں لفظوں کا معنی ہے: چغلی کھانے والے اور دوستوں کے درمیان فساد ڈالنے والے اور بے عیب لوگوں میں عیب تلاش کرنے والے۔

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سب سے اچھے ہیں؟ مسلمانوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد آ جائے پھر فرمایا: کیا میں تم کو ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو تم میں سب سے بُرے ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں اور دوستوں کے درمیان پھوٹ اور فساد ڈالتے ہیں اور جو لوگ عیب سے بَری ہوں ان میں عیب نکالتے ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۹ طبع قدیم مسند احمد ج ۴۵ ص ۵۷۵۔ رقم الحدیث: ۲۷۵۹۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۱ھ یہ حدیث اپنے شواہد کے ساتھ حسن ہے المعجم الکبیر ج ۲۴ رقم الحدیث: ۴۲۳ الادب المفرد للبخاری رقم الحدیث: ۳۲۳ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۱۱۹ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۶ شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۱۰۷ حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کی متعدد ائمہ نے توثیق کی ہے اور شہر بن حوشب کے علاوہ تمام رجال صحیح ہیں مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۳)

اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ ''ھمزۃ'' چغل خور ہے اور ''لمزۃ'' عیب نکالنے والا ہے اور ابو العالیہ حسن مجاہد اور عطاء بن ابی رباح نے کہا: ''ھمزۃ'' وہ ہے جو انسان کے سامنے اس کی بُرائی بیان کرے اور ''لمزۃ'' وہ ہے جو انسان کے پسِ پشت اس کی بُرائی بیان کرے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۶۴ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

کفار کی عام روش یہ تھی کہ جب وہ کسی کمزور اور غریب آدمی سے بات کرتے تو اس کے منہ پر اس کو بُرا کہتے تھے اور جب کسی طاقت ور اور امیر آدمی سے بات کرتے تو منہ پر اس کی تعریف کرتے تھے اور اس کے پسِ پشت اس کے عیوب بیان کرتے تھے غرض وہ ''ھمزۃ'' بھی تھے اور ''لمزۃ'' بھی تھے چونکہ کسی کے سامنے اس کی بُرائی بیان کرنے میں یہ امکان تھا کہ وہ اپنی مدافعت کرے گا اور پسِ پشت اس کی بُرائی بیان کرنے میں یہ خطرہ نہ تھا اس لیے وہ پسِ پشت بُرائی زیادہ کرتے تھے۔ غیبت کے متعلق ہم نے الحجرات کی تفسیر میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔

الھمزۃ: ۲ میں فرمایا: جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا ○

ضحاک نے کہا: وہ مال اس لیے گن گن کر جمع کر کے رکھتا ہے تاکہ اس کی اولاد اس مال کی وارث ہو جائے اور اس سے مقصود ان لوگوں کی مذمت کرنا ہے جو اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے اور اس کو بچا بچا کر رکھتے ہیں۔

الھمزۃ: ۳ میں فرمایا: وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ (زندہ) رکھے گا ○

سدی نے کہا: اس کا معنی ہے: وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور یہ مال اس کے کام آتا رہے گا اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اس کے سامنے بے شمار آدمی مرتے رہتے ہیں تو وہ یہ گمان کیسے کر سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے حال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس نے مرنا ہی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں! وہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) میں جھونک دیا جائے گا ○ اور آپ کیا سمجھے کہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) کیا ہے؟ ○ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی (آگ) ہے ○ جو دلوں پر چڑھ جائے گی ○ وہ (آگ) ان پر ہر

طرف سے بند کی ہوئی ہوگی O لمبے لمبے ستونوں میں O (الھمزۃ:۹۔۴)

''الحطمۃ'' کا معنی

الھمزۃ:۴ میں ''الحطمۃ'' کا لفظ ہے' جس کا ترجمہ ہم نے چورا چورا کرنے والی کیا ہے۔

کتب لغت میں اس کے یہ معنی مذکور ہیں: ریزہ ریزہ' چورا چورا' جو چیز ٹوٹ پھوٹ کر چورا چورا ہو جائے' یہ ''حطم'' سے بنا ہے' جس کا معنی ہے: کسی چیز کو توڑنا اور کوٹنا' ''الحطمۃ'' دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔

(القاموس المحیط ص ۱۰۹۵' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۴ھ' مختار الصحاح ص ۹۶' دار احیاء التراث العربی الاسلامی' بیروت' ۱۴۱۹ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے: ہرگز نہیں! اس میں اس کافر کے مزعوم کا رد فرمایا ہے یعنی نہ وہ خود دنیا میں ہمیشہ رہے گا نہ اس کا جمع کیا ہوا مال باقی رہے گا اور اس کو رسوا کرتے ہوئے ''الحطمۃ'' میں جھونک دیا جائے گا' ''الحطمۃ'' دوزخ کی آگ کا وہ طبقہ ہے جہاں اس کو توڑ پھوڑ کر پیس ڈالا جائے گا' اس طبقہ کو ''الحطمۃ'' اس لیے فرمایا ہے کہ اس میں جو کچھ بھی ڈالا جائے وہ اس کو توڑ پھوڑ کر چورا چورا کر دیتا ہے۔

الھمزۃ:۵ میں فرمایا: اور آپ کیا سمجھے کہ چورا چورا کر دینے والی (آگ) کیا ہے؟O

یہ ''الحطمۃ'' کی اہمیت بیان کرنے کے لیے اس طرح فرمایا ہے' مقاتل نے کہا: یہ دوزخ کا وہ طبقہ ہے جو ہڈیوں کو توڑ دے گا اور گوشت کو کھا جائے گا' طعنہ زن اور عیب جو کو اس طبقہ میں اس لیے ڈالا جائے گا کہ وہ بھی غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھا جاتا تھا' اس لیے اس کو ''حطمۃ'' میں ڈالا جائے گا' جو اس کی ہڈیاں توڑ کر اس کا گوشت کھا جائے گی۔

الھمزۃ:۶ میں فرمایا: وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی (آگ) ہےO

دوزخ کی آگ کی شدت

یعنی یہ وہ آگ ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی۔ یہ دنیا کی جلائی ہوئی آگ کی طرح نہیں ہے' جو بالآخر بجھ جاتی ہے' اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جلایا گیا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے' کہا گیا: یا رسول اللہ! یہ آگ بھی کافی تھی' آپ نے فرمایا: جہنم کی آگ تمہاری آگ پر انہتر درجہ زیادہ ہے۔ الحدیث (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۲۶۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۸۴۳' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۸۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۳' سنن دارمی رقم الحدیث: ۲۸۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک ہزار سال تک دوزخ کی آگ کو بھڑکایا گیا' حتیٰ کہ وہ سرخ ہوگئی' اس کو پھر ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سفید ہوگئی' اس کو پھر ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا حتیٰ کہ وہ سیاہ ہوگئی' پس وہ سیاہ اندھیری ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۵۹۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۲۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ میں صرف شقی داخل ہوگا' پوچھا گیا: یا رسول اللہ! شقی کون ہے؟ فرمایا: جو اللہ (کی رضا) کے لیے کوئی طاعت نہ کرے اور اللہ (کے خوف سے) کوئی گناہ ترک نہ کرے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۹۸' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۹)

کفار کے عذاب کی کیفیت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ دوزخ کی آگ کافروں کے پیٹ میں داخل ہوگی' پھر ان کے سینہ تک پہنچ جائے گی' پھر ان

کے دل پر چڑھ جائے گی اور انسان کے جسم میں دل سے زیادہ لطیف اور کوئی چیز نہیں ہے اور تھوڑی سی اذیت سے بھی دل میں بہت تکلیف ہوتی ہے' پس اس وقت کافر کا کیا حال ہوگا جب اس کو دوزخ میں جھونکا جائے گا' پھر دوزخ کی آگ اس کے دل پر چڑھ جائے گی' دل کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا ہے کہ شرک' کفر' تمام عقائد خبیثہ اور تمام بُری نیات کافر کے دل میں ہوتی ہیں۔

الھمزۃ:۸ میں فرمایا: وہ (آگ) ان پر ہر طرف سے بند کی ہوئی ہوگی O

الھمزۃ:۴ میں فرمایا تھا: ان کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا' یعنی دوزخ میں کوئی بہت گہری جگہ ہے جیسے کوئی اندھا کنواں ہو اور اس میں کافروں کو جھونک دیا جائے گا' اور اس جگہ سے نکلنے کا کوئی دروازہ ہوگا لیکن وہ دروازہ ان پر بند کر دیا جائے گا' اس سے ان کی حسرت اور ناامیدی میں اور اضافہ ہوگا۔

جب کسی دروازے کے کواڑوں کو زور سے بند کر دیا جائے اور اس میں کنڈی لگا کر قفل لگا دیا جائے اور ان بند دروازوں کے کھلنے کی بہ ظاہر کوئی صورت نہ ہو تو عرب کہتے ہیں: ''اصدت الباب'' اس سے ''مؤصدة'' بنا ہے' گویا ان کافروں کو حطمہ نام کے دوزخ کے طبقہ میں ڈال دیا جائے گا اور اس طبقہ کے دروازوں کو مضبوطی سے بند کر دیا جائے گا' ان کو کوئی کھول نہیں سکے گا اور اس دردناک عذاب سے نجات کی ان کے لیے کوئی صورت نہیں ہوگی۔

الھمزۃ:۹ میں فرمایا: لمبے لمبے ستونوں میں O

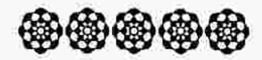
اس آیت میں ''عمد'' کا لفظ ہے' یہ ''عمود'' کی جمع ہے' اس کا معنی ستون ہے اور ''عمدة'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: طویل' لمبے یعنی آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی طرح بلند ہوں گے' نہ وہ بجھیں گے نہ ان کی ایذاء رسانی میں کوئی کمی ہو گی۔

اس کا ایک معنی یہ ہے کہ ان لمبے لمبے ستونوں سے ''حطمة'' کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا اور یہ آگ کے لمبے لمبے ستون اس قدر زیادہ ہوں گے کہ گویا وہی بند دروازہ ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ''حطمة'' کو ان پر اس حال میں بند کر دیا جائے گا کہ وہ آگ کے ان لمبے لمبے ستونوں سے باندھے ہوئے اور جکڑے ہوئے ہوں گے۔

''الھمزۃ'' کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۸ ذوالقعدة ۱۴۲۶ھ/ ۲۱ دسمبر ۲۰۰۵ء' بہ روز بدھ سورة الھمزۃ کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب کریم! تفسیر تبیان القرآن کو مکمل فرما دے اور اس تفسیر کو اور میری دیگر تصانیف کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھ اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب اور تلامذہ کی اور قارئین کی اور جملہ مؤمنین کی مغفرت فرما۔ (آمین)

والصلوٰة والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین افضل المرسلین شفیعنا یوم الدین
و علٰی آله واصحابه وازواجه وذریته وامته اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ الفیل

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام الفیل ہے کیونکہ اس کی پہلی آیت میں ''اصحاب الفیل'' کا ذکر ہے' وہ آیت یہ ہے:

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟○ (الفیل:۱)

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ ''اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۵۷۲' داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس سورت کا ترتیب مصحف کے اعتبار سے نمبر ۱۰۵ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۹ ہے۔

اس سے پہلی صورت الھمزۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جن طعنہ زن اور عیب جو کافروں نے مال جمع کیا' وہ مال ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکا' اب اس پر دلیل قائم کرتے ہوئے اس سورت میں فرمایا کہ ابرھہ جو مال و دولت اور قوت اور طاقت کے اعتبار سے ان سے بہت زیادہ تھا' وہ ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ پر حملہ آور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعہ ان کو ہلاک کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ بڑی سے بڑی قوت اور طاقت کفار کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

یہ مکی سورت ہے' اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یمن کا گورنر ابرھہ بڑے کروفر سے ہاتھیوں کی فوج لے کر آیا تھا' چھوٹے چھوٹے پرندوں نے کنکریاں مار مار کر ان کو ہلاک کر دیا۔

حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے ابرھہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا گیا تھا' اس نے صنعاء نامی شہر میں ایک کلیسا بنایا تھا' اس نے شاہِ حبشہ کو خط لکھا: میں نے آپ کے لیے ایک بہترین گرجا تعمیر کیا' میری خواہش ہے کہ آئندہ عرب کے لوگ کعبہ کو چھوڑ کر اس معبد میں حج اور طواف کیا کریں' جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو بنی کنانہ کے ایک شخص نے غضب میں آ کر اس گرجا میں بول و براز کر دیا' یہ دیکھ کر ابرھہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے کہا: اگر میں نے کعبہ کو نہ گرایا تو میرا نام ابرھہ نہیں' وہ اسی وقت ہاتھیوں کی ایک فوج کے ساتھ کعبہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا' وہ مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلہ پر ٹھہرا' اس نے اپنے ایک سردار کو حکم دیا کہ مکہ کے لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کرے' سو وہ سردارِ قریش کے اونٹ اور دوسرے مویشی چھین کر لے آیا' جن میں دو سو اونٹ حضرت عبد المطلب کے بھی تھے' اس کے بعد ابرھہ نے کسی کو بھیج کر انہیں بلوایا' ابرھہ نے حضرت عبد المطلب کی بہت عزت کی اور ترجمان کے ذریعہ ان میں یہ بات چیت ہوئی' ابرھہ نے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ حضرت عبد المطلب نے کہا: تم میرے اونٹ

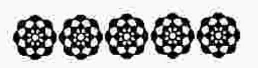
واپس کر دو' ابرھہ نے تعجب سے کہا: تمہیں اونٹوں کی فکر ہے اور خانہ کعبہ کی کوئی فکر نہیں' جس کو میں گرانے آیا ہوں' حضرت عبدالمطلب نے کہا: میں اونٹوں کا مالک ہوں' اس لیے اپنے اونٹ مانگ رہا ہوں' خانہ کعبہ کا مالک اللہ ہے' وہ اپنا گھر خود بچائے گا' اس گفتگو کے بعد حضرت عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر مکہ میں لوٹ آئے اور قریش سے کہا کہ تم لوگ شہر مکہ سے نکل جاؤ اور پہاڑوں کے دروں میں پناہ لے لو' اور خود چند آدمیوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں گئے اور وہاں یہ دعا کی: اے اللہ! ہر شخص اپنا گھر بچاتا ہے تو بھی اپنا گھر بچا' ایسا نہ ہو کہ ان کی صلیب اور ان کی تدبیر' تیری تدبیر پر غالب آ جائے اور اگر تو ہمارے قبلہ کو ان پر چھوڑنا چاہتا ہے تو تُو جو چاہتا ہے وہ کر۔

حضرت عبدالمطلب اس دعا کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں کے درے میں پناہ گزین ہو گئے' دوسری صبح کو ابرھہ کعبہ کو گرانے کے لیے اپنی فوج اور ہاتھیوں کو لے کر روانہ ہوا' جب اس نے ہاتھی کا منہ مکہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا اور بہت کوشش کے باوجود نہ اٹھا' پھر اس نے ہاتھی کا منہ دوسری طرف کیا تو وہ تیز بھاگنے لگا' پھر جب وہ اس کا منہ مکہ کی طرف کرتا تو وہ بیٹھ جاتا اور دوسری طرف اس کا منہ کرتا تو وہ چل پڑتا' اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف سے پرندوں کے غول بھیجے' ان کی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں تھیں' انہوں نے وہ کنکریاں برسانی شروع کر دیں' جس شخص پر وہ کنکریاں گرتیں' وہ ہلاک ہو جاتا' ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا' وہ کنکری اس کے سر میں گھستی اور اس کی مقعد سے نکل جاتی' یہ دیکھ کر ابرھہ کا لشکر بھاگ نکلا اور اللہ تعالیٰ نے دشمن سے اپنا گھر بچا لیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۲۱۔۱۱۹ ملخصاً' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۲۸۹۔۲۸۸' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الفیل کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں راہِ راست پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۸ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۱ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴





سورۃ الفیل مکیۃ — آیاتہا ۵ — رکوعہا ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفیل مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پانچ آیات اور ایک رکوع ہے

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ﴿١﴾ أَلَمْ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ O کیا اس نے

يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ﴿٢﴾ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ

ان کے مکر کو باطل نہیں کر دیا؟ O اور ان پر پرندوں کے

طَيْرًا أَبَابِيلَ ﴿٣﴾ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ﴿٤﴾

جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے O جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے O

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ﴿٥﴾

سو انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ O کیا اس نے ان کے مکر کو باطل نہیں کر دیا؟ O (الفیل: ۲-۱)

''اصحاب الفیل'' کو آپ کا دیکھنا متصور نہیں تھا پھر کیوں فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا؟

الفیل: ۱ میں فرمایا ہے: کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ حالانکہ یہ واقعہ آپ کی بعثت سے چالیس سال پہلے ہوا تھا' تو جو واقعہ آپ کی پیدائش سے پہلے رونما ہوا ہو' اس کو آپ کیسے دیکھ سکتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ پرندوں کے کنکریاں پھینکنے کا واقعہ تواتر سے ثابت تھا اور اس کا علم عرب میں ہر کس و ناکس کو ہو چکا تھا اور اس کا علم ایسا ہی یقینی تھا جیسا کہ کسی چیز کو دیکھ کر علم ہوتا ہے' پس کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ یہ اس معنی میں ہے: کیا آپ نے نہیں جانا؟ لیکن چونکہ اس کا علم مشاہدہ کی طرح یقینی تھا' اس لیے فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا؟

پرندوں سے ابرہہ کے لشکر کو فنا کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارہاص تھا

پرندوں کے کنکریاں مارنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت پر دلیل ہے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف کا ظہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے پہلے آپ کے لیے ایک خلاف عادت اور خلاف معمول امر ظاہر فرمایا اور نبی کی بعثت سے پہلے بھی معجزہ کا ظہور جائز ہے اور اس کو اصطلاح میں ارہاص کہتے ہیں۔

کفار پر جو آسمانی عذاب آتے رہے ہیں' مثلاً قوم عاد کو آندھی سے ہلاک کر دینا اور کفار کی بعض قوموں کو زلزلوں سے ہلاک کر دینا' بعض دہریے ان کا انکار کرتے ہیں' لیکن پرندوں نے جو اپنی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں لی ہوئی تھیں اور ان کو انہوں نے ابرہہ کی فوج پر اس طرح مارا کہ وہ کنکر جس کے سر پر لگتا اس کی مقعد سے نکل جاتا اور ہر کنکر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا

تھا' جس کے سر پر وہ کنکر مارا جاتا تھا اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں کوئی شعبدہ یا کوئی حیلہ ہے' اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ احادیث ضعیفہ کی طرح ہے کیونکہ جس سال ہاتھیوں والا واقعہ ہوا تھا' اسی سال ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اور اس کے چالیس سال بعد آپ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور اس کے کچھ دن بعد ہی مکہ میں یہ سورت نازل ہوئی' اگر بالفرض یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو مکہ میں آپ کے بہت مخالفین تھے' وہ سب آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا' نہ ابرھہ ہاتھیوں کے ساتھ فوج لے کر آیا تھا نہ اس کی فوج کے اوپر پرندوں نے کنکریاں ماری تھیں' ایسا کچھ نہیں ہوا تھا' اور جب کسی نے اس سورت کے نازل ہونے کے بعد اس کی تکذیب نہیں کی تو معلوم ہو گیا یہ واقعہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ اور معروف تھا' لہٰذا یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر زبردست دلیل ہے اور یہ وہ معجزہ ہے جو آپ کے اعلانِ نبوت سے پہلے ظاہر ہوا۔

ہم نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ آپ کی بعثت سے چالیس سال پہلے ہوا تھا' اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھیوں کے لشکر والے سال میں پیدا ہوئے تھے' ہماری پیدائش ایک سال میں ہوئی ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۹ ص ۴۲۲۔ رقم الحدیث: ۱۷۸۹۱' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۹ھ' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۱۹' الاحاد والمثانی ج ۱ ص ۴۷۸' المعجم الکبیر ج ۱۸۔ رقم الحدیث: ۸۷۲' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۳' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۸۵' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۷۷۔ ۷۶' الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۱)

''اصحاب الفیل'' سے انتقام لینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے نکات

امام رازی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ نے یا رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ بلکہ لکھا ہے: آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کفارِ مکہ نے دیکھا کہ جو لوگ کعبہ گرانے آئے تھے' ان سے اللہ سبحانہ نے کس طرح انتقام لیا' پھر بھی انہوں نے بت پرستی نہیں چھوڑی' اور اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ نے اس واقعہ کا مشاہدہ نہیں کیا' پھر بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کر کے اس کا شکر ادا کیا اور اس کی اطاعت اور عبادت کی' پس گویا کہ آپ نے اللہ سبحانہ کا یہ انتقام دیکھا' سو آپ ان کفار سے بَری ہو گئے اور میں نے سب لوگوں میں سے آپ کو پسند کر کے چن لیا' پس میں کہتا ہوں: ''ربک'' یعنی میں آپ کا رب ہوں اور آپ کا حامی اور ناصر ہوں' نہ کسی اور کا' اور اس میں دوسرا اشارہ یہ ہے کہ میں نے اصحاب الفیل سے جو یہ انتقام لیا ہے' وہ محض آپ کے اکرام اور آپ کی تعظیم کے لیے لیا ہے اور آپ کی آمد کی عزت افزائی کے لیے' پس جب میں نے آپ کی آمد سے پہلے آپ کی تکریم کی ہے تو آپ کے ظہور کے بعد میں آپ کی حمایت اور نصرت کیوں نہ کروں گا اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بشارت ہے کہ آپ ضرور فتح مند اور کامیاب اور سرخ رو ہوں گے۔

فرمایا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کعبہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے' کعبہ صدف اور سیپی کی طرح ہے اور آپ اس میں موتی کی طرح ہیں' سو جب کسی نے کعبہ کو نقصان پہنچانے کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا' تو ولید بن مغیرہ اور اخنس بن شریق جو آپ کو طعنے دے کر اور آپ کے عیب نکال کر آپ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور آپ کا دل دکھاتے ہیں' حالانکہ آپ باعثِ تخلیق کائنات ہیں تو میں ان کو کیوں نہ سزا دوں گا اور ان کی گرفت کیوں نہ کروں گا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کعبہ آپ کی نمازوں کا قبلہ ہے اور آپ کا دل آپ کی معرفت رب کا قبلہ ہے تو جب میں نے آپ کے اعمال کے قبلہ کی دشمنوں سے حفاظت کی ہے تو میں آپ کے

عقائد کے قبلہ کی دشمنوں سے حفاظت کیوں نہ کروں گا اور آپ کی ذات سے عداوت رکھنے والوں کو ملیامیٹ کر دوں گا۔

ابرھہ کے لشکر کا ہاتھیوں سے بھی کم درجہ ہونا

اس آیت میں ''اصحاب الفیل'' فرمایا ہے ''ارباب الفیل'' (ہاتھیوں کے مالکوں) نہیں فرمایا کیونکہ ''اصحاب'' جب کسی چیز کی طرف مضاف ہو تو وہ مضاف الیہ کی جنس سے ہوتا ہے' اس میں یہ اشارہ ہے کہ ابرھہ اور اس کا لشکر ہاتھیوں کی جنس سے تھا یعنی جس طرح ہاتھی حیوان اور بے عقل ہیں' اسی طرح ابرھہ اور اس کا لشکر بھی حیوانوں کی طرح بے عقل تھا' ورنہ وہ اللہ سبحانہ کے گھر کو گرانے کے لیے نہ آتا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب دو شخصوں میں مصاحبت ہو تو ان میں سے ادنیٰ کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اعلیٰ کا صاحب ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب ہیں' یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ ان کے صاحب ہیں اور جو لوگ آپ کی صحبت میں رہے ان کو صحابہ کہا جاتا ہے' پس ابرھہ اور اس کے لشکر کو ''اصحاب الفیل'' فرمایا یعنی وہ ہاتھیوں سے بھی ادنیٰ درجہ کے ہیں کیونکہ جب انہوں نے ہاتھیوں کو مکہ کی طرف چلانا چاہا تو ہاتھی بیٹھ گئے اور ان کی ہزار کوشش کے باوجود وہ مکہ کی طرف ایک قدم بھی نہیں چلے' اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھیوں کو یہ معرفت تھی کہ خالق کی معصیت اور اس کے خلاف بغاوت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاتی اور ابرھہ اور اس کا لشکر اس معرفت سے خالی تھے' وہ خالق سے بغاوت کرنے اور اس کا گھر گرانے چلے تھے' اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ (الاعراف: ۱۷۹) یہ کفار جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گم راہ ہیں۔

کعبہ میں بت پرستی کرنے والوں کو فوراً عذاب نہیں دیا تو ابرھہ کے لشکر کو فوراً عذاب کیوں دیا؟

کفار کعبہ میں بت پرستی کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام نہیں لیا' اور ابرھہ نے کعبہ کی دیواروں کو گرانے کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا' امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کعبہ میں بت پرستی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے حق میں کمی اور تعدی کرتے ہیں اور کعبہ کی دیواریں گرانے سے مخلوق کے حق میں کمی اور تعدی تھی اور بعض اوقات مخلوق کے حق میں کمی اور تعدی کو برداشت نہیں کیا جاتا' جیسے ڈاکو' باغی اور قاتل خواہ مسلمان ہوں' ان کو قتل کر دیا جاتا ہے اور جہاد میں جو کافر بوڑھا ہو یا اندھا ہو یا بچہ ہو یا عورت ہو' اس کو قتل نہیں کیا جاتا' کیونکہ وہ مخلوق کو ضرر نہیں پہنچاتے۔

مصنف کے نزدیک اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ جو لوگ کعبہ میں بت پرستی کرتے تھے' وہ لوگ اگرچہ مشرک تھے لیکن بیت اللہ کی تعظیم کرتے تھے اور اس کا طواف کرتے تھے اور چونکہ ان کی نیت بیت اللہ کی تعظیم تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو آخرت میں رکھا اور دنیا میں مؤخر کر دیا اور ابرھہ اور اس کے لشکر کی نیت بیت اللہ کی توہین اور اس کی تخریب تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی ان کو پرندوں سے ہلاک کرا دیا۔

الفیل: ۲ میں فرمایا: کیا اس نے ان کے مکر کو باطل نہیں کر دیا؟O

ابرھہ تو علانیہ فساد کرنے آیا تھا' پھر اس کو ''کید'' کیوں فرمایا؟

اس آیت میں ''کید'' کا لفظ ہے' ''کید'' کا معنی ہے: کسی کو خفیہ طریقہ سے ضرر پہنچانا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ ابرھہ اور اس کا لشکر خفیہ طریقہ سے ضرر پہنچانے تو نہیں آئے تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو ''کید'' کیوں فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے علانیہ کہا تھا کہ وہ کعبہ کو گرانے آئے ہیں لیکن وہ دل میں کعبہ کی تعظیم اور اس کی پذیرائی سے جلتے تھے اور حسد کرتے تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ جو تعظیم کعبہ کی کی جا رہی ہے' وہ ان کے بنائے ہوئے کلیسا کی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے O جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے O سو

انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا O (الفیل: ۵۔۳)

''ابابیل'' کا معنی

اس آیت میں ''ابابیل'' کا لفظ ہے'' ابابیل'' کا معنی ہے: متفرق پرندے جو ساتھ مل کر اڑتے ہیں اور اڑنے میں ایک دوسرے کی پیروی کرتے ہیں۔ ابوعبدی نے کہا: اس کا معنی ہے: جماعات متفرقۃ' اگر مختلف گھوڑے بھی جماعت کے ساتھ آئیں تو ان کو بھی ''ابابیل'' کہا جاتا ہے'' ابابیل'' کے واحد میں اختلاف ہے' بعض نے کہا: اس کا واحد نہیں آتا اور بعض نے کہا: اس کا واحد ''ابول'' یا ''ابیل'' ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو پرندے جھنڈ بنا کر آئے تھے' ان کی سونڈ بھی تھی اور ان کے پنجے بھی تھے' یہ پرندے سبز' زرد یا سیاہ رنگ کے تھے اور یہ سمندر کی جانب سے آئے تھے' ان کے منہ اور پنجوں میں کنکر تھے۔

(جامع البیان جز ۳۰ ص ۳۸۲' معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۰۸)

الفیل: ۴ میں فرمایا: جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے O

''سجیل'' کا معنی

اس آیت میں ''سجیل'' کا لفظ ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''سجیل'' کا لفظ فارسی میں سنگ و گل کا مجموعہ ہے' یعنی وہ کنکریاں مٹی کی بھی تھیں اور پتھر کی بھی تھیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۳۹۸)

قتادہ نے کہا: یہ سفید رنگ کے پرندے تھے' جو سمندر کی طرف سے آئے تھے' ہر پرندہ کے ساتھ تین پتھر ہوتے تھے' دو پتھر اس کے پنجوں میں تھے اور ایک پتھر اس کی چونچ میں تھا' جس کو بھی وہ کنکر لگتا تھا' اس کے جسم کے آر پار ہو جاتا تھا۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۴۰۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص کے کسی جانب وہ کنکر لگتا تو اس کی مقابل جانب سے نکل جاتا' اگر سر پر لگتا تو اس کی مقعد سے نکل جاتا۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۹)

''سجیل'' کے دیگر معانی حسب ذیل ہیں:

کاغذ کا بنڈل' صحیفہ' محضر' وثیقہ' ''سجیل'' کا معنی مکتوب بھی ہے' امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے: ''سجل'' ایک پتھر ہے' جس پر لکھا جاتا تھا' بعد میں ہر وہ چیز جس پر لکھا جاتا تھا' اس کو ''سجل'' کہا جانے لگا۔

(المفردات ج ۱ ص ۲۹۷۔۲۹۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

الفیل: ۵ میں فرمایا: سو انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا O

''عصف'' کا معنی

اس آیت میں ''عصف'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: بھوسا' بھوسی' چھلکا' کھیت کے پتے' وہ بھوسا جس کو ہمارے مویشی استعمال کرتے ہیں' پودے کے پتے جس کے اطراف میں ڈنٹھل ہوں اور اس ڈنٹھل کے اطراف میں پتے ہوں' جیسے خوشے کے اوپر پتے ہوتے ہیں' کھائے ہوئے پھل کا چھلکا' گندم' جو وغیرہ کے دانے سے جب چھلکا الگ کر لیا جائے تو اس چھلکے کو بھوسا کہتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے۔ جانور جب بھوسے کو کھا لیتا ہے تو وہ جگالی کر کے اس کو مزید پیستا ہے' مطلب یہ ہے کہ جس طرح جانور کا کھایا ہوا بھوسا بالکل ریزہ ریزہ ہوتا ہے' اس طرح کنکریاں لگنے کے بعد ان کے اجسام بالکل گل کر ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔

سورۃ الفیل کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۱۹ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/۲۲ دسمبر ۲۰۰۵ء بہ روز جمعرات سورۃ الفیل کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب کریم! قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل فرمادے' میری تمام تصانیف کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھ اور میری مغفرت فرمادے۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین وافضل المرسلین
وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.





نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ القریش

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام القریش ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت کی پہلی آیت میں "القریش" کا لفظ مذکور ہے وہ آیت یہ ہے:

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿(القریش:۱) قریش کو رغبت دلانے کے لیے ○

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ "لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ" مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۹ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۶ ہے۔

سورۃ القریش اور سورۃ الفیل ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں سورۃ الفیل میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دشمن کو ہلاک کر دیا جو بیت اللہ کو گرانے کے لیے آیا تھا جس کی وجہ سے پوری عرب دنیا میں ان کی عزت اور ان کا وقار تھا اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ایک اور نعمت یاد دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں تجارت کرنے کی رغبت پیدا کی اور موسمِ سرما اور موسمِ گرما میں ان کو دوسرے شہروں میں تجارت کے لیے سفر کرنے پر تیار کیا جس کی وجہ سے وہ خوش حال ہو گئے گرمیوں میں وہ شام کی طرف سفر کرتے تھے اور سردیوں میں وہ یمن کی طرف سفر کرتے تھے۔

اس سورت کا سورۃ الفیل کے ساتھ شدید اتصال ہے "لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ" جار مجرور ہے اور یہ اس مقدر جملہ کے متعلق ہے: "اھلک اللّٰہ اصحاب الفیل لایلف قریش" "اللہ تعالیٰ نے قریش کو رغبت دلانے کے لیے "اصحاب الفیل" کو ہلاک کر دیا اور اس شدتِ اتصال کی وجہ سے حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ان دونوں سورتوں کو ایک سورت قرار دیا گیا ہے اور ان کے درمیان "بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم" نہیں لکھی گئی لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دو سورتیں ہیں جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف رائج کیا تھا اس میں یہ دو الگ الگ سورتیں ہیں۔

یہ مکمل سورت قریش پر اللہ تعالیٰ کی متعدد نعمتوں کے بیان میں ہے اللہ تعالیٰ کی قریش پر نعمتِ عظمیٰ یہ تھی کہ قریش جو پہلے بکھرے ہوئے اور منتشر تھے ان کو مجتمع اور متحد کیا اور ان میں باہم محبت پیدا کی اور ان کو گرمیوں میں شام کی طرف تجارتی سفر پر تیار کیا اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارتی سفر پر آمادہ کیا جس کی وجہ سے ان کی ضرورتیں پوری ہو گئیں اور وہ خوش حال ہو گئے اور ان کے شہر کو اللہ تعالیٰ نے امن کا گہوارہ بنا دیا۔

سورۃ القریش کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے ربِ کریم! اس مہم میں مجھے صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ موبائل نمبر: ۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴/۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹

آیاتہا ۴ سورۃ قریش مکیۃ ۲۹ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رکوعہا ۱

سورۃ القریش مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چار آیات اور ایک رکوع ہے

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۝١ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝٢

قریش کو رغبت دلانے کے لیے O انہیں سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر سے مانوس کیا O

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝٣ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن

پس انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں O جس نے انہیں بھوک میں کھانا

جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝٤

کھلایا اور ان کو خوف سے امن میں رکھا O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قریش کو رغبت دلانے کے لیے O انہیں سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر سے مانوس کیا O پس انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں O جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف سے امن میں رکھا O (القریش: ۴۔۱)

قریش کے فضائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دین میں لوگ قریش کے تابع ہیں' مسلمان مسلمان کے تابع ہیں اور کافر کافر کے تابع ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۹۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۸' مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ خیر اور شر میں قریش کے تابع ہیں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۱۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۷۹)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسلام بارہ خلفاء تک مسلسل غالب رہے گا' وہ کل خلفاء قریش سے ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۲۲۲' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۲۱' مسند احمد ج ۵ ص ۱۰۱)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قریش کو ذلیل کرنے کا ارادہ کیا' اللہ اس کو ذلیل کر دے گا۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۹۰۵' مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۱)

حضرت ام ہانی ء بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سات وجوہ سے قریش کو فضیلت دی ہے: (۱) میں قریش میں ہوں (۲) نبوت ان میں ہے (۳) حجابت ان میں ہے (۴) زمزم سے پانی پلانے کا منصب ان میں ہے (۵) ''اصحاب الفیل'' کے خلاف اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی (۶) انہوں نے دس سال اللہ سبحانہ کی عبادت کی' اس وقت ان کے علاوہ اور کوئی عبادت نہیں کرتا تھا (۷) اللہ سبحانہ نے ان کے متعلق قرآن مجید کی ایک سورت نازل کی' پھر آپ نے اس کی تلاوت کی: ''بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ O إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ O فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ O الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ O'' (القریش: ۴۔۱) حاکم

نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' مگر شیخان نے اس کو روایت نہیں کیا' ذہبی نے کہا: اس کی سند میں یعقوب ضعیف راوی ہے اور ابراہیم کی روایات منکر ہیں۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۳۶ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۷۵' المکتبۃ العصریہ' کنز العمال ج ۱۲ ص ۲۷)

القریش: ۱ میں فرمایا: قریش کو رغبت دلانے کے لیے O

القریش کا الفیل کے ساتھ مربوط ہونا

زجاج اور ابوعبیدہ نے کہا: ''لایلف قریش'' پہلی سورت کے ساتھ مربوط ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ''اصحاب الفیل'' کو اس لیے ہلاک کیا تاکہ قریش باقی رہیں' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اصحاب الفیل کو ہلاک کر دیا اور ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا تو وہ ان کے کفر کی سزا تھی' نہ اس لیے کہ اس سے قریش کی حمایت مقصود تھی' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کے کفر کی سزا نہیں تھی کیونکہ کفر کی سزا تو اللہ تعالیٰ نے روزِ قیامت تک کے لیے مؤخر کی ہوئی ہے' اگر یہ کوئی سزا ہوتی تو اللہ تعالیٰ تمام کافروں کو یہ سزا دیتا' اللہ تعالیٰ نے ابرھہ کے لشکر کو جو ہلاک کیا تھا وہ قریش کی قدر افزائی کے لیے کیا تھا۔

القریش اور الفیل الگ الگ سورتیں ہیں یا نہیں؟

بعض علماء نے کہا کہ ''لایلف قریش'' اس سے پہلی سورت ''الم تر کیف'' کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ سورۃ القریش الگ سورت نہیں ہے' بلکہ الفیل اور القریش دونوں مل کر ایک سورت ہیں اور القریش مستقل سورت نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ان دونوں کو ایک سورت قرار دیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب کے مصحف کا اعتبار نہیں ہے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف کا اعتبار ہے اور اس پر اجماع ہے' دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے مغرب کی پہلی رکعت میں والتین پڑھی اور دوسری رکعت میں الفیل اور القریش ملا کر پڑھیں' اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں ایک سورت ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ امام کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک رکعت میں دو سورتوں کو ملا کر پڑھے' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دونوں ایک سورت ہیں۔

القریش: ۲ میں فرمایا: انہیں سردی اور گرمی کے (تجارتی) سفر سے مانوس کیا O

قریش کو تجارتی سفر پر راغب کرنے کی توجیہ

اس میں دوسری بحث یہ ہے کہ قریش کو تجارتی سفر پر راغب کرنے کے لیے ''اصحاب الفیل'' کو ہلاک کیا گیا' اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ غیر زرعی شہر تھا اور مکہ کے سردار سردی اور گرمی میں تجارتی سفر کیا کرتے تھے اور اسی تجارت پر ان کا معاشی انحصار تھا' وہ اس تجارت کے ذریعہ اہل مکہ کی ضرورت کی چیزیں خرید کر لاتے تھے' اور مکہ کے گرد و نواح کے لوگ اہل مکہ کی بہت تعظیم کرتے تھے' وہ کہتے تھے: یہ بیت اللہ کے پڑوسی اور حرم کے رہنے والے ہیں اور کعبہ کے متولی ہیں اور ان کو اہل اللہ کہا جاتا تھا' اگر ابرھہ کا لشکر کعبہ کو گرا دیتا تو ان کی یہ عزت اور حرمت جاتی رہتی اور اہل حبشہ مکہ میں لوٹ مار مچا دیتے اور یہ شہر ویران اور کھنڈر ہو جاتا اور چونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شہر میں پیدا ہونا تھا اور اسی شہر میں مبعوث ہونا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی شہر میں آپ کی بعثت کی دعائیں کی تھیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں کو سردی کے موسم میں یمن کے سفر کی طرف مائل کیا اور گرمی کے موسم میں شام کے سفر کی طرف مائل کیا۔

قریش کی وجہِ تسمیہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب

قریش کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ قرش سمندر کے ایک بڑے جانور کا نام ہے' جو کشتیوں سے کھیلتا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے قریش کی وجہِ تسمیہ دریافت کی تو انہوں نے کہا: قریش

قرش کی تصغیر ہے' قرش سمندر کا ایک طاقتور جانور ہے' جو دوسرے جانوروں کو کھا جاتا ہے لیکن اس کو کوئی نہیں کھاتا' وہ ہمیشہ غالب رہتا ہے اور کبھی مغلوب نہیں ہوتا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبیلۂ قریش میں پیدا ہوئے تھے' حدیث میں ہے:

حضرت واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو چن لیا اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو چن لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۶)

امام ترمذی نے اس حدیث کو حضرت واثلہ سے کچھ اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے:

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا' اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ سے قریش کو چن لیا اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۵' مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۷)

القریش: ۳ میں فرمایا: پس انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں O

قریش پر انعام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں

اللہ تعالیٰ کے انعامات کی دو قسمیں ہیں: (۱) ضرر کو دور کرنا (۲) نفع عطا فرمانا' اللہ تعالیٰ نے قریش پر دونوں قسم کے انعامات فرمائے اور چونکہ دفع ضرر' حصولِ نفع پر مقدم ہے' اس لیے سورۃ الفیل میں ان سے ان کے دشمن ابرہہ کے لشکر کو ہلاک کرنے کا ذکر فرمایا اور سورۃ القریش میں ان کو تجارتی سفر کے لیے راغب کرنے کا بیان فرمایا اور ہر نعمت پر اس کا شکر کرنا واجب ہوتا ہے' اس لیے فرمایا: چونکہ ہم نے قریش کو یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں' اس لیے ان پر واجب ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے بیت اللہ کے رب کی عبادت کریں۔

اس عبادت کا معنی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی عجز اور تذلل کا اظہار کریں یا اس بیت اللہ کے رب کی توحید کا اعتراف کریں کیونکہ صرف اسی نے اس گھر کی حفاظت کی ہے' نہ کہ ان بتوں نے جن کی وہ پرستش کرتے ہیں اور اس آیت میں ''رب'' کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ حضرت عبد المطلب نے ابرہہ سے کہا تھا کہ اس بیت کا ایک رب ہے' جو اس کی حفاظت کرے گا اور کعبہ کی حفاظت کو بتوں کے حوالے نہیں کرے گا' سو اب قریش پر لازم تھا کہ اعتراف اور اقرار کی بناء پر صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش سے فرمایا کہ چونکہ تم نے کعبہ کی حفاظت کے لیے صرف اللہ وحدہٗ پر اعتماد کیا ہے' لہٰذا تم اس بیت میں صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرو۔

القریش: ۴ میں فرمایا: جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف سے امن میں رکھا O

قریش کو کھانا کھلانے اور امن میں رکھنے کے اسباب

اللہ تعالیٰ نے قریش کو جو بھوک میں کھانا کھلایا' اس کے حسب ذیل اسباب ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے جب قریش کو حرم میں مامون کر دیا تو ان کو اپنے تجارتی سفر میں کوئی خطرہ نہ رہا' وہ امن اور چین کے ساتھ تجارتی سفر کرتے اور شام اور یمن سے غلہ خرید کر لاتے اور اپنی معیشت اور خورد و نوش کا انتظام کرتے۔

(۲) کلبی نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب انہوں نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تو آپ نے ان کے خلاف یہ دعا کی: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ آپ کی دعوتِ ایمان سے روگردانی کر رہے ہیں تو آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! ان کے اوپر قحط کے ایسے سات

سال مسلط کر دے' جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال قحط آیا تھا' پھر ان پر ایسا قحط آیا' جس نے ہر چیز کو ختم کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے جانوروں کی کھالیں' مُردے اور مُردار کھا لیے' پھر آپ کے پاس ابوسفیان آیا اور اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ اللہ کی اطاعت اور صلہ رحم کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے' آپ ان کے لیے اللہ سے دعا کیجئے۔ الحدیث (پھر آپ کی دعا سے مکہ میں بہت بارش ہوئی)۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۰۷' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۸۱)

لیکن اس استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور یہ سورت مکی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اگر جانوروں کو بھی کوئی شخص کھلائے اور پلائے تو جانور اسی کی اطاعت کرتے ہیں' گویا مشرکینِ مکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک میں کھلایا اور یہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت نہیں کرتے۔

(۴) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قریش جہالت کی بھوک میں مبتلا تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر وحی نازل فرمائی' جس سے ان کی جہالت دور ہو گئی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے قریشِ مکہ! تم (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جاہل لوگ تھے' پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پر وحی نازل فرمائی' جنہوں نے تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دی حتیٰ کہ اب تم کو اہلِ علم کہا جاتا ہے' پھر کھانا کھلانا جسم کی غذا ہے جو کھانا کھلانے والے کے شکر کو واجب کرتا ہے تو جو طعام روح کی غذا ہے' اس طعام کا شکر ادا کرنا کیوں کر شکر کا سبب نہیں ہو گا!

اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ کو خوف سے امن میں رکھا' اس کی بھی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) قریش' مکہ سے مختلف شہروں کا سفر کرتے تھے اور ان کو اپنے سفر میں کسی ڈاکے یا لوٹ مار کا خطرہ نہ تھا' ان کو اپنے سفر میں کسی خطرے کا سامنا نہیں ہوتا تھا جب کہ دوسرے لوگ جو دور دراز کے شہروں کا سفر کرتے تھے' ان کو بہت خطرات پیش آتے تھے' اس معنی میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ (العنکبوت: ۶۷) کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو پرامن بنا دیا ہے حالانکہ ان کے اردگرد سے لوگ اُچک لیے جاتے ہیں (یعنی قتل و غارت کا شکار ہو جاتے ہیں)۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ''اصحاب الفیل'' کو ہلاک کر کے ان کے شہر کو اور ان کے سفر کو مامون بنا دیا ہے۔

(۳) ضحاک اور ربیع نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کو جذام کی بیماری سے مامون کر دیا' اسی وجہ سے مکہ مکرمہ کے باشندوں پر کبھی جذام نہیں آیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۰۰۔ ۲۹۵ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورت القریش کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۲۰ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۳ دسمبر ۲۰۰۵ء بہ روز جمعہ سورۃ القریش کی تفسیر مکمل ہو گئی' اے میرے رب کریم! قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور میری تمام تصانیف کو قیامت تک فیض آفریں رکھیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ اور احباب کی اور تمام قارئین کی مغفرت فرما دیں۔ (آمین)

وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد الغر المحجلین
وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورۃ الماعون

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام الماعون ہے' کیونکہ اس سورت کی آیت: ۷ میں ''الماعون'' کا لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ○ (الماعون: ۷) اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں ○

جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے' حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: یہ سورت مدنی ہے اور ھبۃ اللہ نے کہا: اس سورت کا نصف مکہ میں عاص بن وائل کے متعلق نازل ہوا اور اس سورت کا باقی نصف عبداللہ بن ابی منافق کے متعلق نازل ہوا ہے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۳۴' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلی سورت قریش میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی تھی جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر نہیں ادا کرتے تھے اور اس میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے تھے' دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ القریش میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا: اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کریں اور اس سورت میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو سستی اور کاہلی سے نماز پڑھتے تھے' تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو دی ہوئی نعمتیں بتائیں اور وہ اس کے باوجود مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے اور آخرت میں جزا اور سزا کا انکار کرتے تھے اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے۔

اس سورت کی ابتداء مکی ہے اور اس میں دین کی تکذیب کرنے والے کافر کا ذکر ہے اور اس کی انتہا مدنی ہے اور اس میں استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرنے والے منافق کا ذکر ہے۔

اس سورت کی ابتداء میں دین کی تکذیب کرنے والے کافر کا ذکر ہے اور اس کی دو صفتیں ذکر فرمائی ہیں: ایک یہ کہ وہ یتیم کو دھتکارتا ہے اور دوسری یہ کہ وہ لوگوں کو یتیم کے کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتا۔

اور اس سورت کے آخر میں منافق کی مذمت کی ہے اور اس کی تین صفات ذکر فرمائی ہیں: (۱) وہ نماز سے غفلت کرتا ہے اور سستی اور کاہلی سے نماز پڑھتا ہے (۲) وہ ریاکار ہے اور لوگوں کو دکھانے کے لیے عبادت کرتا ہے (۳) وہ اپنے پڑوسیوں کو استعمال کی معمولی چیز دینے سے بھی منع کرتا ہے اور کافر اور منافق دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے ڈرایا ہے۔

سورۃ الماعون کا تلاوت کے اعتبار سے نمبر ۱۰۷ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۷ ہے۔

سورۃ الماعون کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب کریم! اس مہم میں مجھے صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۱ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۴ دسمبر ۲۰۰۵ء



(۱۰۷) سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ (۱۷) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۷ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ الماعون مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں سات آیات اور ایک رکوع ہے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے؟ ○ پس یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو

الْيَتِيْمَ ۝۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ فَوَيْلٌ

دھکے دیتا ہے ○ اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر کسی کو برانگیختہ نہیں کرتا ○ سو ان نمازیوں کے

لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵ الَّذِيْنَ

لیے ہلاکت ہے ○ جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں ○ جو ریاکاری

هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷

ع ۷ / ۳۲

کرتے ہیں ○ اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے؟ ○ پس یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے ○ اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر کسی کو برانگیختہ نہیں کرتا ○ (الماعون: ۳-۱)

الماعون کے مکی یا مدنی ہونے کا اختلاف اور پہلی تین آیتوں کے مکی ہونے پر دلائل

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی سمرقندی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اس سورت کے نزول میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ سورت مدنی ہے اور مقاتل اور مجاہد اور ایک جماعت نے کہا: یہ سورت مکی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سورت کا ابتدائی حصہ مکہ میں نازل ہوا ہو، کیونکہ اس کے شروع میں اس کا ذکر ہے جو دین کی تکذیب کرتا تھا اور وہ عاص بن وائل تھا اور دین کی تکذیب کرنے والے لوگ مکہ میں تھے، اور اس سورت کا آخری حصہ مدینہ میں نازل ہوا کیونکہ اس سورت کے آخر میں منافقین کے اوصاف ذکر فرمائے ہیں، ان میں ذکر ہے کہ وہ ریاکاری اور دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے بھی منع کرتے ہیں۔

''ارایت'' کا لفظ سوال اور استفہام کی جگہ پر ذکر کیا جاتا ہے اور جس چیز کے متعلق سوال کیا جائے، یہ اس کی تقریر اور تاکید کے لیے آتا ہے، گویا کہ یوں فرمایا: جو شخص یتیم کو دھکے دیتا ہے اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر کسی کو برانگیختہ نہیں کرتا، وہی شخص دین کی تکذیب کرتا ہے اور دین کی تکذیب سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے، حساب، میزان، اور جزاء اور سزا کا انکار کرتا ہے اور یہ شخص وہی ہوسکتا ہے جو علانیہ دین اسلام کی مخالفت کرتا ہے اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص منافقین میں سے تھا کیونکہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مؤمنین کی موافقت کو ظاہر کرتے تھے۔

رؤسائے کفار دین کی تکذیب کرتے تھے اور اپنے پیروکاروں پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ ان کا موقف برحق ہے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام سنا رہے ہیں وہ باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر کسی کو برانگیختہ نہیں کرتا' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے یہ فرمایا: تم یتیم پر ظلم مت کرو اور اس کے حق سے منع نہ کرو اور یتیم کے ساتھ بدسلوکی نہ کرو' جیسے دین کی تکذیب کرنے والے کرتے ہیں اور تم مسکین کو کھانا کھلانے پر لوگوں کو برانگیختہ کرو' ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ یہ کفار کتنے بخیل تھے اور یتیم اور مسکین کی کس طرح توہین کرتے تھے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے' پس مؤمنین کو نصیحت فرما رہا ہے کہ تم ایسا نہ کرنا۔

چونکہ یتیم کا کوئی مددگار نہیں ہوتا اور کافر کو آخرت کا کوئی خوف نہیں ہوتا' کیونکہ اس کا آخرت پر کوئی ایمان نہیں ہوتا اور کسی پر ظلم کرنے سے اس لیے باز رہتا ہے کہ یا تو اس کو آخرت میں جزاء کی طرف رغبت ہوتی ہے یا اس کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اگر اس نے کسی پر ظلم کیا تو دنیا میں اس پر بھی ظلم کیا جائے گا' اور مساکین کے دنیا میں ایسے حامی اور مددگار نہیں ہوتے کہ اگر ان پر ظلم کیا جائے تو وہ اس کا بدلہ لیں اور نہ یتیم کے حامی اور مددگار ہوتے ہیں' جو اس پر کیے جانے والے ظلم کا بدلہ لیں اور کافر کو آخرت کے ثواب میں کوئی رغبت نہیں ہوتی اور نہ اس کو آخرت کے عذاب کا کوئی خوف ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت کی تصدیق نہیں کرتا' اس لیے وہ یتیم اور مسکین پر بے دھڑک ظلم کرتا ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ ص ۶۲۴۔۶۲۲' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

یتیم کی پرورش پر بشارت اور مسکین کو کھانا نہ کھلانے پر وعید اور الماعون: ۱ کا شانِ نزول

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے O علامہ ابوعبداللہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے متعلق نازل ہوئی ہے' ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل سہمی کے متعلق نازل ہوئی ہے' کلبی اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے' اور ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ایک منافق کے متعلق نازل ہوئی ہے' سدی نے کہا: یہ آیت الولید بن المغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے' ابن جریج نے کہا: یہ ابوسفیان کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ ہر ہفتہ ایک اونٹ ذبح کیا کرتا تھا' ایک یتیم نے اس سے کچھ گوشت مانگا تو اس نے اس کو لاٹھی مار کر ڈرایا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

الماعون: ۲ میں ''یدعُ'' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: اس کو دھکا دیتا ہے' قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے: اس پر قہر کرتا ہے اور اس پر ظلم کرتا ہے۔

حضرت مالک بن عمرو قشیری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا' وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے فدیہ ہو جائے گا' اس غلام کی ہر ہڈی اس کی ہڈی سے فدیہ ہو جائے گی اور جس نے کسی یتیم بچے کو مسلمان ماں باپ کے ساتھ ملایا' اس کے کھانے پینے تک حتیٰ کہ اللہ نے اس یتیم کو غنی کر دیا' اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۴۴ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۱ ص ۲۷۵۔ رقم الحدیث: ۱۹۰۳۰' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۱۰۳۱' المعجم الکبیر ج ۱۱۔ رقم الحدیث: ۶۶۶)

نیز فرمایا: اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر کسی کو برانگیختہ نہیں کرتا' یعنی وہ اپنے بخل کی وجہ سے اور آخرت کا انکار کرنے کی وجہ سے کسی کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ مسکین کو کھانا کھلائے' جو شخص اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے مسکین کو کھانا نہ کھلا سکے' یہ مذمت اس کو شامل نہیں ہے' یہ مذمت ان لوگوں کو شامل ہے جو مسکین کو کھانا کھلانے پر قادر ہوں' مگر اپنے بخل کی وجہ سے نہ خود کھلائیں اور

نہ کسی اور سے کہیں کہ اس مسکین کو کھانا کھلا دو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہےO جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیںO جو ریاکاری کرتے ہیںO اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیںO (الماعون: ۷۔۴)

جن نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد وہ نمازی ہیں جو نماز سے ثواب کی امید نہ رکھیں اور نماز نہ پڑھنے سے ان کو عذاب کا ڈر نہ ہو اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس کا وقت گزرنے کے بعد پڑھیں' ابوالعالیہ نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو وقت پر نماز نہ پڑھیں اور اس کا رکوع اور سجود مکمل نہ کریں۔ قرآن مجید میں ہے:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۟ (مریم: ۵۹)

پھر (نیک لوگوں کے بعد) ایسے بُرے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز ضائع کردی اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی' ان کو عنقریب دوزخ میں جھونک دیا جائے گاO

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۟ (النساء: ۱۴۲)

اور منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں' وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیںO

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ منافق کی نماز ہے' وہ بیٹھا ہوا سورج کو دیکھتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان ہوجاتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اس نماز میں اللہ کا بہت کم ذکر کرتا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۶۲۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: منافق وہ ہے جو تنہائی میں نماز نہیں پڑھتا اور لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے۔

الماعون: ۵ میں فرمایا: جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیںO

سہو کی تحقیق

ایک چیز ہے نمازوں سے غفلت کرنا' یعنی کبھی نماز پڑھ لی اور کبھی نہ پڑھی' یہ منافقوں کا شعار ہے اور ایک چیز ہے نمازوں میں غفلت کرنا یعنی کبھی نماز میں شیطان وسوسہ ڈالتا ہے یا انسان نماز میں کسی کام کے متعلق سوچنے لگتا ہے اور اس کا منصوبہ بنانے لگتا ہے کہ اس سے بہت کم مسلمان خالی ہوتے ہیں۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی' نماز میں سہو ہوجاتا تھا چہ جائیکہ اور لوگوں کو' اسی وجہ سے فقہاء نے اپنی کتابوں میں سجود السہو کا باب قائم کیا ہے' قاضی ابن العربی نے کہا ہے: سہو سے سلامتی محال ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کو اپنی نمازوں میں سہو ہوا ہے اور جس شخص کو نماز میں سہو نہیں ہوتا' یہ وہ شخص ہے جو نماز میں غور وفکر کرتا ہے' نہ قرأت میں تدبر کرتا ہے اور اس کی فکر نماز کے ارکان اور رکعات کو گننے میں لگی رہتی ہے' یہ وہ شخص ہے جو چھلکے کھاتا ہے اور مغز چھوڑ دیتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوتا تھا تو آپ کی فکر اس سے بہت عظیم تھی' ہاں! کبھی نماز میں اس شخص کو سہو ہوتا ہے جو شیطان کے وسوسہ کو قبول کرلیتا ہے' شیطان اس سے کہتا ہے کہ فلاں چیز کو یاد کر' فلاں چیز کو یاد کر' جو چیز اس کو پہلے یاد نہیں آتی تھی' وہ اس کو نماز میں یاد آجاتی ہے' حتیٰ کہ وہ شخص بھول جاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعت نماز پڑھی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۸۹ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

مصنف کے نزدیک ہمارے سہو میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو میں بہت فرق ہے ہم دنیا کے خیال میں ڈوب جاتے ہیں اور نماز کی رکعات کی طرف ہماری توجہ نہیں رہتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن الوہیت کے جلووں میں منہمک اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور نماز کی رکعات کی تعداد سے آپ کی توجہ ہٹ جاتی ہے' ہمارا سہو نقص ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو کمال ہے۔

الماعون: ۶ میں فرمایا: جو ریا کاری کرتے ہیں O

ریا کاری کی تعریف

یعنی وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں کہ وہ اطاعت کرتے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں حالانکہ وہ تقیہ سے نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں' جیسے فاسق اس لیے نماز پڑھتا ہے کہ اس کو نمازی کہا جائے اور ریا کار عبادت سے دنیا طلب کرتا ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بناتا ہے اور وہ لوگوں سے تعریف اور تحسین کی توقع کرتا ہے' ریا کار کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ موٹے کپڑے پہنتا ہے تاکہ یہ ظاہر کرے کہ اس کو دنیا میں کوئی رغبت نہیں ہے اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی باتوں سے ریا کاری کرتا ہے' وہ اہل دنیا کی مذمت کرتا ہے اور نیکی اور عبادت کے ضائع ہونے پر افسوس کا اظہار کرتا ہے اور چوتھا طریقہ یہ ہے کہ وہ لمبی لمبی نمازیں پڑھتا ہے اور لوگوں کو دکھا کر بہت خیرات اور صدقات دیتا ہے۔

فرائض کو دکھا کر ادا کیا جائے اور نوافل کو چھپا کر

جو اعمالِ صالحہ فرائض میں سے ہیں ان کو دکھا کر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ فرائض کا حق یہ ہے کہ ان کو دکھا کر ادا کیا جائے اور ان کی تشہیر کی جائے کیونکہ فرائض اسلام کی علامات ہیں اور دین کے شعائر ہیں اور فرائض کا تارک ملامت اور مذمت کا مستحق ہوتا ہے' پس فرائض کو دکھا کر ادا کیا جائے تاکہ اس پر ترک فرائض کی تہمت نہ لگے' اور نفلی عبادات کا حق یہ ہے کہ ان کو چھپا کر ادا کیا جائے کیونکہ نوافل کو ادا نہ کرنے پر انسان کو ملامت نہیں کی جاتی اور نہ اس پر کوئی تہمت لگتی ہے اور اگر کوئی شخص قصداً نفلی عبادات دکھا کر کرے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے تو یہ اچھی بات ہے' ریاء اس وقت ہوتا ہے جب اس کا قصد یہ ہو کہ لوگ اس کی نفلی عبادات دیکھ کر اس کی تعریف اور تحسین کریں اور اس کی عزت اور احترام کریں۔

الماعون: ۷ میں فرمایا: اور وہ استعمال کی معمولی چیز دینے سے منع کرتے ہیں O

''الماعون'' کی تعریف میں بارہ اقوال

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے: الماعون کی تفسیر میں بارہ اقوال ہیں:

(۱) ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: اس سے مراد ان کے اموال کی زکوٰۃ ہے۔

(۲) ابن شہاب اور سعید بن المسیب نے کہا: اس سے مراد مال ہے۔

(۳) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد گھر میں استعمال ہونے والی کارآمد چیزیں ہیں جیسے کلہاڑی' دیگچی اور آگ وغیرہ۔

(۴) زجاج اور ابوعبید نے کہا: ''الماعون'' ہر وہ چیز ہے جس میں کوئی منفعت ہو جیسے کلہاڑی' ڈول اور بڑا پیالہ۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے: جو چیز عاریۃً لی جائے۔

(۶) محمد بن کعب اور کلبی نے کہا: یہ وہ چیز ہے جس کا لوگ آپس میں لین دین کرتے ہوں۔

(۷) اس سے مراد پانی اور گھاس ہے۔
(۸) اس سے مراد صرف پانی ہے۔
(۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کسی شخص کا حق ہے۔
(۱۰) طبری نے کہا: اس سے مراد کوئی بھی تھوڑی سی چیز ہے۔
(۱۱) اخفش نے کہا: اس سے مراد اطاعت اور فرماں برداری ہے۔
(۱۲) الماوردی نے کہا: اس سے مراد ایسا کام ہے جس میں کم مشقت ہو۔

منافق میں یہ تین اوصاف ہوتے ہیں: وہ نماز کو ترک کرتا ہے' ریاکاری کرتا ہے اور معمولی سی چیز دینے میں بھی بخل کرتا ہے اور مسلمان میں ان اوصاف کا پایا جانا بہت بعید ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۹۱۔۱۹۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الماعون کی تکمیل

الحمدللہ رب العٰلمین! آج ۲۲ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء بہ روز اتوار سورۃ الماعون کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے ربِ کریم! قرآن مجید کی باقی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور میری مغفرت فرمادیں۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین امام المرسلین شفیعنا یوم الدین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ وامتہ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة الکوثر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الکوثر ہے کیونکہ اس کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ (الکوثر:۱) بے شک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی ہےO

یہ خیر کثیر آپ کو دائمی طور پر دنیا اور آخرت میں حاصل ہے اسی خیر کثیر کا ایک فرد حوضِ کوثر ہے جو آپ کو محشر میں حاصل ہو گا اور اسی کا ایک فرد نہر کوثر ہے جو آپ کو جنت میں حاصل ہو گی۔

ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۵ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۸ ہے۔

سورۃ الکوثر کا مکی یا مدنی ہونا

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۃ ''اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ'' مکہ میں نازل ہوئی ہے نیز امام ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۵۸۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ سیوطی نے الاتقان ج ۱ ص ۷۰ میں اس کے خلاف لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ سورۃ الکوثر مدنی ہے علامہ نووی نے شرح مسلم میں اس کو ترجیح دی ہے اور اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اچانک آپ کو اونگھ آ گئی آپ نے مسکراتے ہوئے سر بلند کیا اور فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے پڑھا: ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَؕ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡؕ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُO'' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے آپ نے فرمایا: یہ وہ نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس میں خیر کثیر ہے اور یہ وہ حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت وارد ہو گی اس کے برتن ستاروں کے عدد کے برابر ہیں اس پر ان میں سے ایک بندہ وہاں سے نکالا جائے گا میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرا امتی ہے پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ از خود نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد دین میں کیا نیا کام نکالا ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۰ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۷۸۴ سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۰۴ السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۷۰۲)

علامہ نووی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں سونا جائز ہے اور یہ کہ اپنے

اصحاب کے سامنے سونا جائز ہے اور یہ کہ انسان اپنے اصحاب کے سامنے کسی بات پر مسکرائے تو اس کا سبب بیان کرنا جائز ہے' لیکن علامہ نووی نے اس کی شرح میں یہ نہیں لکھا کہ سورۃ الکوثر مکی ہے یا مدنی ہے' جیسا کہ حافظ سیوطی نے فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۲ ص ۱۵۵۵' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

امام بخاری نے کوثر کے متعلق جو احادیث روایت کی ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الکوثر مکی ہے کیونکہ ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ آپ کو نہر کوثر شب معراج میں عطا کی گئی اور معراج آپ کو ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے مکہ میں ہوئی تھی' اس سے واضح ہوا کہ سورۃ الکوثر مکی ہے۔ امام بخاری نے سورۃ الکوثر کی تفسیر میں جو احادیث درج کی ہیں' وہ یہ ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کی طرف معراج کرائی گئی تو آپ نے فرمایا: میں ایک نہر (دریا) پر آیا' جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے' میں نے کہا: اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کوثر ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۶۴۔ ۳۵۷۰' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۲)

ابوعبیدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" (الکوثر: ۱) کے متعلق سوال کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا: یہ وہ نہر ہے جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہے' اس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتی ہیں اور اس کے برتنوں کی تعداد ستاروں کی مثل ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الکوثر کی تفسیر میں فرمایا: یہ وہ خیر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے' ابوبشر بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا: لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ "الکوثر" جنت میں نہر ہے' سعید نے کہا: جو نہر جنت میں ہے' وہ بھی اس خیر کا فرد ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۶۶)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر کے قول کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا ہے کہ "الکوثر" خیر کثیر ہے' یہ ان لوگوں کے قول کے خلاف نہیں ہے' جنہوں نے کہا ہے: اس سے مراد جنت میں نہر ہے' کیونکہ جنت میں نہر بھی خیر کثیر کے افراد میں سے ہے اور شاید کہ سعید بن جبیر نے یہ اشارہ کیا ہے کہ حضرت ابن عباس کی تاویل اپنے عموم کی وجہ سے اولیٰ ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے "الکوثر" کی نہر کے ساتھ تخصیص ثابت ہے' لہٰذا اس سے عدول نہیں کرنا چاہیے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۲' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

علامہ سہیلی متوفی ۵۷۱ھ نے لکھا ہے کہ اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے' ایک قول یہ ہے کہ جب آپ کے صاحب زادے حضرت قاسم فوت ہو گئے تھے تو ابوجہل لعنہ اللہ نے یا عاص بن وائل نے آپ کو معاذ اللہ ابتر کہا تھا' اس وقت یہ سورت نازل ہوئی تھی' اس قول کی بناء پر یہ سورت مکی ہے اور یہی قول مشہور ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۴۰۰) کی بناء پر یہ کہا گیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۹ ص ۵۷۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

سورۃ الکوثر کی سورۃ الماعون سے مناسبت

امام رازی نے فرمایا ہے کہ سورۃ الکوثر اس سے پہلی سورت الماعون کے بہ منزلہ مقابلہ ہے کیونکہ سورۃ الماعون میں منافق یا مشرک کے چار وصف بیان فرمائے تھے' پہلا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ بخیل ہوتا ہے' کیونکہ فرمایا: مشرک بخیل ہوتا ہے کیونکہ وہ

یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتا (الماعون: ٣۔٢) اور اس سورت میں بخل کے مقابلہ میں فرمایا: ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے (الکوثر: ١) یعنی آپ بھی بہ کثرت عطا کیجئے' اور الماعون میں منافق کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتا (الماعون: ٥) اس کے مقابلہ میں اس سورت میں فرمایا ہے: سو آپ نماز پڑھتے رہیے (الکوثر: ٢) یعنی ہمیشہ نماز پڑھتے رہیے اور الماعون میں منافق کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ ریاکاری کرتا ہے (الماعون: ٦) اس کے مقابلہ میں الکوثر میں فرمایا ہے: ''لِرَبِّكَ '' (الکوثر: ٢) یعنی اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھیے نہ کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے' اور الماعون میں منافق کا چوتھا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ زکوٰۃ نہیں ادا کرتا (الماعون: ٧) اس کے مقابلہ میں الکوثر میں فرمایا: ''وَانْحَرْ '' (الکوثر: ٣) یعنی آپ قربانی کیجئے اور اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ آپ قربانی کا گوشت لوگوں میں تقسیم کیجئے اور سورۃ الکوثر کے آخر میں فرمایا: ''اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ '' (الکوثر: ٣) یعنی منافق جو ان کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہے' وہ عنقریب مر جائے گا اور دنیا سے اس کا نام و نشان مٹ جائے گا اور آپ کا ذکر جمیل دنیا میں قیامت تک ہوتا رہے گا اور آخرت میں آپ کو ثوابِ جزیل حاصل ہوگا۔

نیز اس سورت کے لطائف میں سے یہ ہے کہ عارفین اور عابدین کے تین درجات ہوتے ہیں: (١) وہ اپنے دلوں اور روحوں سے اللہ تعالیٰ کے نور جلال میں مستغرق ہوتے ہیں اور ''اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ '' (الکوثر: ١) میں اس درجہ کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی روح مقدسہ تمام ارواحِ بشریہ سے ممتاز ہے کیونکہ وہ باقی ارواح کی بہ نسبت بہت جلد اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہوتی ہے (٢) عارفین اور عابدین ہمیشہ اطاعت اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ '' (الکوثر: ٢) میں اس درجہ کی طرف اشارہ ہے یعنی آپ ہمیشہ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے (٣) عارفین اور عابدین اپنے نفس کو دنیاوی لذات اور جسمانی شہوات کے حصول سے باز رکھتے ہیں اور اس درجہ کی طرف ''وَانْحَرْ '' (الکوثر: ٣) سے اشارہ فرمایا کیونکہ نفس کو ان لذتوں سے روکنا اس کو ذبح کرنے کے قائم مقام ہے۔ (تفسیر کبیر ج ١١ ص ٣٠٧' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ١٤١٥ھ)

سورۃ الکوثر کا اس سے پہلی سورتوں کے لیے تتمہ ہونا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ فرماتے ہیں:

سورۃ الکوثر سے پہلے جو سورتیں تھیں' سورۃ الکوثر ان کا بہ منزلہ تتمہ ہے اور سورۃ الکوثر کے بعد جو سورتیں ہیں' سورۃ الکوثر ان کا بہ منزلہ مقدمہ ہے' سورۃ الکوثر سے پہلی سورتوں کا بہ منزلہ تتمہ ہونے کی تفصیل یہ ہے:

سورۃ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح فرمائی ہے' فرمایا: آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا' نہ آپ سے بے زار ہوا (الضحیٰ: ٣) اور فرمایا: آپ کی ہر بعد والی ساعت' اس سے پہلی ساعت سے افضل ہے (الضحیٰ: ٤) اور فرمایا: عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے (الضحیٰ: ٥) یہ آخرت کی نعمتیں ہیں اور دنیاوی نعمتوں کے متعلق فرمایا: کیا اس نے آپ کو یتیم پا کر ٹھکانا نہیں دیا (الضحیٰ: ٦) اور فرمایا: آپ کو حبِ الٰہی میں سرشار پایا تو مخلوق کی طرف متوجہ کیا اور آپ کو ضرورت مند پایا تو آپ کو غنی کر دیا۔ (الضحیٰ: ٨۔٧)

سورۃ الانشراح کی تین آیتوں میں آپ کی مدح فرمائی: اے رسولِ مکرم! کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کیا○ اور آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیا○ جس نے آپ کی پشت کو گراں بار کر رکھا تھا○ اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا○ (الانشراح: ٤۔١)

سورۃ التین میں آپ کی تین طرح تکریم فرمائی: آپ کے شہر کی قسم کھائی' فرمایا: اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسم○

(التین: ۳) اور آپ کی امت کے لیے دوزخ سے نجات کی بشارت دی' فرمایا: پھر ہم نے انسان کو سب سے نچلے طبقہ میں ڈال دیاO سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیےO (التین: ۶-۵) اور آپ کی امت کے لیے غیر متناہی اجر کی بشارت دیO (التین: ۶)

سورۃ العلق میں بھی تین قسم کی تکریمات ہیں' فرمایا: اے رسولِ مکرم! اپنے رب کے نام سے پڑھیے (العلق: ۱) یعنی اپنے رب کے نام سے مدد حاصل کرتے ہوئے قرآن پڑھیے' پھر آپ کے دشمن پر اظہارِ قہر کیا' فرمایا: اس (دشمن) کو چاہیے کہ اپنے ہم مجلس کو پکارےO ہم دوزخ پر مقرر فرشتوں کو بلائیں گےO (العلق: ۱۸-۱۷) آپ کو قرب کامل کے ساتھ خاص کیا' فرمایا: آپ سجدہ کریں اور ہم سے مزید قریب ہو جائیںO (العلق: ۱۹)

سورۃ القدر میں آپ کی امت کے لیے تین قسم کی فضیلت ہے: شب قدر میں عبادت ہزار ماہ سے بہتر ہے (القدر: ۳) اس میں فرشتوں اور جبریل کا نزول ہوتا ہے (القدر: ۴) اس شب میں طلوعِ فجر ہونے تک سلامتی ہے (القدر: ۵)۔

سورۃ البینۃ میں آپ کی امت کے لیے تین فضیلتیں ہیں: آپ کی امت کو کل مخلوق سے بہتر فرمایا (البینۃ: ۷) ان کا ثواب ان کے رب کے پاس دائمی جنتیں ہیں (البینۃ: ۸) اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے (البینۃ: ۸)۔

سورۃ الزلزال میں بھی آپ کی امت کے لیے تین فضیلتیں ہیں' فرمایا: اس دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرے گی (الزلزال: ۴) اس کا تقاضا یہ ہے کہ زمین آپ کی امت کی اطاعت اور عبادت کی خبر دے گی' نیز فرمایا: اس دن لوگ مختلف حالتوں میں لوٹیں گے تا کہ ان کے اعمال دکھائے جائیں (البینۃ: ۶) یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے سامنے ان کی اطاعت اور عبادت پیش کی جائے گی' جس سے ان کو فرحت اور مسرت حاصل ہو گی' اور فرمایا: سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کی جزا دیکھے گا (البینۃ: ۷) اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے عظیم عبادت ہے' پس وہ اس کا عظیم ثواب پائیں گے۔

سورۃ العادیات میں آپ کی امت کے مجاہدوں کے گھوڑوں کی قسم کھائی اور یہ ان کی بہت بڑی فضیلت ہے اور اس کا ذکر تین آیات میں ہے: ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیز دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئےO پھر سم مار کر پتھر سے چنگاریاں اڑاتے ہیںO پھر صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیںO (العادیات: ۳-۱)

سورۃ القارعۃ میں آپ کی امت کی تین فضیلتیں بیان فرمائیں' فرمایا: جس کی نیکی کے پلڑے بھاری ہوں گےO تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہو گاO (القارعۃ: ۷-۶) اور ان کے دشمنوں کے متعلق فرمایا: وہ دہکتی ہوئی آگ کے گڑھے میں ہوں گےO (القارعۃ: ۱۱)

سورۃ التکاثر میں آپ کے دین سے اعراض کرنے والوں پر تین قسم کا عذاب بیان کیا' ان سے فرمایا: تم ضرور دوزخ کو دیکھو گےO تم ضرور اس کو یقینی طور پر دیکھو گےO پھر اس دن تم سے ضرور نعمتوں کے متعلق سوال کیا جائے گاO (التکاثر: ۸-۶)

سورۃ العصر میں آپ کی امت کی تین فضیلتیں بیان فرمائیں: ان کے ایمان کا ذکر فرمایا اور ان کے اعمالِ صالحہ کا ذکر فرمایا اور یہ بتایا کہ وہ مخلوق کو اعمالِ صالحہ کی اور حق کی اور صبر کی وصیت کرتے ہیں (العصر: ۳)

سورۃ الھمزہ میں یہ بتایا: آپ کا جو دشمن آپ پر طعنہ زن ہے اور آپ کا عیب جو ہے' اس کو تین قسم کا عذاب دیا جائے گا: وہ اپنے دنیا کے مال سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا: وہ زعم کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا (الھمزہ: ۳) اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گاO (الھمزہ: ۴) اور دوزخ کے اس طبقہ کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور وہ اس سے باہر نکلنے کی

کوئی راہ نہ پائے گاO (الھمزہ:۹)

سورۃ الفیل میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں کو تین طرح رد فرمایا: ان کی سازش کو ناکام کر دیاO ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیجےO ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیاO (الفیل:۵۔۲)

سورۃ القریش میں بتایا کہ آپ کے قبیلہ کی اللہ تعالیٰ نے تین طرح رعایت کی: ان کو آپس میں محبت کرنے والا بنا دیاO ان کو بھوک کی حالت میں کھلایاO ان کو خوف سے امن میں رکھاO (القریش:۴۔۲)

سورۃ الماعون میں آپ کو مشرف کیا کہ آپ کے دین کی تکذیب کرنے والوں کی تین صفاتِ مذمومہ بیان کیں' ان کی خساست اور بخل کو بیان کیا' فرمایا: وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے پر برانگیختہ نہیں کرتاO (الماعون:۲) اور بتایا کہ وہ خالق کی تعظیم نہیں کرتا' فرمایا: وہ اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیںO جو ریاکاری کرتے ہیںO (الماعون:۶۔۵) اور بتایا: وہ مخلوق کو فائدہ نہیں پہنچاتے' فرمایا: وہ استعمال کی معمولی چیز نہیں دیتےO (الماعون:۷)

پھر اللہ سبحانہ نے اس کے بعد سورۂ کوثر میں آپ کی بہت عظیم فضیلتیں بیان فرمائی ہیں' فرمایا: ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے' یعنی وہ عظیم فضیلتیں عطا فرمائی ہیں کہ ان میں سے ہر فضیلت دنیا اور مافیہا سے افضل ہے' سو آپ اپنے رب کی عبادت اور مخلوق کو نیکی کی راہ دکھانے میں مشغول ہوں' رہا بدنی عبادت کا ذکر تو وہ اس میں ہے: آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور مالی عبادت کا ذکر اس میں ہے: اور قربانی کیجئے' پس سورۃ الکوثر اس سے پہلی سورتوں کا تتمہ ہے۔

اور ہم نے یہ کہا تھا کہ سورۃ الکوثر اس کے بعد کی سورتوں کے لیے مقدمہ ہے' اس کی تفصیل یہ ہے:

سورۃ الکوثر کا بعد کی سورتوں کے لیے مقدمہ ہونا

اس کے بعد سورت کافرون ہے' اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے کہلوایا کہ تمام دنیا والے کافر ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ تمام لوگ اپنے دین پر شدت سے وابستہ ہوتے ہیں اور سخت متعصب ہوتے ہیں اور وہ اپنے دین اور مذہب کی نصرت کے لیے جان اور مال بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں اور جو شخص ان کے دین کے خلاف کوئی بات کرے یا ان کے دین کی مذمت کرے تو وہ بہت سخت غیظ وغضب میں آ جاتے ہیں' پس جب آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ تمام دنیا والوں کو کافر کہیں اور ان کے دین کو باطل کہیں تو اس سے یہ لازم آیا کہ تمام دنیا والے آپ کے جانی دشمن ہو جائیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صرف ایک دشمن تھا' جو فرعون تھا اور آپ کو تمام دنیا والوں کی دشمنی کا سامنا تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ کافرون سے پہلے سورۃ الکوثر نازل فرمائی' تاکہ آپ کے دل میں دنیا والوں کی دشمنی کا خوف نہ رہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی یعنی دین اور دنیا کی خیر کثیر عطا کی' پس گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ وہ آپ کی نصرت اور حفاظت کرے گا' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ. (الانفال:۶۴) — اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (المائدہ:۶۷) — اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ. (التوبہ:۴۰) — اگر تم نے نبی کی مدد نہیں کی تو بے شک اللہ نے ان کی مدد کر دی ہے۔

اور جس کی حفاظت کا اللہ سبحانہ کفیل اور ضامن ہو اس کے دل میں کسی دشمن کا خوف نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی اور یہ لفظ دنیا اور آخرت کی تمام خیرات

اور محاسن کو شامل ہے اور ظاہر ہے کہ مکہ میں آپ کو تمام خیرات اور اچھائیاں حاصل نہیں ہوئی تھیں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے خلاف ہو نہیں سکتا تو ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک سلامت رکھے' جب تک یہ وعدہ پورا نہ ہو جائے اور آپ کا کوئی دشمن آپ کو ضرر نہ پہنچا سکے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ جب آپ نے تمام دنیا والوں کو کافر کہا تو سب لوگ جمع ہو کر آپ کے پاس آئے اور کہا: اگر آپ یہ کام مال و دولت کے لیے کر رہے ہیں تو ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہو جائیں گے اور اگر آپ کا مطلوب زوجہ ہے تو ہم آپ کی شادی عرب کی سب سے مکرم عورت سے کر دیتے ہیں اور اگر آپ کا مطلوب ریاست ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار مان لیتے ہیں' سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے تو جب آسمانوں اور زمینوں کے خالق نے آپ کو دنیا اور آخرت کی تمام خیرات عطا کر دی ہیں تو آپ ان کی پیش کش کی طرف سر مو التفات نہ کریں۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ '' تو اس سے یہ مستفاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا ہے اور آپ '' وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا '' (النساء: ۱۶۴) کے قائم مقام ہیں بلکہ اس سے افضل ہیں کیونکہ جب مولیٰ اپنے بندہ کو انعام دیتے ہوئے کلام کرے تو وہ دوسری جہت کے کلام سے افضل ہے' پس اس کلام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اتنی زبردست قوت اور طاقت حاصل ہوئی کہ جب آپ نے تمام دنیا کے انسانوں کو کہا: '' یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ '' تو آپ کو ذرہ برابر بھی خوف نہ ہوا' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے الکوثر کو الکافرون پر مقدم رکھا تاکہ آپ بے دھڑک تمام جہان کے کافروں کو کافر کہہ سکیں اور ان کے معبودوں سے براءت کا اظہار کر سکیں' پس جب آپ نے میری فرماں برداری کی تو دیکھئے میں نے کیسے اپنے وعدہ کو پورا کیا اور آپ کو بہ کثرت پیروکار عطا کیے اور تمام دنیا کے لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے' پھر جب آپ کی دعوت اور شریعت کا اظہار مکمل ہو گیا تو پھر قلب اور باطن کے احوال شروع ہو گئے کیونکہ طالب کا مقصود صرف دنیا ہو گی یا صرف آخرت ہو گی اور جس کا مقصود صرف دنیا ہو گی' وہ دنیا میں رسوا ہو گا اور آخرت میں اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہو گی اور سورۂ تبت سے یہی بتانا مقصود ہے' اللہ تعالیٰ تک رسائی یا مخلوق کے ذریعہ سے ہوتی ہے یا بندہ پہلے خالق سے واصل ہوتا ہے پھر مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ افضل طریقہ ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا بیان شروع کیا اور سورۂ '' قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ '' میں اس کا بیان ہے' پھر اس کے بعد سورۂ '' قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ '' میں مخلوق کے مراتب کا ذکر کیا اور نفس انسانیہ کے مراتب پر سورۂ '' قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ '' میں اپنی کتاب کو ختم فرمایا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۱۰۔۳۰۷ ملخصاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

سورۃ الکوثر کے اس مفصل تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الکوثر کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۲۶ ذوالقعدۃ ۱۴۲۶ھ/ ۲۹ دسمبر ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹۔۰۳۰۰
۰۳۲۱۔۲۰۲۱۷۴۴

سورۃ الکوثر مکیۃ ۱۰۸ | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیاتہا ۳ رکوعہا ۱

سورۃ الکوثر مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں تین آیتیں اور ایک رکوع ہے

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ﴿۲﴾ اِنَّ

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے O سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں O

شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾



بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے O سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں O بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے O (الکوثر: ۳۔۱)

اس آیت میں ''انا'' اور ''اعطاء'' کے فوائد اور نکات

اس آیت کے شروع میں لفظ ''انا'' ہے اور یہ جمع کا لفظ ہے اور اس لفظ سے کبھی جمعیت مراد ہوتی ہے اور کبھی تعظیم مراد ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ واحد ہے' اس لیے اس سے جمعیت مراد نہیں ہو سکتی' تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کوثر عطا فرمائی ہے' اس میں کئی افراد وسیلہ ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو اہل مکہ میں رسول بنا کر بھیجنے کی دعا کی:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ. (البقرہ: ۱۲۹) اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! مجھے امت احمد میں سے بنا دے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی آمد کی بشارت دی:

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ. (الصف: ۶) اور میں اپنے بعد ایک آنے والے رسول کی تم کو بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔

لفظ ''انا'' میں جمع کے لفظ کی دوسری وجہ تعظیم ہے یعنی آپ کو کوثر عطا کرنے والا تمام آسمانوں اور زمینوں کا خالق اور مالک ہے اور جب آپ کو عطا کرنے والا اس قدر عظیم ہے تو اس کا عطیہ بھی بہت عظیم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ماضی کے صیغہ سے فرمایا ہے: ہم نے آپ کو کوثر عطا کر دی اور مستقبل کے صیغہ سے نہیں فرمایا کہ ہم آپ کو کوثر عطا کریں گے' یہ اس کی دلیل ہے کہ کوثر آپ کو ماضی میں حاصل ہو چکی ہے اور اس میں حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) جس کو ماضی میں بہت عظیم نعمت حاصل ہو چکی ہو' وہ اس سے بہت افضل ہے جس کو مستقبل میں وہ نعمت حاصل ہو' اسی لیے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا: اس وقت جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۶۰۹)

(۲) گویا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ہم نے آپ کی ولادت سے پہلے ہی آپ کی سعادت کے اسباب مہیا کر دیئے تھے تو

ہم آپ کی ولادت اور آپ کی عبادت کے بعد آپ کو کب فراموش کرنے والے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو کوثر عطا کرنے کا ذکر کیا' اس کے بعد آپ کو نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا' اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو کوثر عطا کرنا محض اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل اور احسان ہے' آپ کی کسی عبادت اور ریاضت کا معاوضہ نہیں ہے۔

(۴) نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ہم نے کوثر آپ کو دی ہے' یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے یہ کوثر نبی کو دی ہے یا رسول کو دی ہے کیونکہ اگر فرماتا: یہ کوثر نبی کو دی ہے تو یوں سمجھا جاتا کہ یہ کوثر نبوت کا مقتضیٰ ہے' سو جو بھی نبی ہوگا اس کو یہ کوثر مل گئی ہوگی اور اگر فرماتا: یہ کوثر رسول کو دی ہے تو یوں سمجھا جاتا کہ یہ کوثر رسالت کا تقاضا ہے' سو جو بھی رسول ہوگا اس کو یہ کوثر مل گئی ہو گی اور جب فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے تو پتا چلا کہ یہ کوثر نہ نبوت کا تقاضا ہے نہ رسالت کا تقاضا ہے' یہ کوثر تو صرف آپ کی ذات کا تقاضا ہے۔

(۵) عربی میں ''اعطاء'' اور ''ایتاء'' دونوں کا معنی دینا اور نوازنا ہے' اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ''اعطاء'' کا لفظ فرمایا' ''ایتاء'' کا لفظ نہیں فرمایا کیونکہ ''اعطاء'' کا متبادر معنی ہے: محض اپنے فضل سے دینا' نیز ''اعطاء'' کا معنی ہے: کسی چیز کا مالک بنا دینا اور ''ایتـــاء'' سے یہ متبادر نہیں ہوتا' پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو کوثر کا مالک بنا دیا ہے' آپ جس کو چاہیں اس کوثر میں سے دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں' اللہ تعالیٰ نے جب حضرت سلیمان کو ملک عظیم عطا کیا تو فرمایا:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ. (صٓ:۳۹) یہ ہماری عطاء ہے' اب آپ کسی پر احسان کر کے اس کو دے دیں یا روک کر رکھیں۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوثر عطا کی تو آپ کو اس کا مالک بنا دیا' چاہے آپ کسی کو دیں یا نہ دیں۔

لفظ ''کوثر'' کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الـکـوثـر'' جنت میں نہر ہے' اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں' اس میں موتی اور یاقوت جاری ہیں' اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے' اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۶۱' امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(۲) کوثر سے مراد حوض ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے' اچانک آپ کو اونگھ آ گئی' آپ نے مسکراتے ہوئے سر بلند کیا اور فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے' پھر آپ نے پڑھا: ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم O اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ O '' پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے' آپ نے فرمایا: یہ وہ نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے' اس میں خیر کثیر ہے اور یہ وہ حوض ہے جس پر قیامت کے دن میری امت وارد ہوگی' اس کے برتن ستاروں کے عدد کے برابر ہیں' اس پر ان میں سے ایک بندہ وہاں سے نکالا جائے گا' میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرا امتی ہے' پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ از خود نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد دین میں کیا نیا کام نکالا تھا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث:۴۰۰)

اس حدیث سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مـا کـان و مـا یـکـون'' کا علم نہیں تھا ورنہ

آپ کو از خود معلوم ہوتا کہ یہ شخص آپ کے دین اور آپ کی امت سے نکل چکا ہے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ (الوفا ص ۸۱۰‘ مطبوعہ مصر‘ ۱۳۶۹ھ) سو جس شخص نے دین میں نیا کام نکالا اس کا عمل بھی آپ پر پیش کیا گیا تھا‘ لہٰذا اس حدیث سے آپ کے علم کی نفی نہیں ہوتی‘ البتہ اس میں آپ کی توجہ کی نفی ہے۔

کوثر سے مراد حوض ہو یا جنت میں نہر‘ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر ہے‘ اس لیے یہ تفسیر تمام اقوال پر راجح اور فائق ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوثر سے مراد خیر کثیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر خیر کثیر آپ کو عطا کر دی‘ اور اسلام‘ قرآن‘ نبوت اور دنیا اور آخرت میں تعریف اور تحسین اور ثناء جمیل خیراتِ کثیرہ ہیں اور جنت کی سب نعمتیں خیر کثیر ہیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۶۶)

(۴) عکرمہ نے کہا: کوثر سے مراد نبوت اور کتاب ہے۔

(۵) حسن بصری نے کہا: کوثر سے مراد قرآن ہے۔

(۶) المغیرہ نے کہا: کوثر سے مراد اسلام ہے۔

(۷) الحسین بن الفضل نے کہا: کوثر سے مراد قرآن کو آسان کرنا اور احکامِ شرعیہ میں تخفیف ہے۔

(۸) ابوبکر بن عیاش نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے اصحاب‘ آپ کی امت اور آپ کے متبعین کی کثرت ہے۔

(۹) ابن کیسان نے کہا: کوثر سے مراد ایثار ہے۔

(۱۰) الماوردی نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے ذکر کی بلندی ہے۔

(۱۱) ”الکوثر“ سے مراد آپ کے دل کا وہ نور ہے‘ جس نے آپ کو اللہ کے ماسوا سے منقطع کر دیا۔

(۱۲) کوثر سے مراد شفاعت ہے۔

(۱۳) الثعلبی نے کہا: کوثر سے مراد آپ کے معجزات ہیں‘ جن سے آپ کی امت کو ہدایت حاصل ہوئی۔

(۱۴) ہلال بن یساف نے کہا: کوثر سے مراد ”لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ“ ہے اور ایک قول ہے: کوثر سے مراد دین کی فقہ ہے اور ایک قول ہے: پانچ نمازیں ہیں۔

ان اقوال میں سے صحیح ترین قول اوّل اور ثانی ہے یعنی کوثر سے مراد جنت میں ایک نہر ہے یا حوض ہے‘ جو محشر میں قائم ہوگا کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۱۹۴‘ دار الفکر‘ بیروت‘ ۱۴۱۵ھ)

حوضِ کوثر کے متعلق یہ ایمان افروز حدیث ہے:

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے شہداء اُحد پر نماز جنازہ پڑھی‘ پھر آپ منبر پر گئے‘ پس فرمایا: میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا اور میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا‘ اور بے شک اللہ کی قسم! میں اپنے حوض کو اب بھی ضرور دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے تم پر یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم (سب) مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم سے یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۵۹۰۔۱۳۴۴‘ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۲۲۳‘ مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸)

الکوثر: ۲ میں فرمایا: سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں○

تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین کے متعلق ضعیف روایات

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوثر ایسی عظیم نعمت عطا کی ہے تو آپ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے ہمیشہ نماز پڑھتے رہیں اور قربانی ادا کرتے رہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ہے کہ وہ آپ کو اس قدر خوش حال کر دے گا کہ آپ قربانی کرتے رہیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ نماز سے مراد عید کی نماز ہے اور ''وانحر'' سے مراد عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنا ہے۔

مجاہد' عطاء اور عکرمہ سے روایت ہے کہ نماز سے مراد مزدلفہ میں صبح کی نماز پڑھنا اور اس کے بعد منیٰ میں قربانی کرنا ہے۔

ابو الاحوص سے روایت ہے کہ اونٹ کو نحر کرتے وقت آپ قبلہ کی طرف منہ کریں۔

امام ابن ابی حاتم' حاکم' ابن مردویہ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ سورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے فرمایا: یہ کون سا نحیرہ ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے تو حضرت جبریل نے کہا: یہ نحیرہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ پڑھیں تو رفع یدین کریں اور جب رکوع کریں تو رفع یدین کریں اور جب رکوع سے سر اٹھائیں تو رفع یدین کریں کیونکہ یہی ہماری نماز ہے اور آسمانوں کے فرشتوں کی نماز ہے اور ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت رفع یدین ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ١٠ ص ٣٤٧٠' المستدرک ج ٢ ص ٥٣٨ ذہبی نے کہا: اس کی سند میں اسرائیل غیر معتمد ہے اور امام نسائی کے نزدیک متروک ہے۔)

حاکم نے ''مستدرک'' میں اور دار قطنی نے ''الافراد'' میں حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے: اپنا دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھیں' پھر نماز میں اپنے ہاتھوں کو اپنے سینہ پر رکھیں۔ (المستدرک ج ٢ ص ٥٣٧' حافظ ذہبی نے اس سے سکوت کیا ہے۔)

حافظ جلال الدین سیوطی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت کے متعلق کہا ہے: اس کو امام ابن ابی حاتم نے اور حاکم نے ''مستدرک'' میں سند ضعیف سے روایت کیا ہے اور ابن کثیر نے اس حدیث کے متعلق کہا: یہ شدید منکر ہے بلکہ امام ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں درج کیا ہے اور حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کی دوسری حدیث کے متعلق حافظ جلال الدین سیوطی نے کہا: اس حدیث کو امام ابن ابی حاتم حاکم نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترک رفع یدین اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے پر دلائل شرح صحیح مسلم' جلد اوّل میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور زیادہ مشہور یہ ہے کہ ''نحر'' کا لفظ اونٹوں کو نحر کرنے میں استعمال ہوتا ہے' نہ کہ ان معانی میں اور قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد زکاۃ کا ذکر کیا جاتا ہے اور قربانی کرنا اور اونٹوں کو نحر کرنا زکاۃ کے معنی کے قریب ہے' بہ خلاف ان مذکورہ معانی کے' علاوہ ازیں مکہ کے مشرکین بتوں کے آگے سجدہ کرتے تھے اور ان کے لیے اونٹوں کو نحر کرتے تھے تو زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس آیت کو اس پر محمول کیا جائے کہ آپ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اللہ کی رضا کی خاطر نماز پڑھیں اور اس کی رضا کے لیے قربانی کریں۔ (روح المعانی جز ٣٠ ص ٤٤٤' دار الفکر' بیروت' ١٤١٧ھ)

الکوثر: ٣ میں فرمایا: بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے O

''شانئ'' اور ''ابتر'' کے معنی

اس آیت میں ''شانئ'' اور ''ابتر'' کے دو لفظ ہیں' علامہ راغب اصفہانی متوفی ٥٠٢ھ لکھتے ہیں:

''شنا'' کا معنی ہے: کسی شخص سے بغض کی بناء پر اس کو ناپسند کرنا' قرآن مجید میں ہے: ''شَنَاٰنُ قَوْمٍ'' (المائدہ: ٨)

کسی قوم کی دشمنی اور اس سے بغض "شانئك" کا معنی ہے: آپ سے بغض رکھنے والا آپ کا دشمن۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۵۲)
"ابتر" کا لفظ "بتر" سے بنا ہے اس کا معنی ہے: جس کی جڑ کٹی ہوئی ہو پھر اس کا استعمال اس شخص کے لیے ہونے لگا جس کے بعد اس کی نسل جاری نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کام سے پہلے اللہ کا ذکر نہ کیا جائے وہ "ابتر" ہے یعنی ناتمام اور نامکمل ہے (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۶۷) قرآن مجید میں ہے: "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ" (الکوثر: ۳) یعنی جس کا ذکر اس کے بعد نہ چلے اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار کا زعم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر منقطع ہو جائے گا جب آپ کی عمر ختم ہو جائے گی کیونکہ آپ کی نسل منقطع ہو جائے گی اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ فرمایا: جس کا ذکر منقطع ہوگا وہ آپ کا دشمن ہے اور رہے آپ تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الانشراح: ۴) اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا ۝

کیونکہ آپ تمام مؤمنین کے بہ منزلہ باپ ہیں اور تمام مؤمنین حکماً آپ کی اولاد ہیں اللہ عزوجل نے آپ کا ذکر بلند کیا ہے اور آپ کو خاتم الانبیاء بنایا ہے۔ (المفردات ج ۱ ص ۳۶)

الکوثر: ۳ کا شانِ نزول

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شانِ نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس شخص نے آپ کو ابتر کہا تھا وہ العاص بن وائل السہمی تھا۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۵۳)
ابن زید نے کہا: وہ شخص یہ کہتا تھا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جڑ کٹ گئی اور ان کی نسل آگے نہیں چلے گی۔
(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۵۸)
شمر بن عطیہ بیان کرتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط یہ کہتا تھا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل باقی نہیں رہے گی اور وہ ابتر ہیں۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۵۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کعب بن اشرف مدینہ آیا تو قریش اس کے پاس گئے اور کہا: ہم حرم کا انتظام اور حفاظت کرنے والے ہیں اور زمزم کے پانی پلانے والے ہیں اور تم اہل مدینہ کے سردار ہو یہ بتاؤ کہ ہم بہتر ہیں یا یہ شخص جو اپنی قوم سے کٹ چکا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے افضل ہے؟ کعب بن اشرف نے کہا: بلکہ تم ان سے افضل ہو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۶۲)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن سعد اور امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے بیٹے حضرت قاسم تھے پھر حضرت زینب تھیں پھر حضرت عبد اللہ تھے پھر حضرت ام کلثوم تھیں پھر حضرت فاطمہ تھیں پھر حضرت رقیہ تھیں پس حضرت قاسم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور وہ مکہ میں سب سے پہلے آپ کی اولاد میں سے فوت ہونے والے تھے پھر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اس وقت العاص بن وائل السہمی نے کہا: ان کی نسل منقطع ہو گئی اور یہ ابتر (جز کٹے) ہیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝" (الکوثر: ۳)۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۵۹۵ دار احیاء التراث العربی بیروت) (الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ تاریخ دمشق الکبیر ج ۳ ص ۶۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں محمد بن علی سے روایت کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت قاسم رضی اللہ

عنہ جب اتنی عمر کو پہنچ گئے کہ وہ سواری پر سوار ہو سکیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا' اس وقت عاص بن وائل نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج صبح ابتر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکوثر نازل فرمائی۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۲۸۹' الدر المنثور ج ۸ ص ۵۹۵)

امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ابوجہل نے آپ کو ابتر کہا تھا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۵۱۶' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

شمر بن عطیہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط یہ کہتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد باقی نہیں رہے گی' اور وہ جڑ کٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝" (الکوثر: ۳)۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۵۱۷' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جب آپ کے صاحبزادے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو العاص بن وائل' ابوجہل' عقبہ بن ابی معیط اور کعب بن اشرف تمام دشمنانِ مصطفیٰ نے آپ کو ابتر (مقطوع النسل) کہا' جب کسی شخص کا بیٹا فوت ہو جائے تو اس کے ہم وطن اور رشتہ دار اس کی تعزیت کرتے ہیں اور اس کو تسلی دیتے ہیں' یہ کیسے ہم وطن اور رشتہ دار تھے' جو ایسے رنج و غم کے موقع پر آپ کو تسلی دینے کے بجائے آپ کو طعنے دے رہے تھے اور آپ کو ابتر کہہ رہے تھے' اس جاں کاہ وقت میں آپ کو صرف رب ذوالجلال نے تسلی دی اور فرمایا: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے ۝ سو آپ اپنے رب کی رضا کے لیے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیں ۝ بے شک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے ۝ (الکوثر: ۳۔۱)۔

اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت فرمانا

کفار نے جب آپ کو طعنہ دیا کہ آپ ابتر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے بلاواسطہ مدافعت کی اور فرمایا: بے شک آپ کا دشمن ہی ابتر (مقطوع النسل) ہے اور یہی محبین کا طریقہ ہے کہ جب ان کے محبوب کو کوئی طعنہ دے تو وہ اپنے محبوب کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں اور یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اور اس کی قرآن مجید میں اور بھی کئی مثالیں ہیں' جب کفار نے آپ کی شان میں یہ بدگوئی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نقل فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ (سبا: ۸۔۷)

اور کفار نے کہا: آؤ ہم تمہیں ایسا شخص بتائیں' جو تمہیں یہ خبر دے رہا ہے کہ جب تم پورے پورے ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تمہاری ضرور نئی تخلیق کی جائے گی ۝ اس نے یا تو اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے یا یہ دیوانہ ہے۔

جب کفار نے آپ کو جھوٹا اور دیوانہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ کی مدافعت کی اور فرمایا:

بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ (سبا: ۸)

بلکہ (حقیقت یہ ہے) کہ جن لوگوں کا آخرت پر ایمان نہیں ہے' وہ عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں ۝

اسی طرح جب ولید بن مغیرہ نے آپ کو دیوانہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدافعت میں فرمایا:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ (القلم: ۲)

آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں ۝

اور القلم: ۱۳۔۸ میں ولید بن مغیرہ کی مذمت میں اس کے نو عیوب بیان فرمائے اور نواں عیب یہ بیان کیا کہ وہ بد اصل ہے۔

اسی طرح منکرین نے آپ کے متعلق کہا:

لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ (الرعد: ۴۳)

آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت میں فرمایا:

يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ (یٰسین: ۳۔۱)

یٰس ○ قرآن حکیم کی قسم ○ بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں ○

اسی طرح کفار کے اس قول کو نقل فرمایا:

اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۭ (الصّٰفّٰت: ۳۶)

کیا ہم شاعر دیوانے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت میں فرمایا:

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (الصّٰفّٰت: ۳۷)

(نہیں نہیں) بلکہ وہ تو سچا دین لے کر آئے ہیں اور انہوں نے سب رسولوں کی تصدیق کی ○

پھر آپ کے دشمنوں کو وعید سنائی:

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۚ (الصّٰفّٰت: ۳۸)

بے شک تم ضرور دردناک عذاب کو چکھنے والے ہو ○

اسی طرح کفار کے اس قول کو نقل فرمایا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ . (الفرقان: ۷)

اس رسول کو کیا ہوا کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

تو اللہ نے ان کے رد میں فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ . (الفرقان: ۲۰)

ہم نے آپ سے پہلے جن رسولوں کو بھی بھیجا وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنی قوم کو توحید کا پیغام سنایا اور فرمایا: اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے گھوڑ سواروں کا ایک لشکر ہے' جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم نے آپ کو کبھی جھوٹا نہیں پایا' آپ نے فرمایا: تب میں تم کو یہ خبر دیتا ہوں کہ اگر تم اسی طرح اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہے تو تم پر بڑا عذاب آئے گا' یہ سن کر ابولہب نے کہا: ''تبًا لك'' تمہارے لیے ہلاکت ہو' کیا تم نے اس لیے ہم سب کو جمع کیا تھا؟ جب ابولہب نے آپ سے کہا: ''تبًا لك'' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت اور ابولہب کی مذمت میں پوری سورت نازل فرمادی:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۭ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۭ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ○ (اللہب: ۵۔۱)

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ○ اسے اس کے مال اور اس کی کمائی نے کوئی فائدہ نہ دیا ○ وہ عنقریب زبردست شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا ○ اور اس کی بیوی (بھی)' لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ○ اس کی گردن میں درخت کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی ○

انبیاء سابقین کا خود اپنی مدافعت کرنا

پہلے نبیوں کی شان میں اگر کافر کوئی ناگفتنی بات کہتا تو وہ خود اپنی مدافعت کرتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ان کی ناگفتنی بات کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ (الاعراف:٦٠) حضرت نوح کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک ہم تم کو ضرور کھلی ہوئی گم راہی میں دیکھتے ہیں۝

تو حضرت نوح علیہ السلام نے خود اپنی مدافعت فرمائی:

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ (الاعراف:٦١) حضرت نوح نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی گم راہی نہیں ہے لیکن میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں۝

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم نے ان کے متعلق بدگوئی کی اللہ تعالیٰ نے اس کو نقل فرمایا:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ۝ (الاعراف:٦٦) حضرت ھود کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: بے شک ہم تم کو بے وقوفی میں دیکھتے ہیں اور بے شک ہم تم کو ضرور جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۝

تب حضرت ھود نے ازخود اپنی مدافعت فرمائی:

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ (الاعراف:٦٧) حضرت ھود نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کوئی کم عقلی نہیں ہے لیکن میں رب العلمین کی طرف سے رسول ہوں۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محبوبیت

یہ تو انبیاء سابقین تھے لیکن جب محبوب رب العلمین کو مبعوث فرمایا اور کفار نے آپ کی شان میں بدگوئی کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ آپ خود اپنی مدافعت فرمائیں بلکہ جیسے ہی کسی نے آپ کی شان کے خلاف کوئی بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کا رد فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے چند دن آپ پر وحی نازل نہیں فرمائی تو کافروں نے کہا: (سیدنا) محمد کو اس کے رب نے چھوڑ دیا اور اس سے بے زار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فوراً سورۃ الضحیٰ نازل فرمائی جس میں یہ آیات ہیں:

وَ الضُّحٰىۙ۝ وَ الَّیْلِ اِذَا سَجٰىۙ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰىؕ۝ (الضحیٰ:٣۔١) چاشت کے وقت کی قسم۝ اور رات کی قسم جب وہ پھیل جائے۝ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے نہ وہ آپ سے بے زار ہوا ہے۝

اسی طرح جب کافروں نے آپ کو ابتر کہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدافعت میں پوری سورۂ کوثر نازل فرمادی۔

الکوثر کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ٢٧ ذوالقعدۃ ١٤٢٦ھ/ ٣٠ دسمبر ٢٠٠٥ء کو سورۂ کوثر کی تفسیر کی تکمیل ہو گئی اے میرے رب کریم! جس طرح آپ نے یہاں تک تفسیر لکھوادی ہے باقی سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادیں میری تمام تصانیف کو تا قیامت فیض آفریں رکھیں اور میری میرے والدین میرے اساتذہ میرے احباب اور میرے قارئین کی مغفرت فرمادیں۔

والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین
و علٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ الکافرون

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۃ الکافرون ہے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنے نبی کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کافروں کو مخاطب کر کے یہ کہیں کہ آپ ان بتوں کی عبادت نہیں کریں گے‘ جن کی وہ عبادت کرتے ہیں اور اس سورت کی پہلی آیت یہ ہے:

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ (الکافرون: ۱) آپ کہیے: اے کافرو!○

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے کہ سورۃ الکافرون مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۵۹۶‘ دار احیاء التراث العربی‘ بیروت)

اس سے پہلے سورۃ الکوثر میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ آپ اخلاص سے اپنے رب کی عبادت کریں اور اس سورت میں یہ حکم دیا ہے کہ آپ یہ اعلان کر دیں کہ آپ مشرکین کے خود ساختہ بتوں کی عبادت نہیں کریں گے اور آپ ان کے معبودوں سے بے زاری کا اظہار کر دیں۔

اس سورت میں مشرکین کے اعمال سے بے زاری کا اظہار کیا گیا ہے اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سورت میں کفار کی اس طمع کو منقطع کر دیا گیا کہ کبھی مسلمان دین اور عبادت کے معاملہ میں ان سے سمجھوتا کر لیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾“ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (فردوس الاخبار للدیلمی رقم الحدیث: ۴۶۵۸)

حضرت فروہ بن نوفل اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے کچھ وصیت کیجئے‘ آپ نے فرمایا: تم سوتے وقت ”قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾“ پڑھا کرو‘ کیونکہ یہ سورت شرک سے بَری کرتی ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۰۵۵‘ عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۹)

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۰۹ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۸ ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں‘ اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۲۸ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۵ء موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰/۴۴/۲۰۲۱۷-۰۳۲۱



سورۃ الکافرون مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چھ آیات اور ایک رکوع ہے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَلَآ اَنْتُمْ

آپ کہیے: اے کافرو! O میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو O اور نہ تم اس کی

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤ وَلَآ اَنْتُمْ

عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی ہے O اور

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦

ع ١ ٦ ٣٤

نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: اے کافرو! O میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو O اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی ہے O اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے O (الکافرون: ٦۔١)

”قل یایھا الکافرون“ کا شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ وہ آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ مکہ کے امیر ترین شخص ہو جائیں گے اور آپ جس عورت سے شادی کرنا چاہیں گے‘ وہ اس سے آپ کی شادی کر دیں گے‘ بس آپ ہمارے معبودوں کو بُرا کہنا چھوڑ دیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں تو ہم آپ کے سامنے ایک اور پیش کش کرتے ہیں‘ آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ ایک سال تک ہمارے معبودوں یعنی لات اور عزیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال تک ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے‘ آپ نے فرمایا: میں دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم نازل ہوتا ہے‘ پھر اس کے جواب میں سورۂ کافرون نازل ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ٢٩٥٦٣‘ دار الفکر‘ بیروت‘ ١٤١٥ھ‘ تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ١٩٥١٨)

آپ نے ان کی پیش کش کو از خود رد نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا کیونکہ آپ کو نورِ نبوت سے یہ معلوم تھا کہ اس سلسلہ میں پوری سورت نازل ہونے والی ہے۔

ابو البختری کے غلام سعید بن مینا بیان کرتے ہیں کہ الولید بن مغیرہ‘ العاص بن وائل‘ الاسود بن المطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور انہوں نے کہا: یا محمد! آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں‘ ہم آپ کے معبودوں کی عبادت کریں اور ہم اور آپ تمام معاملات میں مشترک ہو جائیں‘ پھر اگر ہمارا مؤقف آپ کے مؤقف سے زیادہ صحیح ہو تو آپ ہمارے مؤقف سے حصہ لے چکے ہوں گے اور اگر آپ کا مؤقف ہمارے مؤقف سے زیادہ صحیح ہو تو ہم آپ کے مؤقف سے

حصہ لے چکے ہوں گے' تب اللہ تعالیٰ نے سورۂ کافرون نازل فرمائی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: 19519' جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۶۴)

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

یہ سورت ان ضدی اور سرکش کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے' جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ہرگز ہرگز کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور وہ بت پرستی کو ترک کر کے توحید اور اسلام کی طرف رجوع نہیں کریں گے' کیونکہ ایسا نہیں تھا کہ ہر کافر کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرے گا' کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک وقت میں کافر ہو اور دوسرے وقت میں اسلام لے آئے' اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ سورت صرف ان ہی کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے' جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ تادم مرگ کافر ہی رہیں گے اور اسلام نہیں لائیں گے اور واقع میں ایسا ہی ہوا اور اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ثبوت پر دلیل ہے کیونکہ آپ نے خبر دی تھی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ ایمان نہیں لائے اور کفر پر مر گئے۔ اس سورت میں آپ کی رسالت کی دلیل کے علاوہ یہ بھی دلیل ہے کہ کفار مکہ جو آپ کو اپنے دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہے تھے' وہ مایوس ہو جائیں کیونکہ آپ کبھی بھی ان کے بتوں کی طرف موافقت کرنے والے نہ تھے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ ص ۶۴۱' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

''یایھا الکافرون'' سے پہلے ''قل'' لانے کے متعلق امام رازی کی توجیہات

امام رازی نے یہ بحث چھیڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ''قل'' کیوں فرمایا' یعنی آپ کہیے' اور صرف اسی پر اکتفاء کیوں نہیں کیا کہ اے کافرو!؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر لفظ ''قل'' نہ ہوتا تو اس سے یہ سمجھا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از خود فرما رہے ہیں: اے کافرو! حالانکہ آپ بہت نرم مزاج' شفیق اور رحیم و کریم ہیں اور ایسا سخت لفظ کہنا آپ کے مزاج کے مناسب نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں آپ کی نرمی اور رحم دلی کے متعلق یہ آیات ہیں:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (آل عمران: ۱۵۹)

اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے ○

اور آپ کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ آپ کافروں کو نہایت اچھے طریقہ سے دین کی طرف بلائیں اور عمدہ جواب دیں' فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ (النحل: ۱۲۵)

لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیں اور نہایت اچھے طریقہ کے ساتھ ان سے بحث کریں۔

سو آپ کو لوگوں کے ساتھ خلق اور نرم گفتاری کا حکم دیا گیا اور پھر آپ ان سے فرماتے: اے کافرو! تو لوگ کہتے: یہ سخت کلام نرم گفتگو کے کیسے لائق ہو سکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ''قل'' فرمایا یعنی آپ کہیے: اے کافرو! گویا آپ از خود مشرکین مکہ کو اے کافرو! نہیں کہہ رہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس کے حکم کی تعمیل میں ان سے سخت کلام فرما رہے ہیں اور نرم گفتاری کر رہے ہیں یعنی آپ کی رحمت اور نرم مزاجی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

امام رازی نے اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء:۲۱۴) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے ○

اور آپ اپنے قرابت داروں سے بہت محبت کرتے تھے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ. (الشوریٰ:۲۳) آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا سوا اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت رکھو۔

اور جب کہ رشتہ داری اور نسب کی وحدت سخت کلام کرنے سے مانع ہوتی ہے تو آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنے رشتہ داروں سے سختی سے کلام کریں اور کہیں: اے کافرو!

امام رازی نے اس کی تیسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ. (المائدہ:۶۷) اے رسول! آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ بھی نازل کیا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے' اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اپنے ذمہ جو پیغام تھا وہ نہیں پہنچایا۔

تو چونکہ آپ کے اوپر ''قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝'' کا مجموعہ نازل کیا گیا تھا' اس لیے آپ نے ''قل'' سمیت یہ پورا کلام پہنچا دیا۔

امام رازی نے ''قـل'' کہنے کی چوتھی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ انسان اپنے مالک اور مولا کی تو ہر بات برداشت کر لیتا ہے' خواہ وہ سخت ہو یا نرم لیکن دوسرے کی سخت بات برداشت نہیں کرتا اور مشرکین یہ مانتے تھے اور یہ اعتراف کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ ان کا خالق اور ان کا رازق ہے اور وہی ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے' کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ. (لقمان:۲۵) اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔

اور انسان اپنے مالک اور مولیٰ کی وہ باتیں برداشت کر لیتا ہے جن کو وہ دوسروں سے سننا گوارا نہیں کرتا' پس اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً فرماتے: ''يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝'' اے کافرو! تو ہو سکتا تھا کہ وہ یہ قرار دیتے کہ یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے تو شاید وہ اس کو برداشت نہ کرتے اور آپ کو ایذاء پہنچاتے لیکن جب انہوں نے سنا ''قـل'' (آپ کہیے) تو انہوں نے جان لیا کہ یہ درشت اور سخت کلام آسمانوں اور زمینوں کے خالق کی طرف سے ہے' تو انہوں نے اس سخت کلام کو برداشت کر لیا اور ان کو یہ ناگوار نہ لگا۔

امام رازی نے ''يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝'' سے پہلے لفظ ''قـل'' ذکر کرنے کی اسی طرح کی تینتالیس (۴۳) تاویلات اور توجیہات ذکر کی ہیں' آخری تاویل اور توجیہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں سختی اور درشتی تھی' سو جب ان کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا گیا تو ان دونوں سے فرمایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا. (طٰہٰ:۴۴) آپ دونوں فرعون سے نرمی سے بات کریں۔

اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی طرف بھیجا گیا تو آپ کو سختی کرنے کا حکم دیا' لہٰذا فرمایا:

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ. (التوبہ:۷۳) ان پر سختی کیجئے۔

کیونکہ آپ میں انتہائی نرمی اور رحم دلی تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

’’قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ‘‘ (الکافرون: ۲۔۱) آپ کہیے: اے کافرو! O میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو O (تفسیر کبیرج ۱۱ ص ۳۲۹۔۳۳۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی توجیہات پر مصنف کا تبصرہ

امام رازی قدس سرہ نے یہ توجیہات اور تاویلات اس لیے کی ہیں کہ مشرکین مکہ کو کافر کہنا گویا سب وشتم کی بات تھی‘ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہ تھی‘ اس لیے ’’یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ۙ‘‘ سے پہلے ’’قل ‘‘لایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے از خود ان کو کافر نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم دینے سے ان کو کافر فرمایا ہے۔

مصنف کے نزدیک فی نفسہٖ کافر کے لفظ میں کوئی سختی یا سب وشتم کی بات نہیں ہے‘ کافر کا معنی ہے: منکر‘ مشرکین چونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے تھے اس لیے ان کو کافر کہا جاتا ہے یعنی منکرین‘ اسی طرح مسلمان چونکہ بتوں کی پرستش اور شیطان کی اطاعت کا انکار کرتے ہیں‘ اس لیے اس معنی میں ان پر بھی کفر کا اطلاق فرمایا گیا ہے‘ قرآن مجید میں ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ (البقرہ: ۲۵۶)

سو جو شخص شیطان (کی اطاعت) کا کفر کرتا ہے اور اللہ (کی توحید) پر ایمان رکھتا ہے اس نے مضبوط دستے کو تھام لیا۔

جس طرح مشرکین اللہ تعالیٰ کی توحید کے کافر اور منکر ہیں‘ اسی طرح مسلمان بھی شیطان کی اطاعت کے کافر اور منکر ہیں‘ اس لیے اس اعتبار سے مسلمان کو کافر کہنے میں کوئی سخت بات ہے نہ مشرک کو کافر کہنے میں کوئی سخت اور ناروا بات ہے۔

قرآن مجید کی بہت آیات میں مشرکوں کو خطاب کر کے کفر کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اور اس سے پہلے لفظ ’’قل ‘‘نہیں ہے‘ چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ (البقرہ: ۲۸)

تم اللہ کا کیوں کر کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے‘ سو اس نے تم کو زندہ کیا۔

حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کے مشرکوں نے کہا:

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ O (الاعراف: ۷۶)

متکبر لوگوں نے کہا: تم جس ذات پر ایمان لائے ہو‘ ہم اس ذات کے کافر ہیں (یعنی اس کے منکر ہیں) O

اس آیت میں مشرکین نے خود اپنے اوپر کافر کا اطلاق کیا ہے‘ پس مشرکین کو کافر کہنا ان کے حق میں سخت بات کیسے ہو گئی۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ O (التوبہ: ۳۲)

مشرکین چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل کرنے کے سوا انکار کرتا ہے‘ خواہ کافروں کو ناگوار ہو O

لہٰذا مصنف کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین مکہ کو ’’کافرون ‘‘فرمانا کوئی ایسی سخت اور سنگین بات نہیں ہے‘ جس کی تینتالیس (۴۳) توجیہات کی ضرورت ہو‘ ویسے امام رازی بہت عظیم اور متبحر مفسر ہیں‘ وہ جس کی چاہیں اور جتنی چاہیں توجیہات کر سکتے ہیں۔

الکافرون: ۵۔۲ میں فرمایا: میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو O اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی ہے O اور نہ تم اس کی

عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں O

سورۃ الکافرون کی آیات میں تکرار کا جواب

ان آیات پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آیت: ۳۔۲ اور آیت: ۵۔۴ کا ایک ہی معنی اور مفہوم ہے اور یہ تکرار ہے اور تکرار غیر مفید ہوتا ہے اور بلیغ کے کلام میں کوئی چیز غیر مفید نہیں ہوتی' اس کا جواب یہ ہے کہ آیت ۵۔۴' آیت ۳۔۲ کی تاکید ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت ۳۔۲ حال کے زمانہ پر محمول ہیں اور آیت: ۵۔۴ مستقبل کے زمانہ پر محمول ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ میں زمانہ حال میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ زمانہ مستقبل میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا' اسی طرح کفار کے متعلق فرمایا: نہ تم زمانہ حال میں اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ تم زمانہ مستقبل میں اس کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

اور یہ آیات ان ہی کافروں کے ساتھ مخصوص ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

الکافرون: ۶ میں فرمایا: تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے O

"لکم دینکم ولی دین" کے محامل

اس کا معنی یہ ہے: تمہارا مؤقف اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرنا ہے اور میرا مؤقف اخلاص کے ساتھ اللہ سبحانہ کی توحید کو ماننا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ مشرکین کو شرک کرنے کی اجازت دے دی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تو شرک کی بیخ کنی کے لیے ہوئی آپ شرک کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔

اور رہی یہ آیت تو اس کے حسب ذیل محامل ہیں:

(۱) اس آیت سے مراد تہدید (دھمکانا) اور زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ O تم جو چاہو کرتے رہو' بے شک وہ تمہارے تمام کاموں کو دیکھنے والا ہے O (حٰمٓ السجدہ: ۴۰)

یہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس سے مقصود عذاب سے ڈرانا اور دھمکانا ہے' یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کو شرک اور کفر اور معصیت کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے' سو اسی طرح الکافرون: ۵ ہے۔

(۲) گویا آپ نے فرمایا: میں تمہیں توحید کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا ہوں' اگر تم میری دعوت کو قبول نہیں کرتے اور میری پیروی نہیں کرتے تو مجھ کو چھوڑ دو اور مجھے شرک اور بت پرستی کی دعوت نہ دو۔

(۳) دین کا معنی ہے: حساب' یعنی تم سے تمہارے اعمال کا حساب ہوگا اور مجھ سے میرے اعمال کا حساب ہوگا اور کسی سے دوسرے کے اعمال کا حساب نہیں ہوگا۔

(۴) تم کو تمہارے اعمال کی سزا ملے گی اور مجھ کو میرے اعمال کی جزا ملے گی۔

(۵) دین سے مراد ہے: عادت' تمہاری وہ عادت ہے جو تم کو شیاطین سے ملی ہے اور میری وہ عادت ہے جو مجھے وحی الٰہی سے حاصل ہوئی ہے' لہٰذا تم اتباع شیاطین کی وجہ سے دوزخ میں جاؤ گے اور میں اتباع وحی کی وجہ سے جنت میں جاؤں گا۔

سورۃ الکافرون کی تکمیل

آج ۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ/ یکم جنوری ۲۰۰۶ء بہ روز اتوار سورۃ الکافرون کی تفسیر مکمل ہو گئی' الحمد للہ رب العٰلمین۔ اے

میرے رب کریم! اپنی رحمت اور فضل و کرم سے قرآن مجید کی باقی سورتوں کی تکمیل بھی کرا دے' اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے تلامذہ اور میرے احباب کی اور میرے قارئین کی مغفرت فرما دے اور میری تمام تصانیف کو قیامت تک باقی اور فیض آفریں رکھ۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین و علٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ النصر

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام النصر ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''نصر'' کا لفظ ہے اور وہ آیت یہ ہے:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۙ (النصر:۱) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے ○

اس ''نصر'' سے مراد بہت بڑی مدد ہے اور اس فتح سے مراد بہت بڑی فتح ہے اور وہ فتح مکہ ہے۔

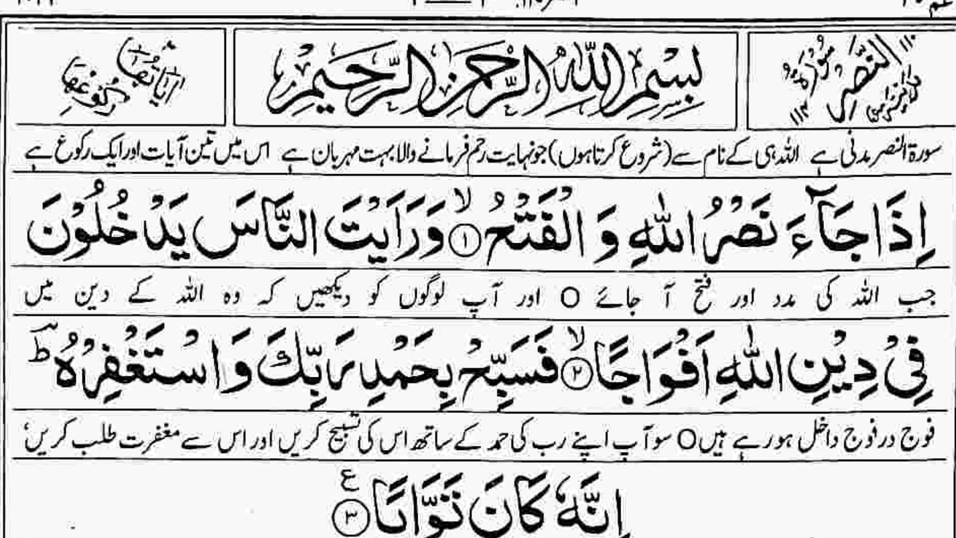
امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ'' مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۶۰۱ ' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

اس سے پہلی سورت میں یہ بتایا تھا کہ دین اسلام کفار کے دین کے خلاف ہے' اور اس سورت میں یہ بشارت دی ہے کہ کفار کا دین عنقریب مٹ جائے گا اور دین اسلام غالب آ جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عنقریب بہت بڑی فتح اور بہت بڑی نصرت حاصل ہوگی' مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا اور اردگرد کے قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں گے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن پورا ہو رہا ہے اور عنقریب آپ کی وفات ہو جائے گی۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۱۴ ہے اور یہ آخری سورت منٰی میں حجۃ الوداع کے دوران نازل ہوئی ہے اور چونکہ یہ سورت ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے' اس لیے اس سورت کا مدنی سورتوں میں شمار کیا جاتا ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۱۰ ہے۔

یہ سورت بالاجماع مدنی ہے اور اس میں فتح مکہ اور مشرکین کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ تمام جزیرہ عرب میں اب اسلام پھیل جائے گا اور بت پرستی اور شرک کے اندھیرے اب چھٹ جائیں گے اور اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوری ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور آپ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے رب عزوجل کی حمد اور اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں' سو اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء' اس کی تسبیح اور اس سے مغفرت طلب کرتے تھے۔

سورۃ النصر کے اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
یکم ذوالحج ۱۴۲۶ھ / ۲ جنوری ۲۰۰۶ء
موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹ / ۰۳۲۱-۲۰۲۱۷۴۴



سورۃ النصر مدنی ہے — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — اس میں تین آیات اور ایک رکوع ہے

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ

جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے O اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں

فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ

فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں O سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں'

إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ③

بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے O اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں O سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں' بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے O (النصر: ٣-١)

فتح سے مراد فتح مکہ ہونا

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ٣٣٣ھ لکھتے ہیں:

عام اہل تفسیر نے یہ کہا ہے کہ سورۃ النصر مکی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نصرت کی گئی تھی' وہ اہل مکہ کے خلاف تھی' علامہ ابو بکر اصم نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ فتح مکہ ہجرت کے آٹھ سال بعد ہوئی ہے اور یہ سورت ہجرت کے دس سال بعد نازل ہوئی ہے' اس پر یہ سوال ہوگا کہ اس آیت میں ''اذا'' کا لفظ ہے اور یہ لفظ مستقبل کے لیے آتا ہے' اس لیے اس سے مراد خاص فتح مکہ نہیں ہے' بلکہ اسلام کی دیگر فتوحات ہیں' لیکن اس سوال کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ''اذا'' کا لفظ ''اذ'' کے معنی میں ہے اور یہاں بھی ایسا ہی ہے' اس لیے اس آیت میں فتح کو فتح مکہ پر محمول کرنا درست ہوگا' پس یہ سورت نازل تو ہجرت کے دس سال بعد ہوئی ہے اور یہ آخری سورت ہے' لیکن اس سورت میں فتح مکہ کی نعمت کو بیان کیا گیا ہے' جو فتح ہجرت کے آٹھ سال بعد حاصل ہوئی تھی۔

''اذا جاء نصر اللّٰه'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت حیات پوری ہونے پر استدلال

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ پہلے لوگ ایک ایک کر کے یا دو دو کر کے اسلام میں داخل ہوتے اور جب مکہ فتح ہو گیا تو پوری پوری فوج اور پورے پورے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگے' نیز اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اپنی وفات کی خبر دی اور اس پر حسب ذیل اُمور سے استدلال ہے:

(١) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو اس سے آپ نے یہ استدلال کیا کہ آپ کا مشن اب پورا ہو چکا ہے' لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا وقت آ گیا ہے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — ع ٣/ ٣٥

(۲) اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوری ہونے کی کچھ علامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادی تھیں' ان علامات سے آپ نے جان لیا تھا کہ اب آپ کا وقت پورا ہو چکا ہے۔

(۳) جب لوگوں کے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے سے اب تبلیغ اسلام میں مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں رہی تو آپ نے جان لیا کہ اب آپ کی زندگی پوری ہوگئی ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱۰ص ۶۳۵۔ ۶۳۴' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ''اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُۙ'' کی تفسیر میں کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے گویا اس سال میری روح قبض کر لی جائے گی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۷۵' مسند احمد ج ۱ص ۲۱۷ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳ص ۲۶۶' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۱۹۰۷' دلائل النبوۃ ج ۷ص ۱۶۷' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۷۱۲)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ''اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُۙ'' نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت عیسیٰ بن مریم نے اپنی امت میں چالیس سال گزارے اور میرے بیس سال پورے ہو چکے ہیں اور میں اس سال میں فوت ہو جاؤں گا' پس حضرت سیدہ فاطمہ رونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی' پھر آپ مسکرانے لگیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث: ۱۹۵۲۱' مکتبہ نزار مصطفیٰ' بیروت' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ مجھ سے ''اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُۙ'' کے متعلق سوال کیا' میں نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل ہے' اس کے بعد دوسری روایت میں ہے: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل ہے' جس کی اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی تھی اور بتایا تھا' یہ آپ کی وفات کی علامت ہے' سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں' بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۱۰۶۱۷۔ ۱۰۶۱۶' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۷۰۔ ۴۹۶۹۔ ۴۴۳۰۔ ۳۶۲۷۔ ۴۲۹۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۲۰)

حمد اور تسبیح کا معنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے محامل

النصر: ۳ میں فرمایا: سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں' بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے O

تسبیح کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں سے تنزیہ بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور حمد کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ بیان کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ان کلمات سے ثناء کرنا' جن کی اس نے آپ کو تعلیم دی ہے۔

اس آیت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ''سبحان اللّٰہ وبحمدہ'' پڑھتے رہیں کیونکہ یہ دو کلمات حمد اور تسبیح کے جامع ہیں۔

اس آیت میں آپ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے' اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ آپ سے کوئی تقصیر یا تفریط ہوئی تھی' جس کی بناء پر آپ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ہر لحظہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی اتنی زیادہ نعمتیں ہیں بلکہ غیر متناہی نعمتیں ہیں جن کا زبان و بیان سے شکر نہیں ادا کیا جا سکتا تو اس لیے آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا کما حقہ جو آپ شکر ادا نہیں کر سکتے تو اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی معصوم جب اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کے

درجات اور مراتب بلند کیے جائیں۔

اس کا تیسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس استغفار سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ اپنے لیے استغفار کریں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے لیے استغفار کریں' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ . آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں اور مؤمنین اور مؤمنات کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔ (محمد:۱۹)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا ہو کہ جب آپ دائماً استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ''تواب'' فرمایا ہے یعنی وہ بہت زیادہ توبہ قبول فرماتا ہے' بندہ ایک بار گناہ کر کے توبہ کرتا ہے' وہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے' بندہ پھر گناہ کر کے توبہ کرتا ہے تو وہ پھر توبہ قبول فرمالیتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے' حتیٰ کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے (گناہ کے بعد) استغفار کر لیا' اس نے اصرار نہیں کیا' خواہ وہ دن میں ستر بار (بھی) گناہ کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:۱۵۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۶۳۰)

سورۃ النصر کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ کثرت حمد اور تسبیح اور استغفار کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے مشائخ بدر میں داخل کرتے تھے' ان میں سے بعض مشائخ کو یہ ناگوار ہوتا تھا' انہوں نے کہا: آپ ان کو ہمارے درمیان کیوں رکھتے ہیں حالانکہ ان کی عمر کے برابر تو ہمارے بیٹے ہیں' حضرت عمر نے فرمایا: یہ اس حیثیت سے ہیں جس کا تمہیں علم نہیں ہے' پھر ایک دن حضرت عمر نے ان کو بلایا اور مشائخ بدر میں داخل کیا اور میرا یہی اندازہ تھا کہ آج حضرت عمر ان پر میری حیثیت واضح کریں گے' پھر حضرت عمر نے ان سے پوچھا: آپ لوگ ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ'' کے متعلق کیا بیان کرتے ہیں؟ ان میں سے بعض نے کہا: ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ جب جنگ میں ہمیں فتح حاصل ہو تو ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور جب ہمیں شکست ہو تو ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور دوسرے بعض مشائخ خاموش رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہ دیا' پھر حضرت عمر نے کہا: اے ابن عباس! آپ کے نزدیک کیا اس سورت کی یہی تفسیر ہے؟ میں نے کہا: نہیں' حضرت عمر نے پوچھا: پھر آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بیان ہے' جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دی تھی ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ'' آپ کی وفات کی علامت تھی' حضرت عمر نے فرمایا: اس سورت کے متعلق مجھے اس سے زیادہ علم نہیں ہے' جو آپ نے بتلایا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث:۴۹۷۰' سنن ترمذی رقم الحدیث:۳۳۶۲' مسند احمد ج۱ ص۳۳۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بہت زیادہ پڑھتے تھے: ''سبحان اللّٰہ وبحمدہ' استغفر اللّٰہ واتوب الیہ'' میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ یہ بہت زیادہ پڑھتے ہیں: ''سبحان اللّٰہ وبحمدہ' استغفر اللّٰہ واتوب الیہ''؟ آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے یہ خبر دی ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا' پس جب میں وہ علامت دیکھ لوں تو میں بہ کثرت پڑھوں: ''سبحان اللّٰہ وبحمدہ استغفر اللّٰہ واتوب الیہ'' پس بے شک میں نے وہ علامت دیکھ لی ہے' وہ علامت ہے: ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ'' (النصر:۱) یعنی

فتح مکہ۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۲۹۳۲۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سورۂ ''اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ'' کے بعد جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ''سبحانک ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی'' تو سبحان ہے اے ہمارے رب اور تیری حمد کے ساتھ اے اللہ! تو میری مغفرت فرما۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۶۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سورت نصر نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخر میں تسبیح اور استغفار بہت زیادہ کرتے تھے آپ جب بھی کھڑے ہوتے یا بیٹھتے یا آتے یا جاتے تو یہ پڑھتے تھے: ''سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ'' اور فرماتے: مجھے یہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے پھر آپ نے سورت النصر پوری پڑھی۔ بعض روایات میں ہے: آپ اس طرح پڑھتے تھے: ''سبحانک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک''۔

(جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۷۸، الدر المنثور ج ۸ ص ۶۰۵)

النصر: ۳ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کرنے کا حکم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے بہت زیادہ استغفار کیا ہے اب ہم وہ احادیث پیش کر رہے ہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرتِ استغفار کا ذکر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ کثرت استغفار کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! بے شک میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سبحانہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۰۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۸۱۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۱)

حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے قلب پر (رحمت کا) حجاب آجاتا ہے اور میں ایک دن میں سو مرتبہ اللہ سبحانہ سے استغفار کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲۔ باب استحباب الاستغفار۔ رقم الحدیث: ۴۱، مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱)

نیز حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سبحانہ کی طرف توبہ کرو کیونکہ میں ایک دن میں سو مرتبہ اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۷۰۲، باب الاستغفار رقم الحدیث: ۴۲)

امام رازی کے بعض نکات پر مصنف کا تبصرہ

امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، آپ کی نصرت فرمائی، آپ کو فتح مکہ عطا فرمائی اور آپ کے دین میں لوگوں کو فوج در فوج داخل فرمایا پھر پہلی نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے فرمایا: اپنے رب کی تسبیح کیجیے، اور دوسری نعمت کا شکر ادا کرنے کے متعلق فرمایا: اپنے رب کی حمد کیجیے اور تیسری نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے فرمایا: اپنے رب سے مغفرت طلب کیجیے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۴۴)

پھر استغفار کے حکم کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۴) آپ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے ہوئے اپنے دل میں یہ گمان نہ کریں کہ آپ اللہ کی وہ اطاعت کر رہے ہیں، جو اس کے لائق ہے بلکہ اس حالت میں بھی یہ گمان کریں کہ میں اللہ سبحانہ کی ایسی حمد اور تسبیح نہ کر سکا، جیسی تسبیح اور حمد کرنا اس کا حق تھا، پھر اس تقصیر پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔

(۵) گویا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے: اے محمد! آپ معصوم ہیں یا معصوم نہیں ہیں' پس اگر آپ معصوم ہیں تو آپ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کریں اور اگر آپ معصوم نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور اس آیت میں یہ تنبیہ ہے کہ بندہ کسی وقت بھی اللہ کی عبادت کرنے کے حکم سے فارغ نہیں ہوتا۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۳۴۲)

اس عبارت کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی علم نہیں ہے کہ آپ معصوم ہیں یا معصوم نہیں ہیں اور اس معنی کا باطل ہونا بالکل بدیہی ہے اور اگر اس عبارت کا کوئی اور معنی ہے تو وہ ہماری سمجھ میں نہیں آ سکا' خود امام رازی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے کے قائل اور معتقد ہیں اور انہوں نے اپنی تفسیر میں بہت جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر دلائل قائم کیے ہیں۔

اس عبارت کے دو صفحے بعد امام رازی نے لکھا ہے: جن علماء نے یہ کہا ہے کہ آپ سے کوئی معصیت صادر نہیں ہوئی' ان کے نزدیک آپ کو استغفار کا حکم دینے کے حسب ذیل محامل ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے متعلق امام رازی کی توجیہات

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار آپ کی تسبیح کرنے کے قائم مقام ہے' کیونکہ آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ غفار ہے۔

(۲) آپ نے استغفار اس لیے کیا کہ آپ کی امت آپ کی اقتداء کرے' کیونکہ کوئی مکلف اس خطرے سے خالی نہیں ہے کہ اس سے عبادت میں کوئی تقصیر ہو گئی ہو اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آپ معصوم تھے اور عبادت میں بہت کوشش کرتے تھے' اس کے باوجود جب آپ استغفار سے مستغنی نہیں ہیں تو کوئی دوسرا استغفار کرنے سے کیسے مستغنی ہو سکتا ہے۔

(۳) آپ ترک افضل کی وجہ سے استغفار کرتے تھے۔

(۴) بندہ جو عبادت بھی کرتا ہے' جب اس عبادت کا مقابلہ اپنے رب کی نعمتوں سے کرتا ہے تو اپنی عبادت کو اس کی نعمتوں کے شکر کے مقابلہ میں بہت کم پاتا ہے تو اس تقصیر شکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے۔

(۵) جب سالک ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اپنی پہلی عبادت کو قاصر پاتا ہے' لہٰذا اس قصور پر استغفار کرتا ہے اور اللہ کی طرف سیر کے مراتب غیر متناہی ہیں' اس لیے استغفار کے مراتب بھی غیر متناہی ہیں۔

(۶) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ آپ اپنی امت کے لیے استغفار کیجئے اور جب آپ کی امت دن بہ دن زیادہ ہو رہی ہے تو آپ کے استغفار کی بھی زیادہ ضرورت ہے' سو آپ زیادہ سے زیادہ استغفار کیجئے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ص ۳۴۵۔۳۴۴' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے متعلق دیگر مفسرین کی توجیہات

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کرنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائماً ترقی کرتے رہتے تھے' جب آپ ترقی کر کے اگلے مرتبہ پر پہنچتے تو پہلے مرتبہ پر استغفار کرتے۔

(۲) آپ اپنے بلند مرتبہ کے اعتبار سے جس کام کو اپنے مرتبہ کے خلاف سمجھتے' اس پر استغفار کرتے۔

(۳) استغفار کا تعلق ان اُمور سے ہے' جو آپ سے سہواً صادر ہوئے' خواہ اعلانِ نبوت سے پہلے۔

(۴) کوئی شخص بھی کما حقہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کر سکتا' اس کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہوتی ہے وہ اتنے ہی حقوق ادا کر سکتا ہے اور عارف کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اس سے کہیں زیادہ ہیں' جتنے وہ ادا کر رہا ہے تو اس کو اپنے عمل سے حیا آتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں تقصیر کر رہا ہے' سو اس کو جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی

معرفت ہوتی ہے' اس کو اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف ہوتا ہے اور اس کو اپنے عمل سے اتنی زیادہ حیا آتی ہے اور وہ اتنا زیادہ استغفار کرتا ہے۔

(۵) یہ بھی ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے استغفار کرتے ہوں کہ آپ کو اللہ سبحانہ کی عظمت اور جلال کی سب سے زیادہ معرفت ہے اور آپ کو یہ علم ہو کہ ہر چند کہ آپ کی عبادت تمام عابدین کی عبادت سے زیادہ ہے لیکن اللہ عزوجل کی کبریائی اور اس کی عظمت اور جلال کے مقابلہ میں پھر بھی کم ہے اور اس کمی پر آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوں۔

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۶۳' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ نے آپ کے استغفار کرنے کی درج ذیل وجوہ بیان فرمائی ہیں:

(۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں کہتے تھے: اے اللہ! میری خطاء اور میرے جہل کو معاف فرما اور تمام معاملات میں میرے اسراف کو معاف فرما' اور جن کاموں کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' ان کو معاف فرما' اے اللہ! جو کام میں نے خطاءً کیے یا عمداً کیے اور جو جہلاً کیے اور جو مذاقاً کیے ان سب کو معاف فرما دے اور یہ سب کام وہ ہیں جو میرے نزدیک ہیں' اے اللہ! میرے پہلے کاموں کو اور میرے بعد کے کاموں کو اور جو کام میں نے لوگوں کے سامنے کیے اور جو کام میں نے لوگوں سے چھپ کر کیے' ان سب کو معاف فرما دے' تو ہی مقدم کرنے والا ہے اور تو ہی مؤخر کرنے والا ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۳۹۸' نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں' آپ ہماری تعلیم کے لیے یہ دعا کرتے تھے)

(۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں' ان کے مقابلہ میں آپ اپنی عبادات کو بہت کم خیال فرماتے اور اس پر استغفار کرتے تھے۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استغفار کے حکم دینے کا یہ معنی ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ سے وابستہ رہیں' اس سے سوال کرتے رہیں' اس سے رغبت کرتے رہیں' اس کے حقوق کی ادائیگی میں کمی پر اس کے سامنے گڑگڑاتے رہیں۔

(۴) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو بہ طور عبادت استغفار کرنے کا حکم دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا بھی عبادت ہے اور آپ کو مغفرت طلب کرنے کے لیے یہ حکم نہ دیا ہو۔

(۵) آپ کی امت کو متنبہ کرنے کے لیے آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا ہو تا کہ آپ کی امت بے خوف ہو کر استغفار کو ترک نہ کرے۔

(۶) آپ کو امت کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے یعنی آپ امت کی شفاعت کریں۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے یعنی وہ تسبیح کرنے والوں' استغفار کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کی بہت توبہ قبول فرماتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں' پھر بھی آپ کو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے تو دوسروں کو توبہ اور استغفار کرنے کی کس قدر زیادہ ضرورت ہو گی۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ ص ۲۰۷' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخرت کی طرف متوجہ ہونا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً تسبیح' حمد اور استغفار کرنے کا حکم دیا ہے اور اس میں زیادہ مشغولیت آپ کو امت کے کاموں

میں زیادہ مشغولیت سے مانع ہوگی اس میں یہ تنبیہ ہے کہ آپ کی تبلیغ کا کام مکمل اور تمام ہو چکا ہے اور یہ آپ کی وفات کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی اب آپ کی وفات کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔

نیز جب اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح حاصل ہوگئی اور لوگ دین اسلام میں فوج درفوج داخل ہو گئے تو معلوم ہو گیا کہ آپ کا امر تمام اور کمال کو پہنچ گیا اور اب آپ کی رحلت کا وقت آ گیا ہے۔

آپ کو استغفار کا حکم دے کر اس پر متنبہ کیا کہ جب انسان کی وفات قریب ہو تو اس کو زیادہ سے زیادہ استغفار کرنا چاہیے اور احادیث میں ہے: جب سورت نصر نازل ہوئی تو آپ نے خود خبر دی کہ یہ میری وفات کی علامت ہے اور اس سال میری روح قبض کر لی جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی خیر تو حاصل کر لی اب آخرت کی خیر کے حصول کا وقت آ گیا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ١١ص ٣٣٦ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ)

ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی التوفی ١٠٤ھ اس سورت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوں گے تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس وقت آپ کی وفات ہوگی۔

(تفسیر مجاہد ص ٣٦٢ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤٢٦ھ)

امام مقاتل بن سلیمان بلخی متوفی ١٥٠ھ نے کہا ہے: سورۃ النصر کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی (٨٠) دن زندہ رہے۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ٣ص ٥٣٠ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤٢٤ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن الماوردی التوفی ٤٥٠ھ لکھتے ہیں:

اس سورت کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقاتل کے قول کے مطابق ایک سال زندہ رہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق دو سال زندہ رہے اس کے اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا پھر یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ. (المائدہ:٣) آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

اس کے بعد آپ اسی (٨٠) دن زندہ رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ. (التوبہ:١٢٨) بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں۔

اس کے بعد آپ پینتیس (٣٥) دن زندہ رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ. (البقرہ:٢٨١) اس دن سے ڈرو جس دن تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

مقاتل نے کہا: اس کے بعد آپ سات دن زندہ رہے۔ (النکت والعیون ج ٦ص ٣٦٢)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سورۃ النصر منیٰ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی پھر یہ آیت نازل ہوئی: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" (المائدہ:٣) اس کے بعد آپ اسی (٨٠) دن زندہ رہے پھر آپ پر آیت کلالہ (النساء:١٧٦) نازل ہوئی اس کے بعد آپ پچاس دن زندہ رہے پھر آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ

اَنْفُسِكُمْ ''(التوبہ:۱۲۸)اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پینتیس (۳۵) دن زندہ رہے اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:
''وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ'' (البقرہ:۲۸۱)اس کے بعد آپ اکیس (۲۱) دن زندہ رہے' مقاتل نے کہا:اس کے بعد آپ سات دن زندہ رہے۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۲۰ص ۲۰۸۔۲۰۷'دارالفکر'بیروت'۱۴۱۵ھ)

سورت النصر کی تفسیر کی تکمیل

الحمدللہ رب العلمین! آج ۳ ذوالحج ۱۴۲۶ھ/۴ جنوری ۲۰۰۶ء بہ روز بدھ سورۃ النصر کی تفسیر مکمل ہوگئی' اے میرے رب کریم! جس طرح آپ نے اس سورت کو مکمل فرمایا ہے' باقی سورتوں کو بھی مکمل فرمادیں اور میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب' میرے تلامذہ اور قارئین کی مغفرت فرمادیں اور میری تمام تصانیف کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھیں۔وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبه سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین وعلٰی آله واصحابه وازواجه وذریاته وامته اجمعین.

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین' سبحانك اللهم وبحمدك استغفرك واتوب الیك.

اے میرے ربِ کریم! اب میرا بھی وقت آخر آ رہا ہے' میرا ایمان پر خاتمہ فرمانا اور میری زبان پر کلمہ طیبہ اور استغفار جاری کردینا۔(آمین یارب العلمین)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورة اللھب

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ وغیرہ

اس سورت کا نام اللھب ہے اور اس سورت کا نام تبت بھی ہے اور اس سورت کا نام المسد بھی ہے کیونکہ تینوں لفظ اس سورت میں وارد ہیں۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس' حضرت ابن الزبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ سورۃ ''تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ'' مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابونعیم نے ''دلائل النبوۃ'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابولہب کفار قریش میں سے تھا' جب کفارِ قریش نے ہم کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تو ایک دن ابولہب ایک گھاٹی سے نکلا اور اس کی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ سے ملاقات ہوئی' ابولہب نے اس سے کہا: اے عتبہ کی بیٹی! کیا تم نے لات اور عزیٰ کی مدد کی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! اللہ تم کو جزائے خیر دے' اے عتبہ کے باپ' ابولہب نے کہا: (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو ایسی سزاؤں سے ڈراتے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے اور ان کا زعم یہ ہے کہ یہ سزائیں بعد میں ملیں گی' وہ تین سال شعب ابی طالب میں محصور رہے' حتیٰ کہ ہم میں سے جس نے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہو گیا۔ (الدرالمنثور ج ۸ ص ۶۰۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۱ھ)

سورۃ اللھب سے پہلے سورۃ النصر ہے' سورت النصر میں اطاعت گزاروں کے لیے ثواب کی بشارت ہے اور اس سورت میں نافرمانوں کے لیے عذاب کی وعید ہے' یوں ان دونوں سورتوں میں وعد اور وعید کی مناسبت ہے۔

اس سورت میں ابولہب عبد العزیٰ بن عبد المطلب کا انجام بتایا گیا ہے' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اور اس کی بیوی ام جمیل اروٰی بنت حرب بن امیہ تھی' جو ابوسفیان کی بہن تھی' وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت دشمن تھی' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتی تھی اور اپنے شوہر کی طرح لوگوں کو اسلام لانے سے روکتی تھی۔

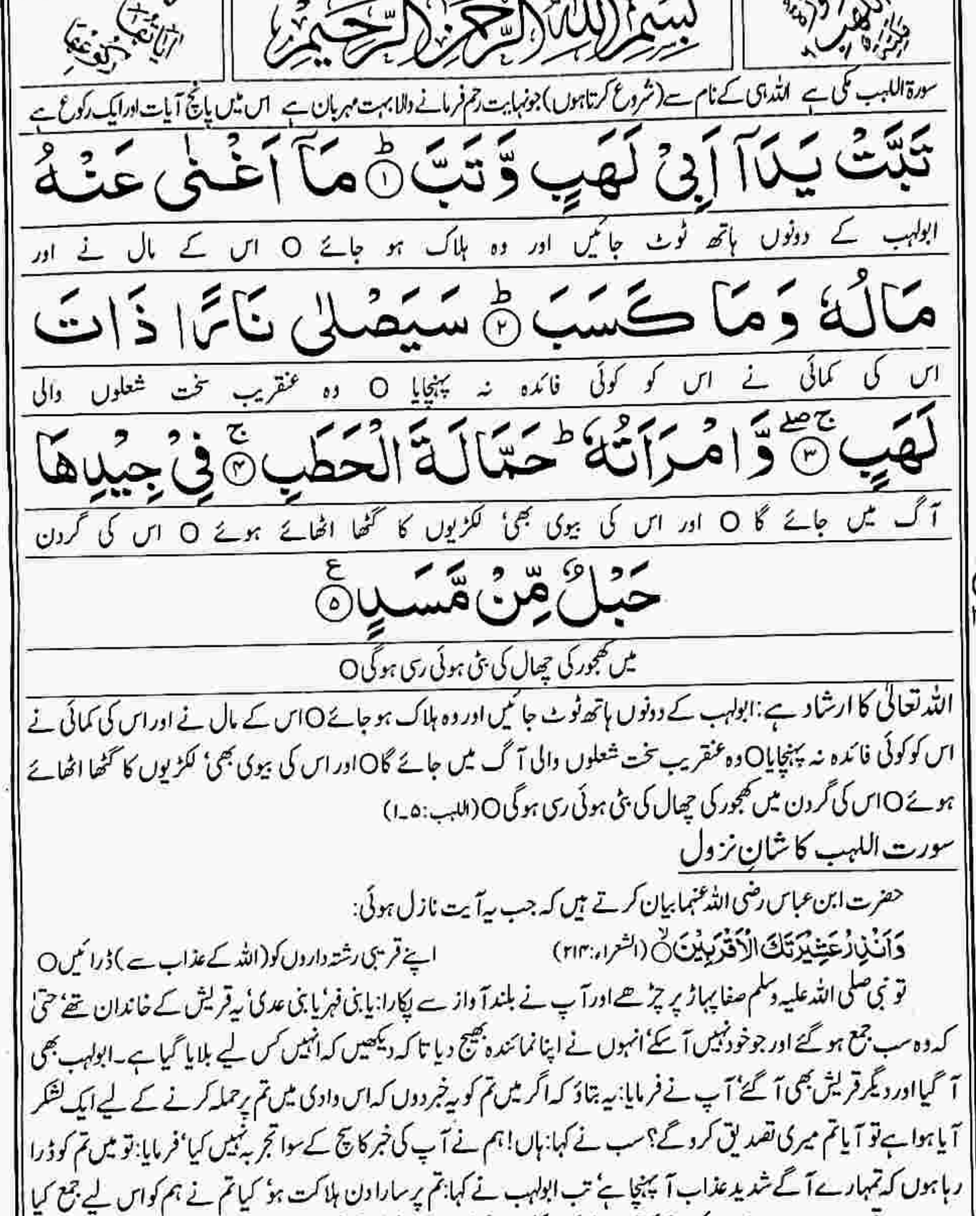
ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۶ ہے اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۱۱ ہے۔

اس مختصر تعارف اور تمہید کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۴ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۵ جنوری ۲۰۰۶ء

موبائل نمبر: ۰۳۰۰-۲۱۵۶۳۰۹ ـ ۰۳۲۱-۲۱۷۴۴/۰۳۰۰ـ۰۳۲۱



سورۃ اللھب مکیۃ ۱۱۱ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیاتھا ۵ رکوعھا ۱

سورۃ اللہب مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پانچ آیات اور ایک رکوع ہے

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّتَبَّ ؕ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے O اس کے مال نے اور

مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ؕ﴿۲﴾ سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ

اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا O وہ عنقریب سخت شعلوں والی

لَہَبٍ ﴿۳﴾ ۚۖ وَّامۡرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ ﴿۴﴾ ۚ فِیۡ جِیۡدِہَا

آگ میں جائے گا O اور اس کی بیوی بھی، لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے O اس کی گردن

حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ﴿۵﴾ ع

میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے O اس کے مال نے اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا O وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں جائے گا O اور اس کی بیوی بھی، لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے O اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی O (اللھب: ۵۔۱)

سورت اللہب کا شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۙ﴿۲۱۴﴾ (الشعراء: ۲۱۴) اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں O

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر چڑھے اور آپ نے بلند آواز سے پکارا: یا بنی فہر، یا بنی عدی، یہ قریش کے خاندان تھے، حتیٰ کہ وہ سب جمع ہو گئے اور جو خود نہیں آ سکے انہوں نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تا کہ دیکھیں کہ انہیں کس لیے بلایا گیا ہے۔ ابولہب بھی آ گیا اور دیگر قریش بھی آ گئے، آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس وادی میں تم پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر آیا ہوا ہے تو آیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا: ہاں! ہم نے آپ کی خبر کا سچ کے سوا تجربہ نہیں کیا، فرمایا: تو میں تم کو ڈرا رہا ہوں کہ تمہارے آگے شدید عذاب آ پہنچا ہے، تب ابولہب نے کہا: تم پر سارا دن ہلاکت ہو، کیا تم نے ہم کو اس لیے جمع کیا تھا؟ اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی: ”تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّتَبَّ ؕ﴿﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ؕ﴿﴾“۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۷۷۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۸، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۳، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۸۱۹)

ایک اور سند سے حدیث اس طرح ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ”وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ“ (الشعراء: ۲۱۴)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے حتیٰ کہ صفا پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے ندا کی: ''یا صباحاہ '' (ہوشیار ہو جاؤ صبح ہوگئی ہے' کسی خطرہ سے خبردار کرنے کے لیے ''یا صباحاہ '' کہا جاتا ہے) لوگوں نے کہا: یہ کون ہے؟ اور سب آپ کے پاس جمع ہو گئے' پھر آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ گھڑ سواروں کا ایک لشکر اس پہاڑ کے پیچھے سے آ رہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا: ہم نے آپ سے کبھی جھوٹی خبر نہیں سنی' تب آپ نے فرمایا: میں تم کو ڈرا رہا ہوں کہ تمہارے سامنے عذابِ شدید ہے' ابولہب نے کہا: تمہارے لیے ہلاکت ہو' کیا تم نے ہم کو اس لیے جمع کیا تھا؟ پھر وہ کھڑا ہو گیا' اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی: '' تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ''۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۷۱' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۳۵۵۔ ۲۰۸' ابن مندہ رقم الحدیث: ۱۵۰' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۸۲۔ ۱۸۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۵۰' شرح السنۃ رقم الحدیث: ۳۷۴۲' مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۷' مسند احمد ج ۵ ص ۱۷' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

''تبت'' کا معنی

اللھب: ۱ میں ''تبت'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''تب'' اور ''تباب'' ہے' علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں' اس کا معنی ہے: دائمی نقصان '' تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ '' کا معنی ہے: ابولہب دائمی نقصان میں رہے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ○ (ھود: ۱۰۱) اور انہوں نے اپنا نقصان ہی زیادہ کیا ○

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِىْ تَبَابٍ ○ (المؤمن: ۳۷) اور فرعون کی ہر سازش نقصان میں رہی ○

(المفردات ج ۱ ص ۹۳' مکتبہ نزار مصطفیٰ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۸ھ)

''تبّ'' کا معنی ہلاکت اور ٹوٹنا بھی ہے۔ (لغات القرآن ج ۲ ص ۶۶)

ابولہب کا نام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی عداوت

اللھب: ۱ میں ہے: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے ○

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابولہب اس کی کنیت ہے اور اس کا نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب ہے' اس کی ماں خزاعیہ ہے' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا' ابولہب کنیت کی وجہ یہ ہے کہ یا تو اس کا بیٹا لہب تھا' یا اس کے رخسار بہت سرخ تھے' الفاکہی نے کہا ہے کہ اس کی کنیت ابولہب اس وجہ سے تھی کہ لہب کا معنی ہے: شعلہ اور اس کا چہرہ اس کے حسن کی وجہ سے شعلے کی طرح بھڑکتا تھا' نیز اس کا مآل یہ تھا کہ یہ دوزخ کے شعلوں میں جھونکا گیا' اس لیے قرآن مجید نے اس کی کنیت کا ذکر کیا ہے' اس کے اسم کا ذکر نہیں کیا' دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی کنیت کے بجائے اپنے اسم کے ساتھ زیادہ مشہور تھا' نیز قرآن مجید نے اس کا اسم اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس کا اسم عبد العزیٰ تھا' اور العزیٰ بت تھا' جس کی پرستش کی جاتی تھی اور عبد العزیٰ کا معنی ہوا: عزیٰ کا بندہ' اور قرآن میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کا ذکر مناسب نہ تھا۔ یہ تمام لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتا تھا' اس کی وجہ یہ تھی کہ اعلانِ نبوت سے پہلے یہ اور ابوطالب لڑ پڑے اور ابولہب' ابوطالب کے سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے تو آپ نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اس کو زمین پر دے مارا' اس نے کہا: ہم دونوں تمہارے چچا ہیں' پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے دل میں تمہاری محبت کبھی بھی نہیں رہی' ابولہب یہ سن کر غضب ناک ہوا اور ہمیشہ آپ سے عداوت رکھتا رہا' غزوۂ بدر میں ابولہب نہیں گیا تھا اور اس نے اپنی جگہ بدیل کو بھیج دیا تھا اور جب اس کو قریش کی عبرت ناک شکست کا پتا چلا تو یہ غم سے مر گیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۶' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد ابولہب آپ سے بدترین عداوت رکھتا تھا' اس کا اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

ربیعہ بن عباد دیلمی پہلے زمانۂ جاہلیت میں تھے' پھر اسلام لے آئے' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں کے ساتھ ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا' آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! ''لا الـہ الا اللّٰہ '' کہو تم کامیاب ہو جاؤ گے' آپ اس کے راستوں میں جا رہے تھے اور لوگ آپ کے گرد جمع ہو رہے تھے' میں نے دیکھا کوئی آپ سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا' اور آپ خاموش نہیں ہو رہے تھے' آپ یہی کہہ رہے تھے: اے لوگو! ''لا الـہ الا اللّٰہ '' کہو تم آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے' اور بے شک آپ کے پیچھے ایک بھینگا آدمی تھا' وہ بہت خوب صورت تھا اور اس کی دو چوٹیاں تھیں' وہ کہہ رہا تھا: یہ شخص اپنا دین بدل چکا ہے اور جھوٹا ہے' میں نے کہا: یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ محمد بن عبداللہ ہیں اور یہ نبوت کا ذکر کر رہے ہیں' میں نے پوچھا: اور یہ کون شخص ہے جو ان کو جھوٹا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ان کا چچا ابولہب ہے' راوی نے کہا: تم اس وقت کم عمر تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں! میں عقل مند تھا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۹۲ طبع قدیم' مسند احمد ج ۲۵ ص ۴۰۵۔ ۴۰۴' مؤسسۃ الرسالۃ' الاحاد والمثانی رقم الحدیث: ۹۶۴' المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۴۵۸۲' المستدرک ج ۱ ص ۱۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۰۰' سنن نسائی ج ۸ ص ۵۵' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۶۵۶۲' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۲۱۹)

ابولہب کی عبرت ناک موت

اللہب: ۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے O

ابولہب نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بددعائیہ کلمہ کہا تھا' ''تباً لک '' آپ کا ہاتھ ٹوٹ جائے یا آپ ہلاک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں صورۃً بددعائیہ کلمہ فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں' ورنہ اللہ تعالیٰ بددعا دینے سے پاک ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی' وہ ہلاک ہو گیا۔

حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اس کی ہلاکت کے احوال میں لکھتے ہیں:

ابو رافع بیان کرتے ہیں: جنگ بدر کے بعد ابولہب سات دن زندہ رہا' حضرت ام الفضل نے خیمہ کی چوب اس کے سر پر مار کر اس کا سر پھاڑ دیا' اس کے بعد وہ عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہوا' اس بیماری میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے اور یہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا ہے' اسی بیماری میں وہ مر گیا' اس کے جسم سے سخت بدبو آ رہی تھی' تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی' لوگ اس بیماری سے طاعون کی طرح بھاگتے تھے' حتیٰ کہ قریش کے ایک شخص نے اس کے بیٹوں سے کہا: تم کو حیاء نہیں آتی' تمہارے گھر میں تمہارے باپ کی لاش سے بدبو پھیل رہی ہے اور تم اس کو دفن نہیں کرتے' انہوں نے کہا: ہم ڈرتے ہیں کہ اس کو ہاتھ لگانے سے کہیں ہمیں بھی یہ بیماری نہ لگ جائے' اس نے کہا: تم اس کو دفن کرو' میں بھی تمہاری مدد کروں گا' ابو رافع نے کہا: پس اللہ کی قسم! انہوں نے اس کو غسل نہیں دیا اور مکہ کی ایک بلند جگہ سے اس کو ایک دیوار کے ساتھ پھینک دیا اور اس کے اوپر پتھر ڈال دیئے (نعوذ باللہ منہ)۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۷۷۔ ۷۶' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۹ھ' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۳۔ ۳۵۲)

اللہب: ۲ میں فرمایا: اس کے مال نے اور اس کی کمائی نے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا O

ابولہب کے بیٹے عتیبہ کا انجام

یعنی اس کا مال اور اس کی کمائی' اس کو دوزخ کے عذاب سے نہ بچا سکے' اس آیت میں ہم نے کسب کا معنی کمائی کیا ہے اور کسب کا اطلاق اولاد پر بھی ہوتا ہے' حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک سب سے پاکیزہ طعام جو تم

کھاتے ہو وہ تمہاری کمائی سے ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی سے ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۳۵۸ 'سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۲۸ 'سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۴۶۱ 'سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۰ 'مسند احمد ج ۶ ص ۳۱)

ابولہب کے دو بیٹے تھے: عتبہ اور عتیبہ' اور ان دونوں کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحب زادیوں سے تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد کی وجہ سے ابولہب نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کی صاحب زادیوں کو طلاق دے دیں' اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے:

قتادہ بن دعامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ بن ابولہب سے ہوا' ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمادیا اور دوسری صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اس کے بھائی عتبہ بن ابی لہب کے نکاح میں تھیں' جب اللہ تعالیٰ نے سورۂ ''تبت یدا ابی لھب'' نازل فرمائی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں عتیبہ اور عتبہ سے کہا: میرا سر تم دونوں کے سر کے لیے حرام ہوگا' اگر تم نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی اور ابولہب کی بیوی اروی بنت حرب بن امیہ نے کہا: اے میرے بیٹو! تم ان دونوں کو طلاق دے دو' سو ان دونوں نے آپ کی صاحب زادیوں کو طلاق دے دی' اور جب عتیبہ نے حضرت ام کلثوم کو طلاق دے دی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عتیبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میں آپ کے دین سے کفر کرتا ہوں اور آپ کی بیٹی کو چھوڑتا ہوں' نہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے نہ میں اس سے محبت کرتا ہوں' پھر وہ آپ پر حملہ آور ہوا اور آپ کی قمیص پھاڑ دی' وہ اس وقت تجارت کی غرض سے شام کی طرف جارہا تھا' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو اس کے اوپر اپنے کتے کو مسلط کردے' وہ قریش کے تاجروں کے ساتھ روانہ ہوا حتیٰ کہ وہ سب رات کو شام میں ایک جگہ ٹھہرے' اس جگہ کا نام الزرقاء تھا' اس رات ان کے پاس شیر آیا اور ان کے درمیان چکر لگاتا رہا' عتیبہ نے کہا: ہائے میری ماں کا عذاب! اللہ کی قسم! یہ مجھے پھاڑ کھائے گا' جیسا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعا کی تھی' پھر لوگوں کے درمیان سے شیر اس کے پاس آیا' اس کے سر کو پکڑ کر اس کو مار ڈالا۔ (المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۴۳۶ '۴۳۵' دلائل النبوۃ لابی نعیم رقم الحدیث: ۳۸۰ '۳۸۱ '۳۸۳' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۰' روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۷۱)

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ ابولہب کے تین بیٹے تھے: عتیبہ' عتبہ اور معتبہ' عتبہ اور معتبہ فتح مکہ کے دن اسلام لے آئے تھے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام کو مخفی رکھا اور ان کے حق میں دعا کی اور یہ دونوں جنگ حنین اور جنگ طائف میں حاضر ہوئے۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۷۰' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اللھب: ۳ میں فرمایا: وہ عنقریب سخت شعلوں والی آگ میں جائے گاO

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر دلائل

امام رازی فرماتے ہیں: اس آیت میں تین وجہوں سے غیب کی خبر ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ابولہب خسارہ میں رہے گا اور ہلاک ہوجائے گا اور ایسا ہی ہوا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: وہ اپنے مال اور اپنی اولاد سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور ایسا ہی ہوا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ وہ اہل دوزخ میں سے ہے اور ایسا ہی ہوا کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۳ ـ ۳۵۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

دراصل یہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق پر تین دلیلیں ہیں کیونکہ آپ نے قرآن مجید کی وساطت سے یہ تین پیش گوئیاں فرمائیں اور یہ تینوں پیش گوئیاں صحیح ثابت ہوئیں اور یہ آپ کی نبوت کے برحق ہونے کی واضح دلیل ہیں۔

اللہب :۴ میں فرمایا: اور اس کی بیوی بھی' لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے O

ابولہب کی بیوی کی مذمت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابولہب کی بیوی کانی تھی' اس کی کنیت ام جمیل تھی' اس کا نام تھا اروی بنت حرب بن امیہ' یہ حضرت معاویہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بہن تھی' ایک قول یہ ہے کہ یہ کانی نہیں تھی' امام بزار نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب سورۂ'' تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ '' نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی آئی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ ایک طرف ہو جائیں' آپ نے فرمایا: عنقریب میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے گی (میں اس کو دکھائی نہیں دوں گا)' اس نے کہا: اے ابوبکر! تمہارے پیغمبر نے میری ہجو کی ہے' حضرت ابوبکر نے کہا: اس کعبہ کے رب کی قسم! وہ شعر بناتے ہیں نہ شعر پڑھتے ہیں' اس نے کہا: تم ان کی تصدیق کرتے ہو' جب وہ پیٹھ پھیر کر چلی گئی تو حضرت ابوبکر نے کہا: اس نے آپ کو نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا: جب تک وہ پیٹھ پھیر کر چلی نہیں گئی' ایک فرشتہ مجھے چھپائے ہوئے تھا اور امام ابویعلیٰ اور امام ابن ابی حاتم نے اور حاکم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب '' تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ '' نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی سے کسی نے کہا کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہاری ہجو کی ہے' تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر کہنے لگی: کیا آپ نے مجھے لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا آپ نے میری گردن میں رسی دیکھی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۷' دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ' المستدرک ج ۲ ص ۳۶۱)

امام ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں' جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی' اس وقت آپ کے پاس حضرت ابوبکر بھی تھے' حضرت ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! آپ ایک طرف ہو جائیں تا کہ آپ کوئی مکروہ بات نہ سنیں' جس سے آپ کو رنج ہو' ابولہب کی بیوی آ رہی ہے اور وہ سخت بدزبان ہے' آپ نے فرمایا: میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی' وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی' اس نے حضرت ابوبکر سے کہا: تمہارے پیغمبر نے ہماری ہجو کی ہے' حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! وہ شعر بناتے ہیں نہ شعر پڑھتے ہیں' اس نے کہا: تم ان کی تصدیق کرتے ہو' جب وہ چلی گئی تو حضرت ابوبکر نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے آپ کو نہیں دیکھا' آپ نے فرمایا: میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ تھا جو مجھے چھپائے ہوئے تھا۔ (دلائل النبوۃ رقم الحدیث: ۱۴۰' مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۳۱۷۵۹' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۱۰۳)

'' حمالة الحطب '' کا معنی

اس آیت میں '' حمالة الحطب '' کا لفظ ہے' '' حمالة '' کا معنی ہے: اٹھا کر لانے والی اور '' الحطب '' کا معنی ہے: لکڑیاں' وہ اپنے بخل کی وجہ سے جنگل سے لکڑیاں اٹھا کر لاتی تھی اور کانٹے لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں ڈال دیتی تھی تا کہ آپ کو وہ کانٹے چبھیں' '' حمالة الحطب '' کا معنی چغلیاں کھانے والی بھی ہے' وہ لوگوں کی چغلیاں کرتی تھی اور ادھر کی بات اُدھر لگاتی تھی۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۲۹۵۹۹' تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۴ ۔ ۳۵۳' فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۷)

اللہب: ۵ میں فرمایا: اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی بٹی ہوئی رسی ہو گی O

ابولہب کی بیوی کے لیے دوزخ کی وعید

اس آیت میں '' جید '' کا لفظ ہے' اس کا معنی ہے: گردن اور اس آیت میں '' مسد '' کا لفظ ہے' اس کا معنی کھجور کی چھال

کی بٹی ہوئی رسی ہے۔(القاموس المحیط ص ۲۷۵ القاموس ص ۳۱۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

الواحدی نے کہا ہے کہ درخت کی چھال سے جو بہت عمدہ طریقہ سے رسی بٹی جائے اس کو "مسد" کہتے ہیں۔

یہ وہ مضبوط رسی تھی جس سے وہ اپنی لکڑیوں کا گٹھا باندھتی تھی قیامت کے دن اسی یا اس جیسی رسی کا پھندا اس کے گلے میں پڑا ہوگا اس آیت سے مقصود اس کو اور اس کے خاوند کو ایذاء پہنچانا ہے۔

اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جہنم کی آگ میں وہ ایسی حالت میں ہوگی کہ اس کی پیٹھ پر درخت زقوم کی کانٹے دار لکڑیوں کا گٹھا ہوگا اور اس کی گردن میں آگ کی زنجیروں کا پھندا ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ درخت کی چھال سے بٹی ہوئی رسی کا پھندا دوزخ کی آگ میں کیسے باقی رہے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح دوزخ کی آگ میں اس کی کھال اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی اسی طرح وہ رسی بھی ہمیشہ رہے گی اور جس طرح اس کو جلنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اسی طرح وہ رسی بھی بار بار بنتی رہے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بٹی ہوئی رسی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ لوہے کی زنجیر ہو۔(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کی شدید مذمت

جب کسی شریف اور مہذب انسان کو کوئی شخص بُرا کہے یا گالی دے تو وہ برداشت کر لیتا ہے لیکن اگر اس کے عزیز دوست یا محبوب کو کوئی شخص بُرا کہے تو پھر وہ ضبط نہیں کرتا اور ایک کی دس سناتا ہے ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا دفاع کیا اور فرمایا: اللہ کے فضل سے آپ مجنون نہیں ہیں پھر اس کی مذمت میں اس کے دس عیوب بیان فرمائے اور آخری عیب یہ بیان فرمایا کہ وہ بد اصل ہے یعنی ولد الحرام ہے۔

اسی طرح کوئی کسی معزز شخص کے محبوب کو بُرا کہے تو وہ اس کی بھی مذمت کرتا ہے اور اس کے متعلقین کی بھی مذمت کرتا ہے کہ تم ایسے ہو اور تمہاری اولاد ایسی ہے اور تمہاری بیوی ایسی ہے اسی نہج پر جب ابولہب نے آپ کے متعلق کہا کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود ہلاک ہو گیا اور اس کا بیٹا بھی ہلاک ہو گیا اور آخرت میں وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی دوزخ میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے جائے گی اور اس کے گلے میں رسی ہوگی۔

اس سورت سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ اگر ہمیں بُرا کہا جائے تو ہم اس پر صبر کرلیں لیکن اگر کوئی بدبخت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہے تو ہم اس پر بالکل صبر نہ کریں اور بُرا کہنے والے کو ایک کی دس سنائیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے جن لوگوں کی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز عبارات تھیں ان پر صبر نہیں کیا اور ایک کے بجائے دس سنائیں ان کی زبردست تکفیر کی اور ان کے خلاف الکوکبۃ الشہابیہ تمہید ایمان اور حسام الحرمین وغیرہ لکھیں اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے مؤقف پر قائم رکھے۔(آمین)

سورت اللھب کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۶ ذوالحج ۱۴۲۶ھ/ ۷ جنوری ۲۰۰۶ء بہ روز ہفتہ کو اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔اے میرے رب کریم! میری تمام تصانیف کو قیامت تک فیض آفریں رکھ میری اور قارئین کی اور میرے والدین کی مغفرت فرما۔(آمین)

وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین وافضل المرسلین شفیعنا یوم الدین وعلٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علٰی رسولہ الکریم

سورۃ الاخلاص

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے متعدد نام ہیں' اس کا زیادہ مشہور نام الاخلاص ہے' کیونکہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کی توحید خالص کو بیان کرتی ہے اور یہ بیان کرتی ہے کہ اللہ عزوجل ہر نقص سے بَری ہے اور ہر شریک سے پاک ہے اور اس سورت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے انسان شرک اور دائمی عذاب سے خلاص اور نجات پالیتا ہے' اس سورت کے دیگر نام یہ ہیں:

سورۃ التفرید' سورۃ التوحید' سورۃ النجات' سورۃ الولایۃ' سورۃ المعرفۃ اور سورۃ الاساس وغیرہ' اس سے پہلے سورۃ الکافرون میں اللہ تعالیٰ کے سوا دیگر معبودوں کی پرستش کی نفی کی تھی اور اس سورت میں اللہ سبحانہ کی الوہیت کا اثبات ہے۔

اس سورت میں اسلام کے سب سے اہم عقیدہ کا ذکر ہے اور وہ اللہ سبحانہ کی توحید ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کمال سے متصف ہونے کا ذکر ہے اور اس سورت میں نصاریٰ کا ردّ ہے' جو تین خداؤں کے قائل ہیں اور مشرکین کا ردّ ہے' جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں باطل خداؤں کو شریک کرتے ہیں۔

سورت الاخلاص کے فضائل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ابن آدم نے میری تکذیب کی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اس کے لیے یہ جائز نہ تھا' ابن آدم کی تکذیب یہ ہے کہ اس نے کہا: وہ اس کو دوبارہ نہیں پیدا کر سکے گا جیسے پہلے پیدا کیا تھا حالانکہ پہلے پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے' اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا: اللہ نے بیٹا بنا لیا حالانکہ میں ''الاحد الصمد'' (واحد اور بے نیاز) ہوں' حالانکہ میری اولاد ہے نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرا کفو (ہم سر) ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۷۵-۴۹۷۴)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمادی: ''قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝'' پس صمد وہ ہے جو کسی کی اولاد نہ ہو' نہ اس کی کوئی اولاد ہو کیونکہ ہر ولد عنقریب مرجائے گا اور جو مرتا ہے اس کا عنقریب کوئی وارث ہوتا ہے اور بے شک اللہ عزوجل مرے گا نہ اس کا کوئی وارث ہوگا' ''وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ'' آپ نے فرمایا: اس کا کوئی مشابہ ہے نہ کوئی ہم سر ہے اور نہ کوئی چیز اس کی مثل ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۳۳۶۴' مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھے' صحابہ نے کہا: ہم کیسے تہائی قرآن پڑھ سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ''

تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۱ الرقم المسلسل: ۱۸۵۵)

اسی سند سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تین حصے کیے ہیں اور ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' کو قرآن مجید کا ایک حصہ بنایا ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۱ (بلاتکرار) الرقم المسلسل: ۱۸۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ جمع ہو جاؤ' میں عنقریب تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا' پھر جنہوں نے جمع ہونا تھا' وہ جمع ہو گئے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے سورۃ ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھی' پھر آپ چلے گئے' پھر ہم میں سے بعض نے کہا: میرے خیال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آسمان سے خبر آئی ہے' اس وجہ سے آپ گھر چلے گئے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فرمایا: میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا' سنو! بے شک یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک لشکر میں بھیجا اور وہ اپنے اصحاب میں نماز پڑھاتے تھے' وہ سورت ملانے کے بعد آخر میں سورۃ ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' پڑھتے تھے' جب لشکر کے لوگ واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: ان سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ان لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے' اس لیے میں اس کو پڑھنا پسند کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: ان سے کہو کہ اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۳۷۵' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۳' سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۹۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص (حضرت کلثوم بن ہدم) مسجد قباء میں امامت کرتے تھے' وہ جب بھی نماز میں کوئی سورت ملاتے تو ''قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ'' سے ابتداء کرتے' پھر اس کے بعد کوئی اور سورت پڑھتے اور وہ ہر رکعت میں اسی طرح کرتے تھے' ان کے اصحاب نے کہا: آپ پہلے یہ سورت پڑھتے ہیں اور اس کو کافی نہیں سمجھتے اور کوئی اور سورت ملاتے ہیں' آپ یا تو اسی سورت کو پڑھیں یا اس کو چھوڑ کر کوئی اور سورت پڑھیں' انہوں نے کہا: میں اس سورت کو چھوڑنے والا نہیں ہوں' تم کو پسند ہو تو میں تم کو امامت کراؤں اور پسند نہ ہو تو امامت نہ کراؤں' اور لوگ ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور کسی اور کو امام بنانا' ناپسند کرتے تھے' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آئے تو انہوں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا' آپ نے ان صاحب سے فرمایا: تم اپنے اصحاب کی بات کیوں نہیں مانتے اور ہر رکعت میں اس سورت کو لازماً پڑھنے کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے کہا: میں اس سورت سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا: اس سورت کی محبت نے تم کو جنت میں داخل کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۷۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۱' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۹۲' مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۱)

سورت الاخلاص کے اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورت الاخلاص کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۶ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۷ جنوری ۲۰۰۶ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱



سورة الاخلاص مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں چار آیات اور ایک رکوع ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝٣

آپ کہیے: وہ اللہ ایک ہے ○ اللہ بے نیاز ہے ○ اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ○

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝٤

اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: وہ اللہ ایک ہے ○ اللہ بے نیاز ہے ○ اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ○ اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے ○ (الاخلاص: ۴۔۱)

مطالب کی تین قسمیں اور پوری تفسیر کبیر کا امام رازی کی تصنیف ہونا

الاخلاص: ۱ میں فرمایا: آپ کہیے: وہ اللہ ایک ہے ○

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو بتادیا کہ بات یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور آپ کو اس مشقت میں نہیں ڈالا کہ آپ دلائل عقلیہ سے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کو معلوم کریں۔

امام رازی فرماتے ہیں: مطالب تین قسم کے ہیں: ایک وہ مطالب ہیں جن کو خبر کے ذریعہ نہیں معلوم کیا جا سکتا' یہ وہ مطالب ہیں کہ خبر کی صحت ان مطالب کی صحت پر موقوف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم اور اس کے علم اور اس کی قدرت کا علم اور معجزات کی صحت کا علم (کیونکہ عقل یہ کہتی ہے کہ اس جہان کا کوئی بنانے والا ہونا چاہیے اور یہ ضروری ہے کہ وہ عالم اور قادر بھی ہو کیونکہ بغیر علم اور قدرت کے وہ اس جہان کو بنا نہیں سکتا اور نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ معجزہ دکھائے ورنہ سچے نبی اور جھوٹے نبی میں امتیاز نہیں ہو سکتا) اور مطالب کی دوسری قسم وہ ہے جس کا بغیر خبر کے محض عقل سے علم نہیں ہو سکتا (جیسے دوزخ کے محافظ فرشتوں کی تعداد انیس (۱۹) ہے) اور مطالب کی تیسری قسم وہ ہے جس کا علم عقل سے بھی ہو سکتا ہے اور خبر سے بھی ہو سکتا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ہم درج ذیل آیت کی تفسیر میں مفصل دلائل پیش کر چکے ہیں:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا متعدد خدا ہوتے تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ (الانبیاء: ۲۲)

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۵۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی اس عبارت میں صاف تصریح ہے کہ پوری تفسیر کبیر امام رازی ہی کی لکھی ہوئی ہے' تب ہی تو انہوں نے سورت الاخلاص کی تفسیر میں سورت الانبیاء کا حوالہ دیا ہے اور علامہ ابن خلکان' حافظ ذہبی' حافظ عسقلانی اور حاجی خلیفہ کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ پوری تفسیر کبیر امام رازی کی لکھی ہوئی نہیں ہے اور اس کو علامہ احمد قمولی متوفی ۷۲۷ھ نے مکمل کیا ہے' دراصل ان علماء نے پوری تفسیر کبیر پڑھی ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل

چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو بیان فرمایا ہے اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی توحید پر چند سادہ اور عام فہم دلائل پیش کیے جائیں۔

(۱) اگر اس کائنات کے متعدد پیدا کرنے والے ہوتے تو فرض کیجئے ایک خدا ارادہ کرتا کہ زید کو پیدا کیا جائے اور دوسرا خدا ارادہ کرتا کہ زید کو پیدا نہ کیا جائے تو دونوں کا ارادہ پورا ہونا محال ہے کہ زید پیدا بھی ہو اور نہ بھی ہو کیونکہ یہ اجتماع نقیضین ہے تو جس کا ارادہ پورا ہوگا وہی خدا ہوگا' دوسرا خدا نہیں ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دونوں خدا اتفاق سے پیدا کرتے ہیں اور ان میں اختلاف نہیں ہوتا تو ہم کہتے ہیں کہ ان میں اختلاف ممکن تو ہے تو جب ان میں اختلاف ہوگا تو پھر کس کا ارادہ پورا ہوگا؟ سو جس کا ارادہ پورا ہوگا' وہی خدا ہوگا دوسرا خدا نہیں ہوگا' نیز جب وہ دونوں اتفاق سے پیدا کرتے ہیں تو ضروری ہوگا کہ ایک خدا دوسرے خدا کی موافقت کرے تو جس کی موافقت کی جائے گی وہ متبوع ہوگا اور جو موافقت کرے گا وہ تابع ہوگا اور تابع خدا نہیں ہوسکتا تو پھر دو خدا نہیں ہوسکتے اور جب دو خدا نہیں ہوسکتے تو دو سے زیادہ بھی نہیں ہوسکتے۔

(۲) ہم دیکھتے ہیں کہ تمام دنیا میں پیدائش اور موت' اور تغیر و تبدل نظامِ واحد پر چل رہا ہے' سورج ہمیشہ ایک مخصوص جانب سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مخصوص جانب میں غروب ہو جاتا ہے' اسی طرح چاند اور ستارے بھی نظامِ واحد کے موافق طلوع اور غروب کر رہے ہیں' زرعی پیداوار اور انسانوں اور حیوانوں کی پیدائش اور موت ایک نظام کے تحت ہو رہی ہے' اگر یہاں متعدد خدا ہوتے تو کائنات کے نظام متعدد ہوتے' ہر خدا اپنا اپنا نظام جاری کرتا اور اس کائنات میں نظامِ واحد ہونا اس پر دلیل ہے کہ اس کا ناظم اور خالق اور موجد بھی واحد ہے۔

(۳) اس کائنات میں ہر کثرت کسی وحدت کے تابع ہوتی ہے' تب ہی نظام صحیح رہتا ہے ورنہ نظام فاسد ہو جاتا ہے' اسکول میں ماسٹر متعدد ہوں تو ہیڈ ماسٹر واحد ہوتا ہے' صوبہ میں وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعلیٰ ایک ہوتا ہے' وفاقی وزراء متعدد ہوں تو وزیر اعظم واحد ہوتا ہے اور جس ملک میں صدارتی نظام ہو وہاں صدر ایک ہوتا ہے' تو جب ایک ملک کے دو صدر نہیں ہو سکتے تو اس کائنات کے دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کائنات کا واحد خالق اور مالک ہے اور اس کے ثبوت میں اس نے نبیوں' رسولوں کو بھیجا اور آسمانی کتابوں کو نازل کیا' اگر اس کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق تھا تو اس پر لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لیے نبی اور رسول بھیجتا' جو آ کر یہ بتاتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے اور وہ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے' لیکن جب ایسا کوئی نبی نہیں آیا' ایسی کوئی آسمانی کتاب نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے کا دعویٰ سچا ہے اور ہم پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت لازم نہیں ہے۔

جب اللہ واحد ہے تو مجوسیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ دو خدا ہیں: ایک خیر کا خالق ہے وہ یزداں ہے اور ایک شر کا خالق ہے وہ اہرمن ہے اور عیسائیوں کا یہ کہنا باطل ہے کہ تین خدا ہیں: اللہ تعالیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم' اور مشرکینِ مکہ کا بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اور مستحق عبادت ماننا بھی باطل ہوگیا۔

الاخلاص: ۲ میں فرمایا: اللہ بے نیاز ہے۔

''الصمد'' کے معانی اور محامل

اس آیت میں ''صمد'' کا لفظ ہے ''صمد'' کا معنی ہے: اپنی حاجات اور ضروریات میں جس کا قصد کیا جائے اور اسے کسی کی طرف حاجت اور ضرورت نہ ہو' الاصم نے کہا: ''الصمد'' وہ ہے جو تمام چیزوں کا خالق ہو' السدی نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جس کا مرغوبات کے حصول میں قصد کیا جائے اور آفات اور مصائب میں اس سے فریاد کی جائے' الحسین بن فضل البجلی نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جو جس چیز کو بھی چاہے وہ کرے اور اپنے ہر ارادہ کو پورا کرے اور اس کے حکم اور اس کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا نہ ہو' ''صمد'' وہ ہے جو غنی ہو' قرآن مجید میں ہے: ''هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○'' (الحدید:۲۴) وہ مستغنی ہے اور تعریف کیا ہوا ہے' ''صمد'' وہ ہے جس کے اوپر کوئی نہ ہو' ''وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ'' (الانعام:۱۸) وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے' قتادہ نے کہا: وہ کھاتا پیتا نہیں ہے' ''وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ'' (الانعام:۱۴) وہ کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا' نیز قتادہ نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جو ہمیشہ باقی رہے اور اس کے سوا ہر چیز فانی ہے: ''كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ'' (الرحمٰن:۲۶-۲۷) زمین پر ہر چیز فانی ہے ○ اور آپ کا رب باقی ہے' ابو مالک نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جس کو اونگھ اور موت نہیں آتی: ''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ'' (البقرہ:۲۵۵) اس کو نہ نیند آتی ہے نہ موت' مقاتل بن حیان نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو' ربیع بن انس نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جس پر کوئی آفت اور مصیبت نہ آئے' سعید بن جبیر نے کہا: ''صمد'' وہ ہے جو اپنی تمام صفات اور افعال میں کامل ہو' امام جعفر صادق نے کہا: جو ہمیشہ غالب ہو اور کبھی مغلوب نہ ہو' ''صمد'' وہ ہے جو تمام نقصانات اور تغیرات سے منزہ ہو اور زمان و مکان کے احاطہ سے مبرا ہو۔

(تفسیر کبیر ج۱۱ص ۳۶۳-۳۶۲ ملخصاً وموضحاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

الاخلاص: ۳ میں فرمایا: اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ○

اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل

اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی اولاد کی نفی کی ہے اور پھر دوسرے حصہ میں اس کی نفی کی ہے کہ وہ خود کسی کی اولاد ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی اولاد ہے' البتہ اس کے کئی فرقے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے' مشرکین مکہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' اور یہود یہ کہتے تھے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اولاد اس لیے نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوتی ہے' اور اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے' اگر اس کی اولاد ہوتی تو وہ بھی واجب اور قدیم ہوتی اور جو پیدا ہو وہ واجب اور قدیم نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ممکن اور حادث ہوگا۔

عیسائی یہ کہتے ہیں کہ ہم مسیح کو اللہ کا بیٹا اور اللہ کو اس کا باپ کہتے ہیں' یہ اطلاق مجازی ہے' اور یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمانی طور پر مسیح کا باپ ہے بلکہ اس کو عزت اور بزرگی کے طور پر باپ کہا جاتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایسے اسماء کا اطلاق کیا جاتا ہے جن میں نقص کا پہلو نہ ہو اور ان صفات کا اطلاق کیا جاتا ہے جو اس کی شان کے لائق ہوں اور باپ ہونے میں نقص کا پہلو ہے کیونکہ اس سے جسمانی رشتہ سے باپ ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے' موجودہ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو باپ کہتے تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسا برگزیدہ نبی کب اس بات سے ناواقف ہوگا کہ باپ ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں' لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کو باپ نہیں کہہ سکتے۔

الاخلاص: ۴ میں فرمایا: اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے ○

یہ بھی الاخلاص: ۳ کا تتمہ ہے کیونکہ کوئی شخص اسی کو بیوی بناتا ہے جو اس کی کفو ہو اور اس کی ہم پلہ ہو' اس کائنات میں کوئی اس کا ہم پلہ ہی نہیں ہے تو وہ کسی کو بیوی کیسے بنائے گا۔

قرآن مجید میں ہے:

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ (الانعام: ۱۰۱) — اللہ کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے' اس کی تو کوئی بیوی ہی نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے۔

الاخلاص کا خلاصہ

الاخلاص: ۱ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے' الاخلاص: ۲ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ صمد ہے یعنی وہ رحیم و کریم ہے' سب اس کا قصد کرتے ہیں اور وہ کسی کا قصد نہیں کرتا' الاخلاص: ۳ میں فرمایا: وہ والد ہے نہ مولود ہے یعنی ممکنات کی صفات سے مجرد اور منزہ ہے۔

الاخلاص: ۱ میں فرمایا: اللہ احد ہے تو ان کا رد ہو گیا جو متعدد خدا مانتے ہیں جیسے مشرکین اور عیسائی' اور الاخلاص: ۲ میں فرمایا: اللہ صمد ہے' سب اسی کا قصد کرتے ہیں تو ان کا رد ہو گیا جو اپنی حاجات میں بتوں کا قصد کرتے ہیں اور الاخلاص: ۳ میں فرمایا: وہ والد نہیں ہے تو یہود کا رد ہو گیا' جو کہتے تھے: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں کا رد ہو گیا جو کہتے تھے: مسیح اللہ کا بیٹا ہے اور مشرکین کا رد ہو گیا جو کہتے تھے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور الاخلاص: ۴ میں فرمایا: اللہ کا کوئی کفو اور ہم سر نہیں تو ان مشرکین کا رد ہو گیا جو بتوں کو اللہ تعالیٰ کا ہم سر مانتے تھے۔

یہ سورت' سورۃ الکوثر کے مقابلہ میں ہے' سورۃ الکوثر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کی تھی اور جس نے آپ کو ابتر کہا تھا' اس کی مذمت کی اور آپ کی شان بیان کی تھی' اس سے پہلے "قل" (آپ کہیے) نہیں فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ از خود آپ کی مدافعت کر رہا ہے اور آپ کی شان بیان کر رہا ہے اور اس سورت میں پہلے "قل" فرمایا' یعنی آپ کہیے اور اللہ تعالیٰ کی مدافعت کیجئے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف اس کا شریک' اس کا بیٹا اور اس کی بیوی مانتے ہیں' ان کا رد کیجئے تاکہ معلوم ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مدافعت کر رہے ہیں' الکوثر میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتر کہنے والے کا رد کیا تھا اور الاخلاص میں فرمایا کہ آپ کہیے اور ان کا رد کیجئے جو اللہ تعالیٰ کا شریک کہتے ہیں' اس کا بیٹا مانتے ہیں' اس کی بیوی مانتے اور اس کی شان کے خلاف اس کی صفات بیان کرتے ہیں۔

شرک کی تعریف اور مشرکین مکہ کا شرک کیا تھا؟

سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر فرمایا ہے اور شرک کا رد کیا ہے' اس مناسبت سے ہم چاہتے ہیں کہ توحید پر دلائل دینے کے بعد شرک کی وضاحت کریں۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم ہے' اس کی ہر صفت مستقل بالذات ہے اور وہ مستحق عبادت ہے' سو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو واجب اور قدیم ماننا یا اس کی کسی صفت کو مستقل بالذات ماننا شرک ہے' اس کے علاوہ کوئی چیز شرک نہیں ہے۔ اہل سنت و جماعت صالحین اور اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں یا اسناد مجازی کے طور پر ان سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں فلاں چیز عطا فرمائیں جیسے حضرت ہاجر نے صفا' مروہ کے گرد سات چکر لگانے کے بعد جب حضرت جبریل کی آواز سنی تو کہا:

اغث ان كان عندك خير. — اگر تمہارے پاس کوئی خیر ہے تو مدد کرو۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۶۵' مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۹۱۰۷' مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۳)

یا جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ (مریم: ۱۹)

جبریل نے کہا: میں آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں ۝

جب حضرت جبریل بیٹا دینے کی اپنی طرف نسبت کر سکتے ہیں تو مسلمان بھی بیٹا دینے کی نسبت اولیاء اللہ اور صالحین کی طرف کر سکتے ہیں اور یہ اسناد مجازی ہے اور ان میں سے کوئی چیز شرک نہیں ہے' ورنہ حضرت ھاجَر اور حضرت جبریل کو بھی مشرک قرار دینا ہوگا۔ العیاذ باللہ!

مخالفین اس نوع کی استمداد کو شرک کہتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو قبر پرست اور مشرک کہتے ہیں' نیز کہتے ہیں کہ اہل مکہ کا شرک یہی تھا کہ وہ صالحین سے مدد طلب کرتے تھے۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں ہے کہ اہل مکہ قبر والوں سے یا صالحین سے مدد طلب کرتے تھے یا ان کی عبادت کرتے تھے' قرآن مجید نے یہ بتایا ہے کہ اہل مکہ ملائکہ کی' جنات کی' ستاروں کی اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے کسی کی عبادت اس کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے۔

مشرکین فرشتوں کی عبادت ان کی صالحیت کی بناء پر نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی عبادت اس وجہ سے کرتے تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْــَٔلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ؕ (الزخرف: ۲۰۔۱۹)

اور انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کی عبادت کرنے والے ہیں مؤنث قرار دیا' کیا وہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود تھے' عنقریب ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے اس کے متعلق بازپرس کی جائے گی ۝ اور انہوں نے کہا: اگر رحمٰن چاہتا تو ہم فرشتوں کی عبادت نہ کرتے' انہیں اس کا کوئی علم نہیں' وہ صرف اندازے سے بات کرتے ہیں ۝

اور مشرکین جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان کی عبادت بھی وہ ان کی صالحیت کی وجہ سے نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے جنات کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دے دیا تھا' قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۰۰)

اور انہوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنالیا اور بغیر علم کے ان کو اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں بنالیا' اللہ ان کی بیان کی ہوئی صفات سے بہت بلند ہے ۝

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ (الصّٰفّٰت: ۱۵۸)

اور انہوں نے اللہ کے اور جنات کے درمیان نسب گھڑ لیا۔

مشرکین ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور بتوں کی عبادت کرتے تھے' ان میں سے کوئی چیز بھی صالح انسان نہیں ہے' قرآن مجید میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ مشرکین کسی صالح انسان کی عبادت کرتے تھے یا کسی قبر کی عبادت کرتے تھے۔

مشرکین بتوں کی نذر مانتے تھے' ان کی نذر کو ایصالِ ثواب پر چسپاں کرنا بھی باطل ہے' ہمارے نزدیک نذر اللہ کی مانی جاتی ہے کہ اے اللہ! اگر فلاں بیمار کو تو نے شفا دے دی تو میں تیری رضا کے لیے اتنا طعام صدقہ کروں گا' پھر اس طعام کو صدقہ

کر کے اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔

سورۃ الاخلاص کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۸ ذوالحج ۱۴۲۶ھ/ ۹ جنوری ۲۰۰۶ء بہ روز پیر سورۃ الاخلاص کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اے میرے رب کریم! باقی دو سورتوں کی تفسیر بھی مکمل کرادے اس تفسیر کو مقبول بنادے اور میری مغفرت فرما۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین افضل المرسلین
شفیعنا یوم الدین وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم

سورة الفلق

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الفلق ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''الفلق'' کا لفظ مذکور ہے وہ آیت یہ ہے:

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ (الفلق:۱) آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں O

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے' حسن بصری' عکرمہ' عطاء اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ اور ایک جماعت کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔

(روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۹۸' دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

اس سے پہلے سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کو بیان فرمایا تھا اور یہ کہ جو چیزیں اس کی شان کے لائق نہیں ہیں' اس کی ذات اور صفات ان سے منزہ ہے' اور اس سورت الفلق اور اس کے بعد کی سورت الناس میں یہ بتایا ہے کہ اس جہان میں جو بھی شر ہے' اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے' اسی طرح شیاطین' انس اور جن جو انسان کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور انسان کے دل میں بُرائی کے وسوسے ڈالتے ہیں' ان سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

المعوذتین (الفلق اور الناس) کی فضیلت میں احادیث

حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج رات مجھ پر ایسی سورتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل کبھی نہیں دیکھی گئی ''قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ'' اور ''قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ''۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۱۴' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۹۰۲' سنن نسائی رقم الحدیث: ۹۵۳-۹۵۴' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۸۰۳۰' مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۴)

حضرت حابس جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حابس! کیا میں تمہیں ان کلمات کی خبر نہ دوں جو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے میں سب سے افضل ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: ''قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ'' اور ''قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' اور یہی المعوذتان ہیں۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۴۳۲)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں سورۂ یوسف اور سورۂ ھود کو پڑھوں' آپ نے فرمایا: اے عقبہ! ''قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ'' کو پڑھو' تم کوئی سورت نہیں پڑھو گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بلیغ ہو' اگر تم کر سکتے ہو تو اس کو (پڑھنے سے) فوت نہ ہونے دو۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۴۰ قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۸۸' الذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی نظر سے اور انسانوں کی نظر سے پناہ طلب کرتے تھے' حتیٰ کہ المعوذتین نازل ہوئیں تو آپ نے ان کو شروع کر دیا اور ان کے سوا کو ترک کر دیا۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۵۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۵۰۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۱۱)

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۱۳ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۲۰ ہے۔

آیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ المعوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے یا نہیں؟

عبدالرحمن بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ المعوذتین کو مصاحف سے کھرچ دیتے تھے اور کہتے تھے: یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ سے نہیں ہیں۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۵ ص ۱۱۷۔ رقم الحدیث: ۲۱۱۸۸' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۲۰ھ' المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث: ۹۱۵۰' مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵۸۶)

حضرت زر بن جیش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ المعوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے؟ انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے کہ حضرت جبریل نے آپ سے کہا: آپ پڑھیے: '' قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ '' تو میں نے اس کو پڑھا' پھر انہوں نے کہا: آپ پڑھیے: '' قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ '' تو میں نے اس کو پڑھا' حضرت ابی بن کعب نے کہا: ہم وہی پڑھتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۹ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۵ ص ۱۱۶' موسسۃ الرسالۃ' بیروت' صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۹۷' شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے' حاشیہ مسند احمد ج ۳۵ ص ۱۱۶)

زر بن جیش بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی المعوذتین کو مصحف سے کھرچ دیتے ہیں' سفیان بن مسعود سے کہا گیا تو انہوں نے اس واقعہ کا انکار نہیں کیا' حضرت ابی نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے ان کو پڑھنے کے لیے کہا گیا تو میں نے ان کو پڑھا' حضرت ابی نے کہا: ہم اسی طرح پڑھتے ہیں' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہے' سفیان نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ المعوذتین کو کھرچ دیتے تھے اور وہ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں نہیں ہیں اور ان کا یہ گمان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پر یہ پڑھ کر دم کرتے تھے اور ان کا یہ گمان تھا کہ یہ دونوں اللہ کی پناہ طلب کرنے کے لیے ہیں اور انہوں نے اپنے گمان پر اصرار کیا اور باقی صحابہ کی یہ تحقیق تھی کہ یہ دونوں سورتیں قرآن سے ہیں' انہوں نے ان دونوں سورتوں کو قرآن مجید میں رکھا۔

شعیب الارنؤوط نے کہا: اس حدیث کی سند شیخین کی شرط کے موافق صحیح ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۰ طبع قدیم' مسند احمد ج ۳۵ ص ۱۱۸۔ رقم الحدیث: ۲۱۱۸۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۳۷۴' سنن البیہقی ج ۲ ص ۳۹۴' صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۷۶' صحیح بخاری میں اس حدیث کا خلاصہ ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں سورتوں کے متعلق سوال کیا گیا' آپ نے فرمایا: مجھ سے ان کو پڑھنے کے لیے کہا گیا تو میں نے پڑھا' سو تم بھی اسی طرح پڑھو جس طرح میں نے پڑھا ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث: ۲۵۱۵' مکتبۃ المعارف' ریاض' ۱۴۱۵ھ)

حضرت ابن مسعود کے انکارِ معوذتین کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

وہ قرآن جو اس وقت شرقاً غرباً تمام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں سورۂ فاتحہ سے لے کر معوذتین تک جو مصاحف میں بیان کیا گیا ہے وہ سب اللہ عزوجل کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرمایا ہے جس شخص نے اس میں سے ایک حرف کا بھی انکار کیا وہ کافر ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ ان کے مصحف میں سورۃ الفاتحہ اور سورۃ المعوذتین نہیں تھیں سو وہ جھوٹ ہے موضوع ہے صحیح نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ زر بن جیش حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے مصحف میں سورۃ الفاتحہ اور معوذتین تھیں۔

(المحلّٰی بالآثار ج ۱ ص ۳۲ مسئلہ: ۲۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم کی حدیث: ۸۱۴ میں واضح دلیل ہے کہ المعوذتان قرآن مجید سے ہیں اور جس نے حضرت ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا اس کا قول مردود ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۳ ص ۱۸۲ دارالوفاء بیروت ۱۴۱۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

کتب قدیمہ میں یہ منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سورۂ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے اور اس مسئلہ میں بہت قوی اشکال ہے کیونکہ اگر ہم یہ کہیں کہ صحابہ کے زمانہ میں سورۂ فاتحہ کے قرآن ہونے پر نقل متواتر حاصل تھی اور حضرت ابن مسعود کو اس کا علم تھا اور پھر انہوں نے اس کے قرآن ہونے کا انکار کیا تو یہ انکار ان کے کفر کو یا ان کی عقل کی کمی کو واجب کرے گا اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس زمانہ میں ان کے قرآن ہونے پر نقل متواتر نہیں تھی تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اصل میں قرآن مجید نقل متواتر سے ثابت نہیں ہے اور اس سے قرآن مجید حجت یقینیہ نہیں رہے گا اور ظن غالب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو یہ قول منقول ہے یہ نقل کاذب اور باطل ہے اور اسی بات سے اس اشکال کا حل نکل سکتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۹۰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

صحیح مسلم کی حدیث: ۸۱۴ میں اس پر واضح دلیل ہے کہ معوذتین قرآن ہیں اور حضرت ابن مسعود سے جو اس کے خلاف منقول ہے وہ مردود ہے۔ (صحیح مسلم بشرح النواوی ج ۴ ص ۲۳۴۴ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

المعوذتان قرآن مجید سے ہیں اور جس شخص نے حضرت ابن مسعود کی طرف اس کے خلاف منسوب کیا اس کا قول مردود ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص ۱۶۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابن مسعود معوذتان کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے اور روایاتِ صحیحہ کا انکار کرنا درست نہیں ہے البتہ حضرت ابن مسعود کے قول کی تاویل کرنا ضروری ہے قاضی ابوبکر باقلانی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت ابن مسعود معوذتان کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو مصحف میں لکھنے کا انکار کرتے تھے ان کے نزدیک اسی سورت کو قرآن میں لکھا جائے جس کو لکھنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہو اور ان تک رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت نہیں پہنچی تھی' یہ عمدہ تاویل ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ دونوں کتاب اللہ میں سے نہیں ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے اس قول میں کتاب اللہ سے مراد مصحف ہے' لہٰذا تاویل صحیح ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کے زمانہ میں بھی معوذتین متواتر تھیں لیکن حضرت ابن مسعود کے نزدیک ان کا تواتر ثابت نہ تھا' اس لیے ان کا انکار کفر نہیں ہے' البتہ معوذتین کا تواتر معروف ہو چکا ہے' لہٰذا اب جو ان کا انکار کرے گا' وہ کفر ہو گا' اس کی نظیر یہ ہے کہ اب اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ کا انکار کفر ہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ اجماع واضح نہیں تھا' اس لیے آپ نے منکرین زکوٰۃ کو کافر نہیں قرار دیا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۱ ملخصاً' دارالمعرفہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

معوذتین کے قرآن ہونے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا جو اختلاف منقول ہے' اس سے بعض ملحدین نے قرآن مجید کے اعجاز میں طعن کیا ہے' انہوں نے کہا: اگر قرآن مجید کی بلاغت حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہوتی تو قرآن مجید غیر قرآن سے ممتاز ہوتا' پھر اس میں یہ اختلاف نہ ہوتا کہ یہ قرآن ہے یا نہیں' اور تم کو معلوم ہے کہ معوذتین کے قرآن ہونے پر اجماع ہے اور فقہاء اسلام نے کہا ہے کہ اب معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار کرنا کفر ہے اور شاید کہ حضرت ابن مسعود نے اپنے انکار سے رجوع کر لیا تھا۔ (روح المعانی جز ۳۰ ص ۴۹۹' دارالفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعود کے رجوع کے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام طبرانی نے خود حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں سورتوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھ سے ان کو پڑھنے کے لیے کہا گیا تو میں نے پڑھا' سو تم بھی اس طرح پڑھو جس طرح میں نے پڑھا ہے۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۵۱۵)

سورۃ الفلق کے اس تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کو شروع کر رہا ہوں۔ اے میرے رب کریم! اس ترجمہ اور تفسیر میں مجھے صحت اور صواب پر قائم رکھنا۔ (آمین)

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
۱۰ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ / ۱۱ جنوری ۲۰۰۶ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱



سورۃ الفلق (۱۱۳) — مکیۃ — آیاتہا ۵ — رکوعہا ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفلق مکی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے اس میں پانچ آیات اور ایک رکوع ہے

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَ مِنۡ شَرِّ

آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں O اس کی بنائی ہوئی ہر چیز کے شر سے O اور اندھیری رات

غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَ مِنۡ

کے شر سے جب وہ چھا جائے O اور گرہ میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے O اور

شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ع



حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں O اس کی بنائی ہوئی ہر چیز کے شر سے O اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے O اور گرہ میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے O اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے O (الفلق: ۵۔۱)

اللہ سے پناہ طلب کرنے میں صبح کے وقت کی تخصیص کی توجیہات

الفلق: ۳۔۱ میں فرمایا: آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں O اس کی بنائی ہوئی ہر چیز کے شر سے O اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے O

اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ فلق سے مراد صبح کا وقت ہے' زجاج نے کہا: رات کو پھاڑ کر صبح نمودار ہوتی ہے' اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جو ذات رات کے اس شدید اندھیرے کو اس جہان سے زائل کرنے پر قادر ہے' وہ ذات پناہ طلب کرنے والے سے اس چیز کو ضرور زائل کرنے پر قادر ہے جس سے وہ ڈر رہا ہے اور خوف زدہ ہے۔

(۲) صبح کا طلوع ہونا کشادگی کی نوید کی مثل ہے' پس جس طرح انسان رات میں صبح کا منتظر ہوتا ہے' اسی طرح خوف زدہ انسان اپنی مہم میں کامیابی کا منتظر ہوتا ہے۔

(۳) صبح کے وقت کی تخصیص کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت مظلوم اور بے قرار لوگ اپنی حاجات میں اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں' گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میں اس وقت کے رب کی پناہ طلب کرتا ہوں' جو ہر رنج اور فکر سے کشادگی عطا فرماتا ہے۔

(۴) ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت کو اس لیے خاص کیا ہو کہ فجر کی نماز قیامت کے تمام احوال کی جامع ہے' کیونکہ فجر کی نماز میں انسان طویل قیام کرتا ہے اور یہ طویل قیام اس کو قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پچاس ہزار سال کے قیام کی یاد دلاتا ہے' قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ جس دن تمام لوگ رب العٰلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ۝ (المطففین:۶)

اور انسان جب نماز میں امام کی قرأت سنتا ہے تو وہ اس کو قیامت کے دن اپنے اعمال نامہ کی قرأت کی یاد دلاتا ہے:

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۔ (الجاثیہ:۲۹) یہ ہماری کتاب ہے جو تمہارے سامنے سچ سچ بول رہی ہے۔

اور جب انسان نماز میں رکوع کرتا ہے تو یہ اس کو اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب مجرم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہوں گے:

نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ ۔ (السجدہ:۱۲) وہ اپنے سروں کو جھکائے ہوئے ہوں گے۔

اور جب وہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو وہ اس کو اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب کافروں کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا اور وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اور ان کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا' سو وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے ۝ (القلم:۴۲)

اور جب وہ قعدہ میں دوزانو بیٹھا ہوگا تو یہ اس کو اس وقت کی یاد دلائے گا جب تمام امتیں گھٹنوں کے بل گری ہوں گی:

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۔ (الجاثیہ:۲۸) اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہو گی۔

پس گویا کہ اللہ سے پناہ طلب کرنے والا یہ کہتا ہے: اے میرے رب کریم! جس طرح تو نے مجھے رات کے اس اندھیرے سے نجات دی ہے مجھے ان ہولناک مصائب سے بھی نجات عطا فرما۔

(۵) صبح کا وقت بہت سعادت اور استجابت کا وقت ہے' قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ بے شک فجر کے وقت قرآن پڑھنے میں (فرشتے) حاضر ہوتے ہیں ۝ (بنی اسرائیل:۷۸)

اس وقت میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں' اس لیے اس وقت پناہ طلب کرنے والے کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔

(۶) یہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرنے اور استغفار کرنے کا وقت ہے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کے بہت مناسب ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۔ (آل عمران:۱۷) اور جو لوگ سحر کے وقت اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۷۲۔۳۷۱ ملخصاً وموضحاً' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

صبح کے وقت اللہ سے پناہ طلب کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

حضرت معاذ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پر ہلکی بارش ہوئی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا' ہم صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کے لیے آئے' آپ نے فرمایا: پڑھو' میں نے عرض کیا: کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا: پڑھو'' قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ '' اور معوذتین' جب شام ہو اور جب صبح ہو تین تین بار پڑھو' ان کی تلاوت تم کو ہر چیز سے کافی ہوگی۔ (سنن نسائی رقم الحدیث:۵۴۴۳)

الفلق: ۴ میں فرمایا: اور گرہ میں بہت پھونک مارنے والی عورتوں کے شر سے O

"نفّٰثٰت" کا معنی

اس آیت میں "نفّٰثٰت" کا لفظ ہے "نفث" کا معنی ہے: منہ سے ایسی پھونک مارنا جس میں کچھ لعاب کی آمیزش ہو اور بعض نے کہا: اس سے مراد صرف پھونک ہے اور "العقد" "عقدۃ" کی جمع ہے اس کا معنی گرہ ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب جادوگر جادو کے الفاظ پڑھنا شروع کرتا ہے تو وہ ایک دھاگا پکڑ لیتا ہے وہ اس دھاگے میں ایک گرہ لگاتا ہے اور جادو کے الفاظ پڑھ کر اس گرہ میں پھونک مارتا ہے پھر اس طرح گرہیں لگاتا جاتا ہے اور اس میں پھونکیں مارتا جاتا ہے۔ اس آیت میں پھونک مارنے والے جادوگر کے لیے مؤنث کا صیغہ استعمال فرمایا ہے اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جادو کا عمل زیادہ تر عورتیں کرتی ہیں کیونکہ وہ گرہ لگاتی جاتی ہیں اور پھونک مارتی جاتی ہیں اور اس میں اصل چیز یہ ہے کہ یہ عمل دل سے کیا جائے اور عورتیں یہ کام زیادہ توجہ سے کرتی ہیں کیونکہ ان کا علم کم ہوتا ہے اور ان میں شہوت زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) مؤنث کا صیغہ اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے مراد جادوگروں کی جماعت ہے کیونکہ جب کئی جادوگر مل کر جادو کریں گے تو اس کا اثر زیادہ ہوگا۔

(۳) ابوعبیدہ نے کہا: "نفاثات" (پھونک مارنے والیاں) سے مراد ہے: لبید بن اعصم یہودی کی بیٹیاں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا (لیکن تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر نہیں ہوا تھا اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔ سعیدی)۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے متعلق امام رازی کا مؤقف

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ لبید بن اعصم یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ گرہوں میں جادو کیا تھا اور اس دھاگے کو ذروان نامی کنویں کی تہہ میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور تین دن آپ پر سخت گزرے پھر اس وجہ سے معوذتین نازل ہوئیں اور حضرت جبریل نے آ کر آپ کو جادو کی جگہ کی خبر دی تب آپ نے حضرت علی اور حضرت طلحہ کو بھیجا اور وہ اس دھاگے کو لے کر آئے اور حضرت جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ آیت پڑھتے جائیں اور گرہ کھولتے جائیں اور جب آپ آیت پڑھنے لگے تو گرہ کھلنے لگی اور آپ کی طبیعت ٹھیک ہوتی گئی۔

نیز امام رازی فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ معتزلہ نے اس کا سرے سے انکار کیا ہے قاضی نے کہا: یہ روایت باطل ہے یہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (المائدہ: ۶۷) اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى" (طٰہٰ: ۶۹) جادوگر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوگا اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ماننے سے نبوت میں طعن ہوتا ہے اور اس لیے کہ آپ پر جادو کا اثر ہونا اگر صحیح ہو تو ضروری تھا کہ جادوگر تمام انبیاء اور صالحین کو جادو سے نقصان پہنچاتے اور وہ اس پر قادر ہوتے کہ اپنے لیے کوئی بڑا ملک حاصل کر لیتے اور یہ تمام لوازم باطل ہیں اور اس لیے کہ کفار آپ کو عار دلاتے تھے کہ آپ جادو زدہ ہیں اور اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو کفار اپنے اس طعن میں صادق ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ عیب ہوتا اور معلوم ہے کہ آپ میں عیب جائز نہیں ہے ہمارے اصحاب نے کہا: یہ قصہ جمہور اہل نقل کے نزدیک صحیح ہے اور جن وجوہ کا معتزلہ نے ذکر کیا ہے ہم ان پر سورۂ بقرہ

میں کلام کر چکے ہیں' رہا ان کا یہ کہنا کہ کفار آپ پر عیب لگاتے تھے کہ آپ جادو زدہ ہیں تو اگر آپ پر جادو کیا جاتا تو کفار اپنے اس طعن میں صادق ہوتے' اس کا جواب یہ ہے کہ مسحور کہنے سے کفار کی مراد یہ تھی کہ آپ مجنون ہیں اور جادو کے ذریعہ آپ کی عقل زائل کر دی گئی ہے' اسی وجہ سے آپ نے کفار کے دین کو ترک کر دیا' رہا یہ کہ جادو کے اثر سے آپ کے بدن میں کوئی درد ہو گیا ہو تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر کسی شیطان' کسی انسان اور جن کو اس طرح مسلط ہونے نہیں دے گا کہ وہ آپ کے دین' آپ کی شریعت اور آپ کی نبوت میں کوئی ضرر پہنچا سکے اور رہا آپ کے بدن میں ضرر پہنچانا تو وہ بعید نہیں ہے' ہم سورۃ البقرہ میں اس مسئلہ پر مکمل بحث کر چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے متعلق مصنف کا موقف

امام رازی کی اس عبارت میں حسب ذیل اُمور لائقِ توجہ ہیں:

(۱) امام رازی نے یہاں سورۃ الفلق کی تفسیر میں سورۃ البقرہ کی تفسیر کا حوالہ دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ پوری تفسیر امام رازی کی لکھی ہوئی ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ پوری تفسیر امام رازی کی نہیں ہے اور علامہ قمولی نے اس کو مکمل کیا ہے جیسا کہ ہم بہت جگہ اس پر تنبیہ کر چکے ہیں۔

(۲) امام رازی نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم سورۂ بقرہ میں معتزلہ کے دلائل کا جواب لکھ چکے ہیں' یہ امام رازی کا تسامح ہے' امام رازی نے سورۃ البقرہ کی تفسیر میں معتزلہ کی کسی دلیل کا جواب نہیں دیا' دیکھئے تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۲۶' داراحیاء التراث العربی' بیروت۔

(۳) امام رازی نے یہاں صرف جادو زدہ کے طعن کا جواب دیا ہے اور اس کو بہت مفسرین نے لکھا ہے لیکن معتزلہ کی قوی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: "وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝" (طٰہٰ: ۶۹) جادوگر جہاں سے بھی آئے وہ کامیاب نہیں ہوگا' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہو جاتا تو جادوگر آپ کو ضرر پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے' سو آپ پر جادو سے ضرر ماننا قرآن مجید کی اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔ علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد ج ۵ ص ۸۱۔۷۹ میں جادو پر بحث کی ہے اور معتزلہ کی اس دلیل کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا کوئی جواب نہیں دیا' ہم نے بنی اسرائیل: ۴۷ میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے' ہمارے نزدیک یہ تو ہو سکتا ہے کہ لبید بن اعصم یا اس کی بیٹیوں نے آپ پر جادو کیا ہو لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس جادو کا آپ پر اثر ہوا ہو' آپ نے کوئی کام نہ کیا ہو اور آپ کے دل میں یہ خیال ڈالا گیا ہو کہ آپ نے وہ کام کر لیا ہے' آپ اس سے مامون ہیں کہ آپ کے دل میں کوئی خلافِ واقع خیال ڈالا جائے' یا العیاذ باللہ! آپ دیکھیں کچھ اور آپ کو نظر کچھ آئے یا آپ کی قوت مردمی متاثر ہو' ہمارے نزدیک اس قسم کی تمام باتیں بعض راویوں کی کارستانی ہے' ہم نے ذکر کیا ہے کہ المعوذتان کے شانِ نزول میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں اور جس قول کی بناء پر یہ دونوں سورتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں' ان روایات کا غیر صحیح ہونا اور بھی واضح ہو جاتا ہے' نیز اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ معجزہ کے اثر کا سبب بھی مخفی ہوتا ہے اور سحر کے اثر کا سبب بھی مخفی ہوتا ہے' معجزہ کا صدور نبی سے ہوتا ہے اور اس کا سبب اللہ سبحانہ سے قرب اور دعائیہ کلمات ہیں اور سحر کا صدور کافر سے ہوتا ہے اور اس کا سبب شیطان سے قرب اور شرکیہ اور کفریہ کلمات کا پڑھنا ہے تو اگر نبی پر سحر کا اثر مان لیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ شیطان کا مقرب رحمان کے مقرب پر اثر انداز ہو گیا اور اس کو بیمار کرنے میں کامیاب ہو گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝" (طٰہٰ: ۶۹)۔

قرآن مجید کی سورتوں سے دم کرنے کا جواز

الفلق: ۴ میں گرہوں میں پھونک مارنے کا ذکر ہے' جادو کے کلمات پڑھ کر گرہوں میں پھونک مارنا باطل اور حرام ہے' لیکن اللہ کا کلام پڑھ کر کسی بیماری پر پھونک مارنا مستحب ہے اور اس کے استحباب میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹتے تو آپ اپنی ہتھیلیوں پر "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" اور معوذتین پڑھ کر پھونک مارتے' پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے چہرے پر ملتے اور ان ہتھیلیوں کو جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچتے' وہاں تک اپنے جسم پر ملتے' حضرت عائشہ نے کہا: جب آپ بیمار ہو گئے تو آپ مجھے اس طرح پھونک مار کر اپنی ہتھیلیوں کو ملنے کا حکم دیتے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۸' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۱۹۲' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۲۹)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ایک سفر میں گئے اور عرب کے کسی قبیلہ میں پہنچے' انہوں نے قبیلہ والوں سے کہا: ہماری مہمانی کرو (یعنی کھانا کھلاؤ)' قبیلہ والوں نے ان کو مہمان بنانے سے انکار کیا' اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈنک مارا ہوا تھا' انہوں نے اس کے علاج کے بہت جتن کیے' لیکن کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوا' ان میں سے کسی نے کہا: یہ لوگ جو تمہاری بستی میں آئے ہیں ہوسکتا ہے ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس سے اس کو شفا ہو جائے' سو ان لوگوں نے صحابہ سے کہا: اے نو واردوں کی جماعت! ہمارے سردار کو بچھو نے ڈنک مارا ہے' ہم نے اس کے علاج کی پوری کوشش کر لی لیکن اس کو فائدہ نہیں ہوا' کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا: ہاں ہے' اللہ کی قسم! بے شک میں ضرور دم کرتا ہوں' لیکن اللہ کی قسم! ہم نے تم سے مہمانی طلب کی تھی' تم نے ہماری مہمانی نہیں کی' لہٰذا اب میں تمہیں دم کرنے والا نہیں ہوں حتیٰ کہ تم ہمیں معاوضہ دو' پس انہوں نے بکریوں کے ریوڑ پر صلح کر لی (وہ تیس بکریاں تھیں۔ ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲) پھر وہ صحابی گیا اور سورت الفاتحہ پڑھ کر اس سردار پر لعاب آمیز پھونک ماری' حتیٰ کہ وہ ایسے ہو گیا جیسے رسی سے (بندھا ہوا) کھل گیا ہو اور وہ اس طرح چلنے لگا گویا اس کو کوئی تکلیف ہی نہ تھی' پھر قبیلہ والوں نے ان کو بکریوں کا ریوڑ دے دیا' بعض صحابہ نے کہا: ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو' دم کرنے والے صحابی نے کہا: نہیں! حتیٰ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق معلوم کر لیں' ہم آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کریں گے' پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں' پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا: تم کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم ہے' تم نے درست کیا' ان بکریوں کو تقسیم کر لو اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۴۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۹۰۲' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۰۶۴' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۰۱' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۱۵۶)

بعض روایات میں دم کرنے کی ممانعت ہے' اس سے مراد شرکیہ کلمات پڑھ کر دم کرنا ہے۔

الفلق: ۵ میں فرمایا: اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے○

حسد کی تعریف' اس کا شرعی حکم اور اس کے متعلق احادیث

حسد کی تعریف یہ ہے کہ انسان کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ خواہش کرے کہ اس کے پاس سے وہ نعمت زائل ہو جائے' خواہ اس کو وہ نعمت نہ ملے' اگر اس کی قدرت میں اس نعمت کو چھیننا ہو تو وہ اس نعمت کو چھین لے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حسد سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے' اور اس سورت میں ہر وہ شر داخل ہے' جس کا انسان کے دین یا اس کی دنیا میں خطرہ ہو۔

اگر انسان کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ نعمت

عطا کر دے تو اس کو رشک کہتے ہیں' رشک کرنا جائز ہے اور حسد کرنا حرام ہے' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم حسد کرنے سے باز رہو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۹۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی مؤمن کے پیٹ میں اللہ کی راہ میں غبار اور جہنم کی حرارت جمع نہیں ہوں گی اور نہ کسی بندہ کے دل میں ایمان اور حسد جمع ہوگا۔ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۶)

حسد وہ پہلا گناہ ہے جو آسمانوں میں اللہ سبحانہ کی نافرمانی میں کیا گیا اور حسد وہ پہلا گناہ ہے جو اللہ کی نافرمانی میں زمین پر کیا گیا' ابلیس نے حضرت آدم سے حسد کیا اور قابیل نے ہابیل سے حسد کیا' حسد میں پانچ خرابیاں ہیں:

(۱) حاسد ہر اس شخص سے حسد کرتا ہے' جس کو کوئی نعمت دی گئی ہو (۲) حاسد اللہ کی تقسیم سے راضی نہیں ہوتا (۳) حاسد اللہ کے فضل سے بخل کرتا ہے کہ اللہ جس پر چاہے اپنا فضل کرتا ہے (۴) حاسد اولیاء اللہ کا بُرا چاہتا ہے اور ان سے نعمت کے زوال کی تمنا کرتا ہے (۵) حاسد ابلیس کا تبع ہوتا ہے۔

سورۃ الفلق کی تکمیل

الحمد للہ رب العٰلمین! آج ۱۱ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۲ جنوری ۲۰۰۶ء' بہ روز جمعرات سورۃ الفلق کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اے میرے ربِ کریم! سورۃ الناس کی تفسیر بھی مکمل کرادے اور اس تفسیر کو قیامت تک کے لیے مقبول اور فیض رساں بنا دے اور میری مغفرت فرما دے۔ (آمین)

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین و علٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده و نصلی و نسلم علٰی رسوله الکریم

سورۃ الناس

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام الناس ہے کیونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ''الناس'' کا لفظ ہے اور اس سورت میں ''الناس'' کا لفظ پانچ مرتبہ مذکور ہے۔

جیسا کہ ہم نے سورۃ الفلق کی تفسیر میں ذکر کیا تھا کہ اکثر مفسرین کے نزدیک سورۃ الفلق اور سورۃ الناس مکی ہیں اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔

سورۃ الناس قرآن مجید کی آخری سورت ہے' قرآن مجید کی ابتداء سورۃ الفاتحہ سے ہوئی تھی' اس میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کا ذکر ہے اور سورت الناس میں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کا ذکر ہے اور اس کا مآل بھی اللہ سے مدد طلب کرنا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی اوّل آخر ہدایت یہ ہے کہ صرف اللہ سے ہی مدد طلب کی جائے اور اسی سے پناہ طلب کی جائے اور ہر مشکل اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

سورۃ الفلق میں مخلوقات کے شر سے اور اندھیرے کے شر سے اور جادوگرنیوں کے جادو کے شر سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم تھی اور یہ شرور ظاہر ہیں اور سورۃ الناس میں شیاطین کے وسوسوں سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم ہے اور یہ شرور خفیہ ہیں' ان دونوں سورتوں کی ابتداء میں لفظ ''قل'' ہے یعنی آپ کہیے' بہ ظاہر یہ صرف آپ کو خطاب ہے اور حقیقت میں اس خطاب میں آپ کی امت بھی داخل ہے۔

اس سورت سے مقصود یہ ہے کہ آپ وسوسوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں جو تمام انسانوں کا رب ہے اور یہ بتانا ہے کہ تمام لوگوں کو شیاطین کے وسوسوں سے پناہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے' اس کے دل پر وسواس ہوتا ہے' اگر وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو (شیطان) پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ غافل ہوتا ہے تو پھر وہ اس کو وسوسہ ڈالتا ہے اور ''الوسواس الخناس'' سے یہی مراد ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۴۱ طبع قدیم' المستدرک رقم الحدیث: ۳۹۹۱' المکتبۃ العصریہ' ذہبی نے کہا: یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط کے موافق ہے۔)

ترتیب مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۱۱۴ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۲۱ ہے۔

اس مختصر تعارف کے بعد اب میں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اعانت پر توکل کرتے ہوئے سورۃ الناس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں' اے میرے رب کریم! مجھے اس مہم میں صحت اور صواب پر قائم رکھیں۔ (آمین) غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۱۲ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۳ جنوری ۲۰۰۶ء



اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے: میں سب لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں ○ سب لوگوں کے بادشاہ کی ○ سب لوگوں کے معبود کی (پناہ لیتا ہوں) ○ پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والے کے وسوسہ ڈالنے کے شر سے ○ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ○ جو جنات اور انسانوں میں سے ہے ○ (الناس: ٦۔١)

انسان کی باقی مخلوق پر فضیلت

الناس: ٣۔١ میں فرمایا: آپ کہیے: میں سب لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں ○ سب لوگوں کے بادشاہ کی ○ سب لوگوں کے معبود کی (پناہ لیتا ہوں) ○

اس آیت میں انسانوں کے رب کی پناہ لینے کا حکم ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب ہے اور سب کا مالک مربی اور مصلح ہے اس میں یہ تنبیہ کرنا ہے کہ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مخلوق سب سے افضل ہے وہ انسان ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کی نسبت انسان کی طرف کی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کا ذکر فرمایا اس میں یہ تنبیہ ہے کہ انسانوں کے بادشاہ بھی ہوتے ہیں لیکن تمام انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ ہے اور بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی عبادت کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں عبادت کا مستحق وہ ہے جو تمام انسانوں کا معبود ہے۔

جو شخص بادشاہ ہوتا ہے اور ملک کا سربراہ ہوتا ہے وہی پورے ملک پر حاکم ہوتا ہے وہی ملک کے باشندوں کے لیے قانون بناتا ہے پورے ملک میں اسی کی فرماں روائی ہوتی ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”مَلِكِ النَّاسِ“ (الناس: ٢) یعنی وہی دنیا کے تمام لوگوں کا بادشاہ اور حاکم مطلق ہے اسی کی تمام جہانوں میں حکومت اور فرماں روائی ہے اس نے ارشاد فرمایا:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ (الانعام: ٥٧) حکم دینے کا حق صرف اللہ کا ہے۔

جب سب انسانوں کو پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اسی نے ان کی پرورش کی ہے تو تمام انسانوں کی معیشت اور معاشرت میں

حکم دینے کا حق بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

نیز فرمایا: ''اِلٰهِ النَّاسِ ۙ'' (الناس:۳) یعنی وہی سب لوگوں کا معبود ہے' خواہ انسان کسی کی عبادت کریں لیکن تمام لوگوں کی عبادت کا مستحق وہی واحد لاشریک ہے۔

الناس:۴ میں فرمایا: پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والے کے وسوسہ ڈالنے کے شر سے O

''خناس'' کا معنی

اس آیت میں ''خناس'' کا لفظ ہے' ''خناس'' کا معنی ہے: پیچھے ہٹ جانے والا' چھپ جانے والا' یہ لفظ ''خنس'' سے بنا ہے' اس کا معنی ہے: پیچھے ہٹنا اور چھپ جانا' قرآن مجید میں ہے:

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۙ (التکویر:۱۶) میں چھپنے والے (ستاروں) کی قسم کھاتا ہوں O

یہ ستارے دن کے وقت چھپ جاتے اور نظر نہیں آتے یا اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

''خناس'' مبالغہ کا صیغہ ہے' اور یہ شیطان کا لقب ہے' جب انسان غافل ہو تو یہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور جب انسان اللہ کو یاد کر رہا ہو تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جیسے ہی اللہ کی یاد سے رُک جائے تو پھر وسوسہ ڈالنے آ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شیطان ابن آدم کے قلب پر بیٹھا رہتا ہے' جب اس کو سہو ہو یا غفلت ہو تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے اور جب وہ اللہ کا ذکر کرے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۲۹۶۷۸)

ابن زید نے کہا: ''خناس'' وہ ہے جو ایک بار وسوسہ ڈالتا ہے اور دوسری بار پیچھے ہٹ جاتا ہے اور موقع کا منتظر رہتا ہے اور یہ شیطان الانس ہے' یہ انسانوں پر شیطان الجن سے زیادہ شدید ہوتا ہے' شیطان الجن وسوسہ ڈالتا ہے اور تم اس کو دیکھتے نہیں ہو اور شیطان الانس کو تم دیکھتے رہتے ہو۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۲۹۶۸۳)

قرآن مجید میں شیطان الانس اور شیطان الجن دونوں کا ذکر ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ (الانعام:۱۱۲) اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے دشمن شیاطین الانس اور شیاطین الجن بنا دیئے ہیں' جن میں سے بعض بعضوں کو خوش نما وسوسے ڈالتے ہیں تا کہ ان کو دھوکا دیں۔

الناس:۵ میں فرمایا: جو لوگوں کے سینہ میں وسوسہ ڈالتا ہے O

وسوسہ کا معنی

اس آیت میں ''یوسوس'' کا لفظ ہے' اس کا مصدر ''وسواس'' ہے' اس کا معنی ہے: کسی بُرے خیال یا گناہ کے کام کو دل میں ڈالنا۔ شیطان انسان کے دل میں اللہ کی معصیت کو القاء کرتا ہے اور اس معصیت کو خوش نما لباس پہنا کر اس کو اس کام کی طرف راغب کرتا ہے۔

امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

وسوسہ ایک امر معروف ہے' شیطان انسان کے دل میں ایسی باتیں ڈالتا ہے جن سے وہ اپنے دین میں حیران ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں بُری خواہشات ڈالتا ہے اور اس کو بُرے کام کرنے کی طرف راغب کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب شیطان انسان کو بُرائی کی طرف راغب کرے تو انسان کو شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۝ اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ۝ (الاعراف: ۲۰۱-۲۰۰)

اور اگر شیطان آپ کو کوئی وسوسہ ڈالے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کریں' بے شک وہ بہت سننے والا' بے حد جاننے والا ہے ۝ بے شک جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی گناہ کا خیال آتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۝

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

''الوسواس'' کی تحقیق ہم نے الاعراف: ۲۰ میں بیان کر دی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۳۷۷' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام رازی کی اس عبارت میں یہ واضح تصریح ہے کہ سورۃ الناس تک تفسیر ان ہی کی لکھی ہوئی ہے' میں ان بڑے بڑے علماء پر حیران ہوتا ہوں' جنہوں نے یہ کہا ہے کہ امام رازی اپنی تفسیر کو مکمل نہ کر سکے تھے۔

الناس: ۶ میں فرمایا: جو جنات اور انسانوں میں سے ہے ۝

دین کی سلامتی جسم کی سلامتی سے زیادہ اہم ہے

جنات میں سے جو شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے' اس کے متعلق حدیث میں ہے:

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح رواں دواں ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۰۳۸' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۷۱)

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی انسان کسی شخص کو برے کاموں کی طرف مائل کرے تو وہ بھی شیطان ہے اور اس کے شر سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

سورۃ الفلق میں اندھیرے کے غلبہ یعنی آفات اور مصائب' جادو کرنے والی عورتوں اور حاسدین کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے اور اس سورت میں صرف ایک چیز کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے اور وہ وسوسہ ہے' سو سورۃ الفلق میں نفس اور بدن کے شر سے سلامتی مطلوب ہے اور سورۃ الناس میں شر کی پناہ سے دین کی سلامتی مطلوب ہے' اس سے معلوم ہوا کہ دین کا ضرر دنیا کے ضرر سے بہت اہم ہے۔

سورۃ الناس کی تفسیر کی تکمیل

الحمد للہ رب العلمین! آج ۱۲ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ/ ۱۳ جنوری ۲۰۰۶ء بہ روز جمعہ بعد از نمازِ جمعہ سورۃ الناس کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ میں نے ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ/ ۲۱ فروری ۱۹۹۴ء کو تفسیر تبیان القرآن لکھنے کا آغاز کیا تھا' یہ لمبا سفر تھا' بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ سفر پورا کرا دیا اور تقریباً بارہ سال کے عرصہ میں بارہ جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر مکمل ہو گئی' میں علمی طور پر بھی بہت بے بضاعت ہوں اور گونا گوں امراض کی وجہ سے بہت نحیف اور ناتواں ہوں' مجھے یہ امید نہ تھی کہ میں اس تفسیر کو مکمل کر سکوں گا' لیکن اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان اور بے حد کرم ہے کہ اس نے اس گناہ گار اور کم ترین بندہ سے اپنے دین کی یہ عظیم خدمت لے لی۔

تفسیر تبیان القرآن کی تکمیل اور کلماتِ تشکر

آج بارہ ذوالحجہ ہے اور عید الاضحیٰ کا دن ہے' اور جمعہ کا دن بھی عید ہے اور جس دن مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے کوئی نعمت ملے' وہ دن بھی عید ہے اور مجھے اللہ کی یہ نعمت ملی کہ آج تفسیر تبیان القرآن مکمل ہوئی اور ہر جائز خوشی کا دن بھی عید ہوتا ہے' سو

آج کا دن میرے لیے کئی وجوہ سے عید کا دن ہے' میں اس نعمت پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں' "فللّٰہ الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ کما یحب ربنا ویرضٰی" اور حدیث میں ہے کہ جس شخص نے بندوں کا شکر ادا نہیں کیا' اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۸۱۱' سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۹۵۴)

اس لیے میں اپنے محسن گرامی پروفیسر مفتی منیب الرحمان دام لطفہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں' جنہوں نے ہر مرحلہ میں میری معاونت کی اور بے لوث دوستی کا حق ادا کیا اور مخالفوں کے سامنے ہمیشہ میری پر جوش وکالت کی اور میری ضرورت کی کتابوں کی فراہمی میں ہمیشہ میرے کام آئے اور سفر میں اور حضر میں ہر دم مجھے یاد رکھا' ان کے علاوہ مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہ اور مولانا جمیل احمد نعیمی ناظم تعلیمات دار العلوم نعیمیہ کی دعائیں میرے شامل حال رہیں' اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو اور مفتی منیب الرحمان کو ہمیشہ اپنے انعام اور اکرام سے نوازتا رہے۔

میرے احباب اور تلامذہ میں سے مفتی محمد اسماعیل نورانی' مولانا محمد صابر نورانی' سید عمیر الحسن برنی اور بالخصوص مولانا عبداللہ نورانی جو تفسیر تبیان القرآن کا خلاصہ انوار تبیان القرآن کے نام سے کر رہے ہیں' تاکہ اس کو میرے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر شائع کیا جائے' ان شاء اللہ عنقریب وہ شائع ہو کر منصۂ شہود پر آ جائے گا اور مولانا حافظ محمد اویس نقشبندی' مولانا محمد اکرام اللہ ہزاروی' مولانا محمد نصیر اللہ نقشبندی اور محترم محمد شمیم خان بھی میرے شکریہ کے خاص مستحق ہیں' میں ان سب کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو دین و دنیا کی سعادتیں اور راحتیں عطا فرمائے۔ (آمین)

تبیان القرآن کی طباعت کا اصل سہرا سید اعجاز احمد رحمہ اللہ کے سر ہے' جنہوں نے تبیان القرآن کی تصنیف کا مجھ سے معاہدہ کیا اور یہ تردد نہیں کیا کہ اس شخص کی عمر ۵۸ سال ہو چکی ہے اور یہ کئی دائمی بیماریوں میں مبتلا ہے' پتا نہیں! یہ اتنا عرصہ جیے گا یا نہیں' اگر یہ درمیان میں مر گیا تو ہماری کتاب نامکمل رہے گی اور پھر چل نہیں سکے گی' سید اعجاز احمد رحمہ اللہ کی تو معاہدہ کے چار سال بعد ۹ ستمبر ۱۹۹۸ء میں وفات ہو گئی' ان کے بعد ان کے صاحبزادے سید محسن اعجاز شکر اللہ سعیہ نے انتہائی ولولہ انگیز جذبہ کے ساتھ تبیان القرآن کی طباعت کرائی اور بہت محنت' جاں فشانی اور باریک بینی کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھایا اور اپنے والد رحمہ اللہ کے مشن کو عروج پر پہنچا دیا' میرے علم میں ایسا کوئی ناشر نہیں ہے جو کسی مسودہ کی طباعت میں اتنی گہری دلچسپی لے اور اس پر اتنی محنت کرے' اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں سرخ رو فرمائے۔ (آمین)۔

ملک اور بیرون ملک میں اللہ تعالیٰ نے بعض احباب کے دلوں میں میری ایسی محبت ڈال دی ہے کہ وہ مسلسل میری خدمت کرتے رہتے ہیں' ملک میں ان محبین گرامی میں الحاج شیخ نجیب الدین' الحاج محمد شفیق اور الحاج غلام محمد ہیں اسعدہم اللہ تعالیٰ فی الدارین اور بیرون ملک میں صاحبزادہ حبیب الرحمان فیض پوری بریڈفورڈ' مولانا حافظ عبدالمجید شرق پوری برسٹل اور محترمہ ثمینہ بہن (برسٹل' میں) ہیں اکرمہم اللہ تعالیٰ فی الدارین' اللہ تعالیٰ ان سب کو دین اور دنیا کی سعادتیں اور کامرانیاں عطا فرمائے۔ (آمین)

تبیان القرآن کی تصنیف کے دوران میں نے جن تفاسیر سے استفادہ کیا ہے' ان میں سرفہرست امام رازی کی تفسیر کبیر اور علامہ قرطبی کی الجامع لاحکام القرآن ہے' اس کے بعد روح المعانی اور روح البیان ہیں اور استدلال میں تائید اور تقویت کے لیے تقریباً تمام دستیاب تفاسیر کے حوالے رہے ہیں' علامہ جلال الدین سیوطی کی الدر المنثور سے بھی میں نے بہت استفادہ کیا ہے' امام ابومنصور ماتریدی کی تفسیر تبیان کی بارھویں جلد کے دوران طبع ہو کر آئی' اس سے بھی میں جس قدر استفادہ کر سکا' وہ میں نے کر لیا ہے۔ تبیان القرآن میں میری خواہش یہ رہی کہ قرآن مجید کی تفسیر میں' میں زیادہ سے زیادہ احادیث اور آثار صحابہ کو

درج کروں، مجھ سے پہلے مفسرین نے بھی ایسا کیا ہے لیکن میری انفرادیت یہ ہے کہ میں نے تمام احادیث کو ان کے مکمل اور مفصل حوالہ جات کے ساتھ درج کیا ہے اور ہر حدیث کی بھرپور تخریج کی ہے' یہ ایک ضروری اور فطری امر ہے کہ جب کوئی شخص کسی موضوع پر لکھتا ہے تو اس کو بعض مقامات پر اپنے پیش رو مصنفین سے اختلاف بھی ہوتا ہے اور تقریباً سب ہی مفسرین نے بعض مقامات پر اپنے پہلوں سے اختلاف کیا ہے' سو یہ چیز ناگزیر ہے لیکن میں نے جہاں بھی جس سے اختلاف کیا' ادب اور احترام کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا' اس تفسیر کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ میں نے اس کو بہت آسان اور اس دور کی مروج اُردو میں لکھا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اس کے قارئین کا حلقہ دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے' انسان کی معلومات میں روز بہ روز اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کی سوچ بدلتی رہتی ہے' ابھی چونکہ میری زندگی میں تبیان القرآن اور شرح صحیح مسلم چھپ رہی ہیں' اس لیے جب کسی مقام پر میری رائے بدل جاتی ہے تو میں اس میں ترمیم کر دیتا ہوں' لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے' ایسے کل پندرہ مقامات ہیں' جن کی تفصیل میں نے شرح صحیح مسلم کی چھٹی جلد کے آخر میں بیان کر دی ہے۔

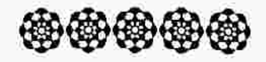
اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ سبحانہ میری' میرے والدین کی' میرے اساتذہ کی' میرے احباب اور معاونین کی' میرے تلامذہ اور میرے قارئین کی' سید محسن اعجاز صاحب کی اور تمام مؤمنین کی مغفرت فرمائے اور ہم سب کو سعادت اور فلاحِ دارین عطا فرمائے۔ وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا محمد خاتم النبیین سید المرسلین شفیعنا یوم الدین و علٰی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ اجمعین.

لا الٰہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین. سبحانك وبحمدك استغفرك واتوب الیك.

ان سطور کے پڑھنے والے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ میرے لیے ایمان پر خاتمہ اور مغفرت کی دعا کریں۔

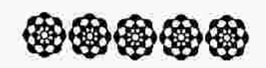
اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عھدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر نفسی ابوء لك بنعمتك علی وابوء لك بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت.

امیدوارِ عفو و کرم
غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' بلاک نمبر ۱۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۳۸
۲۴ ذوالحج ۱۴۲۵ھ/ ۴ فروری ۲۰۰۵ء
موبائل نمبر: ۲۱۵۶۳۰۹-۰۳۰۰
۲۰۲۱۷۴۴-۰۳۲۱



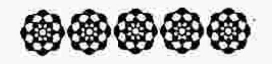
تبیان القرآن جلد ثانی عشر کی مفصل ڈائری

ہجری تقویم	عیسوی تقویم	دن	صفحات کی مکمل تعداد	ایک ماہ کے صفحات	مطلوبہ اوسط	موجودہ اوسط
۲۲ ذوالحج ۱۴۲۵	۲ فروری ۲۰۰۵	بدھ	افتتاح		۱.۱۹	
۱۹ محرم ۱۴۲۶	یکم مارچ ۲۰۰۵	منگل	۶۱	۶۱		۵.۸
۲۱ صفر ۱۴۲۶	یکم اپریل ۲۰۰۵	جمعہ	۱۶۶	۱۰۵		۳.۷۴
۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۲۶	یکم مئی ۲۰۰۵	اتوار	۲۳۰	۶۴		۳.۴۷
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۶	یکم جون ۲۰۰۵	بدھ	۲۹۶	۶۶		۳.۲۳
۲۳ جمادی الاوّل ۱۴۲۶	یکم جولائی ۲۰۰۵	جمعہ	۳۷۷	۸۱		۱.۳۸
۲۵ جمادی الثانی ۱۴۲۶	یکم اگست ۲۰۰۵	پیر	۴۴۶	۶۹		۱.۱۹
۲۶ رجب ۱۴۲۶	یکم ستمبر ۲۰۰۵	جمعرات	۵۱۲	۶۶		۱.۳۰
۲۶ شعبان ۱۴۲۶	یکم اکتوبر ۲۰۰۵	ہفتہ	۶۱۶	۱۰۴		۱.۴۹
۲۸ رمضان ۱۴۲۶	یکم نومبر ۲۰۰۵	منگل	۷۳۵	۱۱۹		۱.۴۰
۲۸ شوال المکرّم ۱۴۲۶	یکم دسمبر ۲۰۰۵	جمعرات	۸۱۴	۷۹		۲.۳۰
۲۹ ذیقعد ۱۴۲۶	یکم جنوری ۲۰۰۶	اتوار	۹۲۳	۱۰۹		۲.۰۰
۱۲ ذوالحج ۱۴۲۶	۱۳ جنوری ۲۰۰۶	جمعہ	۹۶۷	۴۴		۲.۰۱



تبیان القرآن کی تصنیف کی ڈائری

تبیان کی جلد نمبر	فہرست اور ماخذ کے بغیر مسودہ کے صفحات	مطبوعہ صفحات	تصنیف کی کل مدت	ابتداء کی تاریخ	انتہاء کی تاریخ
۱	۹۸۸	۱۰۴۲	۱۸ ماہ	۲۱_۲_۹۴	۱۰_۸_۹۵
۲	۷۹۸	۹۰۸	۱۴ ماہ	۱_۹_۹۵	۱۸_۹_۹۶
۳	۶۷۹	۷۲۰	۱۲ ماہ	۲۲_۱۱_۹۶	۱۸_۹_۹۷
۴	۷۰۴	۷۳۳	۱۴ ماہ	۱_۱۲_۹۷	۱۴_۳_۹۹
۵	۷۹۷	۸۹۹	۱۲ ماہ	۷_۳_۹۹	۱۵_۳_۲۰۰۰
۶	۷۵۲	۸۳۲	۹ ماہ ۱۳ دن	۱۸_۳_۲۰۰۰	۲۰_۱۲_۲۰۰۰
۷	۸۱۱	۹۴۰	۸ ماہ ۱۵ دن	۲۸_۱۲_۲۰۰۰	۱۲_۹_۲۰۰۱
۸	۷۶۵	۸۸۲	۹ ماہ ۳ دن	۱۷_۹_۲۰۰۱	۲۰_۶_۲۰۰۲
۹	۸۵۰	۹۹۱	۱۰ ماہ ۲۵ دن	۲۳_۶_۲۰۰۲	۱۸_۵_۲۰۰۳
۱۰	۷۵۶	۸۴۳	۱۰ ماہ ۵ دن	۱۵_۵_۲۰۰۳	۲۴_۳_۲۰۰۴
۱۱	۸۳۱	۹۴۰	۱۰ ماہ ۷ دن	۲۴_۳_۲۰۰۴	۱_۲_۲۰۰۵
۱۲	۹۶۷	۱۰۷۸	۱۱ ماہ ۱۲ دن	۲_۲_۲۰۰۵	۱۳_۱_۲۰۰۶



انڈیکس تبیانُ القرآن مکمل (12 جلد)

جلد نمبر	سورت کا نام	سورتوں کی تعداد	سیپارہ نمبر
1	مقدمہ ○ الفاتحہ ○ البقرۃ	2	1-2-3
2	العمران ○ النساء	2	3-4-5-6
3	المائدہ ○ الانعام	2	6-7-8
4	الاعراف ○ الانفال	2	8-9-10
5	التوبہ تا یوسف	4	10-11-12-13
6	الرعد تا بنی اسرائیل	5	13-14-15
7	الکھف تا المؤمنون	6	15-16-17-18
8	النور تا القصص	5	18-19-20
9	العنکبوت تا الصّٰفّٰت	9	20-21-22-23
10	ص تا الجاثیہ	8	23-24-25
11	الاحقاف تا التغابن	19	26-27-28
12	الطلاق تا الناس	50	28-29-30



ماخذ ومراجع

کتب الٰہیہ

۱- قرآن مجید
۲- تورات
۳- انجیل

کتب احادیث

۴- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت' متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز' کراچی
۵- امام مالک بن انس اصبحی' متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ
۶- امام عبداللہ بن مبارک' متوفی ۱۸۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷- امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم' متوفی ۱۸۳ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ' سانگلہ ہل
۸- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد' کارخانہ تجارت کتب کراچی
۹- امام محمد بن حسن شیبانی' متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۴۰۷ھ
۱۰- امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ' کتاب الزہد' مکتبۃ الدار مدینہ منورہ' ۱۴۰۴ھ
۱۱- امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی' متوفی ۲۰۳ھ' مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن' کراچی' ۱۳۹۱ھ
۱۲- امام محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ
۱۳- امام سلیمان بن داؤد الجارود' المتوفی ۲۰۴ھ' مسند ابوداؤد الطیالسی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۵ھ
۱۴- امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ کتاب المغازی' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت' ۱۴۰۴ھ
۱۵- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' المصنف' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۶- امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی' متوفی ۲۱۹ھ' المسند' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۷- امام سعید بن منصور خراسانی' مکی' متوفی ۲۲۷ھ' سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۸- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۶' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۹- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ' متوفی ۲۳۵' مسند ابن ابی شیبہ' مطبوعہ دار الوطن بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۰- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ' دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ' عالم الکتب بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۱- امام احمد بن حنبل' متوفی ۲۴۱ھ' کتاب الزہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۲- امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی' مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۷ھ' دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۳- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' صحیح بخاری' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ دار ارقم بیروت
۲۴- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' خلق افعال العباد' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ' بیروت' ۱۴۱۱ھ
۲۵- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری' متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۲۶- امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری' متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ کرمہ' ۱۴۱۷ھ
۲۷- امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ' متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ' دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۸- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۹- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی' متوفی ۲۷۵ھ' مراسیل ابوداؤد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی
۳۰- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' سنن ترمذی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ' دار الجیل بیروت' ۱۹۹۸ء
۳۱- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ' شمائل محمدیہ' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ
۳۲- امام علی بن عمر دار قطنی' متوفی ۳۸۵ھ سنن دار قطنی' مطبوعہ نشر السنہ' ملتان' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۳- امام ابن ابی عاصم' متوفی ۲۸۷ھ' الاحاد والمثانی' مطبوعہ دار الرایہ' ریاض' ۱۴۱۱ھ
۳۴- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار' متوفی ۲۹۲ھ' البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار' مطبوعہ مؤسسۃ القرآن' بیروت
۳۵- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن نسائی' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت' ۱۴۱۲ھ
۳۶- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' عمل الیوم واللیلہ' مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ' بیروت' ۱۴۰۸ھ
۳۷- امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ' سنن کبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ
۳۸- امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی' متوفی ۳۰۷ھ' مسند الصحابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۳۹- امام احمد بن علی المثنیٰ التمیمی' المتوفی ۳۰۷ھ' مسند ابویعلیٰ موصلی' مطبوعہ دار المامون التراث بیروت' ۱۴۰۴ھ
۴۰- امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری' متوفی ۳۰۷ھ' المنتقیٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۴۱- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ' متوفی ۳۱۱ھ صحیح ابن خزیمہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۵ھ
۴۲- امام ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی' متوفی ۳۱۲ھ' مسند عمر بن عبدالعزیز
۴۳- امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق' متوفی ۳۱۶ھ' مسند ابوعوانہ' مطبوعہ دار الباز' مکہ مکرمہ
۴۴- امام ابوعبداللہ محمد الحکیم الترمذی' المتوفی ۳۲۰ھ' نوادر الاصول' مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ' ۱۴۰۸ھ
۴۵- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح مشکل الآثار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۴۶- امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' تحفۃ الاخیار' مطبوعہ دار بلنسیہ ریاض' ۱۴۲۰ھ
۴۷- االامام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی' متوفی ۳۲۱ھ' شرح معانی الآثار' مطبوعہ مطبع مجتبائی' پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ
۴۸- امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی متوفی ۳۲۲ھ' کتاب الضعفاء الکبیر' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۴۹- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی' متوفی ۳۲۷ھ' مکارم الاخلاق' مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر' ۱۴۱۱ھ

۵۰- امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی، متوفی ۳۵۴ھ، الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۷ھ
۵۱- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری، متوفی ۳۶۰ھ، الشریعہ، مطبوعہ مکتبہ دارالسلام، ریاض، ۱۴۱۳ھ
۵۲- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ
۵۳- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۵ھ دارالفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ
۵۴- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۵۵- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۹ھ
۵۶- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، التوفی ۳۶۰ھ، کتاب الدعاء، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۵۷- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی، متوفی ۳۶۴ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت، ۱۴۰۸ھ
۵۸- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی، التوفی ۳۶۵ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دارالفکر بیروت، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۵۹- امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین التوفی ۳۸۵ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۶۰- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ، متوفی ۳۹۶ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت
۶۱- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، المکتبہ العصریہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۶۲- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۶۳- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دارالنفائس، بیروت
۶۴- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنہ، ملتان
۶۵- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت
۶۶- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۶۷- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ
۶۸- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ
۶۹- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ مکتبہ المنارۃ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۷۰- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ
۷۱- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ مکتبہ الرشد ریاض، ۱۴۲۳ھ
۷۲- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، البعث والنشور، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۷۳- امام عبدالوصاب بن محمد ابن مندہ، متوفی ۴۷۵ھ، الفوائد، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ

٧٤- امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی' متوفی ۴۶۳ھ' جامع بیان العلم وفضلہ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
٧٥- امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی' المتوفی ۵۰۹ھ' الفردوس بماثور الخطاب 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۶ھ
٧٦- امام حسین بن مسعود بغوی' متوفی ۵۱۶ھ' شرح السنہ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ
٧٧- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تاریخ دمشق الکبیر 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
٧٨- امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر' متوفی ۵۷۱ھ' تہذیب تاریخ دمشق 'مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ
٧٩- امام مجد الدین المبارک بن محمد الشیبانی' المعروف بابن الاثیر الجزری' متوفی ۶۰۶ھ' جامع الاصول 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
٨٠- امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ' الاحادیث المختارۃ 'مطبوعہ مکتب النہضۃ الحدیثیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۰ھ
٨١- امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری' المتوفی ۶۵۶ھ' الترغیب والترہیب' مطبوعہ دارالحدیث' قاہرہ' ۱۴۰۷ھ دارابن کثیر بیروت' ۱۴۱۴ھ
٨٢- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی' متوفی ۶۶۸ھ' التذکرۃ فی امور الآخرہ 'مطبوعہ دارالبخاری' مدینہ منورہ
٨٣- حافظ شرف الدین عبدالمومن دمیاطی متوفی ۷۰۵ھ' المتبحر الرابح 'مطبوعہ دارخضر بیروت' ۱۴۱۹ھ
٨٤- امام ولی الدین تبریزی' متوفی ۷۴۲ھ' مشکوٰۃ 'مطبوعہ اصح المطابع دہلی' دارارقم بیروت
٨٥- حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی' متوفی ۷۶۲ھ' نصب الرایہ 'مطبوعہ مجلس علمی سورۃ ہند' ۱۳۵۷ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
٨٦- حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر' متوفی ۷۷۴ھ' جامع المسانید والسنن' دارالفکر بیروت' ۱۴۲۰ھ
٨٧- امام محمد بن عبداللہ زرکشی' متوفی ۷۹۴ھ' اللآلی المنثورۃ' مکتب اسلامی' بیروت' ۱۴۱۷ھ
٨٨- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی 'المتوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد 'مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ
٨٩- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی 'المتوفی ۸۰۷ھ' کشف الاستار 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت' ۱۴۰۴ھ
٩٠- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی 'المتوفی ۸۰۷ھ' موارد الظمآن 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
٩١- حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی 'المتوفی ۸۰۷ھ' تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیۃ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
٩٢- امام محمد بن محمد جزری' متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین 'مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ' مصر' ۱۳۵۰ھ
٩٣- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' زوائد ابن ماجہ 'مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
٩٤- امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری' شافعی' متوفی ۸۴۰ھ' اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ
٩٥- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمان' متوفی ۸۴۵ھ' الجواہر النقی 'مطبوعہ نشر السنہ' ملتان
٩٦- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی' متوفی ۸۴۸ھ' تلخیص المستدرک 'مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ
٩٧- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی' متوفی ۸۵۲ھ' المطالب العالیہ 'مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ

۹۸- امام عبدالرؤف بن علی المناوی' المتوفی ۱۰۳۱ھ' کنوز الحقائق' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۹۹- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الجامع الصغیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۳۹۱ھ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۲۰ھ
۱۰۰- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' مسند فاطمۃ الزہراء
۱۰۱- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جامع الاحادیث الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۱۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' البدور السافرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ' دار ابن حزم بیروت' ۱۴۱۴ھ
۱۰۳- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' جمع الجوامع' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۰۴- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الخصائص الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۵ھ
۱۰۵- حافظ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الدرر المنتثرہ' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۰۶- علامہ عبدالوہاب شعرانی' متوفی ۹۷۳ھ' کشف الغمہ' مطبوعہ مطبع عامرہ عثمانیہ مصر' ۱۳۰۳ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۰۸ھ
۱۰۷- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۰۸- علامہ احمد عبدالرحمن البناء متوفی ۱۳۷۸ھ' الفتح الربانی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب تفاسیر

۱۰۹- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما' متوفی ۶۸ھ' تنویر المقباس' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۱۱۰- ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخزومی' متوفی ۱۰۴ھ' تفسیر مجاہد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ
۱۱۱- امام حسن بن عبداللہ البصری' المتوفی ۱۱۰ھ' تفسیر الحسن البصری' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ
۱۱۲- امام مقاتل بن سلیمان' متوفی ۱۵۰ھ' تفسیر مقاتل بن سلیمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ
۱۱۳- امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی' متوفی ۲۰۴ھ' احکام القرآن' مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۱۰ھ
۱۱۴- امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ' معانی القرآن' مطبوعہ بیروت
۱۱۵- امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی' متوفی ۲۱۱ھ' تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت
۱۱۶- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی' متوفی ۳۰۷ھ' تفسیر قمی' مطبوعہ دار الکتاب ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۷- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۱ھ' جامع البیان' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' دار الفکر بیروت
۱۱۸- امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج' متوفی ۳۱۱ھ' اعراب القرآن' مطبوعہ مطبع سلمان فارسی ایران' ۱۴۰۶ھ
۱۱۹- امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی' متوفی ۳۲۷ھ تفسیر القرآن العزیز' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ
۱۲۰- امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی' متوفی ۳۳۳ھ' تاویلات اہل السنۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ھ
۱۲۱- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی' متوفی ۳۷۰ھ' احکام القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ

١٢٢- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی، متوفی ٣٧٥ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ ١٤١٣ھ
١٢٣- شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ٣٨٥ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
١٢٤- امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی، متوفی ٤٢٧ھ، تفسیر الثعلبی دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤٢٢ھ
١٢٥- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ٤٣٧ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران ١٤١٢ھ
١٢٦- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی، متوفی ٤٥٠ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
١٢٧- علامہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی ٤٦٥ھ، تفسیر القشیری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤٢٠ھ
١٢٨- علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری، متوفی ٤٦٨ھ، الوسیط، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٥ھ
١٢٩- امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی، المتوفی ٤٦٨ھ، اسباب نزول القرآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
١٣٠- امام منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ٤٨٩ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ دار الوطن، ریاض ١٤١٨ھ
١٣١- علامہ عماد الدین طبری الکیا الہراسی، متوفی ٥٠٤ھ، احکام القرآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢٢ھ
١٣٢- امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، المتوفی ٥١٦ھ، معالم التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٤ھ، دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤٢٠ھ
١٣٣- علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ٥٣٨ھ، الکشاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤١٧ھ
١٣٤- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی، مالکی، متوفی ٥٤٣ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
١٣٥- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی، متوفی ٥٤٦ھ، المحرر الوجیز، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
١٣٦- شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ٥٤٨ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ١٤٠٦ھ
١٣٧- علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی ٥٩٧ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت
١٣٨- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الاسرار وعدة الابرار، مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران
١٣٩- امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ٦٠٦ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ١٤١٥ھ
١٤٠- شیخ ابومحمد روز بہان بن ابوالنصر البقلی شیرازی متوفی ٦٠٦ھ، عرائس البیان فی حقائق القرآن، مطبع منشی نولکشور لکھنو
١٤١- علامہ محی الدین ابن عربی، متوفی ٦٣٨ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ١٩٧٨ء
١٤٢- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ٦٦٨ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٥ھ
١٤٣- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی ٦٨٥ھ، انوار التنزیل، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر
١٤٤- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ٧١٠ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
١٤٥- علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ٧٤١ھ، لباب التاویل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
١٤٦- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی، متوفی ٧٢٨ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤١٦ھ
١٤٧- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ، متوفی ٧٢٨ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ١٤٠٩ھ
١٤٨- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ، متوفی ٧٥١ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ مکہ مکرمہ
١٤٩- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی، متوفی ٧٥٤ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤١٢ھ

۱۵۰- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی' متوفی ۷۵۶ھ' الدر المصون' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۱۵۱- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ' تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ
۱۵۲- علامہ عماد الدین منصور بن الحسن الکازرونی الشافعی' متوفی ۸۶۰ھ' حاشیۃ الکازرونی علی البیضاوی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۶ھ
۱۵۳- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی' متوفی ۸۷۵ھ' تفسیر الثعالبی' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت
۱۵۴- علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن ابراہیم رومی حنفی' متوفی ۸۸۰ھ' حاشیۃ ابن التمجید علی البیضاوی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۵۶- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ' نظم الدرر' مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ' ۱۴۱۳ھ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ
۱۵۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' الدر المنثور' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ' ایران' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۵۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' جلالین' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۵۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ' لباب النقول فی اسباب النزول' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۵۹- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی' متوفی ۹۵۱ھ حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی' مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۶۰- شیخ فتح اللہ کاشانی' متوفی ۹۷۷ھ' منہج الصادقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
۱۶۱- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ' تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۹ھ
۱۶۲- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی' متوفی ۱۰۶۹ھ' عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر' بیروت' ۱۲۸۳ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ
۱۶۳- علامہ احمد جیون جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی
۱۶۴- علامہ اسماعیل حقی حنفی' متوفی ۱۱۳۷ھ' روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۶۵- علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد حنفی متوفی ۱۱۹۵ھ' حاشیۃ القونوی علی البیضاوی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۲ھ
۱۶۶- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل' متوفی ۱۲۰۴ھ' الفتوحات الالہیہ' مطبوعہ المطبع البہیہ' مصر ۱۳۰۳ھ
۱۶۷- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ' تفسیر صاوی' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ' مصر' دار الفکر بیروت' ۱۴۲۱ھ
۱۶۸- قاضی ثناء اللہ پانی پتی' متوفی ۱۲۲۵ھ' تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
۱۶۹- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' متوفی ۱۲۳۹ھ' تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
۱۷۰- شیخ محمد بن علی شوکانی' متوفی ۱۲۵۰ھ' فتح القدیر' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' دار الوفا بیروت' ۱۴۱۸ھ
۱۷۱- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی' متوفی ۱۲۷۰ھ' روح المعانی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۷ھ

۱۷۲- نواب صدیق حسن خان بھوپالی' متوفی ۱۳۰۷ھ' فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر' ۱۳۰۱ھ' المکتبۃ العصریہ بیروت' ۱۴۱۲ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۰ھ
۱۷۳- علامہ محمد جمال الدین قاسمی' متوفی ۱۳۳۲ھ' تفسیر القاسمی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ
۱۷۴- علامہ محمد رشید رضا' متوفی ۱۳۵۴ھ' تفسیر المنار' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
۱۷۵- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری' متوفی ۱۳۵۹ھ' الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبہ الاسلامیہ ریاض
۱۷۶- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۴ھ' بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
۱۷۷- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۷۸- شیخ محمود الحسن دیوبندی' متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی' متوفی ۱۳۶۹ھ' حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۱۷۹- علامہ محمد طاہر بن عاشور' متوفی ۱۳۸۰ھ' التحریر والتنویر' مطبوعہ تونس
۱۸۰- سید محمد قطب شہید' متوفی ۱۳۸۵ھ' فی ظلال القرآن' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۸۶ھ
۱۸۱- مفتی احمد یار خان نعیمی' متوفی ۱۳۹۱ھ' نور العرفان' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات
۱۸۲- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ' معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ
۱۸۳- سید ابو الاعلیٰ مودودی' متوفی ۱۳۹۹ھ' تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۸۴- علامہ سید احمد سعید کاظمی' متوفی ۱۴۰۶ھ' التبیان' مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان
۱۸۵- علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی' اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۸۶- استاذ احمد مصطفیٰ المراغی' تفسیر المراغی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۸۷- آیت اللہ مکارم شیرازی' تفسیر نمونہ' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ
۱۸۸- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' ضیاء القرآن' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۸۹- شیخ امین احسن اصلاحی' تدبر قرآن' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۹۰- علامہ محمود صافی' اعراب القرآن وصرفہ وبیانہ' مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۹۱- استاذ محی الدین درویش' اعراب القرآن وبیانہ' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
۱۹۲- ڈاکٹر وھبہ زحیلی' تفسیر منیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ
۱۹۳- سعیدی حوی' الاساس فی التفسیر' مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۹۴- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ' البرہان فی علوم القرآن' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۹۵- علامہ جلال الدین سیوطی' متوفی ۹۱۱ھ' الاتقان فی علوم القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۹۶- علامہ محمد عبد العظیم زرقانی' مناہل العرفان' مطبوعہ دار احیاء العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۹۷- علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالک اندلسی متوفی ۴۴۹ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ

۱۹۸- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی ۴۶۳ھ، الاستذکار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ

۱۹۹- حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، تمہید، مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور، ۱۴۰۴ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۰۰- علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۴۷۴ھ، المنتقی، مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر، ۱۳۳۲ھ

۲۰۱- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی، متوفی ۵۴۳ھ، عارضۃ الاحوذی، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

۲۰۲- قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی اندلسی متوفی ۵۴۳ھ، القبس فی شرح موطا ابن انس، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۰۳- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ دارالوفا بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۰۴- علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ

۲۰۵- امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری، متوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت

۲۰۶- علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ الحسن التورپشتی، متوفی ۶۶۱ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ، مکتبہ نزار مصطفیٰ، ۱۴۲۲ھ

۲۰۷- علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، التوفی ۶۵۶ھ، المفہم، مطبوعہ دارابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ

۲۰۸- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۰۹- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی، متوفی ۷۴۳ھ، شرح الطیبی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، ۱۴۱۳ھ

۲۱۰- علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی ۷۹۵ھ، فتح الباری، دارابن الجوزی ریاض، ۱۴۱۷ھ

۲۱۱- علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی، متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۱۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ

۲۱۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، نتائج الافکار فی تخریج الاحادیث الاذکار، دارابن کثیر، بیروت

۲۱۴- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ، دارالکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ

۲۱۵- حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ مکتبہ الرشید ریاض، ۱۴۲۰ھ

۲۱۶- علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۱۷- علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۰۶ھ

۲۱۸- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ

۲۱۹- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الدیباج علی صحیح مسلم بن حجاج، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۲ھ
۲۲۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تنویر الحوالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۲۲۱- علامہ ابویحیٰ زکریا بن محمد انصاری متوفی ۹۲۶ھ تحفۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۵ھ
۲۲۲- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۲۲۳- علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۲۴- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۲۲۵- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۲۶- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ، مکتبہ حقانیہ پشاور
۲۲۷- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ الحرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ
۲۲۸- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ الاسرار المرفوعۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
۲۲۹- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنو
۲۳۰- شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
۲۳۱- شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری، متوفی ۱۳۲۵ھ تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۳۲- شیخ انور شاہ کشمیری، متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی مصر ۱۳۵۷ھ
۲۳۳- شیخ شبیر احمد عثمانی، متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم، مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی
۲۳۴- شیخ محمد ادریس کاندھلوی، متوفی ۱۳۹۴ھ، التعلیق الصبیح، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور
۲۳۵- شیخ محمد بن زکریا بن محمد بن یحییٰ کاندھلوی، اوجز المسالک الی مؤطا مالک، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۰ھ
۲۳۶- مولانا محمد شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ نزہۃ القاری مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۱ھ

کتب اسماء الرجال

۲۳۷- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ
۲۳۸- امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ
۲۳۹- علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ، العلل المتناہیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد ۱۴۰۱ھ
۲۴۰- حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی، متوفی ۷۴۲ھ تہذیب الکمال، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۲۴۱- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ میزان الاعتدال، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ
۲۴۲- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۳- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ تقریب التہذیب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴۴- علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، متوفی ۹۰۲ھ، المقاصد الحسنہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۴۵- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۴۶- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۲۴۷- علامہ محمد بن طولون متوفی ۹۵۳ھ، الشذرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۲۴۸- علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۴۹- علامہ علی بن سلطان محمد القاری، المتوفی ۱۰۱۴ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۲۵۰- علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی ۱۱۶۲ھ، کشف الخفاء و مزیل الالباس، مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق
۲۵۱- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، الفوائد المجموعہ، مطبوعہ نزار مصطفیٰ ریاض
۲۵۲- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد درویش متوفی ۱۲۶۷ھ، اسنی المطالب، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ

کتب لغت

۲۵۳- امام اللغۃ خلیل احمد فراہیدی، متوفی ۱۷۵ھ، کتاب العین، مطبوعہ انتشارات اسوہ ایران، ۱۴۱۴ھ
۲۵۴- علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری، متوفی ۳۹۸ھ، الصحاح، مطبوعہ دارالعلم بیروت، ۱۴۰۴ھ
۲۵۵- علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ، المفردات، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۲۵۶- علامہ محمود بن عمر زمخشری، متوفی ۵۸۳ھ، الفائق، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۵۷- علامہ محمد بن اثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۵۸- علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالغفار رازی متوفی ۶۶۰ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۵۹- علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۲۶۰- علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ، قم، ایران
۲۶۱- علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۶۲- علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ، ۱۴۱۵ھ
۲۶۳- علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر
۲۶۴- لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی ۱۸۶۷ء، المنجد، مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ، بیروت، ۱۹۲۷ء
۲۶۵- شیخ غلام احمد پرویز، متوفی ۱۴۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
۲۶۶- ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور
۲۶۷- قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری، دستور العلماء، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ، سیرت و فضائل

۲۶۸- امام محمد بن اسحاق، متوفی ۱۵۱ھ، کتاب السیر والمغازی، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
۲۶۹- امام عبدالملک بن ہشام، متوفی ۲۱۳ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۷۰- امام محمد بن سعد' متوفی ۲۳۰ھ' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۷۱- امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری متوفی ۴۰۶ھ' شرف المصطفیٰ' مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ' مکہ مکرمہ' ۱۴۲۴ھ
۲۷۲- علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی' التوفی ۴۵۰ھ' اعلام النبوت' دار احیاء العلوم بیروت' ۱۴۰۸ھ
۲۷۳- امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری' متوفی ۳۱۰ھ' تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم بیروت
۲۷۴- حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر' متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۷۵- قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی' متوفی ۵۴۴ھ' الشفاء' مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ
۲۷۶- علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی' متوفی ۵۷۱ھ' الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ ملتان
۲۷۷- علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی' متوفی ۵۹۷ھ' الوفاء' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۲۷۸- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' اسد الغابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۷۹- علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر' متوفی ۶۳۰ھ' الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۸۰- علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان' متوفی ۶۸۱ھ' وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
۲۸۱- علامہ علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی' متوفی ۷۴۶ھ' شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' مطبوعہ کراچی
۲۸۲- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' تاریخ الاسلام' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۱۹ھ
۲۸۳- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ' سیر اعلام النبلاء' مطبوعہ دار الفکر' بیروت' ۱۴۱۷ھ
۲۸۴- شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ التوفی ۷۵۱ھ' زاد المعاد' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۸۵- علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی متوفی ۷۷۱ھ' طبقات الشافعیۃ الکبریٰ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۰ھ
۲۸۶- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی' متوفی ۷۷۴ھ' البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۸ھ
۲۸۷- علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ' تاریخ ابن خلدون' دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۹ھ
۲۸۸- حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ' الاصابہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۸۹- علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی' متوفی ۹۱۱ھ' وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ
۲۹۰- علامہ احمد قسطلانی' متوفی ۹۱۱ھ' المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۶ھ
۲۹۱- علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی' متوفی ۹۴۲ھ' سبل الہدیٰ والرشاد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۲۹۲- علامہ احمد بن حجر مکی شافعی' متوفی ۹۷۴ھ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ
۲۹۳- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح الشفاء' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۹۴- شیخ عبدالحق محدث دہلوی' متوفی ۱۰۵۲ھ' مدارج النبوت' مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۲۹۵- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی' متوفی ۱۰۶۹ھ' نسیم الریاض' مطبوعہ دار الفکر بیروت' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۱ھ
۲۹۶- علامہ محمد عبدالباقی زرقانی' متوفی ۱۱۲۲ھ' شرح المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ

۲۹۷- علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی، متوفی ۱۳۰۴ھ، السیرۃ النبوۃ، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ
۲۹۸- شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۹۹- علامہ احمد بن علی الجصاص الرازی، متوفی ۳۷۰ھ، مختصر اختلاف العلماء، دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۰۰- علامہ ظہیر الدین بن ابی حنیفہ الولوالجی، متوفی ۵۴۰ھ، الفتاویٰ الولوالجیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ
۳۰۱- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ
۳۰۲- شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبہ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان، ۱۴۰۵ھ
۳۰۳- علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری، متوفی ۵۴۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۷ھ
۳۰۴- علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ - ایم - سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۳۰۵- علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۳۰۶- علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
۳۰۷- علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری متوفی ۶۱۶ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۲۴ھ
۳۰۸- امام فخر الدین عثمان بن علی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ ایچ - ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۴۲۱ھ
۳۰۹- علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۳۱۰- علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۱ھ
۳۱۱- علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ المنیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
۳۱۲- علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی، متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ
۳۱۳- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ
۳۱۴- علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ شرح العینی، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۳۱۵- علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۳۱۶- علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۳۱۷- علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر
۳۱۸- علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۱۲ھ
۳۱۹- علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور، ۱۲۹۱ھ
۳۲۰- علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۳۲۱- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر، ۱۲۸۷ھ
۳۲۲- علامہ حامد بن علی قونوی رومی، متوفی ۹۸۵ھ، فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۰ھ

۳۲۳- امام سراج الدین عمر بن ابراہیم متوفی ۱۰۰۵ھ النھر الفائق مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
۳۲۴- علامہ حسن بن عمار بن علی مصری متوفی ۱۰۶۹ھ امداد الفتاح مطبوعہ دار احیاء التراث العربی موسسۃ التاریخ العربی بیروت ۱۴۲۱ھ
۳۲۵- علامہ عبدالرحمن بن محمد متوفی ۱۰۷۸ھ مجمع الانہر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ
۳۲۶- علامہ خیر الدین رملی متوفی ۱۰۸۱ھ فتاویٰ خیریہ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ
۳۲۷- علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ الدر المختار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۲۸- علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ غمز عیون البصائر مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۴۰۷ھ
۳۲۹- ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ
۳۳۰- علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ حاشیۃ الطحطاوی مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۳۱- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ منحۃ الخالق مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ
۳۳۲- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ
۳۳۳- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رسائل ابن عابدین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ
۳۳۴- علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ ۱۴۱۹ھ
۳۳۵- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ جد الممتار مطبوعہ ادارہ تحقیقات احمد رضا کراچی
۳۳۶- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی
۳۳۷- امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ فتاویٰ افریقیہ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
۳۳۸- علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ بہار شریعت مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی
۳۳۹- شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ اعلاء السنن مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ
۳۴۰- علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ فتاویٰ نوریہ مطبوعہ کمبائن پرنٹرز لاہور ۱۹۸۳ء

کتب فقہ شافعی

۳۴۱- امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ الام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
۳۴۲- علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ الحاوی الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۴۳- علامہ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ المہذب مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۳ھ
۳۴۴- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح المہذب مطبوعہ دار الفکر بیروت دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ
۳۴۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ روضۃ الطالبین مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
۳۴۶- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ الحاوی للفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
۳۴۷- علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ
۳۴۸- علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبر املسی متوفی ۱۰۸۷ھ حاشیۃ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۳۴۹- امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی' متوفی ۲۵۶ھ' المدونۃ الکبریٰ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۵۰- قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی' متوفی ۵۹۵ھ' بدایۃ المجتہد' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۵۱- علامہ خلیل بن اسحاق مالکی' متوفی ۷۶۷ھ' مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۵۲- علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی' المتوفی ۹۵۴ھ' مواہب الجلیل' مطبوعہ مکتبہ النجاح' لیبیا
۳۵۳- علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ' الخرشی علی مختصر خلیل' مطبوعہ دار صادر بیروت
۳۵۴- علامہ ابوالبرکات احمد دردیر مالکی' متوفی ۱۱۹۷ھ' الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۳۵۵- علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی' متوفی ۱۲۱۹ھ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۵۶- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' المغنی' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ
۳۵۷- علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ' متوفی ۶۲۰ھ' الکافی' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ
۳۵۸- شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' مجموعۃ الفتاویٰ' مطبوعہ ریاض' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۸ھ
۳۵۹- علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی' متوفی ۷۶۳ھ' کتاب الفروع' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۳۶۰- علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی' متوفی ۸۸۵ھ' الانصاف' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۳۶۱- علامہ موسیٰ بن احمد صالحی متوفی ۹۶۰ھ' کشاف القناع' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۸ھ

کتب شیعہ

۳۶۲- نہج البلاغہ (خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ) مطبوعہ ایران و مطبوعہ کراچی
۳۶۳- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الاصول من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۶۴- شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی' متوفی ۳۲۹ھ' الفروع من الکافی' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران
۳۶۵- شیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی من القرن السادس' الاحتجاج' مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت' ۱۴۰۳ھ
۳۶۶- شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی' المتوفی ۶۷۹ھ' شرح نہج البلاغہ' مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران
۳۶۷- شیخ فاضل مقداد متوفی ۸۲۶ھ' کنز العرفان' مطبوعہ مکتب نوید اسلام- قم ۱۴۲۲ھ
۳۶۸- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حق الیقین' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران' ۱۳۴۷ھ
۳۶۹- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' حیات القلوب' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران
۳۷۰- ملا باقر بن محمد تقی مجلسی' متوفی ۱۱۱۰ھ' جلاء العیون' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۳۷۱- امام ابوالقاسم رحمۃ اللہ طبری شافعی لالکائی متوفی ۴۱۸ھ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۳ھ

۳۷۲- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' المنقذ من الضلال' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۵ھ

۳۷۳- علامہ ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد الانباری' المتوفی ۵۷۷ھ' الداعی الی الاسلام' مطبوعہ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت' ۱۴۰۹ھ

۳۷۴- شیخ احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ' متوفی ۷۲۸ھ' العقیدۃ الواسطیہ' مطبوعہ دارالسلام ریاض' ۱۴۱۴ھ

۳۷۵- علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح عقائد نسفی' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۳۷۶- علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' شرح المقاصد' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۷۷- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی' متوفی ۸۱۶ھ' شرح المواقف' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۳۷۸- علامہ کمال الدین بن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' مسایرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۷۹- علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی' المتوفی ۹۰۶ھ' مسامرہ' مطبوعہ مطبعہ السعادۃ مصر

۳۸۰- علامہ علی بن سلطان محمد القاری' المتوفی ۱۰۱۴ھ' شرح فقہ اکبر' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۷۵ھ

۳۸۱- علامہ محمد بن احمد السفارینی' المتوفی ۱۱۸۸ھ' لوامع الانوار البھیہ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۱ھ

۳۸۲- علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی' متوفی ۱۳۶۷ھ' کتاب العقائد' مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۳۸۳- امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی' متوفی ۶۰۶ھ' المحصول' مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۷ھ

۳۸۴- علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری' المتوفی ۷۳۰ھ' کشف الاسرار' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۱۱ھ

۳۸۵- علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی' متوفی ۷۹۱ھ' توضیح وتلویح' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۳۸۶- علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن ہمام' متوفی ۸۶۱ھ' التحریک مع التیسیر' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض

۳۸۷- علامہ محب اللہ بہاری' متوفی ۱۱۱۹ھ' مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۳۸۸- علامہ احمد جونپوری' متوفی ۱۱۳۰ھ' نورالانوار' مطبوعہ ایچ-ایم-سعید اینڈ کمپنی کراچی

۳۸۹- علامہ عبدالحق خیر آبادی' متوفی ۱۳۱۸ھ' شرح مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۳۹۰- شیخ ابوطالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ' قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۷ھ

۳۹۱- شیخ ابومحمد علی بن احمد ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ' المحلی بالآثار' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ

۳۹۲- امام محمد بن محمد غزالی' متوفی ۵۰۵ھ' احیاء علوم الدین' مطبوعہ دارالخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ

۳۹۳- امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی، متوفی ۵۹۷ھ، ذمّ الھویٰ، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۲۳ھ
۳۹۴- علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی ۶۶۸ھ، التذکرہ، مطبوعہ دارالبخاریہ مدینہ منورہ، ۱۴۱۷ھ
۳۹۵- شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ، قاعدہ جلیلہ، مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر، ۱۳۷۳ھ
۳۹۶- علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، الکبائر، مطبوعہ دارالغد العربی قاہرہ، مصر
۳۹۷- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، جلاء الافہام، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ
۳۹۸- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، اغاثۃ اللھفان مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۹۹- شیخ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ، زاد المعاد، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ
۴۰۰- علامہ عبداللہ بن اسد یافعی، متوفی ۷۶۸ھ، روض الریاحین، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۴ھ
۴۰۱- علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۴۰۲- حافظ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، شرح الصدور، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۴۰۳- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المیزان الکبریٰ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۴۰۴- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الیواقیت والجواہر، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ
۴۰۵- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الکبریت الاحمر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۴۰۶- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، لواقح الانوار القدسیہ، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۸ھ
۴۰۷- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۸ھ
۴۰۸- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ
۴۰۹- علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، المنن الکبریٰ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۴۱۰- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ
۴۱۱- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۴۱۲- علامہ احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
۴۱۳- علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی، متوفی ۹۷۴ھ، الزواجر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۴۱۴- امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ، مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۳۷۰ھ
۴۱۵- علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ، اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۱ھ
۴۱۶- شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۴۱۷- علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ، کشف الظنون، مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ تہران، ۱۳۷۸ھ
۴۱۸- امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور
۴۱۹- شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ، ہدیۃ المہدی، مطبوعہ میور پریس دہلی، ۱۳۲۵ھ
۴۲۰- علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ، جواہر البحار، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ

۴۲۱- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ' بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور
۴۲۲- شیخ اشرف علی تھانوی' متوفی ۱۳۶۲ھ' حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی
۴۲۳- علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی' نداء یارسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ
۴۲۴- سید پیر مہر علی شاہ نوراللہ مرقدہ' متوفی ۱۳۶۷ھ' تصفیہ مابین سُنی والشیعہ' مطبوعہ لاہور

